لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

اُسوۃ الرسول ص

جلد اوّل

از

سوانح حیاتِ مقدسہ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین رسولِ اکرم محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حالاتِ عرب قدیم از عہد حضرت ہود تا عصر حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب (از [illegible] ق م تا ۵۷۰ء)

([illegible] سوانح حضرات چہاردہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین)

مؤلفہ

خان بہادر سید اولاد حیدر بلگرامی

قوتِ برقیہ کی صنعت سے

شمسی مشین پریس آگرہ میں محمد بشیر اللہ خاں کے اہتمام سے چھپی

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

اسوۃ الرسول ص

جلد اول

از

سوانح حیاتِ مقدسہ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین رسولِ اکرم محمد بن عبد اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

از آغاز حالاتِ عرب قدیم از عہد حضرت ہود تا عہد حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب [illegible]

(ضمیمہ سوانح حضرات چہاردہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین)

مؤلفہ

خان بہادر سید اولاد حیدر بلگرامی

قوت برقیہ کی صنعت سے

فہرست مضامین اسوۃ الرسول حصہ اول

تمت بالخیر والعافیۃ

المولف

(خان بہادر) سید اولاد حیدر فوق بلگرامی

عفاہ اللہ الحامی

اللہ اکبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی محمد سید المرسلین وخاتم النبیین وآلہ الطیبین الطاہرین الی یوم الدین

میرے سلسلۂ سوانحات **حضرات چہاردہ معصومین** سلام اللہ علیہم اجمعین کی یہ آخر کتاب ہے اور ایسی آخر ہے جو ظاہر میں آخر اور حقیقت میں اوّل ہے۔ اوّل اسلئے کہ یہ **سیرۃ الرسول** (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔ جو سابق اجزائے سیزدہ گانہ کی اصل الاصول۔ آخر اس لئے کہ سب سے آخر میں لکھی گئی۔ اور نیز اس رعایت خاص سے کہ **ختم الرسل** اور **نبی آخر الزمان** کے حالات ہیں صلواۃ علیہ وآلہ جنکی ذات قدسی صفات منازل رسالت کی تکمیل اور مناصب نبوت کی متمم ثابت ہو چکی ہے۔

وجہ تاخیر | ایسے متمم رسالت کے حالات وواقعات کی تحقیق تفصیل اور تشریح کے لئے مولف کو کلّی جمعیت اور انتہائی ہمت سے کام لینا ہے میری سابق تالیفات اسی کل کی جزئیات تھیں اور اسی اصل کی فروعات جنہیں سوائے اندرونی پیچیدگیوں کے بیرونی مشکلات کی تنقید و تفصیل اور جرح و تعدیل کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے انکی تدوین و ترتیب کے منازل ومراحل بالتدریج و ترتیب پہلے طے کر لئے گئے۔ اور آن سے کلّی فراغت اور خاطر خواہ جمعیت حاصل کر کے **اسوۃ الرسول** کی مبارک تدوین سے سعادت اندوز ہونے کی کوشش کی گئی۔

ترتیب تالیف میں تقدیم و تاخیر کا الزام تنہا مجھ پر عاید نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مجھ سے اکثر اصحاب سیر و تاریخ اور ارباب تحقیق نے بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے جیسے اس کتاب میں میرے مخاطب اعلیٰ شمس العلما مولوی **شبلی صاحب نعمانی** سیرۃ النبیؐ کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں۔

میں اس بات سے ناواقف نہ تھا کہ میرا فرض اولین یہی تھا کہ تمام تصنیفات سے پہلے سیرۃ نبوی کی خدمت انجام دیتا۔ مگر یہ ایک ایسا اہم اور نازک فرض تھا کہ میں مدت تک اسکے ادا کرنے کی جرأت نہ کرسکا۔ تاہم میں دیکھ رہا تھا کہ اس فرض کے ادا کرنے کی ضرورتیں بڑھتی جاتی ہیں"۔ دیباچہ ص ۴

یہ عبارت لکھکر گویا شبلی صاحب نے میرے مونہہ کی بات چھین لی۔ بلفظہ او بجنسہ میری تاخیر اور عدم تحریر سیرۃ نبوی کے لئے بھی یہی مجبوریاں سمجھی جائیں۔ ممکن تھا کہ ابھی تاخیر ہوتی۔ مگر ایک تو اس وجہ سے کہ تمام سیرتیں علی الترتیب تمام ہو چکی تھیں اور ایک ہی باقی تھی۔ دوسری یہ کہ شبلی صاحب کی سیرۃ النبی کی اشاعت۔ اسکی مبہم مجمل۔ غیر مفصل اور تکمیل صورت نے۔ میری کتاب کی تالیف میں ایسی عجلت پیدا کردی کہ پھر میں اپنے اس قصد وارادے کو ذرا بھی نہ روک سکا۔

مجھکو خوب یاد ہے کہ میں ان دنوں اپنی کتاب الزہرا سلام اللہ علیہا تمام کرکے اسکا دیباچہ لکھ رہا تھا۔ جس کو میں نے فوراً متروک وموقوف کردیا۔ اور بالآخر میری وہ کتاب بغیر کسی دیباچہ اور مقدمہ ہی کے چھپی۔ یہ میں نے گوارا کرلیا مگر جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرۃ کی تالیف وترتیب سے پھر ایک دم کے لئے بھی غافل نہ ہوا۔

عجلت کی ضرورت | اس عجلت کی کیا ضرورت ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بالکل اچھوتی طرز کی سیرت نے شائع ہوکر عموماً قوم وملت میں اور خصوصاً فرقۂ شیعہ کی جمعیت میں وہی کیفیت پیدا کردی جو سرولیم میور صاحب کی لائف آف محمد کی اشاعت نے آج سے پچاس برس پہلے پیدا کردی تھی۔ جسکو سر سید احمد خان نے مفصلۂ ذیل عبارت میں قلمبند فرمایا ہے۔

جب یہ کتاب چھپی اور ہندوستان میں پہونچی تو لوگوں نے نہایت ذوق وشوق سے پڑھا۔ مگر جب انکو یہ بات دریافت ہوئی کہ اسلام کی اور آنحضرتؐ کے حالات کی نہایت سیدھی۔ سادی اور صاف باتوں کو بھی توڑ مروڑ کر بر عکس پیرایہ دیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہی سے ایسا طرح پر اس کتاب کا لکھنا مقصود اور مرکوز خاطر تھا۔ تو انکا وہ شوق وذوق بالکل ٹھنڈا پڑگیا مگر جو نوجوان طالب علم۔ علم انگریزی کی تحصیل کرتے تھے اور اپنے دینیات والہیات سے محض ناواقف تھے۔ انہیں اس بات کا چرچا پیدا ہوا کہ اگرچہ سرولیم میور صاحب نے سیدھی۔ سادی اور صاف باتوں کو بھی بڑے بیلاپہیچا کر لکھا ہے۔ تو فی الواقع انکی اصلیت کیا ہے خطبات احمدیہ۔ دیباچہ ص ۱۰ مطبوعہ ہند

شبلی صاحب کی سیرۃ النبیؐ کی بھی بجنسہ یہی کیفیت ہوئی۔ یہ کتاب والیان ملک کی فیاضانہ امداد سے بڑی آب وتاب کے ساتھ شائع ہوئی۔ لوگوں نے بڑے اشتیاق سے خریدا۔ مگر جب کتاب پڑھی تو معلوم ہوا ؎

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

پھر تو قوم وملت کے ہر ہر فرقے اور ملک ووطن کے ہر ہر گوشے سے یہ صدا بلند ہونے لگی کہ شبلی صاحب نے (۱) بحیرا راہب کی بشارت آنحضرتؐ کو جھٹلایا۔ (۲) آنحضرتؐ کا اہل مکہ کی بکریاں اجرت ومزدوری پر چرانا قبول کرلیا۔ (۳) آنحضرت صلعم کا قبل بعثت ہی سے عرب کی قدیم داستان گویوں کی فضول صحبت میں

رات بھر بیٹھنا۔ (۴) ایکبار انہیں صحبتوں مین جاتے ہوئے راہ مین ایک شادی کے جلسے کا تماشا دیکھنے کھڑے ہوجانا اور پھر وہین سو کر شام سے صبح کر دینا۔ (۵) حضرت علی مرتضی کا شراب پینا تسلیم کرلیا ہے۔ اور ان کے ایسی کثیر التعداد مثالین جن سے سیرۃ النبی کی متعدد جلدین سیاہ کی گئی ہین) ایسی ہی ہین تو فی الواقع انکی اصلیت کیا ہے؟

میری موجودہ کتاب **اسوۃ الرسول** انہین مستفسرات کا جواب ہے اور شبلی صاحب کی غلط بیانیون کی حقیقت کا دفتر انکشاف۔ مگر مین اپنی موجودہ تالیف کی اسوقت تک کوئی تفصیل کرنا پسند نہین کرتا جب تک کہ شبلی صاحب کے دیباچہ پر کامل تبصرہ نہ کرون اور اسکی حقیقت اور اصلیت کا بھی اسیطرح صاف صاف اظہار و انکشاف نہ کرون جسطرح آپکی اصل کتاب کے تمام غلط، مشکوک اور مبہم واقعات و حالات کے متعلق تحقیق و تنقید سے کام لیا گیا ہے۔

دیباچہ سیرۃ النبی پر تبصرہ (۱) سیرۃ النبی کے مجلدات دیکھکر مفصلہ ذیل راے قائم کی گئی ہے۔

(۱) حقوق بنی ہاشم کے استخفاف و استیصال کے علاوہ جو عزت سے آپ کا شعار تالیف قرار پایا ہے جسکے لئے اخلاقاً آپ سے کوئی شکایت نہین ہوسکتی۔ اس لئے کہ بنی امیہ کی جانبداری کے لئے آپ فطرتاً مجبور ہین۔ بہت سے واقعات قدیمہ اور شہادات عظیمہ جو تاریخ عرب، آثار اسلام اور اخبار جناب سید الانام علیہ و آلہ السلام سے پورا تعلق رکھتے تھے۔ قطعاً فروع القلم اور کالعدم فرما دئے گئے۔

استخفاف و استیصال حقوق بنی ہاشم

(۲) ان مین سے بعض لکھے بھی گئے تو انکی تفصیل و بیان مین بیضرورت اور بے موقع اسقدر کوتہ قلمی اختیار کی گئی کہ اون مختصرات کو اشارات و استعارات شاعرانہ کہین تو بیجا۔ اور عموماً پہیلی اور چیستان سمجھین تو نازیبا نہ ہوگا۔

بیضرورت کوتہ قلمی

(۳) بہت سے واقعات کی تحقیق مین اپنی مقلدانہ مخترعات و مصنوعات کا بیضرورت اضافہ کیا گیا ہے۔ جو حقیقت اور واقعیت سے بمراحل دور ہے۔

بیضرورت تنقید

(۴) اکثر ایسے واقعات سے جو تاریخ و مرویات عرب مین متواترات کے درجہ پر پہونچے ہوئے تھے۔ اور شہادات کہے جاسکتے تھے۔ صرف اس وہم و اقیاس کی بناء پر کہ آپ کے نو ایجاد فلسفہ تاریخی کے حدود مین ظاہری طور پر نہین آسکتے تھے۔ انکار کر دیا گیا۔ اور قدمائے عرب کے اُن اخبار و اقوال متفقہ اور آثار مسلمہ پر تکذیب و تغلیط کا حاشیہ چڑھا دیا گیا

تاریخ قدیمہ عرب کے متواترات سے انکار

(۵) جس طراق اور تکلفات مالایطاق سے تنقید و تحقیق واقعات کے کثیر التعداد معیار ایجاد کئے گئے اون مین سے کسی کی بھی پابندی نہین فرمائی گئی۔

مقررہ معیار سے انکار

(۶) اسناد کی تفصیل اور تعیین مین سیرت پر تاریخ پر حدیث کو ترجیح دیگئی ہے اور پھر حدیثون مین صحاح ستہ کی حدیثون کو اور صحاح ستہ کی حدیثون مین صحیحین بخاری و مسلم کی حدیثون کو ترجیح بالمرجح عنایت کی گئی ہے۔ مگر افسوس کہ آغاز کتاب ہی مین امام بخاری پر حدیث کے غلط سمجھنے لگانے کا الزام ثابت کر دیا گیا ہے (دیکھو لفظ قرار بیٹا۔ سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۲۹) اور آسکے

ترجیح حدیث علی التاریخ

شارح حافظ ابن حجر پر رواۃ پرستی کا جرم لگایا گیا (راہب بحیرہ کے حالات۔ ص ۱۳۱) ان بناپہان محدثین اور انکی حدیثون کی کیا وقعت باقی رہتی ہے اور کیا اعتبار۔ اسلئے آپ کا قائم کردہ معیار بالکل طومار بیکار ثابت ہوا اور کچھ بھی نہین۔ اس مسئلہ پر مفصل بحث اپنے مقام پر آئے گی۔

(۷) اسناد حدیث کی تصدیق و توثیق کے علاوہ معمولی واقعات تاریخی کی تحقیق و اثبات کی نسبت بھی۔ اگرچہ وہ متواترات ہی کیون نہ ہون۔ اسقدر شدت احتیاط کی تاکید فرمائی گئی ہے کہ غیر مقید اور غیر مستند کوئی واقعہ نہ قلمبند کیا جائے مگر اپنی ہی کتاب مین۔ اپنے ہی دست و قلم سے اپنے دلائل کے اسناد و اثبات مین صرف اس لکھ دینے پر اکتفا فرمادی گئی کہ۔ اکابر صوفیہ نے لکھا ہے" (ذکر ذبیح اسمعیل ص ۱۰۶)

حدیث صحیحہ کی شرط مقرر کردہ سے انحراف

افسوس ہے کہ بزرگ صوفیہ اور اُن کی کتاب کے صرف نام لکھ دینے کی بھی تکلیف گوارا نفرمائی گئی۔ اگرچہ اُن کے قول کی تحقیق رجال نہین ہوسکتی تھی تو روایت احاد کے اصول تنقید کے مطابق صرف ان بزرگ صوفیہ کی اہلیت اور ثقاہت پر اعتبار کیا جاتا۔

(۸) اسلاف کی غیر محققانہ اور محض کورانہ تقلید کے غلط اصول سے بظاہر تو قطعی انکار کیا گیا ہے مگر اپنے مفید مطلب مضامین کی تصدیق و تحقیق مین آنکھین بند کرکے قول سلف کی تقلید کی قدیم لکیر پیٹی گئی ہے۔ اور پھر اس سختی اور مضبوطی سے کہ اگرچہ اسکے خلاف مین کیسی ہی معتبر اور مستند اقوال و اسناد۔ آپ کے پیش نظر نہ ہون مگر آپ ایک کو بھی نہین مانتے۔ منافرۂ بنی امیہ بابنی عبد المطلب اور منافرہ بنی ثقیف بابنی عبد المطلب کے متواتر اسقاط واقعات۔ باب الاجارہ بخاری کے خلاف طبقات ابن سعد کے قوی الاسناد مرویات قطعی انکار وغیرہ کثیر التعداد واقعات جو اس کتاب مین اپنے اپنے مقام پر پوری تحقیق سے لکھے گئے ہین موجود ہین

استنباط کتب معتبرہ کی شرط مقرر کردہ سے انحراف

(۹) جن کتب حدیث۔ تاریخ و سیر کو دیباچہ کتب مین ساقط الاعتبار ٹھرایا گیا ہے۔ اصل کتاب مین انھین کے اسناد و حوالون سے کثیر التعداد مقامات پر کام لیا گیا ہے۔ مواہب لدنیہ قسطلانی کے متعلق تحریر ہے۔

مشہور کتاب ہے۔ اسکے مصنف قسطلانی ہین جو بخاری کے مشہور شارح ہین۔ حافظ ابن حجر کے شاگرد تھے۔ یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے اور متاخرین کا یہی ماخذ ہے۔ لیکن ہزارون موضوع اور غلط روایتین بھی موجود ہین۔ سیرۃ النبی۔ دیباچہ۔ ص ۲۷

کتاب متردہ اور نااعتبار کردہ سے استنباط

لیکن تمام کتاب آپکی مواہب لدنیہ کے حوالون سے بھری پڑی ہے۔ مثال کیلئے ملاحظہ ہون صفحات ۷۸ و ۱۸۲ و ۱۸۴ وغیرہ وغیرہ۔ طرفہ تو یہ ہے کہ غرانیق العلیٰ والی موضوع روایت کی تنقید مین۔ ابن حجر شارح بخاری کی تردید کتب مین مواہب لدنیہ ہی کی عبارت پیش کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۷۹

(الف)۔ اس طرح کتب احادیث کے متعلق۔ ہر واقعہ کی صداقت کم سے کم صحاح ستہ تک کے اندراج تک محدود کر دیگئی۔ مگر یہی

کتاب مین اپنے حصول مطلب کے لئے یہ تمام قیود وحدود توڑ کر تمام چھوٹی بڑی - عام وخاص اور معتبر وغیر معتبر کتب احادیث سے استخاذ
واستخراج فرمایا گیا - کما لا یخفی علی ناظر کتابہٖ

(ب) یہی کتب تاریخ کی بھی کیفیت ہے - لکھنے کو تو تاریخ قدیمہ عرب کی ایک جدول مفصل اور فہرست مکمل دیباچہ کتاب مین
لکھی گئی ہے - اور انھین سے - ابن ہشام - ابن اسحاق - طبری - اور ابن سعد کے منقولات ومرویات پر اعتبار کیا گیا ہے - مگر اپنی کتاب
مین بمفید مطلب واقعات تاریخی کے نقل کے وقت - ابو الفدا - ابن اثیر - ابن شحنہ - مسعودی - ابن الوردی - غرض کوئی متاخرین نہین چھوڑا
گیا - اور سب کے اقوال وارشاد - بلا تحقیق وتنقید - داخل اسناد کر لئے گئے - پھر سابق معیار کے تعین اور دعاوی دونون بیکار ہوئے -

(ت) سیرت کی بھی یہی صورت ہے - دیباچہ مین عرب کے تمام قدیم سیرت نگارون کی بڑی لمبی چوڑی فہرست داخل ہے
(ملاحظہ ہو از صفحہ ۲۰ - تا - ۲۶) انھین سے - سیرت ابن اسحق - روض الانف - سیرت ابن سید الناس - سیرت ابن عبد البر وغیرہم
کی ایسی معدودے چند سیرتون کو قابل الاسناد بتلایا گیا ہے - مگر اصل کتاب مین حصول مطلب کے لئے - وہی معمولی بھرتی ہے
اور جلد دوم تک تو پہونچتے پہونچتے - ملفوظات حضرت اشرف جہانگیر تک کے حوالون کی نوبت پہونچائی گئی ہے - فاعتبروا
یا اولی الابصار - جب ان معیار پر کام کرنا ہی نہین تھا تو پھر ان کا یہ طومار اور انبار کیون تیار کیا گیا -

(۱۰) دیباچہ کتاب کے پڑھنے سے - بظاہر - تو آمد طبع - شوکت الفاظ - منقدانہ طرز تحریر محققانہ اور مفتدیانہ

زبانی لفاظی

روش وانداز سب کچھ معلوم ہوتا ہے - اور ایسا کہ محدود تحصیل وتحقیق کے افراد قوم وملت آپکی ظاہری عبارت
آرائیون اور نمائشی قلمکاریون سے مرعوب ہوجائین - مگر حقیقت کی دوربین نگاہین جب اصلیت پر غور کرتی ہین تو سوائے
بڑے بڑے عربی کے الفاظ - بڑی بڑی عربی کی قدیم کتابون کے نام اور انکے بڑے بڑے مصنفین ومولفین کے نامون
کے سوا کچھ بھی نہین - انکے علاوہ اگر کچھ ہے بھی - تو اپنی تحقیق جدید کی انانیت اور ایک فرقہ خاص اور قوم خاص
سے حد درجہ کی نفسانیت -

(۱۱) صحاح کی اُن خاص مرویات مین عموماً اور صحیحین بخاری ومسلم کی اُن احادیث کی تفصیل وبیان مین خصوصاً -

مفید مطلب مقامات
پر صحاح وصحیحین کی
جانبداری مین غلو

جو مولف کے مدعائے خاص کی موید تھین - اس لغویانہ اور مغویانہ انداز سے غلو کیا گیا ہے اور
اس درجہ افراط وتفریط اختیار کی گئی ہے - جس سے اسلاف کی کورانہ تقلید عقاید کی تدہم غلطیون
کی تائید - اپنے فرقہ خاص کی جنبہ داری ہر ممکن وناممکن طریقہ سے اپنے مدعا ومطلب کی تصدیق - اپنے
اصول خاص کی توثیق - جو جواز قیاس کی بناپر - اگرچہ - منافی احکام الٰہیہ اور مخالف احادیث نبویہ ثابت ہوتے ہین -
صاف صاف نمایان اور آشکارا ہین - حالانکہ دیباچہ کی عبارت مین تمام تر حقیقت نویسی - واقعہ نگاری کے پکے وعدے
اور سچے وعدے فرمائے گئے ہین اور ہر واقعہ کی غایت تحقیق اور کامل تنقید کئے جانے کے لئے شرح وبیان کے دریا
بہادئے گئے ہین مگر سه شکل آئینہ اور ہر سب اور ہر کچھ بھی نہین -

(۱۲) اس عمل موضوع تالیف کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلاف کی غلط تائید تقلید میں اصل رسالت کی شان خاص نبوت

شان رسالت کی پامالی

کے حقیقی اقتدار پامال ہو گئے مخصوصات نبوت اور منصوصات رسالت عام کر دیے گئے تخصیص کی جگہ تعمیم قائم کر دی گئی۔ شرف صحابیت میں جو حقیقتاً رسالت کے فیضان صحبت کا ایک ادنیٰ اثر ثابت ہوتا ہے۔ اتنی اہمیت پیدا کر دی گئی کہ صحابیت رسالت کی مماثل اور ایک صحابی پیغمبرؐ کا مقابل قرار دیدیا گیا۔

(۱۳) احکام شوریٰ اور خلافت راشدہ کی وہ عظمت بڑھائی گئی کہ رسالت اور آپکے علوم لدنیہ

رسالت و علوم لدنیہ احکام شوریٰ و خلافت کے تبع بنا دیے گئے

اُنکے تبع بنا دیے گئے اور وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی کی نص صریح کے مقابلہ میں انتم اعلم بامور دنیاکم کی حدیث موضوع سے استدلال کیا گیا۔ گویا رسالت دو حصوں میں تقسیم کر دی گئی۔ امور عقبی پیغمبرؐ سے متعلق رہے اور امور دنیا صحابہ سے اور اس بنا پر رسالت نظام قومی اور سیاسی کے لئے ناقابل اور بیکار قرار دیدی گئی۔ اور کمال رسالت ناقص کر دیا گیا۔ تو پھر سیرۃ النبیؐ میں رہ گیا۔

(۱۴) انھیں اصول موضوعہ کے ثبوت میں۔ بلا تنقید و تحقیق تمام کتاب کی کتاب۔ ایسے کثیر التعداد واقعات سے بھر دی

اقوال و آراے صحابہ سے احکام رسالت کی تصحیح اور نصوص الٰہیہ سے قول صحابہ کی تصویب

گئی۔ جو عملی اور نظری دونوں طریقوں کے دلائل سے آراستہ کر کے قلمبند کئے گئے ہیں جن کی تفصیل میں یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ تجویز و تدبیر رسالت صحابہ کی راے اور حکم شورے سے منسوخ ہو جاتی ہے۔ اور سب پر طرہ یہ کہ نصوص الٰہیہ سے بھی شورے کے فیصلہ کی تصویب اور نعوذ باللہ احکام نبویہ کی تغلیط ثابت کی جاتی ہے

(۱۵) جیسے جیسے تحقیق بڑھائی جاتی ہے ویسے ویسے اس اصول موضوعہ کی اہمیت بڑھتی ہی چلی جاتی ہے یہانتک کہ یہ آسمان نیزہ پر اختی۔ کا نظارہ پیش ہو جاتا ہے ایک حدیث منفرد نحن معاشر الانبیاء لا نورث سے

قول صحابی منفرد سے نصوص الٰہی کی تنسیخ

دو نصوص الٰہیہ وللذکر مثل حظ الانثیین اور ورث سلیمن داؤد منسوخ کر دیے گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۱۶) ان تمام موضوعات و مصنوعات کا نتیجہ کیا نکلا؟ رسالت و نبوت۔ خلافت راشدہ کا ایک مقدمہ ثابت ہو کر

رسالت خلافت کا ایک مقدمہ تھی

رہگئی اور اس سے زیادہ نہیں۔ اور اسکی مقدار حیثیت۔ من حیث الوقوع ایک قومی حکومت تحت نظام الشوریٰ دکھلائی گئی جسمیں مراتب رسالت اور مدارج نبوت کی تخصیص و تخصیص قائم رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں پائی گئی۔

(۱۷) حقیقت رسالت نہ خود سمجھی گئی اور نہ کہیں کتاب میں تفصیل سے سمجھائی گئی۔ آتی جی نہیں حتیٰ الکلام

رسالت کی حقیقت کہین نہین بتلائی گئی

جلد دوم مطبوعہ حیدرآباد ص ۲۷۹ مین۔ امام فخرالدین رازی امام غزالی اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلی۔ حکمائے اسلام (بقول شبلی صاحب) کی صرف عقلی دلیلون سے بتلائی اور سمجھائی گئی تھی۔ یہ کیون؟ صرف اسلئے کہ بیان اسکے بیان کی ضرورت آپ کے مدعائے تالیفی کے خلاف واقع ہوئی تھی۔ اگر رسالت ونبوت کے اعلائے مقاصد مطالب کی تفصیل وتوضیح۔ الکلام کی طرح۔ سیرۃ النبیؐ کے مضامین مین بھی داخل کردیجاتی تو شوریٰ اور خلافت۔ صحابہ اور صحابیت کی اہمیت مین تنقیص لازم آتی۔ اور رسالت ونبوت کے مقابلہ مین شور سے اور خلافت کی نظام سیاسی وقومی کی اصابت وقوت مین ضعف واضمحلال پیدا ہوجاتا۔

(۱۸) رسالت کی حقیقت پر روحانی انکشافات کے طریقہ استدلال سے ساری کتاب مین کسی ایک موقع پر بھی روشنی نہین ڈالی گئی۔ اور آیت واتبعوا النور الذی انزل معہٗ کے (جو سیرۃ النبیؐ کے دیباچہ ص ۴۲ مین لکھکر معرفت صحابیت کی شرط قرار دی گئی ہے) مطالب ومقاصد سے۔ کہین بھی بحث نہین کی گئی۔ حالانکہ الکلام مین مسبوق الذکر علماء وحکمائے اسلام کے مختلف ارا واقوال سے ثابت کردیا گیا ہے کہ رسالت سراپا روحانیت ہے۔ ملاحظہ ہو الکلام (۱) جلد دوم از صفحہ ۲۴۴-تا-۲۵۹ و (۲) ۲۵۹-تا-۲۷۸-

رسالت کے انوار حقیقت سے کہین نہین بحث کی گئی

(۱۹) سیرۃ النبیؐ کے دفاتر ثلاثہ۔ ورق ورق کرکے لوٹ جایئے۔ تاجدار رسالت کی نظری شکل۔ ایک شاندار دنیاوی اور قومی حاکم سے زیادہ ثابت نہین ہوتی۔ جس کے زیادہ از ہزار سالہ گذرے ہوئے احکام وقوانین انتہا درجہ کی کوشش وسعی کے بعد۔ توڑ مروڑ اور اینچ تان کر موجودہ زمانہ کے جدید اور غیر محفوظ نظام حکومت کے مطابق عموماً۔ اور دول یورپ کے آئین سیاست کے موافق خصوصاً ثابت کئے گئے ہین۔

رسالت بمقدار سلطنت

(۲۰) کتاب کی تینون جلدین (مطبوعہ موجودہ) پڑھ ڈالئے اور رسالت کے عمل ونظم پر غور کیجئے تو وہ تمامتر اور علی الاکثر خلفائے راشدین اور صحابہ اکابرین کی اصابت رائے اور حسن مشورت کے نتیجے ثابت ہوتے ہین۔ پھر سیرۃ النبیؐ کے تسمیہ کی ضرورت؟"

رسالت محتاج مشورت

(۲۱) تفصیل واقعات مین علی الاکثر جمہور محققین۔ علم الحدیث۔ علم التفسیر۔ علم السیرت اور علم التاریخ کی مرویات کی بالکل خلاف۔ صرف اپنے قیاسی مختار اور تاویل دور از کار کا انبار لگاکر اپنی قوت اجتہادی کا اشتہار دیاگیا ہے۔ حالانکہ یہ قیاسات وتاویلات۔ علماء ومحققین متقدمین ومتاخرین کے اقوال ومختار کے مخالف ہونے کے علاوہ۔ قرآن مجید کے الفاظ ومعانی کے بھی صریح مخالف ومنافی ثابت ہوتی ہین۔ جیساکہ ذبیح حضرت اسمعیل علیہ السلام کے متعلق آپ کی غلط فہمی کی پوری تصحیح کردی گئی ہے۔

ذبیح اسمٰعیل مین غلط تاویل

(۲۲) اکثر مقامات مین ماخذ اصلی سے انھین مرویات کی نقل وتحریر پر اکتفا کی گئی ہے جو آپ کے مدعائے تالیف کے لئے مفید تھین۔ اور اُن سے مولف کی غرض خاص کی تائید ہوتی تھی۔ اور اُن مرویات کو بالکل مرفوع

خود غرضانہ طریقہ استنباط

انتقل فرما دیا گیا۔ جو مفید مطلب نہین تھین حالانکہ اصلیت اور واقعیت انہین مین تھی۔ جیسا کہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی گلہ بانی کی بحث مین۔ ابن سعد کے دونون اقسام کی مرویات سے مولف کا صرف ایک کی نقل کرنا اور دوسری کو غیر مفید مطلب پاکر قلم انداز کرنا پورے طور سے اپنے مقام پر دکھلا دیا گیا ہے۔

(۲۳) سلسلہ ابراہیمی اور خانوادۂ اسمٰعیلی مین۔ بنی قیدار کے وہ مخصوص امتیاز و اقتدار۔ جو انکو اپنے زمانہ مین۔ دیگر بنو اسمعیل۔ بنو قطورہ اور بنو ادوم۔ ساکین حجاز پر حاصل تھا اور جن سے جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آبائے کرام کی عظمت اور قدامت مفصل اور مسلسل طریقہ سے ثابت ہوتی تھی۔ قطعاً متروک فرما دیے گئے۔ اگر انکی نسبت یہ عذر تھا کہ یہ بہت قبل کے حالات تھے۔ اور انکو موجودہ تالیف سے زندہ تعلق نہین تھا۔ تو جواب یہ ہے کہ ایک شخص خاص کی سیرت ہو۔ یا کسی قوم کے حالات و واقعات لکھنے ہون تو ایک سیرت نگار کا فرض اولین ہے کہ اسکے سلسلہ انساب کی شرافت و نجابت و قدامت و عظمت کو مفصل و مسلسل بیان کر دے۔ کہ اینده آنکے عملیات اور خصائل و شمائل کے واقعات و حالات کو آنکے محاسن اصلی کے خاص جوہر تسلیم کرنے مین کسیکو عذر و کلام باقی نہ رہے۔

استقاط واقعات مفاخرت بنی ہاشم

عرب کے تمام قدیم سیر و تاریخ کے دفاتر ملاحظہ کیے جاوین۔ قریب قریب تمام اسلامی سیرتون اور تاریخون کا عنوان بیان تفصیل انساب ہی سے آغاز کیا گیا ہے سب کو جانے دیجیے۔ تاریخ طبری ہی کو اٹھا لیجیے جو آپ کا مستند ترین ماخذ ہے اس کے عنوان بیان کا آغاز بھی سلسلہ انساب ہی کی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اسلامی مورخین و محققین پر موقوف نہین غیر اسلامی مولفین و مصنفین متقدمین کا بھی یہی معیار تالیف او شعار تصنیف ثابت ہوتا ہے۔ مثال کے لیے انجیل متی کا صفحہ اول ملاحظہ ہو۔ حالانکہ انجیل متی۔ حقیقتاً نہ تاریخ کی اصل کتاب ہے اور نہ سیرت کے موضوع خاص پر لکھی گئی ہے۔ مگر بالآخر ایک شخص خاص کے حالات و واقعات کا مجموعہ تو ضرور ہے۔ متی کی انجیل کے علاوہ لوقا کی انجیل مین بھی حضرت عیسی علی نبینا و الہ اسلام کے حالات و واقعات کا جہان سے آغاز کیا گیا ہے۔ پہلے سلسلہ انساب کی تفصیل ہی شروع کی گئی ہے۔ اور اسمین کوئی کلام نہین کہ ان کتابون کی تالیف قرآن مجید کی تنزیل سے کہین قبل کی ہے۔ اس بنا پر اسانی سے ثابت ہوجاتا ہے کہ کسی شخص خاص کے حالات و واقعات کے بیان مین۔ آسکے سلسلہ نسبی کی تفصیل و تشریح کا قلمبند کر دیا جانا تصنیف کا کتنا قدیم دستور ہے۔

بفرض محال اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ حالات قیدار بعلت قدامت اور بخوف طوالت متروک کر دیے گئے تو قیدار کے بعد اس سلسلہ کے اور نامور بزرگوارون کے تفصیل حالات سے کیون قطعی چشم پوشی اختیار فرمائی گئی۔ یا نقل حالات مین کیون صریحاً کوتہ قلمی سے کام لیا گیا؟ ان کے لیے کیا عذر دکھلایا جاوے گا؟

سیرۃ النبی مین ان حضرات کے حالات پڑھنے سے حقیقت کا پورا انکشاف ہوجاتا ہے۔ قصی کے زمانہ

سے اس سلسلہ مقدسہ کی عظمت و وجاہت کا تمام ملک و قوم عرب پر عہد مصطفیٰ قائم ہوتا ہے۔ اور اس بنا پر من حیث السیرت۔ اس سلسلہ مبارک کے نامبردہ اور سربراوردہ بزرگوار تفصیل و بیان سے قابل الذکر تھے اور ان ممتازان خاندان میں حالات قصی سے آغاز تفصیل کرنا ضروری تھا مگر شبلی صاحب نے اپنے اصول تعمیم کی بنا پر ایسے نمودار قوم و قبیلہ کے حالات خاص میں بھی کسی تفصیل و تصریح کو مناسب و مصلحت نہ سمجھا۔

اس نمودار قبیلہ کے حالات و واقعات کی فہرست مختصر۔ ساڑھے چودہ ۱۴½ سطروں میں تیار کی گئی۔ قصی سے تین پشت پہلے تفصیل سلسلہ نسب میں ایک نام ہی چھوڑ دیا۔ شبلی صاحب کی عبارت یہ ہے۔

نضر کے بعد فہر اور فہر کے بعد قصی ابن کلاب۔" سیرۃ النبیؐ جلد اول ص ۱۱۸ حالانکہ سلسلہ نسب کی صحیح ترتیب و تفصیل یہ ہے۔ نضر کے بعد مالک۔ مالک کے بعد فہر۔ اور فہر کے بعد قصی ابن کلاب ملاحظہ ہو طبری۔ ص ۱۱۰۲ ج ا مطبوعہ جرمن۔ طبقات ابن سعد ج ا ص ۳۸ مطبوعہ جرمن۔ ابو الفدا۔ ابن وردی۔

طرفہ تر یہ ہے کہ غلطنامہ میں بھی اس غلطی کی صحت نہیں کی گئی۔ اگر ایسا ہوتا تو کاتب یا مصلح سنگ کی خطا و فروگذاشت سمجھی جاتی۔ جب ایسا نہیں۔ تو اب شبلی صاحب کی عجلت، رفتی اور کوتہ قلمی کے سوا اور کیا یقین کیا جائے گا افسوس اتنا بڑا محقق اور معمولی سلسلہ نسب کی بھی صحیح نقل نہ کر سکا۔

(۲۴) اسی طرح۔ ہاشم۔ مطلب اور عبد المطلب۔ ممتازین بنی ہاشم کے متعلق مشہور و معروف واقعات تاریخی یا تو قطعاً قلم انداز کر دئے گئے۔ یا ایسے اختصار سے بیان کئے گئے کہ چہ پیرے اور چہ پیر سے داشت۔ گم شد۔ بازیافت کے صرف چار جملوں میں۔ ساری یوسف زلیخا تمام کر دی گئی اب انھیں واقعات کو عربی کی اصل کتابوں میں ملاحظہ کیا جاوے تو معلوم ہو جاوے گا کہ ان حالات میں کتنی وضاحت اور صراحت سے کام لیا گیا ہے مثال کے لئے ملاحظہ ہو قصی کے حالات میں واقعات منافرت۔ ہاشم کے زمانہ میں منافرۃ امیہ و عبد الشمس اور عبد المطلب کے ایام میں منافرۃ حرب اور بنی ثقیف کے واقعات قطعاً فروع القلم فرما دئے گئے اور عبد المطلب کے بعد حضرت ابیطالب کے وقت سے تو بنی ہاشم سے ولایت کعبہ اور امارت مکہ بالکلیہ منتزع کر کے حرب ابن عبد الشمس کے سپرد فرما دی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو سیرۃ النبیؐ ص ۱۱۹

استخفاف و حالات ہاشم مطلب اور عبد المطلب

منافرۃ کے واقعات خاصکر یوں قلم انداز کر دئے گئے ہیں صرف اس لئے کہ بزرگان بنی ہاشم کی ذاتی عظمت و وجاہت اور خاندانی شرافت و نجابت سائر قریش اور اقوام و قبائل عرب پر ان واقعات سے ظاہر ہوتی تھی اور یہ آپ کے اصول تعمیم کے بالکل خلاف تھا جو آپ کا اصل مقصود و موضوع تالیف ہے

انھیں وجوہات کے سبب سے حضرت ہاشم کے کارنامجات ملکی و قومی کو کل ۲۰½ (ساڑھے بیس سطروں) میں۔ حضرت عبد المطلب کے جرائد خدمات کو کل ۶ چھ سطروں میں حضرت عبد اللہ ابن عبد المطلب کے حالات ہر بانی کو کل ۷½ ساڑھے سات سطروں میں اور علیا مکرمہ حضرت آمنہ خاتون سلام اللہ علیہا کے حالات کو کل ۵½

ساڑھے پانچ سطرون مین لکھکر تمام کردیا ہے - ملاحظہ ہو - از صفحہ ۱۲۰ - تا ۱۲۲

کیا ایک سیرت نویس اور تاریخ نگار کا طریقہ تحریر ایسا ہی ہونا چاہئے ؟ کیا سیرۃ النبیؐ سے پہلے بھی تاریخ سیرت یا تذکرہ کی کوئی کتاب لکھی گئی ہے ؟ اگر لکھی گئی ہے تو کیا اُس مین بھی اختصار پسندی اور کوتہ قلمی - اسقاط واقعات اور استخفاف حالات کے ایسے ہی غیر متین اور مہمل طریقہ بالیقین اختیار کئے گئے ہین ؟ کیا سیرۃ النبیؐ کے فاضل مولف نے ان حالات کی تدوین و تالیف کے وقت - عربی ماخذون مین یہ واقعات وحالات نہین دیکھے تھے - ؟ کیا تاریخ کبیر امام طبری مین جسکا مطبوعہ جرمن نسخہ مولف کے پیش نظر تھا - ان واقعات وحالات کی پوری تفصیل مندرج نہین ہے ؟ پھر شمس العلماء صاحب نے انکی حقیقت تحقیق کی کافی روشنی کیون نہ ڈالی - اُن مین چند واقعات لکھے بھی - تو اُن کی تفصیل و بیان مین بالتخصیص کوتہ قلمی اور مختصر رقمی کیون اختیار فرمائی ؟

ان تمام سوالات کا جواب ایک ہے اور وہ بالکل صاف وواضح ہے اور وہ یہ ہے کہ حقیقتاً شمس العلماء صاحب اپنے اصول اختیار کردہ کی وجہ سے قطعی مجبور ہین - آپ سلسلہ ابراہیمی مین - بنو نابت یا غیر بنو نابت - بنی عدنان یا غیر بنی عدنان - بنی معد یا غیر بنی معد - بنی قیدار یا غیر بنی قیدار - قریش یا غیر قریش - و بنی ہاشم یا غیر بنی ہاشم و امیہ - یا غیر بنی امیہ - غرضکہ تمام قبائل وعشائر کو - جو بعد از شیوع و وقوع اسلام - صحابیت کے نام خاص کے پیدا کرنے والے - اور کچھ اور آگے چلکر خلافت کے کل پرزے (دیکھو سیرۃ الفاروق) ثابت ہونے والے تھے - سب کو ذاتی عظمت و وجاہت مین برابر اور مساوی ثابت کرنا چاہتے ہین - یہ آپ کی حد درجہ کی دور اندیشی اور کمال حفظ ما تقدم ہے - اسلئے کہ آگے چلکر قریش کے کسی قبیلہ کو دوسرے قبیلہ پر ترجیح کا دعویٰ نہ ہو سکے - اور تمام قبائل وعشائر صرف اصلیت کی ظاہری بنا پر مساوی المراتب سمجھی جاوین - علے الخصوص قوم بنی امیہ کو بنی ہاشم سے وقت مقابلہ جو شکستون پر شکستین پہونچین اور ناکامیون پر ناکامیاں حاصل ہوئی ہین - اُنکا بیان کرنا شبلی صاحب کے نتائج تالیف کے لئے بیحد مضر تھا - اسی اصول کی بنا پر آپ نے بنی ہاشم کی بنی امیہ پر ترجیح حاصل شدہ کے واقعات کو شروع ہی سے اصول تعمیم کی ایجاد کرکے بالکل مخفی کر دیا ہے اور اسکے استخفاف کی کوششون مین انہی پردہ پوشیون کا اظہار فرمایا ہے کہ بالاخر بعد حضرت عبدالمطلب - حضرت ابوطالبؑ کو ولایت کعبہ اور امارت مکہ کے قدیم آبائی اختیارات سے معزول کرکے مسند امارت حرب ابوسفیان کے باپ کو حوالہ کردی ، اور اس سے شبلی صاحب کا نفس مطلب یہ تھا کہ اسیوقت اور اسی زمانہ سے بنی امیہ کو بمقابلہ بنی ہاشم سردار قریش اور امیر مکہ تسلیم کرادین - ہم اس مضمون کو پوری تحقیق و تنقید کے ساتھ اسکے اصلی مقام پر لکھین گے - بہر حال مرقومہ بالا تفصیل تنقید کا ماحصل یہ ہے کہ سیرۃ النبیؐ کے مولف کی یہ سخت قابل اعتراض اور ناقابل معافی فروگذاشت ہے کہ وہ جس عالی مرتبہ بزرگوار کی سیرت نویسی کا دعویٰ کرتے ہین اُسی کی عظمت خاندانی کے چھپانے گھٹانے اور مٹانے مین اپنے کوشان اور سرگرم ثابت ہوتے ہین

(۲۵) اس خانوادۂ مقدس کے حالات و واقعات کی ضروری تفصیل و تشریح سے آپ کی ناتوجہی اور بے التفاتی کی ایک دوسری مثال جلد اول ص ۱۱۹ میں موجود ہے۔ وہ حسب ذیل ہے قصی کے حالات میں تحریر ہے قصی کی چھ اولاد تھی۔ عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزیٰ، عبد بن قصی، تخمر، برہ (یہ دو لڑکیاں تھیں) ہمکو ان میں صرف عبد بن قصی کی تحقیق درکار ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان چھ ناموں میں صرف عبد ہی کا اظہار ہے ان میں کا نہیں ابنیت کی تخصیص صرف ایک اسی نام کے ساتھ مخصوص پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ ہونی چاہئے حقیقت حال یہ ہے کہ اصل میں ابن کا لفظ۔ اصلی نام میں داخل نہیں ہے۔ بلکہ عوام میں ایسا ہی مشہور ہو گیا اور غلط العام کی حیثیت سے کتب سیرۃ و تاریخ میں نقل ہونے لگا۔ شبلی صاحب کو اگر اس سلسلہ کی تحقیق حال سے کوئی دلچسپی یا ہمدردی ہوتی تو وہ تفصیل حقیقت کی تکلیف گوارا فرماتے۔ میرے خیال میں زیادہ تفحص و تجسس کی ضرورت نہیں تھی۔ طبقات ابن سعد۔ تو تالیف سیرۃ النبیؐ کے زمانہ میں ہر وقت پیش نظر تھی۔ اسکی مفصلہ ذیل عبارت نقل کردی گئی ہوتی تو حقیقت حال معلوم ہو جاتی۔

> عبد بن قصی کی غلط ترتیب پر صحت کی روشنی نہیں ڈالی گئی کا

عن ابن عباس قال کان قصی یقول وُلِدَ لی اربعة رجال فسمّیت اثنین بالٰھی وواحدا بدارى وواحدا بنفسى فكان يقال لعبد بن قصى عبد قصى والذين سمّاھما بالٰھه عبد مناف وعبد العزّى وبدارہ عبد الدار

جلد اول ص ۳۹ مطبوعہ جرمن

ابن عباس سے مروی ہے کہ قصی کہا کرتے تھے کہ میرے چار بیٹے ہوئے ان میں دو کے نام تو میں نے اپنے معبودوں کے نام پر رکھے۔ اور ایک کا نام اپنے گھر پر رکھا اور ایک نام اپنی خاص ذات سے منسوب کیا۔ اس بنا پر جسے عبد بن قصی کہتے ہیں وہ عبد قصی ہے اور جنکے نام معبود پر رکھے گئے وہ عبد مناف اور عبد العزیٰ ہیں۔ اور عبد الدار انکے گھر پر نام رکھا گیا ہے۔

ابن سعد کی عبارت سے حقیقت کا پورا انکشاف اور لفظ ابن کی بیموقع اور بیضرورت مداخلت کا اصلی باعث صاف ہو گیا۔ شبلی صاحب اور انکے مؤیدین اسکو تو زوائد اور غیر ضروری امور میں شمار کرینگے۔ مگر ایک محقق اسکو آپ کی تحقیق کی خامی۔ قبیلہ بنی ہاشم کے استخفاف و اسقاط کی بنا پر مبنی بتلائے گا جسکی تفصیل اوپر مندرج ہو چکی ہے۔

(۲۶) نبی عربی (فداہ ابی و امی) کی خاص سیرۃ لکھی گئی ہے۔ اور یہ مسئلہ عالم اسلام کا کیا بلکہ عموماً تمام غیر اسلامی عالم کا بھی مسلّمہ ہے کہ پیغمبر عرب (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کے حالات و واقعات کو تاریخ عرب سے پورا تعلق ہے۔ اس بنا پر آپ کے سیرت نگار کو عرب کے تمام اخبار و آثار قدیمہ کے سلسلہ سے اپنے تفصیل و بیان تالیف کو ترتیب دیکر آپ کے زمانہ حیات کے حالات و واقعات کو مسلسل اور مکمل کرنا ضروری اور لازمی ہوگا۔ اس ترتیب میں جو اخبار و حالات۔ آپ کے حالات کے متقابل یا مماثل پائے جائیں گے

> انسائے سابقین عرب کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا

وہ خصوصیت کے ساتھ قلمبند کئے جائین گے اور جو حالات و واقعات آپ کے حالات سے کوئی نسبت خاص نہین رکھتے وہ قابل الذکر نہین سمجھے جائین گے۔ آپ نے سیرۃ النبی مین۔ جو حقیقتاً عرب کی تاریخی کلیات کا ایک جزو ہے دو عربی پیغمبرون کے حالات و واقعات کو قطعاً مرفوع القلم فرمادیا۔ قوم عاد کا مختصر ساذکر کیا۔ مگر اُنکے نبی مرسل حضرت ہود علی نبینا و آلہ و علیہ السلام کا مختصر ذکر بھی نہ لکھا گیا۔ اسی طرح قوم ثمود کے حالات اور اُنکے قدیم صنعات بیان کئے گئے۔ مگر اُن کے پیغمبر عصر جناب صالح علی نبینا و آلہ علیہ السلام کو کسی حال و واقعہ سے مسلمانون کو کوئی خبر نہین دی گئی۔ قدامت عرب کے معتقدین و مؤیدین اور علم سیرت و تاریخ کے مولفین و مصنفین آپ کی اس فرو گذاشت اور کمی نظر پر سخت خرفگیری کرینگے۔

شبلی صاحب کو ان اولین مرسلین عرب سلام اللہ علیہما کے حالات و واقعات کے مرفوع القلم فرمانے کیوقت عیسائیون اور یہودیون کے اُن منصوبانہ اعتراضات کے اثبات کی طرف سے بھی نہ کوئی خوف آیا اور نہ کوئی حیا جو توریت و انجیل کی فہرست انبیا و مرسلین مین اُنکے نام نامی نہ درج ہونیکے باعث قرآن مجید کے اُن اخبار و قصص حسنہ کو (نعوذ باللہ) غلط مانتے ہین۔ جو ان دونون بزرگوارون کے متعلق مرقوم ہین۔ حسرت پر حسرت اور عبرت پر عبرت ہے کہ آجتک ہر خواندہ اور ناخواندہ مسلمان کو اس کا دعویٰ ہے کہ اُن کے اصلی اور حقیقی ملک و وطن کی خاک پاک قدیم الایام سے احکام رسالت اور الہام نبوت کا قدیمی مرکز ہے اور اسی بناپر وہ اس ارض پاک کی تقدیس کو ارض بابل و شام کی تحریم و عظمت سے قدیم یقین کرتے چلے آتے ہین اور یہ ظاہر ہے کہ اُنکی قدامت کی مفاخر انھین دونون قدیم پیغمبران عرب کے وجود ذی جود پر مبنی ہے۔ تو پھر انھین مقدسین کے حالات کو مرفوع القلم کرنا کسی ہمدرد اسلام اور خیرخواہ عرب کا کام ہوسکتا ہے؟

تقلید اسلاف پر اصرار

(۲۷) اکثر مباحث کی تنقیدی تفصیل مین استدلال کے ایسے طریقے اختیار کئے گئے ہین جو باخود باہم متعارض اور متناقض ہین۔ اکثر تنقیدی مضامین بحث مین نہایت شدت سے تنقیدی طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور اسلاف کی تحریر کو اصلی معیار تحقیق بتلایا گیا ہے۔ بخلاف اسکے اکثر مضامین مباحث مین اسلاف کے اقوال و ارشاد کی کامل تردید و تنقید قلمبند فرمائی گئی ہے۔ اور اُن پر نہایت سخت الفاظ مین غلط نویسی۔ کمی تحقیق اور غلط فہمی کے الزام قائم کئے گئے ہین۔ بہت سے واقعات مین نقل کا لاصل کے اصول تحریر سے کام لیا گیا ہے اور بہت سے مندرجات کی بحث منقول ہین۔ استدلال معقولی کی نامعقول تخلیط کی گئی ہے۔ آپ کے اکثر طریقہ استدلال تنقیدی مین آپ کا قدم بقدم اپنے علمائے کرام کا مقلد ہونا مترشح ہوتا ہے۔ اور بعض مباحث و مسائل کے انداز تحریر سے آپ کی شان ایک کامل غیر مقلد کی ثابت ہوتی ہے۔ اکثر واقعات و مضامین کی نقل و تفصیل مین آپ کی شدت احتیاط تخراج و استنباط مواخذ اصلی تک محدود پائی جاتی ہے۔ اور یہ ظاہر

ہوتا ہے کہ آپ اسلام کے کسی مذہبی مسائل میں فکر و عقل سے کام لینا نہیں چاہتے۔ اور اکثر مسائل کی تحقیق میں آپ واقعات کے ایک ایک لفظ کو مسائل عقلی کے مطابق ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اکثر اوقات تو اس سے بھی ترقی کی گئی اور اپنے کمال تحقیق کے اظہار میں سیرت و تاریخ کے ہر مسئلہ کو ہیئت و فلسفہ کی معیار و مقدار پر صحیح اتارنے کی بیہودہ سعی فرمائی گئی۔ اس غلط بحث کا آخر میں نتیجہ یہ نکلا کہ واقعات سیر و تاریخ کے اصلی مقاصد تو فوت ہو گئے پیچ و پیش ہی بحث رہ گئی۔ اور اُن میں حقیقت کے متلاشی۔ اصلیت کے متمنی منقولات کے مطالعہ سے فارغ نہیں ہونے پائے کہ حل معقولات کی پیچیدگیوں میں پھنس کر رہ گئے۔

(۲۸) تاریخ و سیرت کے مضامین کو ہیئت و طبعیات کے مطابق کرنے کے شوق و تمنا میں معارف رسالت

رسالت کے معارف روحانی سے کہیں بحث نہیں کی گئی

اور مشارف نبوت کے اُن خصوصیات کو جو طبقات انسانی کی تفہیم سے علیحدہ ہو کر ان مقدس ہستیوں اور نورانی پیکروں کو روحانیت اور ملکوتیت کے حدود تک پہنچا ہوا بتلاتے ہیں بالکل قلم انداز فرما دیا۔ صرف اس خیال سے کہ وہ ہیئت و فلسفہ کے اصول کے مطابق نہیں ثابت ہوتے تھے۔ گویا کہ سائنس دماغ میں یہ تحریک نہیں پیدا ہوئی کہ انبیاء مرسلین سلام اللہ علیہم کی روحانیت اور نورانیت قرآن مجید کے کثیر التعداد آیات میں داخل ہے اور آنحضرت صلعم کے اوصاف روحانی و نورانی تو آیۂ واتبعوا النور الذی انزل معہ سے قطعًا ثابت ہے۔ اور جس سے آپ خود صحابیت کی بحث میں استدلال فرما چکے ہیں ملاحظہ ہو دیباچہ ۴۲ ص۔

مولف کا یہ طرز نہ عالمانہ ہے۔ نہ محققانہ ہے۔ نہ فلسفیانہ ہے۔ بلکہ صحیح تلون مزاجی اور مولف کی نا مستقل طبعی کا کامل ثبوت ہے حالانکہ الکلام میں ان تمام مباحث پر علماء حکمائے اسلام کی تائیدی اقوال و ارشاد نقل فرما چکے ہیں۔

(۲۹) یہ تو صرف اسلامی مولفین اور آنکے مولفات سے اخذ و نقل واقعات و مشارات میں شبلی صاحب

مخالفین اسلام سے مرعوبیت

کے مختلف متغیر متلون اور غیر مستقل طریقہ تحریر دکھلائے گئے۔ اب آپ کا انداز غیر اسلامی مولفین اور انکے معترضانہ اقوال و آرا کی تنقید و تردید میں اس سے زیادہ لطف انگیز و حیرت خیز ہے۔ عیسائی معترضین کے جوابات تنقیدی میں شبلی صاحب نے انتہی ضرورت سے زیادہ نرمی اور ملاطفت سے کام فرمائی ہے گویا معترضین کے تمام معترضانہ مطالبات میں آپ نے تسلیمی جواب اور اقبال دعوی داخل کر دیا ہے۔ آنکے معقولانہ اور مکرانہ استدلال کے مقابلہ میں بعوض اسکے کہ اپنے پیش کردہ مضبوط اور مدلل دلائل و براہین میں قوت مدافعت پیدا کی جائے۔ بجز ضعف تحریر اور لا انتہا جبن تحقیق دکھلایا گیا ہے۔ اکثر مقامات پر پورے مقابلہ کی جگہ صحیح سپر اندازی کر کے کسی نہ کسی طرح مخالف سے جان بچائی گئی ہے۔

(۳۰) قیامت تو یہ کی گئی ہے کہ انکے بے سروپا اور محض بیجا اعتراضوں کے جواب میں بھی بعض مقامات پر تنقید و تردید سے تو ذرا بھی کام نہیں لیا گیا۔ بلکہ اولٹے اپنی ہی مرویات کی جو روایت و درایت کے تمام منازل و مراحل کو طے کر کے حدود متواترات و مشاہدات مسلمہ کے درجوں تک پہونچی ہوئی تھیں۔ تردید و تکذیب کر دی گئی ہے۔ مثال کے لئے۔ راہب بحیرہ کا واقعہ عظیم الشان موجود ہے جسمیں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی صریح بشارت اور آپ کی رسالت کی صحیح تصدیق و اثبات ثابت ہوتی ہے۔ مگر آپ سر حضرات نے اس واہمہ اور عیسائیوں سے مرعوب ہوجانے کی وجہ سے اس بڑے متعدد فوائد کا انکار کرتے ہیں کہ اسکی نقل سے عیسائیوں کا یہ مغویانہ قول کہ آنحضرت صلعم نے رسالت کی ابتدائی تعلیم ایک عیسائی عالم سے پائی تھی۔ مطابق ہوجاتا ہے"۔ ہم نے اس واقعہ کی حقیقت اور اس متواتر روایت کی صحت اپنے مقام پر پوری تفصیل سے قلمبند کر دی ہے۔

مستشرقین کے مقابلہ میں سپر اندازی

(۳۱) اس طرح معراج کے عظیم الشان واقعہ کو اصل کتاب میں نہیں بیان کیا گیا ہے۔ اسلئے کہ موجودہ طریقہ فلسفہ تاریخ نویسی کے خلاف ہے۔ اور مستشرقین یوروپ۔ ان اقسام کے اندراج واقعات کو مضحکہ انگیز بتایا کرتے ہیں۔ استغفر اللہ شبلی صاحب نے یہ نہ سوچ لیا کہ یعقوب کا آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھنا اور اس طریق سے معارج معراج کا حاصل کرنا انکے عہد نامہ قدیم میں موجود ہے۔ جس پر تمام فلسفی و غیر فلسفی یوروپین افراد قوم کا ایمان ہے۔ اس سے زیادہ تعجب خیز یعقوب کا خدا سے رات بھر کشتی لڑنا۔ اور اسی ہاتھا پائی میں یعقوب کا چوٹ کھا جانا۔ اسکی ران کا چھٹ جانا اور اسی بنا پر اس موضع خاص کے گوشت کا انکی امت پر حرام ہوجانا۔ اور اس سے زیادہ مضحکہ خیز و کفر انگیز یروشلم (شہر بیت المقدس) کی دو مشہور بیٹیوں اہلہ اور اہلیبہ سے (نعوذ باللہ) خدا کا مبتلا ہوجانا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ایسے کثیر التعداد لغویات و مہملات بھرے پڑے ہیں جس سے دنیائے عیسائیت میں کسی فرد بشر کو انکار کی مجال نہیں۔

استخفاف واقعہ معراج

افسوس کہ ان لغویات و مہملات کے قائلین اور معتقدین سے آپ اتنا مرعوب ہو گئے کہ ایسے عظیم الشان واقعہ کو جسکی خبر صریحاً داخل قرآن ہے۔ مرفوع القلم فرما دیا۔ اگر آپ سے اتنی جرات بھی نہیں ہو سکتی تھی تو کم سے کم آپ نے اسکی تفصیل و بیان میں اپنے مربی اور محسن ڈاکٹر سر سید احمد خان کا طریقہ تحریر اختیار کر لیا ہوتا۔ اور اس واقعہ کی تشریح و توضیح کو۔ رویائے صادقہ تک جو تمام انبیائے کرام کی مقدس سیرت اور مقدس رسالت و نبوت میں داخل ہیں محدود کر دیا ہوتا۔ تاہم اہل اسلام کے اطمینان و دلجوئی کے لئے کافی ہوجاتا۔ آپ کے قطعاً قلم زد فرمانے نے تو نبوت اور دینی اسلام کے اس قدیم اور بالکل سچے دعوی کو۔ جو اس کے مشاہد میں داخل ہے بالکل تکذیب کر دی۔ معوذ باللہ آپ کو اس شرمناک تکذیب کی کس نے جرات دلائی۔ بجز مستشرقین

یورپ کی فیلسوفانہ تحقیق کی ظاہری ہیبت اور لفظی شوکت نے - یا خود آپ کی اس آرزو و حسرت نے کہ آپ کا شمار بھی کسی نہ کسی طرح فلسفی مورخین و محققین یورپ میں داخل اور آپ کی کتاب سیرۃ النبی بھی فلسفہ کی جدید نصاب تالیف میں شامل ہو جائے۔

حضرت ہاجرہ کی حیثیت نسبیہ چھوڑ دی گئی

(۳۲) جناب ہاجرہ سلام اللہ علیہا کو تمام عیسائی مولفین و مصنفین حضرت سارہ کی کنیز بتلاتے ہیں اس لیے کہ توراۃ میں انکو کنیز لکھا ہے شبلی صاحب سیرۃ النبی میں حضرت ابراہیم و اسمعیل کے جستہ جستہ تمام واقعات لکھے - اور قدامت کعبہ اور ذبیح اسماعیل کی خصوصیت کی نسبت - اور اصلی قربان گاہ اسماعیل کی حقیقت کے متعلق عیسائی مولفین کی غلط فہمیوں کی تنقید و تصحیح بھی کی - مگر افسوس ہے کہ اس مسئلہ واجب التنقید اور لازم التحقیق کی نسبت اتنا بھی نہیں لکھا گیا جتنا سر سید احمد خان صاحب خطبات میں آپکے سامنے لکھ چکے تھے۔

خصائص رسالت کا قطعی اسقاط

(۳۳) مآثر مخصوصہ رسالت اور مظاہر مختصہ نبوت - جو طبقہ کرام انبیاء علیہم السلام میں آغاز عمر سے وفات تک - طبقہ عوام سے انکے امور ذاتی و صفاتی کو ممتاز بتلاتے ہیں - اشارتًا و کنایتًا بھی کہیں مذکور نہیں کیے گئے - اسی خوف سے کہ موجودہ فلسفہ تاریخ نویسی کے اصول کے خلاف ہوگا حالانکہ مولفین یورپ کے عہد نامہ ہائے قدیم و جدید کی دونوں جلدیں اٹھا کر دیکھی جائیں تو تمام انبیاء علیہم السلام کے ان مآثر روحانیہ اور مظاہر نورانیہ کے کثیر التعداد واقعات و مشاہدات مندرج پائے جائیں گے۔ جنکے ایجاب و قبول سے کسی عیسائی کو انکار نہ ہوگا۔ مگر شبلی صاحب ہیں کہ بلا وجہ و بغیر سبب - اپنے نبی اور اپنے رسول (روحی لہ الفدا) کے مآثر و مکاشفات روحانیہ کو ناقابل اندراج سمجھ کر قلم انداز فرماتے جاتے ہیں ؎

ایک ہم ہیں ہمیں مٹنا بھی نہیں آتا ہے ٭ ایک وہ ہیں جنھیں تصویر بنا آتی ہے -

سیرۃ النبی کے ورق کے ورق اور صفحے کے صفحے الٹ جائیے پیغمبر عربی - نبی مطلبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حالات میں ابتدائے عمر سے آخر ایام حیات تک کہیں ان مشاہدات و مکاشفات کا ذکر و مذکور نہیں - بچپن کے حالات اور ایام طفولیت کے واقعات کل سوا چھ (۶¼) سطروں میں لکھ کر ختم کر دیے ہیں - اور محض سرسری اور سطحی طور پر حلیمہ سعدیہ کے ہاں آپ کے پرورش پانے کی کیفیت لکھی گئی ہے - مگر حلیمہ کے گھر میں آپ کے فیوض قدم سے یمن و برکت کے جو آثار نمایاں ہوئے - اور جو قریب قریب تمام عربی کے قدیم ماخذوں میں درج ہیں ایک بھی قابل ذکر نہیں سمجھے گئے ان حالات کے متعلق لکھا بھی گیا تو یہ کہ اسیران طائف کے تذکرے میں حذافہ المعروف بہ شیما کا آپ سے اپنی پشت کا داغ دکھلا کر اپنی معرفت کراتا اور یاد دلاتا کہ ایام طفولیت میں ایکبار آپ نے اسکی پشت میں کاٹ کھایا تھا جس کا داغ ابتک موجود ہے۔

افسوس کہ شبلی صاحب کو ایام قیام دار حلیمہ مین صرف یہی واقعہ قابل ذکر ملا جو سراسر منافی اخلاق نبوت اور آداب و شان جناب رسالت ہے۔ نہ معلوم کہ عیسائی متعصبین آپ کے اس واقعہ مندرجہ کو دیکھکر کیسے کیسے حاشیے چڑہائینگے اور اسلام اور نبی اسلام کے ساتھ آپکی عقیدتمندانہ ارادت و خلوص کی تعریف فرمائینگے یا آپ کے اس آزادانہ [illegible] ارانہ اور فلسفیانہ طریقہ تحریر کو قدر کی آنکھوں سے لگائینگے۔

یہ سب کچھ تو ہوتا رہے گا۔ مگر یہاں تو اخلاق رسالت کی شان میں دھبہ لگ گیا شبلی صاحب نے اپنے مجدد و محقق ہونیکی آرزو و اشتیاق مین یہ بھی نہ دیکھا کہ ؎ این راہ کہ میروی بترکستان است ٭ ان افسانہ کے افعال و عادات کے اظہار سے بچون کی فطرت کا کسقدر نقص ثابت ہوتا ہے اور پھر آپ کس بچہ کی فطرت کا نقص بتلا رہے ہین جس کی مبارک فطرت کو آپ الکلام مین اپنے علماے کرام اور حکماے اسلام کے اقوال و شہادات سے من اولہا آخرہا فطرت کاملہ اور صالحہ ثابت کرا رہے ہین۔ افسوس آپ نے یہ بھی نہ سوچا کہ بچپن مین جس بچہ کی [illegible] القلبی اور زود رنجی کی یہ کیفیت دکھلائی جاتی ہے۔ پھر زندہ اوقات حیات مین آپکے اعلی ترین اخلاق اشفاق۔ عدیم المثال صبر و رضا اور جواب [illegible] کی مثالین کیسے قائم کر سکتے ہین۔ ہم آپ کے اس غلط واقعہ کی حقیقت کا اسکے خاص مقام پر کامل انکشاف کرینگے۔

(۴۳) آنحضرت صلعم کی ابتدائے عمر کے احوال مین بذیل ذکر رضاعت حلیمہ سعدیہ۔ یہ حدیث نقل فرمائی گئی ہے کہ مین تم سب سے زیادہ فصیح ہون کیونکہ مین قریش کے خاندان سے ہون اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے سیرۃ النبی بحوالہ ابن سعد ج ا ص ا۷۔

فصاحت و بلاغت رسول کیسی تھی۔ وہی نہین (نعوذ باللہ)

آپ کا مدعا اس تحریر سے یہ ہے کہ زبان رسالت کی فصاحت و بلاغت کا کمال قبیلہ بنی سعد کی پرورش۔ رضاعت اور رفاقت کا نتیجہ ہے۔ اسی بنا پر یہ حدیث۔ ایام رضاعت بنی سعد کے عنوان مین لکھی گئی۔ افسوس ہے کہ تفہیم اور مسافت عام کا خیال کسوقت شبلی صاحب کا ساتھ نہین چھوڑتا۔ آپ زبان رسالت کی فصاحت و بلاغت کو اگر کمالات لدنیہ اور خصائص نبوت مین داخل کرتے تو خوف تھا کہ عیسائی اعتراض کرینگے کہ فلسفہ تاریخ تو اسی کے خلاف ہوگا۔ اور اسی بنا پر لکھتے ہین کہ آپ کے یہ کمالات قبیلہ بنی سعد کی تعلیم و تربیت کے نتائج سمجھے تو اس قیاسی تجزیہ کے ساتھ آپکو یہ خیال نہین [illegible] اور خاندان قریش [illegible] قبیلہ بنی ہاشم خصوصاً۔ زبان و بیان کی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے تمام عرب کا سرتاج تسلیم کیا جاتا تھا عرب کی تمام تاریخون مین قصی سے لیکر عبد المطلب اور ابو طالب تک کے خطبات موجود ہین۔ جنکے لفظ لفظ سے زبان عرب کی اعلی ترین فصاحت و بلاغت ثابت ہوتی ہے۔ اور جنکو آپنے تو نہین مگر مین نے بھی اس کتاب مین اپنے اپنے مقام پر پوری تفصیل سے نقل کر دیا ہے۔

ان شواہد کے مقابلہ اور موجودگی میں قبیلہ بنی سعد یا ہوازن کی تعلیم و صحبت کو زبان رسالت کے کمالات کا تنہا باعث تجویز کرنا صریح بیعقلی ہے۔ اگر شبلی صاحب ذرا بھی غور و تعمق سے کام لیتے۔ تو انھیں کی نقل کردہ حدیث سے حقیقت کا انکشاف کامل ہو جاتا۔ کیونکہ زبان رسالت نے اپنی فصاحت و بلاغت کی اعلیٰ ترین زبان عرب ہونے کا جو دعویٰ فرمایا ہے اُسکے الفاظ یہ ہیں انا اعربکم انا من قریش میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ ترفصیح ہوں اسلئے کہ میں قریش سے ہوں اس سے ثابت ہو گیا کہ آپ اپنی فصاحت و بلاغت کو سب سے پہلے اپنا کمال خاندانی تبلاتے ہیں۔ ان الفاظ کے بعد ارشاد فرمایا ہے ولسانی لسان بنی سعد بن بکر میری زبان بنی سعد بن بکر کی زبان ہے۔ یعنی میری زبان بنی سعد بن بکر کی زبان کے مقابل اور مماثل ہے۔

اس حقیقت کے مقابلہ میں بنی سعد کی تعلیم و صحبت کو آنحضرت صلعم کی فصاحت و بلاغت کا تنہا اور اصلی باعث خیال کرنا اور آنکی ننہال کو قریش اور بنی ہاشم کے اعلیٰ ترین ادبیات پر ترجیح و تفضیل دینا گویا قول رسول صلعم کی تکذیب کرنا ہے (نعوذ باللہ) حقیقت یہ ہے کہ شبلی صاحب نے شان رسالت ہی کو نہ خود سمجھا ہے اور نہ اپنی زبان قلم کتابوں میں اسکی اصلیت اور حقیقت کسی کو سمجھائی ہے۔ اس بنا پر ان سے ایسی لغزشوں کا واقع ہونا لازمی ہے۔

مارگیولوس کے اعتراض کا ناقص جواب

(۳۵) اسی طرح مارگیولوس مستشرق جرمن کے اس متعصبانہ تعریض کا جواب کہ ابطالب آپ سے ان بچپن میں اجرت پر مکہ والوں کی بکریاں چروایا کرتے تھے۔ ایسے ضعیف لفظوں اور نا مستحکم طریقوں میں دیا گیا ہے جس سے گویا تسلیم و اعجاب کے پہلو نکلتے ہیں۔ اگرچہ اس اعتراض کا اصلی سبب آپ خود۔ ابن ماجہ کے ایک شیخ کی غلط فہمی بتلاتے ہیں۔ اور انکے بعد بخاری کا ان غلط استخراج و استنباط ثابت کرتے ہیں۔ مگر تاہم اصل حقیقت کا انکشاف نہیں فرماتے۔ طریقہ استدلال جو قائم فرماتے ہیں وہ ایسا ضعیف اور خلاف اصول ہے جو غیر مسلم معترضین کے لئے کبھی مسکت اطمینان دہ اور تشفی بخش نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ نہ بخاری کی قصیر النظری اور زود اعتباری کے جوابدہ ہیں۔ اور نہ ابن ماجہ کے شیخ سوید ابن سعید کی غلط فہمی کے ذمہ دار ہیں میں نے اس واقعہ کو پوری حقیقت کے ساتھ اپنے مقام پر بالتفصیل بیان کر دیا ہے۔ یہ تمام الجھنیں ارباب صحاح کی عموماً اور بخاری صاحب کی خصوصاً عقیدتمندانہ تقلید کی وجہ سے پیش آئی ہیں۔ اور اس حقیقت کے انکشاف نے مجھکو صحیح الکتاب بعد کتاب الباری کی مختصر سی تنقید پر مجبور کر دیا ہے

صحت صحیح بخاری پر ناقدانہ نظر

(۳۶) صحیح بخاری کو معیار تحقیق بنایا۔ پھر اس شدت و عصبیت کے ساتھ کہ وہ کتب تفاسیر۔ احادیث۔ تواریخ اور سیر پر خواہ مخواہ ترجیح۔ معتبر اور مستند تسلیم کی گئی۔ اسلاف کی تقلید کورانہ کا یہی اصلی طریقہ ہے۔ جو ایک محقق اور

حقیقت کے متلاشی کا نہ کبھی شعار تحقیق ہو سکتا ہے نہ معیار تالیف یہی اصل غلطی ہے اور تمام مفاسد ومعائب کی اصل وغایت افسوس ہے کہ شبلی صاحب نے صرف اپنی خود غرضی کی بنا پر صحت بخاری کی ایک رخی صورت قائم کی ہے۔ اور اسکے دوسرے داغدار رخ کو بالکل زیر نقاب رکھا ہے۔ اوّل تو اس کتاب کی صحت پر اجماع عام کا غلط قیاس کیا گیا ہے اور نہایت شہرت کے ساتھ یہ غلط اعتقاد سواد اعظم اہل سنت میں عالمگیر ہو رہا ہے۔ اسکی اصلی حقیقت۔ شرح مسلم الثبوت بحر العلوم مولوی عبد العلی صاحب کی اصل عبارت ہے۔ (جسکی تصدیق وتوثیق آپ سیرۃ النبی کے دیباچہ ص ۵۴ میں اُن کا مختار نقل کرکے فرما چکے ہیں) ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

صحت بخاری پر اجماع ثابت نہیں

فقطع ابن الصلاح وطائفة من الملقبين بأهل الحديث بأن رواية الشيخين محمد ابن اسمعيل البخاري ومسلم ابن الحجاج صاحبي الصحيحين يفيد العلم النظري للاجماع على ان للصحيحين مزية على غيرهما وتلقت الامة بقبولهما والاجماع قطعي وهذا بهت فان من راجع الى وجدانه يعلم بالضرورة ان مجرد روايتهما لا يوجب تحقيق المضمون في الواقع وهذا الى ما ذهب اليه ابن الصلاح واتباعه بخلاف ما قاله الجمهور من الفقهاء والمحدثين لان انعقاد الاجماع على المزية على غيرهما من مرويات الثقات الآخرين ممنوع والاجماع على مزيتهما في نفسه لا يفيد لان جلالة شأنهما وتلقي الامة بكتابيهما لو سلم لا يستلزم ذلك القطع والعلم فان القدر المسلم المتلقى بين الامة ليس الا ان رجال مروياتهما جامعة للشروط التي شرطها الجمهور لقبول روايتهم وهذا لا يفيد الا الظن واما ان مروياتهما ثابتة عن رسول الله صلعم فلا اجماع على صحة جميع ما في كتابيهما لان رواتهما منهم قدريون

یعنی ابن الصلاح وغیرہ ملقبین باہل حدیث نے یہ گمان کیا ہے کہ روایات صحیح بخاری وصحیح مسلم مفید علم نظری ہے یعنی یقینی کیونکہ اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ صحیحین کو دوسری کتابوں پر [illegible] ہے اور امت نے ان کو قبول کر لیا ہے۔ اور یہ اجماع قطعی ہے [illegible] شخص اپنے وجدان کی طرف رجوع کرے گا اس کو [illegible] کی مجرد روایت سے کسی طرح علم یقینی حاصل نہیں ہو سکتا اور ان میں بہتیرا ایسی روایتیں ہیں جو باہم متناقض ہیں پس اگر [illegible] یقین نہیں [illegible] ابن الصلاح کا مذہب اقوال جمہور [illegible] محدثین کے خلاف ہے کیونکہ انعقاد اجماع [illegible] دوسرے ثقات [illegible] میں ممنوع ہے۔ اور [illegible] کوئی فائدہ نہیں۔ [illegible] پس اگر [illegible] ہو سکتا کیونکہ [illegible] الامۃ [illegible] ان شرطوں [illegible] کے [illegible] رسول اللہ صلعم [illegible] اجماع ہو سکتا ہے [illegible]

وغیرہم من اهل البدع مختلف فیه فاین الاجماع
علی صحة مرویات القدریة فاما یلزم ان احادیثهما
اصح الصحیح یعنی انها مشتملة علی شروط المعتبرة
عند الجمهور وعلی الکمال وهذا لا یفید الا الظن
القوی هذا هو الحق المتبع ولنعم قال الشیخ
ابن همام ان قولهم تقدیمهم روایاتهما علی الروایات
الائمة الاخرین قول لا یعتد به ولا یقتدی
بل هو من تحکماتهم الصرفة کیف لا وان
الاصحیة من تلقاء عدالة الرواة وقوة ضبطهم
واذا کان رواة غیرهم عادلین ضابطین لهما
وغیرهما علی السواء ولا سبیل للحکم بتمیزهما علی
غیرهما الا تحکما والتحکم لا یلتفت الیه
فافهم   ص ۱۱۴

راوی اس کے قدری ہیں اور قبول روایت اہل بدعت مختلف فیہ ہے
پھر کیونکر اجماع ہو سکتا ہے صحت روایات قدریہ پر۔ خلاصہ یہ
کہ اگر لازم آتا ہے تو اسقدر کہ روایتیں ان کی اصح صحیح ہیں یعنی مشتمل ہیں
اُن شروط پر جو معتبر ہیں جمہور کے نزدیک بوجہ کمال۔ تو اس سے نہ حاصل
ہوگا مگر صرف ظن قوی۔ یہی مذہب قوی ہے۔ کیا خوب کہا ہے
شیخ ابن ہمام نے کہ اہل حدیث کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کتاب
کی روایت کو دوسرے محدثین کی روایات پر فوقیت حاصل ہے
ایسا قول ہے جو کسی طرح قابل شنا نہیں بلکہ یہ اُن کا تحکم صرف
ہے۔ کیونکہ صحت کا مدار صرف اتنا تو عدالت رواۃ اور قوت ضبط پر
ہے۔ جب دوسرے محدثین کے راوی ایسے ہی عادل اور
ضابط ہوں گے تو پھر کیا وجہ ہے کہ انکو تفوق دیا جاوے۔ لہذا
اُن کا حکم صحت کے متعلق محض تحکم کی شان میں ہے جو
کہ کسی نوع و صورت سے التفات کے قابل نہیں ہے سمجھ لیا جاوے

بحر العلوم کی مندرجہ بالا عبارت سے صحت صحیح بخاری و مسلم پر اجماع عام کا غلط خیال عوام میں جو پھیلا دیا گیا
ہے اسکی مقدار حقیقت بخوبی معلوم ہو گئی۔ اس تنقید و تحقیق سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ محققین علماء سواد
اعظم ابتدا ہی سے حکم لگاتے ہیں کہ صحیحین میں روایات متناقض صحیح ہیں جو ایک دوسرے کی نقیض ہیں
اور پھر باوجود ان عیوب کے انکی صحت اور دوسری کتابوں پر انکی ترجیح و فضیلت کا قائل ہے وہ محض زبردستی سے
ایسا حکم لگاتا ہے جو ہرگز قابل التفات نہیں ہو سکتا۔

علماء قادحین بخاری

اتنا لکھ کر ہم ذیل میں اُن علمائے کرام کے صرف نام لکھ دینے پر اکتفا کرتے ہیں جنہوں نے
صحیح بخاری پر تعریضات اور جرحیں قائم کی ہیں۔ افسوس ہے کہ ہم ان کے علیحدہ علیحدہ اقوال لکھ کر اس بحث کو اپنی
ضرورت سے زیادہ طول دینا پسند نہیں کرتے اور اسکی تفصیل کو کتاب المسمّی بہ کتاب الجرح علی البخاری۔ مطبوعہ
القضیبہ امرتسر کے مطالعہ اور حوالہ پر محول کرتے ہیں۔

حسب ذیل اکابر محدثین و محققین نے صحیح بخاری پر جرحیں وارد کی ہیں

امام دارقطنی۔ ابن جوزی۔ ابن بطال۔ ابن عبد البر۔ علامہ عینی۔ باجی۔ ابن ہمام۔ ذوالنبین اندلسی
شیخ عبد الحق دہلوی۔ ملا علی قاری۔ سخاوی۔ محب اللہ بہاری۔ بحر العلوم۔ داؤدی۔ حافظ ابو مسعود۔ علامہ غسانی

ابن مندہ[17]۔ ابن سعد[18]۔ علامہ ذہبی[19]۔ حافظ شرف الدین[20]۔ علامہ دمیاطی[21]۔ جار اللہ زمخشری[22]۔ قاضی ابوبکر باقلانی[23]
امام غزالی[24] اور علامہ کرمانی[25] وغیرہم۔

ہم نے محض سرسری طور سے پچیس[25] علمائے معتبرین قادحین بخاری کے نام لکھ دیئے۔ ان بزرگون کے علاوہ۔ یہ نکتہ بھی ضرور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ جیسا کہ الفقیہ امرتسر نے لکھ کر بتلایا ہے وہ یہ ہے کہ امام مسلم۔ نسائی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اپنی اپنی صحیح ومسانید وسنن میں امام بخاری سے کوئی روایت نہیں کی۔ اگر کوئی روایت کی ہے تو وہ کس مقام پر ہے۔ اور اگر نہیں کی تو کیون نہیں کی؟ کیا یہ لوگ بخاری کو اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ ان سے روایت کریں۔

رواۃ بخاری کی مجہولیت صحت بخاری کا غلط اور عامیانہ خیال جیسا کہ عالمگیر ہو رہا ہے۔ وہ حقیقت میں ایک فرضی خیال سے زیادہ ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ بخلاف اسکے۔ اسکی صحت پر اسکے آغاز تالیف ہی سے جرح وقدح ہوتی چلی آتی ہے۔ یہان تک کہ علماء معتبرین کی ایک تعداد کثیر نے اسکی صحت سے انکار کر دیا۔ امام ابن ہمام کے [illegible] اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ قدری اور اہل بدعت رواۃ بخاری میں داخل ہیں۔ اب ہم ذیل میں چند رواۃ بخاری کی حقیقت اور دکھلاتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مجانین اور ناصبین [illegible] ہر قسم کے [illegible] علی الاکثر شامل ہیں۔

(۱) حریز ابن عثمان سفیانی ناصبی ہے۔ جسکی نسبت تہذیب التہذیب۔ جلد دوم صفحہ [illegible] میں مرقوم ہے:۔

قال العجلی شامی وکان یحمل علی علی وقال عمرو بن علی کان ینتقص علیا وقال یزید ابن ھارون کان حریز یقول لا احب علیا قتل ابی وقال الحسن ابن علی الخلال عن یزید نحوہ زاد وقال [illegible] ابن [illegible] ھو قولہ حدثنا اسمعیل ابن عیاش سمعت حریز بن عثمان یقول ھذا الذی یرویہ الناس عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ قال لعلی انت بمنزلۃ ھارون من موسی حق ولکن اخطأ السامع قلت ما ھو فقال انما ھو انت منی بمنزلۃ قارون (نعوذ باللہ) من موسی قلت عمن ترویہ قال سمعت الولید بن عبد الملک یقولہ وھو علی

عجلی کا بیان ہے کہ وہ شامی تھا اور حضرت علی پر [illegible]
[illegible] کیا کرتا تھا اور [illegible]
علی نے قتل [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
کہ سامع نے غلطی کی [illegible] میں نے پوچھا تم نے کس سے [illegible]
عبد الملک [illegible]
[illegible]
[illegible]

منبر وحکی الازدی فی الضعفاء ان النبی صلی اللہ علیہ
والہ وسلم اراد ان یرکب بغلۃ جاء علی فخذ خوام البغلہ
لیقع النبی صلعم قال الازدی من کانت ہذہ حالہ
لا یروی عنہ قلت لعلہ سمع ہذہ القصۃ ایضا
من الولید قال یحیی بن صالح وحاظی الی جریر بن
عثمان عن عبد الرحمن بن میسرۃ عن النبی صلعم حدیثا فی
تنقیص علی ابن ابیطالب لا یصلح ذکرہ وحدیث معضل
منکر جدا لا یروی مثلہ من یتق اللہ وقال الحجار لیحیی
ابن صالح لم تکتب عن حریز فقال کیف اکتب عن رجل
صلیت معہ صلوۃ الفجر سبع سنین فکان لا یخرج
من المسجد حتی یلعن علیا سبعین مرۃ مرۃ و
قال ابن حبان کان یلعن علیا بالغداۃ سبعین مرۃ و
بالعشی سبعین مرۃ فقیل لہ فی ذلک فقال ہو القاطع
رؤس ابائی واجدادی وکان داعیۃ الی مذہبہ
یتنکب حدیثہ وقال ابن حجر عسقلانی وعند البخاری
حدیثان ۔

گئے ہین ۔ ابن حجر کہتے ہین کہ شاید اسکو بھی ولید ابن عبد الملک
سے سنا ہوگا ۔ یحییٰ ابن صالح وحاظی بیان کرتا ہے کہ حریز نے
تنقیص جناب امیرؑ مین ایک ایسی حدیث بیان کی کہ اُسکا ذکر
بھی مناسب نہین ۔ اور حدیث معضل اسدرجہ قابل انکار ہے کہ
کوئی شخص جو خدا سے ڈرتا ہوگا کبھی ایسی باتون کو نہ بیان کرے گا
یحییٰ ابن صالح سے عجار نے پوچھا کہ حریز ابن عثمان سے تم
نے کوئی حدیث کیون نہ لکھی ۔ عجار نے جواب دیا کہ ہم کیونکر ایسے
شخص سے روایت کرسکتے ہین کہ جس کے ساتھ ہم نے
سات برس تک کامل نماز صبح پڑھی اور وہ روزانہ مسجد سے
اُس وقت تک نہین نکلتا تھا ۔ جبتک کہ علیؑ ابن ابیطالبؑ
پر ستر بار لعنت نکرلیتا تھا ۔ ابن حبان کہتے ہین
کہ وہ ہر روز صبح کو حضرت علیؑ پر ستر مرتبہ اور
شام کو ستر بار لعنت کیا کرتا تھا ۔ کسی نے اُس سے وجہ پوچھی تو اُس نے
کہا کہ علیؑ نے میرے سر برآوردہ اباؤ اجداد کے سر کاٹے ہین ۔ یہ حریز ایک
اپنے مذہب خاص کا داعی تھا ۔ پھر ایسے شخص سے کیونکر روایت لیجا سکتی ہے
ابن حجر عسقلانی کہتے ہین کہ بخاری نے اس حریز سے دو حدیثین لی ہین ۔

(۳) عمران ابن حطان خارجی ہے ۔ تاریخ ابو الفدا مین حسب ذیل انکے حالات تحریر ہین ۔

عمران ابن حطان خارجی یرثی ابن ملجم
یا ضربۃ من ولی ما اراد بہا
الا لیبلغ من ذی العرش رضوانا
انی لاذکرہ یوما فاحسبہ
اوفی البریۃ عند اللہ میزانا
وقال العسقلانی فی الاصابۃ عمران ابن حطان
یکنی اباشہاب تابعی مشہور وکان من رؤس الخوارج

عمران ابن حطان خارجی نے ابن ملجم کے مرثیہ مین یہ اشعار موزون کئے ہین
کیا اچھی ضرب تھی اُس ولی (ابن ملجم) کی ۔ جس نے
محض خوشنودی خدا کے ارادے سے ضرب لگائی
مین جب ابن ملجم کو یاد کرتا ہون تو گمان کرتا ہون کہ
اُسکا میزان عمل خدا کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پورا ہے
ابن حجر عسقلانی کتاب اصابہ مین لکھتے ہین کہ عمران ابن حطان سرگروہ خوارج مشہور تابعی ہے
اسکا ذکر طبقہ صحابہ مین کسی نے نہین کیا مگر قاضی حسین ابن محمد شافعی نے

قال ابو الحسن علی ابن محمد القابسی المالکی فیما نقله ابن التین شارح البخاری فی الکلام علی القسامة بعد ان نقل قصة ابی قلابه مع عمر ابن العزیز علی مکانه فی العلم کیف لم یعارض اباقلابه فی قوله ولیس ابوقلابه من فقهاء التابعین وهو معدود عند الناس فی البلهٔ کذا قال تہذیب التہذیب ص ۲۲۶ ج ۵

ابن التین شارح بخاری ناقل ہیں کہ ابی قلابہ نے عمر ابن عبد العزیز سے مسئلہ قسامت کے متعلق بیان کیا جسکے مطابق عمر ابن عبد العزیز نے فیصلہ کیا۔ اس پر ابو الحسن ابن علی ابن محمد قابسی المالکی کہتے ہیں کہ تعجب ہے عمر ابن عبد العزیز سے کہ باوجودیکہ وہ کبار علماء میں سے تھے۔ انہوں نے ابو قلابہ سے یہ کیوں نہ کہا کہ تو شمار تو بلہ یعنی احمقوں میں ہے۔

(۴) خالد ابن مہران سے۔ تہذیب التہذیب میں ہے قال ابو حاتم یکتب حدیثه ولا یحتج ص ۱۲۰ جلد ۳۔ اسکی حدیث لکھو مگر اس سے احتجاج نکرو۔ پھر اسی کتاب میں یہ عبارت مندرج ہے۔

والظاہر ان کلام ہولاء فیه من اجل ما اشار الیه حماد ابن زید من تغیر حفظه باخرۃ او من اجل دخوله فی عمل السلطان

یہ سب اعتراضات شاید اسوجہ سے ہیں جیسا کہ حماد ابن زید نے اشارہ کیا ہے کہ آخر عمر میں اسکا حافظہ خراب ہو گیا تھا اور اسوجہ سے کہ وہ سلطنت کے امور میں داخل ہو گیا تھا۔

(۵) عبد الاعلی سے۔ میزان الاعتدال میں مرقوم ہے۔

قال محمد ابن سعد لم یکن بالقوی فات سنه تسع وثمانین ومائة وقال احمد کان یری القدر وقال بندار واللہ ما کان یدری ای طرفیه اطول ص ۴۸ جلد ۲۔

محمد ابن سعد کہتے ہیں کہ وہ قوی الحدیث نہ تھا ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ احمد کہتے ہیں کہ وہ قدری طریق کا آدمی تھا۔ بندار کہتے ہیں کہ قسم بخدا وہ یہ بھی نہ جانتا تھا کہ کون سیرا اُس کا بڑا ہے۔

(۶) ابو اسحٰق سبیعی سے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔

روی جریر عن مغیرہ قال ما افسد حدیث اهل الکوفه غیر ابی اسحاق والاعمش

جریر مغیرہ سے نقل کرتے ہیں کہ حدیث اہل کوفہ کو ایسا فاسد نہیں کیا جیسا ابی اسحٰق اور اعمش نے۔

تہذیب التہذیب میں انکی نسبت مذکور ہے۔

قال ابن حبان فی کتاب الثقات کان مدلسا وکذا ذکرہ فی المدلسین حسین الکرابیسی والطبری۔

ابن حبان کتاب ثقات میں لکھتے ہیں کہ وہ مدلس تھا۔ اور ایسا ہی حسین کرابیسی اور امام طبری نے ابی اسحاق سبیعی کو مدلسین میں شمار کیا ہے۔ تہذیب جلد ۸ ص ۶۷۔

(۷) عمر ابن سعد قاتل امام حسین علیہ السلام سے۔

طرّہ تو یہ ہے کہ یہ ابو اسحق ایسا شخص ہے جو عمر ابن سعد سے روایت کرتا ہے جو قاتل امام حسین علیہ السلام ہے میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۳۲ میں مرقوم ہے۔

عمر ابن سعد الزہری ہو فی نفسہ غیر متہم لکنہ باشر قتل الحسین وفعل الافاعیل روی شعبہ عن ابی اسحاق عن العزار ابن حریث عن عمر ابن سعد فقام الیہ رجل فقال اما تخاف اللہ تروی عن عمر ابن سعد فبکی وقال لا اعود وقال العجلی روی عنہ الناس تابعی ثقۃ وقال احمد بن زہیر سألت عن ابن معین ابن سعد ثقۃ فقال کیف یکون من قتل الحسین ثقۃ۔

عمر ابن سعد زہری اگرچہ فی نفسہ غیر متہم ہے مگر باشرۃ قتل امام حسین علیہ السلام کی وجہ سے وہ متہم ہے اور بہت سے افعال اس نے ایسے کئے جو مذموم ہیں۔ شعبہ ابن اسحاق سے۔ وہ عزار ابن حریث سے۔ وہ ابن سعد سے روایت کرنے لگا تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ تجھے خوف خدا نہیں آتا کہ تو عمر ابن سعد سے روایت کرتا ہے۔ یہ سنکر وہ رونے لگا اور کہنے لگا کہ اب ایسا نہ کروں گا۔ عجلی کہتے ہیں کہ بہت لوگوں نے عمر سعد سے روایت کی ہے اور وہ تابعی ثقہ تھا۔ احمد بن زہیر کہتے ہیں کہ میں نے ابن معین سے پوچھا کہ عمر سعد ثقہ تھا۔ بولے کہ جو شخص قاتل امام حسین علیہ السلام ہو وہ کیونکر ثقہ ہو سکتا ہے۔

کچھ ابو اسحاق اور عمر سعد ہی کی حدیثوں سے صحیحین بخاری اور مسلم بھری نہیں ہے بلکہ آپ کے بیٹے ابراہیم کے پوتے ابو حفص بھی راویان صحاح ستہ میں داخل ہیں اور الحصین کے ساتھ۔ عزار بن حریث۔ یزید بن ابی مریم۔ قتادہ۔ یزید بن حبیب سب رواۃ صحاح ستہ سے ہیں۔

(۸) شمر ذی الجوشن ہے۔ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

شمر ابن ذی الجوشن ابو السابغۃ الضبابی عن ابیہ وعنہ ابو اسحق السبیعی لیس باہل للروایۃ فانہ احد قتلۃ الحسین رضی اللہ عنہ وقد قتلہ اعوان المختار روی ابو بکر بن عیاش عن ابی اسحاق قال کان شمر یصلی معنا ثم یقول اللہم انک تعلم انی شریف فاغفر لی قلت کیف یغفر اللہ لک وقد اعنت علی قتل ابن رسول اللہ قال ویحک فکیف نصنع ان امراءنا ہؤلاء امرونا بامر فلم نخالفہم ولو خالفناہم کنا شرا من ہذہ الحمر السقاۃ قلت ان ہذا لعذر قبیح فانما الطاعۃ فی المعروف ص ۴۰۲ ج ۱

شمر ابن ذی الجوشن۔ ابو سابغہ ضبابی اپنے باپ سے روایت کرتا ہے اور ابو اسحاق سبیعی اس سے روایت کرتا ہے۔ مگر وہ اس قابل نہیں کہ اس سے روایت کی جائے۔ یہ قاتلان امام حسین علیہ السلام سے ہے جس کو اعوان مختار نے قتل کیا۔ ابو بکر بن عیاش ابو اسحاق سے روایت کرتے ہیں کہ شمر ہم لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتا تھا اور کہتا تھا کہ خدایا ہم شریف ہیں تو ہم کو بخش دے۔ میں نے کہا تو کیونکر بخشا جا سکتا ہے حالانکہ تو نے قتل فرزند رسول صلعم میں اعانت کی۔ اس نے کہا کہ ہمارے حاکموں نے ہمیں اس کا حکم دیا۔ پھر اگر اس حکم کو انجام نہ دیتے تو ان سب گدھوں سے بھی بدتر ہو جاتے۔ میں نے کہا یہ عذر تو نہایت قبیح ہے اس لئے کہ اطاعت تو امر معروف میں ہوتی ہے۔

(۹) عباس ابن حسین قنطری ہے۔ تہذیب التہذیب میں مرقوم ہے۔

قال ابن ابی حاتم عن ابیہ مجھول

ابن ابی حاتم اپنے باپ سے لکھتے ہین کہ وہ مجہول الحدیث ہے ص ۱۱۰ ج ۵

(۱۰) اسرائیل ابن یونس ہے۔ میزان الاعتدال مین ہے۔

اسرائیل ابن یونس بن ابی اسحاق سبیعی الکوفی دروی محمد ابن البراء ابن المدینی اسرائیل ضعیف واما یحیی القطان یحمل علیہ فی حال ابی یحیی القتات وکان لا یرضاہ واما یحیی القطان فکان لا یحدث عنہ ولا عن شریک

اسرائیل ابن یونس ابن ابی اسحاق سبیعی الکوفی ادسی ابو اسحاق سبیعی کے پوتے ہین ابن مدینی کہتے ہین کہ وہ ضعیف ہے۔ یحیی قطان اس کی مذمت کرتے تھے۔ اور اس سے ناراض تھے۔ اور وہ تو نہ اس سے نہ اسکے کسی شریک سے روایت قبول کرتے تھے۔

تہذیب التہذیب مین انکی نسبت یہ مندرج ہے :-

واطلق ابن حزم ضعف اسرائیل ورد بہ احادیث عن حدثیہ بما صنع سنا وقال عثمان ابن ابی شیبہ عن عبدالرحمان ابن مھدی اسرائیل سارق سرق الحدیث

ابن حزم نے اس کو مطلقاً ضعیف کہا ہے اور اُن حدیثون کو رد کردیا ہے جسکا راوی وہ تھا عثمان ابن ابی شیبہ۔ عبدالرحمن ابن مھدی کا یہ قول لکھتے ہین کہ اسرائیل چور تھا۔ حدیثین چراتا تھا۔ ص ۲۶۳ جلد اول

(۱۱) محمد ابن بشار المعروف بہ بندار۔ میزان الاعتدال ذہبی مین انکی نسبت تحریر ہے کذبہ الفلاس فلاس نے اسکی تکذیب کی ہے میزان الاعتدال ص ۴۲ ج ۲

وقال عبداللہ ابن الدورقی کنا عند یحیی ابن معین یجری ذکر بندار فرأیت یحیی لا یعبأ بہ ویستضعفہ

عبداللہ ابن الدورقی بیان کرتے ہین کہ یحیی ابن معین کی صحبت مین بندار کا ذکر آیا تو اُنھون نے اسکی طرف کوئی توجہ نہین کی بلکہ تضعیف کی

تہذیب التہذیب مین مرقوم ہے -

قال اسحاق بن ابراھیم القرازی کنا عند بندار فقال فی حدیث عن عائشہ قال قالت رسول اللہ فقال لہ رجل یتسخر منہ اعیذک باللہ ما افصحک فقال کنا اذ خرجنا من عند روح دخلنا الی ابی عبیدۃ فقال قد بان ذلک علیک وقال عبداللہ ابن اسمعیل ابن سیار سمعت عمر بن علی یحلف ان بندار یکذب فیما یروی عن یحیی وقال علی ابن المدینی سمعت الی وسالہ عن حدیث رواہ بندار فقال بخمر وافات فی السخو بیر کہ فقال ہذا کذب وانکرہ اشد الانکار

اسحاق ابن ابراہیم القرازی کا بیان ہے کہ ہم بندار کے پاس تھے تو اُس نے کہا عایشہ نے کہا رسول اللہ نعوذ باللہ زنانی تھین تو ایک شخص نے ٹوک کر کہا کہ تو رسولؐ سے تمسخر کرتا ہے حدیث مین۔ خدا کی پناہ۔ دیکھو کیا کیا فصیحت کیا کہ وہ کہتا تھا کہ جب ہم روح کے پاس سے ابوعبیدہ کے پاس جاتے۔ تو وہ کہتا تھا کہ تیری بات فاش ہوگئی۔ اور عبداللہ ابن اسمعیل ابن سیار کہتے ہین کہ ہم نے عمر ابن علی کو کہتے سنا ہے کہ بندار جھوٹا ہے اُن روایاتین جو یحیی سے روایت کرتا ہے علی ابن مدینی (اوستاد بخاری) لکھتے ہین کہ ہم نے ابن ابی وسالہ سے یہ حدیث بندار کی بخمر وافات فی السحو دبیرکہ پوچھی تو اُس نے کہا کہ یہ بالکل جھوٹ ہے اور

وقال حدثنی ابو داود موقوفا وقال رایت القواریری کان یرضاہ وقال کان صاحب حمام ص ۲۲۰ ج ۹

غلط ہے اور اس سے انکار کیا عبداللہ ابن الدورقی کہتے ہیں کہ ہم ابن معین کی مجلس میں تھے کہ بندار کا ذکر آیا۔ یحیی ابن معین نے اسکی طرف کوئی اعتنا نہیں کی بلکہ اس کی تضعیف کی۔ اسی طرح قواریری بھی بندار کو نہیں پسند کرتا تھا اور کہتا تھا کہ وہ تو کبوتر باز تھا۔

شبلی صاحب خود رواۃ بخاری کے قادح ہیں

کہاں تک رواۃ بخاری کی ثقاہت وصداقت کے اوصاف کی تفصیل کریں۔ انھیں عشرہ کاملہ کی کمال صداقت مرقومہ بالا پر اکتفا کیجاتی ہے ع روایتے ست کہ اورا بشرح پایان نیست

حقیقتاً ہمکو اتنی مقصدانہ تفصیل وتصریح کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ شبلی صاحب نے تو خود رواۃ بخاری کی تضعیف وتکذیب فرمائی ہے۔ اور ہم انھیں کی اصل عبارت کی نقل پر اس بحث کو تمام کرتے ہیں۔

واقعہ راہب بحیرہ کے بیان کرنیوالوں کی تنقید فرماتے ہوئے مرقوم کیا گیا ہے۔

اس حدیث کا ایک راوی عبدالرحمن ابن غزوان ہے۔ اسکو بہت سے لوگوں نے اگرچہ ثقہ بھی لکھا ہے مگر اکثر اہل فن نے اسکی نسبت بے اعتباری ظاہر کی ہے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں کہ عبدالرحمن منکر حدیثیں بیان کرتا ہے جن میں سب سے بڑھکر بحیرہ کا واقعہ ہے۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھتا ہے کہ عبدالرحمن ابن غزوان خطا کرتا تھا۔ اسکی طرف اس وجہ سے شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے ممالیک کی حدیث نقل کی ہے۔ ممالیک کی ایک روایت ہے جس کو محدثین جھوٹ اور موضوع خیال کرتے ہیں۔ سیرۃ النبی ص ۱۳۱-۱۳۰ ج ۱

آنحضرت صلعم نے (نعوذ باللہ) اپنے ایک صاحبزادے کا نام عبدالعزیٰ رکھا۔ اس روایت کی تنقید وتردید میں مرقوم کیا جاتا ہے۔

اس روایت کا سب سے زیادہ ترصحیح سلسلہ وہ ہے جو امام بخاری نے تاریخ صغیر میں روایت کیا ہے اس کا پہلا راوی اسماعیل ہے جس کا پورا نام اسماعیل ابن ابی اویس ہے۔ اگرچہ بعض محدثین نے اسکی توثیق بھی کی ہے۔ لیکن گروہ کثیر کی رائے حسب ذیل ہے:

معاویہ ابن صالح — اسمعیل اور اویس اسکا باپ دونوں ضعیف ہیں۔

یحیی ابن مخلد — وہ جھوٹ بولتا ہے اور بالکل ہیچ ہے

امام نسائی — ضعیف اور ثقہ ہے۔

نصر بن سلمہ مروزی — کذاب ہے۔

دارقطنی — میں اسکو صحیح روایت کے لئے پسند نہیں کرتا۔

سیف ابن محمد — وہ جھوٹ حدیثیں بناتا ہے۔

سلمہ بن شبیب — مجھ سے خود اس نے اقرار کیا کہ جب کبھی کسی بات مین اختلاف ہوتا تھا تو مین ایک حدیث بنا لیتا تھا۔

مولوی صاحب خود ان رواۃ بخاری کی تکذیب فرماتے ہین اور انکے کذاب ضعیف غیر ثقہ اور وضاع ہونیکا خود اقرار کرتے ہین اور باوجود اسکے اس کتاب پر ایسے شیفتہ و فریفتہ ہین کہ اپنے تمام طومار تحقیق کا مقصد اقصی اسی کو قرار دیتے ہین ان هذا لشیٔ عجاب فاعتبروا یا اولی الالباب۔

علم تاریخ مین بخاری کی جہالت

علم حدیث مین جسکے خاص کر بخاری صاحب امام اوّلین قرار دئے جاتے ہین۔ انکے کمال کی تو کیفیت ہماری مندرجہ بالا عبارت تنقیدی سے ثابت ہو گئی علم تاریخ مین امام صاحب کو جیسا کچھ شعور حاصل تھا۔ وہ تو شبلی صاحب خود تاریخ صغیر بخاری کی روایت تسمیہ عبد العزّی مین بخوبی ظاہر فرما چکے ہین۔ مگر ہم بھی مزید اطمینان کیلئے بخاری صاحب کی تاریخ دانی کی ایک اعلیٰ مثال ذیل مین نقل کر دیتے ہین صحیح بخاری مطبوعہ مطبع احمدی صفحہ ۱۷۰ سطر ۲۵۔ باب احداد المرأۃ علی غیر زوجہا (یہ باب کتاب الجنائز مین ہے۔)

حدثنا الحمید قال سفیان قال حدثنا ایوب بن موسیٰ قال اخبرنی حمید بن نافع عن زینب بنت ابی سلمۃ قالت لما جاء نعی ابی سفیان من الشام دعت ام حبیبہ بصفرۃ فی الیوم الثالث فمسحت عارضیها و ذراعیها و قالت ان کنت عن هذا لغنی سمعت رسول اللہ صلعم یقول لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تحد علی میت فوق ثلاث الا علی زوجها فانها تحد علیہ اربعۃ اشهر وعشرا

حمید حدیث کرتے ہین کہ سفیان نے کہا اس سے ایوب بن موسیٰ نے اس سے حمید بن نافع نے اس سے زینب بنت ابی سلمہ نے کہا زینب نے کہا کہ جب ابوسفیان کے مرنے کی خبر شام سے آئی تو ام حبیبہ نے تیسرے دن صفرہ (یہ ایک قسم کی زرد رنگ کی خوشبو ہے) منگا کر اپنے گال اور ذراع پر ملی اور کہا کہ ہم کو اس کی حاجت نہ ہوتی اگر ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ سنتے ہوتے کہ مسلمان عورت کو سوائے شوہر کے کسی کے مرنے مین تین دن سے زیادہ ترک زینت نہین کرنا چاہیئے۔ اور شوہر کے مرنے مین چار ماہ اور دس دن۔

اس روایت مین بخاری نے جو یہ لکھا ہے کہ ابوسفیان کے مرنے کی خبر شام سے آئی۔ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ابوسفیان کا انتقال مدینہ مین سنہ ۳۲ھ مین ہوا جیسا کہ عینی شرح بخاری مطبوعہ بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۷ سطر ۲ مین۔ حدیث کے شروع مین مرقوم ہے۔

قولہ من الشام قال بعضهم فیہ نظر لان ابا سفیان مات بالمدینۃ بلا خلاف بین اهل العلم بالاخبار والجمهور علی انہ مات سنۃ اثنتین وثلاثین۔

کہا بعض نے کہ اس قول مین کہ ابوسفیان کے مرنے کی خبر شام سے آئی۔ نظر ہے کیونکہ جمہور مورخین کا اسپر اتفاق ہے کہ ابوسفیان کا انتقال مدینہ مین سنہ ۳۱ھ یا سنہ ۳۲ھ مین ہوا۔

ابن حجر مصنف فتح الباری شرح صحیح بخاری مین۔ جو ایک اعلیٰ درجہ کے ایڈوکیٹ جناب بخاری ہین۔

اور شرح مذکور مین بخاری کی ہر گڑھی ہوئی بات کے بنانے کا انھون نے بیڑا اٹھایا ہے۔ آن کو بھی اس کا اقرار کرنا پڑا کہ یہ بخاری سے غلطی ہوگئی۔ چنانچہ وہ عبارت فتح الباری کی جو مطبوعہ مذکور صفحہ مذکور مین اس حدیث کے حاشیہ نمبر ۷ مین ہے۔ اور من الشام کے فقرے پر لکھا ہے۔ ہم بجنسہ نقل کرتے ہین۔

قوله من الشام قال ابن حجر هو وهم لانه مات بالمدینه بلا خلاف وانما الذی مات بالشام اخوها یزید ابن ابو سفیان والحدیث فی مسندی ابن ابی شیبه والدارمی بلفظ لما جاء نعی اخی ام حبیبه اوحمیم لها دعا بصفرة نحوه مقوی کونه اخاها۔

ابن حجر کہتے ہین کہ بخاری کا یہ کہنا کہ ابوسفیان کا انتقال شام مین ہوا بالکل غلط ہے اور شام مین جو مرے وہ ام حبیبہ کے بھائی یزید ابن ابو سفیان تھے۔ اور مسند ابن ابی شیبہ۔ دارمی اور مسند احمد مین بھی یہی لکھا ہے کہ شام سے مرنے کی خبر ام حبیبہ کے بھائی کی آئی تھی فتح الباری شرح صحیح بخاری۔

یہی اصح الکتاب بعد الکتاب باری ہے۔ اور اس مین اس قسم کی فاش غلطیان۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یہ امام المحدثین کی تاریخدانی کا پایہ کمال ہے اور حقیقت حال۔ لاحول ولا قوۃ۔

اسی حیثیت اور واقفیت پر شبلی صاحب حدیث تو حدیث تاریخ کی کتابون پر بخاری کے اقوال بخنار کو ترجیح بالمرجح کی فضیلت دیتے ہین۔ حدیث مین معروف غیر مصدوق۔ موثوق غیر موثوق اور رطب و یابس روایتون کا کچھ انبار لگا یا گیا ہے۔ اسکی کیفیت ابھی ابھی اوپر دکھلادی گئی ہے اور حقیقت کا انکشاف کردیا گیا ہے کہ جن رواۃ اقوال پر صحت بخاری کا دارومدار ہے۔ ان مین۔ قدری۔ ناصبی۔ خارجی۔ فلان فرزند رسول۔ مدلس غالی فی الحدیث وضاع اور کذاب کی بھرتی بھری ہے۔ پھر ان تمام معائب و مناقص سے پر اور مملو کتاب کو صحیح کیا اصح الکتاب کہنا سوا بے عقلی اور بے علمی کے اور کیا کہا جائے۔

تعجب ہے شبلی صاحب کی اس دلیری پر کہ وہ بخاری کی ان فروگذاشتون کو ذرا بھی خیال مین نہین لاتے۔ رواۃ کی تنقید کے علاوہ خود بخاری صاحب کی مرویات واقوال مین شبلی صاحب نے جو اختلاف و تناقص دکھلائے ہین وہ یہ ہین۔

بخاری کی مرویات مین استبعاد و اقرار مولف سیرۃ النبیؐ

(۱) بخاری مین روایت ہے کہ جب خدا نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو انکا قد ساٹھ گز کا تھا حافظ ابن حجر اسکی شرح مین لکھتے ہین

ولیشکل هذا ما یوجد الآن من آثار الامم السابقة کدیار ثمود فان مساکنهم تدل علی ان قاماتهم لم تکن مفرطة الطول علی حسب ما یقتضیه الترتیب السابق ولم یظهر الی الآن

اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ قدیم قومون کے جو آثار اسوقت تک موجود ہین۔ مثلاً قوم ثمود کے آثار ان کا مکانات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے قد اسقدر بڑے نہ تھے جیسا کہ ترتیب سابق سے ثابت ہوتا ہے اور اسوقت تک

مایزیل ہذا الاشکال۔ — ہمکو اس اشکال کا جواب نہین معلوم ہوا۔

(۲) صحیح بخاری مین روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا سے کہین گے کہ اے خدا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت مین تو مجھے رسوا نہ کرے گا" اس حدیث کی شرح مین ابن حجر لکھتے ہین۔

استشکل الاسمعیلی لهذ الحدیث من اصله وطعن فی صحته۔	اسماعیلی نے اسپر اشکال وارد کیا ہے اور اس کی صحت پر طعن کیا ہے۔

اسماعیلی کے اعتراض کا ابن حجر نے جواب دیا ہے۔ لیکن اسمعیلی کا درجہ فن حدیث مین حافظ ابن حجر سے زیادہ ہے۔ اسلئے اسمعیلی کا اعتراض گو غلط ہو۔ لیکن قابل لحاظ ہوسکتا ہے کہ انکے نزدیک یہ حدیث استدلال کے خلاف ہے۔

سبحان اللہ۔ کیا شان فیصلہ ہے اور کیا الفاظ تجویز۔ ابن حجر سے اسمعیلی کا فن حدیث مین درجہ خاص کر بڑھا بھی ہے۔ مگر پھر بھی شبلی صاحب کے نزدیک آسمعیلی کا اعتراض غیر صحیح اور مشکوک ہے۔ اور گو غیر صحیح بھی ہو مگر تاہم قابل لحاظ ہوسکتا ہے؟ کون بتلا سکتا ہے کہ ان پیچدار اور ذوالمعنی الفاظ وعبارت مین ایک لفظ کو بھی حقیقت اور صفائی سے کوئی سروکار ہے سوا اسکے کہ پڑھنے والا ان منطق معکوسی کے پیچیچ اقوال وآرا مین بغرض تفہیم واستفادہ الجھا رہے اور عمر بھر کو عمر بھر حقیقت کچھ بھی نہ معلوم ہو۔

(۳) عمر ابن میمون سے روایت ہے کہ مین نے زمانہ جاہلیت مین ایک بندر کو دیکھا جس نے زنا کیا (کی) تھا (تھی) "شمس العلما صاحب زنا مؤنث ہے" اس پر اور بندرون نے ملکر اسکو سنگسار کیا"

حافظ ابن عبدالبر نے۔ جو مشہور محدث ہین اس بنا پر اس حدیث مین تامل کیا کہ جانور مکلف نہین۔ اسلئے اسکے فعل پر زنا کا اطلاق نہین ہوسکتا نہ اس بنا پر انکو سزا دیجا سکتی ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہین :۔

وقد استنکر ابن عبدالبر قصة عمر بن میمون هذه وقال فیها اضافة الزنا الی غیر مکلف واقامة الحد علی البهائم۔	ابن عبدالبر نے اس قصہ عمر ابن میمون سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس مین غیر مکلف کیطرف زنا کی اور جانورون پر اثبات حد جاری کرنیکی نسبت و مثال قائم کی گئی ہے۔

حافظ ابن حجر نے یہ قول لکھ کر لکھا ہے کہ اعتراض کا یہ طریقہ پسندیدہ نہین ہے۔ اگر سند صحیح ہے تو وہ بندر غالبا جن رہے ہون گے۔

حافظ صاحب۔ ماشاء اللہ بخاری پرستی اتنی تو ہو۔ آپ کی تحقیق انیق مین جنات بھی اقسام حیوانات مین داخل ہین۔ اور شیطان بھی کیونکہ وہ بھی تو قرآن مجید کی نص وکان من الجن کے رو سے جنات مین شمار ہے ہان حافظ صاحب یہ حیوانات وبہائم کرہ ارض کے کس اقطاع مین پاسے جاتے ہین؟ اور کس ملک وجزیرہ مین انکا مسکن ہے؟ زمانہ حال کے جدید یوروپین نیچرلسٹ آپ کی اس تحقیقات و انکشافات سے بڑا فائدہ اٹھائین گے اور آپ کے ان اضافات کے بیحد ممنون ہون گے۔ ہم علامہ ابن حجر کی اعلی قابلیت اور آن کی اس لغویت پر حیرت کرین یا شمس العلماے نعمانی کے ان لغویات کے نقل کرنے پر تعجب کرین؟ باوجود اسکے شبلی صاحب ان محدثین کے اقوال کو بے سروپا اور مہمل باتون سے مبرا اور معرا بتلاتے ہین۔

(۴) صحیح بخاری مین حضرت انس سے روایت ہے کہ ایکدفعہ عبد اللہ ابن ابی کے طرفدارون اور آنحضرت صلعم کے صحابہ مین جھگڑا ہو گیا۔ اس پر یہ آیت اتری وان طائفتان اقتتلوا فاصلحوا بینھما اگر مسلمانون کے دو گروہ آپس مین لڑجائین توان مین صلح کرا دو۔

روایتون سے یہ ثابت ہے کہ اسوقت تک عبد اللہ ابی سلول کا گروہ ظاہر مین بھی اسلام نہین لایا تھا۔ اس بناپر ابن بطال نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ یہ آیت قرانی اس واقعہ کے متعلق نہین ہوسکتی۔ اس لئے کہ آیت مین تصریح ہے کہ جب دونون گروہ مومن ہون اور یہان عبد اللہ ابن ابی کا گروہ علانیہ کافر تھا۔ حافظ ابن حجر نے اس کا جواب دیا ہے کہ تغلیباً ایسا کہا گیا ہے"

ایکسے نشد دو شد۔ حافظ صاحب جس طرح جنات کو حیوانات بناتے ہین اسی طرح مومن و منافق کو تغلیباً ایک بناکر اپنے مبارزانہ تفسیر بیان کی پوری شان دکھاتے ہین۔ ان سے زیادہ عبرت آتی ہے تو بخاری کے حال پر اور آن کی بصارت فی القرآن اور مہارت فی الحدیث پر۔ جو وحی الہی کی صحیح شان نزول کی بھی خبر نہین رکھتے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ عبد اللہ ابن ابی سلول کبھی مسلمان بھی ہوا۔ مومن کہان تک ہوگا ان ھذا [illegible] فی الحدیث ملخص از دیباچہ سیرۃ النبی جلد اول۔ ص ۵۵-۵۶

کمال تعجب ہے شبلی صاحب کی اس جرات پر وہ بخاری کے اتنے قرآن و حدیث سے مخالفات ایک ایک کرکے خود بتلاتے اور گنواتے ہین اور کبھی تو خود اور کبھی دوسرے اکابر علما و محدثین سے آن پر الزام لگاتے ہین مگر پھر بھی بخاری و مسلم کی تصدیق و توثیق مین بڑی سرگرمی اور پرجوشی سے۔ مقدمہ کتاب کے ایک حاشیہ مین یہ عبارت حوالہ قلم فرماتے ہین:۔

حدیث مین متعدد کتابین ایسی موجود ہین جن مین ایک حدیث بھی ضعیف نہین مثلاً بخاری

اور مسلم۔ حاشیہ ص ۵

اب مولوی شبلی صاحب سے کوئی کیونکر پوچھے جب صحیح بخاری میں ایک روایت بھی ضعیف نہیں تھی تو خود بدولت کے

شبلی صاحب کی ذو الجہتی اور تلوّن مزاجی

یہی مولوی شبلی صاحب ہیں جنھوں نے ابھی ابھی بخاری سے اتنی روایتیں جو صریحاً معانی قرآنی معارض اور مطالب احادیث کی مخالف ثابت ہوتی تھیں۔ دکھلا دیں۔ پھر آپ ہی ہیں کہ ایک دوسرے مقام پر۔ اپنی ہی قلم و زبان سے۔ اپنی خود غرضی کے زیر اثر ہو کر تقلید اسلاف اور تائید بخاری میں یوں رطب اللسان ہیں۔

اس موقع پر یہ نکتہ بھی خاص کر لحاظ کے قابل ہے۔ یہ مسلّم ہے کہ حدیث و روایت میں امام بخاری ومسلم سے بڑھ کر کوئی شخص کامل فن نہیں پیدا ہوا۔ رسول اللہ کے ساتھ ان کو جو عقیدت اور خلوص اور شیفتگی تھی۔ اسکے لحاظ سے بھی تمام محدثین پر ممتاز تھے۔ سیرۃ النبی دیباچہ ص ۲۹

اوّل تو اس قسم کی تحریر سے عموماً باستثنائے بخاری ومسلم۔ دیگر تمام علماء و فضلا و اکابرین اسلام کے خلوص عقیدت اور الفت رسول صلعم پر ناحق اور محض نازیبا حملہ ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ابھی تک تو شبلی صاحب صرف حدیث اور صحت حدیث رسول صلعم ہی کے متعلق امام بخاری کا کمال ثابت کرنے پر اصرار فرماتے تھے۔ اب آپ محبت و الفت رسول صلعم میں بھی ان کے خلوص و عقیدت کے کمال کی یکتائی اور عدیم المثالی کے دعوے فرمانے لگے۔ اس بنا پر ضرور ہوا کہ شبلی صاحب کے اس غلط دعوی کی حقیقت پر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے۔

مذمت رسول میں امام بخاری کی بے ادبی

صحیح بخاری کے آٹھویں پارے میں۔ لیلۃ القدر کے متعلق یہ حدیث مرقوم ہے۔

بابـــ فضل لیلۃ القدر وقول اللہ انا انزلنہ فی لیلۃ القدر وما ادرٰک ما لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیر من الف شھر (الی آخرہ) قال ابن عیینہ ما کان فی القرآن وما ادریک فقد اعلمہ وما قال وما یدریک فانہ لم یعلمہ۔

اس حدیث میں اصل بحث ابن عیینہ کے قول سے ہے۔ کہ انھوں نے کہا کہ قرآن میں جہاں ما ادراک آیا ہے (یعنی کس چیز نے تجھے جتایا) اس کا علم تو آنحضرت صلعم کو حاصل ہے اور جہاں خدا نے ما یدریک کہا (یعنی کون چیز تجھے جتاتی ہے) اس کا علم آنحضرت صلعم کو نہیں تھا۔ ماحصل یہ ہے کہ جہاں بصیغہ ماضی آیا ہے اسکا علم آنحضرت صلعم کو حاصل ہے اور جہاں بصیغہ مضارع ہے۔ اسکا علم حضرت کو نہیں۔"

بخاری کی اس حدیث مستخرجہ پر حسب ذیل اعتراض قائم ہوتے ہیں۔

(۱) پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ آپ حدیث رسول لکھتے ہیں یا قول تابعین۔ کیونکہ ابن عیینہ جنکا نام سفیان ہے نہ صحابی ہیں نہ خلیفہ۔ بلکہ ایک معمولی درجہ کے عالم ہیں[۱]۔ انکے کلام کو یہ رتبہ کہاں ملا کہ حدیث رسول پر مقدم

سفیان ابن عیینہ [illegible]

رکھا گیا۔ مگر اسکا جواب موئدین صحیح بخاری عموماً اور غیر مقلدین حضرات یہ دے سکتے ہین کہ ہم تابعین کے اقوال کو بھی حدیث کہتے ہین اور مثل قول رسول کے مانتے ہین۔ تو پھر یہ دعوی غلط ہے کہ ہم صرف سنت رسول کے عامل ہین۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ کل علماے حدیث کا یہ اعتراض ہے کہ یہ حدیث تعلیق ہے یعنی سلسلہ رواۃ اس حدیث کا منقطع ہے۔ کیونکہ بخاری اور ابن عیینہ سے ملاقات نہین ہوئی جو یہ حدیث اُن سے سنتے اور اس امر کو لکھا بھی نہین کہ اُن (ابن عیینہ) سے سنا۔ پھر یہ حدیث صحیح کہان رہی اور صحیح بخاری صحیح کیونکر ہوئی

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ محمد ابن یحیی ابن ابی عمر نے کتاب الایمان مین بروایت ابوحاتم رازی اس حدیث کو موصول طریقہ سے روایت کیا ہے۔ علامہ ابن عینی اور ابن حجر یہی جواب دیتے ہین۔ مگر دونون صاحبون نے اس پر ذرا بھی غور نہین کیا کہ کسی دوسرے کے باتصال روایت کرنے سے۔ امام بخاری پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے کیسے رفع ہو جائے گا۔

(۳) تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر بفرض محال۔ یہ جواب قبول بھی کر لیا جاے تاہم کوئی فائدہ نہین۔ کیونکہ محمد ابن یحیی کی روایت کے الفاظ یہ ہین:۔ کل شئ فی القرآن وما ادریٰک فقد اخبرہ وکل شئ ما فیہ ما یدریک فلم یخبرہ بہ۔ ان الفاظ اور روایت صدر کے الفاظ مین جو فرق ہے وہ ظاہر ہے کما لا یخفی علی المحقق ملاحظہ ہو فتح الباری ص ۳۱۰ جلد دوم وعمدۃ القاری ص ۲۶۵ جلد پنجم۔

(۴) چوتھا اعتراض یہ ہے کہ امام مغلطائی کا مقولہ ہے کہ تفسیر ابن عیینہ مین۔ جو بروایت سعید بن عبدالرحمان خود ابن عیینہ سے منقول ہے۔ مجھے یہ عبارت نہین ملی۔ بلکہ جو نسخہ بخط حافظ ضیاء مقدسی ہے اس کی طرف رجوع کیا۔ تو اس مین بھی اس عبارت کو نہ پایا۔ فتح الباری ص ۳۱۰ ج ۲۔

اب فرمائیے کہ جو عبارت خود ابن عیینہ کی تفسیر مین بھی نہین ہے۔ اس کی نسبت کرنا ان کی طرف کس درجہ صحت صحیح بخاری کی شان کو بلند کرتا ہے۔

(۵) پانچوان اعتراض یہ ہے کہ اصل دعوی۔ ہی غلط ہے فتح الباری مین ہے۔

حاشیہ صفحہ گذشتہ وغیرہم یفعلون ہذا النوع یعنی ملا علی قاری کہتے ہین وھذا القسم من التدلیس مکروہ جداً فاعلہ مذموم عند اکثر العلماء ومن عرف بہ فہو مجروح عند جماعۃ لا یقبل روایتہ بان السماع او غیر بینہ۔ شرح الشرح نخبۃ الفکر ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ۔

دوسرا الزام سفیان ابن عیینہ پر۔ حاشیہ کاشف مین یہ ہے قال یحیی ابن سعید اشہد ان ابن عیینۃ اختلط فی سنۃ سبع وتسعین فمن سمع منہ ہذہ السنۃ والتی بعدہا سماعہ لا شئ۔

تعجب ہے کہ جس شخص کی یہ حالت ہو اس کے اقوال سے علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کیا جاوے اور پھر صحیح بخاری کی ...

قد تعقب هذا الحصر لقوله ما یدریك لعله یزکی۔ فانها نزلت فی ابن مکتوم وقد علم بحاله وانه ممن تزکی ونفعته الذکری۔

اس دعوی حصری پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ خداوند عالم فرماتا ہے وما یدریک لعلہ یزکی۔ یہ آیہ ابن مکتوم کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلعم کو انکے حال کا علم تھا کہ وہ انلوگوں میں تھے جنکا تزکیہ ہوا اور پند و نصیحت نے انکو نفع دیا۔

اس بنا پر بخاری کا یہ دعوی کہ جس آیہ میں ما یدریک ہے۔ اسکا علم آنحضرت صلعم کو نہیں دیا گیا۔ بالکل غلط ہو گیا۔ کیونکہ یہاں اس لفظ سے جو وارد ہے۔ ثابت ہے کہ آنحضرت کو اسکا علم حاصل تھا۔ ببین تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔

اس چارون اعتراضوں کو۔ ابن حجر اور عینی۔ دونوں صاحبوں نے لکھا ہے۔ مگر آخری دو اعتراضوں کا کوئی صاف جواب نہ دے سکے۔ صرف عینی صاحب اتنا لکھتے ہیں کہ تفسیر ابن عیینہ میں اس قول کا نہ ملنا اس کی دلیل نہیں ہے کہ یہ قول ہی نہ ہو۔ ابن حجر تو اتنے جواب سے بھی عاجز ہے اور اسکا احساس بھی ان کو نہوا کہ حضرت کی شان رسالت کے کس قدر خلاف ہے۔ مگر ابن حجر صاحب تو المحدیث ہیں۔ ان کو تو صحیح بخاری کی عظمت سے کام ہے نہ آنحضرت صلعم کی جلالت قدر اور عظمت مرتبت سے۔ اسی وجہ سے صرف ان اعتراض کو لکھکر چھوڑ دیا۔ مگر علامہ عینی جو فرقہ حنفی کے مسلم الثبوت عالم ہیں۔ بالاخر ان کا دل بھر آیا۔ اور اس جملہ سے انکا قلب کانپ گیا۔ لکھتے ہیں۔ قلت فی هذا الاطلاق اساءة الادب لا یخفی ذلك علی المنصف۔ اس عبارت میں جس قسم کی اسارت ادب حضرت صلعم کی نسبت ہے وہ صاحبان انصاف پر مخفی نہیں۔

افسوس۔ شبلی صاحب بخاری کی ایسی بے ادبی کو رسول کے ساتھ خلوص اور خاص شیفتگی کہتے ہیں۔ اگر ایسی ہی باتیں جیسا وہ سمجھتے ہیں تو اس عقیدت و خلوص کی دوسری مثال ملاحظہ ہو۔

(۲) بخاری میں تسمیہ سورہ بقر کے متعلق۔ یہ حدیث مرقوم ہے۔

بے ادبی کی ایک دوسری مثال

حدثنا بشر بن ادم قال اخبرنا علی ابن مسهر قال حدثنا هشام عن ابیه عن عائشه قالت سمع النبی قاریا یقرء من اللیل فی المسجد فقال یرحمه الله لقد اذکرنی کذا وکذا ایة اسقطتها من سورة کذا وکذا۔ بخاری جزء حادی عشر ص

بشر ابن ادم۔ علی ابن مسہر سے۔ وہ ہشام سے۔ وہ اپنے باپ اور وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ سنا رسول اللہ صلعم نے ایک شخص کو رات کے وقت مسجد میں قران پڑھتا تھا حضرت نے فرمایا خدا رحم کرے اس پر کہ اس نے فلان فلان آیہ کو مجھے یاد دلا دیا جو بھول گیا تھا میں فلان فلان سورے سے

بخاری کی اس مثال عقیدت سے رسالت کی نزاکت طبع کا خیال صرف مضمون شبلی صاحب کو ایسا مل سکتا ہے ورنہ اس کفر آمیز عبارت سے ایک محقق کیا ہر ناقص العقل بھی بخوبی سمجھ جائیگا کہ خود رسول اللہ صلعم قران کو اس طرح بھول جاتے تھے کہ مطلق خیال ہی نہ رہتا تھا بلکہ جب کوئی دوسرا پڑھتا تھا تو آپ کو یاد پڑتا تھا۔ نعوذ باللہ من ذالک شبلی صاحب نے سیرۃ النبی میں بخاری کے ساتھ۔ جتنا خلوص عقیدت اور اپنی شیفتگی ظاہر کی ہے۔

افسوس کہ ان کے دعوے کے خلاف بخاری نے اتنا خلوص و عقیدت بھی رسول کے ساتھ نہ دکھلائی۔ اور جس رسول کو شبلی صاحب الکلام مین علماء و حکماء اسلام کے اقوال کثیرہ سے ۔ دلائل و براہین عقلیہ کے ثبوت کے ساتھ ۔ تمام قوائے مدرکہ و احساس ظاہریہ و باطنیہ مین ۔ عام طبقہ انسانی سے اعلیٰ ترین ثابت کر چکے ہین اور حدود ادراک و احساس انسانی سے متجاوز فرما کر دیگر حدود ملکوتیت اور روحانیت تک پہونچا چکے ہین ۔ اسی روحانیت اور نورانیت کے پیکر مجسم (روحی لہ الفدا) کو امام بخاری صاحب ایک عامی العقل آدمی کے برابر ۔ عامل سہو و نسیان و قابل تسامح و غلطان قرار دیتے ہین ۔ رسول اللہ صلعم کے ساتھ یہی بخاری صاحب کی خلوص و شیفتگی ہے اور یہی الفت و فریفتگی ۔ اگر اسی کا نام خلوص و عقیدت ہے تو پھر اہانت کیا ہے ۔ هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين ۔

ان مرویات مخالفت اصول اسلام کی نسبت اس تاویل کی بھی گنجائش نہین ہے کہ امام بخاری نے سرسری طور پر ان حدیثون کو لکھ دیا ہے اور ان کے نتائج پر زیادہ غور نہ فرمایا ۔ نہین ایسا نہین ہے ۔ وہ رسول اور رسالت کو قابل سہو و نسیان یقین کرتے تھے ۔ اور اس پر وہ ثابت العقیدہ تھے ۔ اسی بنا پر صحیح بخاری مین ۔ آپ نے خاص طور پر نسیان القران کے نام سے ایک علحدہ باب قرار دیا ہے جس مین چار حدیث اس مضمون کی لائے ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قران بھول گئے تھے ۔ لیکن ہم ان لغویات کی نقل سے حیا کرتے ہین ۔ اور ان جہلات کے نقل کو بھی معصیت سے خالی نہین سمجھتے ۔ اس لئے جتنی مثالین اوپر لکھی گئی ہین وہی ہمارے مدعا کے لئے کافی ہین ۔

ہم اوپر لکھ آئے ہین کہ حقیقت رسالت اصلاً سمجھی ہی نہین گئی ۔ نہ شبلی صاحب نبوت رسالت کو سمجھ سکے اور نہ بخاری صاحب حقیقت نبوت کو سمجھا سکے ۔ اور کیونکر سمجھتے یا سمجھا سکتے ۔ خلافت اور صحابیت کے اصول تعمیم ان نصوص تخصیص سے بالکل متناقض ہو جاتے ۔ کمال حسرت و عبرت ہے کہ ان مرویات سے اپنے عقاید کے اصول کی تو حفاظت کر لی گئی مگر رسول کی شان رسالت ۔ مخالفین اسلام کی توہین و تضحیک کے لئے کھیل چھوڑ دی گئی ۔ اور ان مرویات بخاری وغیرہ امثالہ کو دکھا کر ۔ عیسائی متعصبین اور آریہ سماج ۔ قرآن اور حامل قرآن سلام اللہ علیہ مین رب المنان کی مقدس زبان بیان اور کمال حفظان کو محمول السہو والنسیان ثابت کرنے مین اور جری ہو گئے

فاعتبروا یا اولی الابصار

صحیح بخاری کی اصلیت کیا بخاری صاحب اسکے اصل جامع ہین جیسا کہ عام مین غلط مشہور ہے؟

نقادان فن حدیث ۔ صحیح بخاری کی اصلیت سے بھی خوب واقف ہین حقیقت مین یہ کتاب جیسا کہ عوام مین آجتک غلط مشہور ہے ۔ امام بخاری کی تالیف بھی نہین ثابت ہوتی ۔ بلکہ تحقیق سے مال مسروقہ قرار پائی ہے ۔ اصل مین یہ کتاب امام صاحب کے ادستاد علی ابن المدینی کی ہے ۔ جسکو امام صاحب نے ادستاد کی غیبت مین ۔ اپنے ایک ہمدرد سے کو نقرہ دیکر

حاصل کر لیا اس کی حقیقت۔ حافظ ابن حجر خاص شارح بخاری ہی کی زبانی ملاحظہ ہو۔ تہذیب التہذیب۔ امام بخاری کے خاص ذکر میں جلد نہم ص ۵۳ مین رقمطراز ہین۔

قال مسلمه والف علی ابن المدینی کتاب العلل وکان مخفیا بہ فغاب یوما فی بعض ضیعاته فجاء البخاری الی بعض بنیه ورغبه بالمال علی ان یری الکتاب یوما واحدا فاعطاه له فدفعه الی النساخ فکتبوه له ورده الیه فلما حضر علی تکلم بشئ فاجابه البخاری بنص کلامه مرارا ففهم القضیه واغتم لذلک فلم یزل مغموما حتی مات بعد یسیر واستغنی البخاری عنه بذلک الکتاب وخرج الی خراسان ووضع کتابه الصحیح فعظم شانه وعلا ذکره وهو اول من وضع فی الاسلام کتابا صحیحا فصار الناس له تبعا بعد ذلک۔

مسلمہ کہتے ہین کہ علی ابن مدائنی (اُستاد بخاری) نے ایک تالیف تیار کی تھی علل احادیث مین جس کی اشاعت مین وہ بخل کرتے تھے۔ ایک روز کسی ضرورت سے اپنے کھیت پر گئے تو بخاری نے اُنکی بعض اولاد کو کچھ مال دیکر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ ایک روز کے لئے وہ کتاب دیدین۔ اُس نے دیدیا تو بخاری نے کاتبون کو دیا اور راتون رات سب نے اُس کو نقل کر دیا جب علی ابن مدینی واپس آئے اور اپنے درس پر بیٹھے تو جب مسول شاگردون نے سوال کیا تو بخاری نے وہی جواب دیا جو اُن کی کتاب مین تھا۔ اصل قصہ کو علی ابن مدینی سمجھ گئے اور نہایت مغموم و مہموم ہو کر اوٹھ گئے۔ اسی غم مین چند روز کے بعد وہ مرگئے۔ اور بخاری اس کتاب کو لے کر خراسان چلے گئے۔ اور وہان جاکر اپنی کتاب صحیح کو تالیف کیا۔ جس سے بڑی نامورہی حاصل کی اور وہ پہلی کتاب صحیح ہے جو اسلام مین تصنیف ہوئی اور سب نے اسی کی تبعیت اختیار کی۔

ہم اس سے زیادہ اسکی حقیقت کی طول وطویل تفصیل کو بیان کرنا پسند نہین کرتے۔ کیونکہ مسئلہ زیر بحث مین بخاری کی اصل صنعت کی تنقید مقصود ہے نہ اسکی حقیقت و اصلیت کی تحقیق۔ جس کو ہم ایک حد تک اپنی مندرجہ بالا عبارت تنقیدی مین درج بھی کر چکے ہین۔ اس لئے ہم اپنے سلسلہ بیان مین اس کتاب کی غیر صحت اور ابتری کی حالتون کو دکھلاتے ہین۔

بخاری نے اپنی صحیح مین اپنی مجتمعہ حدیثون کی حد صحیح تعداد نہین بتائی

حفظ حدیث کے متعلق بخاری صاحب کا یہ دعوی ہے کہ ہم کو ایک لاکھ حدیث صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثین یاد ہین۔ مقدمہ صحیح بخاری ص ۵۱۔ مگر پھر اس پر ترقی فرما کر کرارشاد ہوتا ہے خرجت الصحیح من ستمایة الف الحدیث ص ۱۶ صحیح بخاری کو ہم نے چھ لاکھ حدیثون سے منتخب کر کے لکھا ہے۔ اب یہ دونون متعارض اور متناقض دعاوی قابل ملاحظہ ہین۔ پہلے دعوی مین تو اقرار ہے کہ صحیح اور غیر صحیح ملا کر کل تین لاکھ حدیثین یاد ہین پھر دوسرے دعوے مین چھ لاکھ حدیثین کہان سے آگئین۔ جس سے موجودہ صحیح بخاری مرتب کی گئی۔ بخاری کے ان دونون مختلف دعون کو پیش نظر رکھ کر ہر شخص بآسانی فیصلہ کرے گا کہ آپ کے اُن دونون مخالف اقوال مین ایک تو ضرور غلط ہوگا۔ مگر جب حقیقت کا متلاشی۔ اصلیت کا متجسس۔ آپ کے لاکھون حدیث کی تلاش مین۔ آپ کی صحیح بخاری کا ورق ورق الٹ ڈالتا

ایسی حالت مین - جیسا کہ امام سیوطی تحریر کرتے ہین کہ صحاح - غیر صحاح - مسانید - سنن - جوامع اور اجزا کے متفرقات سب کی حدیثین ملا کر بھی ایک لاکھ پچاس (۱۵۰۰۰۰) ہزار حدیثون سے زیادہ کا مجموع ثابت نہین ہوتا تو پھر بخاری صاحب کو تین لاکھ حدیثین کہان سے مل گئین جو انھون نے یاد کر لین جس کی نسبت وہ اتنی دلیری سے دعوی کرتے ہین -

اب بخاری صاحب کے خوش اعتقاد مقلدین کے محققانہ اضافات ملاحظہ ہون - بستان المحدثین مین شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی تحریر فرماتے ہین :-

واز جملہ شش لک (۶۰۰۰۰۰ لاکھ) حدیث کہ نزد او موجود بود از او انتخاب شروع نمودہ وانچہ کہ بسیار صحیح بود بر آن اکتفا نمود - ص ۱۰۲ -

چھ لاکھ حدیثین جو امام بخاری صاحب کے پاس موجود تھین ان مین سے انتخاب شروع کیا - اور جس قدر ان مین سب سے زیادہ صحیح حدیثین ثابت ہوئین انہین پر اکتفا کی گئی -

کہان تو علماے متقدمین تین لاکھ حدیثون پر جرح و قدح کر رہے تھے - شاہ صاحب کی ترقی اعتقاد نے تین لاکھ کی تعداد کو دونی کر کے تین لاکھ کو چھ لاکھ کر دیا - اگر اور زیادہ تحقیق سے کام لیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ حقیقتاً یہ نہ شاہ صاحب کی ایجاد ہے اور نہ انکا خاص ستراد - بلکہ بخاری صاحب ہی کا دعوی ہے جسکو ہم انکے خاص الفاظ مین اس بحث کے آغاز مین لکھ آئے ہین -

فی الواقع بخاری کا یہ دعوی اس درجہ غلط تھا کہ خود علماے اہلسنت کو اقرار کرنا پڑا کہ بخاری نے اپنے اس اظہار دعوی مین مبالغہ سے کام لیا ہے - سبحان اللہ - احادیث رسولؐ کی تفصیل و بیان اور مبالغہ - بخاری کے کو ایسا امام المحدثین اور معمولی شاعرون کی طرح اپنے کلام و بیان مین مبالغہ آمیزی سے کام لے اور علی لسانہم ولیس فی قلوبہم کا مصداق اور فی کل واد یہیمون کا مفاد بنے - استغفر اللہ ربی -

بخاری صاحب کی ان طومار بندیون کا آخر نتیجہ بھی تدریب الراوی کی مفصلہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے

سبعۃ الاف ومائتان وسبعون حدیثا المکررۃ وبحذف المکررۃ اربعۃ الاف - ص ۳۰

صحیح بخاری مین سات ہزار دو سو ستر حدیثین ہین اور مکررات نکال دیجائین تو کل چار ہزار حدیثین رہ جاتی ہین -

اب فرمائیے - یہ کیسے ممکن ہے کہ جس کو اپنے ایک دعوے کے مطابق ایک لاکھ - دوسرے دعوے کے مطابق تین لاکھ اور تیسرے دعوے کے مطابق چھ لاکھ حدیثین یاد ہون اور اپنی ایسی عظیم الشان تالیف مین جس کو کبھی مکہ مین کبھی مدینہ مین ہر ہر حدیث پر دو دو رکعت نماز پڑھکر اور غسل فرما کر لکھے وہ صرف چار ہزار حدیث لاسکے اور بقول ے چھیانوے ہزار اور بقول ے دو لاکھ چھیانوے ہزار اور بقول ے پانچ لاکھ چھیانوے ہزار غائب کر دے - آخر مین سمجھ لینا چاہیے کہ اصل سرمایہ چار ہزار کا تھا - باقی سب آپکی شاعرانہ تعلیان اور زبانی [illegible]

سچ تو یہ ہے کہ ہم بخاری صاحب کی حدیثوں کا لیکھا لگا نہیں سکتے ع شمار کردم و دیدم کہ بیشمار آمد۔ امام صاحب کی قوت حافظہ۔ یادداشت اور صدق بیانی کی تصدیق تو ہم ناظرین کی منصفانہ تجویز اور محققانہ فیصلہ پر چھوڑ دیتے ہیں۔

شبلی صاحب کو بخاری پرستی کی کیوں مجبوری ہوئی - صرف اس لئے جیسا کہ ہم اوپر بھی کہیں کہیں اشارتاً بتلا آئے ہیں کہ بخاری صاحب اور ان کے مصنفات کے حضرات چونکہ شبلی صاحب کی تمام تالیف مسائل تعمیم بین الطبقات الامم - عدم تخصیص فی المدارج الصحابہ - تنقیص بنی ہاشم و ترجیح و تفضیل خلفاء و امراء بنی امیہ میں آپ کے بالکل ہمخیال اور ہمکلام واقع ہوئے ہیں - اس بنا پر ان حضرات کے اخبار و آثار کو ہوتا اور بخاری صاحب کے شعار و شعائر کو خصوصاً اپنی تحقیق و تنقید کا معیار قرار دیا گیا اور مقدمہ کتاب ہی سے بخاری کی مدح سرائی اور فن حدیث میں بے مثالی اور یکتائی آغاز فرمائی گئی - اور پوری کتاب کے مسائل و مباحث میں انہیں کے مختار کو ترجیح و تفضیل عنایت کی گئی - کیونکہ اصل مقصود بغیر ان کی دستگیری کے دوسرے علماء محدثین کی مرویات یا تالیفات سے کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

(۳۷) سیرۃ النبی کی جلدوں میں ایک حدیث بھی ائمہ یا علمائے اہلبیت سے نہیں لی گئی جس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ شبلی صاحب کے نزدیک یہ بزرگوار قطعی ساقط الاعتبار ہیں۔ اس طریق میں آپ پورے پورے شیخ الشیوخ امام بخاری کے مقلد ہیں - کیونکہ انہوں نے بھی اپنے تمام صحیح میں ان حضرات سے تخارج و سماع حدیث نہیں کیا۔

استفادہ روایات ائمہ اہلبیت بتقلید بخاری

علمائے اہلبیت نے بخاری کی اس عصبیت کی [illegible] ہوگی [illegible] شکایت کرتے [illegible] اہلسنت میں مولانا عمر کریم صاحب فاضل معاصر نے فہرست اعتراضات و جرح صحت بخاری میں [illegible] فروگذاشت کو خصوصیت کے ساتھ داخل کر دیا۔ انکی اصل عبارت حسب ذیل ہے۔

> بخاری صاحب نے تقریباً چار ائمہ اہلبیت کا زمانہ پایا۔ سیدنا حضرت علی بن موسیٰ رضا سیدنا امام محمد تقی سیدنا امام علی النقی اور سیدنا امام حسن العسکری [illegible] سے کسی بزرگوار سے کسی حدیث کی سماعت نہیں کی۔ وہ تحقیق و تفتیش حدیث میں ساری دنیا چھان ڈالی۔ مکہ۔ مدینہ۔ عراق۔ شام اور مصر غرض کوئی جگہ نہ چھوڑی [illegible]
>
> (رسالہ انقلاب - امرتسر)

(۳۸) امام بخاری ہی نے ان بزرگوں کو متروک الحدیث نہیں قرار دیا ہے بلکہ منہاج السنہ میں ابن تیمیہ تو بکمال افتخار اس عصبیت کو جملہ اصحاب صحاح اہلسنت کا خاص شعار قرار دیتے ہیں - ان کی اصل

عبارت یہ ہے۔

قال العلماء المعروفین بالروایۃ الذین کانوا فی زمن ھذا الحسن بن علی العسکری لیس لھم عنہ روایۃ مشھورۃ فی کتاب اھل العلم وشیوخ اھل کتب السنۃ البخاری ومسلم وابی داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ کانوا موجودین فی ذلک الزمان وقبلہ وبعدہ وقد جمع الحافظ ابو القاسم بن عساکر ذکر اسماء شیوخ الکل شیوخ ھولاء الائمۃ فلیس من ھولاء الائمۃ من روی عن الحسن بن علی العسکری مع روایتھم من الوف مؤلفۃ من اھل الحدیث۔

منہاج السنۃ ص ۱۲۱

یعنی جو علماء مشہور بروایت حدیث ہیں۔ اور وہ زمانہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام میں موجود تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اُن سے روایت نہیں کرتا شیوخ کتب سنن۔ بخاری مسلم۔ ابی داؤد۔ ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ یہ سب اُسی زمانہ میں قبل وبعد موجود زندہ تھے۔ حافظ ابو القاسم بن عساکر نے کتب سنت کے تمام شیوخ الشیوخ کے نام لکھے ہیں جن میں سے کوئی بھی حضرت امام حسن عسکری سے روایت نہیں کرتا۔ حالانکہ ہزاروں راویوں سے حدیثوں کی روایت کرتے ہیں۔

منہاج السنۃ ص ۱۲۱

اس کا سبب کیا؟ وہی تنقیص اہلبیت۔ جسکو ہم مجمل طور پر ابھی بھی ایک حنفی فاضل کی تحریر کا حوالہ دیکر اوپر لکھ چکے ہیں اور بار دیگر مفصل طور پر حسب ذیل ہے۔

امام ابن تیمیہ نے تو اصحاب سنن اور بخاری وغیرہم کی اس عصبیت کو بڑے افتخار سے لکھ مارا۔ مگر انکو یہ نہیں معلوم تھا کہ علمائے اہل سنت ہی میں اکثر حضرت کو ان علما کے عموماً اور بخاری کے اس شعار سے خصوصاً سخت شبہ ہوا ہے اور بخاری کی اس اغراض کو انھوں نے بکمال حقارت دیکھا ہے۔ انھیں میں علامہ ذوالنسبین ابن دحیہ اندلسی ہیں۔ وہ اپنی کتاب اس اسماء النبیؐ میں ذیل کی عبارت قلمبند فرماتے ہیں:۔

ترجمۃ البخاری فی صحیحہ فی وسط المغازی ما عدا ذیبۃ بعث علی ابن ابیطالب وخالد ابن ولید الی الیمن قبل حجۃ الوداع حدثنی احمد بن عثمان قال حدثنا شریح بن مسلمۃ قال حدثنا ابراھیم ابن یوسف ابن اسحق ابن ابی اسحق قال حدثنی ابی عن ابن ابی اسحق سمعت البراء بعثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مع خالد ابن ولید الی الیمن

بخاری نے اپنی صحیح کے وسط مغازی میں روایت کی ہے براء ابن عازب سے کہ حضرت صلعم نے ہم کو خالد ابن ولید کے ہمراہ حجۃ الوداع کے قبل جانب یمن روانہ کیا بعدہ جناب علیؑ ابن ابیطالبؑ کو بھیجا اور کہا کہ جو شخص خالد کے ساتھیوں میں سے چاہے تمہارے ساتھ رہجاوے تو اس کو رہنے دینا اور جو شخص کہ چاہے واپس لے آئے اس کو بھیج دینا براء کہتے ہیں کہ ہم ان میں تھے جو پیچھے رہگئے تھے۔ اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا تھا۔ بریدہ سے روایت ہے کہ حضرت نے حضرت علیؑ کو

ثم بعث عليا بعد ذلك مكانه فقال مر اصحاب
خالد من شاء منهم ان يعقب معك فليعقب ومن
شاء فليقبل فكنت ممن عقب معه فقال غنمت
اواقي ذات عدد حدثني محمد ابن بشار قال حدثنا
روح ابن عبادة قال حدثنا علي ابن سويد بن
منجوف عن عبد الله ابن بريدة عن ابيه قال
بعث النبي صلى الله عليه واله وسلم عليا الى خالد
ليقبض الخمس وكنت ابغض عليا وقد اغتسل فقلت
لخالد الا ترى الى هذا فلما قدمنا الى النبي صلعم ذكرت
له ذلك فقال يا بريدة اتبغض عليا فقلت نعم قال
لا تبغضه فان له في الخمس اكثر من ذلك
قال ذو النبلين اورده البخاري ناقصا
مبترا كما ترى وهي عادته في ايراد الا
حاديث التي من هذا القبيل وما ذاك الا لسوء
رايه في التنكب عن هذا السبيل واورده الامام
احمد ابن حنبل كاملا محققا وافيا والطريق الذي
فيه موفقا فقال فيما حدثني القاضي العدل بقية
مشايخ العراق تاج الدين ابو الفتح محمد ابن احمد
بن المندائي قراءة عليه بواسط العراق بحق
سماعه على الثقة الرئيس ابي القاسم ابن الحصين
بحق سماعه على الثقة ابو طالب ابن علي الحسين ابن
المذهب بحق سماعه على الثقة ابي بكر احمد بن
جعفر بن حمدان القطيعي بحق سماعه من
الامام ابي عبد الرحمن بن عبد الله بحق سماعه
على ابيه امام السنة ابي عبد الله احمد ابن حنبل

بھیجا کہ جا کر خالد سے خمس وصول کریں۔ اور ہم کو علیؑ سے بغض تھا
اور ہم نے دیکھا کہ علیؑ غسل کر کے آئے ہیں تو ہم نے خالد سے کہا کہ کیا
اسکی طرف نہیں دیکھتے ہو۔ جب ہم جناب رسول خدا صلعم
کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرتؐ سے اس بات کا تذکرہ
کیا حضرت صلعم نے فرمایا کہ اے بریدہ کیا تم کو علیؑ سے عداوت
ہے میں نے کہا ہاں حضرت نے فرمایا علیؑ سے بغض نہ رکھو
کیونکہ ان کا حصہ خمس میں اس سے کہیں زیادہ ہے۔ علامہ
ذوالنبلین صاحب کتاب کہتے ہیں کہ اس حدیث کو بخاری نے
اپنی صحیح کے مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں بشکل ناقص
اور بطریق ابتر وارد کیا ہے جیسا کہ دیکھا جاتا
ہے۔ اور یہ ان کی عادت ہے جو وہ ان [illegible]
کی حدیثوں کی تفصیل و بیان میں اختیار کرتے ہیں
اور سبب اس کا یہی ان کی رائے بد ہے جو
وہ اس راہ سے انحراف کرنے میں رکھتے ہیں۔ اسی
روایت کو امام احمد بن حنبل نے کامل اور
محققاً وارد کیا ہے جس کے طریق ثقات میں ہو کر [illegible]
ہوئے ہیں (سلسلہ رواۃ متن میں مذکور ہے۔ بخوف
طوالت قلم انداز کرتے ہیں) عبد اللہ بن بریدہ سے روایت
کرتے ہیں کہ ہم کو حضرت علی بن ابیطالب سے ایسا بغض تھا
کہ ویسا کسی سے بھی نہیں [illegible]
وجہ سے محبت کی تھی کہ وہ علیؑ سے بغض رکھتا تھا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

قال حدثنا یحیی ابن سعید حدثنا عبد الجلیل قال
انتهیت الی حلقة فیها ابو مجلز وابنا بریدة فقال
عبد الله بن بریدة قال ابغضت علیاً بغضاً
لم یبغضه احد قط قال واحببت رجلا لم احبه
الا ببغضه علیا قال فبعث ذالک الرجل
علی خیل فصحبته ما اصحبه الا علی بغضه علیاً
قال واصبنا سبیا قال فکتب الی رسول الله صلعم
ابعث علینا من یخمسه قال فبعث الینا علیاً
وفی السبی وصیفة هی افضل من السبی قال
فخمس وقسم فخرج وراسه یقطر فقلنا یا ابا الحسن
ما هذا قال الم تروا الی الوصیفة التی کانت فی
السبی فانی قسمت وخمست فصارت فی الخمس ثم
صارت فی اهل بیت النبی صلعم ثم صارت فی آل علی
ووقعت فکتب الرجل الی نبی الله صلعم قلت ابعثنی
فبعثنی مصدقا قال فجعلت اقرا الکتاب واقول
صدق صدق فامسک یدی والکتاب فقال اتبغض
علیا قال قلت نعم قال فلا تبغضه وان کنت تحبه فازدد
له حبا فوالذی نفس محمد بیده لنصیب آل علی فی
الخمس افضل من وصیفة قال فما کان من
الناس احد بعد قول رسول الله صلعم احب الی
من علی قال عبد الله فوالذی لا اله الا غیره ما
بینی وبین رسول الله صلعم فی هذا الحدیث غیر ابی بریدة

آنحضرت صلعم نے حضرت علی ابن ابیطالبؑ کو بھیجدیا
ان قیدیوں میں ایک لونڈی تھی۔ جو سب سے بہتر تھی
حضرت علیؑ بعد تقسیم تشریف لائے اس حالت سے کہ آپ
نے غسل فرمایا تھا اور پانی کے قطرے آپ کے سر سے
ٹپک رہے تھے۔ ہم نے کہا یہ کیا؟ حضرتؑ نے کہا کہ
اس لونڈی کو کیا نہیں دیکھا جو ان قیدیوں میں تھی کہ بعد
تقسیم وہ خمس میں پڑی اور تقسیم خمس کے ذریعہ سے وہ
اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حصہ میں آئی اور پھر
ان سے خاص حصہ آل علیؑ میں آئی۔ اس شخص نے (خالد ابن
ولید) جو سردار لشکر بنایا گیا تھا ان سب حالات کو لکھ کر
حضرتؐ کے پاس بھیجنا چاہا۔ ابو بریدہ نے کہا کہ یہ خط ہم کو
دو کہ ہم اس کی تصدیق کریں گے۔ یہ خط لیکر ہم رسول اللہ صلعم
کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرتؐ نے خط پڑھنا شروع کیا۔
ہم۔ سچ ہے۔ سچ ہے۔ کہتے جاتے تھے پس آنحضرتؐ نے
میرا ہاتھ پکڑ لیا اور خط پڑھنا بند کر دیا اور مجھ سے استفسار فرمایا کہ تم
علیؑ سے بغض رکھتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ حضرتؐ نے فرمایا
علیؑ سے بغض نہ رکھو۔ اگر محبت رکھتے ہو تو اسکو بڑھاؤ قسم اسکی جسکے
قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے۔ آل علیؑ کا حصہ خمس میں ان
وصیفہ سے کہیں زیادہ ہے۔ اس حدیث کے بعد ہمارے نزدیک علیؑ
سے زیادہ کوئی محبوب نہیں۔ عبد اللہ راوی حدیث کہتے ہیں کہ قسم
خدا کی ہمارے اور جناب رسولخدا صلعم کے درمیان اس حدیث میں سوا
میرے باپ بریدہ کے کوئی دوسرا واسطہ نہیں ہے

پس جبکہ مرقومۂ بالا عبارت سے بخاری صاحب کا بددیانتی فی نقل والاحادیث بدیہی طور پر ثابت ہوگیا۔ باعتبار
دیانت و امانت آپ کیسے متدین اور باعتبار محدثیت و محقق تھے کہ احادیث فضیلت جناب امیرؑ کو ناقص اور ابتر
بہ ایں طور لکھا کرتے اور کسی طرح ان کا دل اسکو گوارا نہ کرتا کہ فضائل و مناقب جناب امیرؑ کو پورے طور پر لکھیں گو

روایت امام احمد ابن حنبل میں حضرت علیؑ کی اخوت اور مساوات کا ذکر ہے جس سے جناب امیرؑ کی فضیلت تمام عالم پر بعد رسول اللہ صلعم ثابت ہے۔ بخاری نے اس جملہ کو بالکل نکال دیا۔

بخاری کی یہ ترکیب صرف ایک روایت میں نہیں ہے بلکہ بقول علامہ ذو النسبین ابن جبہ اندلسی۔ وہ عادتہ کما تری بخاری کی یہی عادت تھی جیسی کہ دیکھی جاتی ہے کہ جس حدیث میں حضرت علیؑ کا ذکر آتا۔ اس کو اسی طرح مختصر اور مقطوع کر کے روایت کرتے پھر آپ کے تذکرہ ذکر الحدیث کا لم یکن بنا دیتے۔ علامہ ابن رجبہ کا پھر یہ فقرہ وما ذاک الا لسوء رایہ فی التنکب عن ھذا السبیل بخاری کی یہ عادت اس وجہ سے تھی کہ اس سبیل سے انحراف کرنے میں انکی رائے بد تھی۔ صاف صاف بتا رہا ہے کہ بخاری کو ان حضرات (اہلبیت طاہرین) سے کس قدر انحراف تھا کہ آخر علمائے اہلسنت کو بھی اس کجروی کا اقرار کرنا پڑا پھر بتایا جاوے کہ ایسے محدث کا کیسا وزن اور ایسی کتاب کی کیا عزت ہو سکتی ہے جو اپنے ذاتی غرض کے لئے احادیث رسول صلعم کا اس طرح ابتر کیا کرتا ہو۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ پھر دوسرے مقام پر وہی علامہ ابن رجبہ اندلسی لکھتے ہیں

بد انا بھا ورده مسلم لانه اورده بكماله وقطعه البخاري واسقط منه على عادته كما ترى وهو مما عيب عليه في تصنيفه على ما جرى ولا سيما اسقاطه لذكر علی

اس روایت کو ہم نے صحیح مسلم سے اس لئے پہلے نقل کیا ہے کہ مسلم نے اس کو بہ تمام و کمال نقل کیا ہے بخلاف بخاری کے کہ انھوں نے اس حدیث میں بہت سے حذف و اسقاط کیا ہے جو ان کی خاص عادت ہے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ ان کی تصنیف پر اس کا عیب لگایا گیا ہے خصوصاً ذکر حضرت علیؑ کا ساقط کر دینا۔

تو کیا ایسا شخص۔ ان تمام معائب و مناقص کے بعد بھی محدث۔ امام اور امیر المومنین فی الحدیث کہا جا سکتا ہے۔ جو کہ الفاظ و احادیث رسول صلعم کو نکال دے اور خصوصیت سے حضرت علی ابن ابیطالب کو ساقط کر دے اور عموماً یہ اس کی عادت قرار پائے۔

علامہ ذو النسبین ابن رجبہ کی توثیق۔ علامہ ذو النسبین ابن رجبہ کوئی معمولی شخص نہیں تھے بلکہ اکابر علمائے اہلسنت سے تھے۔ وفیات الاعیان ابن خلکان میں ہے:

ابو الخطاب عمر ابن الحسن بن علی بن محمد بن الجميل بن فرح بن خلف بن فرس بن ذلال بن ملال بن بدر بن دحیہ بن فروۃ المعروف بذی النسبین الاندلسی البلنسی الحافظ وكان ابو الخطاب المذكور من اعيان العلماء ومشاهير الفضلاء متقنا لعلم الحديث

ابو الخطاب عمر بن حسن بن علی بن محمد بن جمیل بن فرح بن خلف بن فرس بن ذلال بن ملال بن بدر بن دحیہ بن فروہ المعروف بذی النسبین اندلسی بلنسی حافظ اعیان علماء اور مشاہیر فضلا سے تھے۔ علم حدیث میں بہت پورے متقن تھے

(۳۹) بخاری اور آنکے اصناف کے حضرات۔ اصحاب صحاح کی عموماً اس قطع و برید اور استخفاف و استخداف احادیث سے جو غرض و غایت تھی وہ پورے طور سے ظاہر ہوگئی۔ مولوی شبلی صاحب نے اپنی تالیفات و تصنیفات

اصول مساوات طریقہ تعمیم

مین بھی اپنے اسلاف کی کامل تقلید اختیار فرمائی۔ بلکہ ضرورت سے زاید۔ زیادہ غور و تحقیق سے دیکھا جاوے تو آپ کے محتاط قلم نے تو اتنی تفصیل و بیان کا بار اٹھانا بھی گوارا نفرمایا۔ جتنا آپ کے اسلاف نے جبراً و قہراً اور طوعاً و کرہاً لکھ دیا تھا ہم نے شبلی صاحب کے اس طریقہ استخفاف و استقصار کو آپ کی دونون جلدون مین غور و تعمق سے دیکھا ہے اور ایسے تمام واقعات مین جہان جہان آپ نے احذاف و استخفاف اور اسقاط الفاظ و مضامین سے کام لیا ہے۔ اُن کی اصلیت اور حقیقت تفسیر۔ حدیث۔ تاریخ اور سیر وغیرہ کی تفصیل و بیان سے پورے طور پر قلمبند کر دی ہے۔ اور کافی ثبوت و شہود سے بتلا دیا ہے کہ شبلی صاحب نے اپنے ذکر و نقل مین بھی اپنی اُسی ضرورت خاص کو مد نظر رکھا ہے۔ جو بخاری اور غیرا نشالہم کا قدیم سے معیار و مختار قرار پا چکا تھا۔ اور وہ اصول مساوات اور طریقہ تعمیم تھا۔ جس کی ابتدا قبل اسلام کے وقائع نگاری مین اُسیوقت سے اٹھائی گئی ہے جب سے بنی ہاشم۔ قبیلہ قریش سے جدا ہو کر اہلبیت کے خاص خطاب و القاب سے مخصوص کئے گئے اور امارت مکہ اور ولایت خانہ خدا ان کا اصلی اور موروثی منصب قرار پایا۔ پھر بعد ظہور اسلام تمام واقعات اور خصوصاً اُن

النبوی وما یتعلق به عارفا بالنحو واللغة وایام العرب واشعارها اکثر یطلب الحدیث فی اکثر بلاد الاندلس الاسلامیه یلقی بها علماء ومشائخها ثم رحل منها الی بر العدوة ودخل مراکش واجتمع بفضلائها ثم ارتحل الی افریقیه ومنها الی الدیار المصریة ثم الی الشام والشرق والی العراق وسمع ببغداد من بعض اصحاب ابن الحصین وسمع بواسط من ابی الفتح محمد ابن احمد المندادی ودخل الی عراق العجم وخراسان وما والاها ومازندران کل ذلک فی طلب الحدیث والاجتماع بائمة الحدیث واخذ عنهم وهو فی تلک الحال یتمیز علیهم بتحصیل ما لیس عندهم وسمع باصبهان من ابی جعفر الصیدلانی وبنیشاپور من منصور بن عبدالمنعم الفراوی

علم نحو۔ علم لغت کے امام اور اشعار و ایام عرب کے عارف تھے طلب علم حدیث مین اکثر بلاد اندلس اسلامیہ کی سیاحت کی اور علما و مشائخ سے ملاقات کی۔ پھر علاقہ بر عدوہ کی طرف گئے۔ اور داخل مراکش ہوئے افریقہ۔ دیار مصریہ۔ شام مشرق۔ عراق کا سفر کیا۔ بغداد مین اصحاب ابن الحصین سے سماعت کی اور واسط مین ابو الفتح مندائی سے عراق عجم و خراسان اور اُن کے متعلقات شہر مازندران کی طرف سفر کیا۔ یہ سب طلب حدیث کے لئے تھا۔ اور خاص کر اس غرض و مدعا سے کہ ائمہ حدیث سے ملاقات کرین اور اون سے علوم حاصل کرین۔ ان سب کے ساتھ خود اسقدر جامع علم تھے کہ علماء ان سے علم حاصل کرتے اور استفادہ کرتے۔ اصفہان مین ابی جعفر صیدلانی سے اور نیشاپور مین منصور بن عبدالمنعم فراوی سے سماعت کی۔

وفات ۶۳۳ھ ابن خلکان وفیات الاعیان ص ۳۸۱

مقامات ہیں جن سے اور جہاں سے انکے اعلیٰ خدمات اسلام اور فضائل ومناقب اور ترجیح علی کافۃ الامم اور دیگر امور شریف وخصائص ثابت ہوئے۔ اسی اصول سیادت اور طریقہ تعلیم کا ظاہری پردہ ڈال دیا گیا حقیقت حال اور صورت واقعہ یا تو قطعاً مفروع التعلم اور کالعدم کر دی گئی۔ یا بیان بھی کی گئی۔ تو محض اشارات یا استعارات کی صورت میں اور اگر کسی خاص مقامی مجبوری سے توجہ بھی فرمائی گئی تو حقیقت بیان میں اسقدر اختصار اور قطع وبرید سے کام لیا گیا کہ حقیقت واصلیت واقعہ بالکل مبہم اور غیر مفہوم ہو کر رہ گئی۔

ہم نے اپنی موجودہ کتاب میں ابتداہی سے شبلی صاحب کے طرز تحریر تحقیق حقیقت پر پوری نظر ڈالی ہے اور ہر ہر مقام پر آپ کی اس قلمکاری کی حقیقت کھولدی ہے۔ تنہا شبلی صاحب ہی کی اس ترکیب تحریر کی تنقید نہیں کی ہے بلکہ محدثین۔ مورخین اور مغازی وسیرت کے مولفین کے جن جن حضرات نے ان مصنوعات سے کام لیا ہے۔ انکے سخنفاوں کا بھی پورا انکشاف کر دیا ہے مناسب تھا کہ ہم اپنے موجودہ سلسلہ بیان میں ان مصنوعات کی چند مثالیں بھی پیش کر دیتے مگر ہم اس باعث سے باز رہے کہ ان تمام مقامات میں جو عنقریب ہماری کتاب میں پیش نظر آنے والے ہیں۔ بلا ضرورت تو ارد پیدا ہوسکتا اور بیکار طوالت کا خدشہ ہوتا۔

اصول فہم اور سیادت کی اصطلاح ہیں استعمال ہے کے اصول اسی طرح سے بالآخر شبلی صاحب کا انکار

(۴) ہم حقیقت کسی ترکیب سے چھپ نہیں سکتی۔ کیونکہ ہم صرف اس لئے کہ اس کا نام ہی واضح حقیقت ہے۔ شبلی صاحب نے اصول تعلیم کے مطابق انواع واقسام کی ترکیبوں سے حقیقت حال کے مشاہدات پر نقاب افگنی فرمائی ہے۔ مگر پھر اپنے ہی دست وقلم سے اسی اصول تعلیم کی کامل تنقید ان الفاظوں میں مختصر ذیل عبارت میں قلمبند کردی ہے:-

> روایت کے متعلق جو اصول منضبط ہوئے تھے ان کے نفاذ میں بھی بعض بعض موقعوں پر کام نہیں لیا گیا۔ مثلاً اصول روایت کی رو سے راوی کے اوصاف میں کوئی راوی نہایت ضابط۔ نہایت سخن فہم اور نہایت دقیقہ رس ہوتا ہے۔ کسی میں یہ اوصاف کم ہوتے ہیں۔ کسی میں اس سے بھی کم ہوتے ہیں۔ جو فرق مراتب جس طرح فطرتاً عام رواۃ میں پایا جاتا ہے صحابہ بھی اسی سے مستثنیٰ نہیں۔ حضرت عائشہ نے حضرت عبداللہ بن عمر حضرت ابوہریرہ کی روایت پر اور حضرت عبداللہ ابن عباس نے حضرت ابوہریرہ کی روایت پر جو تنقید کیں وہ اسی بنا پر تھیں
>
> اختلاف کی بنیاد پر بڑے بڑے معرکۃ الآرا مسائل کی بنیاد قائم ہے۔ مثلاً دو روایتوں میں تعارض پیش آئے تو اس بحث کے فیصلہ میں عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے

کہ ایک روایت کے راویوں کا دوسری روایت کے راویوں سے زیادہ عالی رتبہ ہونا ثابت کردیا جاوے (گو دونوں آدمی ثقہ ہیں) اور یہ اس روایت کی ترجیح کا قطعی ذریعہ ہوگا لیکن صحابہ میں آکر یہ اصول بیکار ہوجاتا ہے۔ فرض کرو کہ ایک روایت حضرت عمر سے مروی ہے اور دوسری کسی بدوی عرب سے مروی ہے۔ جس نے عمر بھر میں صرف ایک دفعہ اتفاقاً آنحضرت صلعم کو دیکھ لیا تھا۔ تو اب دونوں راویوں کا درجہ برابر ہوجاتا ہے۔ علامہ مازری مشہور محدث ہیں۔ علامہ نووی شرح صحیح مسلم میں اکثر ان سے استناد فرماتے ہیں۔ انھوں نے اس تعمیم کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابہ کے دیباچہ صفحہ ۱۰ و ۱۱ میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

لسنا نعنی بقولنا الصحابہ عدول کل من راہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم او من راہ لماما او اجتمع بہ لغرض وانصرف عن کثب وانما نعنی بہ الذین لازموہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون

یہ مقولہ کہ صحابہ سب عادل ہیں ہم اس سے ایسے شخص کو مراد نہیں لیتے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اتفاقاً دیکھ لیا یا آنحضرت صلعم سے کسی غرض کیلئے ملا۔ اور پھر واپس چلا گیا۔ بلکہ ان لوگوں کو مراد لیتے ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں بہ التزام رہے۔ اور آپ کی اعانت و مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوا۔ یہی لوگ کامیاب ہیں

لیکن محدثین نے مازری کے اس قول سے عام مخالفت کی۔ علامہ مازری سے صرف یہ غلطی کی کہ عدالت کے وصف کو مطلقاً متقدمین صحابہ سے مخصوص کردیا۔ اس بنا پر محدثین کی مخالفت ان سے بیجا نہیں۔ لیکن اس میں کیا شبہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر و علی کی روایتیں ایک عام بدوی کی روایت کے برابر نہیں ہوسکتیں۔ خصوصاً اُن روایتوں کے متعلق یہ فرق ضرور ملحوظ رکھنا چاہئے جو فقہی مسائل یا دقیق مسائل سے تعلق رکھتے ہیں

سیرۃ النبی جلد اول ص ۴۱ و ۴۲

یہ ہے حقیقت کی حقیقت۔ شبلی صاحب کے مرقومہ بالا اعتراف سے کہ مراتب صحابہ میں تعمیم و مساوات کا خیال بھی نہیں بلکہ بعض بعض خاص مقامات (فقہی اور دقیق مسائل) پر اس تخصیص میں ترمیم ضروری اور لابدی ہے۔

۵۰: حضرت عثمان کے استثنا کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ حالانکہ حضرت عمر سے اُن کا سابق الاسلام ہونا روایتاً اور درایتاً ثابت ہے۔ صفحہ عنہ

شبلی صاحب کے اس مندرجہ صدر اعتراف کے لفظ لفظ کو غور سے پڑھا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے اس بیان کے ایک ایک لفظ کو کس حزم و احتیاط سے تول تول کر لکھا ہے۔ اصول عقاید اور تقلید اسلاف تو ایک طرف ہاتھ پکڑ کر آپ سے تمام دلائل و مباحث کے بعد یہ لکھوائی ہے کہ علامہ مازری نے بے شبہہ یہ غلطی کی کہ عدالت کے موصوف کو مطلقاً مقربین صحابہ سے مخصوص کر دیا۔" دوسری طرف حقیقت نے اٹھنے آسی دست ظلم سے یہ فیصلہ بھی ایک ہی خط و تحریر میں لکھوا دیا ہے کہ اس میں کیا شبہہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر اور علی کی روایتیں ایک عام بدوی کی روایت کے برابر نہیں ہو سکتیں" پھر ذرا سنبھل کر اس تخصیص کی یوں تعمیم فرما دیتے ہیں کہ ان روایتوں کے متعلق یہ فرق ضرور ملحوظ رکھنا چاہئے جو فقہی مسائل یا دینیات سے تعلق رکھتی ہیں۔ تو گویا ان مقربین صحابہ کے اقوال و ارشاد کا اعتبار الٰہیات و فقہیات تک مخصوص کر دیا گیا۔ اور باقی مسائل میں ان حضرات کی حالت تعمیم اور مساوات فی المدارج کے اصول پر تسلیم کرا دی ہے۔

شبلی صاحب نے یہ فیصلہ سخت اضطراب و کشمکش کی حالت میں لکھا ہے۔ اور وہ اس دو رخی تجویز کے لئے حقیقتاً مجبور تھے۔ اس لئے کہ کٹھ ملاؤں کے اصول عقاید کو بھی سنبھالنا ہے اور ذہنی آزادانہ تحقیق اور فلسفانہ طریقہ سیرت نگاری کی بھی آبرو رکھنی ہے۔ مگر آپ کی اس طرز تحریر پر جوں جوں غور کیا جاتا ہے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ آپ نے سو درجہ کے حزم و احتیاط سے حقیقت کے چھپانے میں کام لیا ہے مگر پھر بھی تمام مصنوعات کی قلعی کھل گئی ہے اور حقیقت کا رنگ جھلکنے لگا ہے۔

دیکھئے۔ علامہ مازری نے کٹھ ملاؤں کے اصول کی غلطی کا باعث دکھا کر ذہنی آزادی سے قائم کر دی ہے اور اختلاف اسلاف کی رتی بھر بھی پروا نہیں کی۔ مگر آپ کے دل و دماغ میں اتنی قوت کہاں۔ آپ نے مسئلہ زیر بحث کی دو رخی تصویر کھینچی اور اثبات و نفی دونوں پہلوؤں کو حتی المقدور قائم رکھنا چاہا۔ اور اسی طریقہ ذو جہتی نے آپ کو حقیقت نگاری سے کوسوں دور پھینک دیا اور پھر آپ ہی سے آپ کی کجروی اور غلط فہمی کی حقیقت بھی لکھوا دی۔

آپ علامہ مازری کی اس حقیقت نمائی کی تردید میں یہ فیصلہ فرماتے ہیں کہ "علامہ نے یہ غلطی کی کہ عدالت کے وصف کو مقربین صحابہ سے مخصوص کر دیا اس بنا پر محدثین کی مخالفت ان سے بجا نہیں"۔ تو گویا باوجود علامہ مازری کی جرأت و ہمت کے جن کو آپ اپنے ان الفاظ میں لکھ کر تسلیم کر چکے ہیں کہ "اس میں کیا شبہہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر، عمر اور علی کی روایتیں ایک عام بدوی کی روایت کے برابر نہیں ہو سکتیں" [illegible] آپ نے اپنے بیان پر صرف الفاظ کا ایک معمولی پردہ ڈال دیا ہے۔ ورنہ حقیقت میں آپ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ صحابہ کے مابین آسمان زمین کا فرق ہے۔

دیکھئے [illegible] اعتراف سے چند سطر بیشتر جو مسئلہ زیر بحث کے متعلق آپ [illegible]

نقل فرمائی ہے اور جس کو ہم اوپر بھی لکھ چکے ہیں اور ضرورتاً پھر لکھے دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ دو فرض کرو ایک روایت حضرت عمرؓ سے مروی ہے اور دوسری کسی بدوی عرب سے" کبھی تو آپ کلہم عدول کی تائید میں اس پر چوتھی سے علامہ مازری کی تغلیط و تردید کرتے ہیں - اور کبھی مندرجہ بالا عبارت تحریر فرما کر - کلہم عدول کی اصول عقائد سے علیحدہ ہو کر طبقہ صحابہ کرام میں ترتیب فی المدارج قائم کرتے ہیں - اور اپنے معیار تالیف اصول مساوات اور تعمیم کا کوئی خیال نہیں فرماتے - ایک صحابہ کو حضرت عمرؓ کے القاب سے یاد فرما کر اس کا اعزاز بڑھاتے ہیں اور دوسرے کو ایک بدوی عرب کے اہانت آمیز و حقارت انگیز الفاظ سے ذکر فرما کر اس کی شان صحابیت کو خاک میں ملاتے ہیں - اور جب علامہ مازری اس تخصیص و تفریق کو لکھ کر بتلاتے ہیں تو آپ اُن کے مختار تحقیق کو غلط ٹھہراتے ہیں اور جملہ علماؤ محدثین کی شکایت و مخالفت کا باعث ٹھہراتے ہیں - حالانکہ مازری غریب نے صحابہ کی شان صحابیت کی نسبت کسی ایسے لفظ کا استعمال نہیں فرمایا جس سے اس کی ذاتی یا صفاتی توہین ہوتی ہو بخلاف اُن کے آپ نے ایک جگہ نہیں دو دو جگہ اصل شان صحابیت کی ہتک حرمت فرمائی -

اب فرمائیے تفریق فی المراتب یا تخصیص بالمدارج - جو کہئے - آپ تو خود قائم فرماتے ہیں اور ایک بدوی عرب کی اصلیت و حقیقت دکھلا کر - صحابہ میں تخصیص و تفریق کا ثبوت خود پہونچاتے ہیں - تو پھر اب آپ کلہم عدول کی تعلیم کو غلط تسلیم کرنے پر کیوں طیار نہیں ہوتے

شبلی صاحب پر حقیقت کا انکشاف بھی ہو گیا اور مکاشفہ حقیقت کو تسلیم بھی کر چکے - جیسا کہ علامہ مازری کے اس قول کو نقل کر کے انہوں نے اس آیۂ قرآنی کو الذین آمنوا به وعزروه ونصروه واتبعوا النور الذی انزل معه اولئك هم المفلحون - جو آنحضرت صلعم کی صحبت میں بالتزام رہے اور آپ کی اعانت و مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو ان پر نازل ہوا وہی لوگ کامیاب ہیں" کو بھی نقل فرمایا ہے - جس پر علامہ موصوف نے اپنا معیار قائم کیا ہے - اور ایک گونہ آپ نے اُن کے اس استدلال کو تسلیم بھی کر لیا ہے اور تخصیص بالمراتب کی اصل و غایت کو اس آیۂ قرآنی کی عبارت سے بھی سمجھ لیا ہے مگر ہم آپ کا طرز تحریر اور انداز تالیف بتلا رہا ہے کہ باوجود اسکے کہ آپ اپنے اس عقائد سلف کی غلطی اور خود غرضی کو خوب سمجھ چکے ہیں اور یقین کر چکے ہیں کہ تنہا صحابہ ہونے کی شخصیت اور حیثیت فائدہ نہیں پہونچا سکتی - بلکہ اس کے ساتھ خدائے تبارک و تعالیٰ نے اور اوصاف و محامد کے شروط و قیود بھی قائم کر دیے ہیں - اُن کا ہونا بھی ضروری اور لازمی ہے - مگر افسوس کہ حقیقت کے اتنے انکشاف کے بعد بھی آپ کلہم عدول کی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے اور اسلاف کی تقلید کا دامن نہیں چھوڑتے - علامہ مازری کے صحیح استدلال کو تسلیم نہیں کرتے اور اُسکے متعلق محدثین کے مخالفانہ حملات کو صحیح اور جائز مانتے ہیں -

حقیقت اپنا کام کر گئی - اور آپ کی اس ذہنی نقش و نگار کی صورت میں اسکی پوری جلوہ افشانی ہو گئی - جس

آیت قرآنی۔ جس کو آپ نے خود نقل فرمایا ہے۔ صاف صاف اوصاف صحابہ کو بتلا چکی۔ مگر نہ آپ کی کوتہ نظری اس کی پوری حقیقت تک پہونچی اور نہ آپ کی قصیر الفہمی اسکی پوری معرفت حاصل کرسکی۔ اسی ایک آیہ وافی ہدایہ نے کلہم عدول کے غلط اصول کو غلط و باطل فرمادیا۔

۵ نہ ہرکہ مو بتراشد قلندری داند۔ محض صحابیت اور صرف صحابہ ہونے سے کام نہین نکلتا۔ بلکہ ارشاد الٰہی کے مطابق۔ خدمت و اعانت۔ نصرت و حمایت اور انوار رسالت کی خاص تبعیت۔ صحابیت کے اصلی اور حقیقی معیار ہین اگر ان اوصاف مین کوئی صحابی کامل ہے تو البتہ شرف صحابیت کا اطلاق اس پر صحیح اترے گا۔ ورنہ نہین۔ علامہ مازری نے اسی نص الٰہیہ کی علت غائیہ پر غور کیا ہے۔ اور اسی کے نتیجہ سے۔ صحابہ کرام کے دائرہ مین۔ باعتبار معرفت و خدمت مراتب بالمدارج قائم فرمائے ہین۔ شبلی صاحب بھی انکے اس مختار کو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر اسی حد تک جہان تک کہ آپ کے مفید مطلب ہے۔ اور اسکے آگے نہین۔ اسکے آگے چلکر تو پھر اسی اصول قدیم اور شعار قدیم کلہم عدول کی تائید و تقلید فرماتے ہین اور علماء محدثین کی طرف سے علامہ مازری ہی پر اس معیار تخصیص کے قائم کرنے کے لئے مخالفت پر آمادہ اور طیامہ ہوجاتے ہین۔

ہم کو شبلی صاحب کے اس تذبذب اور دو طرفہ طریقہ فیصلہ سے نہ کوئی شکایت ہے اور نہ کوئی علاقہ۔ کیونکہ یہ انکے اسلاف کا قدیم طریقہ ہے۔ ہم کو جو کچھ دکھلانا ہے وہ صرف اپنے منصفانہ دعاوی کی تصدیق اور وہ یہ ہے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین کہ حقیقت کسی حال اور کسی چال سے چھپ نہین سکتی۔ شبلی صاحب اور انکے ہمخیال علماء محدثین کی تمام قلمکاریون سے قطع نظر کرکے اس آیہ وافی ہدایہ کے صاف اور واضح الفاظ و معانی پر اگر غور کیا جاوے تو کامل طور سے معلوم ہوجائے گا اور نہایت آسانی سے سمجھ لیا جائے گا کہ نفس حصول صحابیت کیلئے۔ خدمت۔ اور انوار رسالت کی تبعیت شرط ہے صحابہ کرام کے لئے بڑے اور وسیع دائرے ہین۔ ان حضرات کے انھین خدمات اسلام۔ نصرت و اعانت رسول انام علیہ السلام کے باہمی موازنہ و مقابلہ کی بنا پر مراتب بالمدارج قائم کئے جاتے ہین۔ اور انھین کے اعتبار پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر اور انکے مساوی اور مقابل درجہ کے صحابہ انکے صحابی عربی بدوی سے بدرجہا افضل ہین۔ انھین اسناد و اشہاد سے شبلی صاحب اور انکے اسلاف و ہمخیال علماء محدثین کو سمجھ لینا چاہئے کہ اب وہ صحابہ اولین و السابقین جو خدمات۔ رفاقت اور اصحاب و تبلیغ نبوت و رسالت مین حضرت عمر سے بھی زیادہ افضل و اعلیٰ ثابت ہوتے ہین وہ حضرت عمر اور انکے امثال سے ترجیح بالمدارج پانے کے ضرور مستحق ہین یا نہین [illegible] اب کس نوع اور عنوان سے کلہم عدول اصول معیار قرآنی کے مطابق کامل اتریگا۔ نہین معلوم کہ وہ مسئلہ جو قرآن کے بالکل مخالف و معارض ثابت ہوا ہو۔ وہ کس طرح اہل اسلام کے عقائد مین داخل ہوگا۔

مندرجہ بالا نص قرآنی سے مستفاد ہوتا ہے کہ جب شرائط مذکورہ پر شرف صحابیت مخصوص و محدود ہوگیا تو باعتبار اعلیٰ و افضل بدارج کے جو صحابی من حیث المعرفت و الخدمت افضل و اعلیٰ ثابت ہونگے وہ بلا شبہ ترجیح

دلائل تفصیل تسلیم کئے جاوینگے اس کے لئے شخصیات اور ذاتیات کی ضرورت نہین شبلی صاحب - خیریت ہے کہ یہان تک تو ہمارے ہمخیال ثابت ہوتے ہین مگر ان کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ آپ نے عام بعدی عرب اور صحابہ مقربین تک اس موازنہ و مقابلہ کو محدود و موقوف کر دیا ہے حالانکہ ایسا نہین ہے بلکہ ان صحابہ مقربین کے دائرے مین بھی یہی معیار امتیاز قائم کئے جائین گے اور ان مین بھی جن حضرات کے محاسن خدمات اور اوصاف نصاب معیار کے مطابق اتر ین گے - وہی ما بقی بزرگوارون سے ضرور افضل و اعلیٰ یقین کئے جاوین گے - اگر شبلی صاحب کی طرح یہ سلسلہ امتیاز صحابہ سابقین تک تمام کر دیا جاوے تو نصوص الٰہی کے مخالف ہوگا اور ہر وہ شے جو مخالف قرآن ہو ہر عنوان سے غلط اور باطل ہوگی -

اب ہم شبلی صاحب کی اس غلط تجویز کی تحقیق و تنقید کرتے ہین اور مفصلہ ذیل شہادات سے ثابت کرتے ہین کہ صحابہ اولین ہی کے زمانہ مین یہ معیار امتیاز و فضیلت قائم ہو چکے تھے - اور اسی معیار سے ترجیح و تخصیص بین الصحابہ قائم کی جاتی تھی - ابو المؤید اخطب خوارزمی مناقب مین تحریر فرماتے ہین :-

قال مسروق شاممت اصحاب محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم فوجدت علیهم انتهى الى عمر و عبد اللہ ابن مسعود والی الدرداء و معاذ ابن جبل و زید ابن ثابت و علی ابن ابیطالب ثم شاممت هولاء الخمسة فوجدت علیهم انتهى الى الرجلین علی و عبد اللہ ابن مسعود ثم شاممت الاثنین فوجدت علیا افضل علی عبد اللہ ابن مسعود -

مسروق کہتے ہین کہ مین نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صحابہ مین تشمیم و تمیز کمال کی تو مجھے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا علم حضرت عمر عبد اللہ ابن مسعود - ابو الدرداء - معاذ ابن جبل - زید ابن ثابت اور علیؑ ابن ابی طالب پر تمام ہوتا ہے - پھر ہم نے ان پانچون (۵) بزرگون مین تشمیم تمیز کی تو مجھے معلوم ہوا کہ ان پانچون حضرات کا علم دو آدمیون پر تمام ہوتا ہے - علیؑ اور عبد اللہ ابن مسعود پر - پھر مین نے ان دونون بزرگون مین تشمیم تمیز کی تو مجھے معلوم ہوا کہ علیؑ عبد اللہ ابن مسعود پر فضیلت رکھتے ہین

مسروق اجل تابعی ہین حضرت عائشہ سی محدثہ کی خدمت مین جو انکو رسوخ و وثوق حاصل تھا - وہ ہرگز میرے بیان کا محتاج نہین - اگر ان کے اس مختار پر قول صحابہ نہ ہونے کے باعث اشتباہ ہو تو (حالانکہ بخاری اور شرح بخاری دیکھی جاوے تو قول تابعی بمقابل قول صحابی ایراد حدیث کے وقع پر زیادہ معتبر اور مستند ہے) امام خوارزمی کی کتاب المناقب مین مفصلہ ذیل عبارت سے حضرت ابی الدرداء کا یہ قول ملاحظہ فرمایا جاوے -

حضرت ابی الدرداء صحابہ کبار کے طبقہ اولیٰ مین بہت بڑے فقیہہ اور مجتہد تسلیم کئے جاتے ہین - وہ فرماتے ہین کہ میرے زمانہ مین اسلام کے تین عالم موجود تھے - ایک کوفہ مین - ایک شام مین اور ایک خاص مدینہ مین - کوفہ کے عالم سے وہ عبد اللہ ابن مسعود کو مراد لیتے تھے - شام کے عالم سے وہ اپنی طرف اشارہ فرماتے تھے کیونکہ اندنون وہ زیادہ تر علاقہ شام مین رہتے تھے - اور مدینہ کے عالم سے انکی مراد امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے تھی - پھر کہا

آیت قرآنی - جس کو آپ نے خود نقل فرمایا ہے - صاف صاف اور صاف صحابہ کو بتلا چکی - مگر نہ آپ کی کوتہ نظری اس کی پوری حقیقت تک پہونچی اور نہ آپ کی قصیر الفہمی اسکی پوری معرفت حاصل کر سکی - اسی ایک آیۂ وافی ہدایہ نے کلہم عدول ہے کے غلط اصول کو غلط و باطل فرما دیا -

۵ نہ ہر کہ مو بتراشد قلندری داند - محض صحابیت اور صرف صحابہ ہونے سے کام نہین نکلتا - بلکہ ارشاد الٰہی کے مطابق - خدمت و اعانت - نصرت و حمایت اور انوار رسالت کی خالص تبعیت - صحابیت کے اصلی اور حقیقی معیار مین اگر ان اوصاف مین کوئی صحابی کامل ہے تو البتہ شرف صحابیت کا اطلاق اس پر صحیح اترے گا - ورنہ نہین - علامہ مازری نے اسی نص الٰہیہ کی علت غائیہ پر غور کیا ہے - اور اسی کے نتیجہ سے صحابہ کرام کے دائرہ مین - باعتبار معرفت و خدمت مراتب بالمدارج قائم فرمائے ہین - شبلی صاحب بھی آنکے اس مختار کو تسلیم کرتے ہیں - مگر اسی حد تک جہان تک کہ آپ کے مفید مطلب ہے - اور اسکے آگے نہین - اسکے آگے چلکر تو پھر اسی اصول قدیم اور شعار قدیم کلہم عدول کی تائید و تقلید فرماتے ہین اور علماء محدثین کی طرف سے علامہ مازری ہی پر اس معیار تخصیص کے قائم کرنے کے لئے مخالفت پر آمادہ اور طیار ہو جاتے ہین -

ہم کو شبلی صاحب کے اس شبہہ تذبذب اور دو طرفہ طریقہ فیصلہ سے کوئی شکایت ہے اور نہ کوئی علاقہ کیونکہ یہ انکے اسلاف کا قدیم طریقہ ہے - ہم کو جو کچھ دکھلانا ہے وہ صرف اپنے مقصد دعاوی کی تصدیق اور وہ یہ ہے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین کہ حقیقت کسی حال اور کسی چال سے چھپ نہین سکتی شبلی صاحب اور انکے ہمخیال علماء محدثین کی تمام قلمکاریون سے قطع نظر کر کے اس آیۂ وافی ہدایہ کے صاف اور واضح الفاظ و معانی پر اگر غور کیا جاوے تو کامل طور سے معلوم ہو جائے گا اور نہایت آسانی سے سمجھ لیا جائے گا کہ نفس حصول صحابیت کیلئے خدمت - اور نبوت کی تبعیت شرط ہے صحابہ کرام کے لئے بڑے اور وسیع دائرے ہین - ان حضرات کے انھین خدمات اسلام نصرت و اعانت رسول علیہ السلام کے باہمی موازنہ و مقابلہ کی بنا پر مراتب بالمدارج قائم کئے جاتے ہین - اور انھین کے اعتبار پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مساوی اور مقابل درجہ کے صحابہ انکے صحابی عربی بدوی سے بدرجہا افضل ہین - انھین اسناد و شواہد سے شبلی صاحب اور انکے اسلاف و ہمخیال علماء محدثین کو سمجھ لینا چاہئے کہ اب وہ صحابہ اولین و السابقین جو خدمات - نصرت اور تجاب و تبعیت نبوت و رسالت مین حضرت عمر سے بھی زیادہ افضل و اعلیٰ ثابت ہوتے ہین وہ حضرت عمر اور انکے امثال سے ترجیح بالترجیح پانے کے ضرور مستحق مین یا نہین یعنی اعلیٰ ثم اب کس نوع اور عنوان سے کلہم عدول اصول معیار قرآنی کے مطابق کامل اتریگا - نہین معلوم کہ وہ مسئلہ جو قرآن کے بالکل مخالف و معارض ثابت ہوا ہو - وہ کس طرح اہل اسلام کے عقائد مین داخل ہوگا -

مندرجہ بالا نص قرآنی سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب شرائط مذکورہ پر شرف صحابیت مخصوص و محدود ہو گیا و باعتبار اعلیٰ و افضل بدارج کے جو صحابی من حیث المعرفت و الخدمت افضل و اعلیٰ ثابت ہونگے و تبعًا لہا ترجیح

دلائل تفصیل تسلیم کئے جاوینگے اس کے لئے شخصیات اور ذاتیات کی ضرورت نہین شبلی صاحب - خیریت ہے کہ یہان تک تو ہمارے ہمخیال ثابت ہوتے ہین مگر ان کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ آپ نے عام ہندی عرب اور صحابہ مقربین تک اس موازنہ و مقابلہ کو محدود و موقوف کر دیا ہے حالانکہ ایسا نہین ہے بلکہ ان صحابہ مقربین کے دائرے مین بھی یہی معیار امتیاز قائم کئے جائینگے اور ان مین بھی جن حضرات کے محاسن خدمات اور اوصاف نصاب معیار کے مطابق اترینگے - وہی ہاشمی بزرگواروں سے ضرور افضل و اعلے یقین کئے جاوینگے - اگر شبلی صاحب کی طرح یہ سلسلہ امتیاز صحابہ سابقین تک تمام کر دیا جاوے تو نصوص الٰہی کے مخالف ہوگا اور ہر وہ شے جو مخالف قران ہو ہر عنوان سے غلط اور باطل ہوگی .

اب ہم شبلی صاحب کی اس غلط تجویز کی تحقیق و تنقید کرتے ہین اور مفصلہ ذیل شہادات سے ثابت کرتے ہین کہ صحابہ اولین ہی کے زمانہ مین یہ معیار امتیاز و فضیلت قائم ہو چکے تھے - اور اسی معیار سے ترجیح و تخصیص بین الصحابہ قائم کی جاتی تھی - ابو الموید اخطب خوارزمی مناقب مین تحریر فرماتے ہین :-

قال مسروق شاممت اصحاب محمد صلے اللہ علیہ و الہ وسلم فوجدت علمهم انتهی الی عمر و عبد اللہ ابن مسعود و ابی الدرداء و معاذ ابن جبل و زید ابن ثابت و علی ابن ابیطالب ثم شاممت هؤلاء الخمسة فوجدت علمهم الی الرجلین علی و عبد اللہ ابن مسعود ثم شاممت الاثنین فوجدت علیا افضل علی عبد اللہ ابن مسعود -

مسروق کہتے ہین کہ مین نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و الہ وسلم کے صحابہ مین تقسیم و تمیز کمال کی تو مجھے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا علم حضرت عمر عبد اللہ ابن مسعود - ابو الدرداء - معاذ ابن جبل - زید ابن ثابت اور علی ابن ابی طالب پر تمام ہوتا ہے - پھر ہم نے ان پانچون (جملہ) بزرگون مین تقسیم تمیز کی تو مجھے معلوم ہوا کہ ان پانچون حضرات کا علم دو آدمیون پر تمام ہوتا ہے - علی اور عبد اللہ ابن مسعود پر - پھر مین نے ان دونون بزرگون مین تقسیم تمیز کی تو مجھے معلوم ہوا کہ علی عبد اللہ ابن مسعود پر فضیلت رکھتے ہین

مسروق اجل تابعی مین حضرت عائشہ سی محدثہ کی خدمت مین جو انکو رسوخ و وثوق حاصل تھا - وہ ہرگز میرے بیان کا محتاج نہین - اگر ان کے اس مختار پر قول صحابہ نہ ہونے کے باعث اشتباہ ہو تو (حالانکہ بخاری اور شرح بخاری دیکھی جاوے تو قول تابعی بمقابل قول صحابی ایراد حدیث کے وقع پر زیادہ معتبر اور مستند ہے) امام خوارزمی کی کتاب المناقب مین مفصلہ ذیل عبارت سے حضرت ابی الدرداء کا یہ قول ملاحظہ فرمایا جاوے -

حضرت ابی الدرداء صحابہ کبار کے طبقہ اولی مین بہت بڑے فقیہہ اور مجتہد تسلیم کئے جاتے ہین - وہ فرماتے ہین کہ میرے زمانہ مین اسلام کے تین عالم موجود تھے - ایک کوفہ مین - ایک شام مین اور ایک خاص مدینہ مین - کوفہ کے عالم سے وہ عبد اللہ ابن مسعود کو مراد لیتے تھے - شام کے عالم سے وہ اپنی طرف اشارہ فرماتے تھے کیونکہ اندنون زیادہ تر علاقہ شام مین رہتے تھے - اور مدینہ کے عالم سے انکی مراد امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے تھی یہانتک

محاکمہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

فالذی بالشام لیسئل الذی بالکوفہ وھو لیسئل عن الذی بالمدینہ وھو لا یسئل احد۔

شام کا عالم عند الضرورت کوفہ والے عالم سے پوچھ لیتا ہے اور کوفہ والا۔ مدینہ والے عالم سے پوچھ لیتا ہے مگر مدینہ کا عالم ایسا ہے کہ جو کسی سے بھی نہیں پوچھتا

شبلی صاحب کی خطرناک فروگذاشت

(۴۷) مسئلہ زیر بحث کے متعلق ہم اس سے زیادہ لکھنا نہیں چاہتے۔ مگر اتنا لکھ دینا اور بتلا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ آیہ متذکرہ بالا میں شرائط صحابیت کی نسبت جان خدمت نصرت رسول کی شرطیں قائم کی گئی ہیں اُن کے ساتھ اس نور کی تبعیت بھی لازم کی گئی ہے جو رسول صلعم کی معیت میں منجانب اللہ نازل ہوا ہے

اکثر علمائے محدثین و مفسرین نے نور سے قرآن مجید مراد لیا ہے۔ مگر لفظ معہ کی تخصیصی معیت نے تصریح کر دی ہے کہ یہ نور۔ نور قرآن سے ایک جوہر جداگانہ ہے۔ کیونکہ روایتاً و درایتاً اور بالکل حقیقتاً قرآن مجید آپ کے ساتھ نازل نہیں ہوا جس کی تخصیص کو "معہ" کا لفظ صاف صاف ثابت کر رہا ہے۔ اور نہ کوئی شخص اس کا قائل ہے کہ ایکبار آپ پر تمام قرآن نازل کیا گیا ہے۔ پھر نور سے قرآن مجید کا مراد لیا جانا لفظ قرآن کے اصل معانی سے مختلف و معارض واقع ہوتا ہے جو کسی طرح جائز نہیں۔

اس میں کلام نہیں کہ اصحاب احادیث و تفاسیر سے زیادہ ارباب کلام اور فضلائے عظام نے اس کی نسبت غور و تعمق سے کام لیکر اس نور رسالت کی حقیقت کا پورا انکشاف فرمایا ہے۔ اور لفظ نور سے رسول کا خاص نفس نورانی مراد لیا ہے۔ اور رسول کے نفس خاص کو خدا خود سورۂ آل عمران کے آیہ انفسنا وانفسکم الخ میں بتلا چکا ہے۔

مگر شبلی صاحب نے اپنی سیرت کو تاریخ فلسفہ اور یورپ میں تصانیف کے اسٹائل (طرز) پر کامل اوتارنے کے شوق و تمنا میں رسول کی روحانیت ہی کو بالکل مخفی کر دیا ہے۔ پھر نورانیت کی تفصیل کا کیا ذکر۔ جو ان روحانیت کا ایک چمکتا جوہر ہے۔ امامی بلگرامی ؎ یکے از معجزات او علی بود۔

شبلی صاحب نے شمس العلما ہو کر رسول صلعم کے روحانی نورانیت کو یہاں چھپا دیا ہے کہ تمام کتاب میں کسی مقام پر آپ کے انوار روحانی کا عکس خارجی بھی نہیں پڑنے پایا۔ مگر بالاخر انھیں تاثر روحانی نے۔ گو تلامذہ ہی کی زبانی سہی۔ لیکن آپ ہی کے دست و قلم سے اپنا وجود و اثبات قلمبند کرو ادیا۔

مگر باایں ہمہ۔ یہاں بھی ہمارے شبلی صاحب اپنی ترکیب سے نہ چوکے۔ اس آیہ وافی ہدایہ کی نقل میں اصل لفظ نور۔ ہی کو حذف فرما دیا۔ ملاحظہ ہو۔ دیباچہ ص ۴۲ لیکن قدرت نے فوراً آپ کا ہاتھ پکڑ کر عبارت ترجمہ میں نور کا لفظ لکھوا ہی چھوڑا ہے۔

ہے تو مولوی شبلی صاحب کی چال گر جائے گی غرب کا تب اپنا چارہ شکستگی سنگ کے کہ ہم نے اس کی

بھی تحقیق کرلی ہے نہ کاتب کی غلطی ہے نہ مصلح سنگ کی غفلت - جو مولف ہی کا قدیم طریقہ استخفاف ہے - اس لئے کہ آخر کتاب جلد اول مین غلطنامہ لگا دیا گیا ہے - اور نہایت اہتمام سے چھاپا گیا ہے صحت الفاظ کے اہتمام مین جو جو حزم و احتیاط کے سامان کئے گئے ہین وہ نہایت وضاحت سے مندرج کردئے گئے ہین - اسکے نمبر ۵ مین یہ عبارت قلمبند کی گئی ہے -

نتھو مین غلطیون کا رہجانا گزیر امر ہے - کاتب سے زیادہ اس کا ذمہ دار مصلح سنگ ہے - جسکے حرکت کے نیچے نقطہ داغ بنکر اڑ جاتا ہے اور داغ نقطہ بن جاتا ہے - یا حرف چھنکر اپنی جگہ سے اڑجاتا ہے - ان مین (تمام کتاب کے غلطنامہ مین) تین سہو قلم ہین - ص ۱۰۵ مین ھو الذی کو ھو ص ۲۰۹ مین اولا الارحام کو اولوا الارحام اور ص ۶۴ مین فاشھدوا کو فقولوا اشھدوا بنا دیجئے - دیگر قابل اصلاح اغلاط پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے بقیہ غلطیان زیر - زبر یا نقطون کی زیادہ تر ہین - (دیکھو تمہید غلطنامہ ص ا جلد اول سیرۃ النبیؐ)

اس اعلان کی عبارت سے ثابت ہوگیا کہ فقرات عربیہ مین اغلاط الفاظ کی سہو قلم والی غلطیان - سوا تین ان تین غلطیون کے جو اشتہاری عبارت مین درج کردی گئی ہین - اور کوئی نہین ہے - اور جو ہین بھی ان پر خط کھینچدیا ہے - اور وہ زیادہ تر زیر - زبر اور نقطون کی معمولی غلطیان ہین -

مگر ان اشتہاری دعوون کے برخلاف اخذاف لفظ النور - جو دیباچہ ص ۴۲ مین واقع ہے نہ نمبر ۵ کے اشتہاری اغلاط مین دکھایا گیا ہے - نہ اس مقام پر حسب الوعدہ خط کھینچ دیا گیا ہے - اور لطف مزید تو یہ ہے کہ جدول غلطنامہ مین بھی نہ اس صفحہ ۴۲ کا کہین ذکر ہے اور نہ لفظ النور کا نشان - اس بناپر اس غلطی کو یا تو مولف کی تصریحاً استخفاف گذاشت ٹھہرانا صحیح ہوگا - یا انکے بعد مہتمم انطباع کی صحیح چشم پوشی کہنا مناسب اور فی الواقع ہوگا -

ہم اس سے زیادہ اس مسئلہ کی تنقید کرنا نہین چاہتے - اسلئے کہ اسکی ضرورت سے زائد تفصیل میری موجودہ رسالہ کے موضوع سے زائد ہوگی اور بیکار طوالت کا باعث -

اقوال صحابہ مین تعارض اور شبلی صاحب کا خود اقرار

(۴۳) شبلی صاحب اقوال صحابہ مین تناقض و تعارض دکھلاکر یہ ثابت کرنا چاہتے ہین کہ ان حضرات کی سماعت و عقل بھی روایات حدیث کے سمجھنے اور بچانے مین علی الاکثر غلطی کرجاتی تھی - اس کے ثبوت مین انھون نے متعدد مثالین بھی پیش کی ہین جن مین سے چند مفصلہ ذیل مثالین ہم انھین کے الفاظ و عبارت مین نقل کرتے ہین -

(الف) حضرت ابوہریرہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے حدیث بیان کی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جس چیز کو آگ نے پکایا ہو اسکے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے - حضرت ابن عباس نے کہا کہ اس بنا پر تو لازم آتا ہے کہ ہم گرم پانی سے بھی وضو کیا کرین - حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ بھتیجے جب تم آنحضرت کی کوئی حدیث سنو تو کہاوتین نہ کہا کرو (بحوالہ ابن ماجہ ترمذی)

(ب) صحیح بخاری (باب الصلوٰۃ النوافل جماعۃ) مین ہے کہ محمود ابن ربیع نے ایک جلسہ مین یہ حدیث بیان

کی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص خالصاً لخدا کے لیے لا الٰہ الا اللہ کہے گا - خدا اُس پر آگ حرام کردے گا
اس جلسہ میں ابوایوب انصاری بھی موجود تھے جنکے مکان میں آنحضرت صلعم نے ۷ مہینوں تک قیام فرمایا تھا -
حضرت ابوایوب انصاری نے یہ حدیث سُن کر کہا کہ واللہ ما اظن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قال ما قلت
قط خدا کی قسم میں کبھی یہ خیال نہیں کرسکتا کہ جو تم کہتے ہو آنحضرت صلعم نے فرمایا ہوگا - محمود ابن الربیع صحابی تھے اور حضرت ابوایوب
کو اُن کے ثقہ ہونے میں کلام نہ تھا مگر چونکہ یہ حدیث اُنکے نزدیک قرآن کے خلاف تھی - حضرت ابوایوب اسپر
یقین نہ لاسکے - اور کہا کہ آنحضرت صلعم نے ایسا نہ فرمایا ہوگا . اگرچہ صحیح بخاری میں ہے کہ محمود ابن ربیع نے مدینہ
آکر اس حدیث کی تصدیق اپنے راوی عتبان سے کرلی - لیکن اس سے اس مسئلہ (عدالت صحابہ) پر اثر نہیں پڑتا
حضرت ابوایوب کو جن اسباب کی بنا پر محمود ابن ربیع کی روایت میں شبہہ پیدا ہوا عتبان (اصل راوی) پر بھی وہی
شبہہ پیدا ہوسکتا تھا - حضرت ابوایوب محمود ابن ربیع کو دروغگو نہیں سمجھتے تھے بلکہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے
اصل روایت کے مفہوم سمجھنے میں غلطی کی ہوگی - یہ احتمال بعینہ راوی اول کی نسبت بھی ہوسکتا ہے - جیسا کہ
حضرت عائشہ نے بعض صحابہ سے کہا تھا کہ تم لوگ تو سچے لوگوں سے روایت کرتے ہو - مگر سامعہ غلطی کرجاتا ہے۔

(ت) حضرت عمارؓ ابن یاسرؓ نے جب حضرت عمر کے سامنے تیمم کی حدیث بیان کی تو حضرت عمر کو یقین نہ آیا
بلکہ جیسا کہ صحیح مسلم باب تیمم میں ہے - یہ الفاظ کہے - اتق اللہ یا عمار یعنی اے عمارؓ خدا سے ڈرو - چنانچہ اسی بنا پر جب
عبداللہ ابن مسعود کے سامنے حضرت ابوموسی الاشعری نے اس حدیث سے استدلال کیا تو حضرت عبداللہ نے کہا
ہاں - لیکن حضرت عمر کو عمارؓ کی روایت سے تسکین نہ ہوئی -

(ث) حضرت عائشہ کے سامنے جب یہ حدیث بیان کی گئی کہ لوگوں کے نوحہ کرنے سے مُردے پر عذاب ہوتا ہے
تو انہوں نے اس بنا پر انکار کیا کہ یہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے کہ لا تزر وازرۃ وزر اخری اور کوئی بوجھ اٹھانے
والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا -

(ج) اسی طرح جب انکے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی آنحضرت صلعم نے کشتگان بدر کی نسبت فرمایا کہ میں جو کہتا ہوں
یہ سنتے ہیں - حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ابن عمر نے غلطی کی - اس روایت کے راوی اگرچہ حضرت عبداللہ ابن عمر تھے جو مشہور
صحابی تھے لیکن حضرت عائشہ نے اس بنا پر اس حدیث کی صحت سے انکار کیا کہ اُن کے نزدیک وہ روایت قرآن
مجید کے خلاف تھی -

(ح) صحیح مسلم کتاب الجہاد باب الفئے میں روایت ہے کہ حضرت عباسؓ اور علیؓ حضرت عمر کے پاس
آئے - حضرت عباسؓ نے حضرت عمر سے کہا کہ اقض بینی وبین ھذا الکاذب الغادر الخائن میرے اور اس جھوٹے
مجرم دھوکہ باز اور خائن کے درمیان فیصلہ کیجیے - چونکہ حضرت علی کی شان میں یہ الفاظ کسی مسلمان کی زبان سے نہیں نکل سکتے

اور جن مسلمانون کے زبان اور جنکی زبان سے یہ اور اس سے بھی زیادہ ثقیل اور فحش الفاظ قوتے برس تک نکلتے رہے - جس کا خود شبلی صاحب کو اقرار ہے - کیا وہ اسوقت مسلمان نہ تھے اور کیا اسوقت تک مسلمان نہین کہے جاتے - فاعتبروا (مولف) اس لئے بعض محدثین نے اپنے نسخہ مین سے ان الفاظ کو نکال ڈالا (بحوالہ نووی شرح صحیح مسلم بذکر حدیث مذکور) علامہ مازری اس حدیث کی نسبت لکھتے ہین اذا انسدت طرق تاویلہا نسبنا الکذب الی رواتہا - جب اس حدیث کی تاویل کے سب راستے بند ہو جائینگے تو ہم اسکے راویون کو جھوٹا کہین گے [۵] سیرۃ النبی - دیباچہ - ج ۱ ص ۵۳ - ۵۱

اختلاف بین الصحابہ کی اتنی مثالین تو ہم نے شبلی صاحب ہی کے مندرجات و مسلمات سے نقل کردین اور دیگر کتب حدیث و تفسیر مین اسکی مطلق تلاش نہین کی - جن مین سیکڑون مثالین ابھی اور مل سکتی تھین مگر حقیقتاً ہم کو دوسری کتابون مین ان کی دیکھنے کی مطلق ضرورت نہین تھی - ہمارے تخاطب اصلی ہین مولوی شبلی صاحب اور کتاب مین تمام خطابات ہین انھین کی طرف اس بنا پر انھین کے معترفات سے ہمارا طریقہ استدلال الزامی ہو جاتا ہے کہ بیرونی اور خارجی شواہد کی ضرورت نہین رہتی آخر مین مثالین پیش کر کے ہم شبلی صاحب کے اُس فیصلہ کو دہراتے ہین - جس مین آپ نے حدیث کی کتابون کو سیرت کی کتابون پر ترجیح دی ہے - اور انھین اختلافات باہمی کی بنا پر کتب سیرت کی کتب حدیث کی مقابلہ مین نا اعتباری بے مقداری اور کم وقعتی ثابت کی ہے - اب آپکے دونون تحریر کردہ بیانات ایک طرف رکھے جائین - اور اختلاف احادیث کے متعلق آپ کا مرقومہ بالا منصفانہ اور محققانہ کارنامہ ایک طرف - تو صاف معلوم ہو جائیگا کہ جن عیوب و نقائص کی وجہ سے سیرت کی کتابون کی بے اعتباری اور کم وقعتی تجویز کی گئی ہے - وہی قبائح اور نقائص تو آپ حدیثون اور انکے راویون کی نسبت بھی تسلیم کرتے ہین - اور صرف تسلیم ہی نہین کرتے بلکہ استدلالاً ان کو اپنے مباحث و دلائل تنقیدی مین پیش کرتے ہین - اس بنا پر ترجیح حدیث علی السیرۃ کا مسئلہ ایک غلط اور بے اصل تجویز آپ ہی کے مختار سے ثابت ہوتا ہے - جس کو ہم ایک جداگانہ نمبر مین پوری تفصیل کے ساتھ حسب ذیل بیان کرتے ہین -

شبلی صاحب کا دوسرا غلط دعوی ترجیح کتب حدیث

(۴۳) شبلی صاحب نے کتب حدیث کو کتب سیرت پر ترجیح دیئے جانے کے مسئلہ کو اپنی غرض خاص سے اتنا اہم اور ضروری سمجھ لیا ہے کہ مقدمہ کتاب کے صفحہ (۴۰) ہی سے اسکی بحث آغاز کردی - اس عجلت سے آپ کی کیا مراد ہے اور اس بحث ترجیح سے آپ کی کیا غرض خاص ہے ؟ وہ ہمارے سلسلہ بیان سے اپنے مقام پر معلوم ہوگی - ہم پہلے آپکے ان اقوال مختلفہ کو ذیل مین لکھتے ہین

[۵] سبحان اللہ اعلم شانہ امام المتکلمین شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تو اس روایت کو نہایت معتبر و مستند سمجھ کر تحفہ اثنا عشریہ مین علامہ عدالت جناب امیر المؤمنین علی مرتضی کے ثبوت مین پیش کرین اور بقول آپ کے اسلاف محدثین مثل امام نووی اور مازری وغیرہ ہم اس حدیث کی یون دھجیان اڑائین - مولف

جو آپ نے اس مسئلہ کی بحث میں اصولاً طے فرماتے ہیں۔

(الف) - حدیث صحیح (کتب صحاح) ارباب سیر کے متفقہ روایات کے مقابل میں بھی قابل ترجیح ہیں -

حاشیہ ص ۵ دیباچہ سیرۃ النبی جلد اول -

(ب) اس بنا پر سیرت و مغازی کا رتبہ فن حدیث سے کم رہا۔ (حاشیہ ص ۵ دیباچہ)

(ت) جس طرح امام بخاری اور مسلم نے یہ التزام کیا کہ کوئی ضعیف روایت بھی اپنی کتاب میں درج نہ کرینگے۔

اس طرح سیرت کی کتابوں میں کسی نے التزام نہیں رکھا۔ آج بیسوں کتابیں قدما سے لے کر متاخرین

تک کی موجود ہیں۔ مثلاً سیرت ابن اسحق - سیرت ابن ہشام سیرت ابن سید الناس - سیرت دمیاطی -

حلبی - مواہب لدنیہ - کسی میں یہ التزام نہیں - حاشیہ ص ۷ دیباچہ -

اب شبلی صاحب سے کیونکر پوچھا جاوے کہ آپ نے جو اپنا معیار مختار قرار دیا ہے اس کے رو سے تو جیسا کہ آپ معترفاً خود تحریر فرماتے ہیں۔ دونوں مضامین کی کتابوں میں وہی عیوب و تناقص موجود ہیں۔ پھر فیصلہ ترجیح کیسا -؟ اور تجویز تفضیل کیا؟ سیرت نگاروں نے بھی انھیں صحابہ و تابعین کے اقوال سے واقعات و حالات مستنبط کیے ہیں جن سے محدثوں کی مرویات کی تدوین کی گئی ہے - اور ان کے اقوال و ارشاد میں آپ کے اقرار و اعتراف کے مطابق اختلاف و تناقص دونوں ثابت ہے اس بنا پر ہر انصاف پسند شخص فوراً دونوں فنون کی کتابوں کی تصدیق و توثیق کو مساوی و برابر قرار دے گا - اور کسی عنوان سے ایک کو دوسرے پر ترجیح و تفضیل نہ دیگا - مگر حقیقتاً آپ کو امامین بخاری اور مسلم اور ان کے ہمخیال علما کی تالیفات سے اپنے مقاصد تالیفی پورے کرنے ہیں - اس ضرورت و مجبوری سے آپ نے اپنی خود غرضی کی بنا پر ترجیح کتب حدیث اور خصوصاً بخاری شریف کی تفضیل کا قیاس قائم کیا - مگر چونکہ آپ کے اس قیاس و گمان میں حقیقت اور اصلیت نام کو بھی نہیں تھی اور یہ کاغذی قلمکاری چھپ بھی نہیں سکتی تھی - اسلئے پھر آپ ہی نے اپنے ہی دست قلم سے اُن تمام قیاس کا ستیاناس بھی کر دیا - اور جس طرح رواۃ سیرت و تاریخ کے اختلافات و مناقضات سے اُن کی بے اعتباری اور کم وقعتی ثابت کی گئی تھی - اسی طرح حدیثوں کے رواۃ کی بھی تنقید و تکذیب فرمائی گئی - اور خصوصاً امام بخاری پر بھی الزام و نقائص ثابت کیے گئے - جسکی پوری تفصیل و تصریح اوپر بو قلمبند کر دی گئی - آپ کے ان طمطراق و تمام سعی لاحاصل کا نتیجہ آخر میں کیا نکلا؟ سوا اسکے کہ دیباچہ سیرۃ النبی میں جو بحثیں لکھی گئیں - اور تنقید و اقعات کی - عام اس سے کہ وہ حدیث کی مرویات ہوں یا سیرت و تاریخ کی - جو شرطیں قائم فرمائی گئیں اور اُن کے اصول پر جو تفصیلوار بحثیں پیش کی گئیں وہ ایک غلط مبحث ہو کر رہ گئیں اور ان سے ہمارے نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا حدیث کی روایتیں اور محدثین کی مرویات بھی آخر کار ویسے ہی مشتبہ مشکوک اور ممکن الاغلاط رہیں - جیسے

سیرت و تاریخ کی روایتیں۔

اختلاف عن الاعتراف

اب شبلی صاحب کا اختلاف عن الاعتراف اسی بحث خاص مین ملاحظہ ہو۔ آپ نے اختلاف اقوال تاریخ و سیرت دکھلا کر ان کے درجۂ توثیق کو گھٹا دیا ہے۔ مگر قدامت تدوین اور اولیت تالیف مین حدیثون کی کتابون سے تاریخ و سیرت کی کتابون کا درجہ بڑھا دیا ہے۔ چنانچہ سیرۃ النبیؐ جلد اول ص ۱۳ مین اس سرخی کے نیچے تصنیف و تالیف کی ابتدا سلطنت کی وجہ سے ہوئی۔ یہ عبارت تحریر پائی گئی ہے۔

> صحابہ اور خلفائے راشدین کے زمانہ مین اگرچہ فقہ و حدیث کی نہایت کثرت سے اشاعت ہوئی۔ بہت سے حلقہ درس قائم ہوئے۔ لیکن جو کچھ تھا زیادہ تر زبانی تھا۔ لیکن بنو امیہ نے علماء سے حکماً تصنیفین لکھوائین۔ سب سے پہلے امیر معاویہ نے عبید ابن شریہ کو یمن سے بلا کر قدما کی تاریخ مرتب کرائی جس کا نام اخبار الماضیین تھا۔

آپ کے ان اعترافات کو دیکھ کر ہر شخص پورے طور سے یقین کرے گا کہ فن حدیث سے علم تاریخ ضرور قدیم ہے۔ کیونکہ پہلی تاریخ جو عالم اسلام مین لکھی گئی وہ اخبار الماضیین ہے۔ جس کا حوالہ آج تک الفہرست ابن ندیم مین موجود ہے۔ یہ کتاب سن چالیس اور پچاس ہجری کے درمیان معاویہ کے زمانہ مین لکھی گئی اور اس وقت تک علم حدیث کی کوئی کامل کتاب اسلام مین تیار نہین ہوئی تھی۔ اس بنا پر قدامت کے خاص نقطۂ نظر سے دیکھنے والے کبھی آپ کے اس قیاسی شمار کے اعتبار پر حدیث کی کتابون کو تاریخ و سیرت کی کتابون پر ترجیح دینے کے لئے تیار نہ ہون گے۔ بخلاف اسکے علم تفسیر کی تدوین۔ آپ ہی کی تحقیق کے مطابق۔ ترتیب تاریخ سے دس برس بعد ہوئی اور حدیث کی تجمیع و تالیف تو آپ کے قول کے مطابق پچاس ساٹھ برس بعد عمر ابن عبد العزیز کے زمانہ مین ہوئی۔ جیسا کہ امام زہری کے حالات مین آپ نے لکھا ہے۔

> امام زہری (از زمانہ ہشام ابن عبد الملک و عمر ابن عبد العزیز) اس زمانہ کے اعلم العلماء تھے۔ فقہ و حدیث مین ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہین۔ انہون نے حدیث و روایت حاصل کرنے مین جو محنتین اٹھائین کہ مدینہ منورہ مین ایک ایک انصاری کے گھر پر جاتے جوان۔ بڈھے۔ عورت۔ مرد جو مل جاتا۔ یہان تک کہ پردہ نشین عورتون سے جا کر آنحضرت صلعم کے اقوال اور حالات پوچھتے اور قلمبند کرتے۔ وہ نسلاً قریشی تھے۔ ۵۰ھ مین پیدا ہوئے۔ بہت سے صحابہ کو دیکھا تھا۔ ۸۲ھ مین عبد الملک ابن مروان کے دربار مین گئے۔ اس نے بہت قدر و منزلت کی۔ کتاب المغازی غالباً حضرت عمر بن عبد العزیز کی ہدایت کے موافق لکھی۔ دیباچہ سیرۃ النبیؐ جلد اول ص ۱۶

شبلی صاحب کی مرقومہ بالا عبارت سے ثابت ہوگیا کہ حدیث کی تدوین مستقل طور سے عمر ابن عبد العزیز کے وقت مین ہوئی۔ عام اس سے کہ امام زہری نے کی ہو یا ان کے استاد ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری۔ مدینہ کے قاضی نے۔ اسکے برعکس علم تاریخ معاویہ کے زمانہ مین ایجاد ہوا۔ اور سب سے پہلے تاریخ کے موضوع پر کتاب اخبار الماضیین

لکھی گئی - جو معاویہ کے حکم و اہتمام خاص سے مرتب کی گئی - تو اس بنا پر یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ علم حدیث کی تالیف و ترتیب علم تاریخ کی تجمیع و تدوین سے بہت پیچھے ہوئی ہے -

مگر افسوس کہ شبلی صاحب کو نہ خود اپنے تناقض فی الکلام کا خیال ہے اور نہ انحراف عن الاعتراف کی پروا آپ کو تو صحاح کی عموماً اور صحیح بخاری کی خصوصاً توثیق و تصدیق بہر نوع منظور ہے - جو آپ کی مرکز تمنا ہے اسلئے باوجود ان مشاہدات و مسلمات کے بھی - اگرچہ حدیث کی قدامت تاریخ پر ثابت نہیں - لیکن کتب حدیث ہی کی مرویات کو ترجیح دیجاتی ہے اور ان میں بھی بخاری کی تمام کتب حدیث پر ترجیح بالمرجح بتلائی جاتی ہے - حالانکہ بخاری کی مجہولیت اور بے ثباتی ثابت کردیگئی ہے -

حدیث و سیرت کی کوئی تفصیل نہیں کی گئی -

(۴۴) حدیث و تاریخ و سیرت کے درمیان کوئی حد فاصل نہیں قائم کی گئی - گویا یہ دونوں علوم باہم مخلوط کر دئے گئے - اور انکی باہمی تفریق محض اس لئے مخفی رکھی گئی ہے کہ علم تاریخ کو ایک خاص علم ہونے کی اہمیت نہ حاصل ہو ورنہ وہ اور علوم کے ساتھ عموماً اور علم الحدیث کے ساتھ خصوصاً مساوات کا مستحق ہو جائے گا - شبلی صاحب کے اس طرز تحقیق سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ اتنا ہی ہے کہ علم تاریخ و سیرت کے ماخذ اصلی بھی وہی حدیثیں ہیں - جو پہلے صحابہ کرام کے سینوں پھر تابعین عظام کے سفینوں میں آئیں -

شبلی صاحب کے اس اعجوبہ روزگار مختار کو کون اختیار کر سکتا ہے - تاریخ کے مورخ عموماً و متفحص واقعیت کے متلاشی تو خصوصاً آپ کی اس تحقیق خاص کو جو آپ کی محض خود غرضی پر مبنی ہے - ایک مضحکہ انگیز مطایبہ سے زیادہ نہ سمجھیں گے -

حقیقتاً اصناف فنون اور اقسام علوم میں - حدیث و تاریخ دو جداگانہ علوم ہیں - جنکی تعریف جدا - عنوان علیحدہ اور تفصیل و بیان الگ الگ ہیں

حدیث اصلاً تو کسی شخص کے اقوال اور اصطلاحاً ایک نبی مرسل کے احکام و ارشاد کو کہتے ہیں تاریخ ممالک و اقوام کے حالات و واقعات کی تفصیل کا نام ہے - سیرت اسی کا ایک خاص شعبہ ہے - جو کسی شخص خاص کے حالات و واقعات کی تفصیل تک محدود ہوتی ہے - عرب چونکہ قدیم ایام سے صاحب سیف اور ایک سربرآوردہ قوم تھی - اس بنا پر جہاں اس نے اپنے حالات و واقعات کی تجمیع و تالیف کی وہاں خصوصیت کے ساتھ اپنی فطرتی جرأت و شجاعت کے حادثات قومی و ملکی بھی جمع کئے اور اس کا نام مغازی رکھا - مگر چونکہ واقعات مغازی بھی - ملک و قوم کے وسیع کارناموں میں کسی قوم خاص یا کسی فرد خاص ہی کے ذاتی حالات و واقعات ہوتے تھے - اسلئے فن مغازی بھی سیرت کی ایک شاخ اور تاریخ کا ایک شعبہ قرار دیا گیا -

افسوس ہے کہ شبلی صاحب نے دیباچہ کتاب میں تاریخ سیر اور مغازی کی جرح و قدح اور تکذیب و تضعیف ہی تک اکتفا فرمائی اور تفریق و تخصیص و تفصیل کسی کی بھی نہ بتلائی۔ حالانکہ دیباچہ سیرۃ النبیؐ ص ۳ میں "تصنیف و تالیف کی ابتدا سلطنت سے ہوئی" کے عنوان خاص سے ایک علیحدہ باب قائم کیا ہے اور اس میں تاریخ۔ حدیث۔ سیرت اور مغازی کے آغاز و ایجاد۔ تالیف و تصنیف کے علیحدہ علیحدہ زمانے لکھ کر بتلاتے ہیں۔ مزید برآں۔ ائمہ حدیث۔ تاریخ و سیرت و مغازی اور اُن کی تالیفات کے ناموں کی مطول فہرستیں بھی مندرج کر دی ہیں۔ یہ سب کچھ اہتمام کیا گیا ہے۔ اگر بحیثیت مولف جو آپ کا ضروری اور فرض اولین تھا وہ کسی مقام پر بھی واقفیت عام کے لئے نہیں لکھا گیا اور ان مختلف اصناف علوم اور متفرق اقسام فنون کی جداگانہ تعریف اور اُنکے باہمی تفریق و تخصیص کو تفصیل و تشریح کے ساتھ کہیں بھی نہ بتلایا۔

یہ کیوں؟ صرف اس غرض خاص سے کہ یہ فنون علم حدیث کے متبع۔ زیر اثر اور اُسی سے ماخوذ و مخلوط ثابت ہوں۔ اور آخر میں انکا معیار اصلی علم حدیث اور حدیث میں کتب صحاح اور کتب صحاح میں صحیحین اور صحیحین میں خاص الخاص امام بخاری کی صحیح ثابت ہو جس سے آپ کو ایک فرقہ خاص اور قوم خاص کی حمایت اور دوسری قوم و فرقہ کے حالات و واقعات میں اپنی عیب پوشی کی غرض سے۔ اسقاط۔ حذاف اور استخفاف کلی اور جزوی کا پورا موقع ہاتھ آ سکے۔

ہم اوپر بھی لکھ آئے ہیں اور پھر لکھ کر بتلائے دیتے ہیں کہ آپ کا یہ مختار بالکل اعجوبہ روزگار ہے اور آپکی یہ تجویز بالکل انوکھی اور اچھوتی ہے۔ افسوس ہے اگر آپ نے ابن خلدون ابن خلکان کی مقدمات کو نہیں دیکھا تھا تو کم سے کم فارسی کی معمولی تاریخ، روضۃ الصفا خاوند شاہی ہروی کا دیباچہ پڑھ لیا ہوتا تو مجھ کو یقین ہے کہ آپ کو ان فنون کی باہمانہ تفریق و تمیز پوری معلوم ہو جاتی۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ آپ انکے باہمی فرق بتلا دینے سے بالکل مجبور تھے اور آپ کی خود غرضی آپ کی مجبوری کا باعث تھی۔ جس سے آپ کسی طرح علیحدہ نہیں ہو سکتے تھے انھیں غرض و مدعا سے آپ نے حدیث و سیرت کے فرق کو جستہ جستہ نہایت مجبوری سے لکھا بھی تو حدیث اور اسکی صحت کی بحث میں۔ چنانچہ دیباچہ ص ۵ کے زیرین حاشیہ عبارت میں حدیث و سیرت کی جو تفریق بتلائی بھی گئی وہ تعریف نہیں سمجھی جا سکتی بلکہ تضعیف ہے۔ جو آپ کے اصل مدعا۔ ترجیح حدیث علی السیر کی اصل بحث پر مبنی ہے۔ آپ کی عبارت یہ ہے۔

اس موقع پر ایک نہایت ضروری بحث طے کر دینے کے قابل ہے۔ جو آج کل قلت علم اور ناواقفی نے پیدا کر دی ہے۔ بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ سیرۃ فن حدیث ہی کے ایک قسم کا نام ہے۔ یعنی احادیث میں سے وہ واقعات الگ کر دئے گئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق

> و عادات سے متعلق ہیں - تو یہ سیرت بنگئی اور چونکہ حدیث میں متعدد کتابیں ایسی موجود ہیں جنمین ایک حدیث بھی ضعیف نہیں مثلاً صحیح بخاری و مسلم (مطلب سعدی ہمین بود) تو یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ سیرت مین کوئی کتاب اجتک اس صحت و التزام کے ساتھ نہیں لکھی گئی - دیباچہ ص ۵ عبارت پائین حاشیہ۔

مرقومہ بالا عبارت پڑھکر انصاف پسند حضرات تبلادین کہ اس عبارت کے ابتدائی فقرات کو - جس میں سیرت کی تعریف کا اشارہ کیا گیا تھا - عبارت کے آخری کلمات سے - جنکا خاتمہ بخاری و مسلم کی مدح سرائی پر کیا گیا ہے - کیا ربط و اسطہ ہے اور ان چند الفاظ مین جو سیرت کی تفریق کو حدیث سے علحدہ تبلایا گیا ہے وہ علم سیرت کی پوری تعریف ہو سکتی ہے؟ اور ان سے علم سیرت کی اصلیت اور حقیقت کا انکشاف ممکن ہے؟

علاوہ برایں - بیان ہے سیرت کا - اور بحث کیجاتی ہے علم حدیث کی صحت سے اور اُنکے مخصوص اصحاب کی صداقت سے - سبحان اللہ مین چہ می سرایم و طنبورہ من چہ می سراید - مگر ان قلمکاریون سے آپ کا مدعا کیا تھا؟ وہی بخاری کی جنبہ داری - جس کا حق آپ نے کما حقہ ادا کر دیا - پھر اس عبارت کے آگے تحریر ہوتا ہے -

> اس تمام تقریر کا حصل یہ ہے کہ سیرت ایک فن جداگانہ ہے اور اس بنا پر اُس کی روایتون مین اس درجہ کی شدت احتیاط ملحوظ نہین رکھی جاتی - جو فن صحاح ستہ کے ساتھ مخصوص ہے - اسکی مثال یہ ہے کہ فقہ کا فن قران و حدیث سے ماخوذ ہے - مگر یہ نہیں کہتے کہ یعینہ قران یا حدیث ہے - یا ان دونون کا ہم پلہ ہے -

اگر شبلی صاحب اتنا ہی لکھکر کہ سیرت ایک فن جداگانہ ہے - ختم کر دیتے اور ائندہ تفصیل کی تکلیف نکرتے تاہم علم سیرت کی ابتدائی تعریف ہوجاتی - مگر آپ اپنے مطلب کے متلاشی ہین - اتنا لکھکر ختم کر دیتے تو بیان بے مدعا اور خبر بے مبتدا ہو جاتی - اور ترجیح حدیث علی السیرت کا اصل مطلب فوت ہو جاتا اسلئے تقسیم کیگئی اور تفصیل مین یہ ضروری اضافہ خاصکر کیا گیا کہ صحیحین کیساتھ صحاح ستہ کا مجموعہ بھی داخل کیا گیا - اور اُنکے صحت و صداقت کے ساتھ شدت صحت کی حدت بھی بڑھا دی گئی - اب کون آپ سے پوچھے کہ آپ تو ابھی ابھی خود لکھ چکے ہین کہ سیرت ایک فن جداگانہ ہے پھر اس کے متعلق علم حدیث کی جزئیات و کلیات سے بحث کرنا کس عقل والے کا کام ہو سکتا ہے -

سیرت اور فقہ کی مثال ناقص ہے

مرقومہ بالا عبارت مین سیرت کو علم فقہ کی ساتھ ان الفاظ مین تشبیہ دی گئی ہے - کہ اسکی مثال یہ ہے فقہ کا فن قران و حدیث ہی سے ماخوذ ہے لیکن یہ نہین کہہ سکتے کہ یہ بعینہ قران یا حدیث ہے - شبلی صاحب کی یہ مثال بھی سراپا ناقص اور یہ تشبیہ بھی بالکل ناکامل ہے - کیونکہ اس لیے کہ فقہ اور سیرت کی ایک صورت نہین ہو سکتی - فقہ حقیقتاً قرآن و حدیث سے ماخوذ ہی ہے کا قرآن و حدیث سے ماخوذ و مستنبط ہونا ضروری و لازمی نہین - میرے خیال مین سیرۃ النبی کی تخصیص خاص کی وجہ سے آپ کو اس تشابہ کا تسامح ہو گیا ہے اگر شبلی صاحب نے ذرا بھی غور فرمایا ہوتا تو اپنی غلط فہمی کی حقیقت معلوم ہو جاتی اور آپ نے بخوبی خود سمجھ لیا ہوتا کہ

کہ اگر ظہور اسلام سے قبل۔ قریش میں کسی شخص خاص کے حالات لکھنے کی آپ کو ضرورت ہوتی۔ یا ظہور اسلام کے ایام میں یا اس کے بعد تاج بھی آپ کو۔ کسی غیر مسلم باشندہ عرب کی حالات و واقعات قلمبند فرمانے کا اتفاق ہو تو آپ کہاں تک ان اشخاص کی سیرتوں کی تالیف و تصنیف میں قرآن و احادیث سے اخذ حالات و واقعات فرما سکتے ہیں۔ جب ان سیرتوں میں قرآن و احادیث کے استخراج و استنباط کی مطلق ضرورت نہیں اور یہ بالکل صحیح ہے کہ بلا استثناء ان ماخذوں کے آپ ان کی سیرتیں تیار کر سکتے ہیں تو عموماً علم السیرت کو علم الفقہ کا مماثل و مقابل ٹھہرانا کیسی فاش غلطی ہے۔"

ہاں آپ سیرۃ النبی صلعم۔ سیرۃ الصحابہ اور عام طبقہ مومنین و مسلمین کی حالات و واقعات میں علیٰ ترتیب المراتب خاص خاص مقامات پر قرآن و احادیث کی اقتباسات کے محتاج ہوں گے۔ مگر یہ ملحوظ رہے کہ ان استخراج و استنباط سے اور ان اقتباسی جزئیات سے سیرت کے کلیات میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایسے جزوی تعلقات تو باہدیگر تمام علوم و فنون میں پائے جاتے ہیں جغرافیہ کو تاریخ سے تعلق ہے تو تاریخ کو جغرافیہ سے۔ ریاضی اکثر مقامات میں ادب سے مدد کا طالب ہے اور ادب ریاضی سے۔ علم ہیئت فلسفہ سے استفادہ کرتا ہے۔ تو فلسفہ ہیئت سے خارجی سبق لیتا ہے۔ اسی طرح سیرت اسلامی کو مناسب مقامات پر قرآن و احادیث سے استفادہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر باایں ہمہ ماہرین علوم و فنون جانتے ہیں کہ ان وقتی اور جزوی تعلقات سے نہ جغرافیہ تاریخ سے ماخوذ کہا جا سکتا ہے اور نہ تاریخ جغرافیہ ہو سکتی ہے۔ نہ ریاضی ادب کہلائے گا نہ ادب ریاضی۔ نہ ہیئت فلسفہ ہو جائے گی نہ فلسفہ ہیئت مگر شبلی صاحب کی منطق خواہ مخواہ سیرت اور فقہ کو مثالاً ایک بتلاتی ہے۔ تو اس کو کیا کیا جاوے۔

شبلی صاحب کے تسامح کا اصلی باعث

آپ نے علم سیرت کو اپنی سیرۃ النبی کی خاص ضرورت تک محدود فرمایا ہے اور اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات و واقعات کو قرآن و احادیث سے ماخوذ ہونا مشروط فرمایا ہے تو آپ کی اس تجویز میں بھی یہ کہا جاوے گا کہ آنحضرت صلعم کے حالات و واقعات بھی بالکل قرآن و احادیث سے ماخوذ و مستنبط نہیں ہیں۔ بلکہ انھیں حدود و قیود تک جن کا وجود و ثبوت عبارات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے استخراج و استنباط کا محتاج ہے۔ یا جنکی تفصیل و بیان میں قرآن و احادیث کے شہود کی ضرورت ہے نہ عموماً آنحضرت کے تمام جزوی اور کلی حالات ہیں۔ چنانچہ انھیں نصاب پر آپ نے بھی اپنی کتاب مرتب فرمائی ہے اور آپ سے پہلے تمام مولفین نے بھی یہی نصاب اور نظام تصنیف قائم فرمایا ہے سیرۃ النبی میں بھی جن واقعات کا قرآن و احادیث سے تعلق تھا۔ انکی تفصیل میں قرآن و احادیث کے ماخذوں سے کام لیا گیا ہے اور جو تاریخ و سیرت سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ تاریخ و سیرت کی کتابوں سے لیے گئے ہیں۔ پھر اگر بفرض محال آپ کا یہ

قیاس صحیح بھی مان لیا جاوے کہ آپ اس مقام پر سیرت سے صرف سیرت اہل اسلام مراد لیتے ہین - تب بھی تو اکیلے قرآن و حدیث سے مقاصد تالیفی پورے نہین ہوتے - اور تاریخ و سیر کے نقل ماخذ بغیر کام نہین نکلتا حقیقت مین شبلی صاحب نے اپنی خود غرضی سے علم سیرت کے دائرہ کو بہت محدود دکھلایا ہے - حالانکہ وہ بہت وسیع ہے - اور اتنا کہ وہ تاریخ سے علحدہ ہو کر ایک فن جداگانہ بن گیا ہے - اسکے دائرے کو تنگ و محدود سمجھنا خصوصاً علم و تحقیق کے موجودہ روشن زمانہ مین - صریح خیرہ چشمی سمجھی جائیگی - علم سیرت کو خاص اسلامی مولفین و مصنفین کی ایجاد و طبعزاد سمجھنا - یہ بھی تحقیق کی خامی اور تلاش کی کمی ہے - کیونکہ جامعین اور مفسرین توارت و انجیل سے اگر قطع نظر کی جائے تو پھر مولفین و مصنفین اسلامی سے صدیوں پیشتر رومی اور یونانی مصنفین و مورخین علم سیرت کے قدیم مشاق اور نقاد ثابت ہوتے ہین -

تعریف سیرت کی جگہ صحت حدیث سے استدلال غلط ہے

اس کے آگے شبلی صاحب قمطراز ہین -

مغازی اور سیرت مین جس قسم کی جزئی تفصیلین موجود ہوتی ہین وہ فن حدیث کے اصلی بلند معیار کے موافق نہین مل سکتین - اس لئے ارباب سیر کو تنقید و تحقیق کا معیار کم کرنا پڑتا ہے - اس بنا پر سیرت مغازی کا رتبہ فن حدیث سے کم رہا -

اس عبارت مین بھی وہی ترجیح حدیث کے اصول پر بحث ہے - ہم چاہتے ہین کہ آپ کے دست قلم سے حدیث تاریخ و سیرت کی اصلی تعریف نکلتی - آپ حدیث کی ترجیح والی حدیثین سناتے ہین اور یہ نہین بتلاتے کہ حدیث کیا ہی اور تاریخ و سیرت کیا اور ان مین فرق مابہ الامتیاز کیا رکھا گیا ہے - آپ کی اس عبارت مین صرف اتنی نوعیت ہے کہ ایکی بار سیرت کے ساتھ مغازی کا بھی نام لیا گیا ہے - مگر ابھی سیرۃ ہی کی اصلی صورت قائم نہین ہوتی مغازی کی صفائی کیسی -

اصحاب سیرت اور اصحاب حدیث کا دو گروہ مقابل ہونا

اس سے آگے تحریر فرمایا جاتا ہے :-

تیسری صدی تک جو کتابین سیرت کے نام سے مشہور ہین مثلاً سیرت ابن ہشام - سیرت ابن عائذ - سیرت اموی وغیرہ - ان مین زیادہ تر غزوات کے حالات ہین - البتہ زمانہ مابعد مین مغازی کے سوا اور چیزین بھی داخل ہوئی گئین مثلاً مواہب لدنیہ میں غزوات کے علاوہ سب کچھ ہے "

اس تحریر سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ مغازی مین آگے چل کر اور چیزین بھی داخل ہوگئین - اس کے آگے لکھا جاتا ہے :-

اسی بنا پر محدثین کی اصطلاح مین مغازی اور سیرت عام فن حدیث سے الگ الگ چیز ہے - یہاں تک کہ بعض بعض موقعون پر ارباب سیر اور محدثین دو مقابل کے گروہ سمجھے جاتے ہین - اور بعض واقعات کے متعلق یہ صورت پیدا ہوتی ہے کہ تمام ارباب سیر ایک طرف نظر آتے ہین اور امام بخاری و مسلم ایک طرف - ایسے موقع پر لوگ امام بخاری

کی روایت کو اس بنا پر تسلیم نہین کرتے کہ تمام ارباب سیر کے خلاف ہے لیکن محققین لکھتے ہین کہ حدیث صحیح تمام ارباب سیر کی متفقہ روایت کے مقابلہ مین قابل ترجیح ہے ہم اس موقع پر ایک دو واقعہ مثال کے طور پر لکھتے ہین ۔

ہم پہلے شبلی صاحب کی اس عبارت تمہیدی کا انکشاف حقیقت کرین تو آپ کی شانون کی کیفیت دکھا سکتے ہین سیرت کی اصلی حقیقت کے چھپانے اور اسکی وقعت وصحت کے گھٹانے ہین ۔ اتنے قبل سے جو کوشش فرمائی جارہی تھی اس کا نتیجہ اب دکھلایا گیا ؎ پیام یار لطیف است گر بہ پرگاہ ۔ خیر دو فریق (ارباب حدیث واصحاب سیرۃ) اب تیار کر دیے گئے ۔ اور حقیقتاً تھے بھی ایسا ہی جیسا اب بتلایا جاتا ہے ۔ یہ دونون برابر کے دعویدار ہین ۔ اصحاب حدیث ایک طرف ہین اور ارباب سیرۃ و تاریخ ایک طرف ۔ اور یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ خاص خاص مقامات پر دعویداران حدیث بمقابلہ سیرت و تاریخ کے قابل ترجیح و تفضیل ضرور ہین اور اکثر مقامات پر واقفکاران سیر و تاریخ صاحبان حدیث پر ترجیح پانیکے مستحق ہین ۔ یہان تک صاف اور غیر جانبدارانہ فیصلہ فرمایا گیا ہے سلف سے آجتک یہی مختار جمہور مولفین و محققین کا عام دستور چلا آتا ہے ۔ مگر پھر اہو خود غرضی اور نفسانیت کا کہ اتنی حقیقت واصلیت لکھ دینے کے بعد بھی شبلی صاحب صرف اپنا مطلب نکالنے کے لیے محض فرضی اور لامعلوم محققین کا یہ فیصلہ ۔ جو حقیقتاً نہ کسی محدث کا ہے اور نہ محقق کا ۔ بلکہ آپ کی خاص ایجاد ہے اور آپ کی خاص طبعزاد ۔ زیب قلم فرماتے ہین ؛ ۔

لیکن محققین کہتے ہین کہ حدیث صحیح تمام ارباب سیر کے متفقہ روایت کے مقابلہ مین بھی قابل ترجیح ہے ۔

خلاف جمہور اور بغیر اسناد فیصلہ

یہ فیصلہ بالکل خلاف جمہور ہے ۔ اگر فی الحقیقت جیسا لکھا گیا ہے یہ محققین کا فیصلہ ہے اور آپ سچے ہین ۔ تو آن محققین حضرات کے نام ۔ انکی کتاب ۔ آن کی عبارت تحریر فرمادیتے تو دیکھا جاتا کس پایہ کے محققین ہین ۔ کس مرتبہ کی انکی کتابین ہین ۔ کس مقدار کے آنکے مختار ہین ۔ شبلی صاحب کی ان قلمکاریون سے کہ محققین کا یہ فیصلہ ہے یا محدثین کی یہ رائے ہے نہ واقفکاران فن مرعوب ہوسکتے ہین نہ ناواقفکار غیرون کی اس سے تشفی و اطمینان ہوسکتا ہے ۔ اول تو کوئی محقق اس خود سری اور بد دماغی سے فیصلہ کر ہی نہین سکتا ۔ اور بفرض محال اگر کوئی صاحب ایسے ہون گے بھی تو وہی ابن حجر شارح صحیح بخاری یا خود آپ ۔ اگر حقیقتاً آپ ہین اور یہ آپ ہی کا مختار ہے ۔ تو آپ ایسے یکطرفہ مختار و فیصلہ کے ذمہ دار ہین ۔ اور اگر ابن حجر شارح صحیح بخاری ہین (جیسا کہ بہت جلد معلوم ہوتا ہے) تو آپ خود ایسے محقق شخص کو اسی سیرۃ النبیؐ مین ۔ روایۃ پرستی کا خاص خطاب دے چکے ہین اور علامہ اسماعیلی وغیرہم کے مقابلہ مین انکی عدم قابلیت و مجہولیت ثابت کرچکے ہین ملاحظہ ہو سیرۃ النبیؐ ج ا ص ۱۳۱ پر ایسے نا قابل و مجہول شخص کو محقق کہنا اور اس کے محض جانبدارانہ فیصلہ کے اتباع و تقلید کے لیے تمام اہل اسلام کو مجبور کرنا آپ ہی کی

جرأت و غیرت کا کام ہے"

پہلی مثال غزوۂ ذی قرد کے متعلق اہل سیرت کا اختلاف

یہ تو آپ کی عبارت تمہید کی تنقید تھی - اب جو مثالیں دی گئیں ہیں انکی کیفیت ذیل میں ملاحظہ ہو غزوات میں ایک غزوہ ذی قرد کے نام سے مشہور ہے - اسکی نسبت ارباب سیر متفق ہیں کہ صلح حدیبیہ کے قبل واقع ہوا تھا - لیکن صحیح مسلم میں سلمہ ابن الاکوع سے جو روایت ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد اور خیبر سے تین دن قبل کا یہ واقعہ ہے اس حدیث کی شرح میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں -

لا یختلف اھل السیر ان غزوۃ ذی قرد کانت قبل الحدیبیۃ فیکون ما وقع فی حدیث سلمہ من وھم بعض الرواۃ	اہل سیر میں سے کسی کو اس امر میں اختلاف نہیں ہے کہ غزوہ ذی قرد حدیبیہ سے پہلے ہوا تھا - تو سلمہ کی حدیث میں جو مذکور ہے وہ کسی راوی کا وہم ہوگا

حافظ ابن حجر فتح الباری میں - ذکر غزوہ ذی قرد میں قرطبی کے اس قول پر بحث کر کے لکھتے ہیں -

فعلی ھذا فی الصحیح من التاریخ لغزوۃ ذی قرد اصح مما ذکرہ اھل السیر -	تو اس بنا پر صحیح مسلم میں غزوہ ذی قرد کی جو تاریخ مذکور ہے وہ اس سے زیادہ صحیح ہے جو مصنفین سیرت نے بیان کی ہے -

اب تو میرے خیال کی تصدیق ہوگئی یعنی شبلی صاحب کے وہ محقق یہی ابن حجر صاحب ہیں - بہر حال - ابھی ابھی اسی کتاب میں شبلی صاحب ص ۷۸ پر علامہ عینی کے مقابلہ میں - انہیں ابن حجر صاحب کی فن حدیث میں بحیثیت بہ عدم تحقیق کن الفاظ میں دکھلا چکے ہیں کہ -

"اسماعیلی کے اعتراض کا جواب حافظ ابن حجر نے دیا ہے لیکن عینی کا درجہ فن حدیث میں حافظ ابن حجر سے زیادہ ہے -"

پھر ایسے محدود الاطلاع و الے شخص کے فیصلے سے علامہ قرطبی کے ایسے معتبر مورخ کی تشخیص کو غلط کرنا - شبلی صاحب کے مبلغ تحقیق پر کافی روشنی ڈالتا ہے - اگر آپ کو اپنی خود غرضی ہی کی ضرورت سے - ابن حجر ہی کا فیصلہ لکھ کر کام نکالنا تھا تو ان کی پوری بحث جو قرطبی کی تردید میں لکھی گئی ہے - نقل فرما دیتے - جس سے تحقیق کے ہر متلاشی کو وہ توجیہات معلوم ہو جاتیں جنکی بنا پر ابن حجر نے اپنے فیصلہ کو قائم کیا ہے - مگر آپ ایسے وقتوں میں بیدار او موقع شناس مولف ثابت ہو چکے ہیں - اور آپ کا یہ خاص انداز تحریر پایا گیا ہے کہ ایسے مقامات پر آپ بلا تامل اپنے فائدہ اور مطلب کے مطابق عبارت کتاب لکھ کر باقی کو قلم زد کر دیتے ہیں - ہم اس بحث کو غزوہ ذی قرد کے اصلی مقام پر لکھیں گے - مگر یہاں خود آپ ہی کی تحریر سے اسکی حقیقت لکھے دیتے ہیں جس سے ہر شخص سمجھ جائے گا کہ اصلیت کیا ہے - سیرۃ النبی ج ۱ ص ۲۵۱ میں زیر حاشیہ یہ عبارت مندرج کی گئی ہے -

حافظ ابن حجر نے انہوں روایتوں (روایت حدیث و روایت سیرت) میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ عیینہ بن حصین نے دو دفعہ حملہ کیا تھا۔ عام ارباب سیر جس کو ذکر کرتے ہیں وہ پہلا حملہ تھا۔ اور یہ بالکل قرین قیاس ہے عام ارباب سیر کو غزوۂ خیبر (بلکہ تمام غزوات) سے متعلق چونکہ کسی سبب کی تلاش و جستجو نہیں اس لئے انکو اس سے کچھ بحث نہیں کہ واقعات کا تسلسل اور غزوات کے اسباب کیا ہیں۔ لیکن زیادہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب واقعات ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ "

ابن حجر کا غلط فیصلہ

اب اس تحریر سے ثابت ہوگیا کہ ابن حجر کا یہ فیصلہ کسی تحقیق اور دلیل پر مبنی نہیں۔ اسلئے فیصلہ نہیں ہوسکتا ہے۔ بلکہ اُن کی ذاتی رائے ہے۔ مگر آپ اُسے خواہ مخواہ اپنی بات رکھنے اور اپنا مطلب نکال لینے کے لئے قول فیصل بنا کر دکھلاتے ہیں۔" جب بقول آپ کے ابن حجر کا یہ قول قول فیصل تھا تو پھر ان واقعات میں تطبیق دینے کی کیا ضرورت تھی۔ تطبیق کی تعریف میں آپ خود لکھتے ہیں کہ "دو مختلف قسم اقوال میں اسوقت تطبیق کی جاتی ہے جب دونوں میں صحت کے شرائط پائے جاتے ہیں اور جب اقوال مختلفہ میں تطبیق کیجاتی ہے اور وجہ تطبیق بھی معقول اور مناسب دکھلائی جاتی ہے۔ تو باعتبار صحت و صداقت کے پھر ایک قول کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیجاسکتی۔"

شبلی صاحب خود ان دونوں مختلف اقوال میں ابن حجر کے طرز عمل کے دو مختلف طریقہ دکھلاتے ہیں۔ ایک فیصلہ جس سے حدیثیں صحت میں سیرت کی کتابوں سے بڑھی ہوئی ثابت ہوتی ہیں۔ دوسری تطبیق جس سے دونوں کی روایات صحت میں مساوی اور برابر معلوم ہوتی ہیں۔ اور پھر اس عمل تطبیق کو شبلی صاحب بالکل قرین قیاس بھی بتلاتے ہیں۔ مگر بایں ہمہ — وہی شبلی صاحب ابن حجر کے اسی فیصلہ مجہول پر — جو حقیقتاً انکی روایت پرستی کی بنا پر اُن کی اپنی رائے ہے — عمل کئے جانے کیلئے مُصر ہیں۔

اصل حقیقت کا انکشاف واقعات

شبلی صاحب نے اگر خوش نیتی سے صحت روایات سیرت کی تنقید شروع کی تھی تو قطع و برید اور استخفاف و احذاف کی کیا ضرورت تھی۔ فتح الباری کی پوری عبارت استدلال میں لکھ دی ہوتی۔ صرف ابن حجر کا قول آخر جسے وہ قول فیصل اور حکم ناطق قرار دیتے ہیں۔ لکھ دینا کیا معنی۔ یہ تو تدین و صداقت کے بالکل خلاف ہے۔ آخر آپ نے انھیں ابن حجر کی تطبیق کی معقول توجیہ و تفصیل مندرج کی مگر یہاں نہیں صرف اسلئے کہ یہاں اسکی تفصیل آپ کے مفید مطلب نہیں تھی۔ بالآخر دوسرے مقام پر یہ راز سربستہ فاش کیا گیا اور صورت حال کا انکشاف جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ آپ کے اس طرز تحریر اور انداز تالیف کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ آپ نے نقل واقعات میں پورے تدین سے کام لیا ہے۔

شبلی صاحب نے تطبیق حدیث اور وجہ تطبیق کا ذکر تو کر دیا مگر حقیقتاً تفصیل کسی کی بھی نہیں کی صرف

ابن حجر کے اس قول سے اتنا اشارہ فرما کر رہ گئے کہ عیینہ ابن حصین نے ذی قرد پر دو دفعہ حملہ کیا تھا۔ عام ارباب سیر جس کا ذکر کرتے ہین وہ پہلا حملہ تھا۔ اور یہ بالکل قرین قیاس ہے۔ ہم اس اجمال کی تفصیل مین زرقانی کی عبارت پیش کرتے ہین۔ اور زرقانی کی نسبت آپ دیباچہ سیرۃ النبی ص ۷۲ مین لکھتے ہین۔

زرقانی علی المواہب۔ مواہب لدنیہ کی شرح ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ سہیلی کے بعد کوئی کتاب اس تحقیق و جامعیت سے نہین لکھی گئی۔

زرقانی کی عبارت حسب ذیل ہے:

قال الحافظ ويحتمل في طريق الجمع ان تكون اغارة في اللقاح وقعت مرتين الاولى التي ذكرها ابن اسحاق وهي قبل الحديبية والثانية بعدها قبل الخروج الى خيبر وكان رأس الذين اغاروا عبد الرحمان بن عيينة كما ساق سلمة عند مسلم ويؤيده ان الحاكم ذكر في الاكليل ان الخروج الى ذي قردة تكرر ففي الاولى خرج اليها زيد بن حارثة قبل احد وفي الثانية خرج اليها صلى الله عليه وآله وسلم في ربيع الآخر سنة خمس والثالثة هذه المختلف فيها فاذا ثبت هذا قوي الجمع الذي ذكرته

حافظ ابن حجر کہتے ہین کہ ان مختلف روایتون مین جمع کی یہ صورت ہے کہ حقیقتاً اس مقام پر دو بار حملے کئے گئے۔ ایک بار تو وہی ہے۔ جسے ابن اسحاق (صاحب سیرت) نے قبل حدیبیہ بتلایا ہے اور اسکے بعد دوسرے با خروج خیبر سے پہلے۔ اور یہ وہی ہے کہ جس کا ذکر سلمہ ابن اکوع کے طریق سے مسلم نے کیا ہے۔ اس کے سردار فوج عبد الرحمان ابن عیینہ تھے۔ اس قول کی تائید امام حاکم کے اس قول سے ہوتی ہے۔ جس کا ذکر کتاب اکلیل مین اس طرح پر کیا ہے کہ ذی قرد پر خروج مکرر واقع ہوا۔ ایک بار قبل جنگ احد زید ابن حارثہ کی زیر امارت حملہ کیا گیا۔ دوسرے بار ۵ ہجری مین بذات خاص جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لےگئے اور تیسری بار یہی ہے۔ جسکا ذکر سلمہ کی زبانی مندرج ہے زرقانی لکھتے ہین کہ اگر حاکم کا یہ قول ثابت ہوجاوے تو جو صورت جمع بین الحدیثین کی اوپر لکھی گئی ہے۔ اور قوی ہوجاوے گی زرقانی جلد اوّل ص ۱۰۱۔

اب تو زرقانی کی مرقومہ بالا عبارت سے حقیقت حال کا پورا انکشاف ہوگیا۔ اور ثابت ہوگیا کہ بقول ابن حجر مقام ذی قرد پر دو بار۔ اور بقول امام حاکم تین بار حملہ کیا گیا جن مین سے بقول ابن حجر صرف ابن اسحاق صاحب سیرت اور بقول شبلی صاحب امام ارباب سیر جس حملہ کا ذکر کرتے ہین وہ پہلا حملہ تھا۔ اور یہ بالکل قرین قیاس ہے۔

اب ان انکشافات و اعترافات اکابر و عمائد محدثین کے مقابلہ مین بتلایا جاوے کہ اہل سیرت نے ذی قرد کی نسبت کیا غلط لکھا ہے۔ جس پر اعتراض کی بنیاد قائم کی گئی ہے اور جب انھون نے غلط نہین لکھا تو آپ انکے تکذیب یا کم سے کم تضعیف کیسے کرسکتے ہین اور سچ لکھنے والون سے۔ جو خود انکے تصدیق کرتے ہین۔ ان کو کمزور اور بے اعتبار کیسے کرسکتے ہین۔

شبلی صاحب نے اتنی خامہ فرسائی فرماکر اس بحث کو خواہ مخواہ طول دیا۔ اگر اُنھیں ابن حجر کے اُس ذاتی قول ورائے کے ساتھ عقیدت تھی۔ تو خیر اُسکو لکھ کر۔ اسی کے ساتھ اُنکی تطبیق اور جمع بین الحدیثین والی عبارت بھی لکھدی ہوتی تو یہ بحث تمام تھی اور مدعا سے بحث حاصل۔ مگر آپ کیسے لکھتے۔ وہاں تو آپ کو حدیث کی ترجیح کسی نکسی نوع سے ثابت کرنی ہے اور سیرت کی کم وقعتی۔ مگر اصل کتاب میں جہاں واقعہ ذی قرد کی تفصیل ضروری ہوگئی وہاں حقیقت پر روشنی ڈالی بھی گئی۔ تو اس کم مقداری سے کہ اصل واقعہ کی کامل جلوہ آرائی نہیں ہوئی جس قدر حقیقت حال لکھی بھی گئی وہ اصل کتاب میں داخل نہیں کی گئی بلکہ عبارت حاشیہ زیرین میں قلمبند فرمائی گئی خیر۔ این ہم غنیمت است۔ اگر شبلی صاحب کو خوش نیتی سے۔ جیسا کہ خود تحریر فرما چکے تھے۔ حقیقت حال کی تحقیق ہو چکی تھی اور خصوصاً ابن حجر اور امام حاکم کے ایسے اکابر محدثین کے اقوال سے ثابت ہو چکا تھا کہ مقام ذی قرد پر متواتر حملے کیے گئے تھے۔ ازانجملہ سب سے پہلا وہ تھا جسے اہل سیرت لکھتے ہیں۔ اور بقول ابن حجر وہ دوسرا تھا اور بقول امام حاکم تیسرا حملہ۔ وہ تھا جسے اصحاب حدیث کہتے ہیں۔ تو آپ نے اس تمام عبارت محدثین کو اپنی اصل کتاب کی عبارت میں کیوں داخل نہ فرمایا کہ ہر خاص و عام اسلام کی اطلاع اور اصل حقیقت معلوم کرنے کے لیے کافی ہوجاتا۔ حقیقت کا اخفا۔ خصوصاً جسکے علم ہو جانیکے بعد مؤلف کے لیے نہایت خطرناک الزام پیدا کرتا ہے۔

اصل واقعہ

اب شبلی صاحب کو کیا تمام دنیا کو معلوم ہو گیا کہ اہل سیرت نے غزوہ ذی قرد کی نسبت جس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور جس کا سنہ وقوع بتلایا ہے۔ وہ اصحاب حدیث کے قرار دادہ واقعہ سے بالکل علیحدہ واقعہ ہے اور وہ اُن کے مختار تحقیق کے مطابق حدیبیہ سے پہلے۔ اور امام حاکم کے اسناد کے موافق واقعہ احد سے بھی پہلے واقع ہوا تھا۔ اور صحیح مسلم میں جس واقعہ کی کیفیت مرقوم ہے اور بقول شبلی صاحب جس کے ہیرو مسلمہ ابن اکوع ہیں۔ وہ غزوہ خیبر سے تین دن قبل سنہ ۷ ہجری میں وقوع پذیر ہوئی۔

ان تمام واقعات کی کامل تحقیق کرنیوالوں پر بخوبی ظاہر ہے کہ حدیبیہ بلکہ اُسکے اور قبل سے لیکر غزوہ خیبر تک۔ ان تمام چھوٹے چھوٹے غزوات و سرایات کا لگاتار سلسلہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ جو حقیقتاً تھوڑی تھوڑی تفاوت ایام کے ساتھ ایک دوسرے کے بعد برابر واقع ہوتے گئے چنانچہ خود شبلی صاحب ان الفاظ میں اس کی حقیقت حال کا اقرار کر چکے ہیں۔ کہ لیکن زیادہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب واقعات ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

جب یہ اعتراف و اقرار فرما لیا گیا کہ یہ تمام واقعات حقیقتاً ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں تو شبلی صاحب کو یہیں سے حدیث و سیرت۔ دونوں جداگانہ فنون کے فرق ما بہ الامتیاز کی بھی تمیز کرلینی تھی۔ اور اسی تمیز سے آپکو دونوں کی باہمی تفریق و تخصیص بھی معلوم ہو جاتی اہل سیرت نے کیوں غزوہ ذی قرد کے صرف ایک حملہ اور اُسی کے سنہ وقوع کا ذکر کیا۔ اور دوسرے یا تیسرے کا نہیں؟

حدیث و سیرت کی تفریق اصول اعتراض سے پہلے ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ اہل سیرت کی نظر اپنے اصول کے مطابق - واقعہ کی اہمیت پر ہوتی ہے اور اسکے بیان و تفصیل کی شدت ضرورت پر - ہر قابل و ناقابل مشہور و غیر مشہور واقعہ کو - جو اس شخص خاص کی نسبت بیان کئے جاتے ہیں - جسکی سیرت کا قلمبند کرنا مقصود ہوتا ہے - جمع کرنا اور لکھ دینا نہ اہل سیرت کا شعار تالیف ہے نہ معیار تصنیف اسی باعث سے ذی قرد کے متعدد اور مکرر سہ کرر واقعات میں دوسرے واقعہ کو (بقول ابن حجر) قابل الذکر سمجھ کے اس لئے قلمبند کیا کہ اس واقعہ میں جناب رسالتمآب صلعم کے بالنفس النفیس شریک ہونے سے - اسکی شان اہمیت دوبالا ہو گئی تھی - اسکی حیثیت سرایہ کی حیثیت سے مرتفع ہو کر غزوہ رسول کی خاص عظمت حاصل کر چکی تھی - باقی اور ذی قرد کے واقعات حملات جو اس سے قبل و مابعد واقع ہوئے وہ ایک ہی مقام پر - ایک ہی قوم و قبیلہ کے ساتھ اور ایک ہی غرض و مدعا کی بنا پر سرایا کی معمولی صورتوں میں وقوع پذیر ہوئے - جو اہل سیرت کے اصول تدوین کے مطابق توارد کے حکم پہ آتے تھے - اور جنکے بیان میں کسی نوعیت واقعہ کی کوئی تفصیل نہیں تھی - اس بنا پر قلم انداز کر دئے گئے -

اہل سیرت کے خلاف اصحاب حدیث قول و احکام کے متلاشی ہیں - جب انکے معیار کے مطابق کوئی قول یا کوئی حکم مل گیا - عام اس سے کہ ایک طریق یا متعدد - متواتر اور مختلف طریقوں سے ملا ہو - اسکو انہوں نے ان تمام طریقوں سے - ایک مقام پر بھی نہیں - مختلف ابواب اور متفرق فصول میں قلمبند فرما دیا - اور تواتر توارد یا تکرار کی کوئی پروا نہیں کی - اسی بنا پر آپ ایک حدیث کو مختلف طریقوں سے متفرق ابواب و فصول میں کتب صحاح ستہ میں عموماً اور صحیحین بخاری و مسلم میں خصوصاً مندرج پائیں گے - اسی سے شبلی صاحب حدیث و سیرت کی تفریق و تخصیص کو سمجھ لئے ہوتے - ؟

دوسری غلط مثال دوسری مثال یہ دی گئی ہے - ایک غزوہ - ذات الرقاع کے نام سے مشہور ہے - اسکی نسبت اکثر ارباب سیر کا اتفاق ہے کہ جنگ خیبر کے قبل واقع ہوا تھا - لیکن امام بخاری نے تصریح کی ہے کہ خیبر کے بعد واقع ہوا - اس پر علامہ دمیاطی نے بخاری کی روایت سے اختلاف کیا ہے - حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں -

واما تبجحه الدمياطی فادعی غلط الحديث فهم جميع اهل السير على خلافه	باقی ان کے تبجح دمیاطی نے حدیث صحیح (بخاری) کی نسبت غلط ہونے کا اسوجہ سے دعوی کیا ہے کہ تمام اہل سیر اسکے خلاف ہیں -

دیکھئے - پھر وہی دم بریدہ عبارت لکھ دی گئی اور پوری نہیں نقل کی گئی - لکھا گیا تو صرف اپنا قول اور وہ بھی اتنا - حافظ ابن حجر نے اس قول (دمیاطی) کو لکھ کر اس کا رد بھی کیا ہے -

اور بس - اچھا - وہ رد اور اسکی عبارت کہاں ہے ؟ وہ بالکل غائب ! اب تحقیق طالب کا اسکی اس عبارت سے حقیقت حال کی نسبت کیا سمجھ سکتا ہے - اور وہ کیونکر ابن حجر کے جواب تردیدی کی تصدیق پر تیار ہو سکتا ہے جبکہ

نہ اُس نے دیکھا اور نہ پڑھا۔ جب تردید کی اصلی عبارت موجود ہی نہین۔ تو پھر مجبوراً فتح الباری مین ابن حجر کی ہی تنقیدی عبارت جو اُنھون نے علامتہ دمیاطی کی تعریف مین لکھی ہے پیش نظر رکھنی ہوگی۔ اور اسکو شبلی صاحب نے ان الفاظ مین زرقانی ج ۲ ص ۱۱ کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے۔

ودل ھذا علی انه کان یعتقد الرجوع عن کثیر مما وافقه اھل السیر وخلاف الاحادیث الصحیحة وان ذلك کان قبل تضلعه منها والخروج لنسخ کتابه المشاره یتمکن من تغییره۔

اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ یعنی دمیاطی قصد کرچکے تھے کہ جن موضوعوں پر انھون نے ارباب سیر سے اتفاق کرکے احادیث صحیحہ سے مخالفت کی ہے۔ ان سے رجوع کرین گے اور پہلے اُن سے عبارت فن کے قبل واقع ہوا تھا۔ لیکن چونکہ آنکی کتاب کے نسخے تمام شائع ہوچکے تھے۔ اس لئے وہ اپنی کتاب کی اصلاح نکرسکے سیرۃ النبی دیباچہ

حافظ ابن حجر کی اس عبارت منقولہ کا حوالہ بھی شبلی صاحب کے لئے مفید مطلب نہ نکلا۔ کیونکہ۔ جیسا آپ نقل فرماتے ہین یہ تو ابن حجر کا مقولہ ہے کہ دمیاطی نے آخر مین ایسا کیا یا ایسا کرنے کا قصد کیا تھا۔ دمیاطی کا تو قول اعتراف نہین کہ ہم نے ایسا کیا یا ہم ایسا کرنے کا قصد رکھتے تھے" جبتک کہ ابن حجر یا شبلی صاحب دمیاطی کا اصل قول نہ پیش کرین۔ ثبوت کافی نہین ہوسکتا ہے۔ خصوصاً ایسی حالت مین جب شبلی صاحب کو خود اقرار ہے کہ محدثین اور اہل سیرت دو برابر اور مقابل کے گروہ ہین۔ تو پھر ممکن نہین کہ ایک گروہ اپنے مخالف و مقابل گروہ پر ترجیح پانے کے لئے اُسکی تضعیف کا کوشان نہو۔ اس بنا پر ممکن ہے کہ علامتہ دمیاطی کی نسبت محدثین کی جس مین ابن حجر بھی شامل ہین۔ یہ خالی افواہ ہو یا حسن ظن۔

ہم نے بھی یہ بحث زرقانی مین پوری پڑھی ہے۔ اس مین بھی حافظ ابن حجر کی زبانی علامتہ دمیاطی کی نسبت لکھا ہے کہ آخر مین علامتہ موصوف نے صحت حدیث کی طرف رجوع کیا تھا اور قصد کرتے تھے کہ اپنی تصنیفات مین ترمیم کردین۔ مگر کتابین دور دور تک تمام بلاد اسلام مین شائع ہوچکی تھین اسلئے اس کام کو انجام نفرماسکے۔ تحقیق حقیقت اسوقت تک کامل نہین ہوتی جبتک کہ دمیاطی کا اصل اعتراف اُنکے خاص الفاظ مین نہ پیش کیا جاوے۔ جس سے ایک محقق اور حقیقت حال کے متجسس کو علامتہ دمیاطی کے رجوع کرنے کی کافی وجہ معلوم کرنے مین پھر کوئی عذر و تامل باقی نرہے۔

ممکن ہے کہ گروہ محدثین کے مویدین تقلیداً ابن حجر کی نقل قول پر اعتبار کرلین مگر اہل سیرت اور اس کی ناظرین تو ثبوت مین علامتہ دمیاطی کا اصل قول طلب کرین گے۔

ابن حجر کا ایک مضحکہ خیز فیصلہ

خوب یاد آیا۔ زرقانی مین ابن حجر کا اہل سیرت کی تردید اور اہل حدیث کی تائید مین ایک مضحکہ خیز فیصلہ لکھا ہے جو ناظرین کے لطیفہ طبع کے لیئے ذیل مین نقل کیا جاتا ہے۔ حافظ صاحب لکھتے ہین:

اشار الیہ البیھقی علی ان اصحاب المغازی مع جزمھم بانھا کانت قبل خیبر مختلفون فی زمنھا فعند ابن اسحٰق انھا سنۃ اربع وعند ابن سعد وابن حبان سنۃ خمس۔

بیہقی نے اشارہ کیا ہے کہ اصحاب مغازی میں انکے عدم تک یہ رائے قائم ہو چکی ہے کہ غزوہ ذات الرقاع قبل خیبر واقع ہوا۔ مگر وہ اسکے زمانہ وقوع میں اختلاف کرتے ہیں۔ ابن اسحاق ۴ھ میں بتلاتے ہیں اور ابن سعد و ابن حبان ۵ھ میں۔

ابن حجر کو بیہقی کا یہ قول دکھلائی دیا۔ وایوانہ را ہوئے بس است کا مضمون تیار ہو گیا۔ پھر کیا تھا۔ اس دلیل موہومہ پر حسب ذیل فیصلہ تیار ہو گیا۔

الدمیاطے فادعی غلط الحدیث الصحیح یعنی حدیث ابی موسی وان جمیع اھل السیر علے خلافہ وقد تقدم انھم مختلفون فے زمانھا فالاولی الاعتماد علے ما ثبت فے الصحیح زرقانی ج ۲ ص ۱۰۱

دمیاطی نے حدیث صحیح یعنی حدیث ابو موسی کی تغلیط کا دعوی کیا ہے اس بناپر کہ جمیع اہل سیر نے اس حدیث کی صحت سے خلاف کیا ہے اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اہل سیر نے اسکے زمانہ وقوع میں اختلاف کیا ہے۔ اسلئے اعتماد اسی پر بہتر ہے جو کتب صحیح سے ثابت ہوتا ہے۔

سبحان اللہ کیا فیصلہ ہے اور کیا اصول فیصلہ۔ صرف سنین کے اختلاف کی وجہ سے واقعہ کا واقعہ ہی غلط اور لغو۔ اگر اسی اصول اختلاف فی السنین کی بناپر واقعات کی صحت کا دار و مدار ہے تو خاص صحیحین میں ایک کیا سیکڑوں مثالیں مضمون کے اختلاف کی بہ ہر باب و فصل میں موجود پائی جائیں گی۔ تو پھر انکے متعلق کیا کہا جاویگا۔ ایسا فیصلہ کرنا تو حافظ صاحب کی گروہ محدثین کی کھلی کھلی جنبہ داری ہے۔ اور اسپر کوئی محقق توجہ نہیں کر سکتا۔

اصل حقیقت کا انکشاف

ان تمام طول و طویل بحث و تفصیل کا بھی آخر میں وہی نتیجہ نکلا جو ذی فہم کا اور لطف تو یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کو پھر وہی جمع بین الحدیثین کی سعی آخر پر عمل کرنا پڑا۔ فتح الباری کی عبارت ذیل میں ملاحظہ ہو۔

قد جنح البخاری الی انھا کانت بعد خیبر صریحا فقال وھے بعد خیبر لان ابا موسی جاء بعد خیبر ثم ان خیبر کانت فی المحرم سنۃ سبع و استدل ذلک بالوس ومع ذلک فذکرھا قبل خیبر عقب بنی قریظۃ فلا ادری ھل تعمد ذلک تسلیما لاھل المغازی انھا کانت قبلھا او ان ذلک من الرواۃ عنہ او اشارۃ الی احتمال ان تکون ذات الرقاع اسما لغزوتین مختلفتین واحدۃ بعد خیبر واخرے قبلھا کما اشارۃ الیہ

بخاری نے اسکو بتصریح لکھا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ خیبر کے بعد واقع ہوا۔ اور یہ زمانہ وقوع اسکا اسلئے صحیح ہے کہ ابو موسی (اصل راوی حدیث) خیبر کے بعد آئے اور خیبر محرم ۷ھ میں واقع ہوا۔ اور یہی امر بخاری کے ثبوت استدلال میں ہے لیکن اسکے ساتھ ذات الرقاع کا قبل خیبر واقع ہونا بھی لکھا گیا ہے یعنی بعد معاملات بنی قریظہ۔ ابن حجر کہتے ہیں ہم نہیں کہہ سکتے کہ اصحاب مغازی نے کس طرح اس قول (قبل خیبر) کو تسلیم کیا ہے یا تو انکے رواۃ کے نزدیک ایسا ہی ہے یا اشارہ اس احتمال کی طرح ہو کہ ذات الرقاع بصیغہ جمع (رقع رقع) مستعمل ہوا ہے اسلئے

البیھقی علی ان اصحاب المغازی مع خرھم بانھا کانت قبل خیبر مختلفون فی زمنھا فعند ابن اسحق انھا سنۃ اربع وعند ابن سعد وابن حبان سنۃ خمس۔

حقیقتاً یہ دو مختلف غزوات ہوں۔ ایک قبل خیبر اور ایک بعد خیبر جیسا کہ بیہقی نے اشارہ کیا کہ اصحاب مغازی نے اپنی شرط کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ قبل خیبر واقع ہوا مگر زمانہ وقوع میں اختلاف ہے۔ ابن اسحق ۴ھ میں بتلاتے ہیں اور ابن سعد و ابن حبان ۵ھ میں۔

افسوس کہ یہ تمام امور لکھکر بھی۔ حافظ صاحب صرف اہلحدیث کی جنبہ داری کے اصول پر مرقومہ بالا نخلہ خیبر فیصلہ کریں اور شبلی صاحب اپنی خوش فہمی سے۔ ترجیح حدیث علی السیرۃ کی بحث میں اپنا معیار استدلال بنا کر نقل فرمائیں ع داے گر از پس امروز بود فردائے۔

شبلی صاحب کی دونوں امثلہ مغلطہ کی تحقیق و تنقید پوری تفصیل سے کر دی گئی اور ارباب تحقیق کو آپ کی غلط مثالوں کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ وہ کون ہوگا جو عقل سلیم اور دماغ صحیح رکھ کر آپ کی ان غلط مثالوں سے سیرت پر ترجیح حدیث کے قیاسی استدلال کو صحیح مانے گا۔

سیرت اور حدیث کی اصول تفریق

ہماری مرقومہ بالا عبارت تنقیدی سے شبلی صاحب کی امثال قیاسی کی غلطی کے ساتھ ساتھ ناظرین حقیقت کو حدیث و سیرت کا فرق مابہ الامتیاز بھی معلوم ہو گیا اور ان پر ثابت ہو گیا کہ کتب حدیث و سیرت کی تالیف و تصنیف کے اصول و سیاق بالکل جدا جدا ہیں اور دونوں اقسام فنون کے طریقہ استخراج و استنباط اور تفصیل و بیان بھی جداگانہ ہیں۔

استخراج واقعات اور استنباط حالات میں اہل سیرت کی نظر خصوصیت کے ساتھ واقعیت اور اصلیت کی طرف غائر رہتی ہے۔ سب سے پہلے ان کا فرض اولین واقعات و حالات دریافت کرنا اور ان کو تعبراتِ عقلی و نقلی تصدیق و توثیق کے درجہ تک پہونچانا ہوتا ہے۔ اسکے بعد اپنے مختار تحقیق کو ارباب سیر کے اور اقوال سے مقابل کر کے اپنے تو تعدد و تفرد کو معیار تواتر کامل اوتارنا ہوتا ہے۔ واقعات کے بعد تعین زمانہ وغیرہ کی ضروریات پیش نظر رکھی جاتی ہیں۔ اور کامل تلاش اور کافی تحقیق کے بعد۔ اقوال مختلفہ سے جس زمانہ اور جس وقت پر اتفاق دیکھا جاتا ہے۔ وہی نقل کیا جاتا ہے۔ ان ایسے اقوال مختلفہ میں۔ جنکے شرائط باعتبار صحت مساوی ہوتے ہیں۔ ان میں آئمہ حدیث کی طرح فیصلہ مشکل ہو جاتا ہے اور وہ مسئلہ اختلافی قرار دیکر۔ ان تمام اقوال مختلفہ کو مجبوراً لکھ دینا ہوتا ہے یہ قدیم سیروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسا کہ ابھی ابھی شبلی صاحب نے ذات الرقاع کے ذکر میں ابن اسحق۔ ابن سعد اور ابن حبان کے اقوال مختلفہ کو نقل فرمایا ہے۔ مگر باایں ہمہ ارباب سیر اس قول اختلافی کی صرف نقل پر اکتفا نہیں کرتے اپنی تحقیق کے خاص اعتبار پر ایک زمانہ خاص کا تعین ضرور کر لیتے ہیں۔ عام اس سے کہ وہ ان اقوال مختلفہ میں کسی قول سے ملتا ہو یا ان سے خلاف ہو کر کوئی زمانہ خاص بتلاتا ہو۔ اپنے اس خاص مختار کے لیے وہ کافی ثبوت و شواہد

بھی نقل کر دیتے ہین

ایمہ سیرت کی تحقیق چونکہ واقعیت اور اصلیت پر تمام تر مبنی ہے اسلئے وہ اپنے دائرہ تحقیق کو ایک خاص صنف علم و فن یا اہل علم و اطلاع کے کسی خاص طبقہ اور فرقہ کے ساتھ محدود نہین کرتے۔ بلکہ وہ اپنی تحقیق و تلاش کے ذرائع اور وسائل کو علوم و فنون کے ہر اصناف اور ارباب علوم و فنون کے ہر طبقات تک وسیع کرتے ہین اور اپنے انصاب تحقیق اور معیار توثیق کے مطابق جو واقعہ اصلیت اور حقیقت کے ساتھ جس معتبر ماخذ مین مل گیا۔ اس کو نقل و مستنبط کر لیتے ہین وہ اصول عقاید کے شہود پر اپنا مختار نہین قائم کرتے۔ وہ اپنے شواہد مین صحابیت اور تابعیت کی خصوصیت کے پابند و محتاج نہین ہوتے۔ وہ ایک معتمد غیر صحابی اور ایک معتبر غیر تابعی کے قول کو بھی۔ بشرطیکہ وہ قول آنکے نصاب تحقیق پر کامل اُترتا ہو۔ بلا ترجیح نقل کر دیتے ہین۔ اسلئے کہ اُنکے بیان کردہ حالات کی واقعیت۔ اُنکے معیار تحقیق کے مطابق ثابت ہو چکی ہے۔ ارباب سیرت ایک ہی قسم کے متواتر و متحاثات کی تکرار کو۔ جو ندرت اور نوعیت سے خالی ہو اور اطلاع عام کے افادہ کیلئے بھی ضروری نہو۔ اکثر قلم انداز کر دیتے ہین اور احتیاطاً ہر ابتدائی واقعہ کا۔ یا ان مین سے جو زیادہ اہمیت رکھتا ہو حسب ضرورت ذکر کر دیتے ہین۔ عموماً تکرار واقعہ کو پسند نہین کرتے۔ اسلئے کہ تکرار اُنکے سیاق تحریر مین سخت عیب ہے۔

حدیث کی اصولی تعریف ہم نے مندرجہ بالا تفصیل مین علم سیرت کی بقدر ضرورت اور مناسبت مقام مختصر سی تعریف اور علم حدیث سے اسکی تفریق قلمبند کر دی ہے۔ اب اس طرح علم حدیث کی تعریف کی جاتی ہے

حدیث سیرت سے محض جداگانہ ایک علم خاص ہے۔ اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ عموماً ایک شخص خاص یا اصطلاحاً ایک نبی مرسل کے کلام۔ احکام۔ اقوال اور ارشاد کا مجموعہ ہے۔ جو بخلاف اہل سیرت اندراج حالات و واقعات کا ذمہ دار نہین۔ وہ اصولاً اپنے استخراج و استنباط کو اقوال و احکام کی نقل و تحریر تک محدود رکھتے ہین۔ نقل احکام و اقوال مین وہ زیادہ تر احکام مذہبی۔ و مسائل فقہی۔ اور ارشاد و ہدایت وغیرہ کے بلحاظ ادائے نقل بتحریر کرنے کے پابند ہین۔ مگر انھین حالات کے ساتھ وہ واقعات ملکی۔ قومی اور نظام سیاسی کا بھی جستہ جستہ ذکر کر دیا کرتے ہین۔ جیسا کہ شبلی صاحب بھی عتراقاً اسکو ان الفاظ مین لکھتے ہین :-

> یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ حدیث کی کتابون مین آنحضرت صلعم کے حالات عادات و اخلاق کے متعلق نہایت کثرت سے واقعات مذکور ہین۔ جو سیرت مین کافی مدد دے سکتے ہین تاہم تنہا ہم ان سے ایک تاریخی تصنیف تیار نہین کر سکتے۔ اسکے علاوہ ان مین تاریخی ترتیب بھی نہین ہے۔ دیباچہ ص ۱۰

اس بنا پر کتب حدیث مین جو بلا ترتیب اور غیر مسلسل حالات آنحضرت صلعم کے متعلق ملینگے وہ اور بہ سیرۃ تاریخ کو صرف خارجی طور پر مدد دے سکینگے۔ حقیقی طور پر اُن کا اندراج اصل و خروج کتاب کے ساتھ نہین ہو سکتا۔ اور اس جہت

الموضوع آن سے سیرت و تاریخ کی کوئی خاص تالیف مرتب اور تیار ہو سکتی ہے۔ علم حدیث سیرت و تاریخ کی طرح اپنے بیان و تفصیل میں احکام و اقوال کو علے ترتیب الوقوع جمع کرنے کا پابند نہیں وہ تجمیع میں نہ ترتیب کا ذمہ دار ہے نہ کسی تسلسل کا محتاج نقل حدیث کے معیار سیرت کے مقررہ نصاب سے علے الاکثر جدا ہیں۔ آئمہ حدیث کو اکثر اوقات روایات احاد اور اقوال منفردہ پر بھی اعتبار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اہل سیرت روایات احاد و منفردہ کو قابل ذکر نہیں سمجھتے علم حدیث اصول عقاید کا منبع اور مقدمہ ہے۔ سیرت کو عقاید کے اتباع و امداد کی ضرورت نہیں۔ علم حدیث کے اطلاعی ذریعے صحابی۔ تابعین اور تبع تابعین کے طبقات مختلفہ تک محدود ہیں۔ اہل سیرت اپنے ذریعہ اطلاعات کو کسی خصوصیت کے ساتھ مخصوص کرتے۔ ہاں رواۃ کا معتبر ہونا ضروری ہے۔ مگر ان کا صحابی اور تابعین میں ہونا ضرور نہیں۔

ہم علم حدیث کے بالاختصار بیان و تعریف اور سیرت سے اس کی تفریق۔ مرقومہ بالا عبارت میں دکھلا کر۔ اور اسی نظریۂ مختصرہ کو اپنے مدعا کے لیے کافی سمجھ کر مسئلہ زیر بحث کے دوسرے پہلو کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

محدثین اور تکذیب سیرت میں آنکے بے اصل اقوال و استدلال

تفحص حالات میں چونکہ اہل سیرت کو اہل حدیث کی طرح کسی طبقہ خاص سے خصوصیت کیساتھ تعلق نہیں ہوتا۔ اس بناء پر محدثین اور انکے ہمخیال و مؤیدین نے غیر قوم و غیر مذہب والوں سے استخراج و استنباط کرنے کی وجہ سے آن پر اعتراض وارد کئے ہیں۔ اور شبلی صاحب نے بھی سیرۃ النبی میں آن کو بڑی سرگرمی سے نقل فرمایا ہے اور تقلید اسلاف کا پورا نقشہ دکھلایا ہے دیباچہ سیرۃ النبی ص ۱۱۳ میں امام احمد ابن حنبل کا سیرت ابن اسحاق کی نسبت یہ قول نقل فرمایا گیا ہے۔

واما مغازی ممن اشهرها کتاب محمد ابن اسحاق وکان یاخذ من اهل کتاب۔

باقی رہے صاحبان مغازی یا مغازی کی کتابیں تو اس میں ابن اسحاق کی کتاب اس فن میں مشہور کتاب ہے اور وہ یہودیوں اور عیسائیوں سے روایت کرتے ہیں۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب نے اعتراض کی نقل سے پہلے معترض کی شخصیت اور خصوصیت پر غور نہ کر لیا۔ آپ خود صفحہ دیباچہ کی حاشیہ کی عبارت زیرین میں لکھ کر اقرار کر چکے ہیں کہ :-

کہ بعض موقعوں پر ارباب سیر اور محدثین دو گروہ مقابل سمجھے جاتے ہیں اور بعض واقعات کے متعلق یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ تمام ارباب سیر ایک طرف ہوتے ہیں اور امام بخاری و مسلم (ائمہ حدیث) ایک طرف

تو مرقومہ بالا اقرار و مختار خاص کے مخالف۔ ایک گروہ مقابل کی تضعیف و تکذیب دوسرے گروہ مقابل کے اقوال سے کرنا اصولاً اور خصوصاً آپ کے لئے۔ کیسے صحیح الاستدلال ہو سکتا ہے۔ اور جب استدلالاً صحیح نہیں تو عموماً قابل تسلیم کیسے سمجھا جائے گا۔ امام حنبل علم حدیث کے امام اول ہیں اور گویا اس فن شریف کے موجد و بانی۔ پھر ایسے موجد و موسس علم الحدیث کا قول سیرت اور اہل سیرت کی تنقید و تردید میں پیش کرنا شبلی صاحب کی تقلید اسلاف

کے سوا اور کیا کہا جاوے۔

امام حنبل فن حدیث مین خصوصاً امام بخاری اور عموماً ائمہ صحاح ستہ کے استاد اور شیخ الشیوخ ہین وہ فن حدیث کی استعداد و جامعیت مین جا ہیے جتنے بڑے کامل نقاد اور استاد فن نہ بتلائے جائین اس مین عذر نہین۔ مگر یہ حضرات بخاری اور ائمہ صحاح بلکہ اُنکے استاد امام حنبل بھی علم سیرت اور آکے اصناف فنون مین بالکل کورے ثابت ہین۔ مثال کے لئے امام بخاری کی تاریخ موجود ہے۔ وقس علے ہذا۔

یہ بھی ضرور ملحوظ رکھنا ہوگا کہ حضرات محدثین فن حدیث مین اپنی حاصل کردہ فن اور اُسکے کمال کی توسیع و تشہیر کے متعلق اپنی کوششون مین انواع اقسام کی افراط و تفریط سے کام لیا کرتے تھے۔ اور اپنے حاصل کردہ علم خاص کے مقابلہ مین دوسرے علوم و فنون کو لا وجود اور محض بے سُود سمجھتے تھے۔ اور ان علوم سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اُن پر محض بے اصل اعتراض کرتے تھے۔ یہی امام حنبل صاحب ہین جنھون نے حدیث کے مقابلہ مین تمام علوم و فنون کو ردّی بتلایا ہے۔ اور حیف ہے کہ شبلی صاحب نے شمس العلما ہو کر اُن کے اُن تمام لغویات کو خود نقل فرمایا ہے چنانچہ اسی صفحہ مین۔ قول مندرجہ بالا سے پہلے۔ امام حنبل کے یہ اقوال نقل فرمائے ہین۔

ثلث کتاب لیس لھا اصول المغازی والملاحم والتفسیر۔ تین قسم کی کتابین ہین جنکی کوئی اصل نہین۔ مغازی۔ ملاحم اور تفسیر

یعنی امام صاحب کے وقت تک جتنی کتب تفاسیر۔ ملاحم (سیرت) اور مغازی مرتب ہوئی تھین وہ گویا بالکل بے اصل تھین۔ وہ ردّی ہوگئین۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جب یہ سب کتابین بے اصل اور بیکار کر دی گئین تو اسلامی علم کی دنیا مین سوائے کتب حدیث اور کون کتابین بچ رہتی ہین۔ جن کو اہل اسلام دیکھین اور پڑہین۔ یہ امام صاحب کی اصل مراد تو یہ ہے کہ سوائے کتب حدیث کے اور کوئی کتابین نہ پڑہی جائین اور نہ اُن پر کوئی اعتنا کی جاے۔ اور اس ترکیب سے آپ کی اور آپ کے مجموعہ حدیث کی گرم بازاری ہو۔

آپ کی اس مجنونانہ راے کی بالاخر خطیب بغدادی کو تاویل کرنی پڑی۔ جس کو شبلی صاحب ان الفاظ مین تحریر فرماتے ہین۔

خطیب بغدادی نے اس قول (امام حنبل) کو نقل کرکے لکھا ہے کہ مراد امام حنبل کی اُن خاص کتابون سے ہوگی جیسے اصل ہین۔"

اب امام حنبل صاحب کتب تفاسیر کی طرف متوجہ ہو کر لکھتے ہین۔

امّا کتب التفسیر ممّن اشھرھا کتابا الکلبی و مقاتل بن سلیمان وفی تفسیر الکلبی من اوّلہ الی آخرہ کذب	کتب تفسیر مین دو کتابین بہت مشہور ہین۔ تفسیر کلبی اور تفسیر مقاتل بن سلیمان تفسیر کلبی تو اول سے آخر تک سراپا جھوٹ ہے۔

کتب تفسیر کی یہ گت مت بنائی گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مغازی و سیرت کی نسبت امام صاحب کی خوش بختی کا یہ

اوپر نقل ہو چکی۔ اب ایک تحقیق کنندہ امام حنبل کے ان اقوال ثلاثہ کو دیکھ کر آسانی سے سمجھ لیگا کہ اونکا یہ فیصلہ عادلانہ ہے یا حکمانہ۔ یہ تو مسلم ہے کہ اوسوقت تک سوائے علم التفسیر علم المغازی اور علم السیرۃ۔ اسلام کی علمی دُنیا میں دیگر اصناف علوم وفنون کی بہت کم تدوین وترویج ہوئی تھی۔ پھر جب امام صاحب کے فتوے کی رو سے یہ تینوں علوم بیکار ہو گئے۔ تو اسلام کی علمی دُنیا میں رہ کیا گیا۔ اس بنا پر ہمارا یہ دعویٰ صحیح ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کا یہ فتویٰ صرف اپنی اور اپنے مسلک کی گرم بازاری اور رجوع خلایق کی ضرورت سے تھا۔ افسوس ہے کہ امام صاحب نے تفسیر پر بھی حملہ کر دیا۔ جو قرآن سے متعلق ہے۔ اور آپکی حدیث بالکل اسی سے ماخوذ ہے ہمکو اس سے زیادہ بحث نہیں اب ہمکو مسئلہ زیر بحث کے متعلق اور امام صاحب کے ان اقوال یا فتاویٰ کی نسبت یہ کہنا ہے کہ ان پر امت کا عمل بھی ہوا یا نہیں کیا اسکے بعد اسلامی مصنفین نے مغازی سیرت تفسیر پر کتابیں لکھنی چھوڑ دیں تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کے اس فتوے پر اوسوقت سے لیکر اسوقت تک ایک ساعت کیلئے بھی عمل نہیں کیا گیا۔ اور تو اور خود شبلی صاحب نے سیرۃ النبیؐ حال میں تیار کی۔

اب ان حالتوں میں شبلی صاحب کا ان اقوال سے استدلال کرنا کسی طرح صحیح اور قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ اور جس طرح امام حنبل صاحب کے اس غیر عادلانہ اور محض جانبدارانہ فتوے اور حکم پر اہل اسلام نے آجتک عمل نہیں کیا اوسیطرح شبلی صاحب کی اس تحریر پر بھی کوئی توجہ نہیں کیجائیگی۔

اصل اعتراض کا انکشاف اب رہا اصل اعتراض۔ وہ اہل سیرت کی نسبت اس بنا پر وارد کیا جاتا ہے کہ اونہوں نے اپنی کتاب میں اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ سے اخذ واقعات کئے ہیں۔ چنانچہ شبلی صاحب اسکو کسی قدر زیادہ تفصیل سے دیباچہ ص ۱۷ میں ان الفاظ کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں۔

> ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ محدثین کو محمد ابن اسحاق کی کتاب پر جو اعتراض تھا وہ یہ تھا کہ خیبر وغیرہ کے واقعات وہ ان یہودیوں سے دریافت کرکے داخل کتاب کرتے ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے۔ اور چونکہ یہ واقعات اونہوں نے یہودیوں ہی سے سنے ہونگے اسلئے اونپر پورا اعتماد نہیں ہو سکتا۔ علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد ابن اسحاق یہود ونصاریٰ سے روایت کرتے تھے اور اونکو ثقہ سمجھتے تھے۔
>
> سنہ ۱۵۱ھ میں وفات پائی۔

اعتراض سے پہلے شبلی صاحب اور اونکے ہمخیال محدثین کو سمجھ لینا چاہیئے تھا جیسا کہ تفریق حدیث وسیرت کی بحث میں بتلا دیا گیا ہے کہ علم حدیث کی تدوین بالکل اصول عقائد پر قائم کیگئی ہے۔ اور علم سیرت کی نہیں۔ اسلئے حدیث اپنے ہی قوم ومذہب والے رُواۃ سے اخذ روایات کو کلیتاً محدود ومقید رکھتے ہیں اور ارباب سیرۃ غیر اقوام ومذہب کے لوگوں سے بھی اپنے معیار تحقیق واعتبار کے مطابق اپنے ممدوح کے واقعات وحالات

کی اطلاعات حاصل کرتے ہیں۔ اسی بنا پر ایک غیر قوم و غیر مذہب والا شخص۔ اپنے مخالف مذہب کے پیشوا کے حالات و واقعات کو نہایت خوشی اور آزادی سے جمع کر سکتا ہے جس طرح کثیر التعداد عیسائی مولفین نے یورپین ممالک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتیں لکھی ہیں جنہیں سے اکثر کا ذکر شبلی صاحب نے خود سیرۃ النبی کے دیباچہ میں ایک مطول اور مفصل جدول کے اندر نام بنام تحریر فرمایا ہے۔ اسیطرح ہندو مولفین نے ہندوستان میں بھی آپ کی سیرتیں لکھی ہیں۔ انمیں سب سے مشہور وہ ہے۔ جو شاردے پرکاش صاحب پنجابی کی ہے۔ اور نولکشور پرنٹنگ ورکس لاہور سے سنہ ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی ہے۔ اور اس کتاب پر مولانا حالی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی دستخطی تقریظیں۔ اور سید ممتاز علی صاحب بی۔اے (علیگ) ایڈیٹر رسالہ تہذیب النسواں۔ اور ایڈیٹر صاحب علیگڈھ انسٹیٹیوٹ اور ایڈیٹر صاحب۔ ماہوار رسالہ انجمن حمایت اسلام لاہور کے ریویوز اور تائیدی تحریریں چھپی ہیں۔

مگر کتب سیرت کے خلاف کسی غیر مسلم شخص نے آجتک اسلامی حدیثوں کی تجمیع و تدوین نہیں کی اسلئے کہ حدیث اسلامی کی تالیف کے لئے عقاید اسلامی کی پابندی ضروری اور لازمی تھی۔ اور وہ ان سے ممکن نہیں تھی۔ جب سیرت کے معیار تالیف اور شعار تصنیف حدیث سے بالکل علیحدہ ثابت ہوتے ہیں تو معترضین کا غیر اسلامی ذرایع سے اخذ واقعات پر اعتراض کرنا ہی فضول ہے۔

امام احمد ابن حنبل کا محمد ابن اسحاق پر اسوجہ سے خاصکر اعتراض کرنا اول تو مندرجہ دلیل سے فضول و بیکار ہے اور دوسرے اس سبب سے بھی قابل التفات و اعتماد نہیں ہوسکتا کہ جو سبب اعتراض بتلایا گیا ہے اور جو وجہ نقص روایۃ قایم کیگئی ہے۔ وہ بھی ثابت نہیں ہوتی۔ امام صاحب لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق نے یہود و نصارٰی سے روایت کی اور یہی ایک وجہ انکار لکھی ہے۔ مگر ابن حبان نے اس اعتراض کی پوری تشریح کردی ہے۔ جیسا کہ شبلی صاحب کی عبارت سے ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ

ابن حبان کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف خیبر وغیرہ کے واقعات کے متعلق ابن اسحٰق نے چند واقعات یہودیوں سے لئے ہیں۔

پھر ایسی حالتمیں اونکی کل کتاب کی نسبت یہی حکم لگانا۔ امام حنبل کا تحکمانہ فیصلہ ہے نہ منصفانہ سے نہ محققانہ پھر بھی ابن حبان اسکی توضیح بھی کئے دیتے ہیں کہ خیبر وغیرہ کے حالات بھی اونھیں یہودیوں سے لئے گئے تھے جو مسلمان ہوگئے تھے تو اب امام حنبل کو کیا عذر ہوسکتا ہے۔ وہ یہود۔ اب تو یہود رہتے نہیں تھے۔ بلکہ آنحضرت صلعم کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوچکے تھے۔ اسلئے اب کیلئے وہ مسلمان ہی نہیں تھے۔ بلکہ شرف صحابیت پر بھی فائز ہوچکے تھے۔ باعتبار اسلام لانے کے انکا زمانہ قبول اسلام بھی وہی ثابت ہوتا ہے۔ جو حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوموسیٰ الاشعری کے قبول اسلام کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے اس بنا پر شرف صحابیت

کے اعتبار سے۔ یہ مسلمان اور وہ دونوں صحابی مدارج اسلام میں ضرور برابر کیے جائیں گے۔ اس حالت میں اب امام حنبل کے اس اعتراض کو کون شخص قابل تسلیم کہہ سکتا ہے۔ باقی رہا شبلی صاحب کا یہ مہمل اضافہ۔

> کہ یہ واقعات ان مسلمان شدہ یہودیوں نے یہودیوں سے سُنے ہوں گے۔ اسلئے اون پر پورا اعتماد نہیں ہو سکتا۔

تو یہ خالی توہمات کے تسلسل ہیں۔ جن کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہا۔ اور اسپر دلیل تعدد کا اطلاق ہوگا۔ اول تو اس اعتراض اضافی کی ابتدا ہی صورت احتمالی۔ "سُنے ہونگے" سے قایم کی گئی ہے۔ اور نتیجہ بھی مشتبہ فیہ نکالا گیا ہے۔ یعنی پورا اعتماد نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر سمجھا جاوے گا کہ یہ مرویات غلط نہیں ہیں۔ کم سے کم مشتبہ فیہ ہیں۔ مگر با اینہمہ اعتماد سے خالی نہیں۔ پھر بقول امام حنبل لیس لھا اصول۔ بے اصل کیسے ہوئے

امام احمد ابن حنبل کا اصل اعتراض اور ابن حبان کی مشرح حقیقت تو ہم نے پوری تفصیل سے لکھ کر دکھلا دی۔ اب ہم ذیل میں شبلی صاحب کی دوسری سند معترضانہ کی حقیقت دکھلاتے ہیں۔ ابن حبان کے نقل و ترجمہ عبارت کے بعد تحریر ہوتا ہے۔

دوسرے اعتراض کا انکشاف حقیقت۔

> علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد ابن اسحاق یہود و نصاریٰ سے روایت کرتے تھے اور اونکو ثقہ سمجھتے تھے۔

شبلی صاحب کی نقل و تحریر کی عجب شان ہے۔ جب حصول مطلب کے متعلق آپکے تمام ذرائع مسدود ہو جاتے ہیں تو آپ اپنی نا دیدہ قابلیت سے ہر شخص کو خواہ مخواہ مرعوب کر لینا چاہتے ہیں۔ اور اس طریقہ سے اپنا کام نکالنا چاہتے ہیں۔ دیکھئے آپ خود لکھتے ہیں کہ امام حنبل کے یہ تمام اعتراض آپ نے اون کی خاص کتاب سے نہیں لکھے بلکہ موضوعات ملا علی قاری سے نقل کئے ہیں۔ پھر طرفہ تریہ کہ ملا علی قاری کی بھی اصل عبارت نقل نہیں فرمائی۔ اسی طرح ابن حبان اور اون کی کتاب الثقات کا صرف نام لکھ دیا ہے۔ اور نقل عبارت کی ہے ابن حجر کی تہذیب التہذیب سے۔ تو ایسے مخدوش مشکوک نقول المنقول اسناد و اشہاد پر کبھی کوئی اعتماد کر سکتا ہے؟

علامہ ذہبی کے شاید اس لکھ دینے نے کہ اون یہود و نصاریٰ کو ابن اسحاق ثقہ سمجھتے تھے شبلی صاحب کو اس شبہ پر یقین دلا دیا ہے۔ تو اس تعریض کی تردید ابن حبان کے قول صریح سے آپ خود نقل فرما چکے ہیں تو پھر ذہبی کے قول منفرد اور مسترد پر اعتبار کرنا آپ کے توہمات مسلسل کا طومار ہے اور کچھ بھی نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر ذہبی کا قول منفرد تسلیم بھی کر لیا جاوے تو اہل سیرت کیلئے غیر مفید نہیں۔ کیونکہ ابن حبان کے قول سے بتصریح اور ثابت ہو چکا ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ جن سے واقعات خیبر وغیرہ اخذ کئے گئے ہیں۔ مسلمان ہو چکے تھے۔ تو پھر ایسی حالت میں اگر ان مسلمانوں کو ابن اسحاق نے ثقہ سمجھ لیا تو کیا خطا کی۔ ہم ائمہ حدیث سے اسی اعتراض کی بنا پر پوچھتے ہیں کہ ابو سفیان اور ان مولفۃ القلوب نو مسلم مسلمانوں سے کتب صحاح میں کیوں استخراج حدیث فرمایا گیا۔ جو فتح کے وقت یا اوسکے بعد ایمان لائے اور مسلمان ہوئے۔ اور دو ڈھائی برس سے زیادہ صحبت رسول صلعم سے مستفاد نہو سکے۔

شبلی صاحب اپنے مختار کی تائید کرتے وقت تو باریک بینی اور دقیقہ رسی کا کوئی پہلو اوٹھا نہیں رکھتے مگر دوسروں کی خردہ گیری کے موقعہ پر اپنی موٹی سی موٹی فروگذاشت بھی آپ کو نظر نہیں آتی۔ اہل سیرت پر جن علما کے اعتراض نقل فرمائے گئے ہیں۔ وہ ایک بھی معترضین کی کتاب کی اصل عبارت سے نہیں۔ بلکہ بوسہ بہ پیام دادن کے انداز سے۔ دوسروں کے الفاظ سے نقل در نقل کی صورت میں دکھلائے گئے ہیں۔ اوپر دکھلا چکا گیا ہے کہ امام حنبل کے اعتراض ہیں۔ اور موضوعات ملا علی قاری کے الفاظ۔ ابن حبان کی تصریح ہے اور تہذیب التہذیب ابن حجر کی عبارت۔ علامہ ذہبی کی عبارت زیر بحث کا توخیریت سے کوئی حوالہ ہی نہیں دیا گیا۔ غالباً اوسمیں ابن حجر سے نقل کر لی گئی ہوگی۔ یہ آپ کی شان استدلال ہے اور عنوان مباحث اور پھر اسپر ساری دنیا سے اپنے کمال تحقیق کی داد طلبی۔ سبحان اللہ وبحمدہ

اسکے علاوہ دوسرا انداز استدلال اس سے زیادہ قابل تعریف ثابت ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ امام احمد ابن حنبل ملا علی قاری۔ ابن حجر۔ علامہ ذہبی وغیر امثالہم یہ سب حضرات تو محدثین کے طبقہ خاص میں داخل ہیں پھر ان بزرگوں کا قول اہل سیرت کے مقابلہ میں کیسے استدلال کے قابل ہو سکتا ہے۔ امام حنبل کی تاریخدانی اور سیرت میں بالغ نظری اسی سے ظاہر ہے کہ امام صاحب نے یہود و نصاریٰ کے استخراج کی وجہ سے رواۃ سیرت کی جو تضعیف کی ہے۔ اسمیں استخراج حالات خیبر کیلئے شمول یہود تو ظاہر ہوتا ہی مگر عیسائیونکا شمول کیسے صحیح ہو سکتا ہے یہ تو قطعاً خلاف واقع ہے کیونکہ یہود تو خیبر میں طرف مقابل ہی تھے لیکن غزوہ خیبر تک عیسائیونکے ساتھ تو کوئی تعلق پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ پھر شمول کیسا۔ انکے معاملات تو دو برس کے بعد ۸ھ ہجری کے آخر اور ۹ھ ہجری کے آغاز سے پیدا ہوئے تھے اگر امام صاحب کو علم حدیث کیطرح تاریخ و سیرت میں بھی کچھ صلاحیت ہوتی تو وہ اس امر کو اہل کتاب لکھکر غیر مفصل نہ چھوڑتے بلکہ اہل کتاب کی جگہ یہود کا مخصوص لفظ لکھکر اپنی تعریض کو ہر طرح سے اہل سیرت و تاریخ کے مقابلہ میں مدلل اور مکمل فرما دیتے شبلی صاحب اسی سے اپنے محدثین کاملین کی فن تاریخ و سیرت سے لاعلمی۔ بیخبری اور ناواقفیت سمجھ لیں۔ اور اسی کیساتھ حدیث و سیرت کے فرق مابہ الامتیاز کی تمیز کر لیں۔ اور اب بھی سمجھ لیں کہ اہل سیرت کی تنقید و تردید میں اہل حدیث کے اقوال کسی عنوان سے

قابل تسلیم نہیں ہو سکتے۔ پھر آپ کو اتنی خامہ فرسائی اور محدثین کی محض بیچ میرائی سے کیا فائدہ ہوا۔ اب ہم ان مضامین کے خاتمہ پر آپ کے انداز تحریر اور شان استدلال کی ایک اور نیرنگی دکھلاتے ہیں۔ انہیں ابن اسحاق۔ صاحب سیرت کی جرح وقدح میں جنکی آپ نے بہ صورت بنائی ہے۔ آپ اپنے دست وقلم سے ان الفاظ میں تصدیق توثیق فرما چکے ہیں۔ اور علم سیرت کے علاوہ علم حدیث میں بھی اُن کے کمال کا اُٹھ کر اقرار فرما چکے ہیں۔ دیباچہ صفحہ ۴۰ میں مرقوم ہوتا ہے۔

"محمد ابن اسحاق نے فن مغازی میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ وہ امام فن مغازی کے نام سے مشہور ہیں۔ شہرت عام میں اگرچہ واقدی سے کم نہیں۔ لیکن واقدی کی بیخو بیانی مسلمہ عام ہے اور اس لیے اُن کی شہرت بدنامی کی شہرت ہے۔ محمد ابن اسحاق تابعی ہیں۔ متعدد صحابہ کبار کو دیکھا تھا۔ علم حدیث میں کمال تھا۔ امام زہری کے دروازے پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آئے لیکن محمد ابن اسحاق کو عام اجازت تھی کہ جب چاہیں چلے آئیں۔ ان کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین میں اختلاف ہے۔ امام مالک ان کے سخت مخالف ہیں۔ لیکن محدثین کا عام فیصلہ ہے کہ مغازی اور سیر میں انکی روایتیں استناد کے قابل ہیں۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں انکی روایت نہیں لی لیکن جزء القرأت میں ان سے روایت لی ہے اور تاریخ (بخاری) میں تو اکثر واقعات انھیں سے لئے ہیں۔"

آپ کی اس تحریر سے ثابت ہو گیا کہ سوا امام مالک کے اور کسی محدث کو ابن اسحاق کے قابل استناد ہونے میں تامل نہیں ہے۔ بلکہ آنکے مستند ہونے پر انکا عام فیصلہ ہو چکا ہے۔ پھر مزید براں امام بخاری نے جزء القرأۃ میں آنکے مرویات لئے ہیں۔ اور تاریخ بخاری میں تو اکثر واقعات انھیں سے مستخرج و مستنبط فرمائے گئے ہیں۔ پھر ایسے شخص کی اتنی اور ایسی تصدیق و توثیق خود لکھ کر پھر اسکی تکذیب و تضعیف کرنا۔ حقیقتاً اس کی تکذیب نہیں بلکہ اپنی آپ تکذیب کرنی ہے

> محدثین کے اقوال میں بیشمار اختلاف ہونے کی صرف ایک مثال۔

اس بحث کے آخر میں ہم اتنا اضافہ اور کرتے ہیں کہ امام حنبل اور دیگر محدثین کے اس خیال کی بنا پر کہ اہل سیرت نے تعیین ایام ذات الرقاع میں اختلاف کیا ہے اس وجہ سے آنکے اقوال قابل اعتماد نہیں ہیں۔ شبلی صاحب نے اہل سیرت کی تضعیف کو ثابت کرنا چاہا ہے ہم بھی ذات الرقاع کے متعلق حضرات محدثین کے اختلاف کثیرہ کا طومار زرقانی کی تنہا عبارت سے ذیل میں پیش کر کے دکھلاتے ہیں کہ ان اختلافات کے لیے کیا عذر پیش کیا جائے گا۔

ذات الرقاع کی حدیث مندرجہ صحیح بخاری کی بنا ابو موسی الاشعری سے شروع ہوتی ہے۔ جن کا بیان ہے کہ

ذات الرقاع میں ہم نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہمراہ نماز خوف پڑھی۔ اس لئے علامہ عبدالباقی الزرقانی حدیث ابوموسیٰ کی پوری عبارت تحریر فرماکر۔ لکھتے ہیں:۔

وقد ازداد قوۃ بحدیث ابی ھریرۃ وبحدیث ابن عمر فان ابو ھریرۃ فی ذلک نظیر ابی موسیٰ لانما جاء النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم بخیبر فاسلم وقد ذکر فی حدیثہ انہ صلی معہ صلوٰۃ الخوف فی غزوۃ نجد وکذلک ابن عمر ذکر انہ صلی مع النبی صلعم صلوٰۃ الخوف بنجد وقد تقدم ان اول مشاھدہ الخندق فتکون ذات الرقاع بعد الخندق وقد قیل الغزوۃ التی شھدھا ابو موسیٰ وسمیت ذات الرقاع غیر غزوۃ ذات الرقاع التی وقعت فیھا صلوٰۃ الخوف ان ابا موسیٰ قال انھم کانوا ستۃ انفس فی غزوۃ التی وقعت فیھا صلوٰۃ الخوف کان المسلمون فیھا اضعاف ذلک والجواب عن ذلک ان العدد الذی ذکرہ ابو موسیٰ محمول علی کان من رافقہ ولیس المراد جمیع من کان مع النبی صلعم قالہ فی الفتح ثم قال فیہ بعد اوراق فی شرح جابر لا یخالف قول البخاری وھی بعد خیبر کما وھمہ المصنف ما نصہ واما قول الغزالی انھا غزوۃ ذات الرقاع آخر الغزوات فھو غلط واضح وقد بالغ ابن الصلاح فی انکارہ علی الغزالی ذلک یقول وقال بعض من انتصر للغزالی لعلہ اراد آخر غزوۃ صلیت فیھا صلوٰۃ الخوف وھو انتصار مردود بما اخرجہ ابو داؤد والنسائی وصححہ ابن حبان من حدیث ابی بکرۃ انہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم وانما سلم ابو بکرۃ بعد غزوۃ الطائف بالاتفاق وذلک بعد غزوۃ ذات الرقاع قطعا ھذا اسقطہ من کلام الفتح ای فیلزم من صلاۃ ابی بکرۃ صلوٰۃ الخوف مع النبی صلعم ان لا تکون ذات الرقاع آخر صلوٰۃ الخوف۔ زرقانی جلد اول ص ۱۰۲

اس حدیث (ابوموسیٰ) کو ابوہریرہؓ اور ابن عمرؓ کی حدیثوں سے قوت ہوگئی کیونکہ ابوہریرہؓ کی مثال بالکل ابوموسیٰ کی واقع ہوئی ہے کیونکہ یہ دونوں اشخاص (ابوہریرہؓ و ابوموسیٰ) جناب رسالتمآب صلعم کیخدمت میں غزوہ خیبر میں حاضر ہوکر اسلام لائے اور ابوہریرہؓ نے اپنی حدیث میں بیان کیا ہے کہ ہم نے آنحضرت صلعم کے ساتھ غزوہ نجد میں صلوۃ خوف پڑھی۔ ایسا ہی ابن عمر بھی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرتؐ کے ساتھ غزوہ نجد میں صلوٰۃ خوف پڑھی۔ اور یہ پہلے بیان ہوچکا ہے کہ ابن عمر نے سب سے پہلے غزوہ خندق میں شرکت کی۔ اور تب ذات الرقاع کیونکر خندق کے بعد واقع ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس غزوہ میں ابوموسیٰ نے شرکت کی اور اس کا نام ذات الرقاع رکھا۔ وہ حقیقتاً ذات الرقاع کی جگہ دوسرا غزوہ تھا جسمیں صلوٰۃ خوف پڑھی گئی۔ کیونکہ ابوموسیٰ کا بیان ہے کہ ہم لوگ کل چھ آدمی تھے۔ بخلاف اسکے جس غزوہ میں صلوٰۃ خوف کا وقوع ہوا اسمیں مسلمانوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی جتنی ابوموسیٰ نے بتلائی ہے۔ جواب اس اشکال کا یہ ہے کہ ابوموسیٰ کی مراد اس تعداد سے اپنے محمل ہے کہ انھوں نے صرف ایکبار ہی اسکے واقع ہونیکا ذکر کیا ہے مگر اسکا بکرات واقع ہونا صحابی ہمراہیان رسول صلعم میں کسی نے بھی نہیں لکھا ہے۔ مگر ابن حجر بخاری کے نقل میں تو ہین ابن جابر کے قول کے نیچے لکھتے ہیں کہ ذات الرقاع بعد خیبر واقع ہوا۔ زرقانی لکھتے ہیں کہ شارح (ابن حجر) کو اس مقام پر (ذکر کرات) میں وہم ہوگیا ہے اور اس قول پر کوئی نص نہیں لائے ہیں اب امام غزالی کا قول کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ آخر تھا۔ بالکل غلط ہے اور ابن صلاح اس حدیث سے انکار کرنے میں مبالغہ کیا ہے لیکن بعض لوگ جو غزالی کے مریدین کہتے ہیں کہ مراد قول غزالی سے یہ ہے کہ آخری صلوٰۃ خوف جس غزوہ میں آنحضرت صلعم کے ساتھ پڑھی گئی لیکن یہ قول تائید میں بھی

مردود ہے۔ اسلئے کہ ابوداؤد اور نسائی سے منقول ہے اور ابن حبان نے اسکی صحت کی ہے کہ ابابکرہ نے بالاتفاق غزوہ طائف میں اسلام قبول کیا اور آپکے ساتھ صلوٰۃ خوف پڑھی اور یہ غزوہ حتماً غزوہ ذات الرقاع کے بعد واقع ہوا۔ اس بنا پر حدیث غزالی کا قطعاً استفاد ثابت ہوتا ہے۔ اور قول ابوبکرہ اور شرکت صلوٰۃ خوف سے لازم آتا ہے کہ ذات الرقاع کی صلوٰۃ خوف ہرگز آخر صلوٰۃ خوف نہیں تھی

ہم وقوع ذات الرقاع اور نزول حکم صلوٰۃ خوف کی حقیقت تو حسب الوعدہ اپنے خاص مقام پر لکھیں گے۔ ہم نے یہاں۔ تو صرف اس ضرورت کے مطابق اس واقعہ خاص اور تعیین وقت صحیح صلوٰۃ خوف کے متعلق حضرات محدثین کے اختلافات کثیرہ سے آنکے چند اقوال مختلفہ یہاں نقل کر دیے ہیں۔ ابھی طومار کا طومار تو باقی ہے اور زرقانی جلد اول میں مفصل مرقوم ہے۔

اس اختلاف بین المحدثین کے دکھلانے سے میرا مقصود صرف اتنا ہی ہے کہ غزوہ ذات الرقاع کے تعیین اوقات کی نسبت اہل سیرت کے باہمانہ اختلاف کرنے اور انکا ضعف اعتبار ثابت کیا گیا ہے اور آنکے اقوال وآرا کی قبولیت سے عموماً انکار کیا گیا ہے۔ اگر ساقط الاعتباری کی یہی وجہ بالموجہ قائم کیگئی ہو تو اسی غزوہ ذات الرقاع کے اور صلوات خوف کے وقت نزول کی نسبت۔ حضرات محدثین کے اختلاف کی بھی تو وہی صورت نمایاں ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی بدنما اور ناز یبا۔ کیونکہ اصحاب محدثین نے تو ارباب سیرت میں صرف ابن سعد و ابن حبان کے اختلاف اقوال دکھلا کر ان کے مختار اقوال سے انکار کیا ہے۔ یہاں تو امام بیہقی قبل خیبر تبلا رہے ہیں۔ ابن عقبہ۔ بعد کمال تردد۔ قبل بدر الکبریٰ۔ وقت وقوع ٹھہرا رہے ہیں۔ امام احمد ابن حنبل اور ان کے تمام موئدین (ارباب سنن) ابی عیاش زرقی کے اسناد سے نزول حکم صلوٰۃ خوف کا باعث خالد ابن ولید کے کافرانہ حملات کو تصریحات فرما رہے ہیں مگر یہ نہیں فرماتے کہ کب اور کس وقت۔ امام غزالی ذات الرقاع آخر غزوہ اور نزول حکم صلوٰۃ خوف کا اصل موقع دکھلا رہے ہیں۔ امام ابن الصلاح اونکی تردید میں صحیح نسائی اور ابوداؤد کھول کر توثیق وتصدیق ابن حبان کے ساتھ مبالغہ آمیز کلام شناظرہ فرما رہے ہیں۔

غرض ایک عجیب عالم رستخیز ہے اور اضطراب کشمکش انگیز۔ ابن عقبہ صاحب ذات الرقاع کو اتنا قدیم تبلاتے ہیں کہ بدر الکبریٰ سے بھی قبل کھینچ لیجاتے ہیں۔ بخلاف انکے امام غزالی صاحب اتنا نیا اور تازہ واقعہ ٹھہراتے ہیں کہ اسکو سرے سے نیچے لاکر آخر غزوہ تک او تار لاتے ہیں۔

نزول حکم صلوٰت خوف میں اختلاف

یہ تو ذات الرقاع کے خاص تعیین وقت کی حالت اختلاف دکھلائی گئی۔ جو حضرات محدثین کے اقوال مختلفہ کے باعث پہونچی ہوئی پائی گئی۔ اب حکم صلوٰۃ خوف کے نزول اور اس کے استقرار وقت اور موقع نزول کے حالات ملاحظہ ہوں۔

ابوموسیٰ صاحب تو غزوہ ذات الرقاع کو موقع نزول حکم صلوٰۃ خوف تبلا گئے۔ مگر ابوہریرہ صاحب جو

اہل اسلام انکے اعتبار ایام سے ابوموسیٰ کی نظیر قرار دے گئے تھے۔ اور عبد اللہ ابن عمر صاحبؓ انکے مؤید ٹھہرائے گئے تھے۔ اور ان دونون صاحبون کی منقولہ حدیثون سے ابوموسیٰ والی حدیث کی تقویت پہونچائی گئی ہے ان دونون صاحبون کی حدیثون مین ذات الرقاع کا نام نہین ہے بلکہ نجد بتصریح و تواتر نام آیا ہے۔ اس سے ابوموسیٰ کے قول کی حقیقت بالکل کھل جاتی ہے اور معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ کس علم و دانست کے صحابی تھے۔ اور اسی مایہ و پایہ کے اعتبار پر صحیح بخاری کے سرمایہ ناز راوی قرار دے گئے ہین۔

ابن حجر کو انکے اقوال کے اشکال نظر آئے اور جب انکی کوئی صورت جواب نظر نہ آئی تو آخر کہنا ہوا۔ (جیسا کہ مرقومہ بالا عبارت زرقانی سے ظاہر ہوا) کہ ابوموسیٰ نے اس غزوہ کا یہ بھی نام غزوہ ذات الرقاع رکھدیا ہے (یعنی اصل یہ غزوہ نجد ہے۔ جہان بنی محارب بستے تھے۔ اور انکی بے ادبی پر اہل اسلام کو تنبیہ کی ضرورت واقع ہوئی تھی) ذات الرقاع ابوموسیٰ کا خاص نام نہادی اور ایجادی نام ہے۔ اور نہ وہ اصلی ذات الرقاع تھا جس مین صلوٰۃ خوف کا حکم نازل ہوا تھا عجب تر تو یہ ہے کہ ابوموسیٰ کی اتنی ہی تغلیط و تکذیب پر اکتفا نہین کی گئی ہے بلکہ انہین محدثین نے پھر اس صحابی کی تکذیب اس طرح کی ہے۔ کہ ابوموسیٰ نے جس غزوہ کو غزوہ ذات الرقاع بتلایا ہے اور اس کو حکم صلوٰۃ خوف کا مقام نزول ٹھہرایا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ اس غزوہ مین کل چھ آدمی شامل تھے۔ حالانکہ وہ اصلی غزوہ ذات الرقاع (غزوہ بنی محارب) جس مین صلوٰۃ خوف کا حکم نازل ہوا اس مین اہل اسلام کی تعداد اُن سے کہین زیادہ پائی جاتی ہے۔ جتنی ابوموسیٰ اپنی حدیث مین بتلاتے ہین

ابن حجر کی جان عجیب ضیق مین پڑی ہے۔ ادہر ابوموسیٰ کی دستار صحابیت بھی بچانا ہی اور دوسرا امر بخاری کا تمام افضلیت بھی۔ حافظ صاحب نے بقدر امکان جواب تو دیا مگر الکلام خود بخود اسکی تکذیب کرتی تھی اور ضعف استدلال کو خوب سمجھتے تھے۔ بالآخر غزوہ ذی قرد کی طرح ذات الرقاع کے بھی تواتر و تکرار وقوع ہونے کا احتمال ظاہر کرنا ہی پڑا۔ غرض کرتے گیا۔ لیکن اس ترکیب سے محدثین کے اس مجموعہ اقوال مختلفہ مین نہ کوئی تطبیق ممکن ہوسکتی تھی اور نہ تاویل۔

روایات سیرت پر عمل کیا گیا

مسئلہ زیر بحث کے خاتمہ پر آخر فیصلہ بھی دکھلا دینا نہایت ضروری ہے۔ اس بنا پر اب ہم اپنے موجودہ بیان مین یہ دکھلاتے ہین کہ اختلاف متوارد و تنازع کے بعد حدیث و سیرت کے ارباب صحاح کا عمل کس کے حکم پر ہوا۔ آیا اہل سیرت نے اہل حدیث کے مختار کو تسلیم کرلیا اور ذات الرقاع کے وقت وقوع کو مطابق قول بخاری بعد خیبر مان لیا۔ یا اہل حدیث نے اہل سیرت کے قول کو مان کر اس کو قبل خیبر قرار دے لیا۔

جب ہم اسکی تحقیق کرتے ہین تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ تمام محدثین حدیث کی کتابون مین اپنے اپنے مقام پر

رہ گئیں اور حدیث و سیرت والے اپنے اپنے اقوال و مختار پر قائم رہے۔ اور کسی نے دوسرے کے قول کو تسلیم نہیں کیا سیرت والے قبل خیبر اور حدیث والے بعد خیبر لکھتے رہے۔ مگر اس قبل و بعد کے قضیہ سے علحدہ ہوئے علامہ قسطلانی۔ صاحب مواہب لدنیہ نے۔ جو خود بھی شارح بخاری ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری کے ارشد تلامذہ میں داخل ہیں۔ ایک بالکل نئی لیکن تعجب انگیز راہ نکالی ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ باوجود اسکے کہ محدثین کے طبقہ میں اعتبار و اعتماد کے ساتھ یاد کئے جاتے ہیں۔ مگر مواہب لدنیہ! اپنی جامع کتاب میں ذات الرقاع اور صلوٰۃ خوف کے نزول حکم کے تمام واقعات اور ان تمام اختلافات محدثین کو لکھ کر صحیح بخاری کی روایت کو تمام مرویات پر ترجیح دیتے ہیں۔ مگر تاہم اپنی کتاب میں ذات الرقاع کو اپنے سلسلہ بیان میں قبل خیبر لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو زرقانی شرح مواہب لدنیہ کی فہرست مضامین مطبوعہ حیدرآباد جلد دوم ص ا

عجیب طرح کی تائید ہے

محدث قسطلانی نے مضامین کتاب میں امام بخاری اور آنکے ہم خیال محدثین کی تقلید کر کے ان کی حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا۔ مگر اپنی کتاب کی ترتیب و تالیف میں اہل حدیث کو قطعاً متروک فرما کر اہل سیرت کی تقلید فرمائی اور ذات الرقاع کو قبل خیبر بیان کیا۔

شبلی صاحب کے تلمی تحفظات کا انکشاف

قسطلانی صاحب سے زیادہ تو شبلی صاحب نعمانی نے اپنے مختار و اعتراف سے روگردانی کی ہے۔ ترجیح حدیث علی السیرۃ کے ثبوت میں واقعات ذات الرقاع کی اہل سیرت کو مثال بنا کر دکھلایا ہے اور تمام دلائل و براہین کے آخر میں محدثین کا یہ فیصلہ پیش کیا ہے **فرجّح البخاری انها کانت بعد خیبر** قول بخاری سے بتصریح ثابت ہے کہ وہ (غزوہ ذات الرقاع) بعد خیبر واقع ہو۔ اور اسی قول کو تمام محدثین کا مسلم بتلایا ہے۔

باتفاق جمہور خیبر ۷ھ میں فتح ہوا خود آپ نے بھی وقوع خیبر کو ۷ھ میں لکھا ہے۔ تو اب اس بنا پر ذات الرقاع حتماً ۷ھ میں خیبر کے بعد یا ۷ھ کے بعد ۸ھ وغیرہ میں واقع ہوا ہوگا۔ مگر آپ نے ان تمام دلائل تحقیق و تنقید کے بعد۔ جو صرف مرعوبیت عامہ کے لحاظ سے لکھ کر دکھلائے گئے تھے۔ اپنی کتاب سیرۃ النبی جلد اول میں ذات الرقاع کو ۵ھ کا واقعہ تحریر فرمایا ہے ان هذا لشئ عجاب فاعتبروا یا اولی الالباب۔

مگر یہ اندراج بھی کس خیر و احتیاط۔ اور کس بیداری و ہوشیاری سے عمل میں لایا گیا ہے کہ آپ کے تدین مولفانہ کی شان عظمت کو اس سے بھی دوبالا کر دیتا ہے۔ جتنا عوام الناس کو معلوم اور انکے پیش نظر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جدول فہرست مضامین میں جو دیباچہ سے پہلے کتاب پر لگائی گئی ہے۔ ذات الرقاع کا نام ہی نہیں اصل کتاب کی تفصیل و بیان میں کہیں سن و سال کے واقعات میں اسکا مذکور نہیں اس سے تو آپ کا یہ مضحکہ انگیز فیصلہ ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو آپ قطعاً اسکے وقوع کے قائل ہی نہیں۔ یا اہل سیرت و حدیث کے بیشمار و ناگوار اختلاف اقوال سے عاجز آ کر آپ نے اسکے حذف و اسقاط ہی کو اپنا معیار تحقیق بنایا ہے۔

لیکن تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اپنے اس معیار پر بھی قائم نہ رہے۔ مگر یہ امر آپ کا مافی الضمیر ضرور تھا آپ نے ذات الرقاع کا جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ اسکے بیان کے اصلی مقامات کتاب میں کہیں بھی ذکر نہیں فرمایا۔ لیکن موضوع کتاب سے علیحدہ ہو کر گویا خاتمہ حالات مغازی رسول پر۔ جو اصول غزوات و سرایا پر منتقدانہ تحریر لکھی ہے اور اس میں مغازی و سرایا کے اسباب وقوع اور ان میں سے ہر ایک واقعہ کے لئے۔ منجانب اسلام ایک عذر معقول کہلایا ہے اور مختصر سی کیفیت دکھلائی ہے۔ اس لئے یہاں آپ کو ذات الرقاع کے بیان کی غایت مجبوری ہوگئی ہے اور اس کا بیان ان الفاظ مختصرہ میں کیا گیا ہے۔

(حاشیہ مقابل پر) ذات الرقاع ۴ھ

هربت الاعراب علی رؤس الجبال

اعراب پہاڑوں پر بھاگ گئے۔ جلد اول ص ۴۳۶ سبحان اللہ کیا عنوان ہے اور کیا مفصل اور مکمل بیان۔ آپ کی کتاب دیکھنے والے اس واقعہ کی کہاں تک تفہیم اس عبارت سے کر سکیں گے۔ اس کا جواب شبلی صاحب دیں گے۔ مگر ہم تو آپ سے کہیں گے کہ اسکا نہ لکھنا ہی آپ کے حفظان اقتدار کے لئے مفید تھا۔ آپ نے بڑی احتیاط سے اتنی عبارت لکھ کر اپنے تمام استخفاف کا انکشاف کر دیا۔ افسوس ہے کہ یہاں اسکی وقوع کا زمانہ ۴ھ لکھ کر بتلایا جاتا ہے۔ مگر فہرست مضامین اور اصل کتاب میں اس کا ذکر و مذکور نام و نشان بالکل چھپایا جاتا ہے۔ کیوں۔ اس لئے کہ بخاری کی تکذیب ہوتی ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ آپ کی تکذیب نہیں ہوتی ہے۔ جو خود اسکو مثال بنا کر بڑی سرگرمی سے اوپر دکھلا چکے ہیں اور اب یہ اس کو بخلاف بخاری و جماعہ محدثین ۷ھ یعنی قبل خیبر کا واقعہ بتلاتے ہیں۔ اور اس تناقص فی الراست دالکلام سے ذرا بھی نہیں شرماتے نہیں۔ یہ حقیقت کا ہاتھ تھا جس نے آپ کا قلم پکڑ کر آخر کار آپ کے تمام معیوبانہ استخفاف کا اقرار لکھوا ہی دیا اور اسی کے ساتھ انہیں اہل سیرت کی تقلید بھی جنکی تضعیف میں آپ انتہا پر جوش تھے۔

صحت۔ تمام علوم و فنون میں قدر مشترک ہے

اب رہی صحت۔ اسکی نسبت ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ جسطرح حدیث میں ضروری ہے ویسے ہی سیرت میں۔ مگر محقق کو صحت کی تعریف پہلے ذہن نشین کر لینی چاہئے۔

یوں تو صحت کے بہت اقسام بتلائے گئے ہیں۔ مگر اصل دو ہی قسمیں ہیں۔ اور باقی انھیں کے فروعات اور شعوبات۔ صحت کی پہلی قسم یقینی ہے اور دوسری ظنی۔ موجودہ علوم متداولہ عالم میں۔ الٰہیات (متعلق معرفت) اور ریاضیات کے سوا کسی علم کی صحت یقینی نہیں۔ صحت یقینی وہ ہے جو بدیہیات و مشاہدات کے برابر ہوتی ہے۔ اور جس شئی کے وجود کا بغیر مشاہدہ اعتراف کر لیا جاوے وہ علم یقین بھی بدیہیات و مشاہدات میں داخل ہے صحت ظنی وہ ہے جس کا اعتراف یقین تسلیم و ایجاب ضروری ہے۔ گو وہ بدیہیات و مشاہدات میں شامل ہونیکے قابل نہیں۔ اسی بنا پر۔ علمائے اسلام اور حکمائے قدیم الایام نے ریاضیات و الٰہیات۔ اعترافات

وجدانیات وغیرہ کے علاوہ۔ باقی تمام علوم وفنون کی صحت واعتبار کی صحت کو ظنی کے درجوں تک یقین کیا ہے۔ انھیں میں سیرت وحدیث دونوں داخل ہیں۔ اور اسی بنا پر بحر العلوم نے کتب حدیث کی عموماً اور صحیح بخاری کی اصح الکتاب اور صحیح یقینی ہونے کو خصوصاً تمام طریقوں سے مجروح۔ مقدوح اور ممنوع ثابت کیا ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ پھر ایسی صحت سے شبلی صاحب کا مقصود ہے تو وہ تمسک سے حدیث وسیرت کے لئے ممکن ہوسکے گی۔ اسکے علاوہ حدیث ہو تاریخ ہو سیرت ہو یا مغازی۔ یہ تمام علوم تو منقولات میں داخل ہیں۔ پھر انپر دلائل معقولات کا جمع کرنا تو جمع فاسد علے الفاسد کا حکم رکھتا ہے۔

بہرحال جب اتنا تحقیق ہوگیا کہ عموماً علم حدیث کی صحت بھی ظنی ہے۔ یقینی نہیں۔ عام اس سے کہ کتب صحاح ہو سنن ہو۔ یا مسند۔ سب ایک ہی تعریف کے اندر آتی ہیں۔ اور حدیث کی طرح۔ سیرت اور تاریخ کی بھی صحت کا یہی حال ہے۔ تو صحت کی میزان میں تو حدیث وسیرت کی مرویات۔ اگر اپنے اپنے معیار صحت کے مطابق صحیح ومعتبر طریقوں سے مستخرج کئے گئے ہیں تو وہ بھی کامل العیار اور قابل اعتبار ہوں گی۔ مگر اس صورت میں تو شبلی صاحب کو ترجیح حدیث علی السیرت کا کوئی حق حاصل نہیں ہوگا۔ ہم اس سے زیادہ مسئلہ صحت کے متعلق لکھنے کی مطلق ضرورت نہیں دیکھتے۔

شبلی صاحب کے قرارداد معیار صحت حدیث

ہم ذیل میں شبلی صاحب کے قرارداد معیار صحت حدیث کو ذیل میں نقل کرکے اُن کے بعض مقامات پر بالاختصار اپنی تنقیدی عبارت لکھ دیتے ہیں۔ پہلے ہم اُن معیار کو لکھتے ہیں جن کو آپ نے مرویات احادیث کا محک ومعیار قرار دیا ہے۔ جس کو معلوم ہوتا ہے آپ نے موضوعات علامہ سبط ابن جوزی کے مقدمہ سے نقل کیا ہے۔ تحریر ہوتا ہے۔

حسب ذیل صورتوں میں روایت قابل اعتبار نہ ہوگی اور اسکی نسبت اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا نہیں

(۱) جو روایت عقل کے مخالف ہو۔

(۲) جو روایت اصول مسلمہ کے خلاف ہو۔

(۳) محسوسات اور مشاہدات کے خلاف ہو۔

(۴) قرآن مجید۔ احادیث متواتر یا اجماع قطعی کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی گنجایش نہ ہو۔

(۵) جس حدیث میں معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو۔

(۶) معمولی کام میں بہت بڑے انعام کا وعدہ ہو۔

(۷) وہ روایت جو رکیک المعنی ہو مثلاً کدو کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ۔

(۸) جو روایت ایسی ہو۔ کہ تمام لوگوں کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہو۔ باایں ہمہ کسی اور راوی نے اس کی روایت نہ کی ہو۔

(۹) جو راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہے کہ کسی اور نے نہیں کی اور یہ راوی اس شخص سے ملا ہو۔

(۱۰) جس روایت میں ایسا قابل اعتبار واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سینکڑوں راوی اس کو روایت کرتے باوجود اس کے صرف ایک ہی راوی نے اس کی روایت کی ہو۔

شبلی صاحب کے مندرجہ بالا نصاب حدیث کی مختصر تنقید۔

بظاہر تو مندرجہ بالا شرائط صحت حدیث کے معیار بنائے گئے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ نقادان فن نے صرف انکو اپنی کتابوں میں لکھ کر۔ اور صحت حدیث کے غلط اعتقاد کا عوام میں باعث شہرت بنا کر رکھ لیا۔ مگر صحاح سے لیکر سنن و مسانید تک کے حضرات محدثین میں ایک صاحب بھی ان پر عمل پیرا نہ ہوئے اور ہزاروں مراسیل و مقطوعات۔ مسانید و سنن و صحاح کیا۔ خاص صحیح بخاری میں موجود ہیں جنمیں لیلۃ القدر والی حدیث اور دیگر چند حدیثوں کی تنقیہ بخاری کی بحث میں اوپر دکھلا چکی گئی ہے اتنا تمہیداً لکھ کر مفصلہ ذیل عبارت تنقیدی لکھی جاتی ہے۔

(۱) خلاف عقل روایتیں۔ اس شرط نصاب سے بعرفت آیتہ۔ خصوصاً ثبوت واجب الوجود کے متعلق مرویات جن سے ذات باری تعالیٰ کے صفات سلبیہ اور ثبوتیہ کا مثل بدیہات کے یقین و اعتقاد ہے اور نیز احکام تعبدی کی روایتوں کو مستثنیٰ کرنا چاہیے۔ اسلئے کہ امکان لعقل انسانی ان دقیق مطالب و معانی کے بار کا بقول آپ کے متحمل نہیں ہو سکتا۔

مثلاً۔ خدا کی آنکھ۔ کان وغیرہ نہیں۔ مگر اسکے اسمع السامعین و ابصر الناظرین ہونے کا مثل مشاہدات کے یقین کامل اور عقیدہ وثوق واجب ہے۔ جو بادی النظر میں انسانی عقل محدود کے حد عقل سے باہر ہونیکی وجہ سے بظاہر خلاف عقل معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح احکام تعبدی ہیں جو بفحوائے آیہ وافی ہدایہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ سونے اور حریر کے استعمال کو مردوں کے لئے تو حرام اور عورتوں کے لئے حلال تاکیدی بتلاتے ہیں خصوصاً اوقات نماز میں۔ مردوں کی تفریق اور عورتوں کی اس تخصیص کے لیے عقل کوئی وجہ معقول نہیں قائم کر سکتی اس زمانہ کی جدید اور روشن تر عقل والے تو فروعات ستہ کے احکام واجبات صوم و صلوٰۃ کو بھی۔ اس لئے کہ انکی نزدیک انسان آزاد مادر زاد پیدا ہوا ہے۔ بہت کم قابل تعمیل سمجھتے ہیں۔

(۲) مرویات خلاف اصول مسلمہ۔ اصول مسلمہ کی تعریف ضرور ہونی چاہیئے۔ کہ سمجھا جاوے کہ اصول مسلمہ خاص ہے یا مسلمہ عام۔ اگر مسلمہ خاص مقصود ہے تو ظاہر ہے کہ دوسری قوم و فرقہ والے جن کو ادعائے اسلام ہوگا

وہ کیونکر اسکے لئے مجبور کئے جائینگے۔

اس کے علاوہ - یہ ایسی شرط ہے - جو شرط ہی شرط ہو کر کتابون مین لکھی رہگئی - اسپر عمل کچھ بھی نہین ہوا - اجماع اصول مسلمات اور اولین معتقدات اہل سنت والجماعت سے ہے - وہ اجتک ثابت نہین ہوا - بلکہ اول مسلمہ یعنی اجماع سقیفہ بنی ساعدہ کی صحت وصداقت جواز وغیر جواز مین - آپس ہی مین اختلاف ہے - تو دوسرے مسلمات سے بحث ہی بیکار ہے - باقی رہا صحت حدیث کے مسلمات - جو موجودہ بحث کا اصل مدعا ہے - وہ عموماً صحاح ستہ اور خصوصاً صحیح بخاری کی نسبت پیش کیا جاتا ہے اس مسلمہ یا اجماع کی تنقید وتغلیط - امام ابن ہمام اور بحر العلوم کے اقوال دارا ہے بتفصیل اور قلمبند ہو چکی ہے - پھر کیسے کہا جاسکے کہ اصول مسلمہ کے خلاف آپ حضرات کا عملدرآمد نہین ہے - اگر حقیقتاً جیسا کہ لکھا جاتا ہے شرط اصول مسلمہ کے مطابق کیا بھی جاتا - تو پھر ابن ہمام اور بحر العلوم سے - علمائے کرام کو اجماع کے اصول مسلمہ سے انکار کی کیا ضرورت تھی - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شرائط نصاب معیار صحت بہت پیچھے وضع کئے گئے اور اسکے خلاف عملدرآمد بہت قدیم ہے۔

(۳) مرویات خلاف مشاہدات ومحسوسات - محسوسات کی جگہ مدرکات کا لفظ زیادہ مناسب تھا اس لئے کہ محسوسات کا علی الاکثر محسوسات پر اطلاق ہوتا ہے - اور مدرکات العقل کے مضمون مین داخل ہے جو اصل عبارت مین مراد ہے - یہ شرط حقیقتاً شرط اول کا ایک ضمیمہ ہے - اسلئے اسپر دوبارہ نظر ڈالنے کی ضرورت نہین۔

(۴) مرویات جو قرآن مجید - احادیث متواترہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہو اور جس مین تاویل کی کچھ گنجائش نہو بظاہر یہ شرط تو بالکل صحیح ہے اور حدیثون کا اصلی اور حقیقی معیار صحت بھی ایک شرط ہے - جو جملہ شروط وقیود پر حاوی ہے - مگر افسوس سب سے نا گفتہ بہ اسکی نارسائی محقق ہوتی ہے - اور مشاہدات بتلا رہے ہین کہ اسکے کسی شائبہ پر بھی عمل نہین کیا گیا قرآن مجید کے خلاف تو تحریف معاشر الانبیاء کی روایت موجود ہے - احادیث متواترہ فمن کنت مولاہ کے اجماع امت کے خلاف ونقیض (جسکے اعلان کیوقت بقول ابن اثیر ایک لاکھ مسلمانون سے بھی زیادہ کی جمعیت موجود تھی) سقیفہ بنی ساعدہ مین خلاف سازی کے کارنامے محفوظ ہین آجتک تمام اسلامی کتب اسپر شاہد ہین اور یہ ایسے شواہد ہین - جنکی تصدیق وتوثیق کے لئے دوسری تائید وتحقیق کی مطلق ضرورت نہین پھر ان شواہد کے مقابل مین کون عقل والا کہسکتا ہے کہ اس شرط پر سواد اعظم مین کبھی صحیح طور پر عمل بھی کیا گیا۔

(۵) معمولی بات پر بڑا عذاب - بظاہر تو صحیح ہے - مگر حقیقتاً - ایہ ومن بعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ کے مدعا سے دور - علاوہ اسکے ایسی ہزارون حدیثین ابھی تک کتب حدیث مین موجود ہین - اگر اس شرط پر حکم کے ساتھ عمل بھی ثابت ہے - تو پھر ایسی حدیثون کی نقل وتحریر کا دروازہ ایکبارگی کیون نہ مسدود کر دیا گیا۔

(۶) ذراسی بات پر بڑے انعام کا وعدہ - اس کی بھی وہی مثال ہے جو جاء بالحسنة فله عشر امثالها کے نصاب رحمت اور اختیار قدرت کے مخالف اور دسبقت غضب رحمتہ کے اصل مدعا کے متناقض معلوم ہوتی ہو اگر اس شرط پر عمل ثابت ہے - تو پھر اجتک ان حدیثون کا وجود کیون باقی ہے -

(۷) رکیک المعنی حدیثین - مثلاً کدو کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ - اعتراض و امتناع سے پہلے تو ان رواۃ کی خوش فہمی پھر ان محدثین کی جامعیت وقابلیت کی داد دینی چاہئے جنھون نے ایسے ایسے مہملات کو قول رسول بنا کر ذات رسالت پر اتہام کیا -

(۸) جس روایت کا راوی - راوی اصل سے ملا ہو - شرط صحیح ہے - مگر عمل ذرا بھی ثابت نہین - تمام کتب حدیث ایسی حدیثون سے مملو ہین - اور تو اور خاص صحیح بخاری مین - نزول لیلة القدر کے ذکر مین ہم تفصیل سے اسکی مثال نقل کر چکے ہین - امام صاحب نے "کہد بند کر کے عن ابن عتبہ سے عنوان حدیث شروع کر دیا - پوچھئے تو کہاں آپ کا وقت کہاں ابن عتبہ کا زمانہ یہ لفظ عن کا فرمانا کیسا ؟

(۹) جس روایت مین ایسا قابل اعتنا واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع مین آتا تو سینکڑون آدمی اسکی روایت کرتے یہ شرط تو حقیقت مین ابتدا ہی سے نظر انداز کر دی گئی - اور قطعاً نا قابل عمل سمجھی گئی - حدیث نحن معاشر الانبیاء کا بیان کرنے والا اکیلا راوی ثابت ہوتا ہے - اور اسی کی خبر احاد پر اتنا اعتماد کیا جاتا ہے کہ اجماع قطعی کا حکم لگایا جاتا ہے اور اسی غرض وغایت سے - شبلی صاحب نے خبر احاد کے قابل الاستناد ہونے کی توثیق ان الفاظ مین لکھی ہے کہ

> اگر ثقہ راوی نے کوئی واقعہ بیان کیا - تو گو قرائن اور قیاسات کے خلاف ہو - اور گو بظاہر عقل کے مطابق بھی نہ ہو - لیکن اسکی روایت قبول کر لی جائے گی - دیباچہ ص - ۷۱

اتنے ہی الفاظ تائید ی پر اکتفا نہین کیا گیا ہے - بلکہ خبر احاد کے قابل الاستناد ہونے پر ایک خاص بحث کی گئی ہے جس کو ہم عنقریب اپنے سلسلہ بیان مین نقل کرین گے -

(۱۰) جو روایت ایسی ہو - کہ تمام لوگون کو اس سے واقف ہونیکی ضرورت ہو - باین ہمہ ایک راوی کے سوا کسی اور نے اسکی روایت نہ کی ہو -

اس شرط صحت کی مخالفت بھی - حدیث نحن معاشر الانبیاء کے اشاعت اور اسپر عملدرآمد آمت سے کما حقہ ثابت ہے -"

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان احکام کے اجرا و بطلان کی بنا کا منشا کیا - جب اپر نفاذ عمل ہی ثابت نہین ہوتا تب تو ضرور تسلیم کیا جائے گا کہ یہ شرائط محدثین نے اپنی واقفکاری فن اور کرم بازاری علم کی غرض خاص سے

لکھدے تھے کہ عوام اہل اسلام انکی شدت احتیاط اور کمال نقد کے قائل ہوکر مرعوب ہوجائین۔ اور بعض بزرگوارن اسلاف کی تقلید مین شبلی صاحب نے بھی اسی مدعا ومنشا سے ان شرائط کو نقل فرمایا کہ زمانہ کے محدود علم و تحقیق رکھنے والے افراد قوم وملت عموماً اور جدید تعلیم مغربی کے ابجد خوان مسلمان طلبہ خصوصاً انکی تحقیق وتنقید کی یہ طول وطویل تفصیل دیکھکر حلقہ بگوش عقیدت بن جائین۔

ایک غرض خاص آپ کی اور بھی اسکے ساتھ ملحق تھی۔ کہ ان حدود وقیود کو دیکھکر حدیثون کی کتابون کی طرف مرجوعہ تام ہوجاے گا۔ اور چونکہ کتب حدیث کی بنا اصول عقاید پر ہے۔ اور عقاید ہی سے تعمیم۔ استخفاف۔ اختلاف اور اسقاط و قعات مخصوصہ کے اسناد ملین گے۔ اسلئے ان کے بیان و تفصیل کو اپنے مفید مطلب پاکر اس شرح وبسط سے قلمبند کیا گیا۔

ہم نہین کہتے کہ یہ ترکیب۔ خاص شبلی صاحب کی ایجاد ہے یا انکی طبعزاد۔ کیونکہ اسکی ایجاد بھی آغاز خلافت ہی سے معلوم ہوتی ہے۔ پھر حکومت امویہ سے گذرتی ہوئی سلطنت عباسیہ تک برابر قائم وجاری رہی اور اب تک ہے اور سوقت سلطنت کی تائید سے شدت وکثرت سے جاری تھی۔ اسوقت تعصب ونفسانیت سے برابر وہی قدیم لکیر پیٹی جارہی ہے۔ ارباب صحاح نے عموماً اور بخاری صاحب نے خصوصاً موافقت زمانہ کی وجہ سے اپنے قلمکاری رنگ آمیزیون کے مختلف رنگون مین انکو خوب خوب رنگا۔ اپنی تجویز وقیاسی مدعا کے موافق۔ حدیثون پر کہین اضافہ الفاظ وکلمات سے انکے اصلی رنگون کو کبھی شوخ اور تیز کردیا اور کبھی اندراج استخفاف اور استغنا کی مصلحت ومناسبت اور ازالہ واسقاط وکلمات بلکہ علے الاکثر سقط و قعات کلی سے۔ حدیث کے اصلی رنگ کو بالکل ہلکا اور پھیکا کردیا ہے بخاری کے اسقاط الفاظ وغیرہ کی مثال ہم علامہ وو لیپ سین اندلسی کی تحریر سے اوپر ثابت کر آے ہین۔

باین ہمہ مسئلہ زیر بحث کی تحقیق مین جیسا کہ ہم اوپر بتلا آے ہین خاتمہ بحث پر پھر اسی کا اعادہ کئے بغیر نہین رہ سکتے کہ مرقومہ بالا دلائل وبراہین سے پورے طور پر ثابت ہوگیا کہ یہ حدود وشروط صحت حدیث کے نام نہادی قیود بنکر رہگئے۔ اور اہل تحقیق کو مسلمانان دیگر وہ مسلمانی در کتاب کی تصدیق کا موقع دے گئے چنانچہ شبلی صاحب نے بھی یہی روش اختیار کیا ہے۔ دیباچہ مین تو دنیا بھر کے معیار شرائط اور ضوابط لکھدے۔ مگر اصل کتاب مین عمل ایک پر بھی نہین کیا گیا جیسا کہ ہم ایک خاص نمبر مین آگے اس انداز کو دکھلاتے ہین اور آپ کی کتاب کے اصل مقامات پر اسکی حقیقت کا پورا انکشاف کردیا گیا ہے۔

حدیث کی ایسی موزونیت سیرت کی صحت کا معیار نہین

یہان تک تو موضوعات ابن جوزی کے مقدمہ سے صحت حدیث کے ضوابط و معیار تیار کئے گئے۔ اب سیرت کی صحت کے نئے معیار خود ایجاد کئے گئے ہین

کیونکہ انکے استنباط کا حوالہ اسطرح کہین نہین دیا گیا ہے۔ جیسا کہ صحت حدیث کے معیار کا حوالہ موضوعات ابن جوزی سے دیا گیا ہے۔ وہ معیار حسب ذیل قائم کئے گئے ہین۔

(۱) کتب سیرت قابل تنقیح ہین اور اُن کے روایات و اسناد کی تنقید لازمی ہے۔

(۲) سیرت کی روایتین باعتبار حیثیت احادیث کی روایتون سے فروتر ہین۔ اس لئے بصورت خلاف احادیث کی روایت کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی۔

(۳) سیرت کے واقعات مین سلسلہ علت و معلول کی تلاش ضروری ہے۔ دیباچہ ص ۹۱

سخت حیرت ہے کہ کیا سمجھا جائے۔ آیا یہ نصاب صحت سیرت یقین کیا جاوے جیسا کہ دعوی اور وعدہ فرمایا گیا ہے۔ یا آپ کا حکمانہ فیصلہ سمجھا جاوے جیسا کہ انداز تحریر سے ثابت ہوتا ہے

حقیقت یہ ہے کہ جو شروط صحت حدیث کے اوپر لکھے گئے ہین گو وہ بلحاظ اصلیت صحیح ہی ہون اور اُن پر عمل امت ہوا بھی ہو۔ مگر تاہم وہ اپنی تدوین تعین کے اعتبار سے شروط و حدود و بالتشخص کی صورت ضرور رکھتے ہین۔ اور اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کسی عالم اور واقفکار فن کے قائم و مقرر کردہ نہین۔ اور یہ تنقیحات شبلی صاحب کی خاص طبعزاد ہین۔ اُنکا موضوع عالمانہ ہے۔ اور انکا مقصود غایبانہ ہے اور خود غرضانہ

چنانچہ اُن کا انکشاف حقیقت سلسلہ وار حسب ذیل ہے۔

(۱) کتب سیرت محتاج تنقیح ہین۔ یہ تو بالکل یکطرفہ فیصلہ ہے۔ کیا حدیث کی کتابین قابل تنقیح و تنقید نہین۔ کیا اتنی موضوعات کی کتابین لکھین جانے کے بعد بھی شبلی صاحب اس اصرار پر قائم رہ سکین گے کہ کتب احادیث تنقیح و تنقید کی محتاج نہین۔ اگر ایسا نہین ہے تو اکیلی سیرت کی کتابون کو قابل تنقیح و تنقید ٹھہرانا اور حدیث کی کتابون کو مستثنی کر دینا کیسی زبردستی ہے۔

جب صحیح بخاری کی ایسی اصح الکتاب کی اکثر روایتونکو سیرۃ النبی مین خود آپ قابل نظر و مشکوک الصحت ٹھہرا چکے ہین۔ تو اور کتب احادیث کے ناقابل تنقید ہونیکا کیا ذکر حقیقت یہ ہے سیرت کی کتابین اسی حد و مقدار تک تنقید کے قابل ہین جس حد و مقدار تک حدیث کی کتابین۔ مگر بات یہ ہے کہ دونوں قسم کی کتابونمین سے کتب سیر زیادہ تنقید کے قابل ہین اور بعض کم

(۲) سیرت کی روایتین حدیثون سے اعتبار مین فروتر ہین۔ یہ گویا شبلی صاحب کا وظیفہ ہے اور اس وظیفہ سے جو مراد ہے۔ وہ عنقریب اپنے سلسلہ بیان مین بتلائے دیتے ہین

ہان اصول عقائد یا مسلمات مذہبی کا بیان اگر کسی سیرت و تاریخ کے مضمون مین کیا ہے اور وہ کتب حدیث کی روایات معتبرہ کے مخالف ہے تو ایسی حالت مین مرویات حدیث کو روایت سیرت پر ضرور ترجیح دیجائے گی۔ ورنہ واقعات و حالات کی عام تفصیل و بیان مین اگر سیرت و تاریخ کے مرویات اپنی شروط

صحت پر کامل اوتر چکی ہیں تو گو وہ کسی حدیث قابل التنقید اور مشکوک الصحت سے مخالف بھی ہوں قابل انکار نہیں۔

(۳) علت و معلول کی تلاش۔ علت و معلول کی بحث کو پیش کرنا محض بیضرورت ہے۔ اس بنا پر کہ تمام علوم کے اقسام مضامین و مباحث۔ دلائل و براہین ہیں۔ یہانتک کہ دو سطرون کے معمولی خطوط بھی اسکی ضرورت سے خالی نہیں کون لایعقل ہوگا جو کسی تحریر و مضمون کو پڑھے گا اور اسکی علت و معلول کو نہ سمجھیگا۔ کون فاتر العقل اور ناقص الدماغ ہوگا جو بغیر علت و معلول کے اپنا کوئی مضمون تیار کرے گا۔ کیونکہ کوئی تحریر۔ کوئی عبارت بغیر اسکے لکھی ہی نہیں جا سکتی افسوس ایسی عالمانہ اور محققانہ شان کی تصنیف و تالیف اور اس بنا پر ایسے عامیانہ دلائل و براہین پیش کیے جائیں ہم پوچھتے ہیں کہ تنہا سیرت کی کتابون مین علت و معلول کی تلاش کو کیون منحصر اور محدود کیا جاتا ہے۔ حدیث کی کتابون مین بھی اسکی جستجو کیون نہین کیجاتی۔ جن مین علے الاکثر مثالین ملتی ہین۔ ہم امام بخاری کی صحیح سے اسقاط علت و معلول کی صرف ایک مثال ذیل مین لکھتے ہین اور وہ ہمارے مدعا کی تصدیق کے لیے کافی ہوگی۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس خواب کو ایک طولانی حدیث مین بیان کیا گیا ہے جس مین آپنے ایک گاے کو ذبح ہوتے ہوئے دیکھا۔ اور اسکے چند دنون کے بعد حضرت حمزہؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ جو اسکی تعبیر خیال کی گئی۔ اس واقعہ خواب کی تفصیلی عبارت اس فقرہ مہمل پر تمام کی گئی ہے۔ رأیت فیہا بقرا واللہ خیرا۔ یعنی پوے مین نے ایک گاے کو دیکھا۔ اللہ خیر ہے کہئے۔ اس عبارت سے واقعہ متعلقہ کی کہان تک تفہیم و توضیح ہوتی ہے۔ بخاری صاحب نے بقرا کے ساتھ خیرا کا قافیہ تو ضرور ملا دیا مگر معنی تنگ کردے۔ اب کون پوچھے کہ آپ کے تنہا رأیت بقرا کے فقرہ متناقص کے لکھ دینے سے۔ واقعہ کی پوری تفصیل اور شہادت حضرت حمزہؓ کیساتھ اسکی تطبیق کیسے معلوم ہو سکتی ہے۔ اور پھر آپ کا واللہ خیرا۔ والا فقرہ مہمل اور بیجا اور پر ستزاد ہے۔

اب شبلی صاحب۔ اس فقرہ اور عبارت مین علت و معلول۔ مبتدا و خبر اور صلہ و موصول ٹٹول ٹٹول کر تلاش کرین اور بخاری صاحب کے اس خبط و بے ربط فقرہ اور انکی ضبط تحریر کی داد دین اور انکی تنقید و تنقیح ہم سے سنیں کہ سبب شہادت حضرت حمزہؓ اسکی معلول ہوئی۔ تو اسکی علت۔ آپکا وہی فقرہ رأیت بقرا قرار پایا۔ اس سے اصل واقعہ کی اصلیت۔ جو علت کا عین معلول ہونا چاہیے۔ کہان معلوم ہوئی۔ اور جب نہین معلوم ہوئی تو علت بے معلول کے بیکار ہوئی اور اسی کے ساتھ وہ عبارت بھی محض مہمل ثابت ہوئی۔ جس مین علت کو معلول کیساتھ نہ کوئی مناسبت ہے اور نہ علت اپنے معلول کی حقیقت کو بتلاتی ہے۔

کیونکہ انکے استنباط کا حوالہ اوسطرح کہین نہین دیا گیا ہے۔ جیسا کہ صحت حدیث کے معیار کا حوالہ موضوعات ابن جوزی سے دیا گیا ہے۔ وہ معیار حسب ذیل قائم کئے گئے ہین۔

(۱) کتب سیرت قابل تنقیح ہین اور اُن کے روایات و اسناد کی تنقید لازمی ہے۔

(۲) سیرت کی رواتیین باعتبار حیثیت احادیث کی روایتون سے فروتر ہین۔ اس لئے بصورت اختلاف احادیث کی روایت کو ہمیشہ ترجیح دی جاوے گی۔

(۳) سیرت کے واقعات مین سلسلہ علت و معلول کی تلاش ضروری ہے۔ دیباچہ ص ۶۱

صحت سیرت ہے کہ کیا سمجھا جاوے۔ آیا یہ نصاب صحت سیرت یقین کیا جاوے جیسا کہ دعوی اور وعدہ فرمایا گیا ہے۔ یا آپ کا حکمانہ فیصلہ سمجھا جاوے جیسا کہ انداز تحریر سے ثابت ہوتا ہے

حقیقت یہ ہے کہ جو شروط صحت حدیث کے اوپر لکھے گئے ہین گو وہ بلحاظ اصلیت جیسی بھی ہون اور اُن پر عمل امت ہوا بھی ہو۔ مگر تاہم وہ اپنی تدوین تعیین کے اعتبار سے شروط و حدود بالتشخص کی صورت ضرور رکھتے ہین۔ اور اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کسی عالم اور واقفکار فن کے قائم و مقرر کردہ ہین۔ اور یہ تنقیحات شبلی صاحب کی خاص طبعزاد ہین۔ اُنکا موضوع عالمانہ ہے۔ اور انکا مقصود دعاویانہ ہے اور خود غرضانہ چنانچہ اُن کا انکشاف حقیقت سلسلہ وار حسب ذیل ہے۔

(۱) کتب سیرت محتاج تنقیح ہین۔ یہ تو بالکل یکطرفہ فیصلہ ہے۔ کیا حدیث کی کتابین قابل تنقیح و تنقید نہین۔ کیا اتنی موضوعات کی کتابین لکھی جانے کے بعد بھی شبلی صاحب اپنے اس اصرار پر قائم رہ سکین گے کہ کتب احادیث تنقیح و تنقید کی محتاج نہین۔ اگر ایسا نہین ہے تو اکیلی سیرت کی کتابون کو قابل تنقیح و تنقید ٹھہرانا اور حدیث کی کتابون کو مستثنی کر دینا کیسی زبردستی ہے۔

جب صحیح بخاری کی ایسی اصح الکتاب کی اکثر روایتون کو سیرۃ النبی میں خود آپ قابل نظر و مشکوک الصحت ٹھہرا چکے ہیں۔ تو اور کتب احادیث کے ناقابل تنقید ہونے کا کیا ذکر۔ حقیقت یہ ہے سیرت کی کتابیں اسی حد اور مقدار تک تنقید کے قابل ہیں جس حد و مقدار تک حدیث کی کتابیں۔ مگر بات یہ ہے کہ دونوں اقسام کی کتابوں میں بعض کتابیں زیادہ تنقید کے قابل ہیں اور بعض کم

(۲) سیرت کی رواتیین حدیثون سے اعتبار مین فروتر ہین۔ یہ تو گویا شبلی صاحب کا وظیفہ ہے اور اس وظیفہ سے جو مراد ہے۔ وہ ہم عنقریب اپنے سلسلہ بیان مین بتلا دیتے ہین۔

ہان اصول عقائد یا مسلمات مذہبی کا بیان اگر کسی سیرت و تاریخ کے مضمون مین آگیا ہے اور وہ کتب حدیث کی روایات معتبرہ کے مخالف ہے تو ایسی حالت مین مرویات حدیث کو روایت سیرت پر ضرور ترجیح دیجاوے گی۔ ورنہ واقعات و حالات کی عام تفصیل و بیان مین اگر سیرت و تاریخ کے مرویات اپنی شرط

صحت پر کامل اوتر چکی ہیں تو گووہ کسی حدیث قابل التنقید اور مشکوک الصحت سے مخالف بھی ہون قابل انکار نہیں -

(۳) علت و معلول کی تلاش - علت و معلول کی بحث کو پیش کرنا محض بیضرورت ہے۔ اس بنا پر کہ تمام علوم کے اقسام مضامین و مباحث - دلائل و براہین ہین یہانتک کہ دو سطرون کے معمولی خطوط بھی اسکی ضرورت سے خالی نہین کون لا یعقل ہوگا۔ جو کسی تحریر و مضمون کو پڑہے گا اور اسکی علت و معلول کو نہ سمجھیگا۔ کون فاتر العقل اور ناقص الدماغ ہوگا جو بغیر علت و معلول کے اپنا کوئی مضمون بنا کرے گا۔ کیونکہ کوئی تحریر کوئی عبارت بغیر اسکے لکھی ہی نہین جا سکتی افسوس ایسی عالمانہ اور محققانہ شان کی تصنیف و تالیف اور اس مین ایسے عامیانہ دلائل و براہین پیش کیے جائین ہم پوچھتے ہین کہ تنہا سیرت کی کتابون مین علت و معلول کی تلاش کو کیون منحصر اور محدود کیا جاتا ہے۔ حدیث کی کتابون مین بھی اسکی جستجو کیون نہین کیجاتی۔ جن مین علے الاکثر ایسے مثالین ملتی ہین۔ ہم امام بخاری کی صحیح سے اسقاط علت و معلول کی صرف ایک مثال ذیل مین لکھتے ہین اور وہ ہمارے مدعا کی تصدیق کے لیئے کافی ہوگی -

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس خواب کو ایک طولانی حدیث مین بیان کیا گیا ہے جس مین آپ نے ایک گاے کو ذبح ہوتے ہوئے دیکھا - اور اسکے چند دنون کے بعد حضرت حمزہؑ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ جو اسکی تعبیر خیال کی گئی۔ اس واقعہ خواب کی تفصیلی عبارت اس فقرہ مختصر پر تمام کی گئی ہے - رأیت فیہا بقرا واللہ خیر۔ یعنی دیکھے مین نے ایک گاے کو دیکھا۔ اللہ خیر ہے کہئے - اس عبارت سے واقعہ متعلقہ کی کہان تک تفہیم و توضیح ہوتی ہے۔ بخاری صاحب نے بقرا کے ساتھ خیرا کا قافیہ تو ضرور ملا دیا مگر معنی تنگ کردے - اب کون پوچھے کہ آپ کے تنہا۔ رأیت بقرا کے فقرہ متناقضہ کے لکھ دینے سے - واقعہ کی پوری تفصیل اور شہادت حضرت حمزہؑ کیساتھ اسکی تطبیق کیسے معلوم ہو سکتی ہے - اور پھر آپ کا واللہ خیرا - والا فقرہ مہملہ اور بیجا اور پیر ستزاد ہے -

اب شبلی صاحب - اس فقرہ اور عبارت مین علت و معلول - مبتدا و خبر اور صلہ و موصول ٹٹول ٹٹول کر تلاش کرین اور بخاری صاحب کے اس خط وسلے ربط فقرہ اور انکی ضبط تحریر کی داد دین اور انکی تنقید و تنقیح ہم سے سنین سبب شہادت حضرت حمزہؑ اسکی معلول ہوئی۔ تو اسکی علت - آپ کا وہی فقرہ رأیت بقرا قرار پایا۔ اس سے اصل واقعہ کی اصلیت - جو علت کا عین معلول ہونا چاہیے - کہان معلوم ہوئی - اور جب نہین معلوم ہوئی تو علت بے معلول کے بیکار ہوئی اور اسی کے ساتھ وہ عبارت بھی محض مہمل ثابت ہوئی - جس مین علت کو معلول کیساتھ نہ کوئی مناسبت ہے اور نہ علت اپنے معلول کی حقیقت کو بتلاتی ہے -

یہی کیفیت واللہ خیرا والے فقرہ کی ہے جب واقعہ کی خبر یا معلول اپنی حقیقت کیساتھ معلوم ہو جائے تب فقرہ واللہ خیراً کی تطبیق اور مناسبت کا تصفیہ کیا جائے - رأیت بقراً - ایک گائے کو دیکھ کر حکیم رسالت کی زبان صداقت سے واللہ خیراً کا فقرہ نکلنا کسطرح اعتبار و یقین نہیں کیا جا سکتا جبتک کہ خواب میں نظر آنیوالی گائے کی کوئی خاص کیفیت باعث استعجاب یا استبشار نہیں دکھلائی جائیگی - اور علاوہ براین باتفاق جمہور جس واقعہ کیطرف اس خوابکا روحانی تعلق بتلایا جاتا ہے اسکی وضاحت و صراحت بھی ان فقروں سے نہیں ہوتی - توپھر واللہ خیراً کے فقرہ کی تطبیق کیسے کیجائے اور سوائے اسکے کہ عبارت کی عبارت اور یکجا نکاہی کے دونوں فقرے قطعاً ناموزوں سمجھے جائیں - اور کیا کہا جا سکتا ہے -

بڑی کوشش کے بعد ابن حجر نے اس کلیہ مہملہ کو موضوع بنانا چاہا ہے - مگر افسوس کہ وہ بھی ناقص رہا - حافظ صاحب لکھتے ہیں - فی روایۃ ابن اسحاق وانی رأیت واللہ خیراً بقراً - روایت ابن اسحاق میں یوں ہے کہ مین نے (خواب میں) دیکھا ہے - خدا خیر کرے ایک گائے کو - اول تو اس سے معلوم ہوا کہ بخاری صاحب حدیث کے اصلی الفاظ کو ادھر کا ادھر کر دیا کرتے تھے - اور حدیثوں کو الٹ پلٹ کر جمع کیا کرتے تھے - دوسرے یہ کہ اصل واقعہ کی حقیقت کا انکشاف تو حافظ صاحب کی اس عبارت منقولہ سے بھی نہیں ہوا - اور کلام و سیاق میں ابہام ویسا کا ویسا ہی رہگیا - اور معلوم ہوا تو صرف اتنا کہ آداب خواب یہ ہے کہ جب آدمی خواب بیان کرے تو کہے - خدا خیر کرے - چنانچہ اوس ارشاد پر آج تک تمام مسلمانوں کا عمل ہے - بلکہ خواب پر منحصر نہیں وہ اپنے ہر ارادہ قصد اور فعل کے اظہار کیوقت - اس کا اعادہ کرتے ہیں - اور یہ کلمہ بسم اللہ ان شاء اللہ وغیرہ کا مترادف قرار پاگیا ہے - اور بعض لوگوں کی خصوصیات کلام میں داخل ہو کر سخن تکیہ او زبانی مہمل کا حکم رکھتا ہے -

لیکن ابن حجر کے اس نظریہ سے بھی معلول کہیں نظر نہیں آتا جسکی تلاش شبلی صاحب کو بنظر ہی حقیقت یہ ہے کہ بخاری نے ایسی خبط و بے ربط عبارت لکھ کر حدیث کو بالکل غارت کر دیا ہے - بخلاف اسکے ان کے ہمچشم محدثین نے اس حدیث کو پوری حقیقت و معانی کیساتھ قلمبند فرمایا ہے - عبارت ذیل ملاحظہ ہو -

وعند احمد والنسائی وابن سعد من حدیث جابر بسند صحیح فی ھذا الحدیث ورأیت بقراً منحرۃ - فتح الباری ص ۵۰	امام احمد - امام نسائی اور ابن سعد بسند صحیح جابر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت صلعم نے دیکھا خواب میں گائے کا بسمل کیا ہوا -

مندرجہ بالا محدثین کی احادیث میں سب کچھ موجود ہے - شبلی صاحب کا مقصود علت و معلول یعنی واقعہ کی حقیقت حال بھی اور پھر اسکی واقعہ احد سے تطبیق اور کامل مناسبت اور مشابہت بھی -

اب ہم ہماری موجودہ بحث سے ثابت ہو گیا کہ جب بخاری کی حدیث کی نقل کتب سے یہی عبارت کی نقل ہے علت و معلول کی شرط نہیں رکھتی اور وہ عیب و نقص سے ہرگز خالی نہیں تو اوس سے پایہ ثبوت میں فرق رہ جاتا ہے

کی کتابوں میں یہ نقص و عیب کس حد اور مقدار تک پایا جائے گا۔

شبلی صاحب نے بڑی کاوش سے اہل سیرت کی صحت مرویات کے لئے یہ تین نصاب قائم کئے۔ جن کو دیکھ کر ہر شخص آسانی سے سمجھ لیگا کہ یہ شرائط نہ نصاب میں داخل کئے جانے کے قابل ہیں اور نہ حقیقی شرائط نصاب کے معانی و مفہوم میں آسکتے ہیں۔ یہ شبلی صاحب کی خاص ایجاد ہے۔ یہ تینوں شرائط یا ہدایات اسی طرح حدیثوں میں پیش نظر رکھے جاسکتے ہیں جس طرح نقل روایات سیرت میں۔ پھر اس قدر مشترک کو ایک صنف خاص کے ساتھ شرط منفرد قرار دینا کیا معنی۔

> شبلی صاحب کے انداز تحریر کی ایک نئی ترکیبیں

اب ہم شبلی صاحب کی شان اور انداز تحریر کی ایک نئی ترکیب کا انکشاف کرتے ہیں آپ نے صحت روایات سیرت کے متعلق جو نصاب مقرر فرمائے۔ ان میں علت نہ معلول کی شرط کو اپنی جیلہ القلمی کے ساتھ ایک معقول بحث کے انداز میں لکھا ہے جس سے ایک معمولی عقل اور سطحی علم و اطلاع والے افراد قوم سیرت کے واقعات کو عقل کے خلاف سمجھ کر ایک اشکال منطقی کی صورت میں اسکے نقص فی المرویات کو تسلیم کریں۔

افسوس کتابوں کی تالیف و تصنیف علما اور حکما کے خاص ملاحظہ کے لئے نہیں کی جاتی۔ بلکہ عوام کے مطالعہ اور استفادہ کی ضرورت پوری کرنے کے لئے۔ دیکھئے شبلی صاحب نے اسی نقص سیرت کو پہلے تو اس انداز سے اور تحریر فرمایا ہے جسے سوائے علما کے دوسرے لوگ مشکل سے آپکے مدعا سے تحریر تک پہونچ سکیں پھر اسی نقص کو ایک دوسرے مقام پر ایک نئی ترکیب اور نئے انداز سے ظاہر فرماتے ہیں۔ آپ کے ان دونوں مختلف انداز تحریر کو پڑھکر تحقیق کے متلاشی پورے طور سے سمجھ جائنگے کہ پہلے مقام میں آپ نے تو اپنے مدعا کو اپنی قلمکاری اور ہوشیاری سے اشکال منطقی اور محال عقلی کا پردہ ڈالکر چھپایا۔ کیونکہ وہاں آپ کو اس ترکیب سے طبقہ عام کی صرف مرعوبیت منظور تھی۔ اور یہاں اپنے اسی مدعا کو اصلی حقیقت سے بیان کرنے کی آپ کو اس وجہ سے مجبوری ہوئی ہے کہ یہاں مخالفین اسلام کی لکھی ہوئی سیرتوں سے اسلامی سیرتوں کا موازنہ کرنا ہے۔

مگر افسوس کہ آپ کو اب بھی سیرتوں کا درد نہ آیا۔ اور مخالفین کے اعتراضوں کا باعث حدیثوں کی جگہ سیرتوں کو بتلایا۔ کارم افتاد است از یارے کہ از عیارگی ؎ برمن بیچارہ می بندد گناہ خویش را

اس ضرورت مجبوری سے آپ نے اپنے مرقومہ بالا اعتراض کے الفاظ مدعا کو منفصلہ ذیل عبارت میں ایک دوسری ترکیب اور نئے انداز سے بیان فرمایا:۔

دیباچہ سیرۃ النبی صفحہ ۴۲ نمبر ۵ میں مرقوم ہے۔

ارباب سیر اسباب و علل سے کمتر واقعات میں بحث نہیں کرتے۔ نہ اون کی تحقیق و تلاش کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس باب میں یورپ کا طریقہ نہایت غیر معتدل ہے اور ایک یوروپین مؤرخ ہر واقعہ کی علت تلاش کرتا ہے اور نہایت دور از قیاسات اور احتمالات سے سلسلۂ معلومات پیدا کرتا ہے۔ اس میں بہت کچھ اسکی خودغرضی اور خاص مطمح نظر کو دخل ہوتا ہے اور اپنے مقصد کو ایک محور بنا لیتا ہے۔ تمام واقعات اسی کے گرد و پیش گھوما کرتے رہتے ہیں بخلاف انکے اسلامی مورخ نہایت سچائی۔ انصاف اور خالص بے طرفداری سے واقعات کو ڈھونڈھتا ہے۔ اسکا کو اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی وہ اس پر اپنے معتقدات اور قومیت کو بھی نثار کر دیتا ہے۔ لیکن اس میں (سیرت میں) حد سے زیادہ تفریط ہو گئی۔ اس بات سے بچنے کے لئے کہ واقعات رائے سے مخلوط نہ ہونے پائیں وہ پاس پاس کے اسباب ظاہری پر نظر نہیں ڈالتا۔ اور واقعہ کو خشک اور ادھورا چھوڑ دیتا ہے۔ مثلاً لڑائیوں کو اس طرح شروع کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فلاں وقت میں فلاں قبیلہ پر فوجیں بھیجیں لیکن اس کے اسباب کا مطلق ذکر نہیں کرتے جس سے عام ناظرین پر یہ اثر پڑتا ہے کہ کفتاً آپ حملہ کرتے اور ان کو تباہ و برباد کرنے کے لئے کسی وجہ اور سبب کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ ہی وجہ کافی ہے کہ وہ کافر ہیں۔ اس سے مخالفین یہ استدلال کرتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے۔ حالانکہ زیادہ چھان بین سے ثابت ہوتا ہے کہ جن قبائل پر فوجیں بھیجی گئیں وہ پہلے سے آمادہ جنگ تھیں اور مسلمانوں پر حملہ کی تیاریاں کر چکی تھیں۔

اب خدا خدا کر کے آپ کی علت و معلول کا مسئلہ جسکی تلاش کی بڑی تاکید فرمائی گئی تھی۔ روشنی میں آیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت عیسائی معترضین سے آپکی مرعوبیت اسکی علت و غایت تھی۔ اسلام پر ہمعصر کے محض مغویانہ اعتراض نے آپ کو حد سے زیادہ ہلا دیا ہے ہم آپ کو تسکین و یقین کامل دلاتے ہیں کہ وہ اپنی اس تعریض میں قیامت تک کامیاب نہیں ہو سکتے اسلام نے اول تو بے وجہ و سبب کسی پر ہاتھ اٹھایا نہیں۔ اور اس کا کوئی حملہ کوئی جنگ کوئی غزوہ صورت مدافعانہ چھوڑ کر مخالفانہ طریقہ سے واقع ہوا ہی نہیں۔ اگر یہ رہی اتنی صفائی پر بھی ہمارے مخالفین کو اپنی مغویانہ ضد پر اصرار رہے گا تو پھر ہمکو کہنا پڑیگا کہ اسلام جہاد کو بھی یہی ضرورتیں پیش نظر تھیں اور ان کے لئے بھی داعی اسلام اور مبلغ شریعت کے پاس یہی عذر تھے۔ جو موسیٰ۔ داؤد اور سلیمان علے نبینا و علیہم السلام کو اپنے زمانے کے جہادوں کے لئے اپنی دعوت و تبلیغ کیلئے وقت واقع ہوئے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اسلام بالصمصام کے جواب اعتراض کے متعلق آپ کو ابھی ابتدا سے حفظ ما تقدم کے سامان فراہم کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی ہے - مگر خیریت ہے کہ آپ نے یہ چند الفاظ لکھ کر کہ اس بات سے بچنے کے لئے کہ واقعات رائے سے مخلوط نہ ہو جائیں اور یہ کہ وہ (ارباب سیر و تاریخ) پاس پاس کے ظاہری اسباب پر نظر نہیں رکھتے - اہل سیرت کی طرف سے انکے اسباب وقوع نہ لکھنے کی وجہ و تفصیل بھی قلمبند کردی ہے - اس لئے مجھ کو زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں ہے -

لیکن میرے نزدیک شبلی صاحب کی اس تحریر میں اتنا اضافہ اور ضروری ہے کہ اہل سیرت جس قدر حالات و واقعات کی شرح و بیان کے ذمہ دار ہیں اسقدر اسباب و علل کے نہیں - اس بنا پر ان اقسام کی فرو گذاشت اگر کسی واقعہ میں ان سے ہو جائے تو قابل اعتراض نہیں ہو سکتی - اگرچہ ائمہ سیرت نے - جہاں تک ان اقسام کی کتابوں پر میری نظر ہے - سیرت کی کتابوں میں بہت کم ایسی فرو گذاشتیں کی ہیں - مگر تاہم سیرت کی تمام کتابیں ایسے خالی نہیں بتلائی جا سکتیں - مگر اب یہ اتنی بھی نہیں اور ایسی بھی نہیں ہیں کہ ان کو عیسائیوں کے مفتریانہ اعتراض اسلام بالسیف کا اصلی باعث سمجھا جاوے - یہ شبلی صاحب کا فخریانہ خیال اور مجہولانہ قیاس ہے - اہل سیرت سے زیادہ اہل حدیث اسکے جوابدہ ثابت ہوتے ہیں - کیونکہ غزوات کے حالات و واقعات میں اکثر مقامات پر راویان حدیث نے اغارہ کا لفظ استعمال کیا ہے جسکو سنکر معترضین کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ اعتراض کا حیلہ پا جاتے ہیں - زرقانی نے ذکر غزوہ ذی قرد میں ابن حجر کے یہ الفاظ مستعملہ ملاحظہ ہوں یحتمل فی طریق الجمع ان تکون اغارة عیینة علی اللقاح اور دوسرے مقام پر کان ممن الذین اغاروا عبد الرحمان ابن عیینہ - زرقانی ص ۱۷۱

محدثوں کی کتابوں میں غارہ اور اغارہ کے الفاظ دیکھ کر عیسائی موجنین پر دیوانہ وار ہوتے ہیں اسپ کا عالم طاری ہو جاتا ہے - اس سے بحث نہیں کہ وہ اسکے اصلی اور ابتدائی معنوں تک پہونچتے نہیں - لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان الفاظ کے ماسوا حضرات محدثین کی غیر مقید مرویات کی نقل و تحریر نے بھی مخالفین اسلام کو مختلف قسم کے اعتراض کا پورا موقع دیدیا ہے اور انھیں محدثوں کا اثر بعض بعض تاریخ و سیرت پر بھی پڑا ہے - لیکن ہم ان کی تفصیل کو یہاں بیان کرنا مناسب نہیں سمجھتے وہ اسوۃ الرسول میں اپنے اصلی مقامات پر بیان کی جائینگی -

حدیث و سیرت کے جداگانہ ماخذ ہیں

سیرت کی عدم صحت پر شبلی صاحب کے جو اعتراض جیسے بیجا تھے انکی حقیقت دکھلادی گئی یہ سب آپکا طومار ہے - جو آپ نے اپنے مجدد اور محقق عصر مشہور کرنیکی غرض خاص سے لکھ کر اپنے دیباچہ اور عنوان کی زینت قرار دی ہے اور ان تمام خامہ فرسائی کا ماحصل یہ ہے جیسا کہ ہم اوپر

لکھ کر بتلا آئے ہین کہ صحت بیان حدیث و سیرت ہی کیا تمام اقسام علوم و فنون کی جان ہے اور ہر علم و فن مین اس کا لحاظ و خیال لازم ہے۔ اگر صحت کا انتظام و التزام نہین ہے تو نہ حدیث ہی کی مرویات قابل استناد ہین اور نہ سیرت ہی کے واقعات لائق اعتماد۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ چونکہ علم حدیث سے علم سیرت ایک جدا گانہ علم خاص ہے۔ اس لئے دونون کے معیار صحت بھی جدا ہین۔ علم حدیث کی صحت کا تمام دارومدار علم رجال پر ہے اور حقیقتاً اس علم کی ایجاد کا افتخار اہل عرب کا اپنا تنہا اور خاص استحقاق ہے جس مین تمام اقطاع عالم کے اقوام و قبائل۔ عام اس سے کہ وہ ابتدائی جاہلیت مین اہل عرب سے پہلے ہون یا پیچھے۔ کوئی حصہ نہین پا سکتے۔ حقیقت مین سرزمین عرب ہی سے یہ کمال پیدا ہوا۔ وہین اس نے نشو و نما پائی۔ اور وہین سے اپنے تمام دنیا کو اپنے فیوض پہونچا کر مالامال کر دیا۔

اتنا لکھ کر ہم پھر اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہین۔ یہان تک بیان ہو چکا ہے کہ حدیثون کی صحت رجال تک محدود ہے۔ اور رجال حدیث خاص طور پر صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے طبقات تک بالکل محدود ہے۔ اور باعتبار تعلقات با زمانہ کے یہ طریقہ صحت صحیح اور قریب الواقع ہے۔ اسلئے کہ کتب حدیث عموماً آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد۔ اقوال اور احکام کی مجموعہ ہین۔ اس بنا پر ان اقوال کے حصول و دستیابی کا ذریعہ پہلے وہی حضرات ہون گے جو آنحضرت صلعم کی ملازمت اور مجالست کا شرف حاصل کر چکے ہون گے۔ انکے بعد دوسرے [illegible] وہ لوگ بھی لئے جائین گے جنلوگون نے اصحاب و انصار سے آنحضرت کے احکام و اقوال سنے۔ یہی حضرت طبقات علم الرجال مین تابعین کے نام سے مشہور ہوے تیسرے نمبر مین وہ لوگ آتے ہین جنھون نے تابعین سے حدیثون کو سن کر نقل کیا۔ یہ تبع تابعین کہلاتے۔

یہی رجال حدیث ہین۔ اور حدیث کی صحت بالکل انھین حضرات کی صداقت دیانت ذاتی پر موقوف ہے۔ علم سیرت کے واقعات بھی اگرچہ کسی شخص خاص ہی کے حالات و واقعات ہوتے ہین۔ اسلئے یقیناً بالکل صحیح اور فی الواقع ہوگا کہ سیرت کی صحت رجال کی صحت ہی کی محتاج ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ سیرت کے رجال۔ حدیث کے رجال کے ایسے اصول عقاید کی بنا پر کسی خاص قوم خاص فرقہ اور خاص مذہب تک محدود نہین ہین۔ حدیث کے رجال۔ صحابہ۔ تابعین اور تبع تابعین کے آگے تمام ہو جاتے ہین۔ اور کیونکر نہین ہو اسلئے کہ حدیث مین مذہبی احکام و ارشاد کے نصاب کی تفصیل و تشریح [illegible] ہوتی ہے اور اسی بنا پر ضرور ہے کہ اسکے رجال و رواۃ واقفین و ماہرین مذہب ہی ہو سکتے [illegible] دوسرے کیونکر ہو سکتے ہین۔ اگرچہ حدیثون مین بعض بعض [illegible] سیاسی اور معاشرت ملکی وغیرہ [illegible] کے احکام و حالات بھی پائے جاتے ہین

لیکن وہ سب مذہب کے ماتحتی اور ضمنی احکام میں - تاریخ و سیر کے معیار تک نہیں پہنچتیں -

علم سیرت اپنے رجال کو ان حضرات تک محدود نہیں رکھتا - اور کیون رکھتے؟ وہ واقعات ملکی اور حالات قومی لکھتا ہے - احکام مذہب لکھنا اُسکا کام نہیں - پھر مذہبی حضرات کا وہ کیون محتاج ہونے لگا - واقعات ملکی ہوں یا قومی - کسی پوری قوم کے حالات ہوں - یا اُس قوم کے کسی شخص واحد کے واقعات - وہ اُس ملک و قوم کے ہر آدمی کو - عام اس سے کہ وہ مذہبی خیال و اطلاع کا آدمی ہو یا نہ ضرور معلوم ہوں گے - ہاں - مذہبی احکام آئین اور نصاب کو البتہ وہی شخص بتلاسکیگا جو مذہب سے واقفکار ہوگا - اسی بنا پر اہل سیرت و تاریخ نے اپنے رجال تحقیق کو مذہبی شخص و واقفکار ہونے کے حدود خاص سے محدود نہیں کیا اور اپنے دائرۂ تحقیقات اور حصول واقعات کو اتنا وسیع کیا کہ اپنے ملک و قوم کے حالات و واقعات بھی - اگر اُن کو معتبر اور صحیح ذریعہ سے غیر ملک غیر قوم اور غیر مذہب والوں سے بھی ملے تو بلا تامل اُنھوں نے اپنی تالیفات و تصنیفات میں نقل کردیے ہاں نقل کرتے وقت اُن کو احتیاط صحت پر ضرور نظر رکھنی ہوتی ہے اور یہ یقین کر لینا ہوتا ہے کہ وہ بیان کنندہ سچا ہے اور قابل اعتبار - اور اُس کا بیان کردہ واقعہ اصلیت - مناسب اور فن سیرت و تاریخ کے مقرر کردہ معیار صحت کے مطابق ہوتا ہے -

سیرت سے خاص سیرت اسلامی یا سیرۃ النبیؐ سمجھنا غلطی ہے -

اب ان تمام شبہات و مغالطات کا جو اصلی باعث ہے - اور جسکی وجہ سے اکثر لوگوں کو بہت سے مقامات پر حدیث و سیرت کو بعض متحد اور قسم واحد ہونے کا شبہہ ہو جاتا ہے - اور بعض مقامات پر علم سیرت کو علم حدیث سے مستخرج و مستنبط ہونے کا دھوکا ہو جاتا ہے اور اکثر موقعوں پر سیرت کو حدیث کا تتبع یا روایات سیرت کو مرویات حدیث سے فروتر سمجھنے کی جو غلطی واقع ہوتی ہے ان سب کا اصلی باعث یہ غلط فہمی ہے کہ سیرت اسلامی یا سیرۃ النبیؐ کی تدوین و تالیف تک علم سیرت کے وسیع دائرے کو محدود سمجھا جاتا ہے - اور اس صنف خاص کی ایجاد و وضع - تدوین و تالیف کے زمانہ اور ایام کو علم اسماء الرجال کی طرح ظہور اسلام کے وقت سے قرار دیتے ہیں - حالانکہ صریح غلطی ہے - جو محض نظر و تحقیق کی کمی کے باعث عارض ہوئی ہے -

ہم اوپر لکھ کر بتلا آئے ہیں کہ علم سیرت من حیث العلم - عام اس سے کہ اہل عرب میں اسکا رواج اس کا مذاق جب نہ پیدا ہوا ہو - نہایت قدیم ہے - دیگر ممالک و اقوام میں اسکا رواج اور مذاق تاریخ عرب سے صدیوں پیشتر پایا جاتا ہے اسکی ابتدا کا زمانہ تحقیق سے توریت و انجیل کے درمیان ثابت ہوتا ہے - کیونکہ سب سے قدیم کتاب سیرت کے موضوع پر پولیسفوس یہودی کی ہے جسنے ولادت حضرت عیسیٰ سے تین سو برس پہلے لکھی ہے - اس بنا پر تدامت سیرت کا مسئلہ مسلم عام ہے پھر اس مسئلہ کے خلاف اُسکے بعد کے علوم و فنون کو اسا

سے قدیم سمجھنا دلیل بے عقلی ہے۔

اسی قدامت کی بنا پر جیسا کہ ہم تفریق حدیث و سیرت کے متعلق۔ اوپر بتلا آئے ہین کہ اگر کسی غیر مسلم عرب کے حالات اس وقت لکھے جائین تو ان ہی حدیثون کے استنباط کہان تک مدد دے سکین گے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بغیر استنباط احادیث کے اس غیر مسلم اہل عرب کے تمام حالات تیار و مرتب ہو جا سکتے ہین۔ تو کیا تالیف اس شخص کی سیرت نہ کہلائے گی۔ اور کیا اس کتاب پر توجہ اور اعتنا نہ کی جائے گی۔ اور کیا وہ ذرائع جو رجال حدیث سے نہین فراہم کیے گئے ہین۔ قابل اعتماد نہ سمجھے جائین گے۔ اگر نہین ہون گے تو بتلایا جاوے کہ یہود عرب اور نصارائے عراق کی سیرت لکھنے کی کیا صورت ہوگی۔

عرب کی قدیم سیرتین اور تاریخین دیکھیے۔ اُنکے موضوع اور نظام تالیف کو ملاحظہ کیجیے۔ حالانکہ یہ سب ظہور اسلام سے صدیون بعد کی تصنیفات اور کوئی دوسری کوئی تیسری اور کوئی چوتھی صدی ہجرت کی تالیفین ہین مگر سب مین عنوان بیان کم سے کم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے آغاز کیا گیا ہے۔ طبری۔ ابن سعد اور ابو الفدا اور ابن اثیر وغیرہ اکثر انشا لکھنے تو جناب آدم سے ابتدا کی ہے۔ اب غور کیجیے کہ اسلام سے اتنے پہلے کے حالات جمع کرتے ہین۔ انھون نے اسلامی حدیثون سے کہان تک استفادہ و استخراج کیا ہوگا۔ اور جب حدیثون سے ان حالات کا استنباط نہین کیا گیا تو ضرور ہے کہ غیر قوم و ملک کے لوگون سے جو موجود تھے۔ یا جنکے کلام و اقوال اُنکی قدیم کتابون مین محفوظ تھے۔ یہ واقعات و حالات سُنے گیے یا نقل کیے گیے۔ آج کل جو حالات تو اتنا ممکن نہین ہے اس سے کہ موجودہ اسلامی سیرتون کی تالیفات کے وقت غیر اقوام و مذاہب کے لوگ عرب مین بہت کم باقی رہے تھے۔ مگر ان نقل و تحریر کے کام کثرت سے ہوئے۔ لطف تو یہ ہے کہ وہ مصنفین انبیائے سابقین اور اقوام قدیم قبل اسلام کے حالات ہین لکھی گئی ہین۔ وہ بھی زیادہ تر انھین اور ایسے ہی لوگون سے ہین۔

ان مشاہدات مندرجہ بالا کے مقابلے مین۔ اگر ان رواۃ غیر اسلامی یا غیر رجال حدیث سے کام نہ لیا جاتا تو عرب کی تاریخ کا سلسلہ بھی نہ قائم ہوتا۔ اس لیے سیرت و تاریخ کے ان رواۃ و رجال کی بحث پر اتفاق ہو رہا ہو اور سیرت و تاریخ کے تمام پایۂ قبل اسلام ویسے ہی معتبر اور قابل استناد و اعتماد سمجھے گئے۔ اور جب تک یقین کیے جاتے ہیں جیسے حدیثون کی مرویات۔

اسلام کے علمی زمانے مین حدیث و سیرت کی باہم تحلیط۔

اب رہا سیرۃ النبی۔ سیرۃ الاکملہ۔ سیرۃ مصطفیٰ اور دیگر اسلامی تصنیفین کہ جن مین جنکے تمام واقعات و حالات مین علی الترتیب تاریخ مذہبی تحقیقات خاص طور پر شامل ہین اور ان مین سے زیادہ سیرۃ النبی کی ترتیب و تالیف ہین۔ مگر انکے بھی ابواب و فصول مین مثلاً ابتدا سے

تعلیم و تلقین دین - احکام نصاب فقہیہ وغیرہ وغیرہ کے بیان و تفصیل مین کتاب حدیث سے تفحص و تجسس لازمی اور ضروری ہے کیونکہ ان مضامین کے استخراج و استنباط کے لیے ان سے بہتر اور معتبر ماخذ نہین سکتے نہ اسکی صلاحیت سیرت مین ہے نہ اسکی جامعیت تاریخ مین -

باقی رہے غزوات - نظام ملکی و سیاسی - اصلاح و رفاہ قومی - انتظام فوجی و مالی مکارم اخلاق اور حسن معاشرت وغیرہ وغیرہ - ان تمام حالات و واقعات کے معتبر ترین ماخذ سیرت کی کتابین ہین - اسلئے کہ یہی امور ان کے خاص موضوع مین اور انھین کے خاص موضوع پر وہ مرتب کی گئی ہین شبلی صاحب سیرت کی ان خصوصیات کو اپنے دیباچہ مین اس عبارت و الفاظ مین لکھکر قبول فرما چکے ہین -

حدیث کی کتابون مین آنحضرتؐ کے حالات - اور اخلاق و عادات کے متعلق کثرت سے واقعات پائے جاتے ہین جو سیرت مین کافی مدد دے سکتے ہین تاہم ان سے تنہا ایک تاریخی تصنیف تیار نہین ہو سکتی - اسکے علاوہ ان مین تاریخی ترتیب بھی نہین -

مرویات سیرت و تاریخ اسی طرح حدیث مین داخل ہو گئین جو زیادہ تر ان دونون فنون کے باہمی تعلقات اور قربت پر مبنی ہین اسی بنا پر فن سیرت نے عالم اسلام مین ایک نئی اور علیحدہ صورت اختیار کر لی ہے - اور وہ یہ ہے کہ رجال سیرت بھی تریب تریب وہی ہین جو رجال حدیث ہین - اسلئے ایک محدث نے کسی احکام شرعیہ اور نصاب فقہیہ کے بیان کرنے کے ساتھ اسکے اسباب نزول - جائے نزول - وقت نزول اور ان تمام تعلقات واقعات کو بھی جمع کر دیا ہے جو اس حکم شرعیہ کے متعلق ایک ایسے راوی نے اس سے بیان کیا تھا جو رجال حدیث و سیرت دونون مین مشترک تھا -

اسی طرح تاریخ و سیرت کی کتابون مین بھی اگر احادیث سے کم کسی واقعہ کی تفصیل و بیان مین بھی حدیثون سے استخراج و استدلال کی ضرورت ہو جاتی ہے - اسلئے تاریخ و سیرت بھی احادیث کے اقتباسات و استنباطات سے خالی نہین رہی ہین - اسکا بھی وہی سبب ہے - راوی حدیث و سیرت - دونون کا رجال مشترک تھا - زیادہ تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام کے زمانہ تصنیفات و تالیفات مین - رجال درنہ اہ پر منحصر نہین - دونون اصناف فنون کے مصنفین علم سیرت کے بھی ویسے ہی ماہر تھے جیسے حدیث تفسیر اور فقہ کے عالم تھے - اہل سیرت و تاریخ امام حدیث و تفسیر بھی اور امام حدیث و تفسیر صاحب سیرت و تاریخ بھی تھے چنانچہ شبلی صاحب بھی اس مسئلہ کو تسلیم کر کے اکثر مقامات پر لکھتے ہین - ان مین سے بعض اعترافات انکے خاص الفاظ کیساتھ ذیل مین نقل کئے جاتے ہین -

ابن ہشام - نہایت ثقہ اور نامور مؤرخ و محدث تھے - دیباچہ ص ۱۷

طبری - اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال اور تفقہ اور وسعت علم کے معترف ہیں انکی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے - محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا میں کسی کو میں ان سے بڑھکر نہیں جانتا ص ۱۹

شعبی مشہور محدث ہیں - اکثر فنون میں کمال رکھتے تھے فن مغازی اور سیر میں ان کو اس درجہ فضیلت تھی کہ حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے تھے کہ گو میں ان غزوات میں بذات خود شریک تھا - مگر یہ (شعبی) مجھ سے زیادہ ان حالات کو جانتے ہیں - ص ۲۰

عبداللہ ابن جعفر ابن عبدالرحمن مخزومی - حدیث میں خاص پایہ رکھتے تھے - سیرت نبوی کے اکابر علما میں تھے - ابن سعد نے انکی شان میں یہ الفاظ لکھے ہیں ومن رجال المدینہ عالما بالمغازی رجال مدینہ میں علماے مغازی سے تھے ص ۲۲

ولید ابن مسلم القرشی - شام کے مشہور محدث نہایت قوی الحافظہ تھے - شام میں ان کے زمانے میں ان سے بڑا کوئی عالم نہیں تھا - تاریخ اور مغازی میں وکیع سے انکا درجہ بڑا سمجھا جاتا تھا - ص ۲۴

عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری ثقات محدثین میں انکا شمار ہے مزاج میں کسیقدر تشیع تھا ابن معین کہتے ہیں کہ اگر عبدالرزاق مرتد (تشیع کا معروف معاذ اللہ) بھی ہو جائے تب بھی ہم ان سے روایت حدیث ترک نہیں کر سکتے -

محمد ابن عیسیٰ ترمذی مشہور محدث ہیں - جنکی کتاب صحاح ستہ میں تیسرا درجہ رکھتی ہے سیرت نبوی میں انکا خاص رسالہ ہے - جس کا موضوع گذشتہ تصانیف سے الگ ہے -

ابو بکر احمد ابن خیثمہ البغدادی حدیث میں ابن حنبل اور ابن معین کے شاگرد تھے - اور تاریخ و سیر کے جلیل القدر عالم تھے تاریخ کبیر انھیں کی تصنیف ہے - ص ۲۵

انھیں رواۃ و رجال کی باہم تخلیط اور ان کے بیانات کی افراط و تفریط نے - اسلام کی علمی دنیا میں سیرت کے تمام انداز و صورت کو بدل دیا ہے اور حدیث تفسیر - مغازی اور فقہ کی روایات اور بیانات میں تاریخ و سیرت کے واقعات مل جل گئے ہیں اسلئے کہ انکے بیان و جمع کرنے والے دونوں فنون کے جامع تھے - اس باہمی تخلیط اور روایات تک نقل و تحریر کے عملدرآمد نے انکے امتیاز کو دشوار کر دیا ہے

مگر با ایں ہمہ واقفکاران فن - ان کے امتیاز و شناخت سے بے بہرہ نہیں وہ حدیث کو حدیث کی جا پر تفسیر کو تفسیر کے مقام پر - سیرت کو سیرت کی جگہ پر اور تاریخ کو تاریخ کے موقع پر پوری تحقیق کیساتھ جان کر اور پہچان کر کام میں لاتے ہیں اور انکے استفادات و اقتباسات کو انکے جائز اور مناسب مقامات پر مستعمل کرتے ہیں جو اسو وا قعی حدیثوں

سے قابل استخراج ہیں کتب حدیث سے لیے جاتے ہیں جو تفسیر سے قابل اندراج ہیں وہ کتب تفسیر سے۔ جنکا تعلق سیرت سے ہے وہ سیرت سے لیے جاتے ہیں اور جو تاریخ سے استنباط کی ضرورت رکھتے ہیں وہ کتب تاریخ سے مستنبط کیے جاتے ہیں۔

یہ شبلی صاحب کی خاص خودغرضانہ مختار رائے ہے کہ آپ صرف حدیث کے استفادات و اقتباسات کو دیگر کتب کے استخراجات و استنباطات کے مقابلہ میں کافی سمجھتے ہیں۔ اور یہی غرض مقصود خاص ہے کتب حدیث کو بلا دلیل و حجت تمام دوسری کتابوں پر ترجیح دیتے ہیں سب سے زیادہ آپ کی تنقید و تضعیف کی نظر سیرت پر ہے جس کو آپ اکثر اسماء الرجال کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ آپ ہر مقام پر بلا خیال مناسبت سیرت کو حدیث کے مقابلہ میں بے اعتبار اور ناقابل استناد ٹھہراتے ہیں۔ اور بلا قید و شرط ہر واقعہ و حال میں اس کے بیان و اعتبار میں حدیثوں سے فروتر قرار دیتے ہیں جسکی تنقید و تردید ہمارے مندرجہ بالا استدلال سے ملاحظہ ہو گئی۔ اب آگے اس غلط مختار کی صحیح توجیہہ بھی ملاحظہ ہو۔

ترجیح حدیث کی توجیہہ اور شبلی صاحب کے مدعا کی تائید

ہم اس طولانی بحث و استدلال کو۔ ترجیح حدیث اور اس سے شبلی صاحب کے غرض و مدعا کی توجیہہ اور کامل توضیح کے بیان پر تمام کرتے ہیں۔ شبلی صاحب نے تمام دیباچہ میں انواع و اقسام کی قلمکاریوں اور عجیب و غریب عبارت آرائیوں سے اس بحث کو لکھا ہے اور اپنی لفظی شان و شوکت سے۔ عوام الناس کو مرعوب کرنیکی حتے المقدور کوشش کی ہے۔ اب ایک شخص کا حقیقی فرض یہی ہے کہ وہ آپ کی اس علت کے اندرونی اور بیرونی اسباب و معلول اصلی کو تلاش کرے اور بتلائے کہ بالآخر آپ کی اتنی سعی و کوشش اور کد و کاوش کی کوئی وجہ اور سبب بھی محقق ہوتا ہے۔ تحقیق سے ثابت ہوجاتا ہے کہ اسماء الرجال اور سیرت و تاریخ کی کتابوں سے آپ کے خاطر خواہ مطالب نہیں نکلتے۔ اور ان کے مضامین۔ تفاصیل اور بیانات سے آپ کے ان مدعائے تالیف کی تصدیق پوری نہیں ہوتی۔ جنکی بنا پر اپنی سیرت موجودہ کا موضوع آپ نے قرار دیا ہے اور قائم کیا ہے۔ بلکہ سیرت و تاریخ سے ایکے بہت سے مدعا کی تردید و تکذیب لازم آتی ہے۔ بخلاف کتب سیرت و تاریخ وغیرہ کے کتب احادیث سے عموماً اور صحیحین شریفین سے خصوصاً قریب قریب آپ کے تمام مطالب و مقاصد تالیفی پورے ہوجاتے تھے۔ تمام سعی و کوشش اور کد و کاوش صرف اسی لئے تھی۔

اگرچہ اسوۃ الرسول ؐ کی عبارت نے سیرۃ النبی ؐ کے ہر ایسے غلط واقعہ کی اپنے مقام پر پوری تحقیق سے تنقید و تردید کردی ہے۔ جو ہمارے سلسلہ بیان سے علی الترتیب اور بالتدریج معلوم ہوتی جائے گی۔ مگر تاہم ذیل میں چند مثالیں لکھ کر ہم اپنے مہید مقدمون کی تکمیل و تائید کیے دیتے ہیں

تنقیص وکسر شان رسالت۔ عام اہل مکہ کی اجرت پر بکریان چرانا۔ خاصکر بخاری اور ابن ماجہ کے شیخ کی خاص مرویات ہین۔ سیرت وتاریخ مین اسکی تفصیل نہین۔ ابن سعد کے طبقات مین اسکی تنقیص روایت موجود ہے۔ احکام ومختار رسالت کا صحابہ کی راے ومشورہ کا ہمیشہ تبع ہونا خصوصیات محدثین سے ہے۔ اسلامی مورخ اور اہل سیرت اسکا بہت کم ذکر کرتے ہین اور اسپر استدلال نہین کرتے۔ انکی کتابون مین جہان کہین ان باتون کا مضمون ذکر ابھی گیا ہے۔ وہ مورخ ہونیکے ساتھ اونکے محدث ہونیکا اثر ہے۔ شرف صحابیت کے سنگ بنیاد رکھنے کی غرض خاص سے۔ اہل حدیث نے صحابہ کی وہ وہ خدمات اور انواع ایثار کے حالات لکھے ہین۔ جو سیرت وتاریخ کے مندرجات مین کہین نہین پاے جاتے۔ مثلاً ہجرت کیوقت حضرت ابوبکر کا خدمت رسالت مین اونٹ نذر کرنا یا کم قیمت (بقول شبلی صاحب) پر دینا۔ یا حضرت ابوبکر کو گھر سے بلاکر اپنے ہمراہ لینا احادیث کے خاص استنادات مین محدثین کے زیر اثر آئی ہوئی سیرتین اور تاریخین اول ان واقعات کو استدلالاً لکھتی ہی نہین۔ گر کبھی لکھتی ہین تو ویسے ہی معتبر حدیثون سے اسکی تنقیص اور خلاف روایتین بھی قلمبند کردیتی ہین۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اہل سیرت کا نہ ایسی حدیثون پر اعتبار ہے نہ انپر اون کا مختار۔ حضرت عائشہ کی افضلیت اور محبوبیت حضرات محدثین کا شغف خاص ہے محقق شبلی صاحب کی بھی جلد دوم ایسے ایسے شرمناک واقعات سے بھری پڑی ہے جن سے معاشرت رسولؐ پر بدنما الزام آتا ہے اور مخالفین اسلام کو حملات اور کافرانہ تعریض کے پورے موقع ملتے ہین۔ سیرتین۔ تاریخین عموماً انکا کہین ذکر بھی نہین کرتین۔ رسیحانہ کا واقعہ جس دریدہ دہنی سے بخاری نے کیا ہے کیا کسی سیرت اور تاریخ نے بھی اسکو لکھا ہے؟

نفس رسالت کے متعلق مثلاً ہم اتنے ہی انکشاف حقیقت کو کافی سمجھتے ہین اب ہم ذیل مین بنی ہاشم اور اہلبیت علیہم السلام کے متعلق عموماً اور حضرت علی مرتضیٰ نفس رسول علیہ السلام کی نسبت۔ استخفاف۔ احداث۔ استفادہ واقعات کی مثالین ذیل مین لکھتے ہین۔

مسئلہ تعمیم کی بناو تمہید آپ نے دیباچہ اور آغاز کتاب ہی سے خاصکر اسی سے شروع کردی ہے کہ بنی ہاشم کے تمام موروثی عظمت وحرمت اور خاندانی سطوت ووجاہت مکہ اور عرب کے قبائل واقوام کے ساتھ مخلوط ہوکر عام ہوجاے۔ اسی غرض ومدعا سے آپنے ممتازین بنی ہاشم کے حالات وواقعات کو اتنا مختصر کرکے دوتین سطرون سے زیادہ مین نہ لکھا حالانکہ سیرت وتاریخ مین ان حضرت مستقدمین بنی ہاشم کے ملکی اور قومی خدمات کے کارنامے نہایت شرح وبسط سے مرقوم ہین۔ مگر آپ نے انکو قابل اندراج نہ سمجھا۔ صرف محدثین کے مختصرات سے کام لیا جو قدیم الایام سے آپ کے ہمخیال اور ہم مذاق تھے

ان ممتازین بنی ہاشم کے خدمات کے ساتھ ان کے خصوصیات اور فضائل ومناقب کے اظہار واعلان

کو بھی قطعاً مرفوع القلم فرما دیا۔ اس بنا پر کہ ائمہ حدیث نے انکو بیان نہین کیا۔ مگر انھین محدثین نے حدیثون کی تالیف کے بعد جب تاریخون کی تدوین کی تو قصی کے وقت سے ہاشم مرحوم کے عہد تک ہر بزرگ کے تمام خطبات اور مناقرات ایک ایک کر کے نقل و قلمبند کئے ہین جن مین ان حضرت نے تمام قبائل و اقوام حجاز کے مجمع اور جلسہ مین اپنے حقیقی اور اصلی خطاب اہل بیت اور سید القریش سے مخاطب ہونے کے اظہار و اعلان فرمائے ہین۔

حضرت علی مرتضیٰ اور اہلبیت رسول علیہم السلام کے خصوصیات اور خدمات کے متعلق جسقدر اسقاط اور استخفاف سے امکان و مقدار کے مطابق سیرۃ النبیؐ کے دونون جلدون مین پورا کام لیا گیا ہے مثلاً سبقت اسلام کے مسئلہ کا تصفیہ محض محدثین صحاح کے جانبدارانہ اور غیر اجماعی فیصلہ سے کیا گیا ہے سیرت اور تاریخ کی تمام کتابین اسکے خلاف فیصلہ سناتی ہین۔ لطف تو یہ ہے کہ محدثین کی ایک کثیر جماعت بھی انکے ہم آواز ہے حضرت علی کے غزواتی خدمات بدر۔ احد۔ خندق۔ خیبر۔ فتح مکہ۔ حنین۔ اور طائف۔ اور اسی طرح آپکے تمام تبلیغی خدمات جو عرب کے مختلف اقوام و قبائل کے ہدایت پانے اور اسلام لانے کے متعلق کتب احادیث مین (ابتداہی سے) نہایت مختصر اور چند الفاظ مین مندرج کئے گئے سیرت و تاریخ انکے تفصیلی قصے ہین۔ واقعہ غدیر خم کا صحاح مین ذکر نہین ہے۔ سیرت و تاریخ مین پورا واقعہ تمام حقیقت اور اصلیت کیساتھ مفصل طور پر مرقوم ہے حضرت علی کی شراب خواری (معاذ اللہ) کا واقعہ کسی سیرت اور تاریخ مین نہین پایا جاتا۔ مگر سنن ابو داؤد مین جو آپ کے صحاح خمسہ مین شمار ہوتی ہے۔ اور آپ اسی کی سند منفرد اور روایت احاد سے اس اپنے تحقیق جدید کا اعلان کرتے ہین۔ ذکر ہو دستور ہے۔

ان مثالون سے ثابت ہو گیا کہ ان واقعات و حالات کے اسقاط و استخفاف کے ماخذ ہی کتب احادیث تھین اور انھین سے شبلی صاحب کا مدعا حاصل ہوتا تھا بخلاف انکے۔ سیرت اور تاریخ کی کتابین انکے مخاذن نہین تھین۔ اسلئے سیرۃ النبیؐ مین ان واقعات کی تفصیل تمام تر حدیثون کی کتابون سے کی گئی۔ اور اسی غرض و ضرورت سے ہر مقام پر ہر ممکن و ناممکن طریقہ سے حدیث کی ترجیح تاریخ و سیرت پر ثابت کرنیکی کوشش کیگئی مرویات حدیث کی یہان تک تائید فرمائی گئی کہ انکی روایات احاد بھی بالکل صحیح طریقہ سے قابل الاستناد بتلائی گئی۔ چنانچہ دیباچہ سیرۃ النبیؐ ص ۱۷ مین مرقوم ہے۔

> اگر ثقہ راوی نے کوئی واقعہ بیان کیا۔ تو گو قرائن اور قیاسات کے خلاف ہو۔ اور گو بظاہر عقل کے مطابق بھی نہ ہو۔ لیکن اس کی روایت قبول کیجائے گی (حدیث نحن معاشر الانبیاء کی تمہید ہے)
>
> دیباچہ ص ۱۷۔
>
> ...... روایت احاد کو موضوع کی اہمیت اور قرائن حال کی مطابقت کے لحاظ سے قبول

کرنا چاہیے۔ ص ۶۱

روایت احاد وہ ہے۔ جسکے سلسلہ اسناد میں کہیں ایک راوی پر مدار روایت ہو یعنی کوئی دوسرا راوی اس کا ساتھی نہ ہو۔ اس قسم کی تسلیم انکار اور یقینی و ظنی ہونے کے متعلق اہل فن کا اختلاف ہے معتزلہ روایات احاد کی تسلیم سے قطعی منکر ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ انکار روایت ہے ص ۵۹

(۴۳) **شبلی صاحب کا محض غلط دعویٰ اور اسکی تنقیح و تنقید** اصحاب حدیث کی بے سرائی کے سلسلہ میں شبلی صاحب نے ایک ایسا غلط دعویٰ کیا ہے جسکو اصلیت و واقعیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر آپ نے اپنے اس بے اصل دعوے کا وجود پایا ہوگا تو انہیں حدیث کی غیر مقید اور مصنوعات موضوعات ہے۔ ورنہ سیرت و تاریخ کی کتابوں میں۔ تو آپ کے اس دعوے کے بالکل مخالف اور معارض شاہد پائے جاتے ہیں۔ دیباچہ ص ۴۹ میں شبلی صاحب رقمطراز ہیں:۔

فن تاریخ و روایت پر جو خارجی اسباب اثر کرتے ہیں ان میں سب سے بڑا قوی اثر حکومت کا ہوتا ہے لیکن مسلمانوں کو ہمیشہ اس پر فخر کا موقع حاصل رہے گا کہ ان کا فن تلوار سے نہیں دبا۔ حدیثوں کی تدوین بنو امیہ کے زمانے میں ہوئی جنھوں نے پورے نوّے برس تک۔ سندھ سے ایشیا سے کوچک تک مساجد جامع میں آل فاطمہ کی توہین کی اور جمعہ میں منبر پر حضرت علی پر لعن کہلوایا (کہلوائی) سیکڑوں ہزاروں حدیثوں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوا ئیں۔ عباسیوں کے زمانے میں ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا عین اسی زمانے میں بلکہ ایک صدی بعد) محدثین نے علانیہ منادی کرادی کہ یہ سب جھوٹی روایتیں ہیں آج حدیث کا فن اس خس و خاشاک سے پاک ہے۔ مگر تاہم عقائد نسفی۔ مرقاۃ ملا علی قاری اور تاریخ الخلفاء سیوطی میں خلفاء تبع امیہ۔ از معاویہ۔ تا ولید۔ سب کے سب ائمہ اثنا عشر کی فہرست اور رسول اللہ کے وعدہ برحق کے متعدد سلسلہ میں داخل ہیں اور بنو امیہ بنی عباس (عباسیہ) جو فضل الاسد و جانشین پیغمبر تھے۔ وہی مستحق نظر آتے ہیں جبکہ انکو ہونا چاہیے تھا۔

ایک دفعہ ایک شاعر نے مامون الرشید کے دربار میں قصیدہ پڑھا کہ امیر المومنین۔ اگر تو آنحضرت صلعم کے انتقال کیوقت ہوتا تو خلافت کا جھگڑا اسرے سے نہ ہوتا۔ دونوں فریق تیرے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔ وہیں بھرے دربار ایک شخص نے اٹھکر کہا تو جھوٹ کہتا ہے۔ امیر المومنین کا باپ (حضرت عباسؓ جو عباسیوں کے مورث اعلیٰ ہیں) وہاں موجود تھا۔ اسکو کس نے پوچھا۔ مامون الرشید کو بھی اس گستاخانہ لیکن سچ جواب کی تحسین کرنی پڑی۔ دیباچہ ص ۴۹

ایک محق اصل کا مسکت جواب

افسوس ہے کہ شبلی صاحب کو ماموں الرشید کا یہ واقعہ تو یاد رہا مگر اوس کے باپ ہارون الرشید کے مونھ پر اور خصوصاً ایام حج میں ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے سامنے ایک حقیقی محق خلافت اور حق گوئے حقیقت کا یہ مقولہ کہ انا امام القلوب و انت امام الجسوم صواعق محرقہ (ہم قلوب کے امام ہیں اور تم جسوم کے امام ہو۔ (یعنی ہم اصلی امام ہیں اور تم جعلی) نہ یاد آیا۔ پورا واقعہ ابن حجر کی صواعق محرقہ میں ملاحظہ ہو۔

پھر دوسرے موقع پر جب ماموں کے باپ نے مدینہ منورہ میں زیارت رسول صلعم پڑھتے وقت یوں خطاب کیا السلام علیک یا رسول اللہ یا ابن عم۔ سلام ہو تم پر اے رسول اے میرے ابن عم۔ تو رسول اللہ کے اوسی حقدار اصلی اور قرابت دار حقیقی نے فوراً زیارت رسول صلعم ان الفاظ میں پڑھی السلام علیک یا ابت۔ اے میرے پدر بزرگوار آپ پر میرا سلام ہو۔ ابن خلکان اس کے بعد کا یہ عالم دکھلاتے ہیں۔ فتغیر وجه هارون الرشید ہارون الرشید کے چہرہ کا رنگ فق ہوگیا۔ یہ حقیقت کا روحانی اثر ہے۔

ماموں ہوں یا حضرت عباس۔ دونوں باعتبار استحقاق حقیقی کے بیکار تھے۔ پھر اوس شاعر دربار کے مبالغہ کا یا اوس کے معترض کی اوس غلط تعریض کا تردیدی جواب کیسے دے سکتے تھے۔ کیونکہ نہ حقیقت اُس شاعر کے بیان میں تھی اور نہ اوس معترض کی تعریض میں۔ لیکن یہاں۔ ماموں کے باپ ہارون کا اصلی محق سے سامنا تھا اور مقابلہ۔ اوس کی حق گوئی اور اظہار حقیقت نے ہارون کے مونھ کا رنگ اوڑا دیا۔ وہ اصلی محق۔ فرزند جعفر صادق ع حضرت امام موسی الکاظم علیہ وآلہ السلام تھے۔

مگر اب یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ ماموں نے اوس معترض کی بے ادبانہ تعریض کی بقول شبلی صاحب تحسین و آفرین کی۔ مگر اوس کے باپ ہارون نے اوس صاف گوئی راست گوئی کا کیا صلہ دیا۔ ابن خلکان لکھتے ہیں فحمله معه الى البغداد فحبسه بها ہارون اوس کو گرفتار کرکے اپنے ساتھ بغداد لے گیا اور وہاں جاکر قید کر دیا وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ وفیات الاعیان ابن خلکان میں بذیل تذکرہ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام پورا واقعہ ملاحظہ ہو۔

حقیقت میں شبلی صاحب نے بیکار اس تنقیح کا نمبر قایم کیا ہے۔ اور اس کے سلسلہ میں بے فائدہ ان مضامین کا ذکر کیا ہے۔ جو اون کے اغراض و مطالب کی توضیح و تنقیح کہاں تک کرینگے۔ اولٹے انھیں کی تردید و تکذیب ثابت کرتے ہیں شبلی صاحب نے چونکہ اس تنقیح میں مختلف مضامین سے اپنے

مدعا کی تائید کرنی چاہی ہے۔ اسلئے کہ ہم اون کے ہر بیان دعوے کی علیحدہ علیحدہ ذیل میں تنقید کرتے ہیں۔

(الف) پہلا دعویٰ یہ ہے کہ فن تاریخ و روایت میں جو خارجی اسباب اثر پیدا کرتے ہیں۔ اون میں سب سے بڑا اور قوی اثر حکومت کا ہوتا ہے لیکن مسلمانوں کو ہمیشہ اس کا فخر حاصل رہے گا کہ اون کا قلم تلوار سے نہیں دبا۔

یہ دعویٰ بالکل غلط ہے۔ اور قطعاً خلاف واقع۔ مشاہدات و واقعات اس کے خلاف و نقیض بتلاتے ہیں۔ عنوان عبارت ہی سے شبلی صاحب نے اپنی فنکاریوں کا فتح الباب فرمایا ہے۔ اور تنہا فن تاریخ و روایت ہی میں اسباب خارجی کے اثر کرنے کے متعلق سب سے بڑا قوی اثر حکومت کے اثر کو ٹھہرایا ہے۔ اور حدیث کا نام نہیں لیا ہے۔ اس لئے کہ عموماً حدیثیں اس کے اثر سے محفوظ سمجھی جائیں۔ اگر آپ کو اخفائے حقیقت شروع ہی سے مدنظر نہیں تھی تو آپ نے خوش نیتی اور پوری کشادہ دلی سے فن تاریخ و روایت کی جگہ صاف صاف لفظوں میں فن تاریخ و حدیث کیوں نہ لکھ دیا کہ آپ کا موجودہ دعویٰ واقعیت سے کسی قدر قریب ہو جاتا۔ مگر ہر بحث میں آپ کا پہلا مدعا تو یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص آپ کی نادیدہ قابلیت سے خواہ مخواہ مرعوب ہو جائے اور آپ کے تمام بے اصل استدلال و اقوال کو امنا و صدقنا کہہ کر قبول کر لے۔ حالانکہ آگے چلکر آپ ہی اپنے دست و قلم سے۔ روایت کی جگہ صاف صاف حدیثوں کی خرابی کو لکھ کر ان الفاظ میں دکھلانے لگے۔

> حدیثوں کی تدوین بنی امیہ کے زمانہ سے ہوئی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سیکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں۔" عباسیوں کے زمانہ میں ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں۔

کیا اب بھی روایت کے حدیث اور حدیث کے روایت ہونے میں کوئی شبہ رہ گیا۔ پھر شروع ہی میں روایت لکھنا اور حدیث کو چھپانا کس کام کا ثابت ہوا اور کیا فائدہ پہونچا سکا۔

مسلمانوں کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اون کا قلم تلوار سے نہیں دبا۔ اس کے متعلق خود آپ کے اعتراف، اصل روئداد اور حقیقت حال کو بالکل مخالف اور معارض ثابت کر رہے ہیں۔ دیباچہ صفحہ ۱۳ میں ایک علیحدہ عنوان اس عبارت کے ساتھ قائم کیا ہے کہ تصنیف و تالیف کی ابتدا سلطنت کی وجہ سے ہوئی۔ اس کے بعد مفصل ذیل عبارت حوالہ قلم فرمائی گئی ہے۔

صحابہ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں اگرچہ فقہ و حدیث کی نہایت کثرت سے اشاعت ہوئی۔ بہت سے درس کے حلقے قایم ہوئے لیکن جو کچھ تھا وہ زیادہ تر زبانی تھا۔ لیکن بنو امیہ نے حکماً علماء سے تصنیفیں لکھوائیں۔ قاضی عبدالبر نے جامع بیان العلم میں امام زہری کا یہ قول نقل کیا ہے کنا نکرہ کتاب العلم حتی اکرھنا علیہ ھؤلاء الامراء ہم لوگ علم کا قلم بند کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اس پر امراء نے ہم کو مجبور کیا۔ انھیں امام زہری کی نسبت دیباچہ ص ۱۵ میں تحریر کیا گیا ہے۔

امام زہری اس زمانہ کے اعلم العلماء تھے اور حدیث و فقہ میں انکا کوئی ہمسر نہیں تھا۔ امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں۔

آپ کے مندرجہ بالا دعوے کو آپکے ان خاص تحریری اقراروں کی عبارت سے ملایا جاوے تو صرف اسی موازنہ سے آپ کی دعوی کی بے اصلی اور بے سروپائی ثابت ہو جاتی ہے۔ ان کھلے کھلے لفظوں میں آپ اقرار فرماتے ہیں کہ حدیث کی تدوین بنی امیہ کے زمانہ ہی میں ہوئی۔ جنھوں نے سیکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں۔ اور یہ وضعی حدیثوں کی مشین بنی امیہ کے زمانہ سے لیکر بنی عباسیوں کے وقت تک کام کرتی رہی۔ اور اس کارخانہ میں بڑے بڑے کاریگر مشہور و معروف صناع و وضاع شب و روز کام کیا کرتے تھے۔ امام زہری۔ حدیث و فقہ کے اعلم العلماء بخاری کے شیخ الشیوخ۔ موجد حدیث کا قول آپ خود نقل کر چکے ہیں۔ کہ ہم تو علوم کا قلمبند کرنا پسند نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ امراء نے ہمیں مجبور کیا۔ اور اس قول زہری کے قبل اب خود معترفاً لکھ چکے ہیں کہ بنو امیہ نے حکماً علماء سے تصنیفیں کرائیں تو اب اتنے متواتر اقرار و اعتراف کے بعد کیسے کوئی سمجھ سکتا ہے کہ صرف تاریخ ہی پر حکومت کا اثر پہونچا اور حدیثیں اس سے محفوظ رہیں۔ حالانکہ آپ کے اقرار اور امام زہری کے اعتراف سے ثابت ہو گیا کہ سب سے پہلے احادیث ہی میں یہ مصنوعات و موضوعات داخل ہوئے۔

اگرچہ تحقیق سے ان مصنوعات و موضوعات کا زمانہ وفات رسول صلعم کے بعد ہی سے شروع ہو گیا۔ اور سخن معاشر الانبیاء رسیف من سیف اللہ۔ ہذہ امین الامۃ۔ وغیرہ انشاءاً۔ کثیر التعداد احادیث دار الاشاعت خلافت سے تیار ہو گئیں مگر بمصداق آنکہ۔ نزلہ بر ضعیف می ریزد۔ آپ ان مصنوعات کا زمانہ حکومت بنی امیہ کو قرار دیتے ہیں اور انھیں کو ان موضوعات کا اصلی واضع بتلاتے ہیں۔ تو خیر ہم آپ ہی کے مختار کو تسلیم کئے لیتے ہیں۔ زمانہ بنی امیہ ہی میں علماء سے حدیث کے اتباع

حکومت اور اطاعت سلطنت کی چند مثالیں آپ ہی کے اعترافات سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

زہری اور تعلقات شاہی امام زہری کی نسبت آپ لکھتے ہیں۔ یہ بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے کہ امام موصوف (زہری) سلاطین کے دربار شاہی سے تعلق رکھتے تھے۔ اور مقربین خاص میں داخل تھے۔ ہشام ابن عبدالملک نے بچوں کی تعلیم ان کے سپرد کی تھی۔

اس عبارت سے ثابت ہوگیا کہ امام زہری۔ اعلم العلما۔ حدیث و فقہ کے بے نظیر عالم امام بخاری کے شیخ الشیوخ سلطنت کے درباری تھے۔ سلاطین کے مقرب خاص سلطان وقت کے بچوں کی تعلیم دینے پر نوکر بھی تھے۔ کیا ایسے تعلقات۔ مصاحبت، مرافقت اور ملازمت کے ثبوت اعترافی کے بعد بھی کوئی صحیح العقل آدمی کہہ سکتا ہے کہ انکا قلم سلطنت کی تلوار سے نہیں بنا۔

دیگر علما اور تعلقات شاہی امام زہری کی حالت تو معلوم ہوئی۔ اب آپ کی تحریر سے دیگر علما و محدثین کے حالات ذیل میں ملاحظہ ہوں۔ بذیل ذکر حکومت عبدالملک ابن مروان مرقوم ہے۔

امیر معاویہ کے بعد عبدالملک ابن مروان ۶۵ھ ہجری میں تخت نشین ہوا۔ ہر فن میں علما سے تصنیفیں لکھوائیں سعید ابن جبیر (صحابی) جو اعلم العلما تھے۔ ان کو حکم بھیجا کہ قرآن کی تفسیر لکھیں۔ چنانچہ امام موصوف نے تفسیر لکھ کر بھیجی۔ جو کتب خانہ شاہی میں رکھی گئی۔ عطار ابن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے وہ انہیں کی تفسیر ہے۔ عطا کو خزانہ شاہی سے یہ نسخہ ہاتھ آگیا اور انھوں نے اپنے نام سے مشہور کیا۔ (دیکھو المیزان الاعتدال ذہبی)

حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا زمانہ آیا تو اونھوں نے تصنیف و تالیف کو زیادہ ترقی دی۔ تمام ممالک میں یہ حکم بھیجا کہ احادیث نبوی مدون اور قلمبند کی جاوے۔ سعد ابن ابراہیم جو بہت بڑے محدث اور مدینہ کے قاضی تھے۔ اون سے دفتر کے دفتر حدیثوں کے قلمبند کرائے اور تمام ممالک مقبوضہ میں بھیجے۔ علامہ ابن عبدالبر جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں عن سعد ابن ابراهيم قال امرنا عمر بن عبدالعزيز بجمع السنن فكتبناها دفترا دفترا فبعث الى كل ارض له عليها سلطان دفترا

سعد ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ ہمکو عمر ابن عبدالعزیز نے حدیث جمع کرنے کا حکم دیا۔ تو ہم نے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے عمر نے جہاں جہاں انکی حکومت تھی ایک ایک دفتر بھیجدیا۔

ابوبکر بن محمد بن عمر بن حزم انصاری۔ جو اس زمانہ کے بہت بڑے محدث اور مدینہ کے قاضی تھے۔ اور امام زہری کے استاد۔ ان کو بھی خاص طور پر احادیث جمع کرنے کا حکم بھیجا۔ (دیکھو الطبقات ابن سعد)

حدیث حضرت عائشہ کی مرویات میں ایک خاص حیثیت ہے۔ یعنی اون سے اکثر وہ روائتیں مروی ہیں جو فقہ وعقائد کے مہات مسائل ہیں۔ اس لئے عمر ابن عبد العزیز نے اون کی روائیتوں کے ساتھ زیادہ اعتنا کیا (اعتنا کی) عمرۃ بنت عبد الرحمن ایک خاتون تھیں۔ اونکو حضرت عائشہ نے اپنی آغوش تربیت میں پالا تھا۔ وہ بہت بڑی محدثہ اور عالمہ تھیں۔ تمام علما کا اتفاق ہے کہ حضرت عائشہ کی مرویات کا ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا۔ عمر ابن عبد العزیز نے ابو بکر بن محمد کو خط لکھا کہ عمرۃ کے مسائل وروایات قلم بند کر کے بھیجدیں۔ (بحوالہ تہذیب التہذیب ج ۲)

عاصم ابن عمر بن قتادۃ الانصاری۔ المتوفی ۱۲۱ھ کو حکم بھیجا کہ جامع مسجد دمشق میں بیٹھکر لوگوں کو مغازی اور مناقب کا درس دیں (دیباچہ سیرۃ النبی از صفحہ ۱۴ تا صفحہ ۱۵)

آپ کے خاص تحریر کردہ الفاظ صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ اتنے اکابرین دین اتنے اولین علما ومحدثین نے اونھیں سلاطین واضعین احادیث یعنی خلفاے بنی امیہ کے حکم وخواہش کے مطابق اس کثرت سے مرویات حدیث۔ سیرت اور مغازی کی تالیف وتدوین فرمائی جس سے حسب الاقرار سعد ابن ابراہیم۔ دفتر کے دفتر تیار ہوکر تمام ممالک اسلام میں ذائع وشائع کئے گئے۔ اور بقول آپ کے۔ ولید ابن یزید کے قتل کے بعد جب احادیث وروایات کا دفتر ولید کے کتب خانہ سے منتقل ہوا تو صرف امام زہری کی مرویات وتالیفات گھوڑے اور گدھوں پر لاد کر لائی گئیں۔

(بحوالہ تذکرۃ الحفاظ ذہبی۔ دیباچہ ص ۱۱)

جب شبلی صاحب کو خود معلوم ہے کہ اتنی کثرت سے احادیث ومرویات۔ واضعین بنی امیہ کے خاص زمانہ میں اور اون کے خاص حکم سے بن چکی تھیں۔ تب آپ نے پھر کیسے لکھنے کی جرأت کی کہ علما حدیث پر سلطنت کے خارجی اسباب کا اثر نہیں پڑا۔ یا اون کا قلم سلطنت کی تلوار سے نہیں دبا۔

اب یہ سوال تنقیح طلب ہے کہ جب شبلی صاحب کے مرقومہ بالا اتنے ثبوت وشہود سے ثابت ہوگیا کہ اس کثرت سے حدیثیں بنائی گئیں اور پھر اس قدرت وندرت کے ساتھ کہ (دورہ عباسیہ میں) ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیاں تیار کرائی گئیں۔ تو وہ حدیث بنانے والے زیادہ تر قابل الزام ثابت ہوتے ہیں یا حدیث بنوانے والے" جواب بالکل آسان اور صاف ہے وہی حدیث بنانے والے۔ جنہوں نے احکام رسول ؐ کو رضائے سلاطین کے مقابلہ میں وقف وقربان کردیا۔

یزید کو اجماع مہاجرو انصار کی مختار کے ساتھ ملاکر غور کیا جاوے تو فوراً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر فی الواقع یہ قول رسول ص تھا اور عبد اللہ ابن عمر نے اسکو آنحضرت ص سے سُنا تھا تو پھر اون باغیانِ مدینہ ۔ سرکشانِ کوفہ اور غدارانِ مصر کے سامنے اس حدیث کا کیوں اعلان نہ فرمایا۔ جنہوں نے حضرت عثمان سے خالی خلع بیعت ہی نہیں کیا بلکہ اون کو قتل بھی کر ڈالا۔ ابن عمر اوسوقت مدینہ ہی میں تھے ۔ اور باغیانِ عراق و مصر بھی مدینہ ہی میں پڑاؤ ڈالے تھے کئی ۔ روزوں تک ہفتوں تک حضرت عثمان اور جماعت باغیان میں خلع خلافت کے نئے سوال و جواب اور ردّ و کد مچی رہی ۔ مگر ابن عمر صاحب نے ایک دن بھی گھر سے باہر نکل کر باغیان کوفہ و مصر اور اہالیانِ مدینہ کو یہ حدیث سنا کر اور اون کی موجودہ حرکتوں کو بغاوت ٹھہرا کر متنبہ نہ فرمایا۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر کے نزدیک حضرت عثمان کا خلافت پر اصرار بیجا تھا اور ناحق ۔ اور رفقہاے باغیان و غدار کا اصرار جائز اور حق تھا ۔ اسی بنا پر اس حدیث کے اعلان و اشاعت اور باغیوں کی تنبیہ و موعظت نہیں فرمائی گئی۔

اس موقع پر آپ کا سکوت اس امر کا ثبوت ہے کہ آپ کے مجتہدانہ مختار میں خلافت عثمان ایسی واجب الاتباع للامّۃ نہیں تھی جیسی یزید کی سلطنت ۔ کیونکہ اگر خلافت حضرت عثمان میں بھی اتنی ہی اہمیت ہوتی ۔ تو حضرت عبد اللہ ابن عمر اس خلافت کے ساتھ غدر و بغاوت کرنے والوں کو بھی ویسے ہی باغی اور غدار ٹھہراتے ۔ اور عقاب و عذاب آلہی سے بھی اوسی طرح ڈراتے ۔ جیسا اس وقت یزید کی خلافت سے خلع و بغاوت کرنیوالوں کو باغی اور غدار ٹھہرایا گیا ہے۔

ابن عمر کی اسوقت کی خموشی اور اسوقت کی پرجوشی بے معنی نہیں تھی۔

حضرت ابن عمر کی اوسوقت کی خموشی اور اسوقت کی پرجوشی بے وجہ اور بلا معنی نہیں تھی ۔ آپ حمایتِ خلافتِ یزید کے معاویہ کیوقت ہی سے ذمہ دار ہو چکے تھے۔

تاریخ روضۃ الصفا جلد سوم کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔

معاویہ بعبد اللہ ابن عمر گفت کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را چوں گلہ گذارم کہ بے شبان باشد ازیں رو یزید را بولایت عہد برکشیدم و مرمان ہمہ امصار و بلاد او را پذیرفتند ۔ الا چند تن قریش

عبد اللہ ابن عمر سے معویہ نے کہا کہ ہم امت محمدیہ ص کو مثل گلہ بے شبان (چرواہے) کے کیسے چھوڑتے اسوجہ سے میں نے یزید کی ولیعہدی کا قصد کر لیا اور تمام شہروں کے لوگوں نے تقریباً اوسکی ولیعہدی کو قبول کر لیا ہے ۔ سواے چند قریش کے لوگوں کے ۔ اب تمنے اون کی (قریشیوں) مخالفت کے متعلق اپنی کیا راے قایم کی ہے

کنوں تو دریں مخالفت چہ اندیشدئی
عبداللہ گفت ہیچ میخواہی کہ تقدیم
امرے کُنی کہ فتنہ انگیختہ نشود و
خون مردم ریختہ نگردد و بر تو عصیاں نے
فرونیاید معاویہ گفت چرا نخواہم چنیں
امرے را دوست دارم عبداللہ
گفت سریر خود را نصب کُن و بر فراز
آں بنشیں تا من نخستیں بیایم و
با تو کنم بیعت بشرط آنکہ بعد از تو نصب
امامت باجماع باشد سوگند با خدا کہ
بعد از تو اگر اُمّت پیغمبر انجمن شوند و
غلام حبشی را بامامت برگزینند من
داخل شوم در آنکہ امت داخل شدہ اند
ایں بگفت و داخل سرائے خویش
گشت و در را بر روئے خویش و بیگانہ
فروبست و ہر کس از دوستاں عزم و
زیارت وے میکرد رخصت نمی داد

عبداللہ نے جواب دیا کہ جو امر آپ کرنا چاہتے ہیں وہ صرف ایسا ہونا
چاہیے کہ اوسکے باعث سے آدمیوں کی خونریزی نہ ہو اور ملک میں
فتنہ و فساد نہ پھیلے جس کی وجہ سے آپ پر ارتکاب عصیاں کا
اطلاق ہو۔ معاویہ نے کہا کہ میں ایسے امر کو خود پسند کرتا ہوں اور
کیونکر اس کے پسند کرنے کی خواہش نکروں گا۔ عبداللہ ابن عمر بولے
تو پھر آپ اپنی مسند امارت بچھائیے اور اوسپر جلوس فرمائیے۔ میں پہلا
شخص ہونگا جو حاضر دربار ہوکر آپ کی بیعت کرونگا۔ مگر اس شرط پر
کہ آپ کے بعد انعقاد امامت بقاعدۂ اجماع اُمت جاری ہو۔ خدا کی
قسم اگر آپ کے بعد اُمت رسولؐ کمیٹی کرکے ایک غلام حبشی کی
امامت پر بھی اتفاق کرلے تو میں اسی امر میں داخل ہوں گا۔ جسپر
امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ اتنا کہہ کر عبداللہ ابن عمر اپنے گھر
رخصت ہوگئے۔ گھر کے دروازے بند کرلئے۔ اور تمام احبا و اعزہ
سے ملنا جلنا موقوف کردیا۔ اگر کوئی شخص آپ کی زیارت کو آتا بھی
تھا تو اوسکو زیارت کی اجازت نہ دیتے تھے۔"

ہمکو حقیقتاً حضرت عبداللہ ابن عمر کے اس طرز عمل پر اعتراض کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے
کیونکہ یہ امر نہ ہمارا موضوع بحث ہے اور نہ مقصود استدلال۔ مگر ہم اتنا لکھکر ضرور بتلا دینے کے
مستحق اور ذمہ دار ہیں کہ عبداللہ ابن عمر کے اس سکوت نے معاویہ کے حصول مقاصد میں بڑی قوت
پہونچائی۔ اگر ان کے اس حسن خدمت کی زیادہ تحقیق کیجائے تو معلوم ہوجائیگا کہ عبداللہ نے اپنے اس
طریقہ عمل میں اپنے پدر بزرگوار کی تقلید اختیار فرمائی ہے۔ جنہوں نے اپنے ایام حکومت میں بنی امیہ
کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو پھر ساحل مراد تک پہونچا دیا تھا۔ اب اون کے بعد اون کے خلف الرشید نے
ولیعہدی یزید کے مسئلہ خاص میں اس سرگرمی سے تائید فرمائی کہ تمام ممالک اسلامیہ کی حکومت اگر ہمیشہ کیلئے
نہیں تو کم از کم سو برس تک بھی معاویہ و بنی مروانیوں کے لئے مستقل ہوگئی۔

عبداللہ ابن عمر خلافت یزید کے لئے شرط اجماع لگا کر قطعاً پھر گئے

روضۃ الصفا (ابن اثیر و ابن قتیبہ کا خلاصہ ہے) کی مندرجہ بالا عبارت سے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ ابن عمر صاحب نے خلافت یزید کو اجماع امت پر مشروط فرمایا تھا۔ مگر جب وہ وقت آیا تو آپ نے بلا انتظار اجماع و اتفاق امت جس خلوص اور حسن عقیدت سے یزید کی بیعت فرمائی ہے اوس کی کیفیت تاریخ ابو الفدا کی مفصلہ ذیل عبارت سے ثابت ہے۔

بویع بیزید بالخلافۃ لما مات ابوہ فی رجب سنۃ ستین ولما استقر یزید فی الخلافۃ ارسل الی عاملہ بالمدینۃ بالزام الحسین وعبد اللہ ابن الزبیر و عبد اللہ ابن عمر بالبیعہ فاما ابن عمر فقال ان اجتمع الناس علی بیعتہ فبایعتہ واما الحسین وعبد اللہ ابن زبیر فلم یبایعا فقال لہما ابن عمر اتقیا اللہ ولا تفرقا جماعۃ المسلمین

معویہ کے بعد یزید کی (شام میں) بیعت کی گئی اور جب خلافت پر وہ مسلط ہو گیا تو اوس نے عامل مدینہ کو لکھا کہ حسینؓ۔ عبد اللہ ابن زبیر اور عبد اللہ ابن عمر سے میری بیعت ضرور لیجائے۔ چنانچہ ابن عمر نے تو اسی وقت بیعت کر لی اور کہا کہ اگر لوگوں نے یزید کی بیعت پر اجماع کیا ہے تو میں بھی اوس کی بیعت کئے لیتا ہوں لیکن امام حسینؓ اور عبد اللہ ابن زبیر نے بیعت سے قطعی انکار کر دیا۔ اور بیعت نہیں کی۔ جب امام حسینؓ اور ابن زبیر نے یزید کی بیعت نہ کی تو ابن عمر نے ان دونوں صاحبوں سے کہا کہ تم لوگ خدا سے ڈرو اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ نہ ڈالو۔

عبداللہ ابن عمر کی اسوقت کی پرجوشی اور دوسرے وقت کی روپوشی

بیعت یزید کے وقت تو حضرت عبد اللہ ابن عمر کی خوش عقیدگی اور پرجوشی کا یہ منظر دکھلائی دیتا ہے اور بیعت علیؑ کے وقت آپ کی ناتوجہی۔ بے التفاتی اور کنارہ کشی کی خاص کیفیت۔ مروج الذہب مسعودی۔ اسد الغابہ جزری۔ اور تاریخ کبیر طبری کی مفصلہ ذیل عبارتوں میں ملاحظہ کیجائے۔

قعد عن بیعتہ جماعۃ عثمانیہ منہم سعد بن ابی وقاص وعبد اللہ ابن عمر وبایعا یزید بعد ذالک

اون کی (حضرت علی) بیعت سے ایک جماعت عثمانیہ نے کنارہ کشی اختیار کی جن میں سعد بن ابی وقاص وعبد اللہ ابن عمر بھی تھے۔ حالانکہ آگے چلکر ان دونوں صاحبوں نے یزید بن معاویہ کی بیعت کر لی مگر حضرت علی کی بیعت نہیں کی۔

تخلف عن بیعۃ جماعۃ من الصحابۃ منہم ابن عمر

اسد الغابہ میں ہے:- صحابہ کی ایک جماعت بیعت علی سے باز رہی اور اون میں ابن عمر بھی تھے۔

تاریخ طبری میں ہے:۔

بایع الناس علیا بالمدینه و تربص سبعة نفر فلم یبایعوه منهم سعد ابن ابی وقاص ومنهم ابن عمر (الیٰ ان قال) ولم یتخلف احد من الانصار لا بایع فیما نعلم۔

مدینہ میں لوگوں نے حضرت علیؑ کی بیعت کی لیکن سات آدمیوں نے تامل کیا اور بیعت نہیں کی منجملہ سعد ابن ابی وقاص اور عبداللہ ابن عمر بھی تھے اور جہاں تک تحقیق ہوا ہے انصار میں سے کسی ایک نے بھی حضرت علی کی بیعت سے تخلف نہیں کیا۔"

نہیں معلوم کہ عبداللہ ابن عمر صاحب کے دماغ میں خلافت علیؑ کے انعقاد کے وقت۔ اجماع امت کا ادب اوس کی حرمت اور قدر و منزلت۔ اوس شدت و عصبیت کے بعد جیسی کہ خلافت و امارت یزید کے وقت ثابت ہوتی ہے۔ پیدا ہوئی تھی یا نہیں۔ اگر اوسوقت بھی اجماع امت کی ایسی ہی اہمیت تھی تو پھر غدر و بغاوت کا فتویٰ عام جو خلافت یزید سے خلع و انکار کے متعلق تمام اہل اسلام کے لئے دیا گیا تھا اور جس کی بنا پر خاصکر امام حسین علیہ السلام اور ابن زبیر خدا کے عذاب سے ڈرائے گئے اور بیعت یزید کے لئے ذمہ دار اور جواب دہ بنائے گئے۔ وہی فتویٰ وہی حکم۔ اتباع اجماع کے متعلق۔ خلافت علیؑ سے انکار و خاموشی اختیار کرنے کے وقت اپنی ذات پر کیوں نہ لگایا گیا۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

اور اگر یہ خیال اوسوقت تک اون کے ذہن نشین نہیں تھا اور عین خلافت یزید کے وقت پیدا ہوا تو صحابہ۔ علما۔ محدثین۔ مفسرین اور فقہا کے لئے بھی طرز عمل۔ سلطنت کا حقیقی دباؤ اور اصلی لگاؤ ثابت ہوگا۔ اور شبلی صاحب کی اتنی بڑی مطول اور مفصل فہرست صحابہ محدثین میں۔ کم سے کم حضرت عبداللہ ابن عمر ہی پہلے صحابی اور محدث ثابت ہوتے ہیں۔ جنکا قلم سلطنت کی تلوار سے دبا ہی نہیں بلکہ حقیقتاً اوسی نوک شمشیر سے بنایا گیا۔

مگر نہیں۔ تنہا عبداللہ ابن عمر ہی ایسے صاحب قلم نہیں ثابت ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کے ایسے کثیر التعداد صاحبان علم و قلم ایسے ثابت ہوتے ہیں۔ جن کا علم ہمیشہ سطوت سلطنت سے دبتا رہا اور جن کا قلم کئی صدیوں تک شمشیر حکومت کی نوک سے برابر بنتا رہا۔ اس کی تفصیل علامہ مدائنی کی کتاب الاحداث کی مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

کتب معٰویة الی عماله فی جمیع الآفاق ان لا یجیزوا لاحد من شیعة علی واهل بیته شهادة وکتب الیهم ان انظروا من قبلکم من شیعة عثمان ومحبیه

معٰویہ نے اپنے ممالک محروسہ کے تمام عمال کو یہ فرمان شاہی لکھ بھیجا کہ حضرت علی اور اونکے اہلبیت کے کسی شیعہ کی گواہی نہ قبول کی جائے اور یہ بھی تاکیداً لکھ بھیجا کہ حضرت عثمان کے شیعہ اور اونکے اہلبیت کے ساتھ محبت رکھنے والوں کے اقوال برابر

واھل بیتہ والذین یرون فضائلہ و
مناقبہ فادنوا مجالسھم وقربوھم
واکرموھم واکتبوا الی بما یروی
کل رجل منھم واسمہ واسم ابیہ
وعشیرتہ ففعلوا ذلک حتی اکثروا
فی فضائل عثمان ومناقبہ لما کان
یبعثہ الیھم معویۃ من الصلوٰت
والکساء والحباء والقطائع ویفیضہ
فی العرب منھم والموالی فکثر ذلک
فی کل مصر وتنافسوا فی المنازل
والدنیا فلیس یجیٔ احد من الناس الا مار
عاملا من عمال معویۃ ولا یروی فی عثمان
فضیلۃ او منقبۃ الا کتب اسمہ وقربہ
وشفعہ فلبثوا بذلک حینا ثم کتب
الی عمالہ ان الحدیث فی عثمان
قد کثر وفشا فی کل مصر وفی
کل وجہ وناحیۃ فاذا جاءکم
کتابی ھذا فادعوا الناس الی
الروایۃ فی فضائل الصحابۃ والخلفاء
الاولین ولا تترکوا خبرا یرویہ احد من
المسلمین فی ابو تراب الا واتونی بمناقض لہ فی الصحابۃ
فان ھذا احب الی واقر لعینی وادحض لحجۃ
ابی تراب وشیعتہ واشد علیھم من مناقب
عثمان وفضلہ فقرئت کتبہ
علی الناس فرویت اخبار

قبول کئے جائیں اور ایسے جو لوگ حضرت عثمان کے فضائل و
مناقب بیان کریں انکو اپنی جلوت وخلوت میں قربت خاص کا
مرتبہ دیا کرو اور انکے اکرام کیا کرو اور انہیں سے جو کوئی جو کچھ
(فضائل عثمان و بنی امیہ) بیان کرے۔ ان میں سے ہر ایک
کے نام مع ولدیت اور قومیت لکھ بھیجو۔ چنانچہ ماتحتی عمال ان
مالک نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ فضائل و مناقب حضرت
عثمان میں کثرت سے حدیثیں جمع ہوگئیں اور معویہ نے ان
تمام اشخاص کو انواع واقسام کے صلہ جات۔ خلعت جبہ جات
اور اراضیات جاگیرات اور کنیز وغلاماں دے دیکر تمام عرب
میں انکو مالا مال کر دیا۔ پھر ایسے لوگ تمام دیار وامصار میں
پھیل گئے اور کثرت سے ہوگئے۔ اور ان عمال ان معاویہ میں
کوئی عامل ایسا نہیں چھوڑا جس نے معاویہ کے اس فرمان شاہی
کے خلاف کسی ایسے شخص کو جس نے حضرت عثمان کے فضائل و
مناقب میں روایت کی ہو، اور عاملین معویہ نے اس کو درجہ
قربت نہ دیا ہو۔ یا اس کا نام لکھ کر دربار معویہ میں اسکی سفارش
نہ کی ہو۔ یہی حالت برابر قایم رہی، تا اینکہ فضائل عثمان میں ضرورت
سے زاید حدیثیں تیار ہوگئیں۔ تو معاویہ نے اپنے عمال کو
دوسرا حکمنامہ اس مضمون کا لکھا کہ چونکہ فضائل عثمان میں حدیثیں
زیادہ ہوگئیں اور ہر بلاد واطراف امصار میں کثرت سے پھیل
گئیں۔ اس لئے بفور رسید حکمنامہ ہذا تم لوگ ان لوگوں (راویان
احادیث) کو بلا کر حکم عام دیدو کہ اب فضائل صحابہ اور خلفائے
سابقین کے متعلق حدیثیں مرتب کریں۔ اور رعیہ کو اس امر کی
فوراً خبر کرنے سے کسی وقت غافل نہ رہو کہ جب کوئی شخص
امت اسلام میں کوئی حدیث یا روایت ابو تراب (حضرت علیؑ)
کی شان میں بیان کرے تو اسی وقت اس کی مناقض حدیث

کثیرۃ وفی مناقب الصحابہ والخلفاء الاولین مفتعلہ لاحقیقۃ لھا وجد الناس فی روایۃ ما یجری ھذا المجری حتی اساروا بذکر ذالک علی المنابر والقی الی معلمی الکتاتیب فعلموا صبیانھم وغلمانھم من ذالک الکثیر الواسع حتی رووہ وتعلموا لا کما یتعلمون القران حتی علموا لابناتھم ونسائھم وخدمھم وحشمھم

صحابہ کی شان میں تیار کرلی جائے۔ کیونکہ یہ امر مجھکو سب سے زیادہ محبوب ہے اور اس سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہونچتی ہے۔ انکو بیان ابی تراب سے سخت منع کرو اور مناقب عثمان کے بیان کے لئے سخت تاکید کرو۔ الغرض یہ فرمان معاویہ پڑھکر سب کو سنا یا گیا اور لوگوں نے کثرت سے فضائل صحابہ میں ایسی ایسی حدیثیں تیار کیں جن کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ انہیں حدیثوں کو اُن لوگوں نے شارع عام پر اجراؤ اقرار کیا۔ یہاں تک کہ مسجدوں کے منبروں پر یہ حدیثیں بیان کی گئیں۔ اور معلمین نے انکو کتب درسیہ میں لکھکر لڑکوں اور جوانوں کو پڑھائیں اور از بر کرائیں اور پھر تو ان کی تعلیم کو اتنی ترقی ہوئی کہ یہ قرآن مجید کی تعلیم کے برابر ہوگئی اور مسلمانوں کی تمام لڑکیوں۔ عورتوں اور گھر کے غلاموں اور کنیزوں تک کو پڑھائی اور یاد کرائی گئیں۔

اِن شہود کثیرہ کے بعد بھی شبلی صاحب یا کوئی اور صاحب اونکے ہمخیال۔ ایسے دعوے کرنے پر جرأت کرسکتے ہیں کہ علما و محدثین کا قلم شمشیر سلطنت سے نہیں دبا۔ دیناکیا ان شواہد نے تو ثابت کردیا کہ اون کے قلم تلوار حکومت سے دبے ہی نہیں بلکہ ہمیشہ شاہی تلوار کے پھلوں اور نوکوں سے بنتے اور درست ہوتے رہے۔

علامہ مدائنی کی عبارت بالا سے اِن حضرات کی اجمالی کیفیت معلوم ہوئی۔ اسلئے ممکن ہے کہ کہا جائے کہ یہ اضعین حدیث محض معمولی۔ غربا۔ فاقہ مست اور شکم پرور طبقہ کے ادنی لوگ تھے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان میں سے چند ممتاز علما و فقہا کی مختصر کیفیت لکھکر حقیقت حال کا انکشاف کر دیا جائے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر صاحب کے تعلقات شاہی اوپر مفصل بیان ہوچکے ہیں۔ ہم ذیل میں اُن کے ہمسر ہموزن اور ہمپایہ صحابی و محدث حضرت ابی ہریرہ کے حالات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ ذہبی میں ہے۔

ابو ہریرہ معمولی آدمی تھے

وکان من اصحاب الصفہ فقیرا ذاق جوعا وفاقۃ ثم بعد

اصحاب صفہ سے تھے۔ مرد فقیر و مفلس تھے فاقوں اور بھوک کی شدتوں کا مزہ چکھے ہوئے تھے۔ پھر بعد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی حالت اچھی ہوگئی اور انہوں نے

النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم صلح حاله وكثر ماله وكان كثير التعبد والذكر ولی امرة المدینه وناب ایضا عن مروان فی امرتها وكان یمر فی السوق ویحمل الحزمة وقال ابن عبدالبر فی الاستیعاب فی حاله راضیا بشبع بطنه۔

مال کثیر جمع کر لیا۔ یہ بہت عابد تھے کثرت سے ذکر و وظائف کیا کرتے تھے۔ (زمانہ معاویہ میں) ایک بار والی مدینہ کے نائب مقرر ہوئے۔ بار دیگر اسی طرح مروان کے وقت میں نائب بنائے گئے۔ جب بازار میں نکلتے تھے تو ان کے سر پر بوجھ ہوتا تھا۔ امام ابن عبداللہ استیعاب میں ان کے حال میں لکھتے ہیں کہ یہ پیٹ بھر دینے سے راضی رہتے تھے۔

ابوہریرہ ذوجہت تھے اور مذبذب

سیرۃ حلبیہ میں علی ابن برہان الدین حلبی شافعی لکھتے ہیں:۔

ولما وقع القتال بین علی ومعاویه وكان ابو هریره یصلی خلف علی كرم الله وجهه ویحضر طعام معاویة وعند القتال یصعد علی التل۔

جب حضرت علیؓ اور معاویہ میں جنگ (صفین) واقع ہوئی تو ابوہریرہ کا طرز عمل یہ تھا کہ نماز حضرت علیؓ کے پیچھے پڑھتے تھے اور کھانا معاویہ کے دسترخوان پر کھاتے تھے اور جب لڑائی ہوتی تھی تو ایک ٹیلے پر چڑھ جاتے تھے۔

توثیق امام مدائنی صاحب کتاب الاحداث۔ حافظ ابوسعد سمعانی کتاب الانساب میں لکھتے ہیں

ابوالحسن علی ابن محمد بن عبد اللہ بن ابی سیف المدائنی مولی عبد اللہ ابن سمرۃ القرشی وهو بصری سكن المدائن ثم انتقل عنها الی بغداد فلم یزل بها الی حین وفاته وهو صاحب الكتب المصنفه روی عنه الزبیر ابن بكار واحمد ابن خیثمه والحرث ابن ابی اسامه قال یحیی ابن معین غیر مرۃ اكتب عن المدائنی كتبه وكان ابوالعباس یقول من اراد اخبار الاسلام فعلیه بكتب المدائنی توفی بها فی ذی القعده سنة اربع وعشرین ومائتین وكان عالما بایام الناس واخبار العرب وانسابهم عالما بالفتوح والمغازی وروایة الشعر صدوقا فی ذلك ذكره غیرہ انه مات فی سنة خمس وعشرین ومائتین وله ثلاث وتسعین ترجمہ ابوالحسن علی ابن محمد بن عبد اللہ بن ابی سیف مدائنی عبد اللہ بن سمرہ قرشی کے غلام تھے بصرے کے باشندہ تھے۔ شہر مدائن جا کر رہے تھے۔ پھر وہاں سے اٹھکر بغداد میں مقیم ہوئے اور پھر روز وفات تک یہیں رہے وہ صاحب تصنیفات کثیرہ ہیں۔ انسے زبیر ابن بکار، احمد ابن خثیمہ اور حرث ابن ابی اسامہ نے روایت کی ہے یحیی ابن معین نے ایکبار نہیں کئی بار لکھا ہے کہ کتاب مدائنی سے روایتیں نقل کرو۔ اور ابو العباس کہتے تھے جن لوگوں کا ارادہ ہو کہ اخبار اسلام لکھیں انکا فرض ہے کہ کتاب مدائنی سے لکھیں۔ مدائنی نے ذیقعدہ سنہ ۲۲۴ھ میں انتقال کیا۔ وہ ایام عرب، اخبار عرب اور انساب عرب کے پکے عالم تھے۔ اور فتوح، مغازی اور اشعار عرب کے بھی بڑے عالم تھے۔ اور ان علوم میں صدوق تھے۔ ابن ابی اسامہ کے علاوہ اور لوگوں نے انکا سن وفات ۲۲۵ھ بتلایا ہے اور عمر ترانوے (۹۳) برس کی لکھی ہے۔ المولف عفی عنہ

بیت المال میں خیانت کرچکے تھے۔ عقد الفرید۔ معجم الادبار اور معجم البلدان میں ہے۔

قال عمر لابی ھریرہ یا عدو اللہ وعدو کتابہ سرقت مال اللہ۔

حضرت عمر نے ابوہریرہ کو مخاطب کرکے کہا اے دشمن خدا و دشمن کتاب خدا تو نے مال خدا میں چوری کی۔

جھوٹی حدیثیں بناتے تھے۔ صحیح بخاری کتاب النفقات باب وجوب صدقہ اہل وعیال سے انکا کذب صریح پایا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ابوہریرہ سے منقول ہے۔

قال قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل الصدقۃ الی ان قال افقالوا یا اباھریرہ عن لفظ ابوالقاسم رسول اللہ قال لا ھذا من کیس ابوھریرۃ

ابوہریرہ نے کہا کہ فرمایا جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ افضل صدقہ وہ ہے۔ (تا آخر حدیث) لوگوں نے ان سے پوچھا کہ اے ابوہریرہ کیا رسول خدا صلعم نے ان ہی الفاظ سے کہا ہے تو کہا کہ نہیں۔ یہ ابوہریرہ کی دانائی ہے۔

وضع حدیث کیلئے حضرت عمر نے انکی تادیب فرمائی۔ زمانہ رسول اللہ صلعم ہی سے حدیث سازی کی علت میں یہ مبتلا تھے۔ چنانچہ اسی بنا پر خاص عہد رسولؐ میں حضرت عمر نے حدیث من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ کے اعلان کرنے پر ان کو مارا تھا۔ (صحاح وغیرہ)

حدیث سازی بعد عہد رسول صلعم۔ پھر حضرت عمر نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اسی حدیث سازی کے جرم میں ابوہریرہ کو بار دیگر مارا اور فرمایا کہ آیندہ ایسی حدیثیں بیان کروگے تو جلاوطن کردئے جاؤگے۔

(رسالہ اثر ابن عباس از مولوی عبدالحی لکھنوی)

حضرت علی کی تنقیص شان میں جھوٹی حدیثیں معاویہ کے حکم سے بنائیں۔ شرح نہج البلاغت ابن الحدید معتزلی سے ثابت ہے کہ ابوہریرہ اور سمرہ بن جندب صحابی سرکار معاویہ میں خاص حدیث سازی پر مامور تھے۔ اور اسی زمانے میں۔ ابوجہل کی بیٹی سے ارادہ نکاح پر حضرت علی سے پیغمبر خدا صلعم کی بیزاری والی حدیث بنائی گئی اور اسی طرح وہ حدیث بنائی گئی جو بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت علی سے نماز تہجد کے لئے فرمایا اور انہوں نے اُنکے ادا سے انکار کردیا۔

حضرت عائشہ برگشتہ خاطر تعریفیں۔ امام حاکم مستدرک میں ذیل کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

عن عائشہ دعت ابوھریرۃ فقالت یا اباھریرہ ما ھذہ الاحادیث التی بلغنا انک تحدث بھا عن النبی ھل سمعت الا ما سمعنا وھل رأیت

حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ میں نے ابوہریرہ کو بلاکر پوچھا کہ اے ابوہریرہ کیسی حدیثیں ہیں جو ہمکو پہونچی ہیں کہ تم رسول اللہ صلعم سے منسوب کرتے ہو۔ حالانکہ تجھے وہی سنا جو ہم نے سنا اور تم نے وہی دیکھا جو ہم نے دیکھا۔ ابوہریرہ نے کہا کہ اے اماں جان

ما رائینا قال یا اماہ انہ کان یشغلک عن رسول اللہ صلعم المرءۃ والمکحلۃ والتصنیفہ لرسول اللہ صلعم والی واللہ ما کان عنہ شی وھذا حدیث صحیح لم یخرجاہ الشیخان۔

آپ کو آئینہ و سرمہ دانی اور بناؤ سنگھار (احادیث رسولؐ سُننے سے) باز رکھتا تھا۔ جو تم رسول اللہ صلعم کے لئے کیا کرتی تھیں۔ اور خدائے سبحانہٗ تعالیٰ کی قسم مجھکو کوئی چیز مانع نہیں تھی۔ امام حاکم کا بیان ہے کہ یہ حدیث یعنی واقعہ مکالمہ حضرت عائشہؓ و ابوہریرہ صحیح ہے۔ مگر اس کو شیخین (بخاری و مسلم نے) نے نہیں لکھا ہے۔

ابوہریرہ کی کثرت حدیث

ظاہر ہے کہ ابوہریرہ ۷ھ ہجری میں مسلمان ہوئے۔ ان کے اسلام لانے کے بعد جناب رسول خدا صلعم کل تین برس تک زندہ رہے۔ پس اس اتنے قلیل عرصہ کی صحبت میں جتنی حدیثیں ابوہریرہ سے مروی ہیں۔ اتنی نہ شیخین سے مروی ہیں نہ حضرت علیؑ سے۔ مقام غور ہے کہ حضرت علیؑ جناب رسولخدا صلعم کے ساتھ تقریباً تیس سال رہے۔ ان سے کُل ۵۱۰ احادیث مروی ہیں اور ابوہریرہ سے پانچہزار (۵۰۰۰) اور بعض نے ابوہریرہ کے صرف راویوں کی تعداد پانچہزار بتلائی ہے تو احادیث کا کیا شمار ہو سکتا ہے۔"

ابوہریرہ کی کثرت حدیث پر شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کا سخت تعجب

کتاب قرۃ العینین میں شاہ ولی اللہ صاحب۔ ان کی کثرت حدیث پر ذیل کے کلمات تعجبانہ مندرج فرماتے ہیں۔

از عجائب آنست کہ مثل ابوہریرہ کہ صحبت او بہ آنحضرت قلیل و قلتہ بہ پایہائے او بسیار فزوں سیت را وورمذہب ما از وپنجہزار حدیث روایت کردہ اند و ثقاۃ آنرا از و یاد گرفتہ۔ حضرت مرتضیٰ با وجود محنت دائمہ و کمال فقاہت و تمام حفظ انضمام استماع از صدیق و فاروق و بسیارے از حدیث تا مسموعات خویش و عدم مانع از روایات کہ عبارت از قلت بقاء است بعد آنحضرت صلعم کہ در صدیق بودہ است باشتغال بہ امور ناس در تمام عمر۔ چنانچہ در فاروق بودہ است با قلت اشتغال در مسائل فقہیہ چنانچہ در طلحہ و زبیر بودہ مدت دراز در مدینہ باشد

یہ عجیب بات ہے کہ بہت کم مدت تک ابوہریرہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں رہے۔ اور علی مرتضیٰؑ سے علم میں بہت کم درجہ رکھتے تھے باایں ہمہ ارباب فضل و کمال نے اس سے پانچہزار احادیث نقل کیں اور علی مرتضیٰ کہ عالی درجہ کے عالم تھے اور صاحب علم علاوہ برآں ابوبکر و عمر کی صحبت میں مدت دراز رہ چکے تھے۔ اور مثل شیخین مہمات ملکی معاشرت رعایا و انتظام سلطنت کا بھی ان سے کوئی تعلق نہیں تھا اور مدینہ منورہ میں محض بلا تعلقات بیکار رہا کرتے تھے۔

باایں ہمہ آزادی و فارغ البالی ایک حدیث کا پتہ نہیں چلتا جو اہل حدیث نے حضرت علیؑ سے نقل کی ہو۔ البتہ جب آپ کوفہ میں آئے وہاں نقل حدیث میں مصروف ہوئے مگر بہت کم وہ

درایت نکنند و مرداں از روے حدیث و یادگیر ندانہ او ہیچ مسئلہ۔ بازدر کوئہ چوں روایت کند حدیث او تا پانصد نرسد و آں نیز مختل گردد و بشرط صحت نرسد الا قلیلے	بھی پانچ سو حدیثوں تک۔ اس سے زیادہ پتا نہیں چلتا۔ پھر وہ بھی مختل اور غیر منظم و بے اعتبار محض جس سے کوئی اصولی مسئلہ ماخوذ نہیں۔

قرۃ العینین ص ۲۰۹

افسوس۔ شاہ صاحب صرف تعجب ہی فرما کر رہ گئے اور ابوہریرہ کی وضع حدیث کی کوئی تنبیہہ و سزا تجویز نہ فرما گئے۔ مشکل تھا۔ صحابیت کا قدم درمیان تھا۔ کلہم عدول کا غلط اصول پیش نظر تھا۔ ابوہریرہ سے کثیر التعداد حدیثیں ایسی بھی تو نہیں۔ جن پر خلافت اور صحابیت کے ارکان عقائد قایم تھے۔ اسلئے ان کے قطعی انکار سے تو نظام عقاید متزلزل ہوجاتے۔ اس بنا پر شاہ ولی صاحب نے صرف اظہار تعجب فرما کر طریقہ کف اللسان اختیار فرمالیا اور خاموش ہو رہے۔ مگر خدا جانے کیا وجہ ہوئی کہ امام اعظم حضرت ابوحنیفہ کو ابوہریرہ کی ان حرکات پر کیوں اتنا غصہ آگیا کہ انھوں نے بلارعایت صحابیت و بغیر لحاظ اصول کلہم عدول۔ ان کے قطعی متروک الحدیث اور ناقابل روایت ہونے پر عام فتویٰ دیدیا چنانچہ اعلام الاخبار کفومی کی مفصلہ ذیل عبارت سے ثابت ہوتا ہے۔

قال ابوحنیفہ لاصحابہ اترکوا قولی بقول الصحابہ الا بقول الثلاثہ منھم ابوھریرہ وانس ابن مالک وسمرہ ابن جندب	ابوحنیفہ نے اپنے اصحاب سے کہا کہ قول صحابہ کے مقابلہ میں میرے قول کو تم لوگ ترک کردو۔ سوائے تین صحابی کے اقوال کے مقابلہ میں پہلے ابوہریرہ۔ پھر انس ابن مالک اور سمرہ ابن جندب۔

وضع حدیث کا آخر نتیجہ حضرت ابوہریرہ کو حدیث سازی کے صلہ میں دربار امیر معاویہ سے جو کچھ اور جتنا کچھ ملا ہو۔ وہ معاویہ صاحب جانیں یا خود ابوہریرہ صاحب۔ مگر عام اہل اسلام اور علمائے کرام نے ان کو جو انعام و خطاب دیا وہ امام ذہبی کی میزان الاعتدال ص ۳۷ میں ان الفاظ کے ساتھ لکھا ہے۔

عن عثمان مقسم ان ابوھریرۃ کاذب	علامہ عثمان مقسم دمیری کہتے ہیں کہ ابوہریرہ کاذب ہے۔

نہ سلطنت کے ساتھ ہیچ ہوجاتے نہ اس نوبت کو پہونچتے۔ حضرت ابوحنیفہ کے فتوے کے مطابق ابوہریرہ کے ساتھ۔ دو اور صحابیوں کی مجہولیت بھی ثابت ہوگئی۔ ایک صاحب تو سمرہ بن جندب ہیں دوسرے صاحب انس ابن مالک۔

ہم اس سے زیادہ حضرات صحابہ کی حقیقت کا انکشاف کرنا پسند نہیں کرتے۔ سلسلہ بیان میں طوالت ہوتی جاتی ہے۔ رسالہ الآل والاصحاب دفتر اصلاح۔ کھجوہ ضلع سارن سے چھپکر ملک و قوم کے ہر طبقہ اور

گوشہ میں شائع ہوچکا ہے۔ جن حضرات کو تحقیق حالات صحابہ کرام منظور ہو۔ اور وہ کسی وجہ سے عربی کتب رجال وسیرت کے تفحص و تجسس سے مجبور ہوں۔ وہ اس رسالہ سے بہت کچھ مستفیض ہوسکتے ہیں۔

بحث مجہولیت کے خاتمہ پر ہم علامہ ابن ابی الحدید معتزلی شارح نہج البلاغت کی عبارت ذیل میں نقل کردیتے ہیں۔ جس میں علامہ موصوف نے چند صحابہ اور تابعین وضاعین حدیث کے نام بتلائے ہیں۔ عبارت یہ ہے۔

ان معوية وضع قوما من الصحابه وقوما من التابعين على رواية اخبار قبيحة فی علی تقتضی الطعن فيه والبراءة منه وجعل لهم على ذلك جعلا يرغب فی مثله واختلقوا ما ارضاه منهم ابو هريرة وعمرو بن عاص والمغيرة بن شعبة ومن التابعين عروة بن الزبير

معاویہ نے صحابہ میں سے ایک قوم کو اور تابعین میں سے ایک قوم کو حضرت علی کی شان میں روایات قبیحہ بنانے کیلئے مقرر کیا۔ جن روایتوں سے آپ کی شان کی تنقیص ہو اور جن سے آپ کے ساتھ برات ظاہر ہوتی ہو۔ اوس کی خواہش کے مطابق بہت سے ایسے جعل بنائے گئے۔ جو لوگ اس کام پر خاص طور پر مامور تھے۔ وہ صحابہ میں سے ابوہریرہ۔ عمر عاص اور مغیرہ ابن شعبہ اور تابعین میں عروہ ابن زبیر تھے۔

تابعین میں واضعین حدیث مرقومہ بالا شواہد سے ہم نے صحابہ کرام کے طبقہ میں چند بزرگوں کے حالات بالاختصار لکھ دیئے جن پر وضع حدیث کا الزام قطعاً ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم تابعین کے حلقہ سے چند بزرگوں کے حالات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

امام زہری ان بزرگ کے تعلقات سلطنت کی نسبت ہم شبلی صاحب کی اعترافات سے کافی طور پر اوپر لکھ آئے ہیں۔ جس سے زائد تفصیل کی ضرورت نہیں۔ لیکن مزید اطمینان کے لئے شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کی وہ تحریر جو شاہ صاحب نے شرح مشکوۃ شریف کے رجال کی نسبت قلمبند فرمائی ہے اوس میں امام زہری کے متعلق مفصلہ ذیل الفاظ و عبارت درج ہیں۔

يقال انه اي الزهري يبتلى بصحبت الامراء واقامات الدنيا لضرورات الحرفت لاحطاء والزهاد يأخذون عليه وينكرون ذلك منه وكان يقول انا شريك فی خيرهم دون شرهم فيقولون الا ترى ما هم فيه وتسكت

زہری بوجہ قلت دیانت ضروریات امرار (خلفائے بنی امیہ) کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ اونکے ہمعصر علما و زہاد نے اون سے ترک تعلق کیا اور معترض ہوئے کہ تم سلاطین و امرار کیساتھ اختلاط سے معاشرت رکھتے ہو تو جواب دیا کہ میں اونکے امور خیر میں شریک ہوں اور متاثر شر سے بچا ہوں اسپر علما نے کہا کہ اون کی صحبت میں رہ کر امور مکروہات کا دیکھنا اور اسپر سکوت اختیار کرنا۔ یہ جرم کیا کم ہے۔

انھیں کے ہم خیال اور ہمکلام - زبیر ابن عروہ - اسحق ابن راہویہ - شیبت ابن ربعی - عمران ابن خطبان وغیرہم ایک کثیر التعداد جماعت - وضعی حدیثوں کی صناعت میں شب و روز مشغول و مصروف تھی - ان کی وضعی حدیثوں کی ایک مختصر سی فہرست ہم ذیل میں مندرج کرتے ہیں جس سے حقیقت کا پورا انکشاف ہو جاتا ہے -

پہلا راوی حدیث	دوسرا راوی حدیث	مضمون اصل حدیث	ترجمہ حدیث
عروہ ابن زبیر	زہری	روی الزھری عن عروۃ ابن زبیر قال حدثنی عائشۃ قالت کنت عند رسول اللہ صلعم اذ اقبل العباس و علیؓ فقال یا عائشہ ان ھذین یموتان علی غیر ملّتی او قال دینی	زہری عروہ ابن زبیر سے بیان کرتے ہیں کہ عروہ کا بیان ہے کہ ہم سے عائشہؓ نے کہا کہ ہم ایک بار رسول اللہ صلعم کے پاس تھی کہ سامنے سے عباسؓ اور علیؓ آتے ہوئے دکھلائی دئے تو آنحضرت صلعم نے مجھ سے کہا کہ اے عائشہ یہ دونوں میری ملت کے سوا دوسری ملت پر مرینگے بعض کا قول ہے کہ ملت کی جگہ دین فرمایا گیا تھا۔
زہری	عبد الرزاق	روی عبد الرزاق عن معمر قال کان یقول عند الزھری حدیثان عن عروۃ عن عائشہ فی علی فسألتہ عنھما یوماً فقال ما تصنع بھما و بحدیثھما اللہ اعلم بھما انی لاتھمھما فی بنی ھاشم قال فاما الحدیث الاوّل فقد ذکرناہ واما الحدیث الثانی فھو ان عروۃ تزعم انّ عائشہ قالت کنت عند النبی اذ اقبل العباس و علی فقال یا عائشہ ان سرّک ان تنظری الی الرجلین من اھل النار فانظری الی ھذین قد طلعا فنظرت فاذا العباس و	عبد الرزاق معمر سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ کہتے تھے کہ زہری کے پاس عروہ کی زبانی عائشہ سے حضرت علی کی نسبت دو حدیثیں ہیں - میں نے ایک دن زہری سے ان دونوں حدیثوں کو پوچھا تو انھوں نے کہا کہ انکو نہ لکھنا اور نہ بیان کرنا - انکا حال خدا کو معلوم ہے - کیونکہ ان دونوں میں بنی ہاشم پر اتہام ہے - ایک تو وہی حدیث ہے جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور دوسری یہ ہے جیسا کہ عروہ کا زعم ہے کہ عائشہ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں ایک دن رسول خدا صلعم کے پاس تھی کہ آپ نے مجھ سے بطور راز فرمایا کہ اگر تم اہل دوزخ کو دیکھنا

		علی ابن ابیطالب	چاہو تو ان دونوں کو دیکھ لو اس کے بعد فوراً ہی دو آدمی آتے ہوئے معلوم ہوئے وہ عباس اور علی ابن ابی طالب تھے۔
عمر ابن عاص	بخاری و مسلم	اما عمر عاص فروی عنه الحدیث الذی اخرجه البخاری و مسلم فی صحیحهما مسندا و متصلا بعمر ابن عاص قال سمعت رسول الله ان ال ابی طالب لیسوا لی اولیاء انما ولی الله و صالح المومنین	بخاری و مسلم نے بسند متصل عمر عاص سے اپنی اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ عمر عاص کا بیان ہے کہ میں نے جناب رسولخدا صلعم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابی طالب کی اولاد میرے دوست نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ولی اللہ ہیں اور مومنین صالحین۔
ابوہریرہ ایضاً زہری	زہری مسور ابن مخرمہ	واما ابو هریرة فروی الحدیث الذی معناه ان علیا خطب بنته ابی جهل فی حیوة رسول الله فاسخط فخطب علی المنبر فقال لا هل الله لا یجتمع ابنة ولی الله وابنة عدو الله ان فاطمة بضعة منی یوذینی ما یوذیها فان کان علی یرید ابنة ابی جهل فلیفارق ابنتی ولیفعل ما یرید و کلاما هذا معناه الحدیث مشهور من روایة الکرابیسی قلت هذا الحدیث ایضا مخرج فی صحیح البخاری و مسلم عن المسور بن مخرمة عن الزهری و ذکره المرتضی فی کتابه المسمی بتنزیه الانبیاء	ابوہریرہ سے وہ روایت مروی ہے جسکے یہ معنی ہیں کہ حضرت علیؑ نے دختر ابی جہل کی خواستگاری کی۔ زمانہ حیات رسول صلعم میں۔ آنحضرت صلعم کو یہ امر بہت ناگوار گذرا اور آپ نے منبر پر چڑھ کر خطبہ میں ارشاد کیا کہ خداوند عالم کبھی اس امر کو پسند نہیں کرتا کہ ایک دوست خدا اور ایک دشمن خدا کی بیٹیاں باہم مجتمع ہوں۔ فاطمہ میری بضاعت ہے جس نے اسکو ایذا دی اس نے مجھکو ایذا دی اور اگر تمہارا ارادہ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا ہو چکا ہے تو میری لڑکی سے مفارقت اختیار کرو۔ پھر جو چاہو کرو۔ ابن ابی الحدید معتزلی اتنا لکھ کر بتلاتے ہیں کہ یہ روایت بالمعنی کرابیسی سے مروی ہے اور شیخین بخاری مسلم نے اسکو مسور بن مخرمہ سے بطریق زہری نقل کیا ہے۔

ترجمہ	عبارت	کتاب	راوی
جناب رسول خدا صلعم نے حضرت علی کو نماز تہجد پڑھنے کا حکم دیا اونھوں نے قطعی انکار کر دیا۔	ان النبی صلعم امر علیاً للتہجد فقد ابی الخ (احصل)	بخاری	ابو ہریرہ
اسماعیل ابن عیاش کہتے ہیں کہ حریز ابن عثمان کو ہنے یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ حدیث صحیح جو مشہور ہے کہ۔ آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تمہاری منزلت میرے آگے ویسی ہی ہے جیسی ہارون کی موسیٰ کے آگے۔ حضرت صلعم نے اسے یوں فرمایا تھا کہ (نعوذ باللہ) تمہاری منزلت میرے آگے ایسی ہی ہے جیسی قارون کی موسیٰ کے آگے۔ اسمٰعیل کہتے ہیں میں نے حریز سے پوچھا کہ تم نے یہ حدیث کس سے سُنی تو اوس نے کہا ولید ابن عبد الملک سے اور ایسی حالت میں کہ مسجد کے منبر پر بیٹھا ہوا تھا۔	عن اسمعیل ابن عیاش سمعت حریز ابن عثمان تقول ھذا الذی یرویہ الناس عن النبیؐ صلعم انہ قال لعلیؐ انت بمنزلہ ھارون من موسیٰ حق ولکن اخطاء السامع قلت ما ھو فقال انما ھو انت منیّ بمنزلۃ قارون من موسی قلت عمّن ترویہ قال سمعت الولید ابن عبد الملک وھو علی منبر	اسمٰعیل ابن عیاش (رقاوحاً)	حریز ابن عثمان سفیانی
ازدی اپنی کتاب الضعفاء میں بیان کرتے ہیں کہ حریز نے بیان کیا کہ ایک بار جناب رسول خدا صلعم نے اپنے خچر پر سوار ہونا چاہا تو علی نے آکے خچر کی لگام کھول دی کہ حضرت گر پڑیں۔	حکی الازدی فی الضعفاء ان النبیؐ صلعم اراد ان یرکب بغلتہ جاء علیؑ فحلّ خرامہ البغلۃ لیقع النبیؐ صلعم۔	ازدی (رقاوحاً)	ایضاً
علامہ سید ابو الحسین یحییٰ اپنی کتاب اخبار مدینہ میں لکھتے ہیں کہ ہارون ابن عبد الملک ابن ماجشون کا بیان ہے کہ جب خالد ابن حارث ابن حکم ابن عاص آیا تو اوس نے منبر جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیٹھ کر جناب رسولخدا اور حضرت علی سلام اللہ علیہما کی شان میں کلمات ناشائستہ کہے اور انہیں میں یہ بھی بیان کیا کہ	قال السید ابو الحسین یحیی فی کتابہ اخبار المدینہ حدثنا ھارون ابن عبد الملک بن الماجشون قال لما قدم خالد بن الحارث بن الحکم بن العاص وھو ابن مطیرۃ علی منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم جمعۃ فشتم النبی صلعم	ہارون ابن عبد الملک ابن الماجشون	خالد ابن حارث ابن حکم ابن عاص

		وشتم علیاً وقال استعمل محمدؐ علیاً وھو یعلم ان علیاً خائن ولکن شفعت لہ ابنتہ (کمافی ینابیع المودۃ فی القربیٰ)	آنحضرت صلعم نے علی کو اکثر مقامات کا عامل مقرر کیا حالانکہ آپ جانتے تھے کہ علی خائن ہے۔ لیکن اس امر میں اون کی صاحبزادی برابر سفارش کیا کرتی تھیں۔ (ماحصل از ینابیع المودۃ فی القربیٰ)

یہ وضعی حدیثوں کی صورت حال کا نہایت مختصر سا نقشہ تھا۔ جو اوپر لکھ کر دکھلا دیا۔ ہر شخص اسی سے وضع حدیث کی کثرت۔ واضعین حدیث کی شخصی حیثیت۔ اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ تمام منافرت اور اون نفوس مقدسہ کی ذاتی عظمت اور مدارج و مراتب کی ذلت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ ہم مزید اطمینان کے لئے مفصلہ ذیل صرف دو مثالیں اور نقل کرکے یہ دکھلا دیتے ہیں کہ ان کی عظمت یا ان کی اقتدا و متابعت کا شرف و افتخار کہاں تک اوس زمانہ کے اہل اسلام حاصل کرتے۔ وہ انکا نام لینا تو چاہتے ہی نہیں تھے۔ بلکہ ان کے نام اور ان کے ذکر تو امراؤ خلفا کی صحبتوں اور مجلسوں میں بطور استہزا اور لطافت طبع پیش کئے جاتے تھے۔ اور اس وسیلے سے امراؤ خلفائے اسلام سے بڑے بڑے تحائف اور انعام حاصل کئے جاتے تھے۔ ملاحظہ ہو ذیل کا واقعہ

امام الحرمین سید علی المدنی اپنی کتاب طبقات الشیعہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ان انساناً وقف للحجاج ویقال لہ جد الاصمعی عبد الملک ابن قریب فصلکم بہ ایھا الامیر ان اھلی عقونی فسمونی علیاً و انی فقیر بائس وانا الی صلۃ الامیر محتاج فتضاحک لہ الحجاج وقال للطف ما توسلت بہ قد ولیتک موضع کذا	ایک شخص حجاج کے پاس آیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ (امام) اصمعی کا دادا عبد الملک ابن قریب نامی تھا۔ یہ شخص (از راہ تمسخر) چلاتا ہوا اور فریاد کرتا ہوا آیا کہ امیر کی دوہائی ہے۔ میرے گھر والوں نے مجھے عاق کر دیا اور میرا علی نام رکھدیا اور میں بالکل مرد فقیر ہو کر اب سوائے امیر کے صلہ و بخشش کے دوسرا کوئی سہارا نہیں رکھتا حجاج اوسکے یہ کلام سنکر بے ساختہ ہنس پڑا اور خاص لطف و کرم سے اوسکو پاس بلا کر کہنے لگا کہ میں نے تیری امید توسل کے مطابق تجھکو فلاں مقام کا والی مقرر کیا۔

کیا اس سے بھی زیادہ کسی ممتاز قوم شخص کی توہین ہوسکتی ہے۔ اس سے بخوبی نتیجہ نکال لیا جا سکتا ہے کہ اہل اسلام اوس وقت اپنے واجب الاتباع خلیفہ چہارم کی اتنی اور ایسی وقعت و احترام کرتے تھے۔

تہذیب الکمال مزی میں مرقوم ہے :-

فی تھذیب الکمال المزی وحاشیہ تذھیب التھذیب الکمال لصفی الدین الخزرجی قال قال یونس بن عبید سألت الحسن وقلت یا ابا سعید انک تقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذلک لم تدرکہ وقال یا ابن اخی لقد سألتنی عنہ احد قبلک ولولا منزلتک منی ما اخبرتک انی فی زمان کما تری (وکان فی عمل الحجاج) کل شیء سمعتنی اقول رسول اللہ صلعم ھو عن علی ابن ابی طالب غیر انی فی زمان لا استطیع ان اذکر علیا

تہذیب الکمال مزی اور اسکے حاشیہ تذہیب التہذیب مولفہ صفی الدین خزرجی میں یونس ابن عبید سے منقول ہے کہ میں نے حسن بصری سے پوچھا کہ اسکا کیا سبب ہے کہ تم رسول اللہ صلعم سے بلا واسطہ حدیثیں روایت کرتے ہو۔ حالانکہ تم نے آنحضرت صلعم کا زمانہ نہیں دیکھا ہے۔ حسن بصری نے جواب دیا کہ تمنے اسوقت ایک ایسا سوال کیا ہے جو اس سے قبل کسی نے مجھ سے ایسا سوال نہیں کیا تھا اور اگر تم میرے معتمدین سے نہ ہوتے۔ تو میں تم کو کبھی نہ بتاتا سنو!

میں جسقدر حدیثیں اس طریق پر بیان کرتا ہوں کہ فرمایا جناب رسول خدا صلعم نے حقیقتاً وہ سب حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی مرویات سے ہیں۔ مگر جیسا کہ زمانہ ہے وہ تم دیکھتے ہو۔ (یہ زمانہ حجاج کی امارت و حکومت کا تھا) اور اس زمانہ میں۔ میں علی کا ذکر ہی نہیں کرسکتا۔

حسن بصری کے ایسا صاحب اثر اور مقتدر بزرگوار۔ جو منصب شریعت اور مسند ولایت دونوں کا دعویدار تھا۔ صرف سلطنت کے خوف سے اتنا مجبور تھا کہ علی کا نام لینے یا ذکر کرنے کی بھی قدرت نہیں رکھتا تھا۔ امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب تدریب الراوی میں لکھتے ہیں۔

قال ابو عبد الرحمان مقری کانت بنو امیہ اذا سمعوا بمولود اسمہ علی فقتلوہ

ابو عبد الرحمن مقری کہتے ہیں کہ بنی اُمیہ جب سنتے تھے کہ کسی لڑکے کا نام علی رکھا گیا ہے تو اوسکو قتل کرڈالتے تھے۔

اس سے بڑھکر اس نفس قدسی برکت کی اور کیا ذلت و توہین ہوسکتی ہے کہ اوسکا نام لینا اوسکے نام پر نام رکھا جانا۔ قابل قتل جرم قرار دیا گیا تھا۔ اور پھر بھی اسلام۔ اسلام تھا اور اہل اسلام اہل اسلام ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے اور تمام صحابہ و تابعین کرام اور علمائے عظام انہیں کی تائید و تاکید میں اپنے فتاوے و احکام نافذ فرماتے تھے۔

دورۂ عباسیہ میں محدثین اور احادیث پر سلطنت کا اثر

دورہ امویہ میں جو محدثین اسلامی اور احادیث نبوی کی خرابی ہوئی اوسکی مختصر سی کیفیت اوپر دکھلائی گئی۔ اب مفصلہ ذیل مضامین عہد عباسیہ کے علماء

اور احادیث کا مرقع ملاحظہ فرمایا جاوے۔

قاضی ابو یوسف | قاضی ابو یوسف صاحب۔ جو امام ابو حنیفہ کے بعد سواد اعظم حنفیہ کے امام اول ہیں۔ اون کی علمیت و افضلیت یا معرفت کیلئے ابن خلکان کی مفصلہ ذیل عبارت کافی ہے۔

ما کان فی اصحاب ابی حنیفہ مثل ابو یوسف لولا ابو یوسف ما ذکر ابی حنیفہ

ابو حنیفہ کے شاگردوں میں کوئی ابو یوسف کا مثل نہیں تھا اگر ابو یوسف نہ ہوتے تو کوئی ابو حنیفہ کا نام بھی نہ لیتا۔

ایسی عالم متبحر کی سلطنت پرستی تاریخ الخلفاء سیوطی کی مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

ہارون الرشید کے دربار میں قاضی ابو یوسف کا مسئلہ

عن ابن المبارک قال لما افضت الخلافۃ الی الرشید وقعت فی نفسہ جاریۃ من جواری المھدی فراودھا علی نفسھا فقالت لا اصلح لک ان اباک قد طاف بی فشغف بھا فارسل بھا الی ابی یوسف العندک فی ھذا شیٔ فقال یا امیر المؤمنین اوکلما ادعت امۃ شیٔا ینبغی ان تصدق لا تصدقھا فانھا لیست بمامونۃ قال ابن المبارک فلم ادر ممن اعجب من ھذا الذی قد وضع یدہ فی دماء المسلمین امولھم یتحرج عن حرمۃ ابیہ او من ھذہ الامۃ التی رغبت بنفسھا عن امیر المؤمنین او من ھذا الفقیہ الارض وقاضیھا قال اھتک حرمۃ ابیک واقض شھوتک

ابن مبارک سے منقول ہے کہ جب ہارون الرشید خلیفہ ہوا تو اپنے باپ کی ایک لونڈی پر فریفتہ ہوگیا۔ اور اوس سے مقاربت کی خواہش ظاہر کی لونڈی نے کہا کہ میں تمہارے لئے حلال نہیں ہوسکتی کیونکہ تمہارے باپ کے پاس رہ چکی ہوں مگر ہارون الرشید کا شوق ایسا شدید تھا کہ اوس نے اوسی وقت قاضی ابو یوسف کو بلا کر کہا کہ اس لونڈی کے حلال ہونے کی کوئی تدبیر بتاؤ۔ قاضی صاحب نے کہا کہ یہ لونڈی جو کچھ کہے اوس کو سچ باور کرلینا چاہیئے؟ ہرگز نہیں۔ آپ اس کی بات کو نہ مانئے کیونکہ وہ جھوٹ سے محفوظ نہیں ہے۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ کس پر تعجب کروں۔ آیا اوس بادشاہ پر جس نے اپنے باپ کی حرمت کا لحاظ نہ کیا یا اوس لونڈی پر جس نے بادشاہ کی خواہش سے انکار کیا یا قاضی صاحب فقیہ زمانہ پر جنہوں نے ہارون الرشید کو اجازت دیدی کہ اپنے باپ کی ہتک حرمت کرے اور اپنی خواہش نفسانی کو پورا کرے

سلطنت پرستی کی دوسری مثال | قاضی ابو یوسف کی سلطنت پرستی کی ایک اور مثال اوسی تاریخ الخلفاء سیوطی میں حسب ذیل ملاحظہ ہو۔

قال عبد اللہ ابن یوسف قال الرشید لابی

عبد اللہ ابن یوسف سے مروی ہے کہ ہارون الرشید نے

یوسف انی اشتریت جاریۃ و ارید ان اطأھا الآن قبل استبرا فھل عندک حیلۃ قال نعم تھبھا لبعض ولدک ثم تزوجھا

ایک لونڈی خرید کی ابو یوسف سے کہا کہ میں بلا انتظار استبراء اسکی اسی وقت مقاربت کرنا چاہتا ہوں۔ تمہارے پاس اسکے جواز کا کوئی حیلہ ہے۔ ابو یوسف نے کہا ہاں۔ آپ وہ لونڈی اپنے کسی صاحبزادہ کو ہبہ کردیں اور پھر اوس سے عقد فرمالیں۔

کیا یہ واقعات فقہاء و علماء کی زبان و قلم کو شمشیر ہائے سلطنت سے بالکل دبا ہوا ثابت نہیں کرتے؟ کیا شریعت اسلامی کی توہین و ذلت اس سے بھی زیادہ ہوسکتی ہے کہ اوس کے جواز محارم کے لئے احکام شرعیہ کی جگہ حیلے تلاش کئے جاتے ہیں اور علماء سے علام اجرائے فتاوی کی جگہ حیلہ بازی سے کام لیتے ہیں۔ کیا شبلی صاحب اگر واقعی حقیقت ہیں تو سواد اعظم احناف میں قاضی ابو یوسف سے بڑھکر کسی دوسرے فقیہ و عالم کی اعلمیت و جامعیت کی مثال دکھلا سکتے ہیں۔

قاضی ابو یوسف صاحب اور سلطنت کے ساتھ لگاؤ۔

یہاں تک تو سلطنت کے دباؤ کی مثالیں پیش کی گئیں اب حکومت سے لگاؤ کی مثالیں بھی ذیل میں ملاحظہ کی جائیں۔ اوسی تاریخ الخلفاء میں اسحاق ابن راہویہ معتبر ترین رواۃ صحیح بخاری کے اسناد سے مرقوم ہے۔

عن اسحق ابن راھویہ قال دعا الرشید ابو یوسف لیلا فافتاہ فامر لہ بألف درھم فقال ابو یوسف ان رای امیر المومنین بتعجیلھا قبل الصبح فقال عجلوھا فقال بعض ان الخازن فی بیتہ والابواب مغلقۃ فقال ابو یوسف فقد کانت الابواب مغلقۃ حین دعانی ففتحت۔

اسحاق ابن راہویہ سے مروی ہے کہ ہارون الرشید نے قاضی ابو یوسف کو رات کے وقت بلایا اور اوس سے فتوی پوچھا اور اون کو ایک ہزار درم دئے جانے کا حکم دیا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ امیر المومنین یہ رقم مجھے اسی وقت مل جانی چاہئیے۔ کسی شخص نے کہا کہ خزانچی اپنے گھر ہے اور تمام شہر کے دروازہ بند ہوچکے ہیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ جب میں بلایا گیا تھا تو اسوقت بھی تمام دروازے بند ہی تھے جسطرح پہلے کھولے گئے تھے ویسے ہی اسوقت بھی کھل جائینگے

قاضی صاحب داخل دربار کیسے ہوئے اور دارالخلافہ بغداد کے قاضی القضاۃ کیونکر بنے

قاضی صاحب دربار شاہی میں داخل کیسے ہوئے اور بغداد کے قاضی القضاۃ کیونکر بنے۔ اوس کی دلچسپ اور رنگین کیفیت ذیل میں ملاحظہ ہو جس کو ہم مولانا نعمت اللہ جزائری کی کتاب زہرۃ الربیع کے فارسی ترجمہ سے اردو میں خلاصہ کرکے لکھتے ہیں۔

قاضی ابو یوسف ابتدائے ایام میں نہایت تنگی اور عسرت سے بسر کرتے تھے۔ اور ہمیشہ محتاج و پریشان حال رہا کرتے تھے۔ اون کے مکان کے پاس ایک یہودی کا مکان تھا۔ اوس نے چاہا کہ اپنی

عمارت موجودہ میں کچھ اضافہ کرے۔ ابویوسف نے اوسے منع کیا۔ اوس نے بطور استہزاؤ تمسخر کہا کہ جب تمکو وہ دن نصیب ہوگا کہ تم بھی امرائے شاہی کی طرح اپنے تخت رواں پر سوار ہوکر اس طرف نکلوگے اور میری عمارت کے موجودہ اضافہ کی وجہ سے تمہاری سواری کے لئے راستہ تنگ ہوجائیگا تو میں اوسوقت اپنے اس اضافہ کو ہٹالونگا۔ ابویوسف اپنی کمزوری اور مجبوری کے باعث اوس بیہودہ کے اس طعن آمیز مکالمہ کا کوئی جواب نہ دیسکے۔ خاموش ہو رہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد ابویوسف کا ستارہ ظلمت زوال سے نکلکر شرف اقبال پر آگیا۔ اوس کی حقیقت یوں ہے کہ ہارون الرشید کی خلافت کا زمانہ تھا۔ زبیدہ کی کنیزوں میں سے کسی ایک کنیز پر ہارون کی طبیعت آگئی۔ اوس نے اُسے بلایا۔ اوس کنیز نے پہلے زبیدہ کی ملکیت خاص کا عذر معقول دکھلاکر انکار کیا۔ مگر پھر ہارون کے شاہی اقتدار سے مرعوب ہوکر اوس کے قریب آگئی۔ مگر خدا جانے ہارون کو کیسی صلاحیت آگئی کہ وہ اُس کے ساتھ اپنے ارادہ وقصد سے باز رہا۔ مگر ؎

حسن وہ ہے جو ہے سیکڑوں پردوں میں نہاں　　عشق وہ ہے جو کسی حال میں پنہاں نہ رہے

زبیدہ کو ہارون کی اس دزدیدہ نگاہی کی خبر لگ ہی گئی۔ نہایت برہم ہوئی۔ اور ہارون کو بلاکر کہنے لگی اے جہنمی۔ یہ کیا حرکت تھی۔ میرے پاس سے چلا جا میں تیری صورت کو دیکھنا نہیں چاہتی ہارون کو بھی اپنے اقتدار شاہی کا تاؤ آہی تو گیا۔ اور اپنے بیحد غصہ کی حالت میں کہنے لگا کہ جا میں نے تجھے آج سے طلاق دے دی۔

غصہ کی بے لطفانہ حالتوں میں جانبین سے تو یہ خطاب وعتاب ہو گئے۔ مگر پھر تھے تو زبیدہ اور ہارون ہی ؎ زجانان تا بہ کے باشد کشاکش۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد رنجشوں کے پردے طرفین سے اُٹھ گئے۔ تو دونوں میں سے پھر کوئی بھی ایک ساعت کی مفارقت کو گوارہ نہ کرسکا۔ اور فوراً یکجہتی اور باہم یکجائی کی کوشش کرنے لگے۔ ہارون کو اتنی احتیاط شرعی کی کہاں پروا۔ مگر ہاں زبیدہ کو البتہ ہارون کی قسم شرعیہ اور مسئلہ طلاق کے اجرا کا خیال دل سے لگا تھا۔ اور اسی بنا پر وہ تاوقت رجوع ہارون سے یکجائی پر کسی طرح راضی نہیں ہوئی۔

ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر۔ بالآخر ہارون نے ضرورت سے مجبور ہوکر یا زبیدہ کے خاص اصرار سے مامور ہوکر علمار کی مجلس شوریٰ مجتمع کی اور اوس میں یہ مسئلہ پیش کیا اور سارا قصہ بیان کر دیا اس جلسہ میں ابویوسف بھی تھے"۔ تمام علمار خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ نہیں معلوم وہ علمار کیسے تھے اور اون کی جامعیت کیسی تھی۔ جو ہارون کے اس مسئلہ معمولی کا بھی جواب

نہ دے سکے حالانکہ صورت مسئلہ اطلاق طلاق رجعی تک کیا اجراے حکم ظہار کے نصاب مقررہ تک بھی نہیں پہونچی تھی۔ علماے علام کی خاموشی اور سکوت کی وجہ وہی سلطنت کا دباؤ اور سلطان کی رضا جوئی تھی اور وہ حضرات اسی بنا پر اس مسئلہ شرعی میں حکم خدا اور رسول صلعم کے اجراء سے پہلے بادشاہ کی استمزاج و استرضا کا انتظار فرماتے تھے۔ اور یہ چاہتے تھے کہ اس امر خاص میں بادشاہ کی طبیعت کا میلان جیسا پایا جاوے ویسا حکم لگایا جاوے۔

وہ ابھی اسی شش و پنج میں تھے کہ ابو یوسف کو وقت پر سوجھ گئی اور خوب ہی سوجھی۔ فوراً اپنے مقام سے اوٹھے اور کہنے لگے یا ایہا الامیر آپ کے اس مسئلہ کا جواب میرے پاس ہے آپ پہلے یہ فرما دیں کہ آپ کی نیت اوس کنیز کی طرف بد ہوئی تھی یا نہیں۔ ہارون نے کہا البتہ۔ ابو یوسف نے کہا کہ تو پھر آپ جہنمی کیسے ہوئے ؟

اس پر تو نص قرانی واما من خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی | جو شخص خدا کے عتاب کی وجہ سے اپنے نفس کو برائی سے بچائے بہشت بریں اوسکی منزل ہوگی۔

صادق ہے۔ اس حکم سے تو آپ جہنمی ہونے کے عوض بہشتی ثابت ہوئے۔ اس بنا پر جب آپ کی نسبت جہنمی ہونے کا غضب آمیز خطاب عائد نہوا تو پھر آپ کی طرف سے اجراے طلاق کا عتابانہ جواب کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ یہ طلاق شرعاً کوئی چیز نہیں اور اس حالت میں زبیدہ کے ساتھ رجوع کی تکلیف ضروری نہیں۔ ہارون یہ جواب خاطر خواہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اور اوسی وقت ابو یوسف کو خزانہ شاہی سے اسی ہزار دینار انعام دلوائے اور دار الخلافت بغداد کا قاضی مقرر کیا اور حکم دیا کہ شاہی تخت رواں پر سوار کر کے ملازمین شاہی قاضی صاحب کو دربار سے اون کے گھر تک پہونچا دیں حکم کی دیر تھی۔ فوراً تعمیل کی گئی۔ شاہی توشک خانہ سے ایک شاندار اور پر تکلف تخت رواں لایا گیا۔ قاضی صاحب اوس پر سوار ہوئے ملازمان شاہی نے نہایت عزت و احترام سے اپنے کاندھوں پر اٹھا کر قاضی صاحب کو گھر پہونچا دیا۔ جب قاضی صاحب کا تخت رواں اوس یہودی کے مکان تک پہونچا تو اتفاق وقت سے وہ یہودی کھڑا تھا۔ قاضی صاحب نے اوسے دیکھکر فرمایا کہ بھائی۔ اب تو حسب وعدہ اپنی تعمیر کے اضافہ کو ہٹالو۔ یہودی انکا یہ عالم دیکھ کر تماشے میں آگیا۔ مگر تھا زبان کا پکا وعدے کا سچا۔ اوس نے اسی وقت اپنے مکان کا وہ حصہ توڑ ڈالا۔ جسے اوس نے قبل میں بڑھا لیا تھا۔

زہرۃ الربیع مطبوعہ بمبئی جلد اول ص ۲۴۳

مرقومہ بالا واقعہ سے ثابت ہوگیا کہ قاضی ابو یوسف صاحب کس حد اور مقدار تک سلطنت کے زیر اثر

اور دست نگر تھے سلطنت کو ان سے اور ان کو سلطنت کے ساتھ کیسے تعلق تھے اور کیسے لگاؤ۔ یہ بھی مسلم ہے کہ جب ان بزرگ کے ایسے اعلم العلماء اور اعظم الفقہا و محدثین کی اتباع و انقیاد حکومت کی یہ کیفیت ہو تو عموماً علما و محدثین کی متابعت و مطابقت کی کیا حالت ہوگی۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

قاضی ابو یوسف کی طرح ابھی اور حضرات کے حالات و واقعات بھی ہمارے پیش نظر ہیں۔ معتصم اور متوکل عباسی کے زمانہ حکومت میں قاضی یحییٰ ابن اکثم کے حالات و تعلقات سلطنت بھی اسی کی مثال ہیں۔ مگر ہم اون کی تفصیل کو زائد از ضرورت سمجھ کر قلم انداز کرتے ہیں۔ حقیقتاً ہمکو ان امور کے انکشاف حقیقت کی چنداں ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس لئے کہ شبلی صاحب تو خود اصل مدعائے بحث کا اعتراف فرما چکے ہیں۔ امام زہری کی نسبت وہ خود لکھکر اقرار کرتے ہیں کہ امام صاحب سنہ ۸۲ ہجری میں عبدالملک ابن مروان کے دربار میں گئے۔ اوس نے بہت قدر و منزلت کی۔ کتاب المغازی غالباً حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی ہدایت کے مطابق لکھی۔ یہ بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے کہ امام موصوف سلاطین کے دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ اور مقربین خاص میں داخل تھے۔ ہشام ابن عبدالملک نے اپنے بچوں کی تعلیم ان کے سپرد کی تھی۔ دیباچہ ص ۱۵

پھر دیباچہ ص ۱۶ میں بذکر محمد ابن اسحاق صاحب السیرت مرقوم ہے۔

امام زہری کے دروازے پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آنے پائے۔ لیکن محمد ابن اسحاق کو اجازت تھی جب چاہیں چلے آئیں"۔ محدث۔ فقیہ۔ اور محقق کا دار العلوم اور رجوع عام سے امتناع سخت تعجب ہے۔ مگر حقیقت حال بتلاتی ہے کہ وہ محدث و فقیہ نہیں رہے تھے بلکہ مقرب سلطان وقت کے مقرب اور اطفال شاہی کے معلم تھے۔ اور اس شان کے اظہار و اعلان کے لئے دربان۔ پاسبان اور میر سامان۔ غرض تمام ساز و سامان کی ضرورت تھی۔

امام زہری کے علاوہ۔ ان کے استاد ابو بکر محمد بن عمر بن حزم انصاری۔ مدینہ منورہ کے قاضی سعد ابن ابراہیم مدینہ کے قاضی اور بڑے محدث۔ عاصم ابن عمر ابن قتادہ وغیر امثالہم شبلی صاحب کے اقرار کے مطابق۔ یہ تمام حضرات اتباع سلطنت کے ایک ہی رشتہ سے وابستہ تھے۔

مگر شبلی صاحب نے احادیث اور علمائے احادیث کی بدعنوانیوں کا آغاز بنی امیہ کے وقت سے قائم کیا ہے اور معاویہ سے لیکر تمام خلفائے بنی امیہ کو ان مفسدات کا باعث بتلایا ہے اور انھیں کو ملزم و مجرم ٹھہرایا ہے اور پھر اس بدعنوانی کے سلسلہ کو خلفائے عباسیہ تک ظاہر فرمایا ہے۔ مگر ہم نے اس کی تنقید و تحقیق میں ان بدعنوانیوں کا باعث اون سے بھی قدیم پایا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ

حضرت عمرو ابن عاص، حضرت انس ابن مالک اور سمرہ ابن جندب وغیرہم بڑے بڑے صحابہ کبار اور تابعین ذی مقدار کو واضعین حدیث ثابت کیا ہے۔ جیسا کہ ہماری عبارت سے پہلے ظاہر ہو چکا ہے۔

یہاں تک تو ہمنے شبلی صاحب کے اس دعوے کی تردید میں کہ مسلمانوں کا قلم شمشیر سلطنت سے نہیں دبا،" مرقوم بالا ثبوت و شواہد پیش کر دئے۔ جو ضرورت سے زیادہ کافی ہیں۔ اب ہم اپنے موجودہ بیان کے ایک دوسرے اور مفید پہلو کیطرف رجوع کرتے ہیں۔

علما و محدثین کے ان اطوار نے قرآن و حدیث کو کس درجہ تک پہونچایا۔

اب ہم اپنے موجودہ بیان و تفصیل میں یہ دکھلاتے ہیں کہ ان علمائے کرام اور فضلائے عظام نے سلطنت کے زیر اثر اور دست نگر ہو کر قرآن و حدیث کی کیا صورت قائم کی جن کے وہ اصل ترجمان تھے اور ذمہ دار شرح و بیان۔ ان بزرگوں کی طرف سے معانی قرآن اور مطالب احادیث میں جو غیر مجوزہ مداخلت کی گئی اور اسکو صرف قیاس و ضرورت کی بنا پر تاویلات۔ تطبیقات اور توجیہات وغیرہا کے مختلف اقسام کے اسامی و مصطلحات سے موسوم فرمایا گیا۔ اون سب کا بیان کرنا اور تحقیق و تنقید کے بعد اون کی اصل حقیقت کا انکشاف کرنا۔ اول تو ہمارے موضوع تالیف سے زاید ہے۔ دوم یہ کہ انمیں سے بعض بعض امور ضروری کی اصلیت ہمارے آیندہ سلسلۂ بیان سے معلوم ہو جائیگی۔ اس بنا پر ہم اُنکے انکشافات سے قطع نظر کرکے۔ اپنی موجودہ تفصیل بیان میں قرآن و احادیث کی بیحرمتی اور ناقدری کی وہ کیفیت دکھلاتے ہیں۔ جو ان بزرگوں کی اتباع و خوشامد سلطنت کی وجہ سے نہایت بدنما اور بیحد نازیبا صورتمیں ظاہر ہوئی ہے۔ اور اسکی خاص وجہ سوائے اسکے دوسری ثابت نہیں ہوتی کہ ان حضرات نے آغاز ہی سے۔ خلفاء و امراء وقت کی خوشامد و خوشنودی کی ضرورت میں آکر ان علوم مقدسہ کو ایسا عام اور بازاری کر ڈالا کہ ہر کس و ناکس اون کے احکام و ارشاد کی تعمیم تطبیق کو اون کے خاص مقامات کے علاوہ۔ اپنی تمام ضروری اور غیر ضروری۔ قابل اور ناقابل جائز اور ناجائز۔ ضرورتوں کے وقت۔ بلا تامل استعمال کرنے لگا۔ حقیقتاً یہ علما و فقہا اگر قرآن و احادیث تعلیم و تلقین کو اپنے مقام خاص تک مشروط و محدود فرما دیتے۔ اور اون کی تخصیص کو تعمیم کے درجہ تک نہ پہونچاتے۔ تو امیر معاویہ صاحب اتنی کثیر التعداد جعلی حدیثوں کے بنوانے پر قادر نہ ہوتے۔ اون کے صاحبزادے۔ یزید ابن معاویہ قرآن و احادیث کے احکام و ارشاد کو پس پشت رکھ کر محرمات شرعیہ کے حلال ہونے کا اس دلیری سے تمام ممالک اسلامیہ میں حکم نہ فرماتے نہ بیدھڑک قرآن پر تیر باراں کرتے۔ اپنی دختر یا کنیز کا ازالۂ بکارت نہ فرماتے۔ اپنی معشوقہ مغنیہ یا نور الصباح کے مردہ جسم کے ساتھ مقاربت نہ کرتے۔ حالت جنب میں جامع مسجد میں اپنی کنیز خاص سے امامت

نہ کرواتے۔ سقف کعبہ پر بیٹھکر بے تو شی کے جلسے جمانے کا قصد و جرأت نہ فرماتے۔

یہ انھیں علماء و فقہا کی چشم پوشی تھی اور خلفا کے ان کیفر کرداریوں کی طرف سے گران گوشی ان کی چشم پوشی اور بنیہ گوشی کا خاص سبب وہی سلطنت کے زیر اثر اور اوسکا قطعاً دست نگر ہونا تھا۔ اور زیر اثری اور دست نگری کا باعث اون کی شکم پروری تھی۔

دورۂ بنی امیہ تک ان ناگفتہ واقعات کی نسبت اگر یہ عذر کیا جاوے کہ قوم حضیض جہالت سے نکلکر اوج علم و تہذیب تک نہیں پہونچی تھی تو یہ عذر بدتر از گناہ سمجھا جاویگا۔ اور حدیث خیر القرون کی موضوعیت کو صاف صاف ثابت کر دیگا۔ صرف اتنا ہی اشارہ کر کے ہم علمائے عہد بنی امیہ کے اطوار و کردار سے زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے۔ اب ہم اسلام کے خاص علمی زمانہ میں جب خاص علوم اسلامیہ کے علاوہ ہر اقسام کے علوم و فنون۔ دیگر ممالک و اقوام کی زبانوں سے ترجمہ ہو کر ملک و قوم میں نہایت سرعت و وسعت سے پھیل رہے تھے۔ جب ملک عرب کا علمی آفتاب تمام دُنیا کے ممالک پر ضوافگن تھا۔ جب اس کے تمدن۔ تہذیب۔ ادب۔ غرضکہ تمام کمال و فضل کی شہرت اور ندرت تمام اقطاع عالم میں اپنی روشنی پھیلا رہی تھی۔ اوسوقت اور تعین اوس عالم میں قرآن و حدیث کی خاص عظمت و حرمت کی کیا صورت قائم تھی۔ ہم صرف دو مفصلہ ذیل واقعات سے اسکا منظر پیش کرتے ہیں۔

ہارون الرشید اور قرآن کی عظمت

ہارون الرشید کا دربار گرم ہے۔ خلیفہ کی خدمت میں دو کنیزیں لائی گئیں ایک بیوہ ہے ایک کنواری۔ گر اپنے حسن و جمال کے اعتبار سے اون میں کوئی فرق یا تمیز نہیں کیجا سکتی تھی اور وہ بیوہ (شلیطہ) بھی اوس دوشیزہ سے اپنے حسن و جمال اور صورت بیمثال میں ہرگز کم نہیں تھی۔ خلیفہ عصر نے دربار اوٹھایا۔ خلوت کر لی۔ دونوں شاہدان پری پیکر کو پہلو میں بٹھا لیا۔ چشم زدن میں بقدر مشترک دونوں پر فریفتہ ہوگیا۔ مگر دونوں کی دلربائی و رعنائی کی یکتائی کی وجہ سے ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کی بے ادبی نہ کر سکتا تھا۔ دیرتک دونوں حسینان ماہوش کو بٹھلائے رکھکر خال خال اور مو بمو دونوں کے حسن و زیبائی کے مرقع کو دیکھتا رہا۔ حسن و عشق کے امتحان لیتا رہا۔ مگر کوئی فرق اور کوئی نتیجہ نہ پا سکا۔ وہ شاہدان آئینہ رخسار بھی خلیفہ عہد کی منظور نظر ہونے کے شوق و تمنا میں فیصلہ شاہی کا بیچینی سے انتظار کر رہی تھیں اور خلیفہ عصر کے شش و پنج کی وجہ کو بھی اچھی طرح سمجھ رہی تھیں۔

جب بادشاہ کے غور و تامل کو حد سے زیادہ عرصہ گذر گیا تو اون میں سے ایک پریرو نے

ہارون رشید کو مخاطب کرکے کہا کہ یا ایہا الامیر اتنے طول و طویل غور و فکر فرمانے کی ضرورت کیا ہے۔
اسمیں شک نہیں کہ میں ایک زن شلیطہ ہوں اور میری بہن باکرہ ہیں۔ مجھ میں اور اون میں تو صرف
ایک ہی شب کا پردہ حائل ہے۔ صبح ہوئی۔ اور وہ پردہ اٹھ گیا۔ پھر یہ بھی ہماری ہی ایسی ہوگئیں۔
یہ سن کر اوس دوشیزہ مہوش نے جواب دیا۔ یا ایہا الامیر۔ میری بہن نے جو کچھ کہا وہ بالکل سچ
ہے۔ مگر اس سچ کہنے سے پہلے اون کو سمجھ لینا چاہتا تھا کہ۔ گو وہ ایک ہی رات سہی۔ مگر کیسی ہے۔ ایسی
ہی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے خیر من الف شہر قدر و قیمت میں ہزار مہینوں سے بہتر (نعوذ باللہ)
ہارون رشید بمصداق اینکہ ع بسا کیں لطف از گفتار خیزد۔ اسکا یہ مدلل معقول اور برجستہ جواب سنکر
ہزار جان سے اوس کا فرا وار فریفتہ ہوگیا اور فوراً اوس کو اپنے محل شاہی میں داخل کرلیا۔
یہ صحبت عیش سلطانی اور استعمال و تطبیق آیات قرآنی۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت

ہارون الرشید اور عظمت قرآن کی دوسری مثال

اسکی دوسری مثال باعتبار رکاکت اور شستگی کے لطیف تر ہے۔
ہارون الرشید ایک بار ہیجان شہوت کی حالت میں سوتے سے جاگ پڑا۔ اتفاق سے کوئی کنیز
اوسوقت اوسکے پہلو میں موجود نہ تھی۔ بے چین ہوکر خلوت سے باہر نکل آیا۔ اور محل شاہی کے
گوشوں میں اپنے شاہد مدعا کو تلاش کرنے لگا۔ اس تجسس و تلاش میں اوس نے ایک کنیز کو
ریشمی چادر اوڑھے مشغول خواب پایا۔ ہارون کے آتے ہی وہ بیدار ہوگئی تو امیر المومنین کو سر پر
کھڑا پایا۔ ہارون نے اظہار مدعا کیا۔ اوس نے عذر نسائیہ کی معقول اور وجہ خاص دکھلا کر اپنی
مجبوری بیان کی۔ مگر ہارون کی آتش نفسانی ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ کسی طرح اوس پر ضبط و صبر
کا پانی نہ ڈال سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اوس نے اوس کے ساتھ خلاف وضع فطری مرتکب ہونا چاہا اور
مجامعت کو اغلام سے مبدل کرنے کی تجویز ٹھہرائی۔ اوس کنیز نے امیر المومنین عہد کو اس حرکت
بیہودہ سے باز رکھنے کے لئے کہا کہ یا ایہا الامیر اتوھن من حیث امرکم اللہ "عورتوں سے وہی فعل
کرنا چاہیئے جس کا خدا نے حکم دیا ہے"۔ یہ سُن کر ہارون نے کہا کہ نساءکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی
شئتم عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تم جس طرح چاہو اون میں کھیتیاں کرسکتے ہو۔ کنیز بولی۔ سچا ارشاد ہوتا ہے۔
مگر یہ آیہ منسوخ ہو چکا ہے۔ اور اسکا ناسخ واتوا البیوت من ابوابہا۔ گھروں میں دروازے سے آیا کرو۔
موجود ہے۔　　زہرۃ الربیع نعمت اللہ جزائری ص ۲۴۳

کس کس کی تعریف کی جائے۔ امیر المومنین کی نظر فی القرآن کی یا اوس کنیز کے تبحر فی الکلام کی
مگر ہم تو تعریف کریں گے علمائے کرام کی۔ جن کی فیاضانہ تعلیم نے اصول تعمیم کی بدولت قرآن مجید

کے اقتباسات کی یہ ہتکی اور توہین کرائی۔

ہم نے صرف تعلیم قرآن کی تعمیم سے جو خراب نتیجہ پیدا ہوا تھا۔ دو مثالیں بیان کردی ہیں جن الفاظ و بیان کو ہم نے اور دوسری مثالوں سے کسی قدر معتدل۔ قریب التہذیب اور قابل نقل و تحریر سمجھا ہے۔ اور باقی حقیقتاً دوسری مثالیں حیوانیت اور نفسانیت کے مفصل دفتر میں اور جو کسی طرح ذکر کے قابل نہیں ہیں اون کو قطعاً مرفوع القلم کردیا ہے۔

اہانت قرآن کے بعد۔ احادیث کے ساتھ جو استہزا اور تمسخر کیا گیا ہے۔ اور واقدی۔ عروہ ابن زبیر۔ زبیر ابن بکار۔ عکرمہ۔ جاحظ عثمانی۔ اغانی۔ اور ابو النواس ملک الشعرا عباسی نے جن بدعنوانیوں اور بے ادبیوں سے اون کا استعمال کیا ہے۔ اونھیں کے نئے ادب اور گستاخ قلموں کے سوا نہ کسی دوسرے کے قلم کو اون کی نقل و تحریر کی قوت ہے اور نہ کسی کی زبان کو اونکی تفصیل و بیان کی قدرت۔ اون سے بالکل قطع نظر کی گئی ہے۔ اول تو اس وجہ سے کہ جب قرآن مجید کے ساتھ ان کے ایسے آزادانہ اور بے ادبانہ عمل ثابت ہوتے ہیں تو حادیثیں تو قرآن ہی کی تفسیر ہوتی ہیں اور علی الاکثر۔ اونھیں سے ماخوذ و مستخرج ہوتی ہیں۔ دوسری یہ کہ ان میں سے چند بدعنوانیوں کو ہم عنقریب ایک جداگانہ عنوان سے بیان کرنیوالے ہیں۔ انشاء اللہ

اتنا لکھکر اور صرف قرآن مجید کے ساتھ اہل قرآن مجید کے ان عامیانہ اور گستاخانہ طرز عمل کو دکھلاکر اصل حقیقت کا انکشاف کلی کردیتے ہیں کہ تحقیق اور تنقید مرقومہ بالا سے ان تمام معائب اور مناقص اور فضائح کا الزام حضرات عاملین فی القرآن والحدیث پر آکر ختم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ قرآن و حدیث کے مطالب و معانی کے بتلانے والے تنہا یہی بزرگوار ثابت ہوتے ہیں۔

صحابہ محتاطین افسوس کہ ان حضرات نے ان کی تعلیم و تلقین میں اوس حزم و احتیاط کو ذرا بھی قائم نہ رکھا۔ جن کی نسبت انہوں نے اکثر صحابہ کبار اور محتاطین ذی اعتبار سے۔ جو اون کے ان علوم میں معلم و اوستاد تھے۔ ہدایت خاص پائی تھی۔ اور جو عموماً تمام اسلامی کتب و اخبار میں مرقوم و مذکور ہے۔ وہ تمام تر انھیں حفظ ما تقدم پر مبنی تھیں۔ جن میں سے ایک کو خود شبلی صاحب بھی صحیح مسلم کے اسناد سے ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:۔

(قال النبی صلعم) لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ	(فرمایا رسول خدا صلعم نے) مجھ سے جو سنو اوسکو قلمبند نہ کرو بجز قرآن کے۔ اور کسی نے قلمبند کیا ہو تو اوسے مٹا ڈالو۔

یہ حکم کیوں دیا گیا تھا جو فوراً سمجھ لیا جاتا ہے کہ عوام الناس کی افراط۔ تفریط۔ بے ادبی اور

بے ترکیبی کے آیندہ خطرے اور اندیشے سے۔ زبان رسالت سے اس حکم امتناعی کو سن کر ایک مدت خاص تک اکثر صحابہ محتاطین نقل حدیث وغیرہ سے احتیاط کرتے تھے۔ شبلی صاحب۔ صحیح بخاری کے اسناد سے سائب ابن یزید کی مفصلہ ذیل روایت نقل فرماتے ہیں۔

صحبت عبدالرحمان ابن عوف۔ طلحہ ابن عبداللہ والمقداد وسعداً فما سمعت احداً منهم یحدث عن النبی صلعم الا انی سمعت طلحہ یحدث عن یوم احد

میں عبدالرحمن ابن عوف۔ طلحہ ابن عبداللہ۔ مقداد اور سعد (ابن ابی وقاص) کی صحبت میں رہا۔ لیکن میں نے ان میں سے کسی کو بھی حدیث رسول صلعم بیان کرتے نہیں سنا بجز اسکے کہ طلحہ غزوۂ احد کا واقعہ بیان کرتے تھے۔ دیباچہ ص ۱۲

مگر یہ صحابہ بھی تمام تر محتاط نہ تھے۔ اکثر حضرات نے انہیں سے آگے چلکر نقل حدیث کا کام شروع کر دیا تھا چنانچہ اس حکم امتناعی کے متعلق شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ کا ارشاد ہے۔ کیونکہ متعدد حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم ہی کے زمانہ میں بعض صحابہ آپ کے ارشادات قلمبند کر لیا کرتے تھے صحیح بخاری باب العلم میں حضرت ابوہریرہ کا قول ہے کہ صحابہ میں مجھ سے زیادہ حدیثیں کسی کو محفوظ نہیں تھیں۔ البتہ عبداللہ ابن عمر مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ وہ آنحضرت صلعم کی حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے۔ اور میں لکھتا نہ تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر کی عادت تھی کہ آنحضرت صلعم سے جو کچھ سنتے تھے لکھ لیا کرتے تھے۔ قریش نے ان کو منع کیا کہ آنحضرت صلعم کبھی غیظ کی حالت میں ہوتے ہیں اور کبھی خوشی میں اور تم سب لکھ لیا کرتے ہو۔ عبداللہ ابن عمر نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا اور آنحضرت صلعم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے دہان مبارک کی طرف اشارہ فرمایا کہ تم لکھ لیا کرو۔ اس سے جو نکلتا ہے حق نکلتا ہے۔ خطیب بغدادی نے اپنے رسالہ تقیید العلم میں روایت کی ہے کہ اوس بیاض کا نام جس میں عبداللہ ابن عمر نے آنحضرت صلعم کی حدیثیں قلمبند کیا کرتے تھے۔ صادقہ تھا۔ دیباچہ ص ۱۰

شبلی صاحب کی مرقومہ بالا عبارت سے اتنا معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلعم کی حدیثوں کی نقل کا آغاز آپ ہی کے زمانہ سے ہو گیا تھا۔ مگر اکثر صحابہ اسوقت بھی احتیاط و تامل سے کام لیتے تھے۔ جیسا کہ امام بخاری کے اسناد سے اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ نقل حدیث میں اس احتیاط کا اثر آنحضرت صلعم کے بعد بھی اکثر صحابہ میں باقی اور قائم رہا۔ چنانچہ شبلی صاحب بھی دیباچہ ص ۷ میں تحریر فرماتے ہیں۔

جو صحابہ بہت محتاط تھے۔ حدیث کی روایت کرتے وقت اون کی حالت متغیر ہو جاتی تھی۔ سنن ابی ماجہ کے دیباچہ میں عمر ابن میمون کا قول نقل کیا ہے کہ میں عبداللہ ابن مسعود کی خدمت میں ہمیشہ جمعرات کی رات کو حاضر ہوتا میں نے کبھی اون کو یہ کہتے نہیں سنا کہ آنحضرت صلعم نے یہ فرمایا۔ ایک دن اتفاق سے اون کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا تو دفعتاً سر جھکا لیا۔ پھر میری نظر اون پر پڑی تو دیکھا کھڑے ہیں قمیص کی گھنڈیاں کھلی ہیں آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے ہیں۔ گلے کی رگیں پھول گئی ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے یوں کہا۔ یا یوں کہا۔ یا اس سے کچھ زیادہ یا اس سے کچھ کم یا اس کے مشابہ۔

امام شعبی کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر کی خدمت میں سال بھر رہا۔ لیکن میں نے اونکو کبھی حدیث روایت کرتے نہیں سنا۔ ؎۵

سائب ابن یزید کہتے ہیں کہ میں نے سعد ابن مالک کے ساتھ مکہ مبارکہ سے مدینہ طیبہ تک سفر کیا اس تمام راہ میں انھوں نے ایک حدیث بھی آنحضرت صلعم سے روایت نہیں کی۔ حالانکہ وہ صحابی تھے۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر نے اپنے والد ماجد سے پوچھا کہ میں نے آپ کو اور صحابہ کی طرح روایت کرتے نہیں دیکھا۔ اونھوں نے کہا میں جب سے اسلام لایا میں نے کبھی آنحضرت صلعم کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ لیکن میں نے آنحضرت صلعم سے سنا ہے کہ جو شخص میری نسبت کوئی جھوٹی روایت بیان کرے تو چاہیے کہ اپنا گھر آگ میں بنا لے۔

ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ خود آنحضرت صلعم نے منبر پر ارشاد فرمایا ایاکم وکثرۃ الحدیث عنی۔ خبردار۔ مجھ سے زیادہ حدیثیں نہ بیان کرو۔"

دیباچہ ص ۷۵ میں تو بیان حدیث میں خود مخبر صادق علیہ السلام کے قول سے یہ حزم و احتیاط نقل فرمائی گئی ہے۔ اور پھر برخلاف اس حکم امتناعی و تنبیہ عن الکثرت اور حزم و احتیاط بیان احادیث اونھیں مرویات احادیث کی دیباچہ ص ۱۱ میں ان عبارت و الفاظ کے ساتھ یہ صورت قائم کی گئی ہے کہ:۔

؎۵ شعبی صاحب کا عبداللہ ابن عمر کی نسبت عدم نقل حدیث کا بیان اور شبلی صاحب کا اوس پر اعتبار اور سند؟ اوس کا اظہار ہرگز قابل قبول نہیں کیونکہ بالکل خلاف واقع ہے۔ اگر ابن عمر کا یہی طرز سکوت مانا جاوے تو پھر اتنی انکی مرویات کہاں سے ثابت کی جائیں گی۔ شاید بیعت یزید کے قبل انکا یہ طرز عمل ہو۔ المولف عفی عنہ

آنحضرت صلعم کے بعد اس تحریری ذخیرہ کو اس قدر ترقی ہوتی گئی۔ کہ بنو العباس سے پہلے۔ ولید ابن یزید کے قتل کے بعد۔ جب احادیث و روایات کا دفتر ولید کے کتب خانہ سے منتقل ہوا تو صرف امام زہری کی مرویات اور تالیفات گھوڑوں اور گدھوں پر لاد کر لائی گئیں۔ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ ذہبی۔ پھر صفحہ ۱۴۱ میں مرقوم ہے۔

سعد ابن ابراہیم جو بہت بڑے محدث اور مدینہ منورہ کے قاضی تھے۔ اون سے دفتر کے دفتر حدیثوں کے قلمبند کرائے۔ اور تمام ممالک مقبوضہ میں بھیجے۔ علامہ ابن عبد البر اپنی کتاب جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں۔

عن سعد ابن ابراهيم امرنا عمر ابن عبد العزيز بجمع السنن فكتبناها دفترا دفترا فبعث الى كل ارض له عليها سلطان دفترا	سعد ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ عمر ابن عبد العزیز نے ہمکو احادیث کے جمع کرنیکا حکم دیا۔ ہمنے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے۔ عمر نے جہاں جہاں انکی حکومت تھی ایک ایک دفتر بھیجدیا۔

بالکل ایسے ہی۔ ان سے قبل کے خلفاء و امراء نے تحریر و اجرائے احادیث میں۔ گو وہ تمام تر موضوعات ہی کیوں نہوں اپنی سطوت سلطانی کے اثر سے۔ جیسی کوشش و تاکید کی وہ ہم امام مدائنی کے الفاظ و عبارت میں اوپر لکھ چکے ہیں۔ تو اب زمانہ ابتدائے اسلام کی امتناع و احتیاط نقل حدیث کو جسے شبلی صاحب خود لکھ چکے ہیں۔ اس زمانہ کی کثرت حدیث اوس کا عامیانہ اور بے اولہ استعمال سے جو شبلی صاحب کی اور نیز دیگر محققین کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے۔ ملایا جاوے تو صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اصحاب مانعین نقل حدیث کا مدعا۔ حرمت قول رسول صلعم کا استحفاظ تھا۔ (جیسا کچھہ اور جتنا کچھہ بھی نہو) برخلاف ان کے ارباب مجوزین نقل حدیث کو۔ نقل و بیان حدیث کے اکثار سے بادشاہوں کے دربار میں اپنا اقتدار اور اسلامی امصار و دیار میں اپنے محدث ہونے کا اعتبار بڑہانا تھا۔ جس کی اصل حقیقت کو شبلی صاحب نے تمام تر چھپایا ہے۔ امام زہری کے حالات میں صرف ان کے تعلق دربار اور ہشام کے معلم الاطفال کا اشارہ فرمادیا ہے۔ مگر آپ سے زیادہ۔ شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلوی نے شرح مشکوٰۃ شریف کے مقدمہ میں ان کے حالات کا انکشاف فرمایا ہے۔ جس کا خلاصہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔

واقدی کے حالات میں تو شبلی صاحب لکھ چکے ہیں کہ گویا وہ سلطنت کے ہاتھ بکا ہوا تھا۔ مگر تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ واقدی ہی پر موقوف نہیں۔ باستثنائے معدودے چند۔ قریب قریب تمام حضرات سلطنت کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اور کیونکر نہ ہوتے۔ زمانہ بدل گیا تھا۔ اور اوسی کے ساتھ

معاشرت۔ تمدن۔ اخلاق اور مذاق سب کچھ متغیر ہوگیا تھا۔ احکام رسالت کے ساتھ عوض۔ فرامین سلطنت اور نصاب شریعت کی جگہ قواعد سیاست واجب الاتباع تھے اور انھیں کے اتباع پر گذران اوقات اور ضروریات حیات منحصر تھے۔ ضرورت خود داری اور دیانتداری کو قایم نہیں رہنے دیتی تھی سطوت حکومت۔ خوف سلطنت ہر دم و ہر لحظہ گلوگیر تھا۔ راست گوئی کے جوہر کو قتل و ہلاکت کا خوف زائل کر چکا تھا۔ حق جوئی اور انصاف امرا پرستی کے نذر ہو چکے تھے۔ اس بنا پر ان حضرات سے کمال تدین و اعتبار کی امید و یقین محض بیکار ہے۔ یہ وظیفہ خواران سلطنت کہانتک استحفاظ دیانت کر سکتے تھے۔

خلافت راشدہ کے زمانہ ہی سے وظیفہ خواری کا عمل آغاز تھا۔ جو حضرت عمر کی خاص ایجاد تھی اور ان تمام آیندہ مواد و فساد کی مورث۔ ایک وظیفہ خوار خلافت عبد الرحمان بن عوف نے مرنیکے بعد اپنی اتنی دولت چھوڑی تھی کہ اون کی ایک زن مطلقہ کو جس کی حقیقت شانزدہ انہ الیت میں بنصاب شریعت آٹھویں حصہ سے بھی کم تھی۔ اسی ہزار دینار ملے تھے۔ باستاد کنز العمال ملا علی متقی صاحب موضوعات وقس علے ہذا۔ توکل۔ قناعت۔ خودداری اور احتیاط کو قطعاً فراموش کر دیا جس کی تعلیم وہ زمانہ رسول صلعم میں ایک مدت تک پاچکے تھے۔ اب وہ خلفاء عصر کی ان ماہانہ داد و دہش اور نامشروع جہادوں کی غنیمت سے مالا مال اور فارغ البال ہونے کے عادی اور خوگر ہو چکے تھے۔

رسول اللہ صلعم کے بعد جہاد و اجتہاد دونوں تباہ و برباد کر دئے گئے۔

اگر حقیقت بینی اور انصاف سے کام لیا جاوے تو ثابت ہو جائیگا کہ اصول تعلیم کی تقلید نے اسلام میں حکم جہاد و اجتہاد۔ دونوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ اور ان دونوں عملیات اسلامی کی وہ ناگفتہ بہ حالت ہے کہ آج کل مخالفین و معاندین دین کے جتنے حملات و اعتراضات اسلام پر وارد ہوتے ہیں۔ وہ انہیں دونوں امور کی بدعنوانی اور بے ترکیبیوں کے باعث۔ اگر زمانہ رسالت کے عمل یا جہاد اور اوس کی تعمیل و اجرا میں حزم و احتیاط۔ اوس کے قواعد نصاب پر نظر کی جائے اور اون کو زمانہ خلافت کے جہاد کی عملی صورتوں سے ملایا جاوے۔ تو ثابت ہو جاتا ہے کہ عہد رسالت کا جہاد۔ غایت مجبوریوں کے وقت اپنی حفظ خود اختیاری کی ضرورت سے دشمنوں کے قاتلانہ حملات کا مدافعانہ جواب تھا۔ بخلاف اسکے زمانہ خلافت کا جہاد۔ توسیع ملک۔ ترقی اقتدار حصول دولت۔ وصول غنیمت۔ اجرائے مدعاے خود غرضی و نفسانیت کی بنا پر مبنی تھا۔ وہ ان صورتوں میں جہاد شرعی کا حکم نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ ملک گیری کے تمام معارک جنگ میں شمار ہوتے تھے۔

جہاد حصول دولت کا ذریعہ بنا لیا گیا تھا

زمانہ خلافت میں۔ حصول دولت۔ وصول غنیمت کا پورا ذریعہ بناکر اور مذاق زمانہ کے بالکل مطابق پاکر۔ فرائض اسلام میں سے ایک فرض جہاد کو بڑی اہمیت کے ساتھ واجب التعمیل سمجھ لیا گیا تھا اور امت اسلام کے ہر خاص و عام کا اسی پر عملدرآمد قایم تھا۔ عرب کے تمام قدیم مشاغل وکاروبار متروک کردئے گئے۔ یہاں تک کہ تجارت جو اونکا معیار قومیت تھی۔ قطعاً بند کردی گئی۔ حقیقتاً اسلام میں دولت کیا آئی قیامت آئی۔ قناعت۔ توکل اور صبر رخصت ہوگئے۔ تلاش معاش۔ تمنائے تموّل اور فکر تعیش دامنگیر ہوگئی۔ جہاد حکم خداوندی تھا۔ اور ایک خاص حالت و صورت تک مشروط ومحدود تھا۔ اوس کے اصل مقصد و مدعا کو بگاڑ کر۔ ملکی حملات اور جنگی تاخت و تاراج اور عام قتل و غارات کی صورت میں تبدیل کردیا گیا جس کی نظیریں۔ عہد رسالت میں بنی خزیمہ پر خالد ابن ولید کا خود غرضانہ اور ظالمانہ حملہ۔ اوس پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سخت عتاب اور درگاہ رب العزت میں (انی ابراء الیک مما صنع خالد) - (خدایا۔ جو کچھ خالد نے کیا میں اوس سے بالکل بری ہوں) کے ایسا معذرتانہ خطاب۔ ایک طرف رکھا جاوے۔ اسی کے مقابلہ میں انھیں خالد ابن ولید کا زمانہ خلافت میں مالک ابن نویرہ سے جہاد۔ اوس کے مال وآبرو کی ظالمانہ غارت۔ ان کے طرز عمل پر حضرت عمر کی خاص گرفت۔ دوسری طرف رکھی جاوے۔ تو جہاد شرعی و غیر شرعی اور اصلی و غیر اصلی کا پورا انکشاف ہوجاتا ہے اور ثابت ہوجاتا ہے کہ نصاب جہاد کی زیادتی اور شائبہ شدت کے موقع پر اوس حقیقی داعی کلمۃ اللہ اور اصلی مجاہد فی سبیل اللہ روحی لہ الفداہ کی تشویش۔ تردد۔ اور اضطراب کا کیا عالم ہوجاتا تھا۔ وہ اوسکے معذرتانہ قول اللھم ابراء الیک مما صنع خالد کے باربار فرمانے سے ثابت ہے۔ اور پھر اوس کے مابعد کے طرز عمل سے بھی کما حقہٗ ہویدا و آشکار ہے۔ جو بنی خزیمہ کے خون ناحق کی دیت میں اوس نے اپنی جگہ پر اپنے خاص نفس نفیس۔ اپنی ذات خاص کے مماثل اور راہ خدا کے مجاہد کامل کو بھیجکر اپنی مالیت خاص سے اونکے جانوروں تک کی دیت وقیمت کوڑی کوڑی کرکے ادا فرمائی۔ رسالت کے جہاد اور اوس میں کسی بدعنوانی اور فروگذاشت پیدا ہوجانے پر ادائے دیت اور مظلومین کی دلجوئی اور تسکین میں ایسی احتیاط والتفات سے کام لیا جاتا تھا۔

زمانہ خلافت کے جہاد اور اوس میں بدعنوانیوں اور بے ترکیبیوں کی یہ حالت تحقیق سے ثابت ہوتی ہے کہ شکایت پر شکایت ہورہی ہے۔ استغاثہ پر استغاثہ پیش کیا جارہا ہے۔ مگر نہ کوئی شنوا ہوتا ہے اور نہ کوئی اعتنا و توجہ کرنے والا اسی ایک مثال کو پیش نظر رکھکر جس میں حضرت عمر کے ایسے

ولیعہد اور منتظر الخلافت بزرگ کی بھی کچھ نہ چلی اور بالآخر ناکث ابن نویرہ کا خون بہا۔ آجنگ خلافت کے ذمہ رہا۔ جہاد رسالت اور جہاد خلافت کا فرق مابہ الامتیاز ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔

یہ جہاد حقیقتاً جہاد نہیں باقی رہے تھے۔ بلکہ ملکی فرمانرواؤں اور اون کی رعایا کے ایک کاروبار تھے جس نے اتفاق سے بڑا فروغ پایا۔ یہاں تک کہ ملک و قوم کا عام مذاق۔ عام مشغلہ اور گذران اوقات کا ایک ہی ذریعہ و وسیلہ قرار پا گیا۔ اوسوقت بلا امتیاز و اختصاص صحابہ کبار کے طبقہ میں تمام مہاجرو انصار مجاہد ہی مجاہد نظر آتے تھے۔ بہت کم ایسے بزرگوار تھے جو علمی مذاق رکھتے تھے۔ اور قوم و ملت کی قلمی خدمت کرتے تھے۔ اور جو لوگ شاذ و نادر ان مشاغل میں مصروف تھے۔ علی الاکثر وہی افراد قوم تھے۔ جو پیری کے ضعف و نقاہت کی وجہ سے جنگی کاموں سے بیکار ہو گئے تھے۔ یا وہ حضرات تھے جو ان جہادوں کی حقیقت کو سمجھ کر ان کی شرکت سے اعراض فرماتے تھے۔ اور متوکل بخدا ہو کر گھر بیٹھتے تھے۔

کیا عہد رسول صلعم میں صحابہ کبار مجاہد نہیں تھے۔

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا عہد رسول صلعم میں تمام صحابہ کبار مجاہد نہیں تھے۔ اور خدمات جہاد انجام نہیں فرماتے تھے۔ جواب یہ ہے۔ ہاں سب جہاد کرتے تھے۔ مگر مجاہدین میں ہمیشہ انتخاب بھی ہوا کرتا تھا۔ اور یہ انتخاب جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خاص تجویز پر منحصر و موقوف ہوتا تھا۔ اور طریقہ انتخاب بالکل نصاب جہاد کے اصول منصوصہ پر مبنی ہوتا تھا۔ نصاب واجبات کے اعتبار سے جو شخص ان میں تکلیف جہاد کے لئے مکلف سمجھا جاتا تھا۔ وہ مجاہدین کی فہرست میں داخل کیا جاتا تھا۔ اور خدمات جہاد کی انجام دہی کے لئے مجوز ہوتا تھا۔ ورنہ غیر مکلف کو کبھی تکلیف جہاد نہیں دی جاتی تھی۔

اسکے علاوہ۔ جناب رسولخدا صلعم کے عہد میں جہاد ادائے واجب کی خالص نیت اور کامل ارادے سے کیا جاتا تھا اور جہاد بعد رسول اللہ صلعم توسیع ملک اور حصول دولت کے اغراض و اتیات کے قصد سے۔

خالص جہاد کی عملی مثال

مثال کے لئے جنگ احد میں۔ حضرت علی اور ایک کافر کا مقابل ہونا۔ حضرت علی علیہ السلام کا اوس پر غالب آنا۔ کافر کا زخمی ہو کر گرنا۔ حضرت علی کا سر کاٹنے کی نیت سے اوس کے سینہ پر چڑھنا۔ کافر کا روئے مبارک پر تھوک دینا۔ آپ کا فوراً اوس کو ویسا ہی چھوڑ کر اپنی صف میں اپنے مقام پر واپس چلا آنا۔ صحابہ کا باعث عفو پوچھنا۔ حضرت علیؑ کا جواب میں ارشاد فرمانا کہ اسوقت تک میرا جہاد ادائے واجب کی خالص نیت کے ساتھ تھا۔ اب جب اوس نے میرے

موںھہ پر تھوک دیا تو ایسی حالت میں اوس کے سر کاٹ لینے سے میرے خلوص جہاد میں شرکت نفس واقع ہو جاتی۔ یہ بہت مشہور واقعہ ہے۔ مولوی روم نے اپنی مثنوی میں بڑی شرح و بسط سے پورے واقعہ کو نظم کیا ہے جس کا شعر اول یہ ہے ؎

ازعلی آموز اخلاص عمل ــــ شیر حق را داں منزّہ از دغل

اگر تحقیق و غور سے کام لیا جائے تو ایسے خالص مجاہدین عہد رسول صلعم میں اکثر نظر آئینگے۔ مگر افسوس کہ رسول صلعم کی آنکھ بند ہوتے ہی۔ یہ صورتیں تو باقی رہتی ہیں گر ان کے عمل جاتے رہتے ہیں۔ حضرت عمر کی خلافت میں۔ محاصرہ روم کے موقع پر جب قیصر کی کثرت فوج کی خبر نے مدینہ کے تمام اہل اسلام کو گھبرا دیا۔ اور حضرت عمر نے مجلس مشورت جمع کی۔ اور اوس میں بالخصوص حضرت علیؑ سے مستفسر ہوئے۔ تو اونھوں نے مقابلہ و مقاتلہ کی مفید و ضروری تدبیریں بتلا کر یہ فقرات بھی آخر میں اون سے ارشاد فرمائے کہ یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہئیے کہ عہد رسول صلعم میں ہم لوگ تعداد فوج کے اعتبار پر نہیں لڑتے تھے۔ بلکہ معارک جنگ میں۔ ادائے واجب اور خلوص نیت ہمارا نصب العین ہوتا تھا۔ ملاحظہ ہو تاریخ ابن اثیر جلد ۳ و تاریخ اعثم کوفی جلد ۲ نسخہ قلمی

زمانہ خلافت میں ایسے خالص جہاد کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں اور ایسے کامل مجاہدین کی شاذ و نادر صورتیں دکھلائی دیتی ہیں۔ اسی بنا پر مخالفین اسلام کے اون تمام بیجا اور بے سر و پا تعریضات کا جو غزوات النبی صلعم اور عقاید جہاد کے متعلق وارد کرتے ہیں۔ نہایت آسانی سے شافی اور کافی جواب دے دیا جاتا ہے۔ لیکن جب بعد رسول صلعم۔ خلفاء و امراء کے جنگی مظالم اور ملکی مفاسد کے کشف حالات کرتے ہیں۔ تو سوائے اسکے کہ اون کے معارک جنگ کو احکام جہاد سے بالکل بے تعلق بتلا کر۔ بادشاہوں کی معمولی ملکی لڑائی بتلائی جاوے اور کوئی جواب معقول کسی سے بن نہیں پڑتا۔ نہیں معلوم کہ شبلی صاحب کا اس مسئلہ خاص میں کیا مختار تھا۔ مگر سرسید زمانہ خلافت کے تمام جنگی حالات کو جہاد کے معنیوں میں لینے سے قطعی انکار کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ تہذیب الاخلاق مضمون جہاد۔

جہاد کے ایسا اجتہاد بھی غارت ہوا۔

عہد رسول صلعم کے بعد۔ جیسا جہاد غارت ہوا ویسا ہی اجتہاد و مسائل جماعت (یعنی دومۃ الجندل کے بے ایمان فیصلہ کے بعد) سے تو جہاد کی اور ناگفتہ حالت ہو گئی جسکا نمونہ عہد معاویہ میں حرمین شریفین پر بسر ابن ارطاۃ صحابی کا حملہ۔ طائف میں پسران عبد اللہ ابن عباس بحالت صغر سنی قتل کیا جانا۔ پھر عہد یزید ابن معاویہ میں۔ واقعہ کربلا۔ واقعہ حرا۔ غارت مدینہ منورہ احراق

کعبہ معظمہ موجود ہے۔

جب بنی ہاشم کی طرف سے بنی امیہ کو خاطر خواہ اطمینان ہوگیا۔ اور حجاز۔ عراق جزائر مصر و افریقہ تک خلافت کا تسلط ہوگیا۔ تو اختیار و اقتدار کے بعد۔ استقرار حکومت اور استمرار سلطنت کی تدبیر پیش نظر ہوئی۔ چونکہ ابتدا ہی سے مذہب حصول دنیا کا ایک تیار آلہ قرار دے لیا گیا تھا۔ اس لئے اس تدبیر میں بھی اوسی سے کام لیا گیا۔ صرف صورت بدل دی گئی۔ اور چونکہ تسلط ہوجانے کے بعد جہاد اور مجاہدین کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ اس لئے اون کی جگہہ پر اجتہاد اور مجتہدین حدیث و فقہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس بنا پر علمائے محدثین اور فقہائے دین طلب ہوئے۔ اور ان حضرات سے پہلے پہلے فضائل بنی امیہ میں تصنیع و ترصیع احادیث کی فرمائش ہوئی جب ایسی حدیثیں حد و انحصار سے باہر اور ضرورت سے زیادہ ہوکر تمام ممالک اسلامیہ میں ذائع و شائع ہوگئیں تو فضائل و مناقب خلفائے سابقین کی تجمیع و ترتیب کی ہدایت ہوئی۔ جیسا کہ علامہ ابن مدائنی کی کتاب الاحداث سے اوپر لکھہ دیا گیا ہے۔

یہ واقعات ثابت کر رہے ہیں کہ خلفائے اولین کے عہد میں جس طرح جہاد و مجاہدین کی کثرت تھی اوسی طرح خلفائے متاخرین۔ بنی امیہ و عباسیہ کے زمانہ میں اجتہاد و مجتہدین سے شاہی دربار اور تمام امصار و دیار بھر گیا۔ پانچ سات برس پہلے جیسے جہاد ملکی پیشہ اور قومی کاروبار بنا لیا گیا تھا بالکل اوسی طرح اسوقت اجتہاد بھی ذریعہ معاش اور بسر اوقات کا وسیلہ قرار دے لیا گیا۔ اور بقول امام مدائنی۔ وضعی حدیثیں بنانے کے لئے۔ خلافت کی طرف سے بڑے بڑے انعامات۔ جاگیریں اور خلعت ملا کرتے تھے۔ ہر عالم۔ فقیہہ۔ محدث قاضی اور خطیب مال و دولت اور ثروت و تمکنت میں والیان ملکی سے کم نہیں تہا۔ ملک و قوم کی نگاہوں میں ان کی قدر و منزلت۔ حرمت و عظمت امراؤ سلاطین سے فروتر نہیں تھی۔ اور یہ حضرات بھی اپنے اقتدار و اعتبار کے خیالوں میں اپنے آگے ملک و قوم کے معمولی طبقات کی کوئی ہستی نہیں سمجھتے تھے۔ معمولی عالم کی صحبت بڑے بڑے امرائے ملکی کی مجلس سے شان و شوکت میں کم نہیں تھی۔ کسی محدث اور فقیہہ کی مجلس کی زیب و زیبائش قصر شاہی کی آرائش سے ہلکی نہیں تھی۔

مشہور بن علما و محدثین کی نمود اریوں کا کیا ذکر۔ مرویات احادیث کے معمولی رواۃ کی خود نمائی و نا غدائی رعونت اور خود نمائی دیکھنے کے قابل ہے۔ یہاں ہم ایک خود نما اور رعونت پسند رواۃ کی جو صحیح بخاری اور مسند امام احمد ابن حنبل کے ایسے مستند و معتبر کتب صحاح کا مشترک راوی ہے۔ میزان الاعتدال ذہبی

کی اسناد سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

عن ابن معین قال قدمنا علی غندر فقال لاحدثکم حتی تمشوا خلفی فیراکم اهل السوق فیکرمونی۔

ابن معین کہتے ہیں کہ ہم غندر سے حدیث سننے کے لئے گئے جب انکے پاس پہونچے تو اوس نے کہا کہ جب تک تم لوگ ہمارے پیچھے پیچھے بازار میں نہ چلو گے کہ لوگ دیکھیں اور ہماری تعظیم کریں تب تک ہم تمکو حدیثیں نہ سنائیں گے۔

اب اس سے بڑھکر اس راوی حدیث کی دنیا داری کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ اس غرض سے کہ لوگ اوسکی قدر و منزلت کریں۔ شاگردوں سے اس کی خواہش و فرمایش کرتا ہے کہ وہ اُسکے پیچھے پیچھے بازاروں میں اور گلی کوچوں میں چلیں اس سے بڑھکر کم ظرفی اور دیانت طبعی کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے۔

محدث صاحب کا حد تعقل — اس کے بعد اس معلم حدیث اور محدث کی حد تعقل بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ فراست تو اتنی اور عقل و دانش اتنی۔ اوسی میزان الاعتدال میں ہے۔ یحیی ابن معین کہتے ہیں کہ غندر ایک روز بازار سے مچھلی لائے۔ گھروالوں کو دی کہ اہتمام سے پکائی جاوے۔ حکم دیکر سو گئے۔ گھروالوں نے مچھلی پکاکر کھاڈالی اور ان کو سوتا کا سوتا چوڑدیا۔ لیکن مزاج کے قصد سے ان کے ہاتھ میں شوربہ لگا دیا گھری نیند سے جب ان کی آنکھ کھلی تو فوراً مچھلی یاد آئی۔ کہنے لگے مچھلی لاؤ۔ مچھلی لاؤ۔ گھروالوں نے کہا سبحان اللہ۔ ساری مچھلی ہضم کر گئے پھر کہتے ہیں۔ مچھلی لاؤ۔ مچھلی لاؤ۔ ذرا ہاتھ تو سونگھو غندر نے یقین کرنیکے لئے ہاتھ سونگھا تو واقعی مچھلی کے شوربہ کی بو آتی تھی تو خاموش ہو رہے۔

جب ان کے حافظہ و عقل کی یہ مقدار و کیفیت تھی تو انکی قوت سامعہ اور استحفاظ کا کس عقل والے کو اعتبار ہوسکتا ہے۔

غندر کی وجہ تسمیہ — عقل کا اندازہ ہوچکا۔ اوسی میزان الاعتدال کی عبارت سے ان کے مزاج کا بھی موازنہ کرلیا جاوے۔ ان کے ملقب بہ غندر کی توجیہہ میں مرقوم ہے۔ ابن ابی جریج نے انکا یہ نام رکھا ہے۔ اس لئے کہ بات بات پر یہ لڑتے اور جھگڑتے رہتے تھے۔ اہل حجاز ایسے مزاج والے آدمی کو غندر کہتے ہیں۔ اسی رعایت و مناسبت سے یہ بھی غندر ہو گئے۔

مندرجہ بالا واقعات سے کامل طور پر سمجھہ لیا جاوے گا کہ محدثین اور علما و فقہا اسلام کی ان ایام میں کیا شان ہوگئی تھی۔ اور اون کے آداب و معاشرت۔ اعمال و اشتغال اور اخلاق و مذاق میں سلطنت کے کیسے اثر پیدا ہوگئے تھے۔ وہ قیود احتیاط اور حدود عفاف کی جگہہ علایق دنیا اور کسب معاش اور فکر تعیش میں مبتلا تھے۔ حدیثوں کا بیان و اعلان اون کا پیشہ تھا۔ وہ اس کی تعلیم تلقین کو

خالصۃً للہ نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی گذران اوقات اور سامان معیشت کا ذریعہ سمجھکر عمل میں لاتے تھے
حکومت کی تجویز کی تائید میں ہزاروں حدیثیں دن رات بنتی رہتی تھیں اور ایک زبان سے ہوکر ہزاروں
زبانوں پر چڑھکر متواتر ہونے کے خلعت پہنا کرتی تھیں زمانہ کی ظلمت اور اہل زمانہ کی نکبت سے
عالم اسلام میں غفلت کی وہ تاریکی پھیلا رکھی تھی کہ کسی کے دل میں نہ خدا کا خوف باقی رہا تھا
اور نہ رسول کا درد۔ جس نفس قدسی پر کتنے بہتان دن اتنے اتہام باندھے جاتے تھے اور کسی کو
اسکا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔ یہ تھا شمشیر سلطنت کا اثر۔ اور یہ تھا تدبیر حکومت کا دست متقدر جس
سے شبلی صاحب اغماض فرماتے ہیں۔

احادیث موضوعات پر علما کی ندامت لیکن ان مصنوعات کے انبار احصار و شمار سے بھی زیادہ ہوگئے۔ اور
اتنے کہ حق و باطل کی تمیز بالکل دشوار ہوگئی۔ تو ان محدثین متقدمین کو اپنے نقل حدیث پر سخت ندامت
دامنگیر ہوئی۔ اور معترفاً اقرار کرنا ہوا۔ کہ نقل و بیان حدیث کی نہ اتنی کثرت کی جاتی اور نہ اقوال و
ارشاد کی یہ اہانت دیکھی جاتی۔ ان حضرات میں سے چند بزرگواروں کے اعترافات اور معذرتانہ کلمات
ذیل میں اون کے خاص الفاظ کے ساتھ نقل کئے جاتے ہیں۔ امام شعبی فرماتے ہیں :۔

کرہ الصالحون الاولون الاکثار من الحدیث ولو استقبلت من امری ما استدبرت ما حدثت الا ما اجمع علیہ اہل الحدیث	پہلے صحابہ زیادہ روایت بیان کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اور واقعی روایت میں جو نقصان ہے اگر وہ پہلے سے مجھے معلوم ہوتے تو میں ہرگز روایت نہ بیان کرتا جن حدیثوں پر سب کا اجماع ہوتا صرف اونھیں کو بیان کرتا۔

امام عبداللہ ابن عبدالرحمن دارمی نے لکھا ہے۔

قال عاصم سئالت الشعبی عن حدیث فحدثنیہ فقلت انہ یرفع الی النبی صلعم فقال لا علی من دون النبی صلعم احب الینا فان کان زیادۃ او نقصان کان علی من دون النبی صلعم۔	عاصم کا بیان ہے کہ میں نے شعبی سے ایک حدیث پوچھی اونہوں نے بیان کردی۔ میں نے پوچھا کیا آپ اسے جناب رسول خدا صلعم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کہا نہیں۔ اسلئے کہ اگر حدیث کے لفظوں میں کمی و بیشی ہو اور غیر رسول صلعم کی طرف منسوب کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

ایضاً مسند دارمی میں مرقوم ہے :۔

قال ابراھیم النخعی نھی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن المحاقلۃ والمزابنۃ فقیل لہ اما تحفظ	ابراہیم نخعی نے ایک روز محاقلہ اور مزابنہ کی نہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت بیان کی۔ اسپر لوگوں نے

عن رسول اللہ صلعم حدیثاً غیر ھذا قال بلی ولکن اقول قال عبد اللہ قال علقمہ احب لی

کہا کہ تمہیں کیا ایک ہی حدیث آنحضرت صلعم سے یاد ہے۔ کیونکہ آجتک کوئی اور حدیث تم سے سننے میں نہیں آئی۔ ابراہیم نے جواب دیا مجھے بہت سی حدیثیں یاد ہیں۔ مگر میں روایتیں محض عبد اللہ ابن مسعود اور علقمہ تک پہونچا دیتا ہوں اور مجھکو یہی طریقہ پسند ہے۔

تذکرۃ الحفاظ ذہبی میں ہے کہ امام شعبہ جو امیر المومنین فی الحدیث ہیں اور ان کو انس ابن مالک صحابی کی صحبت کا بھی شرف حاصل ہے اور خدا جھوٹ نہ بلوائے تو چار سو تابعین سے تقریباً دس ہزار حدیثوں کی روایت بھی کی ہے کہ جس کے سبب سے ان کو فن رجال کا سنگ بنیاد رکھنے کا فخر حاصل ہے اور نیز آپ کے شاگردی پر امام سفیان ثوری محدث کو ناز ہے پس آپکو جس وقت حدیث کے نقصان پر اطلاع ہوئی تو نہایت افسوس کے ساتھ فرمایا۔

وددت انی وقاد الحمام ولم اعرف الحدیث || مجھے پسند تھا کہ میں حمام میں ایندھن جھونکا کرتا اور کاش کہ حدیث نہ جانتا۔

سفیان ثوری جن کا مقدس خطاب سید الحفاظ ہے۔ اور خدا جھوٹ نہ بلوائے تو بیس اور تیس ہزار کے درمیان انہوں نے روایت کی ہے۔ جن کے فضل وکمال کا پایہ۔ مالک اور یحیی ابن سعید القطان سے بھی زیادہ بلند تھا۔ جب ان پر حدیثوں کے نقصان وخرابی کا حال کھلا تو نہایت خوف وہراس اور افسوس ویاس سے فرمایا کہ یہی غنیمت ہے کہ قیامت میں مجھ سے میرے علم کے لئے کوئی مواخذہ نہو۔ اور مجھے اپنے تمام اعمال میں حدیث کی روایت سے زیادہ کسی اور عمل سے اندیشہ نہیں ہے۔

تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی میں ہے کہ اسحاق ابن اسمعیل الطالقانی جنکی کنیت ابو ایوب ہے۔ روایت حدیث سے ایسے بیزار ہوئے کہ مرنے سے پانچ برس پہلے قسم کھالی کہ آج سے روایت نہ کروں گا۔

ایضاً تہذیب التہذیب میں ہے۔

ہشام دستوائی جن کا لقب الحافظ الحجۃ ہے۔ جب انکو احادیث کی خرابیاں معلوم ہوئیں تو اسقدر روئے کہ آنکھیں جاتی رہیں اور بار بار یہی فرماتے تھے۔ کہ وہ اگر حدیث کی بازپرس سے چھوٹ جائیں تو غنیمت

بکی ھشام الدستوائی حتی فسدت عیناہ فیقول لیتنا نجوا من الحدیث۔ || دستوائی کا رو تے روتے آنکھیں جاتی رہیں کہتے تھے کہ اگر احادیث کی بازپرس سے چھوٹ جاؤں تو غنیمت ہے۔

اوسی تہذیب التہذیب میں ہے کہ حبان ابن ہلال باہلی نے روایات احادیث سے تنگ آکر ایسے

کنارہ کشی اختیار فرمائی۔ تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ مسعر ابن کرام۔ جو کہ اعلام محدثین میں ہیں۔ ابن قطان جن کی نسبت فرماتے ہیں کہ میں نے فن حدیث میں کسی کو انکا ہمسر نہیں پایا۔ جب اون کو واقعات روایات کے فسادات کا علم ہوا تو ایسے پریشان ہوئے کہ گھبرا کر فرمانے لگے۔

وددت ان الحدیث قوارير على راسي فسقطت فكسرت۔	مجھے یہ پسند تھا کہ حدیثیں میرے سر پر سے آبگینہ بنکر گرتیں اور ٹوٹ جاتیں۔

حدیثوں کی کثرت اور کثرت کی بدولت ان کی ذلت و حقارت کا یہ نتیجہ نکلا کہ طبقہ کرام محدثین محتاطین میں اتنے حضرات نے آخر کار نقل و بیان احادیث پر اپنی طرف سے ندامت کا اظہار فرمایا۔ ندامت و حجاب ہی پر اکتفا نہ فرمائی۔ بلکہ اکثر بزرگوں نے مطلقاً اس کام ہی کو چھوڑ دیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

کتب موضوعات کی تالیف کا زمانہ

اس کے بعد جب معاون سلطنت کے اقتدار میں کمی آئی۔ یا یوں سمجھا جاوے کہ اب سلطنت کو ان کی استمداد و اعانت کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ اور قوم و ملک کے اہل علم و خبیر اور صاحبان نظر و اثر کو اتباع سلطنت اور خوف حکومت سے بھی کسی قدر آزادی اور فراغت حاصل ہوئی۔ تو احادیث رسول صلعم کے ان مفاسد و معائب کی طرف ان کو غور و خوض کرنے کا پورا موقع ملا۔ بڑی فکر و تلاش اور سعی و کوشش کے بعد جعلی اور مصنوعی احادیث کا پتہ لگایا گیا اور احادیث صحیحہ کو چن چن کر موضوعات کے انبار سے علیحدہ کیا گیا۔ اور علم اسماء الرجال کی امداد سے اس موضوع خاص پر موضوعات فی الحدیث کے دفتر کے دفتر تیار و مرتب کئے گئے۔ موضوعات ابن جوزی۔ موضوعات شوکانی اور موضوعات ملا علی قاری وغیر امثالہم۔ اس عادت کے معلول اور اس صنف خاص کے موضوع ثابت ہوتے ہیں۔

عام کتب احادیث کے علاوہ کتب صحاح کی صحت پر بھی نظر ڈالی گئی۔ اور باعتبار صحت بخاری مسلم ترمذی علی الترتیب نمبر قایم کئے گئے۔ پھر صحیحین بخاری و مسلم کی مساوات فی الصحت کا مسئلہ پیش ہوا۔ اور ان میں سے رطب و یابس کی تمیز و تنقیح کے بعد امام حمیدی اندلسی نے جمع بین الصحیحین تیار کی۔ مگر باایں ہمہ سعی و کوشش اور کد و کاوش کے کسی حدیث کی کتاب کی نسبت یہ قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی سب حدیثیں صحیح ہیں اور اب کتاب میں کوئی غلط، مشتبہ اور مخدوش روایت نہیں ہے۔ سوائے شبلی صاحب کے کوئی دوسرا نہیں کہہ سکتا کہ صحیحین بخاری و مسلم میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں۔ شبلی صاحب اس قیاس و رائے میں بالکل منفرد ہیں۔ مگر افسوس۔ اسی دیباچہ میں آگے چلکر صحیح بخاری کی روایات کو خود مخدوش، مشکوک اور اوس کے رواۃ کو ضعیف اور مشتبہ

ثابت کرتے ہیں۔ جیساکہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

یہ امر بھی ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ کتب موضوعات میں انھیں احادیث سے انکار کیا گیا ہے جو موئید عقاید اور معین واقعات خلافت ثابت نہیں ہوتی تھیں۔ باقی وہ تمام موضوعات و مصنوعات جن سے عقائد اور خلافت کے مقاصد کی تائید و تاسیس ہوتی تھی۔ ویسی ہی کی ویسی رہنے دی گئیں۔

دیالمہ اور تائید علما۔ یہ امر بھی قابل گذارش ہے کہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ موضوعات کی کتابوں کی تصنیف و تالیف کا زمانہ دولت عباسیہ کے زوال اور دولت دیالمہ اور حکومت ابویہ کے اقبال سے آغاز ہوتا ہے۔ جن کا ہر ہر فرد تمام علوم و فنون کا موئید کامل تھا۔ اور تمام علما و حکما سے انقطاع عالم کا مرکز تمنا۔

یہ زمانہ بھی اثر سلطنت سے خالی نہیں تھا۔ مگر باوجود اس کے تاریخیں ثابت کر رہی ہیں کہ اسلامی تحقیق کا یہ روشن زمانہ بھی تعصب کی تاریکیوں سے خالی نہیں تھا۔ اور تسلط حکومت کی تدبیر اسوقت بھی اگرچہ اظہار حقیقت سے کتنے ہی دور ہو مد نظر رہتی تھی۔ انہیں تحقیقات اور حقیقت واقعات کی بنا پر خلیفہ معتضد باللہ نے ۲۸۳ھ میں اہل اسلام کے دلوں سے صرف خلفائے بنی امیہ کے خیال عظمت و حرمت کے ہٹانے اور مٹانے کے لئے۔ جو انہیں موضوعی اور وضعی حدیثوں کی وجہ سے اون کے ذہن نشین ہو رہے تھے قصد کیا تھا کہ ایک عام اعلان سلطانی کے ذریعہ سے ان اقسام کے عقائد باطلہ کی امتناع و استیصال کر دیا جاوے۔ مگر پھر وہی حضرات (علما و فقہائے کرام) جو ان موضوعات احادیث کے متاصل کرنے والے تھے۔ ایک دوسرے رنگ میں اسکے مانع ہوئے۔" یہ پورا واقعہ تاریخ طبری کی مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

وفی سنہ ثلاث وثمانین و مائتین امر المعتضد باللہ بکتابۃ الطعن فی معویہ و ابنتہ وابیہ واباحۃ لعنہم وکان من جملۃ ما کتب فی ذلک بعد الحمد لہ والصلوٰۃ علی النبیؐ انہ لما بعثہ اللہ رسولا کان اشد الناس فی مخالفتہ بنو امیۃ واعظمہم فی ذلک ابو سفیان وامر ان یقال ذلک فی البلاد ویلعن معاویۃ علی المنابر فقیل لہ ان فی ذلک

۲۸۳ھ میں معتضد باللہ نے حکم دیا کہ معاویہ۔ یزید اور ابو سفیان کے مطاعن میں اور نیز اس باب میں کہ اون پر لعن مباح ہے۔ ایک کتبہ (اعلان شاہی) تیار کیا جاوے۔ چنانچہ جو مطاعن اوس کتبہ میں درج کئے گئے منجملہ اون کے ایک یہی ہے کہ۔ بعد حمد خدا و نعت مصطفیٰ صلعم واضح ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث برسالت فرمایا تو سب سے زیادہ بنی امیہ نے آنحضرت صلعم کی مخالفت پر کمر باندھی اور اس مخالفت

استطالۃ العلویین وھم فی کل وقت یخرجون علی السلطان فیحصل بہ الفتن بین الناس فامسک عن ذلک

تاریخ کبیر طبری

میں ابوسفیان کا نمبر اول تھا نیز معتضد نے حکم دیا کہ کتبہ کا مضمون تمام بلاد میں شائع کیا جائے اور معاویہ کی نسبت کلمات لعن استعمال کئے جاویں معتضد کا یہ ارادہ دیکھ کر ارکان دولت نے سمجھایا کہ ایسا کرنے سے علویوں کو دلیری ہو جائیگی اور بادشاہ وقت پر خروج کریں گے اور رعایا میں فساد برپا ہو جائیگا۔ یہ سنکر خلیفہ معتضد باللہ چپ ہو رہا۔ اور اس قصد سے باز رہا۔

استحفاظ سلطنت اور استمرار و استقرار حکومت کی اس تدبیر نے تو حق و باطل کی تمیز اور حقیقت کا انکشاف ہونے نہ دیا۔ اسی طمع و حرص کی تاریکیوں نے حقیقت کے انوار اور اصلیت کے اسرار کو ہمیشہ مخفی کر رکھا اور ان کی جلوہ نمائیوں کو انواع اقسام کی ترکیبوں اور تدبیروں سے چھپایا۔ اس سے ہر شخص حقیقت حال کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ ان حضرات کو اصلیت اور واقعیت سے پوری اطلاع تھی۔ حق ناحق۔ صحیح غلط۔ اصلی اور مصنوعی۔ غیر مصنوعی کی کامل شناخت اور کافی اطلاع تھی۔ مگر سلطنت کا اقتدار اپنا اعتبار اور حصول دنیا کے کاروبار قائم و برقرار رکھنے کے سبب خاص سے۔ حق کو حق۔ صحیح کو صحیح۔ اور اصلی کو اصلی کہنے یا بتلانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ اور قصور معاف۔ اپنی اس ضرورت پوری کرنے اور مطلب نکالنے کے آگے نہ ایمان کوئی شئے تھی اور نہ مذہب کوئی چیز اب اس سے بڑھکر سلطنت کا دباؤ یا سلطنت کا لگاؤ۔ کیا کوئی اور ہو سکتا ہے۔

آل فاطمہؑ کی توہین احادیث کی بربادی اور بدعنوانی کے انکشاف حقیقت کے متعلق ہم اتنی ہی نقل و بیان کو کافی سمجھ کر مسئلہ زیر بحث کو تمام کرتے ہیں۔ اور آئندہ سلسلہ بیان میں شبلی صاحب کے دوسری نمائشی اور محض زبانی تنقیح کی چہرہ کشائی کرتے ہیں۔

شبلی صاحب نے بیکار بے سود اور بے ضرورت ان ناگفتہ بہ اور ناپرسان امور کا ذکر نکالا۔ کہ آل فاطمہؑ کی توہین کرائی اور جمعہ میں برسر منبر حضرت علیؑ پر لعن کہلوایا (لعن کہلوائی) سیکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں۔ عباسیوں کے زمانہ میں ایک ایک خلیفہ کی نام بنام پیشینگوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں۔

ان امور ناپرسان کی طرف آپ کی توجہ اس ضرورت خاص سے منعطف ہوئی ہے کہ آپ اپنے محدثین اور مولفین موضوعات کی دیانت داری اور غیر جانبداری ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ

ان واقعات سے اور ان موضوعات کے انکشافات سے نہ ہم ان علما کی دیانت داری تسلیم کر سکتے ہیں اور نہ اون کی حقیقت نگاری مان سکتے ہیں۔ جن کی حقیقت ہم اوپر پوری تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ بلکہ اس تھوڑی بہت حقیقت نویسی کو ہم زمانہ کے تغیر خیالات اور اون صاحبان حقانیت کے پاک روحانیت کا غیر مرئی اثر یقین کرتے ہیں۔ جن کے فضائل و مناقب روحانی کے چھپانے۔ گھٹانے اور مٹانے کی خاص غرض ہے۔ ان موضوعات و مصنوعات کا انبار بھی لگا یا گیا۔ اور یہ دفتر کے دفتر طومار کے طومار بھی تیار کئے گئے۔ پھر بھی خدا کی شان ہے اور اون نفوس مقدسہ کی حقیقت کا اعلان کہ جس طبقہ اور فرقہ کے ہاتھوں سے یہ طومار تیار کئے گئے انھیں ہاتھوں سے مٹائے بھی گئے۔

بنی فاطمہؑ کو آل فاطمہؑ لکھنا بھی توہین آمیز غلطی ہے۔

یہاں تک تو ہماری تمہیدی عبارت تھی۔ اب شبلی صاحب کی تحریر کی مفصلہ ذیل توضیح و تنقیح قلمبند کی جاتی ہے۔

تعجب ہے کہ شمس العلما شبلی صاحب کے ایسے فاضل محقق اور کامل ادیب اور آل فاطمہؑ کی ایسی غلط ترکیب خلاف قاعدہ و اصطلاح عرب قلمبند فرمائے۔ کیا قرآن مجید میں۔ آل ابراہیم آل موسیٰ و آل ہارون کی جگہ اسکا استعمال مؤنثہ کے ساتھ مثل آل سارہ۔ آل صفرہ۔ یا آل فرعون کی جگہ آل آسیہ وغیرہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔

اور اگر جمع مؤنثہ خلاف فصاحت اور منافی قواعد نہ بھی ہوتا ہم مخالف استعمال اور معارض اصطلاح عام تو ضرور ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کے علاوہ آپ اپنی کتب و حدیث و سیرت و تاریخ میں بھی بنی فاطمہؑ کی جگہ آل فاطمہؑ لکھا ہوا نہیں دکھلا سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں سے آپ کو اتنی اجنبیت اور مغائرت حاصل ہے کہ آپ ان کے اصلی نام اور القاب کو بھی صحت کے ساتھ نہیں لکھ سکتے۔ ہم تو بنی فاطمہؑ کی جگہ آل فاطمہؑ لکھنے والے کو بھی بمصداق دفعتکم عن مقامکم وازالتکم عن مراتبکم التی رتبکم اللہ فیھا۔ تم کو تمہارے اصل مقام سے ہٹا دیا اور اون رتبوں سے گھٹا یا جو خدا نے تم کو دئے تھے۔ بے ادبی اور جواب دہی سے خالی نہ سمجھیں گے جس نے ایک مشہور و معروف اور مخصوص خطاب و القاب کی جگہ غیر معروف لفظ کو مستعمل کر کے ان حضرات کی ایک گونہ توہین کر دی ہے۔

شبلی صاحب کو کہنا پڑی ہے کہ وہ توہین بنی فاطمہؑ کی کوئی تفصیل کریں بتفصیل و تصریح کیسی بھی غنیمت ہے کہ آپ نے توہین کا اقرار کر دیا۔ وہ بھی ظاہر ہے کہ ان حضرات کے ساتھ خلوص و عقیدت کے تقاضہ سے نہیں۔ بلکہ اپنے علما کی اظہار و دیانت کی ضرورت سے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ آپ نے ان واقعات ناگفتہ اور ان حالات ناشنوا کا بیکار ذکر نکالا۔ یا اپنے سلسلہ بیان میں اسکا

اشارہ فرمایا۔ جن کے اظہار و اعلان سے آپ کے مسلمات عقائد میں مفاسد اور بڑے بڑے اکابر و عمائدین کے معائب ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی حزم و احتیاط کو مدنظر رکھ کر صرف توہین آل فاطمہؑ کا اشارہ کر کے قطعاً سکوت اختیار فرمایا گیا ہے۔

مگر آپ کی طرح ہم حقیقت کو چھپا نہیں سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ واقعات بہت کم اہل اسلام کے قلب میں جاگزیں اور اون کے ذہن نشین ہیں۔ مگر با ایں ہمہ اسقاط و احذاف و استخفاف۔ اونکی کثیر التعداد مثالیں شبلی صاحب ہی کی کتب احادیث و تاریخ میں محفوظ ہیں۔ جن میں سے ذیل میں چند مثالیں نمونے کے طور پر نقل کیجاتی ہیں۔ جن سے ثابت ہوجائیگا کہ ان حضرات مقدسین کی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قرابت۔ اور ان کے ذاتی فضائل و مناقب۔ ظلم حکومت اور ائمہ امت کے ہاتھوں کیسے غارت کئے گئے تھے اور ان کی اہانت ہتک حرمت اور بے آبروئی کا کوئی پہلو اوٹھا نہیں رکھا گیا تھا۔

اہانت کی پہلی مثال | تاریخ ابن اثیر میں ہے کہ معاویہ کے حکم سے اہل شام کو یہ بتایا گیا تھا کہ "یہ شخص ابوترابؑ جن پر تم لوگ لعنت کرتے ہو۔ وہ یمن کے ایک قبیلہ کا بہت بڑا چور ہے"۔ ابن اثیر جلد پنجم

دوسری مثال | ایام حج میں ایک مرد کہن سال باشندہ شام سے چند لوگ خانہ کعبہ میں ملے۔ جو حضرت علی کو گالیاں دے رہا تھا۔ اوسکے سمجھانے کی غرض سے ایک صاحب اوسکے پاس آئے اور پوچھنے لگے کہ تم علیؑ کو جانتے ہو۔ اوس نے کہا کون علیؑ۔ وہی نہ جو حضرت عائشہ کے بھائی حضرت...... کے باپ تھے۔ وہ تو کسی جنگ میں مارے گئے۔ ابن اثیر جلد پنجم۔

تیسری مثال بنی فاطمہ کی انتہائی توہین | طبقات ابن سعد میں ہے۔

عن عمیر ابن اسحاق قال کان مروان امیرا علینا وکان یسب علیا کل جمعۃ علی المنبر والحسن علیہ السلام یسمع فلا یرد شیئا ثم ارسل الیہ رجلا یقول لہ بعلیّ۔ بعلیّ بعلیّ وبك وبك وبك۔ مثلك الا مثل البغلۃ یقال لھا ابوك فیقول امی الفرس

عمیر ابن اسحاق سے مروی ہے کہ مروان ہم پر امیر تھا اور وہ ہر جمعہ کو منبر پر چڑھکر حضرت علی پر لعنت کیا کرتا تھا اور جناب امام حسن علیہ السلام سُنا کرتے تھے اور جواب نہ دیتے تھے۔ (اے فلک آن ابتدا ایں انتہائے اہلبیت) اُس نے ایک دن ایک آدمی خاص طور پر امام حسن کے پاس بھیجکر یہ کہلا بھیجا کہ علیؑ پر علی پر علی پر تم پر تم پر اور تم پر لعنت۔ تمہاری مثال بالکل خچر کی ہے جب اُس سے پوچھو کہ تمہارا باپ کون ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ میری ماں گھوڑی ہے"

علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی اسواقعہ کو لکھا ہے۔ اور حافظ ابن حجر صاحب نے تو اسکی نظیر میں ایک دوسرا واقعہ بھی اپنی کتاب صواعق محرقہ میں قلمبند فرمایا ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

قال السید ابو الحسین یحیی فی کتابہ اخبار المدینہ
حدثنا ھارون ابن عبد الملک بن الماجشون
قال لما قدم خالد بن الحارث بن الحکم بن العاص
وھو ابن المطیرہ علی منبر رسول اللہ صلعم
یوم جمعۃ تشتم النبی صلعم وشتم علیا و
قال استعمل علیا وھو یعلم ان علیا خائن و
ولکن شفعت لہ ابنتہ (الآخر الحدیث)

علامہ سید ابو الحسین یحیی اپنی کتاب اخبار المدینہ میں لکھتے ہیں
کہ ہارون ابن عبد الملک ابن ماجشون کا بیان ہے کہ
خالد ابن حارث ابن حکم ابن عاص الملقب با بن مطیرہ
یوم جمعہ کو منبر رسول صلعم پر بیٹھا اور جناب رسولخدا صلعم اور
حضرت علی پر سب و شتم کرنے لگا اور کہنے لگا کہ محمد صلعم نے
علی کو بلاد اسلامیہ کا عامل مقرر کیا حالانکہ آپ جانتے
تھے کہ وہ خائن ہیں مگر اونکے بارے میں اون کی لڑکی
(جناب سیدہ ع) سفارش کیا کرتی تھیں۔

پانچویں مثال۔ ذریات اہل بیت کی توہین محدث دہلوی شاہ عبد الحق صاحب اپنی کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب میں رقمطراز ہیں۔

چوں ولید ابن عبد الملک بحج آمد۔ و بعد از اتمام مناسک
حج قدوم بمدینہ منورہ آورد۔ روزے بر منبر مسجد خطبہ میخواند
در اثنائے آں نظرش بر جمال حسن ابن حسن رضی اللہ عنہما
افتاد کہ در خانہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نشستہ بود و
آئینہ در دست داشت کہ در وے جمال جہاں آرائے خود
مشاہدہ مے نمود چوں ولید از منبر فرود آمد عمر ابن عبد العزیز
را طلبید و زجر نمود کہ چرا ایشاں را در اینجا ہنوز گذاشتی
و بیروں نہ نمودی۔ نمی خواہم کہ ایشاں را بعد ازیں اینجا
ببینیم۔ خانہ ایشاں را بخر۔ و داخل مسجد کن۔ فاطمہ
بنت حسین ع و حسن ابن حسین ع و اولاد ایشاں سلام اللہ
علیہم اجمعین درون خانہ بودند و از آمدن ابا نمودند
حکم کرد کہ اگر بیروں نیایند خانہ را بر ایشاں بیندازند
پس اسباب خانہ را بے رضائے ایشاں بدر می آوردند

جب ولید ابن عبد الملک مناسکات حج تمام کرکے مدینہ منورہ
میں آیا ایک دن منبر رسول ص پر خطبہ پڑھتے ہوئے اوسکی نظر
حسن بن حسن رض پر پڑی جو خانہ جناب سیدہ ع میں بیٹھے ہوئے آئینہ
میں اپنا مونھ دیکھ رہے تھے خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد
ولید نے عمر ابن عبد العزیز سے کہا کہ حسن ابن حسن ع وغیرہ کیوں
ابتک اس مکان میں سکونت پذیر ہیں۔ اسوقت ان کو یہاں
سے نکالدو اور مکان کو خرید کرکے داخل مسجد کرلو۔ میں نہیں
چاہتا کہ آیندہ ان لوگوں کو اس مکان میں دیکھوں۔ حسن رض
اور اون کی اولاد نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کیا۔ ولید
نے حکم دیا کہ مکان کو ان پر گرادو۔ جب مکان مسمار ہونا شروع
ہوا۔ اور اسباب مکان سے باہر کردیا گیا۔ مجبوراً ان حضرات
نے مخدرات کو اسی روز روشن میں گھر سے نکالکر بیرون مدینہ
سکونت اختیار کی کچھ دنوں بعد اسی طرح کا قضیہ حضرت

وخانہ را ویران میکردند پس بحکم ضرورت برآمدند و درروز روشن مخدرات اہل بیت بیرون مدینہ رفتند و موضعے براے سکونت اختیار کردند و ہم چنین در بیت حفصہ رضی اللہ عنہا کہ در دست اولاد عمر ابن الخطاب بود نزاع شد۔ چون انہا گفتند کہ ہرگز نخواہم برآمد و عوض خانہ ہم نخواہم ستاند۔ حجاج ابن یوسف دران وقت در مدینہ بود حکم کرد تا خانہ را ہم بر ایشان بیندازند۔ ولیکن چون قضیہ بولید رسید بعمر ابن عبدالعزیز نوشت کہ در استرضاے خاطر عمر ابن الخطاب تقصیر راضی مشو۔ ثمن خانہ را بدہ و اگر نہ ستانند۔ ایشان را اکرام کن و بقعہ از خانہ ایشان بگذار و ایشان را درے بجانب مسجد نیز بگذار۔

حفصہ رض کے مکان کے متعلق پیش آیا جو اولاد حضرت عمر ابن خطاب کے قبضہ میں تہا۔ جب اون سے کہا گیا کہ گھر سے باہر نکلو تو وہ اسپر راضی نہ ہوئے اور قیمت بہی لینی منظور نہ کی۔ حجاج ابن یوسف ثقفی اوس وقت مدینہ میں تہا اوس نے چاہا کہ مکان کو اون لوگوں پر گرا دیا جاوے لیکن جب اس بات کی خبر ولید ابن عبدالملک کو ہوئی تو اوس نے عمر ابن عبدالعزیز عامل مدینہ کو لکھ بہیجا کہ اولاد عمر ابن خطاب کی رضا جوئی میں قصور نہ کرو اون کا اکرام ملحوظ رکھو۔ اگر وہ مکان فروخت کرنے پر راضی نہ ہوں تو اون کے مکان کا ایک حصہ چہوڑدو اور اون کی آمد و رفت کے لئے مسجد میں ایک دروازہ کردو۔

محدث دہلوی کی مرقومہ بالا عبارت سے امراے دولت خلافت کی عدالت اور اون کے بیلوث غیر جانبدارانہ اور عادلانہ فیصلہ و تجویز کی پوری حقیقت ثابت ہوگئی۔

امور مذہبی اور دینیات میں حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کی بے اعتباری

یہ تو خاص امور دنیاوی ہیں۔ ان بزرگوں کے ساتھ جیسا سلوک کئے جاتے تہے۔ اب دینیات اور امور دین و مذہب میں ان حضرات مقدسین کی کیا مقدار و وقعت سمجھی گئی۔ وہ ہماری مفصلہ ذیل عبارت سے ثابت ہوگی۔

(۱) جناب علی مرتضی علیہ السلام۔ ابوالائمۃ الطاہرین امیرالمومنین ع کی نسبت۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے رسالہ قرۃ العینین میں تحریر فرماتے ہیں۔

باید دانست کہ بعد از قرآن و احادیث مدار اسلام بر فقہ است و مہمات فقہیہ مسائل اجماعیہ فاروقی است۔ اگر در اکثر اسلام نظر کنی۔ حنفیان و مالکیان و شافعیان اند۔ اما مذہب مالک پس منتہاے او بر موطاے امام مالک است بخچنانچہ

قرآن و احادیث کے بعد اسلام کا مدار فقہ پر ہے اور فقہ کے تمام اہم ترین مسائل حضرت عمر کے اقوال سے ماخوذ ہیں۔ اگر تمام دنیاے اسلام کے طرز عمل پر نظر کیجاوے تو کثرت سواد اسلام کا اطلاق فرقہاے حنفیان۔ مالکیان اور شافعیان پر تمام ہوتا ہے۔ مذہب مالک۔ وہ کتاب موطا سے امام

اثر از مرتضیٰ در روے منقول نیست و ہمچنیں در مسند ابو حنیفہ و آثار محمدیہ کہ فقہ حنیفہ است از روایت مرتضیٰ بجز چند حدیث موضوع و چند اثر شمردہ زیادہ انچہ در موطا است بقلیلے منقول نیست و ہمچنیں در مسند شافعی کہ منتہاے مذہب شافعیہ است از روایت مرتضیٰ بجز چند حدیث موضوع و چند اثر موقوف کہ نسبت مرویہ دیگراں بسیار قلیل است منقول نیست۔

مالک پر موقوف ہے۔ اور کتاب موطا میں سوا ے چند حدیث اور مرویات مرتضیٰ سے کچھ اور منقول نہیں ہے۔ اسی طرح مسند ابی حنیفہ میں اور آثار امام محمد میں جن پر فقہ حنفی کا دارومدار ہے مرتضیٰ کی چند روایت وہ بھی بطریق موضوع اور چند آثار چیدہ باسناد موقوف۔ موطا سے بھی کم۔ اور کچھ اون سے ماخوذ و منقول نہیں۔ اب رہا مذہب شافعی۔ اوس کی انتہا بھی مسند شافعی پر تمام ہے۔ اون کی مسند میں بھی مرتضیٰ سے بجز چند حدیث موضوع اور اقوال موقوف کے کچھ منقول نہیں ہے۔

قرۃ العینین

باب العلم رسالت کی حقیقت فی علم الدین جو مذاہب ثلثہ حنفیہ۔ مالکیہ و شافعیہ کے علما و محدثین کے نزدیک جمتی تہی۔ وہ عبارت مرقومہ بالا سے ظاہر ہو گئی۔ اس سے بڑھ کر امام ابن تیمیہ صاحب اپنی کتاب دُرر کامنہ میں لکھتے ہیں۔

وقال فی حق علی خطاء فی سبعۃ عشرۃ شیئا ثم خلف فیہا نص الکتاب

حضرت علیؓ نے سترہ مسائل شرعیہ میں خطا کی اور وہ سب خطائیں نص قرآن کے خلاف تھیں۔

(۲) حضرت حسنین علیہما السلام و حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب قرۃ العینین میں رقمطراز ہیں:۔

از حضرات حسنین و امام زین العابدینؑ روایت بسیار کم آمدہ اند

حضرات حسنین و امام زین العابدین علیہم السلام سے بہت کم روایت آئی ہے۔

مولوی محمد حسن صاحب بھوپالی کتاب اعلام الناس ص ۶ میں نہایت جسارت سے اپنا اور اضافہ فرماتے ہیں۔ امام زین العابدین علیہ السلام بت پرستوں کی طرح باتیں کیا کرتے تھے۔ (نعوذ باللہ)

امام محمد باقر علیہ السلام کی نسبت دراسات اللبیب میں بمقام ذکر تقسیم اموال خمس لکھا ہے کہ (معاذ اللہ) وہ کاذب اور مفتری تھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے متعلق میزان الاعتدال ذہبی جلد اول ص ۵ ۹ میں مرقوم ہے۔

آپ سے امام بخاری نے کوئی روایت نہیں لی یحییٰ ابن سعید قطان استاد بخاری کا قول ہے کہ میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے کھٹکتا ہوں۔ امام مالک نے کوئی روایت آپ سے نہیں لی۔ اور اگر بھولے

سے کوئی روایت آپ سے نقل بھی کی تو اوس میں دوسرے کو ملا لیا۔ تنہا آپ کی روایت پر کبھی اعتماد نہیں کیا۔ ذہبی کی عبارت یہ ہے۔

قال مصعب بن عبداللہ عن الزہرا وردی قال لم یروا مالک عن جعفر حتی ظہر امر بنی العباس کان یروی عن جعفر حتی یضمہ احد

مصعب بن عبداللہ زراوردی کی اسناد سے نقل کرتے ہیں کہ مالک نے امام جعفر صادقؑ سے کوئی روایت نہیں لی خلافت بنی عباس قایم ہونے کے بعد روایت لی بھی تو ایسی حالت میں کہ ایک دوسرے کو آپ کے ساتھ ملا لیا۔

پھر وہی امام ذہبی میزان الاعتدال جلد دوم ص ۵ میں لکھتے ہیں:۔

عقیلی کا اعتقاد تھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیثیں غیر محفوظ ہیں یعنی قابل اعتبار نہیں غالباً اسی لحاظ سے بخاری و مسلم اور موطا میں کوئی روایت آپ سے نہیں لی گئی۔

حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کی نسبت لکھا ہے۔ کالا شئی وہ کوئی شے نہیں۔

حضرت امام علی بن موسی الرضا علیہ السلام کے متعلق میزان الاعتدال میں مروی ہے تروی عن ابیہ عجائب ویغلطی۔ وہ اپنے والد بزرگوار سے عجائبات نقل کرتے تھے اور اسمیں ہی وہم و خطا کرتے تھے۔

حضرت امام محمد تقی الجواد علیہ السلام ایسے بے اعتبار سمجھے گئے کہ راویان صحاح سے ان کا نام ہی ساقط کر دیا گیا۔

امام دہم و امام یازدہم الملقب بعسکریین (حضرت امام علی النقی و حضرت امام حسن عسکری علیہما السلام) کی نسبت امام تیمیہ منہاج السنۃ میں جلد اول صفحہ ۳۰۸ میں لکھتے ہیں۔

رمزا بن لیلی طبری و ابراہیم حربی واری حضرت امام علی نقیؑ و حضرت امام حسن عسکریؑ سے زیادہ دین نبویہ کے ماہر اور جاننے والے تھے۔ ان دونوں ائمہ پر واجب تھا کہ ان دونوں علما میں سے کسی ایک کو اپنا استاد بناتے تاکہ اونکو قواعد السلام معلوم ہو جاتے۔

ہم ان علما و محدثین معترضین ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے ان اکاذیب و افترایات کی کوئی تنقید و تردید کرنا نہیں چاہتے۔ ان لغویات کی نقل سے ہمارا مدعا صرف یہی تھا کہ شبلی صاحب کے قول کے مطابق۔ صرف بنی امیہ نے ان حضرات ائمہ طاہرینؑ (بنی فاطمہؑ) کی توہین نہیں کی اور ان کو دین و دنیا دونوں کے لیے بیکار نہیں سمجھا بلکہ بخلاف آپ کے مرقومہ بالا شواہد ثابت کرتے ہیں کہ بنی امیہ کے بعد ان کے ساتھ آپ کے مسالک اور طرز عمل بھی تو بنی امیہ کی کھلی کھلی اور صاف صاف تقلید ثابت ہوتے ہیں تو اس بنا پر شبلی صاحب کو اکیلے بنی امیہ کے ان معائب پر اعتراض کرنے کا کیا حق

حاصل ہے۔ مگر آپ تو توہین بنی فاطمہؑ کو صرف بنی امیہ پر عاید کرنا چاہتے ہیں اور اپنے مظالم کو صریحاً چھپاتے ہیں۔ مگر افسوس کہ آپ اپنے علمائے سلف کے اتنے اقوال و اقرار پر نیستی کا قلم کیسے پھیر دے سکتے ہیں؟"

بنی فاطمہؑ۔ ائمہ طاہرین اور اون کی ذریات و متبعین کے تفصیلی مصائب

یہاں تک تو ہم نے آل رسول صلعم، بنی فاطمہؑ ائمہ طاہرین علیہم السلام اون کی ذریات اور متبعین کی مصیبتوں کی صرف اجماعی اور اجمالی کیفیت لکھی ہے۔ اب اوس کی کامل تفصیل ہم مکاتب خوارزمی کے اسناد سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

سواد اعظم میں ابوالمؤید اخطب خوارزمی کے نام نامی سے کون واقف نہیں ہے۔ اس محدث اعلم۔ اور محقق اکمل کے معارف و مشارف سے۔ رجال و احادیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ مکاتیب خوارزمی کیا ہے۔ حقیقتاً یہ شیعان نیشاپور کے ایک استفتا کا جواب ہے۔ جو شیعوں نے اپنے مخالف مذہب حاکم کے مظالم کے متعلق۔ امام خوارزمی کی خدمت میں حصول حکم و جواب کی ضرورت سے بھیجا تھا۔ یہ جواب ایک رسالہ کی صورت میں مصر کے مطبع بولاق مصر سے سنہ ۱۲۷۹ ہجری میں طبع ہو کر شائع ہوا ہے۔ جیسا کہ عبارت خاتمہ رسالہ سے ظاہر ہوگا۔ ہم ذیل میں اوسکے اقتباسات نقل کرتے ہیں۔

انتم ونحن اصلحنا الله وایاکم عصابة لم یرض الله لنا الدنیا فذخرنا الدار الاخری ورغب بنا عن ثواب العاجل فاعد لنا ثواب الاجل وقسمنا قسمین قسما مات شهیدا وقسما عاش شریدا فالحی یحسد المیت علی ما صار الیه ولا یرغب بنفسه عما جری علیه قال امیرالمومنین ویعسوب الدین علیه السلام المیمن الی شیعتنا اسرع الی المحدور وهذه مقالة اسست علی المحن وولد اهلها فی طالع الهزاهز والفتن فحیاة اهلها نغص وقلوبهم حشوها غصص والایام علیهم متحاملة والدنیا عنهم مائلة فاذا کنا شیعة ائمتنا فی الفرائض والسنن و

(اے شیعان نیشاپور) تم لوگوں اور ہم لوگوں کو خدا تعالیٰ صلاح خیر دے اور توفیق نیک۔ ہم وہ قوم مصیبت زدگان ہیں، جن کے لئے خدا نے دولت دنیا کو نہیں قرار دیا ہے۔ بلکہ دار آخرت میں ہمارے لئے ذخیرہ فرمایا ہے اور جلدی ثواب عطا کرنے کی جگہ۔ ایک وقت خاص پر اون کے ثوابوں کے عطا فرمائے جانے کا اون سے وعدہ کیا ہے۔ ہم لوگ دو قسم کے کئے گئے ہیں۔ ہماری ایک قسم تو شہید ہو کر فائز بشہادت ہو چکی اور ایک قسم سخت مصیبت و عسرت میں اپنی زندگی بسر کر گئی۔ جو ہم میں سے زندہ ہیں وہ مرجانے والوں پر اون کے مصائب گذشتہ کے باعث رشک کرتے ہیں۔ اور اپنے نفوس میں اون کے مصائب کی وجہ سے ذرا بھی روگردانی کا خیال نہیں کرتے۔ حضرت امیرالمومنین

متبعی آثارہم فی ترک کل قبیح وفعل حسن
فینبغی ان تتبع آثارہم فی المحن غصبت
سیدتنا فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا وعلی الہا
میراث ابیہا صلواۃ اللہ علیہ وآلہ یوم
السقیفہ وأخر المومنین عن الخلافہ وسم
الحسن علیہ السلام سرا وقتل اخوہ علیہ
السلام جہرا وصلب زید بن علی بالکناسہ
وقطع رأس زید بن علی فی المعرکۃ وقتل ابناہ
محمد وابراہیم علی ید عیسی بن موسی العباسی
ومات موسی ابن جعفر فی حبس ہارون
وسم علی بن موسی بید المأمون وہزم ادریس
بفخ حتی وقع الی الاندلس فریدا ومات
عیسی ابن زید طریدا شریدا وقتل یحیی
بن عبداللہ بعد الامان والایمان وبعد تاکید
العہود والضمان ہذا غیر ما فعل یعقوب
بن اللیث بعلویۃ طبرستان وغیر قتل محمد
بن زید والحسن بن القاسم الداعی علی
ایدی آل ساسان وغیر ما صنعہ ابو الساج
فی العلویۃ المدینۃ وحملہم بلا غطاء ولا
وطاء من الحجاز الی سامرہ وہذا بعد قتل
قتیبہ بن مسلم الباہلی لابن عمر بن علی حین
اخذہ بابویہ وقد ستر نفسہ ووارئ شخصہ
یصانع حیاتہ ویدافع وفاتہ ولا کما فعلہ
الحسین بن اسمعیل المصعبی بیحیی بن عمر
الزیدی خاصۃ وما فعلہ مزاحم بن خاقان

اور یعسوب الدین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ رنج و غم
ہمارے شیعوں پر اُس سے بھی زیادہ تیزی سے آتا ہے
جتنی تیزی سے آدمی کے جسم پر ضرب کے بعد آماس آجاتا
ہے۔ آپ کے اس کلام ہدایت التیام کی بنا اس پر ہے
کہ آپ کی اولاد و ذریات کی خلقت و پیدائش اوس حام
پراشوبی - زوال اور فتنہ و فساد کے طالع میں واقع ہوئی کہ
آپ کی اولاد و اعقاب کا زمانہ حیات تکلیف و شدت
میں کٹے۔ اور اون کے قلوب مختلف فکر و مکروہات میں
مبتلا رہے۔ زمانہ اون پر حملات متواتر کرتا رہا۔ دُنیا اپنی
طرف مائل کرتی رہی گویا اون کے پیچھے پڑی رہی لیکن با اینہمہ
ہمارے اماموں کے شیعہ ہمیشہ اور ہر حال میں فرائض و سنن
کی انجام دہی میں مصروف رہے اور اپنے ائمہ دین کے
اخبار و آثار کی پوری اتباع و انقیاد میں تمام امور قبیحہ کو
متروک فرماتے رہے۔ اون کے اتباع آثار ائمہ کے حالات
آلام و محن سے مفصلاً ظاہر ہیں۔ جناب سیدہ سلام اللہ
علیہا و علی ابیہا کی میراث آبائی اون کے اور اون کی اولاد
کے مقابل ہیں۔ انعقاد سقیفہ کے دن غصب کرلی گئی۔ اور
امیرالمومنینؑ کو سب سے آخر میں خلافت دی گئی۔ حضرت
امام حسنؑ کو مخفی طور پر زہر دے کر شہید کردیا اور اون کے
بھائی کو علانیہ طور پر قتل کر ڈالا۔ زید ابن علی کے مردہ کو کناسہ
میں سولی دی اور معرکہ جنگ میں اون کا سر کاٹا۔ اور اونکے
دونوں بیٹوں محمد و ابراہیم نامی کو عیسیٰ ابن موسیٰ العباسی
کے ہاتھوں قتل کرایا۔ اور حضرت موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام نے
ہارون کے قیدخانہ میں انتقال فرمایا اور حضرت علی رضا
علیہ السلام کو مامون نے زہر دلوایا۔ ادریس ابن محمد مقام

بعلوية الكوفة كافة وبحسبكم انه ليست
في بيضة الاسلام بلدة الا وفيها لقتيل
طالبي تربة تشارك في قتله الاموي والعباسي
واطبق عليهم العدناني والقحطاني فليس
حي من الاحياء نعرفه من ذي يمان ولا بكر و
لا مضر الا وهم شركاء في دماءهم
كما تشارك الايسار على جزور قادتهم الحمية
الى المنية وكرهوا عيش الذلة فماتوا
اموات العزة ووثقوا بما لهم في الدار الباقية
فسخت نفوسهم عن هذه الفانية ثم لم يشربوا
كاسا من الموت الا شربها شيعتهم واولياءهم
ولا قاسوا لونا من الشدائد الا قاساه انصار
هم واتباعهم داس عثمان بن عفان وبطن
عمار بن ياسر بالمدينه ونفي اباذر الغفاري الى
ربذه واشخص عامر بن عبد قيس التميمي
وغرب الاشتر النخعي وعدي ابن حاتم الطائي
وسير عمر ابن زرارة الى الشام ونفي كميل ابن
زياد الى العراق وجفا ابي ابن كعب واقصاه
وعادي محمد ابن حذيفه وناواه وعمل في
دم محمد بن سالم ما عمل وفعل مع كعب ذي
الحطبه ما فعل واتبعه في سيرته بنو امية
يقتلون من حاربهم ويغدرون بمن سالمهم
لا يحفظون المهاجري ولا يصونون الانصاري
ولا يخافون الله ولا يحتشمون الناس قد اتخذوا
عباد الله خولا ومال الله دولا يهدمون

فخ سے ہزیمت پاکر اور یکہ و تنہا ہو کر ملک اندلس میں بے نام و
نشان ہو گئے۔ اور عیسیٰ ابن زید (موتم الاشبال) بھی یکہ و
تنہا ہو کر پریشان حال پھرتے رہے اور یحییٰ ابن عبد اللہ
ابن زید کو اماں دی جانے۔ حلف شرعیہ اوٹھانے اور عہد
و پیمان جائز اور ضمانت جان کی جانے کے بعد بھی قتل کر ڈالا
یہ صرف وہ لوگ ہیں جو حجاز و عراق میں شہید کئے گئے۔ ان
غریبوں اور اجل نصیبوں کے علاوہ یہ وہ لوگ تھے۔ جنکو
یعقوب ابن اللیث نے محض سادات علوی ہونے کے
جرم میں علاقہ طبرستان میں قتل کرایا۔ اور اسی طرح محمد
ابن زید اور حسن ابن القاسم الملقب بداعی کو قبیلہ آل
سامان کے ذریعہ سے قتل کرایا۔ ان کے علاوہ ابو الساج
تمام سادات علویہ کو مع اون کی اولاد و ذریات کے بلا پردہ و
سامان راحلہ حجاز سے سامرہ لے گیا اور یہ امر اوسوقت
واقع ہوا جب قتیبہ ابن مسلم باہلی عمر ابن علیؑ کو قتل کر چکا
واقعہ یہ ہے کہ قتیبہ نے ایک دن ایک شخص کو دیکھ
لیا تھا کہ وہ عمر ابن علی کی حفاظت جان اور مصیبت مرگ
سے اون کی اماں کی ترکیب کر رہا ہے۔ قتیبہ نے عین
اسی حالت میں مع اون کے باپ کے پکڑوا بلایا اور
قید کر دیا ایسے ہی حسین ابن اسماعیل المصعبی نے خاص
طور پر یحییٰ ابن عمر زیدی کے ساتھ ظلم و شقاوت برتی۔ اور
ایسے ہی ظالم و شارابہ مزاحم بن خاقان نے کوفہ کے
سادات علویہ کے ساتھ کئے یہ بھی بخوبی شمار کر کے سمجھ لو
کہ ممالک اسلامیہ میں کوئی شہر ایسا نہیں چھوٹا جسمیں آل
ابیطالب نہ قتل کئے گئے ہوں اور اون کے قتل و خون
میں امویوں اور عباسیوں نے شرکت نہ کی ہو۔ اور اونکے

الکعبہ و یستعبدون الصلحاء به
و یعطلون الصلوٰۃ الموقوتة و یختمون
اعناق الاحرار و یسیرون فی حرم الرسول
سیرتهم فی حرم الکفار و اذا فسق
الاموی فلم یات بالضلالة عن کلالة
قتل معویه حجر ابن عدی الکندی و عمر
ابن الحمق الخزاعی بعد الایمان الموکدة
و المواثق المغلظة و قتل زیاد ابن سمیه
الالوف من شیعة الکوفة و شیعة
البصرة صبرا و اوسعهم حبسا و اسرا
حتی قبض الله معاویه علی اسوإ اعماله
و ختم عمره بشر احواله فاتبعه ابنه
یجهز جرحاه و یقتل ابناء قتلاه الی ان
قتل هانی ابن عروة المرادی و مسلم ابن
عقیل الهاشمی اولا و عقب بالحر بن
زیاد الریاحی و بابی موسی عمرو ابن قرظة
الانصاری و حبیب ابن مظاهر الاسدی
و سعید بن عبد الله الحنفی و نافع ابن هلال
البجلی و حنظلہ بن سعد الشامی و عابس ابن
ابی شبیب الشاکری فی نیف و سبعین من
جماعة شیعة الحسین علیه السلام
یوم کربلاء ثانیا ثم سلط علیهم الدعی ابن
الدعی عبید الله ابن زیاد یصلبهم علی جذوع
النخل و یقتلهم الوان القتل حتی اجتث الله
دابرہ ثقیل الظهر بدمائهم التی سفك

اس فعل میں کسی عدنانی یا قحطانی نے مطابقت کی ہو۔
کوئی شخص قبائل ذی یمان یعنی بکر اور بنی مضر کے زندہ
لوگوں میں ایسا نہیں چھوٹا جو ان مظلوموں کے خون میں
نہ شریک ہوا۔ اون جماعتوں کی طرح جو اونٹوں کی ذبح
پر تیار ہوتی ہیں۔ ان مظلوموں کی حیا و غیرت نے موت کو
کو پسند کیا اور ذلت سے جینے کو ناپسند فرمایا۔ اور عزت
کی موت مر گئے۔ اور اون تمام نعمات پر فائز ہوئے جو
دار آخرت میں ان کے لئے ذخیرہ تھیں اپنی پاک روحوں
کو دنیائے فانی کے علائق سے رہا کیا اور ان حضرات
میں سے کسی نے کاسہ مرگ ایسا نہیں پیا جس کا ذائقہ
اونکے بعد اون کے شیعوں نے اور اون کے دوستوں
نے نہ چکھا ہو اور کوئی مظالم و شدائد نہ باقی رہے جو
اونہوں نے خیال کئے ہوں اور اون کے بعد اون کے
انصار و متبعین پر نہ گذرے ہوں حضرت عثمان ابن عفان
نے حضرت عمار ابن یاسر کے شکم پر لات ماری اور حضرت
ابا ذر غفاری کو مدینہ سے ربذہ میں نکالدیا۔ اسی طرح عامر
ابن قیس التمیمی کو جلا وطنی پر مجبور کیا اور اشتر نخعی
اور عدی ابن حاتم الطائی کو اون کے گھر سے نکال دیا
اور عمر ابن زرارہ کو بھی شام کی طرف بھیجدیا اور کمیل ابن
زیاد نخعی کو عراق میں داخل ہونے کی ممانعت کردی
اور ابی ابن کعب پر ایسی ہی ستم کئے اور اون کو خاتمہ
تک پہونچا دیا۔ محمد ابن حذیفہ پر ظلم کئے۔ محمد ابن سالم
اور کعب ابن ذی حطبہ کے خون میں جو ترکیبیں کیں اور
جو طرز عمل کئے وہ اپنے مقام پر ہیں یہ اون کے بعد بنی
امیہ نے اونھیں کی تقلید اختیار کی۔ جو لوگ اون سے

عظیم التبعۃ بجرمہم الذی انتہک فانتبہت لنصرۃ اہل البیت طائفۃ اراد اللہ ان یخرجہم من عہدۃ ما صنعوا ویغسل عنہم وضرما اجترحوا فصمد واصمد الفئۃ الباغیۃ وطلبوا دم الشہید من ابن الزانیہ لا یزیدہم قلۃ عددہم وکثرۃ سواد اہل الکوفہ بازائہم الا اقداما علی القتل والقتال وسماحۃ بالنفوس والاموال حتی قتل سلیمان ابن صرد الخزاعی والمسیب بن نجبۃ الفزاری وعبد اللہ بن واصل التمیمی فی رجال من خیار المومنین وعلیۃ التابعین ومصابیح الانام وفرسان الاسلام ثم تسلط ابن الزبیر علی الحجاز والعراق فقتل المختار شقی الاوتار وادرک الثار وافنی الاشرار وطلب بدم المظلوم الغریب فقتل قاتلہ ونفی خاذلہ واتبعوہ عمر ابن کیسان واحمر ابن شمیط ورفاعۃ ابن یزید السائب بن مالک وعبد اللہ ابن کامل وتلقطوا بقایا الشیعۃ یمثلون لہم بکل مثلۃ ویقتلونہم شر قتلۃ حتی طہر اللہ من عبد اللہ ابن الزبیر البلاد واراح من اخیہ مصعب العباد فقتلہما عبد الملک ابن مروان کذلک تولی بعض الظالمین بعضا بما کانوا یکسبون بعد ما حبس ابن الزبیر

لڑے تھے (طرفداران علیؑ جمل وصفین میں) اون کو تو قتل کر ڈالا۔ جو بچ گئے تھے اون کے ساتھ غدر و فساد کیا۔ نہ انکو مہاجرین نے پناہ دی اور نہ انصار نے اون کی اعانت کی۔ اور نہ دنیا والوں نے اون کی قدر و منزلت کی۔ ان لوگوں نے بندگان خدا کو اپنی ملکیت اور مال اللہ کو اپنی خاص دولت سمجھ رکھی تھی۔ کعبہ کو منہدم کر دیا تھا۔ صحابہ کی پرستش کرتے تھے۔ نماز موقوتہ کو ترک کر بیٹھے تھے۔ آزاد اور نیکو کاروں کو قتل کرتے تھے۔ اور حرم رسول صلعم کی ان لوگوں نے وہ خرابی کی اور اس طرح اوس میں داخل ہوئے۔ جیسے حرم کفار میں داخل ہوتے ہیں۔ اور بنی امیہ میں سے جب کوئی کسی ضلالت کا مرتکب ہوتا تھا تو اس کے بدلے میں اوسکو کوئی سزا و تکلیف نہیں دیجاتی تھی۔ معویہ نے عمرو بن حمق خزاعی اور حجر ابن عدی الکندی کو بخلاف قسمہائے شرعیہ اور وعدہ ہائے صحیحہ قتل کرایا۔ اور زیاد بن سمیہ نے ہزاروں شیعان کوفہ و بصرہ کو قتل کیا اور ان کی کثیر تعداد کو مدتہائے دراز تک قید رکھا۔ یہاں تک کہ معویہ اپنی بد اعمالی کی سزا پانے کے لئے خدا کے دربار میں بلا لیا گیا اور اوس کی عمر اوسکے بدترین اعمال کے ساتھ بالکل تمام ہو گئی۔ معویہ کی تبعیت اوسکے بیٹے نے اختیار کی۔ جو کچھ اوسکے باپ نے چھپا چھپا کر کیا تھا۔ یزید نے اوسے علانیہ دکھلا دکھلا کر کیا۔ ہانی ابن عروۃ المرادی اور مسلم ابن عقیل الہاشمی کو پہلے علانیہ طور پر قتل کرایا۔ اور اوس کے بعد حر ابن زیاد الریاحی۔ ابو موسیٰ بن قرظۃ الانصاری۔ حبیب ابن مظاہر الاسدی

محمد ابن حنفیہ واراد احراقہ ونفی عبداللہ
ابن عباس واکثر ارھاقہ فلما خلت البلاد
لآل مروان وکان سلطوا لحجاز بن ثم
علی العراقین فتلعب بالھاشمین و
اخاف الفاطمیین وقتل شیعہ علی و
محا آثار اھل بیت النبی وجری ما جری
علی کمیل ابن زیاد النخعی واتصل البلاء
مدۃ ملک المروانیۃ الی الایام العباسیۃ
حتی اذا اراد اللہ ان یختم مدتھم باکثر
آثامھم ویجعل اعظم ذنوبھم فی آخر ایامھم
بعث علی بقیۃ الحق المھمل والدین معطل
زید بن علی فخذلوہ منافقو اھل العراق
وقتلہ احزاب اھل الشام وقتل معہ
من شیعتہ نصر بن خزیمۃ الاسدی
ومعویۃ بن اسحاق الانصاری
وجماعۃ من شیعتہ وتابعیہ وحتی
من زوجتہ واذاہ وحتی من کلمہ
واتاہ فلما انتھکوا ذلک الحریم واقترفوا
ذلک الاثم العظیم غضب اللہ علیھم
وانتزع الملک منھم فبعث علیھم ابا
مجرم لا ابا مسلم فنظر لا نظر اللہ الیہ الی
صلابۃ العلویۃ والی لین العباسیۃ
فترک تقاہ واتبع ھواہ وباع آخرتہ
بدنیاہ وافتتح عملہ بقتل عبداللہ بن
معویۃ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب

ابو سعید ابن عبداللہ الحنفی۔ نافع ابن ہلال البجلی حنظلہ
ابن سعد الشامی۔ عابس ابن شبیب الشاکری۔ شیعان
حسین علیہ السلام بہتر نفوس کو معرکہ کربلا میں قتل کرایا۔ پھر
بار دیگر اس واقعہ عظیمہ کے بعد ولد الحرام ابن ولد الحرام
عبداللہ ابن زیاد نے شیعان قرب وجوار کو درختوں کی
شاخوں پر سولیاں دلوائیں اور انواع واقسام کے ساتھ
اون کو قتل کرایا۔ یہاں تک کہ خداوند عالم نے اوس کی
پشت پر ان بیگناہوں کے خون ناحق اور ہتک حرمت کی
بیشمار معصیت کا بار کرایا۔ اور اس درمیان میں ایک
جماعت مخلصین کو نصرت اہل بیت ع کی توفیق ہوئی اور
خداوند عالم نے ان لوگوں کے ذریعہ سے ان ظلم وقت کی
سزادہی کا ارادہ فرمایا۔ اور اوس جماعت نے ان شہیدان
مظلوم کے خون ناحق کا معاوضہ اس ولد الحرام سے لینا
چاہا۔ مگر اون کی قلت اعداد آخر میں زیادہ نہ ہوسکی اور
اور اون کو کمک نہ پہونچنے کی امید منقطع ہوگئی۔ اشرار کوفہ
کی جماعت کثیر اون کے مقابلہ ومقاتلہ پر تیار ہوگئی۔ اور
اپنے جان ومال سے مستعد ہوگئی۔ یہاں تک کہ سلیمان
ابن صرد خزاعی۔ مسیب بن نجبۃ الفرازی۔ عبداللہ
ابن واصل التمیمی جو اخیار مومنین اور نیکوکار تابعین
شمار ہوتے تھے۔ اور شہسواران اسلام اور انوار
ہدایت انام کہلاتے تھے قتل کیے گئے۔ اسکے بعد حجاز
وعراق پر ابن زبیر کا تسلط ہوگیا اور مختار نے مظلوم غریب
او شہید مصیبت نصیب کا طالب خون کیا اور اون کے
تمام قاتلوں کو قتل کیا اور اون کے دشمنوں کو دیسے
ہی ذلیل وخوار کیا۔ اور ابو عمرہ بن کیسان۔ احمر ابن شمیط

وسلطوا طواغيت خراسان وخوارج
سجستان واكراد اصفهان على آل ابيطالب
يقتلهم تحت كل حجر ومدر ويطلبهم
في كل سهل وجبل حتى سلط عليه
احب الناس اليه فقتله كما قتل الناس
في طاعته واخذه بما اخذ الناس
في بيعته ولم ينفعه ان اسخط الله
برضاه وان ركب ما يهواه وخلت
من الدوانيقي الدنيا فخبط فيها عسفا
وتقصى فيها جورا وحيفا الى ان
مات وقد امتلأت سجونه باهل بيت
الرسالة ومعدن الطيب والطهارة
قد تتبع غائبهم وتلقط حاضرهم حتى
قتل عبد الله بن محمد بن عبد الله
الحسني بالسند على يد عمر ابن هشام
بن عمر التغلبي فما ظنك بمن قرب
تناوله عليه ولان مسه على يديه
وهذا قليل في جنب ما قتله هارون
منهم وفعله موسى قبله بهم فقد عرفتم
ما توجه على الحسن بن علي بفخ من موسى
وما اتفق على علي بن الافطس الحسيني
من هارون وما جرى على احمد بن
علي الزيدي وعلى القسم بن علي الحسني
من حبسه وعلى علي بن غسان الخزاعي
حين اخذ من قبله والجملة ان هارون

رفاعہ ابن زید، سائب ابن مالک اور عبداللہ ابن کامل
اور تمام جماعت شیعہ نے انکا ساتھ دیا۔ اور قاتلان حسینؑ
کو اوسی طرح قتل کیا جس طرح اونھوں نے شیعان
حسینؑ کو قتل کیا تھا۔ یہاں تک کہ خدا نے عبداللہ ابن
زبیر کے وجود سے تمام امصار و بلاد کو ظاہر کیا اور اوسکے
بھائی مصعب کی طرف سے بھی تمام دنیا کو آرام و اطمینان
ہوگیا اور ان دونوں کو عبدالملک ابن مروان نے قتل
کیا۔ اوسی طرح ایک ظالم کے بعد دوسرا ظالم قائم ہوتا
گیا اور ان سے انواع و اقسام کے مظالم عمل میں آتے
گئے۔ اس سے قبل ابن زبیر نے محمد بن حنفیہ کو قید کیا
اور اون کو جلا کر مار ڈالنے کا ارادہ کیا۔ عبداللہ ابن
عباس کے تمام فضائل و مناقب کا انکار کیا اور اکثر
اوقات اون پر سخت ظلم بھی کئے۔ اور جب تمام ملک
آل مروان کے لئے خالی ہوگیا تو حجاج پہلے تمام حجاز پر
پھر بعد ازاں تمام عراق کا والی مقرر ہوا۔ وہ بنی ہاشم
کے ساتھ طرح طرح کے کھیل کھیلا اور بنی فاطمہ کو تمام
ڈرایا اور دھمکایا۔ شیعان علیؑ کو بلا تامل قتل کیا۔ اور
اہلبیت رسولؐ کی بنیادیں کھود ڈالیں۔ کمیل ابن زیاد
نخعی پر جو مصائب گذرے وہ گذرے۔ یہ تمام مصیبتیں
اور مظالم بنی امیہ کے وقت سے لیکر بنی عباس کے زمانہ
تک جاری اور قایم رہے۔ یہاں تک کہ خدا نے اون کی
مدت حکومت کو ختم کیا اور اون کے گناہوں کو دنیا کے
تمام لوگوں کے گناہوں سے عظیم ترین قرار دیا۔ اور اونکے
مظالم کی پاداش میں اون کے ایام حکومت کو تمام کردیا۔
آخر ایام بنی امیہ میں جبکہ حق مہمل اور دین معطل ہوچکا

مات وقد قصر شجرا لنبوة واقتلع غرس
الامامة وانتم اصلحکم اللہ لستم اعظم
نصیبا فی الدین من الاعمش فقد اخافوہ
ومن علی ابن یقطین فقد اتھموہ فاما
فی صدر الاول فقد قتل زید ابن صوحان
العبدی وعوقب عثمان ابن حنیف
الانصاری وافضی حارثہ بن قدامۃ
السعدی وجندب بن زھیر الازدی
وشریح بن ھانی المرادی ومالک ابن
کعب الارحبی ومعقل ابن قیس الریاحی
والحرث الاعور الھمدانی وابو الطفیل
الکنانی ومافیھم الا من خر علی وجھہ
قتیلا او عاش فی بیتہ ذلیلا یسمع شتمہ
الوصی فلا ینکر ویری قتلہ الاوصیاء
واولادھم فلا یغیر ولا یخفی علیکم حرج
عامتھم وحیرتھم کجابر الجعفی وکرشید
الھجری وکزرارۃ ابن اعین لیس
الانھم رحمھم اللہ یتولون اولیاء
اللہ ویتبرون من اعداء اللہ وکفی
بہ جرما عظیما عندھم وعیبا کبیرا
بانیھم وقل فی بنی العباس فانک ستجد
بحمد اللہ تعالی مقالا وجل فی عجایبھم فانک
تری ما شئت مجالا یجبی فیھم فتفرق
علی الدیلمی والترکی ویحمل الی المنصور
والفرغانی ویموت امام من ائمۃ الھدی

تھا تو زید ابن علی نے احقاق حق کے لیے سعی بلیغ کی اہل
عراق نے اون کے ساتھ نفاق کیا اور اون کو چھوڑ دیا۔
اہل شام نے آخر کار اون کو قتل کیا۔ اور اون کے ساتھ
شیعوں کو۔ مثل نصر ابن خزیمہ اسدی معویہ ابن اسحٰق
انصاری اور اون کے متبعین کی جماعت کثیر کو قتل کیا
یہاں تک کہ اون لوگوں کو بھی مار ڈالا۔ جو ان لوگوں سے
قرابت اور عزیزداری رکھتے تھے۔۔ یا وہ لوگ جو ان کی مدح
ثنا کرتے تھے جب ان ظلم وقت نے یہاں تک ان
صاحبان حرمت کی ہتک و توہین کی اور اون کے گناہ و
معصیت اس شدت و عصبیت تک پہونچ گیا تو خدا نے
ان پر اپنا غضب نازل فرمایا۔ اور ان سے انتزاع ملک
کر لیا۔ اون پر ابومجرم (ابومسلم نہیں) کو مسلط کیا۔ پھر نظر
قدرت علویوں کے ساتھ ابومسلم کی سختی اور عباسیوں کے
ساتھ اس کی نرمی کو برابر دیکھتی رہی اوس نے اپنے اس
کردار و رفتار میں خوف خدا کو چھوڑ دیا اور اپنی خود غرضی کی
متابعت اختیار کر لی۔ اپنی آخرت کو دنیا کے لیے بیچ ڈالا۔
اوس کے یہ طرز عمل یوں ظاہر ہوئے کہ اوس نے عبد اللہ
ابن معویہ ابن عبد اللہ ابن جعفر ابن ابیطالب کو قتل کیا۔
اور کافران خراسان۔ خوارج سجستان اور اکراد اصفہان کو
آل ابیطالب کے قتل و غارت پر متعین کیا اور ان ستمگاروں
نے آل ابیطالب کو پہاڑوں۔ میدانوں۔ دریاؤں اور
ریگستانوں میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کیا یہاں تک کہ
اوس پر (ابومسلم پر) ایک ایسے شخص کو مسلط کیا جو اوسکے
(ابومسلم) نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھا۔ (السفاح)
اور اس کو اوس نے ویسے ہی قتل کیا جیسے اس نے کثیر

وسید من السادات بیت المصطفیٰ فلا یتبع جنازۃ ولا تجصص مقبرتہ ویموت ضراط لهم ولاعب او مسخرۃ اوضارب فتحضر جنازتہ العدول والقضاۃ ویعمر مسجدا لتعزیۃ عند القواد والولاۃ ویسلم فیهم من یعرفونہ دهریا او سوفسطائیا ولا یتعرضون لمن یدرس کتابا فلسفیا ومانویا ویقتلون من عرفوہ شیعیا ویسفکون دم من سمی ابنہ علیا ولو لم یقتل من شیعۃ اهل البیت غیر المعلی ابن خنیس قتیل داؤد بن علی ولو لم یحبس فیهم غیر ابوتراب المروزی لکان ذلک جرحا لا یبرأ ونائرۃ لا تطفأ وصدعا لا یلتئم وجرحا لا یلتحم وکفاهم ان شعراء قریش قالوا فی جاهلیۃ اشعارا یهجون بها امیر المومنین علیہ السلام ودونت اخبارهم ورواها الرواۃ مثل الواقدی ووهب بن منبہ التمیمی ومثل الکلبی والشرقی بن القطامی والهیثم ابن عدی ودأب بن الکنانی وان بعض الشعراء الشیعۃ یتکلم فی ذکر مناقب الوصی بل فی ذکر معجزات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیقطع لسانہ ویمزق دیوانہ کما فعل بعبد اللہ بن عمار البرقی وکما اریق

بندگان خدا کو قتل کیا تھا اور اس سے بھی اوس نے دنیا ہی مواخذہ کیا جیسے اس نے اپنی بیعت کے لئے مواخذہ کیا تھا۔ اور اس شخص کو اسکا یہ طرز عمل بھی کوئی فائدہ نہ پہونچا سکا کیونکہ اوس کی سوء تدبیری غضب خدا کا باعث ہوئی۔ اور حصول مدعا کے بعد وہ اپنی ہوا و حرص کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ دنیا کو اوس نے اپنے لئے حلال کر لیا۔ دنیا میں اوسکے اعمال حبط ہو گئے اور تمام دنیا کو اوس نے جور و ظلم سے بھر دیا۔ یہاں تک کہ وہ مر گیا اور تمام ملک کے قیدخانے اہلبیت رسالت اور معدن طیب طہارت سے بھر گئے اوسکے بعد اوسکے ورثا اور خلفا نے بھی اوسی کی متابعت کی۔ عبد اللہ ابن محمد بن عبد اللہ الحسنی کو علاقۂ سندھ (ہندوستان) میں عمر ابن ہشام بن عمر تغلبی کے ذریعہ سے قتل کرایا اوس کی وجہ صرف خلاف سلطنت کے شک و شبہ کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہوتی اور یہ واقعات تو اون مظالم کے مقابلہ میں۔ جو ہارون الرشید نے اہلبیت کے ساتھ کئے یا موسیٰ عباسی کر گیا بہت ہی قلیل اور کچھ بھی نہیں ہیں۔ آپ حضرات (شیعان خراسان۔ سالان فتوحی) خود واقف ہیں جو موسیٰ عباسی کے ہاتھوں حسن بن علی (ملقب بہ نفس زکیہ) پر بمقام فخ (قریب مدینہ) میں گزرا اور علی ابن افطس حسینی پر ہارون کے ہاتھوں سے جو مظالم گذرے اور محمد بن زید بن علی اور قاسم ابن علی الحسنی پر قید دوام و علی ابن غسان الخزاعی پر گرفتاری اور روپکاری کے مصائب ہارون کے ہاتھوں سے جو گذرے وہ مشہور ہیں۔ یہاں تک کہ ہارون مر گیا۔ ایسی حالت میں کہ وہ شجرۂ رسالت کو قطع

بالکمیت بن زید الاسدی و کما نبش قبر منصور بن الزبرقان النمری و کما دُمّر علی دعبل بن علی الخزاعی مع رفقتهم مروان بن ابی حفصة الیمامی و من علی بن الجهم الشامی لیس الا لتشیعهما فی النصب و استیجابهما مقت الرب حتی ان هارون بالخیزران و جعفر المتوکل علی الشیطان لا علی الرحمان کانا لا یعطیان مالا و لا یبذلان نوالا الا لمن شتم آل ابی طالب و نصر مذاهب النواصب مثل عبد اللّٰه ابن مصعب الزبیری و وهب بن وهب البختری و من الشعراء مثل مروان بن ابی حفصة الاموی و من الادباء مثل عبد الملک ابن قریب الاصمعی و اما فی ایام جعفر فمثل بکار بن عبد اللّٰه الزبیری و ابی السمط بن ابی الجون الاموی و ابن ابی شوارب العبشمی و نحن ارشدکم اللّٰه قد تمسکنا بالعروة الوثقی و اثرنا الدین علی الدنیا و لیس یزیدنا بصیرة زیادة من زاد فینا و لن یحل لنا عقیدة انتقاص من نقص منا فان الاسلام بدء غریبا و سیعود کما بدء کلمة من اللّٰه و وصیة من رسول اللّٰه صلعم یورث من یشاء من عباده و العاقبة للمتقین و مع الیوم غد و بعد السبت یوم الاحد قال عمار بن یاسر رضی اللّٰه عنه یوم صفین لو ضربونا

اور منحل امامت کو ستاصل کرچکا تھا۔ اور اے شیعان نیشاپور خداوند عالم تمہارے امور میں صلاح و خیر دے۔ تم لوگ نعمت دین میں اعمش سے زیادہ حصہ نہیں رکھتے۔ جن کو طرح طرح کی عقوبت سے خوف زدہ کیا گیا اور علی بن یقطین پر اتہام لگایا گیا۔ اور انھیں بزرگوں کی طرح زمانہ سابق میں زید ابن صوحان العبدی کو پہلے پھر بعد اون کے عثمان ابن حنیف انصاری اور آخر میں مالک ابن کعب ارحبی۔ معقل ابن قیس ریاحی اور حرث بن الاعور ہمدانی اور ابوطفیل الکنانی کو بھی ایسے ہی مصیبتیں پیش آئیں۔ اور حارثہ ابن قدامۃ المعدی۔ اور جندب بن زہیر الاسدی اور شریح ابن ہانی المرادی۔ اور ان میں سے کوئی متنفس ایسا نہیں بچا جو قتل نہ کیا گیا ہو یا جو بچ گیا ہو اوس نے گھر بیٹھ کر حقیرانہ اور فقیرانہ زندگی نہ بسر کی ہو اور برابر جناب علی مرتضیٰ ع پر سب و شتم نہ سنتا ہو۔ اور اون کی تردید و تکذیب کی مجال رکھتا ہو۔ یا اونکے اوصیاء و ذریات کو قتل ہوتے ہوئے نہ دیکھتا ہو۔ لیکن با اینہمہ اُن کے عقاید میں کوئی تغیر نہ آیا اور یہ مظالم و مفاسد اون کو کوئی حرج نہ پہنچا سکے۔ جیسا کہ جابر جعفی۔ رشید ہجری اور زرارہ ابن اعین کے حالات سے ظاہر ہے کیونکہ یہ سب بزرگوار اولیاء اللہ (یعنی ائمہ اطہار ع) کے دوستدار تھے اور اون کے دشمنوں سے بیزار تھے۔ اور ظلمہ وقت کے نزدیک اونکا یہی جرم عظیم اور عیب کبیر تھا۔ اب بنی عباس کے کردار کا ذکر کرو۔ ان کے ذکر میں بھی ہمکو بہت سے اقوال ملیں گے اور اون کے اقوال میں عجائب و غرائب مشاہدات پیش آئیں گے۔ بیت المال کی تقسیم کو گویا ان لوگوں نے قبائل دیلم۔ اقوام ترک۔ اندلس اور

حتی تبلغ سعفات ہجر لعلمنا انا علی الحق و
انهم علی الباطل ولقد هزم جیش رسول الله
صلوة الله علیه ثم هزم ولقد تاخر ام
الاسلام ثم تقدم الم احسب الناس
ان یترکوا ان یقولوا امنا وهم لا یفتنون
ولولا محنة المومنین وقلتهم ودولة
وکثرتهم لما امتلأت جهنم حتی تقول
هل من مزید وکما قال الله تعالی ولکن
اکثرهم لا یعلمون ولما تبین الجزوع من
الصبور ولا عرف الشکور من الکفور
لما استحق المطیع الاجر ولا احتقب العاصی
الوزر فان اصابتنا نکبة فذلک ما قد
تعودناه وان رجعت لنا دولة فذلک
ما قد انتظرناه وعندنا بحمد الله تعالی
لکل حالة آلة ولکل مقامة مقالة
فعند المحن الصبر وعند النعم الشکر و
لقد شتم امیر المومنین علیه السلام
علی المنابر الف شهر وما تشککنا فی وصیته
وکذب محمد صلی الله علیه وآله وسلم
بضع عشرة سنة فما اتهمناه فی نبوته
وعاش ابلیس مدة تزید علی المدد فلم
نرتب فی لعنته وابتلینا بفترة الحق و
نحن مستیقنون بدولة دفعنا الی قتل الامام
بعد الامام والرضا بعد الرضا ولا مریة عندنا فی
صحة ما سننه وکان الله مفعولا و کان

و غنا کے لئے خاصکر وقف کر دیا تھا۔ اور جب ائمہ ہدیٰ
کے طبقہ میں کوئی امام مرجاتا تھا۔ یا اہل بیت مصطفیٰ میں
کوئی سید القوم انتقال فرماتا تھا تو کوئی فرد واحد اون کے
جنازہ میں شریک مشایعت نہیں ہوتا تھا۔ اور اوسکا کوئی
مقبرہ نہیں بناتا تھا۔ بخلاف ان کے جب کوئی مسخرہ
قوال، گانے والا۔ یا شاہی بجانے والا مرجاتا تھا تو تمام علماء
قضاۃ اوسکے جنازہ کی مشایعت کرتے تھے۔ اور بزرگان و
رئیسان کے مقبرہ و مسجد میں اوس کی قبر بناتے تھے۔ بنی
عباس اون لوگوں سے جو مذہبًا دہریہ سوفسطایہ ہوتے
اون سے بحاسن سلوک پیش آتے اور یہ لوگ اگر ملک و قوم
کو کتب فلسفی اور یونانی کی تعلیم دیتے تھے تو اون سے مطلق
اعتراض نہ کرتے تھے۔ لیکن جب کسی شیعہ کو پہچان لیتے تھے
تو اوس کو قتل ہی کرڈالتے تھے۔ اور جس شخص کا نام علی ہوتا
تھا۔ اوس کی گردن مارتے تھے۔ علی ابن خنیس کو علی ابن
داؤد نے قتل کیا۔ اور ابوتراب مروزی کو حبس دوام کی
سزا دی۔ ان لوگوں نے اپنے ذمہ وہ مظالم لئے ہیں جن
سے وہ کبھی بری نہیں ہوسکتے۔ اور وہ آتش مفسدہ برپا کی
ہے جو کبھی بجھ نہیں سکتی اور وہ صدمات و زخمہائے کاری
پہونچائے ہیں جو کبھی التیام نہیں پاسکتے ان لوگوں نے
اون جہلا شعرائے قریش کی قدر و منزلت کی جنہوں نے اپنے
اشعار میں احباب امیر المومنین علیہ السلام کی ہجو کی۔
لیکن اون شعرائے اسلام کی تعریض و تشہیر کی
جنہوں نے اپنے اشعار و قصائد میں حضرت علی مرتضیٰ
کی مدح و ثنا کی تھی۔ بنی عباس نے خاصکر اونکے اشعار
ہجویہ کو غائب کیا اور اونکے تمام اخبار پر پردہ ڈالا تاکہ اپنے

امر الله مقدورا کلا سوف تعلمون ثم کلا
سوف تعلمون و سیعلم الذین ظلموا ای
منقلب ینقلبون و لتعلمن نباه بعد حین
اعلموا رحمکم الله ان بنی امیة الشجرة
الملعونة فی القران و اتباع الطاغوت
و الشیطان جهدوا فی دفن محاسن الوصی
و استاجروا من کذب فی الاحادیث علی النبی
صلی الله علیه واله وسلم وحولوا الجوار
الی بیت المقدس عن المدینه والخلافة
زعموا الی الدمشق من الکوفه وبذلوا
فی طمس هذا الامر الاموال وقلدوا علیه
العمال و اصطنعوا فیه الرجال فما قدروا
علی دفن احادیث رسول صلی الله علیه واله
وسلم ولا علی تحریف اية من کتاب الله تعالی
ولا علی داس احد من اعداء الله فی اولیاء
الله ولقد کان ینادی علی رؤسهم بفضائل
العترة ویبکت بعضهم بعضا بالدلیل والحجة
لا تنفع فی ذلك هيبة ولا یمنع منه رغبة
ولا رهبة والحق عزیز وان استذل اهله
وکثیر وان قل حزبه والباطل وان رصع بالشبه
قبیح وذلیل وان غطی وجهه بکل ملیح وکیف
لا یتفصدون فی ما یقتلون بنی عمهم جوعا و
سغبا یملئون دیار الترك والدیلم فضة و
ذهبا یستنصرون المغربی والفرغانی ویجفون
المهاجری والانصاری ویولون انباط السواد

اہتمام سے خاص طور پر ذائع و شائع کیا۔ اور انھیں اخبار و
آثار سے۔ واقدی۔ وہب بن منبتہ التمیمی۔ کلبی۔ شرقی بن
القطامی۔ ہیثم بن عدی اور داب بن الکنانی نے دفتر
کے دفتر مرتب کئے۔ بعض شعرائے شیعہ نے علیحدہ نہیں،
بلکہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذکر معجزات
کے ساتھ جناب علی مرتضی ؑ کے فضائل و مناقب کا ذکر کیا
اوس غریب کی زبان کٹوا لی گئی۔ اور اوسکا وظیفہ بند کردیا
گیا۔ اسی طرح عبد اللہ ابن عمار البرقی کے ساتھ ظالمانہ
سلوک کئے گئے۔ اور کمیت ابن زید اسدی کے ساتھ
بھی یہی برتاو کئے گئے۔ منصور بن الزبرقان النمری کی تو قبر
تک اس جرم میں کھود ڈالی گئی۔ اور ایسے ہی مصائب و
نوائب دعبل خزاعی اور اون کے رفقا پر مروان ابن ابی
حفصہ الیمامی اور علی ابن جہم الشامی کے ہاتھوں اونکی
انتہائے ناصبیت کی وجہ سے گذر گئے۔ یہاں تک کہ
ہارون اور جعفر متوکل (جو متوکل بہ شیطان تھا نہ متوکل
علی الرحمان) یہ دونوں ایسے ظلم وقست ثابت ہوتے
ہیں کہ انہوں نے اپنی دولت دشمنان آل ابیطالب ؑ کے
ایثار و عطایا کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ ان لوگوں نے تمام
فرقہ نواصب کی بڑی بڑی مدد کی جیسا کہ علماء دشمنان آل ابیطالب
میں عبد اللہ ابن مصعب ابن الزبیر و بیا ابن وہب البختری
کے ساتھ اور شعراء میں مروان ابن ابی حفصۃ الاموی کے
ساتھ اور ادبا میں عبد الملک ابن قریب الاصمعی کے ساتھ
بڑے بڑے کرانمایہ سلوک کئے۔ پھر اسی طرح جعفر کے
زمانہ میں بکار ابن عبد اللہ زبیری اور ابی السمط ابن ابی الجون
الاموی و ابن ابی شہراب العیشمی کے ساتھ عطایا سے وافر

ونزارتهم وقلف العجم والطماطم قياداتهم ومنعوا
آل ابي طالب ميراث امهم وفي جدهم تشتهي
العلوي الاكلة في حرمها ويقترح على الايام
الشهوة فلا يطعمها وخراج مصر والاهواز
وصدقات الحرمين والحجاز تصرف الى ابن
ابي مريم المديني والى ابراهيم الموصلي و
ابن جامع السهمي والى زلزل الضارب و
برصوما الزامر واقطاع بختيشوع النصراني
قوت اهل بلد وجاري بغا التركي والافشين
الاشروسني كفاية امة ذات عدد والمتوكل
زعموا يتسرى باثني عشر الف سرية والسيد
من سادات اهل البيت يتعفف بزنجية او
سندية وصفوة مال الخراج مقصور على
ارزاق الصفاعنة وعلى موائد المخانثة و
على طعمة الكلابين ورسوم القرادين و
على المخارق وعلوية المغني وعلى زرزر و
عمر بن بانة الملهي ويبخلون على الفاطمي
باكلة او شربة ويصارفونه على دانق وحبة
ويشترون العوادة بالبدر ويجرون لها
ما يفي برزق عسكر والقوم الذين احل
لهم الخمس وحرمت عليهم الصدقة و
فرضت لهم الكرامة والمحبة يتكففون
ضرا ويهلكون فقرا ويرهن احدهم سيفه
ويبيع ثوبه وينظر الى فيئه بعين مريضة ويتشدد
على دهره بنفس ضعيفة ليس له ذنب الا انه

گئے۔ اور اے حضرات مخاطبان (شیعیان نیشاپور) خداوند عالم
تمکو رشد وہدایت عطا فرمائے۔ ہم لوگ عروۃ الوثقی کے
ساتھ متمسک ہیں۔ اور ہماری دنیا کی بنا بھی ہمارے اساس
دینی پر مبنی ہے۔ ہمکو جتنی بصیرت دین حاصل ہوچکی ہے۔
اوس سے گھٹنے والی نہیں۔ ہمارے عقاید محکمہ ہیں اون منکرین
اسلام کے نقصان فی العقاید سے کوئی نقص واقع نہیں
ہوسکتا ہے۔ جنہوں نے دین میں عجیب وغریب بدعتیں
پیدا کی ہیں اور کلمۃ اللہ وحکم رسول اللہ سے بالکل
منحرف ہوگئے ہیں۔ خداوند عالم یوں تو جس کو چاہتا
ہے زمین کا وارث بناتا ہے۔ مگر دار عاقبت نیکوکاروں
کے لئے ہے۔ ہر آج کے بعد کل آنے والا ہے۔ اور
ہر یوم السبت کے بعد یوم الاحد کا ہونا ضروری ہے
جناب عمار یاسر رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے روز
فرماتے تھے کہ اگر یہ لوگ ہمکو مارتے مارتے تباہی وجدائی
کے اوس سرے تک بھی پہونچا دیں۔ تاہم ہم یہی یقین
کرتے رہیں گے کہ ہم حق پر ہیں اور وہ ضرور باطل پر ہیں
یہ بھی غور کے قابل ہے کہ پہلے جناب رسالتمآب صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے لشکر کو ہزیمت ہوئی۔ اور پھر آپ کے لشکر
نے مخالفین کو شکست فاش پہونچائی۔ اسیطرح پہلے
تبلیغ وتوسیع میں تاخیر واقع ہوئی اور بعد ازاں تقدیم۔
پھر اسی کے متعلق خدا نے ارشاد فرمایا ہے "کیا لوگ
یہ سمجھے ہیں کہ وہ صرف اس کہہ دینے سے کہ ہم ایمان
لائے ہیں۔ چھوڑ دئے جائیں گے اور کیا وہ لوگ فتنہ و
فساد نہیں کرتے ہیں۔ اور حقیقت میں اگر مومن کی تعداد
کم اور اون کے مصائب زیادہ نہ ہوتے تو پھر دوزخ پر

جدّہ النبی وابوہ الوصی وامّہ فاطمۃ و جدّتہ خدیجۃ ومذھبہ الایمان و امامہ القرآن ۔

اور مملو ہو کر کیسے کہتی کہ مجھے ابھی اور زیادہ دیا جاوے۔ اور اگر خدا نے نہ فرما دیا ہوتا کہ اکثر لوگ جاننے والے نہیں ہیں۔ تو پھر صبر کرنے والوں کو بے صبروں سے۔ اہل شکر کو صاحبان کفر سے اور اہل ایمان جزا کو مجرمان سزا سے کیونکر پہچانا جاتا۔ ہم لوگوں کے مصائب ایسے ہیں۔ جنکے لئے ہم سے اجر و توفیق کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور تحقیق کہ رجعت دولت و نعمت کے انتظار کرنے کا ہمکو حکم ہو چکا ہے اور ہم اوسکا انتظار کر رہے ہیں۔ اور بحمد للہ ہمارے پاس ہماری تمام حالتوں کے لئے ایک دلیل اور وسیلہ ہے اور ہر مقام کے لئے ہمارے پاس ایک حجت ہے۔ مصیبت کے وقت ہمارے پاس صبر ہے اور نعمت و دولت کے وقت شکر ہے۔ اگرچہ ایک ہزار مہینوں تک جناب امیر المومنین علیہ السلام پر برسر منبر لعنت کی گئی۔ مگر ہم لوگوں کو آپ کے وصی برحق ہونے میں ذرا بھی اشکال واقع نہیں ہوا۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پندرہ برس تک تکذیب ہوتی رہی اور ابلیس ملعون ان امور قبیحہ میں اپنی طرف سے مدد پہونچانے میں ہمیشہ زیادتی ہی کرتا رہا۔ مگر ہم اوس پر (ابلیس پر) برابر لعنت ہی کرتے رہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہمارے مصائب اور ہماری آزمائش فطرت حقہ کے مطابق ہے اور ہم اوس کے تمام مآثر پر پورا یقین رکھنے والے ہیں۔ ہم برابر ایک امام کے قتل کے بعد دوسرے امام کے قتل پر موافقت کرتے رہے۔ اور ایک رضائے الٰہی کے بعد دوسری پر راضی برضا رہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک اون کے یہ مصائب اون کی صحت امامت کے لئے دلیل واضح اور حجت قاطع تھے اور یہ امور بمصداق آیہ وافی ہدایہ وکان وعد اللہ مفعولا (خدا کا وعدہ ہو کر رہے گا) مقدر ہو چکے تھے اور ضرور ہونے والے تھے۔ مخالفین کو معلوم ہو جاوے۔ اور پھر تاکیداً کہا جاتا ہے اون کو ایک دن معلوم ہو جائے گا۔ اور جن لوگوں نے ظلم کئے ہیں وہ معلوم کر لینگے کہ اون کی کیسی بازگشت ہونے والی ہے اور اون کو اس وقت کے بعد اس کی خبر ہو گی۔ اور اے حضرات نجا طلبان شیعیان خراسان۔ آپ لوگ یقین کر لیں کہ بنی امیہ وہی ہیں جن کے لئے قرآن میں شجرۂ ملعونہ کہا گیا ہے۔ اور یہ وہی لوگ ہیں جو طاغوت و شیطان کے مطیع و فرمانبردار مشہور ہیں۔ جنہوں نے حضرت علیؑ کے محاسن کو مخفی کرایا۔ اور جنہوں نے اجرت دے دے کر حدیثوں میں جناب رسول خدا صلعم پر جھوٹ بندھوایا۔ اور ان تمام موضوعات سے تمام دیار و امصار بیت المقدس سے لیکر مدینہ تک پر اور مملو کر آئے۔ خلافت کوفہ سے اوٹھا کر دمشق میں لے گئے اور ان امور قبیحہ کی تعمیل و ترتیب میں دولت کثیر صرف کر دی۔ اور ان کی تعمیل و نفاذ پر اپنے عمال کو مقرر کیا۔ وہ استخفاف احادیث رسول۔ اسقاط اخبار فضائل اہلبیت پیغمبر۔ تحریف فی القرآن اور رفع مظالم معاندین عن رؤس ائمہ طاہرینؑ کا کوئی تدارک نہ کر سکے۔ اگر کوئی شخص فضائل عترت طاہرین بیان کرتا تھا تو اون میں سے بعض بعض لوگ اون کے دلائل و حجت کو تسلیم کرنے لگتے تھے۔ مگر باینہمہ یہ اثر و ہیبت نہ اونھیں کوئی فائدہ پہونچاتی

تھی اور نہ وہ اپنے غلط طریقہ سے باز آتے تھے۔ حق ہمیشہ عزیز ہی رہتا ہے۔ اگرچہ صاحبان حق کتنے ہی ذلیل نہ کئے جائیں۔ اور اگرچہ اون کے متبعین کیسے ہی قلیل اور معدودے چند ہوں اور باطل کو گو ظاہری صورت میں کتنا ہی آراستہ و پیراستہ نہ کیا جاوے مگر وہ ہمیشہ بدنما اور ذلیل ہی دکھلائی دیگا۔ بنی امیہ کے بعد پھر ایسے لوگوں کو کیوں ملزم نہ کہا جاوے جنہوں نے اپنے بنی اعمام کو بھوک اور پیاس سے مار ڈالا۔ اور بخلاف ان کے دیلم و ترک و دیلم کے باشندوں کو سونے اور چاندی سے بھر دیا۔ جنہوں نے اقوام مغربی اور فرغانی کی پوری استمداد و استعانت کی اور قبائل مہاجر و انصار پر مظالم کئے۔ اقوام انباط سیاہ کو اپنا وزیر بنایا اور اقوام نامختون عجم و طمطم کو ارکین و امرائے سلطنت مقرر کیا اور آل ابی طالب کو نہ اون کی ماں کی وراثت دی اور نہ اون کے جد بزرگوار کے خاص حقوق فئے اور خمس سے اون کو کچھ حصہ دیا اور جب کسی علوی نے اپنی قوت لایموت کے لئے سعی و خواہش کی تو اوس کی سخت ممانعت کی۔ یہاں تک کہ حالت گرسنگی میں اکل میتہ اون پر حلال ہوگیا۔ انہیں تکالیف میں اون کی عمریں تمام ہوگئیں۔ مگر کبھی اونھوں نے سیر ہوکر روٹی نہ کھائی۔ بخلاف ان کے خراج مصر و اہواز۔ صدقات حرمین و حجاز۔ ابن مریم المدینی (حکیم نصرانی) ابن جامع التسمی رقاص و مغنیان سلطان اور بختیشوع نصرانی طبیب شاہی کی جاگیرات دینے۔ اور اہل بلد کے وظیفہ پہونچانے۔ اور بغائے ترکی اور افشین رومی کے غلام و کنیز کے مصارف میں اوٹھایا جاتا تھا۔ اور مزید براں محلات شاہی کے مصارف یومیہ میں آتا تھا۔ جن میں سے صرف متوکل کی لونڈیوں کی تعداد بارہ ۱۲ ہزار بتلائی گئی ہے۔ مگر سادات اہلبیت میں ایک سید غریب ایک حبشی اور سندھی عورت کے ساتھ اپنی عمر کاٹ دیتا ہے۔ تمام اموال خراج۔ صدقات و زکوۃ۔ جلادوں۔ خواجہ سراؤں۔ کتوں اور بھال بندروں کی خوراک۔ تماشا کرنے والوں۔ باجہ بجانے والوں مثل زدزد۔ اور عمر بانہ الملہی کے مصارف میں صرف کیا جاتا تھا۔ مگر ان میں سے بنی فاطمہؑ کو کچھ نہ دیا جاتا تھا۔ بلکہ سخت بخل کیا جاتا تھا۔ اور یہ تمام اموال و دولت مصارف عیش اور خرید آلات غنا وغیرہ میں اُٹھائی جاتی تھی۔ اور جو بچتی تھی وہ فوج و لشکر کے مصرف میں آتی تھی۔ اور اُس قوم و فرقہ کی جنکے لئے خمس حلال اور صدقہ حرام کیا گیا تھا۔ اور جن کی عظمت۔ تکریم و تعظیم محبت و مودت لازم و واجب کیگئی ہے۔ ایسی ناگفتہ بہ حالت تھی کہ وہ نہایت تنگی اور شدید عسرت میں بسر کرتے تھے۔ انہیں سے کوئی اپنی تلواریں رہن رکھتا تھا کوئی کپڑے بیچکر گذران کرتا تھا۔ اپنی آنکھوں سے گھر میں مریض پڑا ہوا دیکھتا تھا جو شدت ضعف سے سسکتا تھا۔ مگر اُسکے علاج و تدارک پر قادر نہیں تھا۔ اور یہ تمام مصائب و نوائب صرف اس جرم کی وجہ سے تھے کہ اون کا جد بزرگوار نبیؐ تھا۔ پدر نامدار وصی تھا۔ اون کی ماں فاطمہ تھیں۔ اور دادی خدیجہؓ مذہب اونکا ایمان تھا۔ ہادی اونکا قرآن۔

مکاتیب خوارزمی بہت کمیاب ہے۔ ایک بار مصر کے مطبع بولاق مصر سے ۱۲۷۹ھ ہجری میں چھپکر شائع ہوا تھا۔ ہم نے کتاب عبقات الانوار جلد سوم سے اس کے مرقومہ بالا اقتباسات کو نقل کیا ہے۔ اور کتاب مذکورہ میں اس کے صفحات ۱۲۵ میں عبارت ہذا مرقوم ہے۔ یہ پوری کتاب کتب خانہ فردوسیہ شمس العلماء صدر المحققین مولانا السید ناصر حسین صاحب مدظلہ میں موجود ہے فمن شاء یرجع الیہ۔

واضح ہو کہ اصل کتاب مکاتیب خوارزمی کے خاتمہ طبع میں یہ عبارت مصحح مطبع کی طرف سے مندرج کی گئی جس سے اس کی اہمیت اور مصنف کی اعلمیت ثابت ہوتی ہے۔ وقد تناهى طبع هذه الرسائل التي لم يبلغ شأوها في الفصاحة سحبان وائل بل هو عندها ادنى من باقل، لو ظهرت في ايامه لمدّ اليها اكف مستمد سائل ولو كانت في عصر قس بن ساعدة الايادي لكان لها عليه جميل الايادي فلعمري انها نسخت ما تركت الاوائل كلمة لقائل واحكمت كم ترك الاول للآخر والماضي للغابر فليكن لا ريب لها نعم الاخذ وليعض عليها بالنواجذ فانه يبلغ بها في صناعة انشاءه وتكون له في الانشاء اوفر عدة و كان طبعها على هذا الوجه الحسن وتمثيلها في هذا القالب المستحسن بدار الطباعة المصرية الكائنة ببولاق مصر المعزية تعلق المستعين بمولاه قديماً يعيد و يبدي عبد الرحمان بيك رشدي على ذمة حضرت محمد على بيك جراح باشى بالديار المصرية و حضرت حسن افندي مترجم الكتب العسكرية لا زالوا ملحوظين بعين العناية الربانية وكان تصحيحها حسب الامكان معرفته الفقير الى رحمة الرحيم الرحمان المتوسل الى ربه بالجاه النبوي محمد قطة العدوي باشى مصحح المطبعة المذكورة يسر الله في الدارين اموره وقد وافق انتهاء طبعها وتمام تمثيلها ووضعها اوائل ذي الحجة الذي هو في هذا العام مشهور ۱۲۷۹ تسع وسبعين ومائتين الف من الهجرة ختام فالحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات والشكر له على مدى الاوقات وصلى الله وسلم على سيد الكائنات و على اله واصحابه ذوي الكرامات ما لاح بدر تمام وفاح مسك ختام

ترجمہ عبارت خاتمہ۔ مکاتیب خوارزمی۔ رسالہ ہذا کا انطباع تمام ہوا جس کی فصاحت کو سحبان وائل نہیں پہونچا اور اس کی انشا پردازی کے مقابلہ میں سحبان ابن وائل باقل سے بھی زیادہ احمق ثابت ہوگا۔ اگر مصنف کے زمانہ میں ہوتا تو اوس کی قابلیت کے آگے اپنے ہاتھ پھیلاتا۔ اور اگر قس ابن ساعدہ ہوتا تو اعانت و استمداد میں مصنف کا

متبعین اہلبیت طاہرین کی خاص مصیبتیں یہ تو اہلبیت علیہم السلام اور اون کی اولاد و ذریات کے مصائب تھے جو امام ابو المويد اخطب خوارزمی کے مکاتیب کی اصل عبارت سے اوپر نقل کئے گئے۔ اون کے پیروان و معتقدین اور شیعان مخلصین پر جو مصیبتیں ابتدا سے لیکر انتہا تک گذریں اون کی کیفیت امام ممدوح کی مفصلۂ عبارت میں ملاحظہ ہو۔

کتب معویہ نسخۃ واحدۃ الی عمالہ بعد عام الجماعۃ ان برئت الذمۃ ممن روی شیئا من فضل ابو تراب و اہلبیتہ وکان اشد الناس بلاء حینئذ اہل الکوفۃ لکثرۃ من بہا من شیعۃ علی فاستعمل علیہ ابن زیاد بن سمیۃ و ضم الیہ البصرۃ و کان یتبع الشیعۃ و ہو بہم عارف لانہ کان منہم ایام علی فقتلہم تحت کل حجر و مدر و اخافہم و قطع الایدی و الارجل و سمل العیون و صلبہم علی جذوع النخل و طردہم و شردہم عن العراق فلم یبق لہا

معاویہ نے سال جماعت کے بعد ایک فرمان عام اپنے تمام عمالان ملکی کے نام اس مضمون کا لکھا کہ جو شخص فضائل علیؑ و اہلبیتؑ کے متعلق کوئی روایت بیان کرے ہم اوس سے بری ہیں۔ یہ بلا و مصیبت اہل کوفہ پر جن میں زیادہ تر شیعان علیؑ تھے۔ اوس وقت سے اور زیادہ ہوگئی جب سے معویہ نے زیاد بن سمیہ کو کوفہ کا والی مقرر کیا اور بصرہ بھی اسی کے متعلق کر دیا اور وہ ان دونوں مقاموں کے شیعوں سے خوب واقف تھا اس لئے کہ حضرت علیؑ کے وقت میں یہاں کا عامل رہ چکا تھا۔ بدبخت ابن زیاد نے شیعان علیؑ کو تمام آبادی ویرانوں۔ پہاڑوں اور میدانوں میں جہاں پایا قتل کیا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۰ - دست سہیں بنتا۔ میں نے حقیقتاً اس کے متعلق اور کچھ نہیں کیا سوا اسکے کہ اساتذہ اولین نے جو کلمات مفیدہ یادگار چھوڑے تھے اونھیں جمع کر دیا اور متقدمین نے جو کچھ متاخرین کے لئے اور حاضرین نے غائبین کے لئے سرمایہ چھوڑا تھا اوسے مستقل اور مستحکم کر دیا۔ جس کی عبارت کو دیکھ کر ادیب متعجب بنکر دانت پیسنے لگتے ہیں کیونکہ اس کی تحریر میں انتہا درجہ کی فصاحت و بلاغت سے کام لیا گیا ہے۔ اس بنا پر اس رسالہ مفیدہ کا چھاپا جانا ہر طریق و قرینہ سے مناسب تھا۔ لہذا مطبع بولاق واقع مصر مغربی میں حسب الایما ے مالک مطبع عبد الرحمن بیگ راشدی - بزیر اہتمام محمد علی بیگ جراح باشی۔ و ملا حسن افندی مترجم کتاب العسکریہ (خدا دونوں پر نگاہ توجہ رکھے) اس کی طبع کا کام آغاز کیا گیا۔ اور حتی الامکان اس کی تصحیح۔ فقیر۔ امیدوار رحمت رحیم الرحمان۔ محمد قطۃ العدوی باشی مصحح مطبع مذکورہ نے انجام دی اور اوائل ماہ ذی الحجہ ۱۲۷۹ھ ہجری میں اس کی نقل و صحت و طبع تمام کاموں سے فراغت ہوئی۔

معروف۔

ثم کتب معویہ الی عمّالہ نسخۃ واحدۃ الی جمیع البلدان انظروا من قامت علیہ البیّنۃ انّہ یحب علیاً واھل بیتہ فامحوہ من الدیوان واسقطوا اعطاءہ ورزقہ وشفع ذلک بنسخۃ اخری من اتّھمتموہ بموالاۃ ھؤلاء القوم فنکّلوا بہ واھدموا دارہ فلم یکن البلاء اشدّ ولا اکثر منہ بالعراق ولاسیّما بالکوفۃ حتی ان الرّجل من شیعۃ علیؑ لیاتیہ من یثّق بہ فیدخل بیتہ فیلقی الیہ سرّہ ویخاف من خادمہ ومملوکہ ولا یحدّثہ حتی یاخذ علیہ الایمان الغلیظۃ لیکتمن علیہ فظھر حدیث کثیر موضوع وبھتان منتشر ومضی ذلک الفقہاء والقضاۃ والولاۃ وکان اعظم الناس فی ذلک بلیّۃ القرّاء المرائون والمستضعفون الذین یظھرون الخشوع والنسک فیفتعلون الاحادیث لیحظوا بذ ھلک عندولاتھم ویقربوا مجالسھم ویصیبوا بہ الاموال والضیاع والمنازل حتی انتقلت تلک الاخبار والاحادیث الی ایدی الدّیانین الذین لا یستحلون الکذب فقبلوھا ورووھا وھم یظنّون انھا حق ولو علموا انھا باطلۃ لما رووھا ولا تدیّنوا بھا فلم یزل الامر کذلک حتی مات الحسن ابن علیؑ بازداد

اون کے ہاتھ پاؤں کاٹے۔ اون کی آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں۔ درختوں کی شاخوں پر سولیاں دلوائیں۔ گھروں سے نکال دیا۔ پھر ملک عراق سے خارج البلد کر دیا یہاں تک کہ ارض عراق پر معروفین شیعہ میں سے ایک متنفس بھی نہ بچا۔

بار دیگر اس کے بعد معاویہ نے ایک اعلان شاہی تمام عمالان ملکی کے نام جاری کیا بایں مضمون کہ جس وقت تم کو کسی شخص کی نسبت یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شیعہ علی و محب اہلبیت ہے تو تم اوسی وقت اوس کا نام اپنے دیوان سے کاٹ دو۔ اوس کا روزینہ بند کر دو۔ اور اس قوم کے ساتھ موالات و موافقات قائم رکھنے کی وجہ سے اُن کو مجرم قرار دو۔ اس کا مکان گرا دو۔ اس حکم شاہی کی تعمیل کی وجہ سے یہ بلا و مصیبت ترقی کر کے حدود انتہائی تک پہونچ گئیں۔ اور تمام ممالک عراق سخت بلا میں مبتلا ہوا خاصکر اہلیان کوفہ پر تو ان بلاؤں کا یہاں تک اثر پہونچا کہ اگر کوئی شیعہ اپنے کسی دوست سے ملنے کے لئے اُسکے گھر جاتا تھا تو خاصکر اوس سے خلوت میں ملاقات کرتا تھا اور اوس کے ملازمین و مملوکین سے بھی خوف کرتا تھا یہاں تک کہ اون خادمین سے حلف و قسم شرعی لیتا تھا اس لئے کہ وہ کسی غیر پر اس کا شیعہ ہونا ظاہر نہ کرے۔ اسی زمانہ ظلمت میں کثیر التعداد احادیث موضوع و بہتان صریح تمام بلاد اسلامی میں ذائع و شائع ہوئے اور انھیں احادیث پر علما و فقہا اور عمالان ملکی عمل پیرا ہوئے ان بلا و مصیبت میں سب سے زیادہ بلائے عظیم قاریان و راویان اور اون ضعفائے محدثین کی ہے جنھوں نے

البلاء والفتنة فلم يبق احد من هذا القبيل الا
خائف على دمه او طريدا في الارض ثم تفاقم
الامر بعد قتل الحسينؑ وولي عبد الملك بن
مروان فاشتد على الشيعة وولي عليهم الحجاج
بن يوسف فتقرب اليه اهل النسك والصلاح
والدين ببغض عليؑ وموالاة اعدائه وموالاة
من يدعي من الناس انهم ايضا اعداؤه فاكثروا في الرواية
في فضلهم وسوابقهم ومناقبهم واكثروا من الغض من
عليؑ وعيبه والطعن فيه والشنآن له وقد روى
ابن عرفة المعروف بنفطويه وهو من اكابر المحدثين

اپنی ظاہری خشوع وغیرہ کو دکھلاکر اور ناصبیت کو ضامن دیکر
حدیث سازی شروع کی اور نقل وبیان حدیث کو اس لئے
اپنا پیشہ بنا رکھا تھا کہ اس کے ذریعہ سے اونکو والیان
ملک اور امراے دولت کا تقرب حاصل ہو۔ اون کے
دربار میں رسائی ملے۔ اور اس طریقہ سے وہ مال ودولت
زراعت اور عمارہ ونفیس عمارت پر قادر ہوں یہاں تک
کہ یہی اخبار واحادیث اون مولفین ومصنفین اسلامی
تک پہونچے۔ جو ان اکاذیب وافترایات کی حقیقت تک
نہ پہونچ سکے اور اسی وجہ سے اونہوں نے انکو قبول کرلیا
اور اپنی تالیفات میں اونکو نقل کردیا۔ اور یہ گمان کیا کہ

توثیق ابن عرفہ المعروف بامام نفطویہ۔ ابراہیم بن محمد بن عرفة بن سلیمان بن المغیرة بن حبیب
بن مہلب بن ابی صفرة العتکی الازدی الواسطی ابو عبد اللہ الملقب نفطویہ تشبیہا لنفط به
جعل على مثال سیبویه لانتسابه في النحو۔ قال یاقوت کان نفطویه عالما بالعربیة واللغة والحدیث
اخذ عن ثعلب والمبرد وکان ظاهر الاخلاق حسن المجالسة صادقا في ما یرویه حافظا القرآن فقیها
على مذهب داود الظاهري راسا فیه مسندا في الحدیث حافظا للسیر وایام الناس والتواریخ
والوفیات ذا مروة وظرف جلس للاقراء اکثر من خمسین سنة وکان یبتدئ في مجلسه بالقرآن
على روایة عاصم مات یوم الاربعاء ثاني عشر ربیع الاول سنة ثلاث وعشرین وثلثمائة۔ ابراہیم ابن محمد
ابن عرفہ ابن سلیمان ابن مغیرہ بن حبیب بن مہلب بن ابی صفرہ العتکی الازدی الواسطی نام تھا۔ ابو عبد اللہ
کنیت تھی اور نفطویہ لقب تھا۔ لفظ نفط (ضیاء) کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے یہ لقب دیا۔ علم نحو میں سیبویہ
کے برابر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ یاقوت حموی کا بیان ہے کہ نفطویہ علم عربی۔ لغت اور حدیث کے عالم تھے۔ علم
حدیث اونہوں نے ثعلب اور مبرد سے حاصل کیا تھا۔ بہت بڑے خوش اخلاق تھے۔ مرویات میں صدوق
قرآن کے حافظ۔ طریقہ ظاہریہ داودی کے فقیہہ۔ نقل احادیث کے مستند۔ سیرت۔ ایام عرب اور تاریخ کے ماہر
کامل صاحب مروت ومکارم تھے۔ علم قرآن کو پچاس برس میں کمال تک پہونچایا تھا۔ اور ابتدا میں مرویات
قرآن طریقہ عاصم پر بیان کرتے تھے۔ ۱۲ ربیع الاول ۳۲۳ھ میں وفات پائی۔ وفیات الاعیان
المولف عفی عنہ

واعلامهم فی تاریخه مانبا سبحانه الخبر وقال ان اکثر الاحادیث الموضوعة فی فضائل الصحابة افتعلت فی ایام بنی امیه تقربا الیهم بما یظنون انهم یرغمون انف بنی هاشم ثم قال المؤلف غفا الله صاحب (کتاب الدرجات الرفیعه فی طبقات الشیعه الامامیه العلامه السید علی المدنی) ولم یزل الامر علی ذلك سائر خلافة بنی امیه لعنهم الله حتی جاءت الخلافة العباسیة فکانت ادهی وامر واضری واضر اما لقیه اهل البیت علیهم السلام ومحنتهم فی دولتهم اعظم مما مضوا فی الخلافة الامویة کما قیل ؎

واللہ ما فعلت امیه فیهم
معشار ما فعلت بنو العباس

ثم شب الزمان هرم والشان مضطرب والشنان مضطرم والدهر لا یزداد الا عبوسا ولا ایام لا تبدی الا بوسا ولا محل الشیعه من هذه الخطیرة الشنیعة فی اکثر الاعصار ومعظم الامصار الانزواء فی زوایات التقیه والانطواء علی الصبر هذا البلیة انتهی ما فی الدرجات العلیه

یہ مرویات صحیح اور فی الواقع ہیں۔ اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ سب جھوٹی حدیثیں ہیں تو وہ کبھی ان کو نقل نہ کرتے۔ اور نہ ان کی تدوین فرماتے۔ ان بدعنوانیوں کی یہی حالت رہی یہاں تک کہ حضرت امام حسنؑ نے وفات فرمائی۔ تو یہ بلا و فتنہ پہلے سے بھی زیادہ ہو گئے۔ کوئی شخص شیعانِ علی میں سے ایسا نہیں تھا جس کو ہمہ دم اپنے قتل کیے جانے یا خارج البلد کیے جانے کے خوف نہ لگا تھا اور شہادت امام حسینؑ کے بعد تو اس بلا و مصیبت میں اور شدت ہو گئی عبدالملک کے زمانہ خلافت میں شیعان علی پر اور سختی ہوئی۔ اونیز حجاج ابن یوسف کے ایسا ظالم عامل مقرر ہوا اور اوس کے دربار میں صاحبان علم اور اہلیان صلاح و دین صرف علیؑ کے ساتھ بغض رکھنے اور اون کے دشمنوں کے ساتھ محبت رکھنے اور مواخت اختیار کرنے کے باعث مقرب بنائے گئے۔ اسلئے دشمنانِ علی کے فضائل و مناقب اور سوابقات کے متعلق کثیر التعداد روایتیں بنائی گئیں اور اسی طرح کثیر التعداد روایتیں مناقص و مطاعن حضرت علیؑ میں تیار کی گئیں۔ جیسا کہ علامہ ابن عرفہ الملقب بہ نفطویہ۔ جو علم تاریخ کے بہت بڑے عالم اور علم حدیث کے عظیم الشان محدث تھے اپنی تاریخ میں اس خبر کو نقل کرتے ہیں کہ احادیث موضوع نہایت کثرت کے ساتھ بنی اُمیّہ کے زمانہ میں اونکے تقرب حاصل کرنے کی غرض سے فضائل صحابہ وغیرہ میں بنائی گئیں۔ اور اس سے اونکی خاص مراد بنی ہاشم

کی توہین تھی۔ صاحب درجات الشیعہ علامہ مدنی تحریر فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ اجرا و نقل احادیث موضوع حکومت بنی اُمیّہ تک اسی طرح قایم رہا اور پھر زمانہ سلطنت بنی عباسیہ میں بھی اسی طرح جاری رہا۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ

خراب اور ابتر اور باعث ضرر و فساد ثابت ہوا اور ان کے زمانہ حکومت میں اہلبیت علیہم السلام اور اون کے تمام متبعین و مخلصین نے وہ آلام و مصائب دیکھے۔ جو اونھوں نے عہد بنی اُمیّہ میں بھی نہیں دیکھے تھے۔ جیسا کہ مشہور ہے "قسم خدا کی بنی اُمیّہ نے اون کے حق میں وہ نہیں کیا جو بنی عباس نے اون لوگوں کے زمانہ زندگی میں مظالم کئے" زمانہ گذرتا گیا۔ اور ان کی پریشانیاں بڑھتی گئیں۔ شعلہاے مظالم بڑھتے گئے۔ زمانہ اون کے ساتھ بجز سرد مہری اور بے التفاتی کے اور کچھ نہ کرسکا۔ اور روزگار ناہنجار اہل حق اور دیندار کے ساتھ سواے سختی و عذاب کے اور کوئی سلوک نہ کرسکا۔ بالآخران ہی شدائد و مصائب کی وجہ سے کثیر التعداد شیعہ بڑے بڑے شہرا ور مقامات میں شرط تقیہ اختیار کرکے زاویہ نشین ہوگئے۔ اور ان تمام بلا و مصیبت پر صبر اختیار کرکے حصول درجات رفیعہ آخرت کے لئے مستحق ہو گئے۔

شبلی صاحب نے حضرت علی اور آل نبی) فاطمہؑ کی توہین۔ اور احادیث موضوعہ کی کثرت تدوین کے متعلق اپنی عبارت دیباچہ میں جو اشارہ فرمایا تھا۔ اور حقیقتاً ان امور کو چھپایا تھا۔ ہم نے اوس کی تفصیل و تشریح کردی۔ اور جن ممکن طریقوں سے امراد خلفاء اسلامی متعصب و نفسانیت کے اصول پر اپنے علما و محدثین شریعت اور اراکین و معاونین سلطنت نے مختلف ذریعوں سے۔ ائمہ اہلبیت علیہم السلام کا استیصال اون کے متبعین اور شیعان مخلصین کی تباہی و بربادی۔ اون کے حقوق واجبہ کی امتناع اور اون کے فضائل و مناقب کا استخفاف جاری اور قایم رکھا۔ اونکی حقیقت کا پورا انکشاف کردیا۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس نقل و تفصیل میں شیعہ ماخذ یا اون کے اخبار و آثار سے کچھ بھی کام نہیں لیا گیا ہے۔ بلکہ سواد اعظم اہل سنت کے علماے متبحرین اور محدثین و محققین مثل۔ امام سیف الدین داتنی امام ابو المویدا خطب خوارزمی۔ علامہ سید علی المدنی۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلوی کے اقوال و ارشادات سے اقتباسات و استنباطات قلمبند کئے گئے ہیں۔

یوروپین تصنیفات پر بیکار تبصرہ اس طول و طویل اور بہ تفصیل کو تمام کرکے اب ہم شبلی صاحب کے اوس مضمون دیباچہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جو یوروپین تصنیفات (سوانح آنحضرت صلعم) کے متعلق تبصرہ کی صورت میں لکھا گیا ہے۔

اگرچہ ہم آپ کے اس مضمون میں تبصرہ کی کوئی مناسبت نہیں پاتے۔ لیکن اس لئے کہ آپ اس تبصرہ سے موسوم کرتے ہیں ہم بھی آپ کے ہم آواز ہوکر اسکو تبصرہ ہی لکھتے ہیں۔ شبلی صاحب نے یوروپین تصانیف میں۔ جو نقائص اون کے تجسس و تلاش میں ہیں اور جو معائب اون کی تحقیق و تنقید

میں بتلائے اور دکھلائے ہیں۔ وہ اون کی عدم معرفت۔ کمی اطلاع۔ حقیقت سے ناواقفیت تعصب نفسانیت کے عذر تک تو نہایت معقول ہیں۔ مگر قدیم مختار کے مطابق۔ جب ان نقائص کو اسلامی سیرتوں کے غیر مستند اور غیر مفید اقتباسات اور منقولات و مرویات کا نتیجہ بتلایا جاتا ہے اور سیرت کے مطالعہ کے بعد پھر رجوع فی الحدیث کی اون کو ہدایت کی جاتی ہے۔ تو آپ کے استدلال میں ضعف و اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ حدیث و سیرت کی فاضل و مفضول کی بحث میں پوری تفصیل سے اوپر ثابت کر دیا گیا ہے کہ باعتبار حقیقت و اصلیت کے سیرت سے حدیث کی زیادہ حالت خراب ہے۔ کثرت موضوعات کی بنا پر شبلی صاحب یوروپین محققین کو سیرت سے جدا ہو کر احادیث کی نقل کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ مگر ؎ ایں راہ کہ میروی بترکان است۔ یہ راستہ اون کے اختیار کردہ رستہ سے بھی زیادہ مضر ثابت ہوگا۔ اس لئے کہ موضوعات سیرت سے زیادہ حدیثوں کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔ جن کے مشاہدات ان غیر اسلامی مولفین کو اسلام پر انواع اقسام کے اعتراض کرنے کے لئے پوری قوت پہونچائیں گے۔ شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انکا (یوروپین مصنفین) سرمایہ استناد صرف سیر و تاریخ کی کتابیں ہیں۔ مثلاً مغازی واقدی۔ سیرت ابن ہشام۔ سیرت محمد ابن اسحق۔ تاریخ طبری وغیرہ یہ ظاہر ہے کہ کوئی غیر مسلم شخص اگر آنحضرت صلعم کی سوانح عمری مرتب کرنا چاہے گا تو قیاس یہی راہبری کرے گا کہ تصنیفات سیرت کی طرف رجوع کرنا چاہیئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ سیرت کی تصنیفات میں ایک بھی ایسی نہیں جو استناد کے لحاظ سے بلند رتبہ ہو۔ چنانچہ اس کی بحث اوپر گذر چکی مصنفین سیرت سے قطع نظر کرکے روایتیں زیادہ تر جن لوگوں سے مروی ہیں۔ مثلاً سیف سری۔ ابن سلمہ۔ اور ابن نجیح عموماً ضعیف الروایۃ ہیں۔ اس لئے عام اور معمولی واقعات میں اون کی شہادت کافی ہو سکتی ہے لیکن وہ واقعات جن پر مہتم بالشان مسائل کی بنیاد قائم ہے۔ اون کے لئے یہ سرمایہ بیکار ہے۔ آنحضرت صلعم کی سوانح عمری کے یقینی واقعات وہ ہیں جو حدیث کی کتابوں میں بروایات صحیح منقول ہیں۔ یوروپین مصنفین اس سرمایہ سے بالکل بے خبر ہیں۔ (اچھا ہے جو ہمیشہ بے خبر رہیں۔ مولف عفی عنہ) اور ایک آدھ کوئی ہے۔ (مثلاً مارگولیوس) تو اولاً وہ اس فن کا ماہر بھی نہیں۔ اور ہو بھی تو تعصب کی ایک چنگاری سیکڑوں خرمن معلومات کو جلا دینے کے لئے کافی ہے۔ دیباچہ صفحہ ۶۷

مرقومہ بالا عبارت سے ظاہر ہوگا کہ غیر اسلامی مورخین کو آنحضرت صلعم کی سوانح عمری مرتب کرنے کے وقت یقینی واقعات صرف حدیث ہی کی کتابوں سے ملیں گے۔" حالانکہ آپ خود لکھ کر اور پھر اعتراف فرما چکے ہیں کہ سیرت و تاریخ کی تدوین میں سلسلہ اور ترتیب واقعات کی بڑی ضرورت ہے۔ اور مرویات احادیث میں کوئی سلسلہ یا ترتیب واقعات کی نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ دیباچہ ص ۸ عبارت زیرین حاشیہ میں آپ کی مفصلہ ذیل تحریر موجود ہے :-

"یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ حدیث کی کتابوں میں آنحضرت صلعم کے حالات اور اخلاق و عادات کے متعلق نہایت کثرت سے واقعات مذکور ہیں۔ جو سیرت میں کافی مدد دے سکتے ہیں تاہم تنہا اون سے ایک تاریخی تصنیف نہیں تیار ہو سکتی اس کے علاوہ اون میں تاریخی ترتیب بھی نہیں ہے۔"

شبلی صاحب تو صرف غیر اسلامی مولفین کو اپنے اس اصول رجوع فی الحدیث کی ہدایت فرماتے ہیں۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ غیر مسلمین کے علاوہ اگر خاص مصنفین مسلمین بھی۔ آنحضرت صلعم کی سوانح عمری لکھنے کا شرف حاصل کرنا چاہیں اور آپ کی ہدایت کی موافق مرویات حدیث ہی کو واقعات یقینی قرار دیکر مستنبط کریں تو بالآخر وہ اپنی تصنیفات و تالیفات میں واقعات کا سلسلہ اور ترتیب قائم رکھنے کے متعلق کہاں تک کامیاب ہوں گے۔ اور تنہا ان ماخذوں سے جب کتاب تیار ہوگی۔ اور بقول آپ کے وہ سلسلہ و ترتیب سے بالکل خالی رہے گی تو وہ سیرت۔ سیرت رہیگی۔ یا کیا؟ اسکا جواب شبلی صاحب ہی دے سکتے ہیں۔

جب صرف احادیث کے اقتباسات سے مستنبط شدہ سیرت میں نہ ترتیب سیرت قائم رہی اور نہ سلسلہ تاریخ پایا گیا۔ تو آپ کے اصول نو ایجاد کے مطابق۔ صرف حدیثوں سے کام لیا جانا۔ ان مولفین کے لئے محض تضیع اوقات اور سعی بیکار ثابت ہوئی یا نہیں۔ پھر ایسے غلط اصول قائم کرنے سے فائدہ۔

منافی احادیث کی ہدایت منافقانہ دہی ہے۔

شبلی صاحب نے بلا غور و تامل احادیث کی مرویات پر یقینیات کا حکم عام لگا کر یوروپین مصنفین کو اقتباسات و منقولات احادیث کی طرف دعوت دی ہے۔ مگر یہ خیال نہ فرمایا کہ احادیث کی نقل و تحریر اون کے لئے تو نقل و سیرت و تاریخ سے زیادہ آپ ہی کو ضرر پہونچانے والی ثابت ہوتی ہے۔

شبلی صاحب کی کھلی مغالطہ دہی ہے۔ جیسا کہ آپ لکھتے ہیں کہ یوروپین تصنیفات کا ماخذ صرف

اسلام کی سیرت و تاریخ کی کتابیں ہیں۔ اور اونھیں غیر مستند و غیر مقید مرویات کی بناپر اون کو اسلام پر اتنے حملات و اعتراضات کی جرأت ہوئی۔ آپ کی یہ تحریر بالکل خلاف واقع ہے۔ اس لیئے کہ آپ ہی نے آگے چلکر اپنی اصل کتاب میں آنحضرت صلعم کے متعلق۔ عیسائیوں کے جتنے اعتراضات قایم کئے ہیں۔ وہ سب کتب احادیث کے اقتباسات ہیں اور آئمہ احادیث خصوصاً اصحاب صحاح کی مرویات ہیں۔ سیرت یا تاریخ کے حوالہ سے تو کوئی بھی نہیں۔

ذیل میں اون کی چند مثالیں نمونہ کے طور پر لکھی جاتی ہیں۔

یورپین تعریفات کے ماخذ کتب صحاح وسنن ہیں

(۱) سیرۃ النبیؐ جلد اوّل ص ۱۲۷ کے زیرین حاشیہ متعلق (۲) یہ عبارت مرقوم ہے

عبدالمطلب کا آنحضرت صلعم کو عزیز رکھنا ایک مسلم واقعہ ہے لیکن مارگیولوس صاحب کو دادا کا پوتے پر مہربان ہونا بھی گوارا نہیں فرماتے ہیں۔ کہ یتیم لڑکے کی حالت اچھی نہیں تھی۔ آخر زندگی میں۔ ان کے چچا حمزہؓ نے نشہ کی حالت میں محمدؐ کو طنزاً اپنے باپ کا غلام کہا تھا (لائف آف محمدؐ مارگیولوس ص ۴۵-۴۹)

حضرت حمزہؓ کے جس قول سے استدلال کیا ہے۔ مارگیولوس خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ نشہ کی حالت تھی۔ اوس کی تفصیل جیسا کہ بخاری میں ہے۔ یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی نے بار برداری کے لیئے اونٹ خریدے اوس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ حضرت حمزہ شراب میں مخمور ادھر سے گذرے (خیریت ہوئی کہ علیؓ نے اوس وقت حمزہؓ کے ساتھ ملکر شراب نہیں پی لی۔ بخاری صاحب کا شکریہ) اور ایک اونٹ کا پیٹ پھاڑ کر دل وجگر کا کباب لگایا۔ آنحضرت صلعم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ حمزہؓ کے پاس گئے اور اون کو ملامت کی۔ حضرت حمزہؓ سخت مخمور تھے۔ ایسی حالت میں وہ الفاظ اون کی زبان سے نکلے تھے۔ کیا اس حالت کا کوئی بیان شہادت میں پیش کیا جا سکتا ہے؟"

کسی حالت میں یہ الفاظ کہے گئے ہوں۔ اس سے بحث نہیں۔ بحث تو واقعہ کی حقیقت سے ہے اور وہ خود امام بخاری کی خاص روایت سے ثابت ہے کسی تاریخ و سیرت سے بھی مستنبط نہیں۔ اس لئے شبلی صاحب کے مقررکردہ اصول کے مطابق وہ واقعات یقینی میں داخل ہے۔ اس بناپر اگر مارگیولوس نے حضرت حمزہؓ کی سخت کلامی کا ذکر کیا تو کیا بیجا کیا۔ اوس کے دل کی گڑہی بات تو ہے نہیں۔ اوس نے تو صحیح بخاری کی ایسی اصح الکتب کے حوالے سے لکھی ہے اور اسی بناپر اپنا استدلال قایم کیا ہے۔

مارگیولیس حضرت حمزہ کی شراب خواری اور خصوصاً اسلام لانے کی بعد بھی مبتلائے میخواری رہنے کا ذمہ دار نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جس مذہب وطریقہ کا پابند ہے اوس میں حرمت خمر کی اتنی اہمیت نہیں ہے جتنی اسلام میں۔ وہ تو حضرت حمزہ کی اس بدزبانی کی مثال دکھلا کر آنحضرت صلعم کے ساتھ اونکی نامہربانی ثابت کر رہا ہے۔ یہ تو بخاری کی ذمہ داری ہے کہ حضرت حمزہ کو شروع سے اسلام لانے تک شرابخوار ثابت کرتے ہیں اور پھر اس میخواری کی مجبورانہ ومخمورانہ کیفیت کو اون کی اس سخت کلامی کا باعث دکھلا کر معذرت بھی کر دیتے ہیں۔ مگر یہ عذر بدتر از گناہ بھی واقعہ کی اصلیت پر پردہ نہ ڈال سکا۔

افسوس بخاری صاحب کو ان لغویات کی تجمیع وتدوین فرماتے وقت نہ اسلام کا پاس آیا نہ ایمان کا لحاظ۔ افسوس پر افسوس تو یہ ہے کہ تائید بخاری کی خاص دُھن پر جوشیوں میں شبلی صاحب کے ایسے محقق نقاد نے پس وپیش پر کچھ خیال نہ فرمایا خاندان رسالت اور دودمان نبوت۔ ان حضرات کی تحقیق میں حقیقتاً ایسا ہی ذلیل وخوار تھا کہ ابتدا ہی سے اون میں تمام مخرب اخلاق عادات واطوار موجود تھے۔ اور باوجود اسلام لانے اور دولت ایمان پانے کے بھی اون کے ذمائم عادات میں سرمو فرق نہ آیا۔

تعجب پر تعجب تو یہ ہے کہ احادیث متواترہ سے یہی حضرات ائمہ مثشگانہ احادیث لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عبدالمطلب اون نیکوکاران اور پرہیزگاران قریش میں سے تھے جنہوں نے شرب خمر کو اپنے لئے حرام کر لیا تھا۔ مگر اونھیں کے گھر میں۔ اونھیں کے صاحبزادے حضرت حمزہ شراب پیا کرتے تھے۔ اور عبدالمطلب دیکھا کرتے تھے۔ اور کچھ نہ کہا کرتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب درد فرزندی کے تقاضہ سے اگر صاحبزادے پر کوئی شدت نہ کر سکتے تھے۔ تو صرف اپنی مثال دکھلا کر بہت کچھ اون پر اثر پہونچا سکتے تھے۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا (نعوذ باللہ) تغافل تو اور بھی زیادہ تامل کا باعث ہے۔ مانا کہ حرمت خمر کا اوس وقت تک حکم ظاہری نہیں تھا۔ مگر شراب خواری کی حقیقی بدکاری تو آپ پر بخوبی ظاہر تھی۔ اور چونکہ اسلام تمام ادیان سابقہ کی تصدیق وتائید کے ساتھ اون کے مخترعات وبدعات کی تصحیح وترمیم کا بھی مدعی ہے۔ اس بنا پر جس طرح تمام داعیان امم سابقہ اس کی حرمت کو جانتے تھے۔ اوسی طرح یہ ضرور تھا کہ بانی اسلام علیہ السلام بھی اس کی حرمت سے بخوبی واقف ہو۔ باوجود علم حرمت کے یہ ممکن نہیں تھا۔ کہ آنحضرت صلعم نے سابقین مسلمین کو عموماً اور اپنے اعزہ واقارب قریب ترین کو خصوصاً اسکی حرمت سے آگاہ نہ فرمایا ہو اور اس بدعادت کے ترک کر دینے کی تاکید شدید نہ کی ہو۔

جیسا کہ قرآن بتلا رہے ہیں۔ اس قصہ کا زمانہ وقوع حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کے بعد ہے۔ تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کیا حضرت حمزہؓ کے مزاج میں فطرت صالحہ کے اتنے جوہر بھی نہیں تھے۔ جو رسول صلعم کی ہدایت و موعظت کے بعد بھی بری اور بھلی باتوں کی تمیز کر سکتے۔ قرآن مجید میں فطرت صالحہ کی بنا پر جہاں تمام انبیاے سابقین کا کامل رشد و ہدایت پانا نام بنام مذکور ہے۔ وہاں کے ان کے تمام اعزہ و اقارب کا فائز بفطرت صالحہ و بہدایت راشدہ ہونا پوری تفصیل سے مرقوم ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ انعام جزو ۷ کی مرقومہ ذیل آیہ مبارکہ۔

ووھبنا لہ اسحق ویعقوب کلا ھدینا و نوحا ھدینا من قبل ومن ذریتہ داؤد و سلیمان و ایوب و یوسف وموسی و ھارون وکذلک نجزی المحسنین وزکریا ویحیی وعیسی والیاس کل من الصلحین و اسمعیل والیسع و یونس ولوطا کلا فضلنا علی العالمین ومن ابائھم و ذریاتھم واخوانھم واجتبینٰھم و ھدینھم الی صراط مستقیم۔

اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا۔ دو فرزند) عطا فرمائے اون سب کو ہم نے راہ راست دکھلائی۔ ان سے پہلے ہم نے نوح کو بھی راہ راست دکھلائی اور اون ہی کی نسل میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور موسیٰ اور ہارون (سب) کو (ہم نے راہ راست دکھلائی) اور خلوص دل سے نیک کام کرنے والوں کو ہم ایسے ہی صلہ عطا فرمایا کرتے ہیں اور (علی ہذا القیاس) زکریا یحیٰی اور الیسع اور یونس اور لوط (ان سب کو) ہم نے راہ راست دکھلائی اور ان سب کو دنیا جہان کے لوگوں پر برتری دی اور نہ صرف ان ہی کو بلکہ) ان کے بڑوں کو اور ان کی اولاد سے اور ان کے بھائیوں سے ہم نے انتخاب کیا اور اونکو دین کی سیدھی راہ دکھلائی۔

اس آیت سے انبیاے سابقین کے اسلاف و اخلاف اور اعزہ و اقارب کا فطرۃ صالحہ پر اور ہدایت راشدہ پر فائز ہو کر برترین عالمیاں ہونا ثابت ہو گیا۔ تو پھر اشرف المرسلین و ختم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اخلاف و اعقاب ان مفاخر و مشارف سے کیوں محروم سمجھے جائیں گے۔ عقاید اسلام کے علاوہ شرائط انصاف نوازی کے مقتضی ہیں کہ یہ حضرات ان محامد و اوصاف پر بدرجہ اولیٰ منتخب یقین کئے جائیں چہ جائیکہ سید المرسلین کے عم محترم اور ابن عم۔ اسلام لانے اور ایمان پانے کے بعد بھی ایک مدت مدید تک شراب خواری کی ایسی بدکاری میں گرفتار بتلائے جائیں۔ ان ھذا لبھتان عظیم

یہ اوسی اصول تعمیم کا نتیجہ ہے۔ جس کو خواہ مخواہ محض اغیار کی تائید کی غرض سے مذہبی عقاید میں داخل کر کے شان رسالت اور خاندان رسالت کی صاف صاف تنقیص و توہین کی جاتی ہے حضرت حمزہ

کی شراب خواری کا واقعہ حضرت علی مرتضیٰ کی میخواری کا سنگ بنیاد ہے جس کو بخاری نے رکھا اور ابوداؤد نے جھوٹ کا پل باندھا۔

یہ وہی شرمناک لغویات ہیں۔ جن کو یورپین مصنفین کتب صحاح سے نقل کرکے اسلام کی معاشرت اور عادات و اخلاق پر اعتراض کا پورا موقع پاتے ہیں۔ اور انبیاء رسالتین کے حواری صحابی اور اعزہ و اقارب میں اس ناہنجار عادات و اطوار اور جواز کی مثال انہیں اخبار و آثار اسلامی سے دکھلاتے ہیں۔ جو حقیقتاً عقل و نقل دونوں ذریعوں سے سراپا لغو اور تمام و کمال افترا ہے۔ ہم اس مضمون کو حضرت علیؑ (نعوذ باللہ) کی شراب خواری والی بحث میں پوری تفصیل سے لکھیں گے۔

(۳) صفحہ ۱۲۸ میں مرقوم ہے:۔

غالباً جب آپ کی عمر دس بارہ برس کی ہوئی تو آپ نے بکریاں چرائیں۔ فرانس کے ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ ابوطالب۔ چونکہ محمد کو ذلیل سمجھتے تھے۔ اس لئے ان سے بکریاں چرانے کا کام لیتے تھے۔

اسکی تحقیق و تنقید میں ص ۱۲۹ کے زیرین حاشیہ یہ عبارت مرقوم ہے۔

بخاری نے کتاب الاجارۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول نقل کیا ہے کہ میں قراریط پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا" قراریط کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن ماجہ کے شیخ سوید ابن سعید کی رائے ہے کہ قراریط جمع قیراط کی ہے اور قیراط درہم و دینار کے ٹکڑے کا نام ہے۔ اس بنا پر ان کے نزدیک حدیث کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجرت پر لوگوں کی بکریاں چراتے تھے۔ بخاری نے اس حدیث کو باب الاجارۃ میں نقل کیا ہے۔ لیکن ابراہیم حربی کا قول ہے کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے جو اجیاد کے قریب ہے۔ ابن جوزی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ علامہ نووی نے اس حدیث کی شرح میں یہ بحث تفصیل سے لکھی ہے اور قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ابن جوزی کی رائے صحیح ہے۔

آپ کے اس بیان سے اوس مؤرخ فرانسیسی کی تکذیب کیا ہوئی۔ بلکہ ابراہیم حربی۔ ابن جوزی اور علامہ نووی۔ سب نے ملکر بخاری۔ ابن ماجہ اور ادن کے شیخ سوید ابن سعید کو جھوٹا بنایا۔ بخاری کو نقل سے پہلے تحقیق حقیقت کرلینی ضرور تھی آخر انہیں کے شارحین نے اون کی غلطی تصحیح و ترمیم کی۔ لیکن معترضین کیا ان تصحیحات و ترمیمات کی خبر ہو یا نہ ہو۔

ہم نے اس بحث کو پوری تفصیل کے ساتھ اس کے خاص مقام پر بیان کیا ہے۔ اسلئے زیادہ تصریح کی ضرورت نہیں۔	وہ تو اضح الکتب کے حوالہ اپنی تعریفیں قایم کرتے ہیں۔

(۳۳) ایک دفعہ قریش نے آپ کے سامنے کھانا رکھا۔ یہ کھانا بتوں کے چڑہاوے کا تھا۔ جانور جو ذبح کیا گیا تھا وہ کسی بُت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا۔ آپ نے کھانے سے انکار کیا۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۴۹ اسکے پائیں حاشیہ پہ عبارت مرقوم ہے۔

صحیح بخاری باب مناقب ذکر زید ابن نفیل۔ یہ حدیث امام بخاری نے اور ابواب میں بھی نقل کی ہے۔ اس کے الفاظ میں اجمال رہ گیا ہے جو اس روایت میں صاف ہوگیا ہے۔ مسند امام احمد ابن حنبل جلد اول ۱۸۹ میں ایک روایت ہے۔ جس میں بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید کو اس کھانے پر بلایا اور زید نے انکار کیا اور پھر آنحضرت صلعم نے اس تاریخ سے کبھی بتوں پر ذبح کیا ہوا کھانا نہیں کھایا۔ لیکن اس روایت کے راویوں کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ اور یوں بھی بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا وقعت ہے۔"

بخاری کی روایت قرار بیط اوپر ابھی لکھی گئی ہے۔ جب وہ مخدوش روایتیں خود لکھتے ہیں تو اونسے دوسروں کی تصحیح کی کیا امید ہے۔ اول تو بخاری نے اس روایت کو ایک ہی الفاظ کے ساتھ تمام ابواب میں کیوں نہ لکھا۔ مگر جب خیال آیا تو ایک دوسرے باب میں حقیقت کا انکشاف فرمایا۔ اور لطف یہ کہ سابق والی روایتوں کے تمام الفاظ ویسے کے ویسے ہی چھوڑ دئے۔ اب اگر معترض انھیں ابواب سے مستنبط کر کے آنحضرت صلعم کی قبل بعثت (نعوذ باللہ) بے احتیاطی ثابت کرتے ہیں تو اوس کے اسناد غیر صحیح کیسے کہے جاتے ہیں۔ شبلی صاحب تو اپنی سیرۃ النبی میں مرویات بخاری کے الفاظ میں اجمال باقی رہ جانے کا یقین دلاتے ہیں۔ اس سے جو اعتراض ہو چکے ہیں اون کی تردید کیسے ہوسکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ امام بخاری کے شیخ الشیوخ حضرت امام احمد ابن حنبل کے الفاظ حدیث میں تو کوئی اجمال نہیں۔ وہ تو صاف صاف لکھ رہے ہیں کہ قریش کا لایا ہوا کھانا نہیں تھا۔ مگر رسول صلعم کے گھر کا پکا ہوا کھانا تھا۔ جو مخصوص زید کی ضیافت کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ معترضین کو بخاری اور امام احمد ابن حنبل کے فرق مابہ الامتیاز کی کیا خبر۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ جانتے ہیں کہ امام حنبل سے امام بخاری نے علی الاکثر حدیثیں لی ہیں اور اون کو اپنا شیخ تسلیم کیا ہے۔ پھر وہ امام حنبل پر ترجیح بخاری کا خیال کیسے قابل تسلیم کہا جاسکتا ہے۔ ؟ اس لغو اور مہمل روایت کے ذمہ دار بھی کم و بیش وہ اکابر و عمائد محدثین ثابت ہوتے ہیں۔ ہم اس مسئلہ کو بھی اس کے مقام پر پوری تفصیل سے لکھیں گے۔

(۴) نصاریٰ نے دعویٰ کیا ہے کہ آپ کے معتقدات میں جو تغیر ہوا ہے وہ عہد نبوت سے ہوا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے آپ کا طرز عمل وہی تھا جو آپ کے خاندان اور اہل شہر کا تھا چنانچہ آپ نے اپنے پہلے صاحبزادے کا نام عبد العزیٰ رکھا تھا۔ یہ روایت خود امام بخاری کی تاریخ صغیر میں موجود ہے لیکن یہ روایت اگر صحیح بھی ہو تو اس سے آنحضرت صلعم کی نسبت کیونکر استدلال ہو سکتا ہے حضرت خدیجہ اسلام سے پہلے بت پرست تھیں۔ اونھوں نے یہ نام رکھا ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک منصب ارشاد پر مامور نہیں ہوئے تھے اس لئے آپ نے تعرض نہ فرمایا ہوگا۔ اور اصل واقعہ یہ ہے کہ روایت فی نفسہ بھی ثابت نہیں اس روایت کا سب سے زیادہ صحیح وہ سلسلہ ہے جو امام بخاری نے تاریخ صغیر میں روایت کیا ہے۔ اس سلسلہ کا راوی اول اسمٰعیل ہے جس کا پورا نام اسمٰعیل ابن اویس ہے۔ اگرچہ بعض محدثین نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔ لیکن گروہ کثیر کی رائے حسب ذیل ہے:۔

معاویہ ابن صالح	اسماعیل اور اسکا باپ دونوں ضعیف ہیں۔
یحییٰ ابن مخلط	جھوٹ بولتا ہے اور نہایت ہیچ ہے۔
امام نسائی	ضعیف اور غیر ثقہ ہے۔
نصر بن سلمہ مروزی	وہ کذاب ہے۔
دارقطنی	میں اسکو صحیح روایت کیلئے پسند نہیں کرتا۔
سیف بن محمد	جھوٹی حدیثیں بناتا ہے۔
سلمہ ابن شبیب	مجھ سے اس نے خود اقرار کیا کہ جب کبھی کسی بات میں کوئی اختلاف ہوتا تھا تو میں ایک حدیث بنا لیتا تھا۔

اس عبارت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عیسائیوں کو ایسے غلط دعوئی کی جرأت آپ کے امام بخاری نے دلائی تھی۔ جو امیر المومنین فی الحدیث ہیں مگر آخر میں اون کی یہ ذلت ہو رہی ہے کہ آپ خود اپنے دست وقلم سے اون کی مرویات کی لغویات ظاہر فرما رہے ہیں۔

(۵) صفحہ ۱۰۴ کے زیرین حاشیہ یہ عبارت مرقوم ہے:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عزیٰ کے نام پر ایک خاکی رنگ کی بھیڑ ذبح کی تھی لیکن صاحب موصوف نے اس کی سند میں کوئی عربی ماخذ نہیں پیش کیا۔ بلکہ ولہوسن کا حوالہ دیا ہے (دیکھو ہارگیونیوس کی کتاب ص ۶۸-۷۰) معجم البلدان واکیت صفحہ ۶۶۱

کی کتاب) میں ایک روایت اس مضمون کی موجود ہے۔ لیکن (اولاً تو اس موضوع خاص میں یہ کتاب خود بے سند ہے ثانیاً یہ روایت) کلبی سے ہے۔ جو مشہور دروغگو ہے"

لیجئے اس متعصب عیسائی کی تعریض کی سند بھی ایک اسلامی عالم کے مختار سے مستنبط ہے۔ یاقوت حموی کی عالمانہ اور محققانہ آب و تاب سے کون مسلمان واقف نہیں ہے شبلی صاحب نے خود علی الاکثر اسکے حوالہ اور سند سے کام لیا ہے۔ آپ اسوقت موقع کی ضرورت سے مجبور ہوکر اس عربی محقق کی تکذیب کردیں وہ دوسری بات ہے۔ لیکن مارگیولوس کی تعریض کو آپ بے سند نہیں کہہ سکتے اور نہ اوس کے نقل پر اعتراض کرسکتے۔ وہاں تک آپ کا عذر صحیح تھا۔ کہ اس نے دلہوسن کے قول کو سند نہیں دیا تھا۔ لیکن جب آپ نے ایک اسلامی عالم کی سند پالی۔ تو مارگیولیوس سے الزام جاتا رہا۔ آگیا انہیں یاقوت حموی) اور کلبی کے سر۔ جو دونوں اسلام کے مقتدر اور معتبر عالم ہیں۔

ان تمام تعریضات کے باعث۔ عام اس سے کہ یہ اعتراض فی نفسہ کیسے ہی ضعیف اور محض بے دلیل ہی کیوں نہ ہو۔ آپ ہی کی کتب احادیث اور آپ ہی کے علما و محدثین کی مرویات ثابت ہوتے ہیں۔ اگر کتب احادیث میں ان لغویات کا شروع ہی سے انبار نہ لگا یا ہوتا۔ تو آج مخالفین کو تعریض کا کوئی موقع نہ ملتا۔ اگر تدوین احادیث کے وقت ہی محدثین و مدونین احادیث نے اصول تعمیم تائید عقاید۔ تقلید اسلاف اور حمایت سلطنت کے غلط طریقے نہ اختیار کئے ہوتے تو ان تمام آلائشوں سے اون کا دامن بھی پاک و صاف ہوتا۔ اور اون کی تالیف و تصنیف بھی۔ مگر یہ امر بہت مشکل تھا۔ اور اون کے امکان سے باہر ان کے تمام اسباب و علل ہم پوری تفصیل کے ساتھ اوپر بتا آئے ہیں۔ بار دیگر اون کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہوگا کہ وہ حضرات ان لغویات و حشویات کے نقل و اندراج کے لئے سلطنت کی طرف سے اگر مامور تھے تو اپنے عقائد کے اصول موضوعہ کے اعتبار سے مجبور۔ مثلاً شراب خواری کی خراب عادت جس میں باستثناء بنی ہاشم تمام قبایل قریش اور عموماً تمام اقوام عرب گرفتار تھی بنی ہاشم کو بھی ان عادات ذمیمہ کا مرتکب نہ دکھلایا جاوے اور تعمیم کا اصول نہ جاری کیا جاوے۔ بہت سے مسلمین قریش جن میں سابقین مہاجرین وغیرہ علی الاکثر مبتلا پائے جاتے ہیں۔ اس الزام سے بچ نہیں سکتے۔ اور کلہم عدول کی عدالت مسلمہ قایم نہیں رہ سکتی۔ اس لئے ضرور تھا کہ اسلاف رسول سے لیکر۔ جو حقیقتاً اشراف قریش تھے۔ ظہور پیغمبر اسلام تک۔ اس خاندان کے لوگوں کو بھی اس عادت ذمیمہ کا عادی اور مرتکب مبتلا پایا جاوے۔

اس غلط اصول کے وضع کرنے کے وقت۔ نہ رسول صلعم کی ذاتی عصمت و عظمت کے مسئلہ کا خیال

پاس رکھا گیا۔ نہ اون کے پہلے اون کے آبائے متقدمین کی فطرت صالحہ پر مخلوق فرمائے جانے کا لحاظ
کیا گیا۔ نہ رسول صلعم کی موجودگی میں اور نہ اون کی وفات کے بعد۔ اون کی ذریات واقربا کی مودّت یا
عزت وحرمت کی رعایت کی گئی۔ بلکہ وہ تمام بزرگوار عام طریقہ سے عوام الناس کی طرح تمام اخلاقی اور
معاشرتی ضروریات میں ادنیٰ گندہ عادات وخصائل اور رذائل مشاغل کے مرتکب و حامل تبلائے گئے۔

اسلاف رسول ؐ ہیں تو قصی کے وقت سے لیکر عبدالمطلب تک سب کے سب کفار و مشرکین
(نعوذ باللہ) **اعمام اور بنی اعمام** رسول ؐ ہیں تو حمزہ ؓ سے لیکر علی ؓ تک سب کے سب شراب خوار۔
حضرت حمزہ ؓ کو آنحضرت صلعم کے عم محترم ہونے کے علاوہ۔ آپ کے ساتھ اخوت بالرضاعت
کا بھی شرف حاصل ہے۔ گویا حقیقی اور ظاہری دونوں طریقوں سے آپ کے ساتھ خون ملا ہوا ہے۔
مزید براں اسلام لا چکے ہیں۔ شرف ایمان پا چکے ہیں۔ مگر اس پر بھی عادات و اطوار کی دنائیت اور رذالت
سے توبہ نہیں کرتے۔

حمزہ ؓ سے تو خراب حالت علی ؓ کی ہے۔ وہ بنی عم ہونے کے علاوہ۔ بالکل صغر سنی کے زمانہ سے
لیکر ۲۷ برس کی عمر تک دامن رسول ؐ میں پرورش پا چکے ہیں۔ ہر دم وہر لحظ صحبت نبوت میں حاضر رہکر
ہر قسم کی تعلیم وتربیت میں کمال حاصل کر چکے ہیں۔ مگر اون کو بھی شراب خواری کی (نعوذ باللہ) ایسی
بُری عادت پڑی ہے کہ مونھ سے چھٹتی ہی نہیں اور مے نوشی کی اسی مدہوشی میں نہ اپنی اوقات
کا خیال ہے اور نہ اپنے عملیات پر نظر۔ نشہ چڑھا ہوا ہے اور نماز کا وقت آگیا۔ اوسی طرح نماز کو
کھڑے ہوگئے۔ اور تلاوت سورہ قرآنی کے وقت کئی آیت زیادہ پڑھا گئے۔

رسول صلعم کے ایسے مقربین اور سابقین صحابہ کبار اور ایسے خراب اور نفرت انگیز عادات واطوار
جن کو دیکھکر اہل اسلام پر کیا منحصر ہے۔ اقوام عالم کے تمام مہذب طبقہ میں انسے نفرت اور عام ناپسندیدگی
کا اظہار کیا جائے گا۔ اور اس بنا پر۔ ہر شخص (نعوذ باللہ) تعلیم رسول ؐ میں اخلاق کی پاکیزگی اور عادات
کی صفائی کی کمی بتلائے گا جس کا سبب یا تو معلّم کی تعلیم کا فی نفسہ نقص سمجھا جائیگا۔ یا انکی جہالت اور
تعلیم وہدایت کی طرف سے ان بزرگواروں کی غایت درجہ کی عدم توجہی اور غفلت کا اقرار کرنا پڑیگا۔
اور ان دونوں صورتوں میں نفس اسلام الزام سے بری نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ یہ تمام الزام صریح اتہام
ہیں اور بالکل بہتان۔ اسلام کا دامن ان تمام آلائشوں سے بالکل پاک وصاف ہے۔ نہ اوس معلم
اسلام کی تعلیم میں کہیں نقص وعیب کا نام ہے۔ جو تمام تعلیمات قدیمہ کا مصحح ہے اور متمم۔ اور بخصوص
تہذیب واخلاق کے متعلق۔ مصدر قدرت سے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کی سند خاص لیکر مخلوق و مبعوث

فرمایا گیا ہے۔ اور نہ اون صحابہ کرام مذکور الصدر کی تعلیم۔ خلوص متابعت۔ طرز عمل۔ نیکوکاری اور پرہیزگاری میں کوئی کمی ہے۔ یہ سب حضرات علما و محدثین کی کرامات ہیں جنہوں نے طبقہ صحابہ میں مساوات بالمدارج اور اصول تعمیم کلہم عدول۔ قائم کرنے کی غرض خاص سے۔ ان لغویات و حشویات کا انبار لگایا ہے۔ ورنہ خیر۔ یہ امور کسی طرح قابل قبول نہیں ہوسکتے کہ جس خاندان اعلیٰ اور دودمان والا کے سرمایۂ ناز اخلاف و اعقاب ایسے مخرب اخلاق اور منافی تہذیب عادات و اطوار کے خوگر اور عادی بتلائے جاویں جو (خاندان) شریعت اسلام کے اجراسے صدیوں پہلے شرب و خمر وغیرہ کی بری عادتوں کا تارک ہوچکا ہو

اس بنا پر ہم مذکور الصدر صحابہ اور اعزہ رسول صلعم کے تقدس و اتقا۔ زہد و ورع۔ خضوع و خشوع الی اللہ۔ اور تمام صفات حسنہ کے بدیہات و یقینیات کے مقابلہ میں کبھی اون کو ان عادات قبیحہ اور اعمال ذمیمہ کا مرتکب نہیں تسلیم کرسکتے جن کے اسوۂ حسنہ۔ چودہ سو برسوں کے بعد بھی۔ تہذیب اخلاق۔ حسن معاشرت اور تمام دینی و دنیاوی رفاہ و صلاح کی ضرورتیں۔ ہماری ہدایت کے لئے رہبر کامل ثابت ہوتے ہیں۔ اور جن کی تصدیق و توثیق سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہوسکتا۔

مگر کیا کہا جاوے ان علما و محدثین کی قلمکاریوں کو جو اپنی ایک قلم صنعت رقم سے ان بزرگواروں کی دورخی تصویریں کھینچتے ہیں ایک رخ سے تو ان کے زہد و اتقا کے پاک و صاف مرقع دکھلاکر اون کے طرز عمل اختیار کرنے کی تاکید کی جاتی ہے۔ دوسری طرف سے اون کے عادات ذمیمہ کا ایسا ناپاک نقشہ کھینچا جاتا ہے جس کو دیکھ کر تمام طبائع اون سے خودبخود نفرت اور پرہیز اختیار کریں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ان حضرات کے یہ اختیار کردہ جمع ضدین کے اصول کہاں تک قابل قبول ثابت ہونگے۔

متعصبین یورپ کو انہیں لغویات احادیث سے منتفع اور متمتع ہونے کا پورا موقع ملجاتا ہے۔ اور عیسائی معترضین اپنے حواریوں کی بداحتیاطی اور قابل اعتراض رفتار و کردار کو صحابہ کبار اور مہاجرو انصار میں موجود و حاضر پاکر اہل اسلام کی اون تعریضوں کی پوری تردید کردیتے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ کے حواریوں کی بداحتیاطیاں و بدعنوانیاں ثابت کیجاتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل اسلام اپنے اخبار و آثار سے حواریوں کے عادات و اطوار پر کوئی اعتراض نہیں کرتے۔ یہ عیسائی ہیں اور انھیں کی مرویات۔ جن سے حواریوں کی بدعنوانیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ وہی موقع اور وہی لنظیر صحابہ کبار کے متعلق بھی ان لغویات کی بدولت عیسائیوں کے ہاتھ آجاتی ہے۔ اور وہ بھی اہل اسلام ہی کی ان مرویات سے صحابہ کبار کی ان بداحتیاطیوں کو دکھلاتے ہیں تو اہل اسلام کے لئے جواب مشکل ہوجاتا ہے۔ اس بنا پر صاف کہنا پڑتا ہے کہ کتب احادیث میں ایسے منقولات

خصوصاً اون حضرات کے متعلق جو خدمت رسالت سے خصوصیات کا شرف رکھتے تھے۔ سراپا لغو ہیں اور اون خود غلط متعصبین محدثین کی مصنوعات ہیں جو اپنے عقاید کی غلط تائید اور صرف صحابہ کے نام کی تقلید میں اچھے برے کی تمیز نہیں کرتے ہیں اور اصول تعلیم کے مطابق صحابہ کے طبقہ میں عام مساوات قایم کرتے ہیں اور فضلنا بعضکم علی بعض کے ایسے کثیر التعداد نصوص پر اعتماد نہیں کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ احادیث کے ان لغویات نے مقربین رسالت پر ارتکاب محارم کے غلط الزام تو لگائے ہی تھے انھیں کے ساتھ شان نبوت اور فیضان رسالت کو بھی بدنام کر دیا۔ اگرچہ اون کے خیال میں اون کے ان موضوعات نے طبقہ صحابہ میں مساوات فی المدارج کی صورت بھی قایم کر دی۔ مگر پھر آگے چلکر وہ بھی قایم نہیں رہتی کیونکہ امام احمد ابن حنبل نے مسئلہ افضلیت کو عقاید اہل سنت کا جزو اعظم اور اصول مسلم قرار دیدیا۔ اور اگر بفرض محال مسئلہ افضلیت اجماعی مانا بھی نہ جائے۔ حالانکہ اوس کے اجماعی ہونے پر علی الاکثر اتفاق ہو چکا ہے۔ تاہم مسئلہ اختلافی تو ضرور کہا جائے گا۔ تو باوجود اس کے کہ یہ مسئلہ اجماعی ہو یا مختلف فیہ اس سے جو نتیجہ مترتب ہوا وہ بھی ہے کہ جس طرح صحابہ کے اطوار میں ذمایم ثابت ہوئے ویسے ہی تعلیم رسالت میں مناقص۔ پھر نہیں معلوم کہ اطوار صحابہ میں ذمایم اور تعلیم رسولؐ میں مناقص ثابت ہونے کے بعد بھی اصول عقائد قایم رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

ان موضوعات کا ایک دوسرا شرمناک رُخ

ان لغویات نے تعلیم و صحبت رسولؐ پر جو بدنما الزام لگایا وہ اسقدر افسوسناک نہیں ہے جتنا ان موضوعات کا وہ حصہ ناپاک اور شرمناک ہے جو حضرت عائشہ کی سائر ازواج پر فضیلت۔ آنحضرت صلعم کی ان کے ساتھ مفرط درجہ کی محبت ثابت کرنے کی سعی و اہتمام میں بڑی کد و کاوش سے جمع کیا گیا ہے۔ احادیث کے اس حصہ موضوعات و مصنوعات کی وہ ناقابل الذکر حالت ہے جس کے پڑھنے اور سُننے سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

عوام الناس سے کہیں زیادہ یہ ناگفتہ بہ واقعات و حالات کو دیکھکر متعصبین عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پاک و مقدس سیرت اور صاف و منزہ معاشرت پر ایسے ایسے گندہ اعتراضات وارد کرتے ہیں اور اپنی شدت تعصب میں اس دریدہ دہنی اور بدزبانی سے کام لیتے ہیں کہ اہل اسلام پر کیا موقوف ہے کسی قوم و فرقہ کا کوئی باغیرت اور حیادار آدمی اون کے سُننے کی تاب نہیں لاسکتا۔ انھیں سے چند مثالیں نمونہ کے طور پر ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

مواہب لدنیہ عسقلانی اور روضۃ الاحباب محدث شیرازی میں مرقوم ہے۔

از عائشہ منقول است کہ گفت پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ

عائشہ سے منقول ہے کہ ایک دن جناب رسول خدا صلعم

وسلم بر نعلین خود وصلہ مے زد و من چرخ می رشتم در روئے آں سرور نظر کردم دیدم کہ عرق از جبین وے ریزاں وازاں عرق انوار تاباں است۔ درجمال وے حیراں گشتم حضرت بجانب من نگاہ کرد وگفت چہ بودہ است۔ ترا کہ حیراں شدہ آئی گفتم یارسول اللہ صلعم در بشرہ نورانی وعرق پیشانی تو دیدم فریفتہ جمال تو گشتم انسرور نعلین از دست بنہاد وبرخاست نزدم آمد ومیان ہر دو چشم مرا بوسید۔ روضۃ الاحباب جلد اول۔ مطبوعہ لکھنؤ ص ۵۷۹

اپنی نعلین میں پیوند لگا رہے تھے۔ اور میں بیٹھی ہوئی چرخہ کات رہی تھی۔ اسی اثنا میں میری نظر آپ کے چہرۂ مبارک پر پڑی۔ جبین مبارک پر قطرات عرق کی آب وتاب کچھ ایسی خوشنما معلوم ہوئی کہ میں آپ کے چہرۂ نورانی کی زیبائی پر بے ساختہ فریفتہ ہوگئی۔ میری موجودہ دلباختگی کے عالم کو آنحضرت ؐ نے بھی دیکھ لیا۔ مجھ سے استفسار فرمایا کہ یہ کیا حالت ہے۔ میں نے عرض کی کہ آپ کے جمال نورانی نے مجھے اسوقت اپنا شیفتہ وفریفتہ بنا رکھا ہے۔ یہ سنکر آپ پر عجیب کیفیت طاری ہوئی نعلین ہاتھ سے رکھ دی۔ اوٹھ کھڑے ہوئے۔ اور میرے نزدیک آگئے۔ اور میری دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا۔

بحکم اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُم آنحضرت صلعم بشر ضرور تھے۔ اس بنا پر اگر درمیان زن وشو۔ اس قسم کے معاملات پیش آئے تو مستبعد نہیں۔ مگر ان نازک واقعات کو نقل ونشر کرکے سنگین وگرانبار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میرا یقین ہے اور تمام دُنیا جانتی ہے کہ ہر شخص کو ایسے واقعات پیش آتے ہیں۔ مگر نہ وہ شخص خود ان کے نقل وبیان پر جرأت کرتا ہے اور نہ اوس کے حالات وواقعات قلمبند کرنے والوں کی حیا اس کی مقتضی ہوسکتی ہے۔ لطف تو یہ ہے کہ حضرات محدثین ہی اس کے اکیلے ناقلین پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ مدعائے حدیث کو ان اقسام کے واقعات کی نقل سے بظاہر کوئی تعلق اور واسطہ نہیں۔ ارباب سیر ان اقسام کے واقعات کو نہیں لکھتے۔ خلاف تہذیب ہونے کے علاوہ منافی شان رسالت جانتے ہیں ائمہ محدثین اس کو حضرت عائشہؓ کے ثبوت فضیلت اور آنحضرت صلعم کے ساتھ مفرط درجہ کی محبت رکھنے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ اور اصول عقاید کی ضرورت سے اسکے نقل وبیان کو ضروری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ مدعا بھی حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اور ازواج مطہرات کے ساتھ بھی ایسے معاملات پیش آتے ہوں۔ جس کی خبر حضرت عائشہ اور اونکے متعلقین کو نہ ملی ہو۔ تو پھر فضیلت کیسی اور ترجیح کیونکر ثابت ہوگی ؟

توسیع تالیف وتصنیف کے موجودہ زمانہ میں۔ باستثنائے کتب حدیث وفقہ۔ بیشمار کتابیں اسلامی تاریخ و

سیر کی روزانہ مشاہدے اور مطالعے میں آتی ہیں۔ مگر کسی ایک میں بھی کسی شخص خاص کے ناموس کی خلوت کے حالات و واقعات اس طرح منظر عام میں نہ لائے جاتے ہیں اور نہ یوں علانیہ طشت ازبام کئے جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ رسول صلعم اور اوسکا ناموس۔ فاعتبروا۔ اہل اسلام تو ان شرمناک واقعات کو دیکھکر دیدۂ عبرت سے جتنے آنسو نہ بہائیں وہ کم ہے۔ مگر متعصبین مخالفین اسلام کو آنحضرت صلعم کی معاشرت کے متعلق۔ عورتوں کی صحبتوں میں آپ کی محویت۔ اور ان کے ساتھ آپ کا ایک شغف خاص وغیرہ وغیرہ (نعوذ باللہ) مختلف اقسام کے غلط الزام کا موقع ملجاتا ہے۔

(۲) ریاض النضرہ میں مرقوم ہے۔

عن عائشه انها قالت اتیت رسول بحریرة طبختها له فقلت لسودة والنبی صلعم بینی و بینها کلی فابت فوضعت یدی فی الحریرة ولطخت بها وجهها فضحك النبی صلعم فوضع فخذه فقال لسودة الطخی وجهها فلطخت وجهی فضحك النبی صلعم فجاء عمر فنادی یا عبد اللہ یا عبد اللہ فظن رسول اللہ انه سیدخل فقال قوما فاغسلا وجوهکما فقالت عائشه فما زالت رهاب عمر لهیبة رسول اللہ صلعم ایاه صفحہ ۲۰۹

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول خدا صلعم کے لئے حریرہ پکایا اور اُسکو لیکر خدمت بابرکت میں حاضر ہوئی۔ اور ایک طرف بیٹھ گئی ایک طرف سودہ تھیں اور ایک طرف میں۔ بیچ میں آنحضرت صلعم تھے میں نے سودہ سے کہا اسمیں سے کھاؤ۔ اونہوں نے انکار کیا پھر میں نے کہا۔ کھاؤ نہیں تو تمہارے موتھ میں بھی حریرہ مل دونگی۔ سودہ نے اسپر بھی انکار ہی کیا تو میں نے اپنے ہاتھ میں وہ حریرہ لیکر سودہ کے موتھ پر مل دیا یہ دیکھکر رسولخدا صلعم ایسا ہنسے کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہوگئے اور سودہ سے فرمایا کہ تم بھی ان کے موتھ پر مل دو چنانچہ اونہوں نے بھی وہ حریرہ میرے چہرہ پر مل دیا۔

یہ دیکھکر رسولخدا صلعم بیساختہ ہنسنے لگے۔ اتنے میں حضرت عمر نے دروازے پر آکر یا عبد اللہ یا عبد اللہ کہکر پکارا۔ آنحضرت صلعم سمجھے کہ اندر آنا چاہتے ہیں۔ ہم لوگوں سے فرمایا کہ اب تم دونوں اُٹھو اور اپنے ہاتھ موتھ دہو ڈالو۔ (ایسا نہو کہ عمر تمکو ایسی حالت میں دیکھ لیں) عائشہ کہتی ہیں کہ اوس دن سے میں ہمیشہ عمر سے ڈرتی رہی کیونکہ آنحضرت صلعم کو اون سے ڈرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

مطایبات کسی قوم و ملک میں مانع تہذیب نہیں۔ مگر خاص مشکوٰۃ رسالت میں اس قسم کی اوچھل کود قابل اعتراض ضرور ہے جس طرح حضرت سودہ کی تمام ازواج مطہرات میں کبر السنی مسلمات سے ہے اوسیطرح ام المومنین عائشہ کی صغیر السنی بھی یقینیات سے ہے۔ اس بناپر باوجودیکہ دونوں خواتین میں زوجیت رسول کے شرف مشترک نے کتنی ہی مساوات نہ پیدا کردی ہو۔ تاہم حضرت عائشہ کا یہ

بے تکلفانہ مذاق۔ باعتبار مساوات سن کے نہایت بدنما اور نازیبا ثابت ہوتا ہے خصوصاً ازواج مطہرات کے آداب و اخلاق اور ابواب تہذیب کے سخت خلاف واقع ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان مطایبات عامیانہ سے قطع نظر فرمانا اور مزید براں ان معمولی خوش فعلیوں پر مخدرات سراپردۂ نبوت کو اشتعال دینا اور کبھی شرمناک صورت پیدا کرتا ہے۔ گویا آنحضرت صلعم ان اقسام کے مزاح و مذاق کو تہذیب و نسوان اور خصوصاً ازواج مطہرات کے حدود تہذیب و آداب کے خلاف نہیں سمجھتے تھے۔

آخر حصہ حدیث نے بالآخر ان لغویات کی حقیقت اور اسباب موضوعیت کا انکشاف کر دیا۔ اور ثابت کر دیا کہ حضرت عمر کے کمال سطوت و ہیبت اور رسول اللہ صلعم کے ساتھ حضرت عائشہ کی انتہا درجہ کی شوخی اور بے تکلفی کے اظہار۔ ان تمام لغویات کے مدعا تھے۔ مگر ان مدعا کے اظہار کی پرجوشیوں میں اوس درجہ کی موضوعیت اور لغویت سے کام لیا گیا کہ نتیجہ یہ ہوا کہ داب رسالت اور آداب نبوت کو ایک طرف تو حضرت عائشہ کی محبت نے داب لیا۔ دوسری طرف حضرت عمر کی سطوت و ہیبت نے۔ پھر رسول صلعم کی مقدا کیسی اور کتنی باقی رہی۔ دانظر فتدبر۔

(۳۳) اسی کی دوسری مثال ملاحظہ ہو۔ تفسیر درمنثور میں مسطور ہے:۔

عن عائشة قالت استاذن ابوبكر على النبي صلعم وانا معه في مرط واحد فاذن له فقضى حاجته وهو على تلك الحال في المرط ثم استاذن عليه عثمان فاصلح ثيابه وجلس فاذن له فقضى اليه حاجته ثم خرج قالت عائشة قلت يا رسول الله استاذن عليك ابوبكر فقضى اليه حاجته وانت على حالك ثم استاذن عليك عمر فقضى اليك حاجته وانت على تلك الحال ثم استاذن عليك عثمان فاصلحت ثيابك واحتفظت فقال يا عائشة ان عثمان رجل حيي ولو اذنت على تلك الحال خشيت ان لا تقضي حاجته

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر نے نبی صلعم کے پاس آنے کی اجازت مانگی۔ اوسوقت آنحضرت صلعم کے ساتھ میں ایک ہی چادر میں لیٹی ہوئی تھی۔ آپ نے اسی حالت میں اون کو اجازت دیدی اور وہ آئے اپنا کام کیا اور چلے گئے پھر عثمان نے اذن طلب کیا۔ تو آپ (چادر جھٹک کر) اوٹھ بیٹھے اور اپنے کپڑے درست کر لئے اور اون کو آنے کی اجازت دی پس وہ بھی آئے اور اپنا کام پورا کر کے چلے گئے۔ تب میں نے کہا یا رسول اللہ صلعم ابوبکر آئے اور اپنی حاجت پوری کر کے چلے گئے مگر آپ اپنی حالت پر باقی رہے۔ پھر عمر آئے اور اپنا کام کر کے چلے گئے۔ مگر آپ کی حالت میں فرق نہ آیا لیکن جب عثمان نے اذن طلب کیا تو آپ نے کپڑے درست کر لئے اور ٹھیک ہو کر بیٹھ گئے آخر اسکا سبب کیا تھا) تو آپ نے

فرمایا کہ اے عائشہ عثمان ایک مرد باحیا ہیں۔ اگر میں اون کو اسی حالت میں بلا لیتا تو مجھے خوف تھا کہ وہ بغیر حاجت پوری کئے واپس جاتے"

اس روایت کے متعلق زیادہ لکھنا مناسب نہیں ہے۔ ناظرین خود اندازہ کرلیں گے کہ اس واقعہ کے بیان میں تہذیب و شائستگی کہاں تک محفوظ رکھی گئی ہے۔ صرف دو تین باتیں اس کے متعلق عرض کردینی ہیں۔ اول یہ کہ اگر وہ حالت جس کو خود ام المومنین نے بیان کیا ہے قابل شرم تھی اور قول یا فعل رسول کے مطابق ایک مرد باحیا و غیرت مند کے سامنے اوس حالت میں رہنا مناسب نہ تھا۔ تو پہلے آنے والے کی آمد پر بھی وہی کرنا مناسب تھا۔ جو حضرت عثمان کی تشریف آوری پر کیا گیا۔ بلکہ حضرت ابو بکر کی آمد پر اولیٰ اور انسب تھا۔ دوسری یہ کہ دو آدمیوں کے مقابلہ میں کسی تیسرے شخص کو یہ کہنا کہ ان میں یہی باحیا اور غیرت مند ہے جس امر کا مستلزم ہے۔ اوس کو میں اپنے زبان و قلم سے ادا نہیں کرسکتا کیونکہ وہ باقیماندہ بزرگواروں کی سخت توہین کا باعث ہوگا۔ ایسا سوء ادب اون علمائے کرام ہی کو مبارک ہو جنہوں نے یہ روایت درج کتاب کی ہے۔ یا اون کے رواۃ ثقاۃ کو جنہیں بیان فضیلت و وضع روایت کا بھی سلیقہ نہ تھا۔ ایک بزرگ کی تو فضیلت بیان کی اور دو بزرگواروں کے فضائل پر پانی پھیر دیا۔

ان موضوعات و مصنوعات کی حقیقت یہی ہے کہ ان کے نقل و بیان میں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جس قدر تحقیر و توہین محض خلفائے کرام اور ام المومنین حضرت عائشہ کے فضائل دکھانے کے لئے کی گئی ہے اور جو نقشہ آپ کی معاشرت کا دنیا کے سامنے پیش کیا گیا ہے وہ حد درجہ قابل افسوس ہے۔

(۴۴) کنز العمال جلد چہارم ص ۳۷۲ میں مرقوم ہے۔

عن عائشہ قالت فقدت النبی صلعم ذات لیلۃ فظننت انہ قام الی جاریتہ ماریۃ فقمت التمس الجدر فوجدتہ قائماً یصلی فادخلت یدی فی شعرہ لانظر ھل اغتسل ام لا فقال اخذک الشیطانک قلت ولی شیطان یا رسول اللہ فقال نعم قلت ولجمیع بنی آدم قال نعم قلت ولک قال نعم ولکن اللہ اعاننی علیہ فاسلم

عائشہ کہتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسولخدا صلعم کو اپنے فرش خواب پر نہ پایا۔ خیال گذرا کہ آپ اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کے پاس اوٹھ کر چلے گئے پس میں (اندھیرے میں) ٹٹولتی چلی کھڑی ہوئی تو آپ کو نماز میں مشغول پایا۔ تو میں نے اپنا ہاتھ اون کے بالوں پر رکھا تا کہ دیکھوں کہ غسل فرمایا ہے یا نہیں پس آپ نے (میری یہ حرکت دیکھکر) فرمایا کہ تم کو اس وقت تمہارے شیطان نے گرفتار کر رکھا ہے۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ کیا میرے ساتھ کوئی شیطان بھی ہے۔ فرمایا۔

ہاں۔ میں نے کہا اور ہر بنی آدم کے ساتھ ؟ فرمایا۔ ہاں میں نے کہا اور آپ کے ساتھ ؟ فرمایا ہاں۔ مگر خدا نے اوسکے مقابلہ میں میری مدد کی۔ جس سے اوس نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

اسی مضمون کو اوسی کتاب میں اس عبارت کے ساتھ بار دیگر نقل کیا ہے۔

عن عائشہ قال طلبت رسول اللہ صلعم لیلۃ فلم اجدہ فظننت انہ اتی بعض جواریہ او نسائہ فرایتہ وھو ساجد وھو یقول اللھم اغفرلی ما اعلنت وما اسررت۔

عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے ایک رات رسولخدا صلعم کو تلاش کیا۔ لیکن کہیں نہ پایا خیال کیا کہ آپ کسی کنیز یا بیوی کے پاس گئے ہوں گے مگر یہ غلط ہوا آپ سجدہ میں سر رکھے فرما رہے ہیں کہ اے پروردگار بخش دے جو کچھ مجھسے لبطور ظاہر یا مخفی سرزد ہوا ہے۔

افسوس ہے کہ ازواج مطہرات اور غلبہ نفس کے یہ حالات و واقعات۔ گویا ان مخدرات پر تعلیم رسول صلعم کا کوئی اثر اور صحبت نبوی کا کوئی فیض ہی نہ پہونچا تھا۔ پھر یہ مناقص شان رسالت اور مخالف آداب نبوت طومار کیوں تیار کئے گئے۔ صرف اس لئے کہ حضرت عائشہ کی فضیلت ثابت ہو۔ مگر فضیلت کی جگہ تو اون کی تناقص طبیعت ثابت ہوتا ہے

(۵) اسی کا دوسرا نمونہ ملاحظہ ہو۔ اصابہ جلد ۴ ص ۳۳۳ مطبوعہ مصر میں مرقوم ہے:۔

والجوینیہ امراۃ من الکندہ احضرھا ابو اسید الساعدی فتولت عائشہ و حفصہ امرھا فقالت احداھما ان یعجبہ اذا دخلت علیہ امراۃ ان تقول اعوذ باللہ منک واخرج ابن سعد عن ھشام بن محمد وھو ابن الکلبی عن ابن غسیل الذی اخرجہ البخاری وزاد فیہ فقالت حفصۃ لعائشہ او عائشہ لحفصہ خضبیھا وانا امشطھا ففعلتا ثم قالت لھما احداھما انہ یعجبہ من المراۃ اذا دخلت علیہ ان تقول اعوذ باللہ منک فلما دخلت علیہ واغلق الباب وارخی الستر مد یدہ الیھا فقالت

جوینیہ۔ قبیلہ کندہ کی ایک عورت تھی جس کو ابو اسید ساعدی نے خدمت رسول صلعم میں حاضر کیا تھا۔ عائشہ اور حفصہ نے اوسکا امر یعنی آرائش اپنے ذمہ لی اور اثنائے مشاطگی میں اون میں سے ایک نے اوس سے یہ کہہ دیا کہ جب کوئی عورت آنحضرت صلعم کے پاس لائی جاتی ہے تو آپ یہ بات بہت پسند کرتے ہیں کہ وہ اعوذ باللہ منک کہے (میں آپ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں) اور ابن سعد نے ہشام بن محمد کلبی سے اور اوس نے ابن غسیل سے وہ روایت کی ہے۔ جو بخاری نے بھی لکھی ہے اور اس روایت بخاری میں اتنی زیادتی ہے کہ حفصہ نے عائشہ سے یا عائشہ نے حفصہ سے کہا کہ تم مہندی لگاؤ میں بالوں میں کنگھی کرتی ہوں۔ وہ مشاطگی میں مصروف

اعوذ باللّٰہ منک فقام بکمّہ علی وجھہ وقال
عذت بمعاذ ثلاث مرات ثمّ خرج فقال یا
ابا اسید الحقہا باھلہا ومتّعہا برازقتین
یعنی کرباسین فکانت تقول ادعونی الشقیّہ

ہوئیں۔ پھر دونوں میں سے کسی ایک نے اوس عورت سے
کہا کہ آنحضرت صلعم کے پاس جب کوئی عورت داخل
کیجاتی ہے تو آپ کو اوسکا یہ کہنا بہت بھلا معلوم ہوتا ہے
کہ اعوذ باللّٰہ منک (میں آپ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں)

اس کے بعد وہ حجلۂ عروسی میں لائی گئی۔ دروازے بند کردیے گئے۔ پردے گرا دیے گئے۔ آنحضرت صلعم نے اوس کی طرف ہاتھ بڑہائے تو وہ کہنے لگی اعوذ باللّٰہ منک (میں آپ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں) یہ سنتے ہی آپ آستین روے مبارک پر رکھکر اوٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ تو نے اوس کی طرف پناہ مانگی ہے جس کی طرف پناہ مانگی جاتی ہے یہی کلمہ تین بار ارشاد فرمایا اور باہر چلے آئے۔ ابو اسید سے فرمایا کہ اس عورت کو اس کے گھر والوں کے پاس پہونچا دو۔ اور کرباس کے دو کپڑے اس کو دیدو۔ پس وہ عورت سب سے کہا کرتی تھی کہ تم لوگ مجھے بدنصیب کہکر پکارا کرو۔

اس روایت میں کس کس کی تعریف کی جائے۔ ازواج مطہرات کے آداب و اخلاق کے شان کی یا ان علما و محدثین کے طرز بیان کی جو جناب رسالتمآب صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کی خلوت کے راز کو یوں طشت ازبام اور زبان زد خاص و عام کردیتے ہیں نہ خدا سے ڈرتے ہیں نہ رسول سے شرم کرتے ہیں رسول کی یوں توہین کی اور اوس کے ناموس کی یوں پردہ دری۔ زیادہ افسوس تو اس کا ہے کہ اس کی نقل سے اصل مدعا بھی تو حاصل نہیں ہوا حضرت عائشہ اور اور حضرت حفصہ کی فضیلت ظاہر ہونے کی جگہہ اون کی پوری حیلہ سازی اور صریح فتنہ پردازی ثابت ہو گئی۔

(۴) تفسیر درّ منثور میں۔ سورۂ تحریم کی تفسیر کے متعلق مرقوم ہے۔

اخرج ابن جریر والمنذر عن ابن عباس
قال قلت لعمر ابن خطاب عن المرءتان
اللّتان تظاھرنا قال عائشہ وحفصہ و
کان بدء الحدیث فی شان ام ابراھیم اصابھا
النبی صلعم فی بیت حفصۃ فی یومھا
فوجدت حفصہ فقالت یا نبی اللّٰہ لقد جئت
الی شیئا ما جئتہ الی احد من ازواجک
فی یومی وفی داری وعلی فراشی فقال
الا ترضین ان احرمہا فلا اقربہا قالت بلی

ابن جریر ابن المنذر نے ابن عباس سے روایت کی ہے۔
وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن عمر ابن خطاب سے پوچھا کہ
وہ کون دو عورتیں ہیں کہ جنہوں نے رسول صلعم کے برخلاف
ایک دوسرے کی مدد کی تو کہا کہ وہ عائشہ ہیں اور حفصہ
اور یہ واقعہ مادر ابراہیم کی نسبت گذرا تھا اور وہ یوں
تھا کہ ایک دن رسول خدا صلعم نے ماریہ سے حفصہ
کے گھر میں مقاربت کی جس سے حفصہ غضبناک ہو گئیں
اور کہنے لگیں کہ یا رسول اللّٰہ آپ نے مجھپر تو ایسا ظلم کیا
ہے جو اپنی بیبیوں میں سے کسی ایک پر بہی نہ کیا تھا

تحرمها وقال لا تذکری ذلک لاحد فذکرته لعائشة فاظهره الله علیه فانزل الله یا ایها النبی لم تحرم ما احل الله لک الایات کلها۔

کہ میری ہی باری کے دن۔ میرے ہی گھر میں اور میرے ہی بستر پر؟ آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی نہ ہوگی کہ میں ماریہ سے کنارہ کشی کروں اور اب کبھی اوس کے قریب نہ جاؤں۔ حفصہ نے کہا ہاں۔ آپ نے ماریہ سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا قصد کر لیا اور حفصہ سے کہا کہ دیکھنا اس بات کو کسی سے بھی نہ کہنا۔ مگر اونھوں نے عائشہ سے کہدیا تو خدا نے اپنے رسول صلعم کو اسپر مطلع کیا اور آیہ یا ایہا النبی الخ کو نازل فرمایا۔

واقعی کس قدر افسوسناک ہے کہ یہ اوس کی ازواج مطہرات کے اطوار و عادات ہیں جو حقیقی غیرت و حیا کی مجسم شان ہے اور الحیاء شعبۃ الایمان جس غیر متمند کا خاص فرمان ہے۔ حالانکہ بفرض محال۔ اگر ان خواتین کے ایسے اطوار کردار صحیح بھی ہوں تاہم وہ رسالت کے خاص وقار میں کوئی کمی نہیں پیدا کر سکتے۔ مگر ظاہری طور پر ان واقعات کو پڑھ کر ہر شخص اتنا کہنے کا ضرور مجاز ہوگا۔ کہ ان خواتین نے ایک عرصہ تک شرفیاب خدمت رہ کر آداب و اخلاق رسالت سے کوئی استفادہ حاصل نہیں کیا۔ اور اپنے اون مخصوص وقار و اقتدار کی کوئی قدر و منزلت نہیں کی جن کی بنا پر اون کو عام طبقہ نسوانی میں امہات مومنین اور ناموس جناب سید المرسلین صلعم ہونے کا شرف عنایت فرمایا گیا تھا۔ ان خواتین کے ذیل میں سب سے زیادہ قابل اعتراض حضرت عائشہ کے واقعات ہیں۔ حالانکہ تمام علما و محدثین جو ان کی اعلیٰ درجہ کی قابلیت۔ جامعیت قوت اجتہاد۔ محامد تہذیب و آداب بر مکارم اخلاق اور محاسن معاشرت وغیرہ وغیرہ غرض ان کے تمام کمالات کو ایک ایک کر کے لکھتے ہیں وہی حضرات ان کی نسبت ان تمام کمزوریوں کا اظہار بھی کرتے ہیں اور اقرار بھی۔ وہ اپنی غایت غلط فہمی سے ان لغویات کے نقل و بیان سے حضرت عائشہ کی فضیلت اور آنحضرت صلعم کے ساتھ ان کی مفرط درجہ کی محبت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اون کی امید کے خلاف نتیجہ بالکل برعکس معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ کی تعظیم و تکریم کی جگہ ان واقعات سے تحقیر و توہین ثابت ہوتی ہے۔

سب تو سب شبلی صاحب۔ باوجود اپنی تحقیقات جدید کے بھی اس مسئلہ میں اوسی قدیم غلط فہمی پر قائم ہیں چنانچہ سیرۃ النبی۔ جلد دوم ص ۴۵۳ میں مرقوم ہے۔

حضرت خدیجہ کے بعد حضرت عائشہ۔ ازواج مطہرات میں سب سے محبوب ترین تھیں لیکن محبت کے اسباب وہ نہ تھے جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ حسن و صورت میں حضرت صفیہ ان سے بڑھکر تھیں۔ اور دوشیزہ بھی تھیں۔ اور دیگر ظاہری محاسن میں بھی دیگر ازواج

ان سے کم نہیں تھیں۔ لیکن حضرت عائشہ کی قابلیت۔ ذہانت۔ قوت اجتہاد۔ دقت نظر و وسعت معلومات ایسے اوصاف تھے جو ان کی ترجیح کا اصلی سبب تھے۔

پھر ص ۴۴۶ میں بھی مضمون یوں لکھا گیا ہے۔

حضرت عائشہ مجتہدانہ دل و دماغ رکھتی تھیں۔ اسلئے قرب صحبت سے اسقدر فائدہ اٹھا سکیں کہ بڑے بڑے نازک اور دقیق مسائل میں وہ اکابر صحابہ سے مخالفت کرتی تھیں اور انصاف بالائے اطاعت است سے اکثر مسائل میں اون کی فہم و دقت نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے"۔

خاص حضرت عائشہ کے متعلق چند واقعات ہم اوپر لکھ آئے ہیں اور چند امور ابھی اور نمونہ کے طور پر آیندہ دکھلائے جائیں گے۔ اون کی حقیقت حال ان تمام دعووں کے خلاف ثابت ہوتی ہے جو ہینہ کے حالات خاص امام بخاری کی مرویات ہیں۔ جن کی صحت وصداقت میں کسی کو عذر و کلام کی مجال نہیں۔ اس بد قسمت عورت کے حالات میں حضرت عائشہ کے طرز عمل۔ قوت اجتہاد اور انصاف بالائے اطاعت دونوں اصول کے مخالف و منافی ثابت ہوتے ہیں۔

پھر اسی طرح جناب رسول خدا صلعم کو فرش خواب پر نہ پاکر اپنے دل میں آپ کیطرف سے خلاف عدالت ومروت گمان بدپیدا کرنا۔ صاف صاف بتلا رہا ہے کہ ام المومنین کی نسبت ان تمام اوصاف ومحامد کا ادعا صرف جوش عقیدت کے قیاسات ہیں اور ان قیاسات خارجی کو جذبات داخلی سے کوئی تعلق نہیں۔ ممکن ہے کہ حضرت ام المومنین دوسروں کے معاملات میں اپنی قوت اجتہاد۔ انصاف بالائے اطاعت۔ قابلیت اور جامعیت سب کچھ کام میں لاتی ہوں۔ مگر اپنی خاص احتیاج وضرورت کے وقت آپ کا طرز عمل اظہار ذاتیات کے اعتبار سے۔ ایک محض معمولی اور پست خیال عورت سے زیادہ نہیں ثابت ہوتا۔ چنانچہ سیرۃ النبی کے مفصلہ ذیل اقتباسات ان بیانات پر کافی روشنی ڈالتے ہیں:۔

(۱) حضرت صفیہ نہایت عمدہ کھانا پکاتی تھیں۔ ایک دن اونہوں نے کھانا پکا کر آنحضرتؐ صلعم کے پاس بھیجا۔ آپ اسوقت حضرت عائشہ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے حضرت عائشہ نے خادم کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر زمین پر دے مارا۔ آنحضرت صلعم نے پیالے کے ٹکڑے چن چن کر یکجا کئے۔ اون کو جوڑا۔ پھر دوسرا پیالہ منگا کر واپس کیا۔

اس واقعہ میں۔ افسوس نہ ام المومنین نے قوت اجتہاد سے کام لیا۔ نہ اصول عدالت بالائے اطاعت پر عمل پیرا ہوئیں۔ بلکہ عام نسوانی رشک وحسد باخود ہا کے طریقہ سے کار فرما ہوئیں۔ اگر قوت اجتہاد پر قادر ہوتیں تو سمجھ لیتیں کہ ایک خاتون نے جو اون کی ہمسر اور ہم چشم ہے۔ اوس بزرگ کی دعوت کی

ہے اور اوس کی خدمت میں تحفہ بھیجا ہے۔ جس کی خدمت آپ پر اور اوس بھیجنے والی خاتون پر بقدر مشترک اور بدرجہ مساوی واجب ہے۔ پھر فیصلہ مجتہدانہ کے خلاف۔ اوس کے تحفہ بھیجنے پر آپ کی آزردگی خاطر کیسی۔ یہ ناراضی اور اتنی ناراضی اور جھنجھلاہٹ کہ پیالہ کا پٹک دینا اور جنس غذا کو ضائع کر دینا توام المومنین کی ذاتیات اور دون طبعی کا ثبوت ہے۔ اور پھر ایسی صورت میں کہ رسولخدا صلعم پاس بیٹھے ہیں۔ اونھیں کے لئے خاص تحفہ آیا ہے۔ آپ ہی کی برابر والی اون کی ایک بی بی نے بھیجا ہے۔ اگر آپ کو کچھ ملال خاطر بھی ہوا تھا۔ تو آپ کو آنحضرت صلعم کی رعایت سے تحمل کرنا ضروری تھا۔ اور انصاف بالائے اطاعت سے کام لینا تھا۔ اگر اوس پیالہ کو خود لینا یا چھونا گوارا نہ تھا تو خود آنحضرت صلعم کو لے لینے دیا ہوتا۔ اور آپ خاموش رہ جاتیں۔ نہ توڑا ہوتا نہ پٹکا ہوتا۔ تو آنحضرت صلعم کو اوس پیالہ کے ریزہ ریزہ چننے کی نہ تکلیف ہوتی۔ اور نہ اوس کے معاوضہ دینے کی زیر باری ام المومنین کے صرف ایک ذاتی خیال نے آپ کے تمام قیاسی محاسن کا خاتمہ کر دیا جب ذرا ذرا سے امور خانگی میں آپ اپنی برہمی مزاج کو ضبط نہیں کر سکتی تھیں تو عدالت بالائے اطاعت کے اصول یا قوت اجتہاد کے انصاف پر آپ کا قایم رہنا مشکل سے تسلیم کیا جائیگا۔

(۲) ایک دفعہ آنحضرت صلعم سے حضرت عائشہ بآواز بلند باتیں کر رہی تھیں (لڑنے کی سختی لفظوں میں دھیمی کی گئی ہے) اتفاقاً حضرت ابو بکر آ گئے۔ حضرت عائشہ کا ہاتھ پکڑ کر تھپڑ مارنا چاہا کہ تو رسول اللہ صلعم سے چلا کر بولتی ہے۔ آنحضرت صلعم بیچ میں آ گئے اور حضرت عائشہ کے آڑے آ گئے۔ حضرت ابو بکر غصہ میں بھرے باہر چلے گئے۔ آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہ سے کہا کیوں۔ میں نے تم کو کس طرح بچا لیا۔ چند روز کے بعد آنحضرت صلعم کی خدمت میں حضرت ابو بکر آئے تو وہ حالت بدلی ہوئی تھی۔ بولے مجھکو صلح میں بھی شریک کر لیجیے جیسا کہ اوس موقع پر میں نے جنگ میں شرکت کی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں"

ص۳۴۸ بحوالہ ابو داؤد باب ماجاء فی المزاح

شبلی صاحب نے ابو داؤد کی اصل عبارت نہیں لکھی۔ ترجمہ کی عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل واقعہ حجت و تکرار کا پہلے استخفاف کیا گیا ہے۔ مگر آخر میں حقیقت نہ چھپ سکی۔ لکھہ دینا پڑا کہ یہ واقعہ آنحضرت صلعم کے ساتھ حضرت عائشہ کی خانہ جنگی کے متعلق ہے۔ جس کو شبلی صاحب نے ابتدا میں یوں لکھا کہ آنحضرت صلعم سے برہم ہو کر بلند آواز سے باتیں کر رہی تھیں۔ آپ سے بڑھکر ابو داؤد صاحب صداقت ہیں جو اس خانہ جنگی کو مزاح فیما بین بتلاتے ہیں۔

بہرحال صورت واقعہ دونوں صاحبوں کے مختار کے خلاف ہے۔ اس روایت کے متعلق امور ذیل قابل نظر ہیں۔

(الف) جناب رسالتمآب صلعم کے ایسے واجب الاتباع شوہر سے لڑنا اور کاشانہ نبوت میں اتنا چلا چلا کر تقریر کرنا کہ باہر سننے والے سنیں اور سن کر دوڑے چلے آئیں جیسا کہ حضرت ابوبکر نے کیا۔ عام اور معمولی شرفا کے گھروں میں مستورات کے لئے جایز نہیں چہ جائیکہ ازواج مطہرات اور دارالرسالت کے مخدرات کے یہ اطوار ثابت ہوتے ہیں۔ پھر حضرت عائشہ کی یہ کیفیت اور اون کا یہ عالم ایسا ہی ناقابل عفو اور غیر متحمل تھا کہ حضرت ابوبکر نے تھپیڑ مار کر اون کی تنبیہ کا قصد و ارادہ کر لیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کی رائے میں تمام قصور اور زیادتی حضرت عائشہ کی طرف سے تھی۔ رسول اللہ معصوم تھے اور محض بے گناہ۔ فطرت عامہ اور خاصہ کا امتیاز بھی یہیں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اخلاق نبی صلعم نے ہرگز گوارا نفرمایا۔ کہ حضرت عائشہ عامیانہ طور پر اپنی شوخی اور گستاخی کی سزا پائیں۔ آپ اون کے بیچ میں آگئے اور ما معذبھم وانت فیھم (ہم اونپر عذاب نہیں کرینگے جن کے بیچ میں تو ہوگا) کی پوری شان دکھلا کر اون کو حضرت ابوبکر کی سزادہی سے بال بال بچا لیا۔

(ب) لطیف تر تو آخر حصہ حدیث ہے۔ حضرت ابوبکر کا بعد مرور واقعہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں اس کی یاددہانی کرنا اور آپ سے ان الفاظ میں درخواست کرنا کہ مجھکو بھی صلح میں شریک کیجئے جس طرح کہ اوس موقع پر میں نے جنگ میں شرکت کی تھی۔ ایسا کلمہ ہے۔ جو آنحضرت صلعم کے ساتھ حضرت ابوبکر کے علاقہ سببی رکھنے کے اعتبار سے کوئی غیرتمند اور مہذب شخص اپنے منہ سے نکالنا کیسا کانون سے سننا گوارا نہیں کر سکتا۔

(۳) صفحہ ۶۲۳ جلد دوم میں تحریر ہے:-

حضرت حفصہ آخر حضرت عمر کی بیٹی تھیں۔ اس لئے مزاج میں ذرا تیزی تھی۔ صحیح بخاری میں واقعہ ایلا کے متعلق خود حضرت عمر کا بیان ہے کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے۔ میں ایک دن کسی معاملہ میں غور کر رہا تھا۔ اتفاق سے میری بی بی نے مجھے مشورہ دیا۔ میں نے کہا تمھیں ان باتوں میں کیا دخل ہے بولیں کہ تم میری مداخلت پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ صلعم کو برابر کا جواب دیتی ہے میں اوٹھا اور حفصہ کے پاس آیا۔ میں نے کہا بیٹی تم رسول اللہ صلعم کو جواب دیتی ہو۔ یہاں تک کہ آپ دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں۔ بولیں ہاں ہم تو ایسا کرتے ہیں۔ میں نے کہا خبردار میں تمہیں عذاب الٰہی

سے ڈرتا ہوں۔ تم اوس کے گھمنڈ میں نہ آجانا جس کے حسن نے رسول اللہ صلعم کو فریفتہ کرلیا ہے۔ (یعنی عائشہ) بحوالہ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۳۷

خدمت رسول صلعم میں حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ کی بیباکانہ درشت مزاجی اسقدر عام ہوگئی تھی کہ ہر کس و ناکس کو اس کی پوری اطلاع تھی جیسا کہ حفصہ کی نسبت خود اون کی ماں نے اقرار کیا۔ اور عائشہ کے متعلق خود حضرت عمر نے اظہار فرمایا اور خاصکر صاحبزادی کو تنبیہ فرمائی کہ تم بھی عائشہ کی طرح نہ ہوجانا۔ جن کے حسن نے (نعوذ باللہ) رسول اللہ صلعم کو فریفتہ کرلیا ہے۔ یعنی آنحضرت صلعم کے مزاج پر وہ اسقدر حاوی ہوگئی ہیں کہ رسول اللہ صلعم اونکے حسن پر اپنی غایت فریفتگی سے اون کی کسی جا و بیجا خواہشوں کو ذرا بھی روک نہیں سکتے۔

حقیقتاً یہ سب اونھیں لغویات کے انبار اور اونھیں وضعی احادیث کے طومار ہیں جو فضائل صحابہ اور خلفا کے اظہار و اشتہار عام کی غرض سے مرتب اور تیار کئے گئے ہیں۔ ورنہ ان لغویات کی کوئی اصل ہے اور نہ ان حشویات کی کوئی حقیقت۔ خدا کی شان۔ وہ سراپا پیکر تقدس۔ جو تمام ملکوتی اور روحانی عادات و خصائل۔ اخلاق و شمائل سے آراستہ و پیراستہ ہو کر اخلاق الٰہیہ کا نمونہ بنایا گیا ہو۔ وہ جمال قدرت کے علاوہ کسی فانی ہستی کی زیب و آرائش اور حسن و زیبائش پر فریفتہ و شیفتہ ہوسکتا ہے۔ اور پھر اپنا اور ایسا کہ رسالت کا وقار اور نبوت کا اقتدار بھی نہ قائم رکھ سکے۔

یہ وہی لغویات ہیں جو عیسائی متعصبین اور یوروپین معترضین کے تمام کافرانہ اور مفتویانہ تعریضات کے اصلی ماخذ ہیں۔ وہ نقل کے ذمہ دار ہیں۔ اون کو ان کی موضوعیت کی حقیقت کی کیا خبر۔ اون کو کیا علم ہے کہ یہ لغویات کس وقت میں کس ضرورت سے مرتب کئے گئے۔ یہ ظاہر ہے۔ جیسا کہ ابھی ابھی ریاض النضرہ کے حوالے سے اوپر لکھا گیا ہے کہ حضرت عائشہ نے حضرت عمر کی فضیلت میں ایک ایسی خاص حدیث بیان فرمائی ہے جس سے آنحضرت صلعم بھی اون کی سطوت و ہیبت کے زیر اثر ثابت ہوتے ہیں۔ اس بنا پر حضرت عمر کے اخلاق کے لئے بھی ادائے احسان کی ضرورت سے ضروری تھا کہ وہ بھی حضرت عائشہ کی فضیلت میں ایسی حدیث بیان فرمائیں جس سے آنحضرت صلعم کا (نعوذ باللہ) حضرت عائشہ کے حسن و جمال کے زیر جذبات ہونا ثابت ہوتا ہو۔ حضرت عمر کا شمار مردوں میں تھا۔ اسلئے ہیبت و سطوت میں ان کا کمال دکھلایا گیا۔ حضرت عائشہ طبقہ نسواں میں شامل تھیں۔ اور عورتوں کے لئے سوائے حسن و جمال کی تسخیر و تاثیر کے کوئی دوسرا ذریعہ بہتر اور زود اثر نہیں بتلایا جا سکتا لیکن شبلی صاحب حضرت عمر کی رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔ اور ام المومنین کے حسن و جمال کو بے مثال نہیں سمجھتے۔ چنانچہ

لکھتے ہیں کہ اگرچہ وہ (حضرت عائشہ) حسن و جمال میں حضرت صفیہ سے زیادہ نہیں تھیں۔ شبلی صاحب کے بخلاف حضرت عمرؓ کی نگاہ میں ام المومنین کے حسن و صورت کی بے مثالی ثابت تھی اس لئے آپ نے اوس کو رسول صلعم کی شیفتگی اور فریفتگی کا باعث قرار دیا۔ مگر افسوس خود حضرت عمرؓ بھی حقیقت کو نہ چھپا سکے۔ اگر حقیقتاً حضرت عمرؓ حضرت عائشہ کے جذبات حسن و جمال کو صحیح اور مستحسن سمجھتے تو پھر صاحبزادی کو ایس طرز عمل اختیار کرنے سے کیوں روکتے؟"

وقت پر خوب یاد آگیا۔ شبلی صاحب نے حضرت عائشہ کے ساتھ آنحضرت صلعم کی مفرط محبت رکھنے کی توجیہ میں لکھا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت عائشہ ازواج مطہرات میں سب سے محبوب ترین تھیں۔ لیکن محبت کے اسباب وہ نہ تھے جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ مگر حضرت عمرؓ کی رائے اور ارشاد سے تو سوائے حسن کے اور کوئی دوسری وجہ محبوبیت کی پائی نہیں جاتی۔ شبلی صاحب جانیں اور حضرت عمرؓ"

(۴) صفحہ ۴۳۸ جلد دوم میں تحریر ہے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ سے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تو جب مجھ سے ناراض ہوتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں۔ بولیں کیونکر۔ ارشاد ہوا کہ جب تو مجھ سے خوش رہا کرتی ہے تو یوں قسم کھاتی ہے۔ محمدؐ کے خدا کی قسم۔ اور جب ناراض ہوتی ہے تو کہتی ہے۔ ابراہیم کے خدا کی قسم حضرت عائشہ نے کہا ہاں۔ یا رسول اللہ صلعم میں صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں بحوالہ صحیح مسلم۔

ممکن ہے کہ یہ مکالمہ صحیح ہو۔ کیونکہ حضرت عائشہ کی تلخ مزاجی ایسا اوقات فیمابین ایسی شکر رنجی کا باعث ثابت ہوتی ہے۔ مگر تاہم۔ الحمد للہ اس سے آنحضرت صلعم کی ذات اقدس و اطہر پر عادم اخلاق و آداب معاشرت کا کوئی الزام نہیں آتا۔ اس سے حضرت عائشہ ہی کی سوء ادبی اور تلخ مزاجی کا پورا انکشاف ہوتا ہے کہ موصوفہ ذرا ذرا سی بات پر برہم ہو کر اپنے مفترض الطاعۃ اور واجب الاطاعۃ شوہر سے ایسا بیزار ہو جاتی تھیں کہ قسم کھانے میں بھی اوس کا نام لینا گوارا نہ فرماتی تھیں۔ لطف تو یہ ہے کہ اوس عالم خاص گذر جانے کے بعد بھی عندالاستفسار نہایت بیباکی سے اپنی اس منافرت کا خود اقرار فرماتی ہیں۔

(۵) سیرۃ النبی کے اوسی صفحہ میں مرقوم ہے۔

حبشی ایک چھوٹا سا نیزہ رکھتے ہیں۔ اور جس طرح ہمارے ملک میں پٹہ ہلاتے ہیں۔ حبشی بھی ایسے ہی

کھیلتے ہیں۔ ایک دفعہ عید کے دن حبشی یہ تماشا دکھلا رہے تھے حضرت عائشہ نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے کھڑے ہو گئے۔ حضرت عائشہ دوش مبارک پر رخسارے رکھ کر تماشا دیکھنے لگیں اور دیر تک دیکھتی رہیں۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا کیوں ابھی تک تم سیر نہیں ہوئیں۔ بولیں نہیں۔ آپ چپ ہو رہے۔ یہاں تک کہ خود تھک کر ہٹ گئیں۔ بحوالہ ابو داؤد

شبلی صاحب نے ان روایتوں کی نقل میں صرف ترجمہ سے کیوں کام لیا۔ صرف اس لئے کہ واقعات کی شرارتِ لغویت کو چھپائیں یا کم کر دیں چنانچہ اس واقعہ کے متعلق حدیث کے اصلی الفاظ یہ ہیں۔ فنظرالی لعب الحبشۃ یلعبھم فی المسجد رواہ الترمذی وغیرہ۔ شبلی صاحب نے تماشا گاہ کو جو الفاظ حدیث سے مسجد رسولؐ ثابت ہوتی ہے۔ توہین مسجد ہونے کے باعث خاص کر ترجمہ سے نکال دیا اور لعب (کھیل تماشہ) کی لغویانہ صورت کو اپنے ملک کے اکھاڑے اور پھکیتی کے دنگل وغیرہ کی مثال بتلا کر ایک معتدلانہ اور مجوزانہ حیثیت میں تبدیل کر دیا۔

اسی سے اس واقعہ کی لغویت اور موضوعیت کی ترکیبوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ خود ناقل حدیث شبلی صاحب اس فعل کا مسجد رسول کی ایسی جائے مقدس میں واقع ہونا قابل ذکر نہیں سمجھتے۔ اس لئے ذکر مسجد کو ترک کر کے صرف حضرت عائشہ کی غایت محبت کے مدعائے ثبوت کو نقل فرما دیتے ہیں۔ مگر افسوس خانہ خدا کی توہین کا تو خیال کیا گیا مگر خانہ رسول صلعم کی تضحیک اور بے حرمتی کا کوئی لحاظ نہ فرمایا گیا اور ناموس رسولؐ کو عورتوں کا بھی نہیں۔ مردوں کا برسر عام تماشا دکھلایا گیا۔ وہ مرد بھی کون؟ غیر قوم، غیر جنس اور غیر ملک کے رہنے والے۔ وہ آڑ ہی سے سہی اور وہ آڑ بھی شوہر ہی کی آڑ سہی۔ اعتراض تو اصل عمل سے ہے۔ صورت عمل سے نہیں۔ جب اصل عمل ہی عام شرفا کی حیا و غیرت اور اخلاق آداب معاشرت کے خلاف ہے تو نعوذ باللہ اس کے ارتکاب کی نسبت اس ذات قدسی صفات کیطرف کیسے دیجا سکتی ہے۔ جو بحکم اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم۔ اخلاق الٰہیہ کا خاص نمونہ بنا کر دنیا کی تعلیم ہدایت کے لئے نازل فرمایا گیا تھا۔

ایسے مانع تہذیب و آداب افعال کو (نعوذ باللہ) عمل رسول سے نسبت دیجاتی ہے اور مسجد رسول تماشہ گاہ بنائی جاتی ہے۔ مگر نہیں معلوم آگے چلکر اس عمل رسول پر عمل امت کیوں نہ قایم ہوا۔ کیونکہ اس واقعہ کے بعد اوس وقت سے لیکر اس وقت تک۔ پھر مسجد میں ایسے تماشے دکھائے جانے کا کہیں ذکر و مذکور نہیں ہے۔ اسی سے سمجھ لیا جائیگا کہ اس بے سروپا اور محض کذب و افترا کی حقیقت

کیا ہے۔ حضرت عائشہ کی فضیلت کے ایک اظہار بدعا نے کتنے محرمات کے ادعا کا خون کر دیا۔ اور اون موصوفہ محترمہ کی فضیلت ثابت ہونے کی جگہہ معاشرت رسول پر منافی اخلاق و آداب الزام لگانے کا مخالفین اسلام کو موقع ملگیا۔

شبلی صاحب کی ادب شناسی تاہم غنیمت تھی۔ کہ اونھوں نے نقل وحدیث میں اگر رسولؐ کی نہیں تو مسجد رسول صلعم کی حرمت کا خیال کر کے ذکر مسجد سے چشم پوشی اختیار فرمائی۔ مگر صد آفریں ہے ابو داؤد صاحب اور ترمذی صاحب کی جرأت و دلیری پر کہ ان صاحبوں نے بلا لحاظ و پاس مسجد رسولؐ کو ان لہویات کی تماشہ گاہ بنایا۔ لطف پر لطف تو یہ ہے کہ ان کے لہو و لعب ہونے کا اقرار اور اون کی عملی ترکیبوں کا اظہار بھی درج کتاب فرما دیا۔ ان لغویات سے اتنے مفاسد پیدا ہوتے ہیں جو ہرگز قابل ذکر نہیں۔ امّ المومنین کی کیا ہے کتنی فضیلت نہ ثابت کی جائے مگر اون کا معصوم ہونا کسی طرح ثابت نہیں۔ اس بنا پر اگر اونھوں نے دزدیدہ نگاہی سے ان مردانہ کھیل تماشوں کو دیکھ بھی لیا تو اتنا قابل اعتراض نہیں۔ مگر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان عصمت عدالت و مروت کے ہرگز شایاں نہیں ہے کہ بالنفس النفیس خصوصاً مسجد میں ان لہویات کو خود بھی مشاہدہ فرمائیں اور پردگیان عصمت کو بھی اسکی سیر کرائیں نعوذ باللہ من ہذہ الھفوات۔

(۲) صفحہ ۳۴۹ میں مرقوم ہے۔

> ایک دفعہ حضرت عائشہ سے آپ نے کہا کہ آؤ۔ تیز قدمی میں مقابلہ کریں۔ حضرت عائشہ اوس وقت دُبلی پتلی تھیں۔ آگے نکل گئیں۔ جب سن زیادہ ہوا اور بر اندام ہو گئیں تو پھر مسابقت کی نوبت آئی۔ اب کی بار وہ پیچھے رہ گئیں۔ آپ نے فرمایا یہ اوس دن کا جواب ہے۔ بحوالہ ابو داؤد۔

کون پیچھے۔ اس سے حضرت عائشہ کی کیا فضیلت ثابت ہوئی۔ اگر پہلی بار جیت بھی گئی تھیں تو پچھلی بار ہار گئیں۔ افسوس ایک حضرت عائشہ کے اظہار فضیلت نے کاشانہ نبوت میں ہلچل ڈالدی اور مشکوے رسالت کی خاک اوڑا دی۔ حضرت عائشہ کو ازواج مطہرات کے طبقہ میں ان خوش فعلیوں کے مقابلہ اور ان زندہ دلیوں کے موازنے کے لئے کوئی خاتون محترمہ ایسی نہیں ملتی تھیں۔ جن کے ساتھ وہ تیز رفتاری کا امتحان دیتیں۔ اور نہ نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کو اپنے مہاجرو انصار میں کوئی شخص ایسا نظر آتا تھا۔ جس سے تیز رفتاری میں مقابلہ کیا جاتا۔ کس قدر شرمناک ہے کہ ایک مرد اپنے صنف ضعیف اور جنس نازک کے ساتھ تیز رفتاری کا مقابلہ کرتا ہے اور ایک بار ناکامیاب مگر دوسری بار

کامیاب ہوکر اوس سے اپنی تیز رفتاری پر فخر ومباہات کرتا ہے۔ کس قدر عبرت ناک ہے کہ عصمت سرائے نبوت کی خلوت وجلوت کی صحبتیں۔ اور اون کے عزیز اوقات ان اقسام کے لھویات۔ دوڑ دھوپ اور اوچھل کود میں ضائع کئے جائیں۔ استغفراللہ ربی۔ یہی لغویات عیسائیوں کی تعریضات کے اصلی ماخذ ہیں اور یہی حشویات اون کے تمام مغویانہ مفاسد کے حقیقی باعث۔ حالانکہ نہ ان کی کوئی اصل ہے نہ حقیقت۔ صرف کذب وافترا کا طومار ہے اور موضوعات ومصنوعات کا انبار۔

دفتر احادیث میں فضیلت حضرت عائشہ کی داستان اتنی طول طویل ہے۔ جس کی شرح وبیان خارج از امکان ہے اس بنا پر ہم اس بحث کو زیادہ طول دینا نہیں پسند کرتے۔ ام المومنین کی فضیلت اور محبت رسول صلعم کے متعلق ابتدا اور انتہا کی ایک ایک روایت کو اور لکھکر ہم اس مضمون کو تمام کردیتے ہیں۔

محبت رسولؐ کی ابتدا صحیح ترمذی کی مفصلہ ذیل حدیث سے قایم کی جاتی ہے۔

(۷) قال رسول اللہ صلعم ان جبریل جاء بصورتھا فی خرقۃ حریر خضراء وقال ھذا زوجتك فی الدنیا والاخرۃ	فرمایا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ حضرت جبریلؑ حریر سبز کے ایک پارچہ پر حضرت عائشہ کی ایک تصویر کھچی ہوئی لے آئے اور مجھ سے ارشاد کیا کہ یہ آپ کی دنیا وآخرت میں زوجہ ہے۔

اس حدیث کی موضوعیت اس کے لفظ لفظ اور حرف حرف سے ظاہر ہے۔ اس لئے اس کے متعلق کسی تنقید کی ضرورت نہیں۔ ہاں استعجابًا اتنا لکھہ دینا ضروری ہے کہ یہ وہ شرف ہے جس سے جناب خدیجہ الکبریٰ سلام اللہ علیہا بھی محروم ہیں۔ حالانکہ حضرت عائشہ نے ان محترمہ کی سائر ازواج مطہرات پر فضیلت رکھنے کے مسئلہ کو خود خدمت رسول صلعم سے رُو در رُو مقابلہ کرکے طے کرلیا تھا۔ (مشکوٰۃ باب مناقب ازواج) اور اون کی افضلیت کے اوصاف واسباب کو خود مخبر صادقؐ کی زبانی سُن لیا تھا۔ مگر باایں ہمہ خدا نے شرف زوجیت کا اظہار انھیں کی رونمائی سے آغاز فرمایا اور علیہ مکرمہ حضرت خدیجہؑ کے فضائل ومناقب کو زیر نقاب رکھا۔ حالانکہ اون محترمہ کے زمانہ زوجیت رسولؐ میں حضرت عائشہ کی تصویر کیسی۔ ان کی زوجیت کا تصور بھی قایم نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح آپ کی تصدیق رسالت فرمانے اور ایمان لانے کا وہ وقت تھا کہ سوائے جناب خدیجہؑ کے کوئی نفس واحد اوسوقت تک نہ خدا کو خدا جانتا تھا اور نہ رسولؐ کو رسول۔ تعجب ہے کہ معطیانِ قدرت نے اس شرف خاص کی عطا کئے جانے کے وقت حضرت خدیجہؑ کے ساتھ اتنی ناتوجہی اور غفلت شعاری دکھلائی اور حضرت عائشہ کے ساتھ اتنی

گرم ایثاری اور جانبداری سے کام لیا۔ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ

صرف اسی رونمائی پر اکتفا نہیں کی گئی۔ بلکہ خداوند عالم نے آپ کا خطبہ نکاح بھی پڑھ دیا۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عمر سے اوسی صحیح ترمذی میں یہ روایت مرقوم ہے۔

عن ابن عمر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قال جبریل ان اللہ قد زوجك بابنة ابی بکر و معه صورتها۔

ابن عمر سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہ جبریل نے کہا کہ خدا نے آپ کو حضرت ابی بکر کی صاحبزادی سے بیاہ دیا اور اوسکی تصویر بھی اونکے ہمراہ تھی۔

اب نہیں معلوم کہ یہ نکاح۔ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد واقع ہوا یا قبل اگر قبل واقع ہوا تو یہ حدیث متفقہ جمہور کہ آپ نے حضرت خدیجہ سے قبل کسی کے ساتھ نکاح نہیں فرمایا۔ غلط ہو گئی۔ اور اگر بعد اون کے واقع ہوا تو دوسری حدیث مسلمہ جس سے جناب خدیجہ کی تقدیم و تفضیل تمام امہات مومنین پر ثابت ہوتی ہے۔ جھوٹی ہو گئی۔ فانظر او فتدبروا

ابتدائے فضیلت تو یوں ہوئی انتہا بھی ملاحظہ فرمالی جاوے۔ زرقانی جلد دوم صفحہ ۲۲۶ میں مرقوم ہے۔

روی ابو الحسن الخلعی عنہا رفعتہ یا عائشہ انہ لیھون علی الموت انی قد رأیتك زوجتی فی الجنة و روی ابن عساکر بلفظ ما ابالی بالموت مذ علمت انك زوجتی فی الجنة والسلفی بلفظ ھون علی الموت انی رأیت عائشة فی الجنة و روی احمد عنہا رفعتہ ولقد رأیت عائشة فی الجنة کانی انظر الی بیاض کفیھا لیھون بذلك عند موتی

ابو الحسن الخلعی نے بطریق مرفوع حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تجھ کو بہشت میں اپنی زوجہ دیکھکر مجھے اپنی موت پر رغبت ہوئی اور اس مضمون کو ابن عساکر نے ان الفاظ میں لکھا ہے کہ مجھکو اوسوقت تک اپنی موت گوارا نہ ہوئی جبتک کہ مجھ کو اس امر کا علم نہ ہو لیا کہ تو بہشت میں میری زوجہ ہو گی اور امام احمد ابن حنبل نے بطریق مرفوع روایت کی ہے کہ میں نے بہشت میں عائشہ کو دیکھا۔ اور صرف اونکی ہتھیلی کی سفیدی مجھے دکھلائی گئی۔ اور یہی میری رغبت الی الموت کی باعث ہوئی۔

آخر ان لغویات کی کوئی حد بھی ہے۔ آخر وقت تک جب خدا سے لو لگی ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلعم کا محبت عائشہ میں یہ عالم ہے کہ نہ آپ کو رجوع الی اللہ کی نسبت کسی رحمت و اطمینان کا خیال ہے اور نہ الرفیق الاعلیٰ کے ساتھ شرف وصال حاصل ہونے پر کوئی روحانی سرور لاحق ہے۔ نعوذ باللہ

خدا کی قربت اور اوس کے وصال سے محض مفارقت عائشہ کے حزن و ملال کی وجہ سے اوس وقت تک کراہیت کی جاتی ہے۔ جب تک یہ علم و یقین کامل طور سے نہیں ہو لیتا ہے کہ وصال الٰہی کے ساتھ وصال حضرت عائشہ بھی حاصل ہوگا۔ یا احمد ابن حنبل کے الفاظ ہیں اوسوقت تک اپنی موت گوارا نہیں کی جاتی جبتک کہ حضرت عائشہ کی صورت اگرچہ بقدر کف دست ہی کیوں نہو بہشت میں نہیں دیکھ لیجاتی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ان لغویات احادیث نے نہ خدا کو خدا رکھا اور نہ رسول کو رسول۔ خدا اپنے رسول کو اپنی قربت کی طرف بلاتا ہے اور محبت عائشہ ہے کہ وہ اپنی سمیت کھینچے لئے جاتی ہے۔

کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا ست

آفرین ہے ان علما کی قلمکاریوں پر اور محدثین کی ان کارگذاریوں پر جنھوں نے حضرت عائشہ کے فضائل و مناقب کی تدوین و تزئین میں خدا کی منزہ ذات و صفات اور اوسکے معصوم اور سچے رسول صلعم کے اخلاق و عادات پر اتہام پر اتہام باندھے اور مخالفین اسلام کو انواع اقسام کے الزام لگانے کا پورا موقع دے دیا۔ ایک حضرت عائشہ کی افضلیت و محبت ثابت کرنیکی کوششوں میں آسمان زمین کے قلابے ایک کر دئے ؎ تو بکار زمین را نکو ساختی ۔ کہ بر آسمان نیز پرداختی۔

فقہی مرویات میں ان لغویات کی ناپاک صورتیں

ان لغویات کی مرقومہ بالا مثالیں تو وہ تھیں جو احادیث و تفاسیر کی کتابوں سے لیکر لکھی گئیں۔ ان شرمناک واقعات نے عصمت و حرمت رسالت اور حیا و عزت نبوت کی جو حالت پہونچائی ہے۔ وہ عبرت للناظرین بنکر دنیا کے پیش نگاہ ہے۔ ان سے زیادہ ان لغویات کی ناپاک صورتیں تو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ جن کے ذکر و بیان نے نعوذ باللہ رسول اللہ صلعم کی پاک و پاکیزہ معاشرت کو تعیش دنیاوی اور جذبات نفسانی کا مرقع بنا رکھا ہے۔ اور ان لغویات کی نسبت حضرت عائشہ کی تنہا ذات سے کیجاتی ہے۔

(۱) مبطلات صوم کے ذکر میں۔ زرقانی شرح موطا ے امام مالک میں لکھتے ہیں:۔

للبیہقی عنہا (عن عائشۃ) انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یقبلہا وھو صائم ویمص لسانہا فیہ جواز الاخبار عن مثل ھذا مما یجری بین الزوجین علی الجملۃ للضرورۃ واما فی حال غیر الضرورۃ فمنھی عنہ۔ زرقانی شرح موطا ص ۹۳ ج ۲	امام بیہقی حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت صوم میں میرا بوسہ لیتے تھے۔ اور میری زبان چوستے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسی باتیں جو میاں بی بی میں ہوتی ہیں انکا ظاہر کرنا ضرورت کیلئے جائز ہے۔ حالانکہ بلا ضرورت بیان منہی عنہ ہے یعنی نہ بیان کرنا چاہئے۔

اب اسپر حضرت عائشہ کی ترقی دیکھئے:۔

ان عائشۃ بنت طلحۃ بن عبد اللہ احد العشرۃ القرشیۃ التیمیۃ ام عمران کانت فائقۃ الجمال ثقۃ روی لہا الستۃ اخبرتہ انہا کانت عند عائشۃ زوج النبی ؐ فدخل علیہا زوجہا ھنالک وھو عبد اللہ ابن عبد الرحمان ابن ابی بکر الصدیق التیمی تابعی روی لہ شیخان وغیرہما وھو صائم فقالت عمتہ عائشہ ما یمنعک ان تدنو تقرب من اھلک زوجک فتقبلہا وتلاعبہا بمس البشرۃ دون جماع و تلمسہا فصدت افادتہ الحکم والا فعلوم انہ لا یقبلہا بحضور عمتہ عائشہ ام المومنین وقال ابو عبد الملک تزید ما یمنعک اذا دخلتما یحتمل انہا شکت لعایشہ قلۃ حاجۃ الی النساء وسالتہا ان تکلمہ فاتتہ بذلک اوفہم عندہا ملکہ نفسہ فقال اقبلہا وانا صائم شرح موطا ص ۹۴

خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ عائشہ بنت طلحہ حضرت عائشہ کی بھانجی تھیں اونکا نکاح عبد اللہ ابن عبد الرحمٰن ابن ابی بکر صدیق کے ساتھ ہوا تھا وہ ثقہ تھیں اور مشہور صاحب جمال اون سے چھ احادیث مروی ہیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم ایک دن حضرت عائشہ کے پاس بیٹھے تھے کہ میرا شوہر آیا۔ اور وہ روزہ رکھے تھا۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ بیٹا تم اپنی بی بی سے حالت صوم میں بوس وکنار کیوں نہیں کرتے۔ لایق بھتیجا جواب دیتا ہے کہ ہاں ہوتا تو ہے"

لفظی ترجمہ بوجہ عدم تہذیب کے ترک کیا گیا۔ صرف مفہوم اور مراد روایت کے بیان سے کام کیا گیا ہے۔

اب حضرت عائشہ نے اس حدیث کو جس انداز بیان سے ادا فرمایا ہے۔ وہ بھی اسی محدث کے الفاظ میں ملاحظہ ہوں۔

عن عائشۃ ام المومنین انہا قالت ان کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یقبل بعض ازواجہ وھو صائم فضحکت اما فی کان یقبلنی وھو صائم او ام سلمۃ عم کما فی البخاری

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت صوم میں اپنے بعض ازواج کا بوسہ لیتے تھے۔ یہ کہہ کر وہ ہنسیں اور مسلم میں حضرت عائشہ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا بوسہ لیا اور وہ

عـہ ام المومنین حضرت ام سلمہ۔ حضرت ام سلمہ کے ذکر مرقومہ بالا میں بخلاف مسلم وغیرہ کے امام بخاری صاحب بالکل منفرد ثابت ہوتے ہیں۔ حالانکہ امام مسلم نے ایک روایت میں عائشہ سے اور ایک میں حفصہ

او حفصۃ کما فی مسلم ایضاً لکن الظاہر انّ کلاً منھنّ انّما اخبرت عن فعلہ معھا۔ زرقانی صفحہ ۹۳	روزہ سے تھے یا اُم سلمہ کا اور مسلم کی دوسری حدیث میں ہے کہ حفصہ کا۔ حاصل یہ ہے کہ بظاہر سب کا بیان ہے کہ ہمارا بوسہ لیتے تھے۔

ناموس رسول کی بے حرمتی اوس کی پاک معاشرت کی غارتی یہیں تک پہونچا کر اگر ختم کر دی جاتی۔ تاہم غنیمت تھی۔ مگر یہاں تو لفظ لفظ کی تفصیل اور حرف حرف کی تصریح سے حضرت عائشہ کی فضیلت کے نکتوں پر نکتے نکالتے ہیں لیکن ان تمام طومار بیکار سے سوائے توہین انگیز اور مضحکہ خیز نتیجوں کے کوئی فائدہ نہیں نکلتا۔ اب زرقانی صاحب عبارت حدیث میں لفظ "فضحکت" یعنی حضرت عائشہ کے ہنس دینے کی توجیہات ان الفاظ میں قلمبند فرماتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵ سے اس عمل کو لکھا ہے۔ مگر بخاری صاحب نے یہ کوشش کی ہے کہ اُم سلمہ کو شامل کرلیں۔ اس غرض سے کہ ازواج مطہرات میں بقول جمہور حضرت اُم سلمہ حضرت عائشہ کی مخالف پارٹی میں شامل تھیں زرقانی نے صرف بخاری کی نقل عبارت حدیث پر اکتفا کی ہے اور سلسلہ رواۃ وغیرہ کے نقل کو بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے ہم ایسکے رجال کی تحقیق سے بالکل مجبور ہیں۔ مگر اتنا ضرور لکھکر بتلاویں گے کہ جناب اُم سلمہ کے طرز عمل سے یہ حدیث بخاری بالکل جھوٹی اور وضعی ثابت ہوتی ہے۔ اسوجہ سے کہ آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات میں یہ وہ غیور مشہور ثابت ہوتی ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواستگاری نکاح کے وقت ہی اپنے غیور ہونیکا اظہار فرما دیا تھا اور اپنے غیرت داری کے تقاضہ کو آئندہ قصد مناکحت کا مانع ٹھہرایا تھا۔ اور جو شرائط نکاح کئے تھے اون میں سب سے پہلے اپنے غیور ہونے کا اظہار تھا۔ ہم اس مقدسہ کے حالات مولوی شبلی صاحب کے خاص الفاظ میں حسب ذیل دکھلاتے ہیں۔

ان کے شوہر ابو سلمہ بڑے شہسوار تھے۔ مشہور غزوات بدر و احد میں شریک ہوئے۔ غزوۂ احد میں چند زخم کھائے اور اون کے صدمات سے جانبر نہ ہوسکے جمادی ۲ھ میں وفات پائی اون کے جنازہ کی نماز بڑے اہتمام سے پڑھی گئی۔ آنحضرت صلعم نے ۹ تکبیریں کہیں لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا یا رسول اللہ آپ کو سہو تو نہیں ہوا۔ فرمایا ہزاروں تکبیروں کے مستحق ہیں۔ ابو سلمہ کی وفات کے وقت ام سلمہ حاملہ تھیں وضع حمل کے بعد جب عدت گذر گئی تو اونہوں نے (مفصلہ ذیل) چند عذر پیش کئے۔ (۱) میں سخت غیور عورت ہوں۔ (۲) صاحب عیال ہوں۔ (۳) میرا سن زیادہ ہے۔ (اللہ اللہ کس قدر متانت۔ صفائی اور عدالت ہے) آنحضرت صلعم نے ان تمام زحمتوں کو گوارا فرمالیا۔ ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ کے بعد فضل و کمال میں انہیں کا درجہ ہے (محض خود غرضانہ فیصلہ اور ترجیح بلا دلیل ہے) ابن سعد نے طبقات میں اس کی تصریح کی ہے (ہم اوس کی تنقید و تصحیح کریں گے)

یعنی ام المومنین حضرت عائشہ اسلئے ہنسیں کہ معلوم ہو جائے جسکا قصہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت صلعم جس کا	توجیہ اول نلبینہا علی انہا صاحب القصۃ۔

بوسہ لیتے تھے وہ میں ہی ہوں"

مگر افسوس۔ اس کی کوئی وجہ نہیں دکھلائی جاتی کہ اس محدث کو رسول صلعم کے اس افشائے راز کی نسبت حضرت عائشہ ہی کا اقرار کیوں ملا۔ اور حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ کی نسبت وہ اس کے اظہار کو نہ پا سکے۔ صرف اس لئے کہ مراد ہے صرف حضرت عائشہ کی افضلیت سے۔ اسلئے صرف انہیں کی نسبت اس فضیلت و افضلیت کی تفصیل کی گئی۔ مگر بفرض محال۔ اگر نعوذ باللہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۶۔ روایت حدیث اور نقل احکام میں حضرت عائشہ کے سوا تمام بیبیوں پر انکو فضیلت حاصل ہے (حضرت عائشہ کے موضوعات مشہور ہیں اور ان کی ایک حدیث بھی موضوع نہیں۔ یہی فرق مابہ الامتیاز کافی ہے) صلح حدیبیہ میں جب صحابہ کو مکہ سے باہر حلق اور قربانی سے تامل تھا تو حضرت ام سلمہ ہی کی تدبیر سے یہ مشکل حل ہوئی۔ اور یہ اون کی دانشمندی اور عقل و ذہانت کی سب سے بہتر مثال ہے۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں تفصیل تمام درج ہے۔ سیرۃ النبی جلد دوم ص ۳۲۰

ایسی صاحب جامعیت و قابلیت اور ایسی صاحب حیا و غیرت خاتون۔ عام فطرت نسوانی کے خلاف۔ نامحرم مردوں کے مجمع میں تبلیغ کی ضرورت ہی سے کیوں نہو۔ اپنے راز خلوت کی یوں چہرہ کشائی کرے اور اس صفائی سے اپنے شوہر کے اختلاط کی باتوں کو دھڑا دھڑ بیان کرے۔ کبھی کوئی آدمی خیال کر سکتا ہے کہ یہ خاتون با عصمت و عفت وہی ہے۔ جو اپنے غیور ہونے کی نسبت اس متانت اور استقامت سے دعوے پیش کرتی تھی۔ لا واللہ یہ بخاری صاحب کی صریح کا ذبانہ قلمکاری ہے۔ اور کچھ بھی نہیں۔ جو صحابہ کی طرح طبقہ ازواج مطہرات میں مساوی فی المدارج کا اصول تعمیم قایم کرنا چاہتے ہیں۔

ہم اس خاتون معظمہ و محترمہ کی غیرت و حیا داری کی ایک اور مثال ذیل میں لکھکر اس بحث کو تمام کر دیتے ہیں۔ صحیح مسلم ص ۳۴۳ میں مرقوم ہے کہ سلیم انصاری نے خدمت رسولؐ میں آنے کی اجازت مانگی۔ آپ اسوقت ام المومنین حضرت ام سلمہ کے گھر میں تھے اجازت ملی۔ اندر آئے۔ رسول صلعم سے سلیم نے دریافت کیا کہ کیا عورتوں کو کبھی احتلام ہوتا ہے۔ جناب ام سلمہ نے سلیم کو ڈانٹ کر کہا کہ تم مسئلہ پوچھتے ہو یا عورتوں کو فضیحت کرتے ہو۔" ایسی غیرتمند اور حیادار عفیفہ جو مسئلہ شرعیہ کے استفسار میں بھی۔ عام جنس نسوانی کے متعلق اتنے انکشاف کو بھی نہ سننا چاہتی ہو اور سائل مسئلہ کو فوراً اوسکی ایسی بیشرم حرکت پر تنبیہ فرماتی ہو۔ وہ نعوذ باللہ اس بیحیائی سے اپنا بیان آپ کر سکتی ہے! ان ہذا الا بہتان عظیم [?] مولف عفی عنہ

بوس وکنار ہی پر فضیلت و اقتدار ازواج مطہرات کا دار و مدار ہے تو تاہم۔ باسناد صحیحین۔ حفصہ اور اُم سلمہ دونوں اس فضیلت میں شامل ہیں۔ پھر حضرت عائشہ کی فضیلت کیسی۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اب دوسری اور تیسری توجیہ بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

(۲) او تعجبت من انفسہا اذ احدثت بمثل ھذا مما یستحی النساء من ذکرہ للرجال الجأتھا ضرورۃ تبلیغ العلم الی ذکر ذالک۔

حضرت عائشہ کو اسوجہ سے ہنسی آئی کہ انہوں نے وہ بات بیان کی جس کے تذکرہ سے مردوں کے سامنے فطرتاً عورتیں شرماتی ہیں گر صرف تبلیغ علم کی ضرورت نے اونکو مجبور کیا کہ اس واقعہ کو بیان کیا۔

(۳) او سرورًا بتذکر مکانھا من النبی و حالھا معہ وملاطفتہ لھا ومحبۃ و للبیھقی عنہا انہ صلی اللہ علیہ وسلم و کان یقبلھا وھو صائم ویمص لسانھا ص۹۲

تیسری وجہ یہ تھی کہ اس بیان سے اون کو سرور ہوتا تھا اور یاد آتی تھی حضرت کی وہ محبت اور لطف و مدارات۔ جو اون کے ساتھ تھی۔ چنانچہ بیہقی کی حدیث ہے عائشہ سے کہ آنحضرت صلعم حالت صوم میں ہمارا بوسہ لیتے تھے اور زبان چوستے تھے۔"

یہ فاضل شارح ان واقعات کی رکاکت کا خود ناقل بھی ہے اور قائل بھی۔ خود کہتا ہے۔ مما یستحی النساء من ذکرہ للرجال۔ فطرتاً عورتیں ان اقسام کے تذکرے مردوں کے سامنے کرتے ہوئے شرماتی ہیں۔ مگر بار بار یہی ذکر کئے جاتا ہے۔ اور رسول صلعم سے ذرا بھی نہیں شرماتا کہ اوس کے خاص ناموس کو اتنا بے غیرت سمجھ کر اوس کے مونھ سے خلاف عادات نسواں مردوں کے مجمع میں اپنے آپ بیان کراتا ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔ پھر خلاف عادت نسوانی تیسری وجہ ہنسی کی غایت محبت رسول بتلاتا ہے۔ حالانکہ عورتوں کا خاص قاعدہ ہے کہ اگر بسبیل تذکرہ وہ اپنے شوہر متوفی کا ذکر کرتی ہیں۔ یا اوس کے لطف و مدارات کو یاد کرتی ہیں تو بے اختیار آنکھوں میں آنسو بھر لاتی ہیں۔ اور اوس کی یاد میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی ہیں۔ مگر یہ فاضل شارح حرم رسول صلعم کے متعلق تمام خلاف فطرت امور جائز رکھتا ہے اور خدا و رسول سے ذرا بھی نہیں ڈرتا۔ استغفر اللہ۔

ان لغویات کے نشر و اجرا کا یہ نتیجہ ہوا کہ حالت صوم میں بوس وکنار سنت قرار دے دیا گیا۔ حالانکہ حقیقت صرف جواز سے آگے نہیں بڑھتی۔ مگر حضرت عائشہ کے طومار مرویات جو انکی فضیلت اور رسول اللہ کے ساتھ مفرط محبت رکھنے کے ثبوت میں جمع کئے گئے۔ ان قابل اعتراض حرکات کو حکم شریعت قرار دے لیا گیا۔ چنانچہ زرقانی لکھتے ہیں۔

واخذ الظاھریہ بظاھر ا لحدیث فجعلوا القبلۃ

فرقہ ظاہریہ (جو اہل حدیث کا اوستاد فرقہ ہے) اسکا قائل

للصائم سنۃ و قربۃ من القرب اقتداء لفعلہ

ہے کہ روزہ دار کو بوسہ لینا سنت ہے اور موجب قربت ہے کیونکہ آنحضرت صلعم یہ کام کرتے تھے۔

اس مسئلہ خاص میں تمام علما و محدثین سے زیادہ قیامت کی ہے تو امام بخاری نے کہ بوسہ بازی کو حالت صوم میں صرف سنت رسول صلعم ہی قرار دینے پر اکتفا نہیں کی بلکہ اوس پر اور اضافہ یہ فرمایا کہ اپنی صحیح میں ایک خاص باب اس امر کا باندھا کہ روزہ دار اپنی زوجہ کے ساتھ مباشرت کرے۔

چنانچہ حضرت عائشہ سے روایت ہے۔

کان النبی صلعم یقبل و یباشر وھو صائم و کان املککم لاربہ

آنحضرت صلعم حالت صوم میں بوسہ لیتے تھے اور مباشرت کرتے تھے اور تھے حضرت بڑے مالک اپنے عضو خاص کے۔

محدثین سے زیادہ تو اون کے شارحین حدیث زیادہ بے شرم ثابت ہوتے ہیں:—

زرقانی صاحب شرح موطا اپنی شرح میں اسی حدیث بخاری سے استدلال فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:—

ذکرت انواع الشہوات مرتقیہ والمعانقہ واردت ان تعبر عن الجامعۃ فکنت عنہا بالارب وای عبارۃ احسن منہا واخذ الظاہریہ بظاہر ھذا الحدیث فجعلوا القبلۃ للصائم سنۃ وقربۃ من القرب اقتداء بفعلہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ورد بانہ کان یملک نفسہ فلیس کغیرہ وکیف ما کان لا یفطر الا بانزال المنی ولو مذی وجب القضاء عند مالک ولا شیٔ عند ابی حنیفہ والشافعی وشذ قوم فقالوا بحرمۃ القبلہ یبطل الصوم

حضرت عائشہ نے اس حدیث میں کل انواع شہوات کو درجہ بدرجہ بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ پہلے بوسہ کا ذکر کیا۔ پھر مباشرت کا جس کے معنی معانقہ۔ دست بازی وغیرہ کے ہیں۔ پھر مجامعت کو کنایہ سے بیان کیا بلفظ ارب سے۔ اب اس سے بڑھکر کیا فصاحت ہو سکتی ہے۔ اسی وجہ سے فرقہ ظاہریہ نے بوسہ بازی کو داخل سنت کر لیا ہے کہ اس سے امید ثواب ہے۔ اور اسکا رد یوں کیا گیا ہے کہ حضرت اپنے عضو خاص کے بڑے روکنے والے تھے۔ کہ دوسرا آپ کے ایسا ممکن نہیں تھا۔ غرض صورت مسئلہ یہ ٹھہری کہ تنہا بوسہ لینے یا مباشرت کرنے تا وقتیکہ انزال منی نہو۔ روزہ باطل نہیں ہوتا۔ ہاں اگر مذی (رطوبت قبل منی) نکلے تو امام مالک کے نزدیک روزہ کی قضا واجب ہوتی ہے۔ مگر امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک کچھ نہیں۔ مگر با ایں ہمہ ایک قوم (طبقہ علما) کہتی ہے کہ محض بوسہ لینے ہی سے روزہ باطل ہو جاتا ہے۔

ہم ان لغویات کی تنقید و تحقیق میں اپنا عزیز وقت زیادہ صرف کرنا نہیں چاہتے حقیقتاً ہم جتنا لکھ چکے وہی ضرورت سے کہیں زیادہ ہے۔ مگر آخر میں ہمارے لئے یہ لکھ کر بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ صوم سے مراد الٰہی کیا ہے؟ یہی نہ کہ انسان کی تمام خواہشات روزہ رکھنے سے کم ہوں۔ انسان صبر و تحمل سے اپنی تمام خواہشات نفسانی پر قابو پاسکے۔ انسان میں۔ انکسار و تواضع۔ صبر و تحمل اور قناعت و استقامت کے جوہر پیدا ہوں۔ آدمی خدا کی یاد میں محو ہو۔ اور حالت صوم میں وہ مشاغل اختیار کرے جن سے صفات مذکورہ بالا کی مشق و تعلیم حاصل ہو۔

بخلاف ان امور کے واقعات مذکورہ بالا سے۔ جو خاص طور پر فقہا اسلامیہ کے احکام ثابتہ ہوتے ہیں ان مشاغل کے مخالف طرز عمل اختیار کرنے کی تنبیہ و تاکید معلوم ہوتی ہے۔ صرف کھانا پینا بند تو ہے۔ مگر اور سب جائز ہے۔ نعوذ باللہ۔ ہاتھ مساس کے لئے۔ مونھ بوسوں کے لئے۔ تو اس بنا پر ہر شخص نہایت آسانی سے خود تصفیہ کر لے گا کہ یہ احکام صیام مدعائے الٰہی کے بالکل مخالف ہیں۔

حقیقت مدعا پر اگر تحقیق کی نظر ڈالی جائے تو اس طوار کی مقدار نقط اتنی معلوم ہوتی ہے کہ اگر کسی صائم سے محض اتفاقاً یہ فعل صادر ہو گیا تو مبطل صوم نہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت عمر کے خاص واقع سے اس مسئلہ کی ابتدا ظاہر ہوتی ہے اور وہ صحیح نسائی اور ابو داؤد میں حسب ذیل مرقوم ہے۔

عن عمر ابن الخطاب هششت فقبلت و انا صائم فقلت يا رسول الله صلعم صنعت اليوم امراً عظيماً قبلت و انا صائم قال ارايت مضمضت من الماء و انت صائم قلت لا باس به قال فهو	عمر ابن خطاب کا بیان ہے کہ ایکدفعہ ہم نے بوسہ لیا اور خدمت رسول اللہ صلعم میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آج مجھ سے ایک عظیم امر سرزد ہو گیا ہے پوچھا کیا کہا کہ ہم نے حالت صوم میں بوسہ لے لیا ہے ارشاد فرمایا کہ اگر صوم میں پانی سے کلی کرو تو کیا ہو۔ عرض کی کچھ بھی نہیں۔ فرمایا۔ یہ بھی ویسا ہی ہے۔

بات تو اتنی تھی۔ مگر عقیدت مندوں نے حضرت عائشہ کی فضیلت و محبت۔ حضرت عمر کی روایت اور نیز اس حکم لطف انگیز کو شہرت دینے کی ضرورت سے۔ ذرا سی بات کا بتنگڑ کر دیا۔ نہ خدا کو چھوڑا نہ رسول صلعم کو حضرت عائشہ پر جو جو اتہام لگائے۔ وہ ایک ایک کر کے اوپر لکھ دئے گئے۔ اب اس حکم سے حضرت عمر کے خاص ناموس کی جتنی اور جیسی پردہ دری کی گئی ہے۔ وہ زرقانی کی شرح موطا کی مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ فرمائی جاوے۔

ان عاتكة ابنة زيد فی رواية بنت زيد ابن عمر	عاتکہ بنت زید۔ زوجہ حضرت عمر ابن الخطاب حضرت عمر

ن بفتح العین ابن تقبل بضم النون و فتح القاف و سکون التحتانیہ و لام۔ لقرشیۃ العدویۃ صحابیۃ من المہاجرات وھی اخت سعید بن زید احد العشرۃ امراۃ عمر بن الخطاب ابن عمھا کانت تقبل راس عمر ابن خطاب وھو صائم بتجبیرہ بلا لذۃ فلا ینھاہ وکانت حسنا جمیلۃ

کے سر کا حالت صوم میں بوسہ لیتی تھیں اور حضرت عمر اون کو اون کے اس فعل سے منع نہ فرماتے تھے۔ اور وہ نہایت صاحب حسن وجمال تھیں (ملخصاً ترجمہ کیا گیا)

کس قدر شرمناک ہے کسی شریف گھر کی عورت کے لئے یہ کہنا اور لکھنا کہ وہ اپنے شوہر کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھی گئی۔ اور اس سے زیادہ عبرت ناک ہے۔ اوس عورت کا خود اور لوگوں سے اپنے اس فعل کا اقرار کرنا۔ اور اپنی خلوت کے پردوں کو خود اپنے ہاتھوں سے چاک کرنا۔ اگرچہ واقعہ کی حیثیت سے یہ واقعہ کتنا ہی صحیح اور اصلی نہو۔ مگر اخلاق انسانی اور حیاے نسوانی کے لحاظ سے اسکا ذکر و مذاکرہ بالکل معیوب و مذموم معلوم ہوتا ہے۔

(۳) احکام صیام کی حرمت جو ان لغویات کی بدولت ہوئی وہ ہمارے مندرجہ بالا بیانات سے کما حقہ ظاہر ہو گئی۔ او روہ ہماری پہلی مثال تھی۔ اب ہم مرویات فقہیہ کے لغویات کی دوسری مثال پیش کرتے ہیں۔

دوران حیض میں جواز مباشرت کی نسبت امام بخاری لکھتے ہیں۔

حدثنا اسمٰعیل ابن خلیل قال اخبرنا علی بن مسہر قال ابو اسحٰق وھو الشیبانی عن عبدالرحمن ابن الاسود عن ابیہ عن عائشہ قالت کانت احدٰنا اذا کانت حائضا فاراد رسول اللہ ان یباشرھا امرھا ان تتزر فی فور حیضتھا ثم یباشرھا۔ جلد اول ص ۴۰

(اسکا ترجمہ ہم نہیں کر سکتے سخت بے ادبی ہے اور معصیت۔) مولف عفی عنہ

خدا کی پناہ! یہ کیسا رسول ہے۔ جو ایسے موقعوں پر ہم کو فلا تقربوا ھن حتی یطھرن و اللہ یحب المتطھرین۔ (دوران حیض میں عورتوں کے پاس نہ جاؤ۔ تاوقتیکہ وہ اپنے ایام گذار کر پاک نہ ہولیں خدا پاک آدمیوں سے محبت رکھتا ہے۔)

خدا کا حکم پہونچا کر۔ ان حالت خاص میں ہمکو مقاربت نسوانی سے منع کرتا ہے اور نعوذ باللہ

خلاف عادت فطری اور برعکس حکم خداوندی خود ان افعال ذمیمہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ اعوذ باللہ مما استعاذ منہ عبادہ المخلصون۔

اسی کی ایسی ایک دوسری مثال اور پیش کی جاتی ہے۔ اب منی کی حقیقت کے ذکر میں امام زیلعی لکھتے ہیں۔

قال الشافعی لیس بنجس لما روی عن عائشہ انھا قالت کنت افرک المنی من ثوب رسول اللہ صلعم ثم یصلی فیہ ولا یغسلہ وفی حدیث اخر قالت کنت افرک المنی من ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یصلی والواو للحال ولو کان نجسا لما افتتح الصلوٰۃ معہ ولا اکتفی بالفرک فیہ کسائر النجاسات۔ زیلعی ص ۱۷

شافعی نے کہا ہے کہ منی نجس نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ سے روایت کی گئی ہے کہ میں منی کو رسول اللہ صلعم کے کپڑوں سے گھسا کرتی تھی اور حضرت اوسی لباس میں نماز پڑھتے تھے اور اوس کو دھوتے نہیں تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ میں منی کو آپ کے کپڑوں سے چھڑایا کرتی تھی اور آپ نماز پڑھا کرتے تھے۔ پس اگر منی نجس ہوتی تو اوس کے لگے رہتے پر آپ کبھی نماز شروع نہ فرماتے اور نہ صرف اوس کے گھس دیئے جانے یا چھڑا دئے جانے پر اکتفا فرماتے جیسا کہ سائر نجاسات کا حال ہے۔ زیلعی ص ۱۷

ان تمام لغویات میں سب سے زیادہ شرمناک تو یہ ہے کہ ان مدعیان اسلام نے اس خدمت کو بھی بہزار مفاخرت حضرت ام المومنین عائشہ کی طرف منسوب کیا ہے کہ نعوذ باللہ وہ معظمہ حضرت کے جامۂ اطہر سے منی چھڑایا کرتی تھیں۔ ناخنوں سے رگڑا کرتی تھیں۔ جس کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ آخر ان کو یہ خدمت کیوں دی گئی۔ کیا ان محترمہ کے لئے گھر میں دوسرا کام نہیں تھا۔ اگر کوئی غیر مذہب کا شخص ان روایات کو دیکھے گا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہاں تک وہ اسلام کی طرف رغبت کرے گا۔ غرض اسلام کی بدقسمتی سے اوس کے دینی اور مذہبی اخبار و آثار میں یہ لغویات اقوال عام احادیث اور احکام فقہیہ وغیرہ کی مختلف صورتیں اس کثرت سے اختیار کر چکے ہیں کہ اونکے لکھنے۔ پڑھنے اور سننے سے غیرتمندان اسلام کا ایمان لرزتا ہے اور حیاداران ایمان مارے غیرت کے ڈوبے جاتے ہیں۔ خدا رحم کرے اسلامی علماء اور فقہاء پر۔ جو انواع و اقسام کے انداز و ادا کے ساتھ ان لغویات کی شرح و بیان پر مرے جاتے ہیں اور اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے کہ ان روایات کی بدولت اصل اسلام کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ کیونکہ یہ مضامین ایسے نہیں ہیں جن پر ہمارے غیروں کو اطلاع نہ ہو اور وہ اپنی قوم میں ان باتوں کو شاخ در شاخ بڑھا کر نہ بیان کرتے

ہوں اور دیگر اقوام کو اسلام سے نفرت نہ دلاتے ہوں۔

امام ذیلعی ہوں یا امام شافعی۔ امام بخاری ہوں یا امام مالک۔ اِن حضرات سے کون پوچھے کہ اگر نجاست منی میں آپ کو بخلاف اور مجتہدین اسلام کے قائل تھا۔ تو آپ کو اپنے مختار پر اتنے اصرار کی کیا ضرورت تھی۔ زاید سے زاید آپ کی رائے خطائے اجتہادی کا حکم رکھتی۔ تاہم آپ حضرات مثاب تھے۔ آپ نے اِس مسئلہ اختلافی کو اتنی اہمیت دی اور اِسکے شہود و ثبوت کی فراہمی میں اتنی کوشش کی کہ اس کی عدم نجاست کو نعوذ باللہ خود مخبر صادقؐ کی استرضا اور حضرت صدیقہ کے طرز عمل سے ثابت فرمایا۔ مگر افسوس کہ ان شہود و ثبوت کی شرح و بیان میں آپ کو نہ رسولؐ کی ہتک حرمت اور نہ ناموس رسول صلعم کی اہانت کا کوئی خیال آیا۔ ہم کہتے ہیں آپ کا کہنا صحیح ہے۔ اس کی عدم نجاست ویسی ہی ہے جیسی آپ کو تحقیق ہو چکی ہے۔ مگر اس کے ساتھ اس کی کیا ضرورت ہے کہ شریف گھر کی بہو بیٹیوں کے طرز عمل سے اسکے ثبوت پہونچائے جائیں۔

آپ پر کیا موقوف ہے دنیا جانتی ہے کہ خلوت میں عورت اپنے مرد کی تمام خدمتیں کرتی ہے لیکن خدا شاہد ہے اپنی ان خدمتوں کا روزنامچہ دُنیا کے سامنے نہیں پیش کرتی۔ فطرت نے باہمی راز و نیاز کی باتوں کو زن و شو کے فیمابین محفوظ کر رکھا ہے اور جانبین کی شرم و حیا نے اُن کے لبِ زبان پر سکوت و خاموشی کے قفل لگا دئے ہیں۔ یہ وہ مشاہدات ہیں جو روزمرّہ کی عام اطلاع و علم میں داخل ہیں۔ اس بنا پر کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ خلاف فطرت انسانی اور برعکس غیرت و حیائے نسوانی حضرت ام المومنینؓ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خلوت خاص کے اِن رازوں کو یوں فاش کر دیا ہوگا۔ لا واللہ

قیامت تو یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس سے جو عدم نجاست کی حدیث آئی ہے۔ وہ امام ذیلعی خود لکھتے ہیں جس میں عقلی اور نقلی دونوں طریقوں سے ثبوت موجود ہیں۔ وہ پیش نظر ہے۔

عن ابن عباس انه قال سئل النبیؐ عن المنی یصیب الثوب فقال انما هو بمنزلة البصاق والمخاط وانما یکفیك ان تمسحه بخرقة او باذخرة ولانه مبتدء خلق البشر فصار کالطین

ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرتؐ سے پوچھا میں نے کپڑے میں منی لگ جانے کے بارے میں۔ فرمایا وہ تو مثل بلغم کے ہے جو منہ سے یا ناک سے آتا ہے اسی قدر کافی ہے کہ کسی کپڑے یا تنکے سے پونچھ دے اور نیز چونکہ اسی سے خلقت بشر کی ابتدا ہے لہذا وہ بھی مثل مٹی کے ہوئی۔

حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت موجودگی ہیں۔ ایک محترمہ کی زبانی جو ایک شریف خاتون ہونے کے علاوہ حرم رسول اللہ صلعم ہونے کے اعزاز پر بھی ممتاز ہیں۔ ان ناقابل الذکر امور کے بیان کرانے میں ان علما و محدثین کے کون سے راز پوشیدہ تھے۔ اور ان حضرات نے کون سی مصلحت اس میں دیکھی تھی ؎

سر مستان منطق الطیر است جامی لب بہ بند تخم سلیمانی نشاید فہم این گفتار را

حضرت عبداللہ ابن عباس شرف صحابیت کے اعتبار سے معتبر اور مستند صحابہ کبار میں داخل تھے۔ اور علمیت و جامعیت کے لحاظ سے محیط العلم بین الصحابہ کے خاص القاب سے مشہور و معروف اس بنا پر ان کی مرویات ازواج مطہرات کے بیانات سے کم پایہ نہیں۔ اس بنا پر امام بخاری، شافعی، مالک اور ذہبی کو اپنے مختار کے ثبوت میں حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت کی نقل کافی تھی۔ مگر اون کے بیجا اصرار نے الرجال قوامون علی النساء کے حکم محکم اور اصول مسلم کو پس پشت رکھکر ازواج مطہرات کے اون اقوال و طرز عمل سے استدلال کیا۔ جو کسی طریقہ اور قرینہ سے مخدرات رسالت کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ ان کی نقل و بیان سے اون کی تعظیم و تکریم کی جگہہ اون خواتین محترمات کی توہین و تحقیر ثابت ہوتی ہے۔ جس سے مخالفین اسلام اور متعصبین غیر اقوام کو معاشرت رسول پر سخت الزام و اتہام کا موقع ملتا ہے۔

ایسی احادیث چاہے تعداد میں کتنی ہی متعدد نہ ہوں۔ کیسی ہی متواتر اور متوارد نہ ہوں۔ جب مخالف اخلاق الٰہی اور منافی شان رسالت بنا ہی ثابت ہوں گی۔ ذکر و نقل کے قابل نہیں ہوسکتیں ہاں ازواج مطہرات کے طبقہ میں جن خواتین کے واقعات کا ذکر و حوالہ قرآن مجید سے ملتا ہے وہ البتہ مسلّم ہیں۔ یا ان مخدرات کے حالات مرویات احادیث سے ایسے پائے جاتے ہیں۔ جو ازواج رسولؐ ہونے کی شان و منزلت سے۔ اداب و تہذیب سے عادات و اطوار سے مخالف و منافی نہیں۔ یا جنکے اظہار و ارتکاب سے اقتدار رسالت کی توہین تضحیک نہیں ہوتی البتہ قابل تسلیم یقین کئے جا سکتے ہیں۔

لیکن حاشا و کلا۔ ایسے شرمناک واقعات جن کے نمونہ اوپر دکھلائے گئے۔ جو اپنی عملی صورتوں میں لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً منافی شان رسالت اور مناقض عادات ازواج آنحضرت صلعم ثابت ہوتے ہیں۔ اور ایسے خفیف رکیک اور باعث تضحیک ہیں کہ نعوذ باللہ ازواج مطہرات تو درکنار عام پاک دامن بیبیوں اور شریف گھروالیوں کی نسبت بھی ایسی خلاف فطرت نسوانی اور مناقض تہذیب

انسانی کا ذکر کرنا کوئی بھلا آدمی گوارا نہیں کرسکتا۔ یہ تمام واقعات وحالات بالکل بے سروپا ہیں اور محض کذب وافترا۔ زیادہ تر ان سادہ لوح علما ومحدثین کی خوش فہمیوں کا نتیجہ ہیں جو آنحضرت صلعم اور ازواج مطہرات کے فیما بین ان خوش فعلیوں کے نقل وبیان کو آداب واخلاق رسالت سمجھتے ہیں اور ازواج مطہرات کے آداب ومعاشرت۔ ان علما نے ان حالات کے نقل وبیان میں تحصیل حقیقت کی جگہہ تعمیل عقیدت کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور جن خود غرضانہ مدعا ومطالب اور عقیدتمندانہ اغراض ومقاصد سے یہ واقعات جمع کئے گئے ہیں اونکے اسباب وعلل اوپر بیان ہو چکے ہیں۔

افراد مخصوصہ میں خصائص الٰہیہ کی اصل حقیقت کو اصول معمول کے طریق پر سمجھنا یا سمجھانا نقل انسانی کا قصور ہے۔ ان لغویات کی تدوین کرنے والوں نے قدرت کے مکاشفات تخصیص کو معاملات تعمیم سمجھا۔ اور رسالت کے متعلق اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کی تعمیم پر ظاہری نظر ڈال۔ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ اور مَا یَنْطِقُ اِلَّا وَحْیٌ کے مشارف تخصیصی کے صریح چشم پوشی کی۔ حالانکہ اصول اصطفا کو مسلمہ نبوت اور لازمہ رسالت یقین کرتے ہوئے۔ یہی علما ومحدثین۔ انبیا ومرسلین کے ہر ہر فرد واحد کو بالنفس النفیس سائر امت اور عوام الناس کے افراد سے تمام قوائے جسمانی اور کمال روحانی میں افضل واکمل ثابت کرتے ہیں (دیکھو معراج القدس منقذ من الضلال اور احیاء العلوم غزالی)

پھر اسی ترتیب وتدریج سے اون کے اعزہ واقارب۔ رفقا ومصاحب اور دیگر متعلقین ومتوسلین کے آداب وتہذیب اور اخلاق وعادات کو۔ انبیاء ومرسلین کی شرف قربت وصحبت کا نتیجہ مترتبہ بتلا کر۔ عام طبقات امت کے خصائل وشمائل سے بہتر اور بالاتر یقین کرتے ہیں۔ مگر بخلاف ان مسلمات کے۔ مذکورۂ بالا واقعات میں خاص رسول صلعم کے متعلقین اور اون کے ہمراز وہمنشین مخدرات کی نسبت۔ جو اشرف الخواتین ہونے کے علاوہ امہات المومنین کے لقب سے برابر یاد کی جاتی ہیں۔ ایسے مخالف عادات وآداب عوام خصوصاً رسول اللہ صلعم کی موجودگی میں اور اوسکی آنکھوں کے سامنے بیان کئے جاتے ہیں جن کو دیکھہ کر سوائے اسکے کہ اہل اسلام حیران اور انگشت بدندان ہوکر رہ جائیں اور کیا کر سکتے ہیں۔

اس بنا پر ہر تحقیق کنندہ اوران لغویات کی اصل حقیقت اور ضرورت موضوعیت کا جاننے والا صاف صاف کہہ دیگا کہ یہ واقعات سراپا اتہام ہیں۔ یہ حالات بالکل جھوٹے الزام ہیں رسول کائنات کی عیاضت رسالت اور اون کی ازواج کی ردائے عفت وغیرت ان تمام آلائشوں سے جو منافی آداب وتہذیب رسالت اور مخالف فطرت بہ زبان تحقیق ثابت ہوتی ہوں بالکل پاک

منزہ تھی۔ اون کی پاک و مقدس معاشرت اعلیٰ ترین شرفا کے گھروں کے محاسن معاشرات سے بھی بدرجہا بہتر اور اعلیٰ تر تھی۔

لیکن جیسا ہم اوپر بتلا آئے ہیں۔ رسول بالنفس النفیس معصوم تھا۔ عام ازواج یا سائر اصحاب معصوم نہیں تھے۔ اور نہ رسول اللہ صلعم میں اون کے معصوم کردئیے جانے کی قدرت ودیعت کی گئی تھی۔ اس لئے اون کی ازواج کے طبقہ میں اور اصحاب کے دائرے میں۔ اون کی دو ایک خواتین یا صحابی سے۔ مخالف فطرت عامہ اور منافی اداب و تہذیب رسالت امور قابل اعتراض ظاہر ہو گئے تو اون سے نہ رسول کی تعلیم و ہدایت پر کوئی الزام آسکتا ہے اور نہ اوس کی نفس نفیس پر کوئی اعتراض قایم کیا جاسکتا ہے۔

ایسے اعتراض کرنے والوں کی خدمت میں ہم عرض کریں گے کہ حقیقتاً ازواج مطہرات ہوں یا اصحاب کبار باستثنا راون نفوس کے جن کا معصوم ہونا نصوص الٰہیہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ سب کے سب جائز الخطا ہیں۔ اور مصلحت خداوندی کے انتظام بھی ایسے ہی ہیں۔ کیونکہ یہی انتظام تو ہمکو خاص و عام کی تفریق و تمیز بتلاتے ہیں اور معصوم و غیر معصوم کے عادات و آداب کا فرق ثابت کرتے ہیں اور اس امر کا یقین دلاتے ہیں کہ قطع نظر اس کے کہ کوئی شخص کسی شخص کا کتنا ہی قریب۔ ردیف عزیز۔ ہمراز اور دمسازنہ ہو مگر تا وقتیکہ وہ خلقت و فطرت کے اعتبار سے برابر اور مساوی نہ مخلوق کئے گئے ہوں۔ عادات و اطوار میں ایک نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ان واقعات میں ازواج آنحضرت کی نسبت اون مرویات کو جن کا ذکر د حوالہ قرآن مجید میں موجود ہو۔ یا احادیث صحیحہ میں اون کا ذکر و بیان اس انداز و طریقہ سے آیا ہو جو مناقص شان رسالت اور مخالف اداب و عادات ازواج مطہرات نہ پایا جاتا ہو۔ تو البتہ صحیح کہا جاسکتا ہے۔ اور اون کو ازواج مطہرات کی فطرت عامہ کی لغزشوں کا باعث بتلایا جاسکتا ہے جن کی طرف اون کے ارتکاب کی نسبت کی جاتی ہے۔ اِن کے سوا جتنے قصص و حکایات بیان کئے جاتے ہیں وہ سب لغویات ہیں جنکے باعث وہی ضعف عقاید۔ خود غرضی اور نفسانیت کے مفاسد و مقاصد ہیں اور کچھ بھی نہیں۔

متعصب عیسائیوں کو انھیں خرافات سے متمتع ہونے کا پورا موقع مل گیا ہے۔ اور انھیں خس و خاشاک کو اون کی کور قلبی نے اسلام کے جواہر پارے سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ مبصرین حقیقت اور ناظرین اصلیت کی نگاہوں میں نہ اون کا وزن ہے نہ مقدار۔ نہ اون کی قیمت ہے نہ شمار۔ ہم عیسائیت کے کوتاہ بین متعصبین کو علی رؤس الاشہاد باور کراتے ہیں اور پورا یقین دلاتے ہیں

کہ اسلام اور اوس کے بانی علیہ السلام کا پاک و صاف دامن ان تمام لغزشوں اور آلائشوں سے بالکل منزّہ ہے۔ اوس کی خلوت و جلوت کی تمام صحبتیں ان مخالف آداب و اخلاق حالات و واقعات سے بالکل مبرا اور مُعرّا تھیں۔ اوس کی مقدس معاشرت کے تمام تعلقات دُنیا اور اہل دُنیا کے لئے اسوہ حسنہ کے اصلی اور سچے نمونے تھے۔ اور اون سے انھیں امور کے اظہار ہوتے تھے۔ جو وقار رسالت اور اقتدار نبوت کے حدود کے اندر تھے۔ اوس کی پاک و پاکیزہ زندگی میں تعلقات دُنیاوی اور معاملات خانہ داری کی اُتنی ہی ضرورت تھی جتنی ایک عیالدار بزرگ کے لئے جائز اور ضروری ہوتی ہے اور وہ نفس قدسی برکت امور دُنیاوی اور ضرورت عیالداری میں اوتنا ہی منہمک رہتا تھا۔ جتنا اہلیت اور رہبانیت کے امتیاز فیمابین قایم کرنے کے لئے ضروری تھا۔ اس سے زاید جو کچھ اسلامی کتابوں میں مرویات ہیں وہ سب علما کی غلط فہمیوں کے اضافات سمجھے جاینگے۔

ہمارے لئے نہایت ضروری اور مناسب ہے کہ ان لغویات کے مقابل میں جو ازواج مطہرات کے متعلق غلط فہم علما کے حوالہ سے اوپر لکھے گئے۔ ہم اونھیں کی زبانی اور اونھیں ازواج مطہرات کی مرویات سے آنحضرت صلعم کے وہ احکام و ارشاد اور پند و نصائح جو ازواج مطہرات کو اون کی سادی زندگی بسر کرنے۔ علائق دُنیاوی اور حسن و زینت ظاہری سے باز رہنے کی نسبت پہونچائے گئے ہیں ذیل میں لکھ دیں۔ جس سے ثابت ہو جائیگا۔ کہ ان احکام و ارشاد کا جاری کرنے والا اور تعلقات دُنیاوی سے از حد متنفر ہو کر۔ بالکل الگ رہنے والا۔ کبھی ان امور تعیش اور لہو و لعب کا عامل یا مجوز نہیں ہو سکتا۔ یہ محالات سے ہے جو زہد و ورع اور تقویٰ و طہارت کی ہدایت کرتا ہو۔ وہ دوسرے وقت اپنے متعلقین کو کھیل کود تماشہ اور دیگر اسباب تعیش و مسرت میں مصروف رہنے کی اجازت دیتا ہو۔ یا اون کو ایسے مخرب اخلاق و آداب امور میں منہمک پاکر چشم پوشی فرماتا ہو۔ مواہب لدنیہ قسطلانی کے اسناد سے محدث شیرازی۔ روضۃ الاحباب میں لکھتے ہیں۔

عائشہ گفت یا پیغمبر صلی اللہ علیہ و الہ وسلم گفتم دعا کنی تا خداوند تعالیٰ مرا در بہشت از ازواج تو گرداند۔ فرمود اگر ایں مرتبہ میخواہی از برائے فردا ہیچ طعام را ذخیرہ مساز ہیچ جامہ را میندار تا براو وصلہ نزنی و باید کہ زاد تو از دنیا بمقدار زاد راکبے بود ص ۱۸۰ لکھنو

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ دعا فرمائیں کہ خداوند عالم مجھکو بہشت میں بھی آپ کی زوجہ قرار دے آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہتی ہو کہ اس مرتبہ پر فائز ہو تو آج سے کل کے لئے سامان قوت میں کچھ نہ بچاؤ اور اپنے کسی کپڑے کو بغیر پیوند لگائے نہ چھوڑو اور مال دُنیا سے۔ زاد سفر سے زیادہ نہ لیجاؤ۔

اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ کی زبانی مرقوم ہے۔

ما کان لاحدنا الا ثوب واحد بخاری اول ص ۴۵ | ہم تمام بی بیوں کے پاس صرف ایک ایک جوڑا کپڑا رہتا تھا۔

ہم صرف انھیں دو مذکورہ بالا مثالوں کو لکھ کر اتنا پوچھتے ہیں کہ ایسی سادہ اور سخت ترین زہد و اتقا کے ساتھ معاشرت کی تعلیم دینے والے بزرگ کے حالات میں ان اقسام کے لہو و لعب اور تعیشات کو اوس کے طرز عمل اور مشاغل بتلانا کس قدر تعجب انگیز اور حیرت خیز ہے جس نفس قدسی نے اپنی ازواج مطہرات کو اس صبر و قناعت سے زندگی بسر کرنے کی ہدایت کی ہو معمولی کھانا کھانے اور کپڑوں میں پیوند لگانے کی خاص تاکید فرمائی ہو۔ ممکن ہے کہ وہ ان مخدرات کو ان لغویات میں کسی وقت اور کسی طریقہ سے منہمک رہنے کی اجازت دے سکتا ہے۔ لیکن بعض اوقات ان ازواج مطہرات سے بمقتضائے بشریت یا بایمائے عام فطرت اگر چند امور زائد از ضرورت صادر بھی ہوگئے تو اون کی ذمہ داری اونھیں کی خاص ذات تک محدود رہے گی۔ اون کی وجہ سے رسول صلعم کی ذات و صفات پر نہ کوئی الزام آیا ہے اور نہ آسکتا ہے۔

صفات رسالت کے اسوۂ حسنہ صرف اہلبیت رسول تھے۔ | اب ضرورت کلام اور مناسبت اس انکشاف حقیقت کی متقاضی ہے کہ خاندان رسالت اور دودمان نبوت کے اخلاق و عادات نورانی۔ تہذیب و آداب روحانی اور حیا و عفت نسوانی کی سچی اور اصلی مثالیں۔ اوس نور چشم نبوت۔ شمع فانوس حیا و عفت۔ بضعۃ خیر المرسلین۔ سیدۃ نساء العالمین۔ حورائے الانسیہ۔ صدیقۃ الکبریٰ۔ بتول العذراء۔ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علی ابیہا و علیہا کے اسوۂ حسنہ اور صفوۂ قلیہ سے ذیل میں لکھکر بتلا دیا جائے کہ خدا اور رسول نے جس مخدومۂ دو سرا اور سیدۂ نسواں کو ناموس رسول اور اہلبیت پیغمبر صلعم کے حقیقی معنوں میں قرار دیا ہے اور جس کو مبدء فیض سے نسائنا کا مخصوص القاب اور یطہر کم تطہیرا کا خاص خطاب عنایت فرمایا گیا ہے۔ وہ اہل اسلام اور اہل ایمان کے طبقہ نسواں میں۔ سوائے اس دُرِّ یتیم پیغمبر صلعم کے کوئی دوسری خاتون۔ عام اس سے کہ ازواج رسول صلعم ہو یا ام المومنین ثابت نہیں ہوتی۔ تمام افراد مومنات میں یہی ایک مخدومۂ کائنات ایسی ثابت ہوتی ہے جس کی عصمت و طہارت نص قرآنی سے ثابت ہے اس معصومہ مقدسہ اور اس مخدومہ مطہرہ کے محاسن عادات البتہ ناموس الٰہی کے اخلاق و آداب کے نمونہ اور صفات رسالت پناہی کے اسوۂ حسنہ تسلیم کئے جاسکتے ہیں۔ اور یہی حالات و واقعات دنیا کی تعلیم معاشرت کے لئے رہنمائی کا پورا کام دے سکتے

ہیں۔ طبقہ نسواں میں جس عصمت و عفت جس شرم و غیرت سے ارشاد الٰہی کا خاص مقصد ہے وہ اس مخدومۂ عالم و عالمیان کے مفصلہ ذیل ارشادات و اقوال اور حالات و واقعات سے کما حقہ ثابت ہے۔

(۱) ایک بار جناب سرور کائنات نے حضرت فاطمہؑ سے دریافت فرمایا کہ عورت کی سب سے اچھی صفت کون سی ہے۔ سیدہ نے جواب میں عرض کی۔ کہ عورت کی بہترین صفت یہ ہے کہ نہ کسی نامحرم کو وہ دیکھے اور نہ کوئی نامحرم اوسے دیکھنے پائے[۵۱] - سیرۃ فاطمہؑ

اسی کے متعلق آپ کا یہ ارشاد آجتک اسلام کی تمام مذہبی اور اخلاقی کتابوں میں مذکور و مسطور رہتا

(۲) کوئی عورت بلا اشد ضرورت دوسری عورت کو بھی ننگی نہ دیکھے۔ نہ کبھی دو عورتیں ننگے بدن ایک چادر میں لیٹیں[۵۲] اور اگر کوئی عورت اتفاقی ضرورت سے کسی دوسری عورت کو ننگے بدن دیکھ لے تو اوسکے اعضا اوس کی بدن کی بناوٹ (ساخت) کی نسبت اپنے خاوند سے کچھ اظہار نہ کرے۔

اسی حیا کا تقاضہ تھا کہ آپ نے مرض الموت میں وصیت فرمائی تھی کہ میرا جنازہ رات کو اوٹھایا جاوے اور رات کے وقت بھی جنازہ پر پردہ (تابوت) بنا لیا جائے اور سوائے اسماء بنت عمیس کے کوئی عورت میری میت کو غسل نہ دے۔ سیرۃ فاطمہؑ

یہ متبرک اقوال صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ ناموس الٰہی اور اہلبیت پیغمبرؐ کے اخلاق و آداب کی یہ شان ہوتی ہے اور جب مخدومۂ دوراں پر حیا و عفت کا خاتمہ بتایا گیا ہے۔ اوسکی شرم و غیرت اور حیا و عصمت کی یہ تصویر ہے۔

(۳) ایکبار عبداللہ ابن ابی مکتوم نابینا صحابی کسی ضرورت سے پیغمبر صاحب کو تلاش کرتے تھے۔ رسول کریمؐ سیدہؑ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ وہ بھی آ گئے۔ اور بی بی فاطمہؑ

---

[۵۱] حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کے اس ارشاد کو اوس حدیث کے مضمون سے ملایا جاوے جس میں آنحضرتؐ نے حضرت عائشہ کو حبشیوں کا تماشا دکھلانا مندرج ہے۔ تو بیانتین کے حیا و غیرت اور شرم و عفت کے فرق ما بہ الامتیاز کما حقہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔

[۵۲] اس مضمون ارشاد کو صحیح مسلم کی اوس عبارت روایت سے مقابلہ کیا جاوے جس میں حضرت عائشہ اور آنحضرت صلعم کا ایک ظرف آب میں ایک ہی تہ بند کے ساتھ غسل فرمانا مرقوم ہے تو حقیقت میں آسمان زمین کا فرق نظر آوے گا۔

اون کو دیکھ کر دوڑ کر کوٹھری میں چلی گئیں جب وہ کام سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو سیدہ
باہر تشریف لائیں۔ جناب رسول مقبول صلعم نے ارشاد فرمایا بیٹی ام مکتوم تو نابینا ہیں تم نے کیوں
تکلیف کی۔ آپ فرمانے لگیں۔ اّبا جان وہ اندھے تھے۔ میں تو اندھی نہ تھی کہ غیر محرم کو دیکھتی
رہتی[۱]۔ سیرۃ فاطمہؑ

آپ کی شرم و حیا کا ایک اور واقعہ مشکوٰۃ شریف سے نقل کیا جاتا ہے۔

(۴) ایک دفعہ حضرت نبی کریمؐ نے ایک نابالغ غلام کے ساتھ جو آپ نے اپنی نورچشم حضرت
فاطمہؑ کو ہبہ فرمادیا تھا۔ تشریف لائے۔ حضرت فاطمہؑ ایسا چھوٹا کپڑا اوڑھے تھیں کہ اوس سے
سر ڈھانکتیں تو پھر ننگا ہوجاتا اور اگر پیر چھپاتیں تو سر کھلا رہتا۔ ایک نہایت اضطراب کی حالت
میں تھیں اور اوس کپڑے سے سراپا کے چھپانے کی کوشش فرماتی تھیں۔ حضرت رسولخداصلعم
نے فرمایا۔ اے فاطمہؑ۔ کچھ حرج نہیں ہے جس سے تم شرماتی ہو وہ تو صرف تمہارا باپ اور
تمہارا نابالغ غلام ہے۔ یہ حدیث ابو داؤد نے بھی روایت کی ہے۔ سیرت فاطمہ ۱۵۷-۱۵۸

حسن معاشرت اور ادائے حقوق شوہر کی نسبت مفصلہ ذیل واقعات کی شہادت کافی ہے۔

(۵) جناب سیدہ کی وفات کے بعد حضرت علی مرتضیٰؑ سے دریافت فرمایا گیا کہ حضرت
فاطمہؑ کا سلوک آپ کے ساتھ کیسا تھا۔ ایک آہ سرد بھری اور فرمایا کہ وہ جنت کا ایک خوشبودار
پھول تھیں جس کے مرجھانے پر بھی اون کی خوشبو سے اب تک میرا دماغ معطر رہتا ہے۔

(۶) حسن بصری، جناب علی مرتضیٰؑ سے نقل کرتے ہیں کہ حالانکہ دن رات کثرت سے عبادت
کرتی تھیں اس پر بھی گھر کے کام دھندوں سے مجھے کبھی اون سے کوئی شکایت پیدا نہوئی۔

(۷) حضرت امیر علیہ السلام کی مالی حالت اچھی نہیں تھی۔ اکثر مزدوری کرکے بسر اوقات کرتے تھے۔
ایک دن کہیں آپ کو مزدوری نہیں ملی۔ دونو میاں بیوی آٹھ پہر سے بھوکے تھے۔ شام
کے وقت ایک تاجر کے اونٹ آئے جسے اپنا اسباب اوتروانے کی ضرورت سے ایک
مزدور کی تلاش تھی۔ حضرت علیؑ نے پہر رات گئے تک اوسکے اونٹوں کا اسباب اوتارا۔
سوداگر نے ایک درم اجرت دی جسے آپ نے خوشی سے لے لیا اکثر دکانیں بند ہو چکی تھیں
مگر ایک جگہ جَو کا غلہ مل گیا۔ ایک درم کے جَو خرید کر کے گھر لے آئے۔ حضرت بتول نے

[۱] یہ واقعہ بھی واقعہ نمبر (۱) کے منافی ہے۔ یہاں ایک نابینا سے اتنی احتیاط کی گئی۔ وہاں مجمع مبصرین میں تماشہ
دیکھا گیا۔ المولف عفی عنہ

ہنسی خوشی سے آپ کا خیر مقدم کیا۔ اور آپ کی جھولی سے وہ جَو لیکر اوسی وقت اونکو پیسا۔ روٹی پکائی اور آپ کے سامنے رکھی جب حضرت علی سیر ہوکر کھا چکے تو خود کھانے لگیں حضرت علی فرماتے ہیں کہ مجھکو اوسوقت حضرت سرورکائنات صلعم کا یہ ارشاد یاد آیا کہ فاطمہ دنیا کی بہترین عورت ہے جسپر میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ سیرت فاطمہ ص ۱۱۲

(۸) حضرت علی سے منقول ہے کہ ایکبار جناب سیدہ علیل ہوئیں۔ شب بھر بستر علالت پر پیچ و تاب سے کاٹی۔ صبح ہوئی۔ مجھ سے پہلے فاطمہؑ اوٹھیں۔ وضو کرنے لگیں تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ اگر اس وقت وضو نہ کرتیں اور صرف تیمم پر اکتفا کر لیتیں تو اون کے لئے بہتر تھا۔ اس اثنا میں اذان کی آواز آئی اور میں مسجد میں نماز کے لئے چلا گیا اور فاطمہ اوٹھ کر اپنے مصلے پر نماز کے لئے کھڑی ہو گئیں۔ میں جب مسجد سے گھر واپس آیا تو سیدہ کو معمول روزانہ کے مطابق چکی پیسنے میں مصروف پایا۔ مگر علالت کی وجہ سے ضعف و زحمت کا روز سے زیادہ اثر نمایاں تھا۔ یہ حالت دیکھکر میں نے سیدہ سے کہا کہ تم اپنی جان پر رحم کرو۔ تم علیل ہو۔ رات بھر بے چین رہ چکی ہو۔ صبح کو تم نے پانی سے وضو کر لیا۔ اور اپنی علالت کا ذرا بھی خیال نہ کیا۔ پھر چکی بھی پیسنے لگیں۔ اس سے تو مرض میں اور قوت و طوالت ہوگی جناب سیدہ نے فرمایا یہ تو میری عین خواہش دل ہے کہ میری موت خدا کی عبادت اور آپ کی اطاعت میں آجاوے۔

سبحان اللہ وبحمدہ۔ یہ ہیں وہ صفات و عادات۔ یہ ہیں وہ اخلاق و آداب جو مبدء فیض سے اون ذوات مقدسات کو خاص طور پر عنایت فرمائے جاتے ہیں جو طبقہ انسانی میں۔ ذکور و اناث کی تفریق سے مستثنیٰ ہوکر معارف روحانی کے درجات علیہ پر فائز ہو جاتے ہیں اور دائرہ بشریت میں تمام جنسیت اور حیثیت کی تعمیم سے علیحدہ ہوکر مدارج تخصیص پر مشرف کئے جاتے ہیں۔

اس بنا پر خاندان رسالت اور دودمان نبوت کے اخلاق۔ آداب اور حسن معاشرت کی حقیقت اور اصلیت اون مقدس بزرگواروں کے حالات و واقعات میں تلاش کرنی چاہئے۔ جو خدا کی طرف سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذوی القربیٰ۔ آپ کے اہلبیت۔ آپ کی عترت اور ذریت قرار پاچکے ہیں۔ اور جن کی تصریح آیات۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ اور ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم میں بالتفصیل درج ہے۔ صاحبان تعمیم۔ بزرگواران تخصیص کے ساتھ اوصاف میں برابر نہیں ہو سکتے اور نہ

تعلقات نسبی کا مقابلہ و اسطہ بنبی کر سکتے ہیں ؎ رشتہ دیگر رگ جگر دیگر است۔

عیسائی متعصبین یا اور اسلام کے مخالف فرقے۔ اسلام کی کتابوں میں ان موضوعات مذکورہ بالا کو جنہیں وہ اپنی تصنیفات کا ماخذ اصلی سمجھے ہوئے ہیں۔ دیکھ کر نہ مغرور ہوں اور نہ مسرور ہم ان کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر وہ اپنے ان مغویانہ اور گمراہانہ عالم فریبیوں پر اصرار کریں گے اور آنحضرت صلعم کی پاک و مقدس سیرت اور معاشرت پر انہیں موضوعات مرویات کے اسناد سے الزام لگائیں گے تو ہم اون کے عہدنامہ قدیم وجدید کے مستند اور متواتر مثالوں سے انبیائے سابقین سلام اللہ علیہم اجمعین کی معاشرت کے حالات ہیں اس سے کہیں زیادہ ناپاک اور قابل اعتراض واقعات ثابت کریں گے اور دکھلائیں گے کہ انہیں کی مقدس کتابوں سے انہیں کی مرویات کے مطابق اور انہیں کے عقاید کی ذمہ داریوں پر انبیائے سابقین کی پاک معاشرت میں ایسے شرمناک اور ناپاک واقعات لکھے گئے ہیں۔ جن کی نقل و ذکر سے کبھی کوئی شخص یقین کیسا گمان بھی نہیں کر سکتا کہ یہ واقعات اور حالات اس مقدس اور مبارک طبقہ کے ہیں۔ جو خدا کی جانب سے تمام دنیا کو تہذیب اور شائستگی۔ پرہیزگاری اور نیکوکاری اور تقوی و طہارت کی تعلیم و تلقین کیلئے مبعوث فرمائے گئے تھے۔

سب سے زیادہ تعجب انگیز یہ امر ہے کہ متعصبین عیسائی جو دو چار ادہر اُدھر کے غیر مقید اور غیر مستند واقعات کے حوالہ سے اپنے مغویانہ اعتراض وارد کرتے ہیں وہ اول سے لیکر آخر تک اون احادیث سے متخرج اور مستنبط ہیں۔ جن کی موضوعیت اور مجہولیت کی اصلی کیفیت ہم اوپر دکھلا آئے ہیں۔ اسلئے یہ بالکل صحیح اور فی الواقع ہے کہ اون کے ماخذ بھی بالکل حدیث ہی کی کتابیں ہیں۔ مگر حدیث کی تمام کتابیں یا اون کی تمام روایتیں مسلمانوں کے لئے نصوص الہیہ اور صحف الہامیہ کی طرح واجب التسلیم نہیں۔ عام اس سے کہ وہ صحاح کی مرویات ہوں۔ یا مسانید دیگر کے اقتباسات ان کی شہادت قرآن مجید کی عبارت کی ایسی نہ قابل تصدیق ہو سکتی ہے نہ لائق توثیق۔ بلکہ اصول عقاید کے اعتبار سے۔ جو امور ان کتابوں میں مخالف اور منافی نصوص قرانیہ پائے جاتے ہیں۔ وہ کسی مرد مسلمان کے آگے قابل قبول و وثوق نہیں ہو سکتے۔ اسلام کا یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر اتفاق جمہور ہے۔

بخلاف مسلمانوں کے۔ عیسائیوں کی تو خاص کتب الہامیہ میں یہ تمام خرافات منقول و مذکور ہیں۔ جن کی صحت و صداقت سے کسی عیسائی کو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ مسلمانوں کی طرح یہ

کسی عالم، محدث اور فقیہ کے اقوال نہیں بتلائے جاتے۔ بلکہ اون کے عقاید میں تو یہ خاص الخاص وحی کے الفاظ اور کلام ہیں۔ بقول اون کے خدا کی طرف سے۔ امت کی اطلاع و علم کے لئے انبیا کرام کی سرگذشت یا اون کے قصص و حالات کی تفصیل و بیان میں نازل فرمائے گئے ہیں۔ اس بنا پر یہ بالکل صحیح اور فی الواقع ہے کہ اہل اسلام عیسائیوں کی ان لغویانہ تحریفات کے جواب میں۔ اور منافی قرآن اور مخالف احادیث صحیحہ ہونے کا۔ پورا تشفی بخش اور اطمینان دہ جواب دینے کے لئے تیار ہیں۔ اور منافی قرآن اور مخالف شان رسول صلعم نہ ہم کتب صحاح کی احادیث کی تصدیق و توثیق کے لئے مجبور کئے گئے ہیں اور نہ مسانید و سنن کی مرویات کے ایجاب و تسلیم کے لئے معذور بخلاف ہمارے۔ عیسائیوں کے لئے تو انکار کا کوئی موقع اور پہلو ہی نہیں ہے۔ کیونکہ ذرا سے انکار کے بعد اونکا ایمان ہی بیکار ہوا جاتا ہے۔

تمہیداً اتنا عرض کرکے۔ عہد قدیم (مجموعہ توریت) کی مختلف کتب انبیا علیہم السلام سے چند مثالیں نمونے کے طور پر حسب ذیل پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے ہمارے بیان کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے۔ مگر ان کے نقل و بیان سے پہلے ہمکو اتنا لکھ کر بتا دینا نہایت ضروری ہے کہ ہم بمصداق۔ نقل کفر کفر نباشد۔ صرف ان لغویات و حشویات کی نقل ہی سے کام لیتے ہیں۔ ورنہ ان لغویات کو انبیاے موصوفین سلام اللہ علی نبینا و علیہم اجمعین کے متعلق نہ ہم صحیح اور واقعی سمجھتے ہیں اور نہ ہم ان مفتریات کو (نعوذ باللہ) الفاظ وحی یا کلام الہام جانتے ہیں۔ ہم کیا جمہور اسلام کے عقاید میں یہ سب علماے یہود و نصاریٰ کے افترایات و اتہامات ہیں جو اون مقدسین اور مطہر بزرگواروں کی ذات بابرکات پر لگائے گئے ہیں۔ کیونکہ صرف عہد نامہ قدیم کی تدوین۔ جو نزول توریت سے تین سو برس بعد واقع ہوئی۔ صاف صاف بتلا رہی ہے کہ امتداد زمانہ۔ اختلاف بیانات۔ تصرفات رسم و رواج قومی و ملکی۔ اور دیگر اسباب خارجی نے خدا کے اس مجموعہ کلام کو کہاں تک وحی و الہام کے اصلی اور حقیقی مقام تک باقی چھوڑا ہے۔ یہ تو تحریفات و تدلیسات کتب قدیمہ کے ایسے ثبوت ہیں جو بدیہیات و یقینیات کے درجہ تک پہونچ ہوئے ہیں۔ ایسے علاوہ انقطاع۔ اختلاف اور ضعف سلسلہ اسناد وغیرہ کے بیشمار شہود و ثبوت تو ابھی باقی ہیں۔ جو کتب قدیمہ کو اون کی موجودہ صورت میں کسی طرح صحیح و اصلی نہیں ٹھہرا سکتے ہم ان امور کو تنزیل قرآن مجید اور اوس کی صحت و صداقت کی بحث میں انشاء اللہ بتفصیل بیان کریں گے۔

حضرت لوط کی صاحبزادیوں پر (نعوذ باللہ) زناکاری کا الزام۔

نزول عذاب کے بعد۔ لوط اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ شہر صغر میں آگئے اور ایک غار میں رہنے لگے۔ تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہوگیا ہے۔ اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو عام جہان کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آوے۔ آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں۔ اور اوس سے (نعوذ باللہ) ہم بستر ہوں تاکہ اپنے باپ کی نسل باقی رکھیں۔ سو اونھوں نے اوس رات کو اپنے باپ کو مے پلائی۔ اور پہلوٹھی اندر گئی۔ اور اپنے باپ سے (نعوذ باللہ) ہم بستر ہوئی۔ پر اوس نے (لوط نے) لیٹتے وقت اور اوٹھتے وقت اوسے (لڑکی کو) نہ پہچانا۔ اور دوسرے روز ایسا ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم بستر ہوئی۔ تو آج رات کو بھی اوسے مے پلائیں اور تو بھی جاکر اوس سے ہم بستر ہو کہ اپنے باپ کی نسل قایم رکھیں۔ سو اوس رات کو بھی اونھوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور اور چھوٹی اوٹھ کر (نعوذ باللہ) ہم بستر ہوئی اور اوس نے (لوط نے) اوسے لیٹتے اور اوٹھتے وقت نہ پہچانا۔ سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے (نعوذ باللہ) حاملہ ہوئیں۔ بڑی ایک بیٹا جنی اور اوسکا نام موآب رکھا گیا وہ موابیوں کا۔ جو اب تک ہیں۔ باپ ہوا۔ اور چھوٹی بھی ایک بیٹا جنی اور اوس کا نام بنی عمی رکھا گیا۔ وہ بنی عموں کا جو اب تک ہیں۔ باپ ہوا۔ (تکوین باب ۱۹ درس ۳۰۔۳۸)

یہ ایک پیغمبر برحق ہے۔ اوس کی ازواج بھی نہیں۔ خاص بنات ہیں۔ اور ذریات اُنکے اخلاق و آداب ایسے ناپاک اون کے اعمال و افعال ایسے تاریک و سیاہ کہ نہ باپ کو بیٹی کی تمیز ہے اور نہ بیٹی کو باپ کی پہچان۔ العیاذ باللہ اگر یہی انسانیت ہے تو پھر حیوانیت کیا ہے؟ یہ وہی پاک و مقدس رسول ہے جو خدا کی طرف سے بندگان الٰہی کو دینی تعلقات اور دنیاوی ضروریات میں تہذیب و شائستگی کی تعلیم و ہدایت فرمانے کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔ اور جسکا فرض اولین ہے کہ ان تمام تعلقات میں حلال و حرام کے نصاب و امتیاز قایم کرکے دُنیا کو محرمات کے ارتکاب سے بچائے۔ اور محللات کے اختیار کرنے کی ہدایت فرمائے۔ چہ جائیکہ خود اُسکے ایسے گندہ اور ناپاک اطوار ثابت ہوں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اگر عیسائیوں کا یہ عذر ہے کہ حضرت لوط علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے زمانہ تک دُنیا کی آبادی بہت کم تھی اسلئے انسانی معاشرت اور ملکی تمدن کا دائرہ بہت محدود تھا۔ اسی بنا پر افراد

نسل انسانی اور آبادی عالم کی ضرورت اس کی مجوز تھی۔ بالکل غلط اور خلاف واقع ہے۔ ہبوط آدم اور بنائے عالم کو دو ہزار برس سے زیادہ ہو چکے تھے۔ دنیا میں معاشرت۔ تمدن۔ اخلاق۔ تہذیب اور ہر قسم کے ابتدائی علوم و فنون جاری ہو چکے تھے۔ مختلف اقوام و قبائل اور متفرق فرقے اور طریقے قایم ہو چکے تھے۔ تمام اقطاع عالم میں انسانی آبادی قایم ہو چکی تھی اور حضرت نوح ع کی اولاد نے کرۂ ارض کا کوئی حصہ ایسا نہیں چھوڑا تھا جہاں سکونت نہ اختیار کی ہو۔ اس بنا پر قلت نسل آدم ع اور ضرورت آبادی عالم کا عذر بدتر از گناہ ہے۔

اگر زمانہ آدم کے بھائی بہنوں کے ازدواج کی مثال پیش کی جائے گی۔ تو اول تو ہم اسکو کبھی صحیح نہیں کہیں گے دوسرے اگر صحیح مان بھی لیں۔ تاہم وہ بھائی بہن کا واسطہ تھا۔ اور اوس زمانہ کی غایت اور لابدی ضرورت بھی تھی۔ جب حقیقتاً مردوں کے لئے عورتوں کا۔ عورتوں کے لئے مردوں کا ملنا ناممکن تھا۔ مگر بخلاف اوسوقت کے اس وقت تو باپ بیٹی کا علاقہ بتلایا جاتا ہے جو بھائی بہن کے تعلقات سے کہیں زیادہ شرمناک ہے۔ اور پھر اوس وقت جب دنیا میں اس کثرت سے عورت مرد موجود ہیں کہ بھائی کو بہن کی ضرورت نہیں ہے تو پھر باپ کو بیٹی کی کب حاجت ہو سکتی ہے۔

کوتہ بین عیسائی معترضین آنکھیں کھولکر اپنی کتاب مقدس میں ان ناپاک اور حد سے زیادہ شرمناک واقعات کو ملاحظہ کریں۔ اور خود تصفیہ کرلیں کہ آیا اون کے عقاید میں ایک خدا کے بھیجے ہوئے خدا کے سچے رسول صلعم کے ایسے ہی اخلاق ہوتے ہیں اور اون کی اولاد و اعقاب کے ایسے ہی آداب ہیں ؟

اب رہا مسلمانوں کے نزدیک جناب لوط ع کی بھی تنزیہ و تقدیس ویسے ہی ثابت ہے جیسے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی۔ اون کے تمام طرز عمل ویسے ہی پاک و صاف اور اون کی ذات ویسی ہی مقدس و مطہر ہے جیسی ایک نبی ع اور رسول برحق کی ہونی چاہئے۔ یہ تمام واقعات نہ ارشاد الہامی مانے جا سکتے ہیں اور نہ الفاظ وحی تسلیم کئے جا سکتے ہیں۔ یہ تمام لغویات یہود و نصاریٰ مولفین و مدونین کتب قدیمہ کے مفتریات و موضوعات ہیں جنہوں نے اپنے افعال رذیلہ اور مراسم ذمیمہ کی قدامت جواز کیر ضرورت سے ان کے ارتکاب کو انبیائے سابقین کے نفوس مطہرہ کے ساتھ منسوب کیا ہے اس سراپا لغو و افترا کی حقیقت اتنی ہی ہے جتنی قرآن مجید میں قلمبند ہے اور باقی تمام مفتریات ہیں اور موضوعات۔ ڈاکٹر سر سید احمد خاں نے جو ان لغویات کی صحیح تحقیق فرمائی ہے وہ عیسائی مترجمین توریت

کی غلط فہمی کا پورا انکشاف کرتی ہے۔ ذیل میں اون کی عبارت ملاحظہ ہو۔

حضرت لوط اور اون کی دونوں بیٹیوں کی نسبت جو اس مقام پر لکھا ہے۔ عیسائی اون سب کو قبول کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ حضرت لوط نے اپنی صلبی بیٹیوں سے مقاربت کی تھی مگر ایسا یقین کرنا درحقیقت تضحیک کے قابل ہے۔ اگر ایسا ہوا تو کیا یہ ایک مقدس شخص کی تہذیب اور متانت کے مناقض نہیں ہے۔ اور کیا حضرت لوط جیسے پاک شخص کے خلاف شان نہیں ہے مسلمان اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور قرآن مجید میں اگرچہ حضرت لوط کا قصہ مذکور ہے۔ مگر اوس میں یہ بات کہ اونھوں نے اپنی بیٹیوں سے مقاربت کی تھی۔ مذکور نہیں ہے۔ توریت مقدس میں جو کچھ بیان ہے اوس کی نسبت ہم خیال کرتے ہیں کہ جو معنی عیسائی مصنفین نے لئے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ آٹھویں درس میں حضرت لوط کا یہ قول لکھا ہے کہ مرا دو دخترے است کہ مردے راندانستہ اند۔ تمنا اینکہ ایشاں را بشما بیروں آرم و با ایشاں آنچہ در نظر شما پسند آید بکنید۔

قرآن مجید میں اس جگہ تثنیہ کا لفظ (صیغہ) نہیں ہے۔ بلکہ جمع کا ہے۔ جیسا کہ سورۂ ہود میں ہے۔ ھؤلاء بناتی ھن اطھر لکم اور سورۂ حجر میں ہے۔ قال ھؤلاء بناتی ان کنتم فاعلین۔ مسلمان عالموں کا قول مختار یہ ہے کہ لفظ بنات سے حضرت لوط کی صلبی بیٹیاں مراد نہیں ہیں بلکہ قوم کی عورتیں مراد ہیں اور یہ بات حضرت لوط نے اس مراد سے کہی تھی۔ جیسی کہ وہ ہمیشہ اون کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ تم اپنی خراب عادت۔ فعل خلاف فطرت انسانی چھوڑ دو اور عورتوں سے نکاح کرو اور اون کے ساتھ رہو کہ وہ تمہارے لئے پاکیزہ زندگی ہے۔ توریت مقدس میں اس مقام پر لفظ بنوت آیا ہے جو بہ معنی بنت کے ہے مگر جس طرح عربی زبان میں لفظ بنت کا استعمال سوائے اصلی بیٹیوں اور عورتوں پر بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح عبری زبان میں بھی عام عورتوں پر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ولیم اسمتھ صاحب کی عبرانی ڈکشنری میں لفظ بت اور بنوت کے متعلق لکھا ہے کہ وہ عام عورتوں پر بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ کتاب امثال سلیمان باب ۳۱ درس ۱۹ میں استعمال ہوا ہے۔ پس اس مقام میں بھی اس لفظ سے اصلی بیٹیاں مراد نہیں ہیں۔ عام عورتیں مراد ہیں۔ بلکہ غالباً لونڈیاں۔ کیونکہ حضرت لوط کی جو بیٹیاں تھیں۔ جیسا کہ سفر تکوین باب ۱۹ درس ۱۴ میں لکھا ہے۔

اون کی شادیاں ہو چکی تھیں اور اون کے شوہر موجود تھے۔ اور جب حضرت لوط شہر سدوم سے فرار ہوئے تو اون کے داماد اور اون کی بیٹیاں اون کے ساتھ نہیں گئیں۔ صرف حضرت لوط کی بیوی اور وہی دو عورتیں جنکا ذکر اوپر ہوا اور جن کو بیٹیاں کر کے تعبیر کیا ہے اور جو غالباً لونڈیاں تھیں۔ ساتھ گئیں رستے میں اون کی بیوی زندہ نہ رہیں۔ صرف دو چھوکریاں اون کے ساتھ تھیں۔ قرآن مجید میں اگرچہ اس مقاربت کا جو منافر کوہ میں ان دونوں چھوکریوں نے حضرت لوط کے ساتھ کی۔ کچھ ذکر نہیں ہے۔ اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جاوے تو بھی ان دونوں چھوکریوں کا حضرت لوط کی اصلی بیٹیاں ہونا۔ اُن وجوہات سے جو ہم نے اوپر بیان کیں۔ قابل یقین نہیں ہے۔ اور جب وہ لونڈیاں تھیں تو اون کے ساتھ مقاربت گو کہ وہ زہو کے ہی سے ہو۔ بموجب اوس زمانہ کی شریعت کے ناجائز نہ تھی۔ سفر تکوین باب ۱۹ درس ۳۲ و ۳۴ میں لکھا ہے کہ ان دونوں چھوکریوں نے حضرت لوط کو باپ کہکر تعبیر کیا ہے۔ اس کہنے سے بھی اون چھوکریوں کا اصلی بیٹیاں ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ باپ کا لفظ بہت زیادہ عام ہے۔ اور اوس کا اطلاق۔ مالک۔ بزرگ شخص پر بھی ہو سکتا ہے۔ خطبات احمدیہ ص ۸۸ مطبوعہ لاہور

(۲) جناب داؤد اور (نعوذ باللہ) زنائے محصن۔ سموئیل ثانی کی کتاب میں حضرت داؤد علیٰ نبینا و علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے:-

ایک دن شام کو ایسا ہوا کہ داؤد اپنے بچھونے پر سے اوٹھا اور بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا۔ اور وہاں سے اوس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ نہایت خوبصورت تھی۔ تب داؤد نے اوس عورت کا حال دریافت کرنے کو آدمی بھیجے۔ اونہوں نے کہا وہ الغام کی بیٹی بت سبع حتی ہے اور اوریا کی جورو نہیں۔ اور داؤد نے آدمی بھیجکر اوس عورت کو بلا لیا۔ چنانچہ وہ داؤد کے پاس آئی اور وہ اُس سے ہم بستر ہوا۔

کیونکہ وہ اپنی ناپاکی سے پاک ہو چکی تھی۔ اور وہ اپنے گھر کو چلی گئی۔ اور وہ عورت حاملہ ہو گئی سو اوس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں۔ تب داؤد نے یوآب کو لکھ بھیجا کہ اوریاہ اور حتی کو میرے پاس بھیجدے۔ سو یوآب نے اوریاہ کو داؤد پاس بھیجدیا۔ اور جب اوریاہ آیا تو داؤد نے اوس سے پوچھا کہ یوآب کیسا ہے اور لوگوں کا

حال کیا ہے اور جنگ کے کام کیسے انجام ہوتے ہیں پھر داؤد نے اوریاہ کو کہا کہ اپنے گھر جا اور اپنے پاؤں دھو۔ اوریاہ جو بادشاہ کے محل سے نکلا تو بادشاہ کی طرف سے اوس کے پیچھے پیچھے ایک خوان بھیجا گیا اور اوریاہ بادشاہ کے گھر کے آستانہ پر اپنے خداوند کے سب خادموں کے ساتھ سو رہا۔ اور اپنے گھر نہ گیا اور جب داؤد نے اوریاہ کو کہا کہ کیا تو سفر سے گھر نہیں آیا پس تو اپنے گھر کیوں نہ گیا۔ تب اوریاہ نے داؤد سے کہا کہ صندوق اور اسرائیل اور یہوداہ خیموں میں رہتے ہیں اور میرا خداوند یوآب اور میرے خداوند کے خادم کھلے میدان میں پڑے ہوئے ہیں۔ پس میں کیونکر اپنے گھر جاؤں اور کھاؤں پیوں اور اپنی جورو کے ساتھ سو رہوں۔ تیری حیات اور تیری جان کی قسم کہ میں یہ کبھی نہ کروں گا۔ صبح کو داؤد نے یوآب کے لئے ایک خط لکھا اور اوریاہ کے ہاتھ میں دے کے اوسے بھیجا۔ اوس نے خط میں یہ لکھا کہ اوریاہ کو سخت لڑائی کے وقت اگاڑی کیجیو اور اوس کے پاس سے پھر آئیو کہ وہ مارا جاوے اور جاں بحق ہو اور ایسا ہوا۔ یوآب جو اوس شہر کے گرداگرد کی حالت دیکھنے گیا تو اوس نے اوریاہ کو ایسے مقام پر جہاں اوس نے جانا کہ جنگی لوگ وہاں نہیں پہونچیں گے مقرر کیا۔ اوس شہر کے لوگ نکلے اور یوآب سے لڑے اور وہاں داؤد کے خادموں سے تھوڑے سے لوگ کام آئے اور حتی اوریاہ مارے گئے۔ اور اوریاہ کی جورو اپنے شوہر اوریاہ کا مرنا سنکر سوگ میں بیٹھی۔ اور جب سوگ کے دن گذر گئے تو داؤد نے اوسے اپنے گھر میں بلوا لیا۔ اور وہ اوس کی جورو بنی اور اوس کے لئے بیٹا جنی۔ پر وہ کام جو داؤد نے کیا تھا۔ خدا وند کی نظر میں برا معلوم ہوا۔ سموئیل کی کتاب (درس ۲-۲۷ ص ۲۷۶ سر مطبوعہ لاہور)

توریت مقدس کی مرقومہ بالا عبارت نے۔ اس مقدس پیغمبرؐ کی نسبت (نعوذ باللہ) بدکرداری بداخلاقی اور بداعمالی سب کچھ تو لکھ کر بتلا دیا کیا اوٹھا رکھا۔ معاذ اللہ زن محصنہ پر متصرف ہونا۔ اور اوس کے حاملہ ہو جانے کے بعد اوس کے اخفائے حمل اور اپنے اخفائے جرم کے لئے اوس کے شوہر کو میدان جنگ سے۔ صرف اس غرض کے لئے طلب کر لینا کہ وہ حمل اسکے ساتھ منسلک ہو جاوے اور پھر شوہر (اوریاہ) کو مکرر گھر جانے اور سونے کی تاکید کرنا۔ بد قسمت اوریاہ کا اپنی عقیدت و خلوص کے اظہار سے داؤد کے آستانہ نبوت کی حاضری کو اہل و عیال کے ساتھ رہ کر آرام پانے اور عیش اوٹھانے پر ترجیح دینا۔ اس بنا پر گھر جا کر آرام کرنے سے انکار کرنا۔ داؤد کا مجبور ہو کر اسکو

پھر معرکہ جنگ پر واپس دینا اور اپنے افسر جنگ کو اوس کے قتل کر دینے کے لئے خاص شقہ شاہی لکھنا۔ اور اس عمل و ترکیب سے اوس غریب اور اجل نصیب اوریاہ کی جان لینا۔ وہ ناپاک اور گندے واقعات ہیں۔ جو عام انسانوں کے عادات واطوار کے مخالف ثابت ہو رہے ہیں چہ جائیکہ انبیائے کرام کے افعال و کردار ثابت ہوں۔ کبھی ممکن ہے کہ خدا پرستی کی تعلیم دینے والا ہوا پرستی کی ناپاکیوں میں مبتلا ہو یہ تمام مفتریات ہیں اور بالکل لغویات قرآن مجید ان مزخرفات کا نہ ذکر کرتا ہے اور نہ اسکی تصدیق۔ حقیقت اتنی معلوم ہوتی ہے کہ اوریاہ کے مرجانے کے بعد اوس کی بیوہ سے بعد انقضائے ایام عدت۔ حکم شریعت کے مطابق نکاح کر لیا گیا اور اوسکو مشکوئے نبوت میں داخل ہونے کا اعزاز خاص بخشا گیا۔

(۳) داؤد کے صاحبزادے امنون اور بہن سے زنا بالجبر

اوسی کتاب سموئیل ثانی میں۔ حضرت داؤد کے صاحبزادے امنون کے یہ حرکات لکھے ہیں:۔

داؤد کے بیٹے ابی سلوم کی ایک خوبصورت بہن تھی۔ جس کا نام تمر تھا۔ اوس پر داؤد کا بیٹا امنون عاشق ہوا۔ امنون ایسا بے چین ہوا کہ اپنی بہن تمر کے لئے بیمار پڑا کیونکہ وہ کنواری تھی۔ سو امنون نے اوس سے کچھ کرنا اپنے لئے دشوار جانا۔ اور داؤد کا بھائی سمعہ کا بیٹا یونادب امنون کا دوست تھا۔ یہ یونادب بڑا عاقل شخص تھا۔ سو اوس نے کہا کہ تو بادشاہ کا بیٹا ہو کے کیوں دن بدن دُبلا ہوتا جاتا ہے۔ تب امنون نے اُس سے کہا کہ میں اپنے بھائی ابوسلوم کی بہن تمر پر عاشق ہوں۔ سو یونادب نے اُس سے کہا کہ تو بستر پر پڑا رہ۔ اور اپنے تئیں بیمار بنا اور جب تیرا باپ تجھے دیکھنے آئے تو تو اوس سے کہیو میری بہن تمر کو پروانگی دیجئے کہ آئے اور مجھے کھلائے اور میرے سامنے کھانا پکائے تاکہ میں دیکھوں اور اوس کے ہاتھ سے کھاؤں۔ تب امنون پڑا رہا۔ اور اپنے تئیں بیمار بنایا اور جب بادشاہ اوسے دیکھنے آیا تو امنون نے بادشاہ سے کہا کہ میری بہن تمر کو آنے دیجئے کہ وہ میرے سامنے دو ایک پھلکے پکائے تاکہ میں اوس کے ہاتھ سے کھاؤں۔ سو داؤد نے تمر کے گھر کہلا بھیجا کہ تو ابھی اپنے بھائی امنون کے گھر جا اور اوس کے لئے کھانا پکا۔ سو تمر اپنے بھائی امنون کے گھر گئی۔ اور وہ بستر پر پڑا ہوا تھا۔ اوس نے آٹا لیا۔ گوندہا اور اُسکے سامنے پھلکے پکائے اور اونکو لیکے ایک قاب میں دہرا۔ اور اُس کے سامنے رکھ دیا۔ پر اوس نے کھانے سے انکار کیا۔ تب امنون نے کہا سب مرد میرے

پاس سے باہر نکل جاویں۔ سو ہر ایک شخص اوس کے پاس سے اوٹھ گیا۔ تب امنون نے تمر کو کہا کہ کہانا کوٹھری کے اندر لاؤ کہ میں تیرے ہاتھ سے کھاؤں گا۔ تب تمر نے وہ پھلکے جو اپنے ہاتھ سے پکائے تھے۔ لئے اور کوٹھری میں اپنے بھائی امنون کے پاس آئی اور جب وہ کھانا اوس کے سامنے لائی کہ اوسے کھلائے تو اوس نے اوسے پکڑا اور اوس سے کہا کہ اے میری بُوا آ مجھ سے ہمبستر ہو۔ وہ بولی۔ نہیں بھیّا۔ مجھے رُسوا نہ کر کہ اسرائیل میں ایسا کام کرنا اچھا نہیں ہے۔ سو تو ایسی احمقی مت کر۔ اور میں کیا کروں گی کہ میری رسوائی دفع ہو۔ اور تو اسرائیل کے احمقوں میں سے ایک کے مانند ہوگا۔ پس آپ بادشاہ سے کہیئے کہ۔ وہ مجھے تم سے منع نہ کرے گا۔ لیکن اُس نے اوس کی بات نہ مانی کہ وہ اوس سے زورآور تھا۔ سو اوس سے زبردستی کی اور اُس سے ہمبستر ہوا۔ سموئیل نبی کی کتاب نمبر (۲) باب ۱۳ ورس ۱۰ تا ۱۴ ص ۲۸۴ مطبوعہ لاہور

آل داؤد کے متعلق یہ ایک طول و طویل داستان ہے جو حقیقتاً باعتبار اخلاق و تہذیب کے نہ قابل ذکر ہے نہ لایق بیان۔ نعوذ باللہ۔ پیغمبرؐ کے ناقابل ذکر کردار تو خیر ایک شخص کی عورت کی خرابی تک محدود درہ کر ختم ہو گئے۔ مگر پیغمبر زادے کے حرکات نے تو ماں بہن کی تمیز بھی باقی نہ رکھی اسی سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ منصب نبوّت کیا اور درجہ رسالت کہاں یہ حضرات تو عام اخلاق و تہذیب انسانی کی معمولی منزلت پر بھی فائز نہیں تھے۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ مسلمانوں کے عقاید میں یہ سب یہود و نصاریٰ کے افترایات و موضوعات ہیں اور کچھ بھی نہیں۔

(۴) حضرت سلیمان کا اظہار تعشق

حضرت داؤد کے بعد جناب سلیمان کے متعلق مفصلہ ذیل لغویات کی نسبت کی جاتی ہے۔ حضرت سلیمان عم کی غزل الغزلات میں ہے۔ اپنی زوجہ کی تعریف حسن۔ اور اُسکے ساتھ اظہار شوق میں فرمایا جاتا ہے۔

اے میری جان تو شکیل۔ دیکھ تو خوبصورت ہے۔ تیرے رخسار تیری چادر کے پیچھے آدھے انار کے مانند ہیں تیری چھاتیاں آہو کے دو بچوں کے مانند ہیں جو ایک ساتھ پیدا ہوئے۔ اے میری بہن بُوا میری زوجہ۔ تو نے میرا دل غارت کیا۔ اے میری بہن، میری زوجہ۔ تیرا عشق کیا خوب ہے۔ تیری محبت مے سے کتنی زیادہ لذیذ ہے۔ اے میری زوجہ، شہد و شیر تیری زبان کے تلے ہیں۔ اے میری بوا اے میری زوجہ۔ تو ایک مقفل باغچہ اور بند کیا ہوا ایک پانی کا سوتا ہے۔

(ب) اے میری جانی۔ تو ترضہ کے مانند خوبصورت ہے .... میرے ساتھ بیگمیں اور انشی حرمیں (لونڈیاں) اور بشمار کنواریاں ہیں۔ پر میری پاک پاکیزہ کبوتری بےنظیر ہے۔

(ت) معشوق کا سراپا بیان ہوتا ہے۔

اے میری شاہزادی۔ تیرے گرگابیاں پہنے ہوئے پاؤں کیا خوب معلوم ہوتے ہیں۔ تیرے کولھوں کی گلائی جواہر کی لڑی کے مانند ہے۔ تیری ناف گول پیالہ ہے۔ تیرا پیٹ گیہوں کی ڈھیری کے مانند ہے۔ تیری دونوں چھاتیاں دو آہو بردوں کے مانند ہیں۔ تیری گردن ہاتھی دانت کا برج ہے۔ تیری ناک لبنان کی برج کی مثال ہے۔ اے محبوبہ تو کیسی جمیلہ ہے۔ عیش کے لئے تو کیسی جانفزا ہے۔ تیری قامت تاڑ کی مثال ہے۔ تیری چھاتیاں انگوروں کے گچھوں کے مانند ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اس تاڑ پر چڑھوں گا اور اوس کی شاخوں کو تھام رکھوں گا۔ فی الحال تیری دونوں چھاتیاں انگوروں کے گچھوں کے مانند ہوں اور تیرے نتھنوں کا رائحہ سیب کے ایسا ہو اور تیرا تالو اوس مے کے مانند ہو۔ جو بہتر سے بہتر ہو۔ غزل الغزلات سلیمان باب ۷ درس ۱-۹۔

نعوذ باللہ من ذلک۔ ایک مقدس پیغمبر کی زبان سے ایسے نفرت انگیز کلام جس کے لفظ لفظ سے دنیاوی تعیش اور شہوت پرستی کی خبیث عادتوں کی نحوست اور انہماک ثابت ہوتا ہے۔ خدا کا جاننے والا۔ اور رسول کا پہچاننے والا شخص کبھی کہہ سکتا ہے کہ یہ خدا کے بھیجے ہوئے رہبر اور ہادی عالم کا ارشاد ہے۔ یا کسی متوالے کی بڑ۔

(۵) خدا کی دو خولہ عورتیں اور اون کی زناکاریاں۔

حزقیل نبی کی کتاب باب ۲۳ میں یہ ناشنیدہ داستان مذکور ہے۔ نقل کفر کفر نباشد۔ جناب حزقیل فرماتے ہیں۔

خداوند کا کلام مجھے پہونچا۔ اوس نے کہا کہ اے آدم زاد۔ دو عورتیں تھیں۔ جو ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھیں۔ اونہوں نے مصر میں زناکاری کی۔ وہ اپنی جوانی میں یار باز ہوئیں۔ وہاں اون کی چھاتیاں ملی گئیں اور وہاں اون کے بکر کے پستان چھوئے گئے۔ ان میں بڑی کا نام اہولہ اور اوس کی بہن کا نام اہولیبہ تھا۔ اور وہ میری جورواں ہوئیں۔ (نعوذ باللہ) اور بیٹے بیٹیاں جنیں۔ اون کے نام اہولہ سمرون اور اہولیبہ یروشلم ہوئے۔

اہولہ۔ جن دنوں میری تھی۔ چھنالا کرنے لگی۔ اور اپنے یاروں پر یعنی اسوریوں پر جو ہمسایہ تھے عاشق ہوگئی۔ کہ وہ سردار لشکر اور حاکمان ملک تھے۔ اور سب کے سب دل پسند اور جوانمرد سوار تھے۔ جو گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور ارغوانی پوشاک پہنے ہوئے تھے اس طرح اوس نے اون سب کے ساتھ۔ جو اسور کے برگزیدہ مرد تھے چھنالا کیا اور وہ اون سب کے ساتھ جن سے وہ عشقبازی کرتی تھی۔ اور اون کے سارے بتوں سے ناپاک ہوئی۔ اوس نے پر اوس زناکاری کو جو اوس نے مصر میں کی تھی۔ نہ چھوڑا۔ کیونکہ اونھوں نے اوس کی جوانی میں اوس کے ساتھ خلوت کی تھی اونھوں نے اوس کے بکر کے پستانوں کو ملا تھا۔ اور اپنی زنا اوس پر اونڈیلی تھی۔ اس لئے میں نے اوسکو اوسکے یاروں کے ہاتھ میں۔ ہاں اسوریوں کے ہاتھ میں۔ جن پر وہ مرتی تھی۔ کر دیا۔ اونہوں نے اوسکو بے ستر کیا۔ اوس کے بیٹے اور بیٹیوں کو چھین لیا اور اوسے تلوار سے مار ڈالا۔ سو وہ عورتوں کے درمیان رسوا ہوئی۔ کیونکہ اونہوں نے اوسے عدالت سے سزا دی۔

اوس کی بہن اہولیہ نے یہ سب کچھ دیکھا۔ پر وہ شہوت پرستی میں اوس سے بدتر ہوئی اور اوس نے اپنی بہن کی زناکاری سے زیادہ زناکاری کی۔ وہ بھی اسور یعنی اون سردار لشکروں اور حاکموں پر جو اون کے ہمسایہ تھے۔ جو بھڑکیلی پوشاک پہنتے تھے۔ اور گھوڑوں پر چڑھتے تھے اور سب کے سب دلپسند جوانمرد تھے عاشق ہوئی۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ بھی ناپاک ہوئی۔ اون دونوں کی ایک ہی رسم و راہ تھی۔ بلکہ اوس نے زناکاری زیادہ کی .... بابل کے بیٹے اوس پاس آ کے عشق کے بستر پر چڑھے اور انہوں نے اوس سے زنا کر کے اوسے آلودہ کیا اور جب وہ ان سے ناپاک ہوئی۔ تو اوسکا جی اُنسے بھر گیا۔ تب اوس کی زناکاری علانیہ ہوئی اور اوس کی برہنگی بے ستر ہوئی۔ تب جیسا میرا جی اوس کی بہن سے ہٹ گیا تھا ویسا ہی میرا دل اوس سے بھی ہٹ گیا۔ تب بھی اوس نے اپنی جوانی کے دنوں کو یاد کر کے۔ جب وہ مصر میں چھنالا کرتی تھی۔ زناکاری پر زناکاری کی سو وہ پھر اپنے یاروں پر مرنے لگی۔ جن کا بدن گدہوں کا سا بدن اور جنکا انزال گھوڑوں کا سا انزال تھا۔ باب ۲۳ درس ۱-۲۳

کیا ایسے فحش اور ناپاک مضامین کی نسبت بھی کسی تصریح و تشریح کی کوئی ضرورت باقی ہے۔ مجھ کو ان فضیحت خیز اسناد کی نقل سے خود غیرت آتی ہے اور مجھکو خود اسکا اقرار ہے کہ میں نے اپنے تبصرہ کے

خاتمہ کو تہذیب قلمی اور آداب تحریری سے نہایت فروتر کر دیا ہے۔ لیکن المامور معذور۔ اوپر عرض کر چکا ہوں کہ استدلال کی ضرورت اور صورت حال کی مناسبت نے مجھکو قطعاً مجبور کر دیا ہے۔ ورنہ کہاں میرا تبصرہ اور کہاں دنیا کا مضحکہ۔

کیا کوئی شخص سر میں دماغ اور دماغ میں فہم سلیم اور عقل مستقیم رکھ کر ان فواحشات کو الہامات سمجھ سکتا ہے۔ یا کبھی دھوکے سے بھی کسی نبی مرسل کے بیانات تسلیم کر سکتا ہے۔ عیسائی ان معتقدانہ مکاشفات اور محققانہ تحقیقات کے جواب میں ان شرح و بیانات کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ واقعات نہیں ہیں بلکہ قوم بنی اسرائیل اور ساکنین بیت المقدس کی بداعمالیوں کی مختلف صورتیں تلمیحات خطابیہ کے پیرایہ میں بغرض عبرت پذیری دکھلائی گئی ہیں۔

ہم اس کو تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیتے ہیں۔ لیکن عرض کرتے ہیں کہ کیا جناب باری عز اسمہ یا اوس کے فرستادہ برحق حضرت حزقیل کو ہدایت قوم کے لئے۔ خدمات تبلیغ کی ادکاری کے موقع پر تمثیل و تلمیح کی ضرورت سے کوئی اور صورت و عنوان بیان نہیں ملتا تھا۔ جو ایسے ناپاک اور نفرت انگیز فحش الفاظ میں اس کی حقیقت تمثیلی اور عبارت تفصیلی قایم کی گئی۔ اگر ان دونوں فاحشہ عورتوں کی تمام داستان عنوان تمثیلی کا حکم رکھتی ہے۔ تو نعوذ باللہ۔ جناب لوط۔ حضرت داؤد۔ اور اون کے صاحبزادے عموں کی بدکرداریوں کے متعلق۔ جو اوپر مذکور ہو چکی ہیں کیا جواب پیش کیا جاتا ہے ھاتوا برھانکم ان کنتم لا تعلمون۔

عیسائی معترضین سے استفسار ہے کہ جب آپ کی کتب مقدسہ سے انبیاے کرام کے اخلاق اون کی تہذیب اون کے آداب اور اون کی معاشرت کے حالات سے ایسے نفرت انگیز اور ناپاک اطوار و عادات ثابت ہوتے ہیں۔ تو آپ اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کی ایسی مقدس اور پاک و پاکیزہ معاشرت۔ اخلاق و آداب پر ادہر اودھر کے محض موضوعات اور غیر معتبر و غیر مستند مرویات پر موتھ آنے کا کیا حق رکھتے ہیں۔ جن کی حقیقت اور اصلیت اوپر بالتفصیل و تحقیق ثابت کر دیگئی ہے۔

عیسائیوں کی آثار اسلامی سے بالکل ناواقف کاری

حقیقتاً عیسائی مولفین یا کسی مخالف فرقہ کے مصنفین سے حقیقت نویسی کی امید ایک خیال موہوم ہے۔ اول تو اون کے لئے مخالفت آغاز ہی سے سرراہ ہوتی ہے۔ دوم اون کی عدم واقفیت اور کمی اطلاع بھی اکثر اون کو حقیقت سے دور ڈال دیتی ہے۔ گاڈفری ہینگس (GODFREY HINGS) مارگیولوس (MARGOLIOUTH) کارلائل (CARALAYAL) اور گبن (GIBBON.) وغیرہم یوروپ کے مشہور

معروف فاضل اور محقق کامل ہیں۔ مگر اون کی تصانیف و تالیف بھی ان فروگذاشتوں سے خالی نہیں گاڈفری ہگنس نے اپنی دانست میں اپالوجی لکھی ہے جو ۱۸۲۹ء میں بمقام لندن سے شائع ہوئی ہے۔ اوس کتاب میں گویا اسلام کے متعلق تمام اعتراضات کی معقول معذرت دکھلائی ہے۔ مگر حقیقت میں آپ حضرات خوب جانتے ہیں کہ وہ ایک طرف تو اسلام کی جانب سے معذرت کرتے ہیں اور دوسری طرف سے اسلام پر خود حملے کرتے ہیں۔ یہی حالت مارگیولوس کی ہے۔ پڑھنے کو تو یہ انگریزی فاضل مسند امام حنبل کی چھ ضخیم جلدیں پڑھ گیا۔ مگر نتیجہ کیا نکلا معلوم ہم شد کہ ہیچ معلوم نشد۔ جب اپنی کتاب لکھنے بیٹھے تو اوس میں اسلام کی بدخواہی، بدنمائی اور رسوائی کا کوئی پہلو اوٹھا نہ رکھا۔

یہ تو مخالفت، تعصب اور خاص نفسانیت کی وجہ سے عیسائی مصنفین کو اسلامی تصانیف کے وقت دقتیں پیش آتی ہیں اس کے بعد حقیقت اور اصلیت سے ناواقفیت ایک دوسری آفت ہے جو اون کے سر آتی ہے۔ یورپ کے موجودہ تحقیقات کے کمال اور ترقی اور اونکے علم و فضل کی روشنی کو کون نہیں جانتا۔ خاص اسلام کے متعلق اون کی ایک سے لیکر ہزار تک تصنیفات و تالیفات تیار ہیں۔ مگر ایک حقیقت کا ماہر اون کے ان لاتعداد دفاتر اور بے شمار ذخائر کو بھی اسلام کی معرفت اور اوس کی نفس حقیقت معلوم کرنے کے لئے کبھی کامل نہیں کہہ سکتا۔

عیسائی مصنفین کی ناواقفیت اور کم علمی۔ اسلام کے اہم مسائل پر اپنی تحقیق کی کہاں تک روشنی ڈالے گی۔ تحقیق سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے محض معمولی اور عام امور سے بھی واقف نہیں ہیں۔ مثال کے لئے ہم مسٹر سیل (MR Sale) کے ترجمہ قرآن کے مقدمہ کی مفصلہ ذیل عبارت نقل کرتے ہیں۔

اگرچہ علماے یورپ کا یہ خیال کہ جناب رسول خدا صلعم مکہ میں مدفون ہوئے ہیں مسترد ہو چکا ہے لیکن ابھی تک اکثر مصنفین اپنی ناواقفکاری یا غفلت شعاری کے باعث سے جس میں صحیح حکم نہیں لگا سکتا۔ اس غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔ میں اس مقام پر صرف دو مصنفین کی نظیریں پیش کرونگا پہلے تو ڈاکٹر اسمتھ صاحب (Doctor Smith) ہیں جو ایک زمانہ تک خود ترکی میں رہ چکے ہیں۔ اس لئے اون سے ایسی فروگذاشت نہ قابل معافی ہوسکتی ہے نہ لائق واگذاشت " یہ فاضل اپنی کتاب کے تین متواتر مقامات پر لکھتا ہے کہ مسلمان مکہ میں اپنے پیغمبر کی زیارت کو جاتے ہیں۔ پھر اوسی کتاب میں دوسرے مقامات پر لکھتے

ہیں کہ پیغمبر اسلام مدینہ میں پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر اسمتھ کی کتاب اپیسل (Epicile)

جلد اول ص ۲۲ و جلد دوم ص ۴۶۳ و ۴۶۴ مطبوعہ لندن۔

ان سے بڑھ کر۔ سرجی۔ مینڈیول (Sir J. Mandevolie) کے سفرنامہ

کے مدبر صاحب ہیں۔ جنہوں نے اصل کتاب کے اس صحیح مضمون کو کہ پیغمبر اسلام کی قبر

مدینہ میں ہے (اصل کتاب ص ۵۰) غلط جانکر۔ مابین صفحہ خطوط ہلال کے اندر کر کے بنا دیا

ہے۔

انھیں کے ایسے اباٹ۔ ڈی ورٹاٹ (Abbot de Vertott) صاحب کی

حرکات ہیں۔ مقدمہ ترجمۃ القرآن مسٹر سیل صفحہ ۴ مطبوعہ لندن۔

ہماری کتاب اسوۃ الرسول ہم اپنے تبصرہ کے موجودہ مضامین و مباحث کو اس مقام پر بالتمامہ ختم کر دیتے ہیں۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ مرقومہ بالا تبصرہ میں معمول سے زیادہ طول ہو گیا ہے۔ لیکن ہماری ضرورت ہماری مجبوری افادۂ عام کی بنا پر اسی کی متقاضی تھی کہ سیرۃ النبی کے ابہامات۔ ضعافات احذافات۔ اسقاط اور استخفاف واقعات کے کامل مکاشفات کر دئے جائیں۔ اور شبلی صاحب کے اون اصول اور موضوع تالیف کی حقیقت اور اصلیت بتلا دی جاوے۔ جن کو سیرت نگاری اور تاریخ نویسی سے کوئی مناسبت نہیں۔ وہ تو شبلی صاحب کے خاص معتقدات ہیں۔ جو نہ جمہور کے متفقات کہے جا سکتے ہیں اور نہ مسلمات۔

نیز شبلی صاحب کے اصول تعمیم کا طریقہ ظاہر کر دینا ضروری تھا۔ جو حقیقتاً اون کے اصول عقاید کا ایک خاص ضمیمہ ثابت ہوتا ہے۔ اس اصول کو شبلی صاحب نے جس حفظ ماتقدم اور حزم و احتیاط سے اپنی تالیف میں از اول تا آخر۔ مدنظر رکھ کر تمام واقعات کو اسی کے مطابق قلمبند فرمایا ہے۔ اوسکی حقیقت اور ماہیت ہر موقع اور ہر مقام پر کھولدی گئی ہے اور اصلیت کھلادی گئی ہے۔ اسی کے ساتھ آپ کی عالم فریب انشا پردازی کی لا اصلی اور بے وجودی بھی ثابت کر دی گئی ہے۔ جو اپنے اپنے خاص موقع پر مذکور ہیں۔

تبصرہ میں ہر مبہم واقعہ کی صحیح تنقیح۔ ہر غلط واقعہ کی کامل تنقید و تحقیق اور ہر مشکوک قصہ کی تصحیح و ترمیم بطور تمثیل قلمبند کر دی گئی ہے۔ اور تفصیل اصل کتاب میں اپنے مقام پر مندرج ہے تبصرہ میں زیادہ تر اون واقعات کی حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے۔ جن کو شبلی صاحب نے کسی مصلحت سے مرفوع القلم فرما دیا تھا یا گھٹا بڑھا دیا تھا۔ یا تاریخ و سیرت کی ہیئت و صورت

سے نکال کر عقاید کے قالب میں اوتارا تھا اور اس حیلۂ قلمی سے اپنے مسلمات عقائد کو تاریخ و سیر کے واقعات و مشاہدات بتلا کر عوام سے تسلیم کرانا چاہا تھا۔

اس میں کوئی عذر نہیں ہے کہ ہم کو اون کے عقاید کی تنقید کی نہ کوئی ضرورت لاحق تھی اور نہ اون کی تردید کا کوئی حق حاصل تھا۔ اس لئے میری تنقید بیکار سمجھی جائے گی۔ لیکن اتنی عرض کر دینی ضروری ہے کہ عقاید اسلام کے متعلق۔ وہ واقعات مندرجہ سیرۃ النبی صلعم۔ جو منافی شانِ رسالت ظاہر ہوتے ہیں یا وہ مرویات جو مخالف قرآن اور معارض احادیث متفق علیہ ثابت ہوتے ہیں۔ اُنکو بغیر تنقید کیسے چھوڑا جا سکتا تھا۔

جس طرح ہر ایسے واقعہ کے متعلق تنقید و تحقیق سے کام لیا گیا ہے اوسی طرح شبلی صاحب کی عبارت و مضمون میں جن جن مقامات پر۔ ضرورت خاص سے تلمیحات اور استعارات۔ صرف استخفاف واقعات کے لئے۔ کام میں لائے گئے ہیں یا انشا پردازی اور عبارت آرائی کی قلمکاریوں سے سطحی الذہن اور محدود الاطلاع افراد قوم و ملت کو صرف مرعوب کر دینے کے لئے۔ کہیں منطق کے اسباب و علل۔ معانی و مطول۔ کہیں فلسفہ اور کلام کے رموز و غوامض۔ دلائل و مباحث پیش کر دئے گئے ہیں۔ اون کی اصلی تصریح و تشریح بھی کر دی گئی ہے۔

عبارت کتاب کے اکثر مقامات میں۔ اغراق۔ انفکاک اور خلاف سیاق اور دیگر اقسام کے اغلاط و اسقام کی عام حرف گیریوں سے چشم پوشی اختیار کی گئی ہے۔ اور اونکی حقیقت شناسی اور اصل فہمی کو ناظرین کے مطالعہ و مشاہدہ کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔

یہی ناگزیر ضرورتیں تھیں۔ جنہوں نے سیرۃ النبی صلعم کے بعد **اسوۃ الرسول**ؐ کی تالیف و اشاعت کو خاص اہمیت دے رکھی تھی۔ مولف نے ابتدا سے لیکر انتہائے تالیف تک انھیں امور ضروری کو کامل شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ مذہبی اور دینی واقعات کے حالات کو پہلے قرآن مجید کے ارشادات سے۔ پھر احادیث صحیحہ کی مرویات سے مقابلہ کر کے قلمبند کیا ہے۔

ملکی اور قومی وقائع اور سوانح کو تاریخ و سیر کے معتبر اور مستند ماخذوں سے مستند کیا ہے استنا د و استخراج کے طریقوں میں ہر واقعہ کی صحت اسناد میں وہ تمام اصول تحقیق قائم رکھے گئے ہیں جو ایک روایت کی تصدیق و توثیق کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔

تمدنی اور اخلاقی حالات و مرویات میں اونھیں واقعات کے اندراج پر اکتفا کی گئی ہے۔ جو اخلاق الٰہیہ آداب نبویہ اور نیز ملک و قوم کی مروجہ تہذیب و شائستگی کے مطابق ثابت ہوتے ہیں۔

تالیفات و تصنیفات کے ان اصول مسلّمات کی تفصیل و تعمیل میں شبلی صاحب کی طرح خودغرضانہ اور جانب دارانہ فیصلہ جات اور اقتباسات و استخراجات کا غلط طریقہ نہیں اختیار کیا گیا ہے اور بلا وجہ و ضرورت صرف حصول مدعا کی ضرورت سے۔ ایک فن کو دوسرے فن سے فروتر اور کمیا یہ نہیں قرار دیا گیا۔ یا ایک فن خاص کی مرویات و مندرجات میں دوسرے فن کے مرقومات و مذکورات ملا کر خلط مبحث کا معجون مرکب تیار نہیں کیا گیا ہے۔

سیرت نگاری کے موجودہ سیاق تحریر میں حدود و تنقید و تحقیق ضرور قائم رکھے گئے ہیں اور اس ضرورت میں استدلال کلامیہ سے بھی کام لینا ہوا ہے لیکن واقعات کی تنقید و تحقیق میں نہ اتنی جدت دکھلائی گئی ہے۔ اور نہ اپنی اصابت رائے کی قائم رکھنے کی بنا پر اتنی شدت اختیار کی گئی ہے کہ تاریخ و سیرت کے مضامین کلام و مناظرہ کے میگزین بن جائیں۔ یا اپنی جدید تحقیق اور مجدد بننے کے شوق و تمنا میں سیرت نگاری اور تاریخ نویسی کے عام فہم اور سلیس طریقۂ تحریر کو۔ جو آغاز فن سے لیکر اس وقت تک تمام علماے متقدمین و متاخرین کا مختار قرار پاچکا ہے فلسفہ تاریخ کی جدید اور یوروپین طریقہ تالیف کی تقلید کی موجودہ صورت و ہیئت میں بدلدیا گیا ہے اور نہ علم قدامت کے انکشافات جدیدہ کے ہر ممکن و ناممکن قیاسات کی بنا پر واقعات تاریخی کی اتنی چھان بین اور اون کی ایسی ہندی کی چندی کی گئی ہے کہ ثبوت استدلال کے طومار و انبار میں اصل مطلب مفقود اور لا وجود ہو جاوے حقیقت واقعہ اور اصلی صورت حال تو غائب ہو جائے۔ مصنف کا صرف خارجی اور سطحی استدلال باقی رہ جاوے۔

اس مسلک اور اس طریقہ تالیف کے خلاف اسوۃ الرسول صلعم میں ہر مسئلہ۔ ہر واقعہ کی اصل حقیقت کے انکشاف کر دئے جانے کو فرض اول قرار دیا گیا ہے۔ اور اون کی تفصیل و بیان میں اسی قدر وسعت دی گئی ہے جس قدر سہولیت اور عام قبولیت کے لحاظ و اعتبار سے ضروری تھی۔ مختلف فیہ مسائل میں کثرت رائے کو ترجیح دی گئی ہے اور وہی واقعات درج کئے گئے ہیں جو مقبولیت اور معقولیت دونوں حیثیت رکھتے ہیں۔ نقل روایات میں ضعاف و احادیث سے کہیں بھی کام نہیں لیا گیا۔ اگرچہ شبلی صاحب نے انکے قابل الاستناد ہونیکا بھی عام فتوی دیدیا ہے۔

دیباچہ سیرۃ النبی ص ۱۶۱ ۱ ء

واقعات کی ترتیب باعتبار سنین کی گئی ہے اور ہر سال کے سلسلہ واقعات میں تقدیم و تاخیر وقوع کی ترتیب قائم رکھی گئی ہے۔ ایسے واقعات جن کے ایام وقوع کی تعیین میں اختلاف ہے۔ کثرت اقوال پر اعتبار کیا گیا ہے۔ ایسے واقعات جنکی تفصیل ضروری نہیں سال وقوع کے آخر میں تذکرۃً لکھ دئے گئے ہیں۔

مرقومہ بالا ترتیب و تدوین کے مطابق اسوۃ الرسول صلعم۔ پانچ جداگانہ حصوں میں مرتب اور مدّون ہوئی ہے۔

پہلے حصہ میں۔ ملک عرب کی قدامت۔ قدیم قبائل و عشائر کے تفصیلی حالات۔ عرب کے تمام جغرافی اور تاریخی خصوصیات۔ عرب کے تمام قدیم انبیاء و مرسلین۔ اونکی تبلیغ رسالت اون کی قوم و امت کے واقعات۔ عرب کے تمام قدیم سلاطین۔ اون کا طرز حکومت نظام عرب عرب میں جناب ابراہیم کا ورود۔ بنائے کعبہ حضرت اسمٰعیل اور اون کی والدہ مقدسہ۔ حضرت اسمٰعیل اور اون کی اولاد و اعقاب۔ تولیت کعبہ۔ امارت مکہ کے مسلسل اور مفصل حالات۔ نابت ابن اسمٰعیل کے زمانہ سے لیکر حضرت عبدالمطلب کے ایام تولیت و امارت تک مندرج ہیں۔

دوسرے حصہ میں آنحضرت صلعم کی ولادت۔ حضرت عبدالمطلب کی وفات۔ حضرت ابیطالب کی تولیت و امارت کا زمانہ۔ آنحضرت صلعم کی بعثت۔ مکہ میں تبلیغ رسالت۔ مدینہ میں ہجرت فرمانے کے وقت سے لیکر غزوہ خیبر سنہ ۶ ہجری تک کے تمام حالات و واقعات مرقوم ہیں۔

تیسرے حصہ میں سنہ ۶ ہجری سے لیکر سنہ ۱۱ ہجری سال وفات تک کے تمام احوال قلمبند ہیں۔

چوتھے حصہ میں آنحضرت صلعم کی اولاد و ذریات۔ ازواج مطہرات اور متروکات وغیرہ کی تفصیل درج ہے اور اسی تفصیل کے ساتھ آپ کے مکارم اخلاق۔ محاسن عادات۔ اقوال و ارشادات قلمبند کئے گئے ہیں۔

پانچویں حصہ میں آنحضرت صلعم کی خاص رسالت اور قرآن مجید کی ہدایت سے بحث ہے رسالت کے متعلق تعلیم عقاید۔ اوامر و مناہی۔ اصلاح حال و اعمال۔ درستی اخلاق و معاشرت۔

تمام ضروریات دینی اور دنیاوی کی کامل تفصیل درج کی گئی ہے۔ اور اسی کے ضمن میں شریعت اسلامی کی تعلیمی فوائد و منافع۔ محاسن و مصالح اون کا دیگر شریعتوں کے احکام و نصاب مروجہ سے از روئے مقابلہ و موازنہ۔ مکمل، متمم اور مرجح ہونا کامل شرح و بسط سے بتلایا اور دکھلایا گیا ہے۔ قرآن مجید کی نسبت۔ اوس کی بے نظیر اور لاجواب فصاحت و بلاغت کے اظہار و ثبوت کے علاوہ اس کا سراپا اعجاز اور حقایق معرفت کا دفتر راز ہونا قوی اور مستحکم دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ خاتمہ بحث میں مخالفین اسلام کی اون تمام تعریضات کی تردید و تنقید قلمبند کی گئی ہے۔ جو اسلام اور بانی اسلام علیہ و آلہ السلام پر محض غلط فہمی کوتہ بینی اور تعصب دینی کی وجہ سے وارد کئے جاتے ہیں۔

صنف تالیف اور شغف تصنیف میں تحقیق و ترتیب کے بعد بہت بڑا اہم اور ضروری امر نقل اسناد ہے ہر واقعہ کے شہود و ثبوت میں اسناد کی اصلی عبارت کو بلفظہٖ لکھہ دیا گیا ہے۔ متقدمین صرف مصنف اور تصنیف کے نام کے حوالہ کو کافی سمجھتے تھے لیکن زمانہ حال کے محققین نے اس طریقہ اختصار کو اطمینان و اعتبار کے لئے کافی نہ سمجھا مزید اطمینان اور خاطر خواہ تشفی کے لئے۔ اسناد کی پوری عبارت۔ تصنیف۔ صاحب تصنیف کا نام شمار جلد۔ نشان صفحہ و سطر تک کے اندراج کو ضروری سمجھا ہے۔ یہ طریقہ چونکہ نہایت مستحسن اور مستحکم تھا اس بنا پر فی زماننا عالم تصنیفات و تالیفات میں بھی دستور قایم ہو گیا۔ اسوۃ الرسول میں بھی نقل اسناد کے یہی اصول قایم رکھے گئے ہیں۔ نہایت احتیاط سے اسناد کی اصلی عبارتیں۔ کتابوں اور اون کے صفحات۔ سطور اور مجلدات وغیرہ کے صحیح حوالے قلمبند کئے گئے ہیں۔ عربی اور فارسی ماخذوں کی اصلی عبارت ایک طرف۔ اون کا ترجمہ دوسری جانب درج کر دیا گیا ہے۔ انگریزی حوالہ جات میں چونکہ بغیر ٹائپ کے اصلی عبارت کی نقل دشوار تھی۔ اس لئے اون کے صرف ترجمہ پر اکتفا کی گئی۔ لیکن اصل کتاب کے تمام حوالے درج کر دئے گئے ہیں فمن شاء فلیرجع الیہ۔ حوالجات بعد ختم واقعات فوراً لکھہ دئے گئے ہیں اور عبارت زیرین حاشیہ وغیرہ کے ملاحظہ کی دوبارہ زحمت نہیں دیگئی ہے۔

کواتھ ضلع آرہ	ربنا زدنی علما واھدنا الی صراط مستقیم سبحانک لا علم لنا الا	المولف الاحقر
شہر یف العمارت	ما علمتنا انک انت العزیز الحکیم و صلی اللہ علی رسولہ والہ الکریم	خان بہادر
عید الفطر ۱۳۴۲ھ	تمت بالخیر	سید اولاد حیدر بلگرامی
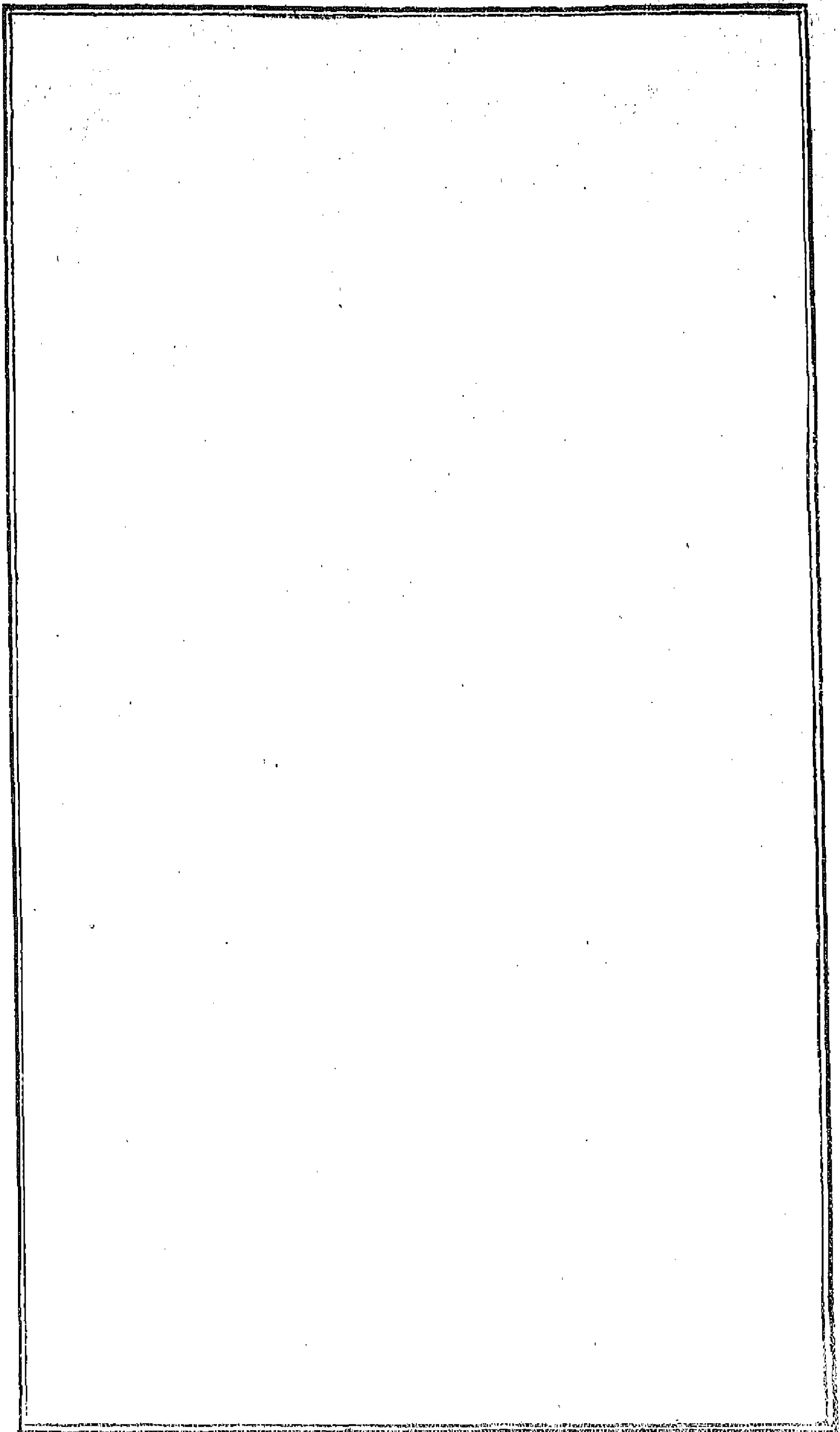
بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی سید المرسلین وخاتم النبیین وعلی آلہ الطیبین

تحمید الٰہی فطرت انسانی کا مقتضا ہے اور نعت حضرت رسالت پناہی عقیدت ایمانی اور آداب روحانی کا مدعا صلوا علیہ وآلہ واوصیائہ المعصومین۔

اس سے پہلے کہ موجودہ تالیف کے تمہیدی مضامین آغاز کئے جاویں۔ ہم ضرورت تالیفی اور تناسب مقامی دونوں اعتباروں سے ملک عرب کے جغرافی اور تاریخی حالات کو جن سے ہماری کتاب کے تمام مضامین کو ابتدا سے لیکر انتہا تک پورا تعلق ہے۔ کامل اور کافی تفصیل سے لکھ دینا اور بیان کر دینا نہایت ضروری سمجھتے ہیں۔

فصیحتان عرب

ملک عرب اگرچہ تقریباً تمام تر ریگستان ہے۔ مگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے اور تاریخی مشاہدے سے ملایا جاوے تو اقطاع عالم میں یہ ہزاروں کوس کا چٹیل اور غیر آباد۔ بے آب وگیاہ میدان۔ قدیم الایام سے تقدیس کا مرکز۔ روحانیت کا معدن۔ معرفت کا مخزن۔ رسالت ونبوت کا گلزار۔ اور فصاحت وبلاغت کا باغ پربہار ثابت ہوتا ہے۔

وجہ تسمیہ۔ عرب کی وجہ تسمیہ میں عموماً دو قول مشہور ہیں۔ قول اول یہ ہے کہ عرب اور "اعراب" کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں۔ چونکہ اہل عرب اپنی زبان آوری کے سامنے دنیا کی تمام زبانوں کو ہیچ سمجھتے تھے۔ اسلئے اونہوں نے اپنے آپ کو عرب (فصیح اللسان) اور دنیا کی تمام قوموں کو عجم (ژولیدہ زبان) کہہ کر پکارا۔

قول دوم جو جغرافیین کا مختار اور مورخین کا معیار تحقیق ہے وہ یہ ہے کہ عرب کا قدیم اور اول نام عَرَبَۃ اور عَرْبَۃ تھا۔ جو کثرت استعمال سے مخفف ہو کر عموماً عرب بولا جانے لگا۔ اور اسکے بعد ملک کے نام سے خود قوم کا نام بھی قرار پا گیا۔ عَرَبَۃ کی جمع عربات ہے۔ اور لغوی معنی۔ صحرائے ناقابل زراعت۔ عرب کے اشعار قدیم عرب کے اصلی معنی یہی بتلاتے ہیں۔ ذیل کے اشعار عرب سے اسکی پوری تصدیق ہوتی ہے

اسد ابن جاحل کہتا ہے ۵ وعربۃ ارض جد فی الشر اھلھا + کما جد فی شرب النقاخ ظماء

ملک عرب وہ قطعہ زمین ہے جو اپنے باشندوں کی شرارت کیلئے ویسا ہی مشہور ہے جیسا اوسکے باشندونکو پیاسوں کو پیاس میں ٹھنڈا پانی پلانے کیلئے شہرت کا شرف حاصل ہے۔

حضرت ابی طالب کے مشہور قصیدہ کا ایک شعر ہے ۵ وعربۃ دارکا یحل حرامھا من النّاس الا اللوذعی الحلاحل۔

ملک عرب وہ قطعہ زمین ہے جس کی حرام (ممنوعات) چیزونکو سوائے دانشمندان اور بزرگان قوم کے کوئی دوسرا شخص حلال (جائز) نہیں کر سکتا۔

ابو سفیان کلبی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ آلہ کی مدح میں کہتا ہے۔ ابونا رسول اللہ وابن خلیلہ بعربۃ بوّانا فنعم المرکب۔

خدا کا رسول اور اوسکے خلیل کا فرزند ہمارا باپ ہے۔ تمام عرب کو اوسپر فخر ہے۔ کیا اچھا سردار قوم ہے۔

وجہ تسمیہ کے متعلق قول اول اگر صحیح بھی ہو لیکن تاہم اہل عرب کی خصوصیت اور ذاتی مفاخرت تک محدود سمجھا جائیگا۔ زیادہ سے زیادہ اونکی نکتہ آفرینی اور وقت رسی کا نتیجہ یا مدعا کہلائے گا۔ عام مقبولیت اور واقعیت کے درجوں تک نہیں پہونچیگا۔ کیونکہ ہر قوم اپنی زبان کی اوسی طرح جوہری ہے جسطرح عرب۔

جغرافی تعلقات سے عرب کی وجہ تسمیہ کی تحقیق۔ اس قطعہ زمین کا نام عربۃ کیوں رکھا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ عربۃ اصل میں سامی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی صحرا اور بادیہ کے ہیں۔ عبرانی میں عربا آیا ہے۔ عربہ کی ذرا سی بدلی ہوئی شکل ہے معنی وہی ہیں۔ بیابان اور میدان۔ ابھی تک عربی میں بھی اسکی قدیم یاد انھیں معنوں میں باقی ہے۔ عرابۃ بدویت کے لئے اور اعراب۔ بادیہ اور صحرا نشینوں کے لئے آجتک زبان زد خاص و عام ہے۔ چونکہ ملک عرب تمام تر صحرائے بے آب وگیاہ ہے اور ریگستان کا لق ودق میدان۔ علی الخصوص وہ ملکی حصہ جو علاقہ حجاز کے نام سے مشہور ہے۔ اور ہماری موجودہ تالیف کی تصریحات وتفصیلات کا اصلی مقصود یہ علاقہ بادیہ عرب شام اور سینا تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی باعث سے اسکا نام عربا قرار پایا۔ پھر رفتہ رفتہ وہاں کے باشندوں کو بھی عرب کہنے لگے۔

تاریخی شاہدہ سے وجہ تسمیہ عرب کی تحقیق۔ لفظ عرب سب سے پہلے ۱۰۰۰ ق م (قبل مسیح) میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں مسموع ہوتا ہے (کتاب الاستثنا۔ آیت ۱۔ ۷۔ ۲۲) اور پھر اسکے بعد عام طور سے اسکا استعمال۔ عبرانی۔ یونانی اور رومانی تاریخوں میں نظر آتا ہے۔ اسیریا (شام) کے کتبات میخی میں ۸۰۰ ق م میں عرب کا نام عربی یا لکھا ہے۔ قبل اسلام یہ لفظ پورے ملک کو جو یمن سے شام تک وسیع ہے۔ محیط تھا۔

کتب مقدسہ سے تحقیق۔ توریت میں لفظ عَرَبا ایک خاص قطعہ زمین عرب کے معنی میں بتعدد بار آیا ہے لیکن یقیناً اوس وسعت کے ساتھ اطلاق نہیں ہوا ہے جس وسعت کے ساتھ اب یہ کہا جاتا ہے۔ لفظ عربا سے صرف وہ قطعہ زمین مراد لیا گیا ہے جو حجاز و شام سے سینا تک وسیع ہے۔ عام ملک عرب کے لئے زیادہ تر مشرق اور مشرق کی زمین کا استعمال ہوا ہے اور کبھی جنوب کا۔ کیونکہ عرب فلسطین کے مشرق و جنوب دونوں گوشوں میں ہے۔

قرآن مجید میں لفظ عرب۔ ملک عرب کیلئے کہیں نہیں آیا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی سکونت کے ذکر میں وَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ یعنی ناقابل زراعت، اسکو کہا گیا ہے۔ جو تحقیق وجہ تسمیہ میں۔ جغرافیہ۔ تاریخ اور توریت مقدس سے اوپر لکھی گئی ہے وہ قرآن مجید کی تصریح سے جب مقابل کیجاتی ہے تو صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے اونھیں الفاظ السنہ قدیمہ کا بعینہ لفظی ترجمہ کر دیا ہے۔ چونکہ اس غیر آباد ملک کا کوئی نام نہ تھا۔ اسلیئے خود لفظ "غیر آباد ملک" (عرب) اس کا نام پڑ گیا۔ توریت سے اس سے اسکی تصدیق و تطبیق اسطرح ثابت ہوتی ہے کہ توریت میں بھی اسمٰعیل کا مسکن مِدبار بتلایا گیا ہے جس کے معنی بیابان اور غیر آباد قطعہ زمین کے ہیں اور جو بالکل عرب کا ترجمہ اور وَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ کا مرادف ہے[۱]

ملک عرب کا جغرافیہ

عرب کے حدود اربعہ۔ ملک کا نام قایم ہوگیا۔ اب جغرافی حالات یہ ہیں۔ ان حالات میں اصول جغرافیہ کے مطابق سب سے پہلے حدود اربعہ کا بیان ضروری ہے اور وہ یہ ہیں۔

شمال میں۔ ایشیائی ترکستان۔

جنوب میں۔ بحر ہند اور خلیج عدن۔

مغرب میں۔ بحر قلزم جسے بحر احمر (ریڈسی) بھی کہتے ہیں۔

مشرق میں۔ بحر عمان اور خلیج فارس۔

اہل جغرافیہ لکھتے ہیں کہ عرب کے شمالی حدود۔ ابتک مختلف فیہ ہیں۔ فی الحال یورپ کے محققین جغرافیہ نے عرب کے شمالی حدود کی جو تحقیقات کی ہے وہ تمام اقطاع عالم میں مسلم ہو چکی ہے۔ وہ یہ ہے کہ نقشہ عرب میں ۳۴ درجہ عرض البلد سے ایک خط شہر سویز سے خلیج فارس کے سرے تک کھینچا جائے تو یہی خط ملک عرب کی شمالی حد مانا جائیگا[۲]

[۱] ارض القرآن ج ۱ - ۵۷ - ۵۹ [۲] ہیسٹن یونیورسل ڈکشنری آف جوگرافی اینڈ ہسٹری۔ مطبوعہ لندن۔ ص ۴۲-۴۳، ۱۴۲۔ لفظ عرب۔

حقیقت یہ ہے کہ عرب کی شمالی حد اکثر اوقات مختلف فیہ رہی ہے بعضوں نے علاقہ حلب سے لیکر دریائے فرات تک کے قطعہ زمین کو بھی عرب میں داخل بتلایا ہے۔ اون کے اس قول کی بنا فتوحات اسلامی پر قایم ہے۔ کیونکہ اونھوں نے اپنے فتوحاتی وسعت کے ساتھ اپنے ملکی حدود کو بھی بڑھا ہوا خیال کر لیا ہے۔ اسی طرح قدیم تاریخوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جزیرہ نمائے سینا کو بھی اکثر عربی اور یوروپین مورخین ملک عرب میں شامل کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا مختار۔ یونانی اور رومانی کتابوں پر مبنی ہے۔ جنہوں نے عرب کی تقسیم ملکی میں عرب الطور سینا (جزیرہ نمائے طور سینا) کو بھی عرب کے حصوں میں قرار دیا ہے اور نمبر اول شمار کیا ہے۔ ممکن ہے کہ اون کا یہ قول بھی قول اول کیطرح اوسوقت کے عرب کی موجودہ حکومت کے رقبہ کے اعتبار پر قایم کیا گیا ہو۔ اور شیوع اسلام سے پہلے شاہان عرب نے اپنے حدود حکومت کو جزیرہ نمائے سینا تک بڑھا دیا ہو۔ مگر بخلاف ان سب قیاسی اضافات کے اصل تحقیقات وہی ہے جس پر تمام علمائے جغرافیہ کا اتفاق ہو چکا ہے۔ وہ وہی خط ہے۔ جو شہر سویز سے کھینچکر خلیج فارس کے سرے تک پہونچتا ہے اور یہی عرب کی شمالی حد مسلمہ ہے عربی جغرافیئین کا یہ دعوی کہ اون کا ملک معمورۂ عالم کے وسط میں واقع ہے۔ گو ایک مدت تک قیاس غلط اور مفاخرت خاص سمجھا گیا۔ مگر زمانہ موجودہ کی تحقیق جدید سے ثابت ہو گیا کہ ملک عرب درحقیقت دنیائے قدیم کے قلب میں واقع ہے۔

مغرب کی جانب یہ ملک خاکنائے سویز کے ذریعہ سے ملک مصر سے ملا ہوا تھا۔ مگر سنہ ۱۸۶۹ء میں نہر سویز کے کھد جانے سے جدا ہو گیا۔ یہ نہر ۸۷ میل لمبی اور ۵۰ سے لیکر سو گز تک چوڑی ہے۔ اور ممالک مصر۔ فرانس اور برطانیہ کی متفقہ تجویزوں اور کوششوں سے بنی ہے۔

سواحل اور مشہور بندرگاہیں۔ ملک عرب کی جو شمالی حد اوپر لکھی گئی ہے اوس کے اعتبار سے یہ جزیرہ نما تقریباً طول میں ۱۳۰۰ میل ہے۔ اور شمالی خط ارض البلد کے ۳۴ درجہ پر۔ جہاں یہ سب سے زیادہ عریض پایا گیا ہے۔ اسکا عرض ۱۵۰۰ میل ہے۔ شمالی حد کے پاس جہاں سب جگہ سے کم اسکا عرض پایا جاتا ہے۔ وہاں اس کی چوڑائی کل ۹۰۰ میل ہے۔ اسکا مغربی ساحل جو بحر احمر سے ملا ہوا ہے ریگین اجزا سے ملی ہوئی زمین ہے اور بالکل بنجر یعنی ناقابل زراعت۔ اسکے پیچھے پہاڑوں کا سلسلہ ہے جنمیں کوئی دو ہزار فیٹ سے اونچا نہیں ہے۔ اس ساحل پر کوئی بندرگاہ نہیں۔ مگر ہاں۔ چھوٹے چھوٹے جزائر البتہ ہیں۔ جن میں آتش فشاں مادہ رکھنے والے پہاڑ واقع ہیں۔ آبنائے باب المندب کے ابتدائی حصہ میں جزیرہ پیرم واقع ہے۔ جو فوج کا ایک قابل الذکر مرکزی مقام ہے۔ جنوبی مشرقی ساحل کی بھی زمین کے اعتبار سے یہی حالت ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اس ساحل پر عدن۔ ظفار اور مسقط کی ایسی مشہور و معروف

بندرگاہیں واقع ہیں۔ شرقی ساحل جو بحر مبیت سے لیکر بحر عمان تک تمام ہوتا ہے۔ بہت ہی آباد ہے۔
رقبہ ملک۔ جزیرہ نمائے عرب طول میں کم سے کم ۱۳۰۰ میل اور زیادہ سے زیادہ ۱۸۰۰ میل بتلایا جاتا ہے اور عرض میں ۶۰۰ سو میل مربع۔ کل رقبہ بارہ لاکھ تیس ہزار میل مربع ہے۔ باعتبار رقبہ کے ملک عرب جرمن اور فرانس سے چار گونہ بڑا اور ہندوستان سے ایک ثلث کم وسیع ہے۔

آبادی۔ آبادی ایک کروڑ دس لاکھ ہے۔ جس میں پانچواں حصّہ بدّو قوموں کا ہے۔ بدّو۔ بادیہ سے ماخذ ہے۔ باقی اور قومیں شہر۔ قصبات اور دیہات میں رہتی ہیں اور عرب الحضر کہلاتی ہیں۔ بدّو قومیں یعنی عرب البادیہ ہمیشہ خانہ بدوش رہتے ہیں۔ یہ دُنبوں۔ بھیڑوں اور عموماً مویشیوں کو پالتے ہیں۔ ہمیشہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ خیموں میں رہتے ہیں اور برابر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوا کرتے ہیں۔ جب ایک مقام پر ان کی مویشیوں کا چارہ۔ اور پانی پینے کا چشمہ خشک ہو جاتا ہے۔ تب ان کو دوسرے مقام پر جہاں ان کی ضرورت کی یہ دونوں چیزیں دستیاب ہوتی ہیں چلے جانے کی مجبوری ہوتی ہے۔ یہ لوگ صحرانوردی اور دشت پیمائی کی آزاد اور سادہ زندگی کو شہر اور قصبات کی مقامی سکونت پر ترجیح دیتے ہیں۔ اون کی اس ترجیح کا دعویٰ کچھ آج سے نہیں ہے۔ بلکہ ہزارہا برس قبل سے وہ ہمیشہ سے اپنی قدامت کے دالہ و شیدا ہیں۔ اور ایسے شیدائی کہ اونھوں نے اپنے وطن کی اصلیت اور خصوصیت کے ساتھ اپنے ملک و قوم کو موسوم کیا۔ جیسا کہ وجہ تسمیہ عرب میں ابھی ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے۔ قدامت اور اصلیت کے ایسے عاشق کامل کہ باوجود لاتعداد امتداد ایام کے بھی نہ اونکے ملکی رسم و رواج میں ابھی تک کوئی فرق آیا ہے اور نہ قومی وضع ولباس میں جنگ جدال۔ خونریز قتال گویا اون کی فطرت کے خاص عناصر تھے۔ مگر جب سے اسلام کی مبارک تعلیم نے ان میں تہذیب اور شائستگی پھیلائی۔ تو قساوت شجاعت اور بسالت کی صورت میں آگئی۔ لوٹ مار اور ایذا رسانی۔ مہمان نوازی اور آرام رسانی کی اخلاقی خوبیوں میں ظاہر ہوئی۔ شدہ شدہ وہ سلطنت اسلامی کی نگرانی میں تعلیم پاکر قوم و وطن کے بہت بڑے بہادر اور شجاع سپاہی اور اپنی مملکت کے فیاض اور بڑے مہمان نواز ثابت ہوئے۔ اون کی ہمسایہ اور ہم وطن قوموں کے علاوہ تمام دنیا کی غیر قوموں نے بھی اون کی ہمت۔ شجاعت۔ فیاضی اور مسافر نوازی کو تسلیم کرکے بیجا تعریف کی ہے۔ تمدن عرب کا فرانسیسی محقق لکھتا ہے۔

۱؎ تمدن عرب۔ تاریخ الاسلام۔ ارض القرآن۔ بنیس یونیورسل ڈکشنری

خلفائے راشدین کے وقت میں اسلامی فوج کا بہت بڑا حصہ یہی بدوی تھے۔ بدوی فہم و ادراک میں حقیقتاً تمام دنیا کی گلہ چرانے والی قوموں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ میں نے ان سے بارہا گفتگو کی ہے۔ کسب معیشت کے متعلق ان کے خیالات بہتر سے یورپین تعلیمیافتہ لوگوں سے بہتر ہیں۔ رسوم و عادات میں نیم وحشی ہیں۔ مگر خیالات میں وحشی نہیں۔ یہ لوگ اگر وحشی کہے بھی جائیں تاہم فہمیدہ اور ذہین ضرور ہیں۔

علاقہ شام کے سرحدی بدوی

یہ قوم چار مختلف قبائل پر منقسم ہے۔ (۱) دروز۔ عام بدیوں سے فطرتاً اور عادتاً بہت قریب ہیں۔ حقیقت میں مسلمانوں کا ایک معزز اور خود مختار فرقہ ہے۔ یہ لوگ بڑے جری ہیں۔ ان میں اور لبنان کے موارنہ میں سخت عداوت ہے (۲) موارنہ۔ یہ نصرانیوں کا ایک معزز اور لاف زن فرقہ ہے جس سے اصل موقع پر بہادری کا کوئی کام نہیں ہوتا۔ (۳) متاولہ۔ کوہستان عرب میں آباد ہے۔ ان کا مذہب امامیہ ہے سخت متعصب ہیں۔ کبھی کسی اجنبی کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے۔ بالکل علیحدہ رہتے ہیں۔ (۴) انصاریہ یہ ایک بالکل جداگانہ پہاڑی قوم ہے۔ ان کا مذہب (بظاہر) اسلام کی ایک شاخ ہے۔ مگر نہایت مختلف۔ تناسخ کے بھی قائل ہیں اور آفتاب و ماہتاب کی بھی پرستش کرتے ہیں۔

عرب مستوطن۔ مستوطن عرب بدوؤں کی طرح نیم وحشی نہیں کہے جا سکتے وہ اپنے کمالات صفات اور معلومات کے اعتبار سے دنیا کی اور شائستہ قوموں سے پیچھے نہیں ہیں۔ یورپین مشہور سیاح مسٹر پالگریو کے اعترافات سے اہل عرب کے ان اوصاف پر ثبوت کی کافی روشنی پڑتی ہے۔ عرب ساکنان عمان کی نسبت یہ مشہور و معروف سیاح رقمطراز ہے کہ علاقہ نجد میں ایسے اشخاص کثرت سے پائے جاتے ہیں جو انگریزوں کی طرح کلیں (مشینیں) بنا سکتے ہیں اور آسانی سے ریلوے کی پٹریاں بچھا سکتے ہیں علاقہ یمن میں دو دارالعلوم کام کر رہے ہیں۔ ایک شہر زبید میں اور ایک شہر ظفار میں۔ اگرچہ یہ دارالعلوم جامع الازہر کی طرح مشہور تو نہیں ہیں۔ لیکن ملک کے علم دوست اور روشن خیال طبقات میں اشاعت علمی کا بہت بڑا ذریعہ ہوئے ہیں۔

کچھ آگے چل کر پھر یہی یورپین فاضل لکھتا ہے کہ میں نے بہت سفر کیا ہے۔ اور مختلف اقوام کے ساتھ میرے روابط وابستہ رہے ہیں جن میں افریقی۔ ایشیائی اور اہل یورپ سب شامل ہیں۔ لیکن ان میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جسے وسط عرب کے عربوں پر ترجیح دی جا سکے۔ ان مستوطنین عرب (عرب المتحضرہ) کی بھی وہی زبان (تقریباً) ہے جو بدوی عرب کی ہے اور ان کی رگوں میں بھی وہی خون

ﮯ تمدن عرب۔ تاریخ اسلام۔ ج ۱

دوڑتا ہے جو اون کی شتربانوں میں۔ لیکن تاہم شتان بینھما دونوں میں فرق عظیم ہے۔

پھر کچھ آگے چلکر یہی قابل مصنف علاقہ نجد کے وہابی فرقہ عرب کے متعلق لکھتا ہے کہ وہابی عرب بمقابل دوسرے عربوں کے بخیل اور مشکل مہموں میں شریک ہونے پر کم آمادہ ہوتے ہیں۔ نہ وہ مثل اور عربوں کے رنگیلے ہیں۔ نہ صاف دل ہیں۔ نہ کشادہ پیشانی۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ زیادہ ثابت قدم اور زیادہ عقلمند ہیں۔ اون کی باتوں سے۔ اون کا دلی مدعا بہت کم ظاہر ہوتا ہے۔ مگر وہ اپنے ارادوں میں نہایت مضبوط ہیں۔ دشمنی میں سخت اور دوستی میں اُن لوگوں کے ساتھ جو اون کے ہمقوم نہیں ہیں۔ نہایت مشتبہ۔ ان کی خاموشی خشن بلکہ عبوس صورتیں شمالی عربوں کے نیک اور خندہ رو کی کو یاد دلاتی ہیں۔ وہ ہرگز فوری پرجوشیوں پر کام نہیں کر بیٹھتے۔ بلکہ قبل سے سوچے ہوئے اور سمجھے ہوئے خیال پر عمل ہوتے ہیں۔ اگرچہ اون کے فہم و ادراک خود غرضی سے آلودہ ہیں۔ لیکن اون کے عزم قوی ہیں۔ اور اُن کی ثابت قدمی نے ان کو اس لایق بنا دیا ہے کہ وہ اپنی تمدنی حالت کو نہایت مضبوط کرلیں۔ اور اپنے ہمسایوں پر ظالمانہ حکومت کرسکیں۔ شدید اتحاد باہمی کی وجہ سے۔ ان کی کامیابی بمقابل ایسے دشمن کے یقینی ہے۔ جسے آپس کی پھوٹ نے کمزور کر رکھا ہو۔ وہابیوں کے یہ خصائص اُنکے روزمرہ کے حرکات و سکنات سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ان سے گفتگو کرتے وقت انسان کو ضرور ہے کہ اپنے الفاظ و اشارات کا ویسا ہی خیال رکھے۔ جیسا کہ کسی دشمن سے گفتگو کرتے وقت رکھا جاتا ہے۔

سطح زمین عرب۔ سطح زمین کے اعتبار سے جزیرہ نماے عرب تقریباً مرتفع میدانوں کا تختہ ہے جو خاصکر پورب اور دکن کی طرف بہ نسبت اور جوانب کے زیادہ اونچا ہے جن میں بعض بعض نشیب کے مقامات سبز و شاداب وادیوں سے بھرے ہیں۔ عموماً سطح زمین کی اونچائی ایکہزار سے لیکر تین ہزار فیٹ تک ہے۔ جزیرہ نماے سینا (اس فاضل مغربی کے نزدیک سینا داخل عرب ہے) مثلث نما ہے۔ جس کے پچھم خلیج سوئیز اور پورب خلیج عقبہ واقع ہے۔ اس کی زمین بالکل سنگلاخ ہے۔ اور اس کے وسط میں کوہ سینا واقع ہے۔ کوہ سینا کا سلسلہ مشرقی ساحل سے شروع ہوکر خلیج فارس کے کنارے کنارے ہوتا ہوا جزیرہ نماے سندان میں داخل ہوتا ہے۔ ان کی اونچائی دو ہزار سے لیکر تین ہزار فیٹ تک ہے خلیج فارس کے دہانے پر جزیرہ کویت واقع ہے۔ اور وہ فی الحال بہت اچھی بندرگاہ ہے۔ اس کے جنوبی مشرقی حاشیہ وہ پتلا زمین کا حصہ ہے جس میں سب سے آگے راس مسندم واقع ہے۔ یہ قطعہ زمین شمال و مشرق کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ یہاں سے فاصلہ پر عمان واقع ہے اور وہ بحر ہند سے جاکر مل جاتا ہے۔ خلیج عمان کے جنوبی مغربی کنارے پر مسقط کی خوشنما بندرگاہ واقع ہے۔

عرب کے پہاڑ۔ پہاڑوں کے دو سلسلے شمال و مشرق اور جنوب و مغرب کی طرف جبل اجا اور الجبل سلمیٰ کے ناموں سے مشہور ہیں جن کی سب سے اونچی چوٹی سمندر کی سطح سے پانچ ہزار فیٹ اونچی ہے۔ جبل الطویق جو ملک عرب کی ریڑھ (استخوان پشت) کہلاتا ہے ٹھیک اوتر سے دکن کی طرف جاتا ہے۔ اس سے اور خلیج فارس سے کہیں سو میل کہیں دو سو میل کا فاصلہ گھٹتا بڑھتا ہے۔ علاقہ عقبہ میں جبل الاخضر کی چوٹیاں چھ ہزار فیٹ اونچی ہیں۔

عرب کے دریا۔ اس ملک میں کوئی دریا کشتی چلانے کے قابل نہیں ہے۔ جو بھی چند چشمے ہیں وہ گرمی کے دنوں میں تمام تر خشک ہو جاتے ہیں۔ ملک کے اکثر علاقوں میں کئی کئی مہینوں تک پانی کی ایک بوند نہیں برستی۔ لیکن عجیب قدرت خداوندی یہ ہے کہ یہاں کے پہاڑوں سے ہمیشہ چشمے جاری رہتے ہیں۔ جن سے دامن کوہ اور وادیاں عموماً سرسبز و شاداب رہتی ہیں۔ کبھی کبھی یہی چشمے پھیل کر تھوڑی دور تک ایک بیضوی دریا بن جاتے ہیں۔ پھر وہ ریگستان میں جذب ہو جاتے ہیں یا سمندر میں ملجاتے ہیں۔ ملوک عرب نے انہیں چشموں کے روکنے کیلئے بند بنائے تھے۔ کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ چشمے ابل کر بصورت سیلاب پُرخطر ہو جاتے ہیں۔ بند ارم۔ بند مآرب انھیں کی یادگاریں ہیں۔

عرب کا صحرائے عظیم۔ اہل عرب اس صحرائے عظیم کو۔ ارض الدہان کہتے ہیں۔ یہ صحرا ملک کے جنوب میں واقع ہے۔ ارض الدہان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ زبان عرب میں دہان کے معنی سرخ کے ہیں۔ چونکہ اس صحرا کی ریگ سرخ رنگ کی ہے اس لئے اس کا نام ارض الدہان قرار پایا۔ یہ لق و دق صحرا رقبہ میں تقریباً پچاس ہزار میل مربع ہے اور تمام رقبہ ملک کا پانچواں حصہ ہے اس صحرا کی وسیع زمین میں سوا ریت کے بڑے بڑے تودوں اور انباروں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ ملک کے باشندے بھی اور گرد و نواح کے متوطن قبائل و قوافل بھی اس صحرائے عظیم کو بہت کم طے کرتے ہیں۔

عرب کی آب و ہوا۔ ملک عرب بھی افریقہ کی طرح تمام اقطاع عالم میں خشک ترین قطعہ زمین ہے جغرافی مناسبت اور قربت کے اعتبار سے تمام ممالک ایشیا میں جزیرہ نمائے عرب کو شمالی افریقہ سے پوری مماثلت ہے۔ کوہستانی مقامات میں آب و ہوا اعتدال کے درجہ پر رہتی ہے۔ مگر غیر محفوظ اور غیر سایہ دار علاقہ جات میں ناقابل برداشت گرمی پڑتی ہے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ مہلک باد سموم۔ جسے باد خمسین بھی کہتے ہیں۔ چلا کرتی ہے۔ یورپین مشہور و معروف سیاح اور مورخ مسٹر ڈوزی عرب کی باد سموم کی نسبت لکھتا ہے۔

باد خمسین۔ باد خمسین یا باد سموم کے آثار قافلوں پر آناً فاناً ظاہر ہو جاتے ہیں۔ پہلے افق کی طرف سے آسمان پر ایک ہلکی سی سرخی نظر آتی ہے۔ پھر تھوڑی دیر میں وہ سرخی سیاہی سے بدل جاتی ہے۔ پھر دفعتاً وہ

سیاہی زردی سے تبدیل ہوجاتی ہے۔ آفتاب سے کرنیں مفقود ہوجاتی ہیں۔ اور وہ گویا خون کا ایک قرص ہوکر رہ جاتا ہے۔ زمین اور آسمان کا جوف مہین مہین ریت کے ذرّوں سے بھر جاتا ہے۔ اور ہوا کی حرکت سے وہ ذرّے تمام زمین کی سطح پر اِس طرح پھیل جاتے ہیں۔ جیسے طوفان آنے کے وقت سمندر کا پھین اوڑ اوڑ کر ساحل کی سطح پر پھیل جاتا ہے۔ یہی علامات بتلا دیتے ہیں کہ میدان سے فوراً کسی طرف بھاگ جانے کا وقت آگیا۔ کیونکہ چشم زدن میں بادِ سمین کے مار ڈالنے والے جھونکے پہونچتے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر میں صحرا کی بے انتہا اور اندازہ سے باہر ریت کی مقدار اُڑ اُڑ کر سمندر کی لہروں کا عالم دکھلاتی ہیں۔ غریب اور بدنصیب مسافر کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ آنکھیں بالکل سرخ ہوجاتی ہیں۔ ہونٹھ خشک ہوکر آگ کی طرح جلنے لگتے ہیں۔ سواری کے اونٹوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ کبھی تو وہ اس آفت سے گھبرا گھبرا کر میدان میں دوڑنے لگتے ہیں۔ کبھی تھک کر کھڑے ہوجاتے ہیں اور اپنی لمبی لمبی گردنیں ریت کے تودوں میں چھپا دیتے ہیں۔ اور جیوں جیوں ہوا کا طوفان بڑھتا جاتا ہے اپنی تھوتھنیوں کو زمین پر ادھر اُدھر پٹکتے جاتے ہیں۔ اور اپنی جان بچانے کی کوششیں کرتے ہیں۔ اگر طوفان کے گرد و باد میں قافلہ نے راہ گم نہیں کی تو وہ کسی پتھر کے نیچے یا کسی غار کے اندر چھپ رہنے کی کوئی محفوظ جگہہ ڈھونڈھ لیتے ہیں اور طوفان کے گذر جانے تک کا انتظار کرتے ہیں۔ لیکن اگر بدقسمتی سے اس بادیہ لاانتہائی میں قافلہ نے راہ بھلا دی اور چھپ رہنے کی کوئی محفوظ جگہہ بھی نہیں ملی تو پھر انسان اور بے منہ کے حیوان کے حواس گم ہوجاتے ہیں۔ جان بچانے کی عقل جو فطرت کی طرف سے ہر ذی روح میں ودیعت ہوئی ہے۔ بالکل سلب ہوجاتی ہے۔ اعضا و جوارح ایک ایک کرکے جواب دیجاتے ہیں۔ تمام جسمانی طاقتیں زائل ہوجاتی ہیں۔ بالآخر گرمی کی شدت سے انسان بالکل خستہ اور پریشان ہوکر دردِ سر کے شدید دوران میں گرفتار ہوجاتا ہے۔ عضو عضو کی طاقت جواب دیدیتی ہے۔ قافلہ کا قافلہ ریت کی سربفلک موجوں میں بیٹھ جاتا ہے اور ذرا سی دیر میں مسلسل ریت کا انبار اون کو بڑے بڑے تودوں کے نیچے ایسا دبا دیتا ہے کہ اون کا نام و نشان ہی نہیں رہتا ہے۔ تاآنکہ مدت مدید کے بعد۔ نظام قدرت نے اگر پھر وہاں کہیں ایسا ہی سامان پیدا کردیا اور ایسا ہی طوفان آیا اور اُن کی موجوں نے ریت کے انبار کو اُڑا دیا تو انسانوں اور حیوانوں کی سفید سفید ہڈیوں نے نمودار ہوکر اُن کی داستانیں ہمارے سامنے کھول کر رکھ دیں اور بتلا دیا کہ ان کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھو کہ یہ بادِ سمین کے کارنامے ہیں۔

عرب کے اندرونی حصوں میں عموماً زیادہ گرمی ہوتی ہے۔ صحراوں میں دن کے وقت آدمی استیاس [illegible]

۱۰۹ $\frac{1}{2}$ اور رات کے وقت ۱۰۰ درجہ سے کم نہیں ہوتا۔ یمن میں آخر جولائی تک کبھی پارہ ۸۴ درجہ سے متجاوز نہیں ہوتا۔ صنعا علاقہ یمن میں تو جاڑوں میں برف پڑتی ہے جس شدید گرمی اور خشکی کا ذکر ہوا ہے وہ عرب کے ہر حصہ میں نہیں پائی جاتی۔ بعض حصے جو رقبہ میں یورپ کے بڑے اور مشہور ممالک سے کم نہیں، ایسے موجود ہیں جن کی زمین بہت اچھا محاصل دیتی ہے۔ جیسے علاقہ یمن اور نجد۔ جہاں نہایت اعلیٰ پیداوار ہوتی ہے۔ بالگریو ہین کی آب وہوا کو تمام دنیا کی آب وہوا پر ترجیح دیتا ہے۔ یہاں کے گھوڑے تو ساری دنیا میں لاجواب مانے گئے ہیں۔ علاقہ عقبہ میں جابجا چشمے اور ندیاں (وادی) پائی جاتی ہیں۔ جہاں کہیں کھجوریں اور چارہ پیدا ہوتا ہے۔ اون صحراؤں میں بدوی قومیں اپنی مویشیوں کے ساتھ رہا کرتی ہیں۔

عرب کے اثمار۔ سواحل کے قریب سبز وشاداب علاقوں میں۔ انار۔ خوبانی۔ شفتالو۔ سیب۔ بیر۔ انجیر بادام۔ پستہ۔ انگور۔ لیموں۔ خربزہ۔ سیم تمباکو۔ تیج۔ سیاہ مرچ۔ خوشبو۔ مہندی۔ ادرک۔ جھاؤ گلاب۔ نرگس۔ بنفشہ۔ نیل وغیرہ بھی پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں کے کاشتکاروں کو مینہ کا پانی۔ کنوؤں اور تالابوں میں جمع رکھنا پڑتا ہے۔ بعض حصے ملک کے ایسے بھی ہیں جہاں گھانس تک نہیں اگتی۔

عرب کے حیوانات۔ اونٹ۔ گھوڑے۔ خچر۔ گدھے۔ بیل۔ بھینس۔ نیل گائے۔ بھیڑ۔ دنبے ہرن۔ شیر ببر۔ چیتے۔ تیندوے۔ چرغ۔ بھیڑیئے۔ لومڑی۔ اور گیدڑ وغیرہ درندے بھی ہوتے ہیں۔ ٹڈیاں (ملخ) اگرچہ نقصان عظیم پہونچاتی ہیں۔ مگر اکثر اوقات صحراؤں میں مسافروں اور ان کی سواری کے جانوروں کی غذا میں کام آتی ہیں۔ تمام جانوروں میں گھوڑے اور اونٹ نہایت اعلیٰ درجہ کے اور مفید ثابت ہوتے ہیں۔ اونٹ تو خاص الخاص عرب کا جانور تمام عالم میں مشہور ہے۔ عرب اپنے گھوڑوں کو مثل اپنے فرزندوں کے پالتے اور عزیز رکھتے ہیں۔ اور ان کی نسل کو ہرگز ہرگز بگڑنے نہیں دیتے آدمیوں کی طرح ان کے نسب نامے تیار رکھتے ہیں۔ پرندوں میں۔ مرغ۔ شتر مرغ۔ بٹیر۔ باز۔ شکرا۔ کبوتر۔ فاختہ۔ گیدہ۔ کوا۔ چیل۔ ہدہد۔ اور آبی جانور کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

عرب کے غلے اور دیگر پیداوار۔ جوار۔ جو۔ باجرا۔ گیہوں۔ مٹر۔ ملک کے شاداب حصوں میں پیدا ہوتا ہے۔ بن اور کھجور عرب کی خاص پیداوار ہے۔ یہ دونوں چیزیں یہاں سے بہتر دنیا بھر میں کہیں نہیں ہوتیں۔ کھجور (رطب) ملک کی خاص خوراک ہے۔ ناریل۔ لوبان۔ تیزپات۔ سنائے کی۔ مختلف

---

۵ بینس یونیورسل ڈکشنری ۳۴۳۔ جغرافیہ عرب۔ اسپرٹ آف اسلام۔ تاریخ الاسلام۔

اقسام کے گوند۔ عود۔ ثمر۔ اور بلساں بھی اس ملک کے ساتھ مخصوص ہیں۔

معدنیات۔ تانبے اور لوہے کی کانیں تو جا بجا اکثر پائی جاتی ہیں۔ یہاں کی زمین چاندی اور سونا بھی پیدا کرتی ہے۔ علامہ ہمدانی نے اپنی کتاب صفتہ جزیرۃ العرب میں ایک ایک کان کا نشان بتلایا ہے۔ اور انگریزی سیاح مسٹر برٹن نے تو مدین کی طلائی معادن پر ایک خاص کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام گولڈ مائنس آف مدین ہے۔ ملک کا دامن اور جواہروں سے بھی بھرا پڑا نظر آتا ہے یمن میں لال ہوتا ہے اور بیش بہا عقیق۔ اکثر مقامات میں فیروزہ اور جزع یمانی کے معادن بھی پائے جاتے ہیں۔ بحرین کی زمین تو گویا موتی پیدا کرتی ہے اور گویا تمام دُنیا کے دامن سوال موتیوں سے بھر دیتی ہے۔

عرب کی ملکی تجارت۔ عرب قدیم الایام سے تجارت پیشہ ملک ہے۔ توریت باب القضاہ ۲۴-۲۶ میں اس کے سونے۔ چاندی اور بخورات کا کثرت سے ذکر مرقوم ہے۔ قدیم مورخ یونان ہیروڈوٹس کی تاریخ میں عرب کی قدیم تجارت کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ زمانہ موجودہ میں اس کی تجارت روم۔ افریقہ۔ ایران۔ ہندوستان اور یورپ کے ساتھ جاری ہے۔ ۱۹۱۰ء میں صرف موتیوں کی تجارت کی لاگت ۱۲ لاکھ پونڈ کے قریب اندازہ کیگئی ہے (ارض القرآن) عرب کی تجارت زیادہ تر قافلوں کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ عرب میں سڑکیں نہیں ہیں۔ کاروانوں کے راستے اکثر وادیوں ہوکر نکلتے ہیں۔ مگر کثرت آمد و رفت سے یہ راستے ہمارے ہاں کی سڑکوں سے زیادہ ہموار اور استوار ہو جاتے ہیں اور جادے کہلاتے ہیں۔ عرب میں ابھی تک قافلوں کے وہی راستے ہیں جو قدیم الایام سے چلے آتے ہیں۔ یہ اون کی قدامت پسندی کی خاص دلیل ہے۔ ان میں زیادہ معروف وہ راستے ہیں۔ جو دمشق سے بغداد۔ ریاض سے مکہ معظمہ اور مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ اور مسقط سے بغداد اور دمشق کو جاتے ہیں۔ اور اب تو حلب سے لیکر مدینہ منورہ تک ریلوے جاری ہے جو حجاز ریلوے کے نام سے مشہور ہے۔ اور برابر اطراف و جوانب میں ریلوے اور موٹر گاڑیوں کے انتظام خصوصاً عراق و شام کے علاقوں میں ہوتے جاتے ہیں۔

ملک عرب کی تقسیم قدیم

یونان و روم کے قدیم جغرافیہ داں۔ ایراسٹینوس۔ استرابو اور بلینی نے عرب کو دو قدرتی حصوں پر

○ ارض القرآن۔ بیسٹن یونیورسل ڈکشنری۔ تاریخ الاسلام

تقسیم کیا ہے۔ شمالی اور جنوبی۔ لیکن اس سے زیادہ مقبول اور پسندیدہ دوسری صدی عیسوی میں بطلیموس کی تقسیم ہوئی اور اب تک یورپین جغرافیہ نویس اور سیاح اسی تقسیم کی تقلید کرتے ہیں۔

بطلیموس نے تمام ملک کو تین طبعی حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ عرب آباد ان (العرب المیمونۃ) ARABIA FLEX اور عرب ریگستان (العرب الرمال) ARABIA DESERTA اور عرب سنگستان (العرب الحجر) ARABIA PETRECA

عرب آباد ان۔ یا عرب المیمونہ۔ بقیہ تمام جزیرہ نمائے عرب کو جو مغرب میں بحر احمر مشرق میں خلیج فارس۔ جنوب میں بحر ہند اور شمال میں عرب سنگستان اور عرب ریگستان سے محاط ہے۔ کہتے ہیں جس میں بحر احمر کے ساحل پر حجاز سواحل بحر احمر و ہند پر یمن۔ حضر موت اور سواحل خلیج فارس پر عمان و بحرین اور وسط عرب میں۔ یمامہ اور نجد داخل ہیں۔

عرب سنگستان یا عرب الحجر مغرب میں مصر کی سرحد سے جزیرہ نمائے سینا سے گذر کر مغرب میں بصرہ پر ختم ہوتا ہے۔ جو عرب کا ایک قدیم شہر ہے۔ شمال و مغرب میں تدمر تک اسکا گوشہ جاتا ہے۔ اور اس کی پشت پر شمال و مغربی یہودیہ اور فلسطین کا ملک پڑتا ہے۔ جنوب میں عرب ریگستان اور عرب آباد ان ہے۔ عرب ریگستان کی مشرقی و شمالی حد نہر فرات و الجزائر سے شروع ہو کر مغربی و شمالی حد میں عرب سنگستان یا عرب الحجر کی مغربی و شمالی پر ختم ہوتی ہے۔ جنوب میں عرب آباد ان یا عرب المیمونہ واقع ہے۔

یونانی اور رومانی فاتحین نے عرب بیریا (عرب سنگستان) اور عرب ڈزرنا (عرب ریگستان) کو فتح کر لیا تھا۔ اس لئے وہ اسکے حالات سے واقف تھے۔ عرب آباد ان کے صرف سواحل سے ان کو آگاہی تھی اور ایک آدھ غلط سلط اندرونی قبائل و اقطاع کے نام بھی انھوں نے سن لئے تھے۔

حسب تحقیق ڈاکٹر اسپرنگر۔ بطلیموس نے اپنے جغرافیہ میں عرب آباد ان کے ۵۴ قبائل۔ ۱۶۴ مقامات۔ ۱۵ کوہستانی سلسلے اور ۴ دریاؤں کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ اسطفینوس STEPHEN اور پلینی PLENY نے بھی بعض نام گنائے ہیں۔ لیکن اسباب خواہ جو کچھ ہوں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ دس پانچ ناموں کے سوا۔ اب وہ سب غیر معروف ہیں۔

تحقیق بطلیموسی پر تنقیدی نظر۔ غیر معتقدین بطلیموس تو یہ کہتے ہیں کہ ان ناموں کا وجود مصداق بطلیموس کے دماغ کے سوا کہیں خارج میں نہیں ہے۔ عرب کے خالی از معلومات اوراق کو پُر کرنے کے لئے نام اپنی طرف

سے گڑھ لئے ہیں۔ ایک مصنف اسکی ایک معقول وجہ بتلاتا ہے۔

اکثر ان اقطاع عرب میں آبادی کا کبھی کوئی باقاعدہ مقرر اصول نہیں رہا ہے۔ جس کا بطلیموس نے نشان دیا ہے۔ اگر بطلیموس کے ناموں میں کوئی حقیقت ہے۔ تو وہ کنوئیں ہوں گے۔ یا نخلستان۔ جہاں کاروان اور قافلے اپنے خیمے ڈیرے کھڑے کر دیتے ہوں گے۔ بطلیموس کے نہ صرف جغرافیہ عرب بلکہ جغرافیہ عالم کے متعلق علماء نے عرب کو یہی شکایت ہے اور اس کے وجوہ بھی بتاتے ہیں۔ سب سے چوتھی صدی ہجری میں مسعودی کہتا ہے۔

الا ان اسماءها فی هذا الکتاب بالیونانیۃ متعذر فهمها۔ جغرافیہ بطلیموس میں یونانی ناموں کو سمجھنا مشکل ہے۔ مروج الذہب ج اول ص۱۰۳ مطبوعہ مصر وحاشیہ نفح الطیب۔

ساتویں صدی ہجری میں یاقوت کی مقدمہ معجم میں شہادت ہے۔

جهلت اکثر الاماکن التی ذکرت فیها وابهم علینا امرها وعفت بطاولها الزمان فلا تعرف میں جغرافیہ بطلیموس کے بیان کردہ مقامات سے ناواقف ہوں اور میری سمجھ میں نہیں آسکے کہ مرور زمانہ سے وہ سب مٹ گئے اور اب مجہول ہیں۔

سب سے آخر میں دسویں صدی ہجری میں لفظ جغرافیہ کے تحت میں کاتب چلپی کا بیان ہے۔

لکن اندرس کثیر مما ذکره وتغیرت اسماءهم فانسد باب الانتفاع منه بطلیموس کے بیان کردہ مقامات مٹ گئے بدل گئے اور ان کے اطلاعی منافع سے فائدہ اوٹھانے کے ابواب مسدود ہو گئے۔

لیکن معتقدین بطلیموس۔ اس الزام سے برہم ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ یونانی اللہجہ ناموں کی عرب جغرافیہ نویسوں کے بلکہ حال کے سیاحین یوروپ کے بیان سے تطبیق دیجائے۔ ریونرنڈ فارسٹر نے ۱۸۴۴ء میں جغرافیہ عرب کے دوسرے حصہ میں ۱۰۹ سے ۱۱۷ تک ۱۵۷ صفحے۔ ان ناموں کی تحقیق و تصدیق و تطبیق میں صرف کئے ہیں اور ہر جگہ اپنی عالمانہ جہالت کی عجیب و غریب مثال پیش کی ہے۔ خوبیبا فارسٹر کو نہیں معلوم کہ یہ قبائل کب پیدا ہوئے۔ ان مقامات میں کب آباد ہوئے اور عربی میں ان کا صحیح نام کیا ہے۔ وہ بطلیموس کے لکھے ہوئے قبائل کے ناموں کو حروف کے ہیر پھیر سے موجودہ قبائل کے ساتھ تطبیق دیتا ہے اوس کو نہیں معلوم کہ اب قدیم قبائل کا علی الاکثر نشان بھی نہیں۔ وہ فاتحانہ شان کے ساتھ عہد اسلام میں کہاں سے کہاں نکل کر آباد ہو گئے۔ موجودہ قبائل کے نام بالکل نئے ہیں۔ قبائل کے ساکن کی تعیین اگر ہو سکتی ہے تو صرف جغرافئین عرب کے بیانات سے۔

فارسٹر کے بعد ڈاکٹر اسپرنگر نے ۱۸۷۹ء میں جغرافیہ عرب قدیم ANCIENT GEOG OF ARAB کے نام سے چھپوائی ہے۔ اس میں اسی قسم کی کوشش کی ہے۔ مجھے اون کی کامیابی کا حال نہیں معلوم ہو۔

اون کے مرتبہ نقشہ عرب قدیم کے سوا۔ اصل کتاب مجھے نہیں ملی ارض القرآن جلد اول ۱۷۰۰ ارض القرآن کے فاضل معاصر کو یوروپین محققین کے ان قیاسات واہیات پر تعجب نکرنا چاہیئے۔ اونکو اپنی تحقیق عالم میں کمال مطلق دکھلانے کے ساتھ ساتھ تمام دنیا کی زبانوں پر اکیلے علم واطلاع رکھنے ہی کا دعویٰ نہیں ہے۔ بلکہ اُن زبانوں میں زباندان ہونے کا بھی پورا پورا فخر حاصل ہے۔ مجھ کو چند عیسائی احباب سے ان امور میں ذاتی تجربہ حاصل ہو چکا ہے۔ ان میں سے ایک بزرگ۔ ایک کتاب میں ؟ بتنبّی (نبی مبعوث کیا گیا) کے معنی تبنّی کرنے کی بنا ڈالی گئی۔ ترجمہ فرماتے تھے۔ اور مجھ اپنے غلط فہمی کے اصرار پر گھنٹوں اولجھے رہتے۔ میں نے اس کتاب میں ریورنڈ فارسٹر صاحب کے ان قیاسات و مہملات کے مسلسل اور مکمل انکشافات مندرج کئے ہیں۔ جن کی علمی تحقیقات نکتہ رسی اور صحیح سخن فہمی کی خوبیوں میں چار کیا آٹھ چاند لگ جاتے ہیں۔ یہی حالت ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کی تحقیق وتطبیق کی بھی ہے۔ اون کی کتاب مدت سے میرے پیش نظر ہے۔ اون کے قیاسات وانطباقات بھی فارسٹر صاحب کی طرح "سوال از آسمان وجواب از ریسمان" کا حکم رکھتے ہیں۔ جن کو دیکھکر اور پڑھکر سنجیدہ اور فہمیدہ ناظرین کتاب مہذبانہ انداز سے تبسم زیر لب فرماکر رہ جائیں گے۔ اور بس۔ مگر ہاں۔ اتنا کہہ دینا اور بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ ریورنڈ فارسٹر صاحب کی عالمانہ جہالت سے اسپرنگر صاحب کی غلط فہمی کا درجہ کم ہے۔ میں نے ان صاحب کے غلط معنی اور غلط ترجموں کو اس کتاب میں اپنے اپنے مقامات پر لکھکر بتلا دیا ہے اور اکثر مقامات پر انکی تصحیح بھی کردی ہے"۔

المولف

سید اولاد حیدر عفی عنہ۔

بہر حال۔ عرب کے جن مقامات کے نام یونانیوں اور رومانیوں کی کتابوں میں آئے ہیں۔ ہم ان سب کا عربی صحت کے ساتھ ایک نقشہ مرتب کر کے ذیل میں درج کرتے ہیں

نمبر شمار	یونانی تلفظ	تلفظ بخط اردو	صحیح عربی نام	کیفیت
۱	MACARABA	مکارّبا	مکہ ربّہ	ربّہ کے معنی اعظم کے ہیں
۲	IATHREPPA	اتھرپا	یثرب	زمانہ جاہلیت میں مدینہ منورہ کا نام
۳	IAMBIA	انبیا	ینبوع	حجاز کا ایک ساحلی نام
۴	DUMATHA	دُومیتھا	دُومۃ	دومۃ الجندل شمال عرب کا ایک شہر
۵	EGRA	اجرا	حجر	ثمود کا دار الحکومت حجاز کے قریب ساحل بحر احمر پر
۶	THAMIA	تھیمیا	تیمار	انتہائے حجاز میں بجانب شام ایک شہر
۷	MADAUNA	مداونا	مدین	حجاز کے قریب ساحل بحر احمر پر حضرت شعیب کا شہر
۸	SUPPHOR	سفار	ظفار	یمن میں ایک قدیم شہر
۹	ADANA	عدانا	عدن	ساحل بحر ہند پر یمن کا ایک بندر
۱۰	MINAI	مینائی	مُعین	یمن میں ایک قدیم آبادی
۱۱	MARIABA	ماربا	مآرب	یمن کا قدیم دار الحکومت
۱۲	NEGRANA	نجرانا	نجران	یمن میں ایک نصرانی آبادی
۱۳	CHTRAMOTI	کٹیراچیموتی	حَضَرمَوت	ساحل بحر جنوبی عرب میں ایک شہر یمن کے پاس
۱۴	MACCALA	مکالا	مکلا	جنوب میں ساحل بحر عرب پر
۱۵	GERRHAI	گرہائی	قریہ	یمامہ میں ایک شہر
۱۶	CATABAI	قتابائی	قتاب	قدیم یمن میں ایک شہر
۱۷	KARNAI	قرنان	قرن	حضرت اویس قرنی اسی کی طرف منسوب ہیں
۱۸	SALAEE	سبائی	سبا	" "
۱۹	OMANUM	عمانوم	عمّان	ساحل خلیج فارس پر مشرقی عرب میں ایک صوبہ
۲۰	AMITHOSCUTA	امیتھوسکوٹا	مسقط	عمان کا دار الحکومت

ـــہ ارض القرآن ج ۱ ۔ ۶۴ ۔ ۶۱

عرب سنگستان وریگستان سے یونانیوں اوررومانیوں کو واقفیت تھی۔ کہ ان پر انکا قبضہ تھا۔ لیکن یہاں دوسری دقت ہے عربی آبادیوں (کے ناموں کو) مٹا کر یونانی نام سے یونانی اوررومانی شہر قایم کرلئے تھے۔ تاہم جن ناموں کے اتحاد واشتراک کا حال معلوم ہوا ہے حسب ذیل ہیں۔

تدمر۔ سب سے مشہورتر مقام ان اطراف میں یہی تھا۔ یہ انتہائے شمال میں فلسطین کے پاس عرب کا آخری شہر ہے۔ اسفار یہود میں ہے کہ اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنوایا تھا (ملوک اول ۹ - ۱۹) بہرحال۔ یہ ایک عرب ریاست کا دارالامارت تھا۔ رومیوں نے جب سنہ ۱۷۰ء میں فتح کیا تو اسکا نام پالمائیر رکھدیا۔ جوزوفس جلد اول ص ۴۲۸۔

رباۃ مواب۔ یہ شہر بحرمیت کے قریب عرب سنگستان میں۔ موابی عربوں کا دارالحکومت تھا۔ رومیوں نے اس کا نام اریوپولوس رکھا تھا سنہ ۳۱۵ء میں زلزلہ سے تباہ ہوگیا۔ بوان۔ ص ۲۰۲

بصرہ۔ جس کو رومیوں نے بگاڑ کر بوسٹرہ بنایا ہے۔ وہ ابھی اسی شہر (بصرہ) کے قریب تھا۔ اوراب بھی اسکا نشان ہے یہ ادومی عربوں کا خاص مقام تھا۔ بوان۔ ص ۲۰۲

الرقیم۔ اس کو عبرانی سلاع اوریونانی۔ پٹرا کہتے ہیں۔ یہ شمالی عرب میں پہلے مدیانی حکومت کے ماتحت ایک دارالامارت تھا۔ پھر نبطی عربوں کا دارالحکومت ہوا۔ رومیوں کے عہد میں بھی اسکو خاص اہمیت تھی۔ (بوان ۲۰۲)

رباۃ عمون۔ عمونی عربوں کا عرب ریگستان کے شمالی ومشرقی حصہ میں دارالحکومت تھا۔ اس کو یونانیوں نے فلاڈلفیا کا نام بخشا ہے۔ کہ تیسری صدی ق م میں اسکو شاہ بطلیموس فلاڈلفوس نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ (جوزوفس جلد ۱ صہ ۱۹۲)

ان لوگوں کو بعض جزائر اور سواحل عرب سے بھی واقفیت تھی۔ تم نے مکہ کا نام اوپر پڑھا ہوگا۔ اسکا ذکر بطلیموس نے بھی کیا ہے۔ اوراوسکی جگہ ۱۳ - ۵۴ درجہ پر مقرر کی ہے۔ لیکن صحیح مقام ۱۴ - ۳۰ درجہ ہے۔ (فاسٹر ج ۲ صہ ۱۹۲)

بطلیموس سے سو برس پیشتر ایک یونانی مصری نے جس کا نام مجہول (غیر معلوم ہے) ہے جہازرانوں کے لئے ایک بحری جغرافیہ (چارٹ) ترتیب دیا تھا۔ جس میں اس نے بحر عرب کے جزائر پر جو قریب ہند واسکندریہ کے سرراہ واقع ہیں۔ روشنی ڈالی ہے۔ وہ پہلے بحر عرب میں عرب کے ایک جنوبی ساحل یودیموں EUDAEMON کا ذکر کرتا ہے جس کو عدن سمجھنا چاہئیے۔ اس کی نسبت اوس کا بیان ہے کہ مصر وہند کے درمیان یہ ایک تجارتی منڈی ہے جیسی کہ اب بھی ہے

عرب کی تقسیم قدیم۔ جزیرہ نمائے عرب۔ پہلے آٹھ علاقوں میں منقسم ہے۔

(۱) علاقہ سینا۔ ملکی جغرافیہ میں علاقہ طور کے نام سے مشہور ہے۔ اس علاقہ میں وادی تیہ بھی شامل ہے۔ یہ علاقہ خلیج عقبہ اور خلیج سویز کے درمیان خدیو مصر کے ماتحت ہے۔ اسی علاقہ میں وہ جبل مقدس ہے جو تمام آسمانی کتابوں میں کوہ طور کے نام سے مشہور ہے۔ اور اسی کوہ مقدس پر جناب موسیٰ کو کرشمہ قدرت نظر آیا اور احکام توریت نازل فرمائے گئے۔ ڈاکٹر بک DRBEOK کا بیان ہے کہ اصل جبل سینا (کوہ طور) وہ ہے جو خلیج عقبہ کے عین سرے پر واقع ہے۔ اس کوہستانی سلسلہ کو جبل موسیٰؑ کہتے ہیں۔ اسکی سب سے اونچی چوٹی کوہ حریب ہے۔

(۲) علاقہ حجاز بحر احمر کے کنارے۔ علاقہ سینا سے شروع ہو کر ساحل یمن تک تمام ہوتا ہے۔ اس علاقہ کا ایک بڑا حصہ ناقابل زراعت ہے۔ اسی علاقہ میں شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ (زادہما اللہ شرفہا) واقع ہیں جہاں کی خوش نصیب زمین سے اسلام زادہ اللہ کی نشو ونما ہوئی۔

(۳) تہامہ بحر قلزم کے ساحل سے کچھ فاصلہ پر ایک پہاڑی سلسلہ چلا گیا ہے۔ اس کوہستانی سلسلہ اور ساحل بحر قلزم کے درمیانی علاقہ کو جو مکہ معظمہ سے لیکر یمن کے شہر نجا تک چلا گیا ہے تہامہ کہتے ہیں۔ اسکو اکثر قدیم جغرافیہ نویسوں نے الغور کے نام سے بھی لکھا ہے۔ اسی علاقہ میں شہر حدیدہ۔ لوبیہ اور مخا واقع ہیں۔ اور مخا تو کافی کیلئے ساری دنیا میں مشہور ہے۔

(۴) یمن کے شمال میں حجاز جنوب میں خلیج عدن۔ مغرب میں بحر قلزم۔ اور مشرق میں حضر موت واقع ہے۔ عرب کے تمام علاقوں میں یہ علاقہ سب سے زیادہ سبز و شاداب ہے۔ قدیم زمانہ میں علاقہ حضر موت مع اپنے توابعات۔ مہرہ شحر اور عمان کے سب اسی میں شامل تھے۔ لیکن اب نہیں۔ شہر صنعا اس علاقہ کا دار الحکومت ہے اور بہت بڑا خوبصورت شہر ہے۔ یمن کے بلند مقامات جنکو جبل الیمن کہتے ہیں۔ انہیں بہت سی وسیع اور زرخیز آبادیاں ہیں۔ جہاں قہوہ۔ وسمہ زنجبیل کاہو اور ہر قسم کی ترکاریاں اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ آب و ہوا یہاں کی معتدل ہے۔ خزاں اور بہار میں دو دفعہ پانی برستا ہے۔ قدیم سے یمن کی تجارت مصر ہندوستان شام اور ایران وغیرہ کے ساتھ جاری ہے۔ یہاں کے اکثر باشندے زیدیہ مذہب کے ہیں جنمیں کچھ تو تجارت پیشہ ہیں اور کچھ کاشتکار۔

(۵) حضر موت۔ بہت وسیع علاقہ ہے جو جنوب مشرق کے ساحل سے ہوتا ہوا دور تک ملک کے اندرونی حصہ میں داخل ہو گیا ہے۔ اس علاقہ میں کثیر التعداد حکومتیں واقع ہیں جنپر جداگانہ امیر قبائل حکومت کرتے ہیں۔ یہاں کوئی قابل الذکر مقام نہیں۔

(۶) علاقہ عمان۔ اسکے شمال و مشرق میں خلیج فارس محیط ہے مغرب میں حضر موت اور جنوب میں بحر ہند واقع ہے۔ یہاں ایک خارجی فرقہ کا حاکم حکمران ہے۔ جو نوعیہ حکومت برطانیہ کا زیر فرمان ہے۔ شہر مسقط اس کا دار الحکومت ہے۔ مسقط مشہور بندرگاہ ہے اور تجارتگاہ۔ مکہ جانیوالے راستہ میں حاجی ضرورت کے اشیا یہیں سے فراہم کرتے ہیں۔

(۷) علاقہ بحرین۔ یہ علاقہ پہلے یمامہ کو ملا کر العروض کے نام سے مشہور تھا۔ اسکا قدیم دار الحکومت شہر یمامہ تھا جسے پہلے جو کہتے تھے۔ یاقوت حموی معجم البلدان میں عروض سے صرف یمامہ ہی کو مراد لیتا ہے۔ آخر میں یہ علاقہ جزیرہ بحرین کے شامل ہو جانے سے۔ اسی نام سے مشہور ہو گیا۔

(۸) علاقہ نجد۔ اس علاقہ کے شمال میں صحرائے شام جنوب میں الربع الخالی مغرب میں حجاز اور مشرق میں عراق عرب واقع ہے۔ یہ علاقہ ایک وہابی حاکم کے زیر حکومت ہے۔

اسکے شمالی حصہ میں جبل الشمر کے نام سے ایک ریاست مشہور و معروف تھی۔ جو پہلے حکومت عثمانیہ کے زیر فرمان تھی اب خود مختار ہے۔

(۹) الربع الخالی حضرموت کے شمال میں ایک وسیع صحرا ہے۔ جو ربع الخالی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بالکل غیر آباد اور ناقابل زراعت قطعہ زمین ہے۔

(۱۰) دیار الغیر (آسر) وہ قطعہ زمین ہے جو حجاز اور یمن کے درمیان ایک ریگستانی چٹیل میدان کی صورت میں واقع ہے حجاز کے شمالی حصہ میں جو کوہستانی سلسلہ ہے وہ قدیم زمانہ میں بنی ادہم اور بنی مدین کے عربی قبائل کا مسکن تھا۔

ملک عرب کے وہ مقامات جو کتب قدیمہ میں مذکور ہیں

فاران۔ عرب کے قدیم جغرافیہ۔ توریت کے اقتباسات اور بڑے بڑے محققین کی تحقیقات سے یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ مکہ کے پہاڑوں کا نام فاران ہے حدیدہ جو حضرت اسمٰعیل کے آٹھویں بیٹے حمادد کی طرف منسوب ہے۔ اور توریت میں حداد کے نام سے مذکور ہے۔ بکہ زبور باب آیت میں جہیں قربانگاہ کہیں قربانی کرنیکی تمنا کیگئی۔ وہ وہی بکہ اور اسکا معبد ہے۔ جو الفاظ قرآنی میں اسطرح بتلایا گیا ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا۔ سب سے پہلا (خدا کا) گھر جو آدمیوں (کی پرستش) کیلئے بنایا گیا۔ وہ (شہر) مقدس بکہ میں ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ بکہ فی الحال مکہ معظمہ ہے۔

اس دعا میں حضرت داؤد نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مورہ کو کھود کر کنواں بنا لیتے ہیں جب سلسلہ واقعات اور مناسب مقامات پر غور کیا جاتا ہے۔ اور بکہ سے حقیقتاً مکہ ثابت ہوتا ہے۔ تو مورہ سے مروہ کے تسلیم کئے جانے میں کسکو کلام ہو سکتا ہے۔ اس بنا پر مروہ وہی ہے جو زبور میں مورہ کے نام سے مذکور ہے۔ مدیان یا مدین زمین شام کے جنوب سے یمن کے شمال تک علاقہ مدین کہلاتا ہے۔ یہ لوگ حضرت ابراہیم کی اولاد میں جو قنطورا کے بطن سے ہیں۔ ضمیمہ بائبل ص ۱۱۴) کتاب حزقیل کی ۲۷-۱۹-۲۴-آیتوں میں۔ قانہ اور حاران وغیرہ کا۔ عدن کے ساتھ نام آیا ہے اوفر نام ایک دوسرا بندر تھا حضرت سلیمان کے جہاز عیلات سے چلکر یہیں اوفر آتے تھے (ملوک اول ۹-۲۸) اوفر کا توریت میں متعدد بار نام آیا ہے یہ ایک تجارتی منڈی تھی سونا کثرت سے یہاں آتا تھا۔ عدن جو اب تک موجود ہے۔ اسکی تجارت کی اسوقت بھی دھوم تھی (۲۷-۲۲)

یمن کے مشہور شہروں میں سے سبا کا نام بھی توریت میں آیا ہے۔ یہاں کی ملکہ حضرت سلیمان کے دربار میں آئی تھی (ملوک دوم ۱۰-۱-۱۲) سبا کیساتھ یمن کے دوسرے تجارتی شہروں مثلاً اوزال کا نام بھی دولتمندی کی خصوصیت کیساتھ لیا گیا ہے (کتاب حزقیل ۲۷-۱۹) اوزال اس آباد تھا جہاں صنعا آباد ہے۔ شمال عرب میں حجاز کے کسی قطعہ میں تو یلا واقع تھا۔ جہاں بنی اسمٰعیل کی آبادی تھی۔ (تکوین ۲۵-۱۸) عربوں کے ایک اور مسکن کا نام جور بعل بتلایا گیا ہے (تاریخ ثانی ۲۶-۷) معلوم نہیں کہاں واقع تھا لیکن فلسطین کے ساتھ اسکا ذکر ہے۔ شاید شمالی عرب میں ہوگا۔

ملک عرب کی تقسیم جدید

انقطاع عرب۔ عرب جغرافیہ نویسوں نے ملک کو اسکے حدود طبعی کی بنا پر تقسیم کیا ہے۔ عرب عراق و عرب شام کو چھوڑ کر حسب ذیل پانچ صوبوں پر

تقسیم ہے تھامہ، حجاز، نجد، یمن اور عروض۔ اس تقسیم کا اصل معیار جبل السراۃ قرار دیا گیا ہے جو عرب کا سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ ہے۔ یہ سلسلہ انتہائے شمال یعنی بر الشام سے شروع ہو کر انتہائے عرب یعنی یمن میں منتہی ہوتا ہے۔ اس سلسلہ نے عرب کو شرقی و مغربی دو طبعی حصوں میں منقسم کر دیا ہے۔ مغربی حصہ مشرقی حصہ سے چھوٹا ہے۔ وہ عرضاً دامن کوہ سے سواحل بحر احمر تک اور طولاً حدود عرب شام سے حدود یمن تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ اس حصہ کا نام حجاز ہے۔ حجاز کا جنوبی حصہ بطرف یمن جو نشیب و پست ہے۔ تھامہ اور غور بھی کہلاتا ہے جسکے معنی پستی کے ہیں۔ مشرقی حصہ ہموار بلند اور فراز ہے اور وہ کوہ سروات سے اتر کر وسط ملک کو طے کرتا ہوا عراق تک چلا گیا ہے۔ اس حصہ مشرقی کا نام نجد ہے جسکے معنی فراز و بلند کے ہیں۔ تھامہ اور نجد کے درمیانی اور کوہستانی حصہ کو بھی حجاز اسلئے کہتے ہیں کہ وہ دونوں ملکوں کے درمیان ایک حاجز (حاجب) اور پردہ ہے۔ عراق اور جنوبی حدود نجد سے خلیج فارس تک یمامہ۔ عمان اور بحرین وغیرہ جو قطعہ ملک ہے اسکو عروض (ترچھا) کہتے ہیں، کیونکہ وہ ترچھا اور خم واقع ہوا ہے۔ حجاز، نجد اور عروض کے بعد جنوبی حصہ میں سواحل بحر احمر سے سواحل بحر عمان تک سواحل بحر عرب پر جو قطعہ ملک ہے۔ جو اپنے یمن و برکت اور زرخیزی کی بنا پر یمن کے نام سے مشہور ہے۔

فاضل معاصر صاحب ارض القرآن کو۔ یمن کی وجہ تسمیہ میں سہو ہوا ہے۔ یمن کا یمن سے ماخوذ ہونا ظنی ہے اور قیاسی۔ اصلاً یمن یمان سے ماخوذ و مستخرج ہے جس کے معنی سیدھے طرف کے ہیں۔ چونکہ خانہ کعبہ سے اور علاقہ حجاز سے ملک یمن سیدھے ہاتھ کی طرف واقع ہے۔ (ملاحظہ ہو نقشہ ارض القرآن متعلقہ ص 12) اس لئے اسے یمان بہ کثرت استعمال سے یمن کہنے لگے۔ خانہ کعبہ میں رکن یمانی۔ اوس رکن مخصوص کا نام ہے جس کو حجاج سیدھے کاندھے سے ملا کر طواف کے شوط پورا کرتے ہیں اور اسکا ٹھیک دست یمین سے مقابل اور برابر رکھنا ارکان ضروریہ میں ہے۔ المولف

اب بہت سے اہل جغرافیہ کے نزدیک تھامہ کوئی مستقل صوبہ نہیں بلکہ حجاز کا ایک ٹکڑا ہے۔ اسلئے عرب کے حسب ذیل صرف چار صوبے قرار دئے جا سکتے ہیں۔ عروض، نجد، یمن اور حجاز ان چاروں صوبوں میں سے ہر صوبہ متفرق چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر منقسم ہے۔

قدیم اخبار و آثار سے بھی تھامہ اور حجاز کے ایک علاقہ ہونے کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ اور سب سے واضح اور قوی ثبوت یہ ہے کہ جناب رسالت آب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موطن و مسکن کے القاب و خطابات مشرفہ۔ کتب سیر و حدیث میں برابر الابطحی التھامی۔ اور بعض مقامات میں المکی التھامی مرقوم ہیں جو ان دونوں مقامات

ارض القرآن ج 1۔ 87۔ 88

کے اتصال و اتحاد کو قطعاً ثابت کرتے ہیں۔ المولف۔

علاقہ عروض

عروض جیسا کہ ہم نے پہلے بتلایا ہے۔ وہ قطعہ ملک ہے۔ جو مشرقی نجد اور حدود عراق سے سواحل خلیج فارس تک پھیلا ہوا ہے۔ اس صوبہ میں یمامہ۔ بحرین اور عمان تین اقطاع ہیں۔ بحرین اور عمان ساحل بحر فارس پر واقع ہیں۔ اور یمامہ بحرین اور عمان کے پارہ نجد حجاز اور یمن کے وسط میں ہے۔

(۱) یمامہ۔ یمامہ کے حدود اربعہ یہ ہیں۔ مشرق میں عمان اور بحرین۔ مغرب میں حجاز اور بعض حصہ یمن۔ مغرب میں احقاف یا الربع الخالی۔ شمال میں نجد۔ یمامہ کا وہ حصہ جو نجد سے متصل ہے۔ آباد اور سرسبز ہے۔

یمامہ کی قدیم تاریخ یہ ہے کہ وہ قبایل طسم و جدیس کا مسکن تھا۔ (ابوالفدا ص ۹۹) حجر یا قریہ اور جیدہ ان قبائل کے عہد میں یمامہ کے مشہور شہر تھے۔ یمامہ میں طسم اور جدیس کی بعض عمارات اور قلعوں کے آثار زمانہ اسلام تک باقی تھے۔ جن میں سب سے بڑی عمارتیں قصر شموس قصر مشقق تھیں۔ (معجم البلدان) شہر حجر جس کا نام القریہ ہے ان قبایل کی حکومتوں کا صدر مقام تھا۔ زرقاء جس عورت مشہورہ کی نسبت آجتک مذکور ہوتا ہے کہ وہ بہت تیز نگاہ تھی۔ دشمن کی فوج کو تین روز کی مسافت سے دیکھتی تھی۔ اسی یمامہ کی رہنے والی تھی۔ مشہور قبیلہ ربیعہ کی بعض شاخیں عہد قدیم سے یہاں آباد تھیں۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بنو عجل کی آبادی بھی یہیں تھی۔

قریب زمانہ اسلام اس سرزمین میں عرب کا ایک مشہور قبیلہ بنو حنیفہ بستا تھا جو بکر ابن وائل کی ایک شاخ تھا۔ بنو حنیفہ نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر ۹ ہجری میں عقیدت کیشی کا اظہار کیا۔ اسی ملک و قبیلہ کا فرزند مسیلمہ (الکذاب) تھا جس نے آخر عہد نبوی میں ادعائے نبوت کیا۔ اور حضرت ابو بکر کے عہد میں ایک جنگ عظیم کے بعد وحشی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بنو اسد کا ایک مشہور قبیلہ اسلام سے تقریباً ایک صدی پیشتر یہاں آباد تھا۔ جو حکومت کے لحاظ سے ال کندہ کا ماتحت تھا۔

۲ بحرین۔ جس کا دوسرا نام الاحسا ہے۔ ایک ساحلی مقام ہے۔ اوس کے اوپر عراق۔ اوسکے نیچے عمان اوسکے مغربی پہلو پر یمامہ اور مشرقی جانب خلیج فارس واقع ہے۔ بحرین موتیوں کے لئے مشہور ہے۔ اس کے جزائر اور سواحل موتیوں کی کان ہیں۔ جہاں ہر سال ہزاروں کشتیاں اور

ہزاروں غواص موتیوں کے نکالنے میں مشغول رہتے ہیں لیکن اون کی محنت کا ثمرہ موتیوں کے عرب تاجر کم اور یورپ کی کمپنیاں زیادہ تر حاصل کرتی ہیں۔

قبیلہ جدیس جو طسم کو مٹا کر یمامہ کا مالک ہو گیا تھا۔ حسان شاہ یمن کے حملوں سے گھبرا کر یہیں پناہ گزیں ہوا تھا۔ بعد کو عدنانی قبائل میں سے قبیلہ عبدالقیس کا یہ مسکن ہوا بعض قبائل ربیعہ بھی یہاں آباد تھے۔ چھٹی صدی عیسوی میں بحرین اہل فارس کے قبضہ میں تھا۔ اور ایک طرف سے مناذرہ (آل منذر) جو عراق (حیرہ) اور اوس کے آس پاس والے ملک میں ایرانیوں کے نائب تھے۔ بحرین کے حاکم تھے۔ (یعقوبی ج ۱ ص ۲۴۰ لنڈن) طرفہ جو عرب کا ایک مشہور شاعر تھا۔ آل منذر کے اشارے سے یہیں قتل ہوا۔ سنہ ہجری میں یہاں کا حاکم منذر بن عادی تھا جو پیغام اسلام پہونچنے پر اپنی تمام عرب رعایا کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔ اور یہاں سے بنو عبدالقیس کا ایک وفد حاضر خدمت نبوی ہوا۔

بعد اسلام اس ملک میں سب سے بڑا واقعہ یہ ظاہر ہوا کہ قرامطہ جو تمام مسلمانوں کے دشمن تھے اونکی ریاست کا مرکز۔ فارس کے قربت کی بنا پر یہی ملک تھا۔

۳ عمان۔ بحرین کے بعد خلیج فارس سے ہٹ کر بحر عمان کے ساحل پر واقع ہے۔ مشرقی جانب بحر عمان، مغرب کی طرف الربع الخالی۔ جانب جنوب بحرین۔ جانب شمال شہر یمن۔ ساحلی مقامات نہایت آباد اور سرسبز ہیں۔ جبل اخضر یہاں کا سب سے بڑا پہاڑ ہے جس کی بلندی ۱۰۰۰۰ فٹ ہے۔ ملک عمان کے پہاڑ معدنیات سے اور اوس کے دریا موتیوں سے اور اوس کی وادیاں غلہ۔ فواکہ اور خوشبودار لکڑیوں سے مالا مال ہیں۔ عمان کے گھوڑے۔ گائیں اور بکریاں بھی مشہور ہیں۔

مورخین عرب کا بیان ہے کہ عمان۔ عمان بن قحطان کی طرف منسوب ہے۔ لیکن بروایت توریت یہ عمان ابن لوط کی طرف منسوب ہونا چاہئے۔ قبیلہ ازد جس کو بنی اسد بھی کہتے ہیں۔ قبل اسلام اس کی ایک شاخ یہاں آباد تھی۔ آجکل یہ ملک ایک مستقل ریاست ہے۔ جس کا پایہ تخت مسقط ہے۔ اہل ملک زیادہ تر اباضی طریقہ کے خارجی ہیں ملک کا رقبہ کم از کم ۸۰ ہزار میل مربع اندازہ کیا جاتا ہے۔

اللہ اکبر

علاقہ نجد

نجد۔ وسط عرب میں۔ ایک سرسبز و شاداب اور بلند و فراز قطعہ ملک ہے۔ سطح آب سے ۱۲۰۰ میٹر بلند ہے اور تین طرف سے بے آب صحراؤں سے محیط ہے۔ اور اسی لئے وہ اجنبی نفوذ اور بیرونی آمد و رفت سے محفوظ ہے۔ اوس کے شمال میں صحرائے شام مغرب میں صحرائے حجاز مشرق میں صحرائے دہنا (الربع الخالی) اور جنوب میں یمامہ ہے۔

نجد عرب کے مشہور قبیلہ بکر ابن وائل کا مسکن تھا۔ کلیب۔ جس سے بڑھ کر عرب جاہلیت کے نزدیک کوئی معزز نہیں ہوا۔ بکر بن وائل کا سردار تھا۔ جس کے قتل کے بعد۔ انتقام کے لئے۔ بکر و تغلب میں چالیس برس تک آتش جنگ مشتعل رہی۔ یہیں کندہ کے نام سے ایک چھوٹی سی عربی حکومت قائم ہوئی۔ جو مناذرہ ملوک حیرہ کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھی۔ قباد۔ پدر نوشیرواں نے جب مزدک کا مذہب اختیار کیا۔ تو مناذرہ کے مقابلہ میں شہنشاہ فارس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے۔ شاہان کندہ نے بھی۔ اس مذہب کو اختیار کر لیا تھا اور آخر یہی امر اون کی تباہی کا باعث ہوا۔

عربی زبان کو نجد کی آب و ہوا سے عجیب و غریب مناسبت ہے۔ مُہلہل۔ جو عربی شاعری کا آدم کہلاتا ہے۔ اسی نجد کی خاک سے پیدا ہوا تھا۔ اور کلیب مذکور کا حقیقی بھائی تھا۔ امرأ القیس جو عرب کا ملک الشعراء تھا۔ اسی نجد کی حکومت کندہ کا آخری شہزادہ تھا۔ اور آج بھی جبکہ امتداد زمانہ اور اختلاط اقوام کے سبب سے فصیح عربی زبان کا نام جزیرۂ عرب میں کہیں موجود نہیں۔ یہاں کے پہاڑوں میں قدیم فصیح عربی زبان بلا اختلاط موجود اور محفوظ ہے۔

نجد بہت قدیم سے قبائل عاد ثانیہ کا مسکن ہے۔ آخر عہد میں کہلانی قبیلہ کی مشہور و معروف شاخ طے اجا و سلمٰی کی پہاڑیوں میں آباد ہو گئی تھی۔ جن کو شعراء طے نے ہمیشہ فخر کے ساتھ یاد کیا ہے چھٹی صدی عیسوی میں جو ظہور اسلام کا زمانہ ہے۔ نجد میں غطفان کا قبیلہ بستا تھا۔ جن کی تادیب کے لئے خود آنحضرت صلعم مع صحابہ سنہ ۴ھ میں نجد تشریف لائے تھے۔ اس مہم کا نام اہل سیرت (والمغازی) کے ہاں غزوہ ذات الرقاع ہے۔ قبیلہ ہوازن۔ اور سلیم نجد کے مغربی حصہ پر قابض تھا قبیلہ حطیم کی بھی ایک شاخ نجد میں تھی۔

آجکل نجد، شمر، قصیم اور عارض تین حصوں پر منقسم ہو کر دو شیوخ کے زیر حکومت ہوگیا ہے شمالی حصہ جو صحرائے شام و عراق و حجاز کے متصل ہے شمر کہلاتا ہے اور کبھی اپنے دارالامارۃ حائل کے نام سے حائل پکارا جاتا ہے۔ جبل الشمر اور جبل سلمیٰ اور کچھ وادیاں اس تقسیم میں داخل ہے۔ شمر کی حکومت آجکل آل رشید کے قبضہ میں ہے۔ آبادی کا تخمینہ تین لاکھ ہے شمر میں قبیلہ طے کی ایک شاخ شمر نامی آباد تھی جسکے نام سے یہ ملک موسوم ہوگیا۔

عارض جو یمن کے صوبہ احقاف کے متصل ہے نجد الیمن کہلاتا ہے۔ اور آجکل نجد سے عموماً یہی سرزمین مراد لی جاتی ہے۔ امیر نجد آل سعود ہے۔ جس کے دارالامارۃ کا نام مدینۃ الریاض ہے۔ قصیم کا جنوبی حصہ اسی حکومت کے تابع ہے۔ نجد کا یہ حصہ شمر سے زیادہ سرسبز و شاداب ہے۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے اثر سے عارض کے باشندے زیادہ تر اہل حدیث ہیں اور انکی مردم شماری بیش و کم ۵ لاکھ ہے۔

نجد کے چھول۔ گھوڑے اور اونٹ مشہور ہیں۔ ہر قسم کے میوے یہاں کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ وادیوں اور پہاڑوں کے دامن میں زراعت بھی ہوتی ہے۔

علاقہ یمن

یمن عرب کا سب سے زیادہ سرسبز سب سے زیادہ آباد اور سب سے زیادہ وسیع اور سب سے زیادہ متمدن ملک ہے۔ (اسی مناسبت سے اکثر عروس الممالک لکھا گیا ہے) اور جو قبل اسلام اور بعد اسلام مرکز علم رہا ہے۔ اس کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ اس لئے اکثر مجہول ہے۔ عمارات اور قلعوں کے آثار یہاں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جو قدیم شان دار تمدن کا پتہ دیتے ہیں۔ قرب و جوار کی سلطنتوں نے مثل روم و فارس اور حبشہ نے اس پر متواتر حملے کئے ہیں اور کبھی فتح بھی کیا ہے یونانی اور رومی مورخین کے پاس یمن کے متعلق بعض اہم معلومات ہیں اور کچھ معلومات آثار قدیمہ کی مدد سے یوروپین علمائے آثار (ارکیالوجسٹ) نے حاصل کئے ہیں۔

صوبہ یمن کے حدود طبعی یہ ہیں۔ گو اوس کے حدود حکومت مختلف زمانہ و حکومت میں مختلف رہے ہیں۔ جنوب میں بحر عرب مغرب میں بحر احمر شمال میں حجاز نجد اور یمامہ اور مشرق میں عمان و بحرین۔ اس ملک کی ابتدائی تاریخ جیسا ہم نے پہلے بیان کیا ہے قدامت کی تاریکی میں مخفی ہے جہاں تک معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس سرزمین کے مختلف اقطاع میں وقتاً فوقتاً عمالیق

اہل معین۔ عاد۔ سبا۔ اور حمیر کی عظیم الشان سلطنتیں یہاں قایم ہوئی ہیں (ان بیانات کی تفصیل قبائل عرب میں آئے گی) جنھوں نے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کیں۔ جن کی عظمت کے آثار ابتک باقی ہیں۔ ترقی زراعت کے لئے وادیوں میں بڑے بڑے بند آب ہیں۔ جن میں سے سب سے زیادہ مشہور سد مآرب ہے۔ جس کا قرآن مجید میں بھی ذکر ہوا ہے۔ ہندوستان۔ فارس۔ حبش مصر اور عراق کی تجارتیں اونھیں کی وساطت سے قایم تھیں۔ پہاڑوں سے معدنیات اور جواہر نکالتے تھے۔ سامان عطریات و بخورات انھیں کے ملک سے تمام مہذب ممالک میں پہونچتا تھا۔ آخر عہد میں تقریباً ستر برس کے لئے اہل حبش یمن پر قابض ہوگئے تھے۔ جن کو آخر کار اہل فارس نے یمن سے نکال دیا۔ اور خود قابض ہوگئے۔ ظہور اسلام کے وقت اہل فارس کیطرف سے باذان یہاں کا گورنر تھا۔ جو سنہ ہجری میں مسلمان ہوگیا۔ بقیہ اہل یمن جو یہودی تھے سنہ میں داعی اسلام حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ ہمدان یمن کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ تمام قبیلہ صرف ایک دن میں شرف اسلام سے مشرف ہوا۔ یہ مواعظت مرتضوی کے کمال صداقت کے اعجاز نما فیوض تھے۔

یمن کے مشہور مقامات کے نام یہ ہیں۔ معین۔ مآرب۔ ظفار۔ شیبان۔ اوزال۔ براقش۔ نشق۔ خولان۔ قرن۔ شقوہ۔ عمران اور صنعا وغیرہ۔ ان میں اکثر مقامات ویران یا دریا سے ریگ میں غرق ہیں۔ بعض موجود ہیں۔ لیکن اون کے قدیم نام متروک ہیں۔ ملک کی کثرت آبادی و سرسبزی کا اندازہ اس سے ہوسکتا کہ ملک کی تقسیم پہلے جن صوبوں پر تھی اور جن کو اہل عرب مخلاف کہتے ہیں۔ مورخ یعقوبی نے اون کی تعداد ۸۴ بتائی ہے۔ یمن کی بڑی بڑی تقسیمیں یہ ہیں (یعقوبی ص ۳۲۲ لیڈن) حضرموت۔ احقاف۔ صنعا۔ نجران۔ عسیر۔ جو علی الترتیب مشرقی جنوبی حدود یعنی حضرموت سے جنوبی مغربی حدود یعنی حجاز تک سواحل بحر ہند و بحر احمر پر واقع ہیں۔

---

۱ حضرموت۔ ساحل بحر ہند پر واقع ہے۔ شمال میں بحر ہند جنوب میں الربع الخالی اور الاحقاف اور مغرب میں صنعاے یمن۔ یہ ایک نہایت قدیم آبادی ہے۔ قحطان یا یقطان جو یمن کا پدر اول تھا۔ اوس کے بارہ بیٹوں میں سے توریت نے ایک کا نام حضرماوت بتایا ہے۔ اسی بنا پر اہل تاریخ یقین کرتے ہیں کہ یہ قطعہ زمین اپنے باشندہ اول حضرماوت بن قحطان کے نام

۱۵۱ ج ۲ ص ۳۰

سے منسوب ہے۔ اہل حضرموت نے ایک مستقل حکومت بھی قایم کر لی تھی جس کی مختصر تاریخ مؤرخ ابن خلدون[1]
نے بیان کی ہے۔ عاد و ثمود کے قبائل کا اصلی مسکن بھی یہی تھا۔ عاد کا قبیلہ یہاں سے ہٹ کر احقاف
میں بس گیا اور ثمود کا قبیلہ حجاز کے پاس جاکر آباد ہوا۔ اور بالفعل حضرموت ایک مستقل قطعہ ملک کی
حیثیت سے ایک مستقل امام کے متعلق ہے۔ شادابی اور سبزی میں صنعاے یمن سے کم
نہیں ہے۔ اور عود قافلی وغیرہ یہاں کے نباتات مشہور ہیں۔ سال بسال حضرموت میں سوق الرابیہ
کے نام سے ایک بازار لگا کرتا تھا اور اسی کے متصل شہر مہرہ میں دوسرا بازار لگتا تھا۔[2]

۲۔ بلاد الاحقاف

یمامہ۔ عمان۔ بحرین۔ حضرموت۔ اور مغربی یمن کے بیچ میں جو صحراے عظیم الدہنا یا ربع خالی کے نام سے واقع ہے۔ گو وہ قابل آبادی
نہین لیکن اوس کے اطراف میں کہیں کہیں آبادی کے لائق زمین ہے۔ خصوصاً اوس حصہ
میں جو حضرموت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے۔ گو اس وقت وہ بھی آباد نہیں تاہم عہد قدیم
میں اسی قطعہ مابین حضرموت و نجران میں عاد ارم کا مشہور قبیلہ آباد تھا۔ جسکو خدا نے اسکی نافرمانی کی
پاداش میں نیست و نابود کر دیا۔

۳۔ صنعاے یمن۔

ملک یمن کا قلب اور یمن کے قدیم تمدن کی تماشہ گاہ درحقیقت یہی ٹکڑا
ہے۔ جو بحر ہند اور بحر احمر کے سواحل پر عرب کے شمالی و مغربی گوشہ میں
واقع ہے یعنی۔ سبا اور حمیر کی عظیم الشان سلطنتیں اسی قطعہ زمین میں قایم ہوئی تھیں۔ سد مارب یا
سد عرم اسی کی وادیوں میں تعمیر ہوا تھا۔ ظفار۔ مارب اور ازال یہیں کے پایہ تخت تھے۔ ملکہ سبا
اسی سرزمین کی شہزادی تھی۔ قصر غمدان۔ قصر ناعط۔ قصر ریدہ۔ قصر صرواح اور قصر مدر اسی قطعہ ملک
میں تعمیر ہوئے تھے۔ جن کے آثار چوتھی صدی ہجری میں ہمدانی نے براے العین مشاہدہ کیے تھے۔

صنعا جو یمن کا اب پایہ تخت ہے۔ قدیم شہر ازول کے پاس ہے۔ اسلام سے ایک مدت پہلے
آباد ہوا تھا۔ سنہ ۱۰ ہجری میں جیسا ہم نے پہلے لکھا ہے یہ ملک مشرف باسلام ہوا۔ اب یہاں زیادہ تر
زیدی طریقہ کے مسلمان آباد ہیں۔ جو عقاید میں معتزلہ کی ایک شاخ اور شیعہ اور اہل سنت کے وسط میں
ہے۔ یہاں کا امام بھی زیدی سادات کے خاندان سے ہے۔ یمن کے نباتات خصوصاً یمن کا قہوہ (بُن)
مشہور ہے۔ بعد اسلام شہر زبید یمن کا ایک مشہور شہر تھا۔ جہاں سے متعدد علماے اسلام پیدا ہوئے

[1] یعقوبی ج ۱ ص ۳۱۴۔ [2] توراۃ۔ تکوین ۱۰۔ ۲۶

۴۔ نجران بلاد احقاف اور عسیر کے درمیان ایک مختصر سی آبادی تھی۔ عہد قدیم میں یہاں بنو اسماعیل میں سے قبیلہ ابن نزار آباد ہوا تھا۔ (یعقوبی ج ۱۰ ص ۲۵۵) عہد اسلام سے کچھ پہلے سے روم و حبش کی کوشش سے یہاں عیسائیت پھیل گئی تھی۔ یمن کی یہودی حکومت نے ان عیسائیوں کو جبر یہودی بنانا چاہا۔ لیکن روم و حبش جو مسیحی ہمسایہ سلطنتیں تھیں وہ برابر ان کی حمایت کرتی تھیں۔ نجران میں ایک بہت شاندار کلیسا بھی تعمیر ہوا تھا۔ جو عربوں میں کعبہ نجران کے نام سے مشہور تھا۔ ۹ھ میں اہل نجران کا وفد آنحضرت صلعم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا تھا۔

۵۔ عسیر بحر احمر کے ساحل پر حجاز اور صنعاء یمن کے مابین واقع ہے۔ یہاں کے باشندے عموماً اہل حدیث ہیں۔ امام عسیر ادریسی خاندان کا ہے۔

ان ملکی تقسیمات کے علاوہ یمن میں بہت سے ساحلی مقامات اور جزائر ہیں۔ مثلاً شحر۔ مہرہ۔ مکلہ لحج۔ جزائر کوریا۔ موریا یا جزیرہ بریم وغیرہ۔ ان کی حکومت مختلف شیوخ کے ماتحت ہے۔ اور وہ زیادہ تر برٹش گورنمنٹ کے زیر اقتدار ہے۔

زمانہ ظہور اسلام میں یمن حکومت فارس کے ماتحت تھا۔ ۹ ہجری میں یہاں کا آخری ایرانی گورنر مسلمان ہوگیا اور ملک بلا جنگ و جدل قلم اسلام کے زیر سایہ آگیا۔

علاقہ حجاز

حجاز بحر احمر کے ساحل پر ایک مستطیل صوبہ ہے جس کا نام توریت میں فاران بتایا گیا ہے اور جہاں سے تجلی ربانی کے ظاہر ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔ اوس کے مشرقی جانب نجد، مغربی جانب بحر احمر شمال میں عرب شام یا عرب الحجر۔ جنوب میں عسیر اور شمالاً جنوباً کوہ سروات کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ جس کی بلند تر چوٹی ۸ ہزار فیٹ ہے۔ سلسلہ کوہ میں بہت سے چشمے جاری ہیں۔ جہاں گاؤں آباد ہیں۔ باغ لگے ہیں۔ کھیتیاں ہوتی ہیں۔ کہیں کہیں جنگل ہیں۔ دامن کوہ سرسبز ہے اور وہاں بھی آبادی ہے لیکن زیادہ آباد اور سرسبز حصہ وہ ہے جو بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے۔ ان مقامات کے علاوہ تمام حصہ ریگستان ہے۔ جہاں کسی قسم کی زراعت نہیں ہوسکتی۔ حجاز کا سب سے بڑا ساحلی شہر جدہ ہے جو مکہ کی بندرگاہ ہے۔ اس کے بعد دوسرا ساحلی مقام ینبع ہے۔ جو مدینہ کی بندرگاہ ہے۔ اندرون ملک کے بڑے شہر مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ اور طائف ہیں۔

۱۔ مکہ یا بکہ جس کا تیسرا نام ام القریٰ ہے۔ حجاز کا دارالحکومت ہے۔ یہ شہر ایک بڑے پیغمبرؑ

(ابراہیم علیہ السلام) کی بنا ر ایک نوجوان پیغمبر (اسماعیل علیہ السلام) کی قربانگاہ اور ایک یتیم پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ والہ) کا مولد ہے۔

یہ شہر ارض البلد ۲۱ درجہ ۳۸ دقیقہ اور طول البلد ۴۰ درجہ ۹ دقیقہ پر واقع ہے۔ سطح آب سے تقریباً ۳۳۰ میٹر بلند ہے اس کے چاروں طرف قدرت نے پہاڑوں کی دیواریں کھینچ دی ہیں۔ بالفعل شرقاً غرباً تقریباً ۳ کلومیٹر اور جنوباً شمالاً تقریباً ۱½ کلومیٹر چوڑا ہے۔ شرقی سلسلہ جبل خلیج (فلق) جبل قیقعان۔ جبل ہندی جبل لعلع۔ اور جبل کدا سے مرکب ہیں۔ آخر الذکر جبل وہی ہے جس کی راہ سے رسول اللہ صلعم بروز فتح مکہ میں داخل ہوئے۔ جنوبی سلسلہ جبل ابو حدیدہ۔ جبل کدّی اور جبل ابو قبیس کے بعض سلسلے سے مرکب ہے۔ مشرق میں جبل ابی قبیس اور اوسکے پیچھے جبل خندمہ واقع ہے مغرب میں جبل عمر واقع ہے

حجاز حضرت مسیح ؑ سے ڈھائی ہزار برس پہلے کاروان تجارت کی ایک منزل گاہ تھا۔ تقریباً دو ہزار قبل مسیح ؑ میں حضرت ابراہیم ؑ نے اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل ؑ کو یہاں آباد کیا۔ باپ بیٹے نے خدا کے نام پر یہاں ایک قربانگاہ بنائی جس کا نام کعبہ قرار پایا۔ فرزندان اسماعیل کی اولاد ایک مدت تک یہاں دیگر قبایل پر بالا دست رہی۔ اس کے بعد قحطانی قبایل (بروایت عام) آگئے۔ اور اونھوں نے اپنا استیلا ظاہر کیا۔ بنو اسمٰعیل میں سے قصیٰ نے آخر یہاں کی ریاست حاصل کی قصیٰ قریش کے پدر اعلیٰ تھے۔ عہد اسلام میں قریش یہاں کے مالک تھے۔ امور مملکت وصیغہا ے حکومت ایک ایک شیخ خاندان کے زیر نگرانی تھے۔ شہر کے علاوہ اسماعیلی قبایل شہر کے آس پاس بھی آباد تھے۔ مکہ کے جنوب میں جو پہاڑیاں ہیں وہ مشہور قبیلہ ہذیل کا مسکن تھیں۔ جنوب کی طرف وادی القریٰ ہے۔ جو قدیم قبایل کا مسکن تھا۔ اس کے اطراف میں قبایل کنانہ رہتے تھے۔ مکہ کے پاس جبل حبشی کے دامن میں قبایل احابیش رہتے تھے۔

مدینہ منورہ۔ قبل ہجرت نبوی اس شہر کا نام یثرب تھا۔ ہجرت کے بعد اس کا نام مدینۃ النبی صلعم یعنی رسول اللہ صلعم کا شہر ہوا۔ کثرت استعمال سے اہل قائم مقام مضاف الیہ ہوکر المدینہ ہوگیا۔ یہ شہر سمندر کی سطح سے ۶۱۹ میٹر بلند اور طول بلد ۳۹ درجہ ۵۵ دقیقہ اور عرض ۲۴ درجہ ۱۵ دقیقہ شمال خط استوا پر واقع ہے۔ گرمی میں یہاں حرارت کا درجہ ۴۰ درجہ تک بڑھا رہتا ہے اور جاڑوں میں دن کو صفر سے دس درجہ اوپر اور رات کو صفر سے ۵ درجہ نیچے ہوتا ہے اس لئے جاڑوں میں اکثر صبح کو پانی یہاں یخ ہو جاتا ہے۔ پہلے یہاں عمالیق رہتے تھے۔ لیکن زمانۂ آمد اسلام میں یہاں کے عمائد

اور قبائل اوس و خزرج آباد تھے۔ محققین حال کا بیان ہے کہ یثرب مصری لفظ ہے اور اتھربیس کی تعریب ہے۔ ہمارے یہاں کے مورخین (اسلامی محققین) کا بیان ہے کہ سب سے پہلے یہاں عمالیق آباد ہوئے تھے اور اب[51] یہ ثابت ہوگیا ہے کہ عمالیق سنہ ۲۲۰۰ ق م میں مصر کے حکمراں تھے۔ اور سنہ ۱۶۰۰ ق م میں وہاں سے نکالے گئے تھے۔ اس بنا پر تعمیر شہر کا زمانہ سنہ ۱۶۰۰ ق م اور سنہ ۲۲۰۰ قبل مسیح کے درمیان ہے۔ عمالیق کے بعد سب سے اول یہود آکر آباد ہوئے اون کے بعد قبیلہ ازد[52] کی دو شاخیں اوس اور خزرج یہاں آکر آباد ہوئیں۔ یہ اوس اور خزرج وہی قبائل ہیں۔ جن کا لقب اسلام میں انصار رہا۔ اور جنہوں نے اسلام کی دعوت اولین قبول کی اور مسافرین اسلام کو اپنے گھروں میں اُتارا۔ جس کی مکافات میں خدائے اسلام نے انصار کے نام سے اون کو زندگی جاوید بخشی۔ اور اون کے شہر کو پینتیس[35] کروڑ نفوس کا مرکز قرار دیا۔

بنو لام جو طے کی ایک شاخ سے مدینہ کے کوہستانی مقام میں آباد تھی۔ ہمدانی نے لکھا ہے کہ بعد اسلام یہ شاخ دیار ربیعہ کو منتقل ہوگئی۔ بنو ظفر بھی حسب بیان ہمدانی مدینہ کے مقابل ہی سکونت پذیر تھے۔ بنو کلاب جو مشہور قبیلہ تھا وہ مدینہ کے اطراف میں ربذہ۔ فدک اور عوالی میں آباد تھا۔ بعد اسلام حسب روایات ہمدانی شام کو منتقل ہوگیا۔ جہاں اس نے اپنی ایک ریاست بھی قائم کرلی۔

۳۔ طائف۔ حجاز کی جنت ہے۔ بے انتہا سر سبز و شاداب ہے۔ امرائے حجاز عموماً گرمی وہیں بسر کرتے ہیں۔ ابتداءً قبیلہ عدوان کا مسکن تھا۔ بعد کو وہ مشہور قبیلہ ثقیف کے قبضہ میں

---

[51] بہرحال محققین جدید اور قدیم دونوں کے اتفاق سے یہ امر محقق ہوگیا کہ یثرب کا وجود عمالیق کی آبادی کے وقت سے قایم ہوا۔ فاضل معاصر اگر زیادہ غور سے کام لیتے تو انہیں معلوم ہوجاتا کہ شاہان عمالیق میں سے ایک کا نام یثرب تھا جس نے اس شہر کی بنا ڈالی اور اسے آباد کیا۔ اسی لئے اوس کے نام سے یہ موسوم ہوا۔ ملاحظہ ہو اسپرٹ آف اسلام مولفہ رائٹ آنریبل مسٹر سید امیر علی۔ ص ۱۳۲۔ مگر رائٹ آنریبل صاحب نے بھی کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ اس لئے علامہ سمہودی کے اخبار الوفا۔ باب اول اور فصل اول اور شرح زرقانی۔ جلد اول ذکر مدینہ۔ ملاحظہ فرمائی جاوے۔

[52] قبیلہ اوس اور خزرج اصلاً بنی جرہم میں جو عرب العاربہ یا قحطانی النسل ہیں۔ اور بنی جرہم کی قدیم سے بنو اسماعیل کے ساتھ قرابت اور ہم بطنی تاریخ کا مسلمہ ہے۔ ملاحظہ ہو ابو الفدا اور معارف ابن قتیبہ۔ اور خطبات احمدیہ۔ سرسید مرحوم مطبوعہ لاہور ص ۹۵۔

آیا۔ قبل ہجرت آنحضرت صلعم دعوت اسلام کے لئے تشریف لائے۔ لیکن جس طرح جلیل کے ایک شہر نے مسیح علیہ السلام کو قبول نہیں کیا۔ طائف نے بھی آپ کو قبول نہ کیا۔ سنہ ۸ ہجری میں آنحضرت صلعم نے طائف کا محاصرہ کیا۔ سنہ ۹ ہجری میں سردار ثقیف عروہ ابن مسعود نے اسلام قبول کیا۔ اور خود اپنی قوم کے ہاتھ سے اسلام کی راہ میں مارا گیا لیکن اوس کی منادی بے اثر نہ رہی۔ اسی سال وفد ثقیف خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عقیدت کیش ہوا۔

۴۔ جوف ثمود۔ تبوک۔ خیبر۔ اور مدین۔

ان شہروں کے علاوہ بعض مقامات بھی قابل ذکر ہیں۔ مدینہ سے کچھ آگے بجانب شمال وہ میدان واقع ہے۔ جہاں ثمود کا قبیلہ آباد تھا۔ جو جوف اور وادی القریٰ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے پایہ تخت کا نام حجر تھا۔ جس کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے۔ یہ شہر زیادہ تر اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کے نام سے مدائن الصالح کہلاتا ہے۔ سنہ ۹ ہجری میں تبوک کو جاتے ہوئے آنحضرت صلعم کا اس شہر سے گذر ہوا تھا۔ اسی سے متصل دوسری آبادی تیما ہے۔ حجر اب ریلوے کا اسٹیشن ہے۔ حجر کے بعد ایک اسٹیشن المعظم چھوڑ کر دوسرا اسٹیشن تبوک ہے۔ جہاں آنحضرت صلعم نے دو ہفتوں کی مدت کے لئے اقامت فرمائی تھی۔ (اور اسی منزل کے بابین حضرت علی مرتضیٰ کی شان میں حدیث منزلت ارشاد فرمائی تھی) مدینہ کی جانب مغرب خیبر ہے جو یہود کی جنگی قوت کا مرکز تھا۔ اور جہاں یہودیوں کے بڑے بڑے قلعے تھے۔ سنہ ۷ ہجری میں آنحضرت صلعم یہاں تشریف لائے اوس کی تسخیر فرمائی۔ (یہی قطعہ زمین جناب علی ابن ابی طالب اسد اللہ الغالب کی معرکہ آرائی اور قلعہ کشائی کی جلوہ گاہ ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں حدیث قدسی نادِ علیاً اور حدیث نبوی کا عطین الرایۃ الخ مبذول و منقول فرمائی گئی) حجر کے مقابل جانب مغرب بحر احمر کے ساحل پر شہر مدین آباد ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دار الہجرۃ اور اون کے خسر و یترو یا حوباب (شعیب علیہ السلام) کا وطن اور مدیانیوں کا پایہ تخت تھا۔ عہد ظہور اسلام میں۔ یہ تمام شہر یہودیوں کے قبضہ میں تھے۔ اور یہاں اون کے بڑے بڑے قبیلے تھے۔ جن کو اسلام نے عہد نبوت میں یکے با دیگرے فتح کیا۔

عرب شامی

یعنی وہ قطعہ عرب جس کو یونانی عرب سنگستانی کہتے ہیں اور جو مابین شام، مصر، بادیہ شام، حجاز اور نجد واقع ہے۔ یہ آبادی عرب کا بہت قدیم حصہ ہے۔ بلکہ اولین حصہ ہے۔ اکتشافات جدیدہ سے یہی پتہ لگتا ہے کہ سامی کی

وقعت کم نہ تھی کہ اسکے صحرا میں بنو اسرائیل کا مسکن ۔ اسکے ایک پہاڑ پر اسرائیل کا ایک پیغمبر (حضرت موسیٰ علیہ السلام) خدا سے ہمکلام ہوا۔ اوس کے متصل ارض موعود واقع ہے۔ جس کو خدا نے ابراہیم اسحاق و یعقوب علیہم السلام نے فرزندان اسرائیل کو وراثتاً بخشا۔ لیکن اکتشافات جدیدہ کے بعد اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی۔ یہاں عمالقہ عرب کی آبادی تھی۔ انھیں کھنڈروں میں اون کی عظیم الشان حکومت قائم تھی جس کا سلسلہ حجاز تک پھیلا تھا۔ اور جس میں۔ بلقار۔ عمان۔ بصریٰ۔ تدمر وغیرہ شہر داخل تھے۔ تدمر ایک مشہور تجارتی منڈی تھی۔ زبا یہاں کی ایک ملکہ کا نام تھا۔ جو ہمیشہ عربوں میں ضرب المثل رہی ہے۔ عہد آخر قبل اسلام میں یہ ملک بنو جفنہ ایک عرب خاندان کے زیر حکومت تھا جو غسانہ (غسان) کے نام سے موسوم ہے اور جس کا پایہ تخت بصریٰ تھا۔ قبیلہ جہنیہ کی متعدد شاخیں یہاں آباد تھیں۔ ہمدانی نے لکھا ہے کہ بعد اسلام عرب شام میں تا حلب بنو عجل آباد تھے۔ ربیعہ شاخ طے کی بھی یہیں آبادی تھی۔ بنو خزیمہ کی اکثر شاخیں غزہ کے پاس سکونت پذیر تھیں۔ ظہور اسلام کے وقت یہ تمام اطراف زیر سایہ روم عرب عیسائی امرا اور یہود کے قبضہ میں تھے۔

عرب عراق

عرب عراق سے وہ سرزمین مراد ہے جس کو یونانی عرب ریگستانی کہتے ہیں اور خلیج فارس۔ دریائے فرات۔ بادیہ شام اور نجد کے مابین واقع ہے۔ اب عام طور سے لوگ اس کو عراق عرب کہتے ہیں۔ اس حصہ میں بھی عہد قدیم میں عمالقہ عرب نے ایک شاندار حکومت کی تھی۔ قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ یہاں آباد تھی۔ بعد اسلام عہد فاروقی میں اسی سرزمین میں کوفہ اور بصرہ آباد ہوا جو خالص عربی تمدن کا مظہر اور علمائے اولین کا مرکز تھا جس کی سرزمین میں متعدد علوم اسلامیہ کی بنیادیں قائم ہوئیں۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اسی عرب عراق میں سنجار نام مقام میں نہر فرات کے پاس قبیلہ عبید کی ایک ریاست تھی (قبل اسلام) جس کا آخری بادشاہ ضیزن بن معاویہ تھا۔ اس خاندان کے آثار عمارات اب تک میدان سنجار میں باقی ہیں۔ زبید شاخ طے بھی اسی مقام میں آباد ہوئی تھی۔ بنو عجل کی ایک شاخ یمامہ سے عراق تک پھیلی ہوئی تھی۔

ظہور اسلام کے وقت ایک عرب خاندان (مناذرہ) زیر سایہ حکومت فارس یہاں کا فرماں روا تھا۔ اوسکا پایہ تخت شہر حیرہ متصل کوفہ تھا۔ (ارض القرآن ج ۱ ص ۱۰۲۔۸۸)

جغرافیہ حال کے مطابق عرب کے مشہور و معروف مقامات

شہر مکہ معظمہ۔ (اس کے حالات اوپر لکھے جاچکے ہیں) مزید اطلاع کے لئے ذیل کا اضافہ کیا جانا ضروری ہے۔ یہ شہر بطحا کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اور اس کو بلد بھی کہتے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب کو سید البطحا کہتے تھے (ابن ہشام) حضرت ابی طالب کا بیضۃ البلد خطاب تھا۔ (ابن اثیر)۔ یہ شہر بندرگاہ جدہ سے ۶۵ میل پورب کی طرف واقع ہے۔ اس کی آبادی ساٹھ ہزار ہے۔ یہ مقدس وادی اور اسکا مبارک دامن دور دور تک انبیا و اصفیاء اللہ کی یادگار اور ان کی قابل التعظیم اخبار و آثار سے بھرا پڑا ہے۔ کوہ صفا و مروہ۔ وادی منی۔ مزدلفہ۔ جبل ثبیر۔ غار ثور۔ غار حرا۔ شعب ابی طالب۔ حدود مکہ کے داخلی مقامات ہیں۔ اور یہ تمام مقدس اور متبرک مقامات اپنی عظمت اپنی قدامت کا جدا جدا اعتبار اور مرتب دفتر رکھتے ہیں۔ جو موجودہ سلسلہ تالیف میں اپنے اپنے مقامات مناسب پر انشاءاللہ بیان کئے جائیں گے۔

مکہ سے ایک منزل شمال کی طرف حدیبیہ ہے جہاں بیعت الرضوان۔ تاریخ اسلام کا بہت بڑا واقعہ۔ جس کو حقیقتاً فتح مکہ کی کلید سمجھنا چاہیئے۔ سنہ ۶ھ میں واقع ہوا۔ حدیبیہ۔ چھوٹا سا ساحلی مقام ہے۔ حجاج احرام (حج کرنیکے کپڑے) یہیں سے باندھتے ہیں۔

مدینہ منورہ۔ (اس کے حالات بھی اوپر لکھے جاچکے ہیں) مزید اطلاعات کا حسب ذیل اضافہ ہے۔ مکہ معظمہ کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں خیر و برکت کے اعتبار سے تنزیہ و تقدیس کا یہ دوسرا مقام ہے۔ جہاں سے دعوت اسلام کی ابتدائی آواز پر سب سے پہلے صدائے لبیک سنائی دی۔ جہاں سب سے پہلے اسلام کے قیام اسلام کے استحکام کی کوششیں ہوئیں۔ جان نثاری۔ وفاشعاری۔ جانبازی اور سرفروشی کے عہد و پیمان مستحکم کئے گئے۔ دفتہ دفتہ بارگاہ نبوت میں ان کی صداقت و حمایت پر اتنا اعتماد کیا گیا کہ ان بیگانوں کو یگانوں پر ترجیح دی گئی۔ اور اپنے موطن کو چھوڑ کر ان کی خوش نصیب زمین کو اپنا مسکن و ماویٰ و مدفن بنایا گیا۔ یہاں کے باشندے (قبیلہ انصار) بھی اپنے قول کے ایسے پکے اور وعدے کے ایسے سچے نکلے کہ جس خلوص و عقیدت سے اسلام کو اپنے گھر لائے تھے۔ اسی جوش ہمت اور زور استقلال سے اوس کی حمایت و نصرت میں مستعد اور تیار رہے۔ یہاں تک کہ اسلام کی اصلی نشو و نما اور حقیقی فروغ اسی قطعہ زمین سے شروع ہوا۔ نزول اسلام کے وقت سے اس شہر کا نام۔ مدینۃ النبی۔ طیبہ اور دار الہجرۃ مشہور ہوا۔ خلاصۃ الوفاء میں اس شہر کے ۹۵ نام گنائے گئے ہیں۔ گو وہ تمام اسمائے مبارکہ توصیفی ہیں۔ جو

اسلامی مولفین کے خامہائے عقیدت کے نتیجات ہیں۔ اور مشہور نہیں ہیں۔ بلکہ معظمہ کی طرح یہ شہر بھی اہل اسلام کے نزدیک واجب الاحترام ہے اور تقدیس و تقدیم کے جوہروں سے پُر اور مملو۔ جن کا بیان اپنے اپنے مقام پر معلوم ہوگا۔ موجودہ زمانہ میں۔ یہ شہر علاقہ حجاز کیا تمام جزیرہ نمائے عرب کا رونق اور آبادی کے اعتبار سے سرمایۂ ناز ہے۔ تمام شہر کے چاروں طرف ۴۰ فیٹ اونچی شہر پناہ ہے۔ جس میں اونچے اونچے پھاٹک لگے ہیں۔ شہر پناہ کے جنوبی دروازے کو باب المصر کہتے ہیں۔ آب و ہوا لطیف اور خوشگوار ہے۔ یہاں کا پانی مکہ کے پانی سے زیادہ شیریں اور خوش ذائقہ ہے۔ اہل شہر نیک طینت خوش مزاج اور مہمان دوست ہیں۔ تمام شہر میں بچھی ہوئی نہر کے ذریعہ سے آب رسانی کا کافی انتظام ہے۔ سڑکوں اور راستوں میں جابجا پانی کی کلیں لگی ہیں جب چاہے پانی لیلو۔

مدینہ کا بندرگاہ ینبع ہے۔ جو ایک شب و روز کی مسافت پر جنوب کی طرف واقع ہے۔ اس مقام کو جار بھی کہتے ہیں۔ یہاں سے ایک رات کی مسافت پر چشمہ بدر واقع ہے۔ جو غزوات اسلامی کی پہلی رزمگاہ ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں حضرت علی مرتضیٰ نے ولید۔ عتبہ اور دیگر صنادید قریش کو قتل کرکے اسلام کی فتحیابی کا علم نصرت بلند کیا تھا۔

بدر کے جنوب و مشرق میں جحفہ واقع ہے۔ جو مکہ سے ۴۔ مدینہ سے ۶۔ اور جار سے ۳ منزل ہے۔ اور قوافل کے اترنے کا مشہور و معروف مقام ہے۔ جحفہ سے تقریباً ۳ منزل پر غدیر خم واقع ہے۔ جہاں حجۃ الوداع سے مراجعت فرماتے وقت ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۰ ہجری میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی تکمیل و مقبولیت کے متعلق آیہ وافی ہدایہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا اور جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی تاکید و لایت و وصایت کی نسبت نزول آیہ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک الخ کے مطابق۔ حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ کی بشارت۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار ۱۲۴۰۰۰ مسلمانوں کے سامنے (ابن اثیر) پہونچائی تھی تفصیلی ذکر اپنے مقام پر مرقوم ہوگا۔

ینبع مشہور بندرگاہ ہے۔ جو مدینہ طیبہ سے مغرب میں بحر قلزم کے کنارے سو میل کے فاصلہ سے واقع ہے حنین مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے فتح مکہ کے بعد ثقیف اور ہوازن کے قبائل یہیں اسلام سے لڑے اور پسپا ہوئے۔ ملحم چھوٹا سا قصبہ ہے۔ یمن سے دو رات کی مسافت پر ... بندرگاہ جدہ سے جنوب کی طرف حجاز کی ایک چھوٹی سی بندرگاہ ہے جدہ حجاز کی مشہور بندرگاہ ہے۔ اسکی آبادی تیس ہزار ہے۔ پہلے سلطان روم کا اور اب سلطان حجاز کا ایک ماتحتی افسر اور حکومت

برطانیہ کا کونسل رہتا ہے۔ طائف سے ایک رات اور مکہ سے تین راتوں کی مسافت پر جس کا فطہ واقع ہے جو قدیم زمانہ میں بہت بڑے سالانہ میلہ کا مقام تھا۔ صنعا جو قدیم میں اوزال کہا جاتا تھا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ مزید یہ ہے۔ تمام عرب میں باعتبار خوبی اور انتظام صفائی وغیرہ کے یہ شہر عمدہ اور نفیس مشہور ہے۔ اس کی آبادی پچاس ہزار بتلائی جاتی ہے۔ شہر عدن سے ۲۴۲ میل کے فاصلہ پر ایک سبز و شاداب وادی میں واقع ہے۔ تمام عرب میں تمدن ملکی اور سیاسی یہیں سے پھیلا۔ اس کے شمال و مغرب میں ۱۲۵ میل کے فاصلہ پر صعدہ ہے۔ جہاں کا کمایا ہوا چمڑا بہت مشہور ہے اور دور دور ملکوں میں جاتا ہے۔ زبید و سے دو منزل پر بیت الفقیہ ہے۔ جہاں کثرت سے قہوہ کی تجارت ہوتی ہے۔ مخا باب المندب پر واقع ہے کافی یہاں کی مشہور ہے۔ جند صنعا سے ۸۵ فرسخ پر اور ذمار دو منزل جنوب کی طرف واقع ہے۔ حصن المواہب صنعا سے ۴۶ فرسخ پر شمال کی جانب واقع ہے۔
عدن۔ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، بہت بڑی تجارت گاہ ہے چھیالیس ہزار آبادی ہے۔ اس سے ملے ہوئے علاقہ حضرموت پر حکومت برطانیہ کا قبضہ ہے اور سنہ ۱۸۳۹ع گورنر بمبئی کے ماتحت ہے۔ یمن کی اور آبادیاں رداعہ۔ خمیر۔ خیوان۔ لحیہ۔ توس۔ قرحی۔ اور توران بھی قابل الذکر ہیں۔ منامہ علاقہ بحرین کا مشہور شہر ہے۔ برٹش گورنمنٹ کے زیر حمایت ہے۔ اس مقام کے موتی۔ تمام اوصاف و اصناف کے اعتبار سے بے نظیر ہوتے ہیں اور اقطاع عالم میں مشہور ہیں۔ قطیف بھی یہاں کے مشہور بندرگاہوں میں ہے۔ دیگر مقامات قویت۔ مغرلس۔ ہجر اور جوف بھی قابل الذکر ہیں۔
مسقط (اوپر ذکر ہو چکا ہے) سلطان مسقط کے زیر حکومت ہے۔ جو ۵۷ جہاز تجارتی کا مالک ہے موتی۔ مچھلی۔ اور میووں کی بہت بڑی تجارت گاہ اور عربوں کے کمال صنعت و حرفت کا مرکز ہے۔ بحر عمان اور عربی سواحل پر جتنے عمدہ اور خوبصورت جہاز اور کشتیاں دیکھی جاتی ہیں وہ سب قریب قریب مسقط ہی کی بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ برکہ۔ رستاق۔ سوہار اور رہرباط یہاں کے دوسرے قابل الذکر مقامات ہیں۔
علاقہ نجد میں جبل الشمر ایک جداگانہ عربی حکومت ہے۔ دارالحکومت شہر حائل ہے جس کو بطن الرملہ بھی کہتے ہیں۔ اسی کے قریب جبل السمار ہے اور یہاں حاتم طائی کی قبر ہے۔ اسی کے قریب وادی سا جوف ہے۔ یہ چھوٹی سی حکومت۔ ریاست جبل الشمر کے ماتحت ہے۔ پایہ تخت اس کا شہر جوف ہے۔ جوف کے اوتر طرف دومۃ الجندل واقع ہے۔ جو سنہ ۴۰ ہجری میں ابوموسی الاشعری کے احمقانہ اور عمر عاص کے مفسدانہ محاکمہ کی فیصلہ گاہ بن چکا ہے۔ حجر کے شمال میں تیما ہے۔ جو بہت مشہور مقام شمار ہوتا ہے۔ تیما کے شمال میں تطبیہ ہے اور تطبیہ کے مشرقی و شمالی جانب فید ہے

جو مدینہ منورہ سے دو سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ حضر موت کے علاقہ میں سقوطرا، ظفار، ہم، ساوہ اور نافع وغیرہ مشہور مقامات ہیں۔

اہل عرب کی جسمانی ساخت اور تمدنی حالات

عرب کے باشندے، قد و قامت میں معتدل جسمی ساخت میں مضبوط اور رنگت میں عموماً گندم گوں ہوتے ہیں۔ سواحل اور خصوصاً مصر سے ملے ہوئے علاقوں کے رہنے والے عربوں کے رنگ کسے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ قوم و قبیلے جو وسط ملک میں رہتے ہیں۔ ان سے زیادہ صاف اور سرخ ہوتے ہیں۔ بادیہ نشین قبائل اپنے مویشیوں کے گلے لیکر ایک مقام سے دوسرے مقام پر برابر نقل و حرکت کیا کرتے ہیں۔ ان کے مویشی ان کے گلے ان کے گذران اوقات کے اصلی ذرائع ہیں۔ ان کے علاوہ اور قوم و قبائل کے اعراب۔ تجارت۔ زراعت۔ فلاحت اور تحصیل علوم و فنون کے مشاغل میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کی خاص غذا روٹی اور گوشت ہے۔ گیہوں اور جو کی روٹیاں زیادہ کھاتے ہیں۔ ویسے ہی دنبوں اور اونٹ کا گوشت۔ ان میں قبائل بندی کے دستور اسوقت تک قائم ہیں۔ ہر قبیلہ کا ایک شیخ ہوتا ہے۔ جو اونکا مستلزم الاطاعت حکمران ہے۔

عرب کے قدیم اقوام و قبائل اور اون کے مساکن

عرب کی قدیم تاریخ میں اسلامی مولفین نے کوئی مکمل بمفصل اور مسلسل کتاب مرتب نہیں کی۔ مگر حتی المقدور وہ اپنی کوششوں سے باز نہیں آئے۔ جتنا کچھ ذخیرہ وہ جمع کر گئے ہیں اور جیسا کچھ سرمایہ بھی وہ چھوڑ گئے ہیں۔ وہ متلاشین حقیقت کے سر آنکھوں پر رکھے جانے کے قابل ہے۔ اون کے ان واجب التعظیم اور قابل قدر تالیفات و تصنیفات کی ایک فہرست اپنے مقام پر بہت جلد لکھی جائے گی۔ اول تو زمانہ ہائے دراز کی گذشتہ واقعات کا زبانی یاد رکھنا اہل عرب کی فطرت کے اصلی جوہر تھے۔ اس فطرتی خصوصیت کے ساتھ۔ حب وطن۔ نسبی اور حسبی مفاخرت اور قومی عظمت کے عناصر بھی داخل تھے۔ پھر سلاطین ملکی فرمانروایان قومی اور سرداران و شیوخ قبائل کے اثر و اقتدار نے بھی بہت کچھ حوصلہ افزائی کی۔ ان ذخائر کے لئے سلاطین حیرہ کا کتب خانہ بہت مشہور و معروف تھا۔ ابن ہشام کو خوش قسمتی سے اس خزانہ کے چند جواہر پارے ہاتھ لگ گئے۔ اور اونھوں نے اس ذخیرہ کو اپنی کتاب تیجان میں جمع کر دیا۔ اس کے علاوہ عرب کے اشعار جاہلیت۔ یہ ان دونوں ذریعوں سے انکشاف

حالات اور حصول اطلاعات کے لئے زیادہ حامی اور مددگار ثابت ہوئے۔ ابن ہشام نے ازمنہ قدیمہ کے نقل حالات میں زیادہ تر انہیں اشعار سے کام لیا ہے۔ ان اشعار میں شاعری کے کمالات، نکات اور رعایت کے علاوہ۔ قدیم سلاطین عرب۔ اقوام۔ قبایل۔ عمارات۔ تمدن۔ اخلاق اور معاشرت کے متعلق ہر قسم کے اخبار و آثار پائے جاتے ہیں۔

قریب قریب تمام اسلامی مورخین و مولفین نے۔ اپنی اپنی تالیفات میں قدیم حالات و واقعات کے سلسلہ ملانے کی غرض سے انھیں اشعار کو اپنا ماخذ بنایا ہے۔ ابن ہشام۔ ابن قتیبہ طبری۔ ابوالفدا۔ ابن خلدون۔ یعقوبی۔ یاقوت۔ سمہودی وغیرہم۔ انھیں حدائق شعرا کے گلچیں ہیں اور اب اسلامی تالیفات اور عربی تاریخوں میں۔ عرب کے ازمنہ سابقہ کی تاریخ کے متعلق جو کچھ جستہ جستہ اور غیر مسلسل حالات منقول ہیں وہ یا تو انھیں اشعار قدیمہ سے مستنبط کئے گئے ہیں یا قدیم عرب کے اون بچے کھچے تالیفات سے ماخوذ ہیں جو ابن ہشام اور کلبی وغیرہ کو ہاتھ آئے ہیں۔ مگر جیسا اوپر لکھا جاچکا ہے۔ یہ سرمایہ نہ مکمل کہا جاسکتا ہے نہ مسلسل۔

یہ تو ظاہر ہے کہ اتنی بے شمار مدت کے بعد اون کے تفصیلی حالات معلوم ہونا نہایت دشوار ہے۔ اور اسی باعث سے شمس العلما شبلی صاحب نے اس وادی میں ہمت کا قدم نہ بڑھایا۔ اور اون کے حالات کو قطعاً مرفوع القلم فرمایا۔ اس کی بظاہر دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول تو وہی تحقیق کی دقت۔ مواد کی قلت اور دوسری سیرۃ النبی صلعم کے متعلق آپ نے ان حالات کو زاید از ضرورت اور باعث طوالت سمجھا۔ ممکن ہے کہ کسی حد تک آپ کا یہ گمان و قیاس صحیح ہو۔ مگر میرے نزدیک رسول عربی پیغمبر مدنی اور خصوصاً المکی الابطحی التہامی (روحی لہ الفدا) کے سیرت نگار کو ان خصوصیات و تعلقات پر نگاہ رکھنا ضرور تھا۔ کہ جس مقدس زمین سے قدرت نے رسول ہاشمی صلعم کو مخلوق و مبعوث فرمایا۔ وہ آپ سے پہلے۔ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی جائے ولادت مصلائے عبادت اور مقام زیارت بن چکی ہے۔ اور ان تمام نفوس قدسیہ کو عرب کے اونھیں اقوام سابقہ اور قبایل قدیم سے پورا تعلق ہے۔ جن کو آپ نے اپنے تحریری جریدہ سے نظر انداز کردیا ہے۔ میں نے انھیں خصوصیات کے بنا پر ان کے قدیم حالات کو کسی قدر زیادہ تحقیق و تفصیل سے لکھ دیا ہے۔ اور اپنے سلسلہ بیان کو امم قدیمہ اور عرب کے اقوام سابقہ کے حالات و واقعات سے مرتب کرکے بالکل مکمل کردیا ہے۔

عرب کے اشعار جاہلیت گویا تنہا عربی مولفین و مصنفین کے تالیفات و تصنیفات کو ان معلومات کا

کا کافی ذریعہ سمجھنا ہی ناکافی ہے۔ بلکہ ان کے ساتھ ساتھ کتب مقدسہ قدیمہ۔ اور دیگر مذاہب و اقوام کے اون جدید تالیفات و تصنیفات اور تازہ انکشافات کا مطالعہ اور موازنہ بھی ضروری ہے۔ جو عرب میں قبل و بعد ظہور اسلام مدون اور مرتب ہوئی ہیں۔ میں نے اس ترتیب اور سلسلہ کے خیال سے چار اقسام مختلفہ کے ماخذوں سے خوشہ چینی کی ہے۔ اور اون کو علیحدہ علیحدہ ابواب میں چن دیا ہے۔

مگر قبل اس کے کہ ہم اپنے موجودہ سلسلہ بیان کو عرب کے قبایل و اقوام قدیمہ کی تفصیل میں آگے بڑھائیں۔ ہم کو اپنے مرقومہ بالا ماخذوں کی حقیقت کا انکشاف بھی نہایت ضروری ہے۔ اور وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ادبیات اسلامیہ (۲) ادبیات اسرائیلیہ

(۳) ادبیات یونانیہ رومانیہ (۴) اکتشافات اثریہ

ادبیات اسلامیہ۔ میں قرآن مجید۔ اشعار عرب قبل اسلام۔ اسلامی کتب جغرافیہ۔ تاریخ و انساب شامل ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں عرب کے مختلف قوم و قبائل کے حالات مختصرہ مذکور ہیں۔ اون سے صرف عبرت اور بصیرت فی الاحوال مقصود و منظور رہے۔ اسی لئے یہ بالکل صحیح ہے اور بر واقع کہ قرآن مجید میں جغرافی۔ تاریخی اور سیاسی حالات ملک کی تلاش و جستجو بالکل بیکار ہے۔

عہد نبوت میں زیادہ تر خیالات تمام تحصیل دینیات اسلام کی طرف متوجہ تھے۔ اور نیز اس وجہ خاص سے کہ علوم دینیات کو ان تعلقات ملکی سے کوئی علاقہ نہیں تھا۔ اور صحابہ جس قدر اپنے ملک کے سیاسی اور تاریخی حالات جانتے تھے۔ وہ ان کے نزدیک بالکل کافی تھے۔ اسلئے عہد نبوت سے لیکر چاروں خلافتوں کے زمانہ تک ان اقسام کے تدوین و ترتیب کی کوئی فکر نہیں کی گئی۔

خلافت رابعہ ہی کے عہد سے استنباط علوم اور اسلامی تالیفات کی تدوین کی ابتدا ہوئی۔ اور سب سے پہلے ابو الاسود دولی نے علم النحو کے ابتدائی اصول باب مدینۃ العلم کی خدمت سے حاصل کر کے مستنبط کئے۔ گویا عربی نحو اور ادبیات کی اسی وقت سے بنیاد قایم ہوئی۔ امارت معاویہ کے زمانہ میں سب سے پہلے عبید بن شریہ نے علم تاریخ کی تدوین کی اور کتاب اخبار الملوک الماضیین لکھی اس کے بعد اسی زمانہ میں ہشام کلبی اور قاضی ابو البختری نے انساب میں اور ابن ہشام نے مغازی سیرت اور تاریخ کو ترتیب دیا۔

ہر شخص اس امر کو تعجب سے دیکھے گا کہ اسلام میں حدیث و تفسیر کی کتابوں سے پہلے کتب

تاریخ و انساب کی تالیف و تصنیف شروع ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تاریخ و علم انساب کے موضوع کیلئے عرب کی طبیعت اور فطرت قدرت کی طرف سے خاص کر موزوں پیدا کی گئی تھی۔ اس لئے اصول فطرت کے مطابق سب سے پہلے اون کی طبیعت کا رجحان و میلان اوسی شے کی طرف ہوا جس سے اون کو خاص دلچسپی تھی۔

اسلامی عالم تالیفات و تصنیفات۔ عبید ابن شریہ، امیر معویہ کا معاصر تھا۔ اس کی اصل کتاب اخبار الملوک الماضتین (گزشتہ بادشاہوں کے حالات) تو بالکل معدوم ہے۔ مگر اس کے اقتباسات مسعودی میں جابجا موجود ہیں۔ اس کتاب کے بعد دوسری اور تیسری صدی میں ذیل کی کتابیں لکھی گئیں۔

کتاب مغارات قیس والیمن۔ (۲) کتاب خبر عبد القیس (۳) کتاب مناقب باہلہ۔ (۴) کتاب مکہ والحرم (۵) کتاب بیوتات العرب (۶) کتاب ماثر العرب۔ (۷) کتاب ماثر غطفان (۸) کتاب قصۃ الکعبہ (۹) کتاب الخمس من قریش (ارباب حدیث نے اس تمام واقعہ کی تغلیط کی ہے۔ مؤلف) (۱۰) کتاب الاوس والخزرج (۱۱) کتاب ایام بنی یشکر (۱۲) کتاب المنذر (۱۳) کتاب ایام بنی مازن (۱۴) کتاب قحطان و عدنان۔ یہ بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ یہ تمام کتابیں ایک تنہا اسلامی مولف ابو عبیدہ کی ہیں۔ کیا یہ اوس کے کمال کا معیار نہیں ہوسکتا۔ اسی صدی کے دوسرے مولف ہشام کلبی کے تالیفات یہ ہیں:-

(۱) کتاب من نقل من عاد و ثمود والعمالیق و جراہم و بنی اسرائیل من العرب (۲) کتاب ملوک کندہ (۳) کتاب طسم وجدیس (۴) کتاب عاد الاولی والثانیہ (۵) کتاب تفرق عاد (۶) کتاب اصحاب الکہف (۷) کتاب الحیرۃ۔ قاضی ابو البختری کی کتاب طسم وجدیس، ابن ہشام کی تالیف سیرۃ النبیؐ ہے۔ جس کے مقدمہ میں عرب قدیم کی تاریخ ہے۔ پھر اسی ذکر کو ایک علیحدہ کتاب میں جمع کیا اور اوس کا نام کتاب التیجان رکھا۔ ہمدانی کے تصنیفات صفۃ الجزیرۃ العرب لیڈن (یورپ) میں چھپ گئی ہے۔ اوس کی دوسری کتاب اکلیل کامل ابھی تک نہیں ملی۔ اوسکا ایک ٹکڑا پروفیسر ڈی۔ اچ۔ مولر D. H. Muller کی سعی و اہتمام سے شائع ہوا۔ جو ذیل کے دس بابوں پر منقسم ہے:- باب اول دربیان ابتدائے خلقت و تقسیم انساب۔ واقوام عرب و عجم و حمیر۔ باب دوم دربیان نسب فرزندان الہمیسع ابن حمیر۔ باب سوم دربیان فضائل قحطان۔ باب چہارم دربیان تاریخ یعرب ابن قحطان تا عہد تبع ابوکرب۔ باب پنجم دربیان تاریخ عہد اوسط از تبع ابوکرب تا عہد ذونواس۔ باب ششم دربیان تاریخ عہد آخر از ذونواس تا عہد اسلام۔ باب ہفتم دربیان قصص کاذبہ و اخبار مستحیلہ۔ باب ہشتم دربیان عمارات حمیر و شاہان حمیر و معرکہائے حمیر و مقابر و مزارات حمیر و اشعار حمیر و نقوش و کتبات حمیر۔ باب نہم ضرب الامثال زبان حمیری و خط حمیری۔ باب دہم حالات قبیلہ ہمدانی حمیر۔ خدا کی قدرت دیکھئے۔ ہندوستان، ایران

دوسری اور تیسری صدی میں تو متعدد کتابیں۔ حدیث۔ تفسیر۔ تاریخ اور انساب میں لکھی گئیں جن کی کامل فہرست حاشیہ پائین صفحہ میں مختصر ذکر کے ساتھ قلم بند کی گئی ہے۔ چوتھی صدی سے علم جغرافیہ کی ابتدا ہوئی اور سب سے پہلے ابن الحائک ہمدانی نے عرب کے جغرافیہ میں دو کتابیں صفۃ جزیرۃ العرب اور اکلیل لکھیں۔ صفۃ جزیرۃ العرب۔ جزیرہ عرب کا خاص جغرافیہ ہے۔ اکلیل یمن کی خاص تاریخ ہے۔ دونوں بڑے کام کی چیزیں ہیں۔ اور مولف دونوں کتابوں سے استنباط و استخراج مستفید ہو چکا ہے (انکے باقی حالات حاشیہ زیریں میں ملاحظہ ہوں)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ افغانستان اور غالباً خاص عرب اور دیگر اسلامی ممالک میں کہیں بھی اس کتاب کے کسی جزو یا کل کا موجود ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ مگر برٹش میوزیم۔ لندن (عجائب کدہ لندن) اور رائل لائبریری برلن (شاہی کتب خانہ۔ برلن) میں موجود ہے۔ مستشرقین یوروپ اس کتاب کی بڑی قدر کرتے ہیں اور عرب کی تاریخ قدیم کے متعلق اس سے زیادہ مستند کوئی اور حوالہ نہیں سمجھتے۔ ہمدانی چونکہ۔ خود حمیری سلسلہ سے تھا اور زبان حمیری سے واقف بھی تھا۔ اس لئے آثار و کتبات کو وہ پڑھ سکتا تھا۔ اب ہم اون مولفین عرب اور اون کی تالیفات کی ایک فہرست ذیل میں لکھ دیتے ہیں جنھوں نے اقوام و قبائل عرب قدیم کا ذکر کیا ہے

نام مصنف	سنہ وفات	نام تصنیف	مقام طبع
ابن ہشام	سنہ ۲۱۸ھ	کتاب السیرۃ	مطبوعہ یورپ و مصر
ابوالولید ازرقی	سنہ ۲۲۳ھ	اخبار مکہ	” ”
ابن قتیبہ	سنہ ۲۷۶ھ	کتاب المعارف	” ”
ابن واضح یعقوبی	سنہ ۲۷۸ھ	تاریخ یعقوبی	” ”
ابوجعفر طبری	سنہ ۳۱۰ھ	تاریخ الرسل والملوک	” ”
حمزۂ اصفہانی	سنہ ۳۶۰ھ	تاریخ سنی ملوک الارض	کلکتہ
مسعودی	سنہ ۳۴۶ھ	مروج الذہب	مصر
ابوالفدا	سنہ ۷۲۷ھ	المختصر فی احوال البشر	یورپ و مصر
ابن خلدون	سنہ ھ	العبر و دیوان المبتداء والخبر	” ”

۱۔ اشعار عرب قبل اسلام کے متعلق علقمہ ابن علکم ایک شاعر نے قصیدۂ نوبیہ میں حمیر قوم تبع کے حالات اور عام عمارات کے ناموں کو نظم کیا ہے بنہ ۵۷۳ھ میں نشوان ابن سعید الحمیری نے قصیدۂ حمیریہ کے نام سے۔ خاندان حمیر کی تاریخ نظم کی جس میں سلاطین حمیر کے کثرت سے نام گنائے گئے ہیں سیرت کا سلسلہ جیسا ہم اوپر بتلا آئے ہیں۔ دوسری صدی سے آغاز ہوا۔ عرب قدیم کا سب سے پہلا مورخ یا سیرت نگار ابن اسحاق المتوفی ۱۵۱ھ جو اس وقت ابن ہشام المتوفی ۲۱۸ھ کی روایت سے موجود اور اوس کی تصنیف کتاب السیرۃ کا جزو اعظم ہے۔ اس کے بعد کے مورخین اسلام نے بھی عموماً اپنی تاریخ کی تمہید میں تاریخ عرب و بنی اسرائیل کے ضمن میں اشخاص و اقوام عرب کے حالات لکھے ہیں (ان مولفین اور اون کی تالیفات کی فہرست بھی حاشیہ میں ملاحظہ ہو)

بقیہ حاشیہ صفحہ اولیٰ۔ عربی جغرافیہ نویس اور اونکی کتابوں کے نام:-

مصنف	سنہ وفات	نام تصنیف	کیفیت
ابوزیاد کلابی	اواخر ۲۰۰ھ	کتاب النوادر	کتاب کے چند ٹکڑے ہیں، ایک عرب کے جغرافی حالات میں ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں جغرافیہ کی سب سے پہلی کتاب ہے
نضر بن شمیل	۲۰۳ھ	کتاب الصفات	کتاب کا دوسرا ٹکڑا عرب کے خیمہ گاہوں۔ گھروں۔ پہاڑوں اور گھاٹیوں کے بیان میں ہے۔
ہشام بن محمد کلبی	۲۰۶ھ	کتاب البلدان کتاب الاقالیم	دو حصہ ہیں۔ حصہ اول میں۔ حاضرات قصبات عرب دوسرے میں جغرافیہ عالم۔
ابوسعید الاصمعی	۲۱۳ھ	کتاب جزیرۃ العرب والمیاہ العرب	پہلی کتاب میں عام جغرافیہ عرب ہے۔ دوسری میں عرب کے تالابوں چشموں اور دیگر وادیوں کے بیان میں۔
سعدان بن مبارک	اوائل ۲۶۰ھ	کتاب الارضین والمیاہ والجبال	عرب کی زمین۔ پہاڑ اور تالابوں کے بیان میں۔
ابوسعید حسن السکری	اواخر ۲۷۵ھ	کتاب المناہل والقری والابیات	عرب کی گھاٹیوں۔ آبادیوں اور گھروں کے بیان میں۔
عمر ابن رستہ	اواخر ۳۰۰ھ	الاعلاق النفیسہ	اس کتاب کی ساتویں فصل جغرافیہ عرب میں ہے جو کامل کتاب نہ مل سکی۔ ایک ٹکڑا متعلق صنعا (یمن) ہے جسکو ۱۸۹۲ء میں گوتھا سے چھاپا ہے۔
ابن حائک ہمدانی	۳۲۰ھ	صفۃ الجزیرۃ العرب	جغرافیہ عرب میں محقق ترین کتاب ہے۔ عرب کے اوضاع۔ اقوام۔ قبائل۔ حیوانات۔ راستہ۔ پہاڑ۔ تالاب۔ چراگاہ۔ وادی۔ معدنیات۔ آثار قدیمہ۔ مقامات قبائل۔ بعد مسافت وغیرہ کے بیان میں۔
ابوزید بلخی	۳۴۰ھ	کتاب الہدی الاخبار	فصل تیسری عرب کے جغرافیہ اور اسکے مساجد۔ راہ اور اسکے مختلف آثار کے بیان میں فرانسیسی مستشرق کلمان ہوار نے اوس کو شائع کیا ہے۔
ابوسعید حسن السیرافی	۳۶۸ھ	کتاب جزیرۃ العرب	عرب کا عام و تمام جغرافیہ۔
حسن بن محمد المعروف ابن الحائک	۳۸۰ھ	کتاب الادویۃ والجبال	عرب کے پہاڑوں اور وادیوں کے بیان میں
محمود بن عمر زمخشری	۵۲۸ھ	کتاب الامکنۃ والمیاہ والجبال	عرب کے مقامات تالاب اور پہاڑوں کے بیان میں
البکری	۔۔۔ھ	معجم ما استعجم	مقامات عرب کے بیان میں۔ گوتنجن (یورپ) میں چھپی ہے۔
جلال الدین سیوطی	۹۱۰ھ	مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع	چھ جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔ عرب کے تمام مقامات کا استقصار ہے ملخص از معجم یاقوت چھپ گئی ہے۔

جغرافیہ نگاران عرب کی نسبت یہ بداعتقادی پھیلی ہوئی ہے کہ گویا وہ اس صنف علم سے بالکل کورے تھے۔ اونہوں نے بذات خود اپنے ملک یا غیر ممالک کا کوئی جغرافیہ نہیں لکہا۔ بلکہ بطور مستعار دوسروں کے تحقیقی معیار اپنی تالیفات وتصنیفات میں نقل کئے اس غلط خیال کے پھیلانے والے زیادہ تر یوروپین مولفین اور زمانہ موجودہ کے خام محققین ہیں جو اونکے خوشہ چیں ہیں اور اس عالم فریبی میں اون کے شریک ہیں۔

یوروپین مولفین اور ان کے معتقدین کو اگر تحقیق مسائل کا مذاق سلیم حاصل ہے تو اونکو سمجھ لینا چاہیئے کہ اہل اسلام یعنی مسلمانان عرب میں جغرافیہ نویسی کی ابتدا خود عرب سے ہوئی اور اون میں اس نشائیہ علم کا سلیقہ اوس وقت سے پیدا ہوگیا تھا کہ جب عرب میں کوئی متنفس یونانی لفظ "جغرافیہ" کے معنی کیا نام سے بھی واقف نہ تھا۔ یوروپین محققین نے اپنی غلط فہمی اور کوتہ عقلی سے یہ سمجھا ہے کہ عربوں نے یونانی اور رومانی جغرافیہ عرب کو اپنی کتابوں میں نقل کردیا ہے ۔ یہ

بقیہ حاشیہ صفحہ اول

مصنف	سن وفات	نام تصنیف	کیفیت
ابن خرداذبہ	سنہ ۲۵۸ھ	کتاب المسالک والممالک	مطبوعہ یورپ۔ وسط کتاب میں یمن کے نام سے عرب کا ذکر کیا ہے۔
ابن فقیہ ہمدانی	سنہ ۲۹۰ھ	کتاب البلدان	مطبوعہ یورپ۔ باب یمن۔ ذکر مکہ۔ طائف۔ مدینہ یمامہ اور یمن (میرے پاس موجود ہے)
ابن واضح یعقوبی	او سنہ ۳۰۰ھ	کتاب البلدان	مطبوعہ یورپ۔ (میرے پیش نظر ہے)
اصطخری	سنہ ۳۴۰ھ	کتاب الممالک والمسالک	مطبوعہ یورپ۔ باب اول ذکر جغرافیہ عرب۔
مسعودی	سنہ ۳۴۶ھ	مروج الذہب	مطبوعہ مصر (موجود)
ابن حرزدبہ	سنہ ۳۵۲ھ	معجم البلدان	قلمی موجودہ کتبخانہ حیدرآباد۔ و باکئی اور مرتب بترتیب حروف ہجا عرب کے حسب ذیل شہروں کی حالات میں ام القری۔ بحرین۔ عمان۔ عرب یمان۔ مدینہ
ابن حوقل	سنہ ۳۶۲ھ	کتاب المسالک والممالک	مطبوعہ یورپ۔ باب اول میں عرب کے پہاڑ۔ ریگستان۔ اور راستوں کی بیان میں۔
ابو البنا رشاری مقدسی	سنہ ۳۷۵ھ	احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم	مطبوعہ یورپ۔ عرب کے صوبے قصبے گاؤں۔ عمارات۔ معدنیات اور کہنڈروں کی بیان میں
ادریسی	سنہ ۵۴۸ھ	نزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق	صرف ایک حصہ چھپا ہے۔
یاقوت حموی	سنہ ۶۲۳ھ	معجم البلدان	مطبوعہ مصر دس جلدوں میں بترتیب حروف۔ عرب کے تمام مقامات۔ پہاڑ۔ تالاب اور وادیوں کا ذکر ہے اور اکثر کا طول وعرض بلد بھی لکھا ہے۔
ذکریا قزوینی	سنہ ۶۸۲ھ	آثار البلاد	مطبوعہ یورپ۔ مختصر کتاب بترتیب اقالیم۔
شمس الدین دمشقی	ـــــ ھ	نخبۃ الدہر فی عجائب البر والبحر	مطبوعہ یورپ۔ باب ۸ فصل ۱ میں عرب کا تمام جغرافیہ۔ حدود صوبے شہر اور قلعوں کی بیان نہیں
ابو الفدا	سنہ ۷۳۲ھ	تقویم البلدان	مطبوعہ یورپ فصل اول میں عرب کے ۴۴ آبادیوں کا ذکر اور اونکا طول وعرض بلد لکھا ہے۔

خیال قطعی غلط ہے۔ یونانی اور رومانی اور دیگر اقوام وممالک کی کتابیں تو تیسری اور چوتھی صدی ہجری سے زبان عربی میں ترجمہ ہونی شروع ہوئی ہیں اور عرب کا قدیم جغرافیہ داں سنہ ۲ھ کے اواخر میں اپنی جغرافیہ کی کتاب "کتاب النوادر" کے نام سے مرتب کر چکا تھا۔

عرب قدیم سے جغرافیہ نویس تھے۔ اون کے متقدمین اور متاخرین مولفین نے کثیر التعداد جغرافیہ کی کتابیں لکھی ہیں جو اس علم خاص میں اون کے کمال وجامعیت کی کامل ثبوت ہیں۔ (سلسلہ عبارت حاشیہ میں ان کی فہرست علیحدہ دی گئی ہے) جغرافیہ کے متعلق اونہوں نے دو قسم کی کتابیں تیار کیں۔ ایک تو وہ جس میں خاص عرب کا جغرافیہ ہے۔ دوم وہ جس میں دیگر اقالیم عالم کے ساتھ عرب کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

ادبیات اسلامیہ کے سلسلہ تفصیل میں۔ قرآن مجید۔ اشعار ایام قدیم۔ تاریخ اور جغرافیہ کے معلومات اور اون کے ماخذوں کا ذکر ہو چکا اب کتب تفسیر کی حقیقت یہ ہے۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ تاریخ وانساب کے بعد عرب میں اس کی تدوین ہوئی۔ اور سب سے پہلے مجاہد ابن جبیر صحابی نے عہد بنی امیہ میں اپنی تفسیر تیار کی۔ مجاہد کا سال وفات سنہ ۱۰۱ھ ہے۔ اس لئے یہ اندازہ صحیح ہو سکتا ہے کہ عرب کی پہلی کتاب تاریخ اخبار الملوک ماضیہ سے ۵۹ برس بعد یہ تفسیر مرتب کی گئی۔ مفسرین اور اون کی تفاسیر بھی حاشیہ کے سلسلہ عبارت میں مرقوم ہیں۔

عرب کا علم حفظ الانساب ادبیات اسلامیہ کے ذیل میں کتب الانساب بھی ضروری عناصر میں داخل ہیں۔ خصوصاً موجودہ تفصیل اقوام وقبائل قدیمہ کے لئے ان کی بڑی ضرورت ہے۔ یہ مضمون تالیفی تو عرب کی مسلمہ جولانگاہ ہے۔ اور قدیم سے اس فن شریف میں اون کو دستگاہ کامل حاصل ہے اس لئے اس کی نسبت ہم کو زیادہ تحقیق وتفتیش کی ضرورت نہیں۔ ہم ظہور اسلام

بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ گذشتہ مفسرین اور اونکے تفاسیر کے نام یہ ہیں۔

مفسر اور انکی تفسیر کا نام	سن وفات	مفسر اور اسکی تفسیر کا نام	سن وفات	مفسر اور اسکی تفسیر کا نام	سن وفات
تفسیر مجاہد ابن جُبیر	سنہ ۱۰۱ھ	تفسیر مقاتل ابن سلیمان	سنہ ۱۵۰ھ	تفسیر ابراہیم بن معقل النسفی	سنہ ۲۹۵ھ
تفسیر دیلمی	۱ــــھ	تفسیر ابن جریر طبری	سنہ ۳۱۰ھ	تفسیر ابن ابی حاتم	۳۵۴ھ
تفسیر ابن حبان	سنہ ۴۱۰ھ	تفسیر ابن مردویہ	سنہ ۵۱۶ھ	تفسیر بغوی (اسکے علاوہ بہت سی تفسیریں اور ہیں طول سمجھکر نہیں لکھی گئیں)	ــــ

سے ان مولفین کے سلسلہ کا آغاز کرتے ہیں۔ اس موضوع پر اہل اسلام میں سب سے پہلے وغفل بکری نے اپنی کتاب لسان الحمرہ تیار کی۔ پھر عبید بن شریہ نے قرن اول میں۔ ان کو آثر قرقبی۔ عوانہ بن حکم ابو الفظان۔ ہشام کلبی۔ محمد ابن سائب کلبی۔ مدائنی۔ فاکہانی۔ مصعب بن عبداللہ زبیری۔ زبیر ابن بکار۔ مصنف انساب قریش۔ اصمعی۔ ابو عبیدہ۔ ابن ہشام مصنف انساب حمیر وملوکہا۔ حمیر المبرد اور ازرقی۔ اور اخیراً بلاذری۔ سمعانی۔ ابن حزم اور قلقشندی وغیرہم محققین انساب پیدا ہوئے اور تفصیل وتشریح انساب میں انکے تالیفات جیسے قابل قدر ہیں۔ وہ دنیا جانتی ہے۔

انساب عرب کی خصوصیت کے متعلق ہم کو ایک جملہ معترضہ کی تنقیح ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ مستشرقین جدید عرب کے ان انساب کی کتب قدیم کو غلط اور بے اصل سمجھتے ہیں۔ اس کی قطعی صحت کا کثیر التعداد امتداد ایام کی بنا پر ہم دعویٰ نہیں کرتے مگر دعوے کے ساتھ اتنا ضرور کہیں گے۔ کہ مسٹر رابرٹسن اسمتھ M. Robertson Smith اور مسٹر نولدیکی M. Noldeke نے اپنی غلط فہمیوں سے جتنا سمجھا ہے۔ اوس سے کہیں زیادہ صحیح اور قوی الاصل ہیں۔ نولدیکی ان الفاظ میں عربی انساب کی کتابوں پر موخذ آتا ہے۔

اب علماء کے لئے موقع آگیا ہے کہ ان طفلانہ خیالات کو پس پشت ڈالدیں جو چاہتے ہیں کہ عربوں کی کتب انساب کو جن کو محمد کلبی اور اوسکے بیٹے ہشام کلبی نے گڑھا ہے۔ مان لیں۔ تاکہ قبائل عرب قدیمہ وجدیدہ کے تعلقات تحقیق ولیقین کے ساتھ ظاہر ہوں کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ تمام قبائل بنی قیس جو وسط ملک عرب میں آباد ہیں وہ صرف ایک شخص کی نسل سے ہوں۔ بنی قیس جو مسیح سے کچھ پہلے تھا۔ اس لئے ہماری تحقیق یہ ہے کہ کوئی قبیلہ درحقیقت اپنے اوس پدر اول سے واقف نہیں جس کی طرف وہ منسوب ہے۔

رابرٹسن اسمتھ کہتا ہے۔

یہ محقق ہوچکا ہے کہ چند قبائل زمانہ ماضی غیر قدیم میں کسی شخص کیطرف منسوب نہ تھے۔

اس اعتراض کے جواب میں سب سے سہل اور مسکت جواب تو یہ ہے کہ جب نئی اور پرانی۔ دونوں دنیا کی آبادی۔ ایک آدم (علیہ السلام) کی اولاد مان لینے پر آجتک عقلاً اور نقلاً کوئی استعجاب واستبعاد نہیں پیش کیا گیا۔ تو بنی قیس کی کثرت ووسعت پر نولدیکی کا استعجاب استبعاد محققین کے نزدیک بالکل قابل مضحکہ سمجھا جائیگا۔

پھر انساب کے لاتعداد زمانہ تک استحفاظ کو بعید از عقل سمجھ کر اس تعریض کو پیش کرنا بھی معترضین کی غلط فہمی ہے۔ حقیقتاً وہ عرب کے قومی تمدن سے بالکل ناواقف ہیں۔ زمانہ لامعلوم التعداد سے عرب کا ایک ایک قبیلہ کیا، ہر ہر فرد واحد کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے دوستوں کی مدح اور دشمنوں کی ہجو کے لئے انساب محفوظ رکھے۔ عرب کا ہر وہ قبیلہ جو غیر پدر کی طرف منسوب ہوتا ہے وہ عام طور سے عرب میں ذلیل وحقیر سمجھا جاتا ہے۔ اور بطور نشان ملامت کے اوس کا نام لیا جاتا ہے۔ شعراے عرب کیا، قریب قریب عرب کے تمام قبائل وعشائر ان ضرورتوں کے لحاظ سے حفظ انساب کے لئے مجبور تھے۔ پھر اونکی انساب کی تفصیل کیسے غیر صحیح یا ناقابل اعتبار سمجھی جاسکتی ہے اور غیر قوم، غیر ملک والوں کو ایک لاتعداد امتداد ایام کے بعد اون کی تردید وتنقید کا کیا حق حاصل ہے۔ بنو قیس کی کثرت و وسعت پر یہ اعتراض بھی چلنے کے قابل نہیں۔ کیونکہ بنو قیس کی طرح چھ سو برسوں کی مدت میں ایک شخص کی اولاد سے چند بطون و قبائل کا پیدا ہوجانا نہ محال عادی ہوسکتا ہے نہ محال فطری۔

مستشرقین یورپ کو کتب انساب عرب کے غلط ہونے کا گمان کیونکر پیدا ہوا؟ اسکی حقیقت سن لیجئے نئی روشنی کے زمانہ میں اوہام پرستی کی بنا پر جہاں سینکڑوں کیا ہزاروں "ازم" پیدا ہوگئے۔ اور پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ وہاں توتم ازم (طوطمیت جس کی تعریب ہے) بھی ایجاد ہوا۔ اس وہمی مجسمہ یا قیاسی مسئلہ کی خاص تسمیہ سے وہ ازمنہ قدیمہ مقصود ہیں۔ جن میں انسان کا تمدن اور اوس کی تہذیب بالکل طفل مہد تھی۔ اس لئے ہر بڑی اور قوی چیز اوس کی ضعیف نگاہوں میں عظیم ترین معلوم ہوتی تھی۔ اسی بنا پر اوس زمانہ کے لوگ۔ دیوتوں۔ ستاروں۔ حیوانوں اور درختوں کیطرف اپنے حسب ونسب کو تعظیما منسوب کرتے تھے۔ اسی کو طوطمیت اور اسی زمانہ کو طوطمیت کا دور خاص کہتے ہیں۔ ہندوؤں میں کثرت سے اس کے آثار اب تک موجود ہیں۔ جیسے سورج بنسی۔ چندر بنسی اور ناگ بنسی وغیرہ۔ یہ قبائل اپنے آپ کو آفتاب و ماہتاب کی نسل خاص سے سمجھتے تھے۔ حالانکہ یہ محالات بدیہی ہے۔ اب ہر شخص سمجھنے لگا ہے کہ حقیقتاً یہ اون کے مورث اعلیٰ کا نام نہیں۔ بلکہ اون کے قبیلہ کی دیوی کا نام ہے۔ جس کی طرف وہ تعظیماً منسوب کئے گئے ہیں۔

قبیلہ عرب میں بنو شمس وغیرہ اسی قسم کے نام ہیں۔ اور حیوانات کے نام بھی ہیں۔ مثلاً بنو اسد۔ بنو کلب۔ بنو ثعلب۔ وغیرہ وغیرہ ان کی طرف نسبت کی وجہ وہی سمجھنی چاہیئے۔ جو

اوپر لکھی گئی۔ جانوروں کی وجہ تسمیہ میں تواضع اور انکسار کا خیال و رعایت بھی شامل ہے۔

افسوس ہے حقیقت ناشناس مستشرقین یورپ نے عرب کے ناموں میں جانوروں کی نسبت و رعایت کو بھی ہندوؤں کے اصول پر سمجھ لیا۔ حالانکہ اون کا یہ خیال تاریخ عرب سے اون کی قطعی ناواقفیت ثابت کرتا ہے۔ یہ اون کی کھلی وہم پرستی ہے۔ عرب میں کبھی اس قسم کا خیال پیدا ہی نہیں ہوا۔ تاریخ عالم سے مذاق سلیم رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس خیال کا وجود ہندوستان۔ مصر اور یونان کے حدود سے آگے نہیں بڑھا۔ تعجب ہے کہ یورپ کے محققین عرب کی میتھالوجی (علم الاصنام) کو ہندوستان و یونان کے اصول میتھالوجی سے ملاتے ہیں۔

اول تو اس قسم کے نام عرب میں صرف چند ہیں۔ اور جو ہیں بھی۔ اون میں کلب (کتا) نمل (چیونٹی) ثعلب (لومڑی) کون سی گرامی قدر ہستیاں ہیں۔ جن کے انتساب سے خاندان کی بنیاد قایم ہو۔ اگر اسی کو یوروپین محققین کتب انساب کی غلطی کا باعث سمجھتے ہیں تو وہ سمجھ لیں کہ اس روشن خیالی کے زمانہ میں اون کا خاص طبقہ روشن بھی اس قسم کی رعایت و نسبت سے خالی نہیں پایا جاتا۔ یورپ کے اقطاع منتشرہ اور بلاد مختلفہ میں۔ سیکڑوں اور ہزاروں ذی اثر اور مقتدر بزرگوں کے نام۔ فاکس (Fox) (لومڑی) بل (Bull) (بیل) ثابت ہوتے ہیں۔ کیا ان پر وحشیت کا الزام نہیں لگایا جائیگا؟

مندرجہ بالا جملہ معترضہ معرض بیان میں خواہ مخواہ حائل ہوگیا۔ اس کی تشریح و تصحیح کردی گئی سلسلہ بیان ادبیات اسلامیہ میں جو ازمنہ قدیمہ اور امم سابقہ کے اطلاعات کے ذریعہ قایم کئے گئے ہیں۔ کتب انساب کے بعد عرب کی زبانی اور خاندانی روایات کا نمبر ہے۔ جو نسلاً بعد نسلاً عربوں میں محفوظ رہ کر اسلامی کتب میں مدون ہوگئے۔ مسلمانوں کے اصول روایت کی رو سے گو یہ ذریعہ علم زیادہ محفوظ نہیں۔ لیکن جو خاندانی روایتیں متفقاً اور بلا انکار و بغیر اشتباہ و شک عرب میں عام طور سے مشہور تھیں اور جن کا فخر ہر موقع پر ظاہر کیا گیا اور کسی نے بھی اوس کے انکار و نفی کی وجہ نہ پائی تو وہ گویا درحقیقت تواتر کی حیثیت رکھتی ہیں جنکی تردید اصول تاریخ کی رو سے مستحیل ہے۔

ادبیات اسلامیہ انھیں عناصر سے مرکب اور ہمارا موضوع تالیف انہیں ذخائر سے مرتب ہے۔

ادبیاتِ اسرائیلیہ

ہماری موجودہ تالیفات ہیں۔ ادبیات اسرائیلیہ قسم دوم کا ماخذ ہیں۔ اس ماخذ میں توریت کی کتب خمسہ کتبیم نبیم۔ ترگوم۔ مدراش اور تالمود۔ داخل ہیں۔ اور انھیں کے مجموعہ کا نام ادبیات اسرائیلیہ قرار پایا ہے۔ اب ان میں سے ہر ایک کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

توراۃ۔ اصل میں لفظ عبری ہے جس کے معنی قانون اور شریعت کے ہیں۔ حضرت موسیٰ کی کتب خمسہ کے مجموعہ کا نام توراۃ ہے۔ گویا کلیم اللہ علیہ السلام کے نظم رسالت کی کلیات یہی ہے۔ اس خمسہ کلیمیہ کی پہلی کتاب کا نام سفر تکوین ہے جس میں ذکر بدء (کائنات) آدم و حوا۔ نوح و ابراہیم۔ اسحاق و اسمٰعیل و یعقوب و یوسف قلمبند ہیں۔ دوسری کتاب کا نام سفر خروج ہے۔ جس میں ذکر حضرت موسیٰ فرعون۔ بنی اسرائیل و بعض احکام و قانون شامل ہیں۔ تیسری کتاب کا نام سفر الاحبار ہے جس میں ذکر شریعت و قوانین شریعت اور حرام و حلال اشیاء کی تفصیل مندرج ہے۔ چوتھی کتاب کا نام سفر العدد ہے جس میں ذکر تعداد بنی اسرائیل وقت خروج از مصر و غزوات حضرت موسیٰ و بعض احکام شریعت مندرج ہیں۔ پانچویں کتاب کا نام سفر الاستثنا ہے جس میں قوانین اور احکام شریعت داخل ہیں۔

نبیم۔ نبی کی جمع بقاعدہ عبرانی ہے "ی" اور "م" سے ہوتی ہے۔ عربی قاعدہ سے نبیین کہنا چاہیے مثلاً خاتم النبیین۔ یہ دفتر اسرائیلیہ انبیائے بنی اسرائیل کے کلام و مواعظ و مراثی کا مجموعہ ہے اور خصوصاً سفر حضرت یوشع۔ سفر القضاۃ۔ سفر سموال۔ سفر الایام۔ اور سفر الملوک کہ ان میں صرف تاریخی حالات و واقعات ہیں۔ اکثر توراۃ کا اطلاق توراۃ و نبیم دونوں پر ہوتا ہے۔ نبیم کے بعض حصہ کو کتبیم بھی کہتے ہیں جو اقوال انبیائے بنی اسرائیل کے نقول و کتابت سے مراد ہے۔

ترگوم یا ترجوم یعنی ترجمہ و بیان۔ ترگوم ارامی زبان میں توراۃ و نبیم کی تفسیر و توضیح کا نام ہے۔ جو ربیون (ائمہ یہود) نے انبیا کی زبانی یادداشت و روایت کی بنا پر کی۔ اس کی تصنیف کا زمانہ ۱۰۰ ق م سے ۱۰۰ء تک ہے۔

مدراش کا درجہ ہمارے ہاں کی احادیث کا ہے۔ لفظ مدراس اور عربی درس ایک چیز ہے۔

تلمود یا تالمود۔ فقہ اسرائیلی ہے جس کی بنیاد کتب سابقہ پر ہے۔ اور جس کی ترتیب بترتیب ابواب و فصول مسائل قائم کی گئی ہے۔ لفظ تلمود۔ عربی تلمیذ ہے جس کے معنی تعلیم و تعلم کے ہیں۔

یہ بتلا دینا بھی ضرورت سے زیادہ نہ ہوگا کہ یہود کے نزدیک تو یہ تمام کتابیں مستند ہیں۔ نصاریٰ

صرف توراۃ، بنیم اور کتبیم کو تسلیم کرتے ہیں اور انھیں کے مجموعہ کو عہد عتیق کہتے ہیں۔ اسلام میں ان کے اعتبار کی کیا حقیقت ہے؟

اسلام میں وہی اصول عامہ ان کی صداقت و صحت کا بھی معیار قرار دیے گئے ہیں یعنی انکی مرویات بھی جو معارض قرآن و حدیث صحیحہ ہیں۔ وہ ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ مصطلحات فقہیہ اور الفاظ شرعیہ میں اسکو سقوط کہتے ہیں۔ یعنی وہ حالات و واقعات جو توراۃ میں ہیں اور قرآن میں نہیں۔ وہ سقوط کی خاص اصطلاحی نام سے مشہور ہیں۔ کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ جزو نہ وحی ربانی ہے اور نہ مقصود قرانی۔ اسی طرح مضافاۃ بھی ایک اصطلاحی نام ہے۔ اور اس سے وہ حالات مراد ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے مگر توراۃ میں نہیں۔ جہاں ایسے اضافے ہیں وہ اصل میں اوس واقعہ کا خاص نکتہ تھا جس کو ان کتابوں نے جن میں تصرفات و مداخلات انسانی معتبر ذرائع سے ثابت ہو چکے ہیں۔ بالکل چھوڑ دیا ہے۔ مگر قرآن مجید نے جس کی تنزیل صرف کتب مقدسہ اور الہامات قدیمہ کی تکمیل۔ تصدیق۔ تصحیح کی ضرورت و مدعا سے ہوئی تھی۔ پھر ان فروگذاشتوں کو اصلیت اور حقیقت حال سے پُر کر دیا۔ سقوط و اضافات کے دونوں صورتوں کے واقعات پر طبقہ مخالفین اسلام میں ڈیڑھ ہزار برسوں سے علما کے مستشرقین اور سیکڑوں محققین کی نگاہیں پڑ چکی ہیں۔ مگر اون میں سے کسی کو اس کی صداقت اور اصلیت میں کلام کی آجتک جرأت نہیں ہوئی۔ جیسا کہ انکی اکثر مثالیں ہمارے موجودہ تالیف کے سلسلہ بیان میں بھی اپنے اپنے مقام پر پائی جائیں گی۔

ہم نے اپنی تالیف کا ماخذ ان کو کیوں بنایا۔ صرف اس ضرورت سے کہ امم قدیمہ اور انبیائے و مرسلین سابقین کے وہ حالات و واقعات۔ جو ہمارے مقاصد تالیفی سے خاص تعلق رکھتے ہیں اور اون کی تفصیل اسلامی ادبیات میں ضرورت سے زاید ہونے کی وجہ سے نہیں کی گئی ہے۔ قلمبند کرنا اور بقدر ضرورت اون کو تفصیل سے لکھنا نہایت ضروری ہیں۔ اور ظہور اسلام کے مابعد کے واقعات کثیرہ کی توضیح و تشریح اور تسلسل کا قائم رہنا بھی۔ تاوقتیکہ ماقبل کے واقعات جو کثرت سے ان اخبار و آثار قدیمہ میں موجود ہیں بیان نہ کئے جائیں ممکن نہیں تھا۔ باوجود ضرورت موجودہ کے مولف نے ان تمام واقعات کی نقل و اندراج میں نقد واقعات کے متعلق اونھیں اصول کا برابر لحاظ قائم رکھا ہے جو محققین و ناقدین اسلام نے اس فن خاص کے لئے مقرر کئے ہیں۔

ادبیات یونانیہ ورومانیہ

یونانی اور رومانی مورخوں، سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں نے بھی جستہ جستہ اور متفرق طور پر اون ممالک وقبائل کا ذکر کیا ہے۔ جن پر ممالک وقبائل عرب قدیم ہونے کا کامل اطلاق ہوتا ہے۔ اسلئے ان سے استنباط بھی ہمارے لئے ضروری تھا۔ ہم نے اپنی موجودہ تالیف میں۔ اس طبقہ کے جن مصنفین اور اون کی تصنیفات سے مدد لی ہے۔ اون کی تفصیل ذیل میں درج کیجاتی ہے۔

ہیرودوٹس Herodotious یہ یونانی مورخ اور جغرافیہ نویس حضرت مسیحؑ سے ۴۰۰ برس قبل تھا۔ اس نے یونان وایران کی تاریخ لکھی ہے۔ اور اسی ضمن میں مصر۔ افریقہ۔ اور عرب کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کی تاریخ کا عربی میں ترجمہ بھی ہوچکا ہے۔ مگر اس مورخ کا علم ملک عرب کی نسبت نہایت نامکمل تھا محققین قدیم وجدید نے اس کی غلطیوں کی پوری تنقید وتصحیح کردی ہے۔

ہیروڈوٹس کی ایک صدی بعد سکندر اعظم ایران ومصر پر فاتحانہ قابض ہوا۔ اس تعلق خاص سے ارٹستھنیس Arotosthenes المتوفی ۱۹۶ ق م۔ جو یونانیوں کے عہد میں کتبخانہ اسکندریہ کا مہتمم تھا اس نے سکندر کی مہمات سفر سے جو نتایج تازہ معلوم ہوئے تھے اون کے ساتھ جغرافیہ عام کی ایک کتاب لکھی۔ اوس کی اصل کتاب توضایع ہوگئی۔ لیکن اس کے بعد ایک اور جغرافیہ نویس یونانی اسٹرابو Strabo نے اس کتاب کے چند ابواب اپنی کتاب میں نقل کئے خوش قسمتی سے جن میں ایک عرب کا باب بھی محفوظ ہے۔ ارٹستھنیس نے یمن کے قبائل سبا و معین اور اون کے تمدن کا اور نیز قبائل حضرموت کا اور عرب کاروان کے اون راستوں کا جو براہ قرید (Gerra) خلیج فارس کو اور براہ تہامہ۔ راس خلیج عقبہ کو پہونچتے ہیں۔ ذکر کیا ہے۔

ارٹستھنیس کے تقریباً سو برس بعد سسلی کا مشہور مورخ ڈیوڈورس Dewdorious المتوفی ۸۰ ق م پیدا ہوا جس نے عرب کے بعض حالات کا نشان دیا۔ نبط کی حکومت کا ذکر کیا۔ اور سب سے عجیب تر یہ ہے کہ کعبہ مکرمہ کی طرف بھی اس نے اشارہ کیا ہے۔ (گبن ج ۳ باب ۵۰) افسوس ہے کہ اس کتاب کا زیادہ تر حصہ تلف ہوگیا۔

اب یونان کی جگہ بساط ملک داری پر روم آگیا۔ رومی سردار الیس گالوس Alieus Gallus کی ماتحتی میں جنوبی عرب پر رومیوں نے حملہ کیا اور ایک حصہ فتح بھی کرلیا۔ لیکن عرب کے بے آب گیاہ صحرا سے شکست کھاکر خود اون کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

اسٹرابو (Strabo) المتوفی سنہ ۲۴ ق م۔ نے اپنے جغرافی تصنیف میں رومیوں کی اس مہم کا حال لکھا ہے۔ اس مہم میں نبطیوں کے علاوہ عرب کے دو شہروں کے نام آتے ہیں نگرآنا اور ماریبیار (Negrana Mariaba) جو صحیح طور سے نجران اور شہر مآرب ہیں۔

اسٹرابو کے بعد پلینی Pliny المتوفی سنہ ۷۹ء کا نام لینا چاہیئے۔ جو کتاب تاریخ طبعی کا (Natural History) کا مصنف ہے۔ اس نے مشرقی سواحل عرب کا اور خصوصاً اوس مہم کا ذکر کیا ہے۔ جو رومیوں نے مشرقی سواحل کے اکتشاف کے لئے روانہ کی تھی۔

پلینی کے سو برس بعد دوسری صدی عیسوی میں اسکندریہ کا مشہور ہیئت داں و جغرافیہ نویس بطلیموس Ptolemy پیدا ہوا۔ اسوقت رومن طاقت اپنے عروج و کمال پر تھی۔ بطلیموس نے تمام دنیاے معمورہ معلوم کا ایک نقشہ عرب تیار کیا اور پھر اسی نقشہ کی تشریح و تفصیل کے لئے جغرافیہ میں ایک کتاب لکھی[1]

بطلیموس کی نوعیت و ندرت یہ ہے کہ سب سے پہلے اوس نے معمورہ عالم کو طول بلد اور عرض بلد پر منقسم کیا اور پھر ان خطوط کے ذریعہ سے اوس نے مقامات کی تعیین کی۔ اسلئے بطلیموس کی یہ تصنیف باعتبار جغرافیہ طبعیہ Natural Geography یا جغرافیہ وصفیہ (Despriptive Geog.) کے جغرافیہ فلکی Astromunical Geog. سے زیادہ قریب ہے۔

یہ بھی بتلا دینا ضروری ہے کہ بطلیموس خود سیاح عرب نہ تھا۔ اسکندریہ اوس زمانہ میں عرب تاجروں کا مرکز تھا۔ اس نے انہیں تاجروں اور کاروانوں سے دریافت کر کے عرب کا جغرافیہ ترتیب دیا۔ بطلیموس نے تمام طور سے عرب کے مشہور قبائل شہر گاؤں۔ پہاڑ۔ سواحل۔ تجارتی منزل اور تجارتی راستوں کو بیان کیا ہے۔ لیکن چند ناموں کے سوا اب ان منازل و قبائل کے نام بالکل غیر مفہوم ہیں۔ عربی محققین کے علاوہ ایک یوروپین مشہور مصنف بن بری Bunbury نے بھی اس حصہ تالیف بطلیموسی سے بداعتقادی ظاہر کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ صرف فرضی اور مصنوعی ناموں کا مجموعہ ہے لیکن جرمن مستشرق اسپرنگر Springer نے قدیم جغرافیہ عرب "Ancient Geography of Arabia"

---

[1] اس کتاب کا عربی میں اول یعقوب کندی کی فرمائش سے ترجمہ ہوا۔ لیکن اچھا نہ تھا۔ پھر ثابت ابن قرہ نے تیسری صدی ہجری میں اسکا ترجمہ کیا۔ کتاب الفہرست ص ۲۶۸ طبع لیبزک۔ ارض القرآن ج ۱ ص ۲۸ - ۲۹

میں جو ۱۸۵۷ء میں شائع ہوئی ہے۔ نہایت قابلیت سے بطلیموس کے ناموں اور مقاموں کا عرب جغرافیہ نویسوں اور موجودہ سیاحوں کے بیانات سے مقابلہ کیا ہے۔ اور اون کی صحت ثابت کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ چند ناموں کے سوا اور تمام ناموں کی تطبیق بہ تکلف ہو سکتی ہے۔ اور اوس کی مثالیں ہماری کتاب میں جابجا ملیں گی۔

بطلیموس کے جغرافیہ کے متعلق آج سے ہزار برس پہلے مسلمان جغرافیہ نویس مسعودی اور پھر اس کے تین سو برس بعد یاقوت حموی خود بھی شکایت کر چکے ہیں جیسا ہم ایک مقام اوپر لکھ ہی آئے ہیں۔ مستشرق ہوگارتھ Hogarths اسی بنا پر لکھتا ہے۔

> بطلیموس کا کاروانوں کی زبان سے ان کی (عرب) تحقیق اور یونانی حروف و لہجہ میں اس کی (الفاظ عرب) تعبیر اور پھر انقلابات و حوادث روزگار کا تواتر۔ ناسخین (کاتبین) کتاب کی جہالت و ناشناسی۔ ان وجوہ سے قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ ایک لفظ اپنے مخرج سے کہاں کہاں جا پڑتا ہے۔ The Penetration of Arabia By Hogarth. P. 23-24.

یونانی اور رومانی مصنفین کے تذکرے میں ایک قابل الذکر یہودی مصنف رہا ہے۔ اس فاضل محقق کا نام یوسیفوس (Ela Sophious) ہے۔ یونانی، لاطینی اور رومانی زبانوں میں اس کی متعدد تصانیف متعلق تاریخ و مذہب یہود ہیں۔ اسکی سب سے مشہور اور قابل قدر ترین کتابیں جو ہمارے [illegible] تالیف کے لئے بھی مفید ثابت ہوئی ہیں یہ ہیں۔ قدامت یہود۔ محاربات یہود اور فلسفہ یہودیت۔ ایسا مصنف کی وسیع النظری اور تصانیف کثیرہ کی تدوین کا باعث حقیقی یہ ہے کہ یہ فاضل پہلی صدی عیسوی میں اسکندریہ میں مقیم تھا اور وہاں کے مشہور اور قدیم کتب خانہ کا خاص حصہ جس میں بابل اور مصر کی تمام قدیم تاریخیں موجود تھیں۔ یوسیفوس کو خوش قسمتی سے یہ موقع زریں ہاتھ لگا۔ اوس نے ان بابلی و مصری تاریخوں سے بابل و مصر کی تاریخ کے اقتباسات نقل کئے۔ جن سے عرب کے قدیم قبائل و اقوام کے واقعہ نگاروں کو بھی بہت کچھ مدد ملی۔

بابل کے جس مورخ کا یوسیفوس نے حوالہ دیا ہے وہ بروشوس ہے۔ اور مصر کے مورخ کا نام مانیتھون بتلایا ہے۔ ان دونوں مصنف کے اقتباسات بہت مفید نکلے ہیں۔

اکتشافات اثریہ

ہمارے معلومات کے چہارگانہ ذرائع ہیں۔ چوتھے نمبر کا ذریعہ اکتشافات اثریہ ہیں جن سے الواح

کتبات اور عمارات و نیز دیگر آثار قدیمہ مراد ہیں۔ اور فی الحال یمن۔ حضرموت۔ حوران۔ تدمر۔ بطرا علا۔ مدائن صالح۔ صفا۔ حجر۔ حجاز۔ عراق اور مصر میں قدیم عربوں کے بہت سے آثار۔ عمارات اور یادگاریں ہیں۔ جن میں ہزاروں کتبے اور نقشے کھدے ہیں۔ ان کتبات اور نقوش سے علمائے آثار قدیمہ نے عجیب و غریب نتائج استنباط کئے ہیں۔ یہ کتبات و نقوش زیادہ تر حمیری (مسند) سبائی۔ ارامی اور نبطی خط میں ہیں۔ دولت بنی امیہ اور عباسیہ کے ابتدائی زمانوں میں جبکہ تاریخی مذاق مجتہدانہ حیثیت رکھتا تھا۔ ان آثار کی تحقیق کی گئی۔ اور ان میں سے اکثر خطوط اور زبانوں سے اسوقت کے علما واقف تھے۔ ذوالنون مصری جو دوسری صدی میں تھے مصر کے خط برابی (ہیروگلفی) پڑھتے تھے۔

حمیری محقق علامہ ہمدانی نے صفۃ جزیرۃ العرب میں تمام مشہور آثار کے نام گنائے ہیں۔ قلعہ ناعط جو سلاطین یمن نے پہاڑ کی چوٹی پر تعمیر کیا تھا۔ اسلام سے تقریباً پندرہ سو برس قبل کی تعمیر ہے۔ وہب بن منبہ نے (جنہوں نے صحابہ کا زمانہ پایا تھا) اس کا ایک کتبہ پڑھا تھا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"یہ ایوان اسوقت تعمیر کیا گیا جبکہ ہمارے لئے مصر سے غلہ آتا تھا"۔   معجم البلدان ذکر ناعط

یاقوت حموی نے معجم البلدان۔ ذکر ناعط میں اسکا ذکر کیا ہے۔ عرب جاہلیت کا ملک الشعراء امراء القیس اس رفیع الشان ایوان کی نسبت کہتا ہے۔

هُوَ المَنْزِلُ الآلافُ مِن جَوِّ ناعِطٍ بَنِي اَسَدٍ
حَزْناً مِنَ الاَرضِ اَوْعَرا

یہ وہ ہے جو ناعط کی بلندی سے ہزاروں آدمی زمین پر لاسکتا ہے۔

امیر معاویہ کے زمانہ میں (سنہ ۴۴ھ تا سنہ ۵۰ھ) عبدالرحمن مصر کے گورنر تھے۔ انہوں نے حضرموت کے منہدم شدہ قلعہ حصن غراب پر ایک کتبہ پایا تھا۔ اسکا عربی ترجمہ یہ ہے۔

ونصطاد صید البر بالخیل والقنا وطورا
نصید النون من لجۃ البحر ولینا ملوک
یبعدون عن الخنا شدید علی اهل
الخیانۃ والغدر یقیم لنا من دین هود
شرایعا ونؤمن بالآیات والبعث والنشر
اذا ما عدو حل ارضا یریدنا برزنا جمیعا
بالمثقفۃ السمر

ہم گھوڑوں اور برچھوں سے خشکی کا شکار کرتے ہیں اور کبھی دریا کی تہ سے مچھلی نکال لاتے ہیں۔ ہمارے حکمران وہ سلاطین ہیں جو بدکاری سے بہت دور ہیں اور غداروں اور خیانت کاروں کے حق میں بہت سخت ہیں وہ ہمارے لئے ہود کے مذہب کے مطابق شریعت قائم کرتے ہیں اور ہم احکام الٰہی اور بعث و نشر پر ایمان لائے ہیں جب کوئی دشمن ہماری زمین کا قصد کرتا ہے تو ہم گندم گوں نیزے لیکر نکل پڑتے ہیں۔

یہ کتبہ علامہ نویری نے اپنی تاریخ مسالک الابصار میں نقل کیا ہے۔ لیکن تاریخ مذکور کے اکتشافات کے بعد ۱۸۳۴ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک مشن یمن میں بھیجا تھا۔ اوس کو یہی کتبہ اصل قدیم حمیری خط میں ملا۔ اصل کتبہ کا ذکر قوم عاد کے تذکرہ میں بہت جلد آئیگا۔ فارسٹر صاحب Forester کی تحقیق میں یہ کتبہ قوم عاد کا ہے اور عرب کے قدیم ترین کتبات سے ہے۔ جس کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اٹھارہ سو برس قبل ہے۔ فارسٹر صاحب نے اپنے تاریخی جغرافیہ میں (ص ۹۱-۹۰) اس کا جو ترجمہ کیا ہے۔ نویری کے ترجمہ سے بہت کم مختلف ہے۔

مورخ کلبی کے زمانہ میں۔ قبیلہ ذوی الکلاع کے ایک شخص نے یمن میں ایک تہ خانہ پایا جس پر ایک مُردہ کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے ایک زرین سپر تھی۔ جس پر سرخ یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ اوس سپر پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ (یہ عبارت حمیری عبارت کا ترجمہ ہوگی)

بسم اللہ رب حمیر انا حسان بن عمرو القیل

اللہ کے نام پر جو حمیر کا خدا ہے۔ میں عمرو قیل کا بیٹا حسان ہوں معجم البلدان۔ لفظ شبعین

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حمیری خدا کے قائل تھے اور اونکا معبود اللہ تھا۔

حماد روایہ کے بھانجے نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر قوم عاد کا ایک تیر کا پایا تھا۔ جو پتھر میں پیوست تھا۔ اوس پر یہ شعر لکھے تھے۔ (اصل شعر نہیں بلکہ عربی ترجمہ ہے) معجم البلدان۔ لفظ شمخ

اَلَا هَلْ اِلٰی اَبْیَاتِ شِمْخٍ بِذِی اللِّوٰی لَوَی الرَّمْلِ
مِنْ قَبْلِ الْمَمَاتِ مَعَادُ بِلَادٌ بِهَا کُنَّا وَ کُنَّا
نُحِبُّهَا اِذِ الْاَهْلُ اَهْلٌ وَالْبِلَادُ بِلَادٌ

مقام ذو اللوٰے میں جو مکانات ہیں کیا مرنے سے پہلے پھر وہاں جانا نصیب ہوگا یہ وہ شہر ہے جہاں ہم رہا کرتے تھے اور جن سے محبت رکھتے تھے جبکہ لوگ لوگ تھے اور شہر شہر تھے۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یمن میں ایک دفعہ سیلاب سے۔ ایک قبر کھل گئی۔ تو ایک عورت کی لاش نکلی جس کے گلے میں موتیوں کے سات ہار اور انگلیوں میں مرصع انگوٹھیاں تھیں۔ اس کے سرہانے ایک لوح تھی جسپر یہ کتبہ لکھا ہوا تھا۔

باسمک اللہم الٰہ حمیر انا تاجۃ بنت
ذی شفر بعثت مائرنا الی یوسف فابطاء الینا
فبعثت لاذی بمد من ورق لتاتینی بمد من
طحین فلم تجد فبعثت بمد من ذہب فلم تجدہ

تیرے نام پر جو حمیر کا خدا ہے۔ میں ذو شفر کی بیٹی تاجہ ہوں میں نے اپنے قاصد کو یوسف علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا۔ اس نے جب دیر لگائی تو میں نے چاندی بھیجی۔ پھر سونا بھیجا لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ پھر میں نے حکم دیا کہ میرے جواہرات

فبعثت بمدٍ من بحر بحی فلم تجدہ فأمرت به فطحن فلم انتفع به فاقتفلت فمن سمع بي فليرحمني وايّه امرءة لبست حليا من حليتي فلا ماتت الا ميتتي

پیس کر آٹا بنایا جاوے۔ لیکن وہ بیکار تھا۔ جو شخص میرا حال سنے اوس کو میرے حال پر رحم کرنا چاہیئے۔ جو عورت میرے زیور پہنے گی وہ میری ہی موت مرے گی۔

اس کتبہ کو فارسٹر صاحب نے بھی اپنے جغرافیہ صفحہ ۱۰۳ میں مع انگریزی ترجمہ کے نقل کیا ہے۔ یہ کتبہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں اس قدر زمانہ قدیم سے تحریر کا رواج تھا اور نیز یہ بھی کہ حمیر اللہ کو اپنا معبود سمجھتے تھے۔

حمزہ اصفہانی المتوفی ۳۶۰ھ نے ایک حمیری کتبہ کا ذکر کیا ہے جس کی عبارت یہ تھی۔

بنام خدا شمر یرعش (شاہ حمیر) نے آفتاب دیوی کے لئے یہ بنایا۔ تاریخ الملوک الارض ص ۱۱۰ کلکتہ

ابن حائک ہمدانی حمیری المتوفی ۳۳۴ھ علامہ مقدسی۔ یاقوت حموی۔ علامہ نویری اور قزوینی نے اپنی اپنی تصنیفات و تالیفات میں اس قسم کے آثار و کتبات کا مفصل ذکر کیا ہے۔

عرب کے متعلق اہل یورپ کے اکتشافات اثریہ

بہرحال یہ ایک ادھوری کوشش تھی۔ حقیقتاً اہل یورپ نے اس شاخ کو بے انتہا ترقی دی ہے اور اس کو بجائے خود ایک مستقل فن بنا دیا ہے۔ علمائے خطوط قدیم نے ان کتابات و نقوش کو اس طرح حل کیا ہے کہ اون سے عرب کی تاریخ قدیم کے متعلق عجیب و غریب اکتشافات حاصل ہوئے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اہل یورپ کو اولاً مقامات مذکورہ توراۃ کے اکتشافات و تحقیقات کا خیال پیدا ہوا۔ جو علی العموم بعینہ عرب کے مقامات و اقوام ہیں۔ اس سلسلہ میں بابل، مصر، فلسطین، حوران اور عرب کے دیگر آثار کی طرف بھی توجہ ہوئی ہے۔ ہم کو صرف آثار عرب سے تعلق ہے۔ اور ہم نے اسی کے متعلق مکتشفین یورپ کے ان اکتشافات سے مدد لی ہے۔

ان میں سب سے پہلا یوروپین سیاح اور مکتشف آثار عرب نیوبہر NeubRar ہے۔ یہ محقق ۱۷۶۲ء میں تنہا یمن کی طرف عازم ہوا۔ اس کے بعد جب محمد علی پاشا خدیو مصر اور وہابی امیر نجد کی جنگ شروع ہوئی اور یورپ نے مصر کا ساتھ دیا تو اوس وقت یورپ کو سیاحت عرب کا سب سے پہلا اور سب سے بہتر موقع نصیب ہوا۔ ان سیاحوں کے حالات و اکتشافات و تحقیقات پر انگریزی میں ہوگارتھ D.G. Hogarth نے ایک مستقل کتاب ۳۵۰ صفحوں پر لکھی ہے۔

نیبوہر ڈنمارک (Denmark) کا رہنے والا تھا۔ سلطنت کی طرف سے محققین آثار قدیمہ کے ایک وفد کے ساتھ ۱۷۶۱ء میں روانہ ہوا۔ یہ جماعت متکاشفین آثار قدیمہ ایک برس تک مصر اور جزیرہ نمائے سینا کی سیر و سیاحت کرتی رہی ۱۷۶۲ء میں عرب میں داخل ہوئی۔ اور ڈیڑھ پونے دو برسوں تک ملک یمن اور اوس کے تمام توابعات و مضافات کی سیر و تلاش کر کے ہندوستان کی طرف واپس ہوئی۔ نیبوہر ہندوستان سے دوبارہ پھر عرب میں پہونچا۔ اور اب کی بار اوس نے خلیج فارس۔ بصرہ۔ شام اور فلسطین کے مقامات قدیم کی سیر کی۔ پھر ڈنمارک لوٹ گیا۔ اس وفد کے نتائج سفر ۱۷۷۳ء میں نیبوہر نے شائع کئے جن کی وجہ سے پہلی بار علمی اور تحقیقی پیرایہ میں یورپ کو نہ صرف یمن سے بلکہ تمام عرب سے اطلاع ہوئی۔

نیبوہر کے بعد ایرنبرگ اور ہمپرچ C. G. Ereberg W. F. Hemprich نے تہامہ اور جزائر سواحل عرب کا سفر کیا۔ پھر ایک فرانسیسی ٹمیزیر (M. O. Tamusien) شیفارڈ Chefau اور ماری Mary نے مصری فوج کے ساتھ عرب کے علاقہ عسیر کی سیر کی۔

پھر تو مغربی محققین اور یوروپین مکتشفین کا تانتا بندھ گیا۔ ہر سال نئے نئے لوگ آنے لگے اور ریگستان عرب کی خاک چھاننے لگے۔ ان میں سے ارنارڈ L. Arnaud پہلا یوروپین ہے جس نے جنوبی جوف (مغرب) اور مآرب کا سفر کیا۔ یہاں کے کتبات نگارین کو پڑھا اور سد عرم کا نقشہ تیار کیا۔ ارنارڈ کے اس کارنامہ کو دیکھ کر مسٹر ہالوے J. Halwey بے چین ہو گئے۔ یہ فاضل علم آثار قدیمہ کا مشہور و معروف یوروپین عالم تھا۔ ۱۸۶۹ء میں عازم ملک عرب ہوا۔ سب سے پہلے یہ دار الحکومت یمن شہر صنعا میں پہونچا۔ پھر صنعا سے شمال مشرقی جانب الحدید آیا۔ جو پانچ ہزار عرب باشندوں کا مسکن اور ضلع نخم کا مرکز ہے اسی طرح اس محقق نے سات برس کے مسلسل سفر میں یمن اوس کے تمام مضافات و متعلقات کی خاک چھان ڈالی۔ یہاں تک کہ عرب کے صحرائے عظیم کو بھی یہ تحقیق کا سودائی طے کرتا ہوا علاقہ نجران تک پہونچ گیا۔

ہالوے کے بعد آسٹریا کا عالم آثار گلازر (Glaser ۱۸۵۵ء تا ۱۹۰۸ء) ہے جس نے علم آثار عرب کی سب سے زیادہ خدمت کی۔ اس نے دولت عثمانیہ کے زیر حفاظت صنعا کے شمالی و مشرقی جوانب کا مشاہدہ کیا۔

حضر موت | جنوبی ساحل عرب سے اندرون ملک میں جانے کی کوشش سب سے پہلے ۱۸۴۳ء

میں گئی جب دو انگریز افسر لفٹنٹ کرونڈن C. Cruttendon اور ولسٹیڈ J. R. Wellsted سواحل عرب کی پیمائش کے لیے متعین کئے گئے۔ ان دونوں نے وادی میقات میں نقب الحجر کے کھنڈروں کا معائنہ کیا۔ یہاں اور نیز مکلا کے پاس حصن غراب میں حمیری کتبات کا انکشاف کیا یہ سب سے پہلی دفعہ ہے۔ جب حضرموت میں عربی تمدن کا سراغ ملا۔

ان کے بعد اوڈلف وان وریڈے (Adolph Von Wreda) ۱۸۴۳ء میں مکلا کے ساحل پر لنگر انداز ہوا اور حضرت ہود پیغمبر کی قبر پر جو حضرموت میں واقع ہے زیارت کو پہنچا۔ پھر وہاں سے شمال کی طرف مٹرا اور وادی ودان کے سطح مرتفع تک پہونچ گیا۔ اور جنوبی صحرائے عظیم تک اسکی سیاحت اور مشاہدے تمام ہو گئے۔

۱۸۹۳ء میں ہرش "L. Hirsch" سلطان مکلا کی زیر حفاظت قصبہ سیون اور تریم سے جو سلطان کے مقبوضات ہیں آگے بڑھا۔ پہلے یہ وادی ودان پہونچا۔ اس نے قریہ نجران کے پاس قدیم عمارات اور کتبات کا کھنڈر پایا۔ یہاں سے وہ واپسی میں وادی ابن علی اور وادی ادیم ہو کر مکلا واپس آیا۔

تھوڑے ہی دنوں کے بعد ملکی پیمائش کی ضرورت سے گورنمنٹ آف انڈیا نے تھیوڈر بنٹ J. Theodore Bent اور اون کی ہمراہی جماعت کو بھیجا۔ اس سفر میں لیڈی بنٹ بھی ہمراہ تھیں۔ یہ لوگ حضرموت پہونچے اور ان دونوں میاں بی بی نے یہاں بہت سے حمیری یادگاروں اور کتبات کا معائنہ کیا۔

عمان | عمان ایک مدت سے انگریزی حکومت کے زیر اقتدار ہے تعجب ہے کہ یوروپین سیاح مسقط سے آگے نہیں بڑھے۔ برٹش دستہ فوج جو ۱۸۱۰ء میں عمان گیا تھا۔ سواحل سے آگے نہیں بڑھا ہے۔ ولسٹڈ۔ جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اور جس نے جنوبی عرب میں حضرموت کی تفتیش کی تھی۔ ۱۸۳۵ء میں دوبارہ شمالی عرب کی تحقیق کو نکلا مسقط سے وہ جہاز پر راس الحد تک آیا پھر جنوب کی طرف صحرا کے کناروں تک قبیلۂ بنو علی تک پھرا۔ پھر وادی بیشہ اور نخیانہ ہو کر حضرموت کے شہر شحرا با اور وہاں سے ہندوستان واپس آیا۔ ایسے ہی عمان سے ہو کر کرنل مائلس Coronel. S. B. Miles نے بھی ظہیرہ۔ القطار وغیرہ تہامات کی سیر کی۔

حجاز | حجاز کا پہلا یوروپین سیاح ایک اسپینی ہے جسکا نام بیڈے لیلچ Badiay Leiblich ہے۔ یہ شخص علی بے عباسی کے نام سے مسلمان بنکر ۱۸۰۷ء میں جدہ پہونچا۔ اور حاجیوں کے قافلہ

کے ساتھ مکہ معظمہ پہونچا۔ یہ سب سے پہلا یوروپین ہے جس کو شہر مقدس کی زیارت اور اعمال حج کے مشاہدے کا شرف حاصل ہوا۔

حجاز کی سب سے عمدہ تصویر برکھارڈ (Burkhardt) نے کھینچی اور یورپ اس کے لئے اس کا شکر گزار ہے۔ یہ جولائی ۱۸۱۴ء میں جدہ آیا۔ جب محمد علی پاشا خدیو مصر وہابیوں سے برسر پیکار تھا۔ برکھارڈ پہلے طائف پہونچا پھر مکہ اور یہاں تین مہینے شہر کے جغرافی اور سیاسی حالات لکھتا رہا۔ جنوری ۱۸۱۵ء میں مدینہ منورہ گیا۔ اور وہاں کے حالات کا بھی جغرافی اور ریاضی نظر سے معائنہ کرتا رہا۔

اس کے بعد پروفیسر سر رچرڈ برٹن (Sir Richard Burton) بھی ایک مسلمان حاجی کے بھیس میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پہونچا اور یہاں کے جغرافی اور طالوغرافی (ریاضی جغرافی) حالات کی سب سے زیادہ تحقیق کی۔ اس سفر کے پچیس برس بعد حکومت مصر کی طرف سے وہ مدین میں سونے کی کان کی تلاش میں بھیجا گیا۔ سونے کی جو کان وہاں ملی اوس میں سونا نکالنے کی کوششوں کے قدیم آثار معلوم ہوتے تھے برٹن کو اوس وقت سونے کی مقدار بہت کم ملی تاہم سونے سے زیادہ گرانقیمت اکتشافات اثریہ اوس کے ہاتھ آئے۔

نجد کپتان سیڈلیر (Capt Sadleer) ولین نے (G.E. Wallien) ۱۸۴۵ء میں اور مسٹر پالگریو نے (W.G. Palgrive) ۱۸۶۲ء میں مصر و نجار کے خاص تعلق سے۔ نجد۔ ریاض۔ حائل شمر اور حجاز کا مشاہدہ کیا۔ انکے معائنات میں بجز عرب کے اجتماعی۔ زراعی اور عام سفر کے حالات کے کوئی علمی دلچسپی نہیں ہے۔ اور عجب نہیں کہ یورپ کے لئے یہ خبریں بھی بالکل نئی ہوں۔ مگر باایں ہمہ پالگریو جیسے سطحی النظر کو بھی مجلس اکتشافات عرب میں۔ یہاں ایک بلند درجہ دیا جاتا ہے۔

شمال عرب جنوبی عرب (یمن و حضرموت) کی طرح شمالی عرب میں بھی قدیم یادگاروں کے ٹیلے بڑے مخزن ہیں۔ جن میں حوران۔ بطرا۔ تدمر۔ مدین۔ مدائن الصالح۔ صفا۔ اور العلا وغیرہ عتیق العمر اور کثیر الآثار ہیں سب سے پہلا ان مقامات کی سیر کرنے والا جس نے بطرا کے کھنڈروں کو دیکھا وہی برکھارٹ (۱۸۱۲ء) ہے۔ اسکے بعد چارلس ڈولے Charles Doughty ایک انگریز ہے جس نے ۱۸۷۵ء میں ان مقامات کا سفر کیا۔ اور الحجر۔ مدائن الصالح اور العلا کو مشاہدہ کر کے مفید معلومات کا ذخیرہ ساتھ لایا۔ اور اپنے تمام سرمایہ کو پیرس میں پروفیسر رینان Renan کے پاس بھیج دیا اوس نے اور آگے سفر کرنے کی اجازت بھیجی۔ چنانچہ اوس نے نجد و حجاز کے تمام درمیانی مقامات کا

مشاہدہ کیا شہر تیما میں اس نے بہت سی قدیم یادگاریں دیکھیں اور یہاں ایک مشہور یادگاری پتھر جس پر عبارت کندہ تھی اوس کو ملا۔ وہ آیندہ موسم گرما میں شہر حائل گیا۔ وہاں سے واپس ہو کر خیبر پہنچا اور یہاں چند مہینوں تک سیر و سیاحت کر کے جدّہ واپس آگیا۔

ڈوٹی کے تین برس بعد ولفرڈ Welfrid اور لیڈی اینو بلنٹ Anno Blunt نے ایک نوجوان شیخ عرب کی معیت میں، جو شہر تدمر کا باشندہ تھا، عرب کا سفر کیا۔ یہ لوگ پہلے دمشق آئے پھر صحرائے شام اور وادی سرحان ہوتے ہوئے جوف پہونچے جوف سے جبل شمر ہو کر شہر حائل میں آئے۔ یہاں ابن رشید امیر نجد نے ان کا نہایت تپاک سے استقبال کیا۔ پھر ایک مہینہ بعد یہاں سے ایرانی قافلہ کے ساتھ یہ لوگ کربلا و بغداد ہو کر نکل آئے۔

سنہ ۱۸۸۳ء میں فرانسیسیوں کی سیاحت کا زمانہ آیا۔ مسٹر سی ہوبر (C. Hubar) کی معیت میں ایک اور یوروپین عالم اکتشافات یوٹنگ (J. Euting) نامی تھا۔ ان دونوں کے اکتشافات نے ڈوٹی کی ناتمام تحقیقات کامل کر دی۔ ہوبر کی تحقیقات و اکتشافات عام حالات و واقعات سے بلند تر اور زیادہ علمی ہیں۔ جس کی عرب کی آرکیالوجی (علم القدامت) اور ٹاپوگرافی (علم تخطیط البلدان) نہایت ممنون ہے۔ ہوبر نے حائل اور تیما کے درمیان بہت سے کتبات کا سراغ لگایا۔ اور ڈوٹی کے بیان کردہ مشہور منقوش پتھر کو حاصل کیا۔ جو مؤاب کی یادگار ہے اور جس کے سامی آثار میں نہایت گرانمایہ وقعت ہے۔

ہوبر یہاں سے عنیزہ آیا اور یہاں سے براہ راست نجد سے مکہ اور مکہ سے جدّہ۔ جدّہ پہونچکر خوش قسمتی سے اوس نے اپنی تحقیقات واکتشافات کا تمام سرمایہ بیان پہونچا دیا اور خود جولائی سنہ ۱۸۸۴ء میں اندرون ملک پہونچا۔ یہاں عربوں کے ہاتھ سے مارا گیا اوس کی تحقیقات و اکتشافات کا مجموعہ اس کے بعد شائع ہو گیا۔

حدود سفر | یوروپین سیاحوں کے مقامات سفر کا نقشہ اگر ہمارے سامنے ہو۔ تو نظر آئیگا کہ نصف شمالی عرب کو حقوقت سے کہ تاک اونھوں نے بالکل چھان ڈالا ہے نصف جنوبی عرب میں ایک ثلث حصہ صحرائے اعظم (ربع الخالی) کا ہے جس میں سفر مرادف موت ہے بقیہ حصص میں استثنائے جوف نجران و یمن و دسواحل سے سویل سے آگے نہیں بڑھے۔

شہر تدمر کا نشان یورپ کو بہت پہلے مل چکا تھا۔ ڈاکٹر ولیم ہیلیفیکس (W. Halifax.) سنہ ۱۶۹۱ء پہلا یوروپین سیاح تدمر ہے۔ وہاں کے عمارات کی تحقیق ووڈ Wood اور ڈاکنس Dawkins نے سنہ ۱۷۵۱ء میں کی لیکن ایپی گرافی کے لحاظ سے سب سے زیادہ قابل قدر خدمات پرنس ابامالک Abumelek نے سنہ ۱۸۸۲ء میں اور واڈنگٹن Wadding-ton.

اور ڈیرن D. Vogue نے ۱۸۹۲ء میں انجام دی اور ان پر تصنیفات و رسائل ترتیب دیئے۔

سدّ مآرب عرب کا ملک قدرتاً دریا سے محروم ہے۔ اس لئے اوس کی زراعتی زندگی کا مدار زیادہ تر اُن پہاڑی چشموں پر ہے جو بہہ کر وادیوں میں پھیل جاتے ہیں۔ اور پھر وہ ریگستانوں میں خشک ہو جاتے ہیں یا سمندر میں گر جاتے ہیں۔ نیز وہ پہاڑوں سے اس طرح یکایک ابل پڑتے ہیں کہ دور تک آبادیوں کو بے نشان بنا دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے عرب وادیوں میں بند آب تعمیر کیا کرتے تھے۔ جس کو عربی میں سدّ کہتے ہیں۔ عرب کا مشہور ترین سد سدّ مآرب ہے۔ جس کو سدّ عرم بھی کہتے ہیں۔ جو تقریباً ڈیڑھ ہزار برس سے منہدم ہے اور جس کی شکستہ دیواریں زائرین عدن کے لئے نشان عبرت ہیں۔

یوروپین سیاحوں میں سدّ مآرب کا مشاہدہ سب سے پہلے آرناؤ نے کیا۔ لیکن اوس کی اصلی اہمیت گلاذر نے اپنے اکتشافات مطبوعہ ۱۸۹۷ء سے ظاہر کی۔ ان کتبات سے اس سد کے متعلق تاریخی حالات بہت روشن ہو گئے ہیں۔ یمن میں حرّان کے پاس ہیریں W.B. Haris نے ایک اور بند دیکھا جس کا طول ۲۰۰ گز ہے اور جسکے اوپر تین بڑے بڑے حوض ہیں۔

آثار حجریہ و نحاسیہ آثار قدیمہ کی یہ صنف سب سے زیادہ کارآمد ہے۔ کہ پتھر اور سیسے کے اشیاء پر اکثر کتبات منقوش ہوتے ہیں اور ان سے بڑے بڑے تاریخی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور حمل مطالب کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتے ہیں۔ انیسویں صدی میں یورپ کے عام عجائب خانوں میں اس قسم کی چیزیں کافی تعداد میں موجود ہیں۔ جن میں سے اکثر پر معین اور سبا کی زبان اور بعض پر حضرموت اور قتبان کی زبان میں کتبات منقوش ہیں۔

اپنے ماخذ اکتشافات اثریہ کے متعلق ہم نے یہاں تک ارض القرآن کی مدد سے لکھا ہے۔ اکثر مقامات پر اوس کی پوری عبارت نقل کر دی ہے اور بعض مقامات پر تلخیص و اختصار سے کام لیا ہے۔ افسوس ہے کہ صاحب ارض القرآن نے تمام سیاحوں یورپ کا نام بنام تذکرہ کیا ہے۔ مگر انگریزی محقق برک ہربوط تا Burk. Hoorburt کا ذکر کرنا بالکل سہو فرما دیا۔ یہ وہ مشہور و معروف انگریزی محقق ہے۔ جس نے یونانی اور رومانی جغرافیہ عرب کو موجودہ جغرافیہ عرب سے تطبیق دیکر اس موضوع پر ایک خاص کتاب مرتب کی ہے۔ یہ اوسی نے بتلا دیا ہے کہ یونانیوں کا مسیشیا و یقطانی قوم سبا کا مشہور شہر تھا۔ اور موجودہ بندرگاہ موزہ جو خلیج عرب پر ایک موجودہ بندرگاہ ہے ایک ہی مقام ہے۔ اور سفار یا ظفار سے یمن کا وہ کوہستانی حصہ جہاں جغرافیہ بطلیموسی کے مطابق

شہر صفار اور قوم صفاریہ آباد تھی۔ مراد ہے۔ اس انگریزی محقق کے عجیب و غریب احوال ہم سر سید مرحوم کے خطبات سے حاشیہ پائین صفحہ میں نقل کر دیتے ہیں۔[۱]

عربی محققین اور اسلامی مکتشفین نے اپنے امکان کے مطابق ملکی آثار قدیمہ کے جتنے اکتشافات کئے تھے۔ اور اپنی تالیفات و تصنیفات میں ان کے جسقدر حالات و واقعات لکھے تھے اون کو ہم بالتفصیل اوپر بیان کر آئے ہیں۔ ہم نے اپنے موجودہ تالیف کے مقدمہ میں عموماً اور اقوام و قبائل قدیمہ کے متعلق خصوصاً۔ اس قسم کے ماخذ سے اکثر مقامات پر مدد لی ہے۔

---

[۱] ڈاکٹر سر سید مرحوم اس انگریزی سیاح کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"ہم نے اس کے نام کے آگے رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے والے الفاظ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر جو مسٹر برق ہرو ٹ کے نام کے بعد لکھے گئے ہیں۔ بلاشک متحیر ہوں گے۔ اور اس حیرت کے رفع کرنے کے واسطے میری دانست میں اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ نہایت ذی فہم اور ذی علم گاڈ فری ہگنس صاحب کی کتاب کی کسی قدر عبارت کا ترجمہ اس جگہ لکھ دیا جاوے۔ گاڈ فری ہگنس صاحب لکھتے ہیں۔

یہ مشہور و معروف سیاح برق ہرو ٹ جس نے دار العلوم کیمبرج میں تعلیم پائی تھی۔ ایک نہایت پر غور تحقیق کے بعد اور خوب سوچ سمجھ کر مسلمان ہو گیا اور اپنے عیسائی دوستوں کے مجمع میں بحالت اسلام انتقال کیا معلوم ہوتا ہے کہ اوس کو دین اسلام کی تعلیم بمقام حلب ایک آفندی نے دی تھی۔ اور اسی نے اوسکو مسلمان کیا تھا۔ اور اوس نے وہیں علانیہ اپنے اسلام کا اقرار کیا۔ اور جبکہ یہ بہ نیت حج روانہ ہوا تو مکہ کے قریب اپنے مذہب اور مسائل اسلام کی واقفیت کے متعلق اوس کو سخت امتحان دینا پڑا جس کے باعث وہ ہمیشہ حاجی کے لقب کا دعویٰ کرتا رہا۔ اس کی تو تسلی بالکل سچی اور صاف باطن معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ میں خیال کرتا ہوں کہ اسکے عیسائی دوستوں سے علی العموم پوشیدہ تھی۔ میں اس حالت کے بیان کرنے سے بہت خوش ہوں کہ میں ایک شریف آدمی سے جو بالفعل سنہ ۱۸۲۹ء سے برٹش گورنمنٹ کے ایک معزز عہدہ پر مامور ہے۔ واقفیت رکھتا ہوں۔ مگر اس کے نام ظاہر کرنے کا مجاز نہیں۔ ان صاحب نے بیان کیا مسٹر برق ہرو ٹ کے انتقال سے تھوڑے دن پہلے وہاں موجود تھا۔ اور مسٹر برق ہرو ٹ نے نہایت سنجیدگی سے مجھے یقین دلایا کہ وہ در حقیقت مسلمان ہیں۔ اور اسی حالت میں مجھے اپنے مرنے کی آرزو ہے۔ ایک گمنام سوانح عمری لکھنے والا۔ اپنی کتاب جو اس کے بعد مشتہر ہوئی۔ اس کی موت کا حال بیان کرتا ہے۔ مگر اوس کے مذہب کے بارے میں کوئی لفظ مونھ سے نکالنے سے احتیاطاً پرہیز کرتا ہے۔ غالباً اوس کو معلوم ہوگا کہ اگر حق بات زبان سے نکلی تو پادریوں کے بدنام اور رسوا کرنے کی وجہ سے میری کتابوں کی فروخت میں حرج واقع ہوگا۔ لیکن ایک فقرہ۔ جو میرے بیان کی تائید کے واسطے کافی ہے۔ اوس کی زبان سے نکل ہی گیا ہے وہ (برق ہرو ٹ) شب کو پونے بارہ بجے بغیر افسوس و واویلا کرنے کے مر گیا۔ تجہیز و تکفین اوس کی۔ اوسکی وصیت کے مطابق بطریق اسلام کی گئی۔ اور اوس معزز رتبہ کا جو وہ ملکی لوگوں کی نگاہوں میں رکھتا تھا کما حقہ لحاظ رکھا گیا۔ اگر وہ فی الحقیقت مسلمان تھا

ان تمہیدی اور ضروری مضامین اور اپنے تمام ذرائع معلومات کو بیان کر کے اب ہم ملک عرب کے قبائل و اقوام اون کے مختلف مساکن و مواطن اور اون کے تمدنی اور سیاسی حالات و واقعات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

عرب کے قدیم اقوام و قبائل۔ اون کے مساکن و مواطن اور انکے تمدنی اور سیاسی حالات

عرب کی اقوام قدیمہ۔ پہلے اقوام قدیمہ کے اقسام لکھے جاتے ہیں۔ بنی نوع انسان میں قومیت کی بنا حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے معلوم ہوتی ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ تمدن اور سیاست کی صلاحیت معمورۂ عالم میں طوفان حضرت نوحؑ کے بعد پیدا ہوئی۔ اسی بنا پر تمام اقطاع و اقوام عالم کی تاریخ حضرت نوحؑ کے بعد پیدا ہوئی۔ اسی بنا پر تمام اقطاع و اقوام عالم کی تاریخ حضرت نوحؑ کے وقت سے آغاز کی جاتی ہے۔ اور اون کا سلسلہ اسی بزرگ سے ملایا جاتا ہے قوم و قبائل کے اعتبار سے اہل عرب کی تین قسمیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) عرب البائدہ یا عرب البادیہ (بدوی) یا امم سامیہ۔ یا عاد اولیٰ۔ یا موجودہ اکتشافات تحقیق کے اعتبار سے۔ ہائیکسوس (شاہان شبان)

(۲) عرب العاربہ۔ عرب القدیم۔ عرب المتوسطن۔ یا عاد ثانی یا جرہم اولیٰ یا عیلامی بھی کہے جاتے ہیں

بقیہ عبارت صفحہ گذشتہ۔ تو اوس نے ضرور اسلامی شریعت کے مطابق اپنی تجہیز و تکفین کی استدعا و وصیت کی ہوگی۔ اور یقیناً اگر عیسائی اوس کی وصیت کا لحاظ نہ کرتے تو حکام بہ مجبوری اون سے کراتے۔ یہ بعید از قیاس ہے کہ وہ عیسائیوں کا مسلمانوں کو ایک ایسے نومسلم کے شرف (خدمت) سے محروم رکھنا گوارا کرتے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ اونہوں نے اسکو بلا لحاظ فضل انگریزی کی نگرانی میں اور اوسکے ہموطنوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا جن کو کہ پورا موقع اوس کی تجدید مذہب کے واسطے اپنی لیاقتیں صرف کرنے کا ملا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اسلام کی بلا وجہ تقلید و تائید کرنے میں۔ اس کو کوئی غرض مطلوب نہ تھی۔ بلکہ برخلاف اسکے اون عیسائیوں سے جن کی طرف سے وہ مامور تھا اور جن کی وجہ سے اوسکا گذارہ ہوتا تھا۔ اوسکو مخفی رکھنا ضروری سمجھتا تھا۔

اگر اوس کی سوانح عمری لکھنے والے پر اعتبار کیا جاوے تو وہ اعلیٰ اصول اور بہترین چال چلن کا آدمی معلوم ہوتا ہے منجملہ اور پسندیدہ کیفیتوں کے جو اس مرتد کا فر کی بابت۔ جس طرح اوس کو عیسائی لوگ کہیں گے۔ مرقوم ہوئی ہیں۔ ایک یہ بھی ہے اوس نے اپنی موروثی جائداد قیمتی دس ہزار روپیہ کی اپنی ماں کے نان و نفقہ کے واسطے دیکر اپنے آپ کو محض مفلس قلاش بنا دیا تھا۔ (رہنیگرا لوجی۔ صفحہ ۱۰۴ مطبوعہ لندن) اور خطبات احمدیہ مطبوعہ لاہور ص ۶۱

(۳) عرب المستعربہ۔ بنو ابراہیمؑ۔ یا۔ عرب میں نئے آباد ہونے والے جو سکونت مدت دراز کی وجہ سے قوم عرب میں داخل ہو گئے۔

باعتبار ترتیب اقسام کے۔ عرب کے اقوام کا علیحدہ علیحدہ حال لکھا جاتا ہے۔

عرب البائدہ۔ یا عرب البادیہ کے اقوام و قبائل سات مختلف طبقات میں منقسم ہیں۔ یہ طبقات حسب ذیل ہیں۔

(۱) کوش پسر حام پسر حضرت نوحؑ کی اولاد۔

(۲) عیلام پسر نوحؑ کی اولاد

(۳) لود پسر سام پسر نوحؑ کی اولاد

(۴) عوص پسر آرم پسر سام پسر نوحؑ کی اولاد

(۵) حول پسر آرم پسر سام پسر نوحؑ کی اولاد

(۶) جدیس پسر گژر[1] پسر آرم پسر سام پسر نوح کی اولاد

(۷) ثمود پسر گثر پسر آرم پسر سام پسر نوحؑ کی اولاد۔

انہیں اقوام سبعہ کا ملک عرب گویا ہفت پیکر ہے۔ یا مندرجہ بالا طبقات عرب قدیم کا سبعہ معلقات عرب کے اسی ہفت دفتر ہیں۔ سامی۔ ارامی۔ عاد اولیٰ۔ جرہم اولیٰ وغیرہم سب داخل ہیں۔ اور ان تمام اقوام و قبائل پر مجموعاً۔ متحد النسل اور متصل الاصل ہونے کے اعتبار سے۔ عرب البائدہ ہونیکا صحیح اطلاق ہوتا ہے۔

عالم تاریخ کی سیر سے ان سات مختلف گروہوں کے مقامات سکونت بھی سات اقطاع عرب میں ثابت ہوتے ہیں۔ عربی مورخین و محققین نے ان کے حالات اور مقامات سکونت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اسکا انتخاب حسب ذیل ہے۔

بقیہ عبارت صفحہ گذشتہ۔ اس شخص کے مندرجہ بالا حالات و اعتقادات۔ خصوصاً جن پر خطوط کھینچ دئے گئے ہیں۔ پڑھکر اور پھر اوس کو رضی اللہ عنہ کے لقب تخصیص سے یاد کئے جانے کے قابل تجویز فرماکر بھی۔ کیا سید صاحب مرحوم یا کسی اہل اسلام کو مسئلہ تقیہ کے جواز و صحت میں کوئی عذر باقی رہ جاتا ہے۔ مولف عفی عنہ۔

[1] گژر عبرانی لفظ ہے۔ جس کے حروف تہجی میں کاف فارسی داخل ہے۔ یہ نسب نامہ چونکہ توراۃ سے ماخوذ ہے اس لئے گژر نقل کیا گیا ہے۔ گژ کی تعریب جاثر ہے۔ ابن سعد نے اس نسب نامہ کی عبارت کو یوں لکھا ہے۔ جاثر ابن ارم ابن سام ابن نوح۔ ص ۲۷۔ ج ۱۔ طبقات مطبوعہ جرمن۔

مورخ ابوالفدا لکھتا ہے۔ قال القاضی صاعد ابن احمد الاندلسی صاحب قضاءۃ مدینہ طلیطلہ ان العرب البائدۃ فکانت امما ضخمۃ کعاد و ثمود و طسم و جدیس ولتقادم انقراضھم ذھبت عنا حقائق اخبارھم وانقطعت عنا اسباب العلم باثارھم۔

قاضی صاعد ابن احمد اندلسی جو شہر طلیطلہ (ToLEDA) کے قاضی تھے۔ لکھتے ہیں کہ عرب البائدہ کے لوگ بہت قوی الجسم ہوتے تھے۔ اونکی مثال میں اقوام عاد، ثمود، طسم، جدیس کے حالات موجود ہیں۔ زمانہ دراز کے باعث اونکے اخبار و آثار کے ذریعہ معلومات مسدود و منقطع ہیں۔

پھر وہی مورخ لکھتا ہے۔ اما جرھم فھم صنعان جرھم الاولی وکانوا علے عھد عاد فبادوا و درست اخبارھم وھم من عرب البائدۃ ابوالفدا

جرہم جنہیں صنعان بھی کہتے ہیں۔ یہی لوگ جرہم اولی تھے۔ اور یہی لوگ زمانہ عاد میں تھے۔ پھر یہ معدوم ہوگئے اور ان کے ساتھ ان کے حالات بھی لامعلوم لیکن یہ بالکل صحیح ہے کہ وہ عرب البائدہ میں داخل تھے۔

جرہم کے بعد بنو طسم کی حقیقت یوں ہے۔ بنو طسم۔ سکنت بنو طسم الیمامۃ الی البحرین۔ ابوالفدا

بنو طسم یمامہ (یمامہ) سے لیکر بحرین تک کے علاقوں میں آباد تھے۔

بنو عاد کی نسبت یہ عبارت ہے۔ سکنت بنو عاد المرمل الی حضرموت۔ بنو عاد ریگستان سے لیکر علاقہ حضرموت تک ساکن تھے۔ انکے مختلف مقامات سکونت کی تفصیل یہ ہے۔

وبلاد عاد یقال لھا الاحقاف وھی بلاد متصلۃ بالیمن وبلاد عمان ابوالفدا۔ قوم عاد کے شہروں کو احقاف کہتے تھے اور یہ علاقہ یمن اور عمان سے ملے ہوئے تھے۔

معالم التنزیل میں مرقوم ہے وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا۔ وھو عاد بن عوص بن ارم بن سام وھم عاد الاولی وکانت منازل قوم عاد بالاحقاف وھی رمال بین عمان وحضرموت

آیہ مبارکہ الی عادٍ اخاھم ھودًا میں جس عاد سے مراد ہے۔ وہ عاد بن عوص بن ارم بن سام ہے اور اُسی کی اولاد۔ عاد اولی کہلائی۔ ان لوگوں کے مقامات احقاف میں تھے۔ احقاف اُس ریگستان کا نام ہے جو علاقہ عمان و حضرموت کے درمیان ہے۔

قوم ثمود کے متعلق ابوالفدا اور صاحب معالم التنزیل کی تحقیق متفقہ یہ ہے۔

سکنت ثمود الحجر بین الحجاز والشام الی وادی القرٰی۔ ثمود کی سکونت علاقہ حجر میں تھی۔ اور یہ حجاز و شام کے درمیان وادی القرٰی تک پھیلے ہوئے تھے۔

الحجر کی اہمیت یہ ہے۔ الحجر بالکسر ثم السکون والراء اسم دیار ثمود بوادی القری بین المدینہ والشام وکانت مساکن ثمود وھی بیوت منحوتۃ فی الجبال مثل المغائر تسمی تلک الجبال الاثالیب کل جبل منقطع عن الاخر یطاف حولہ وقد نقر فیہ بیوت ونقر علی قدر الجبال التی تنقر فیھا وھی بیوت فی غایۃ الحسن فیھا نقوش وطیقان محکمۃ الصنعۃ وفی وسطھا بیر التی کانت تردھا الناقۃ۔ (مراصد الاطلاع للامام سیوطی)

الحجر قوم ثمود کے ان مقامات سکونت کا نام ہے۔ جو وادی القری کے علاقے ہیں۔ مدینہ اور شام کے درمیان واقع ہے۔ یہی مقامات قوم ثمود کے مساکن تھے۔ ان لوگوں نے پہاڑوں میں پتھر تراش کر کے غار کی صورتوں میں اپنے رہنے کے لئے گھر بنائے تھے۔ انھیں کو جبال اثالیب کہتے ہیں۔ یہ تمام پہاڑ ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں۔ مگر سب کے سب ایک گول دائرہ کی صورت میں گھومے ہوئے ہیں۔ انھیں پہاڑوں میں پتھروں کو کاٹ کر گھر بنے ہوئے ہیں۔ ان پتھروں کو پہاڑ کی موٹائی کی مقدار کے مطابق کاٹا ہے۔ ان میں نہایت خوبصورت گھر بنائے ہیں۔ اور ان میں نقش ونگار بھی ہیں اور خوبصورت طاق بھی مستحکم صنعت کے ساتھ بنے ہوئے ہیں۔ ان گھروں کے بیچ میں وہ کنواں ہے۔ جہاں ناقہ (صالحؑ) کو ان لوگوں نے پانی پینے سے روکا تھا۔

تقویم البلدان میں الحجر کی حقیقت یوں لکھی ہے۔

قال ابن حوقل الحجر بین جبال علی یوم من وادی القری اقول لم یحصل ذلک فان بینھما اکثر من خمسۃ الایام قال وکانت دیار ثمود الذین قال اللہ تعالی عنھم وثمود الذین جابوا الصخر بالواد قال رأیت تلک الجبال وما نحتت منھا کما اخبر اللہ تعالی وتنحتون من الجبال بیوتا فارھین وتسمی الجبال الاثالیب اقول وھی التی ینزلھا حجاج الشام وھی عن العلی علی نصف مرحلۃ من جھۃ الشام

(تقویم البلدان)

ابن حوقل کا بیان ہے کہ علاقہ حجر پہاڑوں کے درمیان وادی القری سے ایک دن کے راستہ پر واقع ہے۔ مگر میں نے (ابو الفدا) پانچ دنوں کے راستہ سے بھی زیادہ اوس کو پایا۔ یہی قوم ثمود کے رہنے کے مقامات ہیں۔ اور یہ وہی قوم ہے جس کی نسبت خدا تعالی نے فرمایا ہے۔ الذین جابوا الصخر بالواد۔ ابن حوقل کا بیان ہے کہ میں نے ان پہاڑوں اور ان چیزوں کو جو ان میں واقع ہیں۔ دیکھا ہے جیسا کہ ان کے متعلق خداوند عالم فرماتا ہے وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ فَارِهِیْنَ۔ ان پہاڑوں کا نام الاثالیب ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں شام سے آنے والے حاجیوں کا قافلہ اترتا ہے اور یہ مقام علی سے ابین

مکہ اور شام۔ نصف راہ پر واقع ہے۔

اب وادی القری کے متعلق تقویم البلدان کی یہ تحقیق ہے۔ وادی القری فهو بادیة الجزیرة دمّاکان من یالبس الی ایلة موتجها بالحجاز معارضا لارض تبوك فهو بادیة الشام۔ تقویم البلدان

وادی القری اوس بادیہ الجزائر کا نام ہے جو یالبس سے لیکر ایلہ تک۔ حجاز سے آنیوالے راستہ میں۔ تبوک کے مقابل واقع ہے۔

ہم نے اپنے مندرجۂ بالا بیان میں تمہیداً۔ صرف مورخین عرب کے اقوال سے۔ عرب البائدہ کے جستہ جستہ حالات اور اون کی سکونت کے مقامات لکھدئے۔ اب ہم حسب الوعدہ۔ ان کے ساتوں قبایل کے حالات اور اون کی سکونت کے مقامات اور تمدنی و سیاسی واقعات و حالات۔ محققین اور مکتشفین یورپ اور نیز کتب مقدسہ کے حوالوں سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

عرب البائدہ کے قبایل ہفتگانہ کی تفصیل اوپر لکھی گئی ہے۔ ان ساتوں قبایل کے مورث یا موجد خاندان کے نام یہ ہیں۔

(۱) کوش (۲) عیلام۔ (۳) لود (۴) حوص (۵) حول (۶) جادیس (۷) ثمود۔

ان میں سے ہرایک کی علیحدہ علیحدہ تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو۔

(۱) بنی کوش (کوش ابن حام ابن نوحؑ) عرب کے کسی مورخ نے ان کا کوئی حال نہیں لکھا ہے اسکا سبب یہ ہے کہ اس قوم کے لوگ قربت سکونت کی وجہ سے۔ عرب کے یقطانی قبایل سے مل جل گئے۔ اور ایسے کہ عرب میں تدوین تاریخ کے زمانہ میں۔ ان میں کوئی باہمی تفریق باقی نہیں۔ اس لئے انکو بھی یقطانی قبایل میں داخل کرلیا۔ عربی مورخین میں ایک نویری نے ان کی نسبت یہ فقرہ لکھا ہے وملك شرحبیل بنی قلیس وتمیم۔ (شرحبیل نے بنی قیس اور تمیم پر حکومت کی) اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں شرحبیل عرب کے اندر دونوں قبایل قیس اور تمیم پر حکمراں تہا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ شرحبیل۔ جو اپنے نام کی ترکیب سے بنی کوش کی قوم کا شخص ہے۔ نویری کے نزدیک یقطان کے قبایل میں داخل تھا۔ اب ثابت ہو گیا کہ حقیقتاً عربی مورخین کی خاموشی اسی سبب سے تھی کہ وہ بنی کوش کو جانتے ہی نہ تھے اور اگر جانتے بھی تھے تو بنی یقطان کی ایک شاخ۔

مگر یوروپین محققین کی تلاش وفکر کا کیا کہنا۔ جنھوں نے بڑی جانفشانی اور دماغ سوزی سے اس مسئلہ کی تاریکی پر تحقیق کی کامل روشنی ڈالی۔ اور بنی یقطان سے بنی کوش کے ایک جداگانہ قوم ہونے کے ثبوت اور اون کی آبادیوں کے مقامات کے صحیح نشان قوی دلیلوں کے ساتھ دکھلائے اور بتلائے۔

ایک زمانہ تک یورپین محقق بھی عربی مورخین کی طرح بنی کوش کے حالات سے ناواقف بنے رہے چنانچہ مسٹر جارج سیل GEORGE SALE) اور دیگر انگریزی مورخین بھی اپنی تالیفات میں ان کا کوئی حال نہ لکھ سکے۔ مگر ریورنڈ فارسٹر صاحب (REVD FORESTER) نے سب سے پہلے اسکی تحقیق و تفریق کیطرف اپنی ہمت کا قدم بڑہایا۔ اور رفتہ رفتہ بڑی کوشش و تلاش اور کامل صحت و قابلیت سے مسئلہ زیر بحث کا پتا لگایا۔ اور نہایت معتبر و مستند حوالوں سے ثابت کر دیا ہے کہ بنی کوش درحقیقت عرب ہیں خلیج فارس کے کنارے برابر آباد تھے اور اپنے اس دعوے کو مشرقی کناروں کے مختلف شہروں کے ناموں سے مقابلہ کر کے، جو بطلیموس نے اپنے جغرافیہ عرب میں لکھے ہیں قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے اور اپنے ثبوت کو تاریخی مشاہد سے مضبوط کر دیا ہے۔ اور وہ اسطرح کہ محققین علم قدامت کی یہ رائے مسلم ہو چکی ہے کہ سبا پسر کلاں کوش نے پہلے وہ حصہ وادی النفری کا آباد کیا جو دریائے فرات کے ملحق ہے۔ اور یہ رائے بظاہر وجوہات ذیل پر مبنی ہے۔ ضلع مذکور کا خورستان یعنی کوش کے اصلی وطن کے قریب واقع ہونا۔ شہر سبلی اور قوم سبا کا سمحار خالی پر موجود ہونا۔ کوشی ناموں اور خاندانوں۔ جویلا۔ ستباہ۔ راماہ۔ ودان کا خلیج فارس کے کنارے پر مسلسل سلسلے میں واقع ہونا اور سب سے آخر یہ کہ اشعیاہ نبیؑ کی کتاب کے دو مقاموں میں کوش اور سبا کا ساتھ ساتھ بیان ہونا جس سے پایا جاتا ہے کہ سبا خورستان سے ملحق ہے۔ مروجہ نقشہ عرب میں راس ماسندام کے قریب جس کو بطلیموس نے اپنے نقشہ عرب میں راس اسابی کے نام سے دکھلایا ہے۔ شہر کسکان جو اصل میں کوش کان ہے پاتے ہیں۔ یہ وہی شہر ہے جو توریت مقدس میں کوشام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اسی طرح بحر عمان کے اسی کنارے پر عمنان یا عمان اور تامر (تدمر) یا سیب اور سوبار شہروں کے درمیان ہم ایک شہر پاتے ہیں جس کو پلینی نے سواحل حام۔ جو بالفعل ماحام کہلاتا ہے۔ اس خاکنا کے مقابل کے اطراف پر۔ جو راس مسندم پر منتہی ہوتی ہے۔ اور خلیج فارس کے دہانے کے اندر شہر اور ضلع رعماہ جس کو یونانی ترجمہ توریت میں رعمہ اور بطلیموس نے رعامہ لکھا ہے۔ پایا جاتا ہے خلیج کے باہر شہر اور ضلع ودان یا ودانہ کا پتا ملتا ہے اور توریت میں جو ودان کی چھوٹی سی بستی رعماہ کا ذکر ہے وہ یہی ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ ان تمام مقاموں کے نام قبائل کوش کے مندرجہ بالا ناموں سے بالکل مل جاتے ہیں۔ انہیں سے راماہ (رعماہ) اور ودان کا توریت مقدس میں مذکور ہونا پورے طور سے ثابت ہوتا ہے۔ اسلئے یہ امر ثابت ہو گیا کہ بنی کوش حقیقت میں ایک جداگانہ قوم تھی اور وہ عرب کے اس حصہ میں آباد تھے جو خلیج فارس کے کنارے دور تک چلا گیا ہے۔

مسٹر ریورنڈ فارسٹر اپنے اس قابلانہ تحقیق و تطبیق میں اکثر حد اعتدال سے بڑھ گئے ہیں۔ اسی وجہ سے

اون کے بعض دلائل کے ثبوت میں ضعف آگیا ہے۔ اوس کی خاصکر یہ وجہ ہوئی ہے کہ بنی کوش کے ناموں یا مقاموں میں سے جہاں اون کو عرب کے موجودہ ناموں اور مقاموں میں ذرا بھی مشابہت معلوم ہوئی۔ اونہوں نے اوس نام اور مقام عرب کو بنی کوش کی طرف سے منسوب کرلیا۔ حالانکہ اون کے تنہا قیاسی خیال کے خلاف کثیر التعداد تاریخی شواہد اور دلائل موجود ہیں۔

اسی طرح فارسٹر صاحب کا یہ دعویٰ کہ بنی کوش عرب کے تمام حصوں میں پھیل گئے قابل قبول نہیں ہے۔ اون کے اس دعوے کی بنا اس طرح قایم ہوتی ہے کہ بنی کوش کے قوم کا بادشاہ نمرود جسکا ذکر کتب مقدسہ میں بھی موجود ہے۔ اپنے ہمقوم لوگوں کے ساتھ عرب کے دوسرے حصوں میں آکر رہا تھا۔ اسلیئے بنی کوش تمام اقطاع عرب میں پھیل گئے۔

اس مقام پر اس یورپین محقق کو بھی وہی دہوکا ہوا ہے جو مشرقی مورخین کو۔ اور یہ دونوں فریق بنی کوش کو خلیج فارس کی آبادی سے بڑہا کر بحر احمر تک پہونچا دیتے ہیں۔ اسلیئے نمرود کی سلطنت کو یمن تک وسیع بتلاتے ہیں۔ حالانکہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ نمرود کبھی اپنے بھائیوں کے ساتھ علاقہ یمن میں آباد نہیں ہوا تھا۔ کوش کی اولاد جن کے نام سبا۔ حویلاہ۔ سبتاہ۔ رعماہ اور سبتیکا تھے۔ اور رعماہ کے بیٹے شیبا اور ودان سب کے سب خلیج فارس کے کنارے کنارے آباد ہوئے تھے۔ جیسا کہ ابھی ابھی ہم توریت مقدس کے حوالے سے ودان اور رعماہ کے مقام سکونت خلیج فارس کے سواحل پر ثابت کرچکے ہیں۔ اگر یہ قومیں نمرود کے ساتھ یمن یا تمام اقطاع عرب میں آکر سکونت پذیر ہوئیں تھیں تو ضرور تھا کہ نمرود کے ایساان لوگوں کا ذکر تمام عرب کے متعلق توریت میں مندرج ہوتا۔

بات اتنی ہے کہ ریورنڈ فارسٹر کا یہ دعویٰ کہ بنی کوش بہمراہی نمرود آکر تمام اقطاع عرب میں پھیل گئے کسی طرح تاریخ سے ثابت نہیں ہوسکتا۔ مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ چند اقطاع عرب میں جنکا نشان اوپر دیا گیا ہے۔ ضرور بنی کوش آباد تھے۔ مورخین عرب کو بھی اسکا اقرار ہے۔ مگر وہ بنی کوش سے قطعی ناواقف ہونیکے باعث انکو قحطانی سمجھے اور سمجھاتے آئے ہیں۔

توراۃ میں ودان اور رعماہ کے متعلق جو حوالہ اوپر دیا گیا ہے وہ ریورنڈ فارسٹر صاحب کے مرقومہ بالا مختار کے بالکل مخالف ہے بنی کوش کا وجود توریت کے ایک دوسرے مقام پر بھی اوس جگہ پایا جاتا ہے جہاں جناب موسی علی نبینا و آلہ و علیہ السلام کے دوسری شادی کرنیکا بیان ہے۔ کتاب اعداد باب ۱۲ آیت (۱) میں لکھا ہے "کہ مریام اور ہارون نے حضرت موسیٰ سے اوس اتھوپین عورت کی وجہ سے جس کے ساتھ اونھوں نے شادی کی تھی۔ گفتگو کی"

ریورنڈ فارسٹر لفظ اتھوپیا کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ توریت و انجیل کے تاریخی جغرافیہ کے انگریزی ترجمہ میں الفاظ اتھوپیا اور باشندگان اتھوپیا اکثر مستعمل ہوئے ہیں اور اون کی جگہ عبرانی توریت میں اسم معروف کوش آیا ہے۔ اور یہ لفظ کوش جہاں کہیں کتب مقدسہ میں اس طرح مستعمل ہوا ہے تو اوس سے ہمیشہ ایشیا کی یعنی عرب مراد لیا گیا ہے نہ افریقی اتھوپیا۔

اس سے زیادہ واضح اور مستحکم ثبوت اوسی توریت میں موجود ہے۔ کتاب خروج باب ۲ آیت ۱۵ اور ۱۶ میں لکھا ہے کہ وہ (حضرت موسیٰ کی بی بی) ایک مدیانی عورت تھی حضرت ابراہیمؑ کی اولاد بنی قطورہ کے سلسلہ سے" اور یہ بھی متحقق ہے کہ مدین یا مدیان عرب میں ایک شہر تھا۔ چنانچہ بیٹن یونیورسل انفارمیشن میں (BEETON'S UNIVERSAL INFORMATION) اتھوپیا نے عرب کے ترجمہ میں۔ اتھوپیا سے عرب سے ارض مدائن مراد لیا ہے جس کو جغرافیہ قدیم کے مطابق عرب فلکس (آباد ان) میں شامل کیا ہے۔ بیٹنس یونیورسل انفارمیشن مطبوعہ لندن ص ۴۵۲

اس سے ثابت ہوگیا کہ حضرت موسیٰ کی بی بی ایک عربی خاتون تھیں۔ مگر حقیقتاً کوش کا ترجمہ اتھوپیا درست نہیں ہوا ہے اور اسی وجہ سے اسکے اصلی مفہوم عرب کو اوٹھا کر اتھوپیا سے افریقہ کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے۔ حالانکہ توریت مقدس کی عبارت میں لفظ مدائن نے داخل ہو کر بالکل صاف کر دیا ہے۔ اور نیز قدیم و جدید محققین نے بھی اقرار کر لیا ہے کہ اتھوپیا سے افریقی ہرگز مراد نہیں ہو سکتا۔

شاہد تاریخ قدیمہ سے اس قوم و قبیلہ کے جو کچھ حال معلوم ہو سکے ہیں وہ یہ ہیں۔

بنی کوش کی حکومت اس حکومت کے صرف تین کاہن بادشاہوں کے نام معلوم ہیں۔ "اوکوش" کا ہن غشان لوغل زاغیسی بن اوکوش۔ لوغل اوکیلسی۔ (۱) اوکوش کے متعلق اتنا معلوم ہے کہ وہ غشان کا کاہن اور سیاسی قوت سے زیادہ مذہبی قوت رکھتا تھا۔

(۲) لوغل زاغیسی نے باپ سے زیادہ سیاسی قوت حاصل کی، وہ کش (کوشاں) اور غشان دونوں کا بادشاہ تھا۔ تقریباً چار ہزار ق۔ م میں۔ اس نے تیسرے شہر اریخ یا آرک (عجب نہیں کہ لفظ "عراق" کی یہی اصل ہو) کی بنیاد ڈالی جسکو اوس نے ملک کا دار الحکومت قرار دیا۔

(۳) لوغل اوکیلسی اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا۔ اسکے عہد میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سومری طاقت نے پھر عود کیا اور اس شہر کو سیردنی قوموں سے واپس لیلیا۔

محققین جدید کا مختار یہ ہے کہ امم سامیہ میں جوہر اعتبار سے بعد طوفان اول الامم ثابت ہوتے ہیں کوش بھی داخل ہیں یہ سلسلہ پیچیدہ اور طویل ہے اور ہمارے موضوع سے ایسا ضروری تعلق بھی نہیں رکھتا مگر ہاں

اتنا بتلا دینا ضروری ہے جیسا کہ مغربی اور مشرقی محققین - دونوں کی تحقیقات سے اور بتلا دیا گیا اور ثابت کر دیا گیا ہے کہ یہ قوم کوش قبیلہ یقطان سے بالکل علیحدہ تھی - اور ان کے بود و باش کے مقامات بھی اونکے مقامات سکونت سے بالکل جدا تھے - وہ مفقود الحال اور معدوم الذکر بھی نہیں ہیں - بلکہ اونکے اخبار و آثار کتب مقدسہ اور اخبار قدیمہ میں ابھی تک محفوظ اور زندہ ہیں -

(۲) عیلام - انھیں کی طرف جرہم اولی منسوب ہیں - چونکہ یہ قوم بنی کوش کے مقابلہ میں کچھ نامور نہیں ہوئی اس لئے ان کے تفصیلی حالات بہت کم ملتے ہیں - صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بنی کوش کے ساتھ رہتے تھے اور انھیں کے مقامات سکونت کے قریب بستے تھے - اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں ہوتے -

(۳) لود - لود کے تین بیٹے ہوئے - طسم - عملیق - اور عمیم - یہ قبیلہ بھی باشندائے عملیق جن کا ذکر آگے آئیگا - بنو عیلام کے ایسا صاحب نام نہیں ہوا - اس لئے ان کے بھی تفصیلی حالات معلوم نہیں ہوتے - مگر ان کے آثار بھی خلیج فارس کے ساحلی مقامات میں پائے جاتے ہیں -

(۴) عوص اور (۵) حول - ان دونوں قبائل کے حالات اس لئے یکجا لکھے گئے ہیں کہ تمام تاریخوں اور کتابوں میں انکے حالات کی ترتیب ایک ساتھ کی گئی ہے - ہم اپنی طرف سے کوئی نوعیت پسند نہیں کرتے - ان دونوں قبائل کے مقامات سکونت بھی خلیج فارس کے ساحل اور اوس کے قرب و جوار کے میدانوں میں آجتک پائے جاتے ہیں - مثلاً مقام حول اور عول (موجودہ) حقیقتاً متحد الذات اور مساوی المعنی ہیں -

عوص کے بیٹے عاد اولی نے بہت بڑی شہرت حاصل کی اور رفتہ رفتہ اس کی اولاد ایک نامور اور مقتدر قوم ہوگئی اور تمام مشرقی اور جنوبی عرب کی مالک بن گئی - اونھوں نے عالیشان مکان اور بڑی بڑی عمارتیں بنائیں اور قرب و جوار کی قوم و قبائل کو بھی محکوم کر لیا - یہ قوم اپنی قوت - امارت اور شان و شوکت کے اعتبار سے اوس زمانہ کی دوسری قوموں پر سبقت لے گئی تھی -

عاد اولی یا سامیہ اولی کی تاریخی حالات

تمام محققین و مورخین کا مسئلہ متفقہ ہے کہ قدیم امم سامیہ اور عاد مترادف لفظ ہیں - السنہ سامیہ میں زبان کے لحاظ سے عبرانی سب سے قدیم ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قدیم الفاظ کی اصلیت عربی سے زیادہ اوسمیں محفوظ ہے - عاد کے لغوی حیثیت سے عربی میں کوئی معنی نہیں ملتے -

لفظ عاد | عبری میں "عاد" کی اصلیت موجود ہے עד (عاد) کے معنی "بلند و مشہور" کے ہیں یا اونچے

ہے کہ "ارم" ארם اور شیم (سام) کے بھی یہی معنی ہیں۔ انھیں معنوں کا اثر عربی میں بھی موجود ہے۔
ارم کے معنی پہاڑی اور سنگ نشان راہ کے لغت میں مذکور ہیں۔ اور شم سے "شم" اور "سمو" تو ابتک مستعمل ہیں۔

تحقیق توریت توراۃ میں "عاد" مذکر کے نام کیلئے، اور عادہ عورتوں کیلئے کئی جگہ آیا ہے۔ تاریخ ایام اوّل ۲۱۰۷ از تکوین ۲۳-۲ تاریخ اوّل ۷-۲۰

عاد کا زمانہ نام کے بعد دوسری بحث زمانہ کی ہے۔ عرب قبل اسلام میں کوئی باقاعدہ تاریخ رائج نہ تھی۔ اسلئے عرب بائدہ کا کوئی زمانہ مروی نہیں۔ لیکن اس بنا پر کہ مورخین عرب نے عاد کو عوص بن ارم بن سام کا حقیقی فرزند لکھا ہے۔ اسلئے ان کا زمانہ ۳۰۰۰ (تین ہزار) قبل مسیح قرار دینا چاہیئے۔ قرآن مجید نے عاد کا جہاں ذکر کیا ہے۔ اون کو خلفاء نوح بتلایا ہے۔ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ (اعراف رکوع ۹)
ترجمہ۔ اے عاد کے لوگو۔ خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ اوس نے قوم نوح کے بعد تم کو اپنی خلافت عطا کی (یعنی حکومت دی)

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سرزمین شام کی دوبارہ آبادی۔ بنو سام کی پہلی ترقی عاد سے شروع ہوئی ہے۔ اس لئے اس آیت سے نہ صرف عاد کے زمانہ کی تعئین ہوتی ہے۔ بلکہ اوس کے مسئلہ کی بھی تصدیق کہ امم سامیہ اولیٰ اعلی الاغلب عاد ایک چیز ہیں۔ اور اسی لئے قرآن مجید نے عاد اولیٰ فرمایا ہے۔ وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰى۔ اوسی خدا نے عاد اولیٰ کو برباد کیا۔

لیکن آجکل عموماً تسلیم کیا جاتا ہے کہ بنو سام کی حقیقی ترقی کا زمانہ ۲۲۰۰ قبل مسیح یا ۲۰۰۰ ق م ہے یہی مصر و بابل کی بھی یہی تاریخ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عاد ارم کا وجود بھی ۲۲۰۰ ق م سے شروع ہوتا ہے یعنی انتہا سے مدت تک یہ صورت ہے کہ ۱۵۰۰ ق م میں یمن میں ایک دوسری قوت کا وجود معلوم ہوتا ہے۔ اور اوس سے کچھ ہی پہلے حضرت موسیٰ کا زمانہ ہے۔ حضرت موسیٰؑ سے پہلے عاد تباہی ہو چکی تھی۔ قرآن مجید نے نقل قصص میں ہمیشہ عاد کا ذکر حضرت موسیٰؑ و فرعون سے پہلے کیا ہے۔ بلکہ ایک موسوی مسلم فرعون کے دربار میں کہتا ہے۔

يٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ (مومن)	بھائیو میں ڈرتا ہوں کہ جماعتوں کے دن کیطرح قوم نوحؑ عاد۔ ثمود۔ اور جو انکے بعد ہیں۔ انکی طرح ایکدن تم پر بھی آئے۔ (سورۂ مومن)

ان وجوہ سے عاد کے عہد سابق اور عہد ترقی و تقدم کا زمانہ ۲۲۰۰ ق م سے ۱۷۰۰ ق م تک ہو سکتا ہے لیکن عاد کا وجود اس کے بعد بھی ابتدائے عہد مسیح تک باقی رہا ہے اور یونانیوں نے عادریٹیا (ADEMATEAI عاد ارم) اور عادیت (ADETIE) کے نام سے حضرموت اور یمن

کے باشندوں میں ذکر کیا ہے۔ تمیز کیلئے عہد اوّل کو عاد اولی اور عہد ثانی کو عاد ثانیہ کہتے ہیں۔

عاد کی مرکزی آبادی۔ عرب کے بہترین حصے یعنی یمن و حضرموت میں از سواحل خلیج فارس تا حدود عراق تھی[۵۷] در اصل حکومت کا مرکز ملک یمن تھا لیکن خلیج فارس کے کنارے کنارے وہ حکومت عراق تک وسیع تھی جس سے نہایت آسانی سے وہ راہ معلوم ہو سکتی ہے۔ جدھر سے یہ قوم عرب سے عراق میں اور عراق سے دیگر ممالک میں پھیلی اور یہی جدید تحقیقات کے رو سے بھی اُمم سامیہ کا راستہ سمجھا جاتا ہے۔

عاد کا دور و دراز ممالک میں جانا عربوں میں اسقدر مسلم تھا کہ وہ شعرا کے ہاں تمثیلوں میں آگیا ہے۔ زمانہ جاہلیت کا ایک شاعر محرز بن مکعبر ضبی کہتا ہے۔

حتی انتهی لمیاه الجوف ظاهرة	وہ وسط صحرا کے تالاب پر آکر رُکا
سالم تر قبلهم عاد و لا ارم	یہ وہ رفتار تھی جو اس سے پہلے عاد اور ارم بھی نہیں چلے

عرب کا ملک ایک بے آب و گیاہ صحرا ہے۔ جہاں بڑے اور حوصلہ مند قوم تبائل کے لئے ترقی کا کوئی میدان نہیں ہے۔ ناچار پُر جوش قومیں باہر نکل پڑتی ہیں۔ عرب کا جزیرہ نما جنوب و مغرب اور کسی قدر مشرق کی جانب پانی سے گھرا ہوا ہے۔ اسلئے آسان اور قدرتی راستہ اوسکے لئے بعض مشرقی اور عموماً شمالی ممالک میں۔ یعنی بابل و شام و سینا۔ بابل سے ایران کا راستہ ہے۔

شام سے بحر ابیض و بحر روم ہو کر یورپ اور افریقہ کیطرف بھی رُخ کیا جا سکتا ہے ۱۸۷۵ء سے پہلے جب نہر سوئیز موجود نہ تھی۔ بحر ابیض اور بحر احمر کے درمیان آجکل کیطرح دریائی راستہ نہ تھا۔ نہ جزیرہ سینا اور مصر کے درمیان نہر سوئیز تھی ایک پتلی سی خشک زمین تھی۔ جو شام۔ عرب اور جزیرہ نمائے سینا کو خشکی کی راہ سے مصر سے ملاتی تھی۔ ہندوستان کی قدیم حملہ آور قوموں کے لئے جس طرح درہ خیبر مشہور راستہ ہے اسی طرح مصر کے قدیم حملہ آوروں کیلئے یہی پتلی گلی ایک پامال راہ تھی۔

قوم عاد کے فتوحات اور مقبوضات بیرون عرب

(از سن ہم تا م تا سن ۱۹۰۰ ق م)

(۱) عرب سامیہ یا عاد۔ بابل میں۔

(۲) عرب سامیہ یا عاد۔ مصر میں۔

(۳) عرب سامیہ یا عاد۔ دیگر ممالک میں۔

---

[۵۷] معارف ابن قتیبہ ص ۱۰ مطبوعہ مصر

کسی مقدمہ کی صحت کے صرف تین جزو ہیں۔ مدعی کا دعویٰ۔ مدعا علیہ کا اقرار اور گواہوں کی شہادت اگر کسی مقدمہ کے یہ تینوں اجزا بہم پہونچ جائیں تو مقدمہ کی صحت میں کیا شک ہوسکتا ہے۔ ؟ اہل عرب کا دعویٰ ہے کہ اُنہوں نے عراق کے شہر بابل پر حکومت کی۔ اہل عراق قدیم اسکا اعتراف کرتے ہیں اور تحقیقات جدیدہ کی شہادت اسکی تصدیق کرتی ہے۔ پھر صحت دعوے میں کسکو شک ہوگا۔ ؟

اہل عرب کا دعویٰ

علامہ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔

فمنهم العماليق امم تفرقوا في البلدان و منهم فراعنة مصر و الجبابرة[1]

انھیں (عاد) میں عمالیق ہیں۔ یہ متعدد قومیں ہیں جو ملکوں میں منتشر ہوگئی تھیں اور انہیں میں سے مصر اور بابل کے بادشاہ ہیں۔

مؤرخ ابن خلدون کی تحقیق ہے جس کو اوس نے اپنی تاریخ میں کئی جگہ دُہرایا ہے۔

ان قوم عاد و العمالقة ملكوا العراق[2]

يقال انهم انتقلوا الى جزيرة العرب من بابل لما زاحمهم فيها بنو حام[3]

نزلوها (الحجاز) ايام خروجهم من العراق امام النماردة من بني حام[4]

عاد اور عمالقہ عراق کے بادشاہ ہوگئے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ بابل سے جزیرۃ العرب میں اُسوقت چلے آئے جب بنو حام نے انکے ساتھ مزاحمت کی۔

یہ لوگ عراق سے نکلنے کے زمانہ میں بنو حام کے بادشاہ سے بھاگ کر حجاز میں چلے آئے۔

اہل ایران کا بیان

اہل ایران کا دعویٰ بیان ہے کہ عراق و بابل کی حکومت انھیں (عاد) کے ہاتھ میں تھی ان کا اعتراف ہے کہ جمشید کے بعد جو بنو سام بن نوح کا معاصر تھا ضحاک تازی (عرب) نے ملک پر قبضہ کرلیا۔ عرب بھی اسکو تسلیم کرتے ہیں۔ طبری میں ہے۔

و اليمن تدعيه و تزعم انه من انفسها وهو ضحاك بن علوان۔ طبری ص ۲۰۲ جزء من

و بلغنا ان الضحاك هو نمرود و ان ابراهيم ولد في زمانه و انه صاحبه الذي اراد احراقه (۲۰۵)

اہل یمن بھی اسکے مدعی ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ یہ بادشاہ انہیں کی قوم کا تھا اور اسکا نام ضحاک ابن علوان تھا۔

ہمیں یہ روایت پہونچی ہے کہ ضحاک ہی نمرود تھا۔ حضرت ابراہیم اسی کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اور یہی تھا جس نے اُنکے جلانے کا قصد کیا تھا۔

فردوسی اہل ایران کی تاریخ کا ترجمان ضحاک تازی (عرب) اور اوس کی ہزار سالہ حکومت کا مفصل بیان شاہنامہ میں کرتا ہے۔

---

[1] کتاب المعارف ص ۱۰ مصر [2] کتاب العبر ص ۲۵۹ ج ۲ مصر [3] کتاب العبر ص ۱۸ ج ۳ مصر
[4] کتاب العبر ص ۲۷ ج ۲ مصر

توراۃ کا بیان بنی اسرائیل کا قدیم خاندان عہد ابراہیمی سے اسی ملک کا باشندہ تھا اور نہایت قدیمی زمانہ سے (۲۵۰۰ ق م) اوس کے تعلقات یہاں سے قایم ہیں۔ اس بنا پر اس باب میں اونکی رائے بھی قابل وقعت ہوگی۔ توریت کی روایت ہے۔ سب سے پہلے بادشاہ کوش کا بیٹا نمرود تھا۔ اصل عبارت یہ ہے۔

> کوش حام کا بیٹا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کوش کی اولاد سبا۔ حویلاہ۔ سابتا۔ رعماہ۔ اور سابتیکا۔ اور رعماہ کے بیٹے شبا اور ودان۔ کوش نے نمرود کو پیدا کیا۔ اور اوس کی حکومت کی ابتدا بابل اور ایرخ (عراق) میں ہوئی۔ (تکوین۔ ایت ۱۰۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹)

یہ سمجھ لینا بھی نہایت ضروری ہے کہ ابتدائی تقسیم اقوام حسب آرائے موجودہ۔ نسلی نہیں۔ بلکہ جغرافی ہے۔ یہ تمام اقوام جن کا نام اولاد کوش سے ذکر ہوا ہے۔ وہ سب جنوبی سمت اور سواحل خلیج فارس کے باشندے تھے۔ یعنی عرب۔ یورپ میں تاریخ قدیم کا سب سے بڑا مورخ جرمن فاضل ڈنکر DUNKER ہے۔ وہ بابل کی تاریخ میں اس توریت کے فقرہ کی تفسیر یوں کرتا ہے۔

> سفر تکوین۔ مثل متاخرین یہود کے۔ کوش کے نام کے اندر اون اقوام کو داخل کرتا ہے جو جنوبی سمت میں رہتے ہیں نوبی۔ نوبی (اتھوپین) اور جنوبی عرب کے قبائل۔ یہاں پر ہم ان فرزندان کوش کو جنھوں نے بابل کی بنیاد ڈالی۔ جنوبی قبائل کے باشندے کہہ سکتے ہیں۔ جو تقریباً خلیج فارس پر مقیم تھے۔[1]

اہل عراق کا بیان بابل کا ایک کلدانی مورخ بروسوس نامی ہے۔ جو اصلاً بابلی اور بعل کے معبد کا ایک کاہن تھا۔ یہ حضرت مسیح ؑ سے تخمیناً ۴۰۰ برس پہلے تھا۔ اس نے بابل کی قدیم تاریخ لکھی تھی۔ اصل کتاب تو ضائع ہوگئی۔ لیکن یہودی اور یونانی مصنفین نے اوس کے حوالے سے بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ اور ضمناً اوس کی بعینہٖ عبارت بھی لکھی ہے۔ انہیں منقول عبارتوں میں ملوک بابل کا ایک نقشہ ہے مورخ موصوف کلدانی بادشاہوں کے بعد عرب بادشاہوں کا ذکر کرتا ہے۔ اور اون کی تعداد ۹ اور اون کی مدت حکومت ۲۲۵ برس قرار دیتا ہے۔ یہ نقشہ قابل تنقید ہے۔ لیکن قابل تغلیط نہیں۔ وہ نقشہ یہ ہے۔

---

[1] تاریخ قدیم ج ۱ ص ۲۷۹

نمبر	خاندان ملوک	تعداد	سال
۱	بادشاہان قبل طوفان نوحؑ	۱۰	۴۳۲۰۰۰
۲	بادشاہان بعد طوفان نوحؑ	۸۶	۳۴۰۰۰
۳	میڈیا کے غاصب بادشاہ	۸	۲۲۴
۴	بادشاہ	۱۱	۲۴۸
۵	کلدانی بادشاہ	۴۹	۴۵۸
۶	عرب بادشاہ	۹	۲۳۵

تحقیقات جدیدہ اہل عرب اور اہل بابل کے بیانات سے اس سے زیادہ کوئی اور علم حاصل نہیں ہوتا کہ کسی قدیم زمانہ میں عرب سامیہ کے ایک خاندان نے عراق پر حکومت کی۔ اس سے زیادہ حالات قدامت کی تاریکی میں مخفی ہیں۔"

لیکن آرکیالوجی (ARCHIALOGY) علم القدامت کی اعانت اور حضریات بابل کی صراحت نے قدامت کے پردہ کو چاک کردیا ہے۔ اب نئے سرے سے بابل کا تمدن زندہ ہو رہا ہے اور علم الآثار کے چراغ طلسمی میں اب نظر آرہا ہے کہ بابل اور اسیریا کا ہر پتھر درحقیقت انکی تاریخ کا ایک صفحہ ہے[۵]۔

[۵] ہر چیز مذہب سے شروع ہوتی ہے۔ توریت بابل و اسیریا کے سلاطین اور شہروں کے نام سے پُر ہے۔ نوع انسان کا افتراق بابل میں ہوا۔ (تکوین باب ۱۰) حضرت ابراہیمؑ بابل و کلدان سے نکلکر فلسطین آئے تھے۔ یہودیوں کی تباہی اہل بابل کے ہاتھ سے ہوئی۔ ان وجوہ سے ضروری تھا کہ یورپ کے علماء آثار ان ممالک کی تنقیب و اکتشافات کی طرف توجہ کریں۔ اس کی ابتدا سولھویں صدی سے ہوئی اور اب تک جاری ہے۔ سیکڑوں کتبات۔ مخطوطات کتابیں (منقوش بر سنگ) مجسمات۔ اس کے عمارات کے نشانات۔ واقعات تاریخی کی منقوش یادگاریں زمین سے نکالی گئیں۔ خط اور زبان کی مشکل حل کی گئی اور باقاعدہ ان اکتشافات و تحقیقات کا سلسلہ جاری کیا گیا۔ تاآنکہ بابل و اسیریا کی عظیم الشان تاریخ مدون ہوئی۔

سیکڑوں علماے مشرقیات نے ان تحقیقات میں اپنی زندگیاں وقف کیں۔ ان میں سے مشاہیر کے نام حسب ذیل ہیں:

ہربرٹ (HERBCRT) ۱۶۲۶ء سر جان جارڈن (SIRJOHNJORDEN) ۱۲۰۰ء

کارنیل ڈی براؤن (COLD. BROWN) ۱۶۷۴ء نیوبھر (NUBHAR) ۱۷۶۰ء جولیس موہل

(JULIUS MOHIL) ۱۸۲۳ء جارج اسمتھ (GEORGE SMITH) ۱۸۲۶ء

قدیم بابل (اہل فارس سے پہلے) کے جو کتبات و آثار ملے ہیں۔ زبان کی حیثیت سے یہ دو قسم کے ہیں سامی اور غیر سامی۔ ان سے بابل کے قدیم باشندوں کی قومیت کا راز فاش ہوتا ہے۔ ان میں سے اکثر کتبات پر سلاطین کی تاریخیں ہیں اور جن پر سال مرقوم نہیں ہے۔ اون کے زمانہ کی تعیین قرائن سے کی گئی ہو غیر سامی کتبات و آثار عموماً قدیم ترین ہیں۔ اوس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر سامی آبادی یہاں سامیوں سے پہلے آباد تھی۔ اون کی زبان سومری اور اکادی تھی جس سے ہم اس نتیجہ تک پہونچتے ہیں کہ وہ غیر سامی آبادی اکادی اور سومری تھی۔ جو نشا بہ نام وزبان کے لحاظ سے غالباً تورانی النسل ظاہر ہوتی ہے۔

ارض بابل کے اس عہد کے تمام کتبات کو بہ ترتیب رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۴۰۰۰ ق م کی ابتدا میں قدیم سومری الفاظ کے بجائے ان میں سامی الفاظ کی آمیزش شروع ہوتی ہے اور یہ آمیزش و اختلاط رفتہ رفتہ بڑھتا جاتا ہے۔ تا آنکہ نام۔ خط۔ اور خیالات بالکل سامی ہو جاتے ہیں جس کا خاتمہ ایک اور تورانی النسل[1] زبان عیلام پر ہوتا ہے جس کا وطن خلیج فارس کا فارسی ساحل تھا۔ پھر ایک زمانہ کے بعد ۲۵۰۰ ق م میں زبان بالکل سامی ہو جاتی ہے۔ بعد ازاں ایک مرکب و متحد زبان کی صورت نظر آتی ہے۔

ان قدیم ترین حکومتہائے بابل کے سلسلہ میں ہم نے دو جگہ عرب سامی خاندانوں کا ذکر کیا ہے۔ ۴۰۰۰ ق م اور ایک ۲۴۰۰ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ بیان کے محتاج ہیں۔

چار ہزار ق م اس خاندان کے متعلق صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سامی تھا۔ باہر سے آیا تھا۔ اور ابتداءً نہایت وحشی تھا۔ یہ بیرونی۔ وحشی۔ سامی۔ کون تھے۔؟ عرب اس خاندان کے حالات کے متعلق جدید ترین تحقیق یہ ہے۔

تقریباً چار ہزار ق م کی ابتدا میں سومری لوگوں نے جو ایک اعلیٰ تمدن حاصل کر رہے تھے۔ اپنے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۲ ہے۔ اور ہالوے (HOLWAY) وغیرہم

اسوقت بھی ایک جرمن سوسائٹی مشغول کار ہے۔ اوسکے حیرت انگیز نتائج ہر سال ہوتے شائع ہو چکے ہیں۔ اس سلسلہ میں عجیب بات یہ ہے کہ بابل و سیریا کی تحقیقات و اکتشافات میں دولت عثمانیہ اور بعض ترک سلمان حکام بھی ہے اور خلیل بے کے نام بھی موجود ہیں۔

[1] زبان عیلام کو تورانی النسل خیال کرنا۔ صاحب ارض القرآن کے ایسے وسیع النظر محقق سے بہت تعجب انگیز ہے جنہوں نے خود شجرہ اقوام ارض القرآن ص ۱۲۴۲ میں عیلام کو سام کا پسر اول لکھا ہے۔ پھر انہیں کو تورانی النسل کیونکر قرار دے سکتے ہیں۔ حالانکہ تورانی۔ دوسری تعلق نسبی رکھتے ہیں اور وہ یافث کی اولاد میں ہو سکتے ہیں نہ سام کے سلسلہ میں۔ ۱۲ ملو لعفا عفی عنہ

ملک کو ایک بار (اس کے بعد) وسیع التعداد۔ بربری قبائل سے پُر پایا۔ یہ (بربری) سامی تھے جو نہایت قریبی خونی تعلق عربوں سے رکھتے تھے۔ جو ایکبار (اسکے بعد) اسپین (SPAIN) تک دوڑ چکے ہیں۔ اور عبرانیوں سے بھی اسی قسم کی مشابہت رکھتے تھے جو ایکبار نہر اردن (ARON) کو عبور کرکے کنعان پہونچے۔

بعضوں کا خیال ہے کہ یہ (فاتحان بابل) کردستان سے آئے۔ اور بابل پہونچکر۔ امفیا۔ عرب اور کنعان وغیرہ میں پہونچے۔ لیکن یہ خیال اب متروک ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ وہ افریقہ سے آئے۔ اور مصر ہوکر تمام پھیلے۔ اس تھیوری THEORY (خیال) کی اثبات میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی اس خیال کے لئے بہت بڑی قوت اور اہمیت ہے کہ انکا اصل مسکن عرب تھا۔ جہاں سے نکلکر ایک سرسبز و وسیع قطعہ کی تلاش میں الجزیرہ۔ بابل اور دیار مغرب میں کنعان تک موجیں لیتے ہوئے نکل آئے یہی آخری خیال روز بروز نئے طرف داروں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ عموماً اب یہی علما کی مقبول رائے ہے۔ (ملخصاً از باب اکتاب ا)

سومری حکومت کے اسی عہد کا ایک چھوٹا سا اور ٹوٹا سا کتبہ ملا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوس وقت ایک جدید داخل ہونیوالی قوم ہے جس نے شمالی بابل کو لے لیا تھا۔ دوبارہ اس کی واپسی کے لئے کوشاں تھی۔ یہ نئی آنے والی قوم کون تھی۔ سامی جس کا اصلی گھر غالباً عرب تھا۔ لیکن اب وہ کچھ دنوں سے بابل کے شمالی و مغربی حصہ میں (غالباً الجزیرہ میں) آباد تھی۔ سامیوں نے تمام ملک میں ان حصوں پر قبضہ کر لیا جو آباد اور زرخیز تھے اور جو سومری قوموں کے ذریعہ گذران تھے۔ (باب اکتاب ۲)

اس زمانہ میں حکومت ایک شہر سے عبارت تھی جس کے آس پاس کچھ گاؤں کچھ خیموں کی آبادی اور کچھ ادہر اُدہر کے قبائل پر مشتمل ہوتی تھی۔ شہر میں ایک شاہی قصر ہوتا تھا اور ایک پتھروں کا ہیکل۔ ہیکل کا کاہن اور قصر کا بادشاہ ایک شخص ہوتا تھا۔ ہر ہیکل کا ایک خاص دیوتا ہوتا تھا جس کے قبضۂ قدرت میں تمام شہروں کی جان ہوتی تھی۔

کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اغاد (شاخ سامیہ) خاندان میں چار بادشاہ گذرے ہیں۔ بطلی بعل (ایک دیوتا تھا) شرغنی شرعلی کر اور بن شرعلی۔ کرزام سن کر۔

(ا) بطلی بعل کے نام کا کوئی کتبہ نہیں ملا لیکن اس کے بیٹے شرغنی کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں وہ اپنے باپ کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے "شرغنی شرعلی بن بطلی بعل شاہ قادر اغاد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بانی ایکور ہیکل بعل در شہر نپور"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ ہونے کے علاوہ بہت سی عمارتوں کا بانی ہے۔

(۲) شرغنی شرغلی کر (۲۸۰۰ قبل مسیح) اسکا پورا نام ہے۔ لیکن کبھی صرف شرغنی بھی پایا گیا ہے لیکن زیادہ مشہور یہ شرغون اول یا سرجون اول کے نام سے ہے۔ شرغون اس خاندان کا گل سرسبد ہے اور حکومت بابل کے بزرگ ترین بادشاہوں میں اسکا شمار ہے۔ اسکے جو کتبات اس وقت تک ملے ہیں وہ متفقاً اسکی عظمت و جلال کے بیان سے پر ہیں۔ اسنے ایک طرف سومریوں کی قوت کا خاتمہ کردیا اور دوسری طرف فارس میں عیلامیوں کو مغلوب کر لیا۔

(۳) نرام سن کبیر (۲۷۵۰ ق م) بھی عظمت میں اپنے باپ سے کم نہیں۔ اسکا خطاب تھا "شاہ چاردانگ عالم" نرام سن کر کی خاص مہم۔ زمین مُغان پر حملہ ہے۔ مغان سے غالباً جزیرہ سینا مغربی و شمالی مراد ہے۔ اس کے قریب شہر معان اب تک معلوم ہے۔

فاتح ہونے کے علاوہ یہ بادشاہ بانی عمارات بھی ہے۔ نیپور اور اتعاد میں ہیکل تعمیر کرائے اور شہر پناہیں بنوائیں۔ اسفار میں آفتاب دیوتا کا ہیکل تیار کرایا۔

(۴) بن غلی شرغلی خاتم خاندان اور مجہول الحال ہے۔[ل]

ل اس فصل کے لکھتے وقت حسب ذیل کتابیں ہمارے پیش نظر تھیں۔ نینوے اور اوس کی یادگاریں۔

NINEVAH AND ITS
REMAINS. BY A. H. LAYARD 1849 LONDON.

تاریخ قدیم رالنسن پروفیسر تاریخ قدیم کیمبرج

A MANNUAL OF ANCIENT HISTORY BY G. RAUOLINSON
PROFESSOR OF HISTORY CAMBRIG.

تحقیقات آثار نینوی و بابل

DISCOVERIES IN THE RUINS OF NINEOAH AND BYBLONIA
BY A H. LAYARD 1853

لیکن رالنسن کی کتاب صرف "تاریخ یونان و روم" کے زیورات سے ماخوذ ہے۔ اور لیارڈ کی کتاب کے معلومات جو گو سیاحت بابل و نینوی کے نتائج ہیں تاہم اوسکے معلومات پُرانے ہوچکے ہیں۔ راجرس (R.W. ROGERS) کی تاریخ بابل و اشور۔ جو بالکل جدید تصنیف ہے اور جس کی بنا صرف تحقیقات تازہ پر ہے۔ اور جو تمام یورپ کے دارالآثار اور کتب خانوں کے مطالعہ کے بعد لکھی گئی ہے۔ اس فصل کا ماخذ ہے (جلد اول۔ کتاب اول۔ باب ۱۱ (۲) اور کتاب ۲۔ باب اول سے یہ تمام معلومات ملخص ہیں۔

محققین جدید کی تحقیقات۔ اونکے ذرائع معلومات۔ خصوصاً اصول علم الآثار کے مطابق اکتشافات کے قیمتی قابل قدر اور مفید ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ مگر باوجود ان قیمت و عظمت کے بھی۔ انکے علمی کارناموں کے اکثر مقامات۔ محل شبہات اور پر خدشات ہیں جن کی صحت۔ اصلیت اور قطعیت پر مشکل سے اعتبار کیا جائیگا۔ المؤلف عفی عنہ

۴۰۰ق م | گذشتہ صفحات میں ڈہائی ہزار برس کا مرقع پیش کیا گیا جس میں بابل کے اسٹیج پر سومری عیلامی اور سامی قوموں کا کبھی بصلح واشتی کبھی بجنگ وجدال ظہور ہوتا رہا۔ ۴۰۰ق م میں ایک اور سامی قوم کا ظہور ہوا جس نے تمام قوموں کا خاتمہ کردیا۔ اور ایک متحد سامی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اس حکومت کی حقیقت قومیت ان الفاظ میں ایک امریکن مؤرخ راجرس ادا کرتا ہے۔

سومری تہذیب اب پیری کو پہونچ گئی تھی۔ موت کے جراثیم اب اوس میں پیدا ہو چکے تھے دوسرے طرف سامی تمدن زندگی اور جوش سے لبریز تھا۔ سامی۔ ریگستان عرب کی آزاد ہوا سے باہر آئے تھے۔ وہ اپنی رگوں میں زندگی رکھتے تھے[1]۔

اس خاندان کا شجرہ ملوک جیسا کہ کتبات سے ظاہر ہوا ہے حسب ذیل ہیں[2]۔

مدت حکومت	سن حکومت	نام بادشاہ	نمبر
۱۵ برس	۲۴۵۴ — ۲۴۴۰ ق م	شمو۔آبی	۱
۳۵ برس	۲۴۲۹ — ۲۳۹۱ ق م	شمو۔لاایلی	۲
۱۴ برس	۲۴۰۴ — ۲۳۹۱ ق م	زابو	۳
۱۰ برس	۲۳۹۰ — ۲۳۷۳ ق م	آفل سِن	۴
۳۰ برس	۲۳۷۲ — ۲۳۴۳ ق م	سِن مُبّلط	۵
۵۵ برس	۲۳۴۳ — ۲۲۸۸ ق م	حمورابی	۶
۳۵ برس	۲۲۸۷ — ۲۲۳۵ ق م	شمو۔ایلونا	۷
۲۵ برس	۲۲۵۴ — ۲۲۲۸ ق م	عمی۔شوغ	۸
۲۵ برس	۲۲۲۷ — ۲۲۰۳ ق م	عمی ستانا	۹
۲۱ برس	۲۲۰۲ — ۲۱۸۲ ق م	عمی صادقا	۱۰
۱۳ برس	۲۱۱۸ — ۲۱۵۱ ق م	شمو۔ستانا	۱۱

اس فہرست میں پہلا نام سموآبی کا ہے۔ اس کی نسبت کوئی واقعہ نہیں معلوم۔ اسکا نام سلاطین کی فہرست میں ملتا ہے۔ اس کے بعد کے جانشینوں کی نسبت بھی ہم کو کوئی صحیح علم نہیں ہے "سمولاایلو

[1] ROGERS VOL I.P.383. [2] ROGERS VOL 1P 338.

کے متعلق اتنا جانتے ہیں کہ اوس نے بابل میں چھ قلعے تعمیر کرائے تھے۔ تیسرا بادشاہ زابو صرف ایک ہیکل کے بانی کی حیثیت سے معلوم ہوا ہے۔ جو شہر کے دیوتا کے نام سے بنا تھا۔ اقل سن اور سین مبلط بھی مجہول الحال ہیں۔

اس خاندان کا مشہور و ممتاز بادشاہ حمورابی ہے جس کی نسبت ہماری اطلاعات کسی قدر زیادہ وسیع ہیں اسکا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ملک کو عیلامیوں سے پاک کر دیا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حمورابی سے پہلے تک ملک میں عیلامیوں کا زور باقی تھا عجب نہیں کہ حمورابی کے اسلاف کا عدم اہمیت و شہرت اسی علت کا معلول ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ حمورابی سے پہلے کے بادشاہوں کے ساتھ شاہی القاب نظر نہیں آتے۔

اب تک جو کتبات اس خاندان کے ملے ہیں۔ وہ عموماً حمورابی ہی کے ہیں جن سے اس بادشاہ کی عجیب و غریب عظمت ظاہر ہوتی ہے[1]۔

توریت میں سب سے پہلا جو سیاسی واقعہ مذکور ہے۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں شمالی عرب میں عراق اور شام کے بادشاہوں کی باہمی جنگ ہے۔ اس موقع پر شنعار (بابل) کے بادشاہ کا نام امرافیل یا امورافیل مذکور ہوا ہے[2]۔ الف اور ح کا اور ب پ اور ف کا تبادلہ السنہ سامیہ میں بہت متداول ہے۔ اس لئے عجب نہیں کہ امرافیل اصلاً امورافی ہو۔ اور امورافی۔ حمورابی کا عبرانی تلفظ ہو۔ ایل کا اضافہ (یعنی خدا) صرف عبری ناموں کی مناسبت سے کیا گیا ہے۔ جیسے اسرائیل۔ حزقیل وغیرہ۔ امرافیل اور حمورابی کے اتحاد کی بڑی دلیل دونوں کا تقریباً اتحاد عصر اور اتحاد ملک بھی ہے۔ بہرحال اگر یہ قیاس صحیح ہے۔ تو حمورابی اور حضرت ابراہیم کا باہم ایک ہی زمانہ ہوگا۔

حمورابی کے ایک اور کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید یہ دنیا کا سب سے پہلا مقنن ہو۔ بابل کے ایک مینار پر اوس کے قوانین کا خلاصہ درج ہے جو توراۃ کے احکام سے بہت مشابہ ہیں تفصیل باب کتبیا و یہودیہ میں[3] کتبیاً اہل ضلال کہتے ہیں کہ توریت کے احکام انہیں سے ماخوذ ہیں۔ ارباب ہدیٰ کہتے ہیں کہ یہ احکام ابراہیم کی شریعت کے ہیں جن کو حمورابی نے سنا اور قبول کیا فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ۔ جو اہل ایمان ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ حقیقتاً اونکے پروردگار کی طرف سے ہے۔

حمورابی کے بعد جو بادشاہ اس خاندان میں ہوئے وہ اسلاف کی عظمت کو قائم نہ رکھ سکے۔

---

[1] راجرس۔ جلد اول ص ۳۹۱ [2] تکوین باب ۱۴ [3] حمورابی کے یہ قوانین انگریزی میں ایک رسالہ کی صورت میں چھپ گئے ہیں۔ اس باب کے تمام حوالہ راجرس تاریخ بابل و اسیریا سے ماخوذ ہیں۔ المولف۔

عرب سامیہ یا عرب عاد مصر میں

عراق کی طرح مصر میں بھی اس واقعہ کے تین اجزا ہیں۔ روایت عرب۔ بیان اہل مصر اور تصدیق تحقیقات جدیدہ۔ بلکہ اس مقدمہ میں ایک چیز اور زیادہ ہے۔ یعنی اشارات تورات۔

روایت عرب علامہ ابن قتیبہ کی عبارت ہے۔

فمنهم العماليق امم تفرقوا في البلاد ومنهم فراعنة مصر

انہیں میں سے عمالیق ہیں۔ یہ متعدد قومیں ہیں جو ملک میں پھیل گئی ہیں۔ انہیں میں فراعین (شاہان) مصر ہیں۔

مؤرخ یعقوبی لکھتا ہے۔

فلما ملكوا النساء طمع فيهم العمالقة ملوك الشام فغزاهم ملك العمالقة وهو يومئذ الوليد بن دومغ ووطئ البلاد فرضوا ان يملكوا عليهم واقام دهرا طويلا ثم ملك آخر من العمالقة يقال له الريان ابن الوليد وهو فرعون يوسف ع

تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۲۱۱ لندن

مصریوں نے جب عورتوں کو بادشاہ بنایا۔ شام کے بادشاہ جو عمالیق تھے۔ اونہوں نے طمع کیا۔ عمالیق کے بادشاہ نے جسکا نام ولید ابن دومغ تھا۔ ملک کو پامال کیا تھا۔ اہل مصر اونکی بادشاہی پر راضی ہو گئے۔ ایک زمانہ تک یہ بادشاہ زندہ رہا۔ پھر عمالیق کا دوسرا بادشاہ ہوا جسکو لوگ ریان ابن ولید کہتے تھے حضرت یوسف کا معاصر فرعون یہی ہے۔ تاریخ یعقوبی جلد اول ص ۲۱۱ لندن۔

جزئیات بیان اور نام گو صحیح نہوں لیکن اصل واقعہ ثابت ہے اور کیا عجب کہ یہ عربی نام اصلی ناموں کے ترجمہ ہوں اسی قسم کا بیان اور تاریخوں میں بھی ہے معجم یاقوت میں ہے۔

وقيل ان فراعنة مصر كانوا من العماليق وكان منهم فرعون ابراهيم

کہا گیا ہے کہ مصر کے فرعون عمالیق میں سے تھے۔ انہیں میں حضرت ابراہیم ...... اور حضرت یوسف کے فرعون ہیں۔

مؤرخ طبری کی روایت ہے۔

وانه ملك على مصر اخاه سنان بن علوان وهو اول الفراعنة وانه كان ملك مصر حين قدمها ابراهيم خليل الرحمان (ج ۱ ص ۲۰۲ یورپ)

اوس نے مصر پر اپنے بھائی علوان بن سنان کو بادشاہ بنایا۔ یہ مصر کا پہلا فرعون تھا۔ حضرت ابراہیمؑ جب مصر گئے تو یہی فرعون تھا۔

اس معاصرکی تائید دیگر ذرائع سے بھی ہوتی ہے۔ بیان آگے آئے گا۔

مؤرخ ابن خلدون کی تحقیق ہے۔

اِنّ بعض ملوک القبط استنصر بالعمالقہ لعدوہ .... فجاء معہ وملک مصر	قبط (قدیم باشندگان مصر) کے بعض سلاطین نے اپنے زمانہ کے شاہ عمالیق سے مدد مانگی۔ وہ آیا اور اُسنے مصر پر قبضہ کر لیا۔

اہل مصر کا بیان مسیح سے دو ہزار برس پہلے ایک اجنبی قوم نے مصر پر قبضہ کیا۔ اسکا نام اہل مصر سوس (چرواہی) اور ہیک سوس (چرواہے بادشاہ) بتلاتے ہیں۔ یہ چرواہے بادشاہ کون تھے؟ عرب جو اکثر شتربانی سے جہانبانی تک پہونچے ہیں۔ اور اوسوقت بھی ان کو یہی لقب دیا گیا۔ لیکن کیا کیا جاوے کہ چرواہا ہونا نہ صرف عرب کا بلکہ تمام امم سامیہ کا قومی وملکی پیشہ ہے اور اس کی تحریری شہادت آج سے دس ہزار برس پیشتر کی ہمارے پاس موجود ہے تا انکہ پیشوایان امم سامیہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔

بہرحال۔ اِنھیں چرواہے بادشاہوں۔ یا عرب چرواہوں کی نسبت اہل مصر کا اعتراف ہے کہ مسیح سے دو ہزار برس پہلے مصر پر حکمراں تھے۔ مصر کا قدیم مؤرخ اسکندریہ کا مانیتھو ہے جس نے مسیح سے ۲۶۰ برس پیشتر یونانی میں مصر کی تاریخ لکھی تھی۔ اصل کتاب تو مفقود ہے۔ لیکن اس کی جستہ جستہ عبارتیں بعد کے یونانی اللسان مصنفین کے یہاں منقول ہیں جن میں سے ایک یہودی مؤرخ یوسیفوس بھی ہے۔

یوسیفوس نے ہیک سوس کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اوسکا اقتباس یہ ہے۔

ہمارا ایک بادشاہ طیماؤس نامی تھا۔ اوس کے عہد میں یہ ہوا۔ لیکن ہم نہیں جانتے کہ کیونکر ہوا۔ خدا ہم پر خفا تھا؟ ایک عجیب طریقے سے شریر الخلقت لوگ اطراف مشرق سے چلے آئے۔ وہ اس قدر بہادر تھے کہ ہمارے ملک میں گھس آئے۔ نہایت آسانی سے بزور مسخر کر لیا۔ گو اون سے ہماری ایک قسمت آزما جنگ ہوئی۔ جب اونھوں نے ہمارے سرداروں کو گرفتار کر لیا جنھوں نے اپنی طاقت سے ہمپر حکومت کی تھی۔ تو ہمارے شہروں کو جلا دیا۔ ہمارے دیوتاؤں کے ہیکلوں کو برباد کیا۔

آخر وہ حاکم بن بیٹھے۔ اور اپنا ایک بادشاہ بنایا جسکا نام سلاطیس تھا۔ سلاطیس نے مصر بالا اور مصر زیریں دونوں سے خراج وصول کیا۔ اور مناسب مقامات پر دستے متعین کئے خصوصاً مشرقی حصوں کی حفاظت۔ اہل سیریا کے مقابلہ میں پیش بینی کے لئے بہت کرتے تھے۔ جو اس زمانہ میں قوی ترین قوت تھی۔

سلاطیس نے تیس برس حکومت کی۔ پھر ایک دوسرا بادشاہ ہوا۔ جسکا بیون نام تھا یہ بیالیس (۴۲) برس زندہ رہا۔ بعد ازیں ۳۶ برس سات مہینے کیلئے اپوفیس بادشاہ ہوا۔ پھر جنفیاس نے پچاس برس اور ایک مہینہ تک حکومت کی اور ان سب کے آخر میں اسیس بادشاہ ہوا۔ ۴۹ برس

دو مہینے اس کی بادشاہی کا زمانہ ہے ......

اس تمام قوم کا نام ہیک سوس رکھا گیا تھا یعنی چرواہے بادشاہ۔ کیونکہ ہائیک کے معنی مقدس زبان (توراۃ) میں "بادشاہ" کے ہیں۔ اور سوس عام زبان میں چرواہے کو کہتے ہیں۔ اور ان لفظوں سے ملکر ہاہیک سوس بنا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں یہ عرب تھے ......

پانچسو گیارہ برس تک مصر پر قابض رہے [۱۱۵] (JOSEPHUS BOOK I SECT 14 VOL IV)

ان عرب حملہ آوروں کے نام و نسب کے متعلق ایک بات یہاں قابل ذکر ہے۔ روایات صحیحہ عرب میں، فاتح مصر کا نام شداد ظاہر کیا گیا ہے۔ مانیتھو نے سلاطِ لکھا ہے "س" اور "س" جو سلاطیس کے آخری اجزا ہیں۔ مذکر نام کے آخر میں یونانی اور لاطینی زبانوں میں عموماً زائد کردیتے جاتے ہیں۔ حقیقت میں شداد اور سلاط معنیاً ایک ہی لفظ ہیں۔ شداد کے معنی "قوی" اور "جابر" کے ہیں اور سلاط بھی سامی زبان میں یہی معنی رکھتا ہو جس سے عربی زبان میں "سلطان" "سلطنۃ" اور "متسلط" نکلے ہیں۔

ہیک کو اگر ہم "شیخ" کا محرف نہ کہیں۔ جو امیر بدو کا خاص لقب ہے۔ تو اس کو خاص مصری لفظ تسلیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ مانیتھو نے بتایا ہے لیکن سوس کا لفظ خاص عربی ہے۔ سوس کے اصل معنی نگرانی اور انتظام کے ہیں اسی مناسبت سے چرواہے کو بھی ابتداً سوس کہتے ہیں جس سے منتقل ہو کر گلہ بانی سے جہانبانی کے لئے عربی میں یہ لفظ مستعمل ہوا۔ اسی ماخذ سے سیاست کا لفظ اب عام طور سے اس معنی میں بولتے ہیں۔ سوس کے معنی اول یعنی چرواہے اور نگہبان کا اثر اب تک ہمارے ہاں ایک لفظ میں باقی ہے یعنی سیس (خادم و محافظ اسپ) عجب نہیں کہ عبرانی میں بھی سے لفظ "سوس" D. T. X گھوڑے کے لئے مستعمل ہوا ہو۔ تیسرے بادشاہ کا نام ابوفیس بھی عربی وضع کا ہے۔ کیا عجب ہے کہ ابوقیس ہو یا ابوفیض۔ آخری نام اسیس ہے جس کو ہم عزیز کہتے ہیں۔ اور اب تک امراء کے مصر کا لقب جانتے ہیں اور ایک عجیب کیا معتبر دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں "عزیز" ہی کا لفظ پاتے ہیں۔

توریت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جب پہلے بار ظہور ہوتا ہے تو وہ اپنے خاندان کے ساتھ عراق سے مصر تک کی زمینوں میں سفر کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ وہ اپنی بیوی سارہ کو جو رشتہ کی بہن تھیں۔ اپنی بہن ظاہر کرتے ہیں[۱]۔

---

[۱] کیا صاحب ارض القرآن اور کسی مسلمان کو اب بھی مسئلہ تقیہ کی قدامت۔ اور جواز فی الشریعت کی نسبت کوئی کلام باقی رہ جاتا ہے؟

فرعون مصر قرابت کی درخواست کرتا ہے۔ پھر جب واقعہ ظاہر ہوتا ہے تو خود اپنی بیٹی کو۔ کنیزگی[۵۱] میں پیش کرتا ہے۔ کیا اس سے نسبی تعلق کی بو نہیں آتی۔[۵۲]

ڈیڑھ سو برس کے بعد اتفاقاً حضرت یوسفؑ مصر تشریف لے جاتے ہیں اور باوجودیکہ اونکا عبرانی ہونا ظاہر ہوجاتا ہے اور اہل مصر عبرانیوں کو ذلیل جانتے ہیں اور اون کے ساتھ کھانا عار سمجھتے ہیں فرعون مصر یوسفؑ کی عزت کرتا ہے۔ اون کو اپنا نائب السلطنت مقرر کرتا ہے[۵۳]۔ یوسف کے پدر بزرگوار حضرت یعقوب اور اون کے خاندان کے مصر آنے پر فرعون اور ارکان سلطنت خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور اون کے مرنے سے نہایت رنجیدہ ہوتے ہیں۔ اور سب سے عجیب یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ اپنے خاندان کو تاکید کرتے ہیں کہ فرعون اگر پوچھے کہ تم کون ہو؟ تو جواب دینا کہ ہم چرواہے ہیں اور چوپانی ہمارا پیشہ ہے[۵۴]۔ اور پھر توریت کا خود یہ عجیب تر بیان کہ مصری ہر چوپان سے نفرت رکھتے تھے[۵۵]۔ اور یہ حقیقتاً سیاسی نفرت تھی۔ ان تمام آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ چرواہے بادشاہوں کا وجود تاریخی ہے۔ اور حضرت یوسفؑ اور بنی اسرائیل کا قیام انھیں عرب سامیہ یا چرواہے بادشاہوں کے عہد میں ہوا جیسا کہ مورخین عرب کا بھی بیان ہے۔ اور یہ بھی اوس سے واضح ہوتا ہے کہ ان عبرانی اور مصر کے خاص شاہی خاندان میں ضرور کوئی خاص قومی تعلق تھا جس کا اظہار کنایۃً حضرت یوسف باوجود اس علم کے کہ مصری ہر چوپان سے نفرت رکھتے ہیں "چوپانی" کے ذریعہ سے کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ جیسا کہ اوپر گذر چکا اہل مصر اس بدوی حکمراں خاندان کو تحقیراً "شاشو" کہتے تھے۔

چند صدیوں کے بعد بنی اسرائیل کا مصر میں مبتلائے مصائب ہونا ہمارے نزدیک اوس کی

[۵۱] کنیزگی سے کنیزی مستعملاً زیادہ فصیح ہے۔ مرزا دبیر مرحوم نے سیدانی کو برائے کنیزی طلب کیا۔ المولف عفی عنہ

[۵۲] توریت تکوین باب ۴۱-۴۲۔

[۵۳] توریت تکوین باب ۴۶-۳۳-۳۴۔ ایضاً باب ۴۷-۳ ۔ ف یہ واقعہ کہ ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھیں توراۃ میں نہیں ہے۔ مگر یہودی روایت میں موجود ہے۔ اور ان کا مصری ہونا تو توریت میں بھی مسلم ہے۔ ارض القرآن ص ۱۵۱ ج ۱۔ ہم نے اس بحث کو ایک علیحدہ باب میں درج کیا ہے اور حضرت ہاجرہؑ کے خاص حالات میں اوسکو پوری تفصیل سے لکھا ہے۔ المولف عفی عنہ

[۵۴] توراۃ تکوین باب ۴۱-۴۰-۴۱-۴۳۔ کیا مسئلہ تقیہ کا وجود اور اسکے جواز و عمل کا ثبوت۔ اب بھی کتب قدیمہ اور سیرت و شریعت انبیائے سابقین سے تسلیم نہیں کیا جائیگا؟ المولف عفی عنہ

[۵۵] توریت تکوین باب ۴۵-۱۶ للعہ توریت تکوین باب ۵۰-۳- ۱۱ ف تکوین باب ۴۶-۳۴۔

توجیہ یہ ہے کہ جب اہل مصر یعنی بنی حام نے سابق حکمران خاندان یعنی بنو سام کو مصر سے نکال دیا۔ اور اونکی حکومت کا مصر میں خاتمہ کردیا تو بنو اسرائیل جو بنو سام کی ایک شاخ تھے۔ اور بعہد حکومت سابقہ مصر میں طاقتور ہوگئے تھے۔ اون کو سیاسی وجوہ سے کمزور کردینا چاہا۔ توریت میں اس موقع پر حسب ذیل عبارت ہے۔

لیکن اسرائیل کی اولاد برومند ہوئی اور بہت بڑھی اور فراواں ہوئی۔ اور بہت زور پیدا کیا اور
زمین اون سے معمور ہوئی۔ تب مصر میں ایک نیا بادشاہ۔ جو یوسف کو نہ جانتا تھا پیدا ہوا
اور اوس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ دیکھو بنی اسرائیل کے لوگ ہم سے زیادہ اور قوی تر
ہیں اور ہم اون کے ساتھ دانشمندانہ تدبیر کریں تا نہ ہووے کہ جب وہ اور زیادہ ہوں اور
جنگ پڑے تو ہمارے دشمنوں سے ملجائیں اور ہم سے لڑیں اور ہمکو نکالدیں[1]۔

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ مصر میں بنی اسرائیل کا معاملہ بالکل سیاسی تھا۔ قرآن مجید سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ فرعون حضرت موسیٰ اور ہارون کی نسبت کہتا ہے۔

إِنْ هَٰذَانِ لَسَاحِرَانِ يُرِيدَانِ أَنْ يُخْرِجَاكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ	یقیناً یہ دونوں (ہارونؑ و موسیٰؑ) جادوگر ہیں جو چاہتے ہیں کہ تمکو تمہارے ملک سے نکالدیں۔

توریت کے اس فقرے کا کہ تب مصر میں ایک نیا بادشاہ ہوا جو یوسف کو نہ جانتا تھا۔ ہم یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ تب ایک نئی بادشاہی قایم ہوئی۔ جو بنی اسرائیل کو جو سابق سامی حکومت کی ایک شاخ تھی نفرت سے دیکھتے تھے۔

ہمارے خیال کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ تاریخ عرب نے۔ سامی حکومت مصر کی جو مدت قرار دی ہے۔ یہ تقریباً وہی ہے جو ابراہیم سے (جو ابتدائے حکومت کا زمانہ ہم فرض کرتے ہیں) حضرت موسیٰ سے کچھ پہلے تک (جو اختتام کا زمانہ ہے) توریت نے قرار دی ہے یعنی تقریباً ۵۲۵ برس۔ کیونکہ بنی اسرائیل کی حکومت مصر کا زمانہ جو حضرت یوسفؑ سے حضرت موسیٰ تک ممتد ہے۔ توراۃ نے ۴۳۰ برس بتایا ہے[2]۔ اسپر حضرت ابراہیمؑ سے حضرت یوسفؑ تک کا زمانہ اور اضافہ کیا جائے۔ تو ان چار پشتوں کے لئے سو برس فرض کیا جاسکتا ہے۔ مجموعہ ۵۳۰ ہوتا ہے۔ اور مانیتھو اس حکومت کا زمانہ ۵۱۱ بتلاتا ہے۔ چند سال جو توراۃ میں فاضل ہیں یہ وہ ہیں کہ دوسری وطنی حکومت مصر میں قایم ہوئی جسکے چند سالہ مظالم سہکر بنی اسرائیل مصر سے نکل آئے۔

[1] سفر خروج باب اول ۷-۸-۹-۱۰ و ۱۱
[2] خروج ۱۲-۴۰۔

بنی اسرائیل اور عرب سامیہ کے باہمی تعلق مصر کا نہ صرف توریت کے ان فقروں سے ثبوت ملتا ہے بلکہ مصر اور عرب دونوں کی تاریخ سے بھی۔ توریت کے بیان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امم سامیہ میں عربوں کے تعلقات مصر کے ساتھ سب سے زیادہ تھے۔ اسماعیلی عربوں کی ماں ہاجرہ[51] مصر کی تھیں۔ خود حضرت اسمٰعیل کی ماں کے سوا بیوی بھی مصری تھیں[52]۔ عربوں کے قافلے برابر مصر کو آتے جاتے تھے۔ خود حضرت یوسف[53] کو دربار مصر تک جس نے پہونچایا وہ عرب ہی تھے۔ حضرت یوسف کے عہد میں جب مصر اور اوسکے آس پاس کے ملکوں میں قحط پڑا تو یمن سے جو عام روایت کے اعتبار سے عاد وعمالیق کا وطن تھا۔ یہاں کی شاہزادی نے مصر سے غلہ طلب کیا تھا۔ یہ واقعہ اوس کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس کو مسلمان علمائے آثار نے ابتدائی صدی میں یمن میں پایا[54]۔

اس کتبہ سے نہ صرف توراۃ کے اس فقرے کی تائید ہوتی ہے کہ تمام زمین میں قحط پڑا۔ بلکہ اون عربوں میں جو یمن میں تھے اور اون سامی عربوں میں جو اوس وقت چرواہے بادشاہوں کے نام سے مصر میں تھے۔ باہم تعلقات کا اظہار ہوتا ہے۔

مصر کے علمائے آثار ثابت کرتے ہیں کہ ہیکسوس۔ سامی عرب تھے۔ بعض اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خود مصری اصلاً شاید سامی عرب ہیں۔ ہائیکسوس کے عرب ہونے کی نسبت سب سے پہلے شہادت ایک مستند جرمن مورخ ہیرن HEEREN کی پیش کیجاتی ہے۔ مورخ موصوف لکھتا ہے۔

> اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف جہات سے مصر میں یہ قبائل حملہ آور تھے۔ لیکن وہ جو مشرق سے آتے تھے۔ یعنی عرب سب سے زیادہ زبردست تھے۔ یہ مصر زیریں تک دور بڑھ[55]

آگے چلکر لکھتا ہے۔

> اون کی لمبی ڈاڑھی۔ لمبے کپڑے۔ ہر چیز اون کے عرب ہونے کو ظاہر کرتی ہے[56]۔

جارج راولنسن۔ جو آکسفورڈ یونیورسٹی میں تاریخ قدیم کا پروفیسر تھا اور مصر کی تاریخ قدیم کا مصنف ہے۔ لکھتا ہے۔

> مصر جو پانچ سلطنتوں میں بٹ گیا تھا اوسکے ضعف نے شمال مشرق سے باہر کے حملہ آوروں کو طمع دلایا دو ہزار اسی (۲۰۸۰) ق م میں یا اسکے کسی قدر بعد طاقتور دشمن شمالی مشرق سے مصر

[51] تکوین ۱۳-۲۶ ۔ [52] ۲۱-۲۱ ۔ [53] تکوین ۳۷-۲۷ ۔ [54] تکوین ۳۶-۲۹ ۔

AGAINST BOOK. 1 SEE 14. RAWLINSON VOL. I PP. 98.

زیریں میں داخل ہو گئے۔ یو مسفط کی حکومت کے برباد کرنے اور ملک کے حصہ زیریں واقع
طول البلد ۲۹ ۰۰ ۳ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔
یہ حملہ آور ہائیک سوس یا چرواہے بادشاہ تھے۔ جو شام یا عرب کے صحرا نورد بدوی لوگ تھے[۱]
یہی مصنف دوسری جگہ لکھتا ہے :۔

مصریوں کے دوسرے دشمن اس جانب میں شاشوش تھے، جو شاید ہیک سوس ہیں اور
بظاہر عرب معلوم ہوتے ہیں[۲]۔

ایک جرمن فاضل بروگش ہینرچ (BURGSCH HEINRICH) نے مصر کی تاریخ
صرف کتبات و آثار کی بنا پر لکھی ہے۔ تاریخ مذکور میں فاضل موصوف کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ
ہائیک سوس یقیناً سامی تھے۔ مصر کی زبان قدیم میں۔ ہائیک۔ بادشاہ اور سوس چرواہے اور اہل بادیہ
کو کہتے ہیں۔ اہل عرب کی اس روایت کو بھی اوس نے تائیداً نقل کردیا ہے کہ شداد ابن عاد نے
مصر پر حملہ کیا تھا۔

برٹش میوزیم۔ لندن میں جو مجموعات مصر (EGYPTIAN COLLECTION) ہیں۔ سنہ ۱۹۰۹ء
میں اون کا دلیل نامہ (GUIDE) لکھا گیا ہے۔ جو معلومات تازہ کا خلاصہ ہے۔ ہائیک سوس
کے متعلق اوس میں حسب ذیل تحقیق ہے[۳] :۔

تیرھویں خاندان حکومت کے زوال کے بعد نسبتاً فوراً ہی مصر زیریں (DELTA) اور
شمالی اطراف مصر پر متحدہ سامی بدوی قبائل نے آہستہ آہستہ قبضہ کرلیا جن کے سرداروں
کا نام بروایت ایسیفوس (المتوفی سنہ ۱۰۰ء) ہائیک سوس یا چرواہے بادشاہ تھے۔
لفظ ہائیک سوس۔ دو مصری لفظوں سے ماخوذ ہے "ہیکو" اور "شاشو" یعنی شیخ یا حاکم قبائل
بادیہ و صحراے مشرق و شام وغیرہ۔

ڈبلیو کک ٹوآے (W. COOK TOY) ایک انگریز مورخ صاحب جو ایک چھوٹی سی
لیکن مستند تاریخ کے مصنف ہیں۔ فاتح عربوں کی شجاعانہ قوت سے برہم ہو کر لکھتے ہیں۔

زمین عرب جہاں کے بادیہ نشین قبائل جو تاریخ کے قدیم ترین عہد سے گلہ بان اور غارتگر ہیں، اور
ابتک ہمارے زمانہ تک بھی وہ ویسے ہی ہیں۔ انکے مصر میں داخل ہونیوالی قوموں کی ابتدائی ہی سے
نہایت سختی سے قدیم مصریوں کو ستایا ۔۔۔ انکا نام ہائیک سوس تھا۔ یا چرواہے بادشاہ[۴]

[۱] ج ۱ ص ۱۹۷ [۲] ج ۱ ص ۱۱۱ [۳] ج ۱ ص ۳۷۳ و ۳۷۴ [۴] ج ۱ ص ۳۷۹

اس عصر جدید میں مسلمان مورخین میں عمالقہ یا عرب سامیہ اور ہائیک سوس کے ایک ہونے کا خیال سب سے پہلے ایک مصری عالم علامہ رفاعہ بک طہطاوی کو پیدا ہوا جس کی ذات مصر کے دور انقلاب علمی کا پہلا نتیجہ اور معلومات مغربی و مشرقی کا پہلا ثمر تھا۔ ان کی تاریخ مصر بنام انوار توفیق الجلیل ۱۲۸۵ھ میں پچاس برس سے زائد ہوئے شائع ہو چکی ہے۔ اوس میں اس موقع کی عبارت یہ ہے۔

ودولتهم تسمى دولة العقصوص واشتهروا بالتواريخ باسم الملوك الرعاة وفي كتب التواريخ الاسلامية يقال لهم العمالقة	ان کی سلطنت کا نام ہیک سوس کی سلطنت ہے۔ یہ بادشاہ چرواہے بادشاہوں کے نام سے مشہور ہیں اسلامی تاریخوں میں انکا نام عمالقہ ہے۔

جمہور کی اس آواز متفق ہیں کہ ہائیک سوس سامی عرب تھے۔ کبھی کبھی ایک دھیمی آواز یہ بھی سنائی دیتی ہے کہ وہ تورانی یا منگولین (MONGOLIAN) تھے۔ آج سے اسی برس پیشتر مسٹر روسی لینی (Mr ROSELINI) نے یہ خیال ظاہر کیا تھا۔ اس مدعی کے پاس اس دعوے کی صرف یہی دلیل ہے کہ سائیس (SCIOS") جو ہیک سوس کا جزو ہے اور ایک تورانی قوم کے یونانی نام سیتھنس (SCYTHENIES) میں بعض حروف کی تسخیر انگیز لفظی مشابہت اور مناسبت ہے۔ جرمن عالم ہیرن نے اس کی تردید میں لکھا ہے۔

ہائیک سوس جو مصر کے ایک بڑے حصہ پر مصر کے سولہ[۱۶] اور سترہ[۱۷] خاندان حکومت میں قابض ہو گئے تھے مسٹر روسی لینی کا اور میرا اس پر اتفاق ہے کہ وہ بادیہ نشین تھے۔ کیونکہ آثار میں چرواہوں کی تصویر دکھائی گئی ہے وہ گلوں اور چوپاؤں کے جھنڈ کے ساتھ ہے۔ اس سے سب نے طبعی طور پر سمجھا ہے کہ وہ سرحد مصر کے بدوی قبائل تھے۔

میں یقین کرتا ہوں کہ ان میں عرب قوم کو میں اپنے مخصوص خصوصیات میں یعنی لمبی داڑھی لمبے کپڑے اور کھلے رنگ میں پاتا ہوں اور یہ ایک ایسی رائے ہے جس کی قوت کیسا تھ (خود ناقل روایت) یوسیفوس نے دی ہے مسٹر روسی لینی ان کو سیتھیس فرض کرتے ہیں۔ سیتھیس سے مقصود شاید ایشیائے وسطی کے تورانی بدوی قبائل ہیں۔ لیکن اون کے ذکر کردہ بیان سے ...... علاوہ ازیں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو یہ دکھا سکے کہ ان قبائل نے اسقدر بعید زمانہ میں کوئی مہم بغرض فتح اس قدر بعید فاصلہ کے لئے اختیار کی ہو۔

۱ھ ص ۲۲۳ ۔ ۲ھ ص ۲ ۔ انوار توفیق الجلیل فی اخبار مصر ج ۱ ص ۸۰ ۱۲۸۵ھ

۳ھ جلد ۴ ص ۱۰۴ ۔ ۴ھ حوالہ سنہ الگت ۱۹۰۲

مسٹر روسی لینسی کی دلیل صرف لفظی تشریح پر مبنی ہے جس کی بنا پر ان کو نظر آتا ہے کہ مصری نام (Scios) سائس (Sythes) سائیتھس ہے جس کے معنی برباد کنندہ کے ہیں۔

میں اس مسئلہ کے اندر پڑنے کی جرأت نہیں کرتا لیکن میں اپنے اعتراف و بیان میں بھی ترمیم نہیں کر سکتا۔

پچاس ساٹھ برس کے عرصہ میں اس دھیمی آواز میں اور بھی ضعف آگیا ہے۔ آج سے دس بارہ برس پہلے ایک کتاب لکھی گئی ہے جس میں یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ہیک سوس تنہا تورانی نہیں تھے۔ بلکہ سامی عرب بھی اسمیں شامل تھے۔ اس کتاب کی عبارت یہ ہے۔

اس میں معتد بہ حد تک شک ہے کہ ہائیک سوس کس قومیت سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ بعض صرف کنعانی، عرب اور دوسرے سامی قبائل سمجھے گئے ہیں لیکن ہیتی (ایک تورانی قبیلہ) بھی اونکے ساتھ شریک، معلوم ہوتے ہیں اور ان کے لیڈر تورانی معلوم ہوتے ہیں۔ اس فیصلہ کی بنا پر کہ آخری سلاطین ہیک سوس کے جو مجسّمے ابھی حال میں ملے ہیں وہ بالکل تورانی شکل کے ہیں۔

بعض اشخاص کی مشابہت شکل سے بغیر کسی تاریخی اور انہی دلیل کے قومیت کا فیصلہ عجیب ہے۔ اور اسی لئے یہ آواز ہمیشہ بالکل غیر مسموع رہی ہے۔ تازہ ترین خیال، جو برٹش میوزیم ایجپشن گائڈ Mu British Musileum Egyption Guide (دلیل نامہ آثار مصریہ) اور انسائیکلوپیڈیا یا (Encyclopedia) طبع یازدہم مضمون ایجپٹ (Egypt) کو پڑھ کر متفقہ تسلیم شدہ نظر آتا ہے یہی ہے کہ ہیک سوس متحدہ سامی تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہیک سوس کے عرب ہونے پر اسقدر دلائل بہم موجود ہیں جنکا استخفاف محکم ہے۔ حسب ذیل دلائل قویہ اور قرائن عقلیہ پر نظر ڈالی جاسکے۔

(۱) عربوں کا بیان کہ اونھوں نے زمانہ قدیم میں مصر پر حکومت کی۔

(۲) قدیم اہل مصر کا اعتراف کہ عرب یہاں حاکمانہ داخل ہوئے۔

(۳) ہیک سوس کے بادشاہ اول کے نام کا عرب کے ذکر کردہ فاتح مصر سے مطابقت معنوی و لفظی

(۴) سلاطین ہیک سوس کے نام کا عربی اللفظ یا سامی الماخذ ہونا۔

(۵) آثار میں اونکے مجسّمے کا عربی شکل و لباس میں ہونا۔

(۶) عرب و مصر کے قدیم تعلقات۔
(۷) ہیک سوس کے جو اوصاف بتلائے گئے ہیں اونکا بعینہٖ عربوں میں موجود ہونا۔
(۸) توراۃ کے قرائن و اشارات۔
(۹) علمائے آثار کی تائید۔
(۱۰) مورخین یورپ کا عمل الاکثر بیانات قدیمہ سے اُنکی عربیت کی تصدیق[۱]"

ان تمام مباحث و مطارحات کے بعد ہم سب سے آخری قطعی اور فیصلہ کُن شہادت خود اُس قوم کی نقل کرتے ہیں جس نے شاشو کو اپنے ملک سے نکال کر اعتراف کیا ہے کہ وہ خود "شاشو" کو کیا سمجھتے تھے مصر کا قدیم بادشاہ رعمیس سوم اپنے ایک کتبہ میں اپنی ایک فتح کی نسبت لکھتا ہے۔

"میں نے ساعیر کی قوم کو جو شاشو کے قبائل میں ہیں برباد کر دیا"

[۱] لفظ مصری ہائیک سوس۔ (جس کا معرّب ھقصوص ہے) کی تحقیق میں اتنی کد و کاوش صرف دو ایک مستشرقین اور جدید محققین کے غلط اشتباہ پیدا کر دینے کی وجہ سے لاحق ہوئی۔ ورنہ مسئلہ زیر بحث کا ہر پہلو صاف ہو چکا تھا مسٹر روسی لینی کے زائد از تعقل اور غیر محققانہ تفکر نے اس میں محض خفیف سا شُبہ اور تامل پیدا کر دیا تھا جسکو نہ اونکے ہمعصر مستشرقین نے قابل قبول سمجھا اور نہ زمانہ حال کے محققین نے۔ اسلئے اب اس بحث پر زائد قلم فرسائی کی ضرورت نہیں۔ لیکن اتنا لکھدینا ضرورت سے زائد نہوگا کہ مسٹر روسی لینی اور اُنکے معاصرو سے چند ہمخیالوں کو یہ شُبہ کیوں واقع ہوا؟ صرف اسلئے کہ علم القدامت کے یوروپین محققین کا یہ مسلمہ مسئلہ قرار پا چکا ہے کہ دُنیا کی تمام اقوام و قبائل کا اول موطن و مسکن وسط ایشیا ہے۔ یہیں سے تمام اقطاع عالم میں وہ پھیلے ہیں۔ اسی خیال کی بنا پر اوس نے ہیک سوس یا شاشو کو بھی تورانی النسل بتلایا ہے۔ مگر اوس کی رائے کا ضعف اسی سے ثابت ہے کہ اون کثیر التعداد ثبوتوں کی موجودگی میں کہ ہیک سوس اصلاً سامی الاصل ہیں۔ وہ ان کے خالص تورانی بتلانے پر جرأت نہ کر سکا اور اون کو سامی اور تورانی نسلوں کا مجموعہ بتلا کر ایک مخلوط النسل قوم قرار دیتا ہے۔ حالانکہ ایسا قیاس اوس کی تاریخ قدیمہ سے بالکل عدم واقفیت بتلاتا ہے کیونکہ تاریخی دُنیا میں اوسوقت تک قوموں کے اختلاط کا زمانہ قائم نہیں ہوا تھا قوموں کی اختلاط النسلی کا زمانہ اس سے بہت ما بعد ہے۔ بہرحال اگر ہم اوسکے اس خیال اور اُسکی اصل بنا کو تسلیم بھی کر لیں تو اوسکو جاننا چاہیئے کہ تمام قدیم مورخین عرب کا یہ متفقہ دعویٰ ہے کہ اونکا ملک اور وطن۔ جزیرہ نمائے عرب معمورۂ عالم کا قلب ہے یعنی وسط عالم میں واقع ہے پہلے زمانہ میں یوروپین مورخین و محققین عربوں کے اس دعویٰ کو زبانی مفاخرت سمجھتے تھے اور ہنستے تھے، مگر اب مغربی محققین کے اس مسئلہ کا خود اقرار کرتے ہیں۔ مسٹر ڈی۔ جی ہوگارتھ اپنی کتاب پینیٹریشن آف ارابیا میں لکھتے ہیں کہ وہ (عرب) درحقیقت دُنیائے قدیم کے قلب میں واقع ہے۔ جلد ۱ ص ۴۷، جب عرب کا وسط ایشیا ہونا ثابت ہو گیا تو پھر تورانیوں کی قدیم الاقوامی کا مسئلہ اور دعوےٰ عربوں کے مقابلہ میں قابل تسلیم نہیں ہو سکتا ہے۔ قدامت کے اعتبار سے وہ خود ہی تھے جو اوس زمانہ میں شاشو یا ہیک سوس کہے جاتے تھے۔ المولف عفی عنہ

ساعیر سے مقصود اہل ساعیر ہیں جو شمال عرب میں ایک کوہستانی مقام ہے اور جہاں ادومی عربوں نے ایک حکومت قایم کی تھی۔ توراۃ میں کوہ سعیر کا نہایت کثرت سے ذکر ہے۔

عرب سامیہ مختلف ممالک میں

(اسیریا (شام) ایران۔ فنیقیہ۔ قرطاجنہ۔ کریٹ۔ اور یونان میں)

عرب سامیہ اول (عاد اول) کا ان ممالک میں گذرنا یہاں کسی حکومت کی تاسیس۔ ایک تعجب انگیز واقعہ ہے لیکن غیر معقول نہیں۔ ۱۲۰۰ ق م میں بابل کی جگہ اسی ملک میں اسیریا کی حکومت قایم ہوئی۔ ایران اوسوقت تک کوئی مستقل ملک نہیں تھا۔ اسیریا اور بابل کا ایک جزو تھا۔ فنیقی (فنیشین) شام و فلسطین کے ساحل بحر ابیض پر آباد تھے۔ توراۃ میں انکو ارامی کہا گیا ہے۔ یہ دنیا کی سب سے پہلی تاجر اور یورپ کا سفر کرنیوالی قوم ہے اور یہی وہ قوم ہے جس نے قدیم یورپ میں تہذیب کی روشنی پیدا کی۔ اس نے ایک طرف افریقہ کی زمین شور میں کارتھیج تمدن کی تخم ریزی کی۔ اور دوسری طرف یورپ کے برفستان (یونان) میں تہذیب و تمدن کی آگ روشن کی۔

ان مباحث پر تفصیلی بحث تو طول کلام ہے مستند کتابوں کے حوالوں پر اکتفا کیجاتی ہے۔

اسیریا۔ اسیریا کے متعلق سب سے آخری بحث میں ثابت ہو چکا ہے کہ وہ سامی قوم تھی[1] اور یہ معلوم ہے کہ وہ خلیج فارس کے سواحل عرب سے ٹھیک اسی راستہ سے بابل آئی تھی[2] جس راستہ سے اس سے پہلے دور میں عاد یا امم سامیہ اول کا گذر ہو چکا تھا۔ اس بنا پر حقیقت میں اسیرین نسلاً عرب تھے۔ اور اسیریا کی اثری تاریخوں میں اسکے دلائل ہر جگہ ملیں گے۔

ایران۔ ایران کی قدیم تاریخوں میں مذکور ہے کہ جمشید کے بعد ضحاک تازی (ایک عرب (زہاد ان ضحاک سمجھنا چاہیئے) ہزار برس تک ان پر حکومت کی ہمارے مورخین کہتے ہیں کہ ضحاک یمن کے ایک بادشاہ کا نام[3] تھا۔ لیکن تاریخاً اور اثراً اس زمانہ قدیم میں یمن کا براہ راست ایران پر حملہ آور حکومت کرنا معلوم نہیں اسکی صحیح توجیہ یہ ہے کہ یمن سے سواحل خلیج عرب سے ہوکر اسیریا میں جو عرب خاندان حکمران تھا۔ وہ ایران پر حملہ آور ہوا اور ایک مدت تک اوسپر حکومت کی۔ ایران کا بابل و اسیریا کی محکومی میں میڈیا کے عروج تک (۶۰۰ ق م تک) رہنا اب ایک مسلم واقعہ سمجھا جاتا ہے۔

---

[1] سائنٹفک ریویو امریکہ SCIENTIGIHI REVIEUD AMRICA OF 1914 VOL 1

[2] راجرس ہسٹری آف بابل ROGER'S HISTORY OF BIVLLE VOL II (ASYIRA)

[3] فردوسی ذکر ضحاک تازی۔

اسیریا کا دور وجود سنہ ۱۸۰۰ ق م اور زمانہ عروج سنہ ۱۲۰۰ ق م سے سنہ ۶۰۰ ق م تک ہے۔

فنیقیہ، فنیقی۔ سواحل بحر ابیض پر آباد تھے۔ تائران کے دارالحکومت کا نام تھا۔ اور ایشیا سے لیکر یورپ تک تجارت قدیم کے مالک تھے۔ عبرانی نام ان کا ارامی ہے۔ آثار کے رو سے بھی یہ تصدیق ہوتی ہے کہ ان کی زبان، مذہب اور رسوم تمامتر سامی ہیں[۵۱]۔ اس بنا پر اہل فنیشیا کے تمامتر کارنامے اہل عرب کی طرف راجع ہوتے ہیں۔

قرطاجنہ۔ جہاں اب تونس آباد ہے۔ انھیں فنیشن یا ارامی عربوں کی آبادی تھی جس کو اب عام طور سے کارتھیج (CORTHAGE) کہتے ہیں۔ ان ارامی عربوں نے یہاں ایک عظیم الشان حکومت کی بنیاد ڈالی جس سے رومۃ الکبریٰ کی حکومت بھی لرز گئی۔ ہینی بال وغیرہ اسی خاک کے فرزند تھے۔

یونان و کریٹ۔ یورپ کا سب سے پہلا متمدن ملک یونان ہے اور یونان کا تمامتر تمدن و علوم و خط فنیشیا سے ماخوذ ہیں۔ اور یہیں سے اوس کی ترقی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس واقعہ سے اس مسئلہ پر روشنی پڑ سکتی ہے کہ عربی اور یونانی میں کیوں لوازم تمدن و اشیاء تجارت کے بہت سے نام مشترک ہیں۔

لیکن اس سے بھی زیادہ دلچسپ یہ مسئلہ ہے کہ عربوں کی براہ راست آبادی یورپ کے شہر یونان و کریٹ میں تھی۔ پلینی ایک یونانی جغرافیہ نویس اہل معین واقع یمن کے متعلق لکھتا ہے کہ "معین کے لوگ اپنے کو مینوس شاہ کریٹ کے خاندان سے بتاتے ہیں"۔ ایک دوسرا یونانی مصنف اسٹرابو جزیرہ روبیا (ملکت یونان کا ایک جزیرہ) کے قدیم باشندوں کی نسبت لکھتا ہے کہ یہاں کی آبادی ایک "عرب" نو آبادی تھی جو قیدموس کے ساتھ یونان میں آئی تھی[۵۲]۔

ہم ان فقروں کا ماحصل اتنا سمجھتے ہیں کہ عرب تاجر قدیم زمانے میں یونان تک پہونچ چکے تھے۔ اور وہاں اپنی کوئی تجارتی نو آبادی بھی قائم کر لی تھی۔

عرب البائدہ۔ امم سامیہ عاد اولیٰ کے آخری نتائج

(ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم)

مذکورہ بالا مباحث و مشاہدے سے ثابت ہو چکا ہے کہ عاد اولیٰ۔ ارم بن سام کی اولاد سے ہیں۔

---

[۵۱] تاریخ طبری جلد ۱ ص ۹۸۔

[۵۲] ان بیانات کے لئے دیکھو سوال سنے انگس ص ۴۷۔

قرآن مجید بھی ان کے نسبی حقیقت کی تصدیق کرتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ (فجر)	تونے نہیں دیکھا کہ تیرے خدا نے اس عاد ارم کے ساتھ کیا کیا۔ جو بڑی بڑی عمارتوں کے بانی تھے جن کی نظیر دنیا میں نہیں پائی گئی۔

بعض حقیقت سے ناواقف اور تاریخی مشاہدے سے ناآشنا مفسروں نے لفظ "ارم" کی اصلیت اور واقعیت سے ہٹکر اس سے ایک عجیب وغریب قیاسی باغ مراد لیا ہے۔ شداد ابن عاد کو اس نمونہ باغ رضوانی کا بانی بتلایا ہے۔ اور اپنی طبیعت کے مذاق اور خیال کے انداز پر اس کی زیب و زینت حسن و آرائش کے متعلق خارج از امکان اور بیرون از بیان ساز و سامان ترتیب دئے ہیں۔ مگر حقیقتاً یہ ان بزرگوں کی عقیدتمندانہ غلط فہمی ہے۔ ابن خلدون نے اس موضوع پر ایک جداگانہ اور محققانہ بحث لکھی ہے۔ اسکی چند توجیہات ثبوت ذیل میں درج کیجاتی ہے۔

(۱) ہم نے (ابن خلدون نے) دعوی کیا ہے کہ عاد۔ امم سامیہ کے ہم معنی یا تقریباً ہم معنی ہیں۔ نیز یہ کہ وہ ایک عظیم الشان حکمراں قوم تھی۔ قرآن مجید میں اسکی تائید ان الفاظ میں آئی ہے۔

وَاذْکُرُوْا اِذْ جَعَلَکُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ (اعراف)	عاد کے لوگو۔ یاد کرو خدا کے اس احسان کو کہ اوس نے قوم نوحؑ کی تباہی کے بعد تمکو خلافت (حکومت) دی

یہ مسلم ہے کہ عرب اور اوس کے جوار و مضافات ہیں نوحؑ کے بیٹے سام کی اولاد (امم سامیہ) سکونت پذیر ہوئی تھی۔

(۲) عاد کی عظمت و جلالت اور سیاسی تفوق کے مفصل بیانات گذر چکے ہیں۔ ان کو دعوی تھا کہ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً حم سجدہ "ہم سے بڑا (قوت والا) روئے زمین پر آج کون ہے" ان کے پیغمبر (حضرت ہودؑ) نے ان سے کہا وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ (سورہ ہود) عجب نہیں کہ خدا تم سے لیکر اپنی خلافت کسی دوسری قوم کو عطا کردے"

گذشتہ بیانات سے ان کی ثروت و دولت تو معلوم ہو چکی تھی۔ قرآن مجید کے موجودہ الفاظ سے اون کے مغرورانہ تمول و مقدرت کا اعتراف ظاہر ہے۔

(۳) عاد بڑی بڑی عمارتوں کے بانی تھے۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کی متعدد مقامات پر توثیق کی ہے۔

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ۔	تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے اوس عاد ارم کے ساتھ کیا کیا۔ جو بڑی بڑی عمارتوں والا تھا جسکی نظیر دنیا میں نہیں پیدا کی گئی۔

دوسری جگہ حضرت ہودؑ کی زبانی ارشاد ہے:۔

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ (شعراء)

اے عادوالو۔ تم ہر خوش قطع مقام میں بیفائدہ یادگار اور کاریگری کے مکانات بناتے ہو۔ شاید تم ہمیشہ دنیا میں رہوگے۔

پھر اونکی انھیں فنا پذیر تعمیرات کی نسبت فرمایا گیا ہے۔

وَعَادًا وَثَمُودَا وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِنْ مَسَاكِنِهِمْ (عنکبوت)

اور عاد و ثمود کو ہلاک کیا اور اون کے گھروں کے کچھ حصے تمہارے سامنے ہیں۔ عنکبوت

بار دیگر عبرت دلائی جاتی ہے:۔

فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ (احقاف)

عاد کا یہ حال ہوا کہ صبح ہوتے انکے مکانوں کے سوا اب کچھ نظر نہیں آتا

روایات میں عموماً قوم عاد اولیٰ کا خاص مقام یمن بتایا گیا ہے۔ لیکن امم سامیہ کے مجموعی سلسلہ بیان میں ان کی سکونت کی تخصیص نہیں پائی جاتی ہے۔ صرف جزیرہ نما ئے عرب تک ان کی سکونت محدود کر دی گئی ہے۔ قرآن مجید نے انکے مقامات سکونت کو مخصوص کر دیا ہے۔

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ

برادر عاد کو یاد کرو جب احقاف میں انہوں نے اپنی قوم کو ڈرایا۔

جغرافی حالات عرب میں سابقاً مذکور ہو چکا ہے کہ ریگستانی صحرا سے احقاف جنوبی اور شمالی عرب میں دونوں طرف واقع ہے۔ یہ غلط ہے کہ حضرت ہود جنوبی صحرا کے رہنے والی قوم عاد کی ہدایت کیلئے مخصوص مبعوث فرمائے گئے تھے۔

حضرت ہودؑ کی بعثت اور قوم عاد کی ہدایت

(از پیدائش عالم کے ۱۸۰۰ صدی اور حضرت مسیحؑ سے ۲۲۰۰ ق۔م)

ہئیت کا مسئلہ ہے کہ ہر اشیاے عالم کے تین زمانے ہوتے ہیں۔ آغاز۔ کمال۔ اور زوال۔ قوم عاد کے آغاز اور ہر اصناف مکونہ میں اون کے کمال عروج کی کیفیت معلوم ہو چکی۔ گویا اون کی عمر تمدن کے دو زمانے گذر گئے۔ اب جو زمانہ آنے والا ہے۔ وہ آخری انحطاط و زوال کا عالم ہے۔ اس کے ابتدائی اسباب بھی ہونے چاہئیں۔ وہ آہستہ آہستہ ان کے اخلاق و تمدن نے خود پیدا کر لیے۔ پہلے اخلاق بگڑے طبیعتوں سے بھلی باتیں ایک ایک کر کے جاتی رہیں اور اون کی جگہ سو سو برائیاں داخل ہو گئیں۔ انصاف کی جگہ ظلم رحم کی جگہ شقاوت۔ خوش اخلاقی اور مہربانی کے عوض بد اخلاقی اور ایذا رسانی پیدا ہو گئی۔ انکی بدکرداریاں کے انتہائی حدود یہاں تک پہونچ گئے کہ اون کا وجود عام نفوس انسانی کے لئے معین و مضر کیا [illegible]

ثابت ہونے لگا۔

تدبر قدرت ایسے وقت میں کیا کرتا ہے؟ ایسے عالم میں عادت الٰہیہ قدیم سے جن عملی صورت میں جلوہ آرا ہوتی آئی ہے۔ وہ قرآن مجید کے ان الفاظ سے ثابت ہے۔ سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا۔ "خدا کا قانون گزشتہ قوموں میں بھی یہی تھا۔ اور خدا کے قانون میں تبدیلی نہ پاؤگے" وہ قانون خداوندی کیا ہے؟ پہلے ہدایت پھر سرکشانہ ناشنوائی کے بعد عقوبت

اخلاق الٰہیہ کے اصول کے مطابق ان کی ہدایت اور اصلاح حال کے لئے مدبر قدرت نے ان کی روحانی درستی و ترمیم کا ارادہ کیا اور انھیں کے قوم و قبیلہ سے انکا مصلح اعظم پیدا کیا۔ اپنے اس قانون اخلاق کو الفاظ الٰہیہ یوں بیان کرتے ہیں وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا "اور ہم کسی قوم کو اس وقت تک مبتلائے عذاب نہیں کرتے ہیں، جب تک ان میں پیغمبر نہ بھیج لیں"

حجت الٰہی کی متذکرہ بالا منزل اول تمام ہو جانے کے بعد، جب کسی قوم انسانی کی شامت اعمال اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے کہ وہ ان اخلاق الٰہیہ کی توقیر کی جگہ تحقیر کرنے لگتی ہے۔ اور اس معلم روحانی کی ایذا دہی پر تیار ہو جاتی ہے جو اون کی تعلیم تلقین اور تسکین کے لئے خاصکر مبعوث کیا جاتا ہے۔ تو ایسے وقت میں اوس کی رحمت غضب سے بدل جاتی ہے۔ اوس کی قوت جبروتی فنا و ہلاکت کی مختلف صورت میں ظاہر ہو کر اون کی بستیوں کو خاک سیاہ اور اون کی ہستیوں کو تباہ کر ڈالتی ہے اُس وقت اون کی حالتوں کا یہ عالم خاص ہوتا ہے وَلَا یَمْلِکُوْنَ لَہُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا۔ اون کے لئے دوڑ جانا یا بھاگ جانا ممکن نہیں ہوتا۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ نہ معین نہ مددگار وَلَا مَوْلٰی لَہُمْ وَلَا نَصِیْرًا

عاد اولیٰ کی بعینہٖ یہی کیفیت اور یہی عالم اس زمانہ میں ہو رہا تھا۔ راحم ازلی اور منتقم حقیقی نے ان کفر شعاروں کی اصلاح کی غرض سے حضرت ہودؑ کو منصب رسالت پر مبعوث فرمایا۔ اور کلمہ الٰہی کے اُس داعی نے ان الفاظ میں حقیقت کی آواز اون کے کانوں تک پہونچائی۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاہُمْ ہُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ	قوم عاد میں انکے بھائی حضرت ہودؑ مبعوث فرمائے گئے تو انہوں نے تمام قوم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔ اے میری قوم۔ خدا کو پوجو اوسکے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں، کیا تو ڈرتی نہیں۔

قوم عاد کا وہ کافر فرقہ جو شدت کفر و نفاق میں اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّنِفَاقًا۔ (عرب البائدہ کفر و نفاق میں شدید ترین قوم تھے) کا پورا مصداق تھا۔ اپنی لا انتہا نخوت و غرور میں چور ہو کر اُس داعی کلمۃ الحق سے برسر مناظرہ ہوا۔ اور اپنے گستاخانہ مکالمہ کی جواباً اس دریدہ دہنی اور شوخ چشمی سے ابتدا کی

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ

اوس کی قوم کا وہ بلند طبقہ جو کافر تھا بولا۔ اے ہود (معاذ اللہ) ہم تم کو حماقت میں مبتلا پاتے ہیں۔ اور (نعوذ باللہ) تمکو جھوٹ بولنے والوں میں پاتے ہیں۔

حجت الٰہی نہایت نرمی اور سنجیدگی سے جواب دیتی ہے اور خدا کے احسانات وہ پیغمبر یاد دلاتا ہے۔

قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

اعراف

اے میری قوم مجھ میں حماقت نہیں۔ بلکہ میں پروردگار عالم کی طرف سے رسول ہوں۔ اپنے پروردگار کی رسالت تمکو پہونچاتا ہوں۔ اور درحقیقت میں تمہارا خالص خیرخواہ ہوں۔ کیا تمکو تعجب ہوا کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت تم ہی میں سے ایک شخص پر اتری تاکہ تمکو متنبہ کرے یاد کرو خدا کے اس احسان کو کہ اوسنے تمکو قوم نوح کے بعد خلافت (حکومت) دی اور تمکو خلقت میں وسعت عطا کی۔ خدا کی نعمتوں کو یاد کرو کہ فلاح پاؤ (سورہ اعراف)

منکرین نعمت الٰہی احسانات خداوندی کی یاد دہانی کا کیا جواب دیسکتے تھے۔ اوسکو تو ٹول کر گئے مگر اپنی کافرانہ تقریر کو ایک نئی تعریض کے طریقہ سے شروع کیا۔

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ

اعراف

کافروں نے جواب دیا کہ کیا تو اسلئے ہمارے پاس آیا ہے کہ ایک ہم خدا کو پوجیں اور جن کو ہمارے بزرگ پوجتے تھے اون کو چھوڑ دیں جس عذاب کا تم دعویٰ کرتے ہو اگر تم سچے ہو تو لے آؤ۔

خدا کا برحق پیغمبر اونکے مصنوعی معبودوں کی حقیقت دکھلا کر انپر عذاب الٰہی کے نزول کو یقینی بتلاتا ہے۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ اعراف ۹

پیغمبر نے کہا۔ تمہارے پروردگار کا عذاب بیشک تم پر آگیا کیا تم مجھ سے ان چند ناموں کے لئے جھگڑتے ہو جن کو تم نے اور تمہارے بزرگوں نے خود رکھ لیا ہے۔ خدا نے تو اون کے لئے کوئی دلیل نہیں اوتاری۔ عذاب کا انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ اعراف ۹

اخلاق الٰہی کا یہ مقتضا ہرگز نہیں تھا کہ ایک سرکش قوم سے ایکبار اون کی کفر شعاری کے ترک

کردینے کی تاکید کردی گئی جو وہ مانتے تو مانتے نہیں تو اوسی وقت اون پر نزول عذاب ہوا اور چشم زدن میں اون کی ہستیاں فنا کردی گئیں۔ بلکہ اوس ارحم الراحمین اور سید الکنندہ عالمین کے اخلاق حسنہ کا مدعا اور اُسکے اشفاق کریمانہ کا عین منشا۔ ایسے مواقع پر علی الاکثر چشم پوشی ہوتی تھی اور طولانی خموشی پیدا اس لئے کہ خالق کے دل میں اپنے مخلوق کا درد تھا۔ معبود کو عوام عباد سے محبت تھی۔ یہ سکوت اور وقفے علی الاکثر الاوقات اتنے طول طویل ہوتے تھے کہ انبیاء و مرسلین کے پائے استقامت اور ارادہ صبر و تحمل۔ باوجودیکہ اون کے نفوس قدسیہ حدود بشریت کو طے کرکے مراحل روحانیت تک پہونچے ہوئے تھے بالآخر متزلزل ہوجاتے تھے۔ جناب نوحؑ کے واقعہ میں اس کی کافی مثال موجود ہے جب ایک کثیر التعداد مدت تک اوس پیغمبرؑ کی دعوت و موعظت اوس کی کافر کیش قوم نے نہیں سنی اور اوسکے اس احسان و خیرخواہی کے عوض اسکو طرح طرح کے آزار روحانی اور جسمانی پہونچائے۔ تو وہ گھبرا کر خدا کی جناب میں ان الفاظ کے ساتھ اونکی شکایت اور گلے کرنے لگے۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا (نوح)	اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو دن رات ہدایت کی اور تیری طرف بلایا مگر میرے بلانے کا یہ اثر ہوا کہ میں نے جتنا بلایا وہ اتنا ہی مجھ سے دور بھاگے۔

اسی طرح رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت کی غرض سے حضرت یونسؑ کے وقتی غیظ و طیش میں آجانے کا واقعہ ان الفاظ میں یاد دلایا جاتا ہے۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ (القلم)	اے پیغمبر اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کئے بیٹھا رہ اور مچھلی والے حضرت یونسؑ کی طرح نہ ہونا کہ اونہوں نے مغلوب الغضب ہوکر ہم کو پکارا۔

یہ دونوں مثالیں صبر و تحمل الٰہی کے کمال کو پورے طور سے بتلاتی ہیں۔ بعینہ یہی مثال ہمارے موجودہ سلسلہ بیان میں کافرین قوم عاد اور حضرت ہودؑ کی داستان و واقعات میں سمجھنا چاہیئے۔

سوا تر مقامات پر قرآن کا سلسلہ بیان جناب ہودؑ اور اون کے کافر قوم کے مکالمات کا ذکر کرتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس حجت الٰہی نے ایک مدت مدید تک ان گمراہوں کے سمجھانے اور راہ پر لانے کی کوششوں کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔

خاص سورہ ہودؑ میں اصنام پرستی کے متعلق باہمی مکالمات کے یہ الفاظ ہیں۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ	عاد کی طرف ہم نے اون کے بھائی ہود کو بھیجا۔ اوس

مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ يَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ

(ہود ۵۰) نے کہا میرے بھائیو! خدا کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ دوسرے خداؤں کا نام تمہارا صرف افترا ہے۔ بھائیو! اس وعظ و نصیحت کا کوئی معاوضہ میں تم سے نہیں چاہتا میرا معاوضہ تو اس کے متعلق ہے جس نے مجھکو پیدا کیا۔ کیا تم نہیں سمجھتے ہو۔ بھائیو! خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو، اسکی طرف رجوع کرو۔ تو وہ آسمان سے مینہ برستا ہوا بھیجے گا۔ اور تمہاری موجودہ قوت میں اور زور و قوت عطا فرمائیگا گنہگار بنکر اوس سے منہ نہ پھیراو۔"

اس سنجیدگی کے خطاب کا اس بیہودگی سے جواب دیا جاتا ہے۔

قَالُوا يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ

قوم کے لوگوں نے کہا۔ ہود! تم ہمارے پاس کوئی دلیل نہ لائے صرف تمہارے کہنے سے ہم اپنے بزرگوں کے خداؤں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور نہ ہم تمہارا یقین لانے والے ہیں۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے بعض دیوتاؤں نے تمکو کچھ کر دیا ہے۔

صبر و تحمل کا سراپا پیکر، خدا کا سچا پیغمبر ان شوریدہ سروں کو نرمی سے خیر خواہانہ جواب دیتا ہے۔

قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ مِن دُونِهِ ۖ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم ۚ مَّا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ

(ھود ۔ ۱۰)

ہود نے کہا میں خدا کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں جس کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو میں اس سے بالکل بری ہوں، تم سب ملکر میرے لئے سازش کرو، پھر مجھے مہلت نہ دو میں نے خدا پر بھروسہ کیا ہے۔ جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے کوئی چلنے والا ایسا نہیں جسکی پیشانی کی چوٹی اسکے ہاتھ میں نہیں، میرا پروردگار صحیح راستہ پر ہے۔ تم اگر انکار کرو تو میں جو پیغام لیکر تمہارے پاس بھیجا گیا تھا وہ تمکو پہونچا چکا۔ خدا تمہارے سوا کسی اور کو حکومت بخشے گا۔ تم اسکا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ میرا پروردگار ہر چیز کا محافظ اور نگہبان ہے۔

(ہود ۔ ع ۱۰)

ایک بار نزول عذاب کے متعلق موعظت کیگئی۔ اسکی نسبت مکالمہ کی یہ عبارت ہے۔

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ

عاد کے بھائی ہود کو یاد کرو جب اوس نے اپنی قوم کو صحرائے ریگستان میں متنبہ کیا۔ خدا کی عبرتناک دھمکیاں اسکے سامنے اور اسکے پیچھے تھیں۔ اُسنے کہا کہ ایک خدا کے سوا اور کسی کو نہ پوجو میں ڈرتا ہوں کہ تم پر کوئی بڑا عذاب نہ آئے۔

کفار مستہزانہ انداز میں جواب دیتے ہیں۔

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا عَنْ آلِهَتِنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ

اونھوں نے کہا کہ اے ہود تو اسلئے ہمارے پاس آیا ہے کہ ہمکو اپنے دیوتاؤں سے مرتد کردے جس عذاب کا تم دھمکی کرتے ہو اگر سچے ہو تو لے آو۔

خدا کا رسول برحق متانت سے جواب دیتا ہے۔

قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ وَأُبَلِّغُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ۔ احقاف

قوم نے کہا عذاب کب آئیگا۔ تو پیمبر نے کہا کہ اسکا علم خدا کے پاس ہے کہ عذاب کب آئیگا جو پیغام لیکر میں بھیجا گیا ہوں وہ صرف تم کو پہونچاتا ہوں لیکن میں تمکو نادان قوم خیال کرتا ہوں“

تعمیر نفوس کے متعلق قوم عاد کی طبیعتوں میں مختلف اقسام کے تمرد، تکبر اور انانیت کے خیال پیدا ہوگئے تھے۔ وہ اپنی دولت و مال کو لازوال، ثروت و اقتدار کو دائمی اور بالاستمرار اور اپنی عمارات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بالاستقرار یقین کرتے تھے۔ پیغمبر برحق انکے اس خیال فاسد کا انکشاف فرماتا ہے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ وَإِذَا بَطَشْتُم بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُم بِمَا تَعْلَمُونَ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۔

عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان سے انکے بھائی ہود نے کہا کہ تم پرہیزگار رہو۔ میں تمہارا پیغمبر ہوں اور امین بس خدا سے ڈرو اور میری بات مانو میں اسکے لئے تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا میرا معاوضہ پروردگار عالم کو دینا ہے۔ تم ہر خوش قطع زمین میں بیفائدہ اپنی یادگار نشانی اور کاریگری کی عمارتیں بناتے ہو شاید تم ہمیشہ رہوگے جب کسی کو پکڑتے ہو تو جابر بنکر۔ خدا سے ڈرو۔ اور میری بات مانو۔ اس خدا سے ڈرو جسنے تمہاری ان نعمتوں سے مدد کی جنکو تم خود اچھی طرح جانتے ہو۔ چوپائے، اولادیں چشمے اور باغ مجھکو ڈر ہے کہ تم پر کوئی عذاب نہ آجائے۔

وہ بے دینی ضد کی لاپروائی سے کہتے ہیں۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۔ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۔ (الشعراء)

قوم نے جواب دیا کہ خواہ تم وعظ و نصیحت کرو یا نہ کرو۔ ہم ماننے والے نہیں ہیں۔ یہ اگلے زمانے کی عادت ہے۔ ہم پر کوئی عذاب نہیں آئیگا۔ (الشعراء)

اونکی کافرانہ ضد اور منکرانہ ہٹ کا بالآخر نتیجہ کیا ہوا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

ان لوگوں نے پیغمبر کو جھٹلایا۔ تو ہم نے انکو برباد کردیا۔ اس واقعہ میں عبرت کی نشانی ہے۔ یہ لوگ اکثر ایماندار نہیں تھے۔

پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ آیات مذکورہ بالا میں قوم عاد کی بربادی کے تین سبب بتلائے گئے اور وہ ایسے ہیں جو عموماً تمام اقوام عالم کی تباہی کے ہمیشہ باعث ہوتے چلے آئے ہیں۔ وہ اسباب یہ ہیں۔ غرور قوت۔ ظلم و جور اور کفر و الحاد۔ ذیل کی تفصیل سے معلوم ہوجائیگا۔ کہ اون کی تباہی سے پہلے یہ اسباب اون میں کثرت اور شدت سے موجود تھے اپنے پہلی مفاخرت یعنی غرور قوت کے اظہار میں وہ ہودؑ سے کہتے ہیں۔ ہمیں کس سے ڈراتے ہو۔

مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً

اجی! قوت و زور میں ہم سے کون بڑا ہے۔

حضرت ہودؑ بمتانت و سنجیدگی سمجھاتے ہیں کہ تمہاری قوت مسلم۔ تمہارا دعوٰی صحیح۔ لیکن اگر خدا کی اطاعت عقیدت اختیار کروگے اور اسکے بتائے ہوئے طریقہ پر چلوگے تو اسکے صلہ میں۔

يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ ۔

خدا تمہاری قوتوں کو اور قوت عطا فرمائیگا۔

لیکن وہ بے سمجھی سے نہ سمجھے۔ نہ سمجھے۔ خدا اونکی بے سمجھیوں کی حقیقت دکھلاتا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً

کیا وہ نہ سمجھے کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا وہ اون سے بھی زیادہ قوت والا ہے۔

غرور قوت کے شائبہ میں۔ تعداد افراد۔ تعداد افواج سے لیکر تعداد دواب (مویشی) تک پر انکو پورا غرور اور انانیت حاصل تھی حضرت ہودؑ اون کی اس بیجا مفاخرت اور غرور و نخوت کے مشاہدہ پر ارشاد کرتے ہیں کہ ان دنیاوی نعمتوں کے حصول پر اظہار شکر کرنا چاہیئے نہ استغلال و تکبر۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۔
وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً

اوس خدا کا خیال کرو جس نے تم کو وہ چیزیں عطا کیں جنکو تم خود جانتے ہو۔ مویشی۔ اولاد۔ باغ اور چشمے۔ اور تمکو خلق میں وسعت عطا فرمائی۔

ظلم و جور کے متعلق تمام ملک میں اون کی شکایت پھیلی ہوئی تھی۔ اور یہ حکومت و جہانبانی کے لئے اتنا مغرور ہے۔ کہ اسکے مقابل میں کوئی عیب یا زیادتی مملکت کو اتنا جلد نقصان وتباہی نہیں پہونچا سکتی۔ اوس زمانہ میں ان کے مظالم اور مفاسد کی کوئی حد باقی نہیں رہی تھی۔ حق تا حق دیگر اقوام و قبائل کو پریشان کیا کرتے تھے۔ اور ان تمام عیوب پر تنتے پھرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ دنیا بھر میں ہم ہی ہم ہیں۔ انکی حقیقت بیان کی جاتی ہے۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً	لیکن عاد نے روے زمین پر بلا استحقاق غرور کیا۔ اور کہا کہ ہمسے کون زور و قوت میں بڑا ہے۔

ان تمام قبائح اور معائب پر مستزاد اون کا کفر و الحاد تھا جس کے ترک کر دینے کی نسبت ابتدا ہی سے علی التواتر و التسلسل اوس معلم روحانی نے اونکو موعظت فرمائی۔ اون کے چند خطبات و مواعظات حسب ذیل ہیں۔

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۔ (اعراف)	بھائیو خدا کو پوجو۔ اوس کے سوا کوئی خدا نہیں کیا پرہیزگار بننا نہیں چاہتے ہو۔
يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ۔ ھود	بھائیو۔ خدا کو پوجو۔ اوسکے سوا کوئی خدا نہیں۔ دوسرے خدا کا نام تمہارا افترا ہے۔

ان تمام فہائش اور پند و نصائح کا جواب ایک ہی ملتا تھا۔ نہیں۔ وہ بھی ایسی جہالت کے انداز اور شامت کے الفاظ میں۔

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ۔ ھود	کافر بولے۔ اے ہود تم تو میرے پاس کوئی حجت نہیں لائے صرف تمہارے کہنے سے تو ہم اپنے دیوتاؤں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں۔

اخلاق عظیم الہیہ اور الطاف عمیم قدسیہ کے اصول و شان کے مطابق کافرین عاد کے ایسے انکار صاف پر بھی اوس منعم حقیقی نے احکام انتقام تو نہ جاری فرمائے بلکہ التوا ر و مہلت کے اور اون کو ایام دئے اور جناب ہود کو ایکبار پھر اون سے حجت تمام کرنے کا حکم ہوا۔ اور اونہوں نے سمعاً و اطاعتاً کہہ کر ان سیہ بختوں کو آخری بار ان الفاظ میں سمجھایا۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ	اگر اعراض کیا تو میں تمکو جو پیغام دیکر بھیجا گیا تھا پہونچا چکا خدا تمہارے سوا کسی اور کو حکومت دیگا۔

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (احقاف و شعراء)

میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب سخت آئے۔

خدا کی حجت تو تمام ہوگئی مگر اون کی سیہ بختی کی مدت نہ تمام ہوئی۔ اور وہ اپنی شامت اعمال سے اب بھی باز نہ آئے تو اوس منتقم مطلق نے ان کی جگہ دوسری قوم کو منتخب فرمایا۔ اور اس ظالم اور مفسد قوم کو ان کے املاک و مقبوضات کے اندر اور باہر تباہ و برباد کردیا۔ بیرونی علاقہ جات میں تو قومی ترغنیم نے تلواروں سے مار گرایا اور شہر احقاف اور اوس کے توابع مضافات میں ریح عقیم جھلسا دینے والی ہوا اور جلتی ریگ کے طوفانوں نے مار کر دفن کردیا۔

وَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ (انتظار وقت کرتے جاؤ اور ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنیوالوں میں ہیں) کی مدت تمام ہوگئی اوس منتقم حقیقی کے انتقام کا دن آگیا۔ بڑا غضب ہوا رحمت جلال میں آگئی نزول عذاب کی صورت کا مرقعہ الفاظ قرآنی نے یوں کھینچا ہے۔

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَى إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ (احقاف)

جب انکو باد صرصر کا عذاب ایک بادل کی صورت میں جسکا رخ انکی وادیوں کی طرف تھا نظر آیا، تو بولے یہ ہمکو سیراب کرنے والا بادل ہے۔ نہیں بلکہ یہ وہ ہے جس کی اسے گنہگارو تمکو جلدی تھی۔ یہ ہوا ہے جس میں دردناک عذاب (ممزوج) ہے۔ جو اپنے خدا کے حکم سے ہر شے کو برباد کردیتی ہے۔ پھر وہ ایسے نیست و نابود کردئے گئے کہ انکے گھروں کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہا۔

باد عقیم یا ریح صرصر کی حقیقت اور اسکے مہلک اثر بیان کئے گئے ہیں۔

وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ (الحاقۃ)

لیکن عاد۔ وہ تو باد صرصر سے برباد کردئے گئے۔ خدا نے سات رات اور آٹھ دن تک انپر جڑ کاٹنے والی ہوا کو مسلط کردیا تم اس ہوا میں اس قوم کو اسطرح افتادہ دیکھتے ہو جیسے وہ کسی کھوکھلے درخت کی جڑ تھے۔ کیا اب اون میں کا کوئی تمکو زندہ نظر آتا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے۔

وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ۔

اور عاد (کے حالات) میں عبرتیں ہیں جب ہم نے بیفائدہ بخش ہوا کو بھیجا جو ایسی تھی کہ جس شے پر اُسکا گذر ہوجاتا اسکو بوسیدہ ہڈی کی طرح کر چھوڑتی۔

احقاف وہ عظیم الشان ریگستان ہے جو سیکڑوں میل تک وسیع ہے اور اب اوسکو الربع الخالی کہتے ہیں۔ یہی عاد اول کا قدیم مسکن تھا اور آخر میں اونکا مدفن بھی قرار پایا۔ نزول عذاب کا بھی یہی مقام ہے۔ صورت عذاب بھی الفاظ قرآنیہ سے معلوم ہو چکی ہے۔ وہ مہلک ہوا۔ ایک ہفتہ رات دن برابر چلکر ہزاروں کیا لاکھوں کی شمع حیات کو گل کر گئی اور صبح کو ختم عذاب پر سوائے خاک کے ڈھیروں اور خالی گھروں کے تمام علاقہ میں کچھہ بھی نہیں تھا۔ یہ ہولناک منظر الفاظ الٰہیہ میں یوں دکھلایا گیا ہے۔

فاصبحوا لا یری الا مساکنھم (احقاف)	صبح کو سوائے مکانات افتادہ کے اور کچھہ نظر نہ آیا۔
فتری القوم فیھا صرعی کانھم اعجاز نخل خاویۃ	اس ہوا میں یہ قوم اسطرح افتادہ تھی۔ جیسے کھوکھلے درخت
فھل تری لھم من باقیۃ (الحاقہ)	کی جڑ ہو۔ کیا اون میں سے کوئی زندہ نظر آتا ہے۔

نزول عذاب کے وقت احقاف کی حدت ہوا کی جیسی شدت بڑھ گئی ہو۔ اوسکا اندازہ تو اسوقت امکان سے قطعی محال ہے مگر ہاں اسوقت تک بھی جو باد سموم کی کیفیت ہوتی ہے وہ مسٹر پالگریو۔ یوروپین سیاح و محققین کے چشم دید بیان سے ذیل میں مندرج ہے۔

دوپہر تھی۔ جنوب کی طرف سے دفعتاً ہوا کے جھونکے آنے لگے۔ ہوا کی تیزی رفتہ رفتہ بڑھتی گئی...... میرے عرب رفیق نے اپنے چہرہ کو کپڑے سے لپیٹ لیا۔ اور اونٹوں کو مار مار کر تیز کرنے لگے۔ لیکن اونٹ بار بار بیٹھ جانے کی کوشش کرتے تھے۔ میں ذرفقو سے واقعہ دریافت کیا۔ لیکن نہایت گھبراہٹ کے ساتھ صرف یہ جواب ملا کہ اگر سامنے کے خیمہ میں پہونچ گئے تو جان بچ جائیگی" اس اثنا میں ہوا اور زیادہ تند و تیز ہو گئی۔ گرمی کی یہ شدت ہو گئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے دوزخ اوتر آیا ہے۔ بالآخر کوشش کرکے ہم خیمہ تک پہونچ گئے۔ وہاں ایک عورت مونھہ لپیٹے اوندھی پڑی تھی۔ ہمارے اونٹ ہوا کے رُخ سے مونھہ پھیر کر ناک کو ریت میں گاڑ کر مُردے کیطرح پڑ گئے۔
ہم بھی خیمہ میں جا کر مونھہ لپیٹ کر اوندھے پڑ گئے۔ تاریکی اتنی شدید تھی کہ رات معلوم ہوتی تھی دس منٹ تک تقریباً یہی حالت رہی۔ پھر ہوا اور گرمی میں تخفیف ہوئی۔ جب ہم اوٹھے تو ہمارے چہروں پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔

PALGNIE ADVENTURES OF ARABIA

اس محقق سیاح کے چشم دید واقعات سے عذاب الٰہی کی اوس شدت عظیم کا اسوقت تک اثر خفیف باقی رہنا ثابت ہو گیا۔ سب سے پہلے سطح زمین پر اس قوم قدیم کا آباد ہونا اور قومیت کے مجموعی

صورت میں قایم ہونا۔ اور مختلف اقطاع عالم پر مسلط ہو کر حکمرانی کرنا غرض اون کے وجود۔ اون کے عروج اقتدار اور زوال و ادبار کے سارے حالات پوری تفصیل و تشریح سے بیان ہو چکے اور اب عاد اولی یا امم سامیہ قدیم کے تمام احوال ختم کر کے ہم اپنے سلسلہ بیان میں جناب ہود علیہ السلام کے مختصر حالات درج کرتے ہیں۔

جناب ہود علیہ السلام کے مختصر حالات

جناب ہود علیہ السلام ساتویں پشت میں سام ابن نوح سے اس طرح ملتے ہیں کہ ہود بن عبداللہ بن خلود بن عاد اولی بن عوص بن ارم بن سام۔ (طبقات ابن سعد) توریت میں آپ کا نام عیبر اور بعض جگہ عابر آیا ہے جو تمام عبرانی قوموں کے مورث اعلیٰ قرار دیئے گئے ہیں۔ سفر تکوین باب ۱ درس ۱۱۴ آپ کی رسالت کے مختصر حالات یہ ہیں۔

عوص کے بیٹے عاد اولی نے بہت بڑی شہرت حاصل کی اور رفتہ رفتہ اوس کی اولاد ایک نامی قوم ہو گئی۔ اور تمام مشرقی اور جنوبی عرب کی مالک بن گئی۔ اونہوں نے عالیشان مکان اور بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں اور آس پاس کی قوموں کو اپنا محکوم بنا لیا۔

خداوند عالم نے اسی قوم کی ہدایت کے لئے حضرت ہود کو مبعوث فرمایا کہ خدائے برحق کی عبادت کی ترویج اور بت پرستی کا استیصال کریں۔ لیکن جب اون لوگوں نے اون کے احکام ہدایت سے سرتابی کی۔ تو خدائے تعالیٰ کا قہر جوش میں آیا اور تین برس کا مسلسل قحط اون میں پڑا اور اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ وہ لوگ آگاہ ہو گئے کہ خدا کے پیغمبر کا حکم نہ ماننے کی یہ سزا ہے۔ اس پریشانی کی حالت میں حضرت ہود پھر تشریف لائے اور بت پرستی ترک کرنے اور خدائے واحد کی عبادت کرنے کی از سر نو تاکید فرمائی اور اوس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو خدائے رحیم باران رحمت نازل کریگا مگر وہ اپنی گمراہی پر ثابت قدم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اون پر ایک سخت طوفانی آندھی نازل فرمائی جو اوس کے غضب و عذاب کی نشانی تھی۔ آندھی کا طوفان سات رات اور آٹھ دن تک تمام اوس ملک میں اس زور و شور سے جاری رہا کہ ہزارہا آدمی ہلاک ہو گئے۔ اور تمام قوم کا باستثنا اون چند اشخاص کے جنہوں نے حضرت ہود کا کہنا مان لیا تھا۔ قریب قریب کل کا استیصال ہو گیا۔ اور جو لوگ بچے وہ آخر میں حضرت ہود پر ایمان لائے اور یہی لوگ عاد ثانی کہلائے۔ یہ واقعہ آفرینش عالم کے سنہ ۱۸ صدی میں اور ولادت عیسیٰ سے سنہ ۲۲ سو سال قبل واقع ہوا۔

اس واقعہ کے بعد حضرموت کے علاقہ میں حضرت ہود مقیم ہو گئے۔ اور وہیں انتقال فرما گئے۔

اور مقام ہسلق میں مدفون ہوئے۔ جہاں ایک چھوٹا سا قریہ قبر ہود کے نام سے آباد ہے اور سالانہ زیارت کا مقام ہے۔

عدن کے پاس عاد ثانیہ کا ایک کتبہ ملا ہے۔ اوس میں ہود علیہ السلام کی اتباع شریعت کا ذکر ہے۔ اوسکے ایک ساحلی زبان کے شعر کا عربی ترجمہ یہ ہے۔

یقیم لنا من دین ہود شرائعا و نؤمن بالآیات والبعث والنشر

وہ ہمارے لئے ہود کی شریعت قائم کرتے ہیں۔ اور ہم احکام الٰہی اور بعث و نشر پر ایمان لائے ہیں۔

اس کتبہ کی مرقومہ بالا عبارت نے جہاں عاد ثانیہ یا عاد صالحین کی اہل ایمان اور ارباب مومنین ہونے کی تصدیق کر دی وہاں یہ بھی ثابت کر دیا کہ شریعت اسلامی کے موجودہ اصول جن سے بعض مذاہب عالم کو اسوقت تک انکار ہے وہ حقیقت میں تمام شرائع قدیم کے حقیقی اصول و اصلی ارکان تھے۔ جاریں۔ عرب کے قومی دفتر کا یہ قبیلہ گویا اسد س ہے۔ اور امم قدیمہ سامیہ میں اسکا چھٹا نمبر ہے۔ مگر افسوس اس قوم کا حال بجز اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ لوگ بھی صحرا نشین تھے۔ اون کی اولاد امتداد ایام کے بعد اور اقوام صحرا کی مثال بالکل معدوم ہو گئی۔

قوم ثمود یا عاد ثانیہ

حضر موت سے سواحل خلیج فارس کے طول میں عراق تک۔ عرب میں حجاز سے حدود سینا تک اس قوم و قبائل کے لوگ آباد تھے۔ اس سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ہود نے مع اپنے متبعین و صالحین عاد کے عذاب سے نجات پائی۔ روایات عرب میں ہے کہ وہ عذاب سے پہلے عاد کی آبادی سے نکلکر حجاز میں چلے گئے تھے۔ ان میں لقمان نام ایک نیک بادشاہ ہوا۔ اسکی عمر کئی سو برس کی بیان کی گئی ہے اور یہ کچھ عجیب نہیں۔ تمام قدیم قوموں کی ابتدائی تاریخ اسی قسم کے طویل العمر بادشاہوں سے شروع ہوتی ہے۔ اب اس قسم کی روایات مذاق زمانہ کے مطابق یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ اوس شخص کے خاندان میں حکومت کئی سو برس تک رہی۔ اور مجازاً بجائے خاندان کے خود اوس شخص کا نام قرار دیدیا گیا۔ اس بنا پر لقمان کی عمر سے خاندان کی عمر مراد لینی چاہئے۔

لقمان کون بزرگ تھے؟ روایات عرب میں اس نام کا ایک مشہور و معروف شخص ہے جسے اب عموماً حکیم لقمان کہتے ہیں ان کی طرف حکایات و تمثیلات حکیمانہ کثرت سے منسوب ہیں۔ قرآن مجید میں بھی اوسکے پند و نصائح کا تذکرہ ہے جن میں سے ہم چند اپنے سلسلہ بیان میں آگے تحریر کرینگے۔

عرب قدیم کا مشہور شخص لقمان اور زمانہ موجودہ کا حکیم لقمان اصلاً ایک ہی ہیں۔ اس اتحاد کا نہایت قدیم ثبوت یہ ہے۔ مشہور مورخ ابن اسحاق المتوفی ۱۵۱ھ جس کی سیرت آج آنحضرت صلعم کے حالات میں قدیم ترین تصنیف ہے اور تصنیفات موجودہ کے اعتبار پر عرب قدیم کا سب سے پہلا مورخ ہے کتاب التیجان میں جو مخصوص عرب قدیم کی تاریخ میں ہے۔ روایت کرتا ہے۔

قال وھب فلما مات شداد ابن عاد صار الملك الی اخیه لقمان ابن عاد و کان اعطی الله لقمان ما لم یعط غیرہ من الناس فی زمانه اعطاہ حاسة مائة رجل و کان طویلا لا یقارب اھل زمانه قال ابن وھب قال ابن عباس کان لقمان ابن عاد ابن الملطاط ابن السلك ابن وائل ابن حمیر نبیا غیر مرسل

وہب (ایک مشہور راوی) نے کہا کہ شداد ابن عاد جب مرگیا تو حکومت اوسکے بھائی لقمان ابن عاد کو ملی۔ خدا نے عاد کو وہ سب کچھ دے رکھا تھا جو کسی دوسرے کو اس زمانہ میں نہیں دیا تھا۔ اوسکو حواس سو آدمیوں کے برابر دئے گئے تھے۔ اور اپنے معاصرین سے زیادہ بلند قامت تھا۔ ابن وہب نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ لقمان ابن عاد ابن الملطاط ابن السلک ابن وائل ابن حمیر (نسب نامہ صحیح نہیں) نبی بلا کتاب تھا۔

(ارض القرآن ص ۱۸۱ ج اول)

بعض لوگ غلطی سے لقمان عاد اور لقمان حکیم کو دو سمجھتے ہیں۔ بعض علماے یورپ جنکو عرب کی خصوصیات کے نام سے خواہ مخواہ چڑ سی آتی ہے۔ وہ لقمان حکیم اور ایساپ نام ایک یونانی حکیم کو ایک قرار دیتے ہیں۔ اس اتحاد کی دلیل جو پیش وہ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان دونوں کی طرف جو حکایات و تمثیلات منسوب ہیں وہ تقریباً ایک ہی قسم کے ہیں۔ لیکن یہ ایک تعجب انگیز استدلال ہے کسی دو تصنیف کے مطالب کا اتحاد۔ اون کے مصنفین کی اتحاد شخصیت کو اگر مستلزم ہے۔ تو افسوس۔ ہے کہ اس جرم میں ہمکو سینکڑوں تاریخی اشخاص کے مٹ جانیکا افسوس ہوگا۔ اسکے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ قدیم عرب حکماے یونان سے کب واقف تھے۔ عرب کے ایام جاہلیت کا ایک شاعر اسلمی ابن ربیعہ کہتا ہے۔

اھلکن طسما و بعدھم غذیّ بھم وذا جدون واھل جاش و مارب وحی لقمان والتقون

ترجمہ۔ حوادث زمانہ نے طسم کو اور اسکے بعد قبیلہ ذا جدون۔ شاہ یمن اور اہل جاش و مارب اور قبیلہ لقمان کو مٹا دیا۔

اس دوسرے شعر سے نہ صرف لقمان کا عرب ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ بلکہ ایک قبیلہ کا مالک یمن کا باشندہ اور عظمت و شوکت میں سبا کا مقابل۔ اور یہ تمام باتیں لقمان عاد پر صادق آتی ہیں۔

عرب میں لقمان نہایت مشہور تھا۔ اوسکا صحیفۂ حکمت۔ خود عرب میں موجود تھا۔ اور لوگ اُسکو پڑھتے تھے۔ ابن ہشام ذکر سوید وبیعت عقبہ میں تحریر کرتے ہیں۔

عاد کا ایک کتبہ جو ۱۸۳۴ء میں ملا تھا۔ اسمیں چند فقرے حسب ذیل ہیں۔

ہم پر وہ بادشاہ حکومت کرتے ہیں، جو کمینہ خیالات سے بہت دور اور شریروں کو سزا دینے والے ہیں اور ہود کی شریعت کے مطابق ہمارے واسطے پیدا ہوئے تھے۔ اور اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے جاتے تھے۔

کیا ہم ان آخری الفاظ سے جو کاغذ پر نہیں پتھر پر لکھے پائے گئے ہیں۔ یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے ہیں کہ صحیفہ لقمان (لقمان کے اچھے فیصلے) ایک کتاب میں لکھے ہوئے تھے۔

اس نیک دل بادشاہ کا جو حضرت ہودؑ کی شریعت کا متبع تھا۔ قرآن نے بھی ذکر کیا ہے۔ اور اُس کی نیکی اور دانائی کی شہادت دی ہے۔

لقد آتینا لقمان الحکمۃ ان اشکر للہ ومن یشکر
فانما یشکر لنفسہ ومن کفر فان اللہ غنی حمید
واذ قال لقمان لابنہ وھو یعظہ یبنی
لا تشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم
ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ
وھنا علی وھن وفصالہ فی عامین ان
اشکر لی ولوالدیک الی المصیر وان
جاھدک علی ان تشرک بی ما لیس لک
بہ علم فلا تطعھما وصاحبھما فی الدنیا
معروفا واتبع سبیل من اناب الی ثم الی
مرجعکم فانبئکم بما کنتم تعملون یبنی انھا
ان تک مثقال حبۃ من خردل فتکن فی
صخرۃ او فی السموات او فی الارض یات
بھا اللہ ان اللہ لطیف خبیر یبنی
اقم الصلوۃ وامر بالمعروف وانہ عن

یاد کرو۔ جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ فرزند من (میرے بیٹے) خدا کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ شرک بڑے ظلم کی بات ہے (خدا کہتا ہے) ہم نے انسان کو حکم دیا ہے۔ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کریں۔ اُس کی ماں نے اُس کو پیٹ میں رکھا۔ کمزوری پر کمزوری اوٹھائی۔) دو برس کے اندر اوسکا دودھ چھڑایا۔ اے انسان میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر گذار ہو۔ بازگشت میری طرف ہے۔ اگر والدین تجھکو میرے شرک پر مجبور کریں تو اُن کا کہنا نہ ماننا۔ لیکن دنیا میں نیکی کے ساتھ اونکے ساتھ رہنا۔ اور اُن لوگوں کا پیرو بننا۔ جو میری طرف رجوع کرتے ہیں پھر میری طرف بازگشت تمہاری ہے۔ تو تمکو بتاؤں گا جو تم کیا کرتے تھے۔ اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی چیز ہوگی۔ اور وہ کسی چٹان کے اندر یا آسمان میں یا زمین میں ہوگی۔ تو وہ بھی خدا لے آئیگا۔ خدا بیشک باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے۔

الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَٰلِكَ
مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ
وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ
لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ
وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ
لَصَوْتُ الْحَمِيرِ

فرزند من (میرے بیٹے) نماز پابندی سے پڑھا کر اور نیک بات کی لوگوں کو ہدایت کیا کر اور بری بات سے روکا کر اور تجھ پر جب کوئی مصیبت آ کے تو اس پر صبر کیا کر یہ بڑی باتیں ہیں غرور سے منھ لوگوں سے نہ پھیرا کر اور نہ زمین میں اترا کر چل یقین رکھ کہ خدا مغرور اور فخار کو پیار نہیں کرتا۔ اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو۔ اپنی آواز کچھ نرم کرو نہ بدترین آواز گدھوں کی آواز ہے۔

قوم ثمود کے تمدنی اور سیاسی حالات

نام و نمود کے اعتبار سے قوم ثمود قوم عاد کی کامل اور لائق جانشین ثابت ہوتی ہے۔ تاریخوں سے ان کا پورا اقبال ثابت ہے۔ تحقیق کی ترازو میں دونوں قوموں کی شہرت کے پلے برابر ہیں۔ اکثر تاریخ نویسوں نے ثمود کی سیاسی لیاقتوں میں کمی بتلائی ہے جو کسی قدر ثابت بھی ہے۔ مگر موازنہ کی دوربین نگاہیں جب باہمی اوصاف و کمال کا موازنہ کرنے بیٹھتی ہیں تو عاد سے ثمود کے تمدنی کمالات کو مضاعف پاتی ہیں اس لئے ثمود کی سیاسی کمی تمدنی اضافہ کمالات سے پوری ہو جاتی ہے۔ عاد کی حقیقی جانشینی ثمود کو حاصل تھی۔ قرآن مجید بھی اس حقیقت کا شاہد ہے۔

وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ عَادٍ ثمود! یاد کرو کہ خدا نے تمکو عاد کے بعد جانشین بنایا۔

وجہ تسمیہ ثمود — ثمود کی لفظی تحقیق شاید عربی میں صحیح نہ مل سکے۔ ثمد عربی میں آب قلیل کو کہتے ہیں لیکن اس سے کوئی خاص مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔ عبری میں ایک لفظ تامید ہے جس کے معنی "دائم" اور خالد کے ہیں۔ عربی کی ث اور عبری کی ت ایک چیز ہے۔ عبری میں ث نہیں ہے۔ اسلئے وہ اکثر الفاظ جو عربی میں ث سے ہیں۔ عبری میں ت سے ہیں۔ اس لئے ثمود کے معنی عام سامی زبانوں میں وہی ہونگے جو عربی میں خالد کے معنی ہیں۔ اور بہت سے قبائل عرب کے بھی نام تھے۔[۱]

[۱] فاضل معاصر صاحب ارض القرآن نے ثمود کے متعلق لفظ عرب کی غیر مناسب ہونے کی وجہ سے تضعیف فرمائی ہے۔ مگر اسکے عبری ہونے کے جو وجوہات تحریر کئے ہیں۔ وہ عربی سے زیادہ غیر مناسب اور دوراز فہم ہیں۔ اسلئے کہ ثمد [illegible] معنی کئی آسانی کے ہیں۔ اور عرب کو پانی کے تعلقات و خصوصیات سے جو مناسبت ہے۔ وہ ہر شخص جانتا ہے۔ ابر [illegible] قیاس صحیح ہو سکتا ہے کہ ان کے وطن و مسکن میں پانی بہت کم پایا جاتا تھا۔ اسی خصوصیت اور [illegible] خاص سے یہاں کے رہنے

ثمود کی سکونت | قوم عاد۔ شرق وجنوب کے ساحلی مقامات وعلاقجات ہیں۔ جو خلیج فارس سے لیکر حدود عراق تک پھیلے ہوئے ہیں آباد تھی۔ اور انپر بطور حاکمانہ متصرف بھی تھی۔ قوم ثمود۔ ان کے مقابل۔ مغربی وشمالی علاقوں میں سکونت پذیر تھی۔ اون کے مواطن ومساکن کو عموماً وادی القرٰی بتلایا جاتا ہے۔ اس بنا پر کہ اون کی سکونت کے مقامات اوس علاقہ میں مختلف اور متفرق قطعات میں واقع تھے۔ اون کے افتادہ اور مسمار آثار عہد اسلام میں بھی مشاہدہ کئے گئے تھے اور آجتک بھی جابجا پیش نظر آتے ہیں۔ قرآن مجید نے وادی القرٰی کو صرف وادی کے نام سے یاد فرمایا ہے۔

وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ۔ (فجر) | ثمود جو وادی (قری) میں پتھر تراشا کرتے تھے۔

دار الحکومت ثمود | قوم ثمود کا دار الحکومت الحجر تھا۔ اور یہ تمام مغربی اور مشرقی مورخین ومحققین کا مسئلہ اور مصدقہ ہے۔ یہ شہر حجاز سے شام کو جانے والے راستہ پر واقع ہے۔ اب اس شہر کو عموماً۔ مدائن صالح کہتے ہیں۔

پہلے بیان ہوچکا ہے کہ قوم ثمود۔ سیاسی قوت کے اعتبار سے۔ عاد کے مقابل نہیں پائی جاتی۔ اسی لئے کہ اون کے سیاسی حالات تحقیق نہیں ہوتے۔ مگر ان کو ایک زبردست اور مقتدر قوم توسب نے تسلیم کیا ہے۔ حقیقت یہ بتلاتی ہے کہ قوم ثمود۔ ایک خاموش۔ تنہائی پسند اور صلح جو لوگ تھے۔ حکومت وامارت کے نہ شائق تھے اور نہ حریص۔ اصول فطرت کی بنا پر اون کا خیال سیاست کے عوض صنعت اور عرب کے خاص مشغلہ تجارت کی طرف زیادہ منعطف ہوا اور دنیا کے کارناموں میں جن کمالات کی وجہ سے اون کی یاد اون کا ذکر آجتک باقی ہے۔ وہ اون کی صنعت ودستکاری ہے۔ جو اون کے اعلیٰ تمدن کی شاہد ہے۔ عمارت کے فن خاص میں۔ یہ قوم عاد سے بڑھی چڑھی ثابت ہوتی ہے۔ پتھروں کو خالی کرنے اور پہاڑوں کو اندر اندر کاٹ کر مکانات بنانے اور اون کو مختلف قسم کے نقش ونگار سے سجانے میں اونکو کمال حاصل تھا۔ آج بھی باوجود امتداد ایام کے بعد۔ اون کی یہ باقیماندہ صنعتیں بڑے بڑے صناعان زمانہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵۔ والو نکو ثمود کہنے لگے۔ بالعکس اسکے اگر اسکی عبری ترکیب مانی جائے۔ تو ثمالد۔ لفظ عبری کا ہم معنی ہوتا ہے جو ایسی کچھ مناسبت خاص عرب کے ساتھ نہیں رکھتا۔ اس سے کہیں زیادہ تو کمی آب والے اصلی معنی کو عرب کے ساتھ مناسبت خاص کا حق حاصل ہے۔ جیساکہ شروع میں عرب کے محققین بتلاتے آئے ہیں۔ فاضل معاصر کو لفظ خالد کی کثیر الاستعمالی نے دہوکہ میں ڈالا ہے۔ حالانکہ ثمود کے زمانہ میں خالد کسی کا نام نہیں معلوم ہوتا۔ اس نام کی ایجاد تو بہت بعد کے زمانہ سے شروع ہوتی ہے

المولف عفی عنہ

کو حیرت میں ڈالتی ہیں۔ اور مشکل سے تسلیم کرنا ہوتا ہے کہ اتنے قدیم زمانہ کے لوگ بھی ایسے نادر اور کمال صنعت پر قادر ہوتے تھے۔ اون کی شہروں کی عمارتیں بسنگین مقابر۔ اور پہاڑ کی چوٹیوں پر کنوئیں اون کی بے انتہا صنعتوں کے ایسے آئینہ ہیں کہ وہ ملتے تو موجودہ زمانے والے اُنکے ہاتھ چوم لیتے۔

قرآن مجید نے متعدد مقامات پر فن عمارت کے کمال میں اُنکا ذکر کیا ہے۔

وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا۔ (اعراف)

(صالح نے کہا) کہ اے لوگو۔ خدا نے تمکو زمین میں جگہ دی۔ جسکے میدانوں میں تم قصر و محل اور پہاڑوں کو کاٹکر بناتے ہو"

سورہ شعرا میں ارشاد ہوا ہے۔

وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ

پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بناتے ہو۔

ان کے مالدار اور ذی اقتدار ہونیکے متعلق اسی سورۂ شعرا میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ

خدا نے تمہاری مویشی۔ اولاد۔ چشمے۔ اور باغوں سے مدد کی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے اون کو۔ جانور۔ باغات۔ پانی کے چشمے اور آل اولاد۔ سب کچھہ افراط سے دے رکھا تھا۔ اون کے پاس خدا کے فضل سے وہ تمام چیزیں مہیا اور موجود تھیں۔ جو دُنیا میں متمول۔ خوشحال اور دولتمند قوموں کیلئے ضروری ہوتی ہیں۔

قوم ثمود کے شہود اثاریہ

قوم ثمود کے حالات کا سب سے بڑا اور قدیم انکشافی دفتر وہ کتبہ ہے۔ جو ۱۸۳۴ء میں برآمد ہوا ہے۔ یہ کتبہ قریب عدن حصن غراب کے مقام میں پایا گیا ہے۔ پانے والا ایک انگریزی افسر ولسٹڈ نامی "WELLSTED" ہے۔ یہ پہلا کتبہ ہے۔ جو عرب کی زمین میں یورپ والوں کے ہاتھ آیا ہے۔ اس کا ہاتھ آنا تھا کہ یورپ بھر میں آثار قدیمہ عرب کے انکشاف کی اولیت اور دُنیا بھر کی جامعیت و قابلیت کے تعظیمی سہرے ولسٹڈ کے سر بندھنے لگے۔ اور محققین یورپ عرب کے ملکی اخبار و آثار کی نسبت اپنے کمال و قابلیت کے غل مچانے لگے۔ حالانکہ ان سے تقریباً ڈیڑھ ہزار برس پہلے محققین عرب خود اس کتبہ کو پڑھ کر ترجمہ کر چکے تھے۔ اور اس کی کافی اطلاع ملک عرب کی تمامی اقطاع میں مشتہر ہو چکی تھی۔ اگر زمانہ حال کے مستشرقین کو عرب کی قدیم تاریخ پر پورا علم حاصل ہوتا تو وہ اس کے متعلق اپنی اولیت کا دعویٰ نہ کرتے۔ ہم نے قوم عاد کے اجمالی حال لکھتے وقت اوپر بتلا دیا ہے کہ یہ کتبہ امارت معاویہ کے زمانہ میں تقریباً ۴۲ سنہ یا ۴۳ سنہ میں پہلے پہل دریافت ہوا تھا۔ اس کے دو مصرعہ ترجمہ کے ساتھ ہم اوپر لکھہ آئے ہیں۔ اصل کتبہ کی زبان اور خط۔ جنوبی عربی ہے

جس کو غلط فہمی سے متاخرین نے حمیری بتایا ہے۔ اور اب عموماً زبان اور خط دونوں حمیری کہے جاتے ہیں۔ اصل کتبہ اور اوسکا انگریزی ترجمہ۔ پہلے پہل ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں چھپا تھا۔ اب ہم ذیل میں اسکا عربی ترجمہ مع اردو ترجمہ کے قلمبند کرتے ہیں۔

غنینا زماناً فی عراصة ذو القصر
بعیش رخی غیر ذی ضنك ولا نزر
یفیض علینا البحر بالمد زاخراً
وانهارها بالماء مترعة تجری
..... خلال النخیل باسقات .....
..... بالقسب المجزع والتمر
ونصطاد صید البر بالخیل والقنا
وطوراً نصید النون من لجج البحر
ونرفل فی الخز المرقم تارة
وفی القز احیاناً وفی الحلل الخضر
یلینا ملوك یبعدون عن الخنا
شدید علی اهل الخیانة والغدر
یقیم لنا من دین هود شرائعاً
ونؤمن بالآیات والبعث والنشر
اذا ما عدو حل ارضاً یریدنا
برزنا جمیعاً بالمثقفة السمر
نحامی علی اولادنا ونسائنا
علی الشهب والكمت المعاق والشقر
نقاتلهم حتی یفی علینا ولم تری
باسیافنا حتی یولون بالدبر

ہم مدت تک اس وسیع قصر میں رہے۔ ہماری حالت بدنصیبی اور ادبار سے دور تھی۔ ہماری نہروں میں دریا کا پانی اُمنڈ آتا تھا۔ سمندر موجیں مارتا ہوا ہمارے قلعہ کے دیواروں سے غضبناک ہو کر ٹکریں مارتا تھا۔ ہمارے چشمے خوش آیند آواز سے بہتے تھے بلند کھجوروں کے۔ اور جنکی باغبان خشک چھوہارے ہمارے وادیوں کے چھواروں کی زمینوں میں لگاتے تھے۔ اور خشک چاول بوتے تھے ہم پہاڑی بکریوں کا اور جوان خرگوشوں کا شکار پھندوں اور جالوں سے کرتے تھے۔ اور مچھلیوں کو بہلا بہلا کر نکال لیتے تھے۔ اور ہم آہستہ آہستہ خراماں خراماں رنگ برنگ کے ریشمی کپڑے اور کاہی سبز مختلف الالوان جامے پہنکر چلا کرتے تھے۔

ہم پر وہ بادشاہ حکومت کرتے تھے جو کمینہ خیالات سے بہت دور اور شریروں کو سزا دینے والے تھے۔

ہود (علیہ السلام) کی شریعت کے مطابق اپنے فیصلے ایک کتاب میں لکھے جاتے تھے اور ہم معجزات کا یقین رکھتے تھے قیامت کے راز اور قبر سے اٹھائے جانے پر ایمان رکھتے تھے دشمن (رہزن) گھس آئے اور وہ ہمارے ساتھ کچھ جھگڑا کرتے مگر ہمنے گھوڑوں کو پوری دوڑایا اور ہمارے کریم نجت اور نوکدار نیزوں کو لیکر آگے بڑھے۔ ہمارے خاندان کے بہادر مرد اور عورتیں گھوڑوں پر سوار رہی تھیں جنکی گردنیں لمبی تھیں اور جو چتکبرے کمیت رنگ کے تھے۔

ہماری تلواریں بدستور دشمنوں کو زخم کر رہی تھیں اور چید رہی تھیں یہاں تک کہ اونکے قلب پر حملہ کر کے انکو مفتوح اور بالکل پست کر دیا جو بدترین نوع انسان میں تھے۔

ہم نے اس کتبہ قوم ثمود کے تمام حالات کا دفتر اسی لئے بتلایا ہے کہ اسکی عبارت اور مضامین سے، قوم ثمود کے مذہبی، اخلاقی، تمدنی، قومی، مالی، سیاسی اور فوجی سب ہی حالات تو پورے طور سے معلوم ہوجاتے ہیں۔ اور صرف انھیں مندرجات سے ہر شخص ثمود کی قومیت اون کی قدامت و قوت اور اخلاق و معاشرت کا کافی طریقہ سے اندازہ کر سکتا ہے۔ ان مضامین کو پڑھکر آسانی سے سمجھ لیا جائیگا کہ تمدن و اخلاق، قوت و اقتدار کے اعتبار سے قوم عاد کی لائق اور قابل جانشین اور قائمقام عرب میں ثمود ہی کی قوم تھی۔

قوم ثمود کی ترقی کا خاتمہ حضرت موسیٰ کی بعثت سے پہلے ہوجاتا ہے۔ اگرچہ کوئی تاریخ اسکا زمانہ معین نہیں کرتی۔ توریت بھی ان کے ذکر سے خالی ہے۔ اور اوسکا خالی ہونا اس بات کا یقینی ثبوت ہے کہ نزول توریت سے پہلے یہ قوم برباد ہوچکی تھی مگر قرآن مجید نے ان کے زمانہ کو صاف لفظوں میں بتلا دیا ہے۔ حضرت موسیٰ پر ایمان لانے والا وسید ارتا بعین فرعون کو مخاطب کر کے تنبیہاً اور ہدایتاً موعظت کرتا ہے۔

يَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ مِثْلَ دَأْبِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ (مومن)	بھائیو! مجھکو ڈر ہے کہ دوسری کافران قوم نوحؑ قوم عاد اور قوم ثمود کی طرح تمپر بھی عذاب آ جائے۔

ان ارشاد قرانی اور الفاظ ربانی سے صاف طور پر ظاہر ہو گیا کہ قوم عاد کے بعد قوم ثمود کا زمانہ تھا اور قوم ثمود بعثت کلیم اللہی سے پہلے اپنی بربادی اور تباہی تک پہونچ چکی تھی۔ حضرت موسیٰ کی نبوت کا زمانہ سنہ ۱۹۰۰ ق م کے معلوم ہوتا ہے۔ اس بنا پر قوم ثمود کے عروج و زوال کو سنہ ۱۸۰۰ اور سنہ [illegible] ق م کے تقریباً درمیان میں سمجھنا چاہیئے۔

قوم ثمود کی بربادی اس قوم کی بربادی کا باعث خدا کی ناراضی تھی۔ اور خدا کی ناراضی کا سبب عام طور سے انسانی کی بدافعالی اور کیفر کرداری ہوا کرتی ہے۔ قوم ثمود دنیا سے باہر تو بستی ہی نہیں تھی کہ اونمیں اور دنیا کے امم کے اثار و کردار نہ پیدا ہوتے۔ وہ عیوب و نقائص رفتہ رفتہ ان میں بھی پیدا ہو گئے۔ اور یہ بھی اپنی دنیاوی عروج و اقتدار کے عالم میں خدا اور اوسکے عطا کردہ نعمات لا انتہاہی کو بھول گئے اور اوس معبود حقیقی کو چھوڑ کر مختلف الاقسام غیر معبودوں کی پرستش کرنے لگے۔ اجرام فلکی کی عبادت شروع کردی۔ قدرت الٰہی کے ذرے۔ آسمان کے ستاروں کو اپنا معبود قرار دینے لگے اور اونکے

ناموں پر مختلف ملکی مقامات میں ہیکلیں (معابد) تیار کرنے لگے جن کی عمارات و انتظامات میں ملک و قوم کے بڑے بڑے مالی ذخیرے نثار کر دئے گئے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی رسالت

اخلاق الٰہی نے اپنی قدیم عادت و دستور کے مطابق انھیں کی قوم و قبیلہ سے صالح نامی ایک نفس مقدس کو اون کی ہدایت و موعظت کے لئے منصب رسالت پر مبعوث فرمایا۔ محققین عرب حضرت صالح کا سلسلہ نسب یہ بتلاتے ہیں۔

صالح بن عبید بن اسف ابن کماشیح ابن عبید ابن حادر ابن ثمود[۱] ابن جاثر ابن ارم ابن سام بن نوح علیہ السلام۔

علماے یہود تو خصوصاً عرب کے تمام مشاہیر اور خصائص کو چھپاتے ہیں۔ اس لئے اون کی کتابوں میں نہ ثمود کا کوئی ذکر ہے نہ اون کے پیغمبر حضرت صالح ؑ کا۔ ظاہری طور پر اون کی عدم واقفیت کا وہ یہ حیلہ بھی کر سکتے ہیں کہ اون کے زمانہ سے قبل ثمود کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اسلئے وہ انکے تحریر حالات سے مجبور کہے جا سکتے ہیں۔ مگر اونکا یہ عذر صرف حیلہ ہے۔ وہ توریت باب تکوین کو غور سے پڑھیں تو اونھیں معلوم ہو جائیگا کہ جب آفرینش عالم کے وقت سے سلسلہ بیان شروع کیا گیا ہے تو عرب صالح تو ہزار ہا سال پیچھے آتے ہیں پھر کیوں نظر انداز کئے گئے۔ یہ یہودیوں کی فروگذاشت اون کے اوس خاص حسد و نفسانیت کو بتلا رہی ہے۔ جو اونکو خصوصیات عرب کے مخفی رکھنے میں حاصل تھی۔ مگر بایں ہمہ توریت کتاب التکوین۔ آیتہ ۱۰ و ۲۴ میں لکھا ہے کہ ارم کے بھائی ارفخشد کے ایک بیٹے کا نام سالح ہے۔ جو تمام اولاد ابراہیم اور عرب یقطانی کا باپ ہے۔

نصرانی پادری جو بزرگان توراۃ کی تاریخی ہستی کے اثبات کے لئے کسی کوشش سے دریغ نہیں کرتے۔ روایات عرب اور قصص قرآن کا نام عام طور سے اون کی زبان میں افسانہ ہے۔ لیکن اگر خود اون کو ضرورت پڑے تو وہ تاریخ کی بلند ترین شہادت ہے۔ کہتے ہیں کہ صالح اور سالح ایک ہی شخص تھی۔

GOLD MINES P. 278

---

[۱] قوم ثمود کی وجہ تسمیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ ثمود کی اولاد میں سے تھے۔ عرب میں اسکا قدیم سے دستور و رواج قایم ہے جیسے قریش سے قریشی ہاشم سے ہاشمی۔ مؤلف عفی عنہ

بہرحال یہی نفس برگزیدہ قوم ثمود میں حجت الٰہی بنکر نمودار ہوا اور اون کی ہدایت کا ذمہ دار بنا
حضرت صالح نے اوس کافر کیش قوم میں خدا کی دعوت شروع کی۔ بعضوں نے لبیک کہی اور اکثروں
نے سختی سے انکار کیا اور اوسکو جھٹلایا۔ بالآخر اس معجزنما حجت خدا نے پہاڑ کے عین جوف[1] سے
ایک ناقہ کو پیدا کر کے اون کفر پرستوں سے کہا کہ یہ اونٹنی آیت الٰہی ہے اور میں حجت الٰہی۔ اسکو

---

[1] سرسید مرحوم اس واقعہ کی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے حضرت صالح
ابن عبید ابن آسف بن ماشج بن عبید بن جاور بن ثمود کو مبعوث کیا۔ بعض لوگ اونپر ایمان لائے اور بہتوں نے
اون کا یقین نہین کیا۔ ان لوگوں نے حضرت صالح سے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو کوئی نشانی بتلا۔ حضرت صالح نے
جواب دیا کہ اے میری قوم یہ خدا کی اونٹنی ہے تمہارے لئے اوس کی نشانی ہے اوس کو چھٹا پھرنے دو کہ خدا کی زمین
پر چرتی پھرے اور اُسکو ایذا نہ پہونچاؤ۔ مبادا تمپر اسکے عوض عذاب نازل ہو۔ اسی فہمایش کے سبب ان لوگوں نے
اونٹنی کو پھرنے دیا اور کچھ آزار نہ پہونچائی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہاں قحط واقع ہوا۔ اور اوس خشک سالی میں پانی کا بھی
قحط ہوگیا۔ پانی کہیں نہیں ملتا تھا اور جہاں کہیں تھوڑا سا پانی ہوتا تھا تو اونٹنی اپنی خلقی طبیعت سے جو خدا نے
اونٹ میں پیدا کی ہے۔ پانی کو تلاش کر لیتی تھی اور پی لیتی تھی۔ یا خراب کر دیتی تھی اور لوگ اوسکو روک نہ سکتے
تھے۔ حضرت صالح نے کہا کہ ایک دن اونٹنی کو پانی پینے دیا کرو اور اوس سے کوئی مزاحم نہ ہو۔ دوسرے دن تم لوگ
پانی پی لیا کرو۔ اور اونٹنی کو وہاں نہ جانے دیا کرو۔ قرآن مجید سے معلوم ہوا کہ عرصہ کے بعد مختلف فرقے کے سرداروں نے
جو اوس زمانہ کے کافروں کے فرقے تھے۔ حضرت صالح کے مار ڈالنے کا منصوبہ کیا۔ مگر جب وہ اپنے منصوبہ پر کامیاب نہ
ہوئے تو اونہوں نے غصہ میں آکر اوس اونٹنی کو مار ڈالا۔ اوسوقت حضرت صالح نے اون سے کہا کہ تین دن تک تم چین کرلو۔
بعد اوسکے تم ہلاک ہوگے۔ خدا نے تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ جب ہمارے حکم کی تعمیل ہونے کو ہوئی تو ہم نے صالح اور
اون لوگوں کو جو اونپر ایمان لائے تھے۔ اپنے رحم و مہربانی کے تقاضہ سے۔ اوس روز کی ذلت سے بچا لیا۔ آفت جو اونپر آئی
تھی وہ یہ تھی کہ آسمان سے ایک خوفناک آواز آئی۔ جو غالباً رعد اور زلزلوں کی اور اوس قسم کی آفت ارضی اور سماوی کی آواز
تھی۔ صبح کو وہ لوگ اپنے مکانوں میں مردہ اور سرنگوں پڑے ہوئے پائے گئے۔ گویا اون مکانوں میں رہتے ہی نہیں تھے۔
پھر کچھ آگے چلکر سید صاحب لکھتے ہیں۔ مفسرین اور مورخین کا بیان ہے کہ کفار نے حضرت صالح سے اون کی رسالت کے
ثبوت میں اس معجزے کی درخواست کی تھی کہ اگر اس پہاڑی میں سے ایک اونٹنی پیدا ہو اور بجرد پیدا ہونے کے ایک سرخ بالوں
والا بچہ جنے اور وہ بچہ اوسی وقت ہمارے سامنے بڑی اونٹنی کے برابر ہوکر چرتا پھرے اور ہم اوس اونٹنی کا دودھ پئیں تب ہم ایمان
لائیں گے۔ یہ روایت محض ساختہ اور مصنوعی ہے۔ اس روایت کے موضوع کہنے سے اسوقت ہمارا یہ منشا نہیں ہے کہ ہم امکان

فراغت و اطمینان سے زمین پر چرنے دو۔ چشموں کا پانی آزادی سے پینے دو۔ اور کمی آب کی وجہ سے اگر اسکا روزانہ پانی پینا تمہیں گوارا نہیں ہے تو یہ انتظام کر لو کہ ایک دن چشمے سے یہ پانی پیئے اور ایک دن تم پیا کرو۔ اس معقول اور منصفانہ انتظام کے بعد بھی اگر اوس اونٹنی کو کوئی آزار پہونچایا گیا تو پھر عذاب الہی کو آیا ہی سمجھ لو۔

بقیہ عبارت حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ معجزے سے انکار کریں اور اسپر بحث شروع کریں۔ بلکہ ہم اس وقت صرف سادی طرح اس روایت کو اسلئے موضوع کہتے ہیں کہ اس کی صحت پر کوئی سند نہیں ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو ایسے عجیب واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں ضرور ہوتا یا کسی مستند حدیث سے اوسکا ثبوت پایا جاتا۔

چونکہ سید صاحب نے آخر میں سنبھلکر وقوع معجزات کے امکان سے انکار نہیں کیا ہے اس لئے ہمکو بھی زیادہ بحث کی ضرورت نہیں رہی۔ مگر اون کا یہ فرمانا کہ اس کی صحت اس لئے نہیں مانی جاتی کہ قرآن و حدیث سے اس کی سند نہیں ملتی۔ قابل اعتبار نہیں۔ اسلئے قرآن مجید میں اس اونٹنی کی نسبت صاف لفظوں میں بتلا دیا گیا ہے۔ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً (یہ اونٹنی خدا کی تمہارے لئے نشانی ہے) (قالوا) فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ۔ کافروں نے کہا اگر تم سچے ہو تو کوئی نشانی (معجزہ) لاؤ۔ صالح نے کہا یہی اونٹنی ہے۔ اس عبارت قرانی اور الفاظ الہی سے تو کافروں کا طلب معجزہ اور طلب معجزہ پر اونٹنی کا نمودار ہونا صاف صاف ثابت ہے۔ جو آپ کی موضوعی بتلائی ہوئی روایت میں منقول ہے۔ پھر جب اوس کی تطبیق قرآن سے ہوتی ہے تو اوس سے انکار کیا اور اوس کے غیر سند ہونے کا اظہار کیا معنی۔ باقی رہا کہ پہاڑ کے جوف سے پیدا ہوئی۔ بچہ لئے ہوئے پیدا ہوئی۔ بچہ سرخ بالوں والا تھا بچہ اوسی وقت بڑا اونٹ تھا وغیرہ وغیرہ ایک ہی استبعاد کے قابل نہیں۔ جب معجزے کے امکان کا پہلے اقرار ہو چکا اصول الہیات کی پہلی چیز ہے معرفت۔ جب انسان خدا کی ایسی مستبعد وجود ہستی کا قایل ہو چکا اور اسکی ذات میں اتنے مستبعدات عقلی اور محالات عادی اور ناممکنات فطری کو تسلیم کر چکا کہ وہ سامع ہے مگر اوسکے کان نہیں اور کانوں سے سُننے کی اوسے ضرورت بھی نہیں۔ ناظر ہے۔ مگر آنکھیں نہیں اور نہ آنکھوں سے دیکھنے کا وہ محتاج ہے وغیرہ وغیرہ تو گویا وہ اسکے تمام صفات جبروت کے کامل ادراک سے سراپا عاجز ہو چکا ہے جبھی تو اسکے مقابلہ میں اتنے ناممکنات کو اکیلا تسلیم ہی نہیں کرتا بلکہ بدیہیات۔ یقینیات اور مشاہدات عینی جانتا ہے۔ تو پھر ایسی حالت میں یہ اگر آدم مٹی سے پیدا کیا گیا۔ فرشتہ اور جن نور اور نار کی تنہا ترکیب عنصری سے مخلوق کئے گئے۔ اور ان کی ترکیب خلقت کے تسلیم کر لینے میں کوئی عذر نہیں کیا گیا تو پہاڑ یا پتھر سے اونٹ۔ اونٹنی یا اونٹنی کا بچہ پیدا ہو جانے سے کیا تعجب کیا جاتا ہے حالانکہ اس سے زیادہ مستبعد باتوں کی نسبت جنہیں بطور مقبولہ و مسلمہ خود تحریر فرمایا گیا ہے۔ کوئی تعریض نہیں فرمائی

قوم ثمود میں دو قسم کے لوگ تھے۔ مومن اور غیر مومن۔ مومنین کی جماعت نے۔ جو تعداد میں کافرین سے بہت کم تھی۔ حضرت صالح کے ارشاد کی تصدیق کی اور تعمیل۔ مگر کثیر الافراد گروہ کافرین نے سختی سے پھر انکار کیا اور اون میں نو آدمیوں کی شقیق القلب اور بے رحم جماعت نے یہ صلاح ٹھیرائی کہ حضرت صالح اور اون کے متبعین پر شبخون مار کر خدا پرستوں کا خاتمہ کر دیں۔ اونھوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر مار ڈالا۔ خدا نے اپنے پیغمبر اور اوس کے متبعین کو کافروں کی ایذا رسانیوں سے بال بال بچا لیا۔ اور اوس کفر شعار قوم پر اپنے عذاب دردناک کو زلزلہ کی صورت میں اس شدت کے ساتھ نازل فرمایا کہ قوم ثمود میں سوائے متبعین صالحؑ کے اور کسی کا وجود ہی باقی نہیں رہا۔ یہ واقعہ تقریباً ۲۱۰۷ء دنیوی اور ۱۷۹۷ء ق م کے اوس زمانہ میں واقع ہوا جس زمانہ میں شہر سدوم۔ گمارہ۔ اوماب اور زمائن آسمانی آگ سے جلا دئے گئے تھے۔

بقیہ عبارت حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ گئی مثل اسکے کہ ایک کڑک کی آواز اور زلزلہ کے آثار رہے۔ قوم کی قوم۔ قصبہ کے قصبہ کا فنا ہو جانا بتلایا جاتا ہے اور اس کو عذاب الہی کی حقیقی صورت کہی جاتی ہے۔ مگر ہیئت و طبیعات کے موجودہ اصول کے مطابق عذاب الہی کے عوض کوہ آتش فشاں کا مادی انشقاق یا عرب کے باد سموم کے معمولی اثر کیوں نہیں ارشاد فرمائے جاتے۔ عرب کا ملک ہی ہے۔ باد سموم کا چلنا ضرور۔ پہاڑ موجود ہی ہیں اون کے اندر تو دھماکا تا بنے ہیں۔ پھر اتنے ممکنات عقلی اور عادی کے ہوتے ہوئے غضب الہی کے ایسے غیر مشاہدات کو قبول کر لینا موجودہ زمانہ کے عقلا و محققین کی شان کے خلاف ہے۔ مگر ہم اسکے اقرار و تسلیم کی مجبوریوں کو بھی جانتے ہیں جو سید صاحب مرحوم کو لاحق ہوئیں۔ وہ اس کی قرآن میں موجودگی اور ذکر ہے تو ہم عرض کریں گے کہ اونٹنی کا معجزہ ہونا بھی تو قرآن میں قلمبند ہے جس کو ہم دو متواتر مقامات سے پہلے دکھلا آئے ہیں۔ پھر مزید احتیاط و یاددہانی کی نظر سے تیسری آیت سے جو پہلی آیتوں سے بھی زیادہ روشن اور واضح ہے دکھلائے دیتے ہیں وہ آیہ یہ ہے مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ ہمیں نے اون کے لئے اونٹنی کو معیار آزمائش بنا کر نازل کیا۔ خطاب تاکیدی کے ساتھ نزول ناقہ صالح کا باعث خدا تعالیٰ اپنی ذات خاص کو بتلاتا ہے۔ اور اوس کی آفرینش کو اون کی آزمائش کی غرض خاص سے مخصوص فرماتا ہے تو اب بھی کیا ناقہ صالح کا بذریعہ معجزہ و بطلب معجزہ و بغرض امتحان کافرین پیدا ہونا۔ جیسا کہ الفاظ قرانی سے ثابت ہے اور دوسری پرانی کتابوں کی روایتوں میں بھی موجود ہے کیسے بلا سند کہا جائیگا۔ باقی رہی صورت آفرینش ناقہ۔ چونکہ اون الفاظ کیساتھ داخل قرآن نہیں۔ جن لفظوں یا حالتوں کے ساتھ روایتوں میں ہے۔ تو یہ بھی اوس کی تغلیط و تکذیب کے لئے کافی نہیں کیونکہ قرآن مجید حقیقتاً نہ تذکرہ کی کتاب ہے اور نہ سیرت کی۔ جس میں اخبار قدیمہ کے مفصل حالات سیرت و تاریخ کے اصول کے مطابق تلاش

قرآن مجید کی خاص خصوصیات میں ان امور پر ضرور خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ کتب سابقہ کا جس طرح مصدق ہے اوسی طرح اون کے نظر انداز واقعات کی کمی کا پورا کرنے والا اور متمم بھی ہے۔ اور یہی جناب خاتم الانبیاء کی ختم رسالت ہونے کی قوی دلیل ہے۔ اس غرض سے قرآن مجید نے قوم ثمود کے حالات اور جناب صالح کے ارشاد و ہدایات کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کہ اوس سے پہلے کی کتب مقدسہ اسکے ذکر سے بالکل خالی تھیں۔

مفصلہ ذیل اقتباسات قرآنی میں مذکورۂ بالا حالات ملاحظہ ہوں۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

ثمود کے پاس ہم نے اون کے بھائی (ہمقوم) صالح کو پیغمبر بناکر بھیجا۔ اوس نے کہاکہ بھائیو خدا کو پوجو۔ اوس کے سوا تمہارا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے تمہارے پاس خدا کی دلیل آچکی یہ اونٹنی تمہارے لئے خدا کی نشانی ہے اسکو خدا کی زمین میں چرنے دو۔ اس کو دق نہ کرو ورنہ ایک دردناک عذاب تمپر آئے گا۔

حضرت صالح نعمات الہی یاد دلاکر قوم کی موعظت فرماتے ہیں:-

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ

اور یاد کرو خدا کے اس احسان کو کہ اوس نے عاد کے بعد تم کو خلافت وحکومت بخشی اور ملک میں تمکو جگہ عنایت کی جس کے میدانوں میں تم محل تیار کراتے ہو اور پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بناتے ہو۔ خدا کی عنایتوں کو یاد کرو اور ملک میں فساد نہ کرتے پھرو۔

بقیہ عبارت حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ سکتے جاتیں۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ امم سابقہ کے ایسے حالات پہلے تو عبرت وتنبیہ کی غرض سے ضمناً اور مختصراً بیان ہوئے ہیں۔ دوم کتب قدیمہ کی سکوت کی وجہ خاص ہے۔ کیونکہ اون کی خموشی کو قرآن مجید نے فروگذاشت قرار دے کر اون کی کمی کو پورا اور اون کے نقص کو کامل کردیا ہے ورنہ آج ان برگزیدوں کے محاسن خدمات اور تبلیغ رسالت کے واقعات صفحہ ہستی سے فنا ہو جاتے۔ دنیا کے محققین اور شائقین اخبار و آثار کی گردنوں پر قرآن کا یہ ایسا عظیم ترین احسان ہے کہ وہ ابتک احسان مندی کے سر اوٹھا نہیں سکتے۔ ایسی حالت میں قرآن مجید کو سیر و مذاکرہ کا تفصیلی دفتر خیال کرنا اوس کی عظمت کا استخفاف کرنا ہے۔ نعوذ باللہ۔ المولف عفی عنہ

مومنین صالح کے ساتھ کافرین قوم کے مکالمات:-

قال الملأ الذين استكبروا من قومه للذين استضعفوا لمن آمن منهم أتعلمون أن صالحا مرسل من ربه قالوا إنا بما أرسل به مؤمنون

قوم کے مغرور سرداروں نے۔ ان کمزوروں سے جو اونکی قوم میں مومن تھے پوچھا کہ تم سچ مچ یقین رکھتے ہو کہ صالح اپنے خدا کیطرف سے پیغمبر ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ بیشک صالح جو پیغام لیکر بھیجا گیا ہی اوسپر ہمارا ایمان ہے۔

اوس ناشنوا قوم کی سنگدلی اور بیرحمی نے یہ نتیجہ پیدا کیا۔

قال الذين استكبروا إنا بالذي آمنتم به كافرون فعقروا الناقة وعتوا عن أمر ربهم وقالوا يا صالح ائتنا بما تعدنا إن كنت من المرسلين فأخذتهم الرجفة فأصبحوا في دارهم جاثمين فتولى عنهم وقال يا قوم لقد أبلغتكم رسالة ربي ونصحت لكم ولكن لا تحبون الناصحين

(اعراف)

مغروروں نے کہا کہ تم جس پر ایمان لائے ہو ہمکو اوس سے انکار ہے۔ اسکے بعد اونہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور خدا کے حکم کی نافرمانی کی اور صالح سے (تعریضاً) کہا کہ اے صالح اگر تم واقعی پیغمبر ہو۔ تو جس عذاب آنیکا تم ہمسے وعدہ کرتے ہو وہ لے آو۔ پس زلزلے نے آکر اونکو پکڑ لیا۔ اور وہ اپنی جگہ پر اوندھے رہ گئے۔ صالح نے اون کی جانب سے منھ پھیرا اور کہا بھائیو۔ میں اپنے خدا کی رسالت یقیناً تم کو پہونچا چکا اور تمہاری خیرخواہی کرچکا لیکن تم اپنے خیرخواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے۔

رسالت صالحؑ اور اون کی نرم موعظت اور صاف اور سیدھے طریقۂ ہدایت۔ ناشنوا قوم اور جاہل و غافل امت کی شامت اور تباہی و بربادی کی اخیر نوبت اجمالی طور پر یوں بیان فرمائی گئی ہے۔

كذبت ثمود المرسلين إذ قال لهم أخوهم صالح ألا تتقون إني لكم رسول أمين فاتقوا الله وأطيعون وما أسألكم من أجر إن أجري إلا على رب العالمين أتتركون في ما ههنا آمنين في جنات وعيون وزروع ونخل طلعها هضيم وتنحتون من الجبال بيوتا فارهين فاتقوا الله وأطيعون ولا تطيعوا أمر المسرفين الذين يفسدون في الأرض

ثمود نے پیغمبروں کی تکذیب کی۔ جب اونکے بھائی صالح نے کہا کہ کیا تم پرہیزگار نہیں بنتے۔ میں تمہارا رسول امین ہوں۔ خدا سے ڈرو میری بات مانو اور میں تم سے اسکا کوئی معاوضہ بھی نہیں چاہتا میرا معاوضہ پروردگار عالم پر ہے۔ کیا جو نعمت تم کو یہاں حاصل ہے اسی میں تم باطمینان تمام چھوڑ دئے جاؤ گے۔ ان باغوں۔ کھیتوں۔ اور چشموں میں اور ان چھواروں کے درختوں میں جن کے خوشے ہیں۔ اور پہاڑوں کو کاٹ کر تم بڑی بڑی عمارتیں بنائے ہوئے ہیں

وَلَا يُصْلِحُونَ. قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ مَا أَنتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَأْتِ بِآيَةٍ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ قَالَ هَٰذِهِ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ

(الشعراء ع)

خدا سے ڈرو اور میری بات مانو اور سنو۔ اور اون کی نہ سنو جو حد سے گذر چکے ہیں۔ جو ملک میں فساد پھیلاتے ہیں صلح نہیں۔ انہوں (کافروں) نے کہا کہ تم پر جادو کر دیا گیا ہے تم تو ہماری ہی طرح ایک آدمی ہو۔ کوئی نشانی لاؤ۔ اگر سچے ہو۔ اوس نے کہا یہ اونٹنی ہے۔ اسکے لئے پینا ہے اور تمہارے لئے ایک مقرر دن کا پینا اسکو چھیڑو نہیں۔ ورنہ ایک بڑا عذاب تم پر آئیگا۔ اونہوں نے اوسکی کونچ کاٹ ڈالی پھر نادم ہوئے۔ پس عذاب نے اونکو آلیا۔ یقیناً اس میں عبرت کی نشانی ہے۔ اور انمیں سے اکثر مومن نہ تھے اور خدا تو غالب اور رحم والا ہے۔

حضرت صالح اور اُنکے متبعین مومنین کے قتل کرنے کی مشورت:۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ قَالَ يَا قَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَن مَّعَكَ قَالَ طَائِرُكُمْ عِندَ اللَّهِ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ وَأَنجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ۔ (نمل)

اور البتہ ہم نے بھیجا ثمود کے پاس اُنکے بھائی صالح کو کہ خدا کو پوجو۔ ناگہاں وہ دو فریق ہو کر جھگڑنے لگے۔ صالح نے کہا کہ بھائیو نیکی سے پہلے برائی اور وہ بھی بہت جلد کیوں چاہتے ہو کیوں خدا سے مغفرت نہیں چاہتے۔ شاید تم پر رحم کیا جاے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے تجھے اور تمہارے ساتھیوں سے شگون لیا اوس نے (صالح نے) کہا کہ تمہارا شگون خدا کے پاس ہے۔ بلکہ تم لوگ آزمائش میں ڈالے جاؤگے۔ شہر میں نو آدمی تھے۔ جو ملک میں فساد پھیلاتے تھے صلح نہیں۔ انہوں نے کہا آؤ۔ باہم خدا کی قسم کہائیں کہ ہم صالح اور صالح کے خاندان پر شبخون ماریں۔ پھر اُسکے وارث سے کہدینگے کہ اُسکے خاندان کے قتل میں تو ہم شریک بھی نہ تھے۔

انہوں نے مخفی تدبیر کی۔ خدا نے بھی مخفی تدبیر کی۔ اور انہیں خبر نہیں پس دیکھو اُنکی مخفی تدبیروں کا کیا انجام ہوا۔ ہم نے اُنکو اور اُنکی قوم سب کو برباد کر دیا یہ ہیں اُنکے گھر اور مسکن جو اونکی گنہگاری کے باعث ویران پڑے ہیں۔ اسمیں جاننے والوں کیلئے بڑی عبرت ہے اور ایمان والوں کو ہم نے نجات دی کہ پرہیزگار تھے۔

قوم ثمود کی ضلالت شعاری پر عبرت و تنبیہ فرمائی جاتی ہے اور پیغمبر کے حق میں ان کی دریدہ دہنی کہلائی جاتی ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ أَؤُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِن بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ إِنَّا مُرْسِلُو النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ (قمر)

ثمود نے ہماری تنبیہوں کو جھٹلایا اور بولے کہ ہم میں سے ایک آدمی ہو اوسکا ہم پیروی کرنے جائیں! اوسوقت ہم گمراہ اور مجنوں ہونگے۔ کیا ہم لوگوں میں سے وحی اسی پر چنا کر آئی ہے۔ نہیں وہ جھوٹا اور مغرور ہے۔ ہم اونٹنی کو انکے لئے امتحان بنا کر بھیجتے ہیں۔ اے پیغمبر تو بھی تاک میں رہ۔ اور انہیں خبردار کر دے کہ پانی ان میں بانٹ دیا گیا ہے۔ ہر ایک کا پانی الگ موجود ہے۔ انہوں نے اپنے ساتھی کو بلایا۔ اُسنے پکڑا اور کونچ کو کاٹا پھر میرا عذاب اور میری دھمکی کیسی تھی ہم نے انپر ایک چیخ بھیجی جس کے اثر سے وہ پامال بھُس کیطرح ہو کر رہ گئے۔

جناب ہودؑ کے ذکر میں بیان ہو چکا ہے کہ کافروں کی سیہ بخت قوم اپنے پیغمبرؑ کے بار بار سمجھانے اور دلائل حقہ کے جھٹلانے سے عاجز آجاتی تھی تو استحقاق قرابت۔ ہمقومی اور ہموطنی پیش کر کے اوس حجت الٰہی کو تبلیغ رسالت سے باز رکھنے کی کوشش کرتی تھی۔ اسوقت ان کی شان ملتجیانہ اور عاجزانہ ہوتی ہے۔ نہ مغرورانہ نہ سرکشانہ۔ جناب صالح کے ساتھ بھی ایسے ہی معاملات پیش آئے۔ مفصلہ ذیل الفاظ قرآنی سے ہمارے بیانات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ

ثمود کے پاس ہم نے انکے بھائی صالح کو بھیجا اُس نے کہا کہ بھائیو! خدا کو پوجو اُسکے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے اُسی نے تمکو زمین سے پیدا کیا اور زمین ہی پر تمکو آباد کیا۔ اُس اپنے گناہوں کی مغفرت مانگو۔ پھر اُسکی طرف رجوع کرو۔ میرا پروردگار (سب کے) قریب ہے اور (سبکا) قبول کرنیوالا ہے۔ انہوں نے کہا۔ صالح۔ ہم کو اس سے پہلے تمہاری ذات سے بڑی توقع تھی۔ تم ہمکو اس چیز سے روکتے ہو جس کو ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے تم جس طرف ہمیں بلاتے ہو اسمیں تو ہمکو بڑا شک ہے۔

وہ خدا کا برحق پیغمبر کس متانت و استقلال سے اونکی گمراہانہ تحریض و تعریض کا جواب دیتا ہے۔ اور عذاب الہی سے بچنے اور توبہ و انابت کر لینے کی غرض سے صرف اون کو تین دن کی مہلت ملنے کا آخر حکم خداوند ہی سناتا ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ (ھود)

صالح نے کہا بھائیو۔ تم سمجھتے ہو۔ اگر خدا کی طرف سے میں بصیرت پر ہوں اور اس نے اپنی رحمت سے مجھکو اوسمیں سے کچھ عنایت کیا ہے تو اگر میں اسکی پیغام رسانی میں اوسکی نافرمانی کروں تو خدا سے بچانے میں میری کون مدد کریگا۔ تم تو صرف میرا نقصان بڑہاؤگے۔ اور ہاں اے بھائیو۔ یہ خدا کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے۔ اسکو زمین پر چرنے دو۔ اور اوسکے ساتھ برائی نکرو۔ ورنہ خدا کا عذاب بہت جلد تمکو آئیگا۔ اونہوں نے (جب) اسکی کونچ کاٹ ڈالی تو صالح نے کہا کہ اب اپنے گھر میں تین دن اور لطف اوٹھالو۔ یہ جھوٹا وعدہ نہیں ہے۔

قوم ثمود کے سیہ بخت کفار اس آخری تنبیہ و تہدید پر بھی باز نہ آئے بالآخر قدرت کو فیصلہ کرنا ہوا۔ کافرین ایک ایک کرکے تباہ کر دئے گئے۔ جناب صالحؑ اور اون کے مؤمنین تابعین بال بال بچا لئے گئے۔ ذیل کے اقتباسات قرآنی سے ان حالات کا انکشاف ہوتا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝ (ھود)

جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے صالح اور جو اوسکے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے اونکو ذلت و خواری سے نجات بخشی۔ بیشک تیرا پروردگار زبردست اور غالب ہے۔ اور گنہگاروں کو چیخ نے آلیا پس اپنے گھر میں سینہ کے بل پڑے رہ گئے۔ گویا کہ کبھی وہ ان گھروں میں آباد ہی نہ تھے۔ ہاں ثمود نے اپنے پروردگار کو نہ مانا ہاں ثمود کے لئے ہلاکت ہو۔

یہی باقیات الصالحات۔ جو حضرت صالح پر ایمان لائے اور اونکے ساتھ تباہی و بربادی سے بالکل محفوظ رہے وہی معمورہ عالم میں ثمود ثانیہ کے تخصیصی اور امتیازی لقب سے مشہور ہوئے۔

ثمود ثانیہ کے تاریخی حالات

تاریخ کے کارناموں میں عاد ثانیہ سے ثمود ثانیہ زیادہ مشہور ہیں۔ یہ اسلئے کہ دیگر اقوام قدیمہ سے وہ قریب تر ہیتے تھے اور زمانہ تہذیب و تمدن سے بہی اونکے زمانہ کو قربت تہی۔ اسی باعث سے انکا ذکر اسیریا (شام) اور روم کے اخبار و آثار دونوں میں پایا جاتا ہے۔

روم کی تاریخ میں، ردی مسیح سے کچھ یوں ہی پہلے عرب ریگستان پر جو مقام ثمود سے متصل ہے اور اوس وقت انباط اور ادوم اون اطراف کے ممتاز قبائل تھے۔ قابض تھے۔ (Bevin P 173)

سرجون یا سٹرغون ثانی نے فتح عرب کا جو کتبہ اپنی یادگار چھوڑا ہے اور جس کو اس تاجدار شام نے اپنی فتحمندی اور قوت سلطنت کا معیار قائم کیا ہے۔ اوس میں محض مفاخرت کے اظہار سے قوم مفتوح کا بھی نام لکھا ہے۔ اسی فہرست اقوام مغلوبہ میں۔ ثمود کا نام بہی مندرج ہے Forester vol II. P 125

روم و یونان کے مورخین میں ڈائڈورس (Dydorious) (سنہ ق م) پلینی PLANY (سنہ ۷۹ء) اور بطلیموس (Plotomy) (سنہ ۱۴۰ء) نے ثمود کا ذکر کیا ہے۔ ڈائڈرس نے ثمود کا تلفظ تھموڈینی THAMUDANI کیا ہے۔ اور بطلیموس نے تھموڈائٹ Thamudite کیا ہے۔ اور ابھی تک تمام یوروپین زبانوں میں اسی تلفظ کے ساتھ لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ ان غیر قومی مورخین نے جو مساکن اور مواطن ثمود ثانیہ کے اپنی کتابوں میں بتلائے ہیں وہ بالکل وہی ہیں جو عرب کے قدیم مورخین نے اپنی ملکی روایات کے اسناد سے لکھے ہیں۔

ایک دوسرا یونانی مورخ اور دینوس Urdnus ثمود کے ذکر میں لکھتا ہے۔

رومیوں نے جب عرب شمالی پر قبضہ کیا تو ثمود رومیوں کی فوج معاون میں داخل ہو گئے تھے قیصر جسٹینین Justinian کے عہد میں (سنہ ۵۴۷ سنہ ۵۶۵) ثمود بہی رومی افواج میں شامل تھے ان کے لمبے نیزے اور سواری کے اونٹ مشہور تھے۔ Gibbons vol I

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ثمود کے ملک کا اکثر حصہ چونکہ اہل مدین نے پہلے دبا لیا تھا اور باقی حصہ پر بعد کو انباط قابض ہو گئے تھے۔ اور رومی انباط کے خلاف عرب پر فوج کشی ارادہ رکھتے تھے اور اس ارادہ کو اونہوں نے پورا ہی کیا اس تقریب سے عجب نہیں کہ انباط کی مخالفت میں ثمود نے رومیوں کا ساتھ دیا ہو۔

تاہم تعجب ہوگا کہ ثمود کا ذکر توراۃ میں نہیں۔ لیکن توراۃ کی تحریر سنین جاننے کے بعد یہ تعجب رفع

ہو جائیگا۔ توراۃ کی تاریخ بدرعالم سے حضرت یعقوب (بنو ابراہیم) تک محدود ہے اس کے بعد ہجرت مصر کا واقعہ ہے۔ جو تقریباً ۱۲۰۰ ق م میں واقع ہوا ہوگا۔ اس زمانہ سے تا عہد موسیٰ جو تقریباً ۴۰۰ برس کا زمانہ ہے۔ جو توراۃ کی کامل خاموشی کا زمانہ ہے اور از روئے تاریخ ثمود کے عروج و زوال کا بھی زمانہ ہے۔ اسکے بعد توراۃ میں صرف ان غیر اقوام کا ذکر ہے جن سے بنی اسرائیل کے سیاسی تعلقات تھے۔ اور یہ رتبہ ثمود کی جگہ اب مدین کو حاصل تھا۔ جو ثمود اولیٰ کے جانشین تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۹۰۰ یا ۱۰۰۰ ق م میں اہل مدین جب بنی اسرائیل کے ہاتھ سے کلیتہً برباد ہو گئے۔ تو ثمود ثانیہ نے پھر ایک سنبھالا لیا اور یہ وہی زمانہ ہے جس میں شاہ اشور (اسیریا) نے شمالی عرب پر حملہ کر کے ثمود سے ۷۰۰ ق م میں خراج وصول کیا تھا۔ اس کے بعد ظہور مسیح سے پہلے انباط نے ثمود کو فتح کر لیا۔ اسکے بعد جب رومیوں نے انباط پر حملہ کیا تو ثمود دشمنوں کے ساتھ ہو گئے۔ اور اسی خصوصیت سے تاریخ میں ثمود کا ذکر آیا۔

اسلام جب آیا تو ثمود کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ یہاں قبائل جہینۃ، عذرہ اور یہود اوس وقت آباد تھے[1] عجب کیا کہ انباط نے خیانت وطنی کی سزا میں اونکو برباد کر دیا ہو۔

طسم و جدیس عرب کے دو مشہور قدیم قبائل

یہ دونوں قبائل یمامہ میں رہتے تھے یہ کلبی کی روایت ہے اور زیادہ مشہور ہے۔ مورخ ابن خلدون نے انکو بحرین میں جگہ دی ہے صحیح یہ ہے کہ خلیج فارس پر یمامہ، بحرین، اور عمان کے نام سے جو شہر آباد ہیں یا طسم و جدیس کی آبادی ان سب پر مشتمل تھی حقیقتاً قوم عاد کے یہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تھے سیاسی قوت اولاً طسم کے ہاتھ میں تھی۔ ایک زمانہ کے بعد عملوق نام ایک ظالم بادشاہ تخت نشین ہوا جس نے اپنے شرمناک قواعد سے۔ قبائل جدیس کو برہم کر دیا۔ بالآخر جدیس کی ایک خاتون عروس نے قبیلہ کو غیرت دلائی۔ یہ غیرت آگ بنکر اوٹھی طسم نے شاہ یمن سے مدد مانگی۔ اوس نے جدیس کو شکست دیدی آخر قبائل کی باہمی نا اتفاقی نے ملک حمیریوں کے سپرد کر دیا۔ ابو الفدا، طبری اور ابن ہشام و اغانی وغیرہم یونانیوں نے قبائل عرب میں سے ایک کا نام جولسٹی (JOLISTAI) لکھا ہے شاید

[1] معجم البلدان یاقوت۔ لفظ وادی القریٰ۔

اوس سے جدیس مراد ہو۔ طسم کا نام ہلاکت و بربادی کی عبرت کے لئے اس قدر مشہور ہوگیا ہے کہ عربی زبان میں طسم کے معنی "ہلاکت و بربادی" ہوگئے ہیں۔ عرب جاہلیت کا ایک شاعر سلمی ابن ربیعہ کہتا ہے:

اھلکن طسما و بعدہ غذی بھم وذا جدون واھل جاش و مارب و حی لقمان والتقون

ترجمہ۔ حوادث زمانہ نے طسم کو، اور اوسکے بعد ذاجدون شاہ یمن کو۔ اور اہل جاش اور اہل مارب کو اور قبیلہ لقمان کو .... ہلاک کیا۔۔

اس ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ طسم کا زمانہ سبا (اہل مارب) اور عاد ثانیہ (قبیلہ لقمان) سے متقدم تھا۔ تعجب ہے کہ اس تفصیل مدت اور تعین زمانہ کے بعد بھی مورخین عرب نے اوس بادشاہ یمن کا زمانہ قایم کرنے میں غلطی کی ہے جو جدیس کے خلاف میں طسم کی امداد کے لئے آیا تھا۔ مورخین عرب نے اس شاہ یمن کا نام تبع حسان یا حسان (باختلاف روایت) لکھا ہے۔ اور یہ یقیناً غلط ہے۔ ایکطرف یہی ارباب روایت ان قبایل کو اتنا قدیم ٹھہراتے ہیں کہ ان کو ارم کی صرف بدو واسطہ اولاد قرار دیتے ہیں، یعنی تین یا چار ہزار ق م۔ انکا زمانہ بتلاتے ہیں اور یا اسقدر پیچھے کرتے ہیں کہ تبابعہ یمن کا معاصر قرار دیتے ہیں جس کا زمانہ ۱۱۵ ق م سے اوپر نہیں جاتا۔ غالباً تبع یمن سے عام شاہ یمن مراد ہے۔

یمامہ کا قدیم نام جو ہے۔ لیکن زیادہ تر اپنے قصبہ حکومت کے نام سے مشہور ہے جس کا نام "قریہ" اور "حجر" ہے قریہ اور حجر لفظ دو ہیں لیکن معنی ایک ہیں۔ ابن اسحاق ہمدانی یمنی، جو عرب کی قدیم زبانوں سے واقف تھا۔ کہتا ہے کہ ان دونوں لفظوں کے معنی آبادی کے ہیں۔ قدیم عربی میں حجر لفظ تھا۔ بعد کی عربی زبان میں اس کے لئے قریہ کا لفظ استعمال ہوا جو حجر کا بعینہ ترجمہ ہے۔

یمامہ میں آثار قدیمہ کے نشان جغرافیہ نویسان اسلام کے عہد تک باقی تھے۔ اور اونھوں نے خود اون کو مشاہدہ کیا تھا۔ نجران اور بحرین کے درمیان ایک پہاڑ ہی ہے۔ اسپر مشقر نام ایک قلعہ ہے جو طسم کی طرف منسوب ہے۔ ایک اور عمارت ایک ٹیلہ پر واقع ہے جس کا نام معنق۔ وہ بھی طسم ہی کی یادگار ہے۔ شموس بھی اسی قسم کی ایک عمارت ہے قریہ (؟) سدوس۔ یمامہ میں ایک مقام ہے۔ یہاں اوپر سے نیچے تک تراش کر پتھر کی ایک پوری عمارت بنائی گئی ہے۔ ایک اور عمارت شیل حجر کے نام سے ہے اس عمارت کا حصہ زیرین مربع الشکل ہے۔ اور بلند ہی۔ ... کے قریب ہے جسکا نام ایک اور قلعہ یہاں بنا ہے۔ قدیم کی یادگار ہے۔ ان تمام عمارات و مقام کے نام معجم البلدان یاقوت میں موجود ہیں۔ خدا جانے ان آثار کا اب کسقدر حصہ باقی ہے۔ تاہم اگر یہ کل یا ان میں سے بعض بھی طسم و جدیس کے مصنوعات ہوں تو ان قبایل کی عظمت و تمدن

کے دلائل نہایت واضح ہیں۔[2]

ان مقامات پر یونانیوں یا رومیوں نے کبھی حملہ نہیں کیا۔ سکندر کے بعد جب عراق میں سلوقی (سلوکس) خاندان قائم ہوا تو اوس نے صرف ایک بار ۳۱۲ ق م میں اہل قریہ پر تھوڑی سی فوج کے ساتھ حملہ کی جرأت کی تھی۔ قبائل قدیمہ یامہ و جدیس کی بربادی کے بعد ایک مدت تک یہاں ویرانی رہی۔ تا آنکہ اسماعیلی اور قحطانی عربوں نے ادھر رُخ کیا۔ ربیعہ اسماعیلی کی ایک شاخ عنزہ ابن اسد اور کہلان قحطانی کی بعض اولاد نے بحرین پر اور بنو حنیفہ نے یمامہ پر قبضہ کیا۔ اسلام آیا۔ تو بحرین فارس کے قبضہ میں تھا۔ اور اون کی طرف سے ایک عرب خاندان نائب حکومت تھا اور یمامہ بدستور بنو حنیفہ کے قبضہ میں تھا۔ اول نے برغبت دعوت اسلام قبول کی۔ اور ثانی خلافت اولیٰ کے زمانہ میں ایک جنگ عظیم کے بعد مطیع ہوا۔ ارض القرآن۔ ذکر طسم وجدیس ج ا ص ۲۰۴

عرب البائدہ اور اون کے مختلف اور مشہور ترین قبائل و شعائر کے تمام و کمال حالات بیان کر کے ناظرین کے مزید اطمینان کے لئے ہم اون کے سلسلہ کا شجرہ نسب ذیل میں تیار کئے دیتے ہیں جن سے اون کے اصل و فرع قبائل و اقوام آسانی سے معلوم ہو جائے گی۔

نوح علیہ السلام

- سام
  - عیلام
    - جرہم الاولی[1]
  - لود
    - طسم
    - عملیق
    - امیم
  - ارم
    - عوص
      - عاد اولیٰ
        - خلود
          - عبداللہ
            - ہود علیہ السلام
    - حول
    - کثر
      - معرب جاثر
        - ثمود
          - (عاد ثانی)
            - جادر
              - عبید
                - ماشیخ (عند ابن سعد کماشیخ)
                  - اسف
                    - عبید
                      - صالح علیہ السلام
        - جدیس
    - یشا
- حام
  - کوش
    - سبا
    - حویلا
    - سبتاہ
    - رعماہ
      - شبا
    - سبتکاہ
      - ودان

(کمافی طبقات ابن سعد)

[1] جرہم اولی - جرہم کی قومیت کیا تھی اور کس سلسلۂ نسب سے اس کو تعلق تھا - بعض ارباب تاریخ کی رائے معلوم ہوتی ہے کہ وہ

[2] صاحب ارض القرآن کی طسم وجدیس کے حالات میں تحقیق بہت ہی بیش قیمت اور قابل منت گزاری ہے ورنہ آپ کے استاد شمس العلما نعمانی نے تو ان اقوام و قبائل کے حالات کو سیرۃ النبی میں بالکل چھوڑ دیا ہے۔ کاش آپ ہی سے دریافت فرما لیجئے!

عرب العاربہ (عرب متوطن)

عرب العاربہ یا عرب متوطن۔ یقطان ابن عابر بن سالح بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اسلئے یہ صحیح ہے کہ عرب العاربہ بھی عرب البائدہ سے علیحدہ اور غیر قوم نہیں ہیں۔ بلکہ عرب البائدہ کے اوس شجرہ میں جو ابھی ابھی اوپر قلمبند ہوا ہے۔ اوسمیں سام کے تین بیٹے دکھلائے گئے ہیں یعنی لام۔ لود اور آرم اور یہی گویا عرب البائدہ کے مورث اعلیٰ ثابت ہوئے ہیں۔ انہیں تینوں بیٹوں کے ساتھ۔ سام کے چوتھے بیٹے۔ ارفخشد بھی قایم ہوتے ہیں جن سے عرب العاربہ کا نسب نامہ ملتا ہے۔ اس بنا پر عرب البائدہ اور عرب العاربہ اگرچہ فرعاً جدا سمجھے بھی جائیں تو اصلاً ایک ہی ہیں۔

یقطان۔ عبرانی لفظ ہے۔ عرب اسی کو قحطان کہتے ہیں۔ توریت مقدس کے کتب خمسہ میں یہ لفظ یقطان مرقوم ہے اور انجیل میں۔ جو یقطان "جو" کے قلیل اضافہ کے ساتھ۔ محقق۔ ریونڈ مسٹر فارسٹر Rev Hᴿ FORCSTOR نے نہایت مستحکم دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ ان تینوں نام۔ قحطان یقطان اور جو یقطان سے ایک ہی شخص مراد ہے جس کو عرب قحطان کہتے ہیں۔ موسائی یقطان اور عیسائی۔ جو یقطان۔

بعض مورخین کا یہ قول کہ عرب البائدہ اور عرب العاربہ دونوں قحطان کی نسل سے ہیں۔ اوسی طرح صحت سے قطعی ساقط ہے جس طرح سیرت ابن ہشام میں بعض اہل یمن کا یہ دعویٰ کہ بنو قحطان بھی بنی اسمٰعیل میں داخل ہیں۔ مسٹر فارسٹر کے علاوہ یورپ کا مشہور و معروف برک ہروٹ اور سر ولیم میور بھی اس امر پر متفق ہیں کہ قحطان ہی کی اولاد تمام عرب میں پھیلی۔ اس لئے تمام عرب اسی شخص کی اولاد میں داخل ہیں۔ ہمارے نزدیک یقطان کے ساتھ حضرت اسمٰعیل کا نام لینا بھی ضرور ہے۔ ورنہ تحقیق میں نقص رہ جاتا ہے۔ ابن ہشام نے اس مقام پر پورے غور سے کام لیا ہے اور لکھدیا ہے

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ نساً ام سابیہ اولی سے تھا۔ اور بعض اس کو قحطان کی نسل سے بتلاتے ہیں۔ عام مورخین نے دونوں خیالوں کو یکجا کر دیا ہے اور بتلایا ہے کہ جرہم دو تھے۔ جرہم اولی اور جرہم ثانیہ قحطان کا بیٹا اور حضرت اسمٰعیل کا بڑا رشتہ دار تھا۔ جرہم کا دوسرا بھائی یعرب بن قحطان یمن کا مالک تھا اور جرہم بن قحطان کے حصہ میں حجاز کا ملک دیا گیا تھا۔ تاریخ یعقوبی میں ہے قحطان ولہ جرهم بن عابر باسا صار الیهم من بنی قحطان بن عابر الی الیمن اس سے ظاہر ہے کہ جرہم قحطان کا بیٹا نہ تھا بلکہ برابر کا بھائی تھا۔

فالعرب کلھا من قحطان و اسمٰعیلؑ۔ تمام عرب قحطان اور اسماعیلؑ سے ہیں۔

قحطان کی جائے سکونت۔ توریت میں میشا سے لیکر سفار تک بتلائی گئی ہے۔ سفار یا سفار مشرق میں ایک پہاڑی کا نام ہے۔ مسٹر بروکٹ ہروط کی تحقیق میں میشا اور موزہ۔ جو قحطانی قوم سبا کا خلیج عرب کے دہانے کے قریب ایک بندرگاہ ہے۔ ایک ہی مقام ہیں۔ اور سفار سے یمن کا وہ کوہستانی حصہ مراد ہے۔ جہاں جغرافیہ بطلیموس کے شہر سفار اور قوم سفار آباد تھی۔ ان حدود کے اعتبار سے یہ قطعہ زمین رقبہ میں کل ڈیڑھ سو میل ہوتا ہے اس بنا پر فارسٹر صاحب کو تامل ہے کہ ایسے تنگ علاقہ میں قحطان کی کثیر التعداد اولاد کیسے آباد ہوئی ہوگی۔ اس لئے وہ خواہ مخواہ علاقہ نجد میں اور اسکے آس پاس والے اندرونی حصہ میں پھیل گئے ہوں گے۔ یہ حقیقتاً صرف قیاسی استدلال ہے۔ توریت میں اون کے مقام سکونت کا سمت بتلا دیا گیا ہے۔ اون کے موطن و مسکن کی اصلی حد اور خاص رقبہ محدود کر دیا گیا ہے جس میں کسی قیاسی اضافہ کی گنجائش نہیں۔

قحطان کے تیرہ بیٹے تھے۔ اون کے نام یہ ہیں۔ المودا[1]۔ شالف[2]۔ حضرموت[3]۔ یرح[4]۔ ہدورام[5]۔ اوزال[6]۔ رقلاہ[7]۔ عوبال[8]۔ ابیمائیل[9]۔ شبا[10]۔ اوفیر[11]۔ حویلاہ[12] اور یوباب[13]۔ انمیں سے ہر ایک کے حالات اور سکونت کے مقامات علیحدہ علیحدہ ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) المودا۔ اس شخص کا خاندان یمن میں یا عرب المعمور میں اور اوس ضلع میں جو بحرین تک پھیلا گیا ہے۔ آباد ہوا۔ اور اوس المودائی سے مطابقت رکھتا ہے جس کو بطلیموس نے یمن کی درمیانی قوم لکھا ہے۔

(۲) شالف۔ یہ شخص کو ذاس کے مغربی حصہ میں یا اوس وسیع میدان میں جو درمیان کاظم اور مدینہ کے مابین واقع ہے آباد ہوا۔ یہ قوم بطلیموس کی بیان کی ہوئی سالفی قوموں سے مطابقت رکھتی ہے عربوں میں یہ قوم بنی سالف مشہور ہے۔ جو عبرانی نام شالف کی عربی شکل ہے۔

(۳) حضرموت۔ اس قوم نے اپنی سکونت کے لئے زرخیز قطعات زمین کو جو خلیج فارس کے برابر برابر پھیلے ہوئے ہیں اختیار کیا تھا اور وہ آجتک حضرموت اون کے اصلی نام سے یادگار ہیں۔ یہ لوگ رومیوں کے نزدیک اور یونانیوں کی کتابوں میں اپنی وسیع تجارت۔ فن جہاز رانی اور معرکۃ الآرا جرأت و بہادری کے لئے مشہور تھے۔

(۴) یرح۔ (اس شخص کا حال ہم سب سے آخر میں لکھیں گے۔)

(۵) ہدورام۔ اسکی اولاد نے مشرقی حصہ ملک میں جگہ لی اور وہیں آباد ہوئے قبیلہ ہدریہ

اس قوم کی یادگار ہے مورخ ابو الفدا کا بیان ہے کہ صوبہ دار قرامسطاب کی بنا اسی قوم سے ہوئی ہے۔

(۶) اوزال۔ یہ خاندان۔ اوزال میں آباد ہوا۔ جسے اب صنعا کہتے ہیں۔ جو علاقہ یمن کا سب سے زیادہ سرسبز و شاداب علاقہ ہے۔ (کتاب حزقیل باب ۲۷ درس ۱۹)

(۷) دقلاہ۔ یہ قوم بھی یمن میں آباد ہوئی۔ ذوا نخلا عہ جو یمن کی ایک قوم ہے اور جس کا ذکر مسٹر پوکاک (Mr. Pococke) نے بھی کیا ہے۔ اسی کی اولاد میں ہے۔

(۸) عوبال۔ اس کا نشان عرب میں نہیں پایا جاتا۔ مگر فارسٹر صاحب بتلاتے ہیں کہ یہ قوم افریقہ کو چلی گئی۔

(۹) ابیمائیل۔ بہت سے مختلف آثار جو مختلف اشخاص نے اس قوم کی سکونت کے متعلق بتلائے ہیں۔ وہ اسکے شاہد ہیں کہ یہ قوم بنی سالف کے مقام سکونت اور حجاز کے قرب وجوار میں متوطن تھی۔

(۱۰) شبا۔ اگرچہ یہ قبیلہ بھی جنوب کی طرف جا بسا اور یمن میں سکونت پذیر ہوا۔ مگر یہ شبا وہ شبا نہیں ہے جس نے یمن میں خاندان سبا کی سلطنت قائم کی۔ اکثر مورخین عرصہ دراز تک اس غلطی میں پڑے رہے۔ اور دونوں کو ایک ہی سمجھتے رہے۔ وہ دوسرا شبا عرف عبد الشمس تھا جس نے خاندان سبا کی سلطنت قائم کی اور شہر مآرب اور شہر سبا کو بنایا جسکا ذکر آگے آئیگا۔

(۱۱) اوفیر۔ یہ قوم عمان میں جو سبا کے پورب ہے۔ آباد ہوئی۔ چنانچہ شہر اوفر میں ان کے نشانات آجتک پائے جاتے ہیں۔ (توریت کتاب الملوک باب ۹ درس ۲۵)

(۱۲) حویلاہ۔ یہ شخص ٹھیک شمال میں شہر مآرب کے آباد ہوا۔

(۱۳) یوباب۔ یہ بھی مآرب کے جانب روانہ ہوکر اوسی نواح میں آباد ہوا۔ قوم جوبابی۔ جس کا بطلیموس نے ذکر کیا ہے اور جس کو بنی جوبار کہتے ہیں۔ اوسی کی اولاد ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں۔

جرہم کے تحقیقی حالات

جرہم۔ مرقومہ بالا پسران قحطان کے ذکر غیر اسلامی مورخین کے تالیفات سے مستنبط کیے گئے ہیں حقیقت میں عربی مورخین قحطان کے اتنے بیٹوں میں سے۔ صرف دو بیٹوں کا ذکر کرتے ہیں یعرب اور جرہم کا چند مورخین کی رائے ہے کہ یعرب اور یرح سے ایک ہی شخص مراد ہے۔ اگرچہ یہ قاعدہ ہے کہ عربی میں جیم اور ے کا تبادلہ ہوتا ہے۔ مگر تاہم جرہم کے متعلق مورخین کی راؤں میں اختلاف ہے کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ لیکن بالآخر جمہور کا اسپر اتفاق ہوچکا ہے کہ یعرب اور جرہم دو نوں

یرح کے بیٹے تھے۔ یوروپین مورخین۔ جان اسٹرابو (JHON STRABO) اور مسٹر جارج سیل GEORGE SALE مشہور مترجم قرآن بھی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن مورخ ابو الفدا اپنی تاریخ میں ایک مقام پر یعرب اور جرہم کو دو مختلف اشخاص بیان کرتا ہے اور دوسرے مقام پر جہاں وہ مختلف اقوام عرب کے متفرق شعبوں کا ذکر کرتا ہے۔ وہاں جرہم کو تنہا تمام عرب کا مورث اعلیٰ بتلاتا ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ بھی یعرب اور جرہم دو متفرق ناموں سے ایک ہی شخص مراد لیتا ہے اور حقیقتاً یعرب کی بہت سی شاخیں بنی جرہم میں آکر ملجاتی ہیں۔

بہر حال مشرقی مورخین نے اس مسئلہ کو بالکل غیر منفصل چھوڑ دیا ہے۔ مگر فارسٹر صاحب نے بڑی قابلیت سے اسکو ثابت کیا ہے کہ جرہم اور یعرب ایک ہی شخص تھے۔ انھوں نے اپنے دعوے کے ثبوت میں لکھدیا ہے کہ سترمترجموں نے اس نام کو جرح لکھا ہے سینٹ جروم ST. JEROUM نے جیرا اور حال کے عربوں نے جرج۔ سرج۔ شرح۔ اور زہران لکھا ہے۔ پھر لقاعدہ ہجی ان ناموں کی مطابقت بیان کرکے۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں:-

> علی العموم جو شہادت کہ خود عرب بھی اپنے جرہم کو پسر قحطان کے ساتھ دیتے ہیں۔ اس کی تصحیح وتصدیق کتاب بطلیموس میں۔ غیر مبدل تورانی نام کے درج ہونے سے واقع ہوئی ہے اور یہ ایک ایسی مثال ہے جس کا ہمکو بار بار حوالہ دینا پڑا یعنی بطلیموس کے اس فقرے کا۔ انسیولا جرا چیوری جسکا ترجمہ ہے۔ جزیرہ بنی جرہ۔ جو حجاز کے کنارے سے دور ایک جزیرہ ہے۔

مرقومہ بالا دلائل کی رو سے جرہ اور جرہم کی مطابقت تسلیم کرلینے میں ہمیں بھی کوئی کلام نہیں۔ چنانچہ عرب العاربہ کے شجرہ انساب میں ہم ان دونوں کو ایک ہی شخص قرار دیکر یعنی یرح۔ یا یعرب۔ جرہ یا جرہم انکا شجرہ لکھیں گے حقیقت میں عرب العاربہ کی تاریخ اس شخص کی اولاد اور اون کے اولاد و اعقاب سے پُر اور مملو ہے۔ کسی کو بھی اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ یہ اسی شخص کی اولاد و ذریات تھے جنہوں نے مختلف قوم وقبائل میں منقسم ہوکر بڑے بڑے کارنمایاں کئے اور زبردست سلطنتیں اپنی اعلیٰ تدبیر اور بیش بہا نظام ملکی کی کامل لیاقت اور پوری مہارت کے ثبوت میں قایم کیں۔ جنکو ہم بڑی تلاش وتحقیق سے ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ مگر قبل اسکے کہ ہم اپنے موجودہ سلسلہ بیان کو شروع کریں۔ ہمکو یہ بتلادینا ضروری ہے کہ اُنکی سلطنتوں کا صحیح زمانہ بتلانا مشکل ہے۔ اول تو اس وجہ سے کہ ان حالات کا استنباط اکثر زبانی اور سینہ بسینہ ماخذوں سے کیا جاتا ہے۔ جو غلطیوں سے خالی نہیں کہے جاسکتے۔ دوسرا ماخذ مورخین عرب کے اقوال ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ ان کا تمام سرمایہ توریت کے یونانی ترجمہ پر منحصر

ہے۔ یونانی ترجموں کی یہ حالت ہے کہ جب اصل عبرانی عبارت توریت سے ملائے جاتے ہیں۔ تو زمانوں کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ عیسائی ملکوں میں یونانی ترجموں پر عبرانی ترجموں کو ہمیشہ ترجیح دیجاتی ہے اور عبرانی توریت کے زمانے تسلیم کئے جاتے ہیں۔ ہر چند کہ اسکے زمانے بھی شبہوں سے خالی نہیں۔ تیسری دقت یہ آلگی ہے کہ مورخین عرب نے عبرانی اور یونانی دونوں ترجموں کی زمانوں کو ایسا خلط ملط کر دیا ہے۔ اور اسوجہ سے اس زمانہ کے تاریخی سلسلہ میں ایسی گتھی ڈالدی ہے کہ واقعات کا سلجھانا دشوار ہو گیا ہے۔ پھر اسکے ساتھ ایک عجیب غریب اضافہ یہ کرتے ہیں کہ کسی واقعہ میں تو یونہی زبانی اور یادداشت کے مطابق اُسکا زمانہ قایم کرتے ہیں۔ اور کسی میں محض یونانی ترجموں کا دیا ہوا وقت بتلاتے ہیں کیا کوئی تجربہ کار محقق اور واقفکار مورخ کہہ سکتا ہے کہ ان تمام دشواریوں پر غالب آجانا اور ان تمام الجھاؤں کو سلجھانا کوئی معمولی اور آسان کام ہے۔

ہمنے اپنے سلسلہ بیان میں ان دقتوں کے آسان کرنیکے لئے تین طریقے اختیار کئے ہیں۔ اول تو یہ ہے کہ ہمنے واقعات کی تحقیق میں توریت کے عبرانی ترجمہ کو پیش پیش رکھا ہے کیونکہ یہ مسلم ہے کہ جن فنون و علوم اور اون کے تمام اوصاف کے متعلق جب اخبار و آثار قدیمہ سے تعلق بمطابقت اور تلاش کی ضرورت آپڑتی ہے تو پھر تمام ذی لیاقت اور صاحب جامعیت حضرات۔ عام اس سے کہ مغربی مولفین ہوں یا مشرقی مصنفین۔ اسی ترجمہ عبرانی کو آگے رکھتے ہیں۔ دوسرا طریقہ ہمنے قوم عرب العاربہ کے ہر واقعہ کو قوم بنی اسرائیل کے حالات سے مقابلہ کرنیکا اختیار کیا ہے اور اس طریقہ سے ہمکو واقعات عرب کا صحیح زمانہ قایم کرنے میں بہت مدد ملی ہے تیسرا طریقہ جو ہمنے آخر میں اختیار کیا ہے وہ اصل میں تو وہی دوسرا طریقہ ہے۔ مگر ہمنے اوسکو زیادہ وسیع کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ واقعات عرب کو ہمنے دیگر ممالک اور اقوام کے ان واقعات سے بھی مقابلہ بھی کر لیا ہے جو قریب قریب ایک وقت میں واقع ہوئے ہیں۔ کیونکہ اگر واقعہ عرب کا سال نہیں معلوم ہوتا۔ مگر اسکے ہم وقت واقعہ کا جو کسی غیر ملک اور قوم میں واقع ہوا ہے صحیح زمانہ اونکی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ تو اس سے ہمکو عرب کے واقعہ کا صحیح سال وقوع معلوم ہو جاتا ہے۔

بہر حال۔ اتنا تمہید۔ آگے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو۔ پہلے عربی ماخذوں کی نقل سے آغاز کرتے ہیں اور اسکے ساتھ ساتھ غیر اسلامی مورخین کی تحقیق کا بھی اضافہ کرتے جاتے ہیں۔

اول من نزل الیمن قحطان بن عابر بن شالخ وقحطان المذکور اول من ملک ارض الیمن

قحطان پہلا شخص ہے جو یمن میں آباد ہوا۔ اسکا نام قحطان بن عابر بن شالخ ہے۔ اور یہی قحطان ہے جس نے سب

ولبس التاج۔ (ابو الفدا) | پہلے یمن میں حکومت کی اور تاج شاہی پہنا۔

تاج شاہی کی ایجاد اسی وقت سے ہوئی۔ محققین کے نزدیک یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہی شخص قحطان (یقطان) فالغ کا بھائی تھا۔ اسلئے قحطان کی تاریخ پیدایش سے بہت دور نہوگی۔ اس بنا پر قحطان کی تاریخ ولادت قریب ۱۷۵۵ دنیوی یا حضرت مسیح سے دو ہزار دو سو برس قرار پاتی ہے۔ اس زمانہ میں نمرود پسر کوش ملک بابل (اشور کا) کا بادشاہ تھا۔ اور حام ابن مصریم ملک مصر کا۔ اسیوقت یعنی ۱۷۵۵ دنیوی یا ۲۲۰۰ ق م میں قحطان یمن کا بادشاہ ہوا۔

قحطان کے بعد یعرب یا جرہم اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ ابو الفدا میں ہے۔

ثم مات قحطان وملك بعده ابنه یعرب ابن قحطان | قحطان مرگیا تو اوسکا بیٹا یعرب ابن قحطان بادشاہ ہوا۔

محققین کے نزدیک اسمیں کوئی شک نہیں رہا کہ یعرب کے قبضہ میں یمن اور حجاز کے صوبے ہی آگئے تھے اور یہی یعرب اسوقت بنی جرہم کے نام سے مشہور تھے۔ فارسٹر صاحب نے اس امر کی تحقیق میں کہ جرہم پہلے یمن میں آباد تھے۔ بہت سی معقول دلیلیں پیش کی ہیں اور اس صوبے کے اکثر مقامات کو جرہم کے خاص نام سے موسوم ہونیکا ثبوت پہونچایا ہے۔ انمیں سب سے مستند اور معتبر ثبوت یہی ہے کہ جرہم کی کنیت ابو الیمن قرار پائی ہے۔

جرہم کے بعد جرہم کا بیٹا یشجب تخت پر بیٹھا۔ مورخ ابو الفدا لکھتے ہیں۔

ثم ملك بعده ابنه یشجب بن یعرب ثم ملك بعده ابنه عبد الشمس بن یشجب ویسمی سبا وهو الذی بنی السد بارض مارب۔ | اسکے بعد یشجب ابن یعرب (جرہم) بادشاہ ہوا۔ اور اسکے بعد اسکا بیٹا عبد الشمس بادشاہ ہوا۔ یہی عبد الشمس سبا اکبر مشہور ہے جس نے سد مارب بنوائی۔

سبا۔ یہی شخص یمن کے مشہور و قدیم سلطنت سبا۔ اور شہر سبا۔ اور شہر مارب اور سد وغیرہ کا بانی ہے۔ مورخ ابو الفدا آگے لکھتے ہیں۔

وللمات سبا ملك الیمن بعده ابنه حمیر ابن سبا | جب سبا مرگیا تو حمیر اسکا بیٹا یمن کا بادشاہ ہوا۔

چونکہ حمیر قحطان سے چوتھی پشت میں تھا اور ترح بھی فالغ سے چوتھی ہی پشت میں تھا۔ اسلئے یہ نتیجہ نکالنے کے ہم مختار ہیں کہ حمیر کی ولادت ترح کی پیدایش سے کچھ دور نہیں ہوگی یعنی ۱۸۵۸ دنیوی یا ۲۱۲۶ ق م میں تقریباً اسکی ولادت ہوئی۔ ابراہیم و نحور و حاران ترح کے تین بیٹے تھے۔ ابراہیم (ابراہیم) ناحور اور حاران۔ حمیر کے بھی تین ہی بیٹے تھے۔ وائل۔ عوف اور مالک۔ اس بنا پر ترح اور حمیر کی اولادوں کو باہم ہمعصر خیال کرنا چاہئے۔ یعنی یہ ۱۹۲۸ دنیوی اور ۲۰۲۵ ق م میں ہوئے تھے۔ وائل کا بیٹا سکسک اور عوف کا بیٹا قاران ہوا۔ اب اول اسی مدت پر جو ایک پشت کیواسطے

عموماً دیکھی ہے لحاظ کرکے اور بعد ازاں تاریخ پیدائش لوط بن حاران پر غور کرکے سکسک اور فاران کی تاریخ ولادت قرار دیجائے۔ جو ۱۸۷۸ دنیوی اور ۲۱۲۶ ق م میں یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سے تیس برس قبل قرار پاتی ہے۔ وائل اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ اور عوف کسی جگہ حجاز اور نجد کے درمیان کہے آباد ہوا۔

ابوالفدا اس سلسلہ بیان میں آگے لکھتے ہیں۔

ثم ملک بعدہ (اي حمیر) ابنہ وائل ابن حمیر ثم ملک بعدہ ابنہ السکسک ثم وثب علی ملک الیمن ذو ریاش وھو عامر ابن باران (فاران) یاران (یارانا) ابن عوف ابن حمیر

حمیر کے بعد اُسکا بیٹا وائل۔ اُسکے بعد اُسکا بیٹا سکسک تخت نشین ہوا۔ پھر ملک یمن پر ذو ریاش جس کا نام عامر ابن فاران ابن عوف ابن حمیر تھا۔ قابض ہوگیا۔

ہم اوپر بتلا آئے ہیں کہ عوف حجاز اور نجد کے درمیان کسی مقام پر آباد ہوا۔ یہ امر اس سے ثابت ہے کہ آجتک جبل عوف جو تہامہ کے پیچھے واقع ہے۔ عوف کے نام سے مشہور ہے۔ عوف کے نام سے مشہور ہی نہیں بلکہ یا خود مستخرج ہی سمجھنا چاہیئے۔ قرینہ صاف صاف بتلا رہا ہے کہ فاران ابن عوف ہی اپنے باپ کے پڑوس میں آباد ہوا۔ یعنی اُس وادی غیر ذی زرع میں جہاں فی الحال مکہ معظمہ واقع ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ فاران کا اطلاق صرف اُسی وسیع شمالی بیابان پر نہیں ہوتا ہے جو قادیش تک چلا گیا ہے بلکہ اون پہاڑوں پر بھی ہوتا ہے جو انمیں واقع ہیں۔ بلکہ اُن پہاڑوں ہی کیوجہ سے اس وسیع بیابان کو فاران کا میدان کہہ سکتے ہیں۔ تمام مشرقی مورخ اور وہ لوگ جو قدیم روایتوں کے معتقد ہیں۔ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور اسکے علاوہ توریت مقدس میں بھی صاف صاف مذکور ہے کہ یہی نواح بنام فاران مشہور ہے۔

چونکہ اس مضمون سے ہماری کتاب کے تمام مدعائے تالیفی کا آغاز ہوتا ہے۔ اور گویا یہی مضمون ہمارے بیان کا سر عنوان ہے۔ اسلئے ہم فاران ابن عوف کا حال کسیقدر تفصیل سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

تاریخ ابوالفدا ۱۸۸۱ء میں لاطینی زبان میں ترجمہ ہوکر چھپی ہے۔ اُسکے صفحہ ۱۴ میں لفظ فاران اس شکل میں (یاران) چھپا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ بعض یہودی اپنی زبان میں فا کو پے کے ایسا تلفظ کرتے ہیں اور عرب جہاں پے کو دیکھتے ہیں اُسکو بے سے تلفظ کرتے ہیں۔ فاران کے سر پر یہی مصیبت گذری۔ ٹھیا اصل میں فے تھی یہودیوں نے پے پڑھا اور پھر یہودیوں سے جب عربوں نے پڑھا تو اس پے کو بے بنا دیا۔ عربی سے لاطینی ترجمہ چھپتے وقت غلطی سے بے کا نقطہ چھوٹ گیا۔ اور فاران کی (یاران) یہ مہمل صورت ہوگئی۔

بہرحال مغربی اور مشرقی تمام مورخین کے اتفاق سے یہ امر ثابت ہے کہ فاران عوف کا بیٹا تھا۔ بات یہ ہے کہ عوف نے جس مقام پر سکونت اختیار کی تھی وہاں ندرت اور قدرت کی خصوصیت کا کوئی ایسا واقعہ نہیں گذرا

جو اس کی شہرت کا باعث ہوتا. مگر چونکہ اسکے مقابلہ میں فاران کے کوہستانوں اور اسکے گرد کے تمام میدانوں کو ظہور قدرت کی تجلی گاہ بننا تھا۔ اور یہیں سے تمام اقطاع عالم میں انوار وحدانیت اور اخبار و آثار روحانیت پھیلایا تا تھا۔ اسلئے فاران کے کوہستان اور اسکے میدان عظمت و حرمت کے عرش الکمال تک ایسا پہونچے کہ اب فاران بن عوف کا کوئی نام ہی نہیں جانتا۔ اس تازہ تعلق اور نئی نسبت سے اسکو یہ برکت حاصل ہوئی کہ اب اسکا نام کروروں عقیدتمندوں کی زبانوں کا وظیفہ ہے اور اسکی خاک اونکی دیدہ عقیدت اور چشم حقیقت کا سرمہ۔

اتنا لکھکر ہم پھر اپنے قدیم سلسلہ پر آجاتے ہیں۔ مورخ ابو الفدا لکھتے ہیں۔

ثم نهض من بني وائل النعمان ابن يعفر ابن السكسك ابن وائل ابن حمير واجتمع عليه الناس وطرد عامر بن باران عن الملك واستقل النعمان الملك وبذلك الوجه لقب النعمان المذكور المعافر۔ ابو الفدا	بنی وائل سے ایک شخص نعمان ابن یعفر ابن سکسک ابن وائل ابن حمیر پیدا ہوا۔ اور اسپر تمام قوم نے اجماع کیا۔ اور عامر ابن باران کو ملک سے نکالکر نعمان کو تخت شاہی پر بٹھلایا اور اسوجہ سے اسکا لقب المعافر قرار پایا۔ ابو الفدا

اس شخص کے زمانہ سلطنت میں مغربی اور مشرقی مورخین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ جب سکسک ابن وائل کے بعد اسکا بیٹا یعفر تخت نشین ہوا تو اسکے چچا زاد بھائی عامر الملقب بہ ذوریاش ابن فاران ابن عوف نے جو حجاز میں آباد ہوا تھا یعفر کی سلطنت پر حملہ کردیا۔ اور اسکا ملک فتح کر لیا۔ لیکن یعفر کے بیٹے نعمان نے عامر کو اپنے ملک سے نکالدیا۔ اور اپنی سلطنت واپس لے لی۔ اس کارنمایاں کے جلدو میں اسکو المعافر کا لقب دیا گیا۔ اس قاعدہ کے مطابق جس کی رو سے امم سابقہ کی تاریخہائے ولادت قائم کی جاتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یعفر ابن سکسک اور عامر ابن فاران اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاریخ ولادت قریب قریب ایک ہی زمانہ میں واقع ہوئی۔ اور وہ ۲۰۰۸ دنیوی یا ۱۹۹۲ قبل مسیح ہے۔ اب جو قدرتی قاعدہ پشتوں کے تعداد تو الد و تناسل کا ہے اسکے مطابق ہم نعمان کے زمانہ پیدائش کو دریافت کرسکتے ہیں جسکا وقوع ۱۵۳۸ دنیوی یا ۱۹۹۲ قبل مسیح قرار پاتا ہے۔

اسی پچھلے زمانہ کے پینتالیس برس بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام اُور سے جو قوم کالدی CHILDIA سے متعلق تھا۔ ہاران کو جو عراق عرب میں واقع ہے بلائے گئے تھے۔ اور یہ ایک ایسا زمانہ ہے جسکے متعلق جمیع واقعات سے ہم ایسا نتیجہ کیطرف منتقل کرسکتے ہیں کہ عامر اور نعمان کی جنگ اسی زمانہ میں ہوئی ہوگی۔ اسلئے یہ مستنبط ہوسکتا ہے کہ یہی وقت تھا جب نعمان نے عامر کو نکالکر اپنے آبائی تخت کو حاصل کیا تھا یعنی ۲۰۳۸ دنیوی یا ۱۹۲۱ قبل مسیح میں۔

اسکے آگے ابو الفدا لکھتے ہیں۔

ثم ملك بعده ابنه شمر بن المعافر الملك ثم ملك بعده شداد بن عاد بن الملطاط بن سبا واجتمع له الملك وغزا البلاد حتى بلغ اقصى المغرب وبنى المدائن والمصانع وابقى الآثار العظيم۔

نعمان کے بعد اسکا بیٹا شمر بن المعافر (نعمان) تخت نشین ہوا اسکے بعد شداد ابن عاد ابن ملطاط ابن سبا تمام ملک پر مسلط ہوگیا۔ اُسنے اور ملکوں پر بھی چڑھائی کردی اور انتہائے مغرب تک کے تمام ممالک مفتوح کرلیے۔ شہر مدائن کو بسایا۔ اور اُسنے بہت سے آثار عظیم اپنے بعد یادگار چھوڑے۔

مورخین نے اس شداد کو بھی غلطی سے عاد اولی سمجھکر اسکے واقعات کو اُنکے حالات سے ایسا خلط ملط کردیا ہے کہ سطحی اور سرسری دیکھنے والوں کو تمیز کرنا دشوار ہوگیا ہے۔ یہ شداد ابن ملطاط ابن عبد الشمس الملقب بہ سبا اکبر کی اولاد میں ہے۔ چونکہ اس سے پہلے اس نام کے دو شخص اور گذر چکے ہیں۔ اسلیے محققین نے اس شداد کو عاد ثالث کے نام سے موسوم کر رکھا ہے۔ عربی نسابین نے غلطی سے سبا اکبر اور شداد کے درمیان صرف دو نام لکھے ہیں۔ ایک عاد اور ملطاط۔ حالانکہ باعتبار امتداد ایام اور قاعدہ انساب کم سے کم پانچ نام اور ہونے چاہئیں۔ ان عربی نسابین کی غلطی اسوجہ سے ہے کہ انکے تمام مضامین کا اصلی ماخذ عرب کے اشعار قدیم ہیں۔ اور شعرا کا یہ ہمیشہ سے دستور چلا آتا ہے کہ وہ کسی قبیلہ یا قوم کے سلسلہ میں خاصکر انھیں لوگونکے حالات و اوصاف قلمبند کرتے ہیں جو کسی خاص صفت سے موصوف و مشہور ہوتے ہیں اور باقی لوگوں کو قابل ذکر نہیں سمجھکر قلم انداز کردیتے ہیں۔ انکی فرو گذاشت کیوجہ شعرائے قدیم کی یہی کوتاہی سمجھنی چاہیے۔

شداد نے کسیوقت مصر پر چڑھائی کیا ہو یہ مشکل سے صحیح مانا جا سکتا ہے۔ اتنا البتہ کہا جاسکتا ہے کہ نعمان کی تخت نشینی سے چند سال بعد یا اسکی وفات سے تھوڑے ہی زمانہ میں، شام کے پانچ بادشاہوں نے آپس میں جنگ شروع کردی۔ توریت مقدس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ کا اثر عرب پر بھی پڑا تھا۔ چنانچہ توریت کے فارسی ترجمہ کی عبارت ذیل سے ظاہر ہوتا ہے۔

در سال چهاردهم کدر لاعومر و ملوکے که همراهش بودند رفائیان را در عشتروت قرنیم و زوزیان را در هام وایمیان را در شاوه قریتایم شکست دادند و نیز حوریان را در کوه خود شان سعیر تا ایل پاران که در نزدیک صحراست۔ و برگشته به عین مشپاط که قادش است آمدند و تمامی مرز و بوم عمالقیان و هم اموریانی که در حصون تامار ساکن بودند شکست دادند۔ سفر تکوین باب ۱۴۔ درس ۵ ـ ۶ ـ ۷۔

یہ بالکل ظاہر ہے کہ حملہ آور لوگ قادش کے شمال سے آئے ہونگے۔ کیونکہ سعیر کے پہاڑ اس جگہ سے شمال میں واقع ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قادش کے جنوب میں دور جاکر فاران میں چلے گئے جس سے آجتک حجاز مراد لیا جاتا ہے

کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس بیان سکے کہ حملہ آور یاران سے قادیش کو لوٹ گئے کچھ بھی معنی نہ ہوتے۔ اگر کہیں کہ یہ لوگ مغرب کے جانب گئے ہونگے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ اوس طرف صرف بنی قحطان رہتے تھے جن سے کہ ان حملہ آوروں نے اپنی پہلی مہم سے قادیش کو واپس آنیکے بعد جنگ کی تھی۔

اسوقت اشیح کی حکومت اور عملداری صوبہ یمن تک پھیل گئی تھی چونکہ یہ زمانہ اوسکی حکومت کی ابتدا کا تھا۔ اس لئے خیال ہوسکتا ہے کہ مذکورہ بالا حملہ کیوجہ سے اوس کی طاقت میں کسیقدر ضعف آگیا ہو جس سے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ سلطنت یمن کے اس ضعف و شکستگی کی حالت میں شداد نے جو ہمیشہ ایسے موقع کا منتظر رہا کرتا تھا۔ اشیح پر حملہ کیا ہو۔ اور اوسکو حکومت سے بیدخل کردیا ہو۔ ان وجوہ کی بنا پر اسکا یقین ہوتا ہے کہ اشیح ۲۰۹۱ طوفانی یا ۱۹۱۳ قبل مسیح میں تخت نشین ہوا تھا اور شداد نے ۲۰۹۲ طوفانی یا ۱۹۱۲ ق م میں اوس کی سلطنت کو چھین لیا تھا۔ اور یہ زمانہ اوس عام قاعدے سے جو علم انساب میں پشتوں کے پیدا ہونے کیلئے قرار دیا گیا ہے۔ بالکل مطابق ہوتا ہے۔

اسکے آگے مورخ ابوالفدا لکھتے ہیں۔

ثم ملك بعده اخوه لقمان ابن عاد ثم ملك بعده اخوه ذو شدد ابن عاد ثم ملك بعده ابنه الحرث بن ذو شدد و يقال له الحارث الرائش۔

اوسکے بعد اوسکا بھائی لقمان ابن عاد بادشاہ ہوا اُسکے بعد اُسکا بھائی ذو شدد ابن عاد تخت پر بیٹھا تھا۔ اُسکے بعد ذو شدد کا بیٹا الحارث ملقب بہ الرائش تھا تخت پر بیٹھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ شداد کے بعد اوسکے دونوں بھائی یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ ذو شدد کے بعد اسکا بیٹا الحرث بادشاہ ہوا۔ اوس زمانہ تک اور اسکے بعد بھی بہت دنوں تک وہاں دو خودمختار سلطنتیں قایم رہیں۔ ایک یمن میں دوسری حضرموت میں۔ بالآخر ایک دوسرا شخص جسکا نام بھی الحارث اور لقب بھی الرائش تھا۔ تخت پر بیٹھا۔ اس شخص نے ان دونوں سلطنتوں کو ملا کر ایک کردیا۔ اسموقع پر بھی مورخین نے دونوں حارثوں کو اکٹھا کردیا۔ اور حارث اول کیطرف حارث دوم کے تمام سلطنتوں والے واقعات کو منسوب کردیا۔ اس غلطی کا نتیجہ ہوا کہ ان دونوں حارثوں کے بیچ جتنے نام تھے وہ بالکل معدوم اور لامعلوم ہوگئے۔ ان کی اس غلطی کا روشن ثبوت یہ ہے کہ جو زمانہ اون بادشاہوں کا گذرا ہے اور جو تعداد بادشاہوں کی بتلائی گئی ہے وہ امتداد زمانہ کے اعتبار سے بہت ہی کم ہے۔ تاریخ حمزہ اصفہانی کی اس عبارت سے کہ بین الرائش والحمیر خمس عشرا با "حمیر اور رائش کے درمیان پندرہ پشتوں کا فاصلہ ہے" ہمارے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس محقق (حمزہ اصفہانی) کو بھی اون پندرہ پشتوں میں سے کسی ایک کا بھی نام معلوم نہیں ہے۔ بہرحال اگر ہم بیان حصہ پر اعتبار کریں تو

توہمکو یہ نتیجہ نکالنا ہوتا ہے کہ الحارث ابن ذو شدد اور الحارث الرائش کے درمیان سات آٹھ بادشاہ گذرے ہیں جمزہ اصفہانی الحارث الرائش کے متعلق لکھتے ہیں۔

الحارث الرائش هو الحارث بن قيس بن صيفي بن سبا الاصغر الحميري وكان الرائش اول غزا منهم واصاب الغنائم وادخل الارض اليمن فارتاشت حمير في ايامه وكان هو الذي راشهم فبذلك سمي الرائش

حارث۔ الرائش کا اصل نام حارث ابن قیس ابن صیفی بن سبا الاصغر حمیری ہے۔ اور یہ رائش اول بار اہل یمن سے لڑا۔ مال غنیمت حاصل کیا۔ اور تمام ارض یمن پر قبضہ کر لیا۔ اور قوم حمیر اسکے زمانہ میں بہت خوشحال ہو گئی۔ اس خصوصیت سے اسکا لقب رائش (پالنے والا) مقرر ہوا۔

اسمیں کوئی عذر نہیں ہو سکتا کہ یہی الرائش یمن۔ اور حضرموت۔ دونوں سلطنتوں کے ایک کرنیکا موجب ہوا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اسی شخص کو تبع الاول بھی کہتے ہیں۔

سلسلہ بیان میں مورخ ابو الفدا آگے بیان کرتے ہیں۔

ثم ملك بعده ابنه ذو القرنين۔ الصعب ابن الرائش ثم ملك بعده ابنه۔ ذو المنار ابرهه ابن ذو القرنين ثم ملك افريقش ابرهه ثم ملك بعده ذو الاذعار عمرو بن ذو المنار ثم ملك بعده شرحبيل بن عمرو بن غالب بن المنتاب بن زيد بن يعفر بن سكسك بن وائل بن حمير ثم ملك بعده ابنه الهدهاد بن شرحبيل ثم ملك بعده بنته بلقيس بنت الهدهاد وبقيت في ملك اليمن عشرين سنة وتزوجها سليمان ابن داود۔ (ابو الفدا۔)

الرائش کے بعد اسکا بیٹا صعب ابن الرائش جسکا لقب ذو القرنین تھا تخت نشین ہوا ذو القرنین کے بعد اسکا بیٹا ابرہہ بادشاہ ہوا جسکا لقب ذو المنار تھا۔ اسکے بعد اسکا بیٹا افریقش تخت نشین ہوا۔ اسکے بعد عمرو ابن ابرہہ بادشاہ ہوا اسکا لقب ذو الاذعار تھا اسکے بعد اسکا بیٹا شرحبیل ابن عمرو ابن غالب ابن المنتاب بن زید بن یعفر بن سکسک بن وائل بن حمیر بادشاہ ہوا۔ اسکے بعد اسکا بیٹا الہدہاد بن شرحبیل بادشاہ ہوا۔ ہدہاد کے بعد اسکی لڑکی بلقیس بنت ہدہاد ملکہ یمن ہوئی۔ اس ملکہ نے یمن میں بیس برس حکومت کرکے حضرت سلیمان ابن داود علیہ السلام کے ساتھ شادی کر لی۔

ہم حضرت سلیمان و بلقیس کے تفصیلی واقعات اور ملوک حمیر کے کامل تاریخی حالات۔ اپنے موجودہ سلسلہ بیان کے خاتمہ پر پوری تشریح سے درج کرینگے۔ ان حالات کی فوری تفصیل موجودہ سلسلہ بیان کے نظام میں ایک ناگوار بدترتیبی پیدا کر دیگی۔

خلاصہ بیان یہ ہے کہ الرائش یا تبع اول کے بعد اسکا بیٹا صعب ملقب بہ ذو القرنین۔ اسکے بعد ابرہہ ملقب ذو المنار اسکے بعد افریقش۔ اسکے بعد عمرو ملقب بہ ذو الاذعار۔ اسکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ ذو الاذعار کے

عہد میں شرجیل نے اسپر حملہ کردیا۔ اور بیشمار خونریزیوں کے بعد۔ ذوالاذعار کو شکست دی اور اوسکی سلطنت پر قابض ہوگیا۔ شرجیل کے بعد اوسکا بیٹا الہدہاد جانشین ہوا۔ اسکے بعد ملکہ بلقیس تخت پر بیٹھی اور بیس برس سلطنت کرکے۔ اس ملکہ نے حضرت سلیمان ابن داؤد۔ بادشاہ یہود سے شادی کرلی۔ اس ملکہ کی حکومت کا اختتام توریت مقدس سے ۱۰۰۰ء دنیوی یا ۹۸۰ ق م میں پایا جاتا ہے۔ اسلئے نسلوں کے پیدا ہونے کے قاعدہ متعینہ کے مطابق الحارث الرائش اور صعب ذوالقرنین یا تو اٹھائیسویں صدی دنیوی کے آخر میں یا انتیسویں صدی دنیوی کے آغاز میں گذرے ہونگے۔ یعنی حضرت مسیح سے تیرہ سو برس قبل ذوالقرنین کی شخصیت اور خصوصیت کے متعلق مورخ ابوالفدا کی تحقیق حسب ذیل ہے۔

وقد نقل ابن سعید المغربی ان ابن عباس یسئل عنہ عن ذوالقرنین الذی ذکرہ اللہ تعالیٰ فی کتابہ العزیز فقال ھو من حمیر وھو صعب المذکور فیکون ذی القرنین المذکور فی الکتب العزیز ھو الصعب ابن الرائش المذکور لا الاسکندر رومی

ابن سعید مغربی کا بیان ہے کہ جب حضرت ابن عباسؓ سے اوس ذوالقرنین کی نسبت پوچھا گیا جسکی نسبت قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے تو اونہوں نے جواب دیا کہ وہ صعب حمیری تھا۔ اس دلیل سے ظاہر ہے کہ جس ذوالقرنین کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ وہ صعب ابن الرائش ہے۔ نہ اسکندر رومی۔ ابوالفدا

تاریخ یمن کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشہور و معروف سد یمن کی تعمیر کا کام اسی ذوالقرنین کیوقت میں اختتام کو پہونچا۔ تاریخ یمن کی عبارت یہ ہے۔

وکان اول من اسس السد سبا الاکبر واسمہ عامر فیل عبدالشمس بن یشجب بن یعرب بن قحطان ثم بناہ حمیر بن سبا بعد موت ابیہ ثم اتمہ بعد ذلک ذوالقرنین الحمیری وھو الصعب ابن ابی مرائد وکان السد بین جبل المارب الی الجبل الابلق وھما جبلان ملتقیان علی الجبال الشامخۃ المعتدمن یمین السد وشمالہ (العقود اللولویہ فی اخبار دولۃ الرسولیۃ الیمنی)

اس سد کی بنا سبا اکبر نے شروع کی تہی اوسکے بیٹے اور جانشین حمیر نے اوسکو جاری رکہا اور ذوالقرنین نے اُسے اختتام تک پہونچایا۔ یہ سد۔ دو پہاڑوں کے درمیان میں تہی ایک کا نام مآرب دوسرے کا ابلق۔ اور یہ دونوں پہاڑ دوسرے پہاڑوں کے مقابلہ میں باعتبار رفعت کے زیادہ بلند ہیں اور بہت دور تک۔ سد مذکور کے داہنے طرف سے بائیں طرف پہیلے ہوئے ہیں۔

سد مارب کے تفصیلی حالات بہی ہم سلاطین حمیر کے احوال کے ساتھ لکھیں گے۔ اس مقام پر ہمکو تاریخی سلسلہ بیان کا قائم رکہنا نہایت ضروری ہے۔ ملکہ بلقیس سے آگے اس شاہی سلسلہ کے ذکر میں مورخ ابوالفدا لکہتے ہیں

ثم ملک بعدھا ابن عمھا ناشر النعم بن شرحبیل ثم ملک بعدہ شمر یرعش بن ناشر النعم ثم ملک بعدہ ابنہ ابو مالک ابن شمر ثم ملک بعدہ عمران ابن عامر الازدی ثم ملک بعدہ اخوہ مزیقیا۔

بلقیس کے بعد اُسکا چچا زاد بھائی ناشر النعم بن شرحبیل تخت نشین ہوا اُسکے بعد اُسکا بیٹا شمر یرعش بادشاہ ہوا۔ اُسکے بعد اُسکا بیٹا ابو مالک ابن شمر بادشاہ ہوا۔ اسکی سلطنت میں عمران ابن عمر ازدی نے حمیریوں سے سلطنت چھین لی۔ عمران کے بعد اُسکا بھائی مزیقیا بادشاہ ہوا۔

واقعہ یوں ہے کہ حکومت یمن شمر یرعش کے زمانہ ہی سے اندرونی نقائص کی بنا پر ضعیف ہوتی چلی آرہی تھی۔ ابو مالک کیوقت میں اُسکا ضعف و اضمحلال کا یہ حال ہوگیا کہ قبیلہ ازد کے سردار عمران ابن عمر نے ایک خفیف حملہ کے بعد تمام مملکت پر قبضہ کرلیا۔ اسی وقت سے حکومت یمن سلسلہ حمیر سے نکلکر بنی کہلان میں منتقل ہوگئی۔ عمران ابن عمر کے بعد اُسکا بھائی مزیقیا حکمراں ہوا یہ بالکل ضعیف اور ناقابل حکومت شخص تھا۔ اسکے وقت میں الاقرن ابن ابو مالک نے اپنی سلطنت آبائی کا دعویٰ کیا۔ اور مزیقیا سے لڑکر اُسکو شکست پہونچائی اور سلطنت چھین لی۔ حکومت یمن چند روز کیلئے عارضی طور پر بنی کہلان کے قبضہ میں رہکر پھر سلسلہ حمیری میں لوٹ آئی۔ اسکے آگے تاریخ ابو الفدا کا سلسلہ بیان یہ ہے۔

ملک الاقرن ابن ابو مالک ثم ملک بعدہ ذو حبشان بن الاقرن ثم ملک بعدہ اخوہ تبع الاکبر بن الاقرن ثم ملک بعدہ ابنہ کلیکرب بن تبع ثم ملک بعدہ ابو کرب سعد وھو تبع اوسط قتل ثم ملک بعدہ ابنہ حسان بن تبع ثم قتلہ اخوہ عمرو ابن تبع و ملک فسمی ذو الاعواد ثم ملک بعدہ عبد کلال بن ذو الاعواد ثم ملک بعدہ تبع بن حسان بن کلیکرب وھو تبع الاصغر ثم ملک بعدہ ابن اختہ الحارث ابن عمر و تہود الحارث المذکور ثم ملک بعدہ مرثد ابن کلال ثم ملک بعدہ وکیعہ ابن مرثد

اقرن بن ابو مالک کے بعد اُسکا بیٹا ذو حبشان بن اقرن بادشاہ ہوا اُسکے بعد اوسکا بھائی تبع اکبر تخت نشین ہوا۔ اوسکے بعد اُسکا بیٹا کلیکرب۔ اُسکے بعد اُسکا بیٹا ابو کرب سعد تبع اوسط اُسکے بعد اوسکا بیٹا حسان اُسکے بعد اوسکا بھائی عمر ذو الاعواد اسکے بعد اُسکا بیٹا حسان اسکے بعد اُسکا بیٹا عبد کلال تخت نشین ہوا۔ تبع ابن حسان ابن کلیکرب ملقب بہ تبع الاصغر نے عمر ذو الاعواد سے سلطنت چھین لی۔ تبع الاصغر کے بعد اُسکا بھانجہ الحارث تخت نشین ہوا۔ حارث نے مذہب یہود اختیار کیا حارث کے بعد مرثد ابن کلال اور مرثد کے بعد وکیعہ ابن مرثد بادشاہ ہوا۔

تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ حارث نے مذہب یہود اختیار کرلیا تھا۔ اور اسکی وجہ سے حارث کے بعد والے بادشاہوں نے بھی مذہب یہود قبول کیا۔ یہ واقعہ اسطرح صحیح مانا جاسکتا ہے کہ بخت نصر فلسطین کو فتح کرکے اور بیت المقدس کو مسمار کرکے حضرت دانیال اور اُنکے دوستوں کو قیدی بناکر بابل لیگیا اسوقت کچھ

یہودی بھاگکر یمن کیطرف بھاگ گئے۔ اس زمانہ میں حضرت دانیالؑ اور حضرت یرمیاہؑ پیغمبر تھے۔ اسلئے یہ بات نہایت قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ان مفرور یہودیوں کیوجہ سے الحارث نے خدائے واحد کا اقرار کیا ہوگا۔ اور مذہب یہود کو قبول کرلیا ہوگا۔ اور یہ امر واقعی ہے کہ الحارث اور وکیعہ اسی زمانہ میں حکمران تھے اور یہ زمانہ سنہ ۴۳۰۰ دنیوی یا سنہ ۶۴۰ ق م نسلوں کے پیدا ہونے کے فطرتی طریقہ حساب سے بالکل اعتبار کے قابل اور صحیح ثابت ہوتا ہے۔

اسکے آگے مؤرخ ابو الفدا کا مفصلہ ذیل سلسلہ بیان قائم ہوتا ہے۔

ثم ملک ابرھہ بن الصباح ثم ملک صھبان بن محرث ثم ملک عمر بن تبع ثم ملک بعدہ ذو نواس وکان من لا یتھود القاہ فی اخدود مضطرم نارا فقیل لہ صاحب الاخدود ثم ملک بعدہ ذو جدن واخر ملوک الحمیر۔

اسکے بعد ابرہہ بن الصباح بادشاہ ہوا۔ پھر اسکے بعد صھبان بن محرث بادشاہ ہوا۔ اسکے بعد عمر ابن تبع۔ اسکے بعد ذو نواس بادشاہ ہوا یہ بادشاہ ان لوگوں کو جو مذہب یہود اختیار کرنے سے انکار کرتے تھے مشتعل آگ سے بھری ہوئی خندق میں ڈلوادیا کرتا تھا۔ اسیوجہ سے اسکو صاحب اخدود کے نام سے ملقب کیا۔ اسکے بعد ذو جدن بادشاہ ہوا اور یہ آخر شاہان حمیر تھا۔

مورخ ابو الفدا نے وکیعہ کے بعد ان مذکورہ بالا چھہ بادشاہوں کو بھی سلسلہ حمیری میں شمار کیا ہے مگر تحقیق سے ان بادشاہونکا خاندانی سلسلہ صاف طور سے معلوم نہیں ہوتا۔ اور نہ انکی حکومتوں کا ٹھیک زمانہ دریافت ہوتا ہے مگر اس واقعہ کی صحت میں کوئی کلام نہیں کہ ذو نواس ایک متعصب یہودی تھا۔ اور یہودیوں کے علاوہ ہر غیر مذہب والونکو آگ میں زندہ جلوادیا کرتا تھا۔ اس بات کے خیال کرنے کیلئے ایک عمدہ وجہ یہ ہے کہ یہی وہ زمانہ تھا جبکہ ارتازر کسیز و یعنی کیخسرو[۵۱] (Artazer Kisious) نے چند یہودیونکو جو مصر سے قید ہوکر آئے تھے۔ ہرقانیہ (مازندران) میں بھیجدیا تھا چونکہ یہ بادشاہ بھی یہودی تھا اسلئے اسکی (ذو نواس کی) سلطنت کو بھی کیخسرو کے حملہ سے سخت صدمہ پہونچا تھا۔ اسکے بعد حبشیوں نے ضعیف پاکر حمیری سلسلہ ملوک کو ہمیشہ کیلئے تمام کردیا۔ یہ زمانہ سنہ ۳۶۵ دنیوی یا سنہ ۳۵۵ ق م تھا۔

ہم اصحاب اخدود (ذو نواس) کا حال بھی سلاطین حمیر کے تفصیلی حالات کے سلسلہ میں اسکے خاص مقام پر لکھیں گے۔

---

۵۱ اس بادشاہ فارس کا زمانہ سنہ ۴۶۵ ق م میں بتلایا گیا ہے۔ اور کتاب عزرا اور نحمیاہ پیغمبر میں اسکے حالات تفصیل سے موجود ہیں۔ یہ وہی بادشاہ ہے جسکے دربار میں نحمیاہ پیغمبر نے حاضر ہوکر یروشلم (بیت المقدس) کی مرمت اور آبادی کی پر اجازت حاصل کی تھی کیونکہ کیخسرو کے باپ نے یونان کو فتح کرکے بیت المقدس کو تباہ کردیا تھا۔ کتاب نحمیاہ ص ۶۹۱ (عہد عتیق) ہٹنس یونیورسل ہسٹری ج ۱ ص ۱۵۹

حکومت سبا اور یمن کی دیگر سلطنتیں

سلاطین یمن میں۔ جو اصلاً قحطانی (عرب العاربہ) تھے اور موطناً یمنی سلسلہ سلاطین سبا سے اہل معین کا ذکر قدیم ہے۔ اہل معین کا ذکر تحریری حیثیت سے اسفار یہود میں آٹھویں صدی قبل مسیح سے قلمبند ہوا ہے۔ اور پھر چھ سو برس بعد یونانی مصنف اراٹستھنیس المتوفی سنہ ۱۹۲ ق م نے بھی انکا ذکر کیا ہے۔

اہل عرب بھی اہل معین سے ناواقف نہیں تھے۔ جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا لفظ معین کے معنی "بہنیچ آسیا" اور "چشمہ" کے ہیں۔ عبری زبان میں یہ معیان ہے۔ جو فی الحال معان سے تبدیل ہو کر شمال عرب میں ایک آبادی کا نام ہے یمن کے جوف میں ایک آبادی کا نام معین ہے۔ اسکے حدود یہ ہیں۔ مشرق میں حضرموت جنوب و مغرب میں سبا (موجودہ صنعا) واقع تھا۔

ہمدانی اکلیل اور صفۃ جزیرۃ العرب میں لکھتا ہے۔

ومخافد الیمن براقش ومعین وھما باسفل جوف المرحب مقابلتان فمعین بین مدینۃ نشان وبین درب شرافتہ

یمن کے اضلاع۔ براقش اور معین ہیں۔ اور یہ دونوں جوف کے صحرائے ریگستانی کے نیچے واقع ہیں۔ معین۔ شہر نشان اور درب شرافہ کے مابین ہے۔

یاقوت حموی نے معجم میں بھی ان دونوں مقامات کا ذکر کیا ہے۔ لفظ معین کے ذکر میں لکھتا ہے۔

معین اسم حصن بالیمن وقال الازھری معین مدینۃ بالیمن تذکر فی براقش

معین یمن میں ایک قلعہ کا نام ہے۔ ازہری کا بیان ہے کہ معین ایک شہر تھا جسکا براقش میں واقع ہونا کہا جاتا ہے۔

براقش کے ذکر میں لکھتا ہے۔

قال الاصمعی براقش ومعین حصنان بالیمن کان بعض التبابعۃ امر ببناء سلحین فبنی فی ثمانین عاماً وبنی براقش ومعین بغسالۃ ایدی صناع سلحین قال ولا تری لسلحین اثرا وھما قائمتان۔

براقش اور معین یمن میں دو قلعے ہیں۔ بعض شاہان یمن نے قصر سلحین کی تعمیر کا حکم دیا تھا۔ وہ اسّی برس میں بنکر تیار ہوا۔ اور براقش اور معین کاریگروں کے ہاتھ کے دھوون سے بنے ہیں لیکن دیکھو کہ قصر سلحین کا کہیں نشان نہیں۔ اور یہ دونوں (براقش اور معین) ابتک قائم ہیں۔

عبارت متذکرہ بالا سے معلوم ہوا کہ شاہان یمن کی یہ عمارتیں دوسری صدی ہجری تک موجود تھیں۔ انہیں براقش کا ذکر تو آٹھویں صدی ہجری تک نہایت کثرت سے موجود ہے اور اسوقت تک یہ ایک آباد شہر تھا۔

(تاریخ یمن العقود اللؤلؤیہ)

عرب کے شعرائے قدیم بھی اسکے ذکر کو نہیں بھولے۔ فروہ بن مسیک کہتا ہے۔

احل بحاجر جدی غطیف | معین الملک من بین ابینا
وملکنا براقش دون اعلی | والغم اخوتی وبنی ابینا

علقمہ کا شعر ہے :۔

وقد اسوا براقش حین اسوا | بیلقعة ومبلسط انیق
وحلو من معین معین حلوا | لفرهم لدی الفخر العمیق

مالک ابن حریم الدلانی کا یہ شعر صرف ہمدانی نے لکھا ہے۔

وتحمی الجوف مادامت معین | باسفله مقابلة عرادا

یاقوت حموی نے یہ دو شعر صرف نقل کئے ہیں۔ قال الجعدی :۔

ینادی من براقش او معین | فاسمع فاتلاءب بنا ملیع
تستن بالضحی من براقش او | هیلان او بالعر من العتم

ابو الحکم مرانی حمیری کہتا ہے :۔

براقش ومعین لمن عامرها | ونحن اربابها صرواح ودوتانا

معجم ج ۲ ص ۹۸ مصر

ان اشعار سے اتنا معلوم ہوا کہ معین کی آبادی مقام جوف میں واقع تھی۔ دوسری صدی ہجری تک اسکے آثار باقی تھے کسی زمانہ میں یہ مستقل دارالحکومت تھا۔ براقش اس سے ایک قریب آبادی کا نام تھا۔ ان بیانات کے اصل واقعات کے ساتھ یہ مکاشفات البتہ تعجب انگیز معلوم ہوتے ہیں کہ ان محاضرات و عمارات کے بانی سلاطین حمیری کو بتلایا گیا ہے۔ حالانکہ اہل معین حمیریوں سے قدیم ہیں اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ مورخین عرب معین کی نہ قومیت کو جانتے تھے نہ شخصیت کو۔ انکو جو کچھ علم تھا وہ اسیقدر کہ وہ معین و براقش کو دو اعلیٰ اور مستحکم ترین عمارات جانتے تھے اسلئے وہ انکے بنانیوالوں کی حقیقت کو کیا بتلاتے یمن کی اصلی تاریخی واقفیت انکو چونکہ سلاطین حمیریہ کے وقت سے شروع ہوئی اور اہل معین کے خاتمہ کیساتھ ہی سلسلہ حمیریہ کی ابتدا شروع ہوگئی۔ اس بنا پر عرب کے مورخین اور شعرائے متقدمین نے شاہان حمیر کو ان عمارات کا بانی خیال کرلیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب اگرچہ اہل معین کی قومیت اور اصلیت سے واقف نہ تھے۔ اور نہ اونکے وجود تک کو وہ جانتے تھے۔ مگر یونانی۔ رومی۔ اور یہودی مولفین بھی جو انکے وجود سے واقف تھے۔ اور جنہوں نے انکے وجود کو بتلایا اور ثابت بھی کیا۔ یہ ان کی اصلیت اور قومیت کو نہ بتلا سکے۔ مگر اس امر خاص کا تحقیق کنندہ ان کے مقامات سکونت کے نشان سے ان کی قومیت کو فوراً معلوم کرلیگا۔ اہل معین کی سکونت کے مقامات

جو تحقیقات جدیدہ نے بتلائے ہیں وہ بالکل عاد ثانیہ کے مسکن و متوطن پائے جاتے ہیں اسلئے یہ خیال کر لینا صحت سے قریب ہوگا کہ اہل معین اصلاً عاد ثانیہ اور فرعاً ثمود کی ایک شاخ تھے۔ جو اپنے مرکز الحجر اور وادی القریٰ سے اوٹھکر علاقہ یمن میں چلے آئے تھے۔

جرمن فاضل گلاذر اور ہالوے نے کئی ہزار کتبات کے مطالعہ سے اہل معین کی تمام سیاسی۔ مذہبی اور تجارتی حالتوں کا سراغ لگایا۔ اور علاقجات معین حضرموت۔ قتابیہ اور ریدان و سبا کی حکومتوں کی تاریخ۔ موقع وقوع۔ اسماء۔ ملوک۔ رسوم مذہبی طرز تمدن پر کافی روشنی ڈالی۔ بہر ان تمام بیانات کے بعد یہ ثابت کر دیا ہے کہ یمن کی ان تمام حکومتوں میں قدیم تر "معین" کی حکومت ہے۔

اہل معین کے زمانہ سلطنت قائم کرنے میں اختلاف ہے۔ مگر یہ اختلاف چنداں قابل لحاظ نہیں۔ جرمن مستشرقین ۱۴۰۰ ق م سے ۷۰۰ ق م تک انکا عہد حکومت بتلاتے ہیں محققین فرانس اور انگلینڈ یقینی طور سے ۸۰۰ ق م سے انکا زمانہ شروع کرتے ہیں۔ مگر (Vo 1. P. 4.5 ·Huart Tome)

مگر مولف برٹنیکا طبع یازدہم نے اس اختلاف کو دور کر کے انکے زمانہ حکومت کو صحیح طور پر بتلا دیا ہے۔ ذیل میں اون کی انگریزی عبارت کا ترجمہ قلمبند ہے۔

آخر زمانہ کے کتبات کو چھوڑ کر۔ زمانہ قدیم کے کتبوں میں ہی کوئی سن یا تاریخ مذکور نہونے کیوجہ سے اور نیز اسلئے کہ کتبات کی تعداد کم ہے۔ علماء میں۔ زمانہ تاریخ عرب قدیم قبل از اسلام کی نسبت بہت اختلافات پیدا ہو گئے ہیں لیکن تمام علما کا اسپر اتفاق ہے کہ ان کتبات کی تاریخ ۱۹۰۰ ق م تک پہونچتی ہے بعض کا قول ہے کہ صرف ۱۲۰۰ ق م تک پہونچتی ہے۔ اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں عرب میں کم از کم چار متمدن حکومتیں (۱) معین (۲) سبا (۳) قتابیہ (۴) حضرموت قائم تھیں۔

مصنفین انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (Encyclopedia Of Islam) معین کا زمانہ بظاہر اس سے بھی زیادہ قدیم قرار دیتے ہیں۔ کہتے ہیں۔

اسقدر قدیم کہ ۳۰۰۰ (تین ہزار) ق م میں۔ قدیم بابل کے کتبہ میں ایک شاہ منیوم (جسکا پورا نام معنوم اور انوم ہے) کا ذکر کرتے ہیں۔ جو معان یا مشرقی عرب کا بادشاہ تھا۔ اس نظریہ کی نسبت بہت کچھ کہا جا سکتا ہے کہ معان۔ عربی لفظ معین کا سومری تلفظ ہے۔ اور اسی صدی سے (جسکی تاریخ نامعلوم ہے) جنوبی عرب حکومت معین یا معینان کی بنیاد پڑی جس نے شاید اپنی ابتدا میں تمام جنوبی عرب کو جس میں قتاب اور حضرموت داخل ہے۔ اپنا آغوش میں لیا تھا۔ اور جسمیں ایک اور صوبہ طوخ (یا ملوق)

انسائیکلوپیڈیا برٹنیکا۔ طبع ۱۱　　انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

بھی شامل تھا جسکی نسبت بیان ہے کہ وہ عرب وسطی اور عرب شمالی و مغربی کا نام تھا۔

ان معلومات پر دو واقعات کا اور اضافہ کرنا چاہئے۔ ہائیکسوس عرب جب سنہ ۱۷۰۰ ق م میں مصر پر قابض تھے تو ان حکمراں قبائل میں سے ایک قبیلہ کا نام معین بتلاتے ہیں۔ جو معین کی نہایت صاف شکل ہے۔ نیز معین اور اشور کے کتبات باہم تعلقات و واقعات کو ظاہر کرتے ہیں۔ اشور کے کتبات میں جنکا زمانہ سنہ ۱۱۰۰ ق م سے سنہ ۷۰۰ ق م تک ہے۔ معین کا ذکر موجود ہے۔ ان وجوہ سے جیسا کہ فرینچ مورخ عرب۔ ہوارٹ (HUART) بتلاتا ہے۔ اوس سے زیادہ نیچے نہیں اتر سکتے۔

بہرحال۔ یہ امر ہر طرح سے محقق ہو گیا کہ یمن کے حکمراں سلسلہ میں اہل معین سب سے زیادہ قدیم ہیں اور ہر قرینہ سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ اہل معین کا سلسلہ خاندان حمیر سے پہلے تھا۔ اب ہم ذیل میں یونانی مورخین کے اقتباسات سے انکے سیاسی۔ تمدنی اور تجارتی حالات قلمبند کرتے ہیں۔ یونان کا قدیم مورخ ارٹسٹھینیس (ERATOSTHENES) جسکی تاریخ وفات سنہ ۱۹۶ ق م میں ہے وہ قبائل یمن کے ذکر میں لکھتا ہے۔

ملک عرب کے انتہائی اختتام پر سمندر کے کنارے پر اہل معین (MINAINIANS) رہتے ہیں جنکا خاص شہر قرنا (KARNA) ہے۔ انکے بعد سبا آتے ہیں جنکا پایہ تخت مآرب ہے۔ آگے بڑھ کر بجانب مغرب خلیج عرب کے گوشہ پر اہل قتاب آباد ہیں جنکے بادشاہ تمنع میں رہتے ہیں۔ آخراً انتہائے مشرق میں اہل حضرموت ہیں۔ جنکا شہر صبا تا ہے۔ ان چاروں ممالک میں سے ہر ایک کی وسعت مصر زیریں (LOWER EGYPT) سے زیادہ ہے۔

ان ممالک میں ایام گرما میں بارش ہوتی رہتی ہے اور ندیاں بہتی ہیں جو میدانوں اور تالابوں میں گم ہو جاتی ہیں اسلئے زمین اسقدر زرخیز ہے کہ تخم ریزی وہاں سال میں دو بار ہوتی ہے۔ حضرموت سے ملک سبا تک ۴۰ روز کا راستہ ہے۔ سوداگر معین سے عیلانہ (عقبہ) تک ۷۰ دن میں جاتے ہیں۔ حضرموت۔ اقتاب۔ سبا اور معین کے شہر دولتمند ہیکلوں اور شاہی عمارتوں سے آراستہ ہیں (Dun ker's Ancient Hist vol P. 310-11)

یمن کی قوموں میں معین سب سے زیادہ قدیم اور فروغ یافتہ تاجر معلوم ہوتے ہیں۔ ایک قدیم جغرافیہ نویس انکے حال میں لکھتا ہے۔

معین سے بطرا اور فلسطین تک سڑک جاتی ہے۔ جہاں اہل قریہ اور اہل معین اور آس پاس کے تمام عرب بالائی ملک سے خوشبودار چیزوں کے بیتے اور بخورات لاتے ہیں۔ GOLD MINES OF MEDIAIN P. 179

پلینی کے بیان کے مطابق انکی زمین کی خاص پیداوار چوہارے اور انگور تھے لیکن ان کی دولت کا اصلی سرچشمہ جانوروں کی تجارت تھی۔ (FOREOTER P. 224-26)

معین کے کھنڈر ابتک باقی ہیں۔ اون سے ظاہر ہوتا ہے کہ معین کے تمام قلعے اور شہر ایک دائرے کی صورت میں واقع تھے معین خود ملک سبا کے قلب میں اوس شاہ راہ کے دست راست پر جو آرب کے شمالی جانب سے واقع تھا۔ روایات عرب میں معین کے ساتھ ساتھ براقش کا ذکر ہوتا ہے۔ براقش کا محل وقوع معین کے مغربی جنوبی جانب اور موجودہ صنعا کے قریب جو کوہستانی سلسلہ ہے۔ اُسکے مغربی جانب تھا۔ براقش کا قدیم نام یثیل تھا۔ اہل معین کا تیسرا قلعہ یا شہر جو شاید یونانیوں کا بیان کردہ قرن یا قرنا ہو شمالی جوف کے وسط میں معین و براقش کے شمال میں تھا۔

اہل معین کے شمالی آثار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف تجارتی حکومت نہیں تھی۔ بلکہ جنگ و فتح میں حصہ لیتی تھی۔ شمالی معین کا ایک گورنر اپنے آقا کے بخیر و عافیت میدان جنگ سے واپس آنے پر ایک یادگار لوح پر لکھتا ہے۔

عثتار (دیوتا) کے شکرانہ میں اوس کی حفاظت پر۔ فرمانروائے جنوب اور فرمانروائے شمال کی باہمی جنگ میں اور مادی (میڈیا) اور مصر کی لڑائی میں۔ اور اوسکے بخیریت اپنے خاص شہر قرن واپس پہونچ جاتے ہیں۔

اس کتبہ کا نویسندہ اپنے کو ابی یدع ثیع شاہ معین کا ماتحت ظاہر کرتا ہے۔ اور اپنا لقب قسار اشور۔ اور بالائی ساحل بحر کا حاکم بتلاتا ہے۔ قسار کا ذکر مصری کتبات میں بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر و عرب کی سرحد پر جہاں اب سویز ہے قسار کوئی سرحدی قلعہ تھا۔ معین کو ایک دوسرے کتبہ سے حکام معین کا شہر غزہ پر بھی حکومت کرنا معلوم ہوتا ہے۔ شہر غزہ شام و فلسطین کے پاس ابتک موجود ہے۔ ان بیانات سے معلوم ہوا کہ معین کی حکومت یمن سے شروع ہو کر شام و مصر اور اشور (اسیریا) تک ممتد تھی۔

خاندان معین میں کتنے بادشاہ گذرے اور اوسکے کیا نام تھے؟ اسکا جواب نہ خود روایات عرب میں ہے اور نہ مورخین یونان کے بیانات میں۔ اسکے لئے دُنیا کو صرف علمائے آثار کا ممنون ہونا چاہیئے۔ انہوں نے معین کے تقریباً ۲۵ بادشاہوں کے نام دریافت کئے ہیں جنمیں سے ۲۰ باہم ایک دوسرے کے رشتہ دار ہیں۔ ناموں کی فہرست حسب ذیل ہے۔

ایل صادق	ابی یفع یاثع	ابی یفع یاتوش	عمی یدع نابط	خالی کرب
وقع ایل یاثع	ابی یدع یاثع	ابی یفع وقہ	ابی یفع ریام	حفن یاثع
ابی یفع یاشر	وقہ ایل ریام	وقہ ایل صادق	ہوفا عثت	ثیع ایل ریام
حفنم ریام	حفنم صادق	ابی کرب یاثع	ابی یدع	ثیع کرب
	ابی یدع	خفنم		

بنی لحیان کی حکومت

منجملہ عرب البادیہ کے رواۃ عرب بنی لحیان نام ایک قبیلہ کا ذکر کرتے ہیں۔ بنی لحیان کی نسبت وہ صرف اسقدر جانتے ہیں کہ یہ جرہم کی ایک شاخ تھی۔ ابن خلدون نے بھی اسیقدر لکھا ہے۔ آجکل شمالی عرب کے شہر العلا میں چند کتبات سبائی اور معینی قوموں کے پہلو بہ پہلو ملے ہیں جن سے نہ صرف بنی لحیان کا وجود ثابت ہوتا ہے بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شمالی عرب میں حدود شام میں اور خصوصاً العلا کے اطراف میں آباد تھے۔ خط لحیانی جنوبی عرب کے خط معینی اور سبائی سے مشابہ ہے۔ بلکہ انھیں سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۳ ص ۳۹)

علمائے آثار بنو لحیان کی قوت سیاسی کا زمانہ شمالی عرب میں معین و سبا کے انحطاط (سنہ ۵۰۰ ق م) اور انباط کے ارتقاء (سنہ ۲۰۰ ق م) کے درمیان بتلاتے ہیں۔ بنی لحیان کا مسکن حکومت فارس و مصر کے درمیان واقع تھا۔ ہیروڈوٹس بیان کرتا ہے کہ یہ عرب ہر سال ہزاروں وزن بخورات شاہ فارس کو نذر دیتے ہیں۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ ص ۳۷۹) لیکن یہ نذر غلامی اور عبودیت کی قسمت نہیں تھی۔ بلکہ دوستانہ ہدیہ تھا کیونکہ مورخ مذکور لکھتا ہے کہ اون عربوں کو (بنی لحیان کو) ابتک کوئی فتح نہ کر سکا۔ (ہیروڈوٹس باب ۳ فقرہ ۸)

سنہ ۵۲۵ ق م میں قمبیز نام شاہ فارس نے جب مصر پر حملہ کرنا چاہا تو صحرائے سینا کا بے آب و دشوار گذار میدان بغیر ان عربوں کی اعانت کے قطع کرنا محال تھا۔ شاہ فارس نے ان عربوں کے پاس ایک سفارت بھیجی کہ وہ اسکی مدد کریں اور اس ریگستان میں اسکی فوج کیلئے پانی کا انتظام کریں۔ شاہ عرب نے امداد کا وعدہ کیا اور پتھر سے اونگلی پر مار کر خون نکالا جو پختگی وعدہ کی عربوں میں خاص نشانی تھی۔ پھر اونٹوں کی کھالوں میں پانی بھر کر اس خشک ریگستان کو چشمۂ پر آب بنا دیا۔

حضارموت یا حضرموت کی حکومت

عبری زبان میں "ض" نہیں ہے۔ اسلئے عبری میں اسکا تلفظ حضرموت یا حصارموت۔ بزیادت الف کیا گیا ہے۔ حضرموت ابن قحطان کی اولاد نے جس قطعہ عرب کو اپنا مسکن بنایا وہ حضرموت کے نام سے آج تک مشہور ہے۔ حضرموت بحر عرب کے ساحل پر یمن کے مشرق میں واقع ہے۔

بنو حضرموت کی ایک مستقل حکومت تھی جسکا ذکر یونانیوں نے جابجا کیا ہے۔ مسلمان مورخین بھی ایسی دور حکومت سے واقف تھے۔ عرب مورخین نے حضرموت کی کوئی مفصل تاریخ کہیں بیان نہیں کی ہے۔ لیکن اتنا اونکو معلوم تھا کہ سبا کیطرح اس خاندان میں بھی متعدد بڑے بڑے بادشاہ گذرے ہیں۔ انکا لقب عیل ہوتا

تھا مورخین عرب کا بیان ہے کان فیہم ملوک تقارب ملوک التبابعۃ فی علو الصیت وبناءۃ الذکر شاہان حضرموت شہرت اور ناموری میں ملوک تبابعہ یمن کے ہم درجہ تھے۔ ابن خلدون نے تاریخ میں انکے بعض بادشاہوں کا ذکر کیا ہے۔ نشوان ابن سعید حمیری نے بھی انکا نام لیا ہے۔

وعیا ہل من حضرموت من بنی اجادذی الاشبا ال صباح والعزمن سبات وابناءہ وبنی شبیب والاولی بناح وبنی ابی صبال وال فہد منہم من الحق سالندی منا ہم

فرزندان حضرموت زیادہ تر لڑائیوں میں مارے گئے۔ برباد ہو گئے اور جو بچے اونھوں نے اپنے آپ کو قبیلہ کندہ میں منضم کر دیا۔ ابن خلدون کی عبارت ہے۔

قد ذھب اکثرھم واندمج باقیہم فی کندہ وصاروا فی اعدادھم — ابن خلدون	اکثر لوگ فنا ہو گئے۔ جو بچے وہ قبیلہ کندہ میں مخلوط ہو گئے اور اونکا شمار انھیں میں ہو گیا۔

بنی حضرموت چونکہ بحر عرب کے ساحل پر آباد تھے جو تقریباً جنوبی ہندوستان کے سامنے ہے۔ اس لئے ہندوستان کی بحری تجارت کے بہ عہد قدیم سے مالک تھے۔ ہندوستان کا تمام بیوپار انھیں کے توسط سے انجام پاتا تھا۔ جہازرانی میں انکو خاص دستگاہ حاصل تھی۔ اسلام کے بعد انکی یہ قوت اور زیادہ ہو کر جھکی۔ جزائر ہند جاوا سماطرا وغیرہ اور تمام سواحل ہند میں انکی نوآبادیاں قائم ہیں۔ دکن کی ریاست حیدرآباد کی فوجی طاقت میں اور مرہٹوں کے زمانہ تک اونکے عنصر کا ایک جزو ثابت ہوتا ہے ان سواحل و جزائر میں اشاعت اسلام کی خدمت بھی انہیں حضرموتی عربوں کے ہاتھوں سے انجام پائی ہے۔

حضرموت اون خوش نصیب عربی قبائل میں ہے جنکا نام توراۃ میں مذکور ہے لیکن افسوس ہے کہ یہ خوش نصیبی نام کی حیثیت سے صرف ایک ہی بار نصیب ہوئی ہے یعنی قحطان کے بیٹوں کے سلسلہ میں حضرموت کا نام بھی توراۃ میں داخل ہے لیکن حضرموت کے بندرگاہ قانہ یا قانیہ کا نام تجارت کی مناسبت سے مذکور ہے۔ کتاب حزقیال ۲۷-۲۲ میں ہے۔ حاران۔ قانہ اور عدن سبا کے تاجر اسیریا تیرے بیوپاری تھے۔"

یونان نے بھی اسی بحری تجارت اور ہندوستانی بیوپار کے تعلق سے انکا ذکر کیا ہے اراتوستھنیس ERATOSTHENES المتوفی ۱۹۶ ق م۔ بیان کرتا ہے کہ یمن کے آخر میں مشرق کی طرف حضرموت (CHATRAMITES) ہے اسکے دارالحکومت کا نام سبا تھا SABBATHA ہے۔ سباتھا کا اصلی تلفظ شبوہ۔ جو ابتک حضرموت میں ایک آبادی کا نام ہے۔ پھر یہی مصنف آگے چلکر لکھتا ہے حضرموت زیادہ تر بخور راتنب پیدا کرتا ہے لیکن ہر قسم کے میوے بھی وہاں وافر اور جانور بھی بکثرت ہوتے ہیں

حضر موت سے سبا کا ملک ۴۰ روز کی مسافت پر ہے۔ حضر موت اور شبا نہایت دولتمند شہر ہیں اور مذہبی اور شاہی عمارات سے آراستہ ہیں۔

پلینی (سنہ ۷۹ء) کہتا ہے۔ سبا کے ایک حصہ کا نام حضر موت ہے جسکا خاص شہر شبا تھا (شبوہ) ہے۔ اس شہر میں ۶۰ ہیکل (معبد) ہیں۔ یہاں سے بخورات جمع کر کے سبا تھا لائے جاتے ہیں۔ اور اسوقت تک یہ خرید نہیں کئے جاسکتے اور نہ کوئی غیر ملکی ان کو لے جاسکتا ہے جبتک کاہن سبا تھا کے دیوتا کیلئے ایک عُشر (دسواں حصہ) وصول نہیں لیتا (Dunker's Hist of Antiquity vol 1 pp 310, 311, 313)

ایک یونانی مورخ لکھتا ہے کہ حضر موت میں بادشاہ وراثتاً نہیں ہوتا۔ بلکہ شرفاء ملک کے گھر میں بادشاہ کے انتخاب کے بعد جو پہلا بچہ پیدا ہوتا ہے وہی ولی عہد ہوتا ہے۔

حضر موت کے آثار کی تحقیق بہت کم ہوئی ہے سنہ ۱۹۱۳ء تک جو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد اول کے طبع کی تاریخ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضر موت کے پایۂ تخت شبوہ میں سیکڑوں کتبات ایسے موجود تھے جو پڑھے نہیں گئے تھے تاہم جو آثار دریافت ہو چکے ہیں اون سے ثابت ہوتا ہے کہ حضر موت کا تعلق نہایت قدیم زمانہ سے معین کے ساتھ تھا۔ بلکہ حضر موت کا خاندان معین کے ساتھ تعلقات نسبتی بھی رکھتا تھا۔ اور قانہ کا بندرگاہ اور ملک کا ایک ٹکڑا ایک حد تک اسکے ماتحت تھا۔ ایک طویل خاموشی کے بعد حضر موت کا نام سبا کی ماتحتی میں نظر آتا ہے۔ (Hist de la Arabee Tome vol p 49)

سبا کا زمانہ سنہ ۹۰۰ یا سنہ ۱۰۰۰ ق م تک مفروض ہے۔ اس دور میں بھی حضر موت کی حکومت کا ذکر جنگ و صلح کے تعلق سے آتا ہے۔ شاہان سبا کے خطاب شاہی کیساتھ "شاہ حضر موت" کا لقب بھی نظر آتا ہے۔ سواحل یمن کے دوسری جانب ملک حبش ہے۔ اہل حبش بھی اصل میں سامی عرب تھے۔ انہوں نے اپنی نو آبادی قدیم زمانہ میں اپنے وطن کے دوسرے مقابل جانب میں قائم کی تھی۔ اس زمانہ میں رفتہ رفتہ وہ بھی سواحل حضر موت پر واپس آ رہے تھے۔ تقریباً سنہ ۳۰۰ء میں وبالآخر حضر موت پر اونھوں نے استیلا حاصل کر لیا۔ (Encye Bri vol II p. 264)

حضر موت کے بادشاہوں کے نام جو کتبات و نقوش میں پڑھے گئے ہیں۔ انہیں سے ہمکو صرف دو معلوم ہیں صدوق ایل اور معدی کرب۔ معدی کرب صدوق ایل کا پوتا تھا۔ اور معین کے بادشاہ ابی یدع یانع کا بھیجا اور معاصر۔

سنہ ۱۰ھ میں حجاز و نجد کے معاملات سے فارغ ہو کر آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ، معاذ ابن جبل اور ابو موسیٰ الاشعری کو جو اصل میں یمنی تھے۔ دعوت اسلام کی غرض سے یمن میں بھیجا۔ ایک ہی سال

کے اندر تمام ملک مسلمان تھا۔ اسی سال زیاد ابن ولید خزرجی یہاں عامل مقرر ہو کر آگئے۔ عہد اسلام میں حضرموت کا آخری بادشاہ ہو لا وائل بن حجر تھا حضرموت کی زبان حجاز کی زبان سے مختلف تھی۔ شاہان عالم کے سلسلہ میں وائل کو عربی میں جو خط لکھا گیا تھا۔ وہ حضرموتی الفاظ کی آمیزش کے ساتھ تھا، نامہ مقدس یہ تھا[1]

[1] صاحب ارض القرآن نے دعاۃ اسلام فی الیمن کی تفصیل بطور اجمال لکھدی ہے۔ جو مناسبت مقام کی وجہ سے کسیقدر صحیح بھی مانی جا سکتی ہے۔ مگر یہ نظر آیات مجملہ عام اطلاع کے لئے اکثر اوقات غلط فہمی اور فسادات کثیرہ پیدا کرتے ہیں۔ اسلئے اس اجمال کی کسی قدر تفصیل کر دینی واقفیت عامہ کی صحت کے لئے مناسب و ضروری ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کی خدمات دعوت اسلام فی الیمن کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ آپ کی عبارت سے معاذ ابن جبل اور ابو موسیٰ الاشعری کی مشارکت کیساتھ معلوم ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ گویا یہ تینوں بزرگوار علاقہ یمن میں یک وقت یک جا اور یک جماعت بھیجے گئے تھے۔ حالانکہ ایسا بیان واقعات کا صریح مخالف ہے۔ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کا تعین خاص علاقہ ہمدان کی ہدایت کیلئے سنہ ۱۰ھ (حجۃ الوداع) میں ہوا تھا۔ آپ کی ماتحتی میں مہاجر و انصار کی ایک معتدبہ جماعت البتہ ہمراہ تھی۔ اسی واقعہ کے متعلق بریدہ صحابی کے وہ غلط فہمی اور بدگمانی جو خالد ابن ولید کی ذہانت اور اشتعال طبعی کا نمونہ تھی۔ اور جو بالآخر عتاب نبوی کا باعث ہوئی اور بریدہ عمر بھر اپنی اس نادانی پر پشیمان رہے۔ پیش آئی۔ یہ خدمات حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے صرف اعجاز بیانی اور حسن زبانی سے جس خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ عمل میں لائے گئے۔ اُسکی تصدیق و توثیق کیلئے ترجمان قدرت اور زبان رسالت کے کلمات۔ اسلام علی الھمدان السلام علی الھمدان (بمراۃ ثلاثہ) کافی ہیں۔ اسکے بعد دربار نبوت سے۔ انہیں خدمات کے صلہ میں اقضاکم علینا کا خطاب گرانمایہ عطا فرمایا گیا کما لا یخفی علی اصحاب التحقیق۔ واقعات کے خلاف تو یہ بیان یوں ظاہر کرتا ہے۔ اب اصل امر کی تفہیم میں باعث فساد اسطرح ہوتا ہے کہ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی خصوصیات کا منافی ثابت ہوتا ہے۔ اسلئے کہ آپ کے تمام اسلامی خدمات بلا مشارکت احدے و بے مداخلت غیرے تمام آثار معتبر اور اخبار مستند و معتمد سے ثابت ہوتے ہیں۔ قبول اسلام سے لیکر دفن رسول صلعم تک آپ کی خدمات کی شان بالکل تنہا ہے۔ کسی دعوت کسی سرایہ میں آپکو کسی افسر اسلامی کی تبعیت یا مشارکت کی تکلیف نہیں دی گئی۔ نزول سورۃ توبہ کے موقع پر احکام عشرہ کی تبلیغ کے لئے۔ بذریعہ وحی تاکیداً مقرر کیا جانا۔ اسکا کافی ثبوت ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ مشرکین مکہ کے اتنے بڑے کثیر مجمع میں اسلام کی تبلیغ دعوت اس سے بڑھکر اور کون ہو سکتی ہے۔ یہ تو دعوت تبلیغی کی مثال ہوئی سرایا اور جنگی خدمات کی نسبت ذوالعشیرہ سے لیکر جیش اسامہ کے آخر واقعہ تک جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی تبعیت اور ماتحتی کسی سریہ میں کسی تاریخ و مغازی کی کتاب سے ثابت نہیں ہوتی۔ آپ کی محاسن خدمات کی یہ ندرت صاف صاف ثابت کر رہی ہے کہ قدرت نے یہ خصوصیت آپ کی ذات میں خاص طور پر ودیعت فرمائی تھی۔ پھر ایسی تخصیص کو ضرورتاً یا غیر ضرورتاً مشارکت کے غیر واقع اور بیجا مداخلت کے ساتھ تعمیم کی صورت میں ظاہر کرنا نہ تھا اور تخصیص کے شرف خاص کی تخفیف کرنا ہے بلکہ اس واقعہ کی تضعیف اور اسمیں تحریف کرنا ہے جو نہ اطلاع کے لئے مفید ہو سکتی ہے اور نہ اہل تحقیق کو کوئی نفع پہنچا سکتی ہے۔ فافہم وتدبر۔

المولف الاحقر سید اولاد حیدر بلگرامی

من محمد رسول الله الى الاقيال العباهلة والارواع المشابيب ... في التيعة
لا مقورة الالياط ولا ضناك وانطوا الثبجة وفي السيوب الخمس ومن زنا مم
بكر فاصقعوه مائة واستوفضوه عاما ومن زنا مم ثيب فضرجوه بالاضاميم
ولا توا ...... في الدين۔

سبا کی حکومت

اُمم قدیمہ عرب کی سب سے مشہور ترین شاخ سبا ہے۔ ایک طرف روایاتِ عرب، حکایاتِ یونان اور آثارِ قدیمہ ہیں۔ دوسری طرف قرآن مجید، توراۃ، زبور اور انجیل ہیں۔ اسکی شہرت و عظمت کی داستانیں اور واقعات موجود ہیں۔

نام۔ توراۃ میں سبا ایک جد قبیلہ کا نام ہے۔ بروایت عرب اسکے جد قبیلہ کا نام عمرو یا عبد الشمس اور لقب سبا تھا۔ محققین جدید بھی زیادہ تر اسکو لقب خیال کرتے ہیں۔ لغویین عرب کی رائے ہے کہ یہ سبی سے مشتق ہے جس کے معنی غلام بنانے کے ہیں۔ چونکہ عبد الشمس بہت بڑا فاتح تھا۔ اور اُس نے بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے غلام بنایا اسلئے اسکا لقب سبا قرار پایا۔

تحقیق جدید یہ ہے کہ سبی اور سبا۔ اس معنی سے ماخوذ ہے جسکا مفہوم تجارت ہے۔ کتبات میں عموماً سبا کا لفظ تجارتی سفر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ عربی زبان میں یہ ابتک "شراب" کی تجارت اور خرید فروخت اور اسکے لئے "سفر" کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ سبا چونکہ تاجر قوم تھی۔ اسلئے اس لقب سے مشہور ہوئی ہے لہ (Encyclo Brita Vol 23 P 955)

لہ سبا کی وجہ تسمیہ میں فاضل معاصر نے دو قول تحریر فرمائے ہیں۔ ایک لغویین عرب کا۔ دوسرا علمائے آثار یعنی مستشرقین یورپ کا۔ عربی کے علمائے لغت کا جو قول اور مختار نقل فرمایا گیا ہے۔ وہ علمائے آثار یعنی مستشرقین یورپ کے بیانات اور قیاسات سے زیادہ قریب الفہم اور آسان ہے۔ مگر ہمارے فاضل معاصر نے مستشرقین یورپ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ ہمارے لائق محقق کو فیصلہ سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے تھا کہ جانبین نے لفظ عربی کے مادی معنوں سے کام لیا ہے مگر عرب نے لفظ کے اصلی اور پہلے معنی سے مطابقت کی ہے اور اون کی مطابقت سبا کے فتوحات اور واقعات سے بالکل مناسبت رکھتی ہے۔ اسکے خلاف مستشرقین یورپ نے اس لفظ کے معنی مجاز اور درجہ دوم کے معنوں سے کام لیا ہے جس کے مجازی اور اصطلاحی معنی شراب کی تجارت اور اسکی ضرورت سفر کے عربی لغت سے ثابت ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ معنی بمرتبہ دوم لغت عرب میں پائے جاتے بھی ہوں تاہم واقعات سے متعلق مناسبت نہیں رکھتے۔ کیونکہ اگر سبا کو تجارت پیشہ سمجھ بھی لیا جاوے۔ تو شراب کی اصلی اور خاص تجارت کے مفہوم کہاں سے

زمانہ حکومت

سبا کا زمانہ عروج کب سے شروع ہوتا ہے؟ روایات عرب میں براہ راست اسکا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لیکن تمام مورخین اور اہل نسب نے عبد الشمس سبا کو قحطان کا پوتا بتلایا ہے۔ یہ ان کی حکومت کا زمانہ ۴۸۴ برس بتلاتے ہیں۔ (مسعودی ج ۱ ص ۱۹۳ مصر)

اسکے بعد اوسکا جانشین۔ اون کی تصریح کے مطابق حمیر ہوتا ہے۔ بقاعدہ عام عبد شمس سے اگر عبد الشمس کا خاندان مراد لیا جائے تو قحطان کی تیسری پشت سے۔ جو کم از کم ۲۵۰۰ ق م میں ہوگی۔ اس کا زمانہ شروع ہوکر ۴۸۰ برس کے بعد ۲۰۰۰ برس کے پس و پیش میں ختم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ سبا اور حضرت سلیمان (۹۵۰ ق م) کی معاصرت قرآن مجید، اسفار یہود اور انجیل سے اسکے ایکہزار برس کے بعد بھی ثابت ہے۔

اسفار یہود میں سبا کا حکومت کی حیثیت سے ذکر سب سے پہلے حضرت داؤد کی زبور (۷۲-۱۰) میں نظر آتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۱۰۰ ق م سے پہلے عہد عروج شروع ہو چکا تھا۔ اسیریا کے کتبات میں ۷۱۵ ق م میں اسکا (سبا کا) ایک بادشاہ اسیریا کو خراج دیتا ہے اور یہ سبا کی ترقی کا آخر زمانہ ہے آخر میں ولادت مسیح کے پس و پیش یونانی تاریخوں میں بھی اسکا ذکر ہے۔ اس سے سبا کا آخری زمانہ ظاہر ہوتا ہے۔ کتبات یمن اور حضرت داؤد کی زبور کے اسناد سے جس کی تدوین کا زمانہ دسویں صدی کا وسط ہے۔ سبا کے عروج کا زمانہ ۱۱۰۰ ق م سے کسی حال میں کم نہیں قرار دیا جا سکتا۔

دائرہ یا رقبہ حکومت

سبا کا اصلی مرکز حکومت جنوب عرب میں یمن کا مشرقی حصہ تھا۔ اسکا دار الحکومت شہر ماریب تھا لیکن رفتہ رفتہ اسکا دائرہ مغرب میں حضر موت تک وسیع ہو گیا تھا اور چونکہ یہ ایک تاجر قوم تھی اسلئے بہت سے بحری اور تجارتی (بری) راستوں پر بھی اسکو قبضہ کرنا پڑتا تھا۔ اسی سلسلہ میں شمالی عرب

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ سے اسکے جائیں گے۔ کتبات کی عبارت۔ واقعات کی صورت۔ تاریخ و سیر کی نقل و تحریر سے سبا اور اہل سبا کی تجارت، شراب کی تو کوئی خصوصیت نہ مستشرقین یورپ ہی نے بتلائی نہ آپ ہی نے درج فرمائی تو پھر ایسی حالت میں آپ کے اس دعوے بے دلیل کو کیسے صحیح کہا جا سکتا ہے۔ اور اس بنا پر مستشرقین یورپ کی وجہ تسمیہ صرف اونکی قیاسی اور غلط فہمی سمجھی جائیگی۔ اور لغویین عرب کی بتلائی ہوئی آسان اور قریب الفہم وجہ تسمیہ کے مقابلہ میں آپ کے مصطلحات غیر مروجہ کو چاہ کندن و کاہ برآوردن سے زیادہ وقعت نہیں دیجائیگی۔ المولف۔ سید اولاد حیدر عفی عنہ

پر سبا کی حکومت نظر آتی ہے اور افریقہ میں بھی اُسکے آثار ملتے ہیں۔ حبشہ میں اذینہ کا ضلع سبا کے ماتحت تھا۔
اس ضلع پر معافر کے نقشے ایک گورنر حکومت کرتا تھا۔ (Encyclo Brit V0 23 P. 955)

یمن سے براہ حجاز شام تک جو قدیم تجارتی راستہ تھا۔ یہ بھی سبا کے قبضہ میں اوسوقت نظر آتا ہے اور اوسپر جا بجا ان کی نو آبادیاں قائم معلوم ہوتی ہیں۔ غالباً ان مقامات پر سبا کا قبضہ و استیلا نویں یا آٹھویں صدی میں اہل معین کی مفتوحی کے بعد ہوا ہوگا۔ اسیریا کے بادشاہ سرجون کے ایک کتبہ میں جو ۷۱۵ ق م کا ہے شمالی عرب کے چند قبائل کا ذکر ہے۔ انمیں ایک کا نام مثغر سبائی ہے یہ سرجون کو خراج دیتا ہے (Encyclo Brit) سرجون کا یمن تک جانا آثار سے ثابت نہیں۔ اسلئے لامحالہ خود سبا کا گذر وہاں تک ہوا ہوگا۔ اس واقعہ سے سبا کی حکومت کا رقبہ شمالی عرب میں عراق تک ثابت ہوتا ہے اور سبا کی حکومت کا ان اطراف میں بھی سراغ ملتا ہے۔ (سفر ایوب ۱-۱۵ میں ہے کہ سبا نے اور اہل سیر با نے حضرت ایوب کے نیلام اور جانور لوٹ لئے۔ پھر صحیفہ ایوب ۶-۱۹ میں ہے کہ سبا کے ساتھی تیما کے سواروں کا انتظار کرتے ہیں) تیما شام کے پاس شمالی عرب میں ایک شہر ہے۔ اس آیت سے سبا اور شام کے تعلقات ظاہر ہوتے ہیں۔ دیگر اسفار یہود میں بھی سبا کا بکثرت ذکر موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک شام فلسطین اور مدائن کے آس پاس بھی انکی نو آبادیاں تھیں۔

سبا اور اوسکی شاخوں میں امتیاز

تمام عرب مورخین نے حمیر کو سبا کا بلا واسطہ جانشین فرض کیا ہے اور اون تمام ملوک یمن کو جو اس سلسلہ میں اول سے آخر تک گذرے ہیں اون کو حمیر بن سبا اور ملوک حمیر بن سبا سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر مستقلاً خاص سبا کے نام سے کسی زمانہ میں بھی اونکے اصول کے مطابق کوئی حکومت نہ تھی۔ لیکن یہ تصریح قرآن کے بالکل مخالف ہے۔ اوس نے حمیر کے بلا توسط حکومت سبا کا صاف اور صریح نام لیا ہے۔ اور تمام عبرانی، یونانی اور اثری شہادات قرآن کے ساتھ ہیں۔ عبرانی صحائف جنکا زمانہ آخر سنہ ۴۰۰ ق م ہے۔ حکومت یمن کا ہمیشہ سبا کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ یونانی مورخین نے سنہ ۲۰۰ ق م سے پہلے حمیر کا نام نہیں لیا ہے۔ آثار میں سنہ ۱۱۵ ق م کے بعد خاندان حمیر کا وجود نظر آتا ہے۔

مورخین عرب سے ایک بڑی غلطی یہ ہوئی کہ حمیری بانی حکومت سے حمیر ابن سبا تک جتنے آبائی نسب تھے اون سب کو بادشاہ قرار دیکر وہیں سے حمیری حکومت قائم کر دی۔ حالانکہ یہ ضرور نہیں کہ ایک فرزند قبیلہ جو اتفاق سے ایک سلطنت کا بانی ہو جائے اوس سے لیکر مورث قبیلہ تک اوس کی سلطنت مسلسل ہو۔ ابو العباس السفاح عباسی حکومت کا بانی تھا لیکن اس خاندان کے پدر اول حضرت عباس اس سے

پانچ چھ پشت پہلے ہیں۔ اس بنا پر نسب عباسی کی ابتدا حضرت عباس سے بیشک کیجائے گی لیکن ظاہر ہے کہ حکومت عباسی کی ابتدا حضرت عباس سے نہیں بلکہ السفاح سے کیجائے گی۔ اسیطرح نسب حمیری کی ابتدا سبا ابن حمیر سے ہوئی لیکن حکومت حمیری اسکے سیکڑوں برس بعد قایم ہوئی۔ اور نسب خاندانی کے لحاظ سے صحیح طور پر اسکو حمیری کہا گیا لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ حمیر ابن سبا نے خود اسکی بنیاد بھی ڈالی۔ معاویہ اور اسکے جانشینوں کی حکومت کا نام اموی ہے لیکن کیا اسکا مفہوم یہ ہے کہ خود امیہ اسکا بانی تھا۔

سبا کو چھوڑکر سبا کی متفرق شاخوں میں جو بادشاہ گذرے ہیں اون کے نام و تعداد و حالات کسیقدر زیادہ روشن ہیں۔ اون کی بنا پر ان کا زمانہ ۶ یا ۷ سو سے زیادہ نہیں۔ جیسا کہ تاریخ حمزۂ اصفہانی کی تاریخ میں ایام ملوک آل غسان اور ملوک مناذرہ کے ازمنہ کے جمع کرنے اور حمیر کے زمانوں کی تعدیل کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس زمانہ کی انتہائی حد معلوم ہے یعنی تقریباً ۶۰۰ء عیسوی جو ظہور اسلام کا زمانہ ہے۔ اس حساب سے انکا زمانۂ تفرق ۱۱۵ء ق م یا علی العموم پہلی صدی ق م ہونا چاہئے اور یہ وہی زمانہ ہے جسکو گلازر نے ابتدائے حمیر اور انتہائے سبا کے لئے از روئے آثار مقرر کیا ہے۔ اسلئے اس زمانۂ تفرق اور تفرع سے پہلے فرزندان سبا کا جو مشترک زمانہ تھا حکومت سبا سے وہی عہد مراد ہے۔

فرمانروایان سبا۔

حکومت سبا کا نام تحریری حیثیت سے سب سے پہلے ۱۰۰۰ء ق م میں حضرت داود کے عہد میں نظر آتا ہے اس زمانۂ بعید العہد میں بھی سبا کی دولت و حشمت ہمسایہ بادشاہ کی نگاہ میں قابل رشک تھی حضرت داود زبور میں کہتے ہیں۔

"الہی اپنے بادشاہ کو اپنا فیصلہ عطا کر اور بادشاہ کے بیٹے کو راستی ...... شبا اور سبا کے بادشاہ اوس کو نذریں دینگے اور سبا کا سونا اوسکو پیش کیا جائیگا"

بادشاہ داود کی دعا قبول ہوئی۔ اور بادشاہ کے بیٹے سلیمان کی بارگاہ میں سبا کے بادشاہ نے نذر دی اور سبا کا سونا اسے پیش کیا ۹۵۰ء ق م میں جو تقریباً حضرت سلیمان کا عہد ہے از روئے قرآن و توراۃ سبا پر ایک عورت حکمران تھی۔ رواۃ عرب اس عورت کا نام بلقیس بتاتے ہیں لیکن بلقیس کا جو زمانہ وہ قرار دیتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے مفصل بحث آگے آئیگی۔

سرجون یا سرغون شاہ اسیریا کے عہد میں جس کا زمانہ ۷۲۱ء ق م سے ۷۰۵ء ق م ہے ملک سبا پر شمیر نام بادشاہ تھا۔ سرجون نے اپنے ایک یادگاری کتبہ پر لکھا ہے کہ اوسکو ...... ثمود ...... شمیر ملک سبا (عربیا) اور شہر سبائی نے خراج دیا (Roger's Hist of Bible vol II 164) یہ متفق ہے جیسا کہ اوپر بیان

ہو چکا ہے کہ سر جون یمن تک نہیں پہونچا۔ اسلئے یہ ظاہر ہے کہ خود سبا حدود اسیریا تک پہونچ گئے تھے۔ اسکی تائید سفر ایوب سے بھی ہوتی ہے جسمیں کلدان اسیریا اور سبا کو باہم متحداً حدود شمالی عرب میں ظاہر کیا گیا ہے۔

شہر سبا کی متعدد بادشاہوں کے نام ہیں۔ انہیں میں سے ایک وہ شمر ہی ہے جس نے دار الحکومت مآرب میں۔ سد عرم کی بنیاد ڈالی۔

عرب مورخین نے چونکہ سبا اور حمیر میں کوئی تفریق نہیں کی ہے۔ اسلئے سلسلہ حمیر سے الگ انہوں نے کسی بادشاہ سبا کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ حمیر کے اونھوں نے دو ٹکڑے کئے ہیں۔ ملوک حمیر اور تبابعہ حمیر۔ ملوک وہ ہیں جو صرف ملک یمن میں حکمراں تھے۔ تبابعہ وہ ہیں جنکے ماتحت یمن و حضرموت دونوں تھے۔ انکی تحقیق کی مطابقت سے سب سے پہلا تبع۔ حارث الرائش ہے۔ ملوک حمیر کی تعداد انکے ہاں بہت کم ہے۔ بلکہ بعضوں نے تو اس طبقہ کو بالکل حذف کر دیا ہے۔ وہ حمیر بن سبا کے بعد فوراً بلا واسطہ یا چند واسطہ حارث الرائش کا نام لیتے ہیں۔ حالانکہ حمیر اور رائش کے درمیان کم از کم ہزار برس کا فصل ہے جسکی تصریح بھی صرف مخصوص مورخین نے کی ہے۔ لیکن وہ باہم اسقدر مختلف ہیں کہ نتیجتاً انکا سب کی بے اعتباری ظاہر ہوتی ہے۔ اس بے اعتباری کی بڑی دلیل یہ ہے کہ بجز چند ناموں کے انمیں سے کوئی نام سبائی اسماء کے طرز کا نہیں ہے حالانکہ ناموں کے اسلوب طرز کو قومیت کی تعیین میں بہت بڑا دخل ہے۔ بہرحال مثالاً چند نام مختلف روایات مستندہ سے یہ درمیانی نام پیش کئے جاتے ہیں۔

نمبر	نشوان ابن سعید حمیری	قلقشندی	ابوالفدا	ابن خلدون	مسعودی
۱	سبا	سبا	سبا	سبا	سبا
۲	حمیر	حمیر	حمیر	حمیر	حمیر
۳	الہمیسع	الہمیسع	وائل	وائل	کہلان
۴	ایمن	ایمن	السکسک	السکسک	ابومالک
۵	زہیر	زہیر	یعفر	یعفر	جبار ابن غالب
۶	عریب	عریب	ذوریاش	نعمان	حارث الرائش
۷	الغوث	قطن	نعمان	ذوریاش	
۸	وائل	الغوث	اشحع	اشحع	
۹	[illegible]	وائل	شداد	حارث الرائش	
۱۰	زہیر الاشہر	عبد شمس	لقمان		
۱۱	ذوالقادم	زرعہ حمیر الاصغر	ذوسدد		
۱۲	ذو اقصرا	شداد	الحارث الرائش		
۱۳	شمر	الحارث الرائش			
۱۴	الملطاط				
۱۵	القلیس				
۱۶	شداد				
۱۷	الحارث الرائش				

غالباً اسی اختلاف کیوجہ سے حمزہ اصفہانی نے حمیر بن سبا اور حارث الرائش کے درمیان کے نام چھوڑ دیئے اور مجملاً لکھتا ہے کہ حمیر بن سبا انتہائی عمر کو پہونچکر مرگیا اوس کی نسل اُسکے بعد وراثتاً حکومت کرتی رہی اور اُنکے خاندان سے نکل کر یمن کی مملکت دوسروں کو نہیں ملی یہانتک کہ صدیاں گذر گئیں اور حکومت حارث الرائش کے ہاتھ میں آئی۔ یہ پہلا تبع ہے۔ حارث سے پہلے حکومت یمن اور حضرموت دو گروہوں پر منقسم تھی۔ کل اہل یمن ایک بادشاہ پر متفق نہ تھے۔ لیکن حارث الرائش جب بادشاہ ہوا تو سب اسپر متفق ہوگئے۔ اور اُسکے تابع بنے۔ اسلئے نام اُسکا تبع پڑا۔ حارث الرائش اور حمیر ابن سبا کے درمیان پندرہ پشتیں ہوئیں۔ حمزہ اصفہانی کلکتہ ص ۱۸۸۔

اس عبارت میں آخری فقرے کے علاوہ اور سب فقرے نہایت صحاح اور قابل قبول باتیں ہیں۔ ملوک حمیر بن سبا کی ابتدا کم از کم سنہ ۱۰۰۰ ق م سے یعنی زمانہ داؤد سے ہو تو تبابعہ حمیر کے پہلے ملوک حمیر یا سبا کیلئے ۹۰۰ برس ہوتے ہیں۔ اگر ایک ایک بادشاہ کا اوسط زمانہ ۲۵ برس بھی فرض کیا جائے تو کم از کم اس عرصہ میں ۳۶ پشتیں ہوں گی۔ اسلئے حمیر بن سبا کے معنی صرف یہ لینے چاہئیں کہ حمیر جو سبا کی اولاد در اولاد میں تھا اور جو تقریباً سنہ ۱۱۵ ق م میں دولت حمیریہ کا بانی ہوا اس حمیر اور حارث الرائش کے درمیان ۱۵ پشتیں ہونا ممکن ہے۔

بہرحال رواۃ عرب نے تبابعہ حمیر سے پہلے کے جو نام ملوک حمیر کے نام سے بتلائے ہیں وہ بہت کچھ محتاج تصحیح و تنقید ہیں۔ آثار و کتبات نے یونان و روما کی مدد سے تاریخ یمن کا جو حصہ روشن کیا ہے اوس سے ظاہر ہوتا ہے کہ درحقیقت اشارۂ قرآن کے مطابق حکومت یمن کے دو مستقل دور دو مستقل ناموں سے ہیں۔ سبا اور حمیر۔ سبا کی انتہا معلوم و متفق ہے کہ وہ سنہ ۱۱۵ ق م ہے (Encyclo Brit XXIV p. 254) اور یہی سال حمیر کی ابتدا کا ہے۔ سبا کی ابتدا ہم نے بوجوہ سابقۃ الذکر (سبا کا زمانہ) سنہ ۱۲۰۰ ق م سے شروع کی ہے اس بنا پر حمیر سے پہلے حقیقی سبا کی تاریخ ۱۰۸۵ برس پر مشتمل ہوگی جس میں کم از کم ۵۰ یا ۴۵ بادشاہوں کی پشتیں گذرنی چاہئیں۔

مکارب سبا

باعتبار کتبات دورِ سبا کے دو طبقے نظر آتے ہیں۔ پہلے طبقہ میں شاہانِ سبا کا لقب مکارب سبا لکھا ہے اُسوقت اُنکا مرکزی شہر یا قلعہ صرواح تھا۔ مکارب دو لفظ سے مرکب معلوم ہوتا ہے "مکا" اور "رب" سے۔ مکا کے معنی "مذہبی" کے ہیں۔ اور "رب" کے معنی بڑے اور بادشاہ کے ہیں۔ اسلئے مکارب کے معنی "مذہبی بادشاہ" یا کاہن بادشاہ کے ہیں۔ الغرض مکارب سبا حکومت سبا کے ابتدائی کاہن بادشاہوں کا لقب تھا۔ صرواح جو ان کاہن بادشاہوں کا دار الحکومت تھا اُسکے آثار ابتک مارب اور صنعا کے درمیان میں باقی ہیں۔ صرواح سے عرب بھی واقف تھے۔ عمر بن النعمان بن سعد بن خولان کہتا ہے۔

ابونا الذی کانت بصرواح دارہ	وفی جبلی نعمان عز تمکنا
ہمارا باپ تھا جس کا مسکن صرواح تھا	اور نعمان کے دو پہاڑوں میں عزت متمکن ہوئی

علقمہ جاہلیت کے زمانہ کا شاعر کہتا ہے۔

من یامن الحدثان بعد	ملوک صرواح و مارب
صرواح اور مارب کے بادشاہ ہونکے بعد	اب کون سی حوادث سے محفوظ رہ سکتا ہے

ابو علقمہ مرانی ۔ قصور یمن کے ذکر میں لکھتا ہے۔

براقش و معین نحن عامرھا	ونحن ارباب صرواح و ریتانا
براقش اور معین کے آباد کرنیوالے ہم ہیں	اور ہم ہیں مالک (رب) صرواح اور ریتان کے

مکارب سبا کے نام

مکارب سبا کے جو نام کتبات کے ذریعہ سے اسوقت تک دریافت ہوئے ہیں حسب ذیل ہیں سوائے آخر نام کے ہر ایک کو دوسرے سے نسبی تعلق ہے۔ انکی تعداد ۱۱ سے کہیں زیادہ ہوگی مگر افسوس ہے کہ تاریخ و سیر کے علاوہ کتبات کی پتھر والی لکیریں بھی انکی یاد قایم نہ رکھ سکیں اور صورت دیوار خاموش رہ گئیں، انکا عروج سلطنت سنہ ۹۰۰ سے ۸۰۰ ق م میں سمجھنا چاہیئے۔ مکارب سبا کے نام یہ ہیں۔ الفاظ کے فصل کیلئے نقطہ اصل سبائی خط مندرجہ کتبات کے مطابق ہیں۔

۱ ذمر علی ۔ مکارب ۔ سبا
۲ کرب ایل ۔ وتار ۔ بن ۔ ذمر علی
۳ سمھی علی ۔ ینوف ۔ بن ذمر علی
(متحد خاندان)

۴ یثع امر بیَن ۔ بن سمھی علی ۔ ینوف
۵ یدع ایل ۔ ذرح ۔ بن سمھی علی ینوف
۶ یثع امر ۔ وتار ۔ بن سمھی علی ۔ ینوف

۷ کرب ایل ۔ بیَن ۔ بن یثع امر ۔ وتار
۸ یدع ایل ۔ بیَن بن یثع امر وتار

لہ ۔ یہ فہرست ہالوے J. Halway کے شائع کردہ اصل کتبات سبا سے جو بخط عبری جرنل ایشیاٹک Journel Asiatique بابتہ ماہ دسمبر ۱۸۷۰ء پیرس میں چھپے ہیں۔ انتقاط کی گئی ہے اور اسکی تطبیق (Huart Tome Vol : P 56) سے کرلی ہے۔

۹　سمہ علی ینوف، بن یثیع امروتار
۱۰　ذمر علی وتار بن کرب ایل بیتن
۱۱　یدع ایل ذرح مکارب سبا (یہی ایک جدا گانہ نام معلوم ہوتا ہے)

آسانی سے سمجھ لینے کے لئے ہم خاندان مکارب مذکورہ بالا کا ایک شجرہ مرتب کر کے ذیل میں تحریر کئے دیتے ہیں۔

شجرۂ خاندان مکارب

ذمر علی مکارب سبا (۱)
- کرب ایل وتار (۲)
- سمہ علی ینوف (۳)
  - یثیع امر بیتن (۴)
  - یثیع امروتار (۵)
    - کرب ایل بیتن (۷)
      - ذمر علی وتار (۱۰)
    - یدع ایل بیتن (۸)
    - سمہ علی ینوف (۹)
  - یابع ایل ذرح (۶)
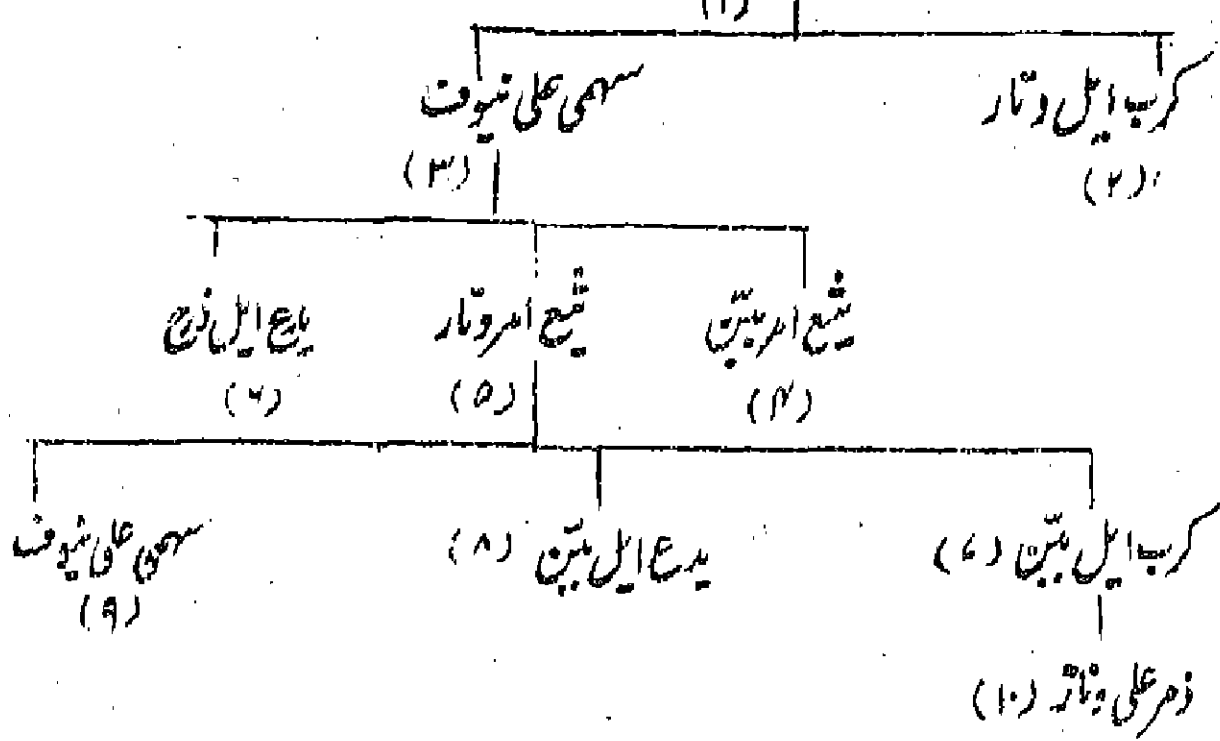
ملوک سبا

شاہان سبا کا زمانہ ۵۵۰ ق م تک نظر آتا ہے۔ اس عہد میں انکا لقب "ملک سبا" منقوش ملتا ہے انکا دارالحکومت شہر مآرب تھا۔ یہ شہر یمن کے مشرق میں واقع تھا اور اسکا دوسرا نام شہر سبا تھا۔ مآرب کے قصر شاہی کا نام سلحین تھا۔ سکون میں دارالضرب "بیت سلحین و حضر مآرب" منقوش ملتا ہے۔ مآرب تو مشہور مقام ہے۔ مگر سلحین بھی غیر معروف نہیں۔ عرب جاہلیت کا شاعر علقمہ لکھتا ہے۔

وقصر سلحین قد عفاہ　　ریب الزمان الذی یریب

یہی شاعر دوسری جگہ کہتا ہے۔

اوما ترین وکل شئی للبلی　　سلحین خاویۃ کان لم تعمر

ابو علکم مرائی کہتا ہے۔

وقصر سلحین علاہ وشیدہ　　کہلان والد ناع احب بکہلان

سبا کی تقسیم و تنظیم

ممالک سبا کی حقیقت سمجھنے کیلئے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ ممالک یمن کس اصول پر منقسم تھی اور امراکی ترتیب و تنظیم کیونکر تھی۔ ایک قلعہ ہوتا تھا قلعہ کے آس پاس گاؤں کی صورت میں مختلف چھوٹی چھوٹی آبادیاں ہوتی تھیں۔ انہیں کے مجموعہ کو مخفد کہتے تھے قلعہ دار گاؤں کا حاکم ہوتا تھا۔ اسکا لقب اوسکے قلعہ کی انتساب اضافت سے ہوتا تھا مثلاً ذو غمدان۔ ذو ثعلبان اور ذو بینون۔ ذو یمنی زبان میں کلمہ اضافت ہے جسکے معنی آقا کے ہوتے ہیں۔ اسی لئے حجازی عربی میں اسکے معنی صاحب اور مالک کے ہیں۔ اور بغیر اضافت مستعمل نہیں ہوتا۔ اس "ذو" کی جمع اذواء ہے۔ زبان یمن میں بمعنی قلعدار کے مستعمل ہوتا ہے۔

یہ قلعے یا مخافد ملکر ایک مخلاف کے تابع ہوتے تھے جس کو صوبہ کا ہم معنی سمجھنا چاہیئے حاکم مخلاف کا لقب قیل تھا۔ اسکی جمع اقیال ہے۔ عام طور سے مشہور ہے کہ اقیال یمن کے بادشاہوں کو کہتے ہیں مخافد اور مخلاف کی یہ تقسیم عہد اسلام میں بھی باقی رہ گئی تھی۔ دولت عباسیہ کے زمانے میں ۸۴ مخلاف تھے یہ تمام اقیال ایک بادشاہ کے ماتحت ہوتے تھے جسکا نام باختلاف عہد مکارب سبا اور ملک سبا تھا۔

ان اذواء و اقیال اور ملوک میں امن و اطمینان اور نظام کی زندگی بہت کم قائم رہتی تھی۔ قوی ضعیف کے ماتحت ہو جاتے تھے جو "ذو" یا "قیل" قوی ہو جاتا تھا وہی بادشاہ بن بیٹھتا تھا عموماً بادشاہ کسی قلعہ میں سکونت کرتا تھا اس قلعہ کیطرف بھی سکونت القاب شاہی کا جزو ہوتی تھی مثلاً ملک سبا قلعہ ریدان میں رہتا تھا اسکا لقب شاہی۔ ملک سبا و ذو ریدان تھا۔

سبا کے تمدنی اور تجارتی حالات۔

حکومتیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ صلح پسندانہ اور فاتحانہ۔ بابل، اسیریا اور مصر کی حکومتیں فاتحانہ تھیں۔ ان کے آثار و کتبات فتوحات کی یادگاروں سے پر ہیں لیکن یمن کی حکومت بالکل صلح پسندانہ تھی۔ سبا کے جتنے کتبات دستیاب ہوئے ہیں، جنکی تعداد ۳۰۰ و ۴۰۰ سے کم نہ ہوگی وہ تمام تر یا مذہبی کتبے ہیں۔ یا عمارتوں کے پتھر ہیں۔ یا دیوتاؤں کے ہیکل ہیں۔ تاریخ [illegible] سبا [illegible]

ہم نے پہلے بتلا دیا ہے کہ سبا ایک تاجر قوم تھی جس کی صحیح مثال موجودہ تاریخ (وقت) میں حکومت برطانیہ ہے۔ عرب کے ملک میں کثرت سے سونے اور چاندی کی کانیں تھیں۔ اور اب بھی ہیں۔ ہمدانی نے صفۃ جزیرۃ العرب میں ص ۱۵۰ مطبوعہ لنڈن میں ان کانوں کا ایک ایک کر کے نام گنوایا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے ان تمام بیانات کو اپنے جغرافیہ عرب القدیم میں یکجا کیا ہے۔ خود یورپ کے انکشافات سے۔ برٹن نامی ایک انگریز۔ عرب کے شہر مدین میں عرب و ہاں کے معدنیات کا پتہ لگانے کو بھیجا گیا تھا [illegible]

اور یمن کا ملک خوشبودار چیزوں کی پیداوار کیلئے طبعی طور سے مخصوص ہے - اوس زمانے میں تمام دنیا میں دیوتاؤں کی عام طور پر پرستش کیجاتی تہی - انکے لئے بڑے بڑے ہیکل بنائے جاتے تھے - ان ہیکلوں میں شب و روز خوشبودار لکڑیاں جلائی جاتی تھیں - اسلئے قدیم زمانہ میں ہر ملک سے ان کی بڑی مانگ تھی عمان و بحرین میں موتیوں کے خزانے ہیں - اور یمن کے سواحل ہندوستان اور حبش کی پیداوار کی منڈی تھے - یہ تمام تجارتی اشیاء اس عہد میں سبا ہی کی وساطت سے بحر احمر کے راستہ سے یا حجاز کی راہ سے شام، فینیشیا اور مصر کو جاتی تھیں - اور یہاں سے تمام یورپ میں پھیلتی تھیں[1] -

توراۃ سبا کی دولت و عظمت سے پُر ہے - سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام کہتے ہیں -

سبا اور شبا کے بادشاہ اوسکو نذر دینگے .... شبا کا سونا اوسکو پیش کیا جائیگا -

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ملکہ سبا آتی ہے -

وہ بہت فوج، تزک و احتشام کے ساتھ یروشلم میں داخل ہوئی - بہت سے اونٹوں پر خوشبو کی چیزیں - بہت سا سونا اور بیش بہا جواہر لدے تھے .... ملکہ نے ۱۲۰ قنطار سونا اور بہت سی خوشبوئیں اور قیمتی جواہر سلیمانؑ کو دئیے ملکہ نے جیسی خوشبوئیں دیں ویسی پھر نہ ملیں -

توراۃ سفر ایام

اشعیاہ نبی کی پیشینگوئی ہے -

حبش اور سبا والوں کی تجارت جو شریف ہیں، تیرے پاس آویگی - (۴۵-۱۴)

حزقیال نبی کہتے ہیں -

جمہور آدمیوں کے ساتھ سبا والے بیابان (عرب) سے آئے جنکے ہاتھوں میں کنگن ہیں اور سروں پر خوبصورت تاج (۲۳-۴۲) سبا اور رعماہ تیرے تاجر ہیں وہ عمدہ خوشبو، جواہر اور سونا، تیرے بازاروں میں بیچتے ہیں - حران، قانہ اور عدن (یہ تینوں یمن کے شہر ہیں) تیرے تاجر ہیں - سبا اور اشور اور کلماد تیرے تاجر ہیں -

اشعیاہ کی نبوت ہے -

---

[1] فاضل معاصر ہم اس جگہ یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ ابھی ابھی اوپر آپ نے ملک سبا اور علاقہ یمن کے تمام اقسام کی تجارت کو نام بنام گنایا اور بتلایا ہو - مگر شراب کی مخصوص کیا یا عام تجارت کا چھوٹا سا بھی نام نہیں لیا ہو - حالانکہ سبا کے ساتھ اسکی خصوصیت کو اتنی اہمیت دی ہو کہ مستشرقین یورپ کی گمراہ کن تقلید میں، سبا کی وجہ تسمیہ بتلائی ہے - فافہم فتدبر اولا دحسیدر

اونٹوں کی قطاریں۔ (اے یروشلم) تجھ پر چھا جائیں گی۔ مدین اور عیفا کی اونٹنیاں تمام سبا سے سونا اور لوبان لائیں گی (۶۰-۶)

یرمیاہ نبی بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہیں کہ خدا کہتا ہے جب تمہارے اعمال صحیح نہیں تو ہیکلوں میں سبا کا لوبان میرے پاس کیوں پیش کرتے ہو۔ (۶-۲۰)

چوتھی صدی ق م سے پہلی صدی ق م تک یونانی مصر کے حکمران تھے۔ ان کے عہد میں مصر کا دارالحکومت اسکندریہ تمام مشرقی اور مغربی تاجروں کا مرکز تھا۔ سبا اس عہد میں سب سے بڑی قوم تھی۔ اس بنا پر وہ دیگر قبائل عرب کی نسبت سبا سے زیادہ واقف تھے۔ اراٹوسٹھنیز (Aratosthenes) (۱۹۴ ق م) بیان کرتا ہے۔

عرب کے انتہائی حد پر سمندر۔ (بحر ہند و عرب) کے پہلو میں .... سبا کے لوگ ہیں۔ جن کا دارالحکومت مآرب (Marbla) ہے یہ قطعہ ملک مصر اور یمن سے بڑا ہے۔ گرمیوں میں بارش ہوتی ہے۔ اور دریا جاری ہوتے ہیں۔ جو میدانوں اور تالابوں میں جا کر خشک ہو جاتے ہیں۔ اسی سبب سے زمین اسقدر سبز اور شاداب ہے کہ تخم ریزی وہاں سال میں دوبار ہوتی ہے۔

حضرموت سے سبا کے ملک تک ۴۰ روز کا راستہ ہے۔ اور معین سے سوداگر ۷۰ دن میں آیلہ (عقبہ) میں پہونچتا ہے۔ حضرموت معین اور سبا کے ملک خوش و خرم ہیں۔ اور ہیکلوں اور شاہی عمارتوں سے آراستہ ہیں۔

یونانی مورخ اگاتھر شیدس (Agarthercbides) (۱۴۵ ق م) جس کی تصنیف کا زمانہ دوسری صدی ق م ہے۔ بیان کرتا ہے۔

سبا عرب آبادان (Arabia Flix) میں رہتے ہیں۔ جہاں بہت اچھے اچھے بے شمار میوے ہوتے ہیں زمین متصل بحر میں بلسان اور نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں جو دیکھنے میں نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اندرون ملک میں بخورات۔ دارچینی۔ چھوارے وغیرہ کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں اور ان درختوں سے نہایت شیریں بو پھیلا کرتی ہے درختوں کے اقسام کی کثرت تنوع کے سبب ہر قسم کا نام و وصف مشکل ہے جو خوشبو انسے اڑتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں اور اسکی تعریف الفاظ میں ادا نہیں ہوسکتی۔ جو اشخاص اس زمین سے دور ساحل پر سے بھی گذرتے ہیں وہ بھی جب ساحل سے ہوا چلتی ہے تو اس خوشبو سے محظوظ ہوتے ہیں۔ ان مسالوں کو وہاں کاٹتے نہیں اور کاٹکر ان کا انبار نہیں لگاتے۔ لیکن چونکہ شگفتہ اور تازہ رہتے ہیں۔ اسلئے جو شخص اس ساحل سے گذرتا ہے گویا آب حیات کا لطف اٹھاتا ہے۔ یہ تشبیہ بھی اوسکی قوت و لطافت کے لحاظ سے ناقص ہے۔

سبا میں حکومت وراثتاً منتقل ہوتی ہے۔ انکا بڑا شہر مارب ہے۔ جو ایک پہاڑ پر واقع ہے۔ اس پہاڑ کو جبل البلق کہتے ہیں۔ بادشاہ اسی شہر میں رہتا ہے جو لوگوں میں فیصلہ دیتا ہے لیکن کبھی اوسکو اجازت نہیں کہ وہ اپنا قصر چھوڑکر نکل سکے۔ اگر وہ اسکے خلاف کرتا ہے تو حسب حکم مذہبی سنگسار کر دیا جاتا ہے۔

سبا تمام دنیا میں سب سے زیادہ دولتمند لوگ ہیں۔ چاندی اور سونا بکثرت ہر طرف سے لایا جاتا ہے بُعد کے سبب سے کسی نے اونکو فتح نہیں کیا۔ اسلئے خصوصاً اونکے دارالحکومت میں سونے چاندی کے برتن ہیں۔ تخت اور پیشگاہیں۔ جنکے ستون زرنگار اور نقرئی وطلائی نقش ونگار سے آراستہ ہیں۔ ایوان اور دروازے زر و جواہر سے منقش ہیں، اس قسم کی زیب وزینت پر نہایت ہنرمندی اور محنت وہ صرف کرتے ہیں۔

مشہور مؤرخ آرٹی میڈوروس (Artimidous) (سنہ ق م) باشندہ شہر افسوس (Ephesus) جو سبا کے عہد آخیر میں تھا لکھتا ہے۔

سبا کا بادشاہ اور اسکا ایوان مارب میں ہے۔ جو ایک پُراشجار پہاڑ پر زمانہ خوشحالی (عیش وعشرت اور آسائش ومسرت) میں واقع ہے۔ میووں کی کثرت سے سبب سے لوگ سست اور ناکارہ ہوگئے ہیں۔ خوشبودار درختوں کی جڑ میں لیٹے پڑے رہتے ہیں۔ جلانے کی لکڑی کے بدلے دارچینی اور خوشبودار لکڑی جلاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا پیشہ زراعت ہے۔ اور کچھ ملکی اور غیر ملکی مسالوں کی تجارت کرتے ہیں۔ یہ مسالے مقابل کے حبشی ساحل سے لائے جاتے ہیں۔ جہاں سبا کے لوگ چمڑے کی کشتیوں (قفّہ) میں بیٹھ کر دریا کے پار چلے جاتے ہیں۔ قرب وجوار کے قبائل سبا سے تجارتی اسباب خریدتے ہیں اور وہ اپنے ہمسایوں کو دیتے ہیں اور اسی طرح دست بدست وہ شام و جزیرے تک پہونچتے ہیں۔[1]

سبا کی عمارتیں

ہم نے پہلے بتا دیا ہے کہ سبا ایک صلح پسندانہ امن ومسرت کی حکومت تھی۔ یہی سبب ہے کہ اوس نے اپنی ثروت کا زیادہ تر حصہ اسلحہ کے بجائے عمارتوں پر صرف کیا یونانی مورخین کے بیان سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ انہیں سے بعض عمارتیں عہد اسلام تک باقی تھیں۔ مسلمان مورخین نے خود دیکھا اور اپنی کتابوں میں اُنکے حالات لکھے ہیں ہم اوس نے اسکی تکمیل کا ایک باب صرف انہیں عمارتوں کیلئے مخصوص کیا ہے۔ سبا کے ابتک جو کتبات ملے ہیں وہ زیادہ تر انہیں عمارات شاہی کی یادگاری لوحیں ہیں۔ نشوان ابن سعید حمیری نے قصیدہ حمیریہ میں تقریباً ۲۵ عمارات شاہی کا ذکر کیا ہے۔ یوروپین سیاح بھی ان عمارات کے کھنڈروں کے عجیب وغریب حالات بیان کرتے ہیں

---

[1] یہ تمام بیانات تاریخ قدیم کے مستند ترین ماخذ ڈنکرس ہسٹری آف اینٹکوئیٹی ج ۱ ص ۳۱۰ سے ۳۱۲ تک سے ماخوذ ہیں۔

Dunkers History of Antiquity Vol I PP 310. 311. 512.

قصر سلحین جو قیام گاہ شاہی تھا اوسکے نشان ابتک موجود ہیں۔

سد مارب یا بند عرم

اسی سلسلہ عبارت میں ایک چیز بند آب ہے جسکو عرب حجاز "سد" اور عرب یمن "عرم" کہتے ہیں۔ عرب کے ملک میں کوئی دائمی دریا نہیں۔ صرف سلسلہ کوہستان ہے۔ پانی پہاڑوں سے بہکر ریگستانوں میں خشک ہوجاتا ہے اور ضائع ہوجاتا ہے زراعت کے مصرف میں نہیں آتا۔ سبا نے مختلف مناسب موقعوں پر پہاڑوں اور وادیوں کے بیچ میں بڑے بڑے بند باندھے تھے کہ پانی رک جائے اور بقدر ضرورت زراعت کے مصرف میں آئے مملکت سبا میں اس قسم کے سینکڑوں بند تھے ان میں سب سے زیادہ مشہور سد مارب تھا۔ جو خود دار الحکومت کے اندر واقع تھا۔

شہر مارب کے جنوب میں داہنے بائیں دو پہاڑ ہیں جنکا نام کوہ ابلق ہے۔ دونوں پہاڑوں کے بیچ میں وادی اذینہ ہے۔ پہاڑوں سے اور ادہر اُدہر سے پانی جمع ہوکر وادی اذینہ میں ایک دریا جاری کردیتا ہے۔ سبا نے ان دونوں پہاڑوں کے بیچ میں تقریباً سنہ ۸۰۰ ق م میں سد مارب تعمیر کی تھی۔ یہ تقریباً ۱۵۰ فیٹ لمبی اور ۵۰ فیٹ چوڑی ایک دیوار ہے۔ اسکا اکثر حصہ تو اب افتادہ ہے لیکن تاہم اسکی ایک ثلث دیوار اب بھی باقی ہے۔ ارناؤد (Arna.o) ایک یوروپین سیاح نے اسکے موجودہ حالات پر ایک مضمون فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں لکھا ہے۔ اور اسکا موجودہ نقشہ نہایت عمدگی سے تیار کیا ہے۔ اس دیوار پر جابجا کتبات ہیں وہ بھی پڑھے گئے ہیں۔

عام مسلمان مورخین چونکہ ہر قدیم عمارت کو بنائے سلیمانی کہنے کے عادی ہیں۔ اسلئے اس سد کا بانی وہ بلقیس ملکہ یمن و حرم سلیمانی کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن سد مارب کے بقیہ حصہ پر جو کتبات ہیں اونمیں بانیوں کے نام بھی خوش قسمتی سے باقی رہ گئے ہیں۔ انمیں سے (۱) یثع امر بیّن ابن سمہ علی ینوف مکارب سبا۔ (۲) سمہ علی ینوف بن ذمر علی مکارب سبا (۳) کرب ایل بین بن یثع امر مکارب سبا۔ (۴) ذمر علی ذرح ملک سبا۔ (۵) یدع ایل وتار کے نام پڑھے گئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سد ایک زمانہ ممتد میں مختلف سلاطین یمن کے عہد میں تعمیر ہوا ہے۔ اسکا پہلا بانی یثع امر تھا جو آٹھویں صدی ق م میں تھا۔ اس سد میں اوپر نیچے بہت سی کھڑکیاں تھیں اوپر سے نیچے تک کی کھڑکیاں حسب ضرورت کھولی اور بند کی جاتی تھیں۔ سد کے داہنے بائیں مشرق و مغرب میں دو بڑے بڑے دروازے تھے جن سے پانی تقسیم ہوکر چپ و راست کی زمینوں کو سیراب کرتا تھا۔ اس سد کے حالات ہمارے مفسرین نے جو بیان کئے ہیں (تفاسیر طبری اور بغوی) بعینہ ارناؤد کے بیان سے اسکی تصدیق ہوتی ہے نقشہ مندرجہ آغاز کتاب کے دیکھنے سے صورت حال اچھی طرح ذہن نشین ہوجائیگی۔

اس نظام آب رسانی سے چپ و راست دونو جانب اس ریگستانی اور شور ملک کے اندر ۳۰۰ میل مربع میں سینکڑوں کوس تک بہشت زار تیار ہو گئی تھی جس میں انواع و اقسام کے میوے اور خوشبودار درخت تھے ان کی خوشبو دور تک پھیلی رہتی تھی۔

جنت سبا اور قرآن مجید

قرآن مجید ان آیات میں انہیں باغوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ السبا ۲	سبا کے لوگوں کے لئے خود اونکے گھر میں قدرت خدا کی ایک عجیب نشانی موجود تھی۔ دو باغوں کا سلسلہ۔ داہنے بائیں۔ سبا کے لوگو اپنے پروردگار کی (دی ہوئی) روزی کھاؤ اور شکر کرو۔ شہر ہے پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشنے والا۔

ہمارے پاس اس جنت زار کے قصے روایت عرب واقعہ سے کئی سو سال بعد کے موجود ہیں لیکن خود ہمارے دشمنوں کے سفینوں میں اسکی معاصرانہ شہادتیں جو محفوظ ہیں انکو ایکبار پھر پڑھ لیا جائے۔

اراٹوستھنیس (Eratosthenes) جو ۱۹۴ قبل مسیح میں سبا کا معاصر تھا۔ تحریر کرتا ہے۔

سبا کے لوگ وہ ہیں جنکا دارالحکومت شہر مآرب ہے ۔۔۔۔۔ قطعہ ملک مصر زیریں سے بڑا ہے۔ یہاں گرمیوں میں بارش ہوتی ہے اور دریا جاری ہوتے ہیں۔ جو میدانوں اور تالابوں میں خشک ہو جاتے ہیں۔ اس سبب سے زمین اسقدر سرسبز و شاداب ہے کہ تخم ریزی وہاں سال میں دوبار ہوتی ہے۔

آغاتھارشیدس (Agartharchides) جو ۱۴۵ ق م میں سبا کے زمانہ و عصر میں تھا بیان کرتا ہے۔

سبا عرب کے حصہ سرسبز و آباد (Arabia Flix) میں رہتے ہیں۔ جہاں بہت اچھے اچھے میٹھا میوے ہوتے ہیں دریا کے کنارے جو زمین ہے اوس میں نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں جو دیکھنے میں نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اندرون ملک میں بخورات۔ دارچینی اور چھوارے کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں اور ان درختوں سے نہایت شیریں بو پھیلا کرتی ہے درختوں کے اقسام کی کثرت و تنوع کے سبب سے۔ ہر قسم کا نام و وصف مشکل ہے۔ جو خوشبو اس میں سے اڑتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں اور جس کی تعریف لفظوں میں نہیں ہو سکتی۔ جو اشخاص زمین سے دور ساحل سے گذرتے ہیں وہ بھی ساحل کی طرف سے جو ہوا چلتی ہے اوس سے محظوظ ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ وہ گویا آب حیات کا لطف اٹھاتے ہیں اور یہ تشبیہ بھی اوسکی قوت و لطافت کے مقابل میں ناقص ہے۔

کیا ان بیانات کو دیکھکر اور خصوصاً خطوط کھنچی ہوئی عبارتوں کو پڑھکر ان مقامات کو جیسا کہ وحی الٰہی نے اپنے الفاظ امثالیہ میں اشارہ فرمایا ہے۔ دنیا کی بہشت نہ کہیں گے۔

قرآن مجید انکے آخر نتیجہ بتلاتا ہے۔ اور وہ وہی ہیں جو تمام دُنیا کے اہل دولت و اقتدار اقوام کو اپنی غفلت شعاری اور جفاکاری کی پاداش میں آخر کار پیش آتے ہیں۔ الفاظ قرآنی یہ ہیں۔

فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ	پھر انھوں نے سرتابی کی تو ہمنے انپر بند (توڑکر اُسکا) سیلاب بھیجا۔

یہ سیلاب آیا۔ اور ہم اسپر ایمان رکھتے ہیں۔ اس عصر تاریخی میں جب ہر غیر معاصرانہ روایت قابل شک و اشتباہ ہے۔ خدائے قرآن نے اپنے کلام معجز نظام کی صداقت کا نیا سامان پیدا کر دیا۔ یعنی اس بند کے ٹوٹے ہوئے کھنڈر میں واقعہ سیلاب کے مشرح حالات کا کتبہ جو ایک عیسائی فاتح یمن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے مل گیا۔ یہ عیسائی فاتح بھی وہی شخص ہے جو اپنے ہاتھیوں کے بل پر (ابرہہ) کعبہ مکرمہ کو ڈھانے نکلا تھا۔ لیکن آج اسی دشمن کعبہ کا سنگی ہاتھ کعبہ مشرفہ کی کتاب مقدس کی تصدیق کیلئے بلند ہے۔

زمانہ ابرہہ کا ایک نہایت قدیم کتبہ ذیل کی عبارت میں بند عرم کے ٹوٹ جانیکی تصدیق کرتا ہے۔

اسی اثنا میں مارب کے بند (سد) کی دیوار حوض اور دروازوں کے ٹوٹنے کی خبر ماہ ذوالمہ رح
سنہ ۶۵۷ یمنی مطابق سنہ ۵۴۳ عیسوی میں آئی۔

اس سلسلہ کی آیندہ الفاظ قرآنی یہ ہیں۔

وَبَدَّلْنَاهُم بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّن سِدْرٍ قَلِيلٍ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ (سبا)	اور ان اعلیٰ میووں کے باغوں کے بدلے معمولی پھلوں یعنی پیلو جھاؤ اور کچھ بیریوں کے باغ دیدیے۔ یہ اونکے کفر کی سزا ہے۔ ہم کفران نعمت کرنیوالوں ہی کو سزا دیتے ہیں (سبا)

قرآن مجید جب نازل ہو رہا تھا تو اس سزا کو جو ان درختوں کی شکل میں نمودار ہوئی تھی یمن کا ہر باشندہ بچشم خود معائنہ کر رہا تھا۔ لیکن ۴۰۰ برس کے بعد بھی ہمارے الیمن ہر سیاح کو نظر آرہی تھی۔ ہمدانی المتوفی سنہ ۳۳۴ھ جس کی صداقت بیانی کے نہ صرف سیاحین یورپ بلکہ آثریین (ارکیالوجسٹ Achrologests) بھی معترف ہیں۔ وہ چوتھی صدی کے اوائل میں شہادت عینی پیش کرتا ہے کہ ان باغوں کی جگہ جھاؤ، پیلو کے درخت اُگتے ہیں کہ کہیں اور نہیں۔

ہم نے سبا کے دائرہ حکومت کے تحت میں لکھا ہے کہ یمن کے علاوہ حبشہ اور شمال عرب میں بھی سبا کی نوآبادیاں تھیں۔ توراۃ و اسفار میں متفرق خاندانوں کے نام بتائے گئے ہیں (۱) سبا بن یقطان (قحطان) باشندہ یمن (۲) سبا بن ..... بن ابراہیم برادر زادہ ددن باشندہ عرب شمالی (۳) سبا بن کوش بن حام باشندہ حبش (باشندۂ کہیں نہ)

نولڈیکی کے اصول کی بنا پر کہ توراۃ کے قبائل و اقوام کا مقسم صرف جغرافی نسب و تعلق ہے۔ ان تینوں متفرق النسب سبا کے یہ معنی ہیں کہ سبا کے تین جغرافی مرکز یا آبادیاں تھیں یمن، حبشہ، اور شمالی عرب۔ یمن میں سبا کا وجود و قیام تو محتاج بیان نہیں۔ روایات عرب، تاریخ اقوام اور آثار قدیمہ میں ان سب کی شہادت قاطع موجود ہے دیگر اطراف ملک میں بھی انکا وجود و اثر مخفی نہیں ہے۔ شمال عرب میں بطرف شام و عراق توراۃ کے متعدد فقروں میں انکا نام و وجود عارضی نہایت قدیم زمانہ سے مذکور ہے۔ اور انکا بار بار ذکر اوپر گذر چکا ہے (دیکھو سبا کا دائرہ حکومت اور سبا کی دولت و عظمت) یونانی مورخین نے بھی ان اطراف میں انکا ہونا بیان کیا ہے۔ اغا سارسیدوس (۱۴۵ء ق م) کہتا ہے کہ سب سے پہلے نبطی (جنکا مسکن عراق و شام کے درمیان تھا) عرب سعید پر قابض ہوئے ہیں[۵۱]۔ ایک اور یونانی مورخ بیان کرتا ہے[۵۲]۔

یہاں سے اس شہر تک ایک سڑک جاتی ہے جسکا نام پٹرا (رقیم) ہے۔ جہاں اہل قریہ، اہل معین اور دوسرے تمام عرب اسکے قریب رہتے ہیں، جو بالائی ملک (عرب) سے بخورات لاتے ہیں۔

یہ پہلے گذر چکا ہے کہ اسیریا کے آثار میں بھی شمالی عرب میں سبائی کا ساتویں صدی ق م میں اسیریا سے مغلوب ہونا مذکور ہے معلوم ہے کہ اہل اسیریا کبھی یمن نہیں آئے۔ اسلئے یہ بالکل واضح ہے کہ خود سبا یہاں تک پہونچ گئے تھے جیسا کہ سفر ایوب (۱-۱۵) و (۶-۱۹) سے بھی ثابت ہے۔

حبشہ میں اہل یمن کا وجود عہد قدیم سے تھا۔ حبشہ یمن کے مقابل ساحل پر واقع ہے یہ ساحل تاریخ کی ابتدا سے اسوقت تک یمنی اور حضرموتی عرب کی جولانگاہ ہیں۔ بعض کتبات سے معلوم ہوا ہے کہ سبا کا ایک گورنر معافر کے لقب سے حبشہ میں رہتا تھا۔ خود حبش بھی اپنے کو سبا کی اولاد کہتے ہیں[۵۳]۔ ایک یونانی مورخ کی شہادت بھی، جو سبا کا معاصر تھا پہلے گذر چکی ہے کہ سبا سواحل حبشہ میں بھی تجارت کا مرکز رکھتے ہیں۔

ملکہ سبا (بلقیس)

توراۃ (سلاطین) انجیل اور قرآن میں سبا کی ایک شاہزادی کا ذکر ہے جو حضرت سلیمانؑ کی بارگاہ میں آئی تھی یہ سبا کی شاہزادی بزبان توراۃ کس سبا کے خاندان سے تھی؟ یا بزبان تاریخ سبا کس آبادی سے آئی تھی؟ توراۃ میں صرف سبا کی شہزادی کا لفظ بلا تعین خاندان و جہت ہے[۵۴]۔ ترگوم (ترجمہ توراۃ بزبان عبرانی) میں ہے کہ اوسکا مقام

---

[۵۱] گولڈ ماشنس آف مدینا ص ۳۲۴
[۵۲] حوالہ مذکور ص ۱۷۱
[۵۳] انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ج ۲۳ ص ۹۵۵
[۵۴] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ا ص ۲۰۲
[۵۵] تاریخ ملوک باب ۱۰ و ایام ۲ باب ۹

فلسطین کے مشرق میں ہے[51]۔ انجیل میں ہے کہ وہ فلسطین کے جنوب سے آئی تھی[52]۔ یوسیفوس اسرائیلی کی تاریخ میں ہے کہ وہ مصر و حبشہ کی شہزادی تھی۔ اہل حبش اسکو حبشی سمجھتے ہیں جسکے معنی یہ ہیں کہ وہ کوشی خاندان کی سبائی خاتون تھی۔ قرآن نے بھی کوئی تعین خاندان و جہت نہیں کی ہے لیکن تمام مفسرین و مورخین اسکو عرب جغرافی اور باشندۂ یمن سمجھتے ہیں۔ آجکل کہ اثریات کا زمانہ ہے۔ اس بنا پر کہ یمن کی عورت کا کوئی کتبہ نہیں ملا ہے اور شمال عرب میں متصل عراق تین چار قدیم حکمراں عورتوں کے نام ملے ہیں۔ ملکہ سبا کا اس حصہ آبادی سے جانا ممکن خیال کیا جاتا ہے[53]۔

جن قدیم تحریروں میں ملکہ سبا کا ذکر ہے انمیں سے صرف تین میں جہت تعین ہے۔ یوسیفوس، ترگوم اور انجیل۔ یوسیفوس کا بیان کہ وہ مصر کی شہزادی تھی مطلقاً غلط ہے بقیہ بیانات میں کہ وہ مشرق و جنوب یا حبشہ کی تھی ہمارے نزدیک کوئی فرق نہیں کہ یہ سب سبا کے مقامات تھے۔ تاہم اصل مرکز کے لحاظ سے وہ یمن ہی کی کہی جائیگی۔ یعنی جنوب عرب کی۔ جیسا کہ انجیل کی شہادت اور روایات عرب کا تواتر ہے۔

اہل حبش جو ملکہ سبا کو حبشہ کی بتاتے ہیں اور ابتک حبشہ کا شاہی خاندان تفاخراً اپنے کو اسی ملکہ سبا کی اولاد یقین کرتا ہے۔ اوسکا نام اونکی زبان میں ماکدہ ہے یمن کے عرب یہود میں اسکا نام بلقیس مشہور تھا اور اسرائیلیات کے ذریعہ سے یہی نام مسلمان مورخین اور اہل تفسیر میں مقبول ہے لیکن لفظی دلالت کے لحاظ سے یہ عربی نہیں۔ بلکہ یونانی الاصل نام معلوم ہوتا ہے۔ بعض روایات میں بلقیس کو پریزاد کہا گیا ہے یعنی اسکی ماں (بلقمہ) ایک پری تھی۔ لیکن یہ روایتیں بالکل لغو اور موضوع ہیں۔ بلقمہ کو ممکن ہے کہ یمن کی دیبی المقہ سے کوئی مناسبت ہو۔ اسیطرح اہل تاریخ کا ملکہ سبا بلقیس کو بنت شرحبیل لکھنا بھی غلط ہے کیونکہ شرحبیل حمیر کے بادشاہ اور حضرت سلیمانؑ سے ڈیڑھ ہزار برس کا فاصلہ پایا جاتا ہے۔

قرآن مجید اور ملکہ سبا

سبا کا نام قرآن مجید میں دو بار آیا ہے۔ اول حضرت سلیمانؑ کے قصہ میں ملکہ سبا کے نام سے دوسرے بار سیل عرم کے ذکر میں۔ سیل عرم کا ذکر اس سے پہلے گذر چکا ہے۔ ملکہ سبا کا قصہ سورۂ نمل میں مذکور ہے۔

وَ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَ	سلیمانؑ نے پرندوں کا جائزہ لیا۔ پھر کہا کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا یا وہ موجود نہیں ہے۔ میں اسکو سخت سزا دونگا۔ یا ذبح

---

[51] انجیل متی ۱۲-۴۲۔

[52] ایضاً۔ انجیل لوقا ۱۱-۳۱

[53] جیوئش انسائیکلوپیڈیا۔ مضمون سبا

[54] جیوئش انسائیکلوپیڈیا۔ مضمون سبا

[55] ایضاً۔ جلد اول ذکر سلیمان

[56] ایضاً۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد اول ص ۳، ۴

ذبحنه او ليأتيني بسلطان مبين فمكث غير بعيد فقال احطت بما لم تحط به وجئتك من سبا بنبا يقين اني وجدت امرأة تملكهم واوتيت من كل شيء ولها عرش عظيم وجدتها وقومها يسجدون للشمس من دون الله وزين لهم الشيطان اعمالهم فصدهم عن السبيل فهم لا يهتدون الا يسجدوا لله الذي يخرج الخبء في السموات والارض ويعلم ما تخفون وما تعلنون الله لا اله الا هو رب العرش العظيم

قال سننظر اصدقت ام كنت من الكاذبين اذهب بكتابي هذا فالقه اليهم ثم تول عنهم فانظر ماذا يرجعون

قالت يا ايها الملؤا اني القي الي كتاب كريم انه من سليمان وانه بسم الله الرحمن الرحيم الا تعلوا علي واتوني مسلمين قالت يا ايها الملؤا افتوني في امري ما كنت قاطعة امرا حتى تشهدون قالوا نحن اولوا قوة واولوا باس شديد والامر اليك فانظري ماذا تامرين

قالت ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها وجعلوا اعزة اهلها اذلة وكذلك يفعلون واني مرسلة اليهم بهدية فناظرة بم يرجع المرسلون

فلما جاء سليمان قال اتمدونن بمال فما اتني الله خير مما اتكم بل انتم بهديتكم

کرڈالونگا۔ یا کوئی صاف دلیل لا ئے سلیمان تھوڑے دیر ٹھہرے کہ ہدہد آگرگویا ہوا مجھے وہ معلوم ہوا جو آپکو نہیں سبا سے ایک سچی خبر لیکر آیا ہوں میں نے ایک عورت کو دیکھا جو سبا پر حکومت کرتی ہے۔ اسکو ہر شے عنایت کیگئی ہے۔ اُسکا ایک بڑا تخت ہے میں نے اسکو اور اُسکی رعایا کو۔ خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے پایا۔ شیطان نے انکے اعمال کو انکی نگاہ میں اچھے کرکے دکھلائے ہیں صحیح راستہ سے انکو باز رکھا ہے۔ وہ راہ نہیں پاتے کہ خدا کو سجدہ کریں۔ جو آسمانوں اور زمینوں سے چھپی ہوئی چیزوں کو باہر نکالتا ہے۔ اور جو تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو سب جانتا ہے۔ خدا ہے جسکے سوا کوئی خدا نہیں وہی بڑے تخت کا مالک ہے۔

سلیمان نے کہا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹا ہے میرا یہ خط لیجا۔ اونکے پاس ڈالدے۔ پھر اون سے الگ ہٹکر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔

ملکہ نے خط پاکر درباریوں سے کہا میرے نام نامہ مقدس آیا ہے۔ یہ نامہ سلیمان کے پاس سے آیا ہے۔ عبارت یہ ہے مہربان اور رحم کرنیوالے خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ مجھسے سرکشی نکرو اور مسلمان ہوکر میرے پاس چلے آؤ ملکہ نے کہا اے سردارو میرا اس معاملہ میں کسی بات کا فیصلہ کرنیوالی نہیں ہوں سرداروں نے کہا۔ ہم زور اور قوت والے ہیں۔ یوں فیصلہ آپکے ہاتھ میں ہے۔ دیکھیں کیا حکم دیتی ہیں۔

ملکہ نے کہا بادشاہ جب کسی آبادی میں داخل ہوتے ہیں اسکو ویران کرڈالتے ہیں اور وہاں کے معزز باشندوں کو ذلیل کرڈالتے ہیں۔ اور (برابر) اسیطرح کیا کرتے ہیں۔ میں اونکے پاس ہدیہ دیکر قاصد بھیجتی ہوں۔ پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتا ہے۔

قاصد جب سلیمان کے پاس پہونچا تو سلیمان نے کہا کہ اس حقیر مال و دولت سے تم میری مدد کرتے ہو۔ خدا نے مجھکو جو کچھ دیکر رکھا ہے وہ

تخرجون ارجع الیھم فلناتینھم بجنود لا قبل لھم بھا ولنخرجنھم منھا اذلۃ وھم صاغرون۔

وقال یایھا الملؤا ایکم یاتینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین قال عفریت من الجن انا اتیک بہ قبل ان تقوم من مقامک وانی علیہ لقوی امین

وقال الذی عندہ علم من الکتاب انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک فلما راہ مستقرا عندہ قال ھذا من فضل ربی لیبلونی ءاشکر ام اکفر ومن شکر فانما یشکر لنفسہ ومن کفر فان ربی غنی کریم

قال نکروا لھا عرشھا ننظر اتھتدی ام تکون من الذین لا یھتدون فلما جاءت قیل اھکذا عرشک قالت کانہ ھو واوتینا العلم من قبلھا وکنا مسلمین وصدھا ما کانت تعبد من دون اللہ انھا کانت من قوم کافرین

قیل لھا ادخلی الصرح فلما راتہ حسبتہ لجۃ وکشفت عن ساقیھا قال انہ صرح ممرد من قواریر قالت رب انی ظلمت نفسی واسلمت مع سلیمن للہ رب العلمین

(نمل)

اس سے بہتر ہے جو تمکو اُسنے دیا ہے۔ تم اپنے اس تحفہ پر شاداں ہو۔ سبا کو واپس جا۔ ہم اب لشکر لیکر آئینگے کہ جسکا وہ مقابلہ نکر سکینگی اور ملک سبا سے ذلیل کر کے انکو نکال باہر کرینگے۔

سلیمانؑ نے پھر اپنے سرداروں سے کہا کون اسکا تخت میرے پاس اٹھا لائیگا۔ ایک تنومند جن نے کہا میں اس سے پہلے کہ آپ دربار سے اٹھیں، وہ تخت اٹھا لاتا ہوں میں اس تخت کے اٹھا لانیکی قوت رکھتا ہوں اور امانت کے ساتھ لا دونگا۔

جسکو خط (کتاب) کا علم تھا اُسنے کہا کہ تکنا پلٹنے سے پہلے میں اٹھا لاتا ہوں سلیمانؑ نے جب وہ تخت اپنے سامنے رکھا دیکھا کہا کہ یہ خدا کے فضل سے ہوا تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں کہ ناشکری کرتا ہوں۔ اور جو شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی لیے کرتا ہے۔ اور جو کوئی ناشکری کرے تو خدا بے پروا اور بزرگ ہے۔

سلیمانؑ نے حکم دیا کہ تخت کا روپ بدل دو۔ دیکھ وہ راہ پاتی ہے یا نہ راہ پانیوالوں میں سے ہوتی ہے۔ جب ملکہ آئی، تو اس سے کہا کہ تیرا کیا تخت اسی قسم کا ہے۔ جواب دیا کہ گویا وہ یہی ہے۔ اور اس سے پہلے ہمکو علم دیا گیا تھا اور مسلمان ہو چکے تھے۔ ملکہ کو غیر خدا کی پرستش نے حق سے روک رکھا تھا۔ اور وہ کافر قوم سے تھی۔

ملکہ (بلقیس) سے کہا گیا کہ محل کے اندر چل۔ جب اوسنے محل کو دیکھا تو وہ سمجھی کہ پانی بھرا ہے۔ تو اس نے اپنی دونوں پنڈلیاں کھولدیں۔ سلیمانؑ نے کہا یہ تو شیشہ کا مکان ہے۔ ملکہ نے کہا خدایا! میں اپنی جان پر ظلم کرتی رہی۔ سلیمان کے ساتھ میں بھی خدا کی جو تمام دنیا کا پروردگار ہے۔ اطاعت گذار ہوئی یعنی اسلام لائی۔ (سورۃ النمل)

ایسا ہی قصہ اسفار یہود میں بھی مذکور ہے۔ گو تفصیل و اجمال میں کسیقدر اختلاف ہے جیسے کہ سفر ایام اور سفر ملوک میں یہ قصہ مذکور ہوا ہے اور یہ دونوں اسفار بیان واقعہ میں حرف بحرف متفق ہیں:

جب سلیمانؑ کا شہرہ سبا کی ملکہ تک پہنچا تو مشکل سوالوں سے وہ اوسے آزمانے آئی اور بڑی فوج اور شان و شوکت سے یروشلم (بیت المقدس) میں داخل ہوئی۔ بہت سے اونٹوں پر خوشبو کی چیزیں بہت سا سونا اور بیش قیمت جواہرات لدے تھے۔ وہ سلیمانؑ کے پاس آکر ٹھیری اور جو کچھ اسکے دل میں تھا اُسکی بابت اُس سے گفتگو کی۔ سلیمانؑ نے اُسکے تمام سوالوں کا جواب دیا۔ سلیمانؑ سے کوئی چیز پوشیدہ نہ تھی جو جواب نہ دیتا۔ سبا کی ملکہ نے جب سلیمانؑ کی دانشمندی اور اُسکے گھر کو جو اُس نے بنایا تھا اور اُسکے دسترخوان کے کھانوں اور اوسکی نشست و برخاست کے طور کو اور اُنکی پوشاک کو اور اوسکے ساقیوں کو اور اوس سیڑھی کو جس سے وہ خداوند کے مسکن پر چڑھتا تھا (یہ ملوک کی آیت ہے) سفر ایام میں اسکے بجائے یہ ہے۔ اور ان قربانیوں کو جو وہ خداوند کے مسکن پر چڑھایا کرتا تھا دیکھا تو اسکے ہوش اڑ گئے۔ اُس نے بادشاہ سے کہا کہ میں نے تیرے کاموں کی نسبت اپنے ملک میں جو سنا تھا وہ تحقیق خبر تھی لیکن جبتک اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا باور نہیں آتا تھا لیکن جو دیکھا اُسکا آدھا بھی نہیں سنا تھا۔

مبارک ہیں تیرے لوگ اور مبارک ہیں تیرے نوکر جو ہمیشہ تیرے حضور کھڑے رہتے ہیں اور تیری حکمت کی باتیں سنتے ہیں۔ خداوند تیرا مبارک ہو۔ جو تجھ سے راضی ہے اور جس نے تجھکو اسرائیل کے تخت پر بٹھلایا۔ کیونکہ خداوند اسرائیل کو ابد تک پیار کرتا ہے۔ اور تجھکو اُس نے بادشاہ بنایا کہ تو عدل و انصاف کرے۔

ملکہ نے ۱۲۰ قنطار سونا اور بہت سی خوشبوئیں اور قیمتی جواہر سلیمانؑ کو دئے۔ ملکہ نے جیسی خوشبوئیں پیش کیں ایسی پھر کبھی نہ ملیں۔ سلیمانؑ نے سبا کی ملکہ کو جو کچھ اُسنے مانگا اُس سے زیادہ تحفہ دیا اور ملکہ اپنے ملازموں سمیت اپنے ملک کو پھر گئی۔

(سفر ایام باب ۹ و ۲ ملوک باب ۱۰)

ترگوم (دوم برا ستیرا) جیسا جو توراۃ اور صحیفوں کا ارامی ترجمہ بلکہ ارامی زبان میں ان کی تفسیر ہے۔ یہ قصہ زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ گو بعض نہایت لغو باتوں کی بھی آمیزش ہے۔ ترگوم کی مندرجہ روایت کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔

سلیمانؑ عرق انگور پیکر جب شادمان ہوتے تھے تو تمام بادشاہوں کے سامنے اپنے غلاموں کو بٹھاتے تھے۔ اور اوس وقت تمام زندہ مخلوق کو حکم دیتے تھے کہ ان کے سامنے ناچیں۔ ایک دن سلیمانؑ نے دیکھا کہ ہدہد غائب ہے۔ سلیمانؑ نے حکم دیا کہ وہ حاضر کیا جائے۔ جب ہدہد آیا تو اوس نے بیان کیا کہ تین مہینوں سے وہ ادہر ادہر گھوم رہا تھا اسلئے کہ کوئی ایسا ملک ملے جو ابتک

حضور کے ماتحت نہیں ہے۔ آخر شرق میں ایک ملک ملاجس پر سبا کی ملکہ حکومت کرتی ہے۔ اس ملک کی خاک سونے سے بھی زیادہ بیش قیمت ہے۔ وہاں چاندی کوڑے کی طرح گلیوں میں پڑی پھرتی ہے۔ درخت وہاں بدو خلقت سے ایسے ہی ہیں پانی وہاں جنت سے آتا ہے اور وہیں سے بنکر ہار آتے ہیں جن کو لوگ پہنتے ہیں۔ اس ملک کے دار الحکومت کا نام قیطور ہے۔

پھر پرندہ نے یہ رائے دی کہ وہ اڑکر پھر اوس ملک کو جائیگا۔ اور وہاں کی ملکہ کو اپنے ساتھ لائے گا۔ سلیمانؑ نے یہ رائے پسند کی اور خط لکھکر ہدہد کے بازو میں باندھ دیا گیا۔ ہدہد شام کے وقت جب وہ آفتاب کی عبادت کے لئے جارہی تھی پہونچا۔ یہ خط ملکہ کے حوالہ کیا۔ ملکہ نے خط پڑھکر جس میں یہ دہمکی تھی کہ فوراً میری بارگاہ میں حاضر ہو ورنہ اوس کی فوج جو جانوروں۔ پرندوں۔ روحوں اور رات کے دیووں کی ہے اس سے لڑنے کو آئیگی۔

ملکہ یہ خط پاکر بہت خوف زدہ ہوئی اور اوس نے بوڑھوں اور سرداروں کی مجلس میں مشورہ کیا لیکن یہ لوگ سلیمان سے بالکل واقف نہ تھے تاہم ملکہ نے اپنے جہازوں کو بیش قیمت لکڑیوں گراں بہا جواہرات اور موتیوں سے بارکرکے اور چھ ہزار ایک ہی ساعت کی پیدائش۔ ایک ہی قد و قامت۔ ایک ہی شکل و صورت اور ایک ہی حریر ارغوانی کے لباس میں غلام اور لونڈیاں تحفۃً بھیجیں۔ خط کے جواب میں لکھا کہ:—

اگرچہ قیطور اور یروشلم کے درمیان عموماً سات برس کا راستہ ہے تاہم وہ تین برس میں پہونچیگی۔

ملکہ جب یروشلم پہونچی تو ایک شیشہ کے محل میں اوس سے سلیمان نے ملاقات کی۔ ملکہ نے یہ سمجھکر کہ بادشاہ پانی میں بیٹھا ہے پنڈلیوں سے کپڑا اٹھایا۔ سلیمانؑ نے مسکرا دیا اور یہ دیکھکر کہ اسکے پاؤں میں بال ہیں۔ بولے کہ شکل تو ایک عورت کی ہے لیکن بال مردوں کے لیے ہیں۔ پاؤں کے بال مردوں کی زینت ہے لیکن عورتوں کے لئے عیب۔ ملکہ سبا نے سلیمانؑ سے بہت سی پہیلیاں پوچھیں (تفصیل چھوڑ دیگئی ہے) سلیمانؑ نے سب کے ٹھیک جواب دئے۔ (ترگوم۔ ترجمہ توراۃ و تفسیر)

اس عبارت کے جو فقرے کشیدہ کئے گئے ہیں وہ قرآن میں نہیں ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا کہ قرآن جو گذشتہ کتابوں کی تصحیح و تنقیح کے لئے آیا ہے۔ یہ خدمت اوس نے کس حد تک انجام دی۔ علاوہ ازیں ترگوم نے اس واقعہ کو جس طرز و عبارت میں ادا کیا ہے وہ بالکل ایک کم پایہ انسان کے معمولی افسانہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ برخلاف اسکے قرآن کا طرز ادا ایک شاہانہ پیغمبری۔ ایک تبلیغ دانش و حکمت اور ایک روحانی عبرت

اقتدار کے اظہار پر مبنی ہے۔

قرآن کا بیان۔ ترگوم کی واضح غلطیوں سے کہ سبا کا ملک مشرق میں ہے۔ اوسکا پایۂ تخت قطفور ہے، وہاں سونا اور چاندی کوڑے کیطرح پڑی رہتی ہے۔ دونوں ملکوں میں سات برس کی مسافت ہے۔ پاک و صاف ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قصہ کی غرض و غایت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ترگوم کی بنا پر ملکۂ سبا کی طلب صرف شاہانہ ملک گیری کی ہوس پر مبنی ہے۔ لیکن قرآن کے لحاظ سے اس طلب کا مقصد دعوت الی اللہ منع شرک۔ قمع کفر اور اصلاح نفوس انسانی ہے۔

ایک اور بات قابل لحاظ ہے۔ ترگوم کے مطابق حضرت سلیمانؑ سبا سے واقف نہ تھے۔ اور تعجب و حیرت زائی کا سبب سبا کی دولت و حشمت کا مبالغہ آمیز بیان تھا۔ لیکن وحی قرآنی نے اس حیرت و تعجب کا سبب اس طرح بیان کیا ہے۔

وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ (نمل)

ہدہد نے کہا میں سبا سے ایک تحقیقی خبر لایا ہوں میں نے پایا کہ ایک عورت انپر بادشاہ ہے جسکو ہر چیز دیگئی ہے۔ اسکا ایک بڑا تخت ہے۔ میں نے اسکو اور اسکی قوم کو آفتاب کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ نہ خدا کو۔ شیطان انکے کاموں کو انکی نظر میں اچھا کرکے دکھاتا ہے۔ پھر اونکو راہ سے روکدیتا ہے۔ (نمل)

قرآن مجید کی مذکورہ بالا عبارت سے روشن ہوگیا کہ بخلاف ترگوم کے، سبا کی شہزادی کی طلبی اسکے ملک پر فوج کشی یا اوسکے تمول اور خوشحالی پر استعجاب بتیجہ تھا۔ وہ صرف ایک ایسی غرض و مدعا کی بنا پر کیا دُنیا میں ایسے غافل اور بے بصیرت بندگان خدا بھی بستے ہیں جو باوجود اتنی کثیر اور کافی نعمات الہی کے بھی اُسکا شکر و نعمت نہیں کرتے بلکہ کفران نعمت کرتے ہیں کہ خالق کی جگہ آفتاب اوسکے مخلوق کی پرستش کرتے ہیں۔ اس واقعہ کے متعلق حضرت سلیمانؑ نے جو طریقہ اختیار کیا وہ تعلیمی طور سے ارشاد و ہدایت اور تبلیغ رسالت کے تنہا اصول پر مبنی تھا۔

اس واقعہ کے متعلق بعض شکوک کا ازالہ

ترگوم اور قرآن مجید دونوں میں قصہ کی ابتدا ہدہد سے ہوتی ہے۔ ہمارے ان تمام مفسرین نے اس ہدہد سے یہی مرغ معروف مراد لیا ہے۔ لیکن اس زمانہ کے بعض فطرت پرست کہتے ہیں کہ مرغ کا بولنا اور اسکی بولی سے مفہوم کا سمجھنا خلاف عقل ہے۔ اسلئے ہدہد کسی انسان کا نام ہوگا۔ اور اس زمانہ میں عموماً یہ نام رکھا جاتا تھا ہمکو اس موضوع سے کی حد واقفیت انکار نہیں کہ ہدہد آدمی کے نام ہوتے تھے۔ خود حضرت سلیمان کے عہد میں مدین کے شہزادے کا نام ہدہد تھا۔

(سلاطین) اور روایات عرب میں ملکہ سبا کے باپ یا بھائی کا نام بھی ہُدہُد مرقوم ہے۔ لیکن قرآن کے لفظ تفقد الطیر (پرندہ کا جائزہ لیا) کا کیا جواب ہوگا۔ میری رائے میں اب جبکہ جانوروں کی عاقلیت کا مسئلہ مسلم ہوتا جاتا ہے۔ بندروں کی بولیوں کی ابجد طیار کی جارہی ہے۔ تو ہُدہُد کے بولنے پر تعجب کیوں ہو۔ طیر کے معنی فوج کے لینا جیسا کہ مولوی چراغ علی نے لیا ہے اسیطرح بے ثبوت ہے جسطرح سرسید کا سورۂ فیل کی تفسیر میں طیر سے فال بد مراد لینا۔ اور اگر پرندوں کا بولنا اب بھی کھٹکتا ہے تو فرض کر لو نامہ بر کبوتروں کی طرح تربیت یافتہ نامہ بر ہُدہُد ہوگا اور اُسکے بولنے سے مقصود اُس مضمون کا خط اُسکے پاس پہونچانا سمجھ لو۔ جیسا کہ خود اسی موقع پر قرآن مجید میں ہے کہ حضرت سلیمان نے خط دیکر اُسکو ملکۂ سبا کے پاس بھیجا۔ اسیطرح پہلے ہی خط لے کر آیا ہوگا۔

(۲) دوسری چیز قابل انکشاف ملکۂ سبا کا تخت ہے جسکی نسبت قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے اُسکو اپنے دربار میں اُٹھوا منگوایا اور اُسمیں کچھ ردوبدل کر کے ملکہ سے پوچھا کہ تم پہچانتی ہو؟ تمہارا ہے؟ روایات تفسیر میں ہے کہ یہ تخت طلائی تھا اور جواہر سے مرصع۔ یہودیوں کے اسفار مقدسہ میں ملکۂ سبا کے تخت کا متعلق ذکر نہیں لیکن یہ مذکور ہے کہ ملکۂ سبا حضرت سلیمان کی خدمت میں بہت سے جواہرات سونا۔ اور دیگر تحائف لائی جس سے حضرت سلیمان نے ایک ہاتھی دانت کا تخت مرصع و جواہر نگار بنوایا (۲۔ ایام باب ۹)

تاریخی شہادت سے یہ امر بھی ثابت ہے کہ سبا میں اس قسم کی صنعت کاری کا رواج عام تھا۔ اگا تھرشیدس ایک یونانی مورخ جو اسلام سے ۸۰۰ برس پیشتر اور سبا کا معاصر تھا شہادت دیتا ہے۔

سبا تمام دنیا میں سب سے زیادہ دولتمند لوگ ہیں۔ چاندی اور سونا بکثرت لایا جاتا ہے بُعد کے سبب سے کسی نے اُنکو فتح نہیں کیا ہے۔ اسلئے خصوصاً انکے پایتخت میں نقرئی اور طلائی ظروف تخت اور دہلیزیں ہیں۔ جنکے پائے زرنگار اور نقرئی اور طلائی نقش و نگار سے آراستہ ہیں پیش گاہ اور دروازے زر و جواہر سے منقش ہیں اور اس قسم کی زیب و زینت پر وہ نہایت ہنرمندی اور محنت صرف کرتے ہیں۔

اس بیان تحریری سے ثابت ہوتا ہے کہ مملکت سبا میں اس قسم کی چیزوں کا خاص طور سے اہتمام تھا۔ ممکن ہے کہ اس بیان سے بارہ سو [۱۲۰۰] برس پہلے ملکۂ سبا کا تخت بھی اسی قسم کا ہو۔

(۳) ایک سوال یہ ہے کہ یہ تخت کس غرض سے بنایا تھا اور حضرت سلیمانؑ کے دربار میں کیوں لایا گیا تھا۔ عام جواب یہ ہے کہ یہ ملکہ کے بیٹھنے کا تخت شاہی تھا۔ جو یمن میں بحفاظت مقفل کمروں میں تھا۔ جہاں سے اظہار معجزہ کے لئے پل کے پل میں حضرت سلیمانؑ نے اپنے ملک یروشلم (بیت المقدس) میں اُٹھا منگایا۔ ہمکو اس سے اختلاف ہے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ ملکۂ سبا نے تحفہ کے طور پر حضرت سلیمانؑ کے لئے اپنے ملک کی صنعت کاری کی ایک

چیز طیار کرائی تھی اور چونکہ یہ تحفہ تھا۔ ضرور ہے کہ ملکہ اپنے ساتھ شام میں لائی ہوگی تحفہ کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ قرآن نے سبا کی سفارت اول میں تحفہ کا ذکر کیا اور تسلیم میں بھی سبا کا ذکر ہے۔

(۴) قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان کے ایک درباری نے جو کتاب سے واقف تھا عرض کی کہ میں نگاہ پلٹنے سے پہلے ملکہ کا تخت اوٹھا لاتا ہوں۔ نگاہ پلٹنے سے پہلے تخت اوٹھا لانے سے مقصود۔ جیسا کہ ہماری زبان میں سرعت اور جلدی سمجھا جا سکتا ہے۔ اسیطرح عربی زبان میں بھی قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ سے بھی سمجھنا چاہیے۔ بعض تابعین اور مفسرین کیارنے بھی اس لفظ کے یہی معنی لئے ہیں اور یہ کہنا تو درحقیقت محاورات زبان سے نادانی کا ثبوت ہے کہ واقعاً اس سے نگاہ پلٹنے کے ساتھ کام کیا۔

(۵) اس قصہ کے متعلق جو نہی بحث یہ ہے کہ قرآن مجید کے ان الفاظ میں کہ وہ شخص کہ جسکے پاس کتاب کا علم تھا بولا کہ میں تخت کو نگاہ پلٹنے سے پہلے لادونگا۔ کتاب کے علم (عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ) سے کیا مراد ہے۔ عام مفسرین تورات مراد لیتے ہیں یا اسم اعظم۔ لیکن ظاہر ہے کہ تورات کے علم سے تخت کا جلد اور سرعت لے آنا کیا مناسبت رکھتا ہے۔ اسم اعظم کا تخیل بھی ایک جاہلانہ اور غیر ثابت الشرع تخیل ہے۔ اسلام کی رو سے یہ کوئی شے نہیں۔ البتہ یہودیوں میں یہ خیال ابتک موجود ہے۔

ایک مدعی علم کلام جدید نے کتاب سے رجسٹر اور دفتر مراد لیا ہے یعنی بعض درباری حضرت سلیمان کے سرکاری دفتر اور رجسٹر سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ یہ تخت کہاں رکھا ہے۔ اونہوں نے کہا کہ میں ابھی اوٹھا لاتا ہوں لیکن اوس عہد میں اونیسویں صدی کی طرح باقاعدہ دفتر اور رجسٹر کا دعویٰ ایک مضحکہ خیز امر ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ کتاب سے خط مراد ہے۔ لفظ کتاب اسی قصہ میں اس سے پہلے دوبار اسی معنی میں قرآن مجید میں آچکا ہے۔ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا (میری یہ کتاب (خط) لیجا۔ اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ (میرے پاس ایک عظیم الشان کتاب آئی ہے)

اسکے علاوہ لفظ کتاب کا بمعنی خط عربی میں عام طور سے استعمال ہے بلکہ فصحا اسکے سوا خط کیلئے کوئی دوسرا لفظ استعمال نہیں کرتے۔ میری تاویل کے مطابق آیت کا مقصود یہ ہے کہ درباریوں میں سے ملکہ سبا کی مضمون خط کا جسکو علم تھا کہ وہ بطور تحفہ اپنے ساتھ آیا تخت لائی ہے اس نے کہا کہ میں ابھی لاتا ہوں۔

(۶) قرآن مجید میں ہے کہ ملکہ حضرت سلیمان کے ہاتھ پر ایمان لائی اور پیغمبرانہ جاہ و جلال دیکھکر بے اختیار پکار اٹھی اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ۔ لیکن بظاہر تنبیہ سے اسکی تائید نہیں ہوتی لیکن تنبیہ میں ملکہ کے یہ فقرے خداوند تیرا خدا مبارک ہو جو تجھ سے راضی ہے۔ اور جس نے تجھے بنی اسرائیل کے تخت پر بٹھلایا۔ کیونکہ خداوند نے اسرائیل کو ابد تک پیار کرتا ہے اور تجھکو بادشاہ بنایا کہ عدل و انصاف کرے۔ کیا اوسکے ایمان قلب کو نہیں ظاہر

کرتے مسیحی احباب تو قرآن کی تائید پر مجبور ہیں۔ کیونکہ انجیل کا یہ درس انکو یاد ہے۔

جنوب کی ملکہ نیصبا کے دن اس نسل کے ساتھ کھڑی ہوگی اور ملامت کریگی کہ وہ زمین کے انتہائی حصہ سے سلیمان کی حکومت سننے آئی اور دیکھو کہ یہاں سلیمان سے بڑا ہے (مسیح) (متی ۲-۲۲)

فاضل معاصر نے اس قصہ کے متعلق چند شکوک اور ان کا ازالہ کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے اسکو ہم نے بلفظہ درج نقل کردیا ہے۔ نقل کرنے کے بعد اتنا عرض کردینا ضروری ہے کہ فاضل محقق نے اس مضمون کی ترتیب میں جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ آپ کی خاص ایجاد نہیں بلکہ فی الحال یہی سابق تحریر و تحقیق قرار پاچکا ہے۔ اور محققین جدید کی مجتہدانہ توجہ اس کی طرف مبذول رہتی ہے کہ کتب سماویہ کے تمام احکام۔ اعمال اور قصص و حالات کو جس طریقہ سے ہوسکے قریب العقل اور ممکن الوقوع ثابت کریں۔ توراۃ و انجیل کے احکام کی مطابقت کہاں تک عقل سے ہوتی ہے یا ہوسکتی ہے۔ اسکے لئے ہم جوابدہ نہیں۔ مگر ہاں شریعت قرآن اور اسکے احکام ممکنات عقلی کے بالکل مطابق ہیں اور صرف ممکن العقل ہی نہیں بلکہ ضرورت زمانہ اور اصلاح تہذیب اخلاق انسانی کیلئے بھی بیحد ضروری ہیں مگر ان امور کی تشریح و تفصیل کے لئے ارض القرآن کا موضوع و عنوان ہرگز موزوں نہ تھا۔ لائق محقق کو اس کی تحریر سے اسکا پہلے خیال کرلینا بہت ضروری تھا۔ اور پھر اسکے ساتھ یہ غور کرلینا بھی فرض تھا کہ باوجودیکہ شریعت اسلامی اصول عقلی کی بنا پر تمام تر مبنی ہے مگر تاہم اس نے بحکم انی اعلم مالا تعلمون۔ قدرت کے حدود کو کسی حالت میں نہ محدود کیا ہے اور نہ اوسکی جبروت سے کسی وقت مقابلہ یا موازنہ کی جرأت کی ہے۔ بلکہ انسان کے تمام عقل و شعور اور قوائے مدرکہ کو اوسکی جبروت قدرت کا مطیع و منقاد ثابت کیا ہے۔ اس بنا پر ہر شخص اور محقق اسلامی کا یہ عقیدہ ہونا چاہیئے کہ وہ قدرت کے عجائبات و نوادرات کی تلاش و فکر میں اپنے انسانی العقل سے زیادہ نہ بڑھے۔ اور جس قدر وہ تعقل کرسکتا ہے۔ اوسی پر بس کرے ورنہ زائد تعقل کرتا جائے گا۔ اتنا تامل بڑھتا جائیگا۔ اور پھر ان شبہات و شکوک کا سلسلہ تمام نہ ہوگا۔ مگر ہم کو تحقیق میں اسکے مطابق تعقل کرنے کی کوششیں تمام ہو چکی تھیں مگر اور زیادہ قریب عقل بنانے کی کوشش نے پہلی تاویل کو پر شکوک کردیا۔ کیونکہ ہُدہُد کی تعلیم یافتہ نامہ بری کے متعلق اور نہ حضرت سلیمان کے اول ہی بار بھیجنے کی نسبت قرآن میں اشارۃً و کنایۃً کوئی بیان ہے۔ پھر یہ آپ کی نئی قیاسی تاویل ہی۔ جیسے آپ پہلے صاحبان قیاس کی لفظ طیر کی غلط فہمی دکھلا آئے ہیں۔ ایک غلط تخیل ٹھہرائی جائے گی اسی طرح آپ کی تصریحات نمبر ۲ و ۳ یعنی تخت بلقیس اور اوسکے ہدیہ کی ضرورت کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب ممکن الوقوع ہے مگر پھر آخر میں یہ لکھدیا جاتا کہ گویا یہ تخت خود ملکہ تحفہ لے آئی تھی جیسا کہ غیر زمانہ پیدا سلامیہ شواہد سے ظاہر فرمایا گیا ہے اور ترجمہ کے لفظ تحفہ کی بنا پر اس کی تطبیق کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ مگر تطبیق سے پہلے الفاظ قرآن کو کافی طور سے سمجھ لینا چاہیئے۔ جو ملکہ کے عرش عظیم اور انی مرسلۃ الیہم بہدیۃ۔ اور اسکے ارسال تحفہ کو ضرور بتلا رہے ہیں۔ مگر اس سے تخت کے تحفہ خاص کی نذر گذرانے جانے کی کوئی خصوصیت معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ یقینی طور پر صحیح مانی جائے قبل ان یرتد الیک طرفک کی تاویل

سبا کا مذہب۔

قرآن مجید نے بتلایا ہے کہ سبا کا مذہب آفتاب پرستی تھا۔

وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ	میں نے سبا کی شہزادی کو اور اُسکی قوم کو خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہوئے پایا۔

بنئیم اس ذکر سے خاموش ہے لیکن ترگوم سے تصدیق ہوتی ہے۔ ترگوم کا فقرہ یہ ہے کہ جبکہ ملکہ آفتاب کی عبادت کو جا رہی تھی۔ یونانی مورخ تھیوفراستینس (Theophrastineus) سنہ ۳۱۲ قم

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ یہی اسی حد تک صحیح کہی جائے گی جبتک کہ جبروت قدرت سے انکار مترشح نہیں ہوتا آخری بحث وَعِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ کے متعلق ہے۔ اسمیں اسم اعظم کے مراد و مفہوم کی جو مفسران قرآن کا مختار و متفقہ ہے۔ تنقید کی گئی ہے اور علم کتاب سے محض وہ کتابت یعنی خط جو ملکہ نے سلیمانؑ کو لکھا تھا مراد لیا گیا ہے۔ اور اس تخیل کی بنا لفظ کتاب کے یہ معنی خط اس قصہ میں واقع ہوئے پر جو الفاظ قرآنی میں پائے جاتے ہیں قایم کی گئی ہے۔ یہ بھی قیاسی معیار ہے اور خیالی مختار۔ یہ ضرور نہیں کہ ایک لفظ کے تمام ایک ہی معنی مراد ہوں۔ اگر یہی دلیل صحیح مان لی جائے تو کتاب کے معنی خط دو تین مقاموں سے زاید میں نہیں آئے ہیں اور کتاب اون معنوں میں جن معنوں میں توراۃ اور مفسران قرآن نے بتلائے ہیں۔ وہ کثیر التعداد مقامات پر وارد ہوئے ہیں۔ اونکے لئے کیا جواب دیا جائیگا۔ اور اصول کثرت پر کیوں اعتبار نہیں کیا جائیگا۔ مگر جیسا ہم اوپر لکھہ آئے ہیں۔ کہ ارض القرآن کا سادہ اور آسان موضوع علم کلام کے دشوار اور سخت مسائل و مباحث کے تصفیہ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اب رہا زمانہ حال کے محققین خصوصاً مغربی مستشرقین کے طریقہ تقلید کو مناسبت اور قبولیت کے اوسی درجہ تک اجازت ہو سکتی ہے۔ جہانتک اونکے مکاشفات اعتقادات میں فسادات پیدا نہ کریں اور منافی قدرت نہ ثابت ہوں۔ کیونکہ اسلام کے عقاید میں یہ امر بڑی اہمیت سے داخل ہے کہ انسان چاہے اپنے تعقل سے عرش الکمال تک نہ پہونچ جائے۔ تاہم وہ قدرت کی ندرت اور جبروت الہیہ کے رموز و علوم تک ذرہ بھر بھی نہیں پہونچ سکتا۔ مگر ہاں مدارج تعقل اور منازل فکر و تلاش میں جو جہاں تک پہونچا ہے وہ وہیں تک رہے اور اپنے ہی تک اوسکی تفہیم و اعتقاد کو محدود کرلے دوسروں کو اوس کی تبعیت اور تسلیم کرنے کی تکلیف نہ دے۔ کیونکہ اسکا تعقل ظنی ہے اور جو نبی تعقل و تفہیم کی تکلیف دوسروں کو پہونچاتا ہے اوسکا تعقل و تفہیم یقینی ہوتا ہے اور اوس میں روحانی تائید خصوصیت کے ساتھ ضروری ہے۔ اسلئے ظنی تعقل والا ایک مصلح قوم اور ناصح مشفق سے زاید نہیں۔ اسلئے اوسکی تبعیت اُسکے غیر کے لئے وجوب کے برابر نہیں۔ لیکن یقینی تعقل والا منجانب اللہ نبی مرسل ہوتا ہے اور اوسکی تبلیغ واجب الاتباع۔ لہذا اگر فاضل معاصران تفہیمات کو اپنے ہی تک محدود کرلیں تو کسی کو عذر نہیں ہو سکتا۔ ہاں اسکے عام واجب الاتباع ہونے میں۔ تامل بھی ہے اور کلام بھی۔　اولاد حیدر

جو اسلام سے تقریباً ۹۰۰ برس پیشتر اور سبا کا معاصر تھا۔ بحورات کے ذکر میں لکھتا ہے، یہ ملک سبا سے متعلق ہے۔ جو بحورات کی ملکیت کی بڑی حفاظت کرتے ہیں۔ ان بحورات کا ڈھیر آفتاب کی ہیکل میں جو اس قوم میں نہایت مقدس سمجھا جاتا ہے، لایا جاتا ہے Herons Hislorical Researches vol P351

روایات عرب سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے، بانی قبیلہ سبا کا لقب عبد الشمس مشہور ہے (تاریخ حمزہ اصفہانی، ص ۷، الکلکتہ) جسکے معنی پرستار آفتاب کے ہیں۔

اکتشافات اثریہ نے اس مسئلہ کو اظہر من الشمس کر دیا ہے جسکی تفصیل "ادیان" میں آئیگی مجمل یہ ہو کہ سبا کے منجملہ دیوتاؤں میں سے ایک شمس بھی تھا جس کی تمام جنوب عرب میں پرستش کی جاتی تھی۔ Encyelopidea oF Islam vol 1 P 379 مسلمانوں نے ابتدائی صدیوں (دوسری یا تیسری صدی) میں یمن کی ایک عمارت کا کتبہ پڑھا تھا۔ جو جنوبی (حمیری) زبان میں تھا۔ اسمیں عبارت منقوش تھی۔ بسم اللّٰہ ھذا ما بنا ہ شمر یرعش لسیدۃ الشمس۔ شمر یرعش نے سورج دیبی کیلئے یہ بنایا تاریخ اصفہانی ص ۱۱۱ کلکتہ۔

سبا کا تفرق و انتشار اور نتیجہ زوال و ادبار

ہمنے کہیں اوپر بیان کیا ہے کہ سبا کے مقبوضات تین حصوں پر منقسم تھے حبش یمن اور شمالی عرب سنہ ۱۰۵ ق م میں یہ شیرازے بکھر گئے۔ حبش پر اکسومی خاندان (اصحاب الفیل) قبضہ کر بیٹھا شمالی عرب میں اسمٰعیلی عربوں نے خروج کیا یمن میں حمیر (شاخ قبیلہ سبا) نے ظہور کیا۔ اور بقیہ قبائل تمام تتر بتر ہو گئے۔ اصلی باعث یہ ہوا کہ چوتھی صدی ق م کے آخر میں یونانیوں نے اور پہلی صدی ق م میں رومیوں نے علی الاتصال شام و مصر پر قبضہ کر لیا۔ یہ عربوں کے بار بار حملوں سے ہمیشہ خوف زدہ رہتے تھے۔ عرب اس تجارت کو ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے غیر قوموں کو اپنے ملک سے گذرنے نہیں دیتے تھے۔ انباط اور حمیر کے واقعات پڑھے جائیں تو معلوم ہوگا کہ صرف اسکے لئے کتنی خونریزیاں ہوئیں۔ اور یونانی اور رومی ان دشوار گذار پہاڑوں اور ریگستانوں کو بآسانی طے بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اسلئے اونہوں نے ہندوستان و افریقہ کی تجارت کو بری راستہ سے بحری راستہ کیطرف منتقل کر دیا اور تمام مال کشتیوں کے ذریعہ سے بحر احمر کی راہ مصر و شام کے سواحل پر اترنے لگے۔ اس طریق سفر نے سبا کی تجارت کو بالکل سرد و گرد کر دیا۔ اور اس نے یمن سے شام تک خاک اڑا دی اور سبا کی تمام نو آبادیاں بےنشان کر دیں۔ کیونکہ اونکے تمول اور خوشحالی تجارت ہی کے سبب تھی۔ وہ مفقود ہو گئی ادبار موجود ہو گیا۔

رواۃ عرب انکے تفریق و تخریب کا باعث بند عرم کے ٹوٹ جانیکو بھی بتلاتے ہیں کیونکہ اس سے انکی

زراعت کو سخت نقصان پہونچا۔ اور اونکی اکثر بستیاں بہ گئیں۔ مگر اس سیلاب کا باعث اتنا وسیع نہیں ہو سکتا کہ تمام ملک یمن کو برباد کر دے اوس لئے جو کچھ نقصان پہونچا یا ہوگا وہ شہر مارب اور اسکے آس پاس کے دیہات کو جہاں وہ آیا تھا اور اسکا اثر پہونچا تھا۔ قرآن مجید انہی دونوں توجیہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُم بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّن سِدْرٍ قَلِيلٍ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ

(سورہ السبا)

بے شبہ سبا کے لئے خود اپنے گھروں میں نشانیاں تھیں۔ دو باغ داہنے اور بائیں۔ اپنے پروردگار کی روزی کھاؤ اور اُسکا شکر کرو۔ شہرا شہر ہے اور معاف کرنیوالا مالک۔ اونہوں نے سرتابی کی تو ہم نے اون پر بند توڑ دیا۔ اور سیلاب بھیجا اور انکے باغوں کے بجائے بدمزہ پھلوں۔ پیلو اور کچھ جھربیری کے جھاڑ پیدا کر دئے۔ یہ انکی ناشکری کی جزا تھی اور ہم صرف ناشکروں ہی کو سزا دیتے ہیں ہم نے انکے ملک اور برکت والی آبادیوں (شام) کے درمیان بہت سی کھلی آبادیاں قائم کر دی تھیں اور اون میں سفر کی منزلیں مقرر کر دی تھیں چلو ان آبادیوں کی منزلوں میں دن رات بے خوف و خطر۔ انہوں نے کہا کہ خدا نے ہمارا بڑا سفر بنایا یا اے خدا ہمارا سفر کو دور کر دے۔ اونہوں نے خود اپنی جان پر ظلم کیا، تو ہم نے انکو کہانی بنا دیا اور پارہ پارہ کر دیا حقیقتاً اسمیں صبر کی نشانیاں ہیں۔ شکر گذار اور صابر بندوں کے لئے (السبا)

حمیر یا سبا کا طبقہ ثالثہ و رابعہ۔ قوم تبع و اصحاب الاخدود۔

۱۱۵ ق م - ۵۲۵ ع

ملک یمن دو حصوں پر منقسم ہے مغربی اور مشرقی قطعہ مشرقی جو اندرونی ملک سے ملحق ہے مملکت سبا ہے قطعہ مغربی جو ایک طرف بحر عرب اور دوسری طرف بحر احمر کو چھوتا ہے حمیر کی مملکت ہے۔

اسی سے سمجھ لیا جائیگا کہ بحری تجارتوں نے سبا کو ہٹا کر حمیر کو کس حد تک چمکا دیا ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ یمن کی حکومت مشرق سے منتقل ہو کر مغرب کو چلی آئی اور حمیر جو مغربی قبیلہ تھا اُسنے قوت مزید حاصل کر لی ناچار مشرقی قبایل رزق معاش کی تلاش میں کچھ مغرب کو اٹھ آئے اور کچھ یمامہ بحرین۔ حجاز۔ عراق اور شام کو چلے گئے۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ حمیر سبا سے کوئی الگ شے نہیں ہے۔ صرف خاندان اور موقع حکومت کا فرق ہے زبان۔ مذہب اور طریق تمدن تمام چیزیں ایک ہیں۔ اسلئے خود حمیر کے کتبات میں بھی بجائے حمیر کے سبا ہی نام کو ہے البتہ مورخین یونان

سنہ ۳۰۰ ق م میں اور اہل حبشہ نے چوتھی صدی عیسوی کے اپنے کتبات میں انکو حمیر کہا ہے۔

لفظ حمیر

علمائے انساب کہتے ہیں کہ حمیر سبا کے جانشین فرزند کا نام تھا، اسلئے سبا کی تمام تاریخ میں وہ بجائے سبا کے ہر جگہ حمیر بولتے ہیں لیکن اب تک جو کتبات ملے ہیں اور پڑھے گئے ہیں ان میں لفظ حمیر کہیں دکھائی نہیں دیتا۔[1] خود حمیر سلاطین اپنے آپکو ملک سبا و ذوریدان لکھتے ہیں۔ اہل حبش کے بعض کتبات میں حمیر اور ارض حمیر البتہ کہیں کہیں ملتا ہے۔ لفظ حمیر حبشی اور عربی میں حُمر سے مشتق ہوگا جسکے معنی سرخ کے ہیں اور محاورے میں گورے رنگ کو کہتے ہیں، اسکا مقابل اسود، عرب سیاہ و سپید کی جگہ الاسود والاحمر بولتے ہیں۔ چونکہ عرب اہل حبش کو اسود اور سودان کہتے ہیں اسکے مقابل میں اہل حبش عرب کو حمیر یعنی گوری رنگت کے آدمی کہتے ہونگے۔ ابرہہ یمن کا حبشی فاتح اپنے ایک کتبہ میں لکھتا ہے کہ بادشاہ حبشی اور حمیر فوج لیکر آیا۔ موجودہ محاورہ میں اسکے یہ معنی ہوسکتے ہیں کہ کالی اور گوری پلٹنیں ہیں۔

ممالک حمیر

تمہید میں معلوم ہوچکا ہے کہ حمیر مغربی یمن میں بحر عرب و بحر احمر کے متصل آباد تھے۔ اسوقت اس خاندان پر ذو واسیمہ) حکومت کرتے تھے۔ قلعہ ریدان انکا مسکن تھا اور اسی بنا پر خطاب امارت ذوریدان تھا۔ یہ قلعہ شہر ظفار کے قریب تھا۔ جو شہر صنعا کے قریب واقع ہے اور جدید حکومت کا پایہ تخت تھا۔ ابو علکم مراثی اسی ریدان کے ذکر میں لکھتا ہے۔

وفی ظفار بنت آباءنا غرفا	فی کوکبان قصی الملک ریدانا
ہمارے بزرگوں نے ظفار میں محلات قائم کیے	نیز کوکبان میں اور قصر شاہی میں ریدان تھا

سبا کی تباہی کے بعد حمیر نے مآرب تک اپنی حکومت کو وسعت دی اسوقت انکا لقب شاہی "ملک سبا و ذوریدان" نظر آتا ہے۔ ایک مدت کے بعد انکے القاب میں "شاہ حضرموت" کا بھی اضافہ ہوجاتا ہے۔ پھر تمام یمن، نجد اور تہامہ کی بادشاہی القاب میں نظر آتی ہے۔ اسی سے ظاہر ہے کہ کسطرح رفتہ رفتہ انکی حکومت کا رقبہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ آخر ۵۲۵ء میں آخری حمیری بادشاہ ذونواس اکسوم کے حبشیوں سے شکست کھاتا ہے اور تقریباً چالیس برس کیلئے ملک انکے ہاتھ میں چلا جاتا ہے، اسکے بعد ایرانی آتے ہیں اور انکے چند برسوں کے بعد تہامہ کی گھاٹیوں سے خورشید اسلام یمن میں طلوع ہوتا ہے اور ایک دن میں تمام یمن اس نور سے منور ہوجاتا ہے۔

---

[1] جہاں جہاں اس باب میں کتبات کے حوالے دیئے گئے ہیں وہ فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کے جنرل ۱۸۷۴ء کے مضامین مع العربی زبان سبا سے مستفاد ہیں۔ ارض القرآن ج ۱ ص ۲۶۸

حمیر کا زمانہ

سبائے حمیر کے پچھلے کتبات میں مبہود ابن ابہد کے نام سے ایک غیر معلوم تاریخ کے سنین کا استعمال کیا گیا ہے۔ ۳۸۵ھ و ۵۷۳ھ و ۵۸۲ھ و ۶۴۰ھ و ۶۵۷ھ و ۶۵۸ھ و ۶۶۹ھ مختلف کتبات کے سنین ہیں۔ انمیں سے ۶۴۰ھ کے کتبہ میں حبش کے حملے یمن اور ذونواس کی موت کا ذکر ہے۔ یہ واقعہ عرب روایات اور رومی بیانات کے مطابق ۵۲۵ء کا ہے۔ اس بنا پر بالکل بدیہی ہے کہ ۵۲۵ء ۶۴۰ھ حمیری کے مطابق ہے اور اسلئے سنہ حمیری کی ابتداء ۱۱۵ ق م قرار پائیگی[۵۱] مگر دوسرے اور کتبات کی عبارت پڑھکر اور ملاکر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سبائے حمیر کی تاریخ پہلی صدی ق م کے اوسط سے شروع ہوتی ہے[۵۲] اور آخر شاہ حمیر ذونواس کی موت پر ۵۲۵ء میں حکومت حمیر ختم ہوجاتی ہے۔ اس حساب سے حمیر کی کل مدت حکومت تقریباً ۵۵۰ برس قرار پائیگی۔

حمیر کے طبقات

حکومت حمیری کے ۵۵۰ برس حمیر کی مسلسل تاریخ نہیں ہے۔ پہلی صدی ق م سے تیسری صدی کے اواخر تک حمیر کا طبقہ اول، یا سبا کا طبقہ ثالث فرمانروائی کرتا رہا۔ دوسرا طبقہ تیسری صدی کے اواخر سے شروع ہوتا ہے۔ اور ابھی چند ہی بادشاہ گذرتے ہیں کہ اکسومی حبشی چوتھی صدی کے اوسط میں گھس آتے ہیں چند سال کے بعد حمیر ان حبشیوں کو نکال کر پھر وطنی حکومت کی بنیاد ڈالتے ہیں۔ یہ طبقہ ۵۲۵ء تک جبکہ آخری بار اہل حبش فاتحانہ داخل ہوتے ہیں، قائم رہتا ہے۔

سبائے حمیر کے ان دونوں طبقات میں فرق و امتیازات ہیں۔ دور اول کے سلاطین کا لقب "ملک سبا و ذوریدان" ہے۔ دور ثانی میں سلاطین ملک سبا و ریدان و حضرموت کا لقب اختیار کرتے ہیں۔ اور پھر جب کوئی نیا قطعہ ملک فتوحات میں شامل ہوتا ہے۔ تو لقب شاہی میں اتنا ہی اضافہ اور ہوجاتا ہے۔ ان القاب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دورہ اول میں حمیر کا رقبہ حکومت صرف یمن تک محدود تھا۔ دور ثانی میں حضرموت تک وسیع ہوجاتا ہے۔ عرب مورخین کے بیان سے بھی ان طبقات کی تصدیق ہوتی ہے۔

واولی من ملک اولاد قحطان حمیر ابن سبا فبقی ملیکا حتی مات دھرھا وتوارث ولدہ الملک بعدہ فلم یعدھم الملک حتی مضت قرون و صار الملک الی الحارث وھو تبع الاول فمن ملک	فرزندان قحطان میں سے پہلے پہلے جو بادشاہ ہوا وہ حمیر بن سبا ہے یہ آخر وقت تک بادشاہ رہا یہانتک کہ بوڑھا ہوکر مرگیا۔ پھر حکومت اسکی نسل میں وراثتاً جاری رہی۔ اور انکے ہاتھ سے نہیں نکلی تاآنکہ چند صدیاں گذر گئیں۔ پھر حارث الرائش پہلا بادشاہ ہوا

[۵۱] انسائیکلوپیڈیا برٹینکا۔ ج ۲۳ ص ۹۵۶

[۵۲] ″ ″ ″ ″

[۵۳] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ ص ۳۷۷

[۵۴] تاریخ حمزہ اصفہانی ص ۱۰۸ کلکتہ

الیمن قبل الرائش ملکان ملک بسبا وملک بحضرموت فکان لا یجتمع الیمانیون کلهم علیهم الی ان ملک الرائش فاجتمعوا علیه وتبعوه فسمی تبعًا

جو تبع کہلایا۔ اس سے پہلے دو بادشاہ ہوتے تھے۔ ایک سبا میں اور ایک حضرموت میں۔ تمام یمنی ایک کی طاقت پر متفق نہیں ہوتے تھے لیکن جب یہ بادشاہ ہوا تو اسکی بادشاہی پر سب متفق ہو گئے۔ اور اسکی اطاعت کر لی۔ اسلئے اسکا لقب تبع ہوا۔

شاہان حمیر اور انکے طبقات کی نسبت ہمنے جو کچھ لکھا اس سے معلوم ہوا کہ انمیں اکسومی (سبائی) حبش کی ایک قلیل الزمانہ حکومت کی خلیج بھی حائل ہے۔ عرب مورخین کو اس سے واقفیت نہیں۔ لیکن انکی فہرست سلاطین میں حبشی ترکیبوں کے نام داخل ہیں۔ اگرچہ مختلف صورتوں اور ترکیبوں کے نام ضرور ہیں مگر تاہم طبقہ ثانی کے بیچ میں یعنی حارث الرائش اور ناشر ینعم کے درمیان۔ ناموں کے رنگ و بو پہچاننے والوں کو صاف حبشی یا کم از کم غیر عربی و حمیری رنگ و اثر چند ناموں میں ضرور نظر آئیگا۔

نمبر	نام (الف)	کیفیت	نمبر	نام	کیفیت (ب)
۱	حمیر	نام	۱	الاملیح	مصنوعی نام
۳	ایمن	صحیح لیکن نام کا صرف ایک جزو ہے		ج ا ناشر ینعم	صحیح نام
۴	زہیر	مصنوعی	۲	شمر یرعش	״
۵	عریب	״	۳	ابو مالک	״
۶	الغوث	״	۴	الاقرن بن ابی مالک	مشکوک
۷	وائل	ایک خاندان شاہی کا ہنوا اہل نام ملا ہے	۵	ذو حبشان بن الاقرن	״
۸	عبد شمس	صحیح	۶	تبع بن الاقرن	״
۹	زہیر الصوار	مشکوک	-	کلیکرب بن تبع	صحیح
۱۰	ذو لیقدم	״	۸	اسعد ابو کرب	״
۱۱	ذو الشن	״	۹	حسان ابن تبع	مشکوک
۱۲	عمرو	״	۱۰	عمرو بن تبع	״
۱۳	الملطاط	مصنوعی	۱۱	عبد کلال	صحیح
۱۴	القلیعمس	״	۱۲	تبع ابن حسان	مشکوک

نمبر	نام	کیفیت	نمبر	نام	کیفیت
۱۵	سمہ د	مصنوعی	۱۳	مرثد ابن عبید	صحیح
۱۶	الحارث الرائش	صحیح نام	۱۴	ولیعہ ابن مرثد	″
(ب) ۱	ابرہہ ذو المنار	حبشی نام ابرہہ ابراہیم کا حبشی تلفظ ہے	۱۵	ابرہہ ابن الصباح	حبشی
۲	افریقش ابن ابرہہ	غیر عربی نام افریقش کے معنی شاید افریقی حبش ہوں	۱۶	صہبان ابن محرث	مشکوک
۳	العبد ذو الاذعار	مشکوک	۱۷	حسان ابن عمرو	″
۴	ہداد بن شرحبیل	ایک حبشی بادشاہ کا نام	۱۸	ذو شناتر	صحیح
۵	بلقیس بنت ہداد	غیر عربی۔ شاید یونانی	۱۹	ذو جدن	″ ۲۰ ذونواس صحیح

اس طویل فہرست میں قائمہ الف طبقہ اول حمیر ہے لیکن اسکے تمام نام صحیح نہیں ہیں۔ قائمہ ب ایک مختصر حبشی دور ہے۔ یہ نام بھی غیر صحیح ہیں لیکن حبشیت کا ان میں شائبہ ضرور ہے۔ قائمہ ج طبقہ دوم حمیر ہے اور قرب زمانہ کے سبب اسکے اکثر نام صحیح اور محفوظ ہیں۔

طبقہ اول کے صحیح نام اور زمانے

شاہان حمیر کے صحیح نام وہ ہیں جو آجتک پتھر اور چاندی کے حروف میں یمن کے ویرانوں اور سکوں میں لکھے ملے ہیں اور جنکو بہتوں نے پڑھا ہے اور ہر شخص جاکر پڑھ سکتا ہے۔ ہمنے اوپر بتایا ہے کہ طبقہ ثانی کے بعض کتبوں پر تاریخیں بھی ثبت ہیں جنکا حل بھی ہوچکا ہے بعض سلاطین کے نام رومیوں کی سیاسی و تجارتی تعلق سے یونانی رومی تاریخوں میں محفوظ ہیں اور قیاصرہ روم کی معاصرت سے انکی تاریخ معلوم ہے۔

اس رومی تعلق سے طبقہ اول حمیر میں سے جسکا لقب شاہی، ملک سبا ذوریدان ہے۔ دو بادشاہوں کی تاریخ معلوم ہے۔ کربیا ایل (Charibail) اور الیشرح (Elisaros کتبوں میں الیشرح یحضب) اور وتیل بین شاہان سبا وریدان فرزندان فرع ینہب شاہ سبا۔ رومی تاریخ میں ایک حملہ یمن کا ذکر ہے، جو ۲۰ سنہ قم الیشرح شاہ مآرب پر (سبا) کیا گیا تھا۔ الیشرح اس عہد میں دو (چچا) اور (بھتیجے) کا نام تھا۔ الیشرح یحضب اور الیشرح یحیل

رومیوں میں بھی یہودیوں کی طرح سبا کی دولت و ثروت کی اسقدر شہرت ہوگئی تھی کہ رومن لٹریچر میں سبا کی دولت ضرب المثل بن گئی۔ شعراء ان کی دولت کی تمثیل دیتے تھے رفتہ رفتہ طمع حرص نے کام و دہن میں لذت اور دست و پا میں حرکت پیدا کی سنہ قم میں الیس گیلوس (Aelius Gallus) جو رومیوں کیطرف سے مصر کا گورنر تھا قیصر اغسطس (Agustus) کے حکم سے یمن پر حملہ کی طیاری کی، انباط

(بنت بن اسمٰعیل کی اولاد) جو شمالی عرب میں اونکے زیر اثر تھے اعانت کیلیے آمادہ کیے گئے۔ اور بظاہر وہ بھی آمادہ نظر آئے۔ شاہ انباط کا وزیر سلوس یا ثالث۔ عرب کے بے نشان کوہ و بیابان میں رہبر بنا آخر صحرا و کوہستان حجاز طے کر کے یمن میں داخل ہوا۔ الیشرح جو اسوقت یہاں کا بادشاہ تھا حملہ کی تاب نہ لاسکا۔ اور قلعہ بند ہوگیا۔ رومی کئی روز تک محاصرہ کیے پڑے رہے۔ لیکن پانی کی کمیابی سے خود حملہ آور فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور نجران و نجاد ہوکر ۶ دن کے بعد بحال تباہ وزار مصر واپس آئی۔

یوروپین مورخین اس مختصر اور ناکام مہم کو بہت بڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ کوئی فوج کے راستہ کا نشان بتاتا ہے کوئی محرف ناموں کی تصحیح کرتا ہے۔ کوئی اسکا جغرافیہ تیار کرتا ہے۔ کوئی اس مہم کی ناکامیابی کا سبب انباط کی خیانت ٹھہراتا ہے۔ کوئی راستہ کی دشوار گذاری کا عذر تراشتا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر اور ریورنڈ فارسٹر اسی کہانی کے مشہور قصہ گو ہیں۔ بہرحال رومیوں کی اس ناکامی کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر انہوں نے ادھر آنکھ اٹھاکر بھی نہ دیکھا۔

اکسومی حبش اس بنا پر کہ حمیر تمام تر سبا پر قابض ہوگئے۔ انسے جلتے تھے جبشی کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی سے انھوں نے یمن پر حملہ شروع کردیا۔ اور یہ حملہ مسلسل قائم رہا کبھی فاتح ہوکر آگے بڑھے کبھی مفتوح ہوکر پیچھے ہٹے۔ آخر حضرموت پر موقع پاکر جا بیٹھے۔ شمر یہرعش نے (جس کو عرب حارث الرائش اور شمر یرعش دو شخص سمجھتے ہیں) انسے جنگ کی ہوگی اور ان سے یہ مقامات چھین لیے ہونگے۔ کیونکہ وہ یمن اور حضرموت دونوں کا بادشاہ ہوا اور اپنا لقب اسلیے اوس نے تبع اختیار کیا جس کے معنی حبشی زبان میں سلطان کے ہیں۔ اور شاید اسی لیے قومی ہیرو کے لحاظ سے عرب اوسکو زیادہ وقعت دیتے ہیں۔ شمر یرعش کے بعد ایک مدت تک سبا کی کڑی ہی نہیں ملتی جس سے قیاس ہوتا ہے کہ نالائق جانشین ہوں گے۔ اسی بنا پر اکسومیوں نے پھر دوبارہ حملہ کیا اور حمیر کو شکست دی۔ تقریباً ۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک یہ [illegible] فرمانروا رہے گو وطنی رئیس بھی اپنی جگہ پر ماتحت کی حیثیت سے قائم رہے ۳۷۸ء میں ملکی بکرب نے انکو نکالکر یمن و حضرموت پر دوبارہ حقیقی حکومت قائم کی۔ یہ حکومت ۵۲۵ء تک قائم رہی۔ اکسومیوں نے دوبارہ حملہ کرکے انکو برباد کردیا۔ گویا تیس برس قبل ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک جو اکسومی خاندان قائم کیا گیا ہے۔ اسکی صحت کی متعدد دلیلیں ہیں۔ اولاً تو یہ کہ اکسوم کے کتبہ میں اسکی تفصیل کا ذکر کیا گیا ہے۔ شاہ اذنیہ اور اوسکے جانشین جو ۳۴۰ء سے ۳۷۸ء اکسوم میں

۱؎ فار فصل الیس گالوس کی عرب پر مہم ج ۲

۲؎ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون سبا و ابی سینیا و اکسوم

بادشاہ تھے۔ اپنے کو ملک اکسوم و حمیر و ریدان و اثیوبیا و سبا و زیلع کہتے ہیں۔ حمیری کتبات میں اس عہد کے نام بلقب شاہی نہیں ملتے۔ عربی تاریخوں میں اس عہد کے سلاطین حمیر کے جو نام مابین شمر یرعش اور ملک یکرب مذکور ہیں وہ حبشی الالفاظ ہیں۔ خود عرب مورخین بیان کرتے ہیں کہ شمر یرعش کے بعد اس بنا پر حمیر طبقہ دوم یعنی ملوک سبا و ریدان و حضرموت کی ترتیب یہ ہے کہ اولاً حمیری بادشاہ ہیں پھر چند حبشی ہیں پھر سلسلہ حمیری ہے۔

طبقۂ ثانیہ یا تبابعہ

طبقۂ ثانیہ یعنی وہ سلاطین جنکا لقب ملک سبا و ریدان و حضرموت ہے۔ عرب انکو تبع کہتے ہیں اور اسکی جمع تبابعہ ہے۔

لفظ تبع کی تحقیق

لفظ تبع لغویین عرب کے نزدیک تبع یا تبعیت سے مشتق ہے۔

فصار الملک الی الحارث الرائش وهو تبع الاول من ملوک الیمن قبل الرائش ملک کان ملک بسبا و ملک بحضرموت فکان لا یجتمع الیمانیون علیهم الی ان ملک الرائش فاجتمعوا علیه و تبعوه فسمی تبعا (حمزہ اصفہانی صـ۱۰۵)

حمیر کے بعد یمن کی حکومت حارث الرائش (یرعش) کو ملی۔ یہی تبع اول ہے۔ اس سے پہلے دو بادشاہ یمن میں ہو گئے تھے۔ ایک سبا میں ایک حضرموت میں۔ تمام یمنی ایک بادشاہ پر متفق نہیں تھے۔ جب الرائش بادشاہ ہوا تو سب اسکی بادشاہی پر متفق ہو گئے اور اسکی تبعیت اختیار کی، اسلئے اسکا لقب تبع ہوا۔

ممکن ہے کہ تبع لفظ عربی بمعنی متبوع ہو یعنی جسکی پیروی اور اطاعت کریں لیکن جدید تحقیق سے یہ لفظ حبشی

فاضل محقق کی لفظ تبع کے متعلق تنقید و تحقیق قابل تحسین تو ضرور ہے مگر بیاہ کندن و کاہ بر آوردن کا مضمون ترجمہ ہے۔ لغویین عرب کی تنقید کے جوش و شوق میں۔ صرفی نحوی تمام دلائل جو اسکے غیر عربی ہونے کی تائید کرتے تھے بیان کر دئے اور یہ نہ بیان فرمایا کہ کس قاعدہ نحو و صرف سے آپ استدلال کرتے ہیں۔ یعنی رکع و سجد کا جمع ہونا اور اوسکا بصورت واحد یا الف لام علامت اسم صفت عربیہ کا اسمیں نہ پایا جانا۔ اوس زمانہ میں مدون ہو چکے تھے جس زمانہ کا یہ عربی اللفظ ہے۔ یعنی زمانہ حمیر کا جو عہد ما سائی قبل مسیح تھا اور انکا علم النحو و صرف تو سنہ ہجری کے قریب مدون ہوا ہے۔ پھر ان علامات کا اوسوقت میں نہ پایا جانا کیونکر باعث تغلیط لفظ ہو سکتا ہے۔ واحد اسوقت اکثر بجائے صیغہ جمع مستعمل ہوتا ہو جیسا کہ اوسوقت تک رائج ہے تو کیا اعتراض ہے۔ یا اوسوقت تک الف لام اسم صفت پر نہ لگایا جاتا ہو تو کیا کلام ہے۔ بہرحال ان قرائن ممکن کے خلاف۔ زبان حبشی کا لفظ بتایا گیا۔ معنی لکھے گئے۔ اوسکے شواہد پہونچائے گئے۔ اور اسی کو اپنا مختار بالمرجح قرار دیا گیا مگر پھر چشم زدن میں اس فیصلہ کی بھی خود ہی تردید کر دیگئی اور بالآخر اسکا زبان حمیری یا سبائی ہونے پر بالتمام اعتبار فرمایا گیا۔ اس تحقیقات و تنقیحات کو دیکھکر تو ہر شخص یہی کہیگا کہ ڈگری لغویین عرب کی ہوئی اور آپ ہی کی بارگاہ تحقیق سے۔ کیونکہ زبان حمیری ہو یا زبان سبائی سب زبان قدیم سامیہ کی شاخیں قرار دیگئی ہیں اور انہیں کی بالعبہ شاخوں میں عربی بھی داخل ہے جسکو آپ بھی ام السامیہ اور السنہ سامیہ کے باب میں خود لکھ چکے ہیں پس اس بنا پر اگر عرب علمائے لغت اپنی اصلیت اور قدامت کا اعتبار سے حمیری یا سبائی کو اپنی آباء و اجداد کی زبان سمجھکر عربی کہتے ہیں تو کیا غلط کہتے ہیں۔

اولاد حسین

زبان کا ہے جسکے معنی قادر، جبار، اور صاحب قوت کے ہیں[۵۱]۔ اسلام میں ٹھیک اسی معنی و زور میں لفظ سلطان قوت و غلبہ رواج پایا ہے ۔ اس لفظ کے غیر عربی ہونے کی تائید علاوہ اسکے کہ حبشی زبان میں یہ لفظ موجود ہے، یہ ہے کہ عربی میں اس وزن پر کوئی واحد اور بمعنی مفعول نہیں آیا۔ رُکّع و سُجّد وغیرہ الفاظ ہیں تو وہ جمع ہیں۔ مبالغہ کا وزن ہے تو وہ معنی مفعول نہیں پیدا کرتا اور سب سے آخر اسکے غیر عربی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ عجمی ناموں کی طرح اس پر الف لام نہیں آتا۔ اگر یہ عربی صفت کا صیغہ ہوتو مانع الف لام کیا ہے۔ لیکن یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ یہ صرف حبشی لفظ ہے۔ کتبات ملوک معین و سبا کے عہد میں یعنی کم از کم ہزار سال قبل مسیح میں لفظ تبع نظر آتا ہے ایک بادشاہ معین کا نام تبع کرب بن تبع ایل مذکور ہے۔ ایک سبائی کتبہ میں تبع شرحبیل ملک سبا منقوش دیکھا ہے۔ دوسرے کتبہ میں تبع کرب بلا لقب شاہی نظر سے گذرا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس معنی میں یہ لفظ اصلاً سبائی و حمیری ہے ۔

قرآن اور تبع

قرآن مجید نے قوم تبع کا دوبارہ ذکر کیا ہے ۔ دونوں بار قوت و زور اور حمیت و عظمت کیطرف اس سے اشارہ کیا ہے۔ پہلی آیت میں صرف جبار قوموں میں انکا نام بھی ہے ۔ دوسری آیت میں قریش کیطرف روئے خطاب ہے کہ انکو اپنی کس قوت پر ناز ہے۔ تبع اور ان سے پہلے کی قومیں کیا ان سے زیادہ توانا اور زورمند نہ تھیں۔ اون کا کیا انجام ہوا ۔

كذبت قبلهم قوم نوح واصحاب الرس وثمود وعاد وفرعون واخوان لوط واصحاب الايكة وقوم تبع

ان سے پہلے نوح کی قوم ۔ اہل رس ۔ ثمود ۔ عاد ۔ فرعون برادران لوط اور اہل ایکہ اور تبع کی قوم نے جھٹلایا ۔

(۲) اهم خير ام قوم تبع والذين من قبلهم اهلكناهم انهم كانوا مجرمين

(۲) یہ قریش بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جو قومیں ان سے پہلے گذریں ہمنے اونکو برباد کیا کہ وہ مجرم تھیں ۔

تبابعہ کی تعداد

عام مورخین اور اونکی تبعیت میں عام مفسرین لکھتے ہیں کہ صرف تین تبع گذرے ہیں، تبع اکبر، تبع اوسط اور تبع اصغر۔ تبع اکبر کا نام الحارث الرائش ہے۔ تبع اوسط اسعد ابوکرب کا لقب تھا اور تبع اصغر تبع بن حسان تھا اسکے مقابلہ میں خود حمیری مصنفین کی روایت ہے کہ تاریخ یمن میں ستر تبع گذرے ہیں۔ شارح قصیدہ حمیریہ اور نشوان ابن سعید الحمیری مصنف شمس العلوم نے روایت کی علاوہ اشعار سے اسکی تائید پیش کی ہے لیکن ان سے مقصود شاید عام سلاطین یمن ہونگے کیونکہ لفظ تبع جیسا کہ ہمنے پہلے لکھا ہے معین، سبا اور حمیر ہر دور میں نظر

[۵۱] انسائیکلو پیڈیا برٹینکا مضمون عرب ۔ [۵۲] گلازر کے شائع کردہ کتبات ۔

آتا ہے۔ ورنہ تنہا اس طبقہ میں تو یہ تعداد کھینی مشکل ہے جن عام مورخین نے صرف تین مخصوص تبابعہ کا ذکر کیا ہے۔ شاید اونھوں نے صرف مشہور ترین تبابعہ کے نام پر کفایت کی ہے۔

تبابعہ کے نام اور زمانے

تبابعین کی خوش قسمتی سمجھنا چاہیے کہ روایت عرب بھی انہیں سے اکثر کے نام محفوظ ہیں اور کتبات سے بھی انکی تصدیق ہوتی ہے ہم نے (صاحب ارض القرآن) جو زمانہ ترتیب دیا ہے اسمیں اکثر سنین کتبات سے ہیں بقیہ انضباط وقیاس ہے۔ اصل سنین جن سلاطین کے منقوش ملے ہیں اور جو انکے عہد کے کسی کارنامے کی تاریخ ہے وہ حسب ذیل ہیں

نام	زمانہ	نام	زمانہ
۱ یاسر ینعم	سنہ ۲۷۰ع	۲ شمر یرعش	۲۸۱ع
۳ ملک کرب یہامن	۲۷۸ع	۴ شرحبیل یعفر	۴۵۱ع
۵ عبد کلیل	۴۵۵ع	۶ شرحبیل	۴۸۰ع
۷ ینوف	سنہ ۵۱۰ع	۸ ذونواس	۵۲۵ع

یاد رکھنا چاہیے کہ عیسوی اور حمیری سنہ میں ۱۱۵ برس کا فرق ہے۔ اگر ان سنین پر جو عیسوی ہیں ۱۱۵ سال کا اضافہ کردیں تو حمیری سن مکمل آئیگا مثلاً عبد کلال کا سنہ جدول بالا میں ۴۵۸ع ہے اس بنا پر ۵۷۳ حمیری ہوگا

افسانہائے تبابعہ

روایۃ عرب تبابعین کی نسبت بڑے بڑے عظیم الشان فتوحات اور ملک گیری و کشور کشائی کے عجیب و غریب واقعات بیان کرتے ہیں۔ ایک تبع براعظم افریقہ کا فاتح ہے۔ شمر یرعش کی تیغ کشور کشا عرب سے ترکستان تک بلند ہوکر ایک شہر کو ویران کردیتی ہے اور اوسکا نام سمرکند پڑتا ہے یعنی شمر نے اوسکی بیخ و بنیاد کھود ڈالی۔ ایک تبع چین تک اپنی تلوار کی کاٹ دکھاتا ہے اور تبت میں اپنی بقیہ فوج چھوڑ دیتا ہے جہاں اب تک عرب آباد ہیں۔ ذوالقرنین جس نے مغرب و مشرق کے ڈنکے بجا دیے تھے اور جس کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے وہ یمن کا ایک بادشاہ تھا۔ افریقہ کا بیان ایک حد تک صحیح ہے۔ اہل حبشہ سے سلسلہ جنگ قائم تھا کبھی فاتح تھے کبھی مفتوح۔ ورنہ ترکستان و چین کی فوجکشی جسکی ابن خلدون نے بھی کچھ کم ہنسی نہیں اڑائی ہے۔ صرف لفظ کا کھیل ہے۔ (سمرقند) سمرکند کے پہلے جز کو شمر یرعش کے پہلے جز سے اتحاد تھا۔ اسلئے وہ سمرقند کا بانی یا مخرب قرار پایا۔ اونھوں نے کند کو فارسی لفظ کندن سے مشتق سمجھا حالانکہ قدیم ترکستانی زبان میں کند "شہر کو" کہتے ہیں۔ سمرکند و تاشکند و خوقند یہ سب

ترکستانی شہروں کے نام ہیں۔ ترکستان کی زبان بزمانہ اسلام فارسی ہوگئی تھی لیکن شمر یرعش کے زمانہ میں تو فارسی نہ تھی جو "کند" فارسی "کندن" سے ماخوذ ہوتا۔ چین و تبت کا نگارخانہ بھی صرف لفظوں کا تماشہ ہے۔ عرب تبت کو تُبّت کہتے ہیں۔ جو تبع کے بالکل قریب قریب ہے۔ ذوالقرنین کو صرف لفظ ذو نے مقدونیہ سے یمن پہونچا دیا کہ ذو یمن میں اکثر امراے حمیر کے لقب میں آتا ہے مثلاً ذو نواس۔ ذو شناتر۔ ذو ریدان۔

لیکن زمانہ اسلام کے بعض عرب سیاحوں کے عینی مشاہدات کا کیا جواب ہے۔ ابن حوقل بغدادی سنہ ۳۵۰ھ کا بیان ہے کہ اونکے زمانہ ورود سمرقند تک شہر کے دروازے پر شمر یرعش کا حمیری کتبہ ایک لوہے کی تختی پر کندہ موجود تھا۔ افسوس کہ سیاح موصوف ہی کے زمانہ قیام میں یہ نادرہ روزگار شہر میں آگ لگجانے سے جلکر بے نشان ہوگیا۔ اصل میں یہ قدیم ترکی خط (الیغورسی) ہوگا جو حمیری ڈھنگی وغیرہ خطوط کے مشابہ ہے۔ شہرت عام کی بنا پر اسکو ہمارے سیاح نے حمیری سمجھ لیا۔

اسیطرح مورخ مسعودی کا بیان ہے کہ تبت میں تبع رہ گئے تھے۔ اور چنانچہ خود اوس نے عربی لباس وضع میں اشخاص پائے لیکن چوتھی صدی میں جب مسلمانوں کا تمدن تمام دنیا میں جارہا تھا اور عرب تاجر ہر کوہ و بیاباں میں گذر رہے تھے تبت میں عربی لباس و وضع کے وجود سے تبع کی فتح تبت پر استدلال مسعودی کے فضل و کمال سے کسقدر فروتر ہے۔ اگر اس قسم کے انقلابات سیاسی حقیقتاً ظہور پذیر ہوتے تو اس عہد کی زندہ قومیں اونکے ذکر سے خاموش نہ رہتیں۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے۔ ایران کے کیانی خاندان میں ایک مشہور بادشاہ کیکاؤس گذرا ہے اسنے ایران سے ایک دریا کو (شاید خلیج فارس) عبور کرکے کشور ہاماوران پر فوج کشی کی لیکن شکست کھائی اور گرفتار ہوگیا۔ آخر رستم نے آکر کیکاؤس کو رہائی دلائی۔ کیکاؤس نے چھوٹتے کر ہاماوران کی شہزادی سودابہ سے شادی کرلی یہ وہی سودابہ ہے جسکے مکر و فریب سے گھبرا کر شہزادہ سیاوش توران چلا گیا۔ اور وہاں مارا گیا اور اسی کے جوش انتقام میں صدیوں تک ایران و توران باہم معرکہ آرا رہے۔ شاہنامہ میں یہ پوری تفصیل میں موجود ہے۔ ثعالبی نے اپنی تاریخ میں (غرر تاریخ الفرس) میں لکھا ہے کہ کشور ہاماوران اصل میں کشور حمیران ہے۔ حمیر کی [illegible] ہے۔ سودابہ صحیح عربی نام سُعدیٰ کی تصحیف ہے۔

کیا حمیر کے افسانے تاریخی حیثیت کے حدود میں نہیں آسکتے؟ فاضل محقق صاحب ارض القرآن نے "افسانہاے حمیر" کے عنوان سے مذکورہ بالا مضمون تحریر فرمایا ہے۔ جس میں اون تمام قدیم عربی روایات کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو سلاطین حمیر یا سبا کے متعلق ایک لامعلوم وقت اور کثیر التعداد زمانے سے اون کی یادداشت کے سفینوں اور پشت در پشت اونکی یاد مسلمانوں

ثعالبی کے علاوہ تمام لغات فارسی میں ہاماوران کے معنی یمن ہی کے ہیں۔ ایسی بنا پر ہمیں ان روایات کے قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں بشرطیکہ یمن کا خاندان حمیر اور ایران کا خاندان کیان تاریخاً معاصر ثابت ہو جائیں۔ اور نیز یہ سمجھنا چاہیے کہ حقیقتاً ایران کا کوئی بادشاہ ہوگا۔ کیکاؤس کیطرف غلطی سے نسبت ہے۔

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ کے سینوں میں علی التسلسل محفوظ اور منقول چلی آتی ہیں۔ یہ تو ان روایات کے استحفاظ و استقرار کی حالت زمانہ جاہلیت میں معلوم ہوتی ہے۔ جبتک وہ اپنے حالات کو کتابی صورت میں مدوّن کرنے کا علم نہیں جانتے تھے۔ اور اس امر کی حقیقت سے ہمارے فاضل معاصر کو بھی انکار نہیں ہے۔ اب جب انہیں زیادہ علمی صلاحیت آئی اور وہ تدوین کتب و تصانیف کے قابل ہو گئے تو انہوں نے ان روایات کو اپنے علمی دفاتر اور قلمی ذخائر میں بھی جگہ دی۔ اور تمام قدیم عربی تاریخوں میں ماخوذ و مستنبط ہوئے۔ جیساکہ فاضل معاصر کو خود اقرار ہے۔ مگر چونکہ بدقسمتی سے ان روایات پر موجودہ زمانہ کے مغربی محققین کو اطلاع نہ حاصل ہو سکی اور کیونکر ہوتی۔ قدیم یونان و روم نے ان عربی لوگوں سے کبھی کامیابی نہ حاصل کی۔ اور ان سے مغلوب نہ ہو سکے۔ جیساکہ مصنف لائق محقق نے بھی اسی کتاب میں اکثر مقامات پر اظہار و اقرار فرمایا ہے (ملاحظہ ہو ارض القرآن ج ا ص ۹-۲۸-۲۹) اسلئے انکے فتوحات اون کی کتب قدیم میں نقل نہیں کئے گئے۔ ہمارے جدید یوروپین مستشرقین عام اس سے کہ ارباب تحقیقات تاریخی ہوں یا اصحاب اکتشافات اثری۔ وہ بغیر اپنی قدیم کتابوں میں دیکھے ہوئے ان روایات پر کیوں اعتبار کرنے لگے۔ بالخصوص جبکہ یہ فتوحات یوروپین اخبار و آثار کی کتابوں میں نہیں پائے جاتے ہیں۔ لائق محقق چونکہ یوروپین ادبیات اثریہ کے بالکل زیر اثر ہیں اسلئے وہ بھی ان روایات کو افسانہ سمجھے ہیں۔ حالانکہ اصول تحقیق کی رو سے ان روایات کی صحت کے متعلق دونوں قسم کے ثبوت تاریخی اور اثری موجود ہیں اور اون کو آپ خود لکھ بھی رہے ہیں۔ مگر اعتبار نہیں کرتے۔ بلکہ اوس کی تردید و انکار کرتے ہیں۔ ابن حوقل بغدادی چلا رہا ہے کہ سمرقند کے دروازے پر حمیری فتوحات کا آہنی کتبہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور پڑھا بھی ہے۔ مگر سوئے اتفاق سے میرے قیام کے زمانہ ہی میں اوس میں آگ لگ گئی اور وہ جل گیا۔ آپ اوسکے اس بیان پر استہزا کرتے ہیں اور اوسکو مہذبانہ طریقہ سے دروغگو کہتے ہیں۔ اور حمیری خطوط کی نسبت اپنے قیاس سے کہتے ہیں کہ وہ ترکی کا قدیم ایغوری خط ہوگا۔ جو حمیری اور یمنی خطوط سے مشابہ تھا۔ آپ کے اس قیاس و انداز کے پاس کون عقل والا جا سکتا ہے۔ جو ابن حوقل بغدادی چوتھی صدی کے عربی الاصل مورخ اور جغرافیہ دان۔ اور مولوی سید سلیمان صاحب ندوی ہندی جنکی تعلیم ۱۳۲۱ھ دونوں کو جانتا ہے وہ اسکا باہمی تصفیہ کر سکتا ہے کہ خط حمیری کی تمیز و شناخت اور اوس کی تشکل و ساخت کا علم ابن حوقل رکھتا تھا۔ یا مولوی سلیمان صاحب۔ جو ایکہزار برس کے بعد اوس کے مشاہدے کو اپنے قیاس سے غلط ٹھہرانا چاہتے ہیں۔ جن کی تاریخ سیاحت ہمارے مغربی شمالی تک میں تمام ہے۔ طرہ تو یہ ہے کہ اوس نے تو اوسکو دیکھکر بھی حمیری اور ترکی میں تفریق و تمیز نہیں کی۔ مگر آپ نے مدت ہزار سالہ کے بعد شہر اعظمگڈھ میں بیٹھے بیٹھے پہچان لیا کہ وہ ترکی کا قدیم ایغوری خط ہے جو حمیر سے مشابہ ہے۔

تبابعہ کے تمدنی سیاسی اور مذہبی حالات

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تبابعہ سے پہلے سبا کے تمام طبقے ستارہ پرست تھے سب سے بڑا دیوتا انکا شمس تھا۔ اور "المقہ" حمیری چاند کو المقہ کہتے تھے (سمجھنے کیلئے ہندوستان کے سورج بنسی اور چندر بنسی قبائل کافی ہیں) بہرحال

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ اور پھر اس حالت میں کہ اصل تحریر بھی ہزار برس سے معدوم و مفقود ہوگئی۔ پھر کس چیز سے آپ نے تمیز فرمایا۔ کوئی اوسکی نقل محفوظ ہو۔ اور آپ کی نظر سے گذری ہو۔ اوسکو بتا دیجئے۔ ابن حوقل کے غلط پڑھنے اور حروف کے اصلی الفوری ہوئے تو کسی قدیم و جدید مولف نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہو۔ اوسکا حوالہ دیجئے۔ آپ تو کسی اصول و ثبوت سے اپنے قیاس کو صحیح و ثابت تو کرتے ہی نہیں۔ پھر تیا مانے تو کیسے۔ بخلاف اسکے ان واقعات کے تاریخی ثبوت عربی ماخذوں میں بھرے پڑے ہیں۔ تاریخ مسعودی۔ ابو الفدا۔ ثعالبی اور ابن حوقل وغیرہم اتنے ماخذوں کا نام تو خود آپ ہی بتلاتے ہیں۔ تحقیق مغربی کی کتاب تاریخ یمن۔ عقد واللولوئیہ اور لبعید ابن ہشام۔ طبری وغیرہم کے نام میری طرف سے بڑھا لیجئے۔ تاریخی ثبوت تو یہ ہیں۔ اخر ہی مشہود خود آپ کی کتاب میں ابن حوقل اور مسعودی کے اقوال و شاہد سے موجود ہیں۔ تو پھر آپ ان روایات کو تاریخی توثیق اور اثری تصدیق سے باہر نکالکر کیسے افسانہ اور داستان سمجھیں گے اور اصول تحقیق سے علیحدہ ہوکر صرف یورپین محققین کے اقوال و مختار پر اعتبار کرینگے۔ اور ایشیائی مورخین اور عربی مولفین کو دروغگو اور ساقط الاعتبار سمجھ لیں گے۔ اور یہ سمجھنا بھی اپنے اصول کے خلاف ثابت ہوگا کیونکہ اسی کتاب کے صفحہ ۳۲ جلد اول میں آپ نے علامہ نویری کی کتاب مسالک الابصار سے یمن کے اوس قدیم کتبہ کو نقل کیا ہے۔ جو معاویہ کے زمانہ (سنہ ۴۵ھ) عبد الرحمن (ابن خالد ابن ولید) گورنر مصر کے ہاتھ لگا تھا اور اوس نے اوسکا عربی ترجمہ تیار کرایا تھا۔ جو تمام عربی تاریخوں میں آجتک منقول ہوتا چلا آتا ہے۔ کچھ آپ ہی نے اس عربی ماخذ پر اعتبار نہیں کیا ہے بلکہ آپ خود اسکی تصدیق فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ تاریخ مذکور (مسالک الابصار) اسوقت ہمارے پیش نظر نہیں ہے۔ فارسٹر صاحب نے نویری کی کتاب سے اور ہم نے فارسٹر کی کتاب سے اسکو نقل کیا ہے ارض القرآن ج ۱ ص ۳۲۔ اسکے علاوہ سوانح کلبی اور معجم البلدان یاقوتی کے اسناد سے بھی جو کتبات اسی صفحہ میں خود مندرج فرمائے گئے ہیں۔ اور ابن ہشام کے بیان کردہ اوس کتبہ کی نقل و ترجمہ بھی درج کیا گیا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا ثابت ہوا ہے۔ اب آپ ہی کے تلون طبعی اور اختلاف رائے سے آپ کے مندرجہ بالا مضامین منقولہ کی تردید کامل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ پہلے آپ نے ان تمام عربی اور ایشیائی ماخذوں پر اعتبار کرکے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے اور تنہا آپ ہی نے نہیں بلکہ بقول آپ کے فارسٹر صاحب نے بھی علامہ نویری پر اعتبار کرکے نقل کیا ہے۔ پھر اسی اصول اور طریق تحقیق کی بنا پر۔ آپ کو ابن حوقل۔ مسعودی۔ ثعالبی۔ ابن ہشام۔ یاقوت حموی۔ کلبی۔ ابو الفدا کو جو علم و فضل میں علامہ نویری سے عظیم اور قدیم تر ہیں۔ اور جن کی نقل تالیفات سے آپ کی ارض القرآن بھری پڑی ہے۔ افسانہ گو اور ناقابل الاعتبار بتلانے کا کوئی حق حاصل ہے۔ اور کیونکر ہوسکتا ہے کہ اتنے مقامات کثیرہ پر ایک مولف کی تصدیق کی جائے۔ پھر ایک دوسرے مقام

کواکب پرستی انکا عام مذہب تھا سنہ ۳۴۳ء میں یمن کے مقابل افریقی سواحل پر مصری رومیوں کے اثر سے عیسائیت نے پروبال نکالے۔ شامی رومیوں کے ذریعہ سے یمن کے اطراف میں شہر نجران نے بپتسمہ (اصطباغ) قبول کیا۔ ان گرد و پیش سے تبابعہ یمن بھی محفوظ نہ تھے۔ (ریٹنگ کا مضمون "ای سینا")

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ یہ صرف اسوجہ سے کہ ادسکے کسی قول کو یورپ والوں نے نقل نہیں کیا۔ اُسپر اعتبار نہ کیا جائے یہ تلوّن اور تخالف مولف کی شان کے خلاف ہے اور ہرگز قابل قبول نہیں۔

اگر حقیقت دیکھا جائے تو آپکے مضمون تنقید کی تردید ہمارے مندرجہ بالا عبارت تمہیدی نے کردی۔ مگر وہ بالکل اجمال ہے اب ہم تفصیل سے ہر واقعہ کی نسبت جو افسانہ ٹھہرایا گیا ہے۔ ذیل میں عرض کرتے ہیں۔

ذوالقرنین صعب ابن الرائش یعنی تھا نہ سکندر ابن فیلقوس مقدونی الرومی۔ لائق محقق نے اپنے مضمون تنقید میں پہلے حمیری فتوحات افریقہ و ترکستان کو ایک افسانہ بتلایا ہے اور پھر ذوالقرنین اسکندر رومی کو ٹھہرایا ہے۔ چونکہ ذوالقرنین کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ اور جسکا تعلق اسلامی کتب احادیث و تفسیر سے پایا جاتا ہے اسلئے پہلے ہم اسی مسئلہ کو صاف اور ایکسو کردینا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں۔ صاحب ارض القرآن مستہزانہ طریقہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین کو صرف لفظ "ذو" نے مقدونیہ سے یمن پہونچا دیا۔ اسلئے کہ "ذو" یمن میں اکثر امرائے حمیر کے لقب میں آتا ہے۔ مثلاً ذونواس۔ ذوشناتر۔ ذوریدان" (ص ۲۹۶ ج ۱)

یہ بھی ہمارے فاضل معاصر کا قیاس ہے۔ اور اس قیاس کی وجہ بھی وہی یوروپین مستشرقین کی غلط فہمی ہے۔ جس کی تقلید آپ نے کرلی اور باوجود عربی دانی کے اسکے اصلی معنی اور حقیقی مقصد کی طرف نہیں تلاش کی۔ پہلے تو مقلید یوروپین مورخین ذوالقرنین کو سلاطین حمیر کی اوس فہرست میں لکھا ہی نہیں۔ جو آپ نے ارض القران ص ۲۸۶ میں قلمبند کی ہے۔ اسی وجہ سے کہ آپ کے اور یوروپین مستشرقین کے نزدیک تو اسکندر رومی ذوالقرنین ہے۔ پھر ایک شخص حمیری کو آپ کس طرح لکھ سکتے تھے اس مجبوری نے آپ سے صعب ابن الرائش الملقب بہ ذوالقرنین کا نام ہی محو کرادیا۔ حالانکہ تمام عربی تاریخوں میں سلسلہ حمیریہ کی تفصیل میں اسکا نام موجود ہے۔ اول تو یہی امر آداب تالیف کے خلاف ہے۔ اور ایک ائمہ متواترہ کا صحیح استخفاف۔ بہرحال آپکا بطریق معمول یہ خیال کرلینا کہ سلاطین حمیر کے لقب اکثر ذو کے ساتھ شروع ہوتے ہیں اسلئے عربی مورخین نے ذوالقرنین یعنی کو قرآن مجید کا مشاراً الیہ قرار دے لیا ہے۔ نہیں یہ غلط ہے اور بالکل غلط۔ ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ کی نسبت اہل عرب کثیر التعداد زمانہ سے مختلف اقوال لکھتے آئے ہیں جن میں سے یہ تین اقوال مناسب اور حقیقت کے مطابق معلوم ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ یہ نامور بادشاہ جب کسی معرکہ میں اول بار اپنے سر کے سیدھی طرف ضرب کھائی تھی۔ پھر حسن اتفاق سے کسی دوسرے میدان جنگ میں الٹی طرف بھی تلوار کا زخم کھایا عربی میں قرن کے معنی ضرب کے ہیں۔ اسلئے یہ بہادر اور شجاع بادشاہ کا لقب عرب یمن نے۔ اپنے قاعدہ زبان کے مطابق بلحاظ تثنیہ ذوالقرنین قرار دیا جس سے اوسکے کمال شجاعت و بہادری کا اظہار ہوتا ہے۔ اسکی کامل تصدیق ایک ابعد کی شہادت سے اسطرح

ستارہ پرستی نے تو شکست کھائی گو ستاروں کے ہیکل اب بھی ویران نہ تھے۔ تاہم اب شمس، المقہ اور عشتار کے پہلو بہ پہلو رحمان کا نام بھی آنے لگا۔ جو قبل اسلام یہود و نصاریٰ ہی کے ساتھ مخصوص تھا۔ مورخ کلبی کے زمانہ میں قبیلہ ذوالکلاع کے ایک شخص نے یمن میں ایک تخت پایا جس پر ایک

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ ہو جاتی ہے کہ جناب امیر المومنین علی مرتضیٰ علیہ السلام کا لقب بھی ذوالقرنین آیا ہے اسلئے کہ آپ نے بھی دو ضربیں کھائی تھیں۔ اول بروز خندق دوم بروز شہادت عین اوسی مقام پر جہاں خندق میں عمرو کی تلوار لگ چکی تھی۔ ملاحظہ مناقب احمد ابن حنبل، مسند ابن ابی شیبہ، صحیح ترمذی، مستدرک حاکم، حلیۃ الاولیا ابو نعیم اور تذکرۃ خواص الامۃ سبط ابن جوزی۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام کی یہ مماثلت اسقدر عام ہے کہ اہل حدیث و تفسیر کے علاوہ علما ئے لغت نے بھی اسکو نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو قاموس اللغات فیروز آبادی میں لفظ ذوالقرنین۔ دوسری وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس نے دو قرنوں تک سلطنت کی اور دونوں طرف یعنی مشرق و مغرب پر حکومت پائی۔ عربی میں قرن کے معنی مدت اور سمت دونوں آئے ہیں اور یہ دونوں اوصاف اس نیک اور نامور بادشاہ میں موجود تھے۔ قرن کی مدت تیس برس بھی بتلائی جاتی ہے اور سو برس بھی۔ بعض قول سے اسکی دو قرن یعنی ساٹھ برسوں تک حکومت پائی جاتی ہے۔ اور بعض قول سے دوسو برسوں تک حکمران رہا۔ جو بھی صحیح ہو۔ چونکہ دو قرنوں تک عربوں کے نزدیک اسکی حکومت ثابت ہے۔ اسلئے ذوالقرنین کے خاص القاب سے اسکو ملقب کیا۔ یہ قاعدہ اور یہ رواج تو سلاطین میں اسوقت تک قایم ہے۔ تمام بادشاہوں کی رسم جوبلی (Jublee) اون کے ہر پنجاہ سالہ مدت حکومت پر بڑی عقیدت اور مسرت کیساتھ منائی جاتی ہے۔ دوسرے معنی اسکے سمت ہیں۔ چونکہ اس نیک بادشاہ نے بلاد مغربیہ میں یمن سے لیکر حدود شام تک اقطاع عالم کو اپنے قبضہ میں کرلیا اور اسی طرح ممالک مشرقیہ میں ترکستان و تبت تک اپنی فتوحاتی وسعت بڑہائی۔ اس رعایت سے اس نامور فرمانروا کو ذوالقرنین کے خاص خطاب سے مخاطب کیا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ یہ تینوں توجیہیں ممکن الوقوع اور قریب العقل ہیں جو واقعات کے لحاظ سے صحیح معلوم ہوتی ہیں خصوصاً۔ دونوں طرفوں والی توجیہ تو بالکل فی الواقع ہے۔ کیونکہ اسکی تنسیص کا اشارہ خصوصاً سمت مشرق کے متعلق تو قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ گویا تاریخ و قرآن اسپر دونوں متفق ہیں۔ اور اسی سے زیادہ ذوالقرنین یمنی ثابت ہوتا ہے نہ اسکندر رومی۔ جیسا کہ بہت جلد مفصل بیان ہوتا ہے۔ بہرحال اتنی کافی اور متواتر شہادتوں کے مقابلہ میں آپ نے کیسے کلمہ دیا کہ عربوں نے ذو کا لفظ اس بادشاہ کے لقب میں پا کر اس کو بھی ایک یمنی فرمانروا فرض کرلیا ہے ورنہ وہ شخص ایک دوسرا غیر یمنی شخص ہے۔ اب تو معلوم ہو گیا کہ آپ کی طرح عربی مورخین نے اسکا فرضی اور قیاسی نام نہیں رکھ لیا ہے۔ بلکہ اوس کی وجہ تسمیہ اصلیت اور واقعیت کے جوہروں سے پر ہے۔ اتنا لکھکر اب ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ذوالقرنین سے سکندر رومی مراد لینا۔ روایتاً، درایتاً اور مدتاً۔ غرض ہر اعتبار سے غلط ہے۔ علمائے تفسیر و حدیث کا یہ بیان کہ ذوالقرنین ایک نامور خدا شناس و عادل و راسخ فرمانروا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیانی زمانہ میں ممالک یمن حضرموت نجد سے لیکر مضافات شام تک حکمران تھا۔ اسکے فتوحات اسقدر بڑہے کہ ترکستان اور تبت

مردہ کی لاش پڑی ہوئی تھی اسکے سامنے ایک زرین سپر تھی جس پر سرخ یاقوت جڑا ہوا تھا۔ اوس پر یہ عبارت لکھی تھی۔ (یہ عبارت حمیری عبارت کا ترجمہ ہے۔) بسم اللہ رب حمیر انا حسان بن عمرو القیل۔ اللہ کے نام پر جو حمیر کا خدا ہے۔ میں عمرو نفیل کا بیٹا حسان ہوں۔ ابن ہشام نے جس کتبہ کا ذکر کیا ہے اوسکی عبارت بھی ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے باسمک اللھم الہ حمیر۔ اوس خدا کے نام پر جو حمیر کا خدا ہے۔

بقیہ عبارت حاشیہ پائیں صفحہ گذشتہ۔ کے حدود تک ملگئے۔ (طبری ابو الفدا حیات القلوب) تاریخوں کے مقابلہ سے بھی صحیح پایا جاتا ہے، وہ اس طرح کہ اس سلسلہ میں ملکہ سبا بلقیس کا عہد حضرت سلیمان میں آنا تمام منقول ہے۔ اس ملکہ کی حکومت کا اختتام توریت مقدس سے سنہ ۱۰۰۰ دنیوی یا ۸۰۰ قبل مسیح میں پایا جاتا ہے صعب ابن الرائش اسی ملکہ سے چھ پشت اوپر ہے اس لئے نسلوں کے پیدا ہونے کے قاعدے سے الحارث الرائش اور صعب ذو القرنین یا تو اٹھائیسویں صدی دنیا کے آخر میں یا اونتیسویں صدی کی ابتدا میں ہوں گے یعنی سنہ ۱۲۰۰ قبل مسیح میں۔ ذو القرنین کے وجود اور ایام حکومت کا یہ زمانہ تاریخ اور مدت انساب، دونوں طریقوں سے ایسا صحیح تسلیم ہوچکا ہے کہ اب اس میں کسی کو کلام کی گنجائش نہیں۔ اب اس صورت میں کہ ذو القرنین کا زمانہ سنہ ۱۲۰۰ ق م میں ثابت ہوچکا۔ اور تاریخ نے اسکے فتوحات کی وسعت کے اعتبار پر اسی کو وہ شخص مخصوص مشار الیہ قرانی قرار دیا ہے۔ اور قرآن و دیگر کتب سماویہ نے بھی اسکی فتوحاتی وسعت کی طرف اسی زمانہ میں اشارہ کیا تو پھر آپ کا سکندر رومی کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے جو نوسو برس کے بعد ۳۵۶ ق م میں پیدا ہوتا ہے۔

اسکے علاوہ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ یہ شخص بلقیس ملکہ سبا اور حضرت سلیمان بادشاہ یہود سے دو سو برس قبل تھا۔ کیونکہ اسفار یہود سے حضرت عیسیٰ کی ولادت سے عہد سلیمان ایکہزار یا نوسو برس قبل ثابت ہوتا ہے۔ تو اس بنا پر یہ ظاہر ہے کہ یہ شخص حضرت ابراہیم کے بعد اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے قبل موجود تھا۔ بخلاف اسکے جب ہم سکندر رومی کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اوس نے گویا مذہب یہود کی اطاعت قبول کرلی تھی۔ چنانچہ سیٹسن ہسٹاریکل اور جوگرفیکل ڈکشنری سکندر رومی کے حالات میں لکھا ہے۔

فتح فارس کے بعد اوس نے فنیشیا اور دمشق کو فتح کیا۔ اور علاقہ طیر کے محاصرہ میں اوسکو کامل سات مہینے گذر گئے۔ جسکا انتقام فتح طیر کے بعد اوس نے وہاں کی مفتوح رعایا کے ساتھ نہایت خونخواری اور سفاکی کے ساتھ لیا۔ یہاں سے وہ جزیرہ دلم (بیت المقدس) میں آیا اور ایک ضعیف سند کے مطابق اوس نے یہاں کے افسر کاہن سے ملاقات کی جو اوسوقت اپنی مذہبی پوشاک میں تھا۔ اس مقدس شکل و شمائل والے بزرگ کو دیکھکر وہ ایکبارگی جھک گیا۔ اور شرط آداب و تعظیم بجا لاکر اوس نے اوس افسر کاہن سے کہا کہ میں نے مقدونیہ میں آپ ہی کے ایسے بزرگ کو خواب میں دیکھا تھا اور

یہودیت اور نصرانیت ان اطراف میں دو ہی مذہب اور صاحب الہام مذہب تھے۔ اور باہم ہمیشہ انکیں برابر کے حریف بھی تھے۔ گزشتہ ابواب میں معلوم ہو چکا ہے کہ رومیوں اور حبشیوں کے ساتھ سبا ئے حمیر کو کسقدر بیا کشمکش تھی۔ اس بنا پر تبابعہ حمیر۔ عیسائیت سے زیادہ یہودیت کو ترجیح دیتے تھے۔ عبد تکمیل

بقیہ عبارت حاشیہ پائیں صفحہ گزشتہ۔ انہوں نے مجھے میری فتوحات کی نسبت بشارت دی تھی۔ جسے میں بالتدریج حاصل کرتا جاتا ہوں۔ تب اوس افسر کاہن نے سکندر رومی کو حضرت دانیال کی وہ پیشین گوئی سنائی جسمیں بتایا گیا تھا کہ ایک یونانی فرمانروا فارس کی عظیم و قدیم سلطنت کو مفتوح و مغلوب کرے گا۔ اس کے جلد وہیں سکندر نے وہاں کے کاہنوں اور خادموں کو بڑے بڑے انعام دیئے اور وہاں سے مصر میں آیا اور اوس کو فتح کیا Beeton's Histor & Geographical Dictionary

Vol I P 80

اس عبارت سے جہاں سکندر کا مذہب یہود کی طرف رجحان معلوم ہوا وہاں یہ امر بھی ثابت ہو گیا کہ جس یادداشت کیطرف ذوالقرنین کی نسبت مورخین عرب نے کی ہے وہ سکندر رومی ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سکندر تو حضرت دانیال کے کچھ زمانہ بعد اور حضرت عیسیٰ کے تقریباً چار سو سال قبل کا آدمی ہے۔ حضرت دانیال بخت نصر کے ہمعصر تھے اور بخت نصر حکومت فارس کے عین عروج کے زمانہ کا شخص ہے۔ پھر کیسے وہ شخص ہو سکتا ہے جو حضرت موسیٰ سے کئی صدیاں پیشتر تھا۔ تو حضرت دانیال کا کیا ذکر۔ اور پھر اگر ذوالقرنین یہی تھا تو بیت المقدس میں آنا اور کاہنوں کی تعظیم کرنا۔ اور اپنا خواب دہرانا۔ کیا معنی۔ کیونکہ تاریخیں اور کتب انساب تو اس ذوالقرنین کا وہ زمانہ بتلا رہی ہیں۔ جب نہ حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تھے نہ حضرت داؤدؑ نہ حضرت سلیمانؑ۔ نہ بیت المقدس بنا تھا۔ نہ ہیکل سلیمانی قایم ہوئی تھی۔ اس لئے ہمارے فاضل محقق کا ذوالقرنین سکندر رومی کو بتلانا۔ یورپین محققین اور مغربی متعصبین سے زیادہ تر حیرت انگیز اور مضحکہ خیز ہے۔

ان حالات و اشکال کے علاوہ اب سیرت و تاریخ کی نظر سے اس مناسبت کی ناموزونیت ملاحظہ کی جائے۔ ذوالقرنین قرآنی کی نسبت اوسکے وسیع فتوحات مغربی و شمالی کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ سکندر رومی کے مغربی و مشرقی فتوحات کو کتابوں میں ذوالقرنین حمیری کے فتوحات غربی و شرقی سے ملاؤ تو معلوم ہو جائے گا کہ مشرق میں سکندر رومی کے فتوحات ہندوستان اور ہندوستان میں بھی دریائے گھاگرا سے آگے نہیں بڑھے۔ یہاں سے وہ ارض بابل کی طرف واپس آ گیا اور اسی اطراف میں ایک مہلک بخار میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ سکندر رومی کے فتوحات مشرقی ان حدود سے بڑھے ہوئے کسی کتاب میں نہیں پائے جاتے۔ اس کے برعکس ذوالقرنین یمنی کے مشرقی فتوحات کی وسعت ترکستان و تبت تک اگرچہ صرف عربی مورخین ہی کیوں نہ ہوں۔ کتابوں میں متواتر پائی جاتی ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ الہامی بھی مشرقی فتوحات کی وسعت کیطرف ذوالقرنین کی معرفت کراتے ہیں۔ تب اسی ایک خصوصیت کو باہم دونوں ذوالقرنین۔ یعنی ذوالقرنین یمنی اور ذوالقرنین رومی میں مقابلہ

کے سوا اور کسیکا عیسائی ہونا ثابت نہیں۔ عبد کلال بروایت عربی بھی عیسائی تھا (حمزہ اصفہانی ص ۱۳۱) اور ایک کتبہ سے بھی اوسکا عیسائی ہونا ثابت ہے (Huarts Hisf of Arab) بقیہ تمام تبابعہ کم تر ستارہ پرست اور اکثر یہودی تھے۔ تاریخ طبری میں ہے کہ سب سے پہلے اسعد ابوکرب نے یہودیت قبول کی۔ مذہب

بقیہ عبارت حاشیہ زیریں صفحہ گذشتہ۔ کر لی جائے اور یہ فیصلہ کر لیا جائے کہ باعتبار فتوحات مشرقیہ کثرت فتوحات تاریخی ذرائع و اسناد سے کس ذوالقرنین کی نسبت پائی جاتی ہیں۔ مرقومہ بالا شاہد سے تو ذوالقرنین یمنی مشرق میں صاحب فتوحات کثیرہ ثابت ہوتا ہے تو پھر اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو بتلانا تو تحقیق اور تاریخ دونوں کو جھٹلانا ہے۔

یہ تو تاریخی دلائل تھے۔ جن کو ہم نے فاضل معاصر کے غلط قیاس کی تنقید و تردید میں پیش کئے۔ اب سیرت و اخلاق کے مشابہی امیں بحث خاص کی تائید میں ملاحظہ ہوں۔ عربی ماخذ ہمکو ذوالقرنین یمنی کی سیرت و اخلاق کی نسبت بتاتے ہیں کہ وہ خدا شناس۔ خدا ترس۔ عادل۔ رحیم اور رعایا پرور بادشاہ تھا۔ مشرقی قومیں جو خدا شناس تھیں اور وہ یاجوج و ماجوج دو ظالم لٹیری قوموں کے مسلسل ظلم و ستم سے عاجز آگئیں تھیں۔ وہ بالآخر بارگاہ احدیت میں ان ظالموں کے ہاتھ سے رہائی پانے کیلئے دست بدعا ہوئیں۔ اون کی دعائیں مقربان بارگاہ اجابت ہوئیں اور پروردگار عالم کیطرف سے ذوالقرنین یمنی کو انکی استمداد و استحفاظ کا حکم ہوا۔ اوس نے من احسن الوجوہ ان خدمات کو انجام دیا اور اون ظالم قوموں اور ان مظلوم لوگوں کے درمیان ایک دیوار قائم کر دی تاکہ وہ ظالم قومیں پھر اون کی طرف دسترس نہ پا سکیں وہ دیوار اب تک قائم ہے اور گریٹ چائینز وال (Great Chinees Wall) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ذوالقرنین کی حسن سیرت اور ضرورت خدمت کا مختصراً ذکر ہے۔ جو الفاظ قرآنی اور عبارات تفاسیر و معانی سے ماخوذ و مستنبط ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مذکورہ بالا حسن خدمت و حسن سیرت ذوالقرنین رومی میں بھی تھے یا نہیں۔ تاریخیں تو قطعی انکار کرتی ہیں۔ کیونکہ وہ جب ہندوستان سے مشرق میں آگے نہیں بڑھا تو پھر چین گیا اور دیوار کھا۔ معلوم ہوا کہ یہ حسن خدمت اوس کے نہیں تھے۔ اسکے خلاف عربی تاریخیں بتلا رہی ہیں کہ اس دیوار کا بنانے والا ذوالقرنین یمنی ہے۔ اور قرآن بھی اس مشرقی دیوار کے تعمیر کنندہ کا نام ذوالقرنین بتلاتا ہے۔ جو تاریخی شاہد کے اعتبار سے سکندر رومی نہیں ہو سکتا۔ تو پھر ذوالقرنین یمنی کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔ کیونکہ دنیا کے جریدۂ تاریخی میں سوائے ان دونوں کے کسی اور کیطرف ذوالقرنین کی خصوصیت نہیں بتلائی جاتی اور نہ کسی تیسرے ذوالقرنین کا کہیں نام پایا جاتا ہے۔

حسن خدمت نے تو سکندر رومی کو ذوالقرنین قرآنی ہونے سے یوں محروم رکھا اب حسن سیرت دیکھنا ہے کیا تصفیہ کرتی ہے۔ ذوالقرنین یمنی کی سیرت و اخلاق کی نسبت ہم عربی مورخین کا قول لکھ آئے ہیں جس کے خدا ترس۔ خدا شناس۔ عادل اور رعایا پرور حکمراں ہونے پر اونکا مجموعی اتفاق ہے۔ اس بنا پر اصول مساواۃ فی التقابل کی رو سے ذوالقرنین رومی کے سیرت و اخلاق

شاہی نے تمام رعایا میں بھی فروغ پایا اور اسی طرح عیسائیت اور یہودیت نے یمن میں ٹکر کھائی۔
رومیوں نے بحری راستوں کو بیدار کر کے سبا کے بازار سرد کر دئے تھے۔ اور تنہا اس سے تسکین نہوئی تو
سنہ [illegible] تمام میں یمن پر حملہ آور ہوئے۔ اکسومی حبشی جو پہلے رومیان مصر کے ہم خاک تھے اور اب ہم مذہب

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ اور اعمال و خواص بھی ایسے ہی ہونے چاہئیں۔ اور قدرت الٰہی اور اوسکے نظام مشیت
کے لئے یہی ضرور تھا کہ وہ امداد مظلومین کے لئے رحمدل اور دردمند حکمرانوں کو متعین کرے۔ نہ کہ ظالم ہی کو مظلوموں پر مسلط کر دے
جو اون کی امداد و دلجوئی کیا کریں گے۔ اون کی جانوں پر اور ظلم ڈہائیں گے اور اون کو اپنی جفا و ستم کا نشانہ بنائیں گے۔ یہ فعل اور
یہ عادت اوس عادل حقیقی کی عدالت سے قطعی محال ہے۔ اتنا لکھکر ہم ذیل میں اوسی یورپین مستشرق اور عیسائی محقق کے
قول سے ذیل میں سکندر رومی کی سیرت و اخلاق کی حالتوں پر کافی روشنی ڈالتے ہیں جن کے اقوال سے ہم اوسکے فتوحات
کی تفصیل اوپر لکھ آئے ہیں۔

سکندر رومی طبیعتاً نہایت سخت اور بڑے غصائل کا آدمی تھا۔ خونخواری اوسکے مزاج میں انتہائی درجہ پر تھی
اوس کی شہزور خواری بڑی حد درجہ پر پہونچی ہوئی تھی۔ اوس نے اپنے بہت بڑے ہی خواہ اور کارگذار
افسر سالار فوج پیر آمینو نامی کو قتل کرا دیا اور اس سے کچھ ہی قبل اوسکے بیٹے فلاطوس نامی کو سخت اور
ناقابل برداشت سزا پہونچا چکا تھا۔ سمرقند کے نزدیک ایک یونانیوں کی آبادی تھی اور یہ لوگ کوئی
سو برس سے بشغلۂ تجارت وہاں آباد تھے۔ ان لوگوں نے بدقسمتی سے خراج شاہ فارس کو دے دیا
تھا۔ یہ معلوم کر کے سکندر نے ایک ایک کر کے اون اپنے تمام ہموطنوں کو قتل کروا ڈالا ایک بار عالم نشہ میں
اپنے قلبی دوست کلاتس کے پہلو میں خنجر مار کر مار ڈالا۔ (Beetons Hisl & Geog Dichonary
vol I P. 80. London)

اس عادات و خصائل کا آدمی کبھی خدا ترس۔ خدا شناس۔ عادل اور رعایا پرور کہا جا سکتا ہے اور اوس شخص کے ساتھ حسن سیرت
و اخلاق میں برابر کہا جا سکتا ہے جس کو قدیم مورخین عرب نے اوصاف مذکورہ کے لئے خاص طور پر موصوف بتلایا ہو۔ کیا کوئی موٹی عقل
والا بھی کہہ سکیگا کہ وہ راحم حقیقی اور رحمان۔ آفرینندۂ انس و جان۔ اپنے بندوں کی ایک مظلوم اور قابل الرحم قوم پر اون کی استمداد و استغاثہ
کے سننے کیلئے ایسے خونخوار اور مردم آزار دائم الخمر بادہ خوار کو مامور فرمائیگا جس کی سفاکی اور شقاوت کے اخبار و آثار آجتک دنیا کے کارنامو
میں بھرے پڑے ہیں۔ ان تمام مذکورۂ بالا شواہد مقاصد اور قرائن کو ملاحظہ فرما کر کیا اب بھی ہمارے فاضل معاصر ذوالقرنین قرآنی
سکندر رومی ہی کو تسلیم کرینگے؟ اون کے مزید اطمینان کے لئے۔ اب ہم تبرکاً ایک حدیث بھی لکھ دیتے ہیں جس سے ذوالقرنین قرآنی کا
صاحب ابن ارائش کا نہایت فصاحت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔

بھی ہو گئے تھے۔ رومیوں کے اشتعال سے بار بار چھیڑ چھاڑ کرتے تھے حمیر بھی موقع سے چوکتے نہ تھے۔ جب موقع ملتا رومی تاجروں کو دریا میں لوٹ لیتے[۹۵]۔ شمال عرب میں ایران و روم باہم دست و گریباں تھے۔ اور یہ طبعی تھا کہ حمیر کو ایرانیوں کے ساتھ ہمدردی ہوتی۔ رومیوں کو اس سے وحشت ہوتی۔

بقیہ عبارت حاشیہ زیریں صفحہ گزشتہ۔

وقد نقل ابن سعید المغربی ان ابن عباس سئل عن ذی القرنین الذی ذکرہ اللہ تعالیٰ فی کتابہ العزیز فقال ھو من حمیر وھو الصعب المذکور فیکون ذو القرنین المذکور فی الکتاب العزیز ھو الصعب بن الرائش المذکور لا اسکندر الرومی (ابو الفدا)

ابن سعید مغربی نقل کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ سے اوس ذو القرنین کی نسبت دریافت کیا گیا جس کا ذکر خدا نے اپنی کتاب عزیز میں فرمایا ہے۔ اونہوں نے جواب دیا وہ سلسلہ حمیر میں سے وہ شخص تھا جس کا نام صعب مذکور ہے پس ذو القرنین مندرجہ کتاب عزیز (قرآن مجید) صعب ابن الرائش ہے نہ اسکندر رومی۔

نزول قرآن کے زمانہ ہی میں اس مسئلہ کا تصفیہ ہو چکا ہے۔ جیسا کہ محقق و محدث ابن سعید مغربی کے بیان سے ظاہر ہوا۔ پھر اس میں کد و کاوش اور تلاش کوشش محض بیکار ہے۔ ہم نے ہر طریق سے اس بحث کے ہر پہلو پر تحقیق و تفتیش کی کافی روشنی ڈالی ہے ہم کو کسی قرینہ سے ذو القرنین قرآنی سکندر رومی کا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اور یہ میرا تنہا مختار نہیں بلکہ قریب قریب تمام اہل اسلام اسپر متفق ہیں۔ سب سے زیادہ تعجب اور حیرت تو اسپر ہے کہ فاضل معاصر نے کتاب سیرۃ النبی میں اپنے اوستاد شمس العلما مولانا شبلی صاحب نعمانی کا مختار بھی ملاحظہ نہ فرمایا۔ جو ان الفاظ میں تحریر ہیں۔ ذو القرنین جسے عوام سکندر سمجھتے ہیں اہل عرب کے نزدیک اسی حمیری خاندان کا فرمانروا تھا۔ (ج ۱ ص ۱۸) یہ ظاہر ہے کہ شمس العلما کی وفات کے بعد سیرۃ النبی کے جامع آپ ہی ہیں اور آپ ہی کے انتظام سے وہ اور اوسکے مابعد کی جلد چھپی ہے۔ تمام کتاب پر جا بجا حواشی اور مختلف نظریات بھی آپ ہی کے لکھے ہیں۔ باوجود ان قدرت و اختیار کے بھی ہمارے فاضل محقق نے کتاب میں اس غلط افسانہ کے متعلق کوئی حاشیہ چڑھانے یا نظریہ لکھنے کی جرأت نہ کی۔ یا تو اوستاد مرحوم کا پاس ادب مانع ہوا۔ یا حقیقتاً یورپین مستشرقین کی تقلید و تاسی کا شرف اوس وقت تک حاصل نہ ہوا تھا۔ اس لئے قلم نہ اوٹھ سکا۔ اب چونکہ یورپین اثریات کا پورا اثر ہو گیا اور اس شدت اور عقیدت کے ساتھ کہ اون اغیار کے مقابلہ میں۔ مقامی۔ وطنی۔ قومی۔ اور مذہبی اخبار و آثار بالکل بے اعتبار سمجھے گئے تو اپنی ایک نئی کتاب میں جس کے موضوع کو ان مباحث سے نہ کوئی واسطہ تھا نہ سروکار۔ یورپین اثریات کے تیاسی مندرجات نقل کر کے تمام اہل اسلام کو اصل واقعہ کی یہی صورت بتلائی۔ مگر جب حقیقت سامنے آئی تو معلوم ہوا کہ ابن راہ کہ میروی بترکان است۔

یاجوج ماجوج کی قدیم قومیں اگرچہ اس بحث میں مندرجہ بالا مضامین تنقیدیہ سے زیادہ کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر چونکہ اس قوم

رومیوں نے اس نزاع کو بصلح و آشتی طے کرنا چاہا چھٹی صدی کے اوائل میں رومی قیصر جسٹینین
Jastinian (Sharp's Brit vol II PP 352, 353)
تبع نے یمن کے دربار میں سفیر بھیجا تبع نے نہایت تزک و احتشام سے اپنی سطوت کا اظہار کیا۔ خود ایک
گاڑی پر سوار تھا جس میں ہاتھی جتے تھے۔ بدن پر ایک چادر تھی۔ جو سونے کی گھنڈیوں سے اٹکی

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ کا ذکر اس واقعہ کے متعلق داخل قرآن ہے۔ ایک تو اسکی تفصیل و تصدیق کی
ضرورت ہے۔ دوسرے اس سبب سے کہ مستشرقین یورپ کی اس غلط فہمی میں کہ ذوالقرنین سکندر رومی ہے۔ یاجوج ماجوج
کے مشابہ اور متجانس نام بھی شامل ہیں۔ ہم کو اس کی تحقیق و تفتیش کے لئے زیادہ وسعت اور وضاحت سے کام لینا ہوا۔
یاجوج و ماجوج سے ایشیائی قومیں بمقابلہ یوروپین قوموں کے زیادہ واقف ہیں اور ان میں اس قوم کے متعلق انواع و
اقسام کے قصے کہانیاں مشہور ہیں۔ زمانہ دراز تک یوروپ ان کے وجود ہی کا قائل نہ تھا۔ اور کیونکر ہوتا۔ اپنے دور و دراز
ممالک کے تمام قوموں سے کافی اطلاع رکھنے کا کوئی ذریعہ اور تعلق اون کے لئے موجود و ممکن نہیں تھا۔ وہ ایشیا کے
دور و دراز کے ان افسانوں کو گھر بیٹھے سُنا کرتے تھے۔ اور ایشیا کی سادہ لوحی اور کوتہ فہمی پر قہقہے لگاتے تھے یوروپین
قوموں کے برخلاف۔ ایشیا کے لوگ۔ یاجوج و ماجوج کی قوموں کے ہمسائے تھے۔ ہم ملک تھے اور ہم وطن اسلئے
وہ ان کے حالات سے زیادہ واقف تھے۔ مگر اب تو یوروپین محققین بھی ان کے وجود کے کم سے کم ضرور قائل ہو گئے
اگرچہ ان کے مسکن اصلی کی نسبت وہ ابھی تک مشکوک ہیں۔ مسٹر ہٹنس لفظ گاگ میگاگ Gag & magog
کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ اس قوم کے حالات عہد عتیق کے دو متفرق صحائف۔ الہام اور صحیفہ حزقیل میں پائے
جاتے ہیں۔ اس قوم کا سلسلہ یافث ابن نوح سے ملتا ہے۔ یہاں تک تحقیق ہو چکا ہے کہ یاجوج قوم کا نام ہے اور ماجوج
اون کے بادشاہ کا۔ لندن میں دو بڑے بڑے قد اور پتھر کے قدیم خونخواروں کے مجسمے رکھے ہیں۔ جن کو یاجوج ماجوج
کے بت بتلائے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ مناسبت بالکل بے ثبوت اور مضحکہ خیز ہے Beeton's Hist Dicr P. 792)
مسٹر ہٹنس کے مذکورہ بالا بیان سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ یاجوج و ماجوج کی قدیم قوموں کا وجود دنیا میں
ضرور تھا۔ اور یہ خیال سراسر غلط ہے۔ جیسا کہ اکثر عیسائی متعصب مولفین نے اہانت اسلام کی غرض سے مشہور کر رکھا ہے
کہ قرآن مجید نے یاجوج و ماجوج محض مفروضی نام دے رکھے ہیں ورنہ اس نام کی کوئی قوم دنیا کے کسی حصہ میں نہیں معلوم
ہوتی۔ دوسرے یہ امر معلوم ہو گیا کہ وہ ایک قدیم قوم ہی نہیں تھی۔ بلکہ اون کا نسبی سلسلہ یافث ابن نوح سے ملتا ہے۔ عرب
کا بھی یہی قول ہے۔ توراۃ تکوین۔ باب ۱ آیت ۲ میں بھی ماجوج کو یافث کا بیٹا لکھا ہے۔ تیسری بات یہ بھی ثابت ہو گئی کہ
قرآن مجید اور روایات عرب کے مطابق یہ قومیں بڑی ظالم اور خونخوار و مردم آزار تسلیم کی گئی ہیں اور آج تک انکے مجسمے اور

تھی۔ ایک ہاتھ میں ڈھال دوسرے میں دو نیزے تھے۔ بازوؤں میں بیش قیمت بازوبند تھے۔ ارد گرد مسلح درباری تھے جو فخریہ رجز کے اشعار پڑھتے تھے۔ اس شان و شوکت کے منظر میں سفیر نے قیصر کا خط اور اس کی طرف سے دیگر تحائف پیش کئے۔ خط کا مفہوم یہ تھا کہ ان اطراف میں ایرانی فروغ نہ پانے پائیں۔ سفیر معمول وعدہ و ایجاب کے بعد واپس آیا۔ (SHARPE VOL II P. 245)

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ طول و طویل سنگین تصویریں لندن کے عجائب خانہ میں ان کی سنگدلی اور شقاوت کو یاد دلا رہی ہیں۔ اس بنا پر جیسا کہ قرآن مجید نے بتلایا اور مفسرین و مورخین عرب نے اس ظالم قوم کی نسبت سمجھایا۔ وہ اگرچہ یوروپ والوں کی سمجھ میں ایک مدت تک نہ آیا۔ مگر اب وہ رفتہ رفتہ ان کے واقعات کو کامل طور سے سمجھ گئے اور اوس پر یقین کرنے لگے۔

یاجوج و ماجوج کی مشابہت اقوام اور مماثلت نام کی وجہ سے ایک شبہ پیدا ہو گیا ہے جس نے ذوالقرنین یمنی اور ذوالقرنین رومی کی اصلیت کو بہت کچھ مشتبہ کر دیا ہے۔ اگرچہ ایک سچے تحقیق کرنے والے کیلئے یہ بھی کوئی دشوار نہیں ہے مگر تلاش و محنت دشوار ہے۔ بہرحال ہم اس شبہ کی بڑی پوری تنقیح کئے دیتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج کا ذکر توراۃ میں تین مختلف مقامات پر آیا ہے۔ ایک کتاب تکوین میں جس کا حوالہ ہم ابھی اوپر دے چکے ہیں۔ دوسرے کتاب یرمیاہ میں تیسرے کتاب حزقیل میں۔ ذوالقرنین رومی کے مؤیدین کو۔ توراۃ کی ان دونوں مابعد والی کتابوں کے حوالوں نے اور شبہ میں ڈال دیا ہے۔ وہ ان دونوں کتابوں والی یاجوج کو بھی وہی تکوین والے یاجوج سمجھے ہیں۔ چنانچہ باوجود اتنی بڑی تحقیقات کے مسٹر ہٹنس کے ایسے فاضل نے بھی بلا فیصلہ و تمیز حوالہ کتاب تکوین کے ساتھ مابعد کی کتابوں والے حوالے بھی یکجا نقل کر دئے ہیں۔ گویا اون کے نزدیک تکوین والے یاجوج و ماجوج بھی وہی تھے جو یرمیاہ اور حزقیل کی کتابوں والے۔ ایسے کامل شخص سے ایسی ناقص تحقیق کس قدر تعجب انگیز ہے۔ ماجوج ابن یافث کا زمانہ کجا اور یرمیاہ و حزقیل کا وقت کجا۔ دونوں زمانوں میں میرے نزدیک ڈھائی ہزار برسوں سے کم کا فاصلہ کبھی نہ ہوگا۔ بہرحال۔ انھیں دونوں صحف انبیاء میں اُن کے حالات دیکھکر سکندر رومی کو ذوالقرنین کہنے والے لوگوں نے یہ رائے قائم کرلی ہے کہ چونکہ یرمیاہ اور حزقیل کے زمانے سکندر رومی کے زمانے سے قریب تھے اسلئے سکندر نے ان قوموں کیساتھ اس قوم کے لوگوں کا بھی استیصال کیا۔ یہ ان کی صریح غلط فہمی ہے۔ کتاب یرمیاہ اور حزقیل میں جنکا ذکر ہے وہ قوم جُوج ہے یاجوج نہیں۔ جوج۔ تبرک ہی۔ یاجوج سمجھ لینا انکی عقل کی خوبی کے سوا اور کیا سمجھا جاوے۔ صحیفہ حزقیل میں قوم جوج کے مفصل حالات مندرج ہیں۔ (باب ۳۸ سے لیکر باب ۳۹ تک) ان حالات کے پڑھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قوم بخت نصر اور غارت بیت المقدس کے بعد شہرت پذیر ہوئی۔ اسکے قبل اسکا کہیں نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ انکا مسکن و موطن بھی بنی اسرائیل کے دریا سے ملے ہوے وادی اور کوہستانی مقامات ثابت ہوتے ہیں۔ قوم جوج کے ساتھ تین متفرق قبیلے اور ملے جلے ہوے معلوم ہوتے ہیں شاید وہ انکے حلیف۔ ہم عہد اور ہم اصل ہوں۔ چنانچہ کتاب حزقیل میں۔ حزقیل کا خدا فرماتا ہے۔ اے آدم زاد۔ تو جوج

اصحاب الاخدود

قیصر کا یہ پیغام بھلے تعصب کی آگ کو کچھ بھی سرد نہ کر سکا۔ اوسوقت ذونواس فرمانروا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے یہودیت کے پرجوش تعصب کا سبق یثرب کے یہودیوں سے سیکھا تھا جس نے اسلام کو بھی کچھ کم دکھ نہیں دیا۔ رومی سوداگر تاجرانہ یمن کے سواحل تک پہونچتے تھے۔ لیکن جہاں جہاں گذرتے تھے

بقیہ عبارت حاشیہ زیریں صفحہ گذشتہ کے مقابل۔ جو ماجوج کی سرزمین کا ہے۔ اور روش اور مسک اور توبال کا سردار ہے اپنا مونھہ کر اور اون کے خلاف نبوت کر۔ اور یہ کہہ کہ خداوند یہوداہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ اے جوج۔ روش۔ مسک اور توبال کے سردار میں تیرا مخالف ہوں۔ (حزقیل باب ۳۸ ایت ۱-۳) پھر باب ۳۹ ایت ۱۱ میں کہا جاتا ہے کہ اسی دن یہ ہوگا کہ میں وہاں اسرائیل میں جوج کو ایک گورستان دونگا۔ یعنی رہگذروں کی وادی۔ جو سمندر کے پورب میں۔ اوس سے رہگذروں کی راہ بند ہوگی اور وہ وہاں جوج اور اوس کی جماعت کو گاڑ دینگے اور اوسے ہامون جوج کی وادی کہکر پکارینگے اور اوس کا یہی نام رکھیں گے۔

ان عبارات سے مویدان سکندر کا کوئی کام نہیں نکلا۔ بلکہ خلاف امید یاجوج قدیم سے اور ان سے نام۔ مقام۔ اور حالات و واقعات میں اختلاف کثیر ثابت ہوگیا۔ یاجوج قدیم کا نام بادخال۔ ی۔ الف۔ ہے ان کا ترک۔ ی۔ الف۔ صرف جوج لکھا ہے۔ ان کے بادشاہ کا نام ماجوج بتلایا گیا ہے۔ ان کے رہنے کا مقام ماجوج پایا جاتا ہے۔ وہ ملک مشرق اور منتہاے ممالک شرقیہ کے باشندے تھے۔ یہ منتہاے مغرب و شمال کے رہنے والے ثابت ہوتے ہیں ؎

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

وہ امم مشرقیہ اولاد یافث ابن نوح کے ہمسایہ اور ہم دیار تھے۔ اور یہ بنی اسرائیل کے پڑوسی اور قبائل روش۔ مسک وغیرہ کے معین و حلیف۔ جن کے مسکن و موطن بیت المقدس اور اوس کے گرد و نوح کے علاقہ تھے اور اون سے ارض بابل اور ریگستان نینوا البتہ قریب اور ملے ہوئے تھے۔ وہ

؎ ہامون عبرانی لفظ ہے جس کے معنی دوزخ کے ہیں۔ عربی میں بھی اس کی یہی شکل و معنی ہے۔ یہودیوں نے اہانت و حقارت کے سبب اونکے گورستان کو دوزخ سے مشابہ بتایا ہے۔ اولاد حیدر

اسباب سوداگری کے ساتھ عیسائیت کی سوغات بھی ساتھ ساتھ بانٹتے جاتے تھے۔ عیسائی راہب بھی مخصوص مقاصد کے ساتھ ملک میں دورہ کرتے تھے۔ پہلے انہوں نے عدن میں اور دوسری کوشش نے نجران میں جہاں پہلے شجر پرستی ہوتی تھی۔ عیسائیت نے برگ و بار پیدا کئے یورپ کے جو اب ہتکنڈے ہیں وہی پہلے بھی تھے۔ مذہبی اور سیاسی اغراض پر تجارت کا پردہ ہمیشہ ڈالا گئے ہیں۔ یہی پردہ اسوقت بھی ڈال

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ صحیفہ حزقیل ع کے بیانات کے مطابق بہ نیت استیصال قوم بنی اسرائیل و غارت بیت المقدس فوج گران لیکر چڑھ آئے تھے۔ اور اس ترک ادب خانہ خدا کے باعث مغضوب و معتوب ہوئے۔ یہ قدیم قوم نہ کسی معبد الٰہی کو لوٹتی تھی اور نہ فوج لیکر کسی حکمران وقت یا بنی عصر پر چڑھ آتی تھی۔ ہاں وہ کا فرکیش قوم قزاق تھی۔ اپنا جرگہ لیکر پہاڑوں پر سے دفعتاً اتر آتی تھی۔ اور خدا کے ان نیک بندوں کو جنکا امن اور صلح پسندی فطرتی شعار تھا۔ لوٹتی تھی۔ انکو ستاتی تھی اور انکے تمام مال و متاع کو لیجاتی تھی۔

اب ان تمام مرقومہ بالا اختلافات واقعات کو دیکھ کر اور پڑھ کر بھی۔ کیا ہمارے فاضل معاصر یا اس خیال و رائے کا کوئی اور مسلمان اب بھی ذوالقرنین قرآنی سے سکندر رومی کے مراد لئے جانے پر جرأت کر سکیگا۔ میری ناقص رائے میں تو اب کوئی ایسا عقل سے محروم اور فہم سے مجبور نہ ہوگا کہ ایک ساعت کے لئے بھی ایسی غلط فہمی پر اعتبار و اصرار کرے میں مزید اطمینان کیلئے مسٹر جارج سیل (Gorge Sale) مترجم قرآن کی عبارت حاشیہ کو ترجمہ کرکے ذیل میں لکھ دیتا ہوں جسکو انھوں نے اپنے ترجمہ میں روایات عرب پر پورا اعتبار کرکے اس قصہ کے متعلق لکھا ہے۔

ذوالقرنین یا دو سینگھوں والا۔ عام طور سے مفسرین نے اس شخص سے سکندر اعظم مراد لیا ہے جسکو وہ اپنی زبان و محاورہ میں الاسکندر الرومی کہتے ہیں۔ جو فارس و یونان کا بادشاہ تھا۔ اسکی وجہ تسمیہ ذوالقرنین میں اختلاف کثیر ہے۔ بعضوں کا قول ہے کہ یہ چونکہ شرق و غرب کا بادشاہ ہوا اسلئے ذوالقرنین کہلایا۔ یا (جیسا بعض کہتے ہیں) چونکہ اس نے منتہائے مغرب اور منتہائے مشرق تک فوجکشی کی۔ اسلئے ذوالقرنین کہا گیا۔ یا اسوجہ سے کہ اسکے تاج شاہی میں دو سینگھوں کے نشان تھے۔ یا اسکے سر میں پیشانی کی دونوں جانب بالونکی بناوٹ بالکل سینگھوں سے مشابہ تھی۔ اور انمیں سب سے زیادہ قابل قبول یہ باعث بتلایا جاتا ہے کہ وہ صاحب جرأت و شجاعت تھا۔ زمانہ حال کے محققین کی یہ رائے ہے کہ یہ ذوالقرنین اسوجہ سے کہلایا کہ اسکے سکوں میں اسکی شبیہ کے ساتھ دو سینگھ بنے ہوئے ہیں۔ اور یہ ویسے ہی ہیں جیسے جو پیٹر عموں کے سکوں میں ہیں۔ ایک وجہ وہ یہ بھی بتلاتے ہیں کہ حضرت دانیال نے اسکو سکندر مکہ سے مشابہت دی تھی۔ مگر انکی مشابہت میں صرف ایک سینگھ والا بکرا پایا جاتا ہے۔ (دیکھو

رہتے تھے۔ ان تدابیر سے نجران یمن میں عیسائیت کا مرکز قرار پا گیا تھا۔ یعنی رومیوں اور حبشیوں کی مذہبی و سیاسی امیدوں کا وہ مادی تنگیا تھا جسے یہودی اسکو دیکھتے تھے اور فورِ جوش سے بپھرتے تھے۔

اتفاق وقت اشتعال طبع کیلئے ایک عجیب حیلہ پیدا ہو گیا۔ جو اب بھی نہایت کثیر الوقوع ہے نجران میں ایک راہب عیسائی کا مکان تھا۔ ایک لڑکا اوس راہ سے اکثر گذرتا تھا۔ راہب اوسکو راستہ میں ٹھہرا کر مذہبی

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ صحیفہ دانیال باب ۸ آیت ۵۔ اوس بکرے کے دونوں آنکھوں کے بیچ ایک سینگ تھا) ان مفسرین کے علاوہ خاص اور بہتر طبقہ کے مفسر و دیگر مؤلفین کی یہ رائے ہے کہ جس بادشاہ کی طرف اس آیہ قرآنی میں اشارہ ہے وہ سکندر یونانی نہیں بلکہ ایک دوسرا اعظیم فرمانروا ہے کشور کشا ہے جسکا یہی نام اور لقب تھا۔ اور وہ فرمانروا سکندر رومی سے کہیں زیادہ قدیم اور پیشتر تھا۔ اور وہ جناب ابراہیم کا ہمعصر تھا۔ اور کیومرث اول حکمران فارس کا بھی معاصر تھا۔ اور بعضوں نے اوسکو یمن کا بادشاہ صعب ابن الرائش نامی تسلیم کیا ہے۔ اسپر تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ وہ خداشناس بادشاہ تھا۔ مگر وہ نبی تھا یا نہیں۔ یہ مسئلہ انہیں مشکوک ہے۔

یاجوج و ماجوج یافث ابن نوح کی اولاد سے ظالم قوم تھی بعض محققین عرب کا مختار ہے کہ یاجوج ترکوں کے ایک قبیلہ کا نام ہے اور ماجوج کی اولاد سے شہر گیلان (جیلان) کے باشندے ہیں جس کو قدیم مؤرخین روم نے بطلیموس اور اسٹرابو نے گیلی (GELI) یا گیلیائی (GELEA) بتلایا ہے۔ انکے طرز معاشرت یہ تھے۔ کہ اس قوم کے پاس رہنے کے لئے نہ گھر تھے اور نہ پہننے کے لئے کپڑے۔ اونکے اطراف میں کسی مکان کا نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ وہ زمین میں جانوروں کی طرح ماند کھودتے تھے اور اسی میں رہتے تھے۔ (سکندر رومی کے وقت میں ماند کھود کر رہنے والی انسانی قوموں کا کہیں نام و نشان بھی نہیں رہا تھا) اور اون میں بھی صرف آفتاب کی تمازت سے بچنے کی غرض سے چھپ رہتے تھے۔ صاحب تفسیر مہیا دی کے خیال میں یہ لوگ زنگ کے رہنے والے تھے۔ جو ملک حبش کے مغربی اور جنوبی سمت میں واقع ہے۔ میری رائے (جارج سیل) میں ٹراگولوڈائیٹس (FOGOLODYTES) قسم و قوم کے لوگ تھے۔

ان کی آزار رسانی کی کہانی یہ ہے کہ یہ وحشی قوم دفعتاً اپنی ہمسایہ قوموں پر چھاپہ مارا کرتی تھیں۔ اور انکے یہ حملے موسم بہار میں مخصوص ہوا کرتے تھے۔ اور اون کی سب پیداوار۔ مال و متاع اوٹھا لیجایا کرتے تھے۔ بعضوں نے تو اونہیں مردم خوار بھی یقین کیا ہے۔ (بیضاوی) جن دو پہاڑوں کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے اور جن کے درمیان

تعلیم کا روز کوئی نہ کوئی سبق دیا کرتا تھا۔ جب عام لوگوں کو معلوم ہوا تو طبعاً برافروختہ ہوئے اور ایک عظیم الشان فتنہ کے مواد فراہم ہو گئے

ذونواس یہ سنکر آگ بگولا ہو گیا۔ نجران پہونچا۔ لوگ قلعہ بند ہو گئے۔ شہر کا محاصرہ کر لیا گیا جب شہر فتح ہوا تو گڑھوں میں آگ دہکائی اور ایک ایک کر کے عیسائیوں کو کھڑے کھڑے جلوا یا جس نے یہودیت کے قبول سے انکار کیا۔ اوسکو نذر آتش کیا۔ قرآن میں اصحاب الاخدود کے نام سے اسواقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بقیہ حاشیہ عبارت زیرین صفحہ گذشتہ دیوار بنائی گئی تہی اور ذوالقرنین نے اس ترکیب سے یاجوج وماجوج کے حملات کی راہ روکی تہی وہ ارمینیا اور آذربائیجان کے درمیانی علاقوں میں واقع ہیں بعض کہتے ہیں کہ وہ مشرقی ترکستان کے منتہا سرحد پر واقع ہیں۔ اس امر کے تصفیہ کے لئے خلیفہ ولید ابن عبد الملک نے ایک عرب سیاح اور محقق کو اس دیوار مشرقی کے مشاہدہ کرنے اور اوسکے مفصل حالات لکھنے کیلئے خاصکر مامور کیا تھا وہ ترکستان میں جاکر اوسکے پورے حالات لکھ لایا۔ اس سیاح کے حالات سفر ڈی ہر بولٹ D.Herbolt کی کتاب۔ بائبل اورینٹ آرٹ Bible orient Art Gogiouge میں مرقوم ہیں۔

ذوالقرنین نے بحکم خدا پہونچکر کیا کیا۔ قرآن مجید نے اس ظالم قوم کی جزا و سزا کا اختیار ذوالقرنین کو عنایت کر دیا تہا۔ خواہ وہ اون کو اون کی کفر شعاری کی سزا میں تباہ و برباد کر دیتا۔ یا اونکو خدا کی راہ راست پر لانے کی کوشش اور ہدایت کرتا۔ یا جیسا بعضوں کی رائے ہے کہ خدا نے ذوالقرنین کے ہاتھوں میں اونکا انجام دے رکھا تھا۔ چاہے وہ انھیں تلواروں سے پارہ پارہ کر دے یا اونکو قید کر کے لونڈی غلام بنا لے لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ الہامی۔ پہلے معنیوں کے مؤید ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی باعث سے ذوالقرنین نے ایک معتدلانہ طریقہ اختیار کیا۔ ان لوگوں کو اوس نے خدا کی شریعت کیطرف بلایا۔ جو آگے وہ پیچھے رہے جنہوں نے نافرمانی کی سزا پائی اور قتل ہوئے۔

سد ذوالقرنین کی نسبت مسٹر سل لکھتے ہیں مفسرین کا بیان ہے کہ یہ سد اسطرح بنائی گئی کہ اسکی بنیادیں اسقدر گہری کہودی گئیں کہ پانی نکل آیا۔ تب اونہوں نے پتھر پیتل گلا گلا کر ان بنیادوں میں جوڑے بنیادوں پر لوہے کے بڑے بڑے دانے جو سے کہڑے کئے اور اُنکے درمیان پتھر کوئلے کی بڑی بڑی چٹانوں اور لکڑی کے بڑے بڑے کندوں اور بوٹوں کی چڑائی کر دی۔ پہر اوس پر بہت زیادہ مقدار میں لوہے اور پیتل کا انبار لگا کر نیچے سے اسمیں آگ لگا دی۔ آگ کے شعلوں کی گرمی سے وہ تمام لوہا اور پیتل پگھل کر اوپر سے نیچے تک دیوار کی اونچائی میں جو دونوں پہاڑوں کی اونچائی کے برابر تھی پھیل گیا اور لکڑی کے بوٹوں اور پتھر کوئلوں کی جگہ سما سما کر جم گیا۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (بروج)

مارے جائیں گڑہوں والے۔ گڈہے بہڑکتی آگ تھے جب وہ انپر بیٹھے تھے۔ اور (پیچھے) مومنوں کے ساتھ جو ظلم کر رہے تھے اوسپر خود گواہ تھے۔ ان مومنوں میں بجز اسکے کچھ اور قصور نہ تہا کہ وہ خدائے محبوب شہا محمود پر ایمان لائے تھے۔ (سورۂ بروج)

بقیہ عبارت حاشیہ زرین صفحہ گذشتہ۔ اسیطرح تمام دیوار میں لوہا اور پیتل پگہل کر اور جمکر دیوار کی دیوار لوہے اور پیتل کا پہاڑ بنگئی۔ بعضوں کا قول ہے کہ نہیں۔ پہلے پتھر کی پوری جڑائی کر دیگئی پہر اوپر سے لوہا اور پیتل پگہلا کر تمام دیوار میں پلا دیا گیا۔ (بیضاوی) (ترجمۂ قران۔ مسٹر سیل۔ طبع اول۔ سورۂ کہف۔ جلد دوم ص ۱۱۹ و ۱۲۰ و ۱۲۱)

عبارت مذکورۂ بالا جو صرف روایات عرب سے ماخوذ و مستنبط ہے وہ ایک یوروپین محقق کے دست و قلم کی لکہی ہوئی ہے۔ اوس یوروپین محقق نے کچھہ قلم برداشتہ اسکی نقل ہی نہیں کر دی ہے۔ بلکہ اوسکے اکثر مقامات کو تحقیق حال کے معیار پر جانچا ہے اور مطابقت کے حوالے بہی دئیے ہیں۔ ذو القرنین کی سکندر رومی کے ساتھ خصوصیت اور اوسکے متعلق حضرت دانیال والی کرسے کی بشارت اور ایک سینگہہ اور دو سینگہہ والی مضحکہ خیز مماثلت و مشابہت کی پورے طور سے تنقید و تردید کر دی ہے اس یوروپین مترجم کی مذکورۂ بالا عبارت سے ذو القرنین کی تخصیص و تشخیص اسکندر رومی کے ساتھ بالکل غلط تاویل ثابت ہوگئی ہے جس کو ہمارے فاضل معاصر نے بلا تحقیق و تفتیش حقیقت اپنا مختار قرار دیا ہے۔ اور اپنے مسلم الثبوت واقعہ کو محض افسانہ خیال کر لیا ہے۔ ہمارے مندرجہ بالا مضامین تنقید نے پوری تفصیل سے ثابت کر دیا ہے کہ اس واقعہ کو جس طرح قرآن مجید اور اوسکے ذی علم مفسرین اور عرب کے قابل محققین و مورخین نے بتلایا ہے۔ وہ بالکل حقیقت اور واقعیت پر شامل ہے اور امم سابقہ اور ملوک ماضیہ کے احسن القصص میں داخل ہے۔ نہ قیاسی داستان ہے نہ خیالی افسانہ زمانہ جدید کے متعصب مستشرقین یورپ۔ قدیم رومی اور یونانی مولفین کی ناقص بشتبہ اور غیر مانوس تحقیق کے شیدائی اور مقلد اول تو اس کو لکہتے نہیں اور قرآن پر مفروضی اور غیر واقعی قصص و حکایات بیان کرنے کا جھوٹا الزام قایم کرتے ہیں۔ اور اگر لکہتے بہی ہیں تو خود غرضی اور تعصب مذہبی سے عرب کی خصوصیت اور قدامت کو یونان و روم کی مفاخرت کا تمغا بناتے ہیں اور اپنی اس خود غرضانہ عالم فریبیوں کی تحقیق جدید کو ملمع کا تاج پہنا کر روایات قدیمہ و صحیحہ عرب کو مٹاتے ہیں۔ اون کے ہمخیال۔ ہم وطن اور ہم مذہب چاہتے ہیں کہ ان کو ان مفسدانہ اور مغویانہ مختار کی جتنی تائید نہ کریں وہ اون کے مندرجات انسانی کو الہامات ربانی نہ

قرآن میں یہ مذکور نہیں کہ اُسنے کُل لوگوں کو جلا دیا اور شہر کو بے نشان کر دیا۔ لیکن کتب واخبار و تفسیر کی تمام روایات میں مذکور ہے کہ تمام آبادی خاکستر ہو گئی لیکن یہ صحیح نہیں۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں نجران میں عیسائی آبادی موجود تھی۔ وہاں دعاۃ اسلام بھیجے گئے ہیں۔ نجران سے دو راہب آنحضرت صلعم سے مناظرہ کیلئے

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحۂ گذشتہ۔ سمجھیں۔ ہمکو اس سے نہ بحث ہے نہ اعتراض ہے۔ افسوس ہے تو ان اہل اسلام پر۔ جو باوجود دعوی بصیرت اور رابطۂ عقیدت کے، نہایت آسانی سے مخالفین اسلام کے ان ظاہری اور نمایشی گمراہ کُن تحقیقات پر فریفتہ ہو جاتے ہیں اور اس عالم وارفتگی میں اپنے محدثین و مفسرین اور مورخین پر بیساختہ کذب بیانی کا الزام و تہمت لگاتے ہیں۔ ہمارے فاضل معاصر نے تو اس بحث میں مستشرقین کی غلط آرائی کی تقلید و تائید میں اپنی فریفتگی یہاں تک دکھلائی ہے کہ سلسلۂ حمیریہ سے صعب ابن الرائش الملقب بہ ذوالقرنین کا نام ہی نکال ڈالا۔ (ملاحظہ ہو فہرست سلاطین سلسلۂ حمیریہ مندرجہ ارض القرآن جلد اول ص ۲۸۶) حالانکہ عربی کی کوئی تاریخ ایسی نہیں ہے جس میں سلسلۂ حمیریہ کی فہرست ملوک دی ہو۔ اور اُسمیں ذوالقرنین کا نام نہو۔ یہ کیوں؟ صرف مستشرقین یورپ کی تقلید۔ اسلئے کہ اونھوں نے اپنی تالیفات میں نہیں لکھا پھر یہ کیسے لکھیں۔ مگر ہمارے فاضل محقق کو سکوت سے پہلے اسکی علت دریافت کر لینی تھی۔ کہ یورپین تالیفات میں عام طور سے اس واقعہ کے سقوط کا کیا باعث ہے اور وہ بالکل ظاہر ہے۔ اسلئے کہ اونکے متقدمین و مولفین روم و یونان نے جن کے وہ ذلّہ ربا اور خوشہ چیں ہیں۔ اس واقعہ کو نہیں لکھا ہے۔ پھر وہ کیونکر لکھیں۔ مگر اون کے برعکس آپ کے ہاں تو بتواتر و تواردِ اس قصہ کی تفصیل و تشریح موجود ہے۔ پھر آپ اسے کیونکر مرفوع القلم کر سکتے ہیں لیکن آپ نے مستشرقین یورپ کی مقلدانہ اور مومیانہ فریفتگی کے خاص عالم میں محو ہو کر اپنے مفسرین

علہ ہمارے فاضل معاصر کا سارا غصہ مورخین عرب پر ہے اور مفسرین قرآن پر۔ جھوٹے ہیں تو وہ۔ ناقابل اعتبار ہیں تو وہ چنانچہ اصحاب الاخدود کے متعلق اونھوں نے لکھا ہے کہ عیسائیوں کیساتھ اُنکی ساری بستی بھی جلا دیگئی تھی۔ فاضل معاصر کو عتاب آگیا جس طیش انگیز عبارت سے خطاب کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ "صحیح نہیں، آنحضرت صلعم کے زمانہ میں نجران کی آبادی موجود تھی۔ دعاۃ اسلام وہاں بھیجے گئے ہیں۔ نجران سے دو راہب آنحضرت صلعم سے مناظرہ کرنے آئے تھے ..... پھر دو ایک فقروں کے بعد خدا جانے دلمیں کیا خیال آگیا تو لکھتے ہیں ممکن ہے کہ حبشیوں کی نئی نہاد سلطنت میں پھر دوبارہ آباد ہوا ہو۔ انصاف سے کہئیے یہ کوئی طرز تحریر ہے اور سیاق تحقیق ہے جرح بھی آپ ہی فرماتے ہیں اور تعدیل بھی آپ ہی۔ اعتراض بھی ہوتا ہے اور پھر تاویل بھی کیجاتی ہے۔ آپ تالیف و تصنیف خصوصاً تحقیق و تنقیح کا کام کرنے اُٹھے ہیں تو پہلے تجسس حواس کیلئے طلب تسکین دماغ تو فرمالیں۔ یہاں تو بات بات میں۔ تلون۔ ذہول۔ دَور اور تعدد فی الکلام آجاتا ہے۔ آپ کے اس طریقہ تنقید سے اسلامی مورخین و مفسرین کی تکذیب تو نہ ہو سکے گی۔ بلکہ آپ ہی کی تفضیحیت لازم آئے گی۔ المولف اولاد حیدر

آئے ہیں بحضرت عمر فاروق کے عہد میں، یہاں کے نصاریٰ سے دوگونہ صدقات وصول ہوئے ہیں، یا ممکن ہے کہ حبشی عیسائیوں کی ہفتاد سالہ عہد میں پھر دوبارہ آباد ہوا ہو۔

اس واقعہ کو عیسائیوں نے بھی یاد رکھا ہے۔ اسی عہد میں شام کے عیسائی اس قصہ کو قید تحریر میں لائے ہیں، انکے بیان کا خلاصہ حسب ذیل ہے جس میں یقیناً بعض تاریخی غلطیاں بھی ہیں" جاڑے کے سبب سے اہل حبش اپنا نائب یمن میں نہ بھیج سکے۔ ذونواس نے حکومت غصب کرلی اور عیسائیوں کو مذہب کی خاطر دست دکھ دیا۔ علاوہ ازیں نجران پر فوجکشی اور خلافت وعدہ شہر پر قبضہ کرلینے کے بعد با ایمان عیسائیوں کو آگ اور تلوار سے برباد کردیا۔ (ENCYCLOPEDEA OF ISLAM)

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ محدثین اور مورخین کے تمام مکاشفات کو القط کردیا۔ اور فہرست سلاطین حمیریہ کو جو عربی تاریخوں میں مرقوم ہے۔ ساقط الاعتبار اور بیکار سمجھ لیا۔ اور اوس کی جگہ مستشرقین یورپ کی وہ تیار کردہ فہرست جو اونہوں نے ادبیات اثریہ کے اصول پر تیار و مرتب کی ہے۔ اپنی کتاب میں جسکا نام مخصوص طور پر ارض القرآن رکھا گیا ہے۔ داخل کردیا۔ حالانکہ ہر دیکھنے والا دیکھتے ہی فوراً حیرت میں پڑ جائیگا کہ ارض القرآن کو دار الحرب یورپ اور بلاد غیر اسلامیہ کے اثریات سے اثر پذیر اور دامنگیر ہونا کیا معنی، ہمارے فاضل معاصر کا فہرست سے اصعب بن الرائش۔ ذوالقرنین یمنی کے نام کا اسقاط تمام اہل اسلام کی آنکھوں میں ایک شرمناک فروگذاشت بنکر کھٹکتا ہے۔ اور ایک مولف ومحقق کی شان پر علی الاعلان استخفاف وتعصب کا الزام لاتا ہے۔ زمانہ حال کے محققین مشاہدات کے عموماً طالب ہوتے ہیں اور ہر امر کی تحقیق میں تمثیلات ظاہریہ کی متلاشی۔ اسی واقعہ کے متعلق دیوار بنانے کے حالات دیکھکر اونہوں نے اسکندر رومی کے سد اسکندریہ کا وجود تمثیل ومشاہدہ ہے۔ گویا دونوں دلیلوں کو مدنظر رکھکر۔ اوسکے ذوالقرنین ہونے کے شبہ کو اور قوی کرلیا ہے۔ حالانکہ سلسلہ ملوک سبا میں جس میں بنی حمیر ایک برومند اور نہایت شاداب شاخ ثابت ہوتی ہے اور جس کا سر سید اصعب ابن الرائش۔ ذوالقرنین یمنی ثابت ہوتا ہے ایسی دیواروں کے بنانے کا قدیم الایام سے دستور اور قاعدہ جاری تھا۔ غالباً اس صنعت تعمیر کے یہی موجد بھی ثابت ہوتے ہیں۔ سد عرم اور مآرب کے دلالت خود فاضل معاصر نے نہایت تفصیل سے اسی کتاب میں ادبیات اور اثریات دونوں طریقوں کے ثبوت وشہود سے نقل فرمائے ہیں اس بنا پر پہلے ذوالقرنین یمنی پر تعمیر سد کی دلیل قائم ہوگی تب ذوالقرنین رومی پر اسکا اطلاق کیا جائے گا کیونکہ ذوالقرنین یمنی روایتاً اور درایتاً، دونوں طریقوں سے جیسا ہم اوپر لکھ آئے ہیں، ذوالقرنین رومی سے قدیم تر ثابت ہوتا ہے۔

سبائے حبش

یا

اصحاب الفیل

ذونواس جسکیطرف قرآن کے الہامی الفاظ نے بھی اشارہ کیا ہے اور جسکا مفصل احوال اوپر بیان ہوچکا ہے ایک متعصب یہودی تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ارتازرکسیزاوکس نے (Artoxorocius) چند یہودیوں کو قید کرکے شہر ہرقانیہ (مازندران) میں بھیجدیا تھا چونکہ ذونواس یہودی تھا اسلئے اسکے حملات سے ذونواس

بقیہ عبارت حاشیہ زیریں صفحہ گذشتہ مشاہدہ تمثیلی کی بحث تو تمام ہوچکی اب مشاہدہ واقعات کیطرف غور کیا جائے تو سد اسکندریہ کے قریب موجودہ زمانہ میں کسی قوم وقبائل کے باشندوں میں ان قدیم الایام کے طریقہ عبادت۔ تمدن ومعاشرت کے کوئی اخبار وآثار۔ جنکے حالات وعلامات ہمارے عربی مفسرین اور مورخین نے بتلائے ہیں۔ نہیں پائے جاتے۔ ان کے برخلاف۔ اس سد مشرقیہ کے اس پار رہنے والی قوموں میں۔ جنکو موجودہ زمانہ کی زبان ومحاورہ میں لامہ کہتے ہیں قدامت کے تمام آثار ونشانات آجتک موجود ہیں۔ انکے لباس۔ وضع وقماش۔ تمدن ومعاشرت۔ مذہب۔ طریقہ عبادت۔ غرض تمام انداز اور طریقہ سے قدامت۔ سابقیت اور اصلیت ٹپکتی ہے۔ وہ ابھی تک نہایت صلح پسند۔ آزاد روش۔ اور بے آزار وخیر سر وکار قوم تسلیم کیجاتی ہے اور اسکے ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی اوسی قدیم شریعت اور طریقہ عبادت پر۔ خواہ وہ کیسا ہی بے اصل اور باطل طریقہ نہ ثابت ہوتا ہو آجتک اوسی استحکام واستقلال سے قایم وبرقرار پائے جاتے ہیں تو ان مشاہدات حاضرہ اور تمثیلات موجودہ کے مقابلہ میں بھی روایات عرب کے جھوٹے افسانہ کے جاننے پر اصرار کیا جائیگا۔ اور کیا اب بھی ان قوموں کو ظالم قوموں کے پنجہ سے چھڑانیوالا اور انکے گرد ونواح میں اس قدیم دیوار کا بنانیوالا سکندر رومی کو بتلایا جاویگا جو مشرقی ممالک میں اور انکے علاقوں میں کہانتک۔ ہندوستان میں دریائے گھاگرا سے اپنے قدم آگے نہ بڑہا سکا۔ فافہم فتدبر

ذوالقرنین کی داستان اور افسانہ کی حقیقت بیان اور واقعیت کی اصلی شان ثابت کرکے اب ہم فاضل معاصر کے دوسرے افسانوں کی حقیقت کا پورا انکشاف کرتے ہیں۔

فتح افریقیہ۔ ہمارے لائق محقق کے طرز تحریر میں یہ ادا نہایت ہی قابل تعریف ثابت ہوتی ہے کہ جس پر جوشی اور سرگرمی

کی سلطنت کو بھی سخت صدمہ پہنچا۔ ایک تو ذونواس کی ظالمانہ حرکت دوسرے اسکے زوال قوت عیسائی حبشی ملوک مصر کو اوسپر غلبہ پا جانے کا پورا موقع دیدیا۔ حبشی چڑھ آئے۔ اور اس کو ملک سے نکالدیا۔ یہ واقعہ ۳۵۴ ق م میں واقع ہوا۔ اس زمانہ سے جناب ختمی مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ولادت تک نوسو ۹۰۰ برس ہوتے ہیں اس درمیان میں افریقہ کی قوموں کی جو ارباط حبشہ کہلاتے تھے۔ اور نیز بعض عرب المستعربہ کی اور ایرانیوں کی سلطنت رہی۔ ابوالفدا ابی سعید مغربی کی کتاب تاریخ یمن ان سلاطین کے متعلق لکھتا ہے۔

بقیہ حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ سے اعتراض و تردید کی شمشیر قلم علم کی جاتی ہے اوسی تمکنت اور شان سے ایک دوسری فوری خیال ہوجانے پر سپر اندازی بھی کردی جاتی ہے۔ یہ طریقہ تحریر جہاں تک خوش نما اور لائق تعریف نہ سمجھا جائے وہ دوسری بات ہے مگر اس سے آپ کے تلون اور ضعف مختار کے بڑی کامل ثبوت و آثار ظاہر و آشکارا ہوتے ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اعتراض کرنے کو اعتراض تو کردیتے ہیں۔ مگر اپنے اعتراض کا ضعف اور اصل واقعہ کی حقیقت آپ کے دل میں ضرور چھپی رہتی ہے۔ اور اسی طرز خاص سے آپ کے یہ پتا بھی پورا ملجاتا ہے کہ حقیقت میں عربی روایات پر آپ کے یہ اعتراض خاص آپ کے پیدا او رد وارد کئے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ اصلاً مخالفین اسلام کے بتلائے اور ان کی کتابوں سے نقل فرمائے ہوئے ہیں اور حقیقت میں وہ صداقت و صحت سے اسقدر خالی ہیں کہ بالآخر آپ کو سپر انداز ہونا پڑتا ہے تمثیل کے لئے ملاحظہ ہو کس شد و مد سے لکھا جاتا ہے۔ ایک تبع یا اعظم افریقہ کا فاتح ہے۔ پھر اوسی صفحہ ۲۹۶ میں کل پانچ سطروں کے بعد تحریر فرمایا جاتا ہے۔ افریقہ کا بیان ایک حد تک صحیح ہے۔ اب اپنی دونوں تحریر کردہ عبارتوں کو ملایا جاوے اور بتلایا جاوے کہ جب ایک حد تک اسکی صحت کا علم آپ کو موجود تھا تو ناحق اعتراض کرنیکی ضرورت۔ اسی سے معلوم ہوگیا کہ وہ نقل کی مجبوری تھی اور یہ عقل کا حکم۔ جب آپ نے اسکی صحت کو خود تسلیم کرلیا۔ تو اب ہمکو اس کی تفصیل و تنقیح کی ضرورت باقی نہیں رہی فتح چین و ترکستان کے متعلق آپ کا مذاق یا ابن خلدون کی ہنسی بھی نو حہ بے سبب ہے۔ کیوں ہمارے فاضل محقق صاحب۔ ابن خلدون ایک عربی مورخ ہے اسکے قول پر اعتبار کرنا تو آپ کے موجودہ معیار تحقیق اور شعار تالیف کے بالکل منافی اور مخالف ہے۔ مگر بات یہ ہے آپ کے تلون کی اداؤں کا نہ کوئی شمار ہے نہ کوئی حد۔ جس وقت جسپر نگاہ لطف ہوگئی ہے وہی دلپسند ہوگیا اور وہی دلنشین بہرحال فتح ترکستان و چین پر آپ کے ابن خلدون صاحب ہنسی اوڑاتے ہیں اور آپ بھی اونکے ساتھ قہقہے لگاتے ہیں۔ بہتر۔ خدا آپ دونوں کو خوش رکھے۔ مگر فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا پر بھی نظر رہے۔ ہاں۔ ابن خلدون سے زیادہ قدیم اور وسیع النظر عربی مورخ مسعودی صاحب اور اون سے بیشتر ابن حوقل صاحب بغدادی کیا فرماگئے ہیں اور ان فتوحات کے متعلق اپنے چشم دید واقعات و مشاہدات کیا بتلاگئے ہیں کیا وہ ایک ابن خلدون کے جو متاخرین مورخین میں ہے۔ قول احاد سے ناقابل اعتماد ہوجائینگے۔؟ اور چونکہ وہ آپ کی غلط فہمیوں کے موید ہیں اسلئے آپ تنہا اونکے قول پر استدلال فرمائینگے۔ یہ آپکا استدلال کہ انچہ من میگویم ہمان محاورہ است اصولاً استدلال نہیں کہلا ئیگا۔ اور کوئی عقل والا اسکو ایک ساعت کے لئے بھی قبول نہ کریگا۔ اب اسی امر میں اپنی غلط فہمی کی تصویر کا دوسرا

ان الحبشۃ استولوا علی الیمن بعد ذی نواس الحمیری المذکور وکان اول من ملک الیمن من الحبشۃ ارباط ثم ملک بعدہ ابرھۃ الاشرم صاحب الفیل الذی قصد مکۃ ثم ملک بعدہ یکسوم ثم ملک بعدہ مسروق ابن ابرھۃ وھو آخر من ملک الیمن الی حمیر وملکھا سیف بن ذی یزن الحمیری۔

(ابوالفدا)

ذی نواس حمیری کے بعد قوم حبشہ نے یمن پر قبضہ کر لیا جس شخص نے ملک یمن پر سب سے پہلے قبضہ کیا وہ ارباط تھا۔ اسکے بعد ابرہۃ الاشرم جو صاحب الفیل مشہور ہے اور جس نے کعبہ کے انہدام کا قصد کیا تھا، بادشاہ ہوا۔ اسکے بعد یکسوم بادشاہ ہوا۔ یکسوم کے بعد مسروق بادشاہ ہوا۔ اور یہی مسروق یمن میں حبشیوں کا آخری بادشاہ ہوا۔ پھر اسکے بعد یمن کی سلطنت خاندان حمیر کی طرف عود کر آئی۔ اور سیف بن ذی یزن الحمیری یمن کا بادشاہ ہوا۔

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ مؤرخ ملاحظہ فرمایا جاتے۔ ذوالقرنین کی روحی کا بلاد مشرقیہ میں ہندوستان سے آگے بڑھنا تو کسی تاریخ سے ثابت نہیں پھر یہ گریٹ چینا وال (Great China Wall) کس نے بنائی۔ یورپین مورخین بھی اس کو سکندر کی تعمیر نہیں بتلاتے۔ بلکہ اوسکے ڈیڑھ سو برس بعد کی عمارت ۲۲۰ ق م کی ساختہ بتلاتے ہیں Beeton's Hist & Geogr Dict P. 454 مگر بخلاف انکے عرب کے قدیم و جدید مورخین و محققین یکزبان ہو کر برابر لکھتے اور بتلاتے آئے ہیں کہ یہ دیوار ذوالقرنین یمنی کی بنا کردہ ہے جسکا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور جو حضرت مسیح سے ہزار بارہ سو برس ۱۲۰۰ پیشتر تھا۔ ہمکو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہم رواۃ عرب اور اون کی روایات کو ناقابل اعتبار سمجھیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ اون کی مخالف پارٹی مستشرقین یورپ کو اس زمانہ قدیم میں نہ اس فرمانروائے یمن کے حالات کے معلوم کرنیکا کوئی ذریعہ تھا نہ اوس کی ملک گیری کے واقعات اور اوس کی تعمیرات کا۔ پھر ایک سنجیدہ اور عقل سلیم رکھنے والا شخص کیسے اون کے اقوال کو مورخین و محققین عرب کے اقوال پر ترجیح دے سکتا ہے جو اوس ملک کے قدیم رہنے والے۔ اوس فرمانروا کے ہم اصل اور ہم نسل ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے۔ ملک چین کی دیوار عظیم الشان علی الاعلان آج تک بزبان حال سے شہادت دے رہی ہے کہ عربی مورخین و محققین کے قول کے مطابق ذوالقرنین یمنی اصحاب الرائش بلاد مشرقیہ کے انتہائی حدود تک آیا۔ اور اوس نے تمام ترکستان چین و تبت کو مغلوب اور اونکے ممالک کو مفتوح فرمایا۔ اور پھر اون کے آئندہ تحفظ و اطمینان کے لئے یہ سد قائم کر دی۔ ان مشاہد متواترہ اور شواہد متکاثرہ کے مقابلہ میں تنہا آپ یا ابن خلدون کا انکار کبھی مفید کارآمد اور قابل اعتبار نہ ہوگا۔

لفظ سمرقند کی توضیح۔ فاضل معاصر اس لفظ کے متعلق لکھتے ہیں شمر یرعش کی تیغ کشورکشا عرب سے ترکستان تک بلند ہو کر ایک شہر کو ویران کر دیتی ہے اور اوسکا نام سمرکند پڑتا ہے یعنی شمر نے اوسکی بیخ و بنیاد کو کھود ڈالی۔ صرف لفظ کا کھیل ہے۔ "کند" کو فارسی لفظ (مصدر) کندن سے مشتق سمجھا۔ حالانکہ قدیم ترکستانی زبان میں "کند" شہر کو کہتے ہیں۔ سمرکند۔ تاشکند۔ خوکند۔ ترکستان کی زبان گو بعد اسلام فارسی ہو گئی تھی لیکن شمر یرعش کے زمانہ میں تو فارسی نہ تھی۔ جو کند فارسی کندن سے ماخوذ ہوتا۔

ہمکو رہ رہ کے تعجب ہوتا ہے کہ ہمارے اس فاضل کے ان نظریات کو کیا کہا جاوے۔ آیا یہ تنقید ہے یا نزاع لفظی۔ اگر اسی نزاع

مشرقی مورخین نے یہاں بھی ارباط اور ابرہہ کو دو جداگانہ شخص خیال کرکے لکھدیا ہے کہ اتنے زمانے میں صرف دو ہی شخص بادشاہ ہوئے۔ حالانکہ ارباط و ابرہہ اون کے قوم و قبائل کے امتیازی القاب ہیں۔ اور ان بادشاہوں کے نام کے ساتھ امتیاز خاندانی کی ضرورت سے ضم کئے جاتے ہیں۔ مشرقی اور مغربی محققین کا اتفاق ہے کہ سلاطین ابرہہ میں سے ایک بادشاہ کا نام اشرم تھا جو زیادہ تر صاحب الفیل کے نام سے لکھا جاتا ہے۔ اس نے مکہ معظمہ پر سنہ ۵۸۰ء میں چڑھائی کی تھی۔ یہ بہت سے ہاتھی اپنے ساتھ لایا تھا کہ خانہ کعبہ کو منہدم کرادے۔ اسکے پوتے مسروق کو سیف بن ذی یزن حمیری نے سلطنت سے بیدخل کردیا۔ اس کے بعد ابرہہ کا خاندان شاہی ختم ہوگیا۔

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ لفظی اور بات کی پکڑ کا نام محققانہ تنقید اور مورخانہ تنقیح ہے تو کٹھ حجتی اور ہٹ دھرمی کس کو کہیں گے۔ استغفر اللہ۔ آپ کی تحقیق کا خاص مدعا تو ان تمام خارج از بحث خامہ فرسائی سے وہی مستشرقین یورپ کی تقلید اور عربی مورخین و مفسرین کی تغلیط و تردید ہے مگر افسوس آپ کو اپنے اس غلط فہمانہ ارادے میں سرمو کامیابی حاصل ہوتی نظر نہیں آتی۔ ہمارے مندرجہ مضامین تنقید عربی مورخین کی صحت بیانات کو تمام دلائل و قرائن سے ثابت کرتے آئے ہیں اور آپ کے قیاسی اور خیالی مندرجات کو باطل۔ جیسا کہ اوپر کی عبارت سے ظاہر ہے۔ نہایت عبرت اور حسرت کا مقام ہے کہ اس لفظ کے متعلق بھی آپ کے انکار کی وہی صورت ہے۔ یہاں آتش در کاس۔ کند تھا یا حقیقت میں گند تھا جیسا آپ تجویز فرماتے ہیں۔ اس مرکزی اختلاف کے بحث کو ابھی تھوڑی دیر کے لئے ترک کردیجئے۔ اصل لفظ سمر پر نگاہ ڈالئے۔ غور کیجیے۔ اور بتلائیے کہ اگر قول عرب کے مطابق یہ لفظ شمر نہیں ہے۔ تو پھر ترکی زبان میں یہ کون لفظ تھا اور اسکے کیا معنی تھے۔ قرینہ بتلا رہا ہے کہ شمر کے ایسا یہ بھی ترکستانی زبان میں کسی شخص خاص کا نام ضرور ہوگا جسکی مناسبت سے آپ کا شہر "گند" مشہور کیا گیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آپ نے اسکی نسبت کچھ نہ کہا۔ اسلئے تاوقتیکہ آپ مشاہد تاریخی سے اس لفظ کے خاص ترکستانی ہونیکا کامل ثبوت نہ دیں گے۔ آپ کی اس ہٹدھرمی کی چندی کو کوئی نہیں مان سکتا۔ بلکہ بخلاف آپ کے عربی مورخین کے بتلائے ہوئے سمرقند کو جو اون کے متواتر مرویات سے ثابت ہے۔ نہایت آسانی سے قبول کرلیگا۔ اب کند اور گند کی بحث کی طرف آئیے بات یہ ہے کہ جبتک شمر اور سمر کا تصفیہ نہ فرمالیں گے۔ جیسا اوپر آپ سے مطالبہ کیا گیا ہے اوسوقت تک کند اور گند کی تنقیح آپ کے مدعا کو کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتی ہم کہتے ہیں کہ عربوں کا بتلایا ہوا کند ٹھیک تھا۔ بعد میں ترکوں نے اسکو اپنی زبان کے تلفظ میں گند بنا لیا۔ آپ میری اس تعدیل کی کیونکر تردید کرسکتے ہیں ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین اگر آپ سچے ہیں تو کوئی دلیل لائیے۔ زبانی۔ قیاسی اور خیالی اندازوں کا نہ کوئی وزن و اعتبار رہا ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ ہمارے فاضل معاصر کا یہ کہنا کہ اوسوقت تک فارسی ترکستان کی زبان ہوئی ہی نہیں تھی۔ یہ کند آیا تو کہاں سے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ اسلئے کہ ہندوستان۔ ایران اور انگلستان یہ تین مختلف ممالک ہیں۔ اور اون میں ہزاروں میل کا فیما بین فاصلہ ہے۔ اونکے تمام امور تمدن۔ تہذیب۔ معاشرت۔ قومیت وغیرہ الہا علیحدہ علیحدہ ہیں۔ مگر باوجود اتنے اختلاف کثیرہ

سیف ابن ذی یزن حمیری کو اپنی آبائی سلطنت کیسے ملی؟ واقعہ یہ ہے کہ ہمیشہ سے سیف بن ذی یزن کے دلمیں اپنی خاندانی سلطنت واپس لینے کی غیر متحمل اور مستقل خواہش و تمنا تھی۔ اس ارادہ سے وہ بادشاہ روم کے پاس گیا۔ اور اوس سے امداد کا طالب ہوا۔ انتظار استمداد میں اوسکے دس برس کامل صرف ہوگئے۔ اور کچھ کشود کار نہوا۔ آخر مایوس ہو کر کسریٰ نوشیرواں کے دربار میں پہونچا۔ اور کمک کی درخواست کی۔ کسریٰ نے اوسکی استدعا منظور کی۔ ایک ہزار لشکر تیار کرکے اوسکے ہمراہ کر دیا۔ اسی لشکر کی قوت سے سیف ابن ذی یزن نے اپنے حریف ابرہہ کو شکست دی۔ اور اوس سے اپنا آبائی ملک خالی کرالیا۔ یمن کے مشہور و معروف محل سلطانی

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ کے ہیں سنسکرت۔ فارسی اور انگریزی میں الفاظ پدر۔ مادر اور دختر کی قریب قریب ایک صورت ہے۔ یہ کیوں صرف اسلئے کہ عام اسماء ان ممالک میں کتنے ہی اختلاف نہو۔ مگر اصلیت فی النفس اور وحدت فی الاصل کے آثار ہیں جو نہایت قلت کے ساتھ ابتک اون میں پائے جاتے ہیں۔ اسی اصول مشاہدہ کی بنا پر ہمارے فاضل محقق کو ترکستان میں اون دونوں الفاظ کا استعمال یقین کر لینا چاہیئے۔ اور سمجھ لینا چاہیئے کہ باوجود اسکے کہ ترکستان میں اوسوقت فارسی زبان نہ مروج ہو۔ ایران و ترکستان کی اصلیت قربت اور باہمی تعلقات کیا کم تھے۔ جو ترکون کو کسی فارسی لفظ کے بولنے یا استعمال کرنے سے روک سکتے۔ اس بنا پر بقول مورخین عرب سمرقند کو فارسی ترکیب کا لفظ تسلیم کر لینا نہایت صحیح اور پُر واقع ہوگا۔

ابن حوقل بغدادی کے مشاہدہ کتبہ حمیری واقع دروازہ سمرقند کی نسبت آپکی یہ مقالہ آمیز تعریض کہ لیکن افسوس کہ سیاح موصوف کے زمانہ قیام ہی میں یہ نادرہ روزگار شہر میں آگ لگجانے سے جلکر بے نشان ہوگیا۔ صاف صاف بتلا رہا ہے کہ آپ عربی سیاح کو محض جھوٹا اور اوسکے مشاہدات کو اوسکے دل کی گڑھی ہوئی بات سمجھ رہے ہیں۔ اس سے بڑھکر ایک مولف خصوصاً ایک مسلم مورخ و محقق کے لئے اور کون خطرناک طریقہ ہوگا جھوٹا کہنا ہے تو صاف لفظوں میں کہیئے۔ مگر کہنے سے پہلے یاد رکھیئے کہ اسی ارض القرآن کے کثیر التعداد مقامات پر اسی ابن حوقل کے حوالے دے دیکر اوسکی راست بیانی اور صداقت زبانی کا آپ سب کو یقین دلاچکے ہیں۔ اب وہی ابن حوقل ہے اور وہی آپ ہیں۔ مگر چونکہ اوسکا مختار مستشرقین یورپ کے خلاف پایا جاتا ہے تو اس ضرورت و مجبوری سے وہ بے اعتبار بھی ہوگیا اور ناقص المعیار بھی۔ یہی ایک اشد ترین لغزش اور محقق کا شعار تالیفی کہا جائے گا۔ بہتر وہ غریب جھوٹا سہی۔ آپ سچے ہو کر اوسکی تردید میں کیسی دلیل پیش کرتے ہیں۔ وہ بھی دیکھی جائے۔۔

ان آپکی دلیل یہ ہے کہ ابن حوقل نے حمیری خط سمجھنے میں غلطی کی۔ وہ قدیم ترکی کا ایغوری خط ہوگا۔ جو حمیری اور حبشی خط سے مشابہ ہے آپ کے تنقیدی الفاظ یہ ہیں۔ قدیم ترکی کا ایغوری خط ہوگا۔ ان الفاظ سے آپکی دلیل کی خیالی اور احتمالی صورت قایم ہوتی ہے نہ یقینی اور واقعی اور اصول تنقید کے رو سے دلائل تردید ہی کیلئے شہود یقینی اور قطعی ہونی چاہئیں اب آپ اپنے ضعف استدلال کو خود انصاف کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں کہ آپ ابن حوقل کے مشاہدات کو اپنے احتمالات سے باطل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بالکل محال ہے اور خلاف استدلال اسکے علاوہ جیسا میں ان مباحث کی تمہید و عنوان میں بیان کرچکا ہوں۔ آپ چودہ سو برسوں کے بعد ایغوری خط اور حمیری خط کی

غمدان میں اپنی سکونت اختیار کی۔ اور مشرقی سلاطین کے اصول معاشرت کے مطابق عیش و عشرت میں مصروف ہو گیا۔ اوس زمانہ کے شعرائے عرب نے اسکی بڑی تعریف کی ہے۔ ان کے اشعار مدحیہ سے چونکہ اکثر تاریخی واقعات کا پتا ملتا ہے۔ اسلئے ہم ذیل میں اون کی نقل کو ضروری سمجھتے ہیں۔

لا نقصد الناس کما کان ذی یزن	کسی شخص نے ابن ذی یزن کے ایسا قصد ارادہ و الا نہیں دیکھا
اذ خیم البحر للاعداء حولا	جس نے مخالف کے خیمونکا دریا کے کنارے پر محاصرہ کر لیا۔

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ تمیز و معرفت کے لئے قابل اعتبار تسلیم کئے جائینگے یا ابن حوقل بغدادی جو کہ تیسری صدی کا محقق ہے۔ اس رو سے بھی آپ کا ادعا بیجا ہے اور نہرا سرنا زیبا۔

تبت کی فتح۔ اسپر بھی وہی خیالی اور قیاسی تعریض کی گئی ہے۔ اور ابن حوقل کے ایسے علامہ مسعودی صاحب تاریخ مروج الذہب کی خبر لی گئی ہے۔ کیونکہ اوس نے بھی اپنی سیاحت کے زمانہ میں جو تیسری اور چوتھی صدی ہجری کا زمانہ تھا۔ تبت میں عربی النسل والاصل آدمیوں کو دیکھا اور بالکل عرب کی حقیقی اور اصلی لباس و پوشاک میں انکو بالاستقلال و استقرار وہاں کا باشندہ پایا۔ آپ اس محقق کے مشاہدات پر اپنے قیاس کا یہ حاشیہ چڑھاتے ہیں کہ تیسری اور چوتھی صدی میں عرب کی تجارت تمام اقطاع عالم میں پورے فروغ اور کمال عروج پر تھی۔ اسلئے مسعودی نے جن عربوں کو تبت میں دیکھا وہ اپنے تجارتی اغراض سے وہاں کے تازہ وارد ہونگے نہ وہاں کے مستقل باشندے۔ فاضل معاصر کا موجودہ طریقہ استدلال عجیب طرح کا ہے۔ آپ ایک محقق قدیم کے مشاہدات کو اپنے احتمالات و قیاسات سے باطل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کبھی ممکن ہے۔ اور کوئی اسے قبول کریگا۔ آپ کی اس تعریض کا بھی وہی جواب ہے۔ جو ہم ابن حوقل کی تکذیب کی نسبت اوپر لکھ آئے ہیں۔ مگر فاضل محقق کے مزید اطمینان کے لئے کسی قدر وضاحت و تفصیل سے پھر لکھے دیتے ہیں کہ علامہ مسعودی تین سو صدی کا عالم محقق مورخ۔ اور سیاح جو عربی النسل تھا۔ وہ ایک ہندی نژاد ہندی علم و تحقیق سے جو اوس سے ایکہزار برس بعد پیدا ہوا ہے۔ اپنے ہموطن و ہمقوم اور ہم نسب عربوں کی حرفت کو بدرجہا بہتر جانتا تھا۔ اونکے وضع و لباس گفتگو اور دیگر طریقہائے معاشرت اونکے قیامی اور عارضی بود و باش کی کامل تمیز رکھتا تھا۔ اگر وہ آپ ہی کے قول کے مطابق مشغلہ تجارت کے سبب اون اطراف میں حال فی الحال آئے ہوتے تھے۔ تو ہم نہیں سمجھتے کہ مسعودی کو اصل حال کے صاف صاف ظاہر کر دینے کے لئے کونسی مجبوری لاحق تھی۔ ہر امر کا ایک مقصد ہوتا ہے اور ہر مقصد کا ایک خاص سبب۔ مگر یہاں مسعودی کے اس واقعہ کے لئے نہ کوئی مدعا معلوم ہوتا ہے اور نہ سبب پایا جاتا ہے۔ اسوقت تو حمیری سلطنت کا نام و نشان باقی نہیں تھا جس سے ہم سمجھ لیں کہ حاکم وقت کے اثر سے اوس نے اوس کے آبائی سلسلہ کے فتوحات کو استدر بڑھا کر اور چمکا کر لکھ دیا ہے۔ یہ کہنا بیجا ہے نہ کبھی قابل سماعت ہوا ہے نہ لائق قبولیت۔ اسلئے تاوقتیکہ آپ مسعودی کی کاذب طرازی یا خود غرضانہ بیانات کو خارجی واقعات سے ثابت نہ کر لیں۔ آپ کی تعریض محض بیکار ہے۔

واتی هرقل وقد شالت نعامته
فلم تجد عنده النصر الذی سالا
ثم انتهی نحو کسری بعد عاشرة
من السنین یهین النفس والمالا
حتی اتی ببنی الاحرار یقدمهم
تخالهم فوق متن الارض اجبالا
لله درهم من فتیة صبر
ما ان رأیت لهم فی الناس امثالا
بیض مرازبة غلب اساورة
اسد تربب فی الغیضات اشبالا
فاشرب هنیئا علیک التاج مرتفقا
برأس غمدان دارا منک محلالا

ہرقل بادشاہ روم سے اسکی دولت وقوت کی مدد مانگی مگر جو مدد کہ اوس سے طلب کی تھی نہ پاسکا۔
اسی طرح دس برسوں کے بعد کسریٰ نے اپنے جان ومال سے اوس کی مدد فرمائی۔
یہانتک کہ تمام آزادی پسند قبائل اوسکے خیر مقدم کو بجا لائے اور اون کے لئے تمام زمین اور کوہستانی مقام خالی کر آئے۔
خدا کی قسم ایسے صبر اور متحمل شجاع کی مثال اونھوں نے اور لوگوں میں بہت کم پائی۔
تمام وادی اور میدان جھک گئے اور شہروں پر وہ شیر جس نے بچپن سے بچہ شیر کیطرح تربیت پائی تھی تمام شہروں پر غالب آگیا
تیرے سر پر تاج شاہی مبارک ہو۔ اور تجھکو تیرا محل شاہی جو غمدان میں بنا ہی۔ خوش آیند ہو اور سزاوار ہو۔

کیکاوس اور سوداپہ ملکہ یمن کے تعلقات۔ اس تعریض کی نسبت بھی ہم اپنے تمہیدی مضامین میں بالاجمال لکھ چکے ہیں۔ آپ نے بڑے جوش وشوق سے اپنی تنقیدی مضامین کیکاوس وسوداپہ کی پوری داستان لکھنے کو تو لکھ ڈالی اور حتی الامکان اس کی غیر امکانی ثابت کرنے کی بھی کوشش کی۔ مگر اسکے متعلق اس کثرت سے شواہد تاریخی اور صحیح وصریح قرائن وقوع موجود تھے کہ بالآخر آپ کو گھبرا کر لکھنا ہی پڑا کہ اس بنا پر ہمیں ان روایات کے قبول میں کوئی عذر نہیں ہے۔ بشرطیکہ یمن کا خاندان حمیر اور ایران کا خاندان کیانی تاریخاً معاصر ثابت ہو جائے۔ ورنہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ حقیقتاً ایران کا کوئی اور بادشاہ ہوگا۔ کیکاوس کی طرف غلطی سے نسبت ہے۔ آپ کی یہ تحریر بالکل تسلیمی ہے۔ بفرض محال کیکاوس نہ تھا۔ جیسا آپ کہتے ہیں، دوسرا تاجدار فارس تھا۔ ناموں کے فرق سے نفس واقعہ کو آپ کیونکر افسانہ کہہ سکتے ہیں۔
نہایت افسوس ہے کہ ان تمام واقعات کو اعترافاً گویا الاختصار آپ کے اوستاد شفیق شمس العلماء نعمانی نے سیرۃ النبیؐ جلد اول میں قلمبند فرمایا ہے۔ لطف یہ ہے کہ آپ ہی نے اون کی بعد اسے چھپوایا۔ اور جابجا اوس پر حاشیہ اور نظریہ لکھے۔ مگر افسوس کہ ان واقعات غیر معتبر پر جن کو آپ محض افسانہ سمجھتے تھے۔ آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ اور تمام دنیا کو غلط فہمی میں ڈالا۔ اگر اوستاد پر قلم ایراد اوٹھانا سوءِ ادب تھا تو کم سے کم نظریہ لکھ دئے ہوتے کہ دنیا حقیقت حال سے واقف ہو جاتی۔

المولف

سید اولاد حیدر عفی عنہ

سیف ابن ذی یزن کی ناموزندگی کا خاتمہ اوسکے دربار کے ایک حبشی مصاحب کے ہاتھوں ہو گیا۔ جو اوسکا ہمدم و ہمنشین تھا۔ مورخ ابو الفدا کی تحقیق میں بھی اسکا خاتمہ ایسا ہی ہوا۔ مگر وہ اسکے قتل کو کسی شخص کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ اوس حبشی جماعت کی مجموعی نحس کشی کے متعلق کرتے ہیں جسکو سیف نے اپنا مقرب اور معتمد بنا رکھا تھا۔ اون کی اصل عبارت یہ ہے۔

وكان سيف بن ذي يزن المذكور قد اصطفى جماعة من الحبشان وجعلهم من خاصته فاغتالوه وقتلوه

سیف بن ذی یزن مذکور نے اپنے ملازمین میں سے ایک حبشی جماعت کو منتخب کر کے اپنا مقرب بنا لیا تھا۔ انہیں لوگوں نے اوسکے ساتھ بدی کی اور اوسکو قتل کر ڈالا۔ (ابو الفدا)

سیف ابن ذی یزن کے بعد اس خاندان میں حکمرانی کے قابل کوئی شخص موجود نہ تھا۔ کسریٰ نے اس موقع کو غنیمت جانکر ملک یمن پر قبضہ کر لیا۔ مورخ ابو الفدا لکھتے ہیں۔

فارسل كسرى عامله الى اليمن واستمرت عمال كسرى على اليمن الى ان كان آخرهم باذان الذي كان في عهد النبي صلعم اسلم۔

کسریٰ نے موقع پا کر یمن کو اپنی سلطنت میں ملا لیا۔ اپنی جانب سے یمن پر عامل مقرر کر دیا۔ انہیں عاملوں میں سے آخر عامل باذان نامی تھا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں اسلام سے مشرف ہوا۔

ہم سلسلۂ عمالان کسریٰ کے مفصل حالات و واقعات اونکے مقام پر قلمبند کریں گے۔

عرب العاربہ یا بنی قحطان کے سلسلہ میں معین، سبا، سبائے حمیر اور سبائے حبش وغیرہم۔ فرداً فرداً۔ ہر ایک کے حالات و واقعات ہم پوری تفصیل و تشریح سے لکھ چکے۔ یہ سلسلہ یقطان یا قحطان سے شروع ہو کر سیف بن ذی یزن پر بالکلیہ تمام ہو جاتا ہے۔ اسی سلسلہ خاندان میں عرب کے اوس زرخیز اور سبز و شاداب حصہ ملک کی حکمرانی ہزاروں برس تک قایم رہی۔ جو اُس زمانہ میں۔ اپنے تمدن۔ معاشرت۔ اور تجارت کیلئے تمام اقطاع عالم میں خاص طور پر مشہور تھا۔ واقعات مندرجہ بالا یہ بھی بتلا رہے ہیں کہ حمیریوں کی حکمرانی حدود یمن اور مضافات عرب ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ اونکی کشورستانی کے ہاتھ دوسرے ممالک، دور و دراز تک پہونچ گئے تھے۔ اسی طرح اونکے تمدن کے اصول۔ تجارت کے تجارب۔ تہذیب و معاشرت کے محاسن، صنعت و حرفت کے کمال۔ تدبر ملکی کے شہرے دور دور ملکوں میں مشہور ہو رہے تھے۔ اور اون سے غیر ممالک کے مختلف اقوام مستفید ہو رہی تھیں۔ انکا اقتدار اُن کی نمود اور ہی انھیں کیلئے خاص نفع بخش نہیں تھی اور نہ ایسی عارضی اور غیر مستقل تھی۔ جو اون کی جسمانی ہستیوں کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی۔ وہ اپنے لاتعداد زمانہ کے بعد بھی آجتک یادگار رہنے۔ اور زمانہ موجودہ کے منتہی الکمال اور ترقی یافتہ قوموں کو اپنی قدامت، عظمت کے کمال دکھلا دکھلا کر حیرت اور تعجب میں ڈالتی ہے۔ جرمنی کا مشہور مستشرق و مشہور پروفیسر نولڈکی (Nöldeke) سلاطین سبا و حمیر کے اعلیٰ تمدن کے ذکر میں لکھتا ہے۔

ولادت مسیح سے ہزار سال قبل ۔ جنوبی اور غربی عرب ۔ یعنی صوبہ یمن ۔ جو سبا و حمیر کا ملک تھا اور جو اپنی بارش کے باعث زراعت کے لئے نہایت موزوں تھا ۔ تمدن کے اوس رتبہ تک پہونچا ہوا تھا کہ اوس کے کثیر التعداد کتبات اور شاندار عمارات کے آثار سے آجتک ہماری مدح و ستائش کے جذبات میں تحریک ہوتی ہے اور اہل روم و یونان نے اس کو دولت مند عرب کا لقب جو دیا تھا وہ ہرگز بیجا نہ تھا توریت مقدس میں متعدد عبارتیں ہیں جو سبا کی عظمت و شوکت کی شہادت دیتی ہیں ۔ چنانچہ ملکہ سبا کا سلیمان علیہ السلام سے ملاقات کا قصہ خاص طور پر قابل ذکر ہے (سلاطین ۔ ایت ۱۰ ۔ ۱۰۰) قوم ثمود جن کی عمارات سے ڈاؤٹی اور یوٹنگ کی محنتوں نے ہمکو روشناس کر دیا ہے ۔ نیز قوم نابت نے جو ثمود سے بہت ملتی جلتی ہے ۔ اپنے تمدن کی ابتدائی تعلیم غالباً اونھیں سے حاصل کی ہے ۔ کتابت کا فن جو سبائیوں نے بہت ابتدائی زمانہ میں شمال کیجانب سے لیا تھا ۔ اب اوسکو خود اونہوں نے عرب کے اکثر حصوں میں ہر طرح کے کاروبار میں جاری کر دیا ۔ یہاں تک کہ ایکطرف دمشق ۔ دوسری جانب ابی سینا تک اسکو پھیلا دیا ۔ (Nöldeke's Hist of the world P. 5)

اسی سلسلہ ملوک سبا میں شمر یرعش بڑا فاتح تھا ۔ [illegible] ق م میں اس نے چار لاکھ فوج جمع کر کے عراق و خراسان پر قبضہ کر لیا ۔ صغد ۔ جو بعد کو سمرقند کہلایا ۔ اسی فاتح بادشاہ کے عہد میں مفتوح ہوا ۔ افریقس ابن ابرہہ اسی سلسلہ کی حبشی فرع میں گذرا ہے جس نے [illegible] ق م میں بہت سی عربی قوموں کو لیجا کر ملک افریقہ میں بہت سی بستیاں بسائیں اور اوس اطراف میں یہاں تک اوسکا اقتدار بڑھا اور اثر قائم ہوا کہ وہ ملک کا ملک اوس کے نام سے (افریقہ) مشہور ہوا ۔

محققین یورپ کے اُن اعترافات کے علاوہ ۔ جو اونہوں نے یمن کے قدیم تمدن کے تسلیم کرنے کی نسبت لکھے ہیں اور جن کے ثبوت اون کو یمن کے آثار قدیمہ کی تحقیقات سے حاصل ہوئے ہیں ۔ اسلامی مورخین اور عربی محققین کی تصنیفات و تالیفات بھی انکے ذکر سے خالی نہیں ہیں ۔ یاقوت حموی نے معجم میں یمن کے مشہور و معروف شہر صنعاء و قلیس کے خاص آثارات عجیبہ کا بالتفصیل ذکر کیا ہے اگرچہ اون کی تفصیل ترکیب مبالغہ سے خالی نہیں ہے ۔ تاہم اسکے اجزا میں اصلیت کے عناصر موجود ہیں ۔ علامہ ہمدانی نے اکلیل میں تمام آثار قدیمہ کا ذکر کیا ہے ۔ صفۃ الجزیرۃ العربیہ میں یہ عبارت لکھی ہے ۔

المشهورة بها فى اليمن و قصورها القديمة التى ذكرتها العرب فى الشعر والمثل ..... كثيرة التى فيها من الشعر باب واسع وقد جمع ذلك كل فى الكتاب الثامن من الاكليل ۔

یمن کے مشہور اور قدیم قصر و ایوان جنکا ذکر اہل عرب کے اشعار و امثال میں کثرت سے ہیں ۔ اور انکے متعلق اشعار عرب کا ایک دفتر تیار و مرتب ہے کتاب اکلیل کے آٹھویں باب میں ہمنے ان سب کو جمع کر دیا ہے ۔

اس عبارت کے بعد مولف نے لکھا ہے کہ اس موقع پر صرف اونکے نام گنا دیتا ہوں اور وہ یہ ہیں۔ غمدان[1]، تلعم[2]، ناعط[3]، صرواح[4]، سلحین[5]، ظفار[6]، ہکر[7]، ضہر[8]، شبام[9]، غیمان[10]، بلنبون[11]، ریام[12]، براقش[13]، معین[14]، روثان[15]، ارباب[16]، ہند[17]، ہنیدہ[18]، عمران[19]، اور بینون[20]۔

ان میں سے غمدان اور ناعط کا حال معجم البلدان میں بالتفصیل مذکور ہے اور اوسکی رفعت وعظمت کے متعلق ایسی باتیں نقل کی ہیں جنسے ایشیائی مبالغہ کا دھوکا ہوتا ہے۔ سلحین کی نسبت لکھا ہے کہ اسی برس میں تعمیر ہوا ہے۔ شبام کے حال میں لکھا ہے لھم فیہ حصون عجیبۃ ھائلۃ۔ اسمیں ان کے متعدد حیرت انگیز قلعے ہیں۔ قلعہ ناعط حرب میں ابن منبہ کے زمانہ تک موجود تھا۔ اوسکے ایک کتبہ کو محدث موصوف نے پڑھا تھا تو معلوم ہوا کہ سولہ سو[1600] برس کی تعمیر ہے۔ آجکل یورپ کے محققین نے ان مقامات پر پہونچکر جو تحقیقات کی ہے اس سے بھی اونکے حیرت انگیز تمدن کی تصدیق ہوتی ہے۔ بھیاچر صاحب اپنی تحقیق سے لکھتے ہیں۔

جنوبی عربستان میں (یمن) جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے صدیوں پہلے ایک ترقی یافتہ تمدن موجود تھا قلعوں اور شہرپناہوں کے آثار اب تک موجود ہیں اور اونکا ذکر متعدد سیاحوں نے کیا ہے ۔۔۔۔۔ یمن اور حضرموت میں یہ آثار کثرت سے پائے جاتے ہیں اور اکثروں پر کتبات ابھی تک موجود ہیں۔ صنعا کے قریب ایک قلعہ تھا جس کو قزوینی نے آثار البلاد میں دنیا کے عجائبات ہفتگانہ میں ایک قرار دیا ہے۔ دیگر قلعوں اور عمارتوں کے لئے دیکھو Journel German oriental Society vol10 P. 20

مآرب۔ جو قدیم سبائی دارالحکومت تھا۔ اسکے آثار قدیمہ کو۔ ارنو۔ ہلوے اور گلازر نے دیکھا ہے۔ مآرب کے مشہور آثار میں سے ایک بڑی خندق کے آثار پائے ہیں۔ انکو دیکھکر عدن کے دوبارہ تعمیر شدہ حوض یاد آتے ہیں۔ انکی اہمیت اوسوقت ظاہر ہوئی جب گلازر نے دو طویل الذکر کتبے شائع کئے جنمیں ان کے عیسوی قرن پنجم و ششم میں دوبارہ تعمیر ہونیکا ذکر کیا ہے۔ یمن میں بمقام حران ایک اور خندق ہے جسکا طول تقریباً چار سو پچاس فیٹ اونچا ہے۔

سیرۃ النبی شبلی نعمانی

بند عرم یا سد مآرب اسکے اثری حالات ارض القرآن کی عبارت سے بالتفصیل اوپر نقل کردئے گئے ہیں۔ اسکے متعلق تاریخی حالات مناسبت مقام اور رفع ابہام کی غرض سے حسب ذیل لکھے جاتے ہیں۔

اس بند کو عبد الشمس الملقب بہ سبا نے بنانا شروع کیا۔ اسکے بعد اوسکی اولاد میں حمیر نے اسکی عمارت کو خاتمہ تک پہونچایا۔ وقتاً فوقتاً سلسلہ حمیری کے اور بادشاہ بھی بقدر ضرورت اپنے اپنے وقت میں اسمیں اضافہ کرتے گئے۔ حقیقت یہ ہے۔ یہ بند دو پہاڑوں کے درمیان جسکا نام ابو الفدا نے مآرب اور ابلق بتلایا ہے۔ اس غرض سے ایک مرتفع دیوار

کی شکل میں بنایا گیا تھا جس سے چشموں اور تمام بارش کا پانی سمٹکر ایک خاص مقام پر رکا رہتا ہے۔ اس بند کے ضروری مقام و موضع پر چھوٹے چھوٹے روزن بنے ہوئے تھے۔ اور انہیں روزنوں سے اہل شہر اپنی روزانہ ضروریات اور سیرابی زراعت کے لیے پانی لیا کرتے تھے۔ اس بند کے بنانے میں اوسوقت کے لوگوں نے اپنی طباعی و ذہانت کے کمال دکھلائے تھے۔ یہ بند شہر مآرب کے دونوں پہاڑوں کے درمیان اتنا اونچا بنا ہوا تھا کہ اسکی رفعت اور شوکت اوسکے ایک علیحدہ پہاڑ ہونیکا یقین دلاتی تھی۔ عمارت اسکی ایسی استوار اور محکم تھی کہ اوسکے ٹوٹنے کا کبھی گمان بھی نہ ہوتا تھا۔ اسکی دیوار اتنی چوڑی تھی کہ اکثر شہر کے لوگوں نے اسپر اپنے مکان بنا رکھے تھے۔ اسکے عمق میں ہمیشہ چالیس گز اونچا پانی رہا کرتا تھا۔ عرب میں پانی تمام دنیا کی نعمت اور دولت سے زیادہ عزیز سمجھا جاتا ہے۔ آج تک بھی اسکی قدر و قیمت کی وہی کیفیت ہے۔ اسی پانی کی قدر و عزت اور اسی کی بدولت اونکی خوشحالی، دولتمندی پر اونکے غرور و نخوت نے اونکے سلاطین کو خدا کی راہ سے پھیر دیا۔ اور آخر کار زوال و ادبار کی خندق میں گرا دیا فاعرضوا فارسلنا علیھم سیل العرم۔ اونہوں نے میرے احکام سے اعراض کیا تو ہم نے اونہیں کا بند توڑ کر اونپر سیلاب جاری کردیا۔ قرآن مجید کے الفاظ الہامی اونکی تباہی و بربادی کی تصدیق کر رہے ہیں۔

سلاطین حمیر پانی کی ایسی کثرت سے نعمت غیر مترقبہ کو اپنے قبضہ اختیار میں پاکر خداوند عالم کی احسانمندی اور سپاس گذاری کو تو بھول گئے جس نے اونکو پانی کے ایسے بیش قیمت دولت دی۔ اور پھر ایسے مستحکم بند بنانے اور اس دولت بیش بہا کو ہمیشہ جمع رکھنے اور اوسکے ذریعہ سے اپنی زراعت کو بٹانے اور اپنے تمام علاقہ کو سبز و شاداب بنانیکی عقل و حکمت عطا فرمائی۔ اونہوں نے پانی کے اس کثیر ذخیرے کو ابدی اور لازوال دولت یقین کرلیا۔ اور اسکی وجہ سے اپنے ذاتی عظمت و اقتدار پر اعتبار کرکے ایسا کبر و افتخار کرنے لگے کہ گویا اونکو اپنے غرور و نخوت سے زمین پر پاؤں رکھنا دشوار ہوگیا۔ مدبرین قدرت نے ان مغرورین دنیا کو متواضع بنانے اور سرکشان زمانہ کے سر جھکوانے کی غرض سے یہ تدبیر نکالی کہ انکا جمع کردہ ذخیرہ آب ہیں، جو اصل نازش و افتخار تھا۔ ایسا سیلاب پیدا کردیا کہ ان کی قوم کی قوم، قبیلہ کا قبیلہ، رات کو سوتا کا سوتا ہی رہ گیا۔ اور وہ بند ٹوٹ کر تمام شہر اور قرب و جوار کے علاقے بہا لیگیا۔

مولوی شبلی کی کوتاہ قلمی پر ایک نظر

سلاطین حمیر کے مشہور سلسلہ شاہی اور اون کے اعلیٰ نظام و تمدن عظمت واقتدار اور اخبار و آثار کی تفصیل میں ہم نے مندرجہ حالات و واقعات مغربی اور مشرقی محققین و مورخین کے مختلف تصنیفات و تالیفات سے قلمبند کردیے۔ مگر افسوس ہے کہ شبلی صاحب نے عرب البائدہ کے ایسا عرب العاربہ کے حالات کو بھی مرفوع القلم فرمادیا۔ حالانکہ اونھیں کے حوالوں سے جو اوپر نقل کیے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضرور قابل الذکر تھے۔ اور اونکا تمدن۔ اونکا تدبر۔ اونکی صنعت و حرفت اور اونکی

عظمت و شوکت سب کچھ قابل بیان تھی رجستہ جستہ اونکا ذکر بھی کیا گیا ہے گر ایسے اختصار کے ساتھ کہ آپکا بیان صرف اونگلیوں کا اشارہ بنکر رہ گیا ہے، مولویصاحب نے ان کے تفصیل و بیان حالات کو اپنے مدعائے تالیفی کی ضرورت سے زاید سمجھکر آگے سے ہٹا دیا ہے۔ مگر کسی ملک و قوم کی تاریخ کا سلسلہ اوسوقت تک مکمل اور مسلسل نہیں کہا جا سکتا۔ جب تک کہ اوسکے تمام قدیم اخبار و آثار سے اسکے موجودہ حالات و واقعات کا زنجیرہ نہ ملا دیا جائے

مولوی شبلی صاحب نے عرب البایدہ اور عرب العاربہ کے حالات و واقعات کو قلم زد فرماکر اپنی کتاب کے ناظرین سے عظیم الشان اور مقدس انبیاء و سلاطین عرب کے حالات کو بالکل مخفی اور پوشیدہ رکھا ہے، عرب البایدہ کے سلسلہ میں۔ قوم عاد کے حالات اونکے عروج و ادبار کے تاریخی واقعات۔ حضرت ہود کی بعثت۔ اون کی تبلیغ رسالت۔ قوم ثمود (عاد ثانیہ) کے واقعات اونکا تمدن اور اعلیٰ صنعت و حرفت۔ سنگتراشی کے کمال۔ جناب صالح کی رسالت۔ وغیر امثالہم اور عرب کے اس قدیم دعوے پر کہ اوسکی مقدس سرزمین پر چار پیغمبر ان الٰہی مبعوث فرمائے گئے۔ ایک تاریک پردہ ڈالدیا ہے۔ اسی طرح ملکہ بلقیس اور اوسکی شاہی سطوت کے کارنامے کو خارج از بیان قرار دیکر، خاک پاک عرب کی اوس تقدیس و عظمت کو جو اوسے فلسطین و بیت المقدس کے ساتھ مراتب جلال و اقتدار میں بحصہ مساوی حاصل تھی۔ چھپا دیا اور گھٹا دیا۔

کمال عبرت اور انتہائے حسرت تو یہ ہے کہ شمس العلماء نعمانی ایک اسلامی فاضل اور محقق ہوکر عرب کے ان اخبار تقدیس اور آثار عظمت و تکریم کو دیدہ و دانستہ قلمزد فرمائیں اور اگر کچھ قلمی زحمت اور رقمی مصیبت اوٹھا کر لکھیں بھی تو ایسا مختصر کہ بیرے بود بسرے داشتہ گم شد۔ بازیافت کا لطف آگئے۔

آپکے خلاف غیر اسلامی مولفین و مورخین جنکو عرب اور اہل عرب کے حالات و واقعات کے ساتھ اتنی ہمدردی اور دلچسپی اختیار کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ وہ اپنی دولت۔ اپنا دماغ اور اپنا وقت صرف کرکے اون کے تمام حالات و واقعات اور اخبار و آثار۔ ہزاروں ایکڑ زمینیں کھود کھود کر باہر نکالیں اور اونکے صحیح نشانات۔ علامات اور مقامات بتائیں۔ اور طرہ یہ ہے کہ آپ بھی اونھیں کی تحقیقات سے فائدہ اوٹھائیں اور جابجا اپنی کتاب میں اونھیں سے حاشیہ و معنی جڑلائیں۔ مگر جب اپنے لئے اونکے لکھنے اور بیان کرنے کا وقت اور مقام آئے تو آپ اپنا قلم روک لیں اور کچھ نہ لکھیں۔

مولف کیلئے اپنے مدعائے تالیفی پر زوودرسی کی کوشش بہت سی ضروری فروگذاشتوں کا باعث ہوتی ہے مولوی شبلی صاحب بھی اسکے الزام سے نہیں بچے۔ بلکہ ایک شرمناک مغالطہ میں پڑگئے۔ عرب کی قدیم حکومتوں کے باب میں آپ لکھتے ہیں کہ سبائی دور جیسا کہ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے حضرت عیسیٰ سے سات سو برس قبل ہے۔ اسی سلطنت کا پایہ تخت مآرب تھا۔

جب ہم آپ کے اس بیان کو دوسرے محققین و مورخین کے بیانات سے ملاتے ہیں تو امتداد ایام کے حساب میں زمین آسمان کا فرق پاتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مولف نے صرف مولر (Muller) کی روایت احاد پر اعتبار کر لیا۔ حالانکہ مقدمہ کتاب میں تنقید و تحقیق روایات کی نسبت آسمان زمین کے قلابے ایک کر دیکے گئے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے رشحات تحقیق و توثیق و تصدیق وحی آسمانی کا پہلو دابے ہیں۔ مگر یا ایں ہمہ جب آپ کے ان ظاہری طمطراق کے بعد سیاق تالیف پر نظر کیجاتی ہے تو صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیان کو عمل سے اور عمل کو بیان سے کوئی سروکار نہیں۔ اسی تعیین زمانہ سبا کے متعلق مولر کے تنہا مختار تو اعتبار کر لیا گیا۔ مگر گلاذری کے قول پر جسے مولر کے روایات سے قبل خود لکھ چکے ہیں۔ کوئی اعتنا نفرمائی۔ اور اوسکے قول کو اوسکا خاص خیال ٹھہرایا۔ باوجودیکہ وہ سبائی حکومت کا زمانہ حضرت عیسیٰ سے پندرہ سو برس قبل بتلا چکا تھا۔ مگر آپکو تو جلد سے جلد عرب المستعربہ (بنو اسماعیل ع) کے حالات پر پہونچکر اپنے مدعا سے تالیف کو آغاز کرنا منظور تھا اور بنو اسماعیل ہی کے حالات و واقعات کو۔ آپ عرب قدیم اور عرب اوسط تمام قوم و قبائل کے احوال کو قلمزد فرماکر عرب کی اصلی تاریخ سمجھے ہیں۔ اسی بنا پر آپ نے گلاذری کے بتلائے ہوئے زمانہ پر بھی اعتبار نہ کیا۔ چونکہ وہ آپ کے مدعا کے مطابق نہ تھا۔ اسلئے صرف ایک ہی شخص کے قول پر اعتماد کر لیا۔ اور اپنی کتاب میں لکھدیا۔ کیا اسی نگاہ سرسری کا نام تحقیق ہے۔ اور یہی زود نویسی تنقید کامل کہی جائے گی ؟

ہم مولوی شبلی صاحب کی اس غلط فہمی کی اصلاح و تصحیح اونکے شفیق محسن ڈاکٹر سر سید احمد صاحب کی اوس تحریر سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ جو زمانہ ملوک سبا کے متعلق خطبات احمدیہ میں درج ہے۔

اب چونکہ حمیر (ابن سبا جیسا کہ آگے بیان ہوتا ہے) یقطان سے چوتھی پشت میں تھا۔ اور ترح بھی فالغ سے چوتھی پشت میں تھا۔ اسلئے ہم اس نتیجہ نکالنے کے مجاز ہیں کہ حمیر کی ولادت ترح کی پیدائش سے بہت دور نہوگی یعنی ۲۱۲۶ق م خطبہ احمدیہ۔ لاہور ص ۔ یہ شبلی صاحب مولر کے قول کی بنا پر ساتھ سو برس کا کل زمانہ حضرت عیسیٰ ع کے قبل بتلاتے ہیں۔ اور سر سید کی تحقیق میں جس کو اونہوں نے کتب مقدسہ توریت۔ یونانی اور رومی تالیفات قدیمہ سے مستنبط و تحقیق کیا ہے۔ دو ہزار برس سے بھی اوپر کا زمانہ ثابت ہوتا ہے اسیطرح اسکے آگے تحریر فرماتے ہیں۔ اسکے دور (حکومت سبائی) کے بعد حمیر کا زمانہ ہے جمیر نے مارب پر قبضہ کر کے اسکو اپنا پایہ تخت بنالیا۔ پھر اسکے نیچے یوں رقمطراز ہیں۔ قریباً ۱۱۵۰ق م کے حمیر نے سبائی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ ایک نشد دو شد آپ کی تحقیق میں سبا اور حمیر دو جداگانہ حکومتیں تھیں۔ اگر صرف ابو الفدا کی عربی یا اردو ترجمہ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی کو (باوجودیکہ اپنے مقدمہ کتاب میں تاریخ ابو الفدا عربی اور اوسکے حالیہ لاطینی ترجمہ کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے) ملاحظہ کر لیا گیا ہوتا تو یہ مسئلہ اوسی وقت صاف ہو گیا ہوتا۔ اور پھر اس امر کے مان لیتے ہیں کہ سبا کا بیٹا حمیر تھا۔ آپکو کوئی کلام نہ رہتا۔

ابو الفدا کی اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

ثم ملک بعدہ ابنہ عبد شمس بن یشجب وسمی سبا وھو الذی بنا السد مارب بنی مدینۃ مارب وعرفت مدینہ سبا وخلف سبا المذکور عدۃ اولادہم منہم حمیر وعمر کہلان واشعر وغیرہم ولما مات سبا ملک الیمن بعدہ ابنہ حمیر ابن سبا بن یشجب

یشجب ابن قحطان کے مرنیکے بعد اوسکا بیٹا عبد شمس جس کا لقب سبا تھا۔ بادشاہ ہوا۔ اور یہ وہی بادشاہ ہے جس نے ارض مآرب میں سد تعمیر کرائی اور شہر مآرب بسایا۔ اور شہر مآرب بھی اسی کے نام سے شہر سبا مشہور ہوا۔ سبا مذکور کی متعدد اولادیں ہوئیں۔ جنمیں حمیر۔ عمر کہلان اور اشعر وغیرہ شامل ہیں۔ جب سبا مرگیا تو اوسکا بیٹا حمیر ابن سبا بادشاہ یمن قرار پایا۔

اب اس عبارت کو پڑھکر کوئی شخص سبائی اور حمیری سلطنتوں کو کیسے دو جداگانہ حکومتیں قایم کریگا۔ اور آپکے اس فقرے سے کہ حمیر نے سبائی حکومت پر قبضہ کرلیا۔ کیا معنی لگائے گا۔ جب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے سبا باپ تھا اور حمیر بیٹا۔ یا بقول علماے انساب۔ سبا مورث خاندان تھا اور حمیر اوسکی اولاد واعقاب۔ باپ یا مورث مرگیا۔ اولاد یا اوسکے ورثا نے اوسی وقت یا اوسکے بعد حکومت آبائی پائی۔ تو ایسی حالت میں واقعہ کی اصلیت کو یوں تبدیل کرکے بتلانا کہ حکومت سبا پر حمیر نے قبضہ کرلیا۔ تاریخ کے صحیح اور اصلی واقعہ پر صریح غلطی اور سوء فہمی کا حاشیہ چڑھانا ہے۔

اگر ان حوالوں سے اس سلسلہ شاہی میں آپکا مابعد کے واقعات سے مدعا ہے تو وہ بھی آپکے قرار داد زمانہ اور مدت کے اعتبار سے بھی کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ آپ لکھتے ہیں کہ قریباً ۱۱۵ سنہ قبل مسیح میں حمیر نے سبا کی حکومت پر قبضہ کرلیا۔ آپ نے شاید غلطی سے ابرہہ کی حکومت پر سیف بن ذی یزن کا قبضہ کرلینا جو واقعہ اصحاب الفیل سے بھی پیچھے واقع ہوا ہے توھرا دنہیں لیا ہے۔ مگر وہ تو ۵۵۴ء میں واقعہ ہوا ہے اور آپ ۱۱۵ ق م بتلاتے ہیں۔ غالباً آپکا مطلب اوس انتقال حکومت اور تبدیل سلطنت سے ہوگا۔ جو قبیلہ ازد کے لوگوں نے عارضی طور پر چند دنوں کیلئے حمیریوں سے لیلی تھی جیساکہ ابو الفدا نے لکھا ہے۔

ثم ملک بعدہا (بلقیس) عمہا ناشر النعم بن شرحبیل ثم ملک بعدہ شمر یرعش بن ناشر النعم ثم ملک بعدہ ابنہ ابو مالک بن شمر ثم ملک بعدہ عمران ابن عامر الازدی ثم ملک اخوہ مزیقیا ثم ملک الاقرن ابن ابی مالک

(ابو الفدا)

ملکہ بلقیس کے بعد اوسکے چچا زاد بھائی ناشر النعم ابن شرحبیل بادشاہ ہوا۔ اوسکے بعد شمر یرعش ناشر النعم کا بیٹا حاکم ہوا۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا ابو مالک ابن شمر تخت پر بیٹھا۔ اس بادشاہ کی سلطنت میں عمران ابن عامر ازدی نے۔ جو خاندان ازد سے تھا یمن پر حملہ کیا اور حمیر سے حکومت لیلی حمیر سے سلطنت بنی کہلان میں چلی آئی۔ عمران کے بعد اوسکا بیٹا مزیقیا تخت نشین ہوا۔ اسکے زمانہ میں اقرن ابن ابو مالک نے اپنے باپ کی

سلطنت کا دعویٰ کیا۔ فرلقیا سے لڑکر اوسکو شکست دی اور سلطنت چھین لی اور اسطرح حکومت پھر سلسلہ حمیریہ میں چلی آئی (خطبات مع ترجمہ ابو الفدا۔ مطبوعہ لاہور ص ۸۰)

اگر ان واقعات سے آپکا انقلاب سلطنت مجوزہ مراد ہے تو بھی ان واقعات و انقلابات کا زمانہ سنہ ۹۰۰ ق م سے کسی حال میں کم ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ توراۃ کے روسے ملکہ بلقیس کا زمانہ سنہ ۱۰۰۵ ق م ثابت ہوچکا ہے۔ اگر یہ بھی نہیں۔ اگر اسکے قبل الحارث الرائش قیس ابن صیفی ابن سبا الاصغر کے واقعات سے جس نے اپنے زمانہ حکومت میں یمن و حضرموت دونوں سلطنتوں کو ملا لیا ہے۔ آپ اس نتیجہ پر پہونچے ہیں۔ تاہم آپ کا خیال صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ شخص چھ پشت قبل ملکہ بلقیس سے تھا۔ چنانچہ ابو الفدا میں مرقوم ہے۔

ثم ملک بعدہ ابنہ ذو القرنین الصعب بن الرائش ثم ملک بعدہ ابنہ ذو المنار ابرھۃ ابن ذی القرنین ثم ملک بعدہ ابنہ افریقش ابن ابرھۃ ثم ملک بعدہ ذو الاذعار عمر ابن ذو المنار ثم ملک بعدہ شرحبیل بن عمرو بن غالب بن المنتاب بن زید بن یعفر بن السکسک بن وائل بن حمیر

حارث الرائش جو سبا اصغر کے سلسلہ سے تھا اور جو تبع اول کے نام سے ملقب ہے۔ اسکے بعد اسکا بیٹا صعب الملقب ذو القرنین بادشاہ ہوا اوسکے بعد اوسکا بیٹا جس کا نام ابرہہ اور لقب ذو المنار ابن ذو القرنین تھا تخت نشین ہوا اس کے بعد اوسکا بیٹا جسکا نام افریقش تھا۔ حکمراں ہوا۔ اسکے بعد اسکا بیٹا ذو الاذعار جسکا نام عمر ابن ذو المنار تھا بادشاہ ہوا۔ عمر ذو العار کی سلطنت کے زمانہ میں شرحبیل ابن عمر ابن غالب ابن منتاب ابن زید ابن یعفر ابن سکسک ابن وائل ابن حمیر نے اوسپر حملہ کیا اور بے شمار خونریزیوں کے بعد عمر ذو الاذعار کو شکست دی اور اوس کی سلطنت پر قابض ہوگیا۔ شرحبیل کے بعد اوسکا بیٹا الہدہاد تخت نشین ہوا اور اوس کے بعد اوس کی لڑکی بلقیس حکمراں ہوئی۔ (ابو الفدا مع عبارت مندرجہ خطبات سرسید ۱۲)

اگر آپ نے الحارث والے واقعہ اجتماع الریاستین سے سبائی حکومت اور حمیری قبضہ مراد لیا ہے تو باعتبار امتداد ایام کے یہ واقعہ حضرت بلقیس سے چھ پشت قبل کا ثابت ہوتا ہے جسکا زمانہ وقوع سنہ ۱۲۰۰ ق م سے بھی آگے بڑھجاتا ہے۔ پھر آپکا سنہ ۱۱۵ ق م بتلانا کس زائچہ سے مستخرج سمجھا جائیگا۔ اور کونسا واقعہ تاریخی کارنامہ عرب اور شاہنامہ حمیر میں مراد لیا جائیگا۔

اسکو بھی جانے دیجئے۔ اگر آپ اس سے ذو الاذعار اور شرحبیل والا واقعہ سمجھے ہیں۔ تو ہمارے مندرجہ شجرہ حمیریہ سے آپکو معلوم ہوجائیگا کہ حقیقتاً یہ دونوں اشخاص ایک ہی اصل سے پیوستہ ہیں۔ شرحبیل کا سلسلہ بھی حمیر تک تمام ہوتا ہے اور ذو الاذعار کا سلسلہ نسب بھی حمیر ہی پر ختم ہوتا ہے۔ اسلئے ان دونوں خاندانوں کو دو جداگانہ اور علیحدہ خاندان سمجھنا حقیقت سے غفلت ہے۔ اسلئے آپکا یہ کہنا کہ حمیر نے سبائی حکومت پر قبضہ کرلیا۔ اصلیت کے اعتبار سے

قابل اعتماد ہے اور نہ امتداد زمانہ کے حساب سے لائق اعتبار کیونکہ شرحبیل ملکہ بلقیس کا دادا تھا اسلئے یہ واقعہ بھی ۱۱۵۰ قم میں واقعہ ہوا نہ ۱۱۵ قم میں۔

سب سے آخر میں۔ اگر مولوی شبلی صاحب سبائی حکومت پر حمیریوں کا قبضہ ہونے سے۔ ذو نواس حسان و ذو صبا الاخد کی شکست اور ذی جدن حمیری کی فتح مراد لیتے ہیں۔ جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں۔ تو یہ بھی نہ واقعات کے اعتبار سے صحیح ہے اور نہ امتداد ایام کے شمار سے۔ کیونکہ عموماً تحقیق سے یہ واقعہ ۳۵۴ء میں واقعہ ہوا تھا نہ ۱۱۵ قم میں تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سلسلہ حمیری کا آخر خلیفہ سیف بن ذی یزن کی وفات ہوا تھا۔ مگر وہ قبائل حبشہ تک محدود تھا اور وہ ظہور اسلام سے قریب تھا۔ اسلئے اسپر بھی ۱۱۵ قم میں وقوع پذیر ہونیکا گمان صحیح نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر آپکا تحریر فرمانا کہ سبائی حکومت پر حمیر کا قبضہ ہو گیا اور پھر اسکے وقوع کو ۱۱۵ قم میں بتلانا کسی طریقہ اور قرینہ سے تسلیم کرنیکے قابل نہیں ہے۔ اگر آپ اس عبارت تفریقی کے بجائے مناسبت تخصیصی کے پیرایہ میں اسطرح تحریر فرماتے کہ پھر سبا کی دوسری شاخ جو حمیر کے نام سے مشہور ہے۔ سبا کی جگہ حکومت یمن پر قابض ہوئی۔ تو صحیح بھی تھا اور فی الواقع تھی۔ مگر تاہم ۱۱۵ قم کا تعین مدت غلط کا غلط ہی رہتا۔ اوسکی صحت و درستی کیلئے تاریخوں سے وہی زمانہ قائم کرنا ہوتا جو اوسکے وقوع پذیر ہونے کے لئے صحیح طور پر قلمبند کیا گیا ہے۔

حمیر کی اولاد عرب کے مختلف حصوں میں اونکی حکومت

مولوی شبلی صاحب کی تصحیح و ترمیم کے بعد ہم پھر اپنے سابق سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ عبد الشمس ملقب بہ سبا الاکبر کے دس بیٹے تھے اونکے نام یہ ہیں۔ مذحج۔ کندہ۔ ازد۔ اشعر۔ حمیر۔ کہلان۔ لخم۔ جذام۔ عاملہ۔ اور غسان۔ ان میں سے۔ مذحج۔ کندہ۔ ازد۔ اشعر۔ حمیر اور کہلان۔ اوسکے چھ بیٹوں نے تو علاقہ یمن میں سکونت اختیار کی اور بقیہ چار بیٹے لخم۔ جذام۔ عاملہ اور غسان ملک شام میں نکل گئے۔ اور وہیں آباد ہوئے غسانی سلسلہ شاہی اوسکے آخری بیٹے غسان ابن حمیر سے منسوب ہے۔ جنکا ذکر آئندہ اپنے مقام پر آئیگا۔

تاریخوں سے ثابت ہے کہ بند عرم کے ٹوٹ جانیکے بعد یمن سے آٹھ بڑے قبیلے تباہ ہو کر نکل گئے جنمیں سے ایک قبیلہ نے دریائے فرات کے کنارہ مقام حیرہ میں سکونت اختیار کی۔ کہا جاتا ہے کہ قبیلہ غسان بھی انہیں ایام میں شام جاکر آباد ہوا۔ اسی طرح تین قبیلے اور جنکے سردار قبائل کے نام۔ بکر۔ مضر اور ربیعہ تھے۔ ایسے ہی پریشان ہو کر عراق کیطرف نکل گئے اور وہیں آباد ہو گئے اور انکے نام سے تین علاقے۔ دیار بکر۔ دیار مضر۔ اور دیار ربیعہ آجتک یادگار ہیں۔ (ابو الفدا۔ طبری اور ابن ہشام)

اس بیان سے معلوم ہوا کہ بند عرم کے ٹوٹ جانے سے خاندان سبا یا حمیر کو متفرق مقامات اور دور و دراز علاقجات

میں جا جا کر آباد ہونیکی مجبوری پیش آئی۔ چنانچہ ایک مقام حیرہ میں دوسرا علاقہ شام میں سکونت پذیر ہوا۔ رفتہ رفتہ ان دونوں سیار الاصل اور حمیری النسل نے اپنے اپنے اطراف سکونت میں اتنی ترقی کی اور ایسی قوت پکڑی کہ ان دونوں علاقوں پر اپنا پورا تسلط حاصل کر لیا۔ اور وہاں کی عنان حکومت اپنے قبضہ اقتدار میں کرلی۔ اور مدت مدید تک علاقہ جات حیرہ اور شام میں بڑی نام و نمود سے سلطنت کرتے رہے۔

حمیری ملوک حیرہ۔

مورخ ابوالفدا کے حوالہ عبارت سے ہم ملوک حیرہ کا سلسلہ اور اون کے حالات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

اوّل من ملک علی العرب بارض الحیرۃ مالک ابن فہم ثم ملک بعدہ اخوہ عمر ابن فہم ثم ملک بعدہ ابن اخیہ خذیمہ ابن مالک بن فہم وکانت لہ اخت تسمی رقاش لما قتل خذیمہ ملک بعدہ ابن اختہ عمرو ابن عدی ابن نصر ابن ربیعہ ثم مات و ملک بعدہ ابنہ امرء القیس وکان یقال لہ امرء القیس البدء ای الاول۔ ثم ملک بعد امرء القیس ابنہ عمر ابن امرء القیس ثم ملک بعدہ اوس بن قلام العملیقی ثم ملک اخرمن العمالیق ثم رجع الملک الی عمرو ابن عدی ابن نصر ابن ربیعۃ اللخمیین المذکورین وملک منہم امرء القیس من ولد عمر ابن امرء القیس المذکور ویعرف ھذا امرء القیس الثانی بالمحرق لانّہ اول من عاقب بالنار ثم ملک بعدہ ابنہ النعمان الاعور ابن امرء القیس ثم تزھد وخرج من الملک وملک بعدہ ابنہ المنذر بن النعمان ثم ملک بعدہ ابنہ الاسود بن المنذر (ابوالفدا)

ثم ملک بعدہ اخوہ المنذر ابن المنذر ابن

علاقہ حیرہ میں جس شخص نے سب سے پہلے حکمرانی کی وہ مالک ابن فہم تھا اوسکے بعد اوسکا بھائی عمر ابن فہم اسکے بعد اوسکا بھتیجا خذیمہ ابن مالک ابن فہم حکمراں ہوا۔ اوسکی ایک بہن تھی رقاش نام۔ خذیمہ کے قتل ہو جانے کے بعد۔ اوسکا بھانجا عمر ابن عدی ابن نصر ابن ربیعہ حکمراں ہوا جب وہ مر گیا تو اوسکا بیٹا امرء القیس تخت نشیں ہوا۔ اسکو امرء القیس البدء یعنی امرء القیس اول ہی کہتے ہیں۔ امرء القیس اول کے بعد اوسکا بیٹا عمر ابن امرء القیس بادشاہ ہوا عمر ابن امرء القیس کے بعد اوس ابن قلام العملیقی بادشاہ ہوا۔ پھر آخر ملوک عمالیق تک ہوتے گئے۔ اسکے بعد سلطنت عمر ابن عدی ابن نصر ابن ربیعہ لخمیین مذکورین کی طرف عود کر آئی۔ اور اونہیں سے امرء القیس نے جو عمر ابن امرء القیس کی اولاد میں تہا۔ حکومت کی۔ یہ بہی جان لینا چاہیئے۔ کہ یہ امرء القیس ثانی مشہور ہے۔ اور محرق اسکا لقب ہے۔ اور عقوبت بالنار کی ایجاد عرب میں اسی کے وقت سے ہے۔ اسکے بعد اسکا بیٹا النعمان اعور ابن امرء القیس تھا۔ تخت نشین ہوا۔ تھوڑے دنوں کے بعد یہ تارک الدنیا ہو گیا اور ترک شاہی کر کے ملک سے چلا گیا اوسکے بعد اوسکا بیٹا المنذر بن نعمان بادشاہ ہوا اوسکے بعد اوسکا بیٹا الاسود ابن منذر حکمراں ہوا اسکے بعد اسکا بھائی منذر ابن منذر ابن نعمان الاعور بادشاہ ہوا۔ اسکے بعد علقمۃ الذمیلی جو دونوں جانب سے بنی لخم تھا۔ بادشاہ

النعمان الاعور ثم ملك بعده علقمة الذميلي
(ذو ميل بطن من لخم) ثم ملك بعده امرء
القيس بن النعمان بن امرء القيس المحرق
ثم ملك بعده ابنه المنذر ابن امرء القيس
ملقب بماء السماء وطرد كسرى القباد المنذر
المذكور عن ملك الحيرة وملك عوضه
الحرث ابن عمرو بن حجر الكندي ثم لما تمكن
كسرى نوشيروان من قباد المذكور في الملك
وطرد الحارث واعاد المنذر بن ماء السماء
الى ملك الحيرة (ابو الفدا)
ثم ملك بعد المنذر عمرو مضرط الحجارة ثم ملك
بعده ابنه ثم ملك بعد اخوه قابوس ثم
ملك بعده اخوهما المنذر ثم ملك بعده ابنه
النعمان بن منذر بن المنذر بن ماء السماء و
كنية ابو قابوس وهو الذي تنصر ثم انتقل
الى اياس ابن قبيصه الطائي ثم ملك بعده
زاويه بن ماهان الهمداني ثم عاد الملك الى
اللخميين فملك بعد زاويه المنذر ابن النعمان
بن المنذر بن ماء السماء سميه العرب
المغرور واستمر ملكاً الى الحيرة الى ان قدم
لها خالد ابن الوليد واستولى على الحيرة

ہوا۔ اس کے بعد امر القیس ابن نعمان ابن امر القیس
المحرق بادشاہ ہوا۔ اس کے بعد اسکا بیٹا المنذر ابن امر القیس
جس کا لقب ماء السماء تھا بادشاہ ہوا۔ لیکن قباد کسریٰ نے
منذر کو تخت سلطنت سے اوتار کر الحارث ابن عمر ابن حجر الکندی
کو اوس کی جگہہ پر حکمران مقرر کیا۔ لیکن قباد کے بعد کسریٰ
نوشیرواں نے الحارث کو تخت حکومت پر نہ رہنے دیا اور
اوس کو اوٹھا کر ملک المنذر ابن ماء السماء کے حوالہ کر دیا۔
المنذر کے بعد اوسکا بیٹا عمر الملقب بہ مضرط الحجارۃ
تخت نشین ہو گیا۔

اوس کے بعد اوس کا بھائی قابوس بادشاہ ہوا۔ قابوس
کے بعد اوس کا بھائی منذر ابن منذر حکمران ہوا۔ اوس کے
بعد اوس کا بیٹا نعمان ابن منذر ابن منذر ماء السماء تخت
نشین ہوا۔ اسکی کنیت ابو قابوس تھی۔ اور اس نے مذہب
نصاریٰ اختیار کیا۔ اسکے بعد سلطنت ایاس ابن قبیصہ الطائی
کی طرف منتقل ہو گئی۔ ایاس کے بعد زاویہ ابن ماہان الہمدانی
بادشاہ ہوا۔ اسکے وقت میں سلطنت پھر لخمیین کی
طرف منتقل ہو گئی۔ اور زاویہ کے بعد منذر ابن نعمان ابن
منذر ابن ماء السماء تخت نشین ہوا۔ اہل عرب نے اس شخص
کا نام مغرور رکھا تھا۔ اور یہ شخص اوس وقت تک موجود تھا
کہ جس وقت کہ خالد ابن ولید نے اسلام کے لئے اس سے
ملک خالی کرالیا۔

اب ہم اپنے اس سلسلہ شاہی کے اجمالی بیان کی جس کو ہم نے تاریخ ابو الفدا کی عبارت سے اوپر نقل کیا
ہے بخطبات احمدیہ سے مکمل تفصیل حسب ذیل قلمبند کرتے ہیں جس سے بیان مندرجہ بالا پر کافی روشنی پڑتی ہے۔
عرب العاربہ میں خاندان قحطان نے بڑی طاقت اور شہرت حاصل کی تھی۔ اور صوبہ حیرہ میں ایک عظیم الشان
سلطنت قائم کی تھی اسی خاندان کا پہلا بادشاہ مالک ابن فہم تھا۔ اوسکے بعد اوسکے بھائی عمر کو تخت ملا۔ اسکے بعد خذیمہ

بن مالک تخت پر بیٹھا۔ یہ حمیری مگر طامع بادشاہ تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کو بہت قوی اور مستحکم کر لیا تھا۔ ایکطرف
تو دریائے فرات اوسکی مملکت کی حد تھی دوسری جانب وہ شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ شام تک سلطنت بڑہانے میں اسکو
عمالیق سے لڑنا پڑا۔ اوسنے ایک سخت اور خونریز لڑائی کے بعد انکو شکست دی۔ اس بادشاہ کی بہن نے جسکا نام
رقاش تھا ایک شخص مسمی عدی سے جو بنی لخم میں تھا شادی کر لی۔ خذیمہ کے بعد اوسکا بھانجا عمر ابن عدی تخت نشین ہوا
اوسکے بعد اوسکا بیٹا امرالقیس اور اوسکے بعد اوسکا بیٹا عمر بادشاہ ہوا۔ مگر اوسکو اوس بن قلام عمالیقی نے تخت سے
اوتار دیا۔ اوسکے بعد ایک یا دو بادشاہ اس خاندان کے حکمران ہوئے جن کے نام معلوم نہیں لیکن اسقدر محقق ہے
کہ امرالقیس ثانی ابن عمر نے بہت جلد اپنے بھائی کی کھوئی ہوئی سلطنت کو واپس لے لیا۔ یہ اول شخص تھا جس نے
انسانوں کو زندہ جلا دینے کی وحشیانہ رسم جاری کی جس کے سبب سے اوس نے محرق کا لقب حاصل کیا تھا۔ اسکے
بعد نعمان جانشین ہوا۔ مگر دنیا کے جھگڑوں سے کبیدہ خاطر ہو کر تیس برس سلطنت کر کے ترک شاہی کی۔ اور عبادت
الہی میں مصروف ہو گیا۔ اسکے بعد اسکا بیٹا اسود تخت نشین ہوا جس کو ملوک غسان سے چند لڑائیاں لڑنی پڑیں۔
اوسکے بعد اوسکے بھائی المنذر الثانی کو تخت و تاج ملا۔ اسکے بعد علقمہ ذہلی اور اوسکے بعد امرالقیس ثالث ابن
نعمان نے زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔ اوسکے بعد المنذر الثالث ملقب بہ ماء السماء جانشین ہوا۔ مگر اسکو کسریٰ
قباد نے سلطنت سے خارج کر کے الحارث کو جو قبیلہ کندہ سے تھا اور جس نے ایران کے بادشاہ کا مذہب اختیار
کر لیا تھا۔ حاکم مقرر کیا۔ جب کسریٰ نوشیروان تخت پر بیٹھا تو اوس نے الحارث کو حکومت سے علیحدہ کر دیا
اور المنذر الثالث کو پھر حکومت دیدی۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا قابوس اور اوسکے بعد اوسکا بیٹا المنذر الرابع اور اسکے
بعد اوسکا بیٹا نعمان ابو قابوس تخت پر بیٹھا۔ اسی نعمان نے مذہب عیسائی اختیار کر لیا تھا۔ اور خسرو پرویز کے زمانے
میں ایک مشہور لڑائی میں جو ایرانیوں کے ساتھ ہوئی تھی مارا گیا۔ اسکے بعد ایاس ابن قبیصہ الطائی اور اوس کے بعد
زادبہ اور اوسکے بعد المنذر الخامس بن نعمان بن قابوس بادشاہ ہوا۔ اسی بادشاہ کو خالد ابن ولید سردار لشکر
اسلام نے (خلافت اول کے عہد میں) شکست دیکر سلطنت کو چھین لیا (خطبات احمدیہ ۸۴-۸۶)

جس زمانہ میں یہ بادشاہ حکمراں ہوئے اوسکا ٹھیک ٹھیک پتا لگانا اگر غیر ممکن نہیں تو مشکل بیشک ہے۔
مگر آخر بادشاہوں میں سے دو بادشاہوں کا زمانہ ٹھیک ٹھیک بدرجہ یقین معلوم ہے۔ اور اگر نسلوں کے ہونیکے معمولی
قاعدے پر غور کیا جائے تو بعض اور بادشاہوں کے عہد سلطنت کے زمانہ بھی کافی طور سے تحقیق ہو سکتے ہیں
عمر ابن المنذر ماء السماء کی حکومت کے آٹھویں سال میں جناب سرور محمد احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی
آخر الزماں پیدا ہوئے۔ اسلئے یہ بادشاہ ۵۶۲ء میں تخت نشین ہوا ہوگا۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم پر پہلے پہل وحی ایاس کی حکومت کے چھٹے مہینے میں نازل ہوئی تھی۔ اسلئے ایاس سنہ ۶۱۰ء میں تخت نشین

ہوا ہوگا۔ عمرو کی تخت نشینی سے پہلے اونیس ۱۹ بادشاہ ہو چکے تھے۔ اور اون کی سلطنتوں کے مجموعہ کا بطرز معقول
پانچسو برس خیال کیا جا سکتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ انمیں کا پہلا بادشاہ مالک ابن فہم ولادت مسیح علیہ السلام کے
قریب قریب تخت پر بیٹھا ہوگا۔ شطبیات ص ۸۰ لاہور۔

حمیری ملوک غسان۔ سلاطین شام۔

آل غسان کے شاہی سلسلہ کی تفصیل میں مورخ ابو الفدا تحریر کرتے ہیں۔

اول من ملک غسان جفنة بن عمرو بن ثعلبة بن عمرو بن
مزیقیا ثم ملک و ملک بعده ابنه عمرو بن جفنة
ثم ملک بعده ابنه ثعلبة ابن عمرو ثم ملک ابنه
بعده الحارث ابن ثعلبة ثم ملک ابنه جبلة ابن
الحارث ثم ملک ابنه الحرث ثم ملک بعده ابنه
المنذر الاکبر ثم ملک المنذر الاکبر المذکور
و ملک بعده اخوه النعمان ابن الحرث ثم ملک
بعده اخوه جبلة بن الحارث ثم ملک بعده اخوه
عمرو بن الحارث ثم ملک جفنة الاصغر ثم ملک
بعده اخوه النعمان الاصغر ثم ملک نعمان بن عمرو
ابن المنذر ثم ملک بعده نعمان المذکور ابنه جبلة
النعمان ثم ملک بعد النعمان بن الایهم ثم ملک
اخوه الحرث ابن الایهم ثم ملک ابنه النعمان
ابن الحرث ثم ملک ابنه ابنه المنذر ابن النعمان
ثم ملک اخوه عمرو ابن النعمان ثم ملک اخوهما حجر
ابن النعمان ثم ملک ابنه الحارث ابن حجر ثم ملک
ابنه جبلة ابن الحارث ابن جبلة ثم ملک ابنه النعمان
ابن الحرث وکنیته ابو کرب ولقبه قطام ثم
ملک بعده الایهم ابن جبلة ثم ملک بعده اخوه
المنذر ابن جبلة ثم ملک اخوهما شراحیل بن

سب سے پہلے جس شخص نے سلسلہ غسان سے حکومت کی وہ جفنہ
ابن عمرو ابن ثعلبہ ابن عمرو ابن مزیقیا تھا۔ اسکے بعد عمرو ابن جفنہ
بادشاہ ہوا۔ جفنہ کے مرجانے کے بعد اسکا بیٹا عمرو ابن جفنہ تخت نشین
ہوا۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا ثعلبہ ابن عمرو۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا
الحارث ابن ثعلبہ اوسکے بعد اوسکا بیٹا جبلہ ابن الحارث
اوسکے بعد اوسکا بیٹا الحرث اوسکے بعد اوسکا بیٹا المنذر الاکبر
بادشاہ ہوا۔ المنذر الاکبر کے بعد اوسکا بھائی نعمان ابن الحرث
اوسکے بعد اوسکا بھائی جبلہ ابن الحارث۔ اوسکے بعد اوس کا
بھائی عمرو ابن الحارث اوسکے بعد جفنہ الاصغر تخت نشین ہوا۔
اوسکے بعد اوسکا بھائی نعمان الاصغر۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا
نعمان ابن عمرو ابن منذر نعمان کے بعد جبلہ ابن نعمان بادشاہ
ہوا۔ جبلہ ابن نعمان کے بعد نعمان ابن الایہم تخت نشین ہوا
اسکے بعد نعمان ابن الحرث بادشاہ ہوا۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا
منذر ابن النعمان تخت نشین ہوا۔ اسکے بعد اسکا بھائی عمرو ابن
نعمان اسکے بعد اسکا بھائی نعمان ابن الحرث جس کی
کنیت ابو کرب تھی تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ اس بادشاہ
کا لقب قطام تھا۔ اسکے مرجانے کے بعد اوسکا بھائی منذر
ابن جبلہ تخت نشین ہوا۔ اوس کے بعد اوس کا بھائی
عمرو ابن جبلہ بادشاہ ہوا۔ اوس کے بعد اوس کا بھتیجا
جبلہ ابن الحرث ابن جبلہ تخت نشین ہوا۔ اوس کے بعد

جبلة ثم ملك اخوهم عمرو بن جبلة ثم ملك بعدہ ابن اخيه جبلة ابن الحرث ابن جبلة ثم ملك بعدہ جبلة ابن الايهم بن جبلة وهو آخر الملوك الغسان وهو الذي اسلم في خلافة عمر ثم عاد الى الروم وتنصر (ابو الفداء)

جبلہ ابن الایہم ابن جبلہ آخر بادشاہ آل غسان ہوا۔ اور یہ وہی شخص ہے۔ جو خلافت عمرؓ کے زمانہ میں اسلام لایا۔ پھر ملک روم میں بھاگ گیا۔ اور نصرانی ہو گیا۔

(ابو الفدا)

اس کے آگے مورخ ابو الفدا لکھتے ہیں۔

فلما ملك حجر سدد امورهم وساسهم احسن سياسة وانتزع من اللخميين ما كان بايديهم من ارض بكر ابن وائل

وملك بعد الحجر المذكور ابنه عمر ابن حجر ثم ملك بعدہ ابنه الحرث ابن عمر

جب حجر بادشاہ ہوا تو اوسنے قوم کا نہایت خوب انتظام کیا اور اُنہیں نہایت خوبی سے حکمرانی کی۔ اور شاہان لخمیین کے قبضہ میں علاقہ بکر ابن وائل کے جسقدر حصہ چلا گیا تھا۔ وہ تمام و کمال اُنسے خالی کرا لیا۔

حجر کے بعد اوسکا بیٹا عمر اور اُسکے بعد حرث ابن عمر یکے بادیگرے بادشاہ ہوئے۔

ملوک حجاز کا ضمنی تذکرہ (کندہ)

حرث ابن عمر کے بعد شاہی سلسلہ میں مورخ ابو الفدا لکھتے ہیں۔

وملك اخوه (اى اخا يعرب) جرهم الحجاز ثم ملك بعد جرهم ابنه عبد ياليل بن جرهم ثم ملك ابنه جرشم ابن عبد ياليل ثم ابنه عبد المدان ابن جرشم ثم ابنه ثعلبة ابن عبد المدان ثم ابنه عبد المسيح بن ثعلبة ثم ابنه مضاض ابن عبد المسيح ثم ابنه عمرو ابن مضاض ثم اخوه الحرث بن مضاض ثم عمرو ابن الحارث ثم اخوه بشر ابن الحارث ثم مضاض ابن عمر ابن مضاض۔

اوس کے (حرث ابن عمر) بعد اوس کا بھائی (یعنی یعرب) جرہم الحجاز بادشاہ ہوا۔ اوس کے بعد اوس کا بیٹا عبد یالیل حکمراں ہوا۔ اوس کے بعد اوسکا بیٹا جرشم بادشاہ ہوا۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا عبد المدان اوسکے بعد اُسکا بیٹا ثعلبہ ابن عبد المدان حکمراں ہوا۔ اوسکے بعد عبد المسیح ابن ثعلبہ اوسکے بعد مضاض ابن عبد المسیح تخت نشین ہوا اوسکے بعد عمر ابن مضاض اوسکے بعد اوسکا بھائی حرث ابن مضاض۔ اوسکے بعد عمر ابن الحارث اوسکے بعد اوسکا بھائی بشر ابن الحارث تخت نشین ہوا۔ اوسکے بعد مضاض ابن عمر ابن مضاض حکمراں ہوا۔ (ابو الفدا)

مورخ ابی الفدا اسی کے متعلق یہ یادداشت بھی لکھتے ہیں۔ ومن ملوك العرب شرحبيل ابن [illegible]

حیل وکان زھیر المذکور قد اجتمع بابرھۃ الاشرم صاحب الفیل۔ ملوک عرب میں سے ایک زہیر ابن خباب بن حبل نامی تھا اور یہ زہیر ابرہہ الاشرم کے ساتھ واقعہ فیل میں شریک تھا۔

مرقومہ بالا آل غسان کی اجمالی فہرست کی تفصیلی حالت ذیل کی عبارت سے ظاہر ہے۔

عرب العاربہ نے ایک اور سلطنت صوبہ غسان میں قایم کی تھی۔ اس سلطنت کے حکمران عرب الشام کے نام سے مشہور تھے۔ اگر صحیح طور پر غور کیا جائے تو یہ حاکم قیصر روم کیطرف سے بطور عمال تھے۔ مگر لقب شاہی کے اختیار کرنے کی وجہ سے سلاطین عرب کے ذیل میں بیان ہوسکتے ہیں۔ چونکہ بعض امور ان لوگوں سے ایسے متعلق ہیں جن سے ہمکو بعض امور کی تحقیقات اور مباحث میں آسانی ہوگی۔ اسلئے انکی سلطنتوں کا ایک مختصر حال اس مقام پر لکھدینا ضروری ہے۔

اس سلطنت کی بنا چارسو برس قبل ظہور اسلام کے ہوئی اور یہ زمانہ تین سو صدی عیسوی سے تعلق رکھتا ہے جفنہ ابن عمر پہلا شخص ہے جس نے اس خاندان میں لقب شاہی اختیار کیا۔ یہ شخص ازد (یکے از فرع حمیر) کی اولاد میں تھا۔ جو خاندان کہلان سے تھا۔ وہ عرب جوان سے پہلے شام میں رہتے تھے ضجاعمہ کہلاتے تھے ضجاعمہ نے مدت دراز تک مستعدی کے ساتھ انکا مقابلہ کیا مگر بالآخر شکست اٹھائی اوسکے بعد اوسکا بیٹا تخت نشین ہوا۔ اسی طرح ایک عرصہ تک اختیارات شاہی یکے بعد دیگرے۔ الحارث۔ جبلہ۔ الحرث۔ المنذر الاکبر کے ہاتھ میں رہے۔ اس اخیر بادشاہ کے بعد اوسکا بھائی نعمان بادشاہ ہوا۔ اوسکا بھائی جبلہ پر اوسکا بھائی ایہم۔ اوسکے بعد اوسکا بھائی عمر تخت نشین ہوا۔ اوسکے بعد جفنہ الاصغر ابن المنذر الاکبر کی باری آئی اوسکے بعد نعمان الاصغر اور اوسکے بعد اوسکا بھتیجا نعمان ثالث ابن عمر بادشاہ ہوا اوسکے بعد جبلہ ابن نعمان کے ہاتھ سلطنت لگی۔ یہ بادشاہ خاندان حیرہ کے بادشاہ ماء السما کا ہمعصر تھا۔ وہ اس سے چند لڑائیاں بھی لڑا تھا۔ اوسکے بعد نعمان رابع ابن الایہم اور اوسکے بعد الحرث الثانی اور اوسکے بعد اوسکا بیٹا نعمان الخامس اور اوسکے بعد اوسکا بیٹا المنذر تخت نشین ہوا۔ اوسکے بعد عمر برادر المنذر اور حجر برادر عمر یکے بعد دیگرے بادشاہ ہوئے۔ اسکے بعد حارث ابن حجر اور جبلہ ابن الحارث اور الحارث ابن جبلہ باری باری سے حکمراں ہوئے۔ پھر نعمان ابو کرب ابن الحارث اور ایہم نعمان تخت پر بیٹھے۔ اور ایہم کے بعد اوسکے تین بھائی۔ المنذر سراحیل اور عمر یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ عمر کے بعد اوسکے بھائی جبلہ ابن الایہم بن جبلہ کو سلطنت ملی۔ یہ بادشاہ حضرت عمر کی خلافت تک زندہ تھا۔ پہلے مسلمان ہوا۔ پھر روم کو بھاگ کر عیسائی ہوگیا۔ اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ تقریباً سنہ ۱۴ ہجری میں ہوگیا۔

ملوک کندہ۔ عرب العاربہ کی ایک اور چھوٹی سی اور چند روزہ سلطنت کی بنیاد آل کندہ نے جو خاندان

کہلان سے تھا، قایم کی تھی۔ اس خاندان کا پہلا بادشاہ حجر ابن عمر ہوا جس نے ملک حیرہ کے ایک حصہ کو دبا کر ایک نئی سلطنت حاصل کر لی۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا عمر اوسکے بعد اوس کا الحرث تخت پر بیٹھا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے کسریٰ قباد کا مذہب اختیار کرکے اوسکی اعانت سے سلطنت حیرہ کو دبا لیا تھا۔ مگر جب نوشیرواں نے اوس سے المنذر کو سلطنت دلوا دی تب الحارث دیار کلب کو چلا گیا۔ مگر اوس کے بعد اوسکے بیٹے چند روز تک چند مقامات پر حکومت کرتے رہے۔ بنو اسد پر حکمران تھے۔ شرحبیل بکر ابن وائل پر، معدی کرب قیس غیلان پر، سلمہ تغلب پر اور نمر پر حاکم تھا۔ حجر کے بعد جو مارا گیا تھا۔ اوسکے بیٹے امرء القیس نے از سر نو بنی اسد کو مطیع بنا لیا۔ یہ امرء القیس وہی بہت بڑا مشہور عرب کا شاعر ہے۔ جب منذر ماء السما از سر نو تخت حکومت پر بیٹھا تو امرء القیس اوسکے خوف سے بھاگا۔ اور کہیں روپوش ہو گیا۔ ان سب بادشاہوں نے پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی میں حکومت کی تھی۔

ملوک حجاز۔ ایک اور سلطنت حجاز میں قایم ہوئی تھی جس زمانے میں یمن اور حیرہ کی سلطنتیں اندرونی جھگڑوں سے ضعیف ہو گئیں تھیں۔ اوسی زمانہ میں اولاد یعرب یا جرہم نے ایک نئی اور خود مختار سلطنت حجاز میں قایم کی تھی۔ اسی سلطنت کا اول بادشاہ بقول ابو الفدا جرہم تھا جس کا بھائی یعرب یمن میں حکمرانی کرتا تھا۔ ابو الفدا نے مندرجہ ذیل نام گنوائے ہیں۔ یالیل۔ جرہم ابن یالیل۔ عبد المدان ابن جرہم۔ ثعلبہ ابن عبد المدان۔ عبد المسیح ابن ثعلبہ۔ مضاض ابن عبد المسیح۔ عمر ابن مضاض۔ الحرث برادر مضاض۔ عمر ابن الحرث۔ مضاض ابن عمر ابن مضاض۔ اگر ابو الفدا کے نزدیک یہ بادشاہ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام سے پیشتر گذرے ہیں۔ یا اونکے ہمعصر گذرے ہیں۔ کیونکہ عبد المسیح کے نام سے بلا ریب ثابت ہوتا ہے کہ وہ عیسائی تھا۔ اور اسلئے ممکن نہیں ہے کہ وہ حضرت اسماعیل سے پیشتر گذرے ہوں یا اونکے ہمعصر ہوں۔

اسمیں کوئی شک نہیں کہ یہ سلطنتیں اوسوقت قایم ہوئیں جب یمن، حیرہ اور کندہ کی سلطنتیں زوال کی حالتمیں پہونچ گئی تھیں۔ اور اسی بنا پر ہمکو یقین ہے کہ انکا زمانہ پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی میں تھا۔

یہ بھی واضح رہے کہ عمر ابن لاحی سنہ ۴۲۱ء کے آخر میں اس سلطنت پر حکمران تھا۔ ابو الفدا کا بیان ہے کہ اسی شخص نے بت پرستی کو حجاز عرب میں رواج دیا اور کعبہ میں اوس نے بت ہبل (ہُبُل) کعبہ کی چھت پر اور اساف و نائلہ دو اور بت مولہ (صفا و مروہ) پر نصب کر دئے۔

مثل دیگر عرب العاربہ کے جو حجاز میں متوطن ہوئے اور وہیں کے بادشاہ ہوئے۔ زہیر ابن خباب نے بھی لقب شاہی اختیار کیا۔ یہ بات اوسوقت کی ہے جبکہ ابرہۃ الاشرم نے مکہ معظمہ پر حملہ کیا تھا۔ کیونکہ یہ

بات مشہور ہے کہ زہیر بھی ابرہہ اشرم کے ساتھ اوس مہم میں شریک تھا۔

اب ہم اپنے تالیفی دستور العمل کے مطابق عرب العاربہ کے تمام حالات، و واقعات بیان کر کے۔ ان کے انساب و اعقاب کا شجرہ قلمبند کرتے ہیں۔ مگر یہ شجرہ صرف اونھیں لوگوں کا ہے جنکا حال ہمنے اس کتاب میں بیان کیا ہے اس شجرہ سے اون مطالب کے سمجھنے میں آسانی ہوگی جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ تمام عرب العاربہ جنکا ہم نے مفصل احوال اوپر بیان کیا ہے۔ بنی جرہم سے علاقہ رکھتے ہیں۔ مگر وقتاً فوقتاً اپنے مورثوں کے متعدد قبیلوں میں منقسم ہو گئے ہیں۔ ان قبیلوں سے جو زیادہ مشہور اور صاحب نام ہیں۔ اور جنکا ذکر اکثر کتابوں میں آیا ہے۔ ہم ذیل میں اونھیں کو لکھتے ہیں۔ ان قبیلوں کی تقسیم قائم کرنے میں۔ تاریخ ابو الفدا اور معارف ابن قتیبہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

قبائل مشہورہ عرب العاربہ

(۱) یعرب یا جرہم سے۔ بنو جرہم
(۲) عبد الشمس بن یشجب سے۔ بنو سبا۔
(۳) حمیر ابن سبا سے بنو حمیر
(۴) کہلان ابن سبا سے بنو کہلان۔
(۵) اشعر ابن سبا سے، اشعری
(۶) انمار ابن سبا سے بنو انمار
(۷) عاملہ ابن سبا سے عاملی
(۸) عدی ابن انمار ابن سبا سے بنو عدی۔
(۹) لخم۔ ابن عدی سے لخمی
(۱۰) جذام ابن عدی سے بنو جذام
(۱۱) عدس بن لخم سے بنو عدس
(۱۲) غنم بن لخم سے بنو غنم
(۱۳) بنو الدار بن ہانی بن لخم سے داری
(۱۴) غطفان ابن حرام ابن جذام سے بنو غطفان

قبائل ذیل بنو غطفان کی نسل میں ہیں

(۱۵) بنو فضلہ (۱۶) بنو اصف (۱۷) بنو الضبیب (۱۸) بنو ابدالہ (۱۹) بنو النفاثہ
(۲۰) بنو الضلیع (۲۱) بنو اعائرہ (۲۲) بنو شبیرہ (۲۳) بنو الغفرہ (۲۴) بنو عبید اللہ
(۲۵) بنو سلیم (۲۶) بنو جبالہ (۲۷) بنو غنم (۲۸) بنو القالہ (۲۹) بنو سعد
(۳۰) بنو وائل۔

قبائل ذیل بنو سعد کی نسل میں ہیں

(۳۱) بنو عوف (۳۲) بنو افہیرہ (۳۳) بنو اصیحر (۳۴) بنو الاعاش (۳۵) بنو حی

(۳۶) خثعمی (۳۷) بنو حطمہ (۳۸)

قبائل ذیل بنو انمار کی نسل میں ہیں

(۳۹) خثعمی (۴۰) بجیلی (۴۱) قسری (۴۲) بنو احمس (۴۳) دھمانی (۴۴) عبقسی
(۴۵) سلفی (۴۶) اسلمی (۴۷) آل ذی رعین

قبائل ذیل قضاعہ کی نسل میں ہیں

(۴۸) بنو کلب (۴۹) عدی ابن خباب سے بنو عدی (۵۰) بنو علیم (۵۱) بنو العبید
(۵۲) بنو رفیدہ (۵۳) بنو مصر (۵۴) بنو القین (۵۵) بنو سلیح (۵۶) بنو تنوخ (۵۷) بنو جرم
(۵۸) راسبی (۵۹) بنو بہرار (۶۰) بنو بلی (۶۱) بنو مہرہ (۶۲) بنو عذرہ (۶۳) بنو سعدہ
(۶۴) بنو ہذیم (۶۵) عبد حبشی (۶۶) خشنی (۶۷) سلامانی (۶۸) بنو جہینہ (۶۹) بنو نهد
(۷۰) التابعہ۔

قبائل ذیل تابعہ کی نسل میں ہیں

(۷۱) ذو قلاع (۷۲) ذو نواس (۷۳) ذو اصبح (۷۴) ذو جدن (۷۵) ذو الکلاع
(۷۶) ذو یزن (۷۷) ذو جرش (۷۸) بنو الشحول بنو وائل (۸۰) بنو سکسک (۸۱) بنو عوف
(۸۲) بنو فاران (۸۳) طائی (۸۴) غفولی۔

قبائل ذیل طائی کی نسل میں ہیں

(۸۵) بنو انبہان (۸۶) بنو ثعل (۸۷) بنو السنبس (۸۸) حاتمی (۸۹) بنو تمیم (۹۰) توزی
(۹۱) کندی (۹۲) سکونی (۹۳) اوسلی (۹۴) ہمدانی (۹۵) سبیعی (۹۶) وداعہ
(۹۷) مذحج (۹۸) مرادی (۹۹) سعدی (۱۰۰) بنو خالد (۱۰۱) عنسی (۱۰۲) جعفی
(۱۰۳) جنبی (۱۰۴) حکمی (۱۰۵) عائذی (۱۰۶) حملی (۱۰۷) حریمی
(۱۰۸) زبیدی (۱۰۹) جدیلی (۱۱۰) النخعی (۱۱۱) نخعی (۱۱۲) بنو النار
(۱۱۳) خولانی (۱۱۴) بنو الحماس (۱۱۵) بنو قنان (۱۱۶) ازدی (۱۱۷) مازنی یا غسانی
(۱۱۸) دوسی (۱۱۹) ہنوئی (۱۲۰) جفنی (۱۲۱) آل جفنا (۱۲۲) آل محرق (۱۲۳) جبلی

(۱۲۴) سلامانی (۱۲۵) دوس عدنی (۱۲۶) جذیمی (۱۲۷) جہانمی (۱۲۸) سلیمی (۱۲۹) بنو ابناء
(۱۳۰) معینی (۱۳۱) بنو بجید (۱۳۲)

قبائل ذیل ازد کی نسل میں ہیں

(۱۳۳) الغطریف (۱۳۴) بنو یشکر (۱۳۵) بنو السجدہ (۱۳۶) بنو لہب (۱۳۷) غامدی

قبائل ذیل عبداللہ ازد کی نسل میں ہیں

(۱۳۸) قسامل ۔ (۱۳۹) بنو عتیک (۱۴۰) بنو مارق (۱۴۱) بنو عوف (۱۴۲) بن طاحیہ (۱۴۳) بنو ہداد
(۱۴۴) خزاعی (۱۴۵) قمیری (۱۴۶) بنو حبیل (۱۴۷) بنو المصطلق (۱۴۸) بنو الکعب
(۱۴۹) بنو الملیح (۱۵۰) بنو عدی (۱۵۱) بنو سعد (۱۵۲) اسلمی (۱۵۳) بنو مباشنہ
(۱۵۴) عشمی (۱۵۵) خزرجی

قبائل ذیل خزرج کی نسل میں ہیں

(۱۵۶) عشمی (۱۵۷) بنو تزید (۱۵۸) اسلمی (۱۵۹) بنو بیاضہ (۱۶۰) بنو سالم (۱۶۱) بنو الحبلی
(۱۶۲) القواقل (۱۶۳) بنو النجار (۱۶۴) بنو ساعدہ (۱۶۵) یہی قبائل انصار ہیں۔

قبائل ذیل اوس کی نسل میں ہیں

(۱۶۶) اشہلی (۱۶۷) بنو ظفر (۱۶۸) بنو الحارثہ (۱۶۹) اہل قبا (۱۷۰) جحجبی
(۱۷۱) اجارہ (۱۷۲) بنو واقف (۱۷۳) اسلمی (۱۷۴) بنو حطمہ ۔ یہی قبائل انصار مدینہ تھے۔

عرب المستعربہ

یا

عرب مستوطنہ

عرب المستعربہ کا سلسلہ نسب تارح (تارخ) ابن ناحور ابن ساروغ ابن راعون ابن فالغ ابن عابر ابن شالح ابن ارفخشد ابن سام ابن نوح علیہ السلام تک پہونچتا ہے۔ اسلئے یہ خاندان بھی سلسلہ عرب العاربہ سے عابر

ابن شالخ پر پہونچکر مل جاتا ہے۔ اسی طرح عرب البائدہ کے شجرۂ نسب سے ارفخشد اور عیلان پسران سام ابن نوح پر پہونچکر ایک ہوجاتا ہے۔ کیونکہ سام کے دو بیٹے ارفخشد اور عیلان۔ ارفخشد سے عرب العاربہ کا سلسلہ قائم ہوتا ہے اور عیلان سے عرب البائدہ کا۔ اس بنا پر ہر شخص صحیح طور سے سمجھ جائیگا کہ سلسلۂ نسب میں عرب المستعربہ بمقابلہ عرب البائدہ کے عرب العاربہ سے زیادہ قریب ہیں۔

ترح (تارخ) کی اولاد جو عرب میں آباد ہوئی وہ پانچ متفرق شاخوں اور مقاموں میں منقسم ہوئی۔ ان میں سے ہر ایک تفصیل ذیل میں مندرج ہے۔

(۱) اسماعیلی۔ حضرت اسمٰعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام بن ترح (تارخ) کی اولاد (توریت سفر تکوین باب ۱۱ درس ۲۸ و باب ۱۶ درس ۱۵)

(۲) ابراہیمی یا بنی قطورا حضرت ابراہیم علیہ السلام بن ترح کی اولاد۔ جو ان کی تیسری بی بی قطورہ کے بطن سے تھی۔ (سفر تکوین باب ۱۱ درس ۲۸ و باب ۲۵ درس ۱)

(۳) ادومی[51]۔ جسے بنو عیسو بھی کہتے ہیں۔ وہ ادوم ابن حضرت اسحاق ابن حضرت ابراہیم علیہما السلام ابن ترح کی اولاد سے تھے۔ (سفر تکوین باب ۱ درس ۲۸ و باب ۲۱ درس ۳ و باب ۲۵ درس ۲۵)

---

[51] ادوم یا عیسو ابن حضرت اسحاق[52]۔ فاضل معاصر صاحب ارض القرآن عیسو کے حالات میں رقمطراز ہیں:-

حضرت یعقوب اور عیسو دونوں سگے بھائی تھے۔ اور حضرت اسحاق[53] کے بیٹے تھے۔ عیسو فرزند اول تھے۔ لیکن پہلوٹھے ہونیکی برکت حضرت یعقوب نے بلطائف الحیل حاصل کی[54]۔ عیسو روٹھکر اپنے عم محترم حضرت اسمٰعیل کے پاس[55] چلے گئے اور ان کی صاحبزادی سے جنکا نام بسمہ یا محلات[56] تھا شادی کر لی۔ پھر اور بھی شادیاں کیں۔ جن سے متعدد اولادیں اور اولادوں کی اولادیں (جن میں عمالق اور عوض مشہور ہیں) پیدا ہوئیں۔ اور ان سب کو لیکر کوہ سعیر[57] (سراۃ) میں اپنا مسکن بنایا۔ جو ملک شام سے لیکر انتہائے یمن تک طولاً وسیع ہے۔ عیسو کا نام ادوم (سرخ) تھا۔ اسی لئے اس خاندان اور ملک کا نام ادوم پڑ گیا۔ جدید تحقیق جو یقینی نہیں ہے۔ یہ ہے کہ ادوم کا نام ملک کی زمین کے سرخ ہونے کی وجہ سے رکھا گیا ہے[58]۔ ارض القرآن ج ۲ ص ۳۲

[52] تکوین ۲۵-۲۵ [53] تکوین ۲۷ [54] تکوین ۲۸-۹ [55] تکوین ۳۶-۳ [56] تکوین ۲۸-۹ [57] تکوین ۳۶-۹ [58] انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا طبع یازدہم جلد ۱۴ ص ۲۹۰

کس حیلہ سے اسحاق نے عیسو سے پہلوٹھے ہونیکی عظمت حاصل کی توراۃ میں اسکے متعلق یہ قصہ قلمبند ہے۔ یعقوب نے لپسی پکائی۔ اور عیسو جنگل سے آیا اور وہ ماندہ ہو گیا تھا۔ عیسو نے یعقوب سے کہا کہ اس لال لال میں سے کچھ مجھے کھانے کو دے۔ کیونکہ میں ماندہ ہو گیا ہوں۔ اسلئے اوسکا نام ادوم ہوا۔ تب یعقوب نے کہا کہ آج ہی اپنے پہلوٹھے ہونیکا حق میرے ہاتھ بیچ۔ عیسو

(۴) ناحوری یا بنی ناحور - اولاد ناحور برادر حضرت ابراہیم علیہ السلام ابن تارخ (ترح) سفر تکوین باب ۱۱ درس ۲۸ - ۲۹

(۵) ہارانی یا بنی ہاران - یعنی موآب و عمان بن لود بن ہاران بن ترح کی اولاد - اس قوم کے لوگ کبھی موابی کبھی یوابی اور کبھی عمانی کہے جاتے تھے - مگر ہارانی کہنا زیادہ مناسب ہے - کیونکہ یہ دونوں متفرق شاخیں اپنے اصل ہاران پر جاکر جوان دونوں کا مورث اعلیٰ ہے - ایک ہو جاتی ہیں - سفر تکوین باب ۱۱ درس ۲۸ - ۲۹ و باب ۱۹ درس ۳۰ و ۲۸

بقیہ عبارت حاشیہ زیریں صفحہ گذشتہ - نے کہا کہ دیکھ میں تو مر رہا ہوں - سو پہلوٹا میرا ہونا کس کام آئیگا - تب یعقوب نے کہا کہ آج ہی مجھ پاس قسم کہا - اوس نے اوس پاس قسم کہائی - اور اوس نے اپنے پہلوٹے ہونیکا حق یعقوب کے ہاتھ بیچ دیا - تب یعقوب نے عیسو کو روٹی اور مسور کی دال دی - اوس نے کہایا اور پیا اور اُٹھ کر چلا گیا - اسی طرح عیسو نے اپنے پہلوٹے ہونیکا حق ناچیز جانا تکوین باب ۲۵ آیت ۲۹ ایسے ہی یعقوب نے عیسو کے حصہ کی آسمانی برکت بھی لیلی - جب اسحاق بوڑھا ہوا اور اوس کی آنکھیں دُھندلا گئیں ایسی کہ وہ دیکھ نہیں سکتا تہا تو اوس نے اپنے بڑے بیٹے عیسو کو بلایا اور کہا کہ اے بیٹے - اوس نے کہا کہ دیکھ میں حاضر ہوں - تب اوس نے کہا کہ دیکھ میں بوڑھا ہوا اور میں اپنے مرنیکا دن نہیں جانتا - سو اب میں تجھ سے منت کرتا ہوں کہ اپنا ہتیار اپنا ترکش اور اپنی کمان لے اور جنگل کو جا اور میرے لئے شکار لے آ اور میرے لئے لذیذ کہانا - جیسا کہ میں چاہتا ہوں تیار کر - اور میرے آگے لا کہ میں کہاؤں تاکہ میں جی سے مرنے کے آگے تجھے برکت بخشوں اور جب اسحاق اپنے بیٹے عیسو سے باتیں کرتا تہا تب ربقہ (زوجہ اسحاق) نے سُنا - اور عیسو جنگل چلا گیا کہ شکار مارے اور لاوے - تکوین باب ۲۷ - ۱ از ۱ - ۵ -

تب ربقہ نے اپنے بیٹے یعقوب سے ہمکلام ہو کر کہا کہ دیکھ میں نے تیرے باپ کی باتیں سُنی کہ تیرے بہائی عیسو سے ہمکلام ہو کر کہا کہ میرے لئے شکار لا - اور میرے واسطے لذیذ خوراک تیار کر تاکہ میں کہاؤں اور اپنے مرنے سے پیشتر خداوند کے آگے تجھے برکت بخشوں - سو اب میرے بیٹے اوس حکم کے موافق جو میں تجھے دیتی ہوں میری بات کو مان - اب گلہ میں جا کر وہاں سے بکری کے دو اچھے اچھے بچے میرے پاس لا اور میں تیرے باپ کے لئے اون سے لذیذ کہانا جیسا وہ چاہتا ہے پکاؤں گی اور تو اوسے اپنے باپ کے پاس لائیو تاکہ وہ کہاوے اور اپنے مرنے سے پیشتر تجھے برکت بخشے - تب یعقوب نے اپنی ماں ربقہ سے کہا دیکھ میرے بہائی عیسو کے بدن پر بال ہیں اور میرا بدن صاف ہے - شاید میرا باپ مجھے ٹٹولے اور میں اوس پاس دغاباز سا ٹھہروں اور برکت نہیں بلکہ لعنت اپنے اوپر لاؤں - اوسکی ماں نے اوس کہا کہ تیری لعنت مجھ پر ہو اے میرے بیٹے - تو صرف میری بات مان اور جا کے اونہیں میرے لئے لا - تب وہ گیا اور اونہیں اپنی ماں پاس لایا - اور اوسکی ماں نے لذیذ کہانا جیسا کہ اوسکا باپ چاہتا تہا پکوایا اور ربقہ نے اپنے بڑے بیٹے عیسو کی نفیس پوشاکیں جو گہر میں اوس پاس تھیں لیں اور اپنے چھوٹے بیٹے یعقوب کو پہنائیں اور بکری کے بچہ کی کہال اوس کے ہاتھوں اور اوس کی گردن پر جہاں بال نہ تھے لپیٹی اور وہ لذیذ کہانے اور روٹی جو اوس نے تیار کی تہی اپنے بیٹے یعقوب کے ہاتھ میں دی - سفر تکوین باب ۲۷ - ۱ - ۱۷

تب اوس نے اپنے باپ کے پاس آکر کہا کہ اے میرے باپ - وہ بولا دیکھ میں یہاں ہوں - تو کون ہے اے میرے بیٹے - یعقوب اپنے

اب ہم ان مندرجہ بالا اقوام عرب المستعربہ میں سے ہر ایک قوم کے تفصیلی حالات و واقعات ذیل میں علیحدہ علیحدہ قلمبند کرتے ہیں۔ مگر قبل اسکے کہ ہم ان حالات کو آغاز کریں ہمکو یہ بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ ہمارے سلسلہ بیان میں وہ ترتیب جو ہم نے اوپر قایم کی ہے۔ باقی نہیں رہ سکتی۔ اسلئے کہ ہماری تالیفی ضرورت ہمکو اس ترتیب کے قایم رکھنے سے مانع ہے۔ اس مجبوری کی وجہ سے خلاف ترتیب مقدرہ بالا۔ ہم سلسلہ اسماعیلی سے پہلے بنی قطورہ کے حالات لکھتے ہیں۔ جو ہمارے سلسلہ ترتیب میں نمبر (۲) ہے۔

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ باپ سے بولا کہ میں ہوں عیسو تیرا پہلوٹھا۔ جیسا تو نے مجھ سے کہا میں نے ویسا ہی کیا۔ اوٹھ بیٹھئے اور میرے شکار میں سے کچھ کھائیے تاکہ تو جی سے مجھے برکت بخشے۔ تب اسحاق نے اپنے بیٹے سے کہا کہ یہ کیونکر ہوا ہے کہ تو نے ایسا جلد پایا ہے اے میرے بیٹے۔ وہ بولا اسلئے کہ خداوند تیرا خدا میرے آگے لایا۔ تب اسحاق نے یعقوب کو کہا کہ اے میرے بیٹے نزدیک آ کہ میں تجھے چھوؤں کہ تو میرا وہی بیٹا عیسو ہے کہ نہیں۔ اور یعقوب اپنے باپ اسحاق کے پاس گیا اور اوس نے اوسے چھو کے کہا کہ آواز تو یعقوب کی ہے پر ہاتھ عیسو کے ہیں اور اوس نے اوسے نہ پہچانا اسلئے کہ اوسکے ہاتھوں پر اوسکے بھائی عیسو کے ہاتھوں کی طرح بال تھے۔ سو اوس نے اوسے برکت دی اور کہا کہ تو میرا وہی بیٹا عیسو ہے؟ وہ بولا کہ میں وہی ہوں۔ تب اوس نے کہا کہ تو میرے پاس لا کہ میں اپنے بیٹے کے شکار سے کچھ کھاؤں۔ تاکہ جی سے تجھے برکت دوں۔ سو وہ اوس پاس لایا اور اوس نے کھایا۔ اور وہ اوسکے لئے مے لایا اور اوس نے پی۔ پھر اوسکے باپ اسحاق نے کہا کہ اے بیٹے اب نزدیک آ اور مجھے چوم۔ وہ نزدیک گیا اور اوسے چوما۔ تب اوس نے اوسکے لباس کی باس پائی۔ اور اوسے برکت دی اور کہا کہ دیکھ میرے بیٹے کی ریح اوس کھیت کی ریح کی مانند ہے جس میں خداوند نے برکت بخشی ہے۔ خدا آسمان کی اوس اور زمین کی چکنائی اور اناج اور مے کی زیادتی تجھے بخشے۔ قومیں تیری خدمت کریں گروہ تیرے آگے جھکیں تو اپنے بھائیوں کا خداوند ہو۔ اور تیری ماں کے بیٹے تیرے آگے خم ہوں۔ ہر ایک جو تجھ پر لعنت کرے ملعون ہو۔ مگر وہ جو تیرے لئے برکت چاہے مبارک ہو۔ تکوین باب ۲۷ از ۱۸-۱۹۔

اور یوں ہوا کہ جو اسحاق یعقوب کو برکت دے چکا اور یعقوب اپنے باپ اسحاق کے حضور سے باہر چلا ویسے ہی اوسکا بھائی عیسو اپنے شکار سے پھرا۔ اوس نے بھی لذیذ کھانا پکایا تھا اور اوسے اپنے باپ پاس لایا۔ اور اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ اوٹھئے اور اپنے بیٹے کا شکار کھائیے کہ آپ جی سے مجھے برکت دیں۔ اوسکے باپ اسحاق نے اوس سے پوچھا تو کون ہے۔ وہ بولا کہ میں عیسو ہوں تیرا پہلوٹا بیٹا ہوں۔ تب اسحاق شدت کانپا اور بولا کہ وہ کون تھا اور کہاں ہے جو شکار کر کے میرے پاس لایا اور میں نے تیرے آنے سے آگے سب میں سے کھایا اور اوسے برکت دی۔ ہاں وہ مبارک ہوگا۔ عیسو اپنے باپ کی باتیں سنتے ہوئے شدت سے چلا چلا کر اور پھوٹ پھوٹ کر رویا اور اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ مجھے بھی برکت دیجئے۔ وہ بولا کہ تیرا بھائی دغا سے آیا اور تیری برکت لیگیا۔ تب اوس نے کہا کہ کیا اوسکا نام یعقوب ٹھیک نہیں ہے کہ اوس نے دو بار مجھ سے اڑنگا مارا۔ اوس نے میرے پہلوٹے ہونیکا حق لے لیا اور اب دیکھو اوس نے میری برکت لے لی۔

بنو قطورہ

یا

اہل مدین

حضرت شعیب علیہ السلام کی اُمت اور اُنکی تبلیغ رسالت

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا

۲۰۰۰ ق م تا ۱۸۰۰ ق م

اس اصول کا کئی بار بتکرار ذکر گذر چکا ہے کہ سامی قومیں عموماً اپنی آبادی اور قومیت کو اپنے بزرگان نسل کے نام

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ - پھر اوس نے کہا کیا تو نے میرے لئے کوئی برکت نہیں رکھ چھوڑی - اسحاق نے عیسو کو جواب دیا اور کہا دیکھ میں نے اوسے تیرا خداوند کیا اور اوسکے سب بھائی کو اوس کی چاکری میں دیا اور اناج اور مے اوسے بخشی - اب اے میرے بیٹے میں تیرے لئے کیا کروں - تب عیسو نے کہا کہ اے باپ کیا آپ کے پاس ایک ہی برکت ہے ؟ اے میرے باپ - مجھے بھی برکت دیجئے اور عیسو چلا چلا کر رویا - تب اوسکے باپ اسحاق نے جواب دیا اور اوس سے کہا کہ دیکھ زمین کی چکنائی سے اور اوپر کے آسمان کی اوس سے تیرا قیام ہوگا اور تو اپنی تلوار سے زندگانی بسر کریگا - اور اپنے بھائی کی خدمت کریگا - اور یوں ہوگا کہ جب تو تردد میں پڑیگا تو اوسکا جُوا اپنی گردن پر سے توڑ کر پھینک دیگا - سفر تکوین باب ۲۷ درس ۱۸ تا ۴۰

متذکرہ بالا عبارت توراۃ سے وہ لطائف الحیل جسکے ذریعہ سے بقول صاحب ارض القرآن نے یعقوب نے عیسو المدعو بادوم سے اوس کے فرزند اول ہونے کے حقوق حاصل کئے اور اس حق کے ساتھ آسمانی برکت بھی ملی - پورے طور سے ظاہر ہو گئے - ظاہر میں نگاہوں میں اگرچہ یہ طول طویل تفصیل ضرورت سے زاید معلوم ہوگی - مگر حقیقت میں اور مدعا شناس حضرات میری غرض و مدعا اور اُنکی ضرورتوں کو سمجھتے ہیں - جنمیں سے چند حسب ذیل ہیں -

اول یہ واقعہ صاف صاف اوس امتیاز اور افتراق کو بتلا رہا ہے جو کتب قدیمہ سماویہ اور قرآن مجید کی عبارت اور مطالب و معانی میں پایا جاتا ہے جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بخلاف اور کتب الٰہیہ کے قرآن مجید نے انبیاء و مرسلین کے طریقہ اعلی کی معاشرت - اونکا اعلی اخلاق اور یکتا تمدن کس شان اور عظمت سے دکھلایا ہے - یہی باعث ہے کہ قرآن مجید نے کتب قدیمہ سماویہ کے ان لغویات و حشویات کو - جو نہ کبھی الفاظ الہامی کہلانیکی حیثیت رکھتے ہیں اور نہ انداز وحی ربانی ہونے کی عظمت - معارض اخلاق انبیاء کرام کیا خلاف عادات عوام ظاہر ہوتے ہیں - اپنے صفحات میں جگہ نہ دی اور اونکے ذکر و تفصیل کو قطعاً ساقط کر دیا - اور یہی قرآن مجید کی خصوصیت - اونکے خالص کلام الٰہی

سے موسوم کرتی ہیں۔

مدین جنکے حالات اس فصل میں بیان ہونگے۔ اپنے بانی و مؤسس خاندان مدین بن ابراہیم (از بطن قطورہ) علیہ السلام کیطرف منسوب ہیں۔ مدین نے اپنی آبادی اپنے ہی نام سے اپنے بھائی اسماعیل کے پہلو میں قائم کی۔

ارض مدین یہ ملک طولاً خلیج عقبہ (عیلانہ) کے سواحل پر دہانہ خلیج سے ساحل بحر احمر و ارض ثمود و حجاز تک جہاں ثمود و جرہم اور عرب اسماعیلی آباد تھے۔ واقع تھا۔

بقیہ حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ ہونے کی ندرت ہے کہ اوس میں ان بے جوڑ اور بے لگاؤ افسانوں اور داستانوں کی بھرتی نہیں ہے جو کلام الٰہی کی تقدیس کو انسانی تدلیس و تلبیس سے ناپاک کرتی ہو۔ توراۃ مقدس کے ان لغویات کو پڑھ کر کبھی کوئی عقل والا کہہ سکتا ہے کہ یہ ایک مقدس پیغمبر اور اوسکے بعد ایک ہونے والے متبرک پیغمبر کے اخلاق ہیں۔ دیانت ہیں اور اطوار۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

دوسرے یہ کہ مخالفین اسلام عام اس سے کہ یہود ہوں یا نصاریٰ۔ اپنی عالم فریبی۔ خود غرضی۔ اور تعصب مذہبی سے حضرت ہاجرہ اور اون کی اولاد کو حضرت سارہ اور اون کی اولاد کے مقابلہ میں ہمیشہ حقیر اور ذلیل سمجھتے اور سمجھاتے آئے اور باعتبار حسب و نسب کے بنو ہاجرہ کو بنو سارہ سے شرافت و نجابت اور قدر و مرتبت میں گراتے آئے اور اپنے زعم باطل میں کبھی آل اسماعیل کو اولاد اسحاق کے ساتھ اسحاق و پیوند کے قابل نہ سمجھے۔ اب وہ ان واقعات توراۃ کو۔ جو اون کے خاص الخاص مرویات معتبرہ میں عبرت و غیرت کی نگاہوں سے دیکھیں اور سمجھیں کہ اون کی مغویانہ عالم فریبی اور تعصب مذہبی کے برخلاف آل اسماعیل اور بنو اسحاق میں فوراً ہی کیسا توصل اور پیوند تمہاری ہی روایات و اعتقادات سے صاف صاف ثابت ہو رہا ہے۔ اسماعیل کی صاحبزادی سے اسحاق کا صاحبزادہ بیاہا جاتا ہے۔ بھائی بھائی ملتے ہیں توحد فی الاصل اور توحد فی النسل کی حقیقی اور اصلی شان ظاہر ہوتی ہے۔ اور صلۂ رحم اور حقوق قرابت کی ادا کاریوں کا پورا اعلان کیا جاتا ہے۔ جو منجانب اللہ۔ اخلاق اور معاشرت کے اصول پر فرض کئے گئے ہیں۔ اور جن کی تعلیم و تلقین کا اپنی خاص مثالوں کے ساتھ تمام انبیاء و مرسلین کو حکم تاکیدی تفویض فرمایا گیا ہے۔ جس ناپاک خیال کو تم اپنے حسد و عداوت کی وجہ سے بنو ہاجرہ کی کسر شان کے لئے ایک بے اوبانہ اور محض مغویانہ طریقہ سے پھیلانا چاہتے ہو۔ اوسکا تو تمہاری ان روایات میں کہیں نام و نشان اور وہم و گمان بھی نہیں ہے۔ سارہ اور ہاجرہ کی اولاد و ذریات میں اس واقعہ سے تو کسی قسم کا کوئی اختلاف جو تمہارا خاص وضعی اور مصنوعی ثابت ہوتا ہے۔ ذرہ بھر بھی پایا نہیں جاتا پھر تفریق اور اختلاف اور اوسکی مغویانہ تشہیر و اشتعال سوا ہے تمہاری شرارت نفسی۔ تعصب مذہبی اور عداوت قلبی نہیں یقین کیجائیگی تو اور کیا۔ باقی رہا یہ امر کہ توراۃ میں حضرت ہاجرہ کو حضرت سارہ کی لونڈی بتلایا ہے۔ یہ بھی محض بہتان ہے اور کذب و افترا کا طوفان جسکا کامل تردید تمہارے ہی مرویات سے جناب ہاجرہ کے خاص حالات میں بالتفصیل قلمبند ہے۔

المولف الاحقر

سید اولاد حیدر عفی عنہ

تاریخ مدین - چونکہ ارض مدین حضرت موسیٰ کا دار الہجرۃ ہے اور اہل مدین و بنی اسرائیل میں ہمیشہ تعلقات جنگ و صلح جاری رہتے ہیں، اسلئے توراۃ میں مدین کے ذکر نہایت کثرت سے آگئے ہیں۔ ہم انہیں کا اقتباس کریں گے اسکا سبب یہ ہے کہ یونان و روم کے عہد میں اسپر نبطیوں نے قبضہ کیا تھا، انہوں نے مدین کو چھوڑ کر رقیم اور حجر کو آباد و مشہور کیا تھا۔

ہم مدین کا آغاز سنہ ۲۰۰۰ ق م سے فرض کرتے ہیں کیونکہ یہ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ سنہ ۲۱۰۰ یا سنہ ۲۲۰۰ ق م ہے۔ ایک خاندان کو قوم کی حیثیت پیدا کرنے کیلئے کم از کم سو دو سو برس کی مدت ضرور ہوئی ہوگی اسلئے مدین توراۃ میں سب سے پہلے ہمارا یعقوب کے بیٹوں (سنہ ۱۷۰۰ ق م) سوداگروں کے بھیس میں نظر آتے ہیں۔ حضرت یوسف کو جو کاروانِ تجارت کنعان سے مصر لے گیا تھا، وہ یہی اہل مدین اور اسمٰعیلی عرب تھے۔ (تکوین ۲۷-۲۸-۳۶-۳۰)

اسلئے قرآن مجید کی ایسی آیت میں۔

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ	اتنے میں ایک کارواں آیا جس نے اپنے پانی والے کو بھیجا اوس نے اپنا ڈول لٹکایا تو چلایا اے خوش نصیبی یہ ایک لڑکا ہے، کارواں والوں نے ایک سرمایہ کی چیز سمجھکر یوسف کو مخفی رکھا اور خدا اون کے کاموں سے آگاہ تھا (مصر پہنچکر) اون لوگوں نے معمولی قیمت پر (یوسف کو) چند درم میں بیچڈالا۔ کیونکہ وہ یوسف کی قدر نہیں جانتے تھے۔ (یوسف)

کارواں سے انہیں اہل مدین کو مراد لینا چاہئے اور مسلمان مفسرین نے بھی ایسا ہی سمجھا ہے۔ (معالم التنزیل تفسیر سورۂ یوسف)

یہ تجارت کی تاریخ کا سب سے پہلا صفحہ اور اسمٰعیلی اور مدیانی عربوں کی تجارت کا سب سے پہلا قافلہ اور مصر میں انکے تاجرانہ سفر کی منزلِ اولین نظر آتی ہے جو مسیح سے دو ہزار برس پہلے قدامت پرست ہے۔ اس مدیانی اور اسمٰعیلی قافلہ کا سامان تجارت وہی تھا جو عربوں کی تجارت کا ہمیشہ سامان رہا ہے خوشبودار چیزیں بلسان، صنوبر اور لبان۔ تکوین ۳۷-۲۲

اس واقعہ کے چار سو برس بعد تک مدین کی تاریخ پر خاموشی چھا جاتی ہے۔ سبب یہ ہے کہ مدین کی سوانح نگار بنی اسرائیل ہیں اور یہ زمانہ بنی اسرائیل کے قیام مصر کا ہے۔ ۴۰۰ برس کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا، اور دعوت حق اور حب قومی کے جرم میں اونکو مصر سے ہجرت کرنی پڑی، تو اونکا ملجا بھی اسی قافلہ کی سرزمین

تھی۔ جو اون کی قوم کو چار سو برس پہلے مصر پہنچ گئی تھی۔ یعنی مدین۔ خروج باب ۲ آیت ۱۸۔

مدین کی قوم عموماً اوسوقت جس کاروبار میں نظر آتی ہے۔ وہ وہی ہے جو تمام سامی قوموں کا پیشہ تھا اور جو حضرت موسیٰ کو مصر کی تمدن زندگی میں میسر نہ آتا۔ بنو سام کے عظیم الشان پیغمبر کیلئے ضرور تھا کہ وہ جہانبانی سے پہلے گلہ بانی کا سبق لے۔ اس لئے قضائے الٰہی نے موسیٰ کو مصر کے تمدن زار سے عرب کے بے تکلف اور سادہ ملک میں بھیجدیا۔ جہاں شرفاء سام نے ابتک اپنے آبائی عادات و اخلاق کو متروک نہیں کیا تھا۔

راعوئیل یا یثرو یا حوباب یا شعیبؑ۔ تاہم مدین کے قبائل ایک منتظم زندگی رکھتے تھے۔ شہر میں مذہبی رسوم آداب کی تلقین و محافظت کے لئے کاہن (مذہبی عہدہ دار) ہوتے تھے۔ اور اکثر حالات میں یہی کاہن شہر کے قانونی حاکم بھی قرار پاتے تھے۔ حضرت موسیٰ کے عہد میں جو کاہن تھا۔ اوسکا نام توراۃ میں کہیں راعوئیل کہیں یثرو۔ کہیں حوباب۔ مذکور ہے۔ لیکن اکثر مسلمان مفسرین کے نزدیک یہ شعیبؑ تھے۔ جو لفظاً حوباب سے بہت قریب ہے۔ حضرت موسیٰ جب مصر سے ہجرت کرکے شہر مدین میں آئے تو انھیں حوباب یا شعیب کے یہاں مہمان ہوئے اور اونکے ہاں بکریاں چرانے کی خدمت قبول کی اور اوسکے معاوضہ میں حضرت شعیبؑ نے اپنی ایک بیٹی حضرت موسیٰ کی زوجیت میں دی۔[۵۱]

قرآن مجید میں مدین کا ذکر دو سبب سے آیا ہے۔ اول حضرت شعیبؑ اور دوم حضرت موسیٰؑ کے تعلق سے حضرت موسیٰؑ کے تعلق کی حسب ذیل آیتیں ہیں۔

(۱) فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَا مُوسَىٰ (طٰه)	اہل مدین میں چند سال رہا۔ پھر اے موسیٰ تو ایک اعزاز پر آیا۔ (سورۂ طٰہ)
(۲) وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً يَسْقُونَ (القصص)	جب موسیٰؑ (مصر سے) مدین کیطرف چلا۔ اس نے کہا شاید میرا پروردگار مجھے راہ راست دکھائے اور جب وہ مدین کے کنوئیں پر پہونچا تو وہاں چند لوگوں کو پانی پلاتے ہوئے پایا۔ (سورۂ قصص)
(۳) وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ (القصص)	(اے محمدؐ) تو اہل مدین میں مقیم نہ تھا۔ انپر خدا کی آیتوں کو پڑھتے ہوئے لیکن ہم بھیجنے والے تھے۔ (سورۂ قصص)

حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لیکر جب مصر سے حدود عرب میں آئے تو مدین کے کاہن نے انکا استقبال کیا۔ بنی اسرائیل غلامی کے عہد سے ابھی نکلے تھے۔ نظام و ترتیب سے آگاہ نہ تھے۔ بھیڑ کی طرح شب و روز پیغمبر کو

[۵۱] خروج ۱۔ ۶۔ ۱۶۔ ۲۲

گھیرے رہتے تھے اور ذرا ذرا سی بات کیلئے پیمبر کے پاس دوڑے آتے تھے۔ مدین کے کاہن (شعیبؑ) نے بتلایا کہ ایک قوم پر کیونکر حکومت کرنی چاہیئے۔ اور اوسکی ترتیب و تنظیم کے کیا اصول ہیں۔ اول ہزار ہزار پر افسر ہوں، پھر سو سو پر اور پھر دس دس پر۔ صرف افسروں کے اختلاف رائے کے موقع پر امیر (حضرت موسیٰؑ) کی عدالت کیطرف رجوع کی جائے۔[1]

سولہ سو یا سترہ سو قبل مسیح حضرت موسیٰؑ کا عہد ہے۔ مدین پانچ شیوخ قبائل یا توراۃ کی اصطلاح کے مطابق پانچ بادشاہوں کے ماتحت تھا۔ انکے نام یہ تھے۔ عوی۔ رقیم۔ صور۔ حور اور ربع۔[2] یوسیفوس یہودی جو پہلی صدی عیسوی میں تھا اوسکا بیان ہے کہ شہر رقیم اسی مدیانی بادشاہ رقیم کے نام سے آباد ہے۔ عرب ابتک اسکو رقیم اور یونانی پٹرا کہتے ہیں۔[3] اس بناپر بیسویں صدی کے ایک مشہور مصری عیسائی مورخ کی یہ تحقیق کہ الرقیم اس شہر کے یونانی غیر مشہور نام ارکہ کی تعریب ہے کسقدر مضحکہ انگیز ہے۔[4] یوسیفوس خود اوس عہد کا شخص ہے جب یہ رقیم یا پٹرا آباد تھا اسلئے اس سے زیادہ موثق ذریعہ تحقیق اور کیا ہو سکتا ہے؟

ان واقعات کے ذکر سے ہمکو یہ دکھلانا ہے کہ اسوقت مدین کا تمدن کس حد تک ترقی کر چکا تھا۔ اور نیز یہ بھی کہ اوس عہد قدیم میں مدین کی شمالی حد کہاں تک وسیع تھی۔ پٹرا یا رقیم ملک شام کے قریب بحر میت اور خلیج عقبہ کے درمیان واقع ہے۔ اسلئے مدین کے حدود شمالی کو یہاں تک وسیع سمجھنا چاہیئے۔

اس زمانہ کے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد شہر مدین کے چار اور بادشاہوں کا توراۃ میں ذکر آیا ہے۔ زابح۔ صلمناع عوریب اور زیب۔ ایک وقت میں چند بادشاہوں کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ ملک متفرق قبائل یا ریاستوں پر منقسم تھا۔

اہل مدین کی اخلاقی و مذہبی حالت اور بربادی

مدین کے قریب موآب آباد تھا۔ مذہب کے اعتبار سے اہل مدین اور اہل موآب دونوں قوموں کی بدترین حالت تھی۔ تمدن کے جراثیم جن امراض کو پیدا کرتے ہیں وہ ایک ایک کر کے پیدا ہو چکے تھے۔ بتوں کی پرستش اور اونکے لئے قربانی چڑھانا۔ انکا مذہب تھا۔ تمام بتوں کا سردار بعل فغور نامی دیوتا تھا۔[5] اخلاقی حالت اسدرجہ پست تھی کہ شرفا خاندان کی لڑکیاں انسانیت کا بدترین نمونہ تھیں۔[6] مردوں کا یہ حال تھا کہ ظلم و ستمگری انکی زندگی کا معمولی پیشہ تھا۔[7]

---

[1] خروج ۱۸ [2] عدد ۳۱ - ۸ [3] یوسیفوس قدامۃ الیہود کتاب ۴ فصل ۷ [4] العرب قبل الاسلام جرجی زیدان۔
[5] سفر العدد ۲۵ و ۲ و ۳ [6] سفر القضاۃ - ۶ - ۱ [7] سفر العدد ۲۵ - ۱ - ۷ -

بنی اسرائیل مصر سے آکر موآب میں خیمہ زن تھے۔ ان بدکاروں نے بنی اسرائیل کیلئے سازشوں کا دام پھیلانا شروع کیا عورتوں نے جوانان بنی اسرائیل کو جو اصل میں ایس فوج کے سپاہی تھے اپنے قابو میں کرلیا۔ سردار سے باغی بنا دیا۔ بتوں کے سامنے انکا سر جھکوایا۔ بعل فغور کے لئے ان سے قربانیاں کروائیں [۵۱]۔ مردوں نے آس پاس کی قوموں سے سازباز کی کہ بنی اسرائیل کو نیست و نابود کردیں۔ بنی عمان کے ملک سے وہاں کے پیغمبر بلعام (بلعم باعور) کو بلوایا کہ وہ اسرائیل کے لئے بددعا کرے اسوقت

"خدا نے موسیٰ سے کلام کیا اور فرمایا کہ بنی اسرائیل کے لئے اہل مدین سے انتقام لے اور اسوقت تو اپنی قوم میں مجتمع ہوگا۔" (سفر العدد ۳۱-۱)

ان حالات کی بنا پر بنی اسرائیل کو پھر اپنے قابو میں لانے کیلئے اور مدین کی گنہگار آبادی کی سزادہی کیلئے ضروری ہوا کہ حسب حکم الٰہی مدین اور معاونین مدین سے جہاد کیا جاوے۔ موآب۔ حشبون اور مدین کی متفقہ قوت کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ نے دو ہزار آدمی بھیجے۔ دشمن اپنی کثرت اور سامان کے باوجود کامیاب نہ ہوئے مدین کے پانچ سردار عوی۔ رقیم۔ صور۔ حور اور رابع مارے گئے۔ تمام مرد بچے اور عورتیں قتل ہوئیں۔ لڑکیاں قید ہوئیں۔ اور ان کا سامان غنیمت میں ہاتھ آیا [۵۲]۔

قوم مدین کی اس تباہی کے بعد شہر مدین ہم اسماعیلی عربوں کے ہاتھ میں پاتے ہیں۔ اور اب اسکے بعد جن اہل مدین کا توراۃ میں ذکر ہے وہ یہی اسماعیلی ہیں۔ قوم مدین کی تباہی کے تقریباً ۱۵۰ برس بعد عمالیق اور دیگر عرب قبائل اسماعیلی مدین کی سرکردگی میں بنی اسرائیل پر حملہ آور ہوئے۔ ہر سال جب غلہ پکنے کے قریب ہوتا آندھی کیطرح بنی اسرائیل کے ملک میں آتے اور غلہ گائے بیل اور گدھے جو کچھ پاتے سب لوٹ لیتے فرزندان اسماعیل آبادی چھوڑ کر پہاڑوں اور غاروں میں روپوش ہو جاتے [۵۴]۔

آخر جدعون نامی ایک سردار ان میں پیدا ہوا جس نے بنی اسرائیل کی قوت کو مجتمع کیا اور صرف تین سو منتخب آدمیوں کو لیکر اوس نے اہل مدین پر شبخون مارا۔ رات کی تاریکی میں دوست دشمن کی تمیز نہ ہوئی۔ ایک لاکھ بیس ہزار اہل مدین خود اپنوں اور دشمنوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ عوریب اور ذئیب۔ مدین کے دو بادشاہ قید ہوئے۔ جنکو نہایت ذلت سے قتل کیا گیا [۵۵]۔ اور دو بادشاہ زباح اور صلمناع پندرہ ہزار آدمیوں کے ساتھ بھاگ کر نکلے اور انکو پناہ نہ مل سکی [۵۶]۔

حوباب یا شعیب۔ اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ کے خسر کا نام توراۃ میں یثرو اور حوباب مذکور ہے۔ توراۃ

---

[۵۱] سفر العدد ۲۵-۲ و ۳ [۵۲] سفر العدد ۲۲-۳-۴-۵ [۵۳] سفر العدد باب ۳۱ [۵۴] سفر القضاۃ باب ۶-
[۵۵] سفر القضاۃ ۸-۱۱ [۵۶] سفر القضاۃ ۷-۲۵

کے شروح عبرانی میں لکھا ہے کہ یثرو کے دس نام تھے "دس نام ہوں یا نہوں۔ دو نام تو خود توراۃ میں ہیں۔ ایک جرمن فاضل (HEINRICH EWALD) کہتا ہے۔

> اصلی نام حوباب تھا اور یثرو ایک اعزازی لقب تھا جس کے لغوی معنی کامل کے ہیں جس طرح یہودیوں کے ہاں کاہن اور مسلمانوں کے ہاں امام کا لفظ۔ تاریخ بنی اسرائیل، ترجمہ انگریزی ج ۱ ص ۲۷۔ حاشیہ مصنفہ [illegible]۔

دوسری جگہ لکھتا ہے۔

> حوباب کا نام قرآن میں اور عموماً مسلمانوں میں شعیبؑ ہے۔ یہ نام حوباب کی تصحیف ہے ......

حضرت شعیب اور قرآن مجید۔ مدین اور حضرت شعیبؑ کا باہمی ذکر قرآن مجید کے تین سوروں میں آیا ہے۔ اعراف، ہود اور عنکبوت۔ اور وہ حسب ذیل ہے۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا وَاذْكُرُوا إِذْ كُنتُمْ قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ وَإِن كَانَ طَائِفَةٌ مِّنكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِن قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُم بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللَّهُ مِنْهَا وَمَا يَكُونُ لَنَا أَن نَّعُودَ فِيهَا إِلَّا

اور مدین کے پاس اون کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ شعیب نے کہا کہ اے بھائیو۔ خدا کو پوجو۔ اسکے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ خدا کی جانب سے گواہی آچکی۔ پیمانہ اور ترازو پوری کرو اور لوگوں کو اون کا حق کم نہ کرو۔ اور اصلاح کے بعد ملک میں فساد نہ ڈالو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ اور ہر راستہ پر دھمکانے کو نہ بیٹھا کرو اور جو لوگ ایمان لائے ہیں انکو رستہ سے روکو اور سیدھی راہ کو ٹیڑھی نہ کرو۔ یاد کرو جب تم تھوڑے تھے۔ تو خدا نے تمکو بڑھایا اور بغور دیکھو کہ مفسدین کا انجام کیا ہوا۔ تم میں کچھ لوگ تو جو پیغام دیکر میں بھیجا گیا ہوں اوس پر ایمان لا چکے ہیں اور بعض نہیں لائے۔ تو اوس وقت تک صبر کرو کہ خدا ہمارے درمیان فیصلہ کردے اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

سرداران قوم نے جو مغرور تھے۔ کہا کہ شعیب ہم تمکو اور جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں انکو اپنی آبادی سے باہر نکال دیں گے۔ یا ہمارے آبائی مذہب کو پھر قبول کرلیں گے۔ شعیب نے کہا کیا ہم نہ چاہیں تب بھی۔ اگر تمہارے مذہب

إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ
وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ
فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ آسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ۔

(اعراف)

کو جس سے ہم کو خدا نے نجات دی ہم پھر قبول کر لیں تو ہم خدا پر افترا باندھتے ہیں۔ خدا کی مشیت بغیر ہمکو پھر تمہاری مذہب میں جانا سزاوار نہیں۔ ہمارا پروردگار اپنے علم سے ہر شے کو محیط ہے ہم نے اوسی پر بھروسہ کیا ہے۔ ہمارا پروردگار۔ ہمارے اور ہماری قوم کے لوگوں کے درمیان سچائی کے ساتھ فیصلہ کردے اور تو بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے۔

کفر پیشہ سرداروں نے لوگوں سے خطاب کرکے کہا کہ اگر شعیبؑ کی تم نے پیروی کی تو تم گھاٹے میں رہوگے پس کپکپاہٹ نے آکر اونکو پکڑ لیا۔ پھر تو وہ اپنی جگہہ پر پڑے کے پڑے رہ گئے۔ شعیب کے جھٹلانے والے گویا کہ ان گھروں میں کبھی آباد ہی نہ ہوئے تھے۔ اور وہی گھاٹے میں رہے۔

شعیبؑ اونکو اوسی حال میں چھوڑ کر ہٹا اور بولا اے میرے بھائیو! میں تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہونچا چکا۔ اور اپنی خیرخواہی کا فرض بھی ادا کرچکا۔ اب کیونکر کفر پیشہ قوم کی تباہی کا غم کھاؤں۔

اس سے زیادہ تفصیل سورہ ہود میں ہے:—

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ۔

مدین کی سمت ہم نے اون کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ اونھے کہا بھائیو خدا کو پوجو۔ اوسکے سوا کوئی لائق پرستش نہیں۔ پیمانہ اور ترازو کم نکرو میں تم کو بھلائی کے ساتھ دیکھتا ہوں۔ اور ایک گھیر لینے والے دن کے عذاب کا تمپر ڈرتا ہوں۔ بھائیو! پیمانہ اور ترازو انصاف کے ساتھ پوری رکھو۔ لوگوں کا حق کم نہ کرو۔ اور ملک میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ اگر ایمان والے ہو تو خدا نے جو باقی چھوڑا ہے وہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور میں تمپر کوئی نگراں نہیں مقرر ہوا۔

اس مصلح اور خیرخواہ قوم کو مغرور اور ناشنوا قوم کے لوگ جواب دیتے ہیں۔

قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنتَ الْحَلِيمُ

لوگوں نے جواب دیا شعیبؑ کیا تمہاری یہ نماز تمکو کہتی ہے کہ ہمارے اسلاف جسکو پوجتے تھے اوسکو چھوڑ دیں۔ یا ہم اپنے مال میں جو

الرَّشِيدُ ۔

چاہیں وہ نہ کریں۔ تم ہی بڑے عقلمند اور نیک ہو۔

نبی اللہ برحق گمراہ قوم کو پھر مکرر سمجھاتا ہے ۔

قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ ۚ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ وَيَا قَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِي أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ ۚ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِنْكُمْ بِبَعِيدٍ وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ

شعیبؑ نے کہا کہ بھائیو۔ اگر میں اپنے پروردگار کی بتائی ہوئی دلیل پر قائم رہوں اور جو کچھ اوس نے حلال روزی دے رکھی ہے۔ اوسپر قانع رہوں تو تمہاری کیا راے ہے میں نہیں چاہتا کہ تمہاری مخالفت کرکے وہ کروں جس سے تمہیں روکتا ہوں میں تو اپنی طاقت بھر تمہاری اصلاح چاہتا ہوں مجھکو توفیق خدا ہی کیطرف سے ہے اوسی پر بھروسہ ہے اور اوسی کی جانب رجوع ہوتا ہوں۔ بھائیو۔ صرف میری دشمنی اسکا باعث نہو کہ جیطرح نوح اور ہود کی قوموں پر عذاب پہونچا۔ تم پر بھی پہونچے۔ لوط کی قوم تم سے دور نہیں۔ اپنے پروردگار سے مغفرت چاہو۔ اوسکے سامنے توبہ کرو۔ خدا رحمت اور محبت والا ہے۔

سرکشان قوم اس دلسوزانہ موعظت کا یوں مغرورانہ جواب دیتے ہیں۔

قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا ۖ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ ۖ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ

وہ بولے شعیبؑ ہم تمہاری بہت سی باتیں نہیں سمجھتے اور ہم اپنے میں تمکو کمزور پاتے ہیں۔ اگر تمہارے خاندان کا لحاظ نہوتا تو ہم تمکو سنگسار کرچکے ہوتے اور کچھ تم ہمپر غالب بھی نہیں۔

زبان رسالت نہایت متانت سے اکتشاف معرفت کرتی ہے۔

قَالَ يَا قَوْمِ أَرَهْطِي أَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَاتَّخَذْتُمُوهُ وَرَاءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۖ إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ وَيَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ سَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۖ وَارْتَقِبُوا إِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ ۔

شعیبؑ نے جواب دیا۔ بھائیو کیا میرا خاندان۔ خدا سے زیادہ تمہارے نزدیک لحاظ کے قابل ہے۔ جو تم نے اوسکو پس پشت ڈالدیا۔ میرا پروردگار تمہارے ہر کام سے واقف ہے۔ بھائیو۔ تم اپنے مقام پر کام کئے جاؤ۔ میں بھی اپنا کام کرتا ہوں عنقریب معلوم ہوجائیگا کہ رسوا کن عذاب کسپر آتا ہے۔ اور کون جھوٹا ہے انتظار کرو میں بھی منتظر ہوں۔

آخر ان بدکاروں کا نتیجہ یہ ہوا :۔

وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ

جب ہمارا حکم آگیا ہم نے شعیبؑ کو اور اوسکے ساتھ ایمان لانے

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا أَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُودُ (ہود)

والوں کو اپنی رحمت سے نجات دی اور جو ظالم تھے اونکو چیخ نے آگھیرا اور وہ اپنے گھروں میں پڑے رہ گئے گویا کہ وہ کبھی ان میں رہتے نہیں۔ ثمود کیطرح مدین کیلئے بھی ہلاکت ہوئی۔ (ہود)

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ (عنکبوت)

مدین کے پاس بھائی شعیب کو بھیجا۔ اوس نے کہا کہ بھائیو، خدا کو پوجو اور روز آخرت کی توقع رکھو۔ اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔ اونہوں نے جھٹلایا تو کپکپاہٹ نے آ لیا۔ اور وہ اپنے اپنے گھروں میں پڑے کے پڑے رہ گئے۔ (عنکبوت)

ان آیتوں میں مدین کے جن حالات کی طرف تلمیح و اشارت ہے۔ چونکہ مدین کی تاریخ ہمارے مفسرین کے پیش نظر نہ تھی اسلئے انکی بہت سی تصریحات ناآشنودہ رہ گئیں۔ سب سے اول یہ کہ وہ اہل مدین و بنی اسرائیل کے باہمی واقعات سے بجز واقعہ قرابت حضرت موسیٰ و شعیب علیہما السلام کے ناواقف ہیں اس بنا پر ان آیات کی تفسیر میں ان واقعات کا کوئی تعلق ظاہر نہیں کرتے۔ حالانکہ ہماری رائے میں یہ آیتیں تمام تر انہیں واقعات سے متعلق ہیں۔ پہلی آیت یہ ہے۔ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا (مدین کی طرف اونکے بھائی شعیبؑ کو بھیجا) اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ یہاں مدین سے قوم مدین مراد ہے ثانیاً یہ کہ شعیب مدین کے خاندان سے تھے۔

مخاطبت شعیب و مدین کا پہلا فقرہ یہ ہے۔

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ (اعراف و ہود) اے قوم خدا کی پرستش کرو۔ اوسکے سوا تیرا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔ اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ وہ بعل فغور وغیرہ دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ اسکے بعد ہے۔

فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ (اعراف) وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ (ہود)

ناپ اور تول پوری پوری کرو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو (اعراف) پیمانہ اور ترازو کم نہ کرو۔ میں تمکو اچھی حالت میں دیکھتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ گھیر لینے والے دن کا عذاب تم پر نہ آئے۔ لوگو! پیمانہ اور ترازو انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک رکھو۔ لوگوں کو اونکی چیزیں کم نہ دو۔ (سورہ ہود)

آغاز فصل میں معلوم ہوچکا ہے کہ مدین ایک تاجر قوم تھی۔ اور غالباً دنیا کی تاریخ میں اس پیشہ کی سب سے پہلی قوم ظاہر ہوتی ہے اس بنا پر اوس میں یہ مذموم صفت ہوگی۔ جو حالات کے لحاظ سے بالکل مناسب ہے۔ بنی اسرائیل جب مصر سے نکل کر دشت پیما ہوئے تو اون کے ساتھ رسد کا سامان نہ تھا۔ قریب و جوار کی قوموں

سے بقیمت خریدتے تھے۔ یا بجبر چھین لیتے تھے[1]۔ شاید مدین کے اس وسعت تجارت کا بنی اسرائیل کے اس واقعہ سے ہی تعلق ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان آیات سے مراد صرف خرید و فروخت کی کمی و بیشی بلکہ سُود۔ بٹہ اور دیگر اصناف تجارت ممنوعہ مراد ہیں جن کے ذریعہ سے تاجر وصاحب معاملہ لوگوں کو اونکے حق جائز سے ہمیشہ کم بالیت دیتے ہیں اسی بنا پر حضرت شعیبؑ کی قوم کا جواب یہ ہے۔

اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا (ہود) کیا اس سے بھی کہ ہم اپنے مال میں جو چاہیں کریں تمہاری نماز روکتی ہے۔

اس رائے کی تاکید و تائید مفسرین کی بعض روایات سے بھی ہوتی ہے۔

وقیل نھاھم عن قطع الدنانیر والدراھم ونقصھا انہ محرم علیھم فقالوا او ان نفعل فی اموالنا ما نشاء　　معالم التنزیل بغوی

کہتے ہیں کہ شعیبؑ نے اونکو درہم و دینار میں بٹہ لینے سے منع کیا تھا اور کہا کہ یہ حرام ہے اونہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے مال میں اپنی مرضی کے موافق کام نہ کریں۔ (تفسیر معالم التنزیل بغوی۔ سُود)

محدث طبری (ابن جریر) تاریخ میں لکھتے ہیں:—

عن زید ابن اسلم فی قولہ عزوجل اصلوٰتک تامرک ان نترک ما یعبد اٰباؤنا او ان نفعل فی اموالنا ما نشاء قال کان مما ینھاھم عنہ حذف الدراھم او قال قطع الدراھم

زید ابن اسلم سے اس آیۃ اصلوٰتک الخ کے ذیل میں مروی ہے کہ شعیبؑ اونکو بٹہ سے منع کرتے تھے۔

عن محمد ابن کعب القرظی قال بلغنی ان قوم شعیب عذبوا فی قطع الدراھم ثم وجدت ذلک فی القراٰن اصلوٰتک تامرک ما یعبد اٰباؤنا او ان نفعل فی اموالنا ما نشاء

محمد ابن کعب القرظی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہوچکا تھا کہ قوم شعیبؑ کو بٹہ لینے کے باعث عذاب دیا گیا۔ پھر مجھے قرآن مجید میں یہ آیت ملی۔　(تاریخ طبری جلد اول ص ۳۶۷۔ یورپ)

اسکے بعد ارشاد باری ہے۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ　(اعراف)

اصلاح کے بعد ملک میں فتنہ نہ برپا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر ایمان دار ہو۔

وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ　(ہود)

ملک میں فتنہ و فساد نہ پھیلاؤ۔

عموماً مفسرین تا آنکہ امام رازی بھی "فتنہ و فساد" سے "کفر" اور "اصلاح" سے بعثت شعیبؑ مراد لیتے ہیں، حالانکہ اس سے مقصود بعد صلح و امان بنی اسرائیل کے ساتھ مخالفت و منازعت اور سازش و خونریزی ہے۔ اسلئے اسکے بعد یہ الفاظ ہیں۔

---

[1] سفرنامہ الاشعیاء ۲۔ ۳۷۔

وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (ھود)	ملک میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ خدا نے جو باقی رکھا ہے وہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر تم ایماندار ہو۔ (ہود)

بقیۃ ۔ کا مطلب ہمارے مفسرین یہ بیان فرماتے ہیں کہ حرام کے بعد جو حلال چیزیں باقی رہ گئی ہیں وہی تمہارے لئے کافی ہیں حرام کی کیوں طلب کرتے ہو۔ لیکن اس حالت میں اوّل آیت کو آخر آیت سے کیا تعلق رہیگا۔ ملک میں فساد نہ کرو کہ باقی حلال چیزیں کافی ہیں۔ ملک میں فساد اور حلال چیزوں پر قناعت۔ دونوں بے ربط باتیں ہوجاتی ہیں۔

ہمارے نزدیک مدین کی تاریخ کو پیش نظر رکھنے سے مطلب نہایت واضح ہوجاتا ہے۔ مدین چاہتے تھے کہ بنی اسرائیل نے مصر سے آکر جو ملک کا حصہ لے لیا ہے واپس لے لیں حضرت شعیب فرماتے ہیں کہ فتنہ و فساد سے فائدہ نہیں۔ خدا نے جو کچھ باقی رکھا ہے اسی پر قناعت کرو۔ اہل مدین اسکے جواب میں کہتے ہیں۔

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّکَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ (ھود)	کیا اے شعیبؑ تمہاری یہ نماز کہتی ہے کہ اسلاف کے طریقہ پرستش کو ہم چھوڑ دیں۔ یا ہم اپنے مال میں جو چاہیں وہ کرنا چھوڑ دیں تم ہی بڑے عقلمند (یا بُردبار) اور نیک ہو۔ (سورہ ہود)

اس جنگ کی غرض صرف دو تھیں ایک یہ کہ اپنے دیوتا بعل فور کی اہانت کا انتقام لینا تھا۔ اسرائیل کے خدا کا مقابلہ کرنا تھا اور دوسرے یہ کہ جس طریقہ ممنوعہ کے ذریعے سے ہی ہو۔ بنی اسرائیل سے ملک و دولت کی واپسی کرلیجائے۔ اہل مدین کہتے ہیں کہ کیا ہم ان دونوں چیزوں سے باز آجائیں۔ اور طعناً کہتے ہیں کہ تم بھی بڑے نیک اور عقلمند ہو یا یہ کہ بنی اسرائیل کے ہاتھ سے ملک و قوم کی مذہبی و مالی بربادی پر تمکو غصہ اور ملال نہیں آتا۔ تم حقیقت میں بڑے بردبار اور نیک آدمی ہو۔ حضرت شعیبؑ جواب میں فرماتے ہیں۔

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَرَزَقَنِیْ مِنْہُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَکُمْ اِلٰی مَآ اَنْھٰکُمْ عَنْہُ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ (ھود)	بھائیو۔ بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی دی ہوئی روشنی پر ہوں اور جو حلال روزی اس نے دے رکھی ہے اسی پر قانع رہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم سے مخالفت کرکے میں وہ کروں جس سے تمکو روکتا ہوں۔ میں تو تا حدِ امکان صرف اصلاح چاہتا ہوں اور اوسکی توفیق خدا کا وسیلہ ہے۔ (ہود)

اصلاح سے مقصود اصلاح روحانی ہی ہو۔ لیکن مدین و بنی اسرائیل کے مابین اصلاح کی کوشش کی طرف زیادہ مناسبت ہے۔

لیکن باینہمہ ارشاد و ہدایت مفسدین اپنے فساد و تباہ کاری سے باز نہ آئے حضرت موسیٰ کے حکم کے مطابق

قوم مدین کے تمام مرد بچے اور منکوحہ عورتیں قتل کی گئیں اور ۳۲ ہزار کنواری لڑکیاں لونڈی بنائی گئیں (سفر اعداد ۳۱، ۱۵-۱۶-۱۷-۳۵-۴۰-۴۶) قوم مدین کی زندگی کی یہ آخری تاریخ تھی۔

صورت عذاب الٰہی اور مدین کی بربادی و تباہی کی تفصیل یہ ہے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (اعراف)	انکو ایک کپکپی نے آلیا پس وہ اپنے گھروں میں پڑے رہ گئے (اعراف)
وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (ھود)	جنہوں نے ظلم کیا اونکو چیخ نے آلیا پس وہ اپنے مکانوں میں پڑے رہ گئے (ہود)
فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (عنکبوت)	انکو ایک کپکپی نے آلیا پس وہ اپنے گھروں میں پڑے رہ گئے (عنکبوت)

کپکپی اور چیخ سے مطلق عذاب مراد ہے۔

اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ (ھود)	اہل مدین کی ہلاکت ہو ثمود کیلئے جسطرح ہلاک ہوئے ثمود (ہود)

ثمود کی امثال خصوصیت اسلئے ہے کہ پہلے اس مقام پر وہ آباد تھے۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ (اعراف)	شعیبؑ اہل مدین سے علیحدہ ہوئے اور کہا کہ لوگو میں اپنے خدا کے پیغام تمکو پہونچا چکا تھا۔ اور تمہاری خیرخواہی بھی کر چکا تھا پھر کس طرح میں کافر قوم پر غم کروں (اعراف)
وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا (ھود)	جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے شعیبؑ کو اور اونکو جو انکے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے نجات بخشی۔ (ہود)

حضرت شعیبؑ کے متبع کون تھے۔ صرف اونکے اعزہ اور ہم خاندان۔ اسلئے کافروں نے کہا۔

لَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ (ھود) اگر تمہارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تجھکو سنگسار کر دیتے۔ حضرت شعیبؑ نے کہا (فرمایا) اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ (ھود) کیا میرا خاندان خدا سے زیادہ تمہارے نزدیک قوی ہے۔ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شعیبؑ کا خاندان حضرت شعیبؑ کا متبع تھا۔ اسلئے حضرت شعیبؑ کے ساتھ جن لوگوں نے نجات پائی وہ یہی لوگ تھے۔

اس واقعہ میں قرآن اور توراۃ کی مطابقت۔ مذکورہ بالا سطروں میں ان دو باتوں کا دعویٰ کیا گیا ہے (حضرت) شعیبؑ اور اونکا خاندان اہل مدین سے جدا ہو گیا۔ اونہوں نے نجات پائی۔

حضرت موسیٰ نے مدین کی پہلی جنگ کے بعد جب کنعان کیطرف کوچ کا ارادہ کیا تو حضرت شعیبؑ

کے ساتھ) اوس موقع کی گفتگو ہے۔

موسیٰ نے حوباب بن رعویل مدیانی اپنے خسر سے کہا کہ ہم یہاں سے اوس مقام کو کوچ کرنے والے ہیں جو خداوند ہمکو دینے والا ہے۔ ہمارے ساتھ آؤ کہ ہم تمہارے ساتھ بھلائی کریں۔ کیونکہ خداوند نے اسرائیل سے نیکی کا وعدہ کیا ہے۔ حوباب نے جواب دیا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا بلکہ اپنے ملک و مولد کو واپس جاؤنگا۔ موسیٰ نے کہا کہ ہمکو نہ چھوڑ جاؤ۔ تم سے التجا کرتا ہوں۔ کیونکہ جیسا تم جانتے ہو کس ویرانہ میں ہم خیمہ زن ہیں۔ تم ہمارے لئے بجائے آنکھ کے ہو۔ (اعداد ۱۰-۳۰)

دوسری جگہہ ہے۔

موسیٰ کے خسر قینی کے بیٹے بنی یہوداہ کے ساتھ قریہ نخل سے چلے اور یہوداہ کے ساتھ جو تیمن کا تھا اوسکے حصہ کے ساتھ میدان میں سکونت کی۔ (قضاۃ ۱-۱۶)

مدین کی جنگ سے ایک باب پہلے مذکور ہے۔

جابر قینی اپنے دوسرے قینی بھائیوں کے ساتھ۔ جو موسیٰ کے خسر حوباب کے بیٹے تھے۔ پہلے ہی علیحدہ ہوگیا تھا۔ اوس نے اپنا خیمہ اوس وادی میں کھڑا کیا جس کا نام ضعنیم ہے۔ قادس کے پاس (قضاۃ ۴-۱۱)

تالمود بابل میں ہے۔[1]

یثرو (شعیب) نے اوسکی مخالفت کی اور جب اوسکی نصیحت رد کردی گئی تو اپنا عہدہ چھوڑ دیا اور چل دیا۔ اسلئے اوسکی اولاد سنہدرم کی رکن مقرر ہوئی۔

یوسیفوس یہودی جس نے پہلی صدی عیسوی میں تاریخ یہود لکھی ہے۔ لکھتا ہے۔[2]

اونھوں نے موسیٰ کے خسر یثرو مدیانی کے خاندان کو بھی زمین دی جس نے اپنا ملک چھوڑ دیا تھا اور ادھر میں ان لوگوں کے ساتھ رہا تھا۔ (قدامت الیہود کتاب ۵ باب ۲)

قوم مدین کی تباہی عام خبر کی قرآن نے خبر دی ہے توراۃ سے اسکا ثبوت متعدد طور پر ہم پہونچ سکتا ہے اولاً یہ کہ قوم مدین کی تباہی کے موقع کے توراۃ میں حسب ذیل الفاظ ہیں۔

بنی اسرائیل نے مدین سے جنگ کی اور اون پر غالب آئے اور تمام مردوں کو۔ بچوں کو اور عورتوں کو قتل کیا۔

(اعداد ۳۱-۷-۱۸)

ثانیاً یہ کہ اسکے بعد مدین کی تباہی عبرانی صحیفوں میں ہمیشہ ضرب المثل رہی ہے۔ زبور داؤد میں ہے۔

---

[1] یہود یوں کی اعلیٰ مذہبی عدالت جس کا ممبر کا ہن اعلیٰ ہوتا تھا۔ اور اوسکے علاوہ اور ستر ممبر ہوتے تھے۔

[2] برٹش کونڈ فینٹیل آف مدین صفحہ ۱۸۰

باشندگان (شہر) مدین۔ اسماعیلی، اہل مواب، ہاجری۔ حموت اور عمالیق۔۔۔۔ خدایا ان کو (قوم) مدین کی طرح کردے۔ (زبور ۸۳-۶)

اشعیاہ نبی علیہ السلام کہتے ہیں:—

خدائے افواج اس پر ایک کوڑا بھیجیگا۔ مدین کی مار کی طرح۔ عوریب کی چٹان پر۔ (۱۰-۲۶)

شہر مدین کی پچھلی تاریخ۔ لیکن باینہمہ شہر مدین کا وجود باقی تھا۔ جس کا نشان تاریخی زمانہ اسلام تک ملتا ہے حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ تقریباً سنہ ۱۰۰۰؁ ق م ہے زبور ۸۳-۶ میں باشندگان مدین کا ذکر کرتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ایک ادومی شہزادہ ہداد بھاگ کر مدین سے آیا تھا (سلاطین اول ۱۱-۱۸) اشعیاہ نبی جو تقریباً سنہ ۸۰۰؁ ق م میں تھے۔ مدین کی اونٹنیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جو یروشلم میں تجارت کا مال لائینگی (۶۰-۶) حبقوق نبی علیہ السلام ایک پرجلال پیغمبر کی آمد آمد کی خبر سناتے ہوئے کہتے ہیں کہ زمین مدین کی کھال میں رعشہ پڑجائیگا۔ (۳-۷)

یونانی اور رومی مصنفین نے مدین کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اس مقام کا نام وہ نباطیا (NABATIA) بتاتے ہیں سبب یہ ہے کہ اس عہد میں اس ملک میں نبط آباد تھے (FORESTERS GEOG P. 323) اور یہ امر بالکل ہماری تصویری (تجویز) کے مطابق ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایک اولاد کا نام نبط تھا۔ اور توراۃ کے حوالے سے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ قوم مدین کی تباہی کے بعد اسماعیلی عرب مدین کے مالک تھے بطلیموس نے البتہ عرب کے ایک مقام کا نام موڈیانہ (MODAYANA) لکھا ہے جسے بعض لوگ مدین سمجھتے ہیں (BURTONS GOLD MINES 179)

مسلمان جغرافیہ نویسوں نے عموماً مدین کا ذکر کیا ہے۔ ابوالفدا نے جغرافیہ میں لکھا ہے کہ یہاں قدیم آثار پائے جاتے ہیں۔ حاجی خلیفہ نے اپنے ترکی جغرافیہ جہاں نما میں بیان کیا ہے کہ یہاں جو آثار و عمارات ہیں انپر کتبات ہیں جن پر بادشاہوں کے نام مرقوم ہیں۔

مکتشفین یورپ میں سے متعدد اشخاص نے خاص مدین کے آثار کا مشاہدہ کیا ہے جن میں ایک شخص برٹن (BURTON) خاص طور پر قابل ذکر ہے جس نے ایکبار مکہ معظمہ و مدینہ منورہ تک سفر کیا اور دوسرے بار خدیو مصر اسماعیل پاشا کے حکم سے ۱۸۸۶؁ء میں سونے کی کان کی تلاش میں مدین تک گیا۔ یہاں بہت سے کتبات بھی ملے جنپر نبطی خط منقوش ہے۔ رومیوں کے عہد میں یہاں کے باشندوں نے عیسائی مذہب قبول کرلی تھی مسلمان شعراء کے اقوال سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے کثیر[۱] کہتا ہے۔

---

[۱] دیکھو معجم البلدان یاقوت۔

رہبان مدین والذین عہدتہم یبکون من حذر العذاب قعودا

رہبان مدین لو رأوک تنزلوا والعصم فی شعف الجبال لقادسا

ودان

یا

اصحاب الایکہ

قرآن مجید میں عرب کی ایک قوم کا اصحاب الایکہ کے نام سے ذکر ہے۔ ایکہ کے معنی جنگل کے ہیں۔ اس قوم کے پیغمبر بھی حضرت شعیبؑ ہی تھے جنکا ذکر مدین میں گذر چکا ہے۔ اس اتحاد سے بعض مفسرین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی چیز ہیں۔ اونکا قیاس ہے کہ ملک مدین کے پاس جنگل تھا۔ جہاں مدین کی قوم کبھی کبھی قیام کرتی تھی اسلئے اونکو اصحاب الایکہ یعنی جنگل والوں کے نام سے خطاب کیا گیا (معالم التنزیل بغوی سورۂ حجر، شعراء، ق، ص)

مسلمان جغرافیہ نویس ان اطراف میں کسی جنگل کے ذکر سے خاموش ہیں۔ اون کی رائے ہے کہ شہر تبوک جو مدین کے مقابل مدین سے ۶ مرحلہ پر واقع ہے اوسی کا نام ایکہ تھا اور خود اہل تبوک کو بھی اعتراف ہے کہ اسکا پہلا نام ایکہ ہے۔ (معجم البلدان، ایکہ)

قرآن کی رو سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مدین اور ایکہ دو چیزیں ہیں۔ کیونکہ ان دونوں قوموں کا حضرت شعیبؑ سے سوال و جواب، طرز خطاب اور پھر آخر بربادی اور طریقہ بربادی بالکل مختلف ہے۔ اس بنا پر کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔ سب سے بڑی اشتباہ کی صورت یہ ہے کہ عام معلومات کے لحاظ سے ان اطراف میں جنگل کا نشان نہیں۔ ورنہ اہل تفسیر و روایت و اہل جغرافیہ اسکا ذکر کرتے۔ اس دشوار گذار راہ کے طے کرنیکے یہ طریقے ہیں۔

اتنا تو ظاہر ہے کہ مدین اور ایکہ میں کوئی شدید تعلق تھا۔ اور انکا زمانہ بھی باہم ایک تھا جس کی بنا پر دونوں آبادیوں کے لئے ایک ہی پیغمبر کی بعثت ہوئی۔ نیز قرآن نے دونوں کے اخلاق کا نقشہ بھی ایکسا ہی کھینچا ہے۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مدین جو حضرت ابراہیم کی بی بی قطورہ کے بطن سے تھا۔ اوسکے کئی بھائی اور بھی تھے

اور ان بھائیوں کی اولا دیں تھیں۔ توراۃ میں انکا ذکر ان الفاظ میں ہے۔

ابراہیمؑ نے قطورہ نام ایک دوسری بیوی کی۔ جو زمران۔ یقشان۔ مدان۔ مدیان۔ یشبوق اور سوخ کو جنی۔ یقشان سے شبا اور ودان کو پیدا کیا اور بنو ددان۔ اشوریم۔ لطوشیم اور لادیم تھے۔ مدیان کے بیٹے۔ عافا۔ عفر۔ حنوخ۔ ابی داع اور دعا تھے۔ یہی لوگ بنی قطورہ ہیں۔ ابراہیمؑ نے جو کچھ تھا وہ اسحاق کو دیا۔ اور ان کنیززادوں کو بھی کچھ دیا اور انکو اپنے بیٹے اسحاق سے الگ کر دیا۔ اور ابراہیمؑ اسوقت پورب کیطرف پورب کے ملک میں تھا۔ (یعنی عرب) سفر خروج باب ۲۵)

توراۃ نے قطورا کی متعدد اولاد در اولادیں سے صرف دو کی تفصیل کی ہے۔ بنو مدین اور بنو ددان۔ بنو مدین کے متعلق بہ تحقیق معلوم ہے کہ بحر احمر پر خلیج عقبہ کے سامنے شہر مدین میں آباد تھے۔ اسلئے تسلیم کرنا چاہیئے کہ بنو ودان بھی انھیں سواحل پر مدین کے قریب آباد ہونگے۔ توراۃ سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ انہیں اطراف میں آباد تھے۔

تیما۔ دوان۔ بوض۔ جو سر کے بال منڈاتے ہیں۔ اور تمام عرب کے بادشاہ۔ (ارمیاہ ۲۵-۲۳)

تیما شمالی عرب میں حجاز سے شام کے راستہ پر واقع ہے۔ اسی کے قریب ددان کو ہونا چاہیئے یمن سے سواحل بحر احمر کے کنارہ کنارہ حجاز و مدین سے گذر کر خلیج عقبہ کے کنارہ تیمار وغیرہ کو قطع کرتی ہوئی۔ ایک نہایت قدیم و مشہور تجارتی سڑک واقع ہے۔ جو قدیم زمانہ میں ہندوستان میں اور مصر و شام کے کاروانوں کا تجارا راستہ تھا اس راستہ کا ذکر تمام قدیم جغرافیوں میں موجود ہے۔ وادی القریٰ ثمود کا مسکن۔ مدین قوم شعیبؑ کی آبادی سدوم قوم لوطؑ کا مقام اور نیز تبوک تیما اور رقیم (یونانی پٹرا) اسی سڑک پر یا بین حجاز و شام واقع ہیں۔ توراۃ کے اعتبار سے ودان بھی یہیں تھا۔ اور قرآن کہتا ہے کہ اصحاب الایکہ بھی اسی سڑک پر ہیں۔ قوم لوطؑ جو سدوم میں آباد تھی اوسکے ذکر کے بعد ارشاد ہے۔

اور جنگل والے یقیناً حد سے گذرنیوالے تھے۔ پھر ان سے انتقام لیا اور یہ (سدوم وایکہ والے) دونوں کھلے راستہ پر ہیں۔	وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ

یہ وہی راستہ ہے جسکا ذکر پہلے کیا۔ اور جسکو تاریخ قدیم میں نہایت اہمیت حاصل ہے۔ اس بیان سے قرآن مجید اور توراۃ مقدس دونوں کی رو سے ودان یا اصحاب الایکہ کا مسکن متعین ہو گیا۔

اصحاب الایکہ جنگل والے ضرور تھے۔ قرآن نے انکو اصحاب الایکہ جنگل والے کیوں کہا کیا انکا وطن جنگل میں تھا؟ ہاں جنگل میں تھا۔ اور آٹھ سو برس کے بعد بھی جنگل ہی تھا۔ اشعیاہ نبیؑ بنو خذ نصر (بخت نصر) کے خروج سے تمام اقوام کو متنبہ کرتے ہیں۔ اسی ضمن میں عرب

کی طرف خطاب ہے۔

عرب پر بار (مصیبت) ہے۔ جنگل میں ودان والوں کی راہ میں تم شام بسر کرو۔ اے تیمن کے باشندو! پیاسوں سے پانی لیکر ملو۔ اور شکست کھانے والوں کے لئے روٹی لیکر نکلو (۲۱۔۱۳)

مسیح سے سو برس اور اسلام سے سات سو برس پہلے بھی یہاں جنگل موجود تھا۔ ایک یونانی جغرافیہ نویس مدین اور خلیج عقبہ کے آس پاس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

اس جگہ سے متصل وہ جگہ ہے جس کو لوگ نتا کہتے ہیں یا نافتہ البحر کہ یہ جانور وہاں پائے جاتے ہیں۔ یہ نتا قریب ایک راس (راس محمد خلیج عقبہ) کے واقع ہے۔ جو بغایت پراز اشجار ہے۔ یہیں سے ایک سیدھی سڑک (شاید شمال کو) اوس شہر کو جاتی ہے جس کا نام پٹرا (رقیم) ہے۔ اور فلسطین کو جاتی (شام) ہے جہاں اہل قریہ (یامہ وحجرین) معین اور تمام عرب قریب میں رہتے ہیں اور بالائی ملک سے بخورات اور کہا گیا ہے کہ خوشبودار چیزوں کے بنڈل لاتے ہیں۔ برٹن گولڈ مائینس آف مدین ص ۱۷۹۔۱۸۰

اٹھاسی باب میں دوسری جگہ لکھتا ہے :۔

خلیج عیلانہ (عقبہ) کے پیچھے چاروں طرف نبطی عرب رہتے ہیں۔ (ارض مدین یہ ہے) بوتھیانوس (بنو تیمن) کا ملک ہے۔ جو وسیع اور مسطح ہے اور سیراب و عمیق ہے۔ وہاں نباتات و اشجار کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔ جو تا بقد آدم ہوتے ہیں اور جن کی وجہ سے جنگلی اونٹ۔ ہرنوں کے گلے۔ بارہ سنگھے رہتے ہیں اور نیز مویشی اور بھیڑ کے گلے لیکن ان مواہب قسمت کیساتھ شیر اور بھیڑیوں کا وجود بھی ہے۔ جن سے یہاں کے باشندوں کی خوش قسمتی مبدل بہ بدقسمتی ہے۔

جس تیمن کا اس جنگل کے پاس ذکر ہے بعینہٖ اسی کا جغرافیہ یونانی میں بھی ہے۔ اس سے بڑھکر ثبوت یہ ہے کہ اصحاب لایکہ (جنگل والوں) کے ملک کا ایک مشہور واضح شاہراہ (امام مبین) پر ہونا قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ بعینہٖ یہی بیان ایک جغرافیہ میں بھی ہے :۔

اس جگہ سے متصل وہ جگہ ہے جسکو لوگ نتا کہتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ ایک راس کے قریب ہے۔ جو نہایت پر از اشجار ہے یہیں سے ایک سیدھی سڑک رقیم اور فلسطین کو جاتی ہے۔

یہ جغرافیہ نزول قرآن سے سات سو برس پہلے لکھا گیا ہے۔ کیا اس سے بھی زیادہ قرآن کی صداقت کی کوئی دلیل مطلوب ہے۔ قرآن مجید میں اصحاب الایکہ کا ذکر چار سوروں میں ہے حجر۔ شعراء۔ ص۔ ق۔ سب مفصل ذکر شعراء میں ہے۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ	جنگل والوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی جبکہ اون سے شعیب نے کہا

أَلَا تَتَّقُونَ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ۔

قَالَ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ۔

کہ کیا تم نہیں ڈرتے ؟ میں تمہارا پیغمبر امین ہوں ۔ خدا سے ڈرو اور میری بات مانو اور میں تم سے اس کی اُجرت نہیں مانگتا ۔ میری اُجرت صرف خدا سے پروردگار عالم پر ہے ۔ ناپ اور تول پوری کرو ۔ اور ٹوٹا دینے والوں میں سے نہو ۔ اور ٹھیک ترازو سے تولو لوگوں کے حق کو کم نہ کیا کرو ۔ اور زمین (ملک) میں فساد پیدا کرو اور اُس سے ڈرو جس نے تم کو اور پہلی قوموں کو پیدا کیا۔

اونھوں (اصحاب الایکہ) نے کہا کہ تم پر جادو کر دیا گیا ہے تم تو ہماری ہی طرح آدمی ہو ۔ ہم تمکو جھوٹا سمجھتے ہیں ۔ اگر سچے ہو ۔ تو آسمان سے ہم پر بادل کا ایک ٹکڑا تو گرا دو۔

شعیبؑ نے کہا کہ میرا پروردگار تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے لوگوں نے اونکو جھٹلایا ۔ پس سایہ کے دن عذاب نے اونکو آلیا ۔ بیشک وہ ایک بڑے دن کا عذاب تھا ۔ اسمیں عبرت کی نشانی ہے ۔ اُن لوگوں میں سے اکثر مومن نہ تھے ۔

ددان بھی مدین کیطرح ایک تاجر قوم تھی ۔ حزقیال نبی یروشلم کو خطاب کرکے کہتے ہیں صحیفہ حزقیال (۲۱-۲۰-۲۷)

ددان تیرے تاجر ہیں ۔ بیٹھنے کے فرش لاتے ہیں ۔ اور عرب اور تمام رؤسائے قیدار تیرے تاجر ہیں ۔ بھیڑ ۔ بکری . . . .

مدین کے موقع پر خدا نے فرمایا وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا (ہم نے مدین کی طرف اونکے بھائی شعیبؑ کو بھیجا) اور یہاں فرمایا إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ (اون سے شعیبؑ نے کہا) اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت شعیبؑ مدین کے خاندان سے تھے ۔ دوسرے بھائی ددان کے خاندان سے نہ تھے ۔

ہمارے لائق محقق صاحب ارض القرآن نے ددان (اصحاب الایکہ) کے متعلق وہ تمام باتیں ثبوت تحقیق تک پہونچا دیں جو قرآن مجید میں ان کی نسبت مرقوم ہیں ۔ مگر آغاز واقعہ میں جو آیت مرعبارت سے اسی کی کوئی تشریح نہیں فرمائی ۔ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ (جنگل والوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی) ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شعیبؑ سے پہلے بھی چند انبیا و مرسلینؑ نے اس قوم پر تبلیغ رسالت کی تھی ۔ مگر وہ شنوا نہ ہوئے ۔ بخلاف مدین کے کہ اون کی نسبت تکذیب انبیا رکی تصریح نہیں فرمائی گئی ہے ۔ اسی بنا پر

مدین سے وداں زیادہ گنہگار قوم ثابت ہوتی ہے۔

بنو سارہ

یا

بنو ادوم

ادوم جس قطعہ ملک میں آباد ہوئے تھے یونانی ابتک اوسکو ایدومیا (ADOMIA) کہتے ہیں۔ بحر میتہ (بحر لوط) اور خلیج عقبہ (عیلانہ) کے بیچ میں واقع ہے۔ اسکے شمال میں بحر میتہ اور فلسطین جنوب میں شمالی خلیج عقبہ و مدین مغرب جزیرہ نما سینا۔ مشرق میں ارض مواب اور جوف عرب شمال ہے۔ ملک میں کوہ سعیر یا کوہ سراۃ طولاً شمال سے جنوب تک وسیع ہے۔ اسی لئے توراۃ میں ادوم کا مقام سعیر بتلایا گیا ہے۔

بنو ادوم یا بنو عیسو۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حضرت یعقوب اور ادوم یا عیسو دونوں سگے بھائی تھے حضرت اسحاق کے بیٹے ربقہ کے بطن سے۔ یہ دونوں توام پیدا ہوئے تھے۔ چونکہ عیسو یعقوب سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔ اسلئے یہی اولاد اکبر قرار دئے گئے۔ انکے حالات کسیقدر تفصیل سے ہم پہلے حاشیہ میں لکھ چکے ہیں اور مناسبت مقام کے اعتبار سے بار دیگر حسب ضرورت توراۃ کی عبارت سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

اور جب اوسکے (ربقہ) جننے کے دن پورے ہوئے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ اوس کے پیٹ میں توام ہیں اور پہلا لال رنگ گویا بالکل پشم کا لباس ہو نکلا اور اونھوں نے اوسکا نام عیسو رکھا اوس کے بعد اوسکا بھائی نکلا اور اوسکا ہاتھ عیسو کی ایڑی سے لگا ہوا تھا اور اوسکا نام یعقوب رکھا گیا۔ جب ربقہ سے یہ پیدا ہوئے تو اوسوقت اسحاق ساٹھ برس کا تھا۔ یہ لڑکے بڑھے۔ اور عیسو شکار میں ماہر اور جنگل کا رہنے والا تھا اور یعقوب نیک مرد خیموں کا رہنے والا تھا۔ اور اسحاق عیسو کو پیار کرتا تھا۔ کیونکہ وہ اوسکے شکار کا گوشت کھاتا تھا۔ اور ربقہ یعقوب کو چاہتی تھی۔

تکوین باب ۲۵ آیت ۲۴ - ۲۸

پھر باب ۲۶ آیت ۳۴ و ۳۵ میں لکھا ہے۔

عیسو نے چالیس برس کے سن میں۔ بیری حتی کی بیٹی یہودت اور ایلون حتی کی بیٹی بشامس سے بیاہ کیا اور وہ اسحاق اور ربقہ کے لئے جان کی تلخی کے باعث ہوئیں۔

مذکرہ بالا والدین کی ناراضی اوس پر یعقوب و ربقہ کی خلاف تدبیریں ادوم یا عیسو کے ترک وطن کی باعث ثابت ہوتی ہیں۔ چنانچہ توراۃ تکوین باب ٢٨ آیت ۵ تا ٩ میں مرقوم ہے۔

پس جب عیسو نے دیکھا کہ اسحاق نے یعقوب کو برکت دی اور اوسے فدان آرم میں بھیجا تاکہ وہاں سے اپنے لئے جورو کر لائے اور کہ اوسنے اوسے برکت دیتے ہی تاکید کر دی تھی کہ تم کنعانیوں کی بیٹیوں میں سے جورو مت کیجیو۔ اور کہ یعقوب اپنے ماں باپ کی فرمانبرداری کر کے فدان ارم کو چلا گیا اور عیسو نے یہ بھی دیکھا کہ کنعان کی لڑکیاں میرے باپ اسحاق کی نظر میں منظور نہیں۔ تب عیسو اسماعیل کے پاس گیا اور محلات کو جو اسمٰعیل ابن ابراہیم کی بیٹی اور نبیت (نبایوت) کی بہن تھی لی اور اوسے اپنی اور بیبیوں میں شامل کیا۔

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسو نے غیر قبیلہ میں اپنی شادی کر لینے کی غلطی کو۔ جو ان مفاسد کا اصلی باعث ہوئی تھی۔ اب قطعی طور سے سمجھ لیا اور حضرت اسماعیل ؑ کی صاحبزادی سے شادی کر کے اسکی تلافی کر لی۔ مگر جیسا کہ توریت باب ٢٧ آیت ٤١-٤٦ میں مرقوم ہے۔ عیسو نے اپنی ماں ربقہ اور بھائی یعقوب سے سو رضا ای (ناراضی) واقع ہو جانیکے سبب کنعان میں رہنا پسند نہیں کیا۔ اسلئے حضرت اسماعیل ؑ کے مقام سکونت کے قریب۔ جیسا کہ توراۃ اور تمام تاریخوں سے ظاہر ہے کہ وہ سعیر یا سراۃ میں اپنے بال بچوں سمیت قیام کیا۔

بیس برسوں کے بعد بھائی بھائی ملتے ہیں

عیسو یہاں رہ گئے۔ ربقہ نے عیسو کی مخالفت سے ڈر کر اور نیز اس خیال سے کہ شاید یعقوب بھی کسی کنعانی عورت سے بیاہ کر لے اور وہ عورت بھی غیر قبیلہ اور جنس دیگر ہونے کے باعث میرے لئے تکلیف دہ ثابت ہو یعقوب کو یہ صلاح دی کہ تو اپنے ماموں لابن کے پاس فدان ارم میں چلا جا اور وہیں اوس وقت تک مقیم رہ جبتک کہ عیسو کا غم و غصہ کم ہو جائے اور اسی درمیان میں تو اپنے ماموں لابن کی بیٹیوں میں سے کسی کے ساتھ بیاہ کر لے۔ ربقہ نے اسحاق ؑ سے یہ صلاح کہہ دی اور اوس سے بھی یعقوب کو اجازت دلوا دی۔ یعقوب اپنی ماں کی صلاح کے مطابق ماموں کے پاس چلے گئے۔ اور بیس برس تک انھیں کیساتھ رہے اور اونکی لڑکی سے شادی کر لی۔ بیس برس کے بعد خدا نے یعقوب کو پھر کنعان واپس آنیکا حکم فرمایا۔ یہ وہاں سے چلتے وقت سوچے کہ راستہ میں کوہ سعیر پڑتا ہے اور وہ بھائی کا مسکن ہے اور یہ ظاہر ہے کہ وہ مجھسے ناراض ہیں۔ ایسا نہو کہ سابق مخالفت کا مجھسے معاوضہ لیں اور میرے تمام قافلہ اور مال و متاع کو لوٹ لیں۔ یہ سوچکر یعقوب نے راستہ سے کچھ قاصد بطور سفارت بھائی کا مزاج لینے کیلئے انکی خدمت میں بھیجے۔

اب یہ پورا واقعہ توراۃ کی اصلی عبارت میں حسب مفصلہ ذیل ملاحظہ ہو۔

اور یعقوب نے کہا کہ اے میرے باپ ابراہیم کے خدا اور میرے باپ اسحاق کے خدا۔ اے خداوند تو نے مجھے فرمایا کہ تو اپنی سرزمین اور اپنی زاد بوم میں پھر جا۔ اور میں تیرا بھلا کروں گا۔ اور میں تو ان سب رحمتوں اور اس ساری وفاداری کے ساتھ جو تو نے اپنے بندے سے کی ہے کسی کے لائق نہیں کہ میں اپنی لاٹھی لیکے۔ اس یردن (جماعت) کے پار گیا۔ اور اب دو غول بنا ہوں۔ میں تیری منت کرتا ہوں کہ مجھے میرے بھائی عیسو کے ہاتھ سے بچا لے کہ میں اوس سے ڈرتا ہوں۔ ایسا نہو کہ وہ آکے مجھے اور میرے لڑکوں کو اون کی ماؤں سمیت ہلاک کرے۔ تو نے تو کہا کہ میں تجھ سے اچھا سلوک کرونگا اور تیری نسل کو دریا کی ریت کے مانند کروں گا۔ جو کثرت سے ہرگز گننے کے قابل نہیں ہے تکوین باب ۳۲ از آیت ۹-۱۲-

اور وہ اوس رات وہیں رہا۔ اور جو اوسکے ہاتھ لگا۔ اپنے بھائی عیسو کے ہدیہ کے واسطے لیا۔ دوسو بکریاں بیس بکرے۔ دوسو بھیڑیاں بیس مینڈھے۔ اور تیس اونٹنیاں دودھ والی بچوں سمیت۔ چالیس گائیں۔ دس بیل۔ بیس گدھیاں اور دس گدھے۔ اور اوس نے اونھیں اپنے نوکروں کے ہاتھ میں ہر غول کو جدا جدا سونپا۔ اور اپنے نوکروں کو کہا کہ میرے آگے (پہاڑ سے) پار اترو اور غول کو غول سے جدا رکھو۔ اور پہلے کو اوس نے یوں کہا کہ جب میرا بھائی عیسو تجھ سے ملے اور تجھ سے پوچھے کہ تو کسکا ہے اور کہاں جاتا ہے اور یہ جو تیرے آگے ہیں کس کے ہیں۔ کہیو تیرے نوکر یعقوب کے ہیں۔ اوس نے یہ اپنے خداوند یعقوب کے لئے ہدیہ بھیجا ہے۔ اور دیکھو وہ آپ بھی ہمارے پیچھے ہے۔ اور اوس نے دوسرے اور تیسرے کو اور اون سب کو جو غول کے پیچھے ہو جاتے تھے۔ یہ کہہ کے حکم کیا کہ جب تم عیسو کو پاؤ اسی طور سے کہیو۔ اور علاوہ اسکے یہ کہیو کہ دیکھ تیرا چاکر یعقوب ہمارے پیچھے آتا ہے کہ اوس نے کہا کہ میں اوس ہدیہ سے جو آگے جاتا ہے اوس سے صلح کروں گا۔ تب میں اوسکا مونھ دیکھوں گا۔ شاید کہ وہ مجھے قبول کرے چنانچہ وہ ہدیہ اوسکے آگے پار ہو گئے۔ پر وہ آپ اوس رات لشکر میں رہا۔ اور وہ اوسی رات کو اٹھا اور اپنی دو جوروں اور دو سہیلیوں اور گیارہ بیٹوں کو لیکے یبوق کے گھاٹ سے پار اترا۔ اور اونکو لیکے نہر پار کرایا۔ اور اپنا سب کچھ پار بھیجا۔ از آیت ۱۳ تا ۱۹

یعقوب نے اپنی آنکھیں اوٹھا کر نظر کی اور کیا دیکھتا ہے کہ عیسو اور اوسکے ساتھ چار سو آدمی آتے ہیں۔ تب اوس نے لیاہ اور راحل کو اور دو سہیلیوں کو اور اون کے لڑکوں کو سب سے آگے رکھا اور لیاہ اور اوسکے لڑکوں کو پیچھے۔ اور راحل اور اوسکے بیٹے یوسف کو سب سے پیچھے۔ اور وہ آپ

اون کے آگے چلا اور اپنے بھائی پاس پہونچتے پہونچتے سات بار زمین پر جھکا اور عیسو اوس کے
ملنے کو دوڑا اور اوسے گلے لگایا۔ اور اوس کی گردن سے لپٹا اور اوسکو چوما۔ اور وہ دونوں روئے
پھر اوس نے (عیسو نے) آنکھیں اوٹھائیں اور عورتوں اور لڑکوں کو دیکھا اور کہا کہ یہ تیرے
ساتھ کون ہیں وہ (یعقوب) بولا لڑکے جو خدا نے اپنی عنایت سے تیرے نوکر کو دئے ہیں۔ تب
سہیلیاں اور اون کے لڑکے نزدیک آئے۔ اور اپنے کو جھکایا۔ پھر لیاہ اپنے لڑکوں سمیت سامنے
آئی اور جھکی۔ آخر کو یوسف ع اور راخل سامنے آئے اور اونہوں نے آپ کو جھکایا اور اوس نے کہا کہ
اس بڑے غول سے جو مجھے ملا تیرا کیا ارادہ ہے۔ وہ بولا کہ اپنے خداوند کی نظر سے مورد لطف ہوتا۔
تب عیسو بولا مجھ پاس بہت ہے۔ بھائی میرے۔ جو تیرا ہے اپنے ہی لئے رکھئے۔ یعقوب نے کہا سو
نہیں۔ اگر میں تیری نظر میں منظور ہوں۔ تو میرا ہدیہ میرے ہاتھ سے قبول فرمائیے۔ کیونکہ میں نے تو
تیرا موںہہ دیکھا جیسا کہ خدا کا موںہہ دیکھتے ہیں اور تو مجھ سے راضی ہوا۔ میری برکت کو جو تیرے حضور
لائی گئی قبول کیجئے کہ خدا نے مجھپر شفقت کی ہے اور میرے پاس سب کچھ ہے۔ غرض اوس نے اوسے
یہاں تک تنگ کیا کہ اوس نے لے لیا۔ اور اوس نے کہا کہ آؤ کوچ کریں اور چلیں اور میں تیرے آگے
چلوں گا۔ اوس (یعقوب ع) نے کہا کہ میرا خداوند جانتا ہے کہ لڑکے نازک ہیں اور بھیڑ بکریاں اور گائیں
دودھ پلانے والیاں میرے پاس ہیں اور اگر دن بھر وہ ہانکے جائیں تو سارے گلے مرجائینگے سو
میرے خداوند اپنے نوکر سے پیشتر روانہ ہوجائیے۔ اور میں آہستہ آہستہ جیسا کہ مواشی آگے چلینگی
اور لڑکے سکیں گے چلوں گا۔ یہاں تک کہ سعیر میں اپنے خداوند پاس آ پہونچوں۔ تب عیسو
نے کہا کہ مرضی ہو تو میں کئی ایک ان لوگوں میں سے جو اب میرے ساتھ ہیں۔ تیرے ساتھ چھوڑ دوں
وہ بولا کہ کیا ضرور ہے ؟ کاش کہ میں اپنے خداوند کی نظر میں صرف تنہا منظور ہوتا۔ تب عیسو اوسی
دن اپنی راہ لیکر سعیر کو پھر گیا۔ سفر تکوین باب ۳۳۔ از آیت ۱-۱۶

اس عبارت توراۃ سے حضرت یعقوب ع کے اس خوف و دہشت کا پورا حال معلوم ہوگیا جو عیسو اپنے
بڑے بھائی کی طرف سے۔ اونکے دلمیں گذشتہ سوء مزاجی کی بنا پر جاگزیں تھی۔ مگر خلاف امید یعقوب کی یہ
سوء خیالی اونکا حسن ظن ہی ثابت ہوا۔ اور عیسو اونکے ساتھ ویسا ہی پیش آیا۔ جو ایک سگے بھائی کے خلوص
محبت کا مقتضی تھا۔ اور اس میں بھی کلام نہیں کہ یعقوب نے بھی اس خاص موقع پر عیسو کے ساتھ اوسی آداب
تکریم کے محاسن کے اظہار کئے جو ایک چھوٹے بھائی کو بڑے بھائی کے ساتھ لازم اور مناسب ہوسکتے ہیں۔ اور
حقیقت تو یوں ہے کہ باوجودیکہ آپسمیں ایک کو دوسرے کے ساتھ شکایت ضرور تھی۔ مگر جب اصلیت اور قلبی

تعلقات کے عالم فیما بین پیش نظر آگئے۔ تو پھر کچھ بھی نہیں تھا۔ آناً فاناً ایک دوسری حالت ہی بدل گئی۔ عیسو جس کے خوف سے یعقوب تھر تھر کانپتے تھے یعقوب کے گلے سے لپٹا ہوا زار زار رو رہا ہے۔ اور یعقوب اسکے قدم پر اپنا فرق ادب جھکائے ہوئے شدت گریہ سے ہچکیاں لے رہا ہے۔ اس تیر تگ حال کا کیا باعث بتلایا جائے سوا اسکے اوس مقلب القلوب والاحوال کی قدرت کا کمال۔ اِنَّ اللّٰہَ قَادِرٌ عَلٰی کُلِّ حَالٍ

عیسو اور یعقوب کے باہمی حالات و واقعات اس تفصیل سے لکھکر میرا خاص مدعا یہ تھا کہ اون کوتہ بین اور ناقد البصر علماء یہود و نصاریٰ کی اس مغویانہ عالم فریبی کی پوری قلعی کھلجائے۔ جو بنی اسماعیل و بنی اسحاق کے مابین افتراق نسبی کے باعث سے دائمی مفارقت اور قطعی بے تعلقی بتلاتے ہیں۔ یہودی اور عیسائی متعصبین اپنے عہدنامہ قدیم میں ان واقعات الہامی کو پڑھکر عبرت اور غیرت کا سبق لیں۔ اور آئندہ سے ان مغویانہ اور عالم فریب کوششوں پر جرأت نکریں۔

ادوم کی حکومت ۔ چند صدیوں کے بعد یہ خاندان بطور خاص ایک کثیر التعداد قوم بنگیا جس نے ۱۱۰۰ ق م سے پہلے ایک عظیم الشان حکومت قایم کی۔ اسی عہد میں بنی اسرائیل جب مصر سے آئے تو ادوم کی حکومت سعیر میں قایم تھی (سفر عدد ۲۰-۱۴) ساؤل (طالوت) جو بنی اسرائیل کے پہلے بادشاہ تھے اور جنکا زمانہ ۱۰۵۰ ق م ہے۔ ان سے پہلے ادوم میں متعدد بادشاہ یا شیخ گذر چکے تھے۔ (تکوین ۳۶-۳۱)

توریت میں ادوم کی حسب ذیل مختلف آبادیوں کے نام مذکور ہیں۔ دنہابہ۔ بصرہی۔ تیمان۔ عویت۔ مشریقا رحبوت اور فاعو (تکوین ۳۶-۳۱) ادوم کے دار الحکومت کا نام لعبہ کو عبری میں سلاغ ہے۔ اسکو یونانی پٹرا کہتے ہیں (ان دونوں کے معنی پتھر کے ہیں) لیکن عرب اسکو رقیم کہتے رہیں۔ اصل میں یہ مدیانی شہر تھا۔ مدین کے بعد ادوم نے اسپر قبضہ کرلیا۔ سلاطین ادوم کے نام یہ ہیں۔ جو شاید پچھلے زمانہ کے ہیں اور غیر مرتب ہیں۔ لیکن توراۃ نے انکو بترتیب و تسلسل ایک کے مرنیکے بعد دوسرے کو بادشاہ ظاہر کیا ہے۔ تکوین ۳۶-۳۱۔

تعداد	نام	مقام
۱	بالع ابن باعور	دنہابہ
۲	یوباب بن زارح	بصرہی
۳	حوشام	تیمان
۴	ہدادبن بداد	عویت
۵	سملا	مشریقا
۶	شاؤل	رحبوت
۷	بعل حنان بن عکبور	.
۸	ہدار	فاعو

ادوم کی تاریخ ادوم کی سب سے پہلی تاریخ یہ ہے کہ ہداد شاہ ادوم نے، باشندگان مدین سے جنگ کی اور انکو شکست دی۔ تیرہویں صدی ق م میں منیفیطا اور رعمسیس سوم، فراعنہ مصر نے ادوم پر حملہ کیا مصری کتبہ میں اس ملک کا نام ادومہ بتایا گیا ہے اور ادوم کو شاسو کا ہم قبیلہ کہا گیا ہے۔ (برٹینیکا ج ۸ ص ۹۲۹ و ج ۱۴ ص ۲۹۱)

ساؤل شاہ اول اسرائیل نے جنکو قرآن مجید نے برعایت جالوت، طالوت کہا ہے سب سے پہلے ادوم پر حملہ کیا۔ (سموال ۱۴-۴۷) حضرت داؤد شاہ ثانی اسرائیل نے ادوم کو فتح کر کے مملکت اسرائیل میں شامل کر لیا (۲ سموال ۸-۱۴) ہداد ادوم کا شاہزادہ بھاگ کر مدین آیا، اور یہاں سے مصر چلا گیا (سلاطین ۱۱-۱۶) حضرت داؤد کے مرنیکے بعد وہ اپنے ملک کو واپس آیا (سلاطین ۱۱-۲۲) اسکے بعد مختلف سلاطین بنی اسرائیل کے عہد میں بنو ادوم نے پرزور بغاوتیں کیں۔ (سلاطین ۸-۲۰-۲۲) اموصیاہ شاہ یہودیہ نے بحر میت کے ساحلی میدان میں ادوم پر ایک زبردست حملہ کیا۔ دس ہزار آدمی مارے گئے۔ ادومیوں کے پایہ تخت سلاع (پٹیرا) پر شاہ یہودیہ نے قبضہ کر لیا۔ اور اوسکا نام بدلکر یقتائیل رکھا۔ (۲ سلاطین ۱۴-۷)

اس کے بعد اسیریا کا دور شروع ہوتا ہے۔ تغلات پلاسر ثالث شاہ اسیریا کے عہد ۷۳۴ ق م میں اسیریا کے کتبات میں ادومی حکومت کا بحیثیت خراج گذار ریاست کے ذکر ہے۔ اسوقت اسکے بادشاہ کا نام کوز ملک تھا۔ ساتویں صدی میں جو بادشاہ تھا اوسکا نام کوز گبری تھا ساتویں صدی ق م کے وسط میں مواب اور ادوم دونوں قبائل بادیہ کے نشانہ تھے۔ آخری تاریخ یہ ہے کہ بنوخذ نصر (بخت نصر) شاہ اسیریا کے مقابلہ میں بغاوت کی (یرمیاہ ۲۷-۳۰) اور ناکام رہے بخت نصر نے دیگر اقوام کے ساتھ اون کو بھی پامال کر ڈالا۔

چھٹی صدی ق م میں اسیریا (شام) میڈیا (فارس) کے ہاتھ سے تباہ ہوا۔ اسی عہد میں موقع پاکر بدوی اسمٰعیلی عربوں نے اسپر قبضہ کر لیا جنکا نام تاریخ میں نبط ہے۔ اور ادومی مجبور ہوکر بحر میت کے پار چلے گئے۔ یہی سبب ہے کہ یوسیفوس اور بطلیموس اور نیز تالمود میں ادومیا اوسی قطعہ کا نام بتایا گیا ہے۔

یوباب یا ایوب علیہ السلام ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ ادوم کی ایک نسل کا نام عوص تھا، حضرت ایوب علیہ السلام جنکا قرآن مجید اور اسفار یہود دونوں میں ذکر ہے اور جنکے نام سے سفر ایوب مجموعہ توراۃ کا ایک جزو ہے۔ اسی عوص ادوم کی نسل سے تھے (سفر ایوب) سفر ایوب عبری میں انکا نام اِیّوب ہے لیکن عرب انکو ایوب کہتے ہیں ادوم کے شیوخ یا سلاطین کی جو فہرست اس سے پہلے نقل کیگئی ہے۔ اوسکا تیسرا نام یوباب بن زارح ہے۔ قدیم و جدید مسلم و غیر مسلم دونوں کی تحقیقات کا

نتیجہ یہ ہے کہ یوباب۔ اَوّب اور ایوب ایک ہی نام ہیں اور یہ اختلاف محض تغیر لہجہ کا نتیجہ ہے۔
ایک قدیم مذہبی کتاب جس کی اصل زبان عبری عربی ہے۔ جو ادوم کی زبان ہونی چاہیے (کیونکہ ادوم عبری تھے اور وسط ملک میں آباد تھے) اس کتاب کا ایک جرمن فاضل میخائیل (MIEHAILI) نے لاطینی میں ترجمہ کیا ہے اسکا عنوان یہ ہے (ColloquiA) ۱۹ اشی بر تاریخ گبن شائع کردہ ایوری مینس لائبریری ج ۵ ص ۲۲۰) لیکن اس کتاب کا ایک قدیم عربی ترجمہ بھی ہے جس میں حسب ذیل عبارت ہے۔ قواعد عربی کے رو سے جا بجا غلط ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی غیر عرب نے اسکا ترجمہ کیا ہے۔

وکان ایوب ساکنا فی ارض عوص فی تخم ادوم و عربیا و من قبل اسمہ یوباب۔
وایوب کان ابن زارا ابن بنی عیسو وھو کان السادس من ابراھیم والملوک الذی ملکوا فی ادوم الذی سکان سالک علی تلک الارض من قبل بالق بن باعور واسم مدینتہ دنابا ومن بعدہ یوباب ھذا الذی یسمی ایوب۔

ایوب عوص کی سرزمین میں۔ ادوم کی سرحد پر رہتے تھے تو نا عرب تھے۔ اور پہلے یوباب نام تھا۔ ایوب زارا کے بیٹے اور خاندان عیسو سے تھے اور حضرت ابراہیم سے چھٹی پشت میں تھے۔ اور جو سلاطین پہلے ادوم پر حکمراں ہوئے تھے وہ بالق بن باعور تھے۔ اور اون کے پایہ تخت کا نام دنابہ تھا۔ انکے بعد یوباب بادشاہ ہوئے۔ جو ایوب ہیں۔

ریونڈ فارسٹر نے اس بحث پر کئی صفحے سیاہ کئے ہیں کہ ایوب عرب تھے۔ اور نسل ادوم سے تھے۔ یہاں تک تو صحیح ہے۔ آگے وہ ثابت کرتے ہیں کہ ایوب کا شہر دنابا تھا۔ اور یہ غلطی اسلئے ہوئی کہ عربی عبارت مذکورہ میں واسم مدینتہ دنابا۔ میں مدینتہ کی ضمیر یوباب کیطرف راجع کی ہے۔ حالانکہ اولاً تو یہ صریح غلط ہے جسکو ہر عربی داں سمجھ سکتا ہے ثانیاً یہ خود توراۃ کے مخالف ہے۔ (تکوین ۳۶۔ ۲۲)
ایک دوسرے یوروپین فاضل (CAIMET) نے ثابت کیا ہے کہ یوباب اور ایوب ایک ہی شخص ہیں۔
مسٹر گبن (GIBBON) عرب و اسلام کی فصل میں۔ جو اونکی تاریخ کا چالیسواں باب ہے۔ قرآن مجید پر ایک غیر واقفانہ نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اوس عرب مبشر (قرآن یا محمد صلعم) کے خیالات خدا کے متعلق گو اعلیٰ و لطیف ہیں۔ تاہم اسکا بلند سے بلند خیال سفر ایوب کے پرجلال سادگی کے مقابلہ میں کم ہے جو عہد قدیم میں اسی ملک اور اسی زبان میں لکھی گئی ہے۔

ہمارے ہاں تفسیروں میں جو روایات اسرائیلیہ ہیں وہ بھی اسی کی تصدیق کرتی ہیں کہ یوباب اور ایوب ایک شخص ہیں۔

كان ايوب رجل من الرّوم (ادوم) وهو ايوب بن اموص (خطاء) بن نارح بن دوم (ادوم) بن عيص (عيسو) بن اسحاق بن ابراهيمؑ وكانت له البثنية من ارض الشام كلها سهلها وجبلها وكان له فيها من اصناف المال كله من البقر والابل والغنم والخيل والحمر

ایوب روم کا آدمی تھا۔ ایوب بن اموص (خطاء) بن نارح بن عیص (عیسو) بن روم (ادوم) بن اسحاق ابن ابراہیمؑ اسکے قبضہ میں شام کے تمام میدان اور کوہستان تھے۔ اور ان میں ہر قسم کی دولت تھی۔ یعنی گائے۔ بیل۔ اونٹ۔ بھیڑ بکری۔ گھوڑے اور گدھے وغیرہ۔

ان تمام روایات میں ایک عجیب تصحیف لفظی ہے۔ ادوم کی جگہ روم بیان کیا گیا ہے۔ ادوم چونکہ غیر معروف اور روم مشہور لفظ تھا اور تشابہ خط و لفظ بھی ہے اس سبب سے راوی یا ناسخ (نویسندہ) نے ادوم کی جگہ روم لکھدیا۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ سلسلہ نسب میں ایوب اور زارح کے درمیان اموص کے نام کی زیادت ہے۔ مورخ ابن واضح یعقوبی۔ المتوفی سنہ ۲۸۰ھ کا بیان زیادہ صحیح ہے۔ ملوک شام کے ذکر میں لکھا ہے۔ یوباب هو ايوب بن زارح الصديق۔ یوباب ہی ایوب بن زارح الصدیق ہیں۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ حضرت ایوبؑ ایک ادومی عرب تھے۔ خود سفر ایوب سے ثابت ہے۔ عوض کی زمین میں ایک مرد صالح۔ راستگو خدا سے ڈرنیوالا اور بدی سے دور تھا۔ (۱-۱)

عوض توراۃ میں دو آدمیوں کا نام ہے۔ ایک تو نہایت قدیم عوض بن ارم بن سام بن نوحؑ (تکوین ۱۰-۲۲) دوسرا عوض بن دیسان بن عیسو بن اسحاق بن ابراہیمؑ (تکوین ۳۶-۲۹) باتفاق اہل کتاب اس سے عوض ثانی مراد ہے۔ عوض کی بنی ادومی عرب ہونے پر ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ سفر ایوب میں جو مسکن رفقاے ایوبؑ کے بتائے ہیں وہ تیمن۔ نعمتان اور شوحان ہیں (۲-۱۱) اول کے متعلق تو اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ مملکت ادوم کا ایک مشہور شہر تھا۔ (تکوین ۳۶-۳۵) اس سے پہلے حضرت ایوبؑ کی تعریف میں ہے اسلئے وہ تمام فرزندان مشرق میں سب سے زیادہ بڑا تھا۔ (ایوب ۱-۳) یہ امر اس کتاب میں بتواتر ثابت ہو چکا ہے کہ یہودیوں کی اصطلاح میں مشرق سے ہمیشہ ارض عرب مراد ہے۔

حضرت ایوبؑ امیر یا شیخ قوم تھے۔ حضرت ایوبؑ بادشاہ یا شیخ قبیلہ تھے۔ خود سفر ایوب سے ثابت ہے۔

اسے وہ جیسا کہ میں گذشتہ مہینوں میں تھا۔ اون دنوں میں جبکہ خدا میری حفاظت کرتا تھا جبکہ اسکا چراغ میرے سر پر تھا اور میں تاریکی میں اوس کی روشنی پر چلتا تھا۔ میں اپنی نوجوانی کے دنوں میں جبکہ اوسوقت تک خدا کا راز میرے مسکن میں تھا۔ جبکہ قادر مطلق خدا میرے ساتھ تھا اور میرے بچے میرے قریب تھے۔

جب میں اپنے پاؤں مکھن سے دہوتا تھا اور جب چٹان میرے لئے تیل کے چشمے بہاتی تہی۔
جب میں شہر کے دروازے پر جاتا تہا جب بازار میں اپنی نشست طیار کرتا۔ نوجوان مجھکو دیکھ کر
ٹل جاتے۔ اور بوڑھے میرے لئے کھڑے ہوجاتے بڑے بڑے لوگ مجھ سے بات کرنے میں
جھجکتے اور ہاتھ سے اپنا موتھ بند کر لیتے۔ اور زبان تالو میں لگا لیتے۔
کیونکہ جس کے کان نے مجھ کو سنا۔ میری تعریف کی اور جس آنکھ نے مجھے دیکھا میری گواہی دی
کیونکہ جس مسکین نے بہی فریاد کی اور جو بہی بے یار و مددگار و یتیم تھا۔ میں نے اون کی مدد کی۔
اور ہر قریب مرگ کی دعا مجھ کو ملی اور ہر بیوہ کے دلکو خوشی کا گانا مجھ سے نصیب ہوا۔
راستی میری پوشاک تہی۔ جو مجھ کو پہنائی گئی۔ میرا فیصلہ خلعت اور تاج ہوتا تہا۔ میں اندہوں
کی آنکھ تہا۔ لنگڑوں کا پاؤں۔ اور غریبوں کا باپ تھا۔ اور وہ دلیل جس کو میں نہیں جانتا تہا لیکن
میں اسکی تلاش میں تہا۔ میں نے بیابان کی اور شریروں کے دانت توڑ دیئے۔ اور اونکے دانتوں
کے بیچ سے غضب کی چیز چھینی۔
میری عظمت مجھ میں تازہ تہی اور میری کمان میرے ہاتھ میں نئی کی گئی تہی۔ میری بات کو لوگوں
نے سنا اور خاموشی سے میری نصیحت کا انتظار کرنے لگے۔ میری گفتگو کے بعد پہر وہ کچھ نہ بولے
میرے الفاظ کے قطرے اون پر ٹپکتے تھے اور وہ انکا ایسا انتظار کرتے تھے جیسا بارش کا۔ اور وہ انکے
لئے اسطرح موتھ کہولتے تھے جیسے پچھلی مینہ کے لئے۔
میں اُن پر ہنسا لیکن اونہوں نے یقین نہ کیا۔ اور نہ میرے چہرے کی چمک زمین پر گرائی۔ میں نے
اونکے لئے راستہ چُن دیا اور میں سردار بنکر بیٹھا۔ اور اس طرح رہا جس طرح بادشاہ اپنی فوج میں اور
اس آدمی کیطرح جو غمزدوں کو تسلی دیتا ہے۔ (ماخوذ از سفر ایوب باب ۲۹)

حضرت ایوب کا زمانہ اور وطن۔ جب ہم ثابت کر چکے کہ ایوب اور یوباب ایک ہی شخص ہیں تو ہم کو حضرت ایوبؑ کے مکان و مسکن کے متعلق زیادہ کاوش کی حاجت
نہیں رہی۔ یوباب کا مسکن توراۃ میں مذکور ہے کہ وہ بصری تھا۔ جو اب تک شمال عرب میں فلسطین کے قریب
ایک مشہور شہر ہے۔ آنحضرت صلعم نے بہی سفر شام میں وہاں قیام کیا تھا۔ وہی شہر حضرت ایوبؑ کی
قیامگاہ تھا۔ بصرہ بہی قدیم زمانہ میں ایک تجارتی شہر تھا۔ توراۃ میں اسکا ذکر متعدد مقامات میں آیا ہے شعیاہ
نبی یوخادر نضر (بخت نصر) کی خبر دیتے ہیں۔ خداوند کی تلوار خون آلود ہے ... خداوند نے بصرے میں قربانی کی اور
ادوم کے ملک میں قتل عام (۳۴-۶) پہر کرتے ہیں۔ وہ رنگے کپڑے کے ساتھ بصرے سے اور ادوم سے آرہا ہے (۶۳-۱)

اس آیت میں بصراحت کسی آنیوالی کی بشارت ہے مسکن ایوب ظاہر ہو چکا ہے۔ زمانہ کے متعلق بھی فیصلہ اسلئے آسان ہے کہ کلدان (ایوب ۱-۱۷) اور سبا (ایوب ۱-۱۵) کا اسمیں ذکر معاصرت ہے۔ سبا کا عروج سنہ ۱۱۰۰ ق م میں ہوا ہے اور کلدانیوں کا اختتام سنہ ۸۰۰ ق م میں۔ ان دونوں کا مشترک عہد سنہ ۱۱۰۰ ق م سے سنہ ۸۰۰ ق م تک ہے۔ اس لئے ان دونوں زمانوں کے حدود میں کہیں حضرت ایوب کا عہد قرار دینا چاہئے۔

ہمارے فاضل معاصر صاحب ارض القرآن اگر تعین زمانہ ایوب میں تھوڑی اور تحقیق فرماتے تو قیاسی تعین زمانہ کی جگہہ ان کو زمانہ اصلی کا پورا پتہ چل جاتا۔ وہ اسطرح سے کہ حضرت ایوب کی بی بی جن کے ذکر کیطرف قرآن مجید میں اشارہ ہے۔ وہ باتفاق مورخین و نسابین عرب یوسف ابن یعقوب کی پوتی تھیں اور اونکا نام رحمہ تھا۔ (حیات القلوب مجلسی جلد اول) توراۃ سے حضرت یعقوب کا زمانہ تقریباً سنہ ۲۰۰۰ ق م ہے تو قاعدہ استداد نسل کی رو سے یہ خاتون رحمہ نامی حضرت یعقوب سے سو برس بعد ہونگی جو سنہ ۱۹۰۰ ق م ثابت ہوتا ہے۔ اسلئے یہی زمانہ حضرت ایوب کی رسالت کا اصلی قرار دیا جائیگا۔

حضرت ایوب کا قصہ۔ قرآن مجید میں حضرت ایوب کا ذکر ہے لیکن چند مجمل اشارات کے سوا کوئی تفصیل نہیں ہے۔ مفسرین نے جو تفصیل نقل کی ہے وہ وہب ابن منبہ اور دیگر اسرائیلی مسلمانوں سے جو قرن اول میں موجود تھے منقول ہے اور یہ اسرائیلی روایت بتغیر و اضافہ قلیل تمامتر سفر ایوب سے ماخوذ ہے۔ جسکا خلاصہ یہ ہے۔

حضرت ایوب ایک مالدار کثیر الاولاد صاحب عزت اور نہایت راستباز آدمی تھے۔ خدا کی رضا کے ہمیشہ طالب اور ہر مصیبت کے وقت صابر تھے۔ مساکین و فقرا کی اعانت یتیموں اور بیواؤں کی امداد اور مظلوموں کی فریادرسی آپکی عادت تھی۔ آخر خدا نے آپکو ابتلا میں ڈالا۔ اور بروایت سفر ایوب (توراۃ) شیطان کو آپ کی جان و مال پر استیلا دیا گیا۔ دولت جو اونٹ بیل بھیڑ بکری اور گدہوں سے عبارت تھی کلدانی لوٹکر لے گئے۔ غلامون کے دستہ پر سبائی قابض ہوگئے۔ اولاد بھی ایک حادثہ کے نیچے دبکر رہگئی لیکن ان مصائب میں بھی کلمہ شکر و رضا کے سوا زبان مبارک سے کچھ نہ نکلا۔ آخر تندرستی بھی زائل ہوگئی۔ اور تمام بدن [illegible] عزیز و اقارب نے کنارہ کشی کی۔ ایک بیوی رفیق حال تھی۔ اوس نے بھی بالآخر صلاح دی کہ [illegible] جسکو اور خدا کو برا کہو۔ اس حالت کی خبر حضرت کے تین دوستوں کو ہوئی اور یہ تینوں حضرات حضرت ایوب کی تعزیت[1] کو آئے۔ پورا صحیفہ حضرت ایوب اور ان تینوں مومنین صادقین کے باہم مناظرہ و مکالمے

[1] تعجب ہے کہ ہمارے فاضل معاصر کو اسوقت تک توریت اور صحیفہ کا فرق بالامتیاز نہیں معلوم۔ توریت موسیٰ سے متعلق ہے اور صحیفہ [illegible]

پر شامل ہے۔ یہ تمام مناظرہ لطیف تمثیلات میں نہایت اعلیٰ فلسفیانہ اور شاعرانہ جذبات روحانی سے پُر ہے جنکا ماحصل یہ ہے کہ ان مومنین ثلاثہ کا دعویٰ ہے کہ انسان پر کوئی مصیبت بغیر گناہ کے نہیں آتی۔ اس لئے جو مبتلائے مصیبت ہے وہ گنہگار ہے اور اوسکو اعتراف و توبہ کرنا چاہئیے۔ حضرت ایوب فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی معصیت نہیں کی ہے جسکی خدا کیطرف سے یہ جزا ہے بلکہ یہ عالم قضا و قدر ہے۔ جسکے لئے کوئی سبب درکار نہیں۔ خدا کے اسرار و مصالح لامحدود ہیں اور اون کی معرفت سے انسان عاجز ہے۔ آخر وحی الٰہی نے فیصلہ کیا کہ "ایوب گو توحق پر ہے تاہم بندہ کو کسی حال میں اعتراف و ندامت میں قصور نہ کرنا چاہئیے"۔ یہ سنتے ہی حضرت ایوبؑ نے قربانی کی اور تندرست ہو گئے۔ تمام اعزا و اقارب بھی جمع ہو گئے۔ خدا نے از سرِ نو دوسری دوچند دولت اور اولاد عطا کی۔

قرآن مجید اور حضرت ایوب قرآن مجید میں حضرت ایوبؑ کا نام چار سورتوں میں آیا ہے۔ نساء۔ انعام انبیا اور ص۔ نساء اور انعام میں صرف نام ہے۔ وعیسیٰ وایوب (نساء) وایوب ویوسف (انعام) سورۂ انبیاء اور سورۂ ص میں کسی قدر تفصیل سے ذکر ہے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ارْكُضْ بِرِجْلِكَ هَٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ (ص)

ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو۔ جب اوس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھکو شیطان نے تکلیف اور عذاب کے ساتھ چھوا ہے (اے ایوب) اپنا پاؤں مار۔ یہ غسل کرنے کی ٹھنڈی جگہ ہے اور پینے کا پانی ہے اور ہم نے اوسکو اوسکے اہل و عیال دیئے اور اونہیں کے برابر اور اپنی رحمت سے اور عقلمندوں کی یادگاری کے لئے۔ (ایوبؑ) اپنے ہاتھ میں تنکے کا مٹھا لو۔ اور اوس سے مارو اور اپنی قسم نہ توڑو۔ ہمنے ایوب کو صابر پایا۔ اچھا بندہ توبہ کرنیوالا ہے۔ (ص)

اس موقع پر شیطان سے کیا مراد ہے۔ یہ صاف ہونا چاہئیے۔ سورۂ انبیا کی آیت کریمہ نے اسکی تفصیل کے ساتھ صفائی کر دی ہے۔

وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ (انبیاء)

اور ایوبؑ کو جب اوس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھ کو بیماری نے چھوا۔ اور تو مہربانوں میں سے سب سے بڑا مہربان ہے ہم نے اوس کی دعا قبول کی اور اوس کی بیماری دُور کی اور اوس کو اوس کے اہل و عیال دیئے اور اونکے برابر اونکے ساتھ۔ اور اپنی رحمت سے عبادت گذاروں کی یادگاری کیلئے۔

ان آیات مبارکہ کے متعلق تین امور قابل ذکر و بحث ہیں۔ اول۔ خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ ۔ اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اور اوس سے مارو اور قسم نہ توڑو" اس آیت میں اسکا ذکر نہیں کسکو مارو؟ اہل تفسیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ایوب کی بیوی نے جب خدا کی شان میں گستاخی کی تو اونھوں نے غضبناک ہو کر قسم کھائی تھی کہ اگر اچھا ہو گیا تو تمکو سو لکڑی مارونگا۔ بیوی صادق الایمان تھی اور یہ لغزش ایک وسوسہ شیطانی تھا۔ اسلئے معاف کیا گیا۔

سفر ایوب میں اس گستاخی اور کلمہ کفر کا ذکر ہے (سفر ایوب ۲-۹) لیکن اس سزا کی نوعیت کا بیان نہیں کیا ہے۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ خدا کے نیک و صالح بندے اپنے اعزا سے کلمات کفر سن کر بیتاب کیوں نہو جاتے اور کیونکر سزا نہ دیں؟ نقص کی تکمیل قرآن نے کر دی جو دنیا میں صرف تکمیل ہی کیلئے آیا ہے۔

دوم ارْكُضْ بِرِجْلِكَ هَٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ۔ اپنے پاؤں سے مارو۔ یہ نہانے کی ٹھنڈی جگہ ہے اور پینے کا پانی ہے" سفر ایوب میں یہ مذکور نہیں کہ حضرت ایوب کسطرح اور کس علاج سے صحتیاب ہوئے۔ قرآن بتاتا ہے کہ خدا نے انکو ایک چشمہ کا نشان بتایا جس میں نہانے اور اوسکے پانی پینے سے (انکی) بیماری جاتی رہی۔ یہ طریقہ علاج بالکل مطابق فطرت ہے طبعی[1] چشمے جو طبقات ارضی یا پہاڑوں سے بعض اجزاے کیمیاوی کے مخزن سے گذر کر آتے ہیں مخصوص خواص رکھتے ہیں اور دنیا کے اکثر ممالک میں اب بھی خدا نے اپنا یہ چشمۂ فیض جاری کر رکھا ہے جس سے اوس کی ہزاروں مخلوق ہر موسم میں مستفید ہوتی ہے۔

حضرت ایوب کے حالات میں ہمارے فاضل محقق صاحب فصل القرآن نے جس تفصیلی تحقیق سے کام لیا ہے وہ بہت ہی قابل قدر ہے مگر باینہمہ زوجہ حضرت ایوب اور نوعیت صحت کے متعلق کسی قدر انکشاف کی ضرورت باقی رہ گئی۔ جو حسب ذیل ہے۔

فاضل معاصر نے زوجہ حضرت ایوب کی نسبت یا وہ خود غور و خوض سے کام نہیں لیا بلکہ سفر ایوب اور شارحین یہود کے مرویات و اقوال پر اعتبار فرما لیا ہے ہمارے معتقدات بمشکل سے پیغمبر کی اہلی زوجہ کو جو بالنفس النفیس خاندان رسالت اور دودمان نبوت کی الصحت ثابت ہو چکی ہو، کافرہ یا مشرکہ تسلیم کرینگے حالانکہ آگے چلکر آپ نے بھی اسکے صادق الایمان بیوی ہونیکا اقرار کر لیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اوسکی کفر و شرک کی تعلیم و تحریص کے اعتراف کے بعد۔ آپکے موجودہ اعتراف و اختلاف نے اس مسئلہ کو جمع بین المتضادین کے مشکلات و محالات میں ڈالدیا ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ توراۃ اور شارحین توراۃ کے اقوال و خیالات کے مقابلہ میں اسلامی مفسرین کے بیانات کی طرف توجہ والتفات نہیں فرمائی گئی۔ مجموعہ توراۃ تو ان اقسام کے لغویات و حشویات کثیرہ کی کلیات ہے اور حقیقت میں افرا الحبید جیسا آپ خود اکثر مقامات پر ظاہر

---

[1] تعجب ہے کہ خلقی چشمہ کی جگہ طبعی لکھا گیا ہے۔ حالانکہ طبع ذی روح کے متعلق ہے۔ غیر ذی روح کیلئے اسکا استعمال شاذ و در بیاں الاشاع ہے اسلئے خلقیت کے لفظ سے کام لیتے ہیں جو ذی روح اور غیر ذی روح دونوں میں مشترک ہے اور استعمال بیجا کا جائز ہے۔

اولاد حیدر

ثابت کرنے آسکے ہیں۔ انھیں قصص باطلہ کی تصحیح و توضیح کے لئے ضرورتاً نازل فرمایا گیا ہے۔ قرآن نے ضمناً و
کنایتاً بھی جیسا آپ لکھ چکے ہیں ذکر فرمایا۔ پھر قرآن کے موجودہ سکوت کے مقابلہ میں روایات توراۃ پر اعتبار
کر لینا اسلامی اصول عقاید کے صریح منافی ہے۔ بہرحال جس طرح ہمارے فاضل معاصر نے حضرت ایوبؑ
کے حالات و واقعات کو اسلامی مفسرین کے بیانات سے ملا کر لکھا ہے اوسی طرح مسئلہ زیر بحث کی صورت حال
کو بھی اونکے اقوال و تحقیقات کے ساتھ ملاحظہ فرما لینا ضروری تھا۔ حقیقت حال اور اصلی واقعہ کا مشاہدہ ہو جاتا۔ اسلامی
مفسرین نے اسکے متعلق جو لکھا ہے وہ یہ ہے۔

حضرت رحمہ زوجہ جناب ایوبؑ

ایام ابتلا میں حضرت ایوب کے تمام اہل و عیال کے تباہ و برباد ہو جانیکے
بعد خدائے سبحانہ تعالیٰ نے آپ کی صرف ایک بی بی کو، جسکا نام رحمہ تھا۔
اور جو بقول نسابین حضرت یوسفؑ کی پوتی تھیں بچا رکھا تھا۔ جو آخر وقت ابتلا تک اپنے شوہر کی رفیق حال
اور شریک مصیبت تھیں۔ امتحان و ابتلا میں جیوں جیوں ترقی ہوتی رہی ویسے ویسے ان کی وفا اور حسن
رفاقت میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ مشلول الاعضا ہو گئے جسم مبارک سے حس و حرکت کی قوت
بھی زائل کر دی گئی۔ تمام قوم نے ان کے تفقد احوال سے روگردانی اختیار کی۔ بہ قوت کا وسیلہ ہونا بھی
دشوار ہو گیا۔ فاقے پر فاقے ہونے لگے۔ ایک بار اسی حالت میں اس برگزیدہ بادی کو بے آب و دانہ تین شبانہ
روز گذر گئے۔ جناب رحمہ نے ہر چند بہت تلاش کی ایک دانہ نہ ملا۔ وہ خاتون معظمہ اسپر بھی اپنی کوشش
وسعی سے باز نہ آئی۔ چوتھے دن کسی دوسرے قریہ میں قوت کی تلاش کو نکلی۔ اوس دن کسی کے ہاں عروسی
تھی۔ مہمانوں کے لئے ضیافت کے کثیر سامان تھے۔ انواع و اقسام کے طعام تیار تھے۔ یہ غریب حسرت آلود
نگاہوں سے الوان نعمت کے خوانوں کی طرف دیکھنے لگی۔ صاحب خانہ کی بی بی کی نظر ان کی ضرورت کو
پہچان گئی وہ رحمدل تھی اور نیک مزاج۔ انھیں اندر بلا لیا۔ استفسار حال کیا۔ غریب نے اپنی تمام مصیبت
کہہ سنائی۔ باتوں باتوں میں اوس عورت نے ان کے سر کے بالوں کو حد سے زیادہ باریک لطیف اور طویل
پایا۔ اتفاق سے اوسکی لڑکی کہ جس کی شادی کی جا رہی تھی۔ نہایت کم اور چھوٹے بال تھے اور بدنما
معلوم ہوتے تھے۔ انکے بالوں کی لطافت کو دیکھکر اوس نے یہ سوچا کہ کسی طرح انکے بال مجھے مل جائیں
تو میں ان بالوں کو اپنی لڑکی کے بالوں سے ملا کر گوندھ دوں کہ اوسکا عیب چھپ جائے۔ یہ سوچکر اوس
نے اس خاتون مقدسہ سے کہا کہ بہن۔ میں ایک شرط پر تمہیں اور تمہارے شوہر کو کھانا دینے کے
لئے راضی ہوں۔ اگر تم مان لو۔ یہ غربت زدہ بولی۔ جو تم کہو مجھے منظور ہے کسی طرح میرے گرسنہ شکم شوہر بیمار
کو جو اپنے آزار و ناتوانی کی وجہ سے قریب المرگ ہو رہا ہے۔ قوت لایموت پہنچے اور تم اوسکے زندہ رکھنے

کی امید تو بندھ جائے۔ وہ عورت بولی کہ تم مجھے اپنے سر کے بال کاٹ لینے دو کہ مجھے اپنی نوعروس لڑکی کے لئے درکار ہیں۔ کیونکہ اوسکے سر میں بہت چھوٹے اور کم بال ہیں۔ میں ابھی ابھی تمہیں اور تمہارے شوہر کے لئے نفیس اور اعلیٰ کھانے دیتی ہوں۔ یہ مصیبت زدہ بی بی پہلے تو کچھ خاموش رہی مگر پھر یقین کر کے کہ حسن و عصمت اور اوسکے تمام لوازم و مراتب اوس شوہر کی خدمت و راحت اور عزت پر ہزار بار نثار ہیں۔ جس کی مسرت و آرام کے لئے یہ تمام اسباب فراہم کئے گئے ہیں۔ جس کی بقا کے ساتھ میری بقا وابستہ ہے۔ اور جس کی فنا کے ساتھ میری فنا۔ یہ سوچکر اوس آفت رسیدہ نے فوراً اپنا سر جھکا دیا اوس عورت نے مقراض سے انکے گیسوئے مبارک تراش لئے۔ اور اون طعام لذیذ سے دو حصے اوٹھا کر انہیں دیدئے یہ نہایت خوش ہو کر اپنے مقام کو واپس آئیں اور اپنے مقدس ناتواں اور نیم جاں شوہر کے آگے دسترخوان بچھا کر وہ کھانے چن دئے۔ چونکہ بے حسی اور زوال قوت کا پورا عالم تھا۔ یہاں تک کہ خود ہلنے سے کھانے کی طاقت باقی نہیں رہی تھی۔ اسلئے کھانا چن دینے کے بعد وہ وفادار بی بی کھانا کھلانے بیٹھی۔ حضرت ایوب کبھی حصول رزق پر اور کبھی ایسی رفیق حال اور شریک مصیبت زوجہ کے ملنے پر پروردگار عالم کا شکر بجا لا رہے تھے کہ یکایک سر کے ہونے گوشہ چادر سے اوس عفیفہ کے کترے ہوئے بال دکھائی دئے ایسے کامل اور عدیم المثال صابر کو بھی حرمت ناموس کی ایسی غیرت آئی کہ کھانا زہر ہو گیا۔ سبب پوچھا تو مطیع و فرمانبردار بی بی نے صورت واقعہ بیان کر دی۔ اگرچہ اس واقعہ سے اوس پارسا بی بی کی انتہا مجبوری ظاہر ہوتی تھی مگر تاہم جناب ایوب کی غیرت ناموس اس درجہ فرسا صدمہ کی متحمل نہ ہوئی۔ بی بی پر خفا ہوئے اور قسم کھا کر لہجہ میں فرمایا کہ اسوقت تو بیماری سے مجبور ہوں مگر صحت پا لینے پر سو تازیانے کی سزا تمہیں صرف اس تقصیر کے لئے دونگا۔ کہ تم نے میری اجازت کے بغیر ایک غیر جنس عورت کے سامنے اپنا سر جھکا دیا۔ یہ تو بی بی سے خطاب ہوا۔ اسکے بعد پھر یہ سوچکر کہ یہ تمام آفتیں اس موذی بیماری کے باعث ہیں۔ بارگاہ الٰہی میں ان مضطربانہ الفاظ کے ساتھ مستغیث ہوئے۔ ربِّ انی مسنی الضر و انت ارحم الراحمین۔ حیات القلوب جلد اول

واقعہ حقیقی تو یہ ہے جو مرویات اسلامی سے ماخوذ ہے اور قریب قریب تمامی کتب تفاسیر میں مذکور ہے اسکی صورت وقوع سے خاندان رسالت کے انداز اور برگزیدگان الٰہی کے محاسن و اوصاف پورے طور سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیل سے نہ اوس خاتون معظمہ کی کفر شعاری معلوم ہوتی ہے اور نہ بت پرستی بلکہ اسمیں تو اوس پاکدامن خاتون کی شوہر کے ساتھ کمال خلوص و محبت اور عقیدت و اطاعت کے اظہار ہوتے

ہیں۔ اسکے کسی لفظ یا کسی حرف سے یہ نہیں پایا جاتا۔ جیسا کہ توراۃ کا بیان ہے کہ اس عفیفہ نے نعوذ باللہ اپنے شوہر عالی مقدار کو جس کی رسالت کی یہ تصدیق کر چکی تھیں اور ایک معتد بہ مدت تک خدمت میں رہ کر اون کی تبلیغ رسالت اور تلقین و تعلیم ہدایت کے اصلی مدعا کو کما حقہ سمجھ چکی تھیں۔ کفر و شرک کے طریقے باطل اختیار کرنے کی ترغیب و تحریص کی تہی۔ یہ وہی لغویات و حشویات ہیں جو ذاتیات انسانی اور اغراض نفسانی کی بدولت کتب قدیمہ سماویہ کے الہامات ربانی اور ارشادات روحانی میں مخلوط ہو کر اوس کی صحت و صداقت پر بدنما دہبہ لگاتے ہیں اور اونکے منزل من اللہ ہونے میں شک و شبہ پیدا کرتے ہیں۔ اور حقیقت میں قرآن مجید انھیں کی صحت و ترمیم کے لئے بارگاہ الہی سے خُذْ مَا صَفَا وَ دَعْ مَا كَدَرَ کا عام اعلان فرماتا ہوا نازل کیا گیا ہے۔ توراۃ میں شان رسالت کی عظمت نہ کوئی چیز قرار دیگئی ہے اور نہ خاندان نبوت کی حرمت قابل لحاظ و پاس۔ یعقوب کی دونوں بیبیاں۔ لابن کی بیٹیاں۔ رخصت ہونیکے وقت اپنے گھر سے سونے کے بت چرا لاتی ہیں۔ اور اون کی پرستش کیا کرتی ہیں۔ اسپر بھی پیمبر زمان کی بی بی اور آئیندہ انبیاء و مرسلین کی ماں بھی بلا عذر و تامل بنی رہتی ہیں۔ توراۃ کے یہی ارحام مطہرہ ہیں اور یہی اصلاب شامخہ۔ (سفر تکوین۔ باب ۳۱۔ آیت ۳۱-۳۵۔) لطف تو یہ ہے کہ ان بت چرانے والیوں میں خاصکر راحیل زوجہ یعقوبؑ کا نام لکھا ہوا ہے اور یہ راحیل حضرت یوسف الصدیق کی ماں تسلیم کی جاتی ہیں۔ نعوذ باللہ من ہذہ الھفوات۔

بہرحال۔ اصل واقعہ یہ ہے جو لکھا گیا۔ اس سے نہ اوس پیغمبر برحق پر کوئی الزام آتا ہے اور نہ اوس کی صادق الایمان بی بی پر۔ چونکہ بمقتضائے بشریت اوس محترمہ سے ترک اولی کا صدور واقع ہوگیا تھا کہ بلا اذن شوہر انھوں نے اپنا سر عریاں کر دیا تھا حضرت ایوب کو ہتک و ناموس کی بڑی غیرت آئی اور اضطراب کے اسی عالم میں آپ نے قسم کھائی کہ صحت پانی کے بعد میں تمپر حد شرع جاری کرونگا۔ چونکہ اس مخدرہ عظمی کا مدعا خلوص حقیقی پر مبنی تھا۔ اسلئے عادل حقیقی نے انکے اجراے سزا و تنبیہ میں وہ طریقہ متبادلہ اختیار کرنیکا حکم صادر فرمایا کہ اوس پیغمبر برحق کی قسم بھی پوری ہوگئی اور اونکی زوجہ محترمہ کو کوئی تکلیف بھی نہ پہونچی سُبْحَانَہٗ اعظم شانہٗ

دوم۔ نوعیت صحت کے متعلق فاضل معاصر نے بڑی کاوش سے حسب تصریح قرآن ترکیب غسل کو اصول فطرت کے مطابق ثابت کیا ہے۔ اور طبی مشاہدات عملیہ اور خواص و اثرات کیمیاویہ سے اسکی تصدیق و توثیق بہم پہونچائی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کی یہ تحقیق قابل تعریف ضرور ہے مگر حقیقت بین نگاہوں کے سامنے قدرت کے بدیہات ایسے یقینی ثابت ہو چکے ہیں کہ اب ان کے اثبات و اظہار میں زیادہ تحقیق و تفتیش کی ضرورت نہیں۔ ہمارے قابل محقق کا طریقہ اثبات بالکلیہ خواص عرض سے تعلق رکھتا ہے نہ مفاد جوہر سے

حالانکہ حقیقت شناس پہلے جوہر کو پرکھتا ہے پھر اوسکے فضا و عرض کو۔ جوہر قدرت ہے۔ اور فضا و عرض اوسکے عطا کئے ہوئے خواص اور اثر۔ اس مسئلہ سے کسی کو انکار نہیں۔ اس بنا پر اوس چشمہ اور اوسکے پانی کو باعتبار خواص کے حضرت ایوب کی صحت کا جزو اعظم اور سبب اول قرار دینا اور مان لینا تو قدرت کے اصلی فیوض سے صریح چشم پوشی کرنا ہے۔ اس احتیاط کو قایم رکھنے کی غرض سے۔ جو ایک قوی الایمان مسلمان کا فرض ہے۔ تنہا اس طریقہ علاج کو سبب صحت قرار دینا صحیح نہوگا۔ بلکہ یوں کہنا ہوگا کہ ایوب نے جس ارحم الراحمین سے دعائے صحت کی تھی اوسکی حکمت کاملہ اور رحمت عامہ نے ظاہر طور پر ان کی صحت کے سامان اوس چشمہ کے پانی میں نہا لینے سے فراہم کر دئے جس کو حقیقی طور سے اس حکیم مطلق نے شفا کے تمام اجزا و خواص کے ساتھ انکے لیے پیدا فرمایا تھا۔

بنو ہاجرہ ؑ

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

اصحاب الرس۔ اصحاب الحجر۔ اصحاب الایکہ۔ انصار اور قریش

ہاجرہؑ۔ اصل میں عبرانی لفظ۔ ہاغار ہے جس کے معنی بیگانے اور اجنبی کے ہیں۔ اصل میں انکا وطن مصر تھا حضرت ابراہیم اور سارہ جب مصر گئے تو فرعون نے دیگر انعام و اکرام کے ساتھ یہ لڑکی (ہاجرہ ؑ) بھی اونکے ساتھ کر دی۔ انہیں ہاجرہؑ سے حضرت اسماعیل ؑ پیدا ہوئے۔ اور حضرت اسماعیل کی نسل سے۔ اصحاب الرس اصحاب الحجر۔ اصحاب الایکہ انصار اور قریش۔ عرب کے ممتاز اور سرمایہ ناز قوم و قبائل پیدا ہوئے۔ سارہ کے بطن سے اسحاق پیدا ہوئے۔ جن سے بنی اسرائیل کی نسل قایم ہوئی۔

شمس العلماء نعمانی نے سیرۃ النبی میں اور اونکے شاگرد رشید مولانا سلیمان صاحب ندوی نے ارض القرآن میں بنو ہاجرہؑ کے حالات کا آغاز حضرت اسماعیل کی تفصیل واقعات سے کیا ہے اور جناب ابراہیم ؑ کے تصریح احوال کی طرف غالباً اس وجہ سے توجہ نہیں فرمائی ہے کہ عرب میں اونکا قیام ثابت نہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ حضرت ابراہیم ؑ کے تعلقات مذہبی ہوں یا قومی۔ ملک عرب سے اتنے وابستہ اور پیوستہ ہیں کہ اونکی تفصیل و تشریح کے بغیر جناب ہاجرہ ؑ حضرت اسماعیل اور اونکے مابعد کی اولاد کے حالات و واقعات مبہم اور مجمل رہ جاتے ہیں۔ لایق مصنفین کو جناب ہاجرہ اور حضرت اسمعیل کے واقعات ہجرت۔ تعمیر کعبہ اور دیگر واقعات کی تحریر کے وقت حضرت ابراہیم کے جستہ جستہ حالات بیان کرنے کی بالآخر ضرورت واقع ہوئی ہے۔

اسکے علاوہ آیہ کریمہ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۔ تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب اسی نے پہلے بھی تمہارا نام مسلمین رکھا ہے کے روسے جس کو سیرۃ النبیؐ کے صفحہ ۹۴ میں بذیل ذکر سلسلہ اسماعیل بڑی خصوصیت کے ساتھ زیب عنوان کیا گیا ہے ۔ دین ابراہیم اور اسلام (دین محمد صلعم) متحد بالذات و بالحقیقت ہیں جیسا کہ خود تحریر فرمایا گیا ہے کہ پیغمبر اسلام اور خود اسلام کی تاریخ تمامتر اسی اخیر سلسلہ (سلسلہ اسمعیلی) سے وابستہ ہے ۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابراہیم و اسماعیل ہی کے خاندان سے ہیں اور جو شریعت آنحضرت صلعم کو عنایت ہوئی ہے وہی ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو عطا ہوئی تھی ۔ سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۹۴ ۔

جب آپ کے اقرار و اعتراف سے اسقدر اتصال و اتحاد خود ثابت ہوتا ہے تو اصل شرع کے بانی اور حامل کے حالات کو مرفوع القلم کر دینا تو گویا اپنی شریعت کے ثبوت فرعیہ ہونے کو ناقص اور مشتبہ چھوڑ دینا ہے ۔ دعوی اتحاد کے ساتھ یہ ضرور تھا کہ حضرت ابراہیم کے تعلیم و ارشاد کے ساتھ آنحضرت صلعم کی تبلیغ رسالت کے احکام و اغراض کو بالکل متحد اور متصل ثابت کر دیتے مگر ایسا نہیں کیا گیا اور یہ نقص حالات جناب ابراہیم کی فروگذاشت کے باعث باقی اور قائم رہ گیا ۔ صاحب ارض القرآن تو اسکے لئے یہ معذرت پیش کر بھی سکتے ہیں کہ انکے موضوع تالیف کو اس کی تفصیل سے اسقدر تعلق نہیں تھا ۔ مگر شبلی صاحب اپنی کوتہ قلمی کی کوئی تلافی نہیں کر سکتے ۔

اس ضرورت خاص کو مد نظر رکھکر ہم نے اپنی کتاب میں جناب ابراہیم علیہ السلام کے تمام و کمال حالات پوری تفصیل سے قلمبند کئے ہیں اور ہم اس مقام پر اپنے معاصر مولفین کی ترتیب تالیف سے علیحدہ ہو کر اپنے خاص طریقہ تدوین سے کام لیتے ہیں ۔

ابراہیم خلیل اللہ علیہ وآلہ السلام اللہ

خلیل خدا ۔ ابو الانبیا حضرت ابراہیم علیہ التحیۃ والثنا ۔ تارخ ابن ناحور کے صاحبزادے تھے ۔ یہ تارخ وہی ہیں جن کو توراۃ میں تیرح لکھا ہے ۔ تارخ غالباً تیرح کا معرب ہے ۔ ماں کا نام نونا بنت کرمنا ابن کوثا ہے (ابن سعد ج ۱ ص ۲۱) سلسلہ نسب گیارھویں پشت میں اس تفصیل سے حضرت نوح تک پہونچتا ہے کہ حضرت ابراہیم بن تارخ ابن ناحور بن ساروغ بن راعو بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام ۔

مقام ولادت علاقہ بابل میں قریہ کوثی بتلایا جاتا ہے ۔ حاکم وقت نمرود ابن کنعان ابن کوش تھا جو سکے علاقہ میں عوض ابن فاران حکمران تھا ۔ نمرود اور اسکی ماتحتی رعایا کے حالات جہانتک تاریخوں سے

بقدر امکان دریافت کئے گئے ہیں، مبتلا رہے ہیں کہ اوس زمانہ میں علاقہ بابل کے تمام اقوام و قبائل انواع و اقسام کے اصنام و اوہام پرستی میں مبتلا تھے۔ خدا پرستی اور اوسکی ذات واحد کی وجود کا کوئی خیال اون میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنے نفوس کو اپنے تمام مال و متاع کے ساتھ بتوں کا مطیع و منقاد سمجھتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کو رب العباد۔ بت پرستی کے ساتھ ستارہ پرستی اور شخص پرستی بھی اونکے اجزاے ایمان میں داخل تھی تفصیل آگے آتی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی ولادت بھی خاص طور پر کرشمہ قدرت ثابت ہوتی ہے۔ ولادت باسعادت کے متعلق اوس زمانہ کے کاہنوں اور نجومیوں کا نمرود کو خبر کرنا۔ اور نمرود کا امتناع ولادت کے متعلق تمام انسانی اور امکانی کوششیں صرف کرنا اور ناکامیاب رہنا عرب کی تمام چھوٹی بڑی تاریخوں میں بالتفصیل مندرج ہیں۔ ہم اونکو باعث طوالت اور زاید از ضرورت سمجھکر قلم انداز کرتے ہیں اور آپکے حالات کو ایام طفولیت کے واقعات و حالات سے آغاز کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خداشناسی اور معرفت کے ابتدائی حالات پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ جس فکر جس تلاش اور جس تحقیق سے اس خاصہ خدا نے خدا کا وجود۔ اوسکی معرفت اور اوسکی ذات کی خالص وحدت حاصل فرمائی۔ وہ آفرینش عالم کے زمانہ سے لیکر اسوقت تک اپنی آپ مثال ثابت ہوتی ہے۔ اخبار و اسفار قدیمہ کے جاننے والے جانتے ہیں کہ حقیقتاً حضرت ابراہیمؑ کو اپنے زمانہ میں اسکی بڑی ضرورت لاحق ہوئی تھی کیونکہ حضرت نوحؑ کی رسالت کے بعد۔ انبیاے اولی العزم کی مقدس فہرست میں کاتبین قدرت نے آپ ہی کا اسم گرامی لکھا تھا۔ حضرت نوحؑ کی رسالت باوجود اتنی طوالت کے وجود خدا اور اوسکی وحدانیت کی تعلیم میں مشکل سے کامیاب ہوئی۔ ہزار سالہ تعلیم و مواعظ کے بعد مومنین اور خدا کے معتقدین کی تعداد اتنی نفوس سے آگے نہ بڑھ سکی۔ حضرت نوحؑ کے بعد ان مومنین خالصین کی جماعت قوم کافرین پر اپنی تعلیم کا کوئی اثر نہ پہونچا سکی اور کیونکر پہونچا سکتی تھی جب حضرت نوحؑ کے ذاتی پند و نصائح خود اپنے اہل و عیال پر اپنی تعلیم کا اثر نہ ڈال سکے تو ان غرباے مومنین کے ارشاد و ہدایت کو کون سنتا ہے۔ جو حقیقتاً خدا کیطرف سے درجہ نبوت یا منصب رسالت پر فائز بھی نہیں تھے نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت نوحؑ کی وفات سے جناب ابراہیمؑ کی ولادت تک کے درمیانی زمانہ میں دنیا پر کفر و فسق کی گھٹا ٹوپ تیرگی چھا گئی۔ خدا کی وحدانیت کیسی، اوسکے وجود اور اوسکی معرفت کا خیال ہی نسیاً منسیاً ہوگیا تھا۔ ایسی عام تاریکی اور عالمگیر ظلمت کے زمانہ میں نظام مشیت نے سواد عالم کے مختلف حصوں میں اپنی وحدانیت کا نور اور اپنی معرفت کی عالمتاب شعاعیں اپنے ایک خالص اور کامل بندے کے ذریعہ سے پھیلائیں اور دور دور تک پہونچائیں۔ جو اپنی ذاتی تلاش اپنی تنہا فکر اور اپنے خاص قلبی خلوص سے اسکی کامل

معرفت حاصل کر چکا تھا یُقَالُ لَہٗ اِبْرَاھِیْم اوسکو ابراہیم (علیہ السلام) کہتے تھے۔

حضرت ابراہیم کی تحقیق معرفت اور تحصیل علوم الہیات کے حالات پر اطلاع رکھنے والے حضرات آپکے استغراق فی المعرفۃ اور اوس ریاضت و مشقت کے واقعات کو پورے طور سے جانتے ہیں۔ جو اس راہ عرفان کے مجاہد اور کامل موحد کو اپنے معبود حقیقی اور اوسکے وجود و وحدت کی تلاش میں برسوں پیش آیا کیے ہیں۔ اور اونکا خلاصہ یہ ہے کہ فطرت انبیا کے اصول معارف کے مطابق حضرت ابراہیم کی مقدس طبیعت طفولیت کے وقت سے۔ خاموش۔ خلوت پسند۔ تارک العلائق اور غور و فکر میں ہمیشہ ڈوبے رہنے کی خوگر واقع ہوئی تھی۔ حضرت ابراہیم کا خاندان ہمیشہ سے معزز تھا اور مقرب شاہی۔ باپ (تارخ) خزانہ شاہی کے کلید بردار تھے۔ اور نمرود کے دربار شاہی میں بڑے صاحب اقتدار (مواہب لدنیہ۔ حیات القلوب) آذر چچا تھے۔ بہت بڑے دستکار اور شاہی بت تراش۔ بدقسمتی سے انکی صنعت و دستکاری بت تراشی اور صنم سازی ہی تک محدود تھی۔ اور کیونکر نہوتی اسلئے کہ اوس زمانہ میں یہی ایک صنعت بہت بڑی صنعت تھی اور اسکی تمام دنیا میں عالمگیر ضرورت تھی۔ آذر نے اپنے اس کام کیلئے اپنے مکان کا ایک حصہ خاص طور پر علیحدہ کر لیا تھا جسمیں بیٹھکر وہ انواع و اقسام کی مورتیں اور مصنوعی خداؤں کی مختلف الاوضاع صورتیں بنایا کرتے تھے۔

قدرت کے عجیب و غریب نظام نے اپنے خالص موحد اور کامل مصدق کو اسی گھر میں پیدا کیا۔ جہاں ذرات اونکے عقاید فاسدہ کے مطابق ہزاروں خدا بنا کرتے تھے معمول کے مطابق ضرور تھا کہ اس بچہ کی طبیعت بھی اپنے گھر والوں کے اصول عقاید پر نشو و نما پاتی۔ مگر نہیں۔ یہاں تو نظام مشیت کو۔ یعرف الاشیاء باضدادھا (اشیاء عالم کی معرفت علی الاکثر اون کی ضد سے حاصل ہوتی ہے) کے اصول مسلمہ کے مطابق۔ بت تراشی کی اس صنعت گاہ کو اپنی یکتائی اور وحدانیت کی جلوہ گاہ بنانا تھا اور دنیا کو اپنی جبروت قدرت کا ثبوت دکھلانا تھا۔ اسلئے اوسنے اپنے اس موحد اور بت شکن پیغمبر کو خاصکر اسی گھر میں پیدا کیا جہاں بت اور بت پرستی کے دوار بنا کرتے تھے۔

تمہید اتنا لکھکر ہم اپنے سلسلہ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ آغاز طفولیت سے خاموشی استغراق اور محویت کی حضرت ابراہیم کو عادت تھی۔ اسی طرح آغاز عمر سے ان پتھروں کے ٹکڑوں سے نفرت جس کی وجہ سوا تصرف قدرت اور ودیعت مشیت کے کچھ اور نہیں بتلائی جا سکتی۔ اور اسی کی بنا پر جیسا کہ عرب کی تمام قدیم و جدید اخبار و آثار بتلاتے ہیں حضرت ابراہیم اپنے چچا کی اس صنعت و دستکاری کو ذلت و خواری کی نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے اور جب کبھی موقع اور وقت پاتے تھے۔ تو اپنے چچا کے اس ریاض مشقت اور صنعت کو خراب کر دیا کرتے تھے۔ اور مورتوں کی بنی بنائی صورتوں کو کسی کی آنکھ کسی کی ناک کسی کے کان توڑ کر بگاڑ دیا کرتے تھے۔

حقیقت شناس حضرات عام و خاص طبیعتوں کی تفریق و تخصیص کے مسئلہ کو یہیں سے سمجھ جائیں معمول کے مطابق عام بچے اور اون کی طبیعتیں فطرتاً جسقدر کھلونوں اور مورتوں کی شایق اور گرویدہ ہوتی ہیں۔ اوس سے ہر شخص بخوبی واقف ہے مگر بخلاف اسکے یہ بچہ سہواً اور اتفاقاً نہیں بلکہ عمداً اور مستعداً۔ ان کھلونوں اور مورتوں کو توڑ دیتا ہے۔ گویا اوس کی طبیعت کو عام بچوں کی فطرت کے بالکل برعکس ان اشیاء سے کوئی دلچسپی اور شغف ہی نہیں ہے۔ بلکہ اون کی جگہ خاص نفرت ہے اور کراہیت۔ اس سے ہر ممیّز اور محقق شخص نتیجہ نکال لیگا کہ خاصان الٰہی کی طبیعتیں بھی خاص ہوتی ہیں اور عام کی عام۔

آذر نے پہلے اسکا کوئی خیال نہیں کیا۔ مگر دو ایک دن کے بعد اونھیں حقیقت حال معلوم ہوگئی کہ یہ ابراہیمؑ کے ہاتھوں کی صفائی ہے محبت کے تقاضہ نے زیادہ زجر و توبیخ کی اجازت نہیں دی۔ مگر ہاں اتنی احتیاط اختیار کرنے کی مجبوری البتہ ہوگئی کہ باہر جانے کیوقت دروازہ بند کر دیتے تھے۔ مگر اسپر بھی جب کبھی عجلت میں باہر جاتے وقت دروازہ بند کرنا بھول جاتے تھے تو یہ بچہ جس کی گھٹی میں دایہ فطرت نے بت شکنی کے اجزا ودلیعت فرمائے تھے۔ اون تمام بتوں کو مسمار اور بیکار کر دیتا تھا۔ آذر دیکھتے تھے کچھ اپنی محبت۔ کچھ بھائی کی مروت اور کچھ اس بچّہ کی رعایت کی وجہ سے خاموش رہ جایا کرتے تھے۔ اور بچہ کی ان حرکتوں کو اوسکی طفولیت کا تقاضا سمجھا کرتے تھے۔

تھوڑے دنوں کے بعد جب حضرت ابراہیمؑ سن رشد و تمیز تک پہونچے تو آذر نے۔ خدا کی شان۔ اس حقیقی بت شکن سے بت فروشی کی خدمت لینی چاہی۔ آذر اپنی شامت اعمالی سے اس کاروبار کا مدت بیوپار کرتے تھے نفیس صنعتوں اور تحفہ دستکاریوں والے بُت تو آپ بیچنے کے لئے لیجایا کرتے تھے۔ اور معمولی بتوں کی فروخت کیلئے انھیں بھیجا کرتے تھے۔ عرب کی قدیم تاریخوں میں اوسوقت کے بعض واقعات حضرت ابراہیم کے ذکر میں آجتک محفوظ پائے جاتے ہیں اور وہ اس طرح مذکور و مشہور ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ ان بتوں کے پاؤں میں رسیاں باندھکر اونکو زمین پر گھسیٹے لیجایا کرتے تھے اور فرماتے جاتے تھے الیشترون شیئاً لا ینفعہ ولا یضرہ۔ کیا کوئی ایسی چیزوں کو مول لیگا جو نہ نفع پہونچا سکتی ہیں نہ ضرر کبھی ان سنگین مجسموں کو گھسیٹ کر دریا یا چشمہ کے قریب لاتے تھے اور زمین پر رکھکر اون سے کہتے تھے اشربوا وکان بقدر اگر تم میں قدرت ہو تو پانی پی لو۔ روضۃ الاحباب باسادمواہب روضۃ الصفا ج ۲ بانساد حافظ دینوری اور حیات القلوب مجلسی ج اول

ان واقعات پر اکثر بزرگوار معمولی اخبار۔ مقامی روایت اور اکثر افسانہ و داستان کا حکم لگاکر ان باتوں کو توجہ

اور اعتبار کے قابل نہیں سمجھتے۔ حالانکہ وہ اگر ذرا سی غور وخوض سے کام لیں تو اُن کی اصلیت کا اُنکے قلوب پر پورا انکشاف ہو جائے۔ قدرت نے اس موحد الٰہی کی طبیعت میں جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، بت پرستی سے نفرت۔ معرفت وخداشناسی سے خاص دلچسپی پیدا کر دی تھی، فطرت انسانی کے اصول ارتقا کے مطابق جیسے جیسے ان کے سن وسال میں ترقی ہوتی گئی، یہ جوہر بھی ویسے ویسے قوت پکڑتے گئے اور بڑھتے گئے۔ انکی طفولیت کا زمانہ رُشد وتمیز کے حدود تک آ پہونچا تھا۔ اور اس خاصہ خدا کی محقق اور متلاشی طبیعت اپنے مدعائے تحقیق کو ہر پہلو اور ہر طریقہ سے اپنی خاص فکر وتلاش کے ساتھ آپ سمجھنا چاہتی تھی۔ اس ضرورت وامتحان کی بنا پر کبھی ان پتھر کے لا وجود اور بیمقدار ٹکڑوں کو جن میں ہر قسم کی قوت وقدرت مشہور کی جاتی تھی۔ اس ذلت وحقارت سے زمین پر گھسیٹ گھسیٹ کر آزمایا جاتا تھا کہ اگر واقعی وہ پتھر کے مجسمے کسی قوت یا قدرت کے پیکر ہیں تو اپنی اہانت کرنیوالوں سے اُٹھکر دست وگریباں ہونگے۔ یا بدلہ لیں گے یا کم سے کم اونھیں کوئی جسمانی یا روحانی آزار پہونچائیں گے۔ اور کبھی اونکے قوائے روحانی کی جگہ اون کے مصنوعی اعضائے جسمانی کے احساس اور ادن میں اون کے وجود اور عملی قوت وامکان کا امتحان لیا جاتا تھا کہ پانی کے کنارہ لاکر رکھے جاتے تھے اور آزمایا جاتا تھا کہ اونکے ظاہری لب ودہاں میں اگر اتنی قوت وامکان ہے تو وہ پانی پیکر دکھلا دیں۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کے یہ تمام افعال واحوال آپ کے اوسی امتحان اور قلبی اطمینان کی غرض خاص پر مبنی تھے۔ جو آپ کی تحصیل معرفت کا دیباچہ ثابت ہوتے ہیں اور جنکا ذکر قرآن مجید کے متواتر مقامات میں مذکور ہے اور جو آپ کی حیات مسعودہ آیات ہیں آپ کی تحصیل معرفت، تحقیق توحید کے اصلی اور حقیقی معیار قائم ہوتے ہیں۔ ہم انکو علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے مقام پر اپنے سلسلہ بیان میں پوری تفصیل کے ساتھ بہت جلد بیان کرینگے جب آپ کے ان ابتدائی حالات وواقعات کا پورا تعلق آپ کے ان اصلی اور حقیقی معیار سے ملحق ہے جنکا ذکر قرآن مجید میں داخل ہے۔ تو باوجود اسکے کہ ان کے محالات عقلی یا عادی ہونے پر بھی کوئی وجہ یا دلیل قائم نہیں کی جا سکتی تو پھر انکو معمولی اخبار۔ مقامی روایات اور افسانہ وداستان ٹھہرانا بیعقلی کا انکار اور ناحق کا اصرار ہے۔

اپنے گھر کی نگہبانی قوم کے خداؤں کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کے یہ اہانت خیز حرکات عام شکایت کے باعث ہوئے تو لوگوں نے آذر کو حضرت ابراہیمؑ کی تنبیہہ وتادیب کیطرف توجہ دلائی۔ آذر نے ابراہیم سے یہ خدمت لینی موقوف کر دی اور اس ترکیب سے عام شکایت کا دروازہ بند کر دیا۔ مگر آذر نے یہ تو کر دیا اور گویا باہر کی توہین اصنام سے ابراہیم کو روک دیا۔ مگر اس سے گھر کے اندر

جوان بتوں کی ذلت و خرابی ابراہیمؑ کے ہاتھوں سے آئے گئے دن ہوا کرتی تہی اوسکی اصلاح کیسے ہوسکتی تہی۔ آذر نے بالآخر یہ تجویز ٹہرائی کہ انکو گہر کی دنبیاں چرانے کی خدمت سپرد کردی اور تارخ نے بہی یہ دیکھکر کہ ابراہیمؑ کا سن ان اقسام کے خانگی کاموں کے قابل ہوگیا ہے۔ اس تجویز سے اتفاق کرلیا۔ اور حضرت ابراہیمؑ کو گہر کی دنبیاں سپرد کردیں۔ اسوقت سے گویا اس ساعی میدان عرفان اور راعی قوم انسان نے تحصیل معرفت الٰہیہ اور تحقیق وجود لا متناہیہ میں اپنی عملی کوششوں کا پورا موقع پایا۔

چونکہ یہ خدمت خاص انبیاء و مرسلین کی سیرت کا جزو قدیم ثابت ہوتی ہے اسلئے حضرت ابراہیمؑ کے اپنے پیغمبر اولی العزم کی رسالت کا بہی اسکو دیباچہ تسلیم کرنا ہوگا۔ حضرت ابراہیمؑ نے نہایت مسرت سے اس خدمت کو قبول کرلیا۔ گہر کی دنبیوں کے گلہ کو لیکر آبادی سے دور پہاڑ کے دامن اور صحرا کے کہلے میدانوں میں لیگئے۔ یہ مقامات گہر سے زیادہ آپ کی دلچسپی۔ دلبستگی اور روحانی فرحت کے باعث ہوئی۔ کیونکہ آپکی خلوت پسند طبیعت کو خدائے سبحانہ تعالیٰ کے وجود۔ اوسکی وحدت و قدرت کے متعلق پورے اطمینان و فراغت سے غور و خوض کرنے کیلئے اس سے بہتر کوئی دوسرا مقام اور موقع نہیں ملسکتا تہا۔ ان حالات و واقعات پر غور کرنے سے اِن مشغلہ خاص میں آپ کا یہ روزانہ دستور العمل معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سویرے سے دنبیوں کو دامن کوہ یا بطن وادی میں لاکر چرنے کیلئے چہوڑ دیتے تہے۔ اور خود کسی غار میں بیٹہکر یا کسی پتہر کی چٹان سے لگ کر یا اوس صحرائے ناپیدا کنار کے کسی گوشہ میں جاکر معبود حقیقی کے وجود اور اوسکی وحدت کے مسئلہ میں دن دن بہر سوچتے۔ سمجہتے اور غور کرتے رہتے وہ میدان ہوتا تہا اور یہ تلاشی عرفان۔ اکثر اوقات پہاڑوں اور اون کی گہاٹیوں میں اس معرفت الٰہی کے شیدائی کو اپنی فکر و تلاش میں پورے پورے دن گذر جاتے تہے۔ اور محویت کے اسی وجدانی عالم میں اس سرگشتۂ عرفان کو اپنے سر و پا کی مطلق خبر نہیں رہتی تہی۔ سر مبارک زانوئے فکر پر جہکا رہتا تہا۔ حق بین آنکہیں تصور اور استغراق کے عالم خاص میں کبہی کہلی کبہی چہپی تہیں۔ تحقیق وجود اور تصدیق توحید کے مسئلہ پیش نظر تہے فطرت انسانی اور جذبات روحانی کے معارضے اور مجادلے سامنے تہے۔ یہ تنہا اور سنسان میدان، دشت و صحرا کا وسیع ریگستان پہاڑوں کے دامن۔ گہاٹیوں کے گوشہ عافیت۔ غاروں کی خلوت کے قدرتی منظر اس مجاہد فی سبیل اللہ کی دلچسپیوں کیلئے کافی تہے۔ یہ وہی سامان تہے اور اسباب جنکو رب الارباب ازلی نے انکی تعلیم و ہدایت تسکین و اطمینان اور تحقیق و امتحان کی غرض سے خاص طور پر فراہم فرما دئیے تہے۔ دنبیوں کو اپنے اذوقہ اور چارے کی تلاش تہی اور ابراہیمؑ کو نور معرفت کے نظارے کی۔

دن بھر اسی عالم و کیفیت میں اس شیفتہ حقیقت کو گذرتا تھا۔ رات ہوتی تھی تو دنبیوں کو گھر لاتے تھے۔ مگر گھر آنے پر بھی دن بھر کی محویت۔ اوسکی کیفیت اور اوسکے جذبات آنکھوں کے سامنے سے ہٹتے نہیں تھے۔ خوابگاہ استراحت بھی اسی تلاش وسعی کی جولانگاہ بنجاتی تھی اور تمام رات شاہد حقیقی کی جستجو اور خیال میں کٹ جاتی تھی۔

جناب ابراہیمؑ کے ایام طفولیت اسی مشق و ریاضت میں تمام ہو گئے۔ اور اب شباب کا زمانہ شروع ہو گیا جیسے جیسے سن میں ترقی ہوتی تھی اور قوائے جسمانی بڑھتے تھے۔ ویسے ویسے احساس وادراک عرفانی قوی اور مستحکم ہوتے جاتے تھے اور اصول نمو کے مطابق انکی کیفیت اور اہمیت میں یوماً فیوماً بڑھتی جاتی تھی منتظمان قدرت اور مدبران مشیت نے ان قدرتی مناظر اور انکے سامانوں کو انکی تعلیم و ہدایت تحقیق و تصدیق میں پوری کامیابی کیلئے ازحد مفید اور ضروری قرار دے لیا تھا اور یہ پر اثر دلچسپیاں بھی آپ کی فطرت صالح اور طبع مقدس کے مطابق اور بالکل موافق ثابت ہوئی تھیں۔ اسلئے اس خدا کے شیدائی اور اوسکی یکتائی کے عاشق صادق کو ان ویران مقامات اور سنسان خرابات کے مقابلہ میں نہ گھر کی راحت پسند تھی اور نہ گھر والوں کی معاشرت۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پورے سن تمیز پر پہونچکر شب کو گھر میں واپس آنیکا معمول بھی ترک کر دیا گیا۔ اور گھر میں کئی کئی دن تک آپکی صورت پر کسی کی نظر بھی نہیں پڑتی تھی۔ جوان ہو ہی چکے تھے۔ ہر قسم کی تمیز ہر قسم کی سمجھ آ ہی چکی تھی۔ اسلئے گھر والوں کو آپکے آنے یا نہ آنے پر کسی خاص اضطراب اندیشہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ جبتک سن کم تھا۔ تلاش و تحقیق کی مشق و ریاضت بھی کم تھی اور معلمان قدرت بھی سن کے اعتبار سے اس متعلم الہی پر تحصیل معرفت کا زیادہ بار ڈالنا نہیں چاہتے تھے جیوں جیوں سن بڑھتا گیا مشق و ریاضت بھی بڑھتی گئی۔ سن شباب پر پہونچ گئے تو تحصیل معرفت بھی حد و تکمیل تک پہونچ گئی۔ خدا کی یکتائی اور اوسکی شناسائی کے پیچیدہ اور اہم ترین مسائل پر غور و خوض کی ضرورت ہوئی۔ ان کے رموز و غوامض ایسے نہیں تھے۔ جو گھنٹہ دو گھنٹے یا ایک شبانہ روز کی تلاش و تحقیق میں حل ہو جاتے انکے لئے بہت زیادہ اور وسیع وقت درکار تھا اور بڑے غور کی ضرورت تھی اور گہری فکر و خوض کی حاجت چونکہ اس جوان صالح کے تمام قوائے مدرکہ ان معلومات و محسوسات کیلئے کامل طور سے موزوں اور طیار ہو چکے تھے اور تعلیم یزدانی جذبات روحانی کے ذریعوں سے تحریک و تائید پہونچانے کیلئے ہمہ دم معین و مددگار تھی۔ اسلئے حضرت ابراہیم نے گھر کا رہنا ترک کرکے زیادہ تر پہاڑوں اور صحراؤں میں رہنا اختیار کیا۔ دنبیوں کا چرانا اور گلہ بانی انکے لئے نظام قدرت کا ایک ظاہری حیلہ تھی۔ جو آخر میں تحصیل معرفت اور تفویض رسالت کا اصلی وسیلہ ثابت ہوئی۔

شاہد معرفت کی پہلی جلوہ آرائی - حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سن مبارک پچیس برس کا ہو چکا ہے ایکبار اسی محویت اور وجدانی کیفیت کے خاص عالم میں مسائل معرفت میں غور فرما رہے ہیں کئی دن ہو چکے ہیں گھر کی صورت نہیں دیکھی ہے۔ خور و نوش بالکل فراموش۔ نہ سونے کا خیال نہ آرام لینے کا ہوش بقائے روح کی ضرورت سے جنگل کے پھلوں اور چشموں کے پانی پر بسر ہوتی ہے جس جگہ بیٹھے ہیں وہیں بیٹھے ہیں۔ جس مقام پر محو فکر ہیں وہیں کے ہو رہے ہیں۔ ایسا عدیم المثال استقلال ہے اور استحکام۔ ایسی قوی محویت ہے اور استغراق کہ دنیا کی کوئی خواہش کوئی تعلق اوسے جنبش اور لغزش میں نہیں لا سکتا محویت کے اسی عالم میں کئی دن گذر چکے ہیں اور آجکا دن بھی بلا تصفیہ تمام ہو رہا ہے آفتاب غروب ہو رہا ہے آسمان کے بیشمار ستارے اس کھلے میدان اور صاف و شفاف ریگستان میں اپنی روشنی پھیلاتے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ مگر معرفت الہی کے اس شیدائی کو اپنی محویت میں کسی کی بھی خبر نہیں۔ وہ زانوے فکر پر سر غور جھکائے جہاں بیٹھا ہے وہاں بیٹھا ہے۔ یہانتک کہ رات کا حصہ زیادہ آگیا۔ مگر اوسکی محویت میں کمی نہ آئی۔ خدا خدا کرکے اس متلاشی نور معرفت کی آنکھیں تھوڑی دیر کیلئے ادہر ادہر اوٹھیں ادہر مطلعان قدرت اور منتظمان مشیت کو اس سرگشتہ معرفت کی ہدایت کا نہایت آسان اور سہل ذریعہ ہاتھ آگیا۔ نظر اوٹھاتے ہی خدا کے اس عاشق صادق نے ایک اختر تاباں اور کوکب درخشاں کو نہایت آب و تاب سے آسمان پر چمکتا دیکھا اور شاہد معرفت کی جلوہ نمائیوں کی محویت اور کمال اشتیاق میں اوسکی ضیا نمائی کو انوار حقیقت کی جلوہ آرائی سمجھا اور بیساختگی کے غیر متحمل عالم میں ھٰذَا رَبِّی پکار اوٹھا۔ تھوڑی ہی دیر میں اوسکی چمک دمک مدہم پڑ گئی۔ اور اس متلاشی حقیقت کو اپنی اس بیساختگی کی مبادرت کا فوراً خیال آگیا۔ اور زوال و انقلاب کو وجود ازلی اور نور ابدی کے منافی و مناقض پاکر اوسوقت اپنی مبادرت بیجا یاد آئی اور فوراً اِنِّی لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کہکر اوس جرم فلکی کی بے حقیقتی کا اظہار اور وجود حقیقت کے غیر متغیر ازلیت اور ابدیت کا اقرار فرمایا۔

اس تدبیر سے منتظمان قدرت نے اول بار اپنے وجود و معرفت کے اس متجسس کی اس حیرت انگیز طریقہ سے آزمائش کی اور اوس کو کامل پایا۔ ان سامانوں کو دیکھکر اصول عرفان اور وجود یزدان کا یہ متلاشی اور محقق اپنے اس کلیہ سے کہ زوال پذیر وجود ازلی اور ابدی نہیں ہو سکتا اپنا قلبی اطمینان فرماکر پھر اپنی اسی حالت محویت میں محو ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر نظر اوٹھاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ [illegible] پورے کمال کے ساتھ چاروں طرف روشنی پھیلاتا ہوا پاتا ہے اور اوس کی صاف و شفاف روشنی کے مقابلہ میں چھوٹے چھوٹے تاروں کی ہلکی ہلکی روشنی بالکل مدہم نظر آتی ہے یہ سماں اور اوسکے سامان دیکھکر اس مبتلائے شوق معرفت کے دل پر

پھر وہی کیفیت طاری اور لب زبان پر ھٰذَا رَبِّی کی پھر وہی عبارت جاری ہوتی ہے۔ چشم زدن میں ماہتاب بھی اپنے شرف کی منزلیں طے کر کے آہستہ آہستہ اپنی روشنی میں کمی پیدا کرنے لگا۔ یہ تغیر پذیر حالت دیکھکر پھر انکے دلمیں معبود حقیقی کی معرفت جوش زن ہوئی اور اب کی بار اس محقق عرفان نے اصول تحقیق کی جگہ درگاہ رب العزت میں اپنی ہدایت کی مسئلت ان الفاظ میں فرمائی لَئِن لَّمْ یَهْدِنِی رَبِّی لَأَکُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّینَ اگر میرا پروردگار مجھ کو راہ ہدایت نہ دکھلائے گا تو (کہیں میں بھی تو) نہ گمراہوں کی قوم میں ہو جاؤں۔ بارگاہ الٰہی میں یہ استغاثہ پیش فرما کر آپ نے پھر اپنا اطمینان قلب فرمایا اسی واقعہ سے انسان اپنے تمام کمالات عقلی کی بساط و حیثیت کا اندازہ کر لے۔ عام اس سے کہ اوس کی عقل کے جوہر اوس کی فکر و تلاش کے کمال۔ ترقی کے انتہائی درجہ تک نہ پہونچے ہوں مگر تاہم وہ قادر مطلق کی غیر مرئی تائید و توفیق کا ہر حال میں محتاج بنا رہتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سالہا سال کی تحقیق اور شبانہ روز کی فکر و تلاش۔ قدرت کے امتحان کے وقت لغزشہائے بشری سے آمیز ہو جاتی تھی۔ مگر آپ کی فطرت سلیمہ خدا کی توفیق و تائید انکی فوراً اصلاح کر دیتی تھی جسکا اعتراف و اقرار اوس پیغمبر برحق کی زبانی ابھی ابھی اوپر لکھا جا چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بشریت کو اپنی تلاش حقیقت میں ٹھوکر کھاتے ہوئے دیکھکر آخر میں ضلالت و گمراہی سے محفوظ رہنے کیلئے خدا سے یکتا سے دعا کی اور سوائے اسکے اپنی ہدایت اور تحصیل معرفت کا کوئی دوسرا وسیلہ اور ذریعہ نہیں پایا۔ یہ بھی اوس خاصہ ربانی کی کامل الاسبابی ہے اور کمال خدادادی۔

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس امتحان ثانی کے وقت بھی پوری کامرانی حاصل ہوئی۔ ماہتاب پر وجود رب الارباب کا کچھ یونہی سا دھوکا ہو گیا تھا وہ بھی آپ کے اوس قلبی اضطراب اور فوری جذبات کے باعث سے تھا جو حصول معرفت کے لاانتہا اشتیاق و تمنا کی شدت میں آپ کے قلب نورانی پر مستولی ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ ماہتاب بھی غروب ہو گیا اور یہ عالم بھی آپ کے دل سے زائل ہو گیا۔ فضائے عالم میں ماہتاب کے ڈوب جانیکے بعد چاروں طرف تاریکی پھیل گئی۔ ستاروں کی دھیمی روشنی اسکی کوئی اصلاح نہ کر سکی۔ خدا کا وہ سچا متلاشی اور اوسکے وجود کا حقیقی جویا انقلابات و تغیرات کے منظر۔ یخرجھم من الظلمات الی النور و یخرجھم من النور الی الظلمات کے گوناگوں عالم دیکھتا رہا۔ سمجھتا اور انپر نہایت تحقیق سے غور کرتا رہا اسی محویت۔ خاموشی اور خود فراموشی کے عالم میں اتنا عرصہ ہو گیا کہ رات کا باقی حصہ تمام ہو کر صبح کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ تاروں کی رہی سہی روشنی اور بھی دھیمی پڑنے لگی۔ نسیم سحر کی سبک خیز موجہ جنبانی شروع ہو گئی۔ درختوں پر جانور بولنے لگے۔ صبح کا سپیدہ پھیل چلا اور رفتہ رفتہ تمام دنیا روشن ہو گئی۔ اسی عالم میں معرفت الٰہی

کا یہ شب زندہ دار رہی اپنی محویت سے بیدار ہوا۔ سر اوٹھایا تو آفتاب عالمتاب کو سامنے پایا بشریت کا قیاس فطرت انسانی کا وسواس آگے آیا۔ اور اس حد سے زیادہ روشن اور سب سے بڑے اور عظیم الشان جرم فلکی کی اہمیت وعظمت پر قیاس کر کے اس کی زبان سے هٰذَا رَبِّي هٰذَآ اَكْبَرُ کا فقرا نکلا۔ مگر دوپہر ہوتے ہی اسکی تیزی بہی مدہم پڑ گئی۔ وہ حرارت۔ تمازت اور وہ آب وتاب بالکل جاتی رہی۔ اس محقق ربانی کو پہر اپنی تحقیق کی خامی اور حصول معرفت میں اپنی ناکامی کا پورا یقین ہو گیا۔ اور ایسا یقین کامل کہ دل سے وسواس وقیاس کے تمام خطور جاتے رہے۔ آنکھوں کے سامنے سے مجاز کے حجاب اٹھ گئے۔ شاہد حقیقت کے نور نے اپنا جلوہ دکھلایا۔ معرفت کی تحقیق کامل ہو گئی۔ اور خدا کے وجود وحدت کی تصدیق حاصل۔ چونکہ اس شیفتہ حقیقت کو اجرام فلکی کے عارضی اور مجازی انوار بار بار دہوکے میں ڈالتے تھے۔ اور پتھروں کے اصنام کے ساتھ ہی ساتھ ملک وقوم میں اجرام فلکی کی پرستش بہی بڑے زوروں سے جاری تہی۔ اسلیئے خدائے واحد کے اس اصلی مصدق نے اپنی تصدیق وتحقیق کے کامل ہو جانیکے بعد اپنے بیجا قیاس کی تردید وتنسیخ میں جو پہلا کلمہ اپنی زبان سے نکالا۔ وہ حقیقت میں گمراہان قوم ہی کیطرف خطاب اصلی تھا جو ان اوہام وقیاسات کے اعتبار پر ان اجرام کو اپنا معبود سمجہ کر پوج رہے تھے۔ جو کلمہ تمام قوم کی تعریض میں ارشاد ہوا تھا وہ یہ ہے۔ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۔ اے قوم کے لوگ! تم لوگ جو شرک کے کام کر رہے ہو۔ میں اوس سے بالکل بری الذمہ ہوں۔ اگرچہ حضرت ابراہیمؑ کی فطرت صالحہ قوم کے ان ناپاک اعمال وافعال سے ہمیشہ سے متنفر تہی۔ مگر جیسا کہ ابہی ابہی مذکورہ بالا صورت واقعہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ قوم وملک کے اس گمراہانہ اور مشرکانہ رسم ورواج نے اپکے عین تحقیق معرفت کے موقع پر بار بار حائل ہو کر اشتباہ وشکوک پیدا کرنا چاہا تہا۔ مگر آپ کی فطرت نہ کوئی معمولی فطرت تہی اور نہ آپکی طبیعت کوئی عامیانہ طبیعت۔ صانع عالم نے عالم وجود ہی سے آپ کی طبع مقدسہ کو فطرت صالحہ کے اصول و اجزا سے مصنوع ومرتب فرمایا تہا اور آپ کی طبیعت میں تقدیس۔ نیز بیاتقا اور اصطفا کے تمام بیش بہا جوہر بدو خلقت کے وقت ہی سے ودیعت فرمادیئے تھے۔ اس بنا پر بشریت کے اس ناگزیر اور عارضی اشتباہ اور قاصر عن الانفصال احوال ومواقع پر تائید ربانی اور توفیق یزدانی نے مختصر سے امتحان اور تہوڑی سی آزمائش کے بعد اپنے اس برگزیدہ بارگاہ کی پوری رہنمائی کر دی۔ اور پہر چشم زدن میں اوسکے کمال تحقیق اور غایت تصدیق میں ایسا ابدی استقلال واستحکام عنایت فرمایا کہ اوس کامل المعرفت نے بارگاہ رب العزت میں اوسکی عظمت وجلال کا اعتراف اور اپنی عبودیت کا اقرار ان الفاظ کے ساتھ ادا کیا۔ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ ترجمہ۔ میں نے تو ایک ہی کا ہو کر

اپنا رخ اوس ذات پاک کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمان و زمین کو بنایا ہے۔ اور میں تو مشرکوں میں سے (کبھی) نہیں ہوں۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی معرفت اور خداشناسی کے واقعات دنیا کے کارناموں میں اپنی آپ مثال ہیں۔ یہی وہ واقعات ہیں جنسے ہمارے مذکورہ بالا دعوی کا ثبوت کامل ملتا ہے۔ اس خدا رسیدہ بزرگ نے اپنے پروردگار کی یکتائی اور اوسکی بارگاہ تک اپنی رسائی پانے میں بار بار امتحان و آزمائش کی مصیبتیں اوٹھائیں۔ بشریت و روحانیت کے تمام دشوار گذار مراحل و مسالک طے فرماکے عقل سلیم اور نفس غیر مستقیم کے روزانہ مجادلات و مطالبات فیصل فرمائے قلب کے نورانی اقتباسات اور روحانی جذبات کو انسانی وساوس و قیاسات سے کبھی مغلوب نہ ہونے دیا۔ اشتباہ و اوہام کی تیرگی کو اپنے دل میں انوار حقیقت کے پاس آنے کی اجازت نہیں دی۔ طبیعت کے معمولانہ انداز کو برابر روکا فطرت صالحہ کی ہدایت و ارشاد کو ہمیشہ اپنا نصب العین بنایا۔ وجود الہی کی تصدیق کی اور اوسکی وحدت کی تحقیق معبود حقیقی کی تلاش و جستجو اپنی حیات و وجود کا اصلی مدعا سمجھا۔ آغاز طفولیت سے فکر شباب کا پورا زمانہ آگیا۔ مگر اتنی مدت میں ایک لحظہ کیلئے بھی یہ تلاش و خیال کبھی اپنے قلب نورانی سے نہیں نکالا۔ بالآخر سبیل معارف کے اس مجاہد کی روزانہ کوشش اور کد و کاوش نے اسکو ایسا کامل عارف باللہ اور حقیقت آگاہ بنایا جس نے تمام اقطاع میں اپنے فیضان ہدایت اور انوار ارشاد سے معرفت الہی کی روشنی پہونچائی۔ ایسا قدسی نفس حقانیت کا متلاشی۔ وحدانیت کا جویا۔ جو ابتلا و امتحان کے ہر موقع پر کامیاب و کامران رہ کر اپنی صادق الایمانی اور کامل الاعتقادی ثابت کرچکا ہو۔ کیونکر اپنی آپ مثال اور اپنی آپ نظیر نہیں تسلیم کیا جائیگا۔ جناب ابراہیم علیہ السلام کے واقعات حیات پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ آپ کی عمر کا تمام زمانہ ارض بابل سے ہجرت فرمانے اور شام و مصر و کنعان میں قیام رکھنے کی مدت تک خصوصاً تحقیق عرفان اور تصدیق ایمان کے معارض امتحان میں صرف ہوگیا ہے جس کو ہم اپنے سلسلہ بیان میں آگے اپنے اپنے مقام پر پوری تفصیل سے بیان کرینگے۔

مرقومہ بالا حالات و واقعات معرفت ابراہیمی کے وہ مکاشفات و مشاہدات ہیں جو قرآن مجید میں داخل ہیں۔ اسلامی مفسرین نے اسی ضمن میں آپ کے کمال معرفت کی ایک دوسری مثال قلمبند فرمائی ہے جسکو ہم ذیل میں مندرج کرتے ہیں۔

انوار حقیقت کی دوسری جلوہ نمائی۔ جناب ابراہیم علیہ السلام حضرت باریتعالی کی تلاش معرفت میں محو تھے۔ اور تحقیق وجود و وحدانیت میں سراپا غرق۔ اسی

محویت اور استغراق کے عالم میں دن بھر گذر گیا۔ رات ہوگئی اور وہ بھی اسی غور و خوض کی کیفیت میں تمام ہونے کی قریب پہونچ گئی متلاشی عرفان کو اوس میدان میں نہ دن کی خبر تھی نہ رات کی۔ اسی عالم میں صبح ہوگئی سپیدا پھیل چلا۔ مرغان سحر کی خوش آئند آوازیں آنے لگیں۔ دفعتاً کسی خوش آہنگ طیر صحرائی نے عجیب پُراثر اور دلکش آواز میں یوں نغمہ سرائی شروع کی سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنَا وَ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوحِ۔ تسبیح و تقدیس کے قابل وہی پروردگار ہے جو ملائکہ اور تمام ذی روح اشیا کا پیدا کرنے والا ہے معرفت الہی کے اس گوش بر آواز متلاشی نے جیوں ہی اس نغمہ سرائی کو اپنے کانوں سے سُنا فوراً اپنے مقام سے اوٹھا اور اوس آواز کے پیچھے ہولیا۔ مگر وہ ایسے ناآشنا کی آواز تھی جو صرف اپنی خوش نما آواز سنا تا تھا۔ اور اپنے حسن و جمال کا جلوہ نہ دکھاتا تھا۔ جو اس مشتاق جمال کا اصلی مدعا تھا اور حقیقی تمنا۔ لہٰذا ہر وہ طائر بھی ایسا شاطر نکلا کہ قدم قدم پر اپنی آواز تو سنا دیتا تھا مگر صورت نہ دکھلاتا تھا۔ ابھی تھوڑے سے فاصلہ پر اس کی آواز سنائی دی اور یہ اوسکی آواز پر وہاں جا پہونچا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ غرض اسی طرح جدہر جدہر وہ آواز آتی گئی۔ یہ اودہر اودہر پہونچتے گئے۔ یہاں تک کہ اپنی اس سعی و تلاش میں اپنے مقام سے بہت دور نکل آئے۔ اب اچھی خاصی صبح ہوگئی اور تمام روشنی پھیل گئی۔ تو وہ معجز نما نغمہ سرا میدان سے نکلکر ایک قریب کے پہاڑ پر بولتا ہوا معلوم ہوا۔ یہ متلاشی حقیقت اپنی رحمت اوٹھا کر یہی تحقیق حال کی کوشش سے نہ تھکا اور فوراً اوس پہاڑ کی چوٹی پر آیا۔ ادہر یہ پہاڑ پر پہونچے اودہر اوس نغمہ آرا نے قدرت نے پہاڑ کے دوسری طرف واسلے دامن میں اپنے خوش آہنگ نغمے سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنَا الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوحِ سنانے۔ آواز سنتے ہی یہ متلاشی حقیقت وہاں آیا۔ قدرت کی آزمائش مشیت کا امتحان ختم ہوگیا۔ ممتحنان الٰہی نے اسکی حقیقی کوشش کے کمال و انتہا کا اندازہ کرکے اپنا اطمینان کلی کرلیا۔ تو نظام ہدایت کے اسرار کا اوسکی حقیقت بیں آنکھوں کے سامنے پورے طور سے انکشاف کر دیا۔ اور حقیقت کے اس متلاشی نے دیکھ لیا کہ وہ ہوش ربا اور معجز نما آواز دینے والا نہ کوئی ایسا عجیب و غریب جانور ہے۔ جو اپنی ندرت میں عنقا ہو۔ یا قدر و قیمت میں ہما۔ بلکہ جنگل کا ایک معمولی سیاہ تیتر ہے۔ جو اپنی خوش آوازی سے خدا کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے۔

یہ دیکھ کر جناب ابراہیم نے اوسکی لاوجودی اور بے مقداری کا یقین تو کرلیا تاہم اسکی خوش آوازی دل سے نہ بھول جاہا کہ اوسکو پکڑ لیں۔ مگر اسکے اس ارادے سے پہلے ہی وہ یہ کہتا ہوا اوڑ گیا کہ اے حقیقت کے متلاشی۔ اس سے زیادہ میرے پیچھے نہ پڑ میں خدا کا فرشتہ اوسکی مشیت کا فرستادہ تھا۔

جو تیری ہدایت اور امتحان و اطمینان کی خاص کیضرورت سے بھیجا گیا تھا۔ حیات القلوب جلد اول۔

سیرت انبیا علیہم السلام کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ایسے ہی آسان اور معمولی طریقوں اور ذریعوں سے انبیا و مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین کو معرفت ربانی کی تعلیم و ہدایت کی جاتی ہے۔ اور انھیں ترکیبوں اور تدبیروں اور نیز اثبات وجود مصداق توحید۔ اور اذکار تسبیح و تحمید باریتعالی کے اسرار کا انکشاف کیا جاتا ہے۔ یہ واقعات بتلا رہے ہیں کہ تعلیم معرفت کے ساتھ ہی ساتھ خدا سے سبحانہ تعالی نے اپنے اس برگزیدہ بندے کو اپنی عبادت کے آداب اور طریقے بھی بتلا دئے تھے۔ جو حقیقت میں حصول معرفت کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔

ان واقعات میں ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تحصیل معرفت اور تحقیق وحدانیت کی حقیقت پوری تفصیل سے بیان کر چکے۔ یہ مقدس پیغمبر قدرت کے امتحانوں اور مشیت کی آزمائشوں میں ایسا کامل اترا کہ ممتحنان قدرت نے اس عارف اور کامل المعارف بزرگ کو اِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ (خدا نے ابراہیم کو اپنی چند نشانیوں میں آزمایا اور اس نے اوسکو پورا کیا۔) کے ایسے صاف اور روشن الفاظ میں تکمیل کی سند۔ اور اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (اور میں نے تجھکو لوگوں کا پیشوا بنایا) کی زرین عبارت میں قابلیت کا تمغا عنایت فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسالت

حضرت ابراہیم علیہ السلام ان مشاہدات حقیقت اور تکملہ معرفت کے بعد منصب رسالت پر فائز فرمائے گئے۔ اور منعم حقیقی کی ان لازوال نعمتوں سے مالا مال ہو کر گھر واپس آئے۔ اسوقت آپ کا سن تیس اور چالیس برس کے درمیان تھا تبلیغ رسالت نے اصول الہیہ کے مطابق آپ نے اپنی دعوت کا اعلان اور تعلیم و ہدایت کا اظہار اپنے ہی خاندان اور گھر والوں سے شروع کیا۔ اسلامی مورخین و محققین کی تحقیق میں آپ نے اپنی ماں کی ہدایت سے اپنی دعوت کی ابتدا فرمائی۔

آذر کی بی بی سے احتجاج صحرا سے واپس آکر اور بارگاہ رب العزت سے رسالت کا منصب پاکر حضرت ابراہیم نے دو تین دن محض خموشی اور سکوت میں کاٹے یہ اس جلیل القدر منصب کی جبروتی تاثیر ہے جو خالص خشیۃ اللہ سے تعبیر کی جاتی ہے سیرت انبیا و مرسلین پر نظر رکھنے والوں پر ظاہر ہے کہ آپکا یہ سکوت یہ خاموشی آپ کی تنہا ذات تک محدود و موقوف نہیں تھی بلکہ آپ سے ماقبل اور مابعد جتنے خاصان الہی اس عہدۂ جلیلہ پر مامور ہوئے ہیں۔ تفویض رسالت کے

وقت اون کی ایسی ہی حالت ہوئی ہے۔ آپ کی یہ خاموشی طبیعت کی کسی کدورت یا ناسازی کا اظہار نہیں کرتی تھی۔ بلکہ اوس سے ترک تعلق۔ گھر والوں کی صحبت اور اون کے اطوار و کردار سے قطعی ناراضی اور بے سرد کاری ثابت ہوتی ہے۔ قلبی تعلقات کی وجہ سے آپ کے اس سکوت اور ہمہ دم کی خاموشی سے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ۔ آپ کی (مجازی) ماں (جو حقیقتاً آپ کے چچا آذر کی بی بی تھیں) متاثر ہوئیں۔ آپ کے پاس آئیں اور پوچھنے لگیں چپ کیوں ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دینے اور وجہ خاموشی بتلانے سے پہلے استفسار فرمایا کہ آپ پہلے مجھے یہ بتلا دیں کہ میرا پروردگار کون ہے۔ جواب ملا تمہارا باپ (یعنی آذر) پوچھا گیا کہ باپ کا پروردگار کون ہے۔ جواب دیا گیا نمرود۔ استفسار کیا گیا کہ نمرود کا پروردگار کون ہے۔ اب تو آذر کی بی بی کی تحقیق انتہا تک پہونچ چکی تھی۔ کیونکہ اوسکے علم عقیدت میں نمرود کے بعد پھر نہ کسی میں یہ عظمت تھی اور نہ قدرت جو پروردگار ہونے کی حیثیت رکھتا ہو۔ ابراہیم سے قوم کے مسلمہ معبود نمرود کی نسبت یہ معترضانہ اور گستاخانہ استفسار سُن کر آذر کی بی بی جھلا اوٹھی۔ اور اوس سے صرف یہ کہکر چپ رہو۔ کیا بکتے ہو کہکر چلی آئی۔

آذر جو اوس وقت تمام خاندان کے افسر تھے اور ابراہیمؑ کے مربی۔ اور تمام گھر بار کے مالک و مختار اتفاق سے وہ بھی چلے آئے۔ اپنی بی بی سے ابراہیم کے استبدادی خیالات معلوم کر کے نہایت طیش میں آگئے اور اوسی وقت ابراہیم سے مستفسر حالات ہوگئے ابراہیم نے انکے ساتھ بھی وہی استفسار شروع کئے۔ یہ بھی اپنے گمراہانہ عقیدے کے جوابات کو آخر سلسلہ تک پہونچا کر اوسی طرح عاجز آگئے۔ اور سخت ناراض ہو کر انکے پاس سے اوٹھ گئے۔ روضۃ الاحباب جلد اول باسناد مواہب لدنیہ وغیرہا

اِن استفسارات کا حال قرآن مجید میں داخل نہیں ہے۔ مگر اسلام کے قدیم و جدید مفسرین و محدثین انکا ذکر اپنی کتابوں میں لکھتے آئے ہیں۔ اسلئے زمانہ جدید کے محققین کی اصطلاح خاص میں یہ مرویات عرب مقامی روایات کہی جائیں گی۔ مگر باینہمہ انکے وقوع میں مشکلات یا محالات کا کوئی سبب یا در قرینہ نہیں پایا جائیگا ہم نے اسی کی بنا پر حضرت ابراہیمؑ کی اس ابتدائی احتجاج سے اپنے سلسلہ کلام کو آغاز کیا ہے اور مناسبت مقام اور سلسلہ کلام میں باہمی ربط و تسلسل قایم رکھنے کیلئے ضرورتاً انکی نقل کو ضروری سمجھا ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ اور جناب ابراہیمؑ کے ابتدائی تبلیغ رسالت میں مساوت

تبلیغ رسالت کا پہلا فرض منصبی معرفت الٰہی کی دعوت اوسکے وجود اور وحدت کی تصدیق کرتا ہے اور اوسکا آغاز قربت اور خصوصیت کی وجہ سے اپنے

گھر والوں سے کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے تبلیغ رسالت میں بھی یہی اصول و طریقہ قائم رکھا اور اپنے گھر اور خاندان والوں کی تعلیم و ہدایت شروع کر دی۔ گھر کے بزرگوں اور سرپرستوں سے جس طرح اسکی ابتدا کی گئی اوس کی صورت اوپر بتلا دی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم کی تبلیغ رسالت کی یہ تمہید ہی مماثلت اور مطابقت غور و لحاظ کے قابل ہے۔ سلسلۂ ابراہیمی کے اشرف المرسلین اور خاتم النبیینؐ نے اسی تقلید و تاسی میں۔ نزول آیۂ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ کے موقع پر۔ اوسی طرح اپنے چچا ابولہب کی زجر و توبیخ اور گمراہانہ طعن و تشنیع سنی تھی جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے اپنے آغاز تبلیغ میں اپنے چچا آذر کے کلمات حقارت آمیز سُنے۔ آذر بھی ابولہب کی طرح مخالفت رسالت اور منکر نبوت بنا رہا۔ اور اس کے گمراہانہ انکار کا سلسلہ برابر قائم رہا۔ آذر کے ساتھ جس احتجاج کا ذکر ہم نے اوپر قلمبند کیا ہے۔ وہ محض ابتدائی تھا۔ اس احتجاج پر آذر نے اوس وقت صرف اتنا خیال کر کے ٹال دیا کہ کسی خاص وجہ سے ابراہیم کے جوانانہ خیالات میں ایک قسم کی غیر متوقع تحریک اور جوش پیدا ہو گیا ہے۔ جو رفتہ رفتہ سن کی طوالت اور قومی اور خاندانی معاشرت کے اثر سے زائل ہو جائیگا۔ حضرت ابراہیم نے بھی اسپر زیادہ اصرار کو ضروری نہ سمجھا اور خاموش ہو رہے۔

حضرت ابراہیم کا یہ سکوت عارضی تھا۔ آپ کو بت پرستی سے فطرتاً جتنی نفرت تھی اتنی ہی آذر کو عقیدت اور محبت۔ اجتماع ضدین ناممکن تھا۔ اس بنا پر جب کبھی باہم گفتگو کا موقع آجاتا تھا تو یہ سکوت جاتا رہتا تھا اور احتجاج کا وہی سلسلہ پھر شروع ہو جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم آذر کو بت پرستی سے روکتے اور اس ناپاک عقیدے اور طریقے سے منع فرماتے تھے۔ آذر اپنی جہالت اور ضلالت کی جھلاہٹ میں آپکے مدعائے اصلی کو تفصیل سے کان لگا کر نہ سُنتا تھا۔ آذر نہ سمجھتا تھا۔ ابولہب کیطرح ہمیشہ جھلاتا ہوا اور اول فول بکتا ہوا چلا جاتا تھا۔ اسلئے حضرت ابراہیم کو اطمینان سے آذر کو اپنے اصول ہدایت کے بتلانے کا کافی موقع ملتا تھا۔ اور نہ وہ کبھی ٹھنڈے دل سے آپ کے ارشاد کو سُنتا تھا اور نہ سمجھتا تھا۔

آذر سے احتجاج و انکشاف معرفت

اتفاق سے آذر ایک دن ابراہیم کے پاس آیا۔ اوس وقت اوسکا مزاج کسیقدر اعتدال پر تھا۔ حضرت ابراہیم نے اوسکے رُخ سے اعتدال و اطمینان کے آثار ہویدا و آشکار پاکر گفتگو شروع کی۔ یہ مکالمہ پوری تفصیل سے قرآن مجید میں مرقوم ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ	(اور اے پیغمبر) قرآن میں ابراہیم کا مذکور بھی (لوگوں سے) بیان کرو کہ وہ بھی بڑے ہی سچے (بندے) اور نبی تھے جب

وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا

اونہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ (ابا جان آپ کیوں ان (بتوں) کی پوجا کرتے ہیں۔ جو نہ کچھ سنتے ہیں اور نہ کچھ دیکھتے ہیں۔ اور نہ آپ کے کچھ کام آسکتے ہیں۔ ابا جان مجھکو (خدا کیطرف سے) ایسے معلومات حاصل ہوئے ہیں جو آپکو نہیں حاصل ہوئے تو اب آپ میرے پیچھے ہو لیجئے۔ تو میں آپ کو سیدھا راستہ بتلا دوں گا ابا جان شیطان (کے کہے میں آکر بتوں) کو نہ پوجئے کیونکہ شیطان (خدائے رحمان سے باغی ہے۔ ابا جان مجھکو اس بات سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ایسا نہو کہ (خدائے) رحمان کیطرف سے آپ پر کوئی عذاب آئے اور آپ شیطان کے ساتھی بنیں۔

آذر اپنی شامت اعمال سے حضرت ابراہیم کے اس خیر خواہانہ مواعظ کا ان کا فرانہ انداز میں جواب دیتا ہے۔

قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا

ابراہیم کے باپ نے کہا کہ ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آئیگا تو میں ضرور تجھے سنگسار کردونگا اور اپنی خیر چاہتا ہے تو میرے سامنے سے دور ہو جا۔

جناب ابراہیم کمال معرفت کے اثر سے پر جلال ہو کر جواب دیتے ہیں۔

قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُو رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا

سورۂ مریم مکی ع ۳

ابراہیم نے کہا (اچھا تو) میرا سلام ہے۔ (اسپر بھی) میں اپنے پروردگار سے آپکی مغفرت کی دعا کرونگا۔ (کیونکہ) وہ مجھپر حد درجہ مہربان ہے اور میں نے تم (بت پرستوں) کو اور تمہارے اُن (بتوں) کو جنکو تم خدا کے سوا (حاجت پڑنے پر) پکارتے ہو۔ (سبکو) چھوڑا اور اپنے پروردگار کو پکاروں گا امید ہے کہ میں اپنے پروردگار سے دعا مانگنے میں بے نصیب نہونگا۔

مندرجہ بالا عبارت قرآنی سے احتجاج ابراہیمی کی پوری کیفیت معلوم ہوئی۔ اور یہ بات بھی بخوبی ظاہر ہو گئی کہ اس داعی توحید نے آذر سے ایکبار معرفت اور خدا شناسی کے دلائل، کفر، شرک اور بت پرستی کے نقائص زاید تفصیل سے بیان کئے تھے اور امید کی تھی کہ آذر اسکے سمجھنے میں غصہ و جہالت کی جگہ عقل و فراست سے کام لیگا۔ اور دونوں طریقوں کے نیک و بد پر غور کریگا۔ مگر آذر تھا سخت کافر، خدا کا منکر اور بتوں کا عاشق۔ ایکبار بھی پیغمبر برحق کی دعوت اور موعظت سے اثر پذیر نہوا۔ اور اپنی ضلالت و جہالت کے طیش میں آکر اُٹھ گیا۔ اور جناب ابراہیم کے اون اخلاق کریمانہ کی بھی کوئی قدر نہ کی جو باوجود اسکی عصبیت کے آپ نے اوسکی مغفرت کیلئے وعدوں کی صورت میں ظاہر فرمائے تھے۔ اور جن سے اسکے

حقوق پرورش کی صرف ادا کاری مقصود تھی۔ مگر بتوں کی محبت اور بت پرستی کے ساتھ عقیدت رکھنے کے مقابلہ میں آذر کو نہ جناب ابراہیمؑ کا کوئی درد تھا اور نہ کوئی قدر و منزلت۔ اوس پیغمبر برحق اور موحد مطلق نے آذر کی شامت اعمالی کی صورت حال ملاحظہ فرما کر صاف صاف الفاظ میں کہدیا کہ اگر تو مجھ سے اور میری تعلیم و ہدایت سے ایسی نفرت ظاہر کرتا ہے تو میں بھی تجھ سے اپنے تمام تعلقات موقوف و متروک کرتا ہوں

قوم مشرکین وکافرین سے احتجاج

حضرت ابراہیمؑ کا اپنے کمال معرفت پر اصرار و استقلال آپ کے ساتھ آذر کی آزردگی، ناراضی اور نفرت کو برابر بڑھاتا رہا۔ قرآن مجید میں ان احتجاج و مکالمات کا متواتر مقامات پر ذکر آیا ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے آذر کے ساتھ اوس کی ہدایت کے لئے ایسے احتجاج متواتر قائم فرمائے۔ پہلے تبلیغ رسالت کے اصول کے مطابق اوسکو، پھر اوسکے بعد ساری قوم کو خدائے واحد پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اور قرینہ بھی یہی بتلا رہا ہے کہ آذر نے اپنی غایت درجہ کی ضلالت کیوجہ سے پہلے آپ پھر ساری قوم کے حامی و اکابر کے ذریعہ سے اس داعی کلمۃ اللہ کی تعلیم و ہدایت کے امتناع میں گمراہانہ کوششیں ضرور کی ہونگی اکابران قوم حقیقت میں سخت سے سخت کافران قوم تھے۔ ان سے احتجاج کیوقت جس اعلیٰ پیمانہ پر عقلی، اخلاقی اور تمدنی دلائل سے انکی تعلیم و ہدایت فرمائی گئی اور خداپرستی کی سیدھی اور سچی راہ بتلائی گئی۔ وہ قرآن مجید کے سورۂ انعام رکوع ۵ میں درج ہے۔

وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحَاجُّونِّي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ

سورۂ انعام رکوع ۵

(اے پیغمبرؐ) ابراہیم کی قوم کے لوگ اون سے (اس بات پر) آئے جھگڑنے۔ تو ابراہیمؑ نے کہا کہ تم مجھ سے خدا کی (وحدانیت کے) بارے میں جھگڑتے ہو۔ حالانکہ وہ تو مجھکو (اپنی توحید کا) سیدھا راستہ دکھلا چکا ہے۔ جن (بتوں) کو تم اوسکا شریک ٹھہراتے ہو تو میں کچھ اون سے ڈرتا نہیں (نہ مجھکو وہ کچھ نقصان پہونچا ئیں گے) مگر ہاں میرا پروردگار ہی (مجھکو کچھ نقصان پہونچانا چاہے) تو اوس کی مرضی۔ میرا پروردگار تو اپنے علم کی رو سے سب چیزوں پر حاوی ہے۔ کیا تم (اس بات کا) خیال نہیں کرتے۔ اور جن چیزوں کو تم شریک خدائی بتلاتے ہو۔ میں اوس سے کیوں ڈرنے لگا۔ جبکہ تم اس بات سے (مطلق) نہیں ڈرتے۔ کہ تم نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک خدائی بنا یا جنکے (معبود ہونے کی)

سند خدا نے تمہارے لئے نہیں اوتاری تو ہم دونوں فریقوں میں سے کون سا فریق امن کا اور اطمینان سے رہنے کا حقدار ہے۔ اگر تم لوگ عقل رکھتے ہو (تو تم ہی آپ سمجھ لو) جو لوگ خدا پر ایمان لائے اور اونہوں نے اپنے ایمان میں ناانصافی (شرک) کی آمیزش نہیں کی۔ یہی لوگ ہیں جو امن و اطمینان خاطر کے مستحق ہیں اور یہی لوگ راہ راست پر ہیں۔ یہ ہماری سکھائی ہوئی دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو اونکے قائل معقول کرنے کیلئے بتلائی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں رتبے بلند کرتے ہیں۔ اے پیغمبر تمہارا خدا بیشک بڑا حکمت والا سب کچھ جانتا ہے۔

یہ تھے جناب ابراہیم کے کمال معرفت۔ یہ تھی آپ کی خداشناسی۔ یہ تھے آپکے اقرار عبدیت اور اوسکی معبودیت کے اعتراف اسکے اظہار و اقرار میں کسی فانی ہستی یہ مٹ جانیوالے وجود کے ظاہری تعلق کا جزو آیا نہ لگاؤ۔ کوئی لگاؤ نہیں پایا جاتا۔ نہ کسی کی دولت و ثروت۔ قوت و سلطنت کا خوف و خیال کیا جاتا ہے اور نہ کسی قرابت مند اور خاص اہل و عیال سے ترک تعلق کئے جانے پر کوئی رنج و ملال فرمایا جاتا ہے۔ صاف صاف الفاظ میں ارشاد ہوتا ہے کہ یہ تعلقات گو بطور ظاہر کیسے ہی گہرے اور ضروری ہوں مگر خدائے واحد کی معرفت اور اوسکے تقرب و توسل کے آگے انکا نہ کوئی وجود ہے اور نہ ہستی۔ دنیا کے فنا ہو جانے والے وجود چاہے کتنے صاحب ثروت و قوت نہ ہو جائیں۔ مگر قادر مطلق کی وحدانیت پر پختہ ایمان والے گو کیسے ہی نحیف الجثہ اور ضعیف الاعضا ہوں۔ اون سے ایک لحظہ کیلئے بھی خوف اور مرعوب نہیں ہوتے۔ صرف اسلئے کہ خدائے قادر کی قوت کے مقابلہ میں وہ انکی قوت و طاقت کو غنمہر بھی نہیں سمجھتے۔ خدا کو ایک جاننے والا تنہا اوسکے مطیع رہ کر نہایت اطمینان و آزادی سے رہتا ہے اور صرف ایک اوسی کی رضا و خوشنودی کی فکر رکھتا ہے۔ سیکڑوں اور ہزاروں خدا ماننے والے ہمیشہ رد و بدل۔ ترجیح و تفضیل کی غیر مطمئن اور غیر مستقل حالتوں میں مبتلا رہتے ہیں اور رات دن اپنے کثیر التعداد معبودوں کے راضی و خوشنود رکھنے میں گرفتار رہتے ہیں۔ اسی لئے اون کی زندگی کے ایام نہ امن و آرام کے ایام ہو سکتے ہیں اور نہ اون کا زمانہ اطمینان و آزادی کا زمانہ۔ مگر اہل قوم آپ کے اس احتجاج و ارشاد کا کوئی جواب نہ دیسکے اور حقیقت میں عاجز اور قائل ہو کر دل ہی دل میں حضرت ابراہیم کی عقل سلیم اور آپ کے خداداد ذہن و ذکا کی تعریفیں کرتے ہوئے آپکی خدمت سے واپس آگئے۔

اب ملک و قوم میں حضرت ابراہیم کے عقائد اور ارشاد و ہدایت کے چرچے ہونے لگے۔ اور ہر شخص آذر کے سلسلے سے جو قوم کے مذہب قدیم کا سب سے بڑا حامی۔ اور اوسکے خاص گھر سے۔ جہاں ملک و قوم کے ونرات خدا بنا کرتے تھے۔ ایسے مخالف مذہب شخص کا پیدا ہونا بہت بڑی تعجب کی بات سمجھتا

تھا اور سخت نفرت سے دیکھتا تھا۔ انہیں حالات کے ساتھ یہ بات بھی تمام قوم کے لوگوں کو متیقن ہوگئی کہ حضرت ابراہیم باوجود اپنے بزرگان قوم کی فہمایش کے بھی اپنے عقائد کو نہ چھوڑیں گے۔ جیسا اون لوگوں کے مونہہ پر بڑے استقلال و استحکام سے وہ کہہ چکے ہیں۔ ان تمام واقعات کی بنا پر جناب ابراہیم کی دعوت اور تبلیغ رسالت کی نسبت قوم کافرین کا استعجاب ہی نہیں بڑہتا تھا بلکہ اضطراب بھی اور ہر شخص ان امور کے نتیجہ کا بیچینی سے انتظار کر رہا تھا۔

خلیل اللہ کے وعظ و ارشاد اور کافرین قوم سے بار دیگر احتجاج

پیغمبر برحق۔ کوئی حالت ہو۔ خدمت رسالت کی انجام دہی سے باز نہیں رہ سکتا کس لئے شنود یا نشنود او گفتگو کے میکند کا عالم ہوتا ہے حقیقت ہیں کافرین قوم و ملک کے پاس آپ کی دعوت کی تصدیق و تسلیم کے سوا تکذیب و تردید کا کوئی معقول طریقہ نہیں تہا۔ صرف نفسانیت۔ خوف سلطنت اور جہالت اونکو حصول ایمان کی سعادت سے روکتی تہی۔ حضرت ابراہیم کسی وقت ان کی دعوت سے نہ رکے اور ہمیشہ نہایت آزادانہ اور دلیرانہ طور پر ان کے عقائد فاسد کی تکذیب و تردید اور اصول توحید کی ترویج و تاکید فرماتے رہے۔ ان واقعات کے متعلق آپ کے احتجاج و ارشاد و مواعظ و خطبات۔ زیادہ مطول۔ مفصل۔ اور مدلل ہوتے تھے۔ قرآن مجید کے سورۂ شعرا کی مفصلہ ذیل عبارت سے اوسکی پوری حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي مِنَ

اے پیغمبر ان لوگوں کو ابراہیم کا حال پڑھکر سناؤ کہ جب اونہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پونچہا کہ (تم لوگ) کس چیز کو پوجتے ہو۔ اونہوں نے جواب دیا کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور انہیں کی سیوا کرتے رہتے ہیں (ابراہیم نے) پونچہا کہ (بھلا) جب تم انکو پکارتے ہو تو یہ تمہاری سنتے ہیں۔ یا تم کو فائدہ یا نقصان پہونچا سکتے ہیں۔ اونہوں نے کہا نہیں۔ مگر ہم نے اپنے بڑوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا (ابراہیم) بولے کہ کچھ خبر بھی ہے جن چیزوں کو تم اور تمہارے اگلے باپ پوجتے آئے۔ یہ تو میرے دشمن ہیں۔ ہاں (میرا سچا دوست تو) پروردگار عالم ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی (دنیا و دین کی مشکلات میں) میری رہنمائی کرتا ہے۔ اور جو مجھکو کھلاتا اور جو مجھکو (پانی) پلاتا ہے

الصّٰلِحِیْنَ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ اِنَّهٗ کَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ وَقِیْلَ لَهُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ هَلْ یَنْصُرُوْنَکُمْ اَوْ یَنْتَصِرُوْنَ فَکُبْکِبُوْا فِیْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ وَجُنُوْدُ اِبْلِیْسَ اَجْمَعُوْنَ قَالُوْا وَهُمْ فِیْهَا یَخْتَصِمُوْنَ تَاللّٰهِ اِنْ کُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ اِذْ نُسَوِّیْکُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ وَلَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ فَلَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّةً فَنَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً وَمَا کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھہ کو شفا دیتا ہے۔ اور جو مجھکو ماریگا اور مارے پیچھے پھر (وہی) مجھہ کو جلائیگا اور جو (بخشنے والا مہربان ہے اور اوس سے) مجھہ کو توقع ہے کہ (روز جزا) وہ میرے قصور معاف کریگا۔ اے میرے پروردگار مجھہ کو (دین کی) سمجھہ عنایت فرما اور مجھہ کو (اپنے) نیک بندوں میں لیجا شامل کر اور آنے والی نسلوں میں میرا ذکر خیر جاری کر اور آرامگاہ جنت کے وارثوں میں سے مجھہ کو بھی (ایک وارث) بنا اور مجھکو اور میرے باپ کو بخشدے کہ وہ گمراہوں میں سے ہیں اور جب لوگ (دوبارہ جلاکر) اوٹھا کھڑے کئے جائیں مجھکو اسدن رسوا نہ کیجیو کہ اوسدن نہ مال ہی کام آئیگا نہ بیٹیا بیٹی (کام آئیں گے) مگر (ہاں اوسی کی نجات ہوگی) جو پاک دل لیکر خدا کے حضور میں حاضر ہوگا۔ اور جنت پرہیزگاروں سے قریب کی جائیگی۔ اور دوزخ نکالکر گمراہوں کے سامنے لائی جائیگی اور اون سے کہا جائیگا کہ خدا کے سوا جن چیزوں کو پوجتے تھے (اب) وہ کہاں ہیں کیا وہ تمہاری کچھہ مدد کرسکتے ہیں یا (تمہاری طرف سے) کچھہ انتقام لے سکتے ہیں۔ پھر وہ (معبود) اور گمراہ لوگ (جو اونکی پرستش کرتے تھے) اور شیطان کے لشکر سب کے سب اوندھے مونہہ دوزخ میں ڈھکیل دئے جائینگے اور گمراہ اور اونکے معبود وہاں (آپس میں) جھگڑنے لگیں گے اور (جھگڑنے کے وقت) گمراہ لوگ (اپنے معبودوں سے) کہینگے کہ بخدا ہم تو صریح گمراہی میں تھے۔ کہ ہم تمکو پروردگار عالم کے برابر سمجھتے تھے۔ اور ہم کو تو بس (ان دوسرے) گنہگاروں نے گمراہ کیا۔ تو (اب) نہ ہمارے کوئی سفارش کرنے والا ہے۔ اور نہ کوئی دلسوز دوست ہے۔ کاش ہمکو (دنیا میں) پھر لوٹ کر جانا ہو کہ ایمان والوں میں (شامل ہوکر) رہیں بیشک ابراہیم کے اس قصہ میں (بھی) ایک بہت بڑی عبرت ہے اور ابراہیم کی امت میں اکثر ایمان لانیوالے بھی نہیں تھے۔

حضرت ابراہیم کے اس مکمل اور مفصل ارشاد سے جہاں تک عالم ایجاد میں احکام و فرمان الہی کی تعلیم و ہدایت فرمائی گئی اوسی قدر عالم معاد میں بھی جو کچھہ معتقدین شریعت خداوندی کو نیک اعمال کی جزا اور مشرکین و منکرین کو اون کی بد اعمالی کی جیسی کچھہ سزا و عقوبت اوٹھانی ہوگی۔ اور پھر اوسوقت اون کی ندامت و انفعال اون کی زبان حال سے جو کچھہ کہلوا سے گا۔ وہ ایک ایک کرکے تمام عالمتوں کو کنفیہ بیوں

کے ساتھ معلوم ہو گیا تبلیغ رسالت کے اس طریقہ سے پیغمبر برحق نے مسائل معرفت۔ وحدانیت اور جبروت و قدرت الہٰیہ اور نیز سزا و عقوبت۔ رحمت و رافت لا متناہیہ کے تمام فضا و عالم دکھلا دئے ہیں۔ اور انھیں مواعظ کے ساتھ ہی ساتھ اپنی رسالت کی زبان سے اپنی اخلاق کریمانہ کی شان دکھلا کر۔ خدا سے قادر و توانا کے سامنے منصب رسالت پر فایز ہونیکے بعد بھی اپنی لا وجودی۔ بے بساطی۔ بیمقداری اور عجز و انکسار کے نہایت سنجیدگی و متانت سے اعتراف و اظہار فرما دئے ہیں اور پھر حقوق پرورش اور صلہ رحم کے اظہار میں۔ اپنے چچا آذر کیلئے جنکے کفر و شرک کا ذاتی علم تھا مغفرت بارگاہ رحمت سے طلب فرمائی گئی۔

سیرت انبیا علیہم السلام پر کافی نظر رکھنے والے حضرات ان تمام ارشادات کو اشرف الانبیا خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وآلہ التحیۃ والثنا کے مواعظ و خطبات سے آیندہ چلکر ملائینگے تو دونوں کے مقاصد و مطالب کا ایک ہی مرکز اور مرجع پائیں گے۔

اسی مضمون کے مواعظ و ارشاد ابراہیمی سورۂ عنکبوت میں بھی مذکور ہیں۔

وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ وَإِن تُكَذِّبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّن قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَن يَشَاءُ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَئِسُوا مِن رَّحْمَتِي وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔

(اے پیغمبر) ابراہیم کے حالات (ان لوگوں سے) بیان کرو جب اونہوں نے اپنی قوم (کے لوگوں) سے کہا کہ خدا کی عبادت کرو۔ اگر تم عقل رکھتے ہو تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے (مگر) تم تو خدا کے سوا بس بتوں کی پرستش کرتے ہو۔ اور جھوٹی جھوٹی باتیں (دل سے) بناتے ہو۔ خدا کے سوا تم جن (معبودوں) کی پرستش کرتے ہو تمہیں روزی دینے کا ذرا اختیار نہیں رکھتے تو روزی خدا ہی سے مانگو اور اوسی کی عبادت (بھی) کرو۔ اور اوسکی نعمتوں کا شکر بھی بجا لاؤ۔ (کیونکہ) تمکو اوسی کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے اگر تم مجھکو جھوٹا سمجھو تو تم سے پہلے بھی امتیں (اپنے پیغمبروں کو) جھٹلا چکی ہیں اور رسول کے ذمے تو (حکم خدا کا صاف) پہونچا دینا ہے اور بس کیا لوگوں نے (اس بات پر) نظر نہیں کی کہ خدا کس طرح مخلوقات کو اول بار پیدا کرکے پھر اوسی طرح کی مخلوقات کو بار بار پیدا کرتا رہتا ہے۔ جو اللہ کے نزدیک سہل سی بات ہے۔ (اور ہم نے ابراہیم سے یہ بھی) ارشاد کیا کہ ان لوگوں کو سمجھاؤ کہ تم لوگ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ خدا نے کسطرح

پر اول بار (مخلوق کو) پیدا کیا پھر (اوسی طرح وہی) اللہ (لوگوں کو قیامت کے دن) آخری اوٹھانا بھی اوٹھائے گا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جسے چاہے عذاب دے۔ اور جسپر چاہے رحم کرے اور تم سب اوسی کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے۔ اور تم تو نہ زمین میں (چھپکر) خدا کو ہرا سکتے ہو اور نہ آسمان میں (اوڑکر) اور نہ خدا کے سوا تمہارا کوئی کارساز ہے اور نہ مددگار۔ اور جو لوگ خدا کی آیتوں کو اور (قیامت کے دن) اوسکے حضور میں حاضر ہونے کو نہیں مانتے۔ یہی لوگ ہماری رحمت سے مایوس ہو بیٹھے ہیں اور یہی لوگ ہیں جنکو (آخرت میں) عذاب دردناک (ہونا) ہے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کا خطبہ یا قوم سے احتجاج

خدا کی وحدانیت۔ اوسکی معرفت۔ اوسکی معبودیت اور اوسکے کمال قدرت کا تفصیلی دفتر ہے۔ آپ نے ان مسائل الہیہ کے متعلق ایسے قوی اور مستحکم دلائل اونکے سامنے پیش کیے کہ وہ آپکی عقل سلیم اور دلائل و براہین مستقیم کو سنکر حیران ہو گئے۔ اس احتجاج کے ابتدائی حصہ میں تو اونکو اونکے زمانہ حیات میں حصول عرفان اور قبول ایمان کی نسبت دعوت فرمائی گئی تھی۔ اسکے منافع اور مصالح انکو دکھلائے اور بتلائے گئے تھے۔ مگر اسکے آخری حصہ میں عالم معاد اور آخرت کے متعلق خدا پرستی، خداشناسی اور دنیا سے باایمان اوٹھنے کے تمام راحت و آرام کو بیان فرمایا گیا اور سمجھایا گیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ مشرکین ذات الہی اور منکرین قدرت لامتناہی کی آخرت میں سزا و عقوبت اور ہلاکت و تباہی بھی ثابت کر دیگئی۔ مگر حقیقت میں پتھر پوجنے والوں کے دل پتھر ہو گئے تھے۔ آنکھیں پتھرا گئی تھیں قلب سیاہ اور عقل زائل اور اسی طرح تمام قوائے مدرکہ غائب ہو گئے تھے۔ ایسی حالت میں اون کی ضلالت جہالت اور شقاوت کے پاس سوائے اسکے اور جواب ہی کیا تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی آئندہ عبارت سے ظاہر ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ	قوم کے پاس۔ انکی باتوں کا سکے سوا (اور کوئی) جواب ہی نہیں تھا کہ (آپس میں) لگے کہنے کہ اسکو یا مار ڈالو یا جلا ڈالو۔

اونکی یہ شقاوت قلبی اور سیہ روئی بہت جلد سلسلہ بیان سے آئندہ معلوم ہوگی۔

قوم مشرکین کی عظیم ترین عید کے دن خلیل اللہ کی بت شکنی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس معجزنما احتجاج نے قوم مشرکین کے تمام افراد کو غیر متحمل اضطراب میں ڈال رکھا تھا دعوت ابراہیمی کا تذکرہ زبان زد خاص و عام ہو ہی رہا تھا رفتہ رفتہ نمرود کے دربار سلطانی میں بھی جا پہونچا۔ اس لئے آذر سے کئی بار اسکے متعلق استفسار بھی کیا تھا۔ مگر جہاں تک اسکے متعلق اوسکو اطلاع پہونچی تھی وہ ایسی دہشتناک اور خوف کا باعث نہیں تھی۔ اسی

اثنا میں اون کی ایک بہت بڑی سالانہ عید کا دن قریب آگیا آنیوالی عید کے تذکرہ میں دعوت ابراہیمی کا
بھی ذکر آگیا۔ یہ تجویز ہوئی کہ اسی عید میں ابراہیم کے تمام مخالف عقاید کا امتحان و انکشاف ہو جائیگا۔ قدیم
دستور کے مطابق قوم کے ہر فرد کو عید کے دن حاضر صحبت ہونے اور مراسم عید بجالانے کی عام نوید دیگئی
اور حضرت ابراہیمؑ کو بھی خاص طور پر مدعو کیا گیا۔

عید کا دن ہوا۔ ہر خاص و عام، چھوٹے بڑے اپنے دستور اور رواج کے مطابق اپنی قومی عید منانے کیلئے
جمع ہوئے۔ آذر اور اوسکے احباب خواص۔ اکابر و عمائد قوم نے حضرت ابراہیمؑ سے تشریف لے چلنے کے لئے
عرض کی۔ آپ نے پہلے اخلاقاً اور اونکی ستارہ پرستی پر تعریضاً۔ آسمان کے ستاروں کیطرف دیکھکر اِنِّی سَقِیْمٌ[1]
میں کچھ ناساز ہوں۔ کہکر اپنی مجبوری ظاہر کی اور اون لوگوں کو ٹال دینا چاہا۔ مگر وہ آپ کے انکار پر جبائت کے
خواہ مخواہ اصرار کرنے لگے۔ تو آپ سے نہ رہا گیا۔ اوس تمام مجمع کو مخاطب کرکے جس میں چچا آذر بھی تھے
احتجاج و استرشاد کا وہی سلسلہ اوٹھا یا گیا۔ قرآن مجید میں ہے۔

لَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ
عٰلِمِيْنَ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ
الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا
لَهَا عٰبِدِيْنَ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ
مُّبِيْنٍ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ
قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ
فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ وَ
تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا
مُدْبِرِيْنَ

اور ہم نے ابراہیمؑ کو شروع ہی سے فہم سلیم عطا کی تھی اور
ہم (اون کی صلاحیت سے) خوب واقف تھے۔ جب
اونہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم (کے لوگوں) سے کہا کہ
صورتیں جن کی پرستش پر تم جمے بیٹھے ہو یہ ہیں کیا چیز؟ وہ بولے
ہمنے اپنے بزرگوں کو ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے (ابراہیم نے)
کہا کہ تم اور تمہارے باپ دادے صریح گمراہی میں پڑے رہے
وہ بولے تو کیا ہمارے پاس سچی بات لیکر آیا ہے یا دل لگی کرتا ہے
(ابراہیم نے) کہا (دل لگی کی بات نہیں) بلکہ آسمان و زمین کا
پروردگار جس نے انکو پیدا کیا۔ وہی تمہارا بھی پروردگار ہے اور
میں اوسکا گواہ ہوں (اور آہستہ سے یہ بھی کہا) کہ خدا کی قسم تمہارے پیٹھ پھیرے اور گئے پیچھے میں تم لوگوں کے ساتھ ایک
چال کروں گا۔

اس مکالمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی بے وجودی اور بت پرستی کی جہالت۔ اسلاف
قدیم کی گمراہانہ اور کورانہ تقلید۔ خدائے واحد کی ربوبیت۔ عظمت و تقدیس۔ اونپر پورے طور سے ظاہر کردی
مگر اون سنگدلوں کو اپنے کفر و الحاد پر ویسا ہی مصر پاکر سکوت فرمایا۔

[1] کیا بحالت صحت جناب ابراہیم کا اظہار بیماری کرنا اصول تقیہ یا توریہ کا ثبوت نہیں ہے۔ فافہم فتدبر

اتنی گفتگو کے بعد وہ عید منانے کے مقام مقررہ پر چلے گئے۔ زیادہ رات گئے تک تمام لوگ عید گاہ کی سیر و تماشہ میں مصروف رہے۔ حضرت ابراہیم وقت کے منتظر تھے۔ موقع پاکر اپنی اوس عملی تدبیر کی تعمیل کیلئے اوٹھے جسکا اشارہ عبارت قرآنی میں موجود ہے۔ اور ہم نے جس پر خطوط کھینچ دیئے ہیں۔ اوٹھے شہر تو آدمیوں سے بالکل خالی ہو چکا تھا اور رات گئے کا سناٹا تھا۔ اور سیدھے قوم کے اوس بڑے مندر پر جا پہونچے جس میں اونکے قابل التعظیم اور عظیم الشان بت نصب تھے۔ وہ مقام بھی سنسان اور بالکل ہو کا میدان ہو رہا تھا۔ نہ کوئی محافظ تھا نہ دربان۔ ابراہیم نے مندر کے اندر جا کر چھوٹے چھوٹے بتوں کو توڑ دیا اور سب سے بڑے بت کو چھوڑ دیا۔ اور چپکے سے اپنے گھر چلے آئے۔ عید کی صبح کو جب لوگ پوجا کرنے آئے تو حقیقت معلوم ہوئی ابراہیم تو سب کی نظروں میں چڑھے ہی تھے تمام لوگوں نے بالاتفاق انہیں کو بت شکن ٹھہرایا۔ کیونکہ اس مجاہد راہ خدا کے سوا۔ اس صفائی کے ساتھ اور کون یہ خدمت کر سکتا تھا۔ سورۂ انبیا میں یہ واقعہ ان الفاظ الہامی کے ساتھ مذکور ہے۔

فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗ اِبْرٰهِيْمُ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَاۗءِ يَنْطِقُوْنَ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔

سورۃ الانبیاء

ابراہیم نے بتوں کو (توڑ پھوڑ) ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ مگر اونکے بڑے بت کو اس غرض سے (رہنے دیا) کہ اوسکی طرف رجوع کریں (جب لوگوں کو بتوں کے توڑے جانیکا حال معلوم ہوا) تو اونہوں نے کہا (ارے) ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ گستاخی کس نے کی۔ اسمیں شک نہیں کہ اُسنے بڑا ظلم کیا۔ (بعض) بولے کہ وہ نوجوان (آدمی) جس کو ابراہیم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسکو ہم نے برائی کے ساتھ (ان بتوں کا) تذکرہ کرتے سنا ہے (لوگوں نے) کہا تو اوس کو (سب) آدمیوں کے سامنے لاؤ۔ تاکہ (جو کچھ وہ جواب دے) لوگ اوسپر گواہ رہیں (غرض ابراہیم بلا لئے گئے) لوگوں نے (اون سے) پوچھا کہ ابراہیم کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ (حرکت) تو نے کی ہے۔ (ابراہیم نے) کہا (نہیں) بلکہ (بت) جوان (سب میں) بڑا ہے۔ اسی نے یہ حرکت کی (ہوگی) اور اگر یہ بول سکتے ہوں تو ان سے پوچھ دیکھو۔ اُسپر لوگ اپنی جی ہی جی میں سوچے اور آپس میں کہنے لگے کہ بلا شبہ ہم ہی بے پیر ناحق ہیں۔ پھر اپنے سروں کے بل اوندھے (اسی گمراہی میں) ڈھکیل دئے گئے (اور ابراہیم سے بولے تو یہ بولے) کہ تمکو تو یہ معلوم ہی نہیں کہ یہ بت

بولا نہیں کرتے (ابراہیم نے) کہا کیا تم خدا کے سوا ایسی چیزوں کو پوجتے ہو کہ جو نہ تمکو کوئی فائدہ پہونچائیں اور نہ (کسی قسم کا) نقصان ہی پہونچائیں۔ تُف ہے تم پر اور ان چیزوں پر جنکو تم خدا کے سوا پوجتے ہو۔ تو کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔

مشرکین کے اتنے بڑے اور بھرے مجمع میں حضرت ابراہیم کی بت شکنی کے اہم ترین واقعات پر ایسا دلیرانہ احتجاج اور مستقلانہ مجاہدہ۔ آپ کے اوس دعوے کا کامل ثبوت ہے جو ان سے پہلے آپ نے اپنی قوم کے آگے کیا تھا کہ خدائے واحد کی راہ میں۔ نہ میں تم سے ڈرنیوالا ہوں اور نہ تمہارے ان بتوں کو خیال میں لانے والا۔ حقیقتاً آپ کا یہ ارشاد و احتجاج ایسا قوی اور کامل تھا کہ قوم مشرکین کے تمام لوگ آپ کے مستفسرہ کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ اور فرطِ ندامت سے معقول اور لاجواب ہوکر سر بزانو ہوگئے۔ مگر حُبُّ الشَّیْ یُعْمِیْ وَ یُصِمُّ۔ (کسی شے کی محبت اندھا کر دیتی ہے) اسقدر سمجھنے اور شرم اوٹھانے کے بعد بھی بتوں کی محبت اور بت پرستی کی عقیدت اونکے دلوں سے نہ گئی۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ہوکر حضرت ابراہیمؑ کی سزا و عقوبت کرنے پر اونکو اوکسایا کرنے لگی اور آپس کی شورت سے یہ امر وہیں طے پا گیا جیسا کہ قرآن مجید میں مرقوم ہے۔ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ کہ ابراہیمؑ کو جلا ڈالو۔

نمرود کے دربار شاہی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طلبی

اس کے بعد نمرود کے دربار شاہی میں حضرت ابراہیم کے ان معاملات و حرکات کی اطلاع ہوئی اور انکی بت شکنی کی خاص شکایتوں کے ساتھ یہ استغاثہ بھی پیش کیا گیا کہ ابراہیمؑ ایک ایسے خدا کی دعوت کیطرف تمام قوم کے لوگوں کو بُلاتے ہیں جس کو وہ اپنا اور سائر مخلوق اور نمرود کا بھی خالق و معبود بتلاتے ہیں۔ نمرود بتوں کی توہین کا واقعہ سنکر جتلایا تو تھا ہی۔ اب اپنی خدائی میں بھی بٹا لگانے کا حال سنکر اور جھپک اوٹھا۔ حضرت ابراہیمؑ کو بلا بھیجا۔ یہاں کیا عذر تھا۔ بلا خوف و ہراس فوراً چلے آئے۔ فیمابین یہ مکالمات شروع ہوئے۔

نمرود سے احتجاج۔ نمرود نے سب سے پہلے خدا کے صفات دریافت کئے۔ حضرت ابراہیم نے جواب دیا۔ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ۔ میرا خدا مارتا بھی ہے اور جلاتا بھی ہے۔ نمرود بولا یہ تو میں روز کیا کرتا ہوں تم ابھی ابھی دیکھ لو۔ یہ کہکر اوس نے شاہی قیدخانہ سے دو قیدی بلوائے ایک کو تیغ بیداد کے حوالے کر دیا اور ایک کو آزاد۔ ابراہیم سے مخاطب ہوکر بولا۔ لو دیکھ لو ایک مار ڈالا گیا اور ایک زندہ کر دیا گیا۔ ابراہیم نے فوراً تردید میں ارشاد کیا اِنَّكَ اَحْیَیْتَ الْحَیَّ وَلَمْ تُحْیِ الْمَیِّتَ۔ ارے تو نے تو زندہ کو زندہ چھوڑا۔ مردہ کو تھوڑا ہی زندہ کیا۔ علاوہ بریں۔ میرے پروردگار کی یہ قدرت ہے کہ وہ ہمیشہ آفتاب کو پورب سے طلوع کرتا ہے۔ اگر تجھ میں کوئی قوت ہے تو اوسکو مغرب سے نکال دکھلا۔

آتش نمرودی اور خلیل معبودی نمرود کو یہ دلائل سنکر۔ کاٹھ لگ گیا۔ وہ مبہوت ہوگیا۔ خدا سے قادر و توانا اوسکے عاجزانہ اور مجبورانہ سکوت کے عالم کو صرف تین لفظوں میں دکھلاتا ہے۔ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ۔ اسی غصہ۔ جھلاہٹ اور اپنی ندامت و خجالت کی بوکھلاہٹ میں۔ خدا کے اس خاص معترف اور مقدس موحد کی سزا و عقوبت کی نسبت حاضرین دربار سے مشورہ کرنے لگا۔ سب نے یکزبان ہوکر ان الفاظ میں صلاح دی۔ حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ اگر تم کو کچھ کرنا ہے تو ابراہیم کو آگ میں جلادو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ نمرود نے بھی اسی تجویز کو پسند کیا۔

اسلامی مورخوں نے اس خدارسیدہ اور برگزیدہ پیغمبر کے زندہ آگ میں جلادئے جانیکے بڑے بڑے سامان لکھے ہیں۔ جنکا بیان خواہ مخواہ کی طوالت ہے۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ آگ کے بہت بڑے الاؤ میں زندہ ڈالدئے گئے۔ مگر اوس حافظ حقیقی کے کرم و افضال نے آپکو ان شعلہائے سوزندہ سے بال بال بچا لیا۔ اور اوس آتشکدہ نمرودی کو گلزار ابراہیمی بنادیا۔ اسکی نسبت قرآن مجید میں یہ اشارت و تلمیح ہے۔ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ہم نے (آگ کو) حکم دیا کہ اے آگ ابراہیم کے حق میں ٹھنڈک اور سلامتی (کا موجب) بنجا اونکو کسی طرح کی ایذا نہ پہونچے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔) اور جن لوگوں نے ابراہیمؑ کے ساتھ برائی کرنی چاہی تھی۔ تو ہمنے اونہیں کو ناکام کیا۔

پھر اس واقعہ کو سورۂ عنکبوت میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔ عنکبوت

(ابراہیم کی) قوم کے پاس اسکے سوال اون کی باتوں کا) جواب ہی نہیں تھا کہ یا تو اسکو مار ڈالو یا (آگ میں) جلا ڈالو (چنانچہ لوگوں نے انکو آگ میں ڈالدیا) مگر خدا نے انکو آگ سے نجات دی۔ بیشک اس (واقعہ) میں بھی اون لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں (قدرت خدا کی بہترین) نشانیاں ہیں۔

معرفت الٰہی میں حضرت ابراہیم کا کمال استقلال۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ابتلا و امتحان کے اس انتہائی درجہ میں بھی کامل اترے۔ آپکے اس امتحان کے متعلق اسلام کے معتبر مفسرین اور مستند محدثین نے بہت سے واقعات لکھے ہیں جنکے لفظ لفظ اور حرف حرف سے آپ کے کمال عرفان۔ ثبات ایمان قلبی استقلال اور روحانی اطمینان کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ یہ روایات بتلاتی ہیں کہ آگ میں ڈالے جانیکے بعد حضرت جبرئیل بغرض امتحان آپکے پاس آئے اور دریافت کیا۔ هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ۔ آپ کو میری کوئی ضرورت ہے۔ کمال استقلال و آزادی سے جواب ملا۔ اَمَّا اِلَيْكَ فَلَا۔ خاص تم سے تو کوئی حاجت و ضرورت نہیں۔ جبرئیل نے عرض

کی اگر مجھ سے آپ کی کوئی غرض و حاجت نہیں ہے۔ تو جس سے ہے اُسی سے ایسے مشکل کے وقت میں طلب حاجت فرمائی جاوے۔ نہایت متانت سے ارشاد ہوا حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ عِلْمُهٗ بِحَالِیْ۔ مجھے اس سے عرض کی بھی ضرورت نہیں وہ میرے حال سے خود واقف ہے۔

عرب کے بہت بڑے معقولی مفسر ابو منصور ثعالبی نے اپنے اور اضافہ کے ساتھ اس واقعہ کو لکھا ہے کہ جبرئیل کے اس استفسار کا کہ آپ اُسی سے طلب حاجت کیوں نہیں کرتے جسکو آپ اپنی ضرورتوں کا پورا کرنے والا سمجھتے ہیں۔ اس موحد حقیقی نے یوں جواب دیا کہ وفا و رضا کے خلاف ہوگا۔ شاید اسکو میرا جلنا ہی منظور ہو۔ پھر حضرت جبرئیل کے تمام مکالمہ کو وہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ لَمَّا قَالَ جِبْرِیْلُ هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ لَیْسَ مِنَ النَّفْسِ دَعْوَیٰ وَلَا مِنْ نَمْرُوْدَ شَكْوَیٰ وَلَا مِنَ النَّارِ بَلْوَیٰ وَلَا اَطْلُبُ سِوَیٰ الْمَوْلٰی۔ جبرئیل نے جب جناب ابراہیم سے پوچھا آپکو کوئی حاجت ہے تو فرمایا نہ مجھکو نفس سے کوئی حاجت ہے۔ نہ نمرود سے شکایت اور نہ آگ کی حرارت سوزندہ سے ملال۔ سوائے خدا کے میرا کسی سے کوئی سوال نہیں۔

خطاب خلیل اللٰہی سے سرفراز ہوئے۔ جناب ابراہیم علیہ السلام آتش نمرودی کے ایسے قیامت ناک وقت میں بھی خدائے واحد کی معرفت اور اسکی شرط محبت و اخلاص پر ایسے مستقل ثابت ہوئے کہ ممتحنان قدرت بھی انکے انداز استقلال پر ناز کرنے لگے۔ انکی صداقت مقبولیت کے درجہ پر اور انکا ایمان اجابت الٰہی کے مراتب اعلیٰ پر فائز فرمایا گیا اور وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلًا۔ ہم نے ابراہیمؑ کو اپنا خلیل (سچا دوست) بنایا۔ کا گرانمایہ خطاب دربار ایزدی سے عنایت فرمایا گیا۔ رسالت کے منصب کے ساتھ خلت (ہمنشین خلوت) کے مراتب کا بھی اضافہ ہوا۔

سیرۃ النبی، خطبات احمدیہ۔ ارض القرآن، عصر جدید کے محققین نے اپنی اپنی تالیفات میں حضرت ابراہیمؑ کے متعلق آگ میں جلائے جانیکے واقعات کا کوئی ذکر و مذکور نہیں کیا ہے۔ اور عموماً آپ کے واقعات کو ہجرت کے وقت سے آغاز کرتے ہیں۔ غالباً اسی وجہ خاص حضرت ابراہیم کے ابتدائی حالات کو مرفوع القلم فرمادیا ہے۔ یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ توراۃ میں واقعہ احتراق کا چونکہ ذکر موجود نہیں ہے۔ اسلئے صرف اسلامی مرویات پر جنکو یہ حضرات مقامی روایات کا خطاب دیتے ہیں۔ اعتبار نہیں کیا گیا۔ توراۃ سفر تکوین میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات کی ابتدا ہجرت ہی کے زمانہ سے تقریباً ابتدا کی گئی ہے۔ اس سے قبل کے حالات کچھ بھی نہیں بتلائے گئے۔ (ملاحظہ ہو۔ توراۃ۔ تکوین۔ حالات ابراہام) قرآن مجید کا یہ اتنا بڑا احسان ہے جس کی منت گذاری سے دنیا اور اہل دنیا سبکدوش نہیں ہوسکتے۔ حقیقتاً اگر قرآن اس عظیم الشان

پیغمبر کے تحصیل عرفان، تکمیل الایمان اور عدیم المثال استحکام و استقلال کو اس تفصیل و تشریح سے بیان نہ کرتا۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ اوصاف و محامد صفحہ روزگار سے کب کے مٹ گئے ہوتے۔ قرآن چونکہ تمام کتب قدیمہ کا متمم اور مصحح ہے۔ اس بنا پر اوس نے جہاں کتب قدیمہ میں انسانی حشویات و لغویات کے اسقاط سے کام لیا ہے۔ وہاں فروگذاشت و ذہولات کے موقعوں پر صحیح اور اصلی حالات کی اطلاع و اعلان کے اضافات بھی کر دئے ہیں۔ اور مصحح اور متمم ہونیکے اعتبار سے اوسکے فرائض مخصوصہ میں یہ امور داخل تھے۔

واقعہ احراق سے بعد کے حالات
حضرت لوط کا ایمان لانا۔

ان تمام مصائب کو برداشت کرکے یہ مجاہد فی سبیل اللہ ارشاد و ہدایت کے ان خدمات کو پہلے سے بھی زیادہ سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ ادا فرمانے لگا۔ آپ کی دعوت کی صداقت اور کرامات قدرت کو منکرین معرفت الہی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے تھے۔ اور آپ کے دلائل و براہین کو مشرکین ایکبار نہیں کئی بار آپ کی زبان صداقت ترجمان سے سن چکے تھے۔ مگر پھر بھی وہ اپنی کفر شعاری اور بت پرستی سے باز نہ آئے۔ مگر اسکے ساتھ ہی ساتھ حضرت ابراہیم بھی اون کی تعلیم و ہدایت سے نہ رکے۔ اور اب تو پہلے سے بھی زیادہ آزادانہ اور دلیرانہ طریقہ سے اونکے عقاید فاسدہ کی تکذیب و تردید فرماتے رہے اور اصول توحید کی تعلیم و ترویج کرتے رہے قرآن مجید میں مرقوم ہے۔

قَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

(ابراہیم نے قوم سے) کہا کہ تم جو خدا کے سوا بتوں کو مانتے ہو۔ (تو) صرف دنیا کی باہم دوستی و محبت کی وجہ سے (مانتے ہو) پھر قیامت کے دن تمہارا یہ حال ہونا ہے کہ تم میں سے ایک کو ایک انکار کریگا۔ اور ایک کو ایک لعنت کریگا۔ اور دوزخ آخر میں تم سب کا ٹھکانا ہوگا (اور ان بتوں میں سے) کوئی بھی تمہارے مددگار نہیں ہونگے۔ اسپر صرف ایک (حضرت) لوط ایمان لائے۔ (ابراہیم نے) کہا کہ میں تو دیس چھوڑ کر اپنے پروردگار کیطرف (جہاں کہیں اوسکو منظور ہو) نکل جاؤں گا بیشک وہ زبردست حکمت والا ہے۔

قرآن مجید کے الفاظ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ حضرت لوط کے ایمان لانے کی خبر دے رہے ہیں۔ مگر عرب کے مورخین و محققین کے نزدیک حضرت سارہ۔ جو رشتہ میں جناب ابراہیم کی چچازاد بہن ہوتی تھیں آپ پر ایمان لائیں۔ ہم سابق الایمانی کے اختلاف پر بحث کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ سلسلہ واقعات کے بیان و تفصیل کو زیادہ ضروری سمجھتے ہیں۔ عربی مورخین اور اسلامی مفسرین نے جناب سارہ کے ایمان لانے اور عقد نکاح

ہیں آنکے واقعات یوں بیان کئے ہیں۔

حضرت سارہ کا شرفِ زوجیت اور قبول ایمان کی نعمت سے مشرف ہونا جب حضرت ابراہیمؑ آتش نمرودی سے صحیح و سلامت بچکر گھر میں تشریف لائے تو سب سے پہلے آپ کی عظمت اور صداقت کا اثر حضرت سارہ بنت ہاران کے قلب پر جاگزیں ہوا۔ اور پھر اس استحکام و استقلال کیساتھ کہ اونہوں نے حضرت ابراہیمؑ سے اوسیوقت اسکا اظہار و اقرار بھی کر دیا۔ اوسوقت حاضر خدمت ہوئیں اور کہنے لگیں۔ اے ابن عم۔ میں اسی وقت سے تیرے خدا پر ایمان لائی جس نے ایسی آتش سوزندہ کے نقصان و ہلاکت سے تمکو بال بال بچا لیا۔ حضرت ابراہیم نے بطریق امتحان و مزید اطمینان جواب دیا کہ سارہ۔ تم ایسا کہتے ہوئے ذرا نہیں ڈرتی۔ اگر گھر والے سُن لینگے۔ تو تمہیں مار ہی ڈالیں گے۔ سارہ نے فوراً جواب دیا کہ جس خدا نے تمہیں بچایا وہ میری جان بھی بچا لیگا۔ پھر مجھکو کس کا خوف ہوگا۔

جناب سارا کی یہی صداقت اور حسن عقیدت حضرت ابراہیم کے ساتھ اونکی مزاوجت اور دائمی رفاقت کا باعث ہوئی جناب سارہؓ حضرت ابراہیمؑ کی چچازاد اور بنا بر بعض روایات عمہ زاد بہن تھیں۔ اور سن رشد تک پہونچ چکی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سن بھی تیس برس سے زیادہ ہو چکا تھا۔ اسلئے باہمی سن کی مساوات اور حقوق قرابت کے اعتبار سے بھی باہمی مزاوجت و مناکحت کا پورا وقت و موقع حاصل تھا اس بنا پر جناب ابراہیم نے اُنسے عقد کر لیا۔

حضرت لوط اور سارہ کے ایمان لانے سے حضرت ابراہیمؑ کے امور میں نوعے اطمینان اور قوت مل چلی۔ مگر مشرکین کی نفسانیت اور عداوت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔ اگرچہ تبلیغ رسالت کے ابتدائی اصول کے مطابق حضرت لوط و سارا کے ایمان لانے کی حقیقت بالکل مخفی رکھی گئی۔ اور ایسی کہ باہر والے تو کیا گھر والے بھی مشکل سے اسپر علم و اطلاع پا سکے۔ مگر تاہم ابراہیمؑ کی دعوت ایمان اور رسالت کے اعلان کی امتناعی سامان مہیا کرنا۔ جیسا گھر والوں نے اپنا فرض قرار دے لیا تھا۔ ویسا ہی باہر والوں نے۔ سب نے ملکر بڑی بڑی کوششیں کیں اور اسکی امتناعی تدبیروں میں اپنی عملی طریقوں سے کوئی طریقہ بھی اوٹھا نہیں رکھا۔ مگر کچھ بھی مفید کارنہ ہوا۔ جناب ابراہیمؑ تبلیغ رسالت میں ویسی ہی مستعد و سرگرم رہے۔

ارض بابل سے ہجرت۔ تمام قوم کافرین نے اپنی کوششوں میں ناکامیاب رہ کر اس نبی معصوم کے خون ناحق کرنیکا مصمم ارادہ کر لیا۔ حضرت ابراہیمؑ کو حضرت لوط کے ذریعہ سے مخالفین کے ان ظالمانہ ارادوں کی خبر لگ گئی۔ اور حقیقتاً مشرکین کی مخالفانہ کارروائیوں کے معلوم ہونے اور

---

۱ روضۃ الاحباب باسناد مواہب لدنیہ۔ تاریخ کامل ابن اثیر اور حیات القلوب جلد اول۔

اپنی جان کو محفوظ رکھنے کا کوئی دوسرا ذریعہ اوس وقت آپ کے لئے سخت دشوار تھا۔ مگر نظام قدرت کا مدعا ئے مشیت یہی ہے اور اوسکے احکام تدبیر کی۔ قدرت انہیں امور مستور سے ظاہر ہوتی ہے۔ کسی کو لوط پر افشائے راز کا گمان بھی نہیں تھا۔ اور وہی اسکے اصلی ذریعہ اطلاع ثابت ہوئے۔ نظام قدرت نے حضرت لوط کو ربقہ ایمان میں لاکر اوس داعی ایمان کی رفاقت و حفاظت کے پورے سامان اور کافی اطمینان فراہم کر دئے۔ حضرت لوط کی یہی خدمت تھی۔ کہ قوم مشرکین کے معاندانہ ارادوں کی خبر حضرت ابراہیمؑ کو پہونچایا کرتے تھے۔

حضرت ابراہیم نے یہ خبر پاکر اسکے ہر پہلو پر غور فرمایا۔ مگر سوائے ہجرت اور ترک وطن کے حفاظت جان کا کوئی دوسرا طریقہ نظر نہیں آیا۔ تو حضرت لوط کو مخاطب کرکے اپنے اس ارادہ کا۔ جو حقیقت میں حکم الہی کا عین اشارہ تھا۔ ان الفاظ میں اظہار فرمایا۔ اِنِّی مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّی اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ میں تو اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنیوالا ہوں۔ اور وہ سب پر زبردست اور حکمت والا ہے۔

اس برحق نبی اللہ کا قصد ہجرت سنکر حضرت لوط نے فوراً لبیک کہی اور ایسا ہی سارہ نے بھی رفاقت کے لئے اپنا قصد مصمم ظاہر فرمایا۔ اور ان دونوں بزرگواروں کی رفاقت معلوم کرکے جناب ابراہیم کو پورا اطمینان ہوگیا۔

ہجرت ابراہیمی کو آنحضرت صلعم کی ہجرت سے خاص مماثلت تھی

دعوت ابراہیمی کے ان ابتدائی واقعات کو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ الاجمعین کی تبلیغ رسالت کے آغاز حالات سے جس وقت مقابل کیا جاتا ہے تو ان دونوں داعیان شریعت الہی کے واقعات میں ایک خاص مشابہت اور مماثلت پائی جاتی ہے۔ تھوڑے سے غور کرنے کے بعد معلوم ہوجائیگا۔ کہ جناب ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی دعوت اور تبلیغ رسالت کا آغاز اپنے گھر والوں سے شروع کیا۔ پہلے حضرت سارہ (آپ کی زوجہ) پھر حضرت لوط (آپ پر ایمان لائے بالکل اسی طرح جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی تبلیغ رسالت کو بھی اپنے اہل بیت کی تعلیم و ہدایت سے آغاز کیا۔ سب سے پہلے جناب صدیقہ کبرٰی حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا آپ کی رسالت پر ایمان لائیں اور آپ کے بعد آپ کے ابن عم حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام جیسا کہ ہمارے سلسلہ بیان میں آیندہ پوری تفصیل و تحقیق سے معلوم ہوجائیگا۔

بابل سے شہر حاران کیطرف ہجرت اور قیام

ان واقعات سے ظاہر ہوا۔ کہ عادت الہی ہمیشہ سے ایسی ہی جاری ہوئی ہے کہ انبیا و مرسلین عمؑ کی تعلیم و ہدایت پہلے اون کے اعزہ و اقارب سے آغاز ہوتی ہے اسلئے کہ قرابت و یکجہتی کی بنا پر

ان کی تصدیق زیادہ اعتبار و اعتماد کے قابل سمجھی جاتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو مشرکین قوم کے ہاتھوں سے اپنی جان جانے کی جب کوئی امید نہیں دیکھی تو ایک دن حضرت لوطؑ سے جیسا کہ قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے اپنے ہجرت فرمانے کا قصد ظاہر فرمایا۔ اور جیسا کہ معتبر تاریخوں سے ثابت ہے۔ کچھ رات رہے حضرت لوطؑ اور سارہ کو ہمراہ لیکر شہر حاران کی طرف تشریف لیگئے۔ یہاں پہونچکر حضرت ابراہیمؑ نے ایک معتدبہ زمانہ تک دلجمعی سے اپنی تبلیغ رسالت اور ترتیب معیشت کے ضرورتیں انجام دیں۔ اور اسمیں بھی کلام نہیں جیسا کہ واقعات بتلا رہے ہیں آپ کو آپکے تمام امور میں بہت کچھ کامیابی ہوئی۔

کنعان میں قیام۔ تھوڑے زمانہ کے بعد یہاں کی حالت پہلے سے دگرگوں اور اہل زمانہ کی طبیعت بھی ناموزوں دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شہر حاران کی اقامت ترک فرمائی اور وہاں سے اُٹھکر کنعان میں سکونت پذیر ہوئے۔ یہاں بھی نہایت دلجمعی اور پوری کامیابی کے ساتھ آپ کی رسالت کے امور انجام پاتے رہے۔ مگر ایک سال کنعان اور اوسکے قرب و جوار میں ایسا قحط عظیم پڑا کہ آپ کو بالآخر مجبور ہوکر کنعان سے اپنے اہل و عیال کے ہمراہ ملک مصر کیطرف چلا جانا پڑا۔

مصر کی طرف روانگی اور فرعون کے ساتھ معاملات جناب ابراہیمؑ نے دیگر دیار و امصار کی اقامت اختیار کرنے کی جگہ مصر کو خاص طور پر کیوں اختیار فرمایا۔ اسکی خاص وجہ یہ تھی کہ فرعون مصر جو اوسوقت مصر پر حکمران تھا وہ آپکا ہم قبیلہ اور ایک وقت میں ہم وطن تھا۔ اسلئے قحط سالی میں اوسکی استمداد و اعانت کی زیادہ امید تھی۔ اس قرابت و یکجہتی کے مفصل حالات حضرت ہاجرہ کے احوال میں بہت جلد معلوم ہونگے۔

مصر پہونچکر حضرت ابراہیمؑ کو اس مسافرت اور غربت کے عالم میں ایک سخت مصیبت سے سامنا ہوا۔ فرعون مصر کو حضرت ابراہیمؑ کی آمد کے ساتھ حضرت سارا کی خوش جمالی کی بھی پوری کیفیت معلوم ہوئی۔ اُسنے مشتاق ہوکر حضرت ابراہیم کو بُلا بھیجا۔ جب یہ فرعون کے دربار شاہی میں مع حضرت سارہ کے پہونچے تو اوس نے سارہ کے حسن و جمال کو اوس سے بھی زیادہ تعریف کے قابل پایا جیسا کہ وہ سُن چکا تھا۔ بادشاہ مصر نے حضرت ابراہیمؑ سے دریافت کیا کہ یہ عفیفہ تمہاری کون ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی حفاظت جان اور سارہ کے حفظان آبرو کی مصلحتوں پر غور فرماکر ارشاد کیا کہ یہ میری بہن ہیں۔[۵ل]

[۵ل] کیا وجود تقیہ کی قدامت اور شرائع و مذاہب قدیمہ میں اوسکے جائز العمل ہونے کی نسبت کسی عقل سلیم رکھنے والے کو اب بھی کوئی عذر دکلام باقی رہجائیگا۔ المولف

یہ تو ظاہر ہے کہ عقد ازدواج سے پہلے وہ آپکی عمزاد بہن تھیں۔ کیونکہ آپکے باپ تارخ (تارح) کی ایک بہن اپنے قبیلہ میں جسسے بیاہی گئی تھیں اونکا نام بھی ہاران تھا۔ اور حضرت لوط کے باپ جو حضرت ابراہیم کے بھائی ہوتے تھے۔ اونکا نام بھی ہاران تھا۔ اس بنا پر حضرت ابراہیم نے اپنی حفاظت جان اور سارہ کی حفظان آبرو کے خیال سے اون کی زوجیت کی موجودہ حیثیت کا کتمان اور اوس کی جگہ اپنی سابق قرابت کا اظہار و اعلان فرمایا۔ جو ایسی ناگزیر حالتوں میں خدا کی طرف سے تمام شریعتوں میں مجوز اور مباح ہوتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ توراۃ میں اس واقعہ کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

جب (ابراہیم) مصر کے نزدیک پہونچا۔ تو اوس نے اپنی جورو سرئی (سارہ) سے کہا کہ دیکھ میں جانتا ہوں کہ تو دیکھنے میں بڑی خوبصورت عورت ہے۔ اور یوں ہوگا کہ مصری تجھے دیکھ کر کہیں گے کہ یہ اسکی جورو ہے۔ سو مجھ کو مار ڈالیں گے اور تجھے جیتا رکھیں گے۔ تو کہیو کہ میں اوسکی بہن ہوں۔ تاکہ تیرے سبب سے میری خیر ہو۔ اور میری جان تیرے وسیلہ سے سلامت رہے۔ (تکوین باب ۱۲ آیت ۱۰۔ ۱۳)

حضرت ابراہیم کے خیال کے مطابق فرعون مصر کے دل میں سارا کیطرف سے نفسانیت و فساد کے آثار پیدا ہوئے۔ مگر کرشمہ قدرت نے ہر بار اوسکے ارادہ بد کے موقع پر اوسکی کافی تنبیہ فرمائی۔ اور بالآخر وہ اپنے ناہنجار کردار سے سخت پشیمان و نادم ہوا۔ اور پھر ان دونوں بزرگواروں کی ذاتی عظمت و تقدس کا قائل ہو کر اون کو اپنے ملک سے بڑے اکرام و انعام کے ساتھ رخصت کر دیا۔ خصوصاً جناب سارہ کیساتھ اپنی عقیدتمندی کے اظہار میں اپنی لڑکی ہاجرہ نامی کو اون کی خدمت کی غرض سے ہمراہ کر دیا۔ توراۃ میں ان واقعات کے متعلق یہ عبارت مرقوم ہے۔

جب ابراہیم مصر میں پہونچا مصریوں نے اوس عورت کو دیکھا کہ وہ نہایت خوبصورت ہے۔ اور فرعون کے امیروں نے بھی اوسکو دیکھا اور فرعون کے حضور میں اوسکی تعریف کی اور اوس عورت کو فرعون کے گھر میں لیگئے اور اوس نے اوسکے سبب ابراہیم پر احسان کیا کہ اوسکو بھیڑ بکریاں اور گائے بیل اور گدھے غلام اور لونڈی اور گدھیاں اور اونٹ ملے۔ پر خداوند نے فرعون اور اوسکے خاندان کو ابراہیم کی جورو سارہ کے سبب بڑی مار ماری۔ تب فرعون نے ابراہیم کو بلا کر کہا کہ تو نے یہ مجھسے کیا کیا۔ کیوں نہ کہدیا کہ یہ میری جورو ہے۔ تو نے کیوں کہا کہ یہ میری بہن ہے۔ یہاں تک کہ میں نے اوسکو اپنی جورو بنانے کیلئے لیا دیکھ یہ تیری جورو حاضر ہے۔ اوسکو لے اور چلا جا۔

(تکوین باب ۱۲ آیت از ۱۴ تا ۲۰)

توراۃ اور اسلامی تفاسیر قرآن فرعون کے ارادہ بد کرنے اور اوسکے بدلہ میں بار بار عقوبت اٹھانے پر متفق اللفظ ہیں اور حقیقتاً قدرت الہی کے یہی تصرفات ہیں اور اوس کی جبروت قدرت کے یہی واقعات حضرت سارہ کے ساتھ فرعون کے کیا قصد تھے اور کیا ارادے اور چشم زدن میں اون بد ارادوں کی جگہ کیسی عقیدت ہو گئی اور کتنی ارادت۔ اب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مطیع اور فرمانبردار مخلص کے متعلق ایسے ارادوں کا وہم و گمان بھی سخت افترا ہے اور صریح بہتان جس عقیدت مند نے اس خاتون مقدس کے ساتھ اتنی بڑی عقیدتمندانہ فیاضیوں کے سلوک کئے ہوں۔ کثیر التعداد مال دولت۔ اسباب و اثاثہ کے علاوہ اپنی پیاری لڑکی تک خدمت کی غرض سے ہمراہ کر دی ہو۔ وہ کبھی ایسی بیجا جرأت اور نازیبا حرکت کے اقدام کا مرتکب تسلیم کیا جا سکتا ہے

ایک تو حضرت ابراہیم کی قرابت۔ دوسرے حضرت سارہ کی عظمت اور تیسرے جناب ہاجرہ کی قلبی محبت کے سبب سے فرعون مصر نے اس غربت زدہ نبی اللہ کے تمام اسباب معاشرت کیا اوس پورے سے قبیلہ و خاندان کے تمام آئندہ سامان معیشت کافی طور پر درست و فراہم کر دئے عربی توریت کی مفصلہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو

فصعد ابرام من مصر هو وامرأته وكل ما له ولوط معه الى القبلة
وابرام عظيم جدا بالماشية والفضة والذهب۔ حضرت ابراہیم آپ اور اپنی بی بی
اور تمام اموال کے ساتھ مع حضرت لوط کے اپنے قبیلہ (شمال) کی طرف روانہ ہوئے۔ اوسوقت ابراہیم کے
ساتھ بہت سا اسباب اور سیم و طلا تھا۔ (تکوین باب ۱۳۔ آیت ۱و۲)

قیام حبرون۔ جناب ابراہیم نے قحط کی شدت کی وجہ سے جب اپنے اہل و عیال کی گذران کی صورت کنعان اور فلسطین میں نہیں دیکھی تو مصر کا سفر اختیار فرمایا تھا۔ مگر خدائے مسبب الاسباب نے اون کی خوش حالی اور معیشت کے خاطر خواہ اسباب بلکہ اوس سے المضاعف فراہم فرما دئے اور آپ کامیاب ہو کر پھر کنعان کے علاقہ میں واپس آگئے۔ اور مقام حبرون میں بود و باش اختیار کی۔ اور پھر اپنی تمام مقدس حیات کا زمانہ یہیں صرف فرما دیا۔ چنانچہ آج تک یہ مقام خلیل مشہور ہے۔ مقام حبرون کی سکونت کے وقت سے آپ کی حالت بہت کچھ قابل اطمینان ہو گئی تھی۔

آپ نے سیرۃ انبیاء و مرسلین کے مطابق اپنی دولت کو تبلیغ رسالت۔ رفاہ عام۔ اکرام ضیف اور عام عطا و ایثار کے نیک کاموں میں صرف فرمانا شروع کیا۔ قرب و جوار کے ریگستان میں متعدد کنوئیں کھدوائے جنمیں سے بیر شبع بہت مشہور ہے اور قادش اور شور کے بیابان میں مسافرین کے آرام اوٹھانے اور پھل کھانے کی غرض سے ایک باغ بھی لگوا دیا۔

سفر تکوین باب ۲۱ درس ۲۴ اور ۲۵ او ۳۰ و ایضاً باب ۲۱ درس ۳۳

علاقہ حاران میں حضرت لوطؑ کی رسالت

رفاہ عام کے اعلیٰ خدمات کے علاوہ آپ کی مہمان نوازی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ باوجود اتنے کثیر استدادِ ایام کے بھی۔ خوانِ خلیل کا نام آجتک زبان زد خاص و عام ہے تبلیغ رسالت کے خدمات بھی خاطر خواہ کامیابی اور ترقی کے ساتھ جاری تھے۔ گرد و نواح کے لوگ آپ کی تشریف آوری کو حصول سعادت اور نزول برکت کا باعث سمجھنے لگے۔ اور آپ کے ارشاد و ہدایت سے مستفیض ہوکر خدائے واحد کی ربوبیت اور اوس کی وحدانیت کے قائل ہوکر دین حنیف ابراہیمی میں داخل ہونے لگے۔ تبلیغ رسالت کا شہرہ اور عام اخلاق و ایثار کے آثار دنیا چاروں طرف پھیل گئے۔ علاقہ حران کے لوگ بھی مدت سے متلاشی ایمان تھے۔ اور وہ یہاں سے کسی قدر مسافت پر واقع تھا۔ اسلئے حضرت لوطؑ کو آپ نے وہاں کے لوگوں کی تعلیم و ہدایت کی غرض سے بھیجا۔ اور وہ ایک نبی متبع کی صورت و شان میں وہاں تشریف لے گئے حضرت لوطؑ کی کوئی علیحدہ یا خاص شریعت نہیں سمجھنی چاہیئے بلکہ وہی شریعت ابراہیمی تھی جس کی تعلیم و تلقین کیضرورت سے آپ اوس علاقہ میں بھیجے گئے تھے۔

مزاوجت حضرت ہاجرہ اور ولادت حضرت اسمٰعیلؑ

حضرت ابراہیمؑ کا سن اسوقت سن شریف کا ہوچکا تھا۔ مگر اس وقت تک کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ خدا کے فضل و کرم سے گھر میں سب کچھ تھا۔ ہر طرح کی مقدرت ہر طرح کی آسودگی اور فارغ البالی حاصل تھی۔ ایک اولاد نہ ہونے سے سارا گھر بے چراغ تھا۔ اور آنکھوں میں دنیا تاریک تھی فطرت انسانی کے اصول پر بے اولادی کا اثر حضرت ابراہیمؑ سے زیادہ جناب سارہ کے دل پر مشغول تھا۔ اور یہ دونوں بزرگوار معبود حقیقی کی بارگاہ میں اس حصول نعمت کے لئے ہمیشہ دست بدعا رہا کرتے تھے۔ اور شب و روز اس مدعا کیلئے متمنی۔

حقیقت میں مشیت الٰہی کو آپ کی دعا کی اجابت تو ضرور منظور تھی۔ مگر اسکے حصول کے ذریعہ کی نسبت جناب سارہ کے مقابلہ میں حضرت ہاجرہ کو اولیت اور سبقت کا امتیاز د اعزاز عنایت فرمانا منظور تھا۔ اسکی تفصیلی کیفیت یہ ہے سن کے اعتبار سے حضرت ابراہیمؑ بھی ضعیف ہو چکے تھے اور جناب سارہ بھی سن رسیدہ۔ اس بنا پر دونوں حضرات کو حصول اولاد کیطرف سے گویا مایوسی ہو چلی تھی۔ اصول فطرت کے مطابق سارہ کی مایوسی ابراہیمؑ کی ناامیدی سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ اسلئے سارہ نے اپنی طرف سے بالکل قطع امید فرماکر اپنے شوہر عالیمقدار کے بے نام و نشان رہجانے پر بکمال حسرت و افسوس کا اظہار فرمایا۔ اور ایسے برگزیدہ اور خدارسیدہ بزرگ کی قطع نسل ہوجانے کے حسرتناک واقعہ کو ناقابل برداشت خیال کرکے اوسکے مقدس نام و نشان کی بقا و قیام کے سامان اپنے امکان کے مطابق فراہم کرنا ضروری سمجھا۔ حالانکہ اصول فطرت کے مطابق نسوانی دنیا کیلئے

خیال اور اعتدال کی بہت کم مثال ملتی ہے۔ بخلاف اسکے ہم حضرت سارہ کے دلمیں اسکی ابتدا اور وجود کو خدا کے الہام اور نظام قدرت کے القا و مکاشفات یقین کرتے ہیں۔ کیونکہ بغیران خیالات و جذبات کے نسل براہیمی کے اوس سرمایۂ ناز اور صاحب اعزاز سلسلہ کی نہ ابتدا قایم ہوسکتی تھی۔ اور نہ بقا جس سلسلۂ مقدسہ اور شجرۂ مبارکہ سے مشیت الہی کو جریدۂ نبوت کا خاتم اور سلسلۂ رسالت کا متمم پیدا کرنا تھا۔

چاہے کتب قدیمہ میں اس کی خبر نہو۔ چاہے اہل تاریخ و سیر کی اسپر نظر نہو۔ چاہے دوراز قیاس ہو اور خارج از عقل چاہے یہ جنبہ داری کہی جائے۔ یا مولف کی عقیدتمندانہ قلمکاری۔ مگر ہم پوچھیں گے اور لکھکر پوچھیں گے کہ جناب سارہ کو بمقابلہ حضرت ہاجرہ عطاے اولاد میں شرف اولیت اور اعزاز سبقت نہ تفویض فرمانا مشیت کی کس خاص مصلحت اور علت پر مبنی تھا۔ باطن کا ہمکو علم نہیں۔ مگر ظاہر حقیقت اسکی یہی ہے اور ضرور یہی ہے کہ حضرت ہاجرہ کے سلسلۂ مقدس سے مشیت الہی کو۔ سید الانبیا۔ ختم المرسلین اور خاتم النبیین سلام اللہ علیہ وآلہ المعصومین کا وجود عالم موجود میں لانا مقصود تھا جسکا مقابل اور مماثل حضرت سارہ کے اتنے بڑے کثیر التعداد سلسلۂ انبیا میں ایک بھی نہیں تھا۔ اس فضیلت اور شرف مراتب کے اعتبار سے حضرت واہب العطایا نے اولیت اور سبقت کا شرف مخصوصہ جناب ہاجرہ کو عنایت فرمایا ھذا فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

مشیت نے یہ سامان اور قدرت نے یہ اسباب پہلے سے مرتب کر لئے تو جناب سارہؑ نے اپنے کمال مایوسی کے عالم میں ایک دن حضرت ابراہیم سے آپ کی بے اولادی کے متعلق کمال افسوس ظاہر کیا۔ اپنی ظاہری اور نسوانی قابلیتوں کے موجودہ عذر پیش کر کے اپنی ذات خاص کو حصول اولاد کا ذریعہ ہونا دشوار کیا قریب المحال ٹھرایا جناب ابراہیم کو پہلے تو اون کی خاص مجبوریوں کے اظہار پر اور پھر اپنے آیندہ لاوارثی پر بہت ہی افسوس آیا۔ مگر سارہ نے یہ کہکر اون کے حزن و ملال کو رفع کر دیا کہ آپ میرے بے نام و نشان رہنے کا کوئی افسوس نفرمائیں صرف اپنی بقاے نسل کی فکر کریں۔ اور وہ بالکل آپ کے امکان میں ہے اور نہایت آسان۔ ہاجرہ موجود ہیں اون کو اپنی زوجیت کا شرف بخشیں۔ افضال ایزدی کے منتظر رہیں۔ شاید وہ آپ کے لئے ہاجرہ ہی کو حصول اولاد کا ذریعہ قرار دے۔

اب اس واقعہ کو توراۃ کی مفصلہ ذیل عبارت سے مقابلہ کر لینا بھی نہایت ضروری ہے۔

سارا ابراہیم کی جورو کوئی لڑکا نہ جنی اور اوس کی ایک مصری لونڈی تھی جس کا نام ہاجرہ تھا۔ اور سارا نے ابراہیم سے کہا کہ دیکھ خداوند نے مجھے جننے سے باز رکھا۔ اب میری لونڈی کے پاس جائیے شاید اوس سے میرا گھر آباد ہو۔ اور ابراہیم نے سارا کی بات مان لی۔ (تکوین باب ۱۶ آیت ۱-۲)

حضرت ابراہیم نے سارا کی تجویز پسند کی اور ہاجرہ کو شرف زوجیت عطا فرمایا۔ مشیت الہی کے اسباب درست

ہوچکے تھے اور قدرت لامتناہی کے سامان مرتب اور تیار تھے۔ جناب ہاجرہ حاملہ ہوگئیں۔ خدا کی قدرت اور حکمت نے۔ ابوالعرب عراق الشرفی۔ ذبیح اللہ اوّل حضرت اسمٰعیل ابن خلیل اللہ کا وجود ذیجود قائم کردیا۔

ولادت اسمٰعیل کے متعلق آسمانی بشارتیں

یوں تو جناب ابراہیم ہمیشہ نعمت اولاد سے اپنی محرومی اور ناکامیابی کا خیال کرکے خدائے سبحانہٗ تعالیٰ کی بارگاہ میں عطائے اولاد اور بقائے نسل و نام کی دعائیں مانگا کرتے تھے اور خداوند عالم بھی آپ سے عطائے اولاد کے وعدے فرماکر آپ کی خاطر خواہ تسکین و تشفی فرمایا کرتا تھا جس کو ہم بہت جلد حضرت اسمٰعیل کے خاص حالات میں تفصیل سے بیان کرینگے۔ اس مقام پر ہم صرف انہیں بشارتوں کو ذیل میں لکھتے ہیں جو خدائے سبحانہٗ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اسمٰعیل اور اون کی اولاد کے متعلق پہنچائی تھیں۔

فطرت انسانی کا خاص تقاضہ ہے کہ حصول شے کی امید ہوجانے پر انسان پھر اوس شئے مطلوبہ کی بہتری۔ سلامتی اور بقا کا متمنی ہوتا ہے [۵]

برائیہا امید ہائے شاخ در شاخ کرمہائے تو ما را کرد گستاخ

انہیں موقعوں کے لئے کہا گیا ہے۔ اس بنا پر حضرت ابراہیمؑ نے ہاجرہ کو حاملہ پاکر پروردگار عالم سے صاحب حمل کی سلامتی اور طول عمری کی پروردگار عالم سے دعا تو ضرور مانگی۔ اب چاہے اسے فطرت انسانی کا نتیجہ کہا جائے یا دردِ فرزندی کا تقاضہ۔ خدائے مستجاب الدعوات نے حضرت اسمٰعیل کی ولادت کی نوید دی جن الفاظ میں ابراہیمؑ کے ان مستفسرات کا جواب آیا۔ وہ عربی توراۃ میں اس طرح مرقوم ہیں۔

قد سمعت دعائک لاسمٰعیل وھا انا بارکتہ وانمیتہ وفضلتہ کثیرا یولد اثنی عشر خلیفۃ واجعلہ جیلا کبیرا۔ میں نے تیری دعا اسمٰعیل کے حق میں قبول کی۔ ہاں۔ میں نے اوسے برکت دی۔ اور اُسے بارآور کیا اور اوسے بہت کچھ فضیلت دی۔ اوس سے بارہ خلیفہ (امامؑ) پیدا ہوں گے۔ اور میں اوسکو بڑی قوم کردونگا۔ (پیدائش کتاب اوّل باب ۱۷ آیت ۲۰)

اسی طرح حضرت ہاجرہؑ کو بھی بشارت عطا فرمائی گئی۔ توریت۔ کتاب پیدائش میں مرقوم ہے:۔

خدا کے فرشتہ نے اوسے (ہاجرہ کو) میدان میں پانی کے ایک چشمہ کے پاس جو صور کی راہ پر ہے۔ پایا۔ اور اوس نے کہا اے ہاجرہ تو کہاں سے آئی اور کدہر جاتی ہے؟ وہ بولی کہ میں اپنی بی بی سارا کے سامنے سے بھاگ آئی ہوں۔ پھر خداوند کے فرشتے نے اوس سے کہا کہ تو اپنی بی بی کے

---

[۵] کیا وجود امامت ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کے ثبوت قدامت میں اب بھی کسی قدیم سند کی ضرورت ہے؟ المولف

پاس چلی جا اور اوسکی تابع رہ پھر خداوند کے فرشتہ نے اوس سے کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑہاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنی نہ جائیگی اور خداوند کے فرشتے نے اوس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور ایک بیٹا جنے گی۔ اوسکا نام اسمٰعیل رکھنا کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا۔ (تکوین باب ۱۶ آیت ۷-۱۱)

ان بشارتہا ے خداوندی اور نوید ہائے ایزدی سے حضرت اسمٰعیل کی ذاتی عظمت اور نیز آپکی اولاد طاہرین کی قدر و منزلت پورے طور سے ظاہر ہوگئی۔ اور اس امر میں بھی کوئی شبہ نہیں رہا کہ اس بشارت سے حضرت ہاجرہ کی تقدیس و تکریم پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔ نظام مشیت کے انتظام اپنے وقت مقررہ پر کامل ہوگئے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام رونق افروز گلستان عالم ہوئے۔ ایسی دعاؤں اور تمناؤں والے فرزند کی تولید سے حضرت ابراہیم کو کیسی روحی مسرت اور قلبی فرحت حاصل ہوئی ہوگی۔ اوسکا اندازہ کرنا دشوار ہے۔ سمجھنے کیلئے اتنا ہی کافی ہوگا کہ خانہ ابراہیمی میں مدت مدید کی تاریکی کے بعد یہ پہلا چراغ تھا۔ جو خدا کے انوار رحمت سے روشن ہوا اور اتنے زمانہ دراز کی ویرانی کے بعد اس گوہر یکتا کے وجود سے خانہ خلیل اللٰہی کی آبادی اور رونق قایم ہوئی۔

سارہ اور ہاجرہ میں مشاجرت

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ حضرت سارہ کی جناب ہاجرہ کی طرف توجہ اور شفقت اصول فطرت نسوانی کے بالکل خلاف تہی۔ مگر قدرت کو اپنا کام نکالنا تھا اور مشیت کو اپنی ضرورت پوری کرنی تہی۔ اوس نے ایک خاص وقت تک سارہ کے دل میں ہاجرہ کیطرف سے خیال مخالفت نہ پیدا ہونے دیا۔ یہاں تک کہ اونہوں نے حضرت ابراہیم سے سفارش و فرمائش کرکے خود ہاجرہ کو اون کی زوجیت کا شرف دلوایا۔ جب اس شرف خاص سے مشرف ہوکر حاملہ ہوچکیں تو سارہ کے دل میں فطرت نسوانی کے اثر ظہور کرنے لگے اور ہاجرہ کی طرف سے چیں بجبیں رہنے لگیں۔ یہاں تک ایک بار غصہ میں آکر ہاجرہ کو گہر سے باہر نکالدیا۔ توریت کی مفصلہ ذیل عبارت میں اس واقعہ کی حقیقت کہلجاتی ہے:

جب اوس نے (ہاجرہ نے) جانا کہ میں حاملہ ہوئی تو اپنی بی بی (سارہ) کو حقیر جانا۔ تب سارہ نے ابراہیم سے کہا کہ نا انصافی جو مجھپر ہوئی تیرے ذمہ ہے۔ میں نے اپنی لونڈی تجھے دی۔ اور اب جو اوس نے اپنے آپکو حاملہ پایا تو میں اوسکی نظروں میں حقیر ہوگئی۔ میرا اور تیرا انصاف خدا کرے۔ ابراہیم نے سارہ سے کہا کہ تیری لونڈی تیرے ہاتھ میں ہے جو تیری نگاہ میں اچھا ہو۔ سو اوسکے ساتھ کر۔ تب سارا نے ہاجرہ پر سختی کی اور وہ اوسکے سامنے سے بھاگ گئی (اسکے آگے ہاجرہ پر فرشتہ رحمت کا نازل ہونا۔ اور ولادت اسمٰعیل کی بشارت۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوئی۔ پہونچائی جانا مذکور ہے۔) تکوین باب ۱۶ آیت ۴-۶۔

توریت کی مرقومہ بالا عبارت نے پوری حقیقت کہول دی۔ ایسے موقعوں پر فطرت نسوانی کے ایسے ہی اثر اور توہمات پیدا ہوتے ہیں۔ بات میں بات اور شاخ میں شاخ نکالی جاتی ہے۔ ہاجرہ کے حقیر جاننے کا مسئلہ بھی

انہیں توہمات کا اثر خاص سمجھا جائیگا۔ غرض ــ۵ قصور ڈھونڈکے پیدا کئے جفا کے لئے۔ حضرت ابراہیم اس مشاجرت کا کوئی تصفیہ نہ کرسکے۔ اور حقیقتاً ایسے اوقات میں مرد فیصلہ کن رائے ظاہر کرنے اور ایکطرفہ حکم لگانے سے بالکل مجبور رہ جاتا ہے۔ اصول معاشرت اور تاہل کے یہ روزانہ مشاہدہ ہیں۔

حضرت سارہ کے اختلاف کی بنیاد تو اوسی وقت سے پڑی۔ فرشتہ رحمت کی بشارت اور حکم خداوندی کی ہدایت کے مطابق جناب ہاجرہ پھر گھر میں واپس آگئیں۔ حضرت اسمٰعیل ؑ پیدا ہوئے۔ بڑے ناز و نعم سے پرورش پاتے رہے۔ تیرہ برس کے سن میں باپ نے بڑی کشادہ دلی سے بیٹے کا ختنہ کیا۔ تکوین باب ۱۷ آیت ۲۴۔ یہاں تک کہ اسمٰعیل ؑ سولہ برس کے ہوگئے۔ قدرت الٰہی نے اسی سال اپنی معجز نمائی کی قدرت دکھلاکر حضرت سارہ کے بطن سے جناب اسحاق کو پیدا کیا۔ اسحاق کی ولادت ہی سے سارہ کے دل میں ہاجرہ کی مخالفت قوت پکڑنے لگی۔ اور یوماً فیوماً اس میں نمایاں ترقی ہونے لگی۔ اور آخرکار ہاجرہ کے ساتھ سخت نفرت اور حقارت قایم کردینے کی باعث ہوئی۔ اس مشاجرت اور مخالفت کا اصلی سبب وہی ہے جو توراۃ کی مفصلہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے۔

> سارہ نے دیکھا کہ ہاجرہ مصری کا بیٹا جو وہ ابراہیم سے جنی تھی۔ ٹھٹھے مارتا ہے۔ تب اوس نے ابراہیم سے کہا کہ اس لونڈی اور اوسکے بیٹے کو نکال دے۔ کیونکہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اسحاق کے ساتھ وارث نہیں ہوگا۔ پر اپنے بیٹے (اسمٰعیل) کی خاطر یہ بات ابراہیم کی نظر میں نہایت بری معلوم ہوئی۔ (تکوین باب ۲۱ آیت ۹۔۱۱)

مرقومہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ سارا کو ابراہیم و اسحاق کی باہمی مساوات نہایت ناگوار گذری۔ اس خیال مساوات کے بعد اون کو آگے چلکر اسمٰعیل کے حقوق وراثت کے اندیشے بھی پیدا ہوئے۔ اور غایت مآل اندیشی سے انہوں نے اسمٰعیل کا گھر میں رہنا اپنے لڑکے اسحاق کی خوشحالی اور فارغ البالی کے لئے سخت مضر اور نقصان دہ ٹھہرایا۔ اور اس بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جناب ہاجرہ اور اسمٰعیل کے اخراج کا سکید م حکم دیدیا۔

یہ ضرور نہیں ہے کہ خاندان نبوت کا ہر شخص معصوم ہو۔ اور نفسانیت حسد۔ رشک اور دیگر جزئیات طبع انسانی سے پاک و صاف ہو۔ اسی اصول کی بنا پر سارہ کی فہمائش کو سمجھنا چاہیئے۔ وہ اپنے بیٹے اور ہاجرہ کے بیٹے کے درمیان عدالت اور مساوات کے سلوک قایم نہ رکھ سکیں۔ ایسے سخت اور تکلیف دہ حکم صادر فرمانیکے وقت اگر سارا کے دل میں اسمٰعیل کا درد نہیں آیا تھا تو اون کی ماں۔ ہاجرہ کی رفاقت۔ خدمت اور ہر قسم کی راحت رسانیوں پر تو ضرور لحاظ کرنا چاہتا ہے۔ مگر یہاں معاملہ بالکل برعکس ہوچکا تھا۔ مزاج بدل گیا تھا۔ حالت دگرگوں ہوگئی تھی۔ جس طرح ہاجرہ پر پہلے شفقت و مہربانی کی نظر تھی۔ اوسی طرح اب اون سے عداوت

ہے اور تنفر۔ پہلے سارہ نے بقائے نسل ابراہیمی کی تمنا میں پڑ کر خود ہاجرہ کو شرف زوجیت دلوایا اور انکو اپنے برابر کی بیوی بنوایا تھا اور اب اسحاق کی پیدایش کے بعد تغیر مزاج اور تلون طبع نے وہ رنگ دکھلایا کہ اب ایک دم کے لئے بھی ان ماں بیٹوں کی صورتیں گھر میں دیکھنا نہیں چاہتیں۔

حضرت سارہ کی ایک وقت میں اتنی توجہ اور مہربانی اور پھر دوسرے وقت ایسی ناتوجہی اور نامہربانی گو کسی سبب ظاہری پر مبنی بتلائی جائے مگر سبب حقیقی کے متلاشی تو ان امور کو تصرفات قدرت کے مخفی راز یقین کرینگے۔ ضرورت کے اعتبار سے مشیت نے ان مخالف انداز طبیعت سے اپنے مدعا پورا کرنے کے نظام درست کر لئے۔ توجہ اور مہربانی سے سلسلہ اسماعیلی کا وجود قائم کر دیا۔ اور پھر ناتوجہی اور بے مروتی سے بنو اسمٰعیل کی اقطاع عالم میں وسیع آبادی پھیلانے کی ترکیب نکال کر اس سلسلہ عالی کو امت عظیم قرار دینے کی بشارت پوری کر دی۔

حضرت ابراہیم کو سارہ کی یہ بیجا فرمایش نہایت ناگوار گذری۔ مگر انکے حزن و ملال کی تسکین و تشفی فوراً بارگاہ قدرت سے کر دی گئی۔ اور باتفاق جمہور دارالنظام مشیت سے حضرت ابراہیم کو سارا کے کہنے پر عمل کرنے کا حکم ہوا۔ ہم اسکو توریت کی عبارت سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

> خدا نے ابراہیم سے کہا کہ وہ بات اس لڑکے اور تیری لونڈی کی بابت تیری نظر میں بُری نہ معلوم ہو۔ ہر ایک بات کے حق میں جو سارہ نے تجھ سے کہی اوسکی آواز پر کان رکھ۔ کیونکہ تیری نسل اسحاق سے کہلائیگی اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی میں ایک قوم پیدا کروں گا۔ اس لئے کہ وہ بھی تیری نسل ہے۔ (تکوین باب ۲۱ آیت ۱۲-۱۳)

اب اس حکم الٰہی کی رُو سے حضرت ابراہیم مجبور ہو گئے اور سارا کی فرمایش پورا کرنے پر مامور۔ اس فرمان ایزدی کی تعمیل فرمائی۔ ہم اس کی کیفیت بھی توریت ہی کی عبارت سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل اور ہاجرہ کی مقام جبرون سے علاقہ فاران (حجاز) کیطرف ہجرت

> حضرت ابراہیم صبح سویرے اوٹھے، روٹی اور پانی کا مشکیزہ لیکر ہاجرہ کو دیا اور اونکے کاندھے پر رکھ دیا اور لڑکے کو بھی اونہیں دیکر روانہ کیا۔ وہ رخصت ہو کر بیرسبع میں حیران و سرگرداں رہے۔ یہاں تک کہ لوٹے یا مشکیزہ میں جتنا پانی تھا سب چک گیا۔ ہاجرہ نے لڑکے کو ایک درخت کی جڑ کے نیچے لٹا دیا اور خود ایک تیر کے فاصلہ پر اوسکے سامنے جا بیٹھیں۔ اس غرض سے کہ اپنے بیٹے کا (پیاس کی شدت سے) مرنا اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں۔ اوسکے سامنے بیٹھکر ہاجرہ ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگیں۔ خدا نے اون کے بیٹے کی آواز

سن لی اور خدا کے فرشتہ نے ہاجرہ کو آواز دی اور اوس سے کہا کہ اے ہاجرہ۔ تجہپر کیا واقعہ گذرا ہے۔ تو خوف نکر۔ کہ خدا تعالیٰ نے تیرے بچہ کی وہیں آواز سن لی ہے جہاں وہ پڑا ہوا ہے۔ تو اُٹھ۔ اور اپنے لڑکے کو اوٹھالے۔ اور اپنی گود میں لے لو کیونکہ ہم اوسکو ایک اُمت عظیم کرنیوالے ہیں۔ اور خدا نے ہاجرہ کی آنکھوں کو کہول دیا اور اوس نے پانی کا ایک کنواں دیکہا اور اوسکی طرف چلی۔ وہاں پہونچکر اپنا مشکیزہ بہر لیا اور اپنے بیٹے کو پلایا اور خدا اوسکے لڑکے کے ساتھ (ہمیشہ) رہا۔ یہاں تک کہ وہ جوان ہوگیا اور بیابان میں ساکن ہوا اور بہت بڑا تیر انداز ہوا۔ اور بیابان فارس میں آباد ہوا۔ اور اوس کی ماں نے ایک مصری لڑکی سے اوسکی شادی کر دی۔ (تکوین باب ۲۱ آیت ۹-۲۱)

توریت کی عبارت کو ہم نقل کر چکے۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کی نسبت حضرت ابراہیم کی زبانی صرف یہ فقرہ مذکور ہے۔ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۔ پروردگار۔ میں نے اپنی اولاد کو تیرے خانہ مقدس کے پاس ایک ناقابل زراعت بیابان میں ساکن کیا ہے۔

قرآن کی مرقومہ بالا عبارت سے صرف ہاجرہ اور اسمٰعیل کی جائے سکونت معلوم ہوتی ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل کا انکشاف نہیں ہوتا۔ لیکن مفسرین و محدثین نے اسکی پوری تصریح کر دی اور عربی کی قدیم و جدید تاریخوں نے کامل شرح و بسط کے ساتھ اوسکو نقل کیا ہے۔ ہم ذیل میں تاریخ ابن اثیر۔ مواہب لدنیہ۔ روضۃ الاحباب۔ اور تفسیر کشاف کے خلاصہ ترجمہ سے اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اوٹھے۔ ہاجرہ اور اسمٰعیل کو ساتھ لیا۔ اور اوس زمین پر آئے جہاں اب حرم مکہ ہے۔ اوسوقت اوس قطعہ زمین پر نہ عمارت نہ زراعت نہ پانی اور نہ کسی قسم کی آبادی تہی۔ کیونکہ حضرت سارہ کی ایک فرمائش بیجا یہ بہی تہی کہ ان ماں بیٹوں کو ایسی جگہہ لیجانا چاہیئے اور تنہا چھوڑ دینا چاہیئے کہ جہاں نہ پانی ہو نہ آبادی۔ اور چونکہ خدا کی طرف سے سارا کی مطابقت اور دلجوئی کے لیے آپ مامور ہو چکے تھے۔ اسلیے حضرت ابراہیم اونکو اوس مرتفع مقام پر لیگئے جہاں خانہ کعبہ کی موجودہ عمارت قائم ہے اور وہاں لیجاکر انکو چھوڑ دیا۔ اور ایک تھیلی میں خرما اور ایک مشک میں پانی ہاجرہ اور اسمٰعیل کیضرورت کیلئے چھوڑ دیا اور خود وہاں سے چلے آئے اور پھر اون کی طرف کوئی التفات نہ فرمائی۔ ہاجرہ یہ دیکھکر ابراہیم کے پیچھے چلیں اور کہنے لگیں کہ تم مجھکو اور میرے بچے کو اس بیابان میں جہاں نہ کوئی رفیق نظر آتا ہے اور نہ ضرورت کی کوئی چیز چھوڑ کر کہاں چلے جاتے ہو۔ مگر ابراہیم ان کے معروضہ اور استغاثہ کا کوئی جواب نہیں دیتے تھے اور نہ پیٹھ پھیر کر ان کی طرف دیکھتے تھے۔ ان کلمات مایوسانہ کو ہاجرہ نے کئی بار کہا۔ مگر حضرت ابراہیم نے ایکبار بہی نہ اسکا جواب دیا اور نہ ان کیطرف پھر کر دیکہا۔ آخر کار ہاجرہ نے پوچھا کہ کیا خدا نے تمکو ایسا ہی حکم دیا۔ ابراہیم نے

جواب دیا۔ ہاں۔ اب حضرت ہاجرہ سمجھ گئیں کہ اب ہم مجبور ہیں۔ خدا کا حکم ایسا ہی ہے۔ یہ معلوم کرکے ہاجرہ نے رضائے الٰہی پر صبر کر لیا۔ اور یقین کر لیا کہ خدا ہمکو کسی طرح تباہ و برباد نہ کریگا۔ یہ یقین کرکے حضرت ابراہیم کے تعاقب سے واپس آئیں اور اوس خرمے اور پانی کو اپنی اور اپنے صاحبزادے کی ضرورتوں میں صرف فرماتی رہیں۔ یہانتک کہ وہ خرمے اور پانی بالکل تمام ہوگیا اور اب دونوں حضرات پر بھوک اور پیاس کا سخت غلبہ ہوا۔ حضرت اسمٰعیل بیتاب ہوکر زمین پر تڑپنے لگے۔ ماں سے یہ عالم نہ دیکھا گیا۔ وہاں سے اوٹھیں اور کوہ صفا کیطرف روانہ ہوئیں۔ تھوڑی دیر تک وہاں کھڑی رہیں۔ پہاڑ سے اوس وادی کے چاروںطرف دیکھتی رہیں کہ شاید کوئی فریادرس دکھلائی دے۔ مگر کسی کو نہ پایا۔ پھر کوہ صفا سے اتریں۔ چادر زمین پر کھینچتی ہوئی جلدی جلدی دامن وادی کو طے کرتی ہوئیں کوہ مروا پر تشریف لائیں۔ تھوڑی دیر تک ٹھہریں۔ کسی کو نہ پایا۔ چاروں طرف دیکھا۔ کوئی نظر نہ آیا۔ اسی طرح سات بار آپ نے سعی کی۔ یہ دستور اوسوقت سے لیکر اسوقت تک حاجیوں میں قایم ہے۔ حضرت ہاجرہ ہر بار حضرت اسماعیل کے پاس آکر اونکا حال دیکھ جاتی تھیں۔ آخر بار جب بیٹے کے پاس آئیں تو اوس کو قریب ہلاکت پایا۔ مایوس ہوکر گریاں و نالاں پھر کوہ مروہ پر چڑھ گئیں تو ایک آواز اب کی بار ان کے کان میں آئی۔ اوس آواز سے ہاجرہ نے خطاب کرکے کہا کہ میں نے تیری آواز تو سن لی۔ اگر تو حقیقت میں میرا فریادرس ہے تو میری فریاد کو بھی پہونچ اور میری خبر بھی لے۔ حالانکہ وہ آواز خدا کے فرشتہ جبریل کی آواز تھی۔ اور وہ اوسوقت حضرت اسماعیل کے پاس کھڑے تھے۔ ہاجرہ کی ندا سُن کر خدا کے فرشتہ نے پوچھا کہ تو کون ہے جو مجھے پکارتی ہے۔ ہاجرہ نے جواب دیا۔ میں ہوں ہاجرہ۔ ابراہیمؑ کی بی بی اور اون کے بیٹے اسمٰعیل کی ماں۔ فرشتہ (جبریل) نے پوچھا کہ ابراہیم نے اس بیابان میں تم لوگوں کو کس پر چھوڑا ہے۔ ہاجرہ نے کہا کہ خدائے سبحانہٗ تعالیٰ پر۔ جبرئیلؑ نے کہا بس وہی تمہارے لئے کافی ہے جس نے تمہیں چھوڑا ہے۔ یہ کہکر جبرئیلؑ نے اپنے پاؤں سے یا پروں سے اوس زمین پر ضرب لگائی۔ وہاں سے پانی کا چشمہ جاری ہوا۔ اتنے میں ہاجرہ اسماعیل کے پاس چلی آئیں تو پانی کا ایک اوبلتا ہوا چشمہ نظر آیا۔ ہاجرہ خود بھی سیراب ہوئیں اور اسمٰعیل کو بھی سیراب کیا۔ پھر یہ خیال کرکے کہ یہ پانی بھی چُک نہ جائے اس وجہ سے اُس کے کناروں کو باندھکر اوسکو ایک حوض کی شکل میں بنا دینا چاہا۔ کہ پانی اوس میں جمع رہا کرے اور پانی کی مشک آسانی سے بھر لی جایا کرے۔ جبریل نے ہاجرہ کی تسکین کی۔ اور کہا کہ پانی کی کمی کا ذرا خیال نہ کرو اور نہ ڈرو کہ اس وادی کے رہنے والے پیاسے رہیں گے۔ کیونکہ وہ چشمہ ہے جس سے خدائے سبحانہٗ تعالیٰ اپنے مہمانوں کو ہمیشہ سیراب فرمایا کریگا۔ (ابن اثیر مطبوعہ مصر جلد اوّل۔ روضۃ الاحباب باسناد مواہب لدنیہ ابن حجر عسقلانی جلد اول ص ۷۵ لکھنؤ۔ حیات القلوب مجلسی جلد اول۔

حقیقت کی تلاش کرنے والے اصلیت کے ڈہونڈھنے والے مرقومہ بالا عبارتوں پر غور کر کے خود نتیجہ نکال لیں گے اور سمجھ جائیں گے کہ اس واقعہ کے متعلق توراۃ میں جو کچھہ تحریر ہے تھوڑے سے ہی اختلاف کے ساتھہ وہی عربی تاریخ و حدیث کی کتابوں میں بھی مرقوم ہے۔ ہاجرہ اور اسمٰعیل کی ہجرت پر سارا کا اصرار حضرت ابراہیم کا بیحد حزن و ملال۔ سارہ کی فرمایش پوری کر دئے جانے کیلئے خدا کا مصلحتاً حکم۔ حضرت اسمٰعیل کی ازدیاد اولاد۔ اور امت عظیم ہونے کی بشارت۔ اور اون کے بابرکت ہونے کی نوید۔ جلاوطنی میں ماں بیٹوں پر تشنگی کی سخت مصیبت۔ بیٹے پر قریب المرگ ہو جانے کی حالت۔ ماں کا لا انتہا اضطرار و اضطراب ماں کی جستجوئے آب۔ خدا کے فرشتہ کی ندائے غیب۔ ہاجرہ کے اضطراب میں اُسکے تشفی بخش خطاب و کلمات۔ خدا کا ہمیشہ اسمٰعیل کی امداد پر تیار رہنے کی بشارت۔ پھر ہاجرہ کو چشمہ آب دکھلانا۔ ہاجرہ کا اوس پانی سے بیٹے کو سیراب کرنا۔ اور پھر خدا کا اوسکے بیٹے کیساتھہ ہمیشہ رہنا وغیرہ وغیرہ بالاتفاق درج ہے۔

اختلاف ہے تو دو امور میں۔ اول یہ کہ توراۃ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابراہیم نے صرف ان ماں بیٹے کو گھر سے نکالدیا۔ نہ اونکے ساتھہ گئے اور نہ پھر اون کی کوئی فکر و تلاش کی۔ وہ مصیبت کے مارے پھرتے پھراتے بیرسبع سے دشت فاران میں آپ پہونچ گئے۔

دوسرے یہ کہ قرآن مجید سے حضرت ابراہیم کا مع ہاجرہ و اسماعیل بیکبارگی چلا آنا معلوم ہوتا ہے۔ توریت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ماں بیٹے بیرسبع میں آئے وہاں سے فاران میں۔ اور فاران کی اصلیت و ماہیت میں بہت اختلاف ہے۔

اول اختلاف کی نسبت ہم پوری تفصیل سے انکشاف حقیقت کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم ہاجرہ اور اسمٰعیل کو اپنے ہمراہ لاکر بیابان فاران (حجاز) میں پہونچا گئے

سر سید مرحوم خطبات احمدیہ میں بھی توراۃ کی عبارت واقعہ پر اعتبار کرتے ہیں۔ افسوس ہے کہ وہ ایسے صاف لفظوں میں اس واقعہ کو تحریر فرماتے ہیں جسکو کوئی مسلمان پسند نہیں کر سکتا۔ حضرت ابراہیم نے ہاجرہ اور اسمٰعیل کو اپنے گھر سے نکالدیا۔

اس انداز تحریر اور الفاظ بیان سے۔ جو متعصبین یہود کی خاص الخاص تقلید اور حاسدین نصاریٰ کی صاف صاف تائید ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایسے عظیم الشان عمیم الاخلاق والاحسان پیغمبر اور ابو الانبیاء والمرسلین کے مکارم اخلاق اور محاسن عدل و انصاف کے پاک و صاف دامن پر ناانصافی بے مروتی اور بد خلقی کے بدنما اور نازیبا دھبے پڑ جاتے ہیں۔ اور نیز ان واقعات سے حضرت ہاجرہ اور جناب اسمٰعیل کی کسر شان۔ استخفاف حقوق اور اقتصار عظمت و تقدیس ثابت ہوتی ہے جن کی قدر و منزلت کو

سید صاحب اپنے اکثر مباحث میں قوی دلائل سے۔ یہود و نصاریٰ کے مقابلہ میں اونھیں کے اخبار و اسفار سے ایکبار نہیں کئی بار ثابت کر آئے ہیں۔

توراۃ کا یہ بیان اور سید صاحب کا اوسپر حیرت انگیز اعتبار و اقرار کہ حضرت ابراہیم نے اپنی بی بی ہاجرہ اور اپنے نوجوان بیٹے اسمٰعیل کو محض یکہ و تنہا گھر سے نکال دیا۔ قولاً اور فعلاً۔ خلاف عقل۔ خلاف قیاس اور خلاف واقع معلوم ہوتا ہے۔ ایک معمولی درجے والے آدمی سے ایسے بداخلاقانہ افعال کا سرزد ہونا جب اوسکی حد درجہ کی شکایت و ملامت کا باعث ٹھرایا جاتا ہے۔ تو ایک ایسے برگزیدہ بزرگوار سے جو منجانب اللہ صاحب شریعت ہوا اور بندگان خدا کو تہذیب و اخلاق۔ تمدن و معاشرت کی تربیت و تعلیم کے لئے مبعوث کیا گیا ہو۔ ایسے افعال ذمیمہ اور اطوار قبیحہ کا عمل میں لایا جاتا ہرگز صحیح نہیں مانا جاسکتا۔ کیا جناب ابراہیم کی عدالت۔ آپکی شریعت۔ آپکا اخلاق۔ آپکی مروت اور عام انسانی ہمدردی۔ جو عموماً ہر فرد بشر کی طبیعت میں قدرت کی طرف سے ودیعت فرمائی گئی ہے۔ اسی کی مقتضی تھی کہ اپنے واجب النفقہ اہل و عیال کو بلاوجہ۔ بے سبب۔ صرف ایک دوسری بی بی کے کہنے سے۔ اس ذلت اور حقارت۔ اس بلا اور مصیبت کے ساتھ گھر سے باہر نکالدیا جاوے۔ پھر بی بی بھی وہ عفیفہ جس کی اطاعت حسن خدمت اور رفاقت۔ بیس برس کے زمانہ دراز تک ہر قسم کا آرام ہر طرح کی راحت پہونچا چکی ہو۔ اور سفر و حضر کے تمام مصائب و نوائب میں شریک و رفیق رہ چکی ہو۔ فرزند بھی وہ فرزند صالح جس کی عظمت اور بزرگی توریت مقدس کی بشارت سے ایک جگہ نہیں کئی جگہ ثابت ہو چکی ہو۔ خود جناب ابراہیم کو وہ فرزند صالح ایک عظیم امت کا مورث اور حضرت ہاجرہ کو بارہ خلفاء ارض کا باپ اور جد اعلیٰ بتلایا گیا ہو۔ کیا کوئی محض محدود اور ادنیٰ عقل رکھنے والا شخص بھی ایک ساعت کے لئے اسکو مان سکتا ہے کہ یہ دونوں بزرگوار (حضرت ہاجرہ اور جناب اسمٰعیل) حقیقتاً دنیا میں ایسے لاوجود۔ بیکار اور محض بے سود ہستیاں سمجھ کر گھر سے نکال باہر کر دئے گئے۔ سید صاحب کے اس بیجا اقرار و اعتراف پر جو اسلامی اخبار و آثار کے بالکل خلاف ہے۔ وقت تحریر سے لیکر آجتک برابر تعریض و تنقید ہوتی چلی آئی ہے۔ صاحب ارض القرآن نے بھی (اگرچہ یہ بحث اونکے موضوع تالیف سے بالکل علیحدہ تھی) جناب ہاجرہ و اسماعیل کے ضمنی تذکرے میں اپنی غیرت اسلامی اور حمایت دینی سے اسکی تنقید و تردید فرمادی ہے ذیل میں اون کی عبارت ملاحظہ ہو۔

توراۃ میں یہ مذکور نہیں کہ حضرت ابراہیم بھی ساتھ آئے تھے۔ لیکن کون شقی ہوگا جو اپنے عزیز بچہ کو جس کی پیدائش کی اوس نے خود دعا کی ہو جس کی زندگی کیلئے اوس نے خدا سے دعا مانگی ہو۔ اوسکو تنہا بے آب و گیاہ

مقام میں ہمیشہ کیلئے جانے دے۔

صحیح بخاری میں۔ جو روایات اسلام میں صحیح تر ہے۔ حضرت ابن عباس سے منقول ہے۔ کہ ابراہیم اور اونکی بیوی (سارہ) کے درمیان جو واقع ہوا۔ اوسکے بعد ابراہیم۔ اسماعیل اور اسماعیل کی ماں کو لیکر نکلے ساتھ پانی کا ایک مشکیزہ تھا۔ اُم اسمٰعیل پانی مشکیزہ سے پیتی تھیں۔ اور اوس سے دودھ بچہ کے لئے ہوتا تھا[۵] یہاں تک کہ ابراہیم مکہ پہونچے۔ اور ایک جھاڑی کے نیچے اوسکو رکھدیا۔ پھر ابراہیم اپنے گھر واپس آنے لگے اُم اسماعیل اونکے پیچھے پیچھے کدا (مکہ کا ایک مقام) تک آئیں۔ اُم اسماعیل نے پکار کر کہا۔ ابراہیم تم مجھے اس وادی میں جہاں نہ کوئی آدمی ہے اور نہ کوئی چیز ہے چھوڑ کر کہاں جاتے ہو؟ (اختلاف روایت) کیا تم خدا کے حکم سے مجھے یہاں چھوڑتے ہو۔ ابراہیم نے کہا ہاں۔ ام اسمٰعیل نے کہا۔ تو پھر خدا ہم کو ضائع نہ کرے گا۔ ارض القرآن ج ا ص ۱۵

ہم نہیں سمجھتے کہ عربی تفسیر۔ حدیث اور تاریخ کی کتابیں اور اون کی مقامی اور آبائی روایتیں۔ جو عہد ابراہیمی اور دور اسمٰعیلی سے اہل عرب میں سلسلہ بسلسلہ اور سینہ بسینہ چلی آتی ہیں اور جن کے لئے وہ تمام قوموں میں خاص طور پر ممتاز سمجھے گئے ہیں اور خود سید صاحب مرحوم جن کی حقیقت اور صداقت پر اپنے خطبات کے اکثر مقامات پر صاد فرما چکے ہیں۔ صرف توراۃ کے مخالف ہونے کی تنہا جرم میں کیسے ساقط الاعتبار سمجھی جائیں گی اور پھر اس شہادت کے ساتھ کہ اوسکی رُو سے اگرچہ مقدس رسول کی تقدیس و تنزیہ مکارم و مسالک میں تعریض و تنقیص صریح لازم بھی آتی ہو۔ مگر تاہم اونھیں کی صحت کو ترجیح دی جائے گی۔ حالانکہ واقعہ۔ واقعہ کی صورت اور واقعہ کی عبارت صاف صاف بتلا رہی ہے کہ ایسی سنگدلی۔ بیدردی۔ اور شقاوت نہ کبھی اخلاق الٰہی کی شان کہی جا سکتی ہے اور نہ محاسن خلیل اللہی کے شایاں ہو سکتی ہے۔ اسلئے نہ یہ الفاظ وحی و الہام کہے جا سکتے ہیں اور نہ کسی رسول اور خاصہ خدا کے کلام سمجھے جا سکتے ہیں۔ بلکہ تمام اسباب و قرائن صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ حضرت اسماعیل اور اون کی ماں کی حقارت اور ذلت ثابت کرنے کے لئے۔ ابراہیم کے ساتھ جانے یا پہونچانے والی عبارت اور اوسکے تمام مضامین۔ جیسا کہ اسلامی اور عربی اخبار و آثار میں اسوقت تک محفوظ و مرقوم ہیں۔ نفسانیت کے بندوں نے خدا کی اس کتاب سے نکال دئیے۔

اب رہا توراۃ کا فی نفسہا۔ صحیح الاسناد ہونا۔ اسکا یہودی اور عیسائی تو دعویٰ کر ہی نہیں سکتے فقیر لاطلاع مسلمان کہانتک اسکو ثابت کرنے کی کوشش کرینگے۔ اسی مسئلہ میں ایک مثال اطمینان کے لئے کافی ہے۔ توراۃ کے اسواقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمٰعیل اسوقت بچے تھے۔ اور دودھ پیتے تھے۔ اور اوسی توراۃ سے

[۵] یہ مرویات یہود کے نقل کا نتیجہ ہے۔ اسکی اکثر مثالیں اسلامی کتب تاریخ و حدیث میں ملتی ہیں۔ المولف

معلوم ہوتا ہے کہ ولادت اسحاق کے وقت انکا دودھ چھوٹ چکا تھا۔ باپ ختنہ بھی کر چکا تھا اور توراۃ میں ختنہ کئے جانیکے وقت اسماعیل کا سن تیرہ برس کا قطعی طور پر بتلایا گیا ہے۔ اور یہ تمام واقعات اخراج ہاجرہ اور ولادت اسحاق کے قبل کے ہیں۔ ولادت اسحاق کے تین برس بعد واقعہ اخراج ہاجرہ پیش آنا لکھا گیا ہے تو اس بنا پر اسمٰعیل کا سن ترک وطن کے وقت سولہ اور سترہ برس کے درمیان میں ثابت ہوتا ہے۔ اسی سے توراۃ کے اختلاف بیانات کی حقیقت کا پورا انکشاف ہوجاتا ہے کہ ایک ہی واقعہ اور ایک ہی مسئلہ کی نسبت اوسمیں دو متضاد و مختلف مضامین پے درپے مندرج ہیں۔ ایک سے صاحب واقعہ کی شیر خوارگی اور عالم گہوارگی معلوم ہوتا ہے اور دوسرے سے اوسکے نوجوان اور صاحب ریش و بروت ہونے کا ثبوت پایا جاتا ہے۔ بندوں کی کتاب جب ایسے مخالف اور مناقص کے باعث قابل اعتبار نہیں سمجھی جاتی۔ تو پھر خدا کی کتاب ایسے اختلاف و تضاد کو پہلو میں لیکر کیسے صحیح الاسناد اور واجب الاعتقاد تسلیم کیجائے گی

ایسے بین ثبوت اور صحیح مثالوں کے علاوہ۔ حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کی ذلت و حقارت کے متعلق جیسے جیسے نازیبا اور بیجا الفاظ عبارات توراۃ میں مستعمل اور مرقوم ہیں وہ علی الاعلان بتلا رہے ہیں کہ یہ اوس سچے۔ عادل اور غیر متبدل خدائے برحق کے الفاظ و کلمات ہرگز نہیں ہوسکتے۔ جو اس بی بی کے اوپر اپنا فرشتہ رحمت نازل فرماکر اوس کی تسکین و تشفی۔ اوسکے بچہ کی نوید ولادت۔ اوسکے مورث امت عظیم ہونے کی بشارت۔ اوسکے اور اوسکے بچہ کے ساتھ ہمیشہ رہنے کا وعدہ فرما چکا ہو۔ اور جو مرقومہ بالا عبارات بشارت میں متواتر طور پر اس بی بی اور اوسکے لڑکے کی عظمت و تقدیس کا مقر ہوچکا ہو۔ تو اس بنا پر ہمکو پورا یقین ہے اور تنہا یقین ہی نہیں ہمارا مسلم اعتقاد ہے کہ توراۃ کے یہ تمام الفاظ مخالف اور مضامین مناقص جن سے اخلاق خلیل الہی کی کسر عصمت و منزلت ہاجرہ کی توہین اور عظمت و اقتدار اسماعیلی کی تنقیص ظاہر ہوتی ہے ہرگز ملفوظات ربانی نہیں ہیں۔ بلکہ بالکل موضوعات انسانی جب توراۃ میں اتنے اختلاف و تضاد کے سواد کا ذخیرہ موجود ہو۔ اور جس کو خود یہودی اور عیسائی اعتراف للواقع صحیح مانتے ہوں۔ تو پھر ان موضوعات و مصنوعات پر ایک مسلمان محقق کا اعتبار کرلینا اور اوسکو اپنا مختار قرار دے لینا کسقدر شرمناک اور عبرت خیز ہے۔

ہمکو حضرت اسماعیل کے سن مبارک کی نسبت علیحدہ بحث کرنی مقصود ہے۔ اسلئے کہ مرویات اسلامی اور خصوصاً بخاری شریف میں شیر خوارگی کا اظہار کیا گیا ہے جسپر حفظ ما تقدم کے خیال سے ہم اوپر نوٹ (نمبر) دے آئے ہیں۔ ہم مسئلہ زیر بحث کو تمام کرکے اپنے آئندہ سلسلہ بیان میں اس مسئلہ کو بار دیگر بہت جلد صاف کرتے ہیں۔

دشت فاران سے ارض حجاز اور حوالی مکہ مراد ہے۔ اب ہمکو دوسرے امر کیطرف رجوع علی التحقیق کرنا ہے اور وہ دشت فاران کی اصلیت حقیقت اور اوس کے موقع و مقام کا انکشاف ہے۔

اہل عرب کے تمام مرویات قدیم اور اسلام کے تمام تالیفات و تصنیفات میں اس مسئلہ کے متعلق بالا اتفاق الجمہور مرقوم و مذکور ہے کہ جناب ابراہیم علی نبینا و آلہ و علیہ السلام اپنی زوجہ محترمہ حضرت ہاجرہ اور اپنے فرزند ارجمند جناب اسمعیل کو حکم الہی کے مطابق مکہ معظمہ سے ملے ہوئے اوس بیابان میں۔ جو دشت فاران کے نام سے آجتک تمام کتب قدیم میں مرقوم ہے پہونچا گئے۔

قرآن مجید میں نہ فاران ہے نہ پاران۔ اوس میں مقام سکونت کی نسبت صرف بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ۔ (اپنے خانہ محترمہ کے پاس۔ ناقابل زراعت صحرا میں۔) لکھا ہے جس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جناب ابراہیم نے ان لوگوں کو اوس ناقابل زراعت صحرا میں پہونچا دیا تھا جو مکہ سے ملا ہوا تھا۔ اسلئے تاوقتیکہ یہ ناقابل زراعت صحرا حقیقت میں دشت فاران نہ ثابت کر لیا جائے۔ قرآن مجید کی عبارت توراۃ کی بشارت سے مطابق نہیں ہوتی۔ (سفر تکوین باب ۲۱ آیت ۱۴)

سفر تکوین باب ۲۱ درس ۱۴ میں فاران کی جگہ ایل فاران لکھا ہے۔ ان دونوں سے لیکن ایک ہی مقام مراد ہے۔ اور جغرافیہ قدیم و حال کے مطابق اس سے وہی کوہستانی سلسلہ مراد ہے۔ جو صفا۔ مروہ۔ بوقبیس وغیرہ مختلف ناموں سے مشہور ہیں۔ اور مکہ کے اردگرد واقع ہیں۔ توریت کے باب ۲۱ آیت ۱۴ میں۔ فاران کے پہلے لفظ ایل آیا ہے۔ جس کے معنی عبرانی زبان میں خدا کے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظہور قدرت کا کوئی واقعہ اس سے متعلق ہے یا متعلق ہونے والا ہے۔ اسوجہ سے یہ پہاڑ خدائی پہاڑ کے نام سے خاص طور پر موسوم ہوئے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اس عبرانی لفظ ایل کا عربی تالیفات میں بھی کہیں نشان ملتا ہے یا نہیں جب ہم اسکی نسبت تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ کے گرد و نواح میں جتنے پہاڑ ہیں وہ آجتک آلال مشہور ہیں۔ اور الال صاف صاف لفظ ایل کی جمع ہے۔ جو اہل عرب نے اپنی زبان کے قاعدے کے مطابق بنالی ہے۔ اب یہ مسئلہ زیر بحث بالکل صاف ہو گیا کہ ایل فاران مصرحہ توراۃ حقیقتاً اوسی کوہستانی سلسلہ کا نام ہے جو مکہ کے آس پاس واقع ہیں۔ اور جن میں صفا۔ مروہ۔ بوقبیس۔ ثور۔ حرا وغیرہ۔ قدیم شعائر اللہ۔ داخل ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی برگزیدہ بارگاہ الہی کے حالات و واقعات سے خاص طور پر تعلق رکھتا ہے۔

بُرا ہو یہودیوں اور عیسائیوں کے تعصب و نفسانیت کا۔ جو ایسے واضح اور روشن ثبوتوں کے مقابلہ اور موجودگی میں بھی محض اسلام کی مخالفت کی بنا پر وادی فاران اور وادی مکہ کی مطابقت میں خواہ مخواہ غلط!

تاویلیں کرتے ہیں اور سراپا مہمل اور بے اصل دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ اسلئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اون کے ان متعصبانہ اور گمراہانہ قیاسات اور غلط تاویلات کی تردید و تنقید بھی اونہیں کے معتبر اسناد و اشہاد سے پیش کر کے اونکا اور ساری دنیا کا اطمینان کر دیں۔

اسمیں شک نہیں کہ دشت فاران کو حجاز اور قرب مکہ نہ ثابت ہونے دینے کی ابتدائی کوششیں یہودیوں کے حسد و تعصب کا ضمیمہ ہیں۔ لیکن اونہوں نے اسکے موقع کو کوہ سینا اور فلسطین تک محدود کر رکھا ہے۔ عیسائی ان سے بھی تیز اور شرارت انگیز نکلے۔ اونہوں نے سرزمین حجاز اور حوالی مکہ میں دشت فاران کے واقع ہونے کے متعلق اپنی مسلسل کوششوں سے آسمان و زمین کے قلابے ایک کر دئے ہیں۔ اور اس قدر دور از قیاس، گمراہانہ اور خود غرضانہ تاویلوں سے۔ اسکے اصلی موقع قایم کرتے ہیں۔ کثرت اقوال اور تعدد آرا کے انبار لگا دئے ہیں جن سے دشت فاران۔ جغرافیہ عالم میں عنقائے عرب بنگیا ہے۔ کہیں صحیح نشان ہی نہیں ملتا۔ مگر ہم ان تمام مراحل و منازل کو مفصلہ ذیل بحث میں طے کر دیتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ معلوم کر لینا چاہیئے کہ عبرانی لفظ مدبر۔ عربی لفظ وادی۔ اور قرآنی لفظ۔ غیر ذی زرع متحد المعنی اور مساوی المفہوم ہیں۔ یہانتک یہودی۔ عیسائی اور مسلم سب متفق ہیں اور ان تینوں مختلف الفاظ سے ایک ہی معنی مراد لیتے ہیں۔ مگر خاصکر یہودیوں اور عیسائیوں کو جو کلام ہے وہ یہ کہ اس وادی مبشرہ کا اصلی موقع قریب مکہ نہیں ہے۔ بلکہ جبل سینا اور اوسکے قرب و جوار سے لیکر ارض بابل اور فلسطین تک۔ جو جناب ابراہیم اور اون کی قوم و قبیلہ کا قدیم اور اصلی موطن و مسکن ثابت ہوتا ہے۔ دشت فاران میں شامل ہے۔ اونکے اس اعتراض کی بنا پر تین امور کی مفصلہ ذیل تنقیح و تحقیق نہایت ضروری ہے۔

اول۔ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہاجرہ اور اسمٰعیل علیہ السلام کو کہاں چھوڑا۔

دوم۔ یہ کہ حضرت ہاجرہ اور اسماعیل نے اس صحرائے غیر آباد کے کس مخصوص مقام پر سکونت اختیار کی۔

سوم۔ یہ حضرت ہاجرہ اور اسماعیل نے۔ جہاں پہلے ٹھیرے تھے وہیں سکونت اختیار کی یا وہاں سے اوٹھکر کسی اور جگہ آباد ہو گئے۔

تنقیح اول کے متعلق ہم اسلام سے قبل یا بعد عرب کی مشہور و معروف روایتوں کو جو اس امر کو ثابت کرتی ہیں اس باعث سے عمداً امر فوع القلم کرتے ہیں کہ مخالف قوم و مذہب کے مقابل ایک متنازع فیہ مسئلہ میں اپنے بیان سے اپنے دعوی کی تصدیق اتنی قابل اعتبار نہیں ہو سکتی۔ جتنی طرف مقابل کی تردید اوسکے اقوال و تحریر سے۔ چونکہ اس مسئلہ خاص میں یہودیوں اور عیسائیوں نے ابتدا ہی سے محض اسلام کی مخالفت اور حضرت اسماعیل کی خاص کسر شان و منزلت کی بنا پر بیجا تاویلیں پیدا کر دی ہیں۔

اسلئے اونھیں کی کتابوں سے صحرائے فاران کا حقیقت میں مکہ کے آس پاس واقع ہونا ثابت کرنا چاہیئے۔ توریت میں ہے۔

اسماعیل بڑا ہوا۔ اور بیابان میں سکونت پذیر ہوا۔ (سفر تکوین باب ۲۱ آیت ۲۵) پھر دوسری جگہ تحریر ہے کہ اس نے یعنی اسمٰعیل نے دشت فاران میں سکونت اختیار کی (سفر تکوین باب ۲۱ آیت ۲۱)

اب یہ تحقیق طلب ہے کہ بیابان فاران جہاں جناب اسمٰعیلؑ سکونت پذیر ہوئے کون سا مقام ہے مشرقی جغرافیہ والوں نے تین مقامات کو بنام فاران تحریر کیا ہے۔ اول وہ مقام اور اوسکے گرد و نواح کے پہاڑ جہاں اب شہر مکہ واقع ہے۔ کیونکہ اوس زمانہ میں یہ مقام صحرائے بے گیاہ تھا۔ دوم وہ پہاڑ اور گاؤں جو مشرقی حصہ مصر یا عرب الحجر میں واقع ہے۔ سوم ایک ضلع ہے۔ جو سمرقند کے نواح میں واقع ہے۔ مشرقی جغرافیہ نویسوں کی تحقیق حسب ذیل ہے۔

فاران المذکور فی التوراۃ فی قولہ جاء اللّٰہ من سیناء و اشرف من ساعیر و استعلن من فاران فساعیر جبال فلسطین و ھو انزالہ الانجیل علی عیسیٰ و فاران مکۃ او جبالھا علی ما تشہد بہ التوراۃ و استعلاہ بہ منھا انزالہ القرآن علی رسولہ محمد صلعم و فاران قریۃ من نواحی اسفد من عمال سمرقند و قیل فاران و الطور کورتان من کور مصر قبلیہ (مراصد الاطلاع علی الاسماء الامکنۃ و البقاع و معجم البلدان یاقوت حموی)

فاران جیسا کہ توراۃ کی ہر آیت میں آیا ہے کہ خدا سینا سے آیا اور ساعیر سے مشرف ہوا اور فاران سے بلند ہوا۔ ساعیر فلسطین کے پہاڑ ہیں اور وہ مقام ہیں جہاں حضرت عیسیٰ پر نزول انجیل ہوا اور فاران۔ مکہ اور اوس سے ملے ہوئے پہاڑوں کا نام ہے جیسیر توریت کی شہادتیں موجود ہیں۔ اور اوسکے بلند کئے جانے سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم پر نزول قرآن مراد ہے اور فاران ایک قریہ کا نام ہے۔ جو سمرقند کے علاقہ سغد میں واقع ہے اور یہ بھی مشہور ہے کہ فاران مصر مغربی کے دو شہر فاران و طور کے نام سے معروف ہیں (مراصد الاطلاع علی الاسماء الامکنۃ و البقاع و معجم البلدان یاقوت حموی)

پھر یاقوت حموی اپنی دوسری کتاب مشترک میں لکھتا ہے۔

فاران ثلثۃ مواضع۔ فاران اسم جبال مکۃ و قیل ھا اسم جبال الحجاز و لھا ذکر فی التوراۃ یجی فی اعلام نبوۃ النبی صلعم قال الامیر ابو نصر ابن ماکولا ابوبکر نصر ابن القاسم ابن القضاعۃ القضاعی الفارانی الاسکندری سمعت ان

فاران تین مقامات کے نام ہیں۔ مکہ کے پہاڑوں کا (فاران) نام ہے اور بعض کہتے ہیں علاقہ حجاز کے تمام پہاڑوں کا نام فاران ہے ان کا ذکر توریت میں موجود ہے۔ اور ان سے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی نبوت کا اعلان ہوتا ہے۔ امیر ابو نصر ابن ماکولا کا بیان ہے کہ ابوبکر نصر ابن القاسم ابن القضاعۃ القضاعی

ذلک نسبۃ الی جبال فاران وھی الحجاز فالمراد قال ابو عبد اللہ القضاعی فی کتاب خطط مصر فاران والطور کورتان من کور مصر القبلیۃ و فاران من قرای سمرقند (کتاب المشترک)

الفارانی الاسکندری کی نسبت اوسی جبال فاران سے ہے جس سے حجاز مراد ہے اور ابو عبداللہ القضاعی اپنی کتاب خطط مصر میں لکھتے ہیں کہ فاران اور طور مصر مغربی کے دو مشہور شہر ہیں۔ اور فاران سمرقند کے ایک قریہ کا بھی نام ہے (کتاب المشترک)

ہم نے عربی جغرافیہ نویسوں کے اقوال صرف اس غرض سے یہاں لکھ دئیے ہیں کہ محققین کو معلوم ہو جائے کہ اسلامی مورخین و مولفین نے بمقابلہ یہودی اور عیسائی مصنفین کے پوری صفائی اور خوش نیتی سے جبال مکہ و حجاز کے علاوہ۔ اون تمام مقامات کو بھی لکھ دیا ہے اور بتلا دیا ہے۔ جو فاران کے نام سے مشہور ہیں۔ اگر اون کی تحقیق اور تحریر بھی یہودیوں اور عیسائیوں کیطرح خود غرضی اور تعصب پر مبنی ہوتی تو وہ فاران کی تصدیق و تطبیق میں صرف جبال مکہ و حجاز کو بتلاتے اور دوسرے مقامات کی تصریح و تفصیل سے سکوت اختیار کرتے۔ مگر نفسانیت اور خود غرضی سے بالکل علیحدہ ہوکر اونہوں نے اپنی تالیفات میں تمام مقامات کا ذکر کر دیا کیونکہ اون کے ذکر کر دینے سے اونکے مدعا میں کسی طرح کا خلل نہیں ہوتا تھا۔ اسلئے کہ فاران کے اوسی ایک مقام اور اوسی ایک خاص نام میں خدا سبحانہ تعالی کی عظمت و تقدیس و دیعت ہے۔ جس کی نسبت توراۃ میں بشارت آئی ہے اور اس تقدیس و برکت کا اصلی مرکز وہی مقام اور وہی نام قرار پا سکیگا۔ جہاں سے نور ہدایت جلوہ آرا ہے عالم ہوا۔

چونکہ تمام شہود و ثبوت اسپر جمع ہو چکے ہیں کہ اس موعودہ ظہور قدرت کی جلوہ گاہ جبال مکہ اور حجاز ہیں نہ دیگر مقامات اسلئے یہودیوں کی کوشش ہے۔ اور عیسائیوں کو کاوش ہے کہ کسی نہ کسی طرح اصلی مقام کی حقیقت چھپا دی جائے مگر اونکی یہ اعتراف و اقرار متواتر و متکاثر کے مقابلہ میں اون کی یہ عالم فریبی کارگر ہوئی ہے اور نہ ہوسکتی ہے۔ اون کی ان گمراہانہ مغالطہ دہی سے ہمارے دعووں میں کسی طرح نقصان نہیں پہونچ سکتا ہے۔ دو اقطاع عالم میں ایک نہیں ہزار مقام فاران کے نام سے بتلایا کریں تو اس سے کیا۔ اصلی فاران کی عظمت و تقدیس میں اس سے کوئی کمی واقع نہیں ہوتی فاران پر منحصر نہیں طور کے ایک نام سے دنیا میں سات مختلف مقامات مشہور ہیں۔ یاقوت حموی مشترک میں لکھتے ہیں۔

(الطور) اسما لجملۃ مواضع منھا الطور المضاف الی ... علم الجبل بعینہ ... قریۃ با مرج ... من کورۃ القبلیۃ ...

طور سات مقامات کو کہتے ہیں۔ یعنی طور کے نام کا اطلاق الخ پہاڑوں قصبوں اور شہروں پر ہوتا ہے۔ اور وہ شہر اون تمام چھوٹے چھوٹے قصبوں پر بھی حاوی ہیں جو مغربی مصر میں واقع ہیں۔

وبین جبل فاران۔ (مشترک)

اور طور اور جبل فاران کے درمیان حد فاصل ہیں۔ (مشترک)

اب ان سات مختلف مقامات کی تفصیل۔ علامہ شریف الادریسی کی کتاب نزہۃ المشتاق کی عبارت سے ذیل میں ملاحظہ ہو۔

(۱) طریق آخر علی ساحل البحر القلزم (۲) من مصر الی عین شمس (۳) ثم الی بطن مغیرۃ (۴) ثم الی صحراء فاران (۵) وبالقرب فاران موضع صعب اذا سلکتہ والبحر ایضاً منہ غرباً والدیر شرقاً (۶ و ۷) وفیہ جبلان من جبلان الی جبل الطور الی ایلۃ

(۱) وہ وادی یا راستہ جو بحر قلزم کے کنارے جاتا ہے (۲) جو مصر سے عین شمس کو جاتا ہے (۳) جو بطن مغیرہ کو جاتا ہے (۴) جو بیابان فاران کو جاتا ہے (۵) جو فاران کے اوس سنگلاخ مقامات سے قریب ہے جس کے مغرب میں تلخ اور مشرق میں دَیر واقع ہے (۶) و (۷) اون دو پہاڑوں کے نام ہیں جو جبل الطور کے سلسلہ میں ایلہ کی طرف واقع ہیں۔

مندرجہ بالا تفصیل سے سات مقامات طور کے تنہا نام سے مشہور ہونا ثابت ہو گیا۔ مگر اصلی طور وہی طور ہے جہاں سے انوار قدرت کا ظہور ہوا۔ اور وہی ایک آج تک مشہور ہے۔ اور باقی کے آگے دوسرے مقامات کی شہرت کوئی عظمت اور وقعت نہیں رکھتی۔ بالکل ایسی ہی فاران کی بھی حقیقت سمجھ لینی چاہیئے۔

اب ہم یہودیوں اور عیسائیوں کے اقوال و اسناد سے بیابان فاران کا صحرائے مکہ اور علاقہ حجاز ہونا ثابت کرتے ہیں۔ اسلام کی مخالفت ہو۔ یا بنو اسحاق کے مقابلہ میں بنی اسماعیل کی اظہار ذلت کی ضرورت ہو۔ انہیں دو مفسدانہ اور خود غرضانہ ضرورتوں کی وجہ سے۔ یہودیوں سے زیادہ عیسائیوں نے فاران کے اصلی موقع اور موضع کی تحقیق و تعین میں جو عالم فریب اور گمراہ کن اقوال لکھے ہیں اور اون کے ثبوت و تصدیق میں جو وہمی اور قیاسی دلائل پیش کئے ہیں۔ وہ تین جداگانہ صورتوں میں پائے جاتے ہیں۔

اول صورت یہ ہے کہ عیسائی مورخین و محققین صحرائے فاران اوس قطعہ زمین کو ٹھہراتے ہیں۔ جو بیر سبع کی شمالی حد سے لیکر کوہ سینا تک چلا گیا ہے۔ اوس کے حدود یوں قائم کرتے ہیں۔ شمال میں کنعان۔ جنوب میں کوہ سینا مغرب میں مصر اور مشرق میں کوہ سعیر

اسکے متعلق جدید تحقیق اور مزید اطلاع یہ ہے کہ اس قطعہ زمین میں صحرائے اشور۔ دشت بیر سبع۔ بادیہ التیام۔ بیابان سین۔ ارض زین اور ریگستان عیدام (گویا سارے جہان) کو بھی داخل کرتے ہیں۔ ان تمام طوماروں سے مطلب صرف اتنا ہے کہ کسی طرح فاران جزیرہ نمائے عرب کے اوس حصہ کی طرف نہ جانے پائے جو حجاز کہلاتا۔ اور مکہ کے ناموں سے مشہور ہے۔ جہاں سے طلوع اسلام اور ظہور بانی اسلام علیہ السلام

کی بشارتیں ظاہر ہوتی ہیں۔
دوسری صورت یہ ہے کہ قادش۔ جہاں حضرت ابراہیم نے ایک کنواں موسوم بہ بیر سبع کھودا تھا۔ وہ اور فاران ایک ہی مقام ہے۔
تیسری صورت یہ نکالی گئی ہے اور فاران اوس مقام کا نام رکھا گیا ہے۔ جو کوہ سینا کے مغربی ڈھلاو کیطرف واقع ہے یہی تین صورتیں جنکی آڑ میں فاران کی اصلی حقیقت کو یہودیوں سے زیادہ عیسائیوں نے چھپانا چاہا ہے۔ اول صورت کے مٹانے کی نسبت جس میں موضع فاران کا غلط نقشہ یوں دکھلایا گیا ہے کہ اسمیں دشت اشور اور سینا وغیرہ وغیرہ کو داخل کر دیا گیا ہے۔ توراۃ ہی کی چند آیتیں ذیل میں لکھدی جاتی ہیں جن سے ان غلط بیانیوں کی ساری قلعی اوڑجاتی ہے۔ توراۃ سفر الاعداد باب ۱۰ آیت ۱۲ میں مرقوم ہے۔
(۱) بنی اسرائیل نے بیابان سینا سے کوچ کیا اور بیابان فاران میں قیام کیا۔ اس عبارت توراۃ سے تو بیابان سینا اور بیابان فاران دو جدا جدا بیابان ثابت ہوتے ہیں۔ پھر بیابان سینا میں بیابان فاران کا داخل کرنا یا بیابان فاران میں بیابان سینا کا شامل ہونا کیسے تسلیم کیا جائیگا۔ یا بیابان سینا اور فاران کیسے ایک شئے سمجھا جائیگا۔
توریت کی دوسری آیت۔ سفر تکوین باب ۱۴ آیت ۵ و ۶ میں مرقوم ہے۔
(۲) کدر لاعمر گیا اور وہ بادشاہ جو اوسکے ساتھ آئے تھے۔ (اونکو) اور رفائیوں کو۔ عستارات قرنیم میں۔ اور زوزیوں کو ہام میں اور ایمیوں کو سوی قرنیم میں اور حوریوں کو اونکے کوہ شعیر میں۔ ایل فاران تک جو بیابان کے کنارے پر ہے مارا۔ اور وہ پھر کر (واپس آکر) عین مصفات یعنی قادس میں آئے۔
اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ جبتک بیابان فاران کو ایک علیحدہ مقام نہ تسلیم کیا جاوے گا۔ اس آیت کے معنی بالکل مہمل رہ جائیں گے۔ اسی عبارت سے یہ بھی صاف ہو گیا کہ قادس اور فاران ایک مقام نہیں ہو سکتے کیونکہ اس آیت کا یہ فقرہ کہ دشمنوں کو ایل فاران تک مارا۔ اور واپس ہو کر قادس میں آئے صاف ثابت کر رہا ہے فاران جدا مقام ہے اور قادس علیحدہ۔ پھر ایسکے ایک مقام ہونیکا دعوٰی بالکل لغو اور مہمل ہے۔ اسی عبارت توراۃ سے عیسائیوں کی دوسری صورت بھی بگڑ گئی۔
توراۃ کی تیسری آیت۔ سفر اعداد باب ۱۳ آیت ۱-۲-۳ میں ہے۔
(۳) پھر خداوند نے موسیٰ کو خطاب کر کے کہا کہ تو لوگوں کو بھیج تاکہ کنعان زمین کی۔ جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں۔ جاسوسی کریں۔ ایک ایک مرد اونکے آبائی فرقہ میں سے۔ جو اوس میں سردار ہے۔ بھیجدے

چنانچہ موسیٰ نے خداوند کے ارشاد کے مطابق دشت فاران سے اونکو بہیجا۔
اس آیت سے بہی وہی مطلب نکلتا ہے اور تاوقتیکہ دشت فاران ایک مقام جداگانہ تسلیم کرلیا جاسکے۔ اس آیت کے کوئی معنی نہیں نکلتے۔

توراۃ کی چوتہی آیت۔ سفر اعداد باب ۱۳ آیت ۲۶ میں درج ہے۔

(۴) اور پہر کے موسیٰ اور ہارون اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت کے پاس دشت فاران سے قادس میں آئے اور اونہیں اور ساری جماعت کو آکے خبر دی اور اوس سرزمین کا میوہ اونہیں دکہایا۔

اس آیت سے بہی فاران اور قادس دو علیحدہ مقامات ثابت ہوسکے۔

توراۃ کی پانچویں آیت۔ سفر استثنا باب ۳۳ آیت ۲ میں مرقوم ہے۔

(۵) اور یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی۔ اور اوس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا۔ اور سعیر سے اونپر طلوع ہوا۔ اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ ہزار ہا ہزار قدسیوں کے ساتھ وہ وارد ہوا۔ اور اوسکے دست راست پر ایک آتشیں شریعت تہی۔

اس سے بہی سینا۔ سعیر اور فاران تینوں علیحدہ علیحدہ مقامات ثابت ہوسکے۔

توراۃ کی چہٹی آیت۔ کتاب حبقوق نبی باب ۳ آیت ۳ میں ہے۔

(۶) خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا۔ اوسکی شوکت سے آسمان چہپ گیا۔ اوسکی حمد سے زمین معمور ہوگئی۔

اس آیت سے بہی فاران ایک علیحدہ اور خاص مقام ثابت ہوا۔

توراۃ کی ساتویں آیت کتاب اول ملوک باب ۱۱۔ آیت ۱۸ میں مذکور ہے۔

(۷) پہر وہ مدیان سے نکل کے فاران میں آئے۔ اور فاران سے لوگ ساتھ لیکے شاہ مصر فرعون کے پاس گئے۔

اس سے بہی فاران ایک علیحدہ مقام ثابت ہوا۔ اور خاصکر وہ مقام جہاں سے مصر جانیکا راستہ ملتا ہے اور یہ سوائے حجاز کے اور عرب کے کسی قطعہ زمین کو خصوصیت حاصل نہیں ہے جو مصر کے عین محاذ میں واقع ہے۔

توراۃ کی مرقومہ بالا آیتیں صاف صاف بتلا رہی ہیں کہ بیابان فاران ایک علیحدہ قطعہ زمین کا نام ہے جسکا شمول کسی دوسرے قطعہ زمین سے ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اگر اس میں نفسانیت وخود غرضی کے علاوہ اصلیت اور حقیقت کا ذرا بہی اثر ہوتا تو۔ توراۃ کے مقدس ابواب وآیات میں فاران کی تفریق وتخصیص کیجگہ اسکی تعمیم کا حصر ورذکر ہوتا۔ نہیں معلوم کہ یہودی اور عیسائی اپنے ان تاویلات کی بنا میں کونسی سند پیش کرتے ہیں اور اپنی کس کتاب کا اسکا اصلی ماخذ قرار دیتے ہیں۔ اسلئے یہ امر قطعی طور پر ثابت کردیا گیا کہ صحرائے

فاران کی تفریق و تخصیص دوسرے مقامات کے ساتھ صرف اس غرض و مدعا سے خلط ملط کر دی گئی ہے
کہ اصلی موقع اور رسالت محمدیہ کا حقیقی مطلع۔ اشتمال و اشتراک کی ناپاک خاک سے غبار آلود ہو جائے اور
بشارت ربانی کے انوار ہدایت دنیا کی ظاہری آنکھوں سے پوشیدہ ہو جائیں۔

عیسائیوں کے اعتراض کے پہلی صورت تو یوں ظاہر ہوئی کہ اونکے اس قیاسی اور وہمی تحقیق کی
تکذیب اون کے عہد عتیق کے مندرجہ بالا متواتر عبارتوں نے پورے طور سے کر دی۔ اب دوسری صورت
کے متعلق عرض کیا جاتا ہے کہ قادش اور فاران ایک ہی مقام ہے۔ اسکی تردید اگرچہ مرقومہ بالا ایک آیت
سے کر دی گئی ہے مگر بار دیگر مزید اطمینان کے خیال سے پھر توراۃ کی دوسری آیت سے مندرج کیجاتی ہے۔
سفر تکوین باب ۱۴ آیت ۶ و ۷ میں مرقوم ہے۔

حوریان کو بھی شکست دی جو کوہ سعیر میں ایل فاران تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور وہاں سے لوٹکر چشمہ مشپاط پر جو
قادش ہے آئے۔

اس عبارت نے ثابت کر دیا کہ فاران اور قادش ایک مقام نہیں ہو سکتے۔ بلکہ صحیح طور پر مسپاط اور قادش
ایک مقام ہیں۔

یہ صورت بھی بگڑ گئی۔ اب تیسری صورت کا نقشہ ہے اور اوس میں یہ رنگ بھر گیا ہے کہ فاران کوہ سینا
کے اوس نشیب کا نام ہے جو اوسکے مغرب کیطرف واقع ہے۔ اس رنگ آمیزی میں ریورینڈ مسٹر فارسٹر
Rev. Mr. Forester بہت ڈوبے ہوئے ہیں۔

خود غرضی ایک سخت بلا ہے۔ اور تعصب قہر خدا۔ ایسا فاضل محقق اور کامل مؤرخ صرف مذہبی تائید و
تقلید کی خود غرضی سے ایسی بیجا اور نازیبا تاویلیں کرے سخت تعجب اور حیرت کا مقام ہے۔ اسکے مان
لینے میں کوئی کلام نہیں کہ کوہ سینا کے مغربی نشیب میں ایک مقام ہے جو فاران کے نام سے مشہور ہے۔
مگر سوال تو یہ ہے کہ آیا یہ فاران وہی بیابان ہے۔ جہاں توراۃ مقدس کی بشارت کے مطابق حضرت اسمٰعیل
اپنی ماں کے ساتھ مقیم ہوئے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ وہ مقام نہیں ہے۔ تب تو تسلیم کر لینا ہوگا کہ یہ
فاران وہ فاران نہیں ہے جو توراۃ کے مطابق حضرت اسمٰعیل کا دار الاقامت تھا۔

مسٹر فارسٹر کو خواہ مخواہ کا اصرار ہے کہ یہی مقام فاران حضرت اسماعیل کی فرودگاہ ہے۔ اپنے اس دعوٰی
کے ثبوت میں وہ توریت کی یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ جو سفر تکوین باب ۲۵ آیت ۱۸ میں مندرج ہے۔

وہ لوگ حویلاہ (ہاجرہ اور اسمٰعیل) (اے ابراہیم) حویلاہ سے شور تک کہ مصر کے آمنے سامنے ہے مقیم ہوئے اور
اوسکا مسکن اپنے بھائیوں کے مساکن کے پاس واقع ہوا۔

ریویرنڈ صاحب اسکے یہ معنی لگاتے ہیں کہ خدا کے وعدہ کی اسی آیت بشارت میں ایفا ہوگئی۔ جبکہ اسماعیلیوں کی آبادی شور سے حویلاہ تک انتہائے عرب میں یعنی سرحد مصر سے لیکر دہانہ فرات تک پھیل گئی۔ فارسٹر صاحب کی ساری کوشش تو یہ ہے کہ بنو اسماعیل چاہے ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ثابت ہو جائیں۔ کوئی اعتراض نہیں۔ مگر علاقہ حجاز اور حوالی مکہ میں۔ جو اصل فاران ہے۔ وہاں تک نہ پہونچنے پائیں۔ اور کسی طرح یہ امر نہ ثابت ہونے پائے کہ بنو اسماعیل کا اصلی موطن و مسکن بیابان فاران واقع حجاز تھا۔ کیونکہ اس امر کے ثابت ہوتے ہی۔ جناب ختمی مرتبت علیہ و آلہ الثنا والتحیۃ کے ظہور رسالت کی مندرجہ بالا بشارت ثابت ہو جائے گی۔

مگر افسوس فارسٹر صاحب کی یہ کوشش بھی بیکار گئی۔ فارسٹر صاحب سب کچھ کرلیں گے۔ مگر عرب کے جغرافیہ کو اور اوسکے نقشہ کو کیسے مٹا دیں گے۔ صاحب موصوف نے حویلاہ کو دہانہ فرات پر قرار دیا ہے۔ یہ صریح غلطی ہے۔ حویلاہ۔ جو اس شہر کا خاص بانی ہے۔ اور جسکا ذکر توراۃ سفر تکوین باب ۱۰ آیت ۲۹ میں مذکور ہے۔ نواح یمن میں واقع ہے۔ اور اوسکا موقع نقشہ عرب میں شمالی عرض بلد ۱۷ درجہ اور ۳۰ دقیقہ ہے۔ شرقی طول بلد ۴۲ درجہ ۳۶ دقیقہ ہے۔ اسکی تصدیق عرب کے اوس نقشہ سے ہوتی ہے جو عرب کے جغرافیہ کے مطابق بنایا گیا ہے اور واکر صاحب (Walker) کے نقشہ کلاں سے چھوٹا کرکے بنایا گیا ہے۔

اسکو بھی جانے دیجئے۔ فارسٹر صاحب نے جو دوسری غلطی کی ہے۔ (غلطی کیوں کی بلکہ مغالطہ دہی کی ہے) وہ یہ ہے کہ شور کو عرب الحجر کے مغرب میں قرار دیا ہے۔ ایک نقطہ دو شد۔ اصل عبری توراۃ میں صرف دو نام آئے ہیں۔ شور اور اشور (بزیادۃ الف) ان دونوں ناموں میں۔ شور سے شام اور اشور سے اسیریا۔ باتفاق جمہور مراد ہے۔

اب اس تصریح موقع مندرجہ توراۃ سے صاف طور پر واضح ہوگیا کہ بنی اسماعیل نے اوسی وسیع قطعہ زمین پر سکونت اختیار کی جو شمالی حدود یمن سے لیکر جنوبی سرحد شام تک منتہی ہوتا ہے۔ یہی جگہ اب حجاز کے نام سے مشہور و معروف ہے اور یہی مقام فاران مبشرہ سے پوری اور صحیح مطابقت رکھتا ہے۔ اور یہی خطہ زمین ٹھیک مصر کے سامنے واقع ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص وہاں سے اسیریا کی طرف جاوے تو وہ معلوم کریگا کہ مصر کے سامنے جو قطعہ زمین ہے۔ وہی علاقہ حجاز ہے اور اگر کرہ عالم کے نقشہ میں مصر سے اسیریا تک ایک خط کھینچ دیا جاے تو وہ ٹھیک علاقہ حجاز کے سامنے پڑیگا۔

اب ہمارے اس بیان و ثبوت کو فارسٹر صاحب توراۃ کی مندرجہ بالا عبارت سے جسکو وہ اپنے

استدلال کے ثبوت میں پیش کر چکے ہیں۔ کہ تیرے جانے کے بعد، وہ اشور میں۔ جو مصر کے مقابل میں ہے۔ ساکن ہوئے۔ بلالیں تو اون کو قطعی طور پر ثابت ہو جائیگا کہ اوسوقت سے لیکر اسوقت تک مصر کے محاذ میں سوائے حجاز کے اور کوئی زمین کا دوسرا ٹکڑا نہیں پایا جاتا ہے اور توراۃ میں بنو اسماعیل کا یہی اصلی مرکز و مسکن بتلایا گیا ہے اور عبارت توراۃ کے مطابق مصر کے برابر یعنی آمنے سامنے واقع ہے۔

فارسٹر صاحب خواہ مخواہ اسکو اصل موقع سے اوٹھا کر دہانہ فرات پر لئے جاتے ہیں اور ساری دنیا کو ایک کھلی اور صاف بات کے سمجھنے میں اینچ پینچ کے مغالطے دیتے ہیں۔ اونہوں نے اپنے غلط استدلال کے ثبوت میں ایک دوسرا حوالہ بھی دیا ہے۔ مگر افسوس کہ وہ بھی اونکے مفید مطلب نہیں۔ وہ کتاب اول تاریخ ایام باب ۵۔ آیت کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں۔

> پورب کی طرف۔ اوس بیابان کے مدخل تک کہ کنارہ نہر فرات پر ہے (بنو اسماعیل) ساکن ہوئے۔ کیونکہ زمین جلعاد میں اونکے گلوں کی فراوانی ہوتی تھی۔ اور شاول کے زمانہ میں اون لوگوں نے ہاگریوں پر دعویٰ کیا کہ وہ لوگ ان کے قبضہ میں آگئے۔ اور اوس قرب و نواح کے چاروں طرف کی زمین میں۔ جو جلعاد سے متعلق ہے۔ وہ آباد ہو گئے۔

فارسٹر صاحب اسکی تفسیر میں بیان کرتے ہیں۔ کہ جلعاد جو نواح دریائے فرات اور خلیج فارس میں واقع ہے حضرت اسماعیل کی ابتدائی سکونت سے مطابق ہوتی ہے۔ ایک عرصہ کے بعد یہیں سے حضرت اسماعیل کی اولاد تمام اقطاع عرب میں پھیل گئی۔ مگر حقیقتاً توراۃ کی ان آیتوں سے بھی فارسٹر صاحب کا کوئی مطلب نہیں نکلتا۔ کیونکہ اس عبارت سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بنو اسماعیل یا بنو ہاجرہ نے خلیج فارس پر شکست کھائی۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ یہ شکست حضرت اسماعیل سے آٹھ سو برس بعد ہوئی۔ تو ان آیتوں سے وہ بات۔ جیسا کہ فارسٹر صاحب نے دعویٰ کیا تھا۔ کہاں ثابت ہوئی کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں پہلے پہلے خود اسمٰعیلؑ اور اونکی ماں تشریف لاکر سکونت پذیر ہوئی تھیں۔ واقعہ تو آٹھ سو برس قبل کا ہے اور ثبوت دیا جاتا ہے آٹھ سو برس بعد کا۔ فارسٹر صاحب کا یہ طریقہ استدلال اعجوبہ روزگار ہے حضرت اسمٰعیل کے بعد البتہ ہم کو بھی اقرار ہے کہ بنو اسماعیلؑ دریائے فرات اور خلیج فارس پر کیا۔ تمام عرب میں دور دور تک پھیل گئے تھے۔ چنانچہ اسلامی اور عربی محققین اس پر متفق اور اوسکے معترف ہیں۔ معارف ابن قتیبہ کی مفصلہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

ولما کثر ولد اسمعیلؑ ضاقت علیهم مکه فانتشروا فی البلاد ولا یلقون بلدا الا اظهرهم	جب حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد بہت کثرت سے ہوگئی۔ اور مکہ میں اونکے رہنے کیلیے گنجایش باقی نہیں رہی۔ تو وہ مختلف شہروں میں جاکر بس گیے

الله علی اهله وهم نفوا العمالیق۔ (معارف ابن قتیبہ)	اور جس شہر میں وہ گئے خداوند عالم نے اونکو وہاں کے باشندوں پر غلبہ عنایت فرمایا۔ اور اُنہوں نے قوم عمالیق کو نکالدیا۔ (معارف ابن قتیبہ)

علامہ ارزقی بھی تاریخ مکہ میں ایسے ہی لکھتے ہیں۔

ان بنی اسمٰعیل من ساکنی مکة ضاقت مکة فتفسحوا البلاد والتمسوا المعاش۔	بنو اسمٰعیل ساکنان مکہ۔ مکہ کی تنگی کی وجہ سے مجبور ہوکر مختلف شہروں میں تلاش معاش نکلکر آباد ہوگئے۔

عرب کے تمام مورخین و محققین برابر تسلیم کرتے آئے ہیں کہ بنو اسماعیل امتداد ایام کے بعد شہر مکہ میں اپنی رہائش کی گنجائش نہ پاکر تمام اقطاع عرب میں اپنی سکونت اور کسب معیشت کی ضرورت سے نکل نکل کر آباد ہوگئے۔ مگر فارسٹر صاحب کے ایسا کوئی مشرقی یا مغربی مورخ و محقق نہیں لکھتا کہ یہ خاص حضرت اسماعیل ہی تھے۔ اور اون کی ماں۔ جنہوں نے ابتدا ہی سے حجاز اور حوالی مکہ کے علاوہ کسی دوسرے قطعہ زمین میں اپنی سکونت اختیار کی۔ مسٹر فارسٹر کا ایسا لکھنا اور لکھکر بتلانا اون کی اوسی خود غرضی نفسانیت اور تعصب پر مبنی ہے جسکو ہم مسئلہ زیر بحث کی ابتدا میں لکھ آئے ہیں۔

اتنا لکھکر ہمکو اس بحث کے متعلق ابھی کچھ اور اضافہ کرنا منظور ہے اور وہ اضافہ یہ ہے کہ فارسٹر صاحب کے اس غلط دعوی کی تردید اونھیں کے ہم طریق اور ہم مذہب مولفین و محققین کے تحریری اقوال سے کردی جائے۔ اون شہادتوں کے علاوہ۔ جو بیابان فاران کے حوالی مکہ اور علاقہ حجاز میں واقع ہونے کے ثبوت میں۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ہم کوارٹرلی ریویو ۱۸۶۹ء کا ایک آرٹیکل (An article on Quarterly Review of 1869) جو حقیقت اسلام پر لکھا گیا ہے۔ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ جس سے مسئلہ زیر بحث پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ واضح رہے کہ ایڈیٹر کوارٹرلی ریویو ایک زبردست عیسائی عالم ہے اور زبان یہود کا کامل ماہر۔ وہ کوارٹرلی ریویو حقیقت اسلام کے صفحہ ۲۹۹ میں رقمطراز ہے۔

سائیفر (CYPHUR) نے اون خاص آیتوں کی جن میں۔ سینا۔ سعیر اور فاران کی بشارت مذکور ہے۔ اس طرح پر تشریح کی ہے۔ کہ خدا سینا سے نکلا۔ (یعنی عبرانی زبان میں شرع دی گئی جس سے توریت مراد ہے۔) اور سعیر سے چمکا (یعنی یونانی زبان میں بھی شرع دی گئی جس سے انجیل مراد ہے) اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا۔ (یعنی عربی میں بھی شرع دی گئی جس سے قرآن مجید مراد ہے)

اس عیسائی عالم کے قول سے ثابت ہوگیا کہ قرآن کی منزل اور فاران ایک جگہ ہے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ قرآن مکہ میں نازل ہوا۔ پھر فاران مکہ سے یا مکہ فاران سے کیسے جدا ہو سکتا ہے۔ چند سطروں کے بعد پھر ایڈیٹر موصوف لکھتے ہیں۔

اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ سینا اور سعیر اکثر بجاے اسرائیل اور عیسیٰ مستعمل ہوتے ہیں اور فاران تو صاف صاف عرب کے لئے استعمال ہوا ہے۔

ان اسناد و اشہاد کو دیکھکر ہر انصاف پسند عیسائی بھی کہہ دیگا کہ ریویرنڈ فارسٹر صاحب ایسی صاف صاف اور کھلی کھلی تطبیق و توثیق کو حق ناحق تعصب کی خاک۔ نفسانیت کی گرد ڈالکر چھپانا چاہتے ہیں۔ اور خواہ مخواہ فاران کو اینچ تان کر کبھی مصر لیجاتے ہیں اور کبھی ارض بابل اور فلسطین تک پہونچاتے ہیں۔

اس سے صاف اور روشن تصدیق توراۃ سامری کے ترجمہ سے ملتی ہے۔ توراۃ سامری کا عربی ترجمہ آرکیونن صاحب نے ۱۸۵۱ء میں بمقام لگادونی نیا ورم چھپوایا ہے جسمیں بذیل ذکر بنی اسماعیل یہ عبارت مرقوم ہے۔

وسكن (اسماعيل) برية فاران (الحجاز) و اخذت له امه امرأة من ارض مصر	حضرت اسماعیل صحراے فاران (الحجاز) میں ساکن ہوئے اور اونکی ماں نے ایک مصری خاتون سے اونکی شادی کردی۔

ہم اس بحث کے خاتمہ میں ناظرین کتاب کے مزید اطمینان کے لئے اتنا اور لکھے دیتے ہیں کہ اس بحث کے آغاز سے پہلے ہر شخص کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ عرب۔ حجاز۔ مکہ۔ کعبہ۔ یہ جتنے الفاظ و اسماء ہیں۔ اوسوقت تک پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ لفظ عرب دسویں صدی ق م میں پیدا ہوا۔ حجاز کا لفظ اس سے بھی زیادہ بعد کا موضوع ہے۔ مکہ کا نام دوسری صدی عیسوی میں بطلیموس کے ہاں سب سے پہلے مکاربا کی شکل میں نظر آتا ہے۔ اسلئے توراۃ نے اس مقام کا نام اولاً صرف مدبار یعنی "بادیہ" بتایا ہے۔ اور قرآن نے اسی کو غیر ذی زرع (بن کھیتی کی زمین) کہا۔ کیونکہ اسکے سوا اوسکا اوسوقت کوئی دوسرا نام نہ تھا۔ اور مدت کے بعد لفظ بادیہ۔ صحرا اور وادی غیر ذی زرع اس ملک کا نام پڑگیا۔ لفظ عرب کے معنی بھی بادیہ اور صحرا کے ہیں۔ اسلئے۔ مدبار۔ بادیہ۔ اور وادی غیر ذی زرع اور عرب۔ ہم معنی لفظ ہیں۔ اسلئے توراۃ کا یہ کہنا کہ اسماعیل نے بادیہ میں سکونت کی۔ اسکے بالکل یہ معنی ہیں کہ اوس نے عرب میں سکونت اختیار کی۔

حضرت اسمٰعیل ترک وطن کرنے کے وقت سترہ برس کے ہو چکے تھے

اکثر احباب معاصر فرمائیں گے کہ اس مضمون کو حضرت اسماعیل کے خاص حالات میں لکھنا مناسب تھا۔ ایک حد تک یہ تجویز صحیح ہے مگر مشرقی و مغربی مولفین و محققین کی جتنی تالیفات و تصنیفات ہمارے پیش نظر ہیں اون میں حضرت اسمٰعیل کی بحث عمر کو بھی عموماً حضرت ابراہیم کے حالات کی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہم نے بھی سلسلہ بیانات کی علیحدگی کے خوف سے اونکیں

کے طریقہ کو اختیار کیا۔

تمہیداً اتنا لکھکر ہم اپنے قدیم سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ جناب ابراہیمؑ خدا کی تاکید اور اوسکے وعدے کی تائید کے مطابق حضرت ہاجرہؑ اور اسمعیلؑ کو مکہ میں چھوڑ کر واپس گئے۔ خدا مسبب الاسباب نے انکی رہایش و آسایش کے سامان فراہم کردئے۔ اس واقعہ سے حضرت ابراہیمؑ کے توکل بہ رضا اور مطیع خدا رہنے کے کامل ثبوت ملتے ہیں۔ ورنہ اہل و عیال کی جدائی۔ اور خصوصاً ایسے ویران اور بے آب و گیاہ ریگستان اور خوفناک کوہستان کی تنہائی۔ جہاں وہ خود ہی ان بزرگواروں کو پہونچا گئے تھے اور انکی مصیبت و غربت خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے جاتے تھے۔ مگر اُف نہ کرتے تھے۔ کیوں؟ صرف اسلئے کہ خدا کا حکم تھا۔ اوسکی رضا تھی۔ آپ کے یہ محاسن اعمال معارف کے کمال کے معیار ثبوت ہیں۔ اور طبقہ انسان میں عام و خاص کا امتیاز قائم کرتے ہیں۔

جناب اسماعیل کا اسوقت کیا سن تھا۔ مغربی و مشرقی مورخین و محققین نے اس امر میں بھی اختلاف کیا ہے۔ مگر تحقیق اور تلاش نے اسکو بھی صاف کردیا۔ اور حد ثبوت تک پہونچا کر بتا دیا ہے کہ خصوصاً حضرت اسمعیل علیہ السلام کا سن مبارک اسوقت سترہ برس کا ہو چکا تھا۔ کیونکہ توراۃ کی عبارتوں سے لفظاً بظاہر نہایت کمسنی ظاہر ہوتی ہے۔ مگر پھر اوسی توریت کی عبارتوں کے حقیقی معنوں سے حضرت اسمعیل جوان ہفدہ سالہ ثابت ہوتے ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

توراۃ کا بیان ہے کہ ہاجرہ اسمعیل کو سارہ نے علیحدہ کردینے کا اوسوقت حکم دیا تھا جب اسحاق کا دودھ چھٹ چکا تھا۔ (تکوین باب ۲۱ آیت ۷ و ۱۰) اور پھر اوسی توریت میں یہ بھی لکھا ہے کہ اسماعیل سے بارہ تیرہ برس بعد اسحاق پیدا ہوئے (تکوین پیدایش اسحاق) پھر اوسی توراۃ میں لکھا ہے کہ اسماعیل کا ختنہ تیرہ برس کے سن میں کیا گیا ہے۔ اوسوقت تک اسحاق پیدا ابھی نہیں ہوئے تھے۔ (تکوین باب ۱۷ آیت ۲۵) ان تمام مرقومات توراۃ کو جمع کرکے صحیح طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ ترک وطن کرنے کے وقت حضرت اسمعیل کا سن پندرہ برس سے کم اور سترہ برس سے زیادہ نہیں تھا۔ کیونکہ ایک تو یوں ہی حضرت اسمعیل حضرت اسحاق سے تیرہ برس سن میں بڑے ثابت ہوتے ہیں پھر یہ واقعہ اسحٰق کے ایام رضاعت کے ختم ہوجانے کے بعد بتلایا جاتا ہے۔ تو کم سے کم دو برس یہ بھی رکھ لئے جاویں۔ تو اس حساب سے حضرت اسمعیل جوان پانزدہ سالہ پائے جاتے ہیں۔ اس بنا پر توراۃ کی کمسنی اور شیرخوارگی کسی طرح ایک محقق کے لئے قابل اعتبار نہیں ہوسکتی۔

یہودیوں اور عیسائیوں کو قدم قدم پر حضرت اسماعیل کے حالات و واقعات میں دشواریاں پیدا کرنی

کی عادت پڑگئی ہے۔ اون کی صغرسنی اور نہایت صغرسنی ثابت کرنے پر مٹے جاتے ہیں۔ بفرض محال اگر اون کی صغرسنی ثابت بھی ہوجائے تب بھی اون کی عظمت وتقدیس میں کوئی فرق نہ آئیگا۔ تیرہ برس کے نہیں تیرہ مہینہ ہی کے ہوتے تو کیا۔ تاہم وہ نبی اللہ برحق تھے۔ اور ابن نبی اللہ۔ تیرہ مہینہ کا بچّہ تو اچھا خاصا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے اعتقاد میں تو گھڑی بھر پہلے کا پیدا ہوا بچّہ۔ جو خدا کیطرف سے رسول بنکر آیا تھا۔ اپنے گہوارہ سے تمام قوم وقبیلہ کے عمائد واکابر کے آگے معرفت الہی اور قدرت لاتناہی کے دریا بہا رہا تھا۔

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُاللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا

(اسپر بچہ) بول اوٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُسنے مجھکو کتاب (انجیل) عنایت کی۔ اور مجھکو پیغمبر بنایا۔ اور کہیں بھی رہوں مجھکو بابرکت کیا اور مجھکو حکم دیا کہ میں جبتک زندہ ہوں نماز پڑھوں اور زکوٰۃ دوں۔ اور نیز مجھ کو میری ماں کا خدمتگذار بنایا اور مجھکو سخت گیر اور بدراہ نہیں بنایا۔

پھر مسلمانوں کے مقابلہ میں ایسی نصّ صریح کی موجودگی پر کسی نبی اللہ کی صغرسنی کو اوسکی بیمقداری اور ناقابلیتی کی دلیل بتلانا محض بیکار اور غیر مفید ہے۔ مخالفین پہلے اسلام کے اس مسئلہ کو اپنی کتابوں میں دیکھ لیں اور سمجھ لیں اور ثابت کرلیں تب اسلامی کتابوں میں اسکی ذکر وتلاش کریں۔

توراۃ کے اس اتنے فقرے سے کہ "بچہ کو اوسے (ماں کو) دیکر" یہ اتنا طومار اوٹھایا گیا ہے جس سے بظاہر سمجھا گیا ہے کہ اگر اسمٰعیلؑ اوسوقت بچّہ نہیں تھے۔ تو ہاجرہ کی گود میں کیوں دئے گئے۔ سترہ برس کے بچہ کو ماں کی گود میں دئے جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہم واقعات سے تو پیچھے بحث کرینگے۔ ابھی ہم ظاہری اور قیاسی پیرایہ سے اون کی تردید وتنقید استدلال کرتے ہیں۔

پہلے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ سترہ برس یا اوس سے کم وبیش سن وسال کے بچہ کا ماں کی گود میں دیا جانا تو خلاف قیاس بتلایا جاتا ہے۔ مگر آگے چلکر۔ اسی سلسلہ کی تیسری پشت میں۔ پندرہ برس کا بچہ۔ حضرت یوسف ابن یعقوب۔ ابن اسحاق جب دنبیاں چرانے کیلئے جنگل میں بھیجے جاتے ہیں تو اون کی محافظت کے لئے۔ اون کی کم سنی کے خیال سے۔ گیارہ بھائیوں کی پوری جمعیت ساتھ کردی جاتی ہے۔ اور پھر پندرہ[15] برس کے بعد۔ جب تیس برس کا ہوتا ہے۔ تو دشوار سے دشوار اور اہم سے اہم رویا کی صحیح اور سچی تعبیریں بتلاتا ہے۔ اور خدا کیطرف سے یُوْسُفُ اَیُّھَا الصِّدِّیْقُ کا خطاب پاتا ہے۔ پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد عزیز مصر ہوجاتا ہے سبحان من اعظم شانہ

حضرت اسمٰعیل کی کمسنی تو توراۃ کے اس فقرے سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر اوس کتاب مقدسہ کے مندرجات پر ذرا بھی توجہ نہ فرمائی گئی۔ ریورنڈ فارسٹر کے ایسا مخالف اسلام محقق بھی اس مسئلہ میں مسلمانوں کے ساتھ ہمکلام اور ہمزبان ہے وہ اس مسئلہ کی تحقیق میں لکھتے ہیں۔

کہ حضرت اسمٰعیل کی ٹھیک ٹھیک عمریوں بآسانی معلوم ہوسکتی ہے کہ تیرہ برس کے سن میں انکا ختنہ ہوا تھا۔ اسحاق اوسوقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ اوسکے اگلے سال پیدا ہوئے ہیں اور ہاجرہ اور اونکے بیٹے کے بیابان بھیجے جانے سے پیشتر۔ اسحاق کا دودھ چھوٹ چکا تھا۔ فارسٹر جغرافیہ عرب ص ۱۷۶

اس حساب سے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں حضرت اسمٰعیل کچھ کم سترہ برس کی عمر کے ثابت ہوگئے۔ فارسٹر صاحب کے علاوہ توراۃ و انجیل کے بہت بڑے مشہور و معروف عالم جے۔ پی۔ کوک J. Pecoke اور ریورنڈ ملر Rev Muller صاف صاف لکھتے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل کی عمر اوسوقت سترہ برس کی تھی۔ اسلئے یہ نہیں ہوسکتا کہ ہاجرہ نے اونھیں کاندھے پر لیا ہو۔

اِن دونوں یورپین محققین کی مختارے سے توراۃ کی یہ عبارت ہی ساقط از اعتبار ثابت ہوتی ہے۔ جو یہ بتلاتی ہے کہ ہاجرہ نے انکو اپنے کاندھے پر لیلیا۔ اور جسپر یہودیوں اور عیسائیوں نے یہ ہوائی قلعہ باندھے ہیں۔ انہیں دونوں سابق الذکر محققین کے ایسا ایک دوسرا یوروپین مصنف و محقق۔ اس عبارت کو داخل توراۃ ہی نہ سمجھکر اپنے راے کا یوں اظہار کرتا ہے۔

کہ اس جملہ کو (کندھے پر رکھ دیا) خطوط ہلالی کے اندر رکھ دینا چاہئیے۔ جیسا کہ بشپ کڈر اور اسٹیک ہاوس (Bishop Kidder, Steakhouse) اور بابل نے کہا ہے (جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ یہ الفاظ توریت میں نہیں ہیں۔) تو یہ آیت مشتبہ ہوتی (خطبات احمدیہ)

کیا اب بھی یہودیوں اور عیسائیوں کو اس فقرہ توراۃ کے تدلیس و تلبیس کا یقین نہ آئیگا۔ کیا اب تک وہ اس جملہ کو موضوعات انسانی کی جگہ ملفوظات ربانی سمجھیں گے۔ ایک اور منصف مزاج مصنف۔ یوروپ کے کامل محقق۔ اس مسئلہ کی تحقیق میں لکھتے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل گو اوسوقت بچہ کہلاتے تھے۔ مگر سولہ یا سترہ برس سے کم کے نہونگے اور اسلئے وہ اپنی ماں کی مدد کے قابل ہونگے جس طرح کہ اونہوں نے بعد کو کی (خطبات)

مندرجہ بالا شہود و ثبوت لکھکر ہم نے کافی طور پر عیسائیوں کے غلط معنی لگانے اور غلط واقعہ دکھلانے

کی کامل تردید و تکذیب اونہیں کے مختار و اقرار سے تحریر کردی اور ثابت کردیا کہ باپ کے مکہ میں پہونچانے کے وقت حضرت اسمٰعیل کا سن ستّرہ برس کا ہوچکا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت ابراہیم کو ہاجرہ کیطرف سے ایک گونہ یہ اطمینان تو ضرور ہوگیا تھا کہ ضرورت اور تکلیف کے وقت ان کے ساتھ جوان اور سن تمیز کو پہونچا ہوا لڑکا ۔ اوس کی خدمت اور اعانت کو موجود ہے۔ میری اس رائے کی تائید یوروپین محقق کی اوس مختار سے کامل طور پر ہوجاتی ہے۔ جسکو ہم نے ابھی ابھی اوپر نقل کیا ہے اور جو اس امر کا مقر ہے اور معترف کہ گو حضرت اسمٰعیل بچہ کہلاتے ہوں۔ مگر وہ سولہ یا ستّرہ برس کے ہونگے۔ اسلئے اپنی ماں کی مدد کرنے کے قابل ہوں گے۔

اسی کے ضمن میں ہم اعترافاً للواقع۔ یہ بیان کردینا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اسلامی مورخین و محدثین نے بھی حضرت اسمٰعیل کی طفولیت کا اظہار کیا ہے۔ اور صحیح بخاری تک میں انکی کمسنی کی حدیثیں مختلف طریقوں سے آئی ہیں۔ ان اسلامی تاریخوں میں طفولیت کا اظہار پاکر عیسائیوں کو اپنے دعوے میں تازہ قوت ملگئی ہے۔ مگر اون کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلامی مولفین و مصنفین نے بخصوصاً اخبار قدیمہ اور حالات قبل از اسلام کے بیان و نقل میں زیادہ تر یہود و نصارٰی کے مرویات و منقولات سے کام لیا ہے۔ اس لئے اسلامی مورخین کے بیانات کے ماخذ اصلی پھر وہی یہود و نصارٰی کے تالیفات ثابت ہونگے۔ اور صورت واقعہ پر ۵ لے صبا ایں ہمہ آوردۂ تست کا مضمون صادق آئیگا۔

اب رہی یہ بات کہ صحیح بخاری میں ایسا ہی مذکور ہے۔ تو یہ کوئی استدلال کا طریقہ نہیں ہے۔ اول تو یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ اور امام بخاری صاحب کا جو تاریخ میں پایہ ہے وہ اس قابل نہیں ہے جو انکو مورخین کے سب سے آخر والی صف میں بھی کھڑے ہونیکے قابل بنا سکے۔ اسلئے تمام مورخین و محققین کے آگے بخاری صاحب کا لکھنا کوئی اعتبار نہیں رکھتا۔ سرسید مرحوم نے خطبات احمدیہ میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے۔ صحیح بخاری کی ان تمام حدیثوں کو اونکے مختلف طریقوں کے ساتھ جمع کیا ہے اور جمع کرنے کے بعد انپر جو تنقیدانہ رائے قائم کی ہے وہ بلفظہ ذیل میں نقل ہے۔

> مذکورہ بالا روایتوں سے ظاہر ہے کہ وہ مستند نہیں ہیں یعنی حضرت ابن عباس نے اوسکو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سنا۔ نہیں معلوم کہ ابن عباس نے کس سے سنا اور کس بنیاد پر اونہوں نے اسکو بیان کیا۔ بخاری کا ادب اس بات کا مقتضی ہے کہ ہم تسلیم کرلیں کہ ابن عباس نے اسکو سعید ابن جبیر سے

۵ نہایت حیرت ہے اور سخت تعجب کہ صحت صحیح بخاری کا کیسا غلط خیال تمام مسلمانوں میں عالمگیر ہو رہا ہے۔ اور مرحوم سید صاحب

سنا۔ اور سعید ابن جبیر نے اور لوگوں سے۔ جن سے بخاری تک یہ روایت پہونچی۔ مگر اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ ابن عباس نے اس روایت کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا تھا۔ (خطبات احمدیہ ۹۹-۱۰۳) مطبوعہ لاہور

ہم نے اس بحث میں سر سید ہی کی تحقیق پر بس نہیں کی ہے۔ بلکہ عرب کے قدیم ماخذوں میں بھی اسکی تلاش کی ہے تو ہمکو ثابت ہوا ہے کہ عربی مورخین نے صغرسنی والی روایتوں کو لکھکر۔ اون روایتوں کو بھی لکھدیا ہے جس سے حضرت اسمٰعیل کا سن بلوغیت کے قریب پہونچا ہوا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۸ مطبوعہ جرمن ہے۔ ہم اس مقصد میں دو روایتیں حسب ذیل لکھتے ہیں۔ جنسے ہمارے بیان کا پورا ثبوت ہوجائیگا۔

اخبرنا اسماعیل بن عبد اللہ ابن ابی ادیس المدنی حدثنی ابی عن ابی الجارود الربیع بن قریع عن عقبہ ابن بشر انہ سأل محمد ابن علی من اول تکلم بالعربیۃ قال اسمٰعیل ابن ابراہیم وھو ثلاث عشرۃ

اسمٰعیل بن عبد اللہ بن ابی ادیس المدنی نے اپنے باپ سے اوس نے ابی الجارود الربیع ابن قریع سے اوس نے عقبہ ابن بشر سے روایت کی ہے کہ بشر نے کہا کہ میں نے محمد ابن علی (امام محمد باقر ؑ) سے پوچھا کہ سب سے پہلے کس شخص نے زبان عربی میں کلام کیا۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ اسماعیل ابن ابراہیم اور وہ تیرہ (۱۳) برس کے تھے

اس روایت سے ترک وطن اور عزم مکہ کے وقت حضرت اسماعیل کا سن تیرہ برس کا ثابت ہوتا ہے۔

طبقات ابن سعد کی دوسری روایت

اخبرنا موسی ابن داود اخبرنا عبد اللہ ابن الھیعۃ عن حی ابن عبد اللہ قال بلغنی ان اسماعیل النبی صلعم اختتن وھو ابن ثلاث عشرۃ سنۃ۔

موسی ابن داود عبد اللہ ابن الھیعہ سے اور وہ حی ابن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حی کا یہ قول بیان کرتے ہیں کہ میری تحقیق یہ ہے کہ حضرت اسماعیل نبی علیہ السلام کا ختنہ تیرہ (۱۳) برس کے سن میں کیا گیا تھا۔

یہ روایت بالکل توریت والی روایت کے مطابق ہے۔ جب ختنہ کے وقت انکی عمر تیرہ برس کی باتفاق

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ بھی باوجود اس کے کہ اوس کی ہم حدیثوں کو صحت کے درجہ سے اوتار کر مرسل کے زینہ تک لارہے ہیں اور اوسکے صحیح و مرفوع ہونے کی جگہ اون کے مراسیل ہونے پر اعتماد رکھتے ہیں لیکن پھر بھی ایسی مشتبہ اور مشکوک الصحت کتاب اور اوسکے مصنف کو ادب کے قابل سمجھتے ہیں۔

المولف سید اولاد حیدر عفی عنہ

جمہور ثابت اور اسحاق کے ولادت سے ایک سال کا واقعہ ہے۔ اور ہجرت وطن، ولادت اسحاق سے دو یا تین برس بعد واقع ہوئی تو پھر اب ورود مکہ کے وقت ۱۶ برس کے سن کی تسلیم میں کس کو کلام ہو سکتا ہے طفولیت، کمسنی اور شیرخوارگی کا عالم یہاں کیسا لغو اور کتنا مہمل ثابت ہوتا ہے۔

فاضل معاصر صاحب ارض القرآن حضرت اسماعیل کی شیرخوارگی کی تردید فرماتے ہوئے لکھتے ہوئے۔

بخاری کی کتاب الرؤیا اور کتاب الانبیاء میں جو حدیث اسمٰعیل کی شیرخوارگی کے متعلق ہے وہ مرفوع نہیں ہے۔ یعنی اوسکا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہیں پہونچتا بجز چند خاص ضمنی فقروں کے اسلئے وہ حضرت ابن عباس کے اسرائیلیات میں سے ہے۔ ارض القرآن ج ۲ ص ۴۹

مکہ میں قریب زمزم آباد ہونا اور قبیلہ جرہم کو بھی سکونت کی اجازت۔

اس بحث کو تمام کر کے ہم اپنے قدیم سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ جناب ابراہیمؑ حضرت ہاجرہ اور جناب اسمٰعیلؑ کو راضی برضائے الٰہی چھوڑ کر مراجعت فرمائے وطن ہوئے اور کرشمہ قدرت نے ان دونوں نفوس مقدسہ کے آرام و آسائش کے سامان بھی اپنی خاص رحمت سے مہیا فرما دیئے جیسا کہ سابق سلسلہ بیان سے ثابت ہو چکا۔ صاحب ارض القرآن بخاری۔ کتاب الانبیاء سے اسکے آگے لکھتے ہیں۔

اتفاقاً جرہم کے کچھ آدمیوں کا ادھر گذر ہوا۔ پرندوں کو منڈلاتے دیکھکر بولے کہ پانی یہاں ہے۔ ایک آدمی کو تحقیق کے لئے بھیجا۔ تو پانی پایا۔ آکر خبر کی۔ وہ لوگ بھی آگئے۔ اور اُم اسمٰعیل سے یہاں رہنے کی اجازت چاہی۔ ام اسمٰعیلؑ نے کہا رہو لیکن پانی میں تمہارا کوئی حق نہیں۔ ابن عباس نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اُم اسماعیلؑ کو یہ بات پسند آئی۔ اسلئے کہ وہ آبادی اور صحبت چاہتی تھیں۔ وہ لوگ بھی رہنے لگے۔ لڑکا جب جوان ہوا۔ اور اون سے عربی سیکھی۔ جب جوان ہوا۔ تو ان لوگوں (جرہم) کو بہت پسند آیا۔ بالغ ہونے پر اپنی ایک لڑکی اس سے بیاہ دی۔

ہم بخاری کی مجمل اور مختصر بیان واقعہ کو مواہب لدنیہ اور ابن اثیر کے مفصل روایات سے حسب ذیل قلمبند کرتے ہیں۔

بنی جرہم کا قبیلہ جو عرب العاربہ کے سلسلہ میں بہت مشہور و معروف ہے۔ اسطرف آگیا۔ ان لوگوں کے لئے پانی سے بڑھکر نہ کوئی دولت عزیز تھی اور نہ دنیا کی کوئی نعمت۔ ان لوگوں نے چشمہ زمزم کے صاف اور ستھرے پانی کو خصوصاً ایک حوض کی صورت میں جمع کیا ہوا دیکھا تو اپنی کمال مسرت میں فوراً اوسکی طرف دوڑ پڑے۔ یہاں آکر اون کی نظر ایک ضعیفہ مقدسہ (حضرت ہاجرہ) پر پڑی۔ وہ اوس حوض کے پاس ایک چھوٹے

سے خیمہ کے در پر بیٹھی ہوئی تھیں وہ خیمہ بالکل اوس حوض پر آب سے متصل کھڑا ہوا تھا حقیقت یہ ہے کہ اوس چشمہ کو چاروں طرف سے حضرت ہاجرہ نے گھیر دیا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اس کے متعلق صحیح بخاری میں عبداللہ ابن عباس سے ایک روایت ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اگر ام اسمٰعیل اوسکو چاروں طرف سے گھیر نہ دیتیں تو وہ چشمہ ہمیشہ کھلا ہوا بہتا رہتا حضرت ہاجرہ اوسوقت در خیمہ پر بیٹھی ہوئی حضرت اسمٰعیل کا انتظار کر رہی تھیں اور وہ شکار کے لئے باہر گئے ہوئے تھے بنی جرہم تھے تو جاہل۔ اور جرہم پر کیا منحصر ہے عموماً تمام عرب کا عرب اسوقت تک جاہل تھا۔ مگر پانی کیلئے اوسکی ندرت۔ کمیابی اور قدر و عزت کی وجہ سے۔ اون میں زمانہ دراز سے یہ مہذبانہ دستور چلا آتا تھا کہ بغیر اوسکے مالک یا متصرف بالا ختیار کے پونچھے یا اجازت حاصل کئے وہ کسی غیر کے پانی کو صرف نہیں کر سکتے تھے اور اسکی وجہ یہ تھی کہ پانی پر بے اذن و اجازت کے متصرف ہو جانے سے اکثر قوم و قبیلے میں ایسی ایسی خونریزیاں واقع ہو چکی تھیں جن سے قوم کی قوم۔ قبیلے کے قبیلے تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ اسی احتیاط اور حفظ ماتقدم کی بنا پر آجتک عرب میں کسی چشمہ۔ حوض۔ تالاب یا کنوئیں کو۔ جو کسی شخص کی ملکیت خاص ہو۔ کوئی غیر شخص۔ قوم یا قبیلہ۔ بغیر اوس کی اذن و اجازت کے استعمال نہیں کر سکتا۔

اسی لئے بنی جرہم نے حضرت ہاجرہ سے اوس حوض کے پانی لینے کی اجازت مانگی۔ خلیل الرحمان کی کی مہمان نواز بی بی نے بغیر کسی اعتراض و اغماض کے اہلاً و سہلاً کہہ کر پہلے اونکو بلایا اور پھر ھنیئاً لکم فرما کر اونکو اس چشمہ قدرت و رحمت کا پانی پلایا۔

ریگستان عرب کے پیاسوں کو جہاں پانی ملگیا۔ وہیں کے ہو رہے۔ یہ لوگ پانی پیکر اپنے مقام مسکن کو لوٹے تو اوس چشمہ کی کیفیت اپنی قوم و قبیلے کے لوگوں سے کہی۔ چونکہ اونکے موطن و مسکن میں پانی کا ہمیشہ قحط شدید رہا کرتا تھا۔ اسلئے وہ تمام لوگ اپنے مقام سکونت کو چھوڑکر۔ حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل کے اذن و اجازت سے یہیں آباد ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ میں برابر آکر اہل و عیال کو دیکھ جاتے تھے۔

جناب ابراہیم نے اپنے اہل و عیال کو مکہ پہونچا کر خدا کے حوالہ تو کر دیا تھا۔ مگر انکے ساتھ دائمی مفارقت نہیں اختیار کی تھی۔ جیسا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے سمجھا ہے۔ اور محض مکر اہانہ اور مغویانہ طریقہ سے ساری دنیا کو سمجھانا چاہا ہے وہ کون بے درد ہوگا۔ جو اس شقاوت اور بیرحمی کے طریقہ کو ایک نبی اللہ برحق کا جزو اخلاق سمجھے گا۔ یہودیوں کو اور اون کی تقلید میں عیسائیوں کو تو ہاجرہ اور اسماعیل سے قلبی عداوت ہے۔ اور اون کی ذلت و حقارت کو وہ اپنا نصب العین قرار

دے چکے ہیں۔ عرب کے تمام اشعار و آثار قدیمہ ثابت کر رہے ہیں کہ حضرت ابراہیم ایک بار نہیں تین بار مکہ معظمہ میں تشریف لائے۔ بال بچوں کو دیکھا بھالا۔ پونچھا بتلایا اور چلے گئے۔ اول بار آپ اوس وقت تشریف لائے جب حضرت اسمٰعیلؑ کی شادی ہو چکی تھی۔ مگر آپ نے اس توصل و پیوند کو ناپسند فرمایا اور اسکے قطع فرمانیکا حکم دیگئے۔ دوسری بار آئے تو حضرت اسمٰعیل کی نئی شادی اور توصل کو مستحسن اور مبارک بتلایا۔ تیسری بار آئے تو خانہ کعبہ کی تعمیر، مناسکات۔ حج کی تعلیم و تشہیر اور دیگر ارکان ارشاد و ہدایات کی تلقین فرمائی۔ ابن سعد کی روایت میں اسکا اجمالاً یوں ذکر ہے۔

اخرج ابراهيم صلعم الى مكة ثلاث مرات ودعا الناس الى الحج فى اخرهن

طبقات

حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ میں تین بار تشریف لائے اور آخر نوبت میں آپ نے لوگوں کو اداے حج کے لئے دعوت کی۔

(طبقات)

اس روایت سے کوئی تفصیل نہیں معلوم ہوئی سوا اسکے کہ حضرت ابراہیمؑ تین بار مکہ میں آئے اور آخر بار آپ نے حج کیلئے لوگوں کو بلایا۔ اگرچہ تیسری بار تشریف لانے کی ایک گونہ وجہ و کیفیت معلوم بھی ہوئی تو اس سے قبل دو بار تشریف لانے کی حقیقت کچھ بھی نہیں معلوم ہوئی۔ اسلئے ہمکو اول دو بار کی تصریح و تشریح ضروری ہے۔ ہم اول اور دوم بار آپ کے تشریف لانیکی کیفیت صحیح بخاری اور تاریخ طبری جلد اول سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

فنكح (اسمعيل) امرأة فيهم قال ثم بدا لابراهيم فقال لاهله انى مطلع تركتى قال فجاء فسلم فقال اين اسمعيل فقالت امرأته ذهب يصيد قال قولى له اذا جاء غيّر عتبة بيتك فلما جاء اخبرته فقال انت ذلك فاذهبى الى اهلك قال ثم انه بدا لابراهيم فقال لاهله انى مطلع تركتى فجاء فقال اين اسمعيل فقالت امرأته ذهب يصيد فقالت الا تنزل فتطعم وتشرب فقال وما طعامكم وما شرابكم فقالت اللحم طعامنا وشرابنا الماء قال اللهم بارك لهم فى طعامهم وشرابهم قال فقال

پھر انہیں کے قبیلہ میں اسماعیل کی شادی کردی۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ جب جناب ابراہیم آئے تو پونچھا کہ اسماعیل کہاں ہیں اون کی بی بی نے جواب دیا کہ وہ شکار کو گئے ہیں حضرت ابراہیم نے کہا کہ جب وہ آئیں تو اون سے کہہ دینا کہ اپنے گھر کے کیواڑ بدل ڈالیں۔ جب اسمٰعیل آئے تو اونکی بی بی نے اون سے یہ واقعہ دہرایا۔ حضرت اسمٰعیل نے کہا کہ وہ (کیواڑ) تمہیں ہو۔ تم اسی وقت میرے گھر سے اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔ پھر جب جناب ابراہیم (دوسرے بار) تشریف لائے تو پھر اسمٰعیل کو پونچھا کہ وہ کہاں ہیں۔ اون کی (موجودہ) بی بی نے جواب دیا شکار کو گئے ہیں۔ اتنا کہکر اوس خاتون نے عرض کی کہ آپ گھر میں تشریف لائیں تو ہم آپ کو کھلائیں پلائیں۔ ابراہیم

ابوالقاسم برکۃ بدعوۃ ابراھیم

لئے پوچھا تمہارے پاس کہانے پینے کو کیا ہے۔ اسماعیل کی بی بی نے کہا کہ کہانے کو گوشت ہے اور پینے کو پانی یہ سنکر حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ خدا تمہارے کہانے پینے میں برکت عطا فرمائے ابن عباس کا قول ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے اونکے لئے عام دعا مانگی تہی۔

حضرت اسمٰعیل کی جرہمی اور مصری بی بی ہونے کی تحقیق

مندرجہ بالا عبارت سے حضرت ابراہیمؑ کا دوبار کنعان سے مکہ معظمہ اپنے اہل وعیال کے تفحص احوال کیغرض سے تشریف لانا۔ اور حضرت اسمٰعیل کا اپنے پدر بزرگوار کی ہدایت کے مطابق پہلی بی بی کو طلاق دینا اور ایک دوسری بی بی سے نکاح کرنا ثابت ہوتا ہے۔ اور وہ دونوں بیبیاں جرہم کی لڑکیاں ظاہر ہوتی ہیں اور یہ توراۃ کی روایت کے خلاف ہے۔ اوس میں انکی بی بی کا مصری ہونا صاف صاف لکہا ہے۔ ممکن ہے کہ عربی مورخین نے اپنے مدعا سے نا تمام سمجھ کر اس مسئلہ میں زیادہ تحقیق وتفتیش نہ کی ہو۔ اور سرسید مرحوم نے توراۃ والی روایت کی تائید میں جو اپنا مختار قائم کیا اور جو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ صحیح ہو۔

> ہم کو اس بات کے یقین کرلینے کی پوری وجہ ہے کہ مذکورہ بالا روایت میں۔ جو پہلی بی بی کا جرہم سے ہونا بیان کیا گیا ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ پہلی بی بی ایک مصری عورت تہی۔ اور یہی وجہ ہوگی کہ اس عورت سے نکاح کرنا حضرت ابراہیم نے ناپسند کیا ہوگا۔ یہ بہی قرین قیاس ہے کہ ابتدا میں جرہم نے اپنی قوم کی لڑکی حضرت اسمٰعیل کے نکاح میں دینے سے انکار کیا ہو۔ کیونکہ وہ اسمٰعیل کو غیر قوم اور غیر جنس خیال کرتے ہونگے۔ مگر پہر ایک معتدبہ زمانہ تک باہم سکونت پذیر ہونے سے یہ خیال جاتا رہا ہو۔ اس لئے یقین ہوتا ہے کہ ان کی دوسری بی بی جرہم کی قوم سے ضرور تھیں۔

ہمکو اس بحث کے متعلق زیادہ تحقیق وتفتیش کیضرورت نہیں۔ کیونکہ ہمارے مدعائے تالیف کو۔ حضرت اسمٰعیل کی اوسی بی بی کے حالات سے تعلق ہے جس سے سلسلہ بنو اسماعیل کی ابتدا ہوئی اور وہ بالاتفاق اونھیں بی بی سے شروع ہوا جو قبیلہ جرہم سے تھیں۔ اور جنکا نام محمد ابن اسحاق نے سیرت ابن ہشام میں۔ رعلہ بنت مضاض ابن عمر الجرہمی بتلایا ہے۔ اور کلبی نے رعلہ بنت یشجب ابن یعرب لکہا ہے۔ ان دونوں روایتوں میں اس خاتون معظمہ کا نام ایک ہے۔ فرق ہے تو سلسلہ نسبی میں۔ اور وہ بہی عند التحقیق متحد الاصل ثابت ہوتا ہے۔ اسی تحقیق کی تفصیل میں یہ بہی دریافت کرلینا ضروری ہے کہ غیر جرہم بہی کوئی عورت اسمٰعیلؑ کے عقد میں۔ جس کو توراۃ نے مصری لکہا ہے۔ آئی تہی یا نہیں۔ اگر

آئی تھی۔ تو عرب کی قدیم روایتوں میں اوسکا کہیں ذکر ہے یا نہیں ہم اسکے متعلق طبقات ابن سعد کی مرقومہ ذیل روایت پیش کرتے ہیں:۔

قال الکلبی وکانت لاسمٰعیل امراۃ من العمالیق ابنۃ صید بن قبل الجرھمیۃ وھی التی کان جاءھا ابراھیم فجفنہ فی القول ففارقھا اسمٰعیل ولم تلد لہ شیئاً

کلبی لکھتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل کی ایک بی بی قوم عمالیق سے تھیں صیدی کی لڑکی۔ اور یہ وہی تہیں۔ جنکے جدا کرنیکا ابراہیم نے اسمٰعیل کو حکم دیا تہا اور اسمٰعیل نے جدا کر دیا تہا۔ اس عورت سے اسماعیل کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

اس روایت سے اسماعیل کی ایک بی بی کا غیر جرہمیہ ہونا ضرور ثابت ہوتا ہے۔ مگر وہ عمالیق سے تھیں نہ توراۃ کی تصریح کے مطابق زن مصریہ تھیں۔ توراۃ کے مفسرین و مترجمین کو غالباً عمالیق کے لفظ و نام نے شبہ میں ڈالا ہے اور وہ عمالیق سے قوم عمالیق ساکن مصر سمجھے ہیں اور اس بنا پر اس عورت کو مصری لکھتے ہیں۔ مگر یہ صریح غلط فہمی ہے۔ یہ عمالقہ مصر کی قوم سے نہیں بلکہ عمالیق مکہ کے قبیلہ کی لڑکی تھی۔ کلبی نے اسکا سلسلہ اپنی پہلی روایت میں اسطرح لکھا ہے۔ دعلہ بنت یشجب ابن یعرب۔ یہ شخص یشجب ملک یمن کا بادشاہ تھا۔ اور وہاں کے مشہور و معروف بادشاہ سبا اکبر کا۔ مورث اعلیٰ۔ اسی کے سلسلہ میں ایک قبیلہ عمالیق کے نام سے مشہور تھا۔ جو جرہم کے بعد مکہ میں آباد ہوا۔ (ابن ہشام و ابو الفدا اور ابن اثیر)

یشجب کی ماہیت معلوم ہوئی اب یعرب کی اصلیت یہ ہے کہ یعرب وہی شخص ہے جسکا دوسرا نام جرہم ہے۔ امور بالا کو اکثر مقامات پر سرسید مرحوم نے خطبات میں تحریر کیا ہے۔ اون کی مندرجہ عبارات تصدیقی حسب ذیل ہیں۔

مغربی اور مشرقی مورخین کی تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ یعرب اور جرہم سے ایک ہی شخص مراد ہے۔ اور اولاد یعرب کی بہت سی شاخیں بنی جرہم میں داخل ہیں۔ خطبات احمدیہ ص ۷۰ مطبوع لاہور۔

دوسرے مقام پر تحریر ہے۔

عرب العاربہ کی وہ قومیں ہیں جن کی نسل یقطان اور قحطان سے چلی ہے اور تمام قبائل عرب اسی نسل میں داخل ہیں۔ حمیر بھی انہیں کا ایک قبیلہ ہے۔ اور بنی حمیر ہی میں ایک قبیلہ عمالیق کے نام سے مشہور تھا۔ جو مکہ میں بستا تھا۔ خطبات ص ۲۱۵ مطبوعہ لاہور۔

ان اسناد و اشہاد سے۔ عرب کی قدیم تاریخوں کا یہ لکھنا کہ ان کی دونوں بیبیاں جرہمیہ تھیں یعنی بے اصل اور دعوی بے دلیل نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ کلبی نے زوجہ اولیٰ اسماعیل کو عمالیقی بتلایا ہے۔ وہ بھی تو اصلاً جرہمیہ ثابت ہوتی ہے توراۃ کے مصری عورت ہونے پر اگر زیادہ اصرار کیا جاویگا تو ہم اوس کو بھی

عربی الاصل ثابت کرنے پرتیار ہیں۔ صاحب ارض القرآن اس مسئلہ کے تحقیق میں عبارت ذیل تحریر فرماتے ہیں

> حضرت اسماعیل کی بی بی کا جرہمی یا مصری ہونا کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے۔ اس عہد میں یہی عرب مصر کے حکمراں قبائل تھے۔ اس بنا پر وہ عورت جرہمی بھی ہوسکتی ہے۔ اور مصری بھی۔ ارض القرآن ج ۲ ص ۵۲۔

ہمکو صاحب ارض القرآن کی رائے سے پورا اتفاق ہے اور سر سید مرحوم کے مختار سے بالکل اختلاف جنھوں نے زوجہ اول حضرت اسمعیل کے کسی نوع سے جرہمیہ ہونے کو غلط مانا ہے۔ حالانکہ ہم انھیں کے اقرار و اعتراف سے ثابت کر آئے ہیں کہ وہ عورت عام اس سے کہ مصری ہو یا عمالیقی۔ عربی الاصل اور جرہمی النسل ضرور مانی جائیگی۔ یہ صرف سید صاحب کا ضرورت سے زیادہ مرویات توراۃ پر اعتماد و اعتقاد رکھنے کا نتیجہ ہے۔ جو ان کی تالیفات و تصنیفات کے اکثر مقامات سے ہویدا و آشکار ہے۔

تعمیر خانہ کعبہ مشرفہ دو بار جناب ابراہیم علیہ السلام کی مکہ میں تشریف لانے کے متعلق ہم تفصیل سے حالات و واقعات لکھ چکے تیسرے بار تشریف فرما ہونے کی ضرورت یہ ہے۔

ابکی بار آپ کی تشریف آوری کے واقعات بتلا رہے ہیں کہ پہلے دو بار تو آپ اپنے روحی تعلقات اور قلبی جذبات کے زیر اثر ہوکر اپنے اہل و عیال کے تفقد احوال کی غرض و ضرورت سے تشریف لائے تھے مگر اب کی بار مکہ معظمہ میں آپ کا نزول اجلال خدائے لایزال کے ایک واجب التعمیل حکم کی بجا آوری کے باعث سے تھا۔ اور اس حکم الہی کی تعمیل سے عبادت و اطاعت خداوندی کی تعلیم و ترویج تمام اقطاع عالم میں قائم کرنی تھی۔ اور حقیقت میں اس حکم الہی کی تعمیل آپ کی حیات ستودہ آیات کا وہ واقعہ ہے۔ جس سے آپکے کمال معرفت۔ خلوص للہ اور متابعت خداوندی کے بیمثال جوہر ثابت ہوتے ہیں ہم اس واقعہ کی تفصیل میں صحیح بخاری کی مندرجہ بالا روایت کے باقی حصہ کو ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

ثم انہ بدا لابراہیم فقال لاہلہ انی مطلع ترکتی فجاء فوافق اسماعیل من وراء زمزم یصلح نبلا لہ فقال یا اسماعیل ان ربک امرنی ان ابنی لہ بیتا قال اطع ربک قال امرنی ان تعیننی علیہ قال اذا افعل او کما قال فقاما فجعل ابراہیم یبنی و اسماعیل یناولہ

خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ جب پھر حضرت ابراہیم آئے اور اسمٰعیل کو تلاش کیا۔ تو جناب اسماعیل کو پشت زمزم پر جہاں آب زمزم ہے بنائے زمزم کی مرمت کرتے ہوئے پایا۔ حضرت ابراہیم نے اسمٰعیل سے کہا کہ میرے خدا نے مجھکو حکم کیا ہے کہ میں اوسکے لئے گھر بناؤں حضرت اسمٰعیل نے کہا کہ آپ حکم خدا کی تعمیل و اطاعت کیجئے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا اور میں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کام میں تم

الحجارۃ ویقولان ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم قال حتی ارتفع البناء وضعف الشیخ عن نقل الحجارۃ فقام علی حجر المقام فجعل یناولہ الحجارۃ ویقولان ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

(بخاری کتاب الانبیاء)

میری مدد کرو۔ ابن عباس کا قول ہے کہ حضرت اسمعیل نے ویسا ہی کیا جیسا اونکے پدر بزرگوار نے ارشاد کیا۔ اور یہ ہی بیان کیا گیا ہے کہ یہ دونوں باپ بیٹے اوسوقت اٹھ کھڑے ہوگئے حضرت ابراہیم گھر بناتے تھے اور جناب اسمعیل پتھر ڈھوڈھو کر دیتے جاتے تھے اور دونوں بزرگوار فرماتے جاتے تھے۔ پروردگارا تو ہم دونوں کی ان خدمات کو قبول فرما کیونکہ تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ یہانتک کہ بنیادیں اتنی اونچی ہوگئیں کہ ابراہیم کھڑے ہوکر پتھر نہ رکھ سکے۔ تو ایک پتھر پر کھڑے ہوکر جس کو آجتک مقام ابراہیم کہتے ہیں۔ دیوار پر پتھر رکھنے لگے اور اسمعیل اونکو اوٹھا اوٹھا کر پتھر دینے لگے۔ دونوں بزرگوار (کام کرتے جاتے تھے) اور کہتے جاتے تھے۔ پروردگارا تو ہم دونوں کے ان خدمات کو قبول فرما۔ کیونکہ تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اسلامی مورخین نے انواع و اقسام کے طریقوں سے بناے کعبہ کے متعلق روایات لکھکر اپنے خلوص عقیدت کا اظہار کیا ہے مگر ہم اونکو اپنے مدعاے تالیفی سے زاید اور غیر ضروری سمجھکر قلم انداز کرتے ہیں۔ اور ذیل میں خانہ کعبہ کی اوس سادہ اور بلا تکلف عمارت کو۔ جو اون دونوں برگزیدگان الہی نے اپنے مقدس اور مبارک ہاتھوں سے بنائی تھی اور اوسکو جس شکل و حیثیت میں اوسوقت قائم کیا تھا علامہ ارزقی کی اصلی عبارت سے نقل کرتے ہیں۔

بنا البیت وجعل طولہ فی السماء تسعۃ اذرع وعرضہ فی الارض اثنین وثلاثین ذراعاً من الرکن الاسود الی الرکن الشامی الذی عند الحجر من وجہہ وجعل عرض ما بین الرکن الشامی الی الرکن الیمانی الذی فیہ الحجر اثنین وعشرین ذراعاً وجعل طول ظہرھا من الرکن الغربی الی الرکن الیمانی احدی وثلاثین ذراعاً وجعل عرض شقہا الیمانی من الرکن الاسود الی الرکن الیمانی عشرین ذراعاً۔

(کتاب اخبار مکہ ارزقی ص۲۱)

خانہ کعبہ بننا شروع ہوگیا۔ اونچائی اوس کی ۹ گز تھی۔ اور چوڑائی (ایک طرف کی) ۳۲ گز کی۔ رکن اسود سے لیکر رکن شامی تک اور یہ مقام حجر سے ملا ہوا ہے۔ اور چوڑائی دوسری طرف کی۔ رکن شامی سے رکن غربی تک ۲۲ گز ہے اور اس سے بھی حجر ملا ہوا ہے اور چوڑائی پشت کی رکن غربی سے رکن یمانی تک ۳۱ گز اور دوسری طرف رکن یمانی سے لیکر رکن الاسود تک ۲۰ گز تھی۔

(کتاب اخبار مکہ علامہ ارزقی ص ۲۱)

مندرجہ ذیل نقشہ جو مرقومہ بالا پیمایش کے حساب سے مطابق کرکے تیار کیا گیا ہے۔ خانہ کعبہ کی عمارت

ابراہیمی کے آسانی سے سمجھ جانیکے لئے کافی ہوگا۔
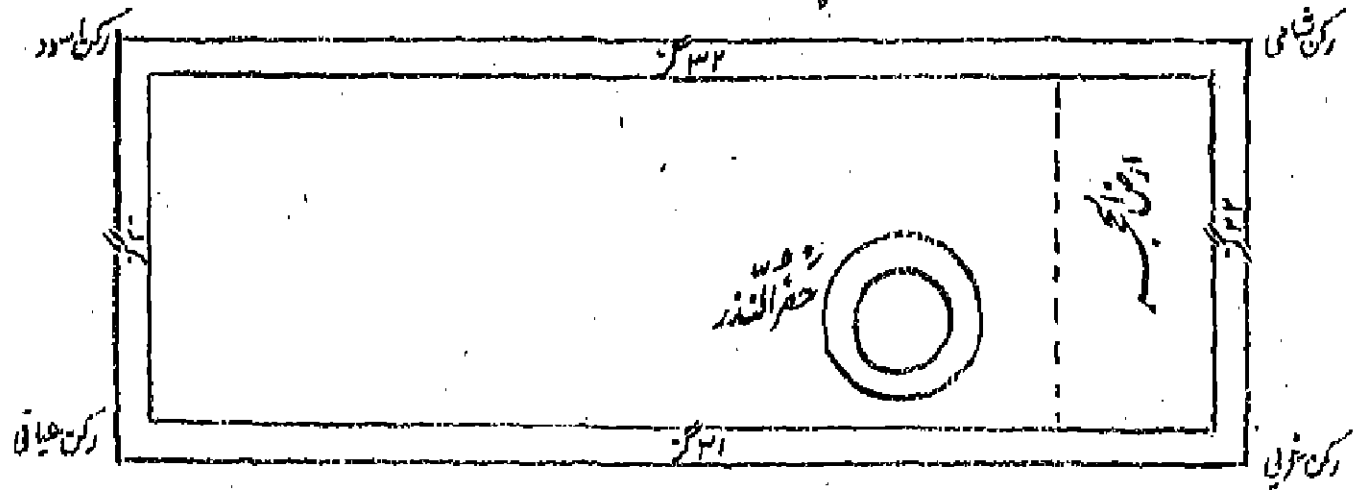
حرم محترم کی عمارت بس اتنی ہی تھی جس کی نہ چھت پاٹی گئی تھی۔ اور نہ اسمیں چوکھٹ بازو۔ کواڑ اور کنڈی وغیرہ کی شرکت ضروری سمجھی گئی۔ خدائے واحد کا یہ پاک و صاف گھر انتہا درجہ کی سادگی کے ساتھ بنایا گیا تھا۔ جسکا معمار خلیل اللہ تھا۔ اور مزدور ذبیح اللہ۔ خانہ کعبہ کے اندر ایک مدور گڑھا کھود دیا گیا تھا جس میں نذر و نیاز اور دوسرے چڑھاوے کی چیزیں رکھ دی جاتی تھیں۔ اسی کو بیر کعبہ کہتے تھے۔ چونکہ یہ عمارت۔ باوجود اسکے کہ چوگوشہ ضرور تھی۔ مگر مساحت کے اصول سے اسکے چاروں ضلع برابر نہیں تھے۔ اسلئے مربع نہیں کہلا سکتی تھی۔ مربع کی جگہ مکعب کہی گئی اور کعبہ کی وجہ تسمیہ یہی ہوئی۔

ارکان حج کی تعلیم و اعلان

جب یہ عمارت قریب تیاری کے پہونچی تو جیسا کہ تاریخ ازرقی میں لکھا ہے حضرت ابراہیم نے اسمٰعیل سے فرمایا۔ ائتنی بحجر یکون علما للناس یبتدئون منہ الطواف۔ اے اسمٰعیل۔ ایک ایسا پتھر لاکر مجھے دو کہ میں اسکو اس غرض سے نصب کردوں کہ وہیں سے لوگ کعبہ کا طواف شروع کریں۔ (اخبار مکہ ص ۲۹)

مقدس حجر الاسود کی یہی تاریخی حیثیت قائم ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ جتنی روایتیں حجر الاسود کے متعلق اسلامی کتب و تفاسیر میں منقول ہیں، وہ اعتقاداً کتنی ہی صحیح اور قوی ہوں مگر تاریخی حیثیت کے اعتبار سے قابل التذکرہ نہیں ہوسکتیں۔

جب خانہ خدا کی یہ عمارت بن چکی تو مصدر قدرت سے خلیل اللہ علیہ السلام کو یہ حکم صادر ہوا۔

وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ

میرا گھر طواف کرنیوالوں۔ قیام کرنیوالوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کیلئے پاک کرو۔ اور تمام لوگوں کو حکم کرو کہ میرے گھر کا طواف کرنے آئیں۔ پیدل بھی اور لاغر اونٹوں پر بھی۔ وہ ہر دور دراز گوشہ ملک سے آئینگے۔

یہ حکم پاتے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لبیک کہی اور اسوقت سے آجتک عرب میں لبیک کہنے کا۔ جب وہ

خانہ کعبہ کے سامنے یا قریب پہونچ جائیں۔ دستور قایم ہوگیا۔ اسی کو تلبیہ کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے اعلان حج کا یوں انتظام کیا کہ مقام ابراہیم پر (اور بنابر بعض روایات کوہ عرفات پر چڑھکر) کھڑے ہو کر تمام لوگوں کو خانہ کعبہ کے طواف کیلئے بلایا۔ سب سے پہلے جس قوم وقبیلہ کے لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول فرمایا وہ بنی جرہم تھے۔ طبقات ابن سعد میں ہے۔ فَاَوَّلُ مَنْ اَجَابَہٗ جُرْھُمْ۔ انکی قبول دعوت کے بعد قوم عمالیق ایمان لائی۔ قبل العمالیق ثم اسلموا ان کے بعد قوم عمالیق اسلام لائی۔ انکے اسلام لانے کے بعد حضرت ابراہیم نے اون تمام قوم وقبیلہ کے لوگوں کو جو وادی مکہ میں آباد تھے۔ دین ابراہیمی کی تلقین اور مناسکات حج اور طواف بیت الحرام وغیرہ کی کامل تعلیم فرمائی۔

یہ دین حنیف کی ابتدائی تعلیم تھی اور اوس کی تعلیم کے حالات وواقعات جو اوپر قلمبند کئے گئے۔ اسی ضمن میں ہمکو یہ بھی لکھدینا بہت ضروری ہے کہ یہ عبادتگاہ الٰہی بہت جلد قربانگاہ قرار پاگئی۔ پھر اسی استقرار اور استمرار کے ساتھہ کہ اوسوقت سے لیکر آجتک اور آج سے ابدالآباد تک نسل ابراہیمی کے ایثار وانداز اور دین حنیف کا سچا معیار قایم ہوگئی۔

اپنے پہلوٹے اور سب سے بڑے بیٹے اسمٰعیل کی راہ خدا میں قربانی

قرآن مجید میں اس واقعہ کی کیفیت یوں مذکور ہے۔

قَالَ اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ فَبَشَّرْنٰہُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَہُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی قَالَ یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّہٗ لِلْجَبِیْنِ وَنَادَیْنٰہُ اَنْ یّٰاِبْرٰھِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ۔

(ابراہیم) نے کہا کہ میں تو اپنے پروردگار کی راہ چلونگا کہ وہ مجھہ کو ہدایت فرمائے۔ پروردگار مجھہ کو ایک نیکوکار فرزند عطا فرما تو ہم نے اوسکو ایک سمجھدار لڑکے کی بشارت دی۔ پھر جب وہ لڑکا اوسکے ساتھہ چلنے پھرنے (کام کرنے) لگا۔ تو ابراہیم نے اس سے کہا۔ اے میری بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ تیری اس معاملہ میں کیا راے ہے۔ اوس لڑکے نے جواب دیا۔ ابا جان جو آپ کو حکم ہوا ہے (بے تامل) آپ اوسکی تعمیل کیجئے۔ انشاءاللہ آپ مجھے صابر ہی پائیں گے۔ پھر جب دونوں (باپ بیٹے) تعمیل حکم پر آمادہ ہوئے اور باپ نے (حلال کرنے کے لئے) بیٹے کو ماتھے کے بل پچھاڑا تو (ہمکو اون کی فرمانبرداری نہایت ہی پسند آئی) ہم نے ابراہیم سے پکار کر کہا اے ابراہیم تم نے اپنے خواب کو خوب سچ کر دکھلایا۔ اب ہم تمکو بڑے بڑے مرتبہ دینگے اور ہم نیک بندوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں بیشک یہ کھلی آزمایش تھی اور ہم نے عظیم قربانی کو اسمٰعیل کا فدیہ بنایا۔

تفسیر بیضاوی اور ربیع الابرار زمخشری سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ رویاء صادقہ جس دن حضرت ابراہیم کو دکھلایا گیا وہ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ تھی۔ اسی لئے آٹھویں ذالحجہ کو مصطلحات فقہیہ علمیہ میں یوم الترویہ کہتے ہیں

جو روبیۃ سے مشتق ہے۔ نویں ذی الحجہ کی رات کو مقام عرفات میں پھر ایسی ہی خواب دکھلایا گیا۔ اور اسی دن آپ نے حضرت اسمٰعیل سے اپنے خواب کو دہرایا۔ اکثر علما کی رائے ہے نویں تاریخ کو احکام عملیات میں یوم عرفہ کہے جانے کی یہی وجہ تسمیہ ہوئی۔ اوس رات کو بھی جناب ابراہیم غالباً مناسکات عرفات بجا لانے اور قوم و قبائل کے تمام لوگوں کو خدائے واحد کی معرفت۔ اوسکی عبادت کے طریقہ۔ اوس خانہ مقدس کے آداب و مناسکات حج بجا لانے کی مشغولیت کے سبب سے اس امر جلیل کی تعمیل نہ فرما سکے۔ دسویں کی رات کو سوئے تو پھر وہی خواب دیکھا۔ اب تو خدا کے اس خالص شیدائی کی عقیدت ایسی جوش میں آئی کہ اپنے پہلوٹے اور بڑی منت والے بیٹے کو قربان گاہ منیٰ میں لیجا کر چھری کے نیچے رکھ ہی تو دیا۔ اور آفرینش عالم کے وقت سے لیکر اس وقت تک خدا کے نام پر۔ خدا کی راہ میں۔ ایک ایسی نذر۔ ایسی قربانی اور ایسے ایثار نفسی کی تعمیل کا پورا قصد کر لیا جس کی مثال پھر دنیا کے کارنامہ میں نہ قائم ہو سکی۔ حضرت ابراہیم کے صبر و رضا کے کمال اور راہ رضائے الٰہی میں آپکی استقامت اور استقلال کا اس سے پہلے کئی بار امتحان ہو چکا تھا اور ہر موقع پر آپ جگا مصیبت میں بہ خاصہ الٰہی کامل اور کامیاب ثابت ہو چکا ہے۔ اسکی معرفت اور حسن طاعت کا یہ آخری امتحان تھا اور آزمائش و ابتلا کا سخت ترین معرکہ۔ اور حقیقتاً ایسا قیامت خیز عالم اور عبرتناک عالم تھا کہ آخر ممتحن قدرت ہی اسکے مشاہدے اور نظارے کی تاب نہ لاسکے۔ اور قربانگاہ منیٰ سے چلا او ٹھے اَنۡ یّٰۤاِبۡرٰهِیۡمُ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡبَلٰٓـؤُا الۡمُبِیۡنُ وَفَدَیۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِیۡمٍ۔ اے ابراہیم بیشک تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔ اور ہم نیک بندوں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔ بیشک یہ کھلی ہوئی آزمائش تھی اور ہم نے بڑی قربانی کو اسمٰعیل کا فدیہ بنایا۔

تبلیغ رسالت کے متعلق ایسے پر اثر بہتر، اور مافوق البشر خدمات انجام دیکر حضرت ابراہیم نے نظام مشیت اور احکام قدرت کے تمام مقاصد پورے کر دئیے۔

مکہ معظمہ سے مراجعت اور جناب ابراہیم علیہ السلام کی رحلت — تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سن مبارک سو برس سے متجاوز ہو چکا تھا۔ حضرت اسماعیل کا سن اوسوقت تیس برس کا بتلایا جاتا ہے۔ تعمیر کعبہ تعلیم شریعت۔ اعلان و تلقین مراسم حج اور دیگر امور تبلیغ رسالت کو انجام تک پہونچا کر حضرت ابراہیم نے مکہ سے شام کی طرف مراجعت فرمائی۔ اور وہاں پہونچکر تھوڑے دنوں کے بعد داعی اجل کو لبیک کہی اور دفعتاً انتقال فرمایا۔ آپ کی وفات کے متعلق اکابرین محدثین اسلام یہ تفصیلی واقعہ بیان کرتے ہیں۔

ایک بار حسب العادت حضرت ابراہیم نے بہت سے آدمیوں کی دعوت کی جب مہمانوں کی کثیر التعداد جماعت

خوان خلیل اللّٰہی پر جمع ہوگئی اور حلقہ باندھکر کھانا کھانے لگی تو حضرت ابراہیم کی نظر اُن مہمانوں میں ایک نہایت کبیر السن شخص پر پڑی اور آپ نے اوسکو ایسی بیدست و پائی کی حالت خاص میں مشاہدہ فرمایا کہ اوسکے تمام بدن میں رعشہ ہے اور وہ اپنے رعشہ دار ہاتھ سے لقمہ اوٹھا کر کھانا چاہتا ہے۔ تو خلاف عادت حرکت رعشہ کی وجہ سے لقمہ اوسکے مُنہ تک نہیں پہونچتا بلکہ کبھی اوسکی پیشانی کبھی رخسار اور کبھی چہرے کے دوسرے مقاموں پر جا لگتا ہے۔ اسکے ساتھ ایک اور آدمی بیٹھا ہوا ہے اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی ضرورت اور خدمت کیلئے ہمیشہ اوسکے ساتھ رہتا ہے۔ بالآخر اوسکے رفیق نے اپنے ہاتھ سے اوسکو کھلانا شروع کر دیا تب وہ عمر رسیدہ کبیر السن شخص کھانا کھا سکا۔

اس مشاہدہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں طول عمری کیطرف سے سخت نفرت پیدا ہوئی۔ اور آپ نے فوراً بارگاہ مجیب الدعوات میں شیخوخیت اور کہولیت کی ان گہی گذری حالتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھے جانے کی دعا مانگی۔ چونکہ وہی وقت آپکی اجل موعود کا تھا۔ اسلئے ادہر آپ کی دعا کیلئے حکم اجابت آیا۔ اودہر فرمان قضا و رحلت کل شئی ھالک الا وجھہ

ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات و ستودہ آیات کے متعلق جستہ جستہ تمام واقعات و حالات بیان کر دئے۔ پڑھنے والے اور ان پر غور کرنے والے آسانی کے ساتھ نتیجہ نکال لینگے کہ اس اصلی اور حقیقی موحد اور دین حنیف کے موجد نے جس خلوص اور عقیدت کا وعدہ اپنے معبود حقیقی کے ساتھ ان الفاظ میں کیا تھا کہ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ میری نماز، میرے تمام مناسکات۔ میری حیات اور میری ممات۔ (سب کچھ) خالص خدا کے واسطے ہے۔ جو دو عالم کا پروردگار ہے۔ اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ ان امور کے لئے مجھے حکم دے چکا ہے اور میں (مذکیہ ان امور کے) تسلیم کرنیوالوں میں ہوں۔ لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً پورا فرما دیا۔ جیسا کہ مندرجہ بالا واقعات سے ثابت ہو چکا۔ اور قدر شناسان قدرت نے بھی وَاِبْرٰھِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی کے الفاظ مصدقانہ نازل فرما کر آپ کے محاسن خدمات کی اجابت اعتراف کا اظہار کر دیا۔

سب سے پہلے دین ابراہیم اسلام کے نام سے موسوم ہوا ہے — **اسلام کی قدامت اور اصلیت قرآن مجید کی اس عبارت سے ظاہر ہوتی ہے** —

مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ھُوَ الَّذِیْ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ — | تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب۔ اسی نے تمہارا نام پہلے سے مسلمان رکھا ہے۔

یہ آیہ بتلا رہا ہے کہ اسلام پر منحصر نہیں تمام مذاہب جو رسالت ابراہیمی کے بعد دیگر کتب سماویہ کے ذرائع سے

نازل فرمائے گئے۔ وہ سب ملتِ ابراہیمی کے متبع سمجھے جائیں گے اور دائرہ اسلام میں آنے اور مسلمان کہلانے کے مستحق کہلائیں گے۔ پھر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اسکی خصوصیت کیسی؟

اصلیت کے اعتبار سے تو یہود، نصاریٰ اور مسلم سب کے سب ملت ابراہیمی کی شاخیں اور متبع قومیں سمجھی جائیں گی مگر اتباع و عقیدت اور عملی اطاعت و مطابقت کے اصول پر جب ان امم مختلفہ کے مراسم عبادت اور اخلاقی، تمدنی اور قومی مرسومات و دستورات پر نظر ڈالی جائے گی اور تحقیق سے کام لیا جائیگا تو ان تمام مختلف فرقوں میں سوائے ایک اسلام کے پھر کوئی دوسرا فرقہ نہیں پایا جائیگا جس کے مذہبی قومی، تمدنی اور اخلاقی طریقوں میں شریعت ابراہیمی کا کوئی جزو یا شعبہ پایا جاتا ہو۔

اسلام کو ملت ابراہیمی کے ساتھ جو خصوصیت ہے وہ اسی بنا پر ہے کہ شریعت اسلامی میں اس وقت تک شریعت ابراہیمی کے احکام انکے عملیات واجبات و مستحبات میں داخل ہیں اور ان کو آج تک ہر مسلمان اسی عظمت و تقدیس اور احترام و اکرام کے ساتھ ادا کرتا ہے جس طرح خلیل اللہ نے تعلیم فرمائے تھے۔ جیسے تحریم کعبہ۔ مناسک حج۔ ختنہ۔ وضو۔ حجامت۔ غسل جنابت۔ عقد نکاح وغیرہ وغیرہ۔

شریعت ابراہیمی اور دین حنیف خلیل اللہی کے متلاشی دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام ہی کو اور تنہا اسلام ہی کو ایک ایسا مذہب پائیں گے جس میں شریعت ابراہیمی کے آثار و احکام ابتک قائم ہیں اور وہی اسکے اتباع کا تنہا دعویٰ کر سکتا ہے۔

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب کے غلط تسمیہ اسلام کی تصحیح و ترمیم

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی، اسکی توجیہ میں کہ شریعت محمدی کا نام اسلام اور اسکے متبعین کا نام مسلمان کیوں مشہور ہوا رقمطراز ہیں:—

> حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیلؑ کا سب سے بڑا عظیم الشان کارنامہ تسلیم و رضا ہے۔ یعنی جب قربانی کا حکم ہوا تو باپ بیٹے دونوں نے بلا عذر گردنیں جھکا دیں۔ یہ وصف مقبول بارگاہ ہوا اور پھر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا یہی شعار مذہبی قرار پایا۔ اسی بنا پر حضرت ابراہیم نے اپنے پیروان ملت کا نام مسلم رکھا۔ (سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۰۷)

یہ آپ کی ذہانت کا ایک نکتہ ہے اور جودت طبع کا نمونہ۔ مولوی شبلی نے بہت مابعد کے واقعہ سے اسکی وجہ تسمیہ قائم کی ہے اور آیہ ذبح میں الفاظ فلما اسلما کو اسکا اصلی ماخذ و مرجع بتلایا ہے۔ جو حیات ابراہیمی کا آخر واقعہ ہے۔ یہ شمس العلماء صاحب کی کوتہ نظری ہے۔ اگر قرآن مجید میں اس مسئلہ کی

تحقیق میں دیگر آیات و واقعات پر محققانہ طریقہ سے غور فرمایا گیا ہوتا تو شمس العلما صاحب کو معلوم ہو جاتا کہ اس واقعہ سے بہت پہلے حضرت ابراہیم کے صبر و رضا کا کارنامہ دار النظام قدرت میں پیش ہو کر قبولیت و اجابت الٰہی کا اعزاز حاصل کر چکا تھا۔ قرآن مجید کے سورۂ بقر کی مفصلہ ذیل آیت سے اسکی حقیقت کا پورا انکشاف ہوتا ہے۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ	جب اوس (ابراہیم) سے خدا نے کہا کہ ہماری فرمانبرداری کرو تو اوسنے کہا کہ میں پروردگار دو عالم کا فرمانبردار ہوا۔

اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ معرفت اور تصدیق الٰہی جس طریقہ اور جن الفاظ سے حضرت ابراہیم نے کی اوسی کا نام اوسی وقت سے اسلام رکھا گیا۔ خدائے سبحانہ تعالیٰ نے اپنی معرفت و تصدیق کا حکم بھی ابراہیم کو اوسی لفظ کے ساتھ دیا اور ابراہیم نے اوسکی تعمیل بھی انہیں الفاظ میں کی۔ پھر ایسے نص صریح کی موجودگی میں ہم اسلام کا مبتدا اسی آیہ کو ضرور قرار دیں گے اور سورۂ حج کے آیہ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ (تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب اسی نے پہلے ہی تمہارا نام مسلمان رکھا) کو اس مبتدا کی خبر ٹھرائیں گے۔ جس سے مدعا کی حقیقت پورے طور سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے کہ آیہ اول میں اسلام کی اولیت قدامت اور ابتدا۔ اسکی وجہ و سبب کے ساتھ بتلائی گئی ہے۔ پھر آیہ دوم میں مسلمانوں کو اون کے طریقہ کا نام اسلام رکھے جانے اور اون کو مسلمان کہے جانے کی یہی خاص وجہ تسمیہ بتلائی گئی ہے کہ بمقابلہ دیگر مذاہب کے۔ چونکہ پیروان شریعت محمدیہ کو طریقہ ابراہیمی کے صحیح اور حقیقی اتباع کا شرف حاصل ہے۔ اس بنا پر اون کی شریعت اور اونکا نام بھی وہی رکھا گیا جو پہلے سے انکے مورث اعلی کے طریقہ کا نام رکھا گیا تھا۔

اسلام کی حقیقت تو اتنی قدیم ثابت ہوتی ہے مگر شمس العلما صاحب اسلام ابراہیمی میں تاخیر کا نقص پیدا کر رہے ہیں۔ اسکے علاوہ آپ کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی تجویز سے اپنی شریعت کا نام اسلام رکھا اور اپنے پیروان ملت کا نام مسلم مگر قرآن مجید کی بشارت خبر دیتی ہے کہ خدائے سبحانہ تعالیٰ نے اس مبارک نام سے آپ کو اور آپ کے پیروان و متبعان ملت کو یاد و مخاطب فرمایا ہے ذیل کا آیہ وافی ہدایہ اسکے ثبوت کو کافی ہے۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّ لَا نَصْرَانِیًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا	ابراہیم (حقیقتاً) نہ یہود تھے نہ نصاریٰ۔ بلکہ وہ تو خالص مسلمان تھے۔

مندرجہ بالا نصوص قرآنیہ کے رو سے مولوی شبلی صاحب کے یہ دونوں قیاس اور تجاویز (۱) کہ حضرت

ابراہیم و اسماعیل کے الفاظ اَسْلَمْنَا کہنے کے باعث سے۔ اور پھر (۲) شعار تسلیم و رضا پر قائم و مستقل رہنے کی وجہ سے۔ ابراہیم کے پیرو اور متبع مسلم کہلاتے بے اصل ثابت ہوئیں۔ اور ثابت ہوگیا کہ حقیقت میں خداوند عالم نے سب سے پہلے آپ کو مسلم اور آپ کے متبعین کو مسلمین کے مبارک نام سے موسوم کیا۔

شریعت اسلامی میں ملت ابراہیمی کے مراسم اسوقت تک محفوظ و موجود ہیں

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ دنیا کے موجودہ مذاہب میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جو باوجود اس کے کہ سب سے آخر میں آیا۔ لیکن اوسکے تمام مذہبی۔ اخلاقی قومی اور تمدنی احکام میں ابھی تک شریعت خلیل اللہی کی اتباع اوسی خلوص عقیدت کیساتھ کی جاتی ہے جس طرح حضرت ابراہیم اسکے انجام دہی اور تعمیلی کے اصول تعلیم فرما گئے اور اسکے نصاب بتلا گئے تھے علاوہ واجبات حج اور اداے قربانی کہ جواب صرف اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ مخصوص و محدود رہ گئی ہے۔ ہم ذیل میں آپ کے احکام اور اسلام کے فرمان نقل کرتے ہیں۔ جو شریعت اسلامی میں اسوقت تک اگر واجبات کا حکم نہیں رکھتے تو استحباب کی اہمیت تو ضرور رکھتے ہیں۔

حجامت بنوانا (۲) مونچھوں کے لب کٹوانا (۳) مونھ دہوتے کے وقت مسواک کرنا (۴) کھانے کے بعد دانتوں میں خلال کرنا۔ (۵) زیر بغل اور زیر ناف کے بالوں کو مونڈنا۔ (۶) ختنہ کرنا۔ (۷) ناخن ترشوانا اور (۸) غسل جنابت کرنا۔ آجتک اسلام کے مستحبات اور عملیات یونیہ میں داخل ہیں۔ اور آخر طہارت کا حکم (غسل جنابت) تو وجوب کی اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ جس کے بغیر کوئی مسلمان نماز ہی نہیں پڑھ سکتا۔

ان مرقومہ بالا احکام ابراہیمی میں باستثنائے چند۔ ایسے احکام ہیں کہ صرف اہل اسلام ہی اون پر عمل پیرا نہیں ہیں بلکہ دنیا کے تمام قوم و ملت کے لوگ۔ اگر اہل اسلام کی طرح مذہبی نقطۂ خیال سے نہیں تو اخلاق۔ تہذیب اور حفظان صحت کے لحاظ سے ان کو ضروری سمجھ کر ان پر عامل ہیں۔

حضرت ابراہیم تمدن اخلاق اور تہذیب انسانی کے اول موجد اور معلم تھے

حضرت ابراہیم علیہ السلام دین حنیف اور شریعت اسلامی ہی کے صرف موجد اور معلم نہیں ثابت ہوتے ہیں۔ بلکہ تاریخوں سے طبقۂ انسانی میں تمدن اخلاق اور تہذیب کے ابتدائی اصول قایم کرنیوالے اور انکے طریقے بتلانے والے بھی آپ ہی پائے جاتے ہیں۔ مراسم اخلاق اور آئین معاشرت سب سے پہلے آپ ہی نے جاری فرمائے۔ اور تمام دنیا کی قوموں میں۔ مہمانی۔ ضیافت ذوی القربی ہمسایہ اور دیگر مستحقین کی دعوت کے نیکو ترین اور فیاضانہ مراسم کی آپ سے ہی ایجاد ہوئی

اکرام ضیف اور ضیافت کے احکام و آداب آپ ہی نے بتلائے۔ سب سے پہلے آپ ہی نے۔ اپنے مال سے زکوٰۃ کی رقم نکالی۔ اور خدا۔ خدا کے رسول اور رسول کے ذوی القربیٰ کے حقوق۔ ہمسایہ۔ فقرا اور مساکین کے استحقاق اور اونکے مراتب نصاب قائم فرمائے۔

سب سے پہلے راہ خدا میں ہجرت اختیار فرمائی۔ قوم عملیق مصر سے جہاد فی سبیل اللہ کیا۔ اور ترتیب فوج و تعیین منصب لوا بھی آپ ہی کے اولیات میں داخل ہے۔ لباس میں پیراہن اور تہ بند کی ایجاد بھی آپ ہی سے ہوئی اور عبادت الٰہی کی حالت میں ستر پوشی کے آداب نہایت شدت سے واجب قرار دیئے۔ توحید خالص کی تعلیم آپ ہی سے شروع ہوئی اور اخیر میں انسانی بدعنوانیوں سے ایسی خراب و برباد ہوگئی کہ آخر اسلام اسی نام اور اونھیں احکام کے ساتھ توحید خالص کی تجدید و احیا کیلئے نازل فرمایا گیا جس سے ملت ابراہیمی کی تصدیق و توثیق قرآن مجید کے اس آیت کامل طور پر ہوتی ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔

اور کون ہے جو ابراہیم کے طریقہ سے انحراف کرے مگر وہی جس کی عقل ماری گئی ہو۔ اور بیشک ہم نے اونکو دنیا میں بھی انتخاب کرلیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیکوکار بندوں کے زمرے میں ہونگے۔

عہد ابراہیمی میں عرب کا بینظیر تمدن۔

ان تمام احکام پر غور و تعمق کی نظر ڈالنے سے ہر شخص کو بآسانی معلوم ہوجائیگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وقت میں تنہا دین الٰہی ہی کی تعلیم نہیں فرمائی بلکہ اقطاع عالم کے مختلف قوم و قبائل میں اخلاق تہذیب اور معاشرت کے اصول قائم کئے اور آداب و طریقے بتلائے۔ عہد ابراہیمی کے تاریخی حالات اخبار و آثار عرب سے جہاں تک معلوم ہوئے ہیں اون سے ثابت ہوتا ہے کہ اوسوقت اہل عرب تمدن کے اعتبار سے دوسری قوموں سے کہیں آگے بڑھے ہوئے تھے۔ کیونکہ عرب کی تاریخ میں اون کی ترقی اور فروغ تمدن کا زمانہ خاندان سبا اور سلاطین حمیر کے عہد میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور تاریخ عالم کے مطالعہ سے سلسلۂ آل سبا اور بنو حمیر کا زمانہ عہد ابراہیم سے قریب اور متصل پایا جاتا ہے۔ چنانچہ مرحوم سر سید نے ان دونوں سلسلوں کے معاصرین کی مطابقت اور اوس کی تفصیل پوری وضاحت کے ساتھ خطبات احمدیہ میں کی ہے۔ جسکی نقل ذیل میں مندرج کی جاتی ہے۔

جرہم کے بعد اوس کا بیٹا یشحب ابن الیعرب تخت پر بیٹھا۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا عبدالشمس ملقب بہ سبا اکبر تخت نشین ہوا۔ یہی شہزادہ سلطنت سبا کا بانی ہوا۔ اور اوسی نے شہر سبا اور مآرب

بسائے اوسکے بعد اوسکے بیٹے حمیر نے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔

اب چونکہ حمیر یقطان سے چوتھی پشت میں تھا۔ اور ترح (تارخ۔ پدر ابراہیم) بھی فالغ سے چوتھی پشت میں تھے اسلئے ہم یہ نتیجہ نکالنے کے مجاز ہیں کہ حمیر کی اولاد ترح کی پیدائش سے زیادہ دور نہیں ہوگی یعنی ۱۸۸۸ء دنیوی یا ۲۱۲۶ق م میں اوس کی ولادت ہوئی ہوگی۔ ترح کے تین بیٹے تھے۔ (ناحور نور اور ہاران (پدر لوط) اور حمیر کے بھی تین بیٹے تھے۔ وائل۔ عوف اور مالک اسلئے ترح اور حمیر کی اولاد کو ہمعصر ماننا چاہیئے یعنی کہ وہ ۱۹۱۸ء دنیوی یا ۲۰۵۶ق م میں تھے۔ وائل کا بیٹا سکسک اور عوف کا بیٹا فاران ہوا۔ اب اول اوس مدت پر جو ایک پشت کے واسطے عموماً قرار دی گئی ہے لحاظ کرکے اور بعد ازاں تاریخ پیدائش لوط پسر ہاران پر غور کرکے سکسک اور فاران کی ولادت کی تاریخ قرار دینی چاہیئے جو ۱۸۷۸ء دنیوی یا ۲۱۲۶ق م یا تیس برس قبل ولادت حضرت ابراہیمؑ قرار پاتی ہے۔ خطبات مطبوعہ لاہور ص ۱۷

اس مقام پر یہ بتلا دینا بھی نہایت ضروری ہے کہ یہی فاران ابن عوف وہ شخص ہے جو یمن سے علاقہ حجاز میں آیا اور اسکے گرد و نواح میں آباد ہوکر اپنی حکومت قائم کرلی۔ اور جبل فاران اور بیابان فاران جو قدیم آسمانی کتابوں میں مرقوم ہیں اور جناب ختم المرسلین صلی اللہ علیہ والہ الطاہرین کی بشارت نبوت اور تبلیغ رسالت کے خاص مقامات بتلائے گئے ہیں۔ وہ اسی شخص خاص کی طرف منسوب ہیں اور اسی کے نام سے موسوم ہیں۔

مذکورہ بالا بیان سے ثابت ہوگیا کہ بنی حمیر کی سلطنت اور جناب ابراہیمؑ کی تبلیغ رسالت کا زمانہ بالکل قریب تھا بلکہ دونوں کو ایک ہی کہنا چاہیئے۔ بنی حمیر کی عہد سلطنت میں عرب کی تمدنی حالت دنیا کے اور ملکوں سے بڑھی چڑھی ہوئی تھی۔ یہ ایک ایسا مسلمہ ہے جس سے کسی تاریخ میں کو انکار نہیں ہوسکتا۔ اس بنا پر عرب میں رسالت ابراہیمی کی تبلیغ کے وقت عموماً اور عرب کے علاقہ یمن میں اوسوقت خصوصاً ملک کی تمدنی حالت پوری ترقی پر تھی۔ شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی بھی اسکی تصریح کرتے ہیں۔ ذیل میں اونکی تفصیل نقل کی جاتی ہے۔

> تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عرب کے مختلف حصے بالکل مختلف حالت رکھتے تھے۔ مانسو لیبان مرنساوی نے اصول عمران کی بنا پر یہ راے ظاہر کی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانہ میں اوج کمال تک پہونچا ہوا تھا۔ کیونکہ اصول ارتقا کے رو سے کوئی قوم محض وحشت کی حالت سے دفعتاً اعلیٰ درجہ کی تہذیب و تمدن تک نہیں پہونچ سکتی۔

یہ ایک قیاسی استدلال ہے۔ تاریخ سے بھی اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے بعض حصے مثلاً یمن کسی زمانہ میں انتہا درجہ کی ترقی تک پہونچ چکے تھے۔ یورپ کے محققین آثار قدیمہ جنہوں نے یمن کے آثار قدیمہ کی تحقیقات کی ہے اور پرانے کتبوں کو پڑھا ہے وہ یمن کی قدیم تہذیب و تمدن کا اعتراف کرتے ہیں۔ (یمن کے شہر قلعوں اور دیگر آثار تمدن و امارت کا ذکر ہے۔ جن کو ہم تفصیل سے اس کتاب میں اوپر لکھ آئے ہیں۔)

ان تفاصیل کے بعد تحریر ہے۔

لیکن عرب کے اصلی اور اندرونی مقامات میں تہذیب و تمدن کی یہ حالت نہ تھی۔ عربی زبان نہایت وسیع ہے۔ باوجود اسکے جن چیزوں کو تمدن اور اسباب معاشرت سے تعلق ہے۔ اون کے لئے عربی زبان میں خاص الفاظ نہیں ملتے۔ بلکہ ایران یا روم سے مستعار آگئے ہیں۔ سکّے کے لئے ایک لفظ بھی نہیں درہم اور دینار دونوں غیر زبان کے الفاظ ہیں۔ درہم یونانی لفظ درخم ہے۔ اور یہ وہی لفظ ہے جو انگریزی میں ڈرام ہوگیا۔ چراغ ایک معمولی چیز ہے تاہم اسکے لئے عربی میں کوئی لفظ نہ تھا۔ چراغ کو سراج کرلیا۔ پھر ایک مصنوعی لفظ بنایا مصباح۔ یعنی ایک آلہ جس سے صبح بنائی جاتی ہے۔ کوزہ کیلئے کوئی لفظ نہیں۔ کوزہ کو کوز کرلیا۔ لوٹے کو ابریق کہتے ہیں۔ جو آبریز کا معرب ہے۔ تست فارسی لفظ تھا۔ اسی کو عربی میں طست کرلیا ہے۔ پیالہ کو کاس کہتے ہیں۔ یہ وہی کاسہ فارسی لفظ ہے کرتہ کو عربی میں قرطق کہتے ہیں۔ یہ بھی فارسی ہے۔ پاجامہ کو سروال کہتے ہیں جو شلوار کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ جب ایسے ایسے چھوٹے چھوٹے اشیاء کے لئے لفظ نہ تھے۔ تو تمدن کے بڑے بڑے سامان کے لئے کہاں سے لفظ آتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب نے کسی زمانہ میں جو ترقی کی تھی۔ آس پاس کے ممالک کے تہذیب و تمدن سے متاثر ہو کر کی تھی۔ اسلئے جو مقامات ان ممالک سے دور تھے۔ اون ہی اصلی حالت پر تھے۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ؐ کے زمانہ تک عیش و عشرت کے سامان بہت کم تھے۔ مسئلہ حجاب کی شان نزول میں بخاری وغیرہ میں منقول ہے کہ اس زمانہ تک گھروں میں جائے ضرور نہ تھی مستورات رفع حاجت کے لئے باہر جایا کرتی تھیں۔ ترمذی باب الفقر میں ہے کہ اوس وقت تک چھلنیاں نہ تھیں۔ بھوسی کو پھونک کر اڑاتے تھے۔ بخاری کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ راتوں کو گھروں میں چراغ نہ جلتے تھے۔ ابوداؤد میں ایک صحابی کی روایت ہے کہ میں آنحضرت صلعم کی صحبت میں تھا۔ لیکن میں نے آپ سے حشرات الارض کا حرام ہونا نہیں سنا۔ اگرچہ اس حدیث کی شرح میں

محدثین لکھتے ہیں کہ ایک راوی کے نہ سننے سے یہ نہیں لازم آتا کہ واقع میں آنحضرت صلعم نے حشرات الارض کی حرمت نہیں بیان کی لیکن اس سے اسقدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب حشرات الارض کھاتے تھے۔ تاریخ اور ادب کی کتابوں میں ہے کہ عرب کھنکھجورا گوئے۔ گرگٹ۔ سہی اور جانوروں کا چمڑا کھاتے تھے۔ سیرۃ النبی جلد اول از ص ۵ تا ص ۸

ملکی زبان میں الفاظ خاص کی کمی ملک و قوم میں عدم تمدن کی دلیل نہیں ہو سکتی

مولوی شبلی صاحب کی مندرجہ بالا عبارت سے ثابت ہو گیا کہ یمن اور دیگر اقطاع عرب جو حدود شام و ایران سے قریب واقع ہیں۔ تہذیب و تمدن میں پورا کمال حاصل کر چکے تھے۔ اور باعتبار زمانہ کے انکی تہذیب و کمال کے ایام۔ عہد ابراہیمی سے بالکل ملے ہوئے تھے۔ جیسا کہ تاریخی اسناد سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ مولوی شبلی صاحب کی اس معترفانہ تحریر سے کہ "عرب کے وہ مقامات بھی جو ایران و شام سے متصل تھے تہذیب و تمدن سے خالی نہیں تھے" میرے مدعا کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جناب ابراہیم کی سکونت کا صدر مقام زیادہ تر ملک شام اور علاقہ فلسطین پایا جاتا ہے۔ اس بنا پر ہمارا یہ دعوی کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں۔ کم سے کم عرب کے اون حصوں میں جو علاقہ شام سے قریب تھے۔ تمدن اور تہذیب ترقی پر تھی۔ جو ملک و قوم کے اخبار و آثار کے علاوہ حضرت ابراہیم کے احکام و ارشاد سے بھی ہویدا و آشکار ہے۔

باقی رہا شبلی صاحب کا عرب کے قدیم تمدن و تہذیب کو خاص مقامات تک محدود کر دینا۔ اور چند الفاظ خاص نہ ہونے کی وجہ سے عربی زبان کی تنگی اور کوتاہی کو تمام عرب کے غیر متمدن قوم ہونیکا باعث بتلانا جیسا کہ وہ اپنی اس بحث کے نتیجہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "جب ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے لفظ نہ تھے۔ تو تمدن کے بڑے بڑے سامان کیلئے کہاں سے لفظ آتے۔ ہمارے نزدیک ذرا بھی قابل توجہ نہیں۔

شبلی صاحب کا یہ قیاس اون کی تاریخی واقفیت کی کمی پر مبنی ہے۔ دنیا کے تمدن۔ تہذیب اور ترقی کی تاریخیں بتلا رہی ہیں کہ اقطاع عالم میں تہذیب و تمدن کی ابتدا پہلے ایک خاص مقام سے شروع ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ ملک و قوم کے ہر حصہ اور طبقہ میں پھیل جاتی ہے۔ اس بنا پر یہ صحیح ہو سکتا ہے کہ شام و ایران سے ملے ہوئے عرب کے حصہ۔ یا یمن اور اوسکے حوالی و مضافات جس طرح اوس زمانہ میں اپنی تہذیب و تمدن میں مشہور تھے۔ ویسے عرب کے اور حصے نہیں۔ مگر یہ حصے بھی مسلم ہے کہ اونھیں متمدن اور مہذب علاقوں کے زیر اثر آ چکے تھے جسکا باعث آمد و رفت اور کاروبار کے باہمانہ تعلقات ثابت ہوتے ہیں۔ اور اسوجہ سے ایک حد تک

ان میں بھی تہذیب و تمدن ضرور موجود تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد بھی۔ فرزندان اسماعیل کے وقت میں فتوحات و ملک داری کے ابواب کھل گئے۔ اور مضاض و قیدار۔ ابنائے اسمٰعیلؑ کی نموداریوں نے تمام عرب میں سلسلہ ابراہیمی اور نسل اسماعیلی کی تہذیب و تمدن کے کمال کا ڈنکا بجا دیا۔ جیسا کہ بہت جلد ہمارے آئندہ سلسلہ بیان سے ظاہر ہوگا۔ اس بنا پر شبلی صاحب کی اس تجویز و قیاس سے کہ عرب میں چند مقامات کے علاوہ کہیں (و) تمدن و تہذیب کا نام بھی نہیں تھا۔ تاریخ ملکی و قومی سے ان کی بے خبری اور عدم واقفیت ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کا قیاس کہ زبان عرب میں چند الفاظ خاص نہیں اسلئے انکے ملک میں نہ تمدن تھا نہ تہذیب۔ دُور از قیاس سمجھا جائیگا۔۔۔

اگر تھوڑی دیر تک شبلی صاحب کے اس قیاس اور حسن ظن کو ہم مان بھی لیں تو ہم دیکھیں گے کہ یہ الفاظ عرب کے ان مقامات میں بھی تو مستعمل نہیں تھے۔ جہاں آپ کے اقرار و اعتراف کے مطابق تہذیب تمدن پورے کمال تک پہونچا ہوا تھا۔ یعنی قریب شام و ایران رہنے والے عرب بھی تو چراغ کو سراج وغیرہ بولتے تھے۔ تو اس بنا پر آپ کو ان کے تمدن و تہذیب سے بھی انکار کرنا پڑیگا۔ کیونکہ اس عبارت تصدیقی لکھ کر "عرب ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے لفظ نہ تھے۔ تو تمدن کے بڑے بڑے سامان کیلئے کہاں سے لفظ آتے" آپکی اس تحریر سے معلوم ہوا کہ الفاظ تمدن رکھنے پر کسی ملک و قوم کے حصول تمدن کے اصول قایم ہوتے ہیں۔ اور جب یہی اصول آپ کے مسلمہ ہیں۔ تو دور دور والے عربوں کو تو ابھی دور رکھئے۔ آپ کے تسلیم کردہ متمدن عرب شام و یمن بھی اسی اصول سے بالکل غیر مہذب اور غیر متمدن ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی چراغ کو سراج۔ کاسہ کو کاس۔ شلوار کو سروال وغیرہ اسالہا کہتے تھے۔ اور اگر آپکی تحقیق میں انکی زبان میں انکے لئے دوسرے الفاظ تھے تو تاریخ و لغت کی کتابوں سے حوالہ دیجئے۔

علامہ فیروزآبادی کی قاموس اللغات۔ عربی کی تمام کتب لغت میں نہایت مشہور و معروف ہے۔ اس کے صفحہ ۹۳ سطر (مطبوعہ کلکتہ) میں لکھا ہے السراج م (معروف) و الشمس و علم۔ اسکے لغوی معنی آفتاب کے ہوئے۔ لفظ معروف ہے۔ اور اسم علم ہے "شمس العلما صاحب اب خود بتلائیں کہ آپ کا یہ قیاس کسقدر مضحکہ انگیز ہے۔ عربی لغت سے تو اسکے اصل زبان کا لفظ معروف (جس کو ہر شخص بلا تامل و تکلف جانتا ہی) ہونا۔ اور اصول قواعد کے رو سے اسم علم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مگر آپ خواہ مخواہ اسے فارسی کے لفظ چراغ کا معرب بتلاتے ہیں۔ شاید قاموس میں لفظ سراج کے آگے م لکھا ہوا دیکھکر تو اسکے معرب ہونیکا وہم آپ کو پیدا نہیں ہوا ہے۔ اس کی اصلاح کیلئے قاموس کا مقدمہ پڑھا جاوے اور دیکھ لیا جاوے کہ حرف (م) معروف کی علامت قرار دی گئی ہے یا لفظ معرب کی۔ فاضل فیروزآبادی مقدمہ قاموس کے صفحہ ۴ میں

(مطبوعہ کلکتہ) ان علامات حرفیہ کی تفصیل و توضیح کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

وما سوى ذلك فاقتصدت لبصائرهم الكلام غير مقتصر بتسمية القلام مكتفيا بكتابة ع د ة ج م عن قولي موضع و بلدة و قرية و الجمع و معروف فتلخص

اس کے ماسوا میں نے تصریح کلام کو پیش نظر رکھ کر قلمی تحریر کی ضرورت پر قناعت کر کے اپنے اقوال میں حروف ع د ۃ ج اور میم کی صرف اشارہ و کتابت پر کفایت کی ہے (اس لئے ع سے) موضع (د سے) بلدہ (ۃ سے) قریہ (ج سے) جمع اور (میم سے) معروف میرے اقوال میں مراد لیجئیے۔"

افسوس ہے کہ شمس العلما کے ایسا مشہور عالم اور محقق ایسے لفظ معروف کی حقیقت سے بھی واقف نہو اور ادب و لغت کی کتابوں کے خلاف اپنے وہم و قیاس سے کام لے۔

ہم کہتے ہیں کہ الفاظ کی کمی و زیادتی کو کسی ملک و قوم میں تمدن و تہذیب کے ہونے یا نہونے سے واسطہ نہیں ہے۔ لٹریچر اور کمال زباندانی کی تاریخ اور تمام اخبار و آثار ادبیات بتلا رہے ہیں کہ زبان کی ترقی۔ درستی وسعت اور ترکیب کے مختلف ذریعے ہوتے ہیں۔ انہیں ذریعوں میں سے کسی زبان خاص کا غلبہ و استیلاء پا جانا بھی ایک بہت بڑا قوی سبب ہوتا ہے اور یہی وجہ ایسی غالب زبان کو مغلوب زبانوں میں داخل ہو جانے کی بھی ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ۔ دو مختلف ملک و قوم کے ساتھ تعلقات۔ کاروبار اور سلسلہ آمد و رفت بھی اسکا باعث ہوتا ہے۔ ان تمام ذریعوں کو تاریخی واقعات کے علاوہ روزمرہ کے مشاہدات بھی ثابت کر رہے ہیں۔ مثال کے لئے دیکھا جاوے جیسا کہ مشرق میں زبان سنسکرت تمام زبانوں پر غالب تھی۔ اسکے بولنے والے (آرین) دور و دراز ملکوں میں اپنے فتوحات۔ کاروبار اور آمد و رفت کے مختلف ذرائع رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے یہ زبان قریب قریب تمام اقطاع عالم کی زبانوں میں مل جُل گئی تھی۔ یہاں تک کہ یوروپین زبانوں میں بھی خلط ملط ہو گئی۔ اور ایسی کہ آجتک لاطین۔ گریک اور جرمن زبانوں میں اس کے صدہا الفاظ زبان زد خاص و عام ہیں اور اپنی مادّی۔ غیر مادّی۔ اصلی اور مصنوعی ترکیبوں اور تلفظ کی مختلف صورتوں میں بولے جاتے ہیں اور جن کے لئے آجتک علماء یورپ نے اپنی زبان میں مترادف الفاظ موضوع نہیں کئے ہیں۔ تو کیا اس باعث سے اونکی مشہور و معروف تہذیب و تمدن سے بھی انکار کیا جائیگا۔

اسی طرح آجکل یوروپین زبانیں تمام دُنیا کی زبانوں میں داخل ہیں اور قریب قریب دُنیا کے تمام ملکوں میں بولی جاتی ہیں۔ یہ کیوں ہے؟ اسوجہ سے کہ اول تو یوروپ والوں کو اپنی زبان کا بمقابلہ دیگر ممالک و اقوام کے ملک داری میں غلبہ حاصل ہے دوم اونکو دُنیا کی تمام قوم و ملک کے ساتھ کاروبار اور آمد و رفت کے ذریعہ سے پورا تعلق حاصل ہے۔ یہی دو اصلی اور قوی ذریعہ ہیں جن کے سبب سے یوروپین زبانیں دوسری

زبانوں میں مِل جُل گئی ہیں۔ اِسی وجہ سے دوسری زبانوں کی تنگی اور ناقابلیت کے معنی لگانا بالکل مہمل ہے پھر زبان عربی پر خاصکر مولوی شبلی کا یہ الزام لگانا تو اور بھی لغو ہے۔ جو اپنی کتاب کے آغاز میں تمیہ عرب کے متعلق زبان عرب کی خوبیوں کو مقابلہ اور السنہ متداولہ کے تسلیم فرما چکے ہیں۔ ہم تھوڑی دیر کے لئے۔ مولویصاحب کے کمی الفاظ والے استدلال قیاسی کو مان بھی لیں تو پھر ہم عرض کریں گے کہ زمانہ موجودہ میں تو فی الحال عرب اور اہل عرب کی تہذیب۔ اونکا تمدن۔ قدیم زمانہ سے کہیں زیادہ ہے اور فروغ یافتہ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ٹیلیگراف۔ پوسٹ اور کالسکہ وغیرہ وغیرہ۔ غیر زبانوں کے الفاظ کیلئے آجتک اپنی زبان کے خاص الفاظ نہ پیدا کئے گئے۔ بلکہ تلیغراف۔ البوستہ۔ اور الکالسکہ محض تھوڑے سے تغیر کے ساتھ۔ ویسے ہی الفاظ قایم رکھے گئے۔ دو ہزار برس پہلے عرب میں تہذیب و تمدن نہیں تھا۔ الفاظ کی بھی کمی تھی۔ ابتو خدا کے فضل سے کسی کی بھی کمی نہیں۔ پھر الفاظ کی کمی کیوں ہے۔ کیا مولوی صاحب سلطان حسین کے شاہ حجاز تسلیم کر لئے جانے کے واقعات کے بعد بھی عرب اور اہل عرب کو غیر مہذب اور غیر متمدین قوم کہنے کی جرأت کرینگے۔

عرب سے قطع نظر فرما کر ٹرکی کیطرف جو فی الحال اسلامی دار المعارف قیاس کیا جاتا ہے۔ توجہ کی جائے۔ تو عرب سے زیادہ یہاں کی ملکی زبان میں یوروپ کی مختلف زبانیں۔ جرمنی۔ فرنچ۔ انگریزی۔ یونانی بلقانی اور رومانی مخلوط پائی جائینگی۔ اسکے ثبوت کیلئے ہمیں دُور جانے کی ضرورت نہیں۔ شبلی صاحب نے اپنی کتاب کے آخر میں جو ملک عرب کا نقشہ لکھکر لگایا ہے۔ وہ حکومت عثمانیہ کے دفتر نظامیہ سے۔ غالباً سفر قسطنطنیہ کے دوران میں مولف کو ملا ہے۔ اوسمیں تمام مقامات کے ناموں کے وہی تلفظ ہیں جو یورپین زبانوں سے اونکے لئے نکلے ہیں۔ بلکہ اکثر مقامات کے قدیم نام جو سابق میں مشہور تھے۔ اون کی جگہ بھی اب وہی نام جو یوروپ والوں نے رکھ لئے ہیں مندرج کئے گئے ہیں۔

ٹرکی سے ایران میں آیئے۔ تو یہاں آتش در کاس۔ اللہ اللہ کبھی اسکے عروج و اقتدار کا وہ زمانہ تھا کہ عراق۔ ماوراء النہر۔ اور وسط ایشیا سے لیکر کابل و ہندوستان تک اور پھر ہندوستان سے لیکر جزائر بحر ہند۔ جاوا اور بخارا تک فارسی ہی فارسی تھی اور آج اسکے زوال و ادبار کی یہ حسرتناک صورت ہو رہی ہے کہ دیگر ممالک کا کیا ذکر۔ خاص ایران اور تمام علاقہ فارس کی زبان میں۔ نصف سے زاید ترکی اور روسی الفاظ داخل ہو گئے ہیں۔

کیا شبلی صاحب۔ ٹرکی اور ایران میں غیر زبانوں کے مخلوط ہو جانے کو اب بھی اونکے تمدن اور تہذیب کی کمی پر محمول فرمائینگے۔ شبلی صاحب۔ یہ اُن زبانوں کی کمی نہیں ہے۔ بلکہ آپکی کوتہ فہمی۔

کعبۂ معظمہ بالتحقیق بیت العتیق ہے

اسلام کی کوئی ادا نہ یہودیوں کو پسند ہے نہ عیسائیوں کو یہودیوں کو تو اون کی کمزوری اور زمانہ کی پامالی گلو گیر ہو رہی ہے۔ مگر عیسائیوں کا عروج ہے اور اقتدار۔ وہ کیوں چپ رہیں۔ قرآن مجید نے کعبہ کو بیت العتیق بتلایا ہے۔ دونوں اعتبار سے کہ اس میں جس نے پناہ لی وہ مامون و محفوظ ہو گیا اور نیز اسوجہ سے کہ خدا کا سب سے پہلا گھر دنیا میں یہی بنایا گیا۔ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا۔ پہلا گھر جو بندوں کی عبادت خدا کرنے کیلئے مکہ مبارکہ میں بنایا گیا

حالانکہ نزول قرآن سے پہلے کی رومی اور یونانی تالیفات و تصنیفات اسکی قدامت کی تصدیق کر چکی ہیں اور اون کی تصدیقی عبارتوں کو ایک بار نہیں ہزار بار یہ حضرات برائے العین مشاہدہ بھی فرما چکے ہیں۔ مگر تاہم اس مغویانہ اور متعصبانہ کوششوں میں کہ اوس کی قدامت کسی طرح بیت المقدس سے زیادہ قدیم نہ ثابت ہونے پائے۔ وہ طرح طرح کی بے اصل تاویلیں اور لغو دلیلیں پیش کیا کرتے ہیں۔ صاحب ارض القرآن۔ مسٹر ڈوزی (MR DOZE) کے ایسے فاضل مستشرق اور محقق جو جرمن پروفیسر ہیں جامع علوم و فنون مانا جاتا ہے۔ ایک عجیب و غریب اور مضحکہ انگیز راے۔ جو اوس نے کعبہ کے متعلق تحریر کی ہے۔ نقل فرماکر نہایت متانت اور سنجیدگی سے اوسکی غلط فہمی کی ترمیم و تصحیح فرماتے ہیں اونکی عبارت حسب ذیل ہے۔

مسٹر ڈوزی جو عربی کا بہت بڑا عالم جرمنی میں گذرا ہے اوس نے گوتھ میں بنی اسرائیل کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ بنی اسرائیل شام سے بھاگ کر حجاز کے شہر میں آکر آباد ہو گئے تھے اور کعبہ اونہیں کا بنایا ہوا معبد ہے جس کو اونہوں نے ہبعل (بعل) دیوتا کے نام سے جس کو وہ اکثر گمراہی کے زمانہ میں پوجا کرتے تھے۔ تعمیر کیا تھا۔

عربوں میں اسی دیوتا کا نام ہبل مشہور تھا۔ اور جو محمد کے زمانہ تک خانہ کعبہ میں نصب تھا۔

پروفیسر ڈوزی کی تاریخ مسلمانان اسپین کا مقدمہ۔ ترجمہ انگریزی

صاحب ارض القرآن کی راے۔

پروفیسر موصوف کے اس نظریہ سے گو جرمنی کے اکثر یہودی علما میں برافروختگی پیدا ہو گئی ہے لیکن ہم مسلمانوں کا جہاں تک تعلق ہے۔ اس راے میں صرف جزئی ترمیم چاہتے ہیں۔ کہ یہ بنی اسرائیل نہیں۔ بلکہ اسرائیل کے عم زاد بھائی بنی اسمٰعیل آکر آباد ہوئے تھے۔ اس گھر کو اسرائیل نے نہیں بلکہ اون کے دادا ابراہیم نے تعمیر کیا تھا وہ ہبل کے نام سے نہیں بلکہ خدا ے عزوجل کے نام سے

بنایا گیا تھا۔ ارض القرآن جلد دوم ص ۰۰

افسوس ہے کہ پروفیسر ڈوزی کے تبحر علمی کی یہ شہرت اور اون کی تاریخی واقفیت کی یہ حقیقت کہ آجتک پروفیسر صاحب کو مکہ اور مدینہ کا فرق و امتیاز بھی معلوم نہیں۔ عدم واقفیت کی یہ صورت ہے کہ پروفیسر صاحب اتنا نہیں جانتے کہ گریختگان بیت المقدس حملات بخت نصر سے عاجز آکر یثرب (مدینہ میں) پناہ گزین ہوئے تھے یا مکہ میں اقامت گزیں۔ نہیں معلوم کہ پروفیسر صاحب کی دنیا سے یہ نرالی ترکیب کی تحقیق کہ کعبہ اونہیں کا بنایا ہوا معبد ہے۔ کس تاریخ سے ماخوذ ہے۔ اگر سچے ہوتے تو پروفیسر صاحب اپنی تحقیق کی سند پیش کرتے۔ مگر اونھوں نے کوئی سند پیش نہیں کی اسلیئے یہ اون کی ایک متعصبانہ اور محض گمراہانہ تحریر ہے۔ جس پر نہ کوئی توجہ کی جاسکتی ہے اور نہ اوس کا کوئی اثر ہو سکتا ہے۔ مسلمان تو بحمد للہ اس سے کسی طرح متنبہ ہو ہی نہیں سکتے۔ پروفیسر صاحب کے خلاف امید۔ یہودان جرمن بھی جیسا کہ صاحب ارض القرآن کا بیان ہے۔ ان کی اس افو کہی تحقیق سے بیحد خفا ہوکر انکی مخالفت پر آمادہ ہوگئے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے اپنی دانست میں تو کی اون کی خیر خواہی۔ مگر وہ۔ افسوس۔ اولٹ کر بدخواہی ثابت ہو گئی۔ پروفیسر صاحب سمجھ لیں کہ یہ جھوٹ بولنے کا نتیجہ ہے۔

ایسی ہی سر ولیم میور صاحب کو بھی اولٹی سوجھی تھی۔ سر سید مرحوم نے اونکی بھی اصلاح کردی خطبات احمدیہ کی مفصلہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

ملکی اور مذہبی روایتوں کے سوا غیر مذہب مورخوں کی تحقیقات سے بھی کعبہ کا نہایت قدیم زمانہ سے موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مسٹر گبن (Mr. Gibbon) جیسا کہ وہ نہایت مشہور مورخ ہے ویسا ہی نہایت بڑا عالم اور فلسفی ہے۔ اوس نے اپنی تاریخ میں کعبہ کے ذکر میں بیان کیا ہی کعبہ کی صحیح قدامت سنہ عیسوی سے پہلے کی ہے۔ ساحل بحر احمر کے ذکر میں ڈایوڈروس (Diedraius) یونانی مورخ نے تھیموبتا (ثمود) اور سبین (صنیاءین) کے بیان میں ایک مشہور و معروف معبد (یعنی کعبہ) کا ذکر کیا ہے جس کے اعلیٰ درجہ کے تقدس کی تمام اہل عرب تعظیم کرتے تھے۔" (قدامۃ الیہود)

اگر ڈایوڈورس کے زمانہ میں (یہ یونانی مورخ بہت قدیم ہے) کعبہ ایک مشہور و معروف معبد تھا جس کے اعلیٰ درجہ کے تقدس کی تمام عرب تعظیم کرتے تھے۔ تو ہمکو اس کی اصلیت کو درحقیقت ایک نہایت ہی قدیم زمانہ (ابراہیم کے زمانہ) سے منسوب کرنا چاہیئے۔

سر ولیم میور صاحب (Sir W. Muir.) اس پر ایک معترضانہ تقریر لکھتے ہیں کہ جو کچھ ڈایوڈورس نے لکھا ہے۔ اوس سے عرب کی اس روایت کی صحت پر کہ کعبہ اور اوسکے تمام مراسم

کی ابتدا ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ سے ہے۔ کیونکر قیاس ہو سکتا ہے۔ عرب کی یہ روایت مسلمانوں کی بنائی
ہوئی نہ تھی۔ بلکہ آنحضرت صلعم کے زمانہ سے بہت پہلے اہل مکہ کی عام رائے تھی۔ ورنہ قرآن میں بطور
ایک حقیقت مسلّمہ کے اسکا ذکر نہ ہوتا اور نہ بعض مقامات کے نام جو تمام کعبہ کے گرد و نواح میں
ابراہیم و اسمٰعیلؑ سے متعلق کئے جاتے جلیسا کہ وہ متعلق کئے گئے ہیں (میورس لائف آف محمدؐ)

مگر ہم (مولف خطبات احمدیہ) سمجھتے ہیں کہ سر ولیم میور نے بلاشبہ یہاں غلطی کی ہے۔ جو کچھ ڈاکٹر ڈورس
نے لکھا ہے اوس سے عرب کی اوس قدیم روایت کی صحت کا ثبوت ہوتا ہے اس بات سے کہ مذہب اسلام
سے پیشتر اہل عرب تسلیم کرتے تھے کہ کعبہ کو اور اون تمام مراسم کو جو کعبہ سے علاقہ رکھتے ہیں۔ ابراہیمؑ سے
تعلق ہے۔ اوس کی صحت اور اصلیت نہایت مضبوطی سے ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو کیا وجہ
تھی۔ کہ اہل عرب نے اور بنی جرہم اور عرب کی تمام مختلف قوموں نے اسکو ابراہیمؑ و اسماعیلؑ سے منسوب
کیا تھا۔ عرب ایک بت پرست قوم تھی۔ اور ابراہیمؑ بت شکنی میں ایک مشہور شخص تھے۔ اسلئے ضرور تھا کہ تمام
عرب کی قومیں ابراہیم و اسماعیلؑ سے نفرت کرتیں اور کبھی اپنے معبد کو ابراہیم یا اسماعیلؑ سے منسوب نہ
کرتیں۔ باوجود اس مغائرت اور منافرت کے تمام عرب کی قوموں کا اس بات کو تسلیم کر لینا کہ کعبہ اور اُسکے
تمام مراسم کو ابراہیم و اسماعیلؑ سے تعلق ہے۔ علانیہ اوسکی صحت و اصلیت کی دلیل ہے نہ اوسکے برخلاف۔
جیسا کہ سر ولیم میور نے تصور کیا ہے۔ اس روایت کا اسلام کے زمانہ سے پیشتر بطور حقیقت مسلّمہ کے تسلیم ہوتا چلا
آنا۔ ہمارے لئے دلیل ہے نہ ہمارے مخالف کیلئے۔ خطبات احمدیہ مطبوعہ لاہور ص (۵۰۷)

حضرت اسمٰعیلؑ ذبیح اللہؑ ابن حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہؑ

جناب اسمٰعیل حضرت ابراہیمؑ کے پہلوٹھے صاحبزادے اور اولاد اکبر تھے۔ بڑی دعاؤں اور تمناؤں والے
تھے۔ حضرت ابراہیم کے ذکر میں اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ ایک مدت مدید تک حضرت سارہ کے بطن سے آپ
کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس محرومی سے دونوں بزرگوار از حد ملول رہتے تھے۔ اور اس نعمت کے حصول کیلئے
ہمیشہ بارگاہ رب العزت میں دست بدعا رہتے تھے۔ چونکہ ظہور حکم قدرت اور صدور امور مشیت کیلئے خاص وقت
مقرر ہوتے ہیں اسلئے ان حضرات کی اجابت دعا اور حصول تمنا میں تاخیر تھی۔ اسی عالم میں سارا کو حصول
اولاد کیطرف سے ایسی مایوسی ہو گئی کہ آخر کار اونہوں نے حضرت ابراہیم کو اونکے کمال محبت و الفت
کے تقاضہ سے۔ جناب ہاجرہؑ کے ساتھ مزاوجت فرمانے کی اجازت دیدی۔ اسمیں کوئی کلام نہیں کہ سارا کی
یہ اجازت۔ خلاف فطرت نسوانی۔ بہت بڑا ایثار تھی۔ اجازت دینے کے وقت سارا کا ابراہیمؑ سے یہ کہنا شاید

مجھ سے نہیں۔ انہیں (ہاجرہؑ) سے خداے سبحانہ تعالیٰ تمہاری نسل کو جاری اور قایم فرماے۔ اپنی طرف سے کمال مایوسی اور حضرت ابراہیم کی طرف سے اونکے مفرط درجہ کے اخلاص و محبت ثابت کرتا ہے۔

حضرت ہاجرہ شرف مزاوجت پر فائز ہوئیں اور حضرت اسمٰعیل اونکے بطن سے پیدا ہوئے حضرت اسمٰعیلؑ نام رکھا گیا

اسماعیل کی وجہ تسمیہ

اسماعیل کی وجہ تسمیہ کے متعلق عربی مورخین اور عموماً تمام مستشرقین یوروپ متفق ہیں کہ اسمٰعیل ابراہیم کی دعا سے پیدا ہوئے ہیں۔ چنانچہ توراۃ۔ سفر تکوین آیت ۱۷ و ۱۸ میں ہے۔

اسحاق خدا کے وعدے اور عہد کا مظہر ہے اور اسماعیل ابراہیم کی دعا کا۔ یعنی باپ کی دعا سے پیدا ہوئے۔

اس بنا پر اسمٰعیل نام ہوا۔ جو دو لفظوں سے مرکب ہے۔ سمع اور ایل سے۔ سمع کے معنی سُننے کے ہیں۔ اور ایل کے معنی خدا کے ہیں۔ یعنی ابراہیم کی دعا خدا نے سُن لی

اسمٰعیلؑ کے متعلق توراۃ کی متواتر بشارتیں

توریت کتاب اول از آیت ۲۰ تا ۲۵ میں حضرت اسمعیل علیہ السلام کی عظمت و تقدیس کی نسبت مفصلہ ذیل بشارتیں مندرج ہیں۔

خدا نے ابراہیمؑ سے کہا کہ اسمعیل کے بارے میں۔ میں نے تیری دعا سُن لی۔ ہاں میں نے اوسے برکت دی اور اوسے بارآور کیا اور اوسے بہت کچھ فضیلت دی۔ اوس سے بارہ سردار (امام) پیدا ہونگے اور میں اوسکو ایک بڑی قوم کرونگا۔

مندرجہ بالا توراۃ کی عبارت و الفاظ الہامی سے۔ جناب اسمعیل کی ولادت بشارت الٰہی کے متعلق ہونا۔ پورے طور سے ثابت ہو گیا۔ اور آپ کا پاکیزہ وجود۔ پاکیزہ خلقت کی عظمت اور قدر و منزلت کما حقہٗ ظاہر ہو گئی۔ اور پھر ایسے صحیح اسناد اور قوی شہادت کے طریقے سے کہ عرب کے مورخین کا کوئی قول یا اون کی کوئی قومی روایت اسکے متعلق نہیں لکھی گئی ہے۔ جو کچھ ہے وہ توراۃ کے مقدس الفاظ و عبارت سے۔ ہم اسی سلسلہ میں توراۃ سے ایک دوسری بشارت بھی نقل کرتے ہیں۔ کتاب اول (تکوین) آیت ۱۲۔ ۱۳ و ۲۰ میں ہے۔

ابراہیم سے خدا نے کہا کہ تیری نظروں میں بُرا نہ معلوم ہو۔ اس لڑکے اور اس لونڈی کی وجہ سے۔ جو کچھ تجھے سارا کہتی ہے اُسکی بات مان لے۔ کیونکہ اسحاق سے تیری نسل کہلائے گی۔ اور اس لونڈی کے لڑکے کو بھی۔ میں ایک قوم کرونگا کیونکہ وہ بھی تیری نسل ہے۔

اسحٰق کی اسمٰعیل پر ترجیح کا غلط مسئلہ

یہود تو یہود۔ عیسائی بھی اونکے دیکھا دیکھی اور کچھہ اپنی حسد و نفسانیت اور مخالفت اسلام کے باعث سے بھی ایسی صاف اور روشن بشارتوں کی موجودگی میں بھی۔ کہتے ہیں کہ خدا نے اسمٰعیلؑ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اوسکی اولاد میں بارہ سردار ہونگے چنانچہ حضرت اسمٰعیلؑ کے بارہ بیٹے جو بمنزلہ بارہ بادشاہوں یا بارہ سرداروں کے تھے۔ پیدا ہوئے۔ اور جس برکت دینے کا وعدہ اسمٰعیلؑ سے کیا گیا تھا وہ دنیاوی برکت تھی۔ روحانی برکت نہیں مراد تھی۔ مگر یہ تاویل کسی طرح صحیح نہیں۔

ہر ایک منصف مزاج اِن آیتوں کو پڑھکر معلوم کرلیگا کہ اِن میں جدا جدا تین لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ اوّل یہ کہ میں نے اسکو برکت دی دوم یہ کہ میں نے اوسے بارآور کیا اور بہت کچھہ فضیلت دی۔ سوم یہ کہ میں اوسکو بڑی قوم کرونگا۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ ان آیتوں میں جدا جدا تین لفظوں اور فقروں کے ایک ہی معنی ہیں؟ یعنی اولاد کا زیادہ ہونا۔ اب مساوات کی حقیقت ملاحظہ ہو۔

حضرت اسحاق جب بیر شبع پر پہونچتے ہیں تو خواب میں خدا اونسے فرماتا ہے۔

اے اسحاق۔ میں تیرے باپ کا خدا ہوں۔ تو مت ڈر۔ میں تیرے ساتھہ ہوں۔ میں تجھکو برکت دونگا اور اپنے بندے ابراہیم کے سبب سے تیری نسل کو بہت کرونگا۔ توراۃ تکوین ۲۰-۲۴-

جس مضمون کا وعدہ حضرت اسمٰعیل سے کیا گیا اور جو لفظ برکت کا اسمٰعیل کے وعدے میں استعمال کیا گیا۔ اوسی مضمون کا وعدہ اسحاق سے بھی کیا گیا اور وہی لفظ برکت کا اسحاق کے وعدے میں بھی کہا گیا۔ پھر یہ کہنا کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اسمٰعیلؑ سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ دنیاوی تھا اور اسحاق سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ روحانی تھا۔

اِس بات پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ خدا نے حضرت ابراہیم سے کیا وعدہ کیا تھا۔ توراۃ میں ہے۔

جب ابراہیم کنعان میں پہونچے تو خدا نے اونسے کہا کہ یہ زمین جو تو دیکھتا ہے۔ میں تیری اولاد کو دونگا (تکوین باب ۱۲ آیت ۷)

پھر جب حضرت لوط حضرت ابراہیمؑ سے جدا ہوئے تو پھر خدا نے ابراہیم سے کہا کہ:۔

اے ابراہیم آنکھیں کھول اور چاروں طرف دیکھہ کہ یہ زمین جو تو دیکھتا ہے تیری اولاد کو دوں گا اور تیری اولاد کو زمین کی ریت کے مانند کروں گا۔ جو کوئی ریت کو گن سکے تو تیری اولاد کو بھی گن سکے گا۔
(تکوین باب ۱۵ آیت ۵)

پھر خدا نے ایکبار ابراہیم سے کہا:۔

خدا نے ابراہیم سے پختہ وعدہ کیا کہ تیری اولاد اتنی ہوگی جتنے آسمان کے تارے، جنکو کوئی گن نہیں سکتا
(تکوین باب ۱۳-۱۴-۱۵-۲۰)

پھر خدا نے ابراہیم سے ارشاد کیا :-

خدا نے ابراہیم سے وعدہ کیا کہ یہ زمین مصر کے دریا سے فرات کے دریا تک تیری اولاد کو دوں گا -
(تکوین باب ۱۵/۱۸)

جب ابراہیم ننانوے (۹۹) برس کے ہو گئے۔ تو خدا نے اون سے کہا :-

مجھ میں اور تجھ میں وعدہ ہوتا ہے کہ میں تجھ کو زیادہ سے زیادہ کرونگا۔ تو بہت سی قوموں کا باپ ہوگا۔ تجھ سے قومیں پیدا ہونگی۔ تجھ سے بادشاہ نکلیں گے۔ اور تیری اولاد سے بھی ہمیشہ کا عہد ہوگا۔ اور کنعان کی زمین تو تجھے وراثت دائمی میں دونگا۔ (تکوین باب ۱۷ آیت ۱-۲-۳-۴-۵-۶-۷-۸)

یہ تو وہ وعدے تھے۔ جو خدا نے ابراہیم سے کئے تھے۔ اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خدا نے اسحاقؑ و یعقوبؑ سے کیا کیا وعدے کئے تھے۔

معراج یعقوبؑ کے ذکر میں توراۃ کا بیان ہے :-

جب یعقوب بیر شبع سے حاران کیطرف روانہ ہوئے تو ایک مقام پر پتھر سرہانے رکھکر سو گئے۔ خواب میں دیکھتے ہیں کہ ایک سیڑھی آسمان تک لگی ہوئی ہے۔ اور خدا کے فرشتے اوس پر چڑھتے اترتے ہیں۔ اس (سیڑھی) پر خدا نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں تیرے باپ ابراہیم و اسحاق کا خدا ہوں۔ یہ زمین جس پر تو سوتا ہے تجھ کو اور تیری اولاد کو دیتا ہوں۔ تیری اولاد زمین کی ریت کے برابر ہوگی۔ اور چاروں طرف پھیلے گی۔ (تکوین باب ۲۸ آیت ۱۲-۱۳-۱۴)

زبور داؤدی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خدا نے ابراہیم سے جو وعدہ اور عہد کیا تھا وہی بعد کو بھی قائم رہا اور وہ صرف کنعان کی زمین دینے کا وعدہ تھا۔ چنانچہ زبور میں خدا کا کلام اسطرح لکھا ہے :-

جو عہد میں نے ابراہیم سے کیا اور اسحاق سے اوسکی قسم کھائی اور یعقوب کے ساتھ بمنزلہ قانون مقرر کیا اور اسرائیل سے عہد دائمی کیا اور کہا کہ زمین کنعان تجھے دیتا ہوں۔ تاکہ تیری میراث کا حصہ ہو
(زبور آیات ۱-۵-۹-۱۰-۱۱)

اب دیکھنا چاہیئے کہ اسی وعدہ کا پورا کرنا خدا نے نباہا یا نہ تھا۔ اسکی نسبت توراۃ میں لکھا ہے۔

جب حضرت موسیٰ موآب کے جنگل میں۔ نبو پہاڑ پر چڑھے۔ جو یریحو کے سامنے ہے۔ تو خدا نے موسیٰ سے کہا کہ یہ وہ زمین ہے جسکی نسبت میں نے بقسم ابراہیم و اسحاق و یعقوب سے وعدہ

کیا تھا کہ تمہاری اولاد کو دونگا میں یہ زمین میں تجھے آنکھوں سے دکھلا دیتا ہوں۔ مگر تو وہاں نہیں جائیگا۔ (کتاب پنجم باب ۳۴)

الغرض۔ یہ تمام وعدہ جو خدا نے ابراہیمؑ اسحاقؑ۔ اور یعقوبؑ سے کئے تھے۔ ہم نے منتخب کر کے ہر منصف مزاج پڑھنے والے کے سامنے رکھدئے ہیں۔ اب اسکے بعد ہم دو سوال کرتے ہیں۔

اول یہ کہ جو وعدے خدا نے ابراہیمؑ کی اولاد کے لئے کئے ہیں۔ وہ وعدے اسماعیل اور اسحاق دونوں کے حق میں کیوں نہیں سمجھے جائیں گے۔ حالانکہ خود خدا نے بھی کہا ہے کہ اسماعیل بھی ابراہیمؑ کی اولاد سے ہے۔ جیسا کہ تکوین باب ۲۱ میں مذکور ہے۔ اور بہت بڑی دلیل مشترک ہونے کی یہ ہے کہ بشارۃ کے تمام الفاظ عموماً اولاد کا لفظ خاص بتلاتے ہیں جس سے اسحاق و اسماعیل بدرجہ اولیٰ اور تمام اولاد ابراہیمی بمرتبہ آخری مشترک اور شامل سمجھی جائے گی۔ ان بشارتوں سے خاص اولاد اسحاق بتلانے والوں کو لازم ہے کہ اپنی اس تخصیص کے لئے وہ مرقومہ بالا عبارات توراۃ میں پہلے خاص اسحاق یا آلِ اسحاق کا نام لکھا ہوا ثابت کریں۔ بغیر اسکے وہ ہرگز تخصیص ثابت نہیں کر سکیں گے ہمیشہ اس سے تعمیم ہی مراد ہوگی جو عین مدعا اس الہام ہے۔

دوم یہ کہ جو وعدہ خدا نے اسحاق و یعقوب سے کیا تھا یعنی ملک کنعان کا دینا اور اولاد کا زیادہ کرنا۔ ان میں وہ کیا ایسی چیز ہے جس سے یہ روحانی قسم کا وعدہ سمجھا جاتا ہے۔ اور جو وعدہ اسمٰعیل کی نسبت کیا گیا ہے اس میں کس چیز کی کمی ہے جس سے وہ دنیاوی سمجھا جاوے۔

جو لوگ انصاف سے ان باتوں پر نظر کرتے ہیں وہ یقین جانتے ہیں کہ خدا نے اسحاق سے بھی برکت کا وعدہ کیا۔ اون کی اولاد میں انبیا پیدا ہوئے ملک فتح کئے۔ کنعان بھی فتح کیا۔ اسی طرح اسمٰعیل کی اولاد میں بھی جیسا کہ خدا نے اون سے بھی برکت کا وعدہ کیا تھا۔ پہلے شعیبؑ پھر ایوبؑ اور سب سے آخر پیغمبر آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پیدا ہوئے تمام دنیا اون کی برکت سے بھر گئی۔ اسمٰعیل کی اولاد نے بھی ملک فتح کئے کنعان کو جو غیر خدا پرستوں کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔ پھر فتح کیا اور پھر ابراہیمؑ ہی کی نسل میں اوس ورثہ کو لے آئے۔ اور جب تک خدا کی مرضی ہے وہ ابراہیمؑ کا ورثہ اونکے حصہ میں رہیگا۔ اگرچہ تمام اصلی تصرف خدا ہی کی ذات کو ہے اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہِ زَائِلٌ۔

یہ بحث ہم نے مرحوم ڈاکٹر سر سید کی خطبات احمدیہ سے نقل کی ہے۔ سر سید کے اس اقتباس سے جو کہ یہاں تک اتفاق ہے جہاں تک لائق مصنف نے حضرت اسحاق و اسمٰعیل کی روحانی عظمت و اقتدار اور ذاتی شرف و افتخار میں باہمی مساوات ثابت کی ہے اور مخالفین اسلام کی اون تاویلات مہملہ اور توہمات باطلہ کی

تردید فرمائی ہے۔ جو اپنے تعصب مذہبی اور نفسانیت ذاتی کی بنا پر خواہ مخواہ حضرت اسحاق کو جناب اسمٰعیل پر ترجیح دئے جانے کیلئے مٹے جاتے ہیں۔ اس مجبہ کو سید صاحب کے موجودہ مختار ہیں ان مطالب مقاصد سے ہرگز اتفاق نہیں ہوسکتا۔ جنکو انھوں نے اپنی تحقیق کی کمی محققین یورپ کی بیجا تقلید اور بے ضرورت عقیدت کیوجہ سے تحریر فرمائے ہیں۔ جن کی تنقید و تصحیح بہت جلد ہمارے سلسلہ بیان سے ظاہر ہوگی۔

مرحوم سید صاحب مخالفین اسلام کو اتنا بتلا ناضرور سہو فرما گئے ہیں کہ شواہد مرقومہ بالا کچھ احکام ربانی اور الہام یزدانی ہونے کا تنہا شرف نہیں رکھتے۔ بلکہ اوسوقت سے لیکر اس وقت تک تاریخی واقعات میں داخل ہوگئے ہیں۔ اور وہ اسطرح کہ فی الحال اولاد اسحاق و اسماعیل سے کرہ زمین کا کوئی حصہ اور کوئی گوشہ خالی نہیں بتلایا جاسکتا۔ اور اون کی لاتعداد کثرت اولاد میں شمار کرکے کوئی یہ نہیں بتلاسکتا کہ اسحاق کی اولاد زیادہ ہے یا اسماعیل کی۔ تو پھر اسماعیل کی اولاد اسحاق کی اولاد کے مقابلہ میں کیسے کم سمجھی جائے گی۔ اور پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اسحاق کے ساتھ جو وعدہ برکت تھا وہ روحانی تھا اور جو اسماعیل کے ساتھ تھا وہ دنیاوی تھا۔

توراۃ کی مذکورہ بالا بشارتیں۔ جو حضرت ابراہیم اور اونکے صاحبزادوں کے متعلق ابواب و اسفار کے آیات میں متواتر مرقوم ہیں۔ صاف صاف بتلارہی ہیں کہ باعتبار ذاتی اقتدار و عظمت اور افتخار منزلت۔ اسحاق و اسمٰعیل دونوں حضرات مساوی فی الدرجات ہیں۔ اور ایسے کہ ایک چنے کی دو دال۔

حضرت اسمٰعیل کی پرورش

یہاں تک ہم اوپر لکھ کر بتلا آئے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل جناب ابراہیم کی خاص دعا سے پیدا ہوئے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اور بالکل اصول فطرت کے مطابق کہ جس ماں باپ کے ہاں ایسا ارمانوں والا بچہ ہوگا وہ اونکو کتنا عزیز ہوگا۔ اور پھر وہ بچہ بھی کیسا۔ جس کی عظمت اور فضیلت کی خبر بشارت خداوندی پہلے سے دے چکی ہو جس کی مقدس نسل سے بارہ سردار (امام) پیدا ہونے والے ہوں جس کی مبارک صلب سے عظیم ترین قوم وجود میں آنیوالی ہو جس کی نمود اولاد ارض اللہ کی وارث ہونے والی ہو۔ اور اقوام و ممالک مختلفہ پر حکمرانی کرنے والی ہو اور جہانبانی۔ جس کے اعقاب و اخلاف سے مشاہیر اور اکابر علما و فضلا۔ صلحا اور عقلا وجود پذیر ہونے والے ہوں اور ان سب کے علاوہ۔ اسی کی مقدس نسل اوسی کی مطہر صلب سے۔ رسالت کا خصر آخر۔ نبوت کا متمم۔ اور دعوت الٰہی کا خاتم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ظہور پذیر ہونیوالا ہو۔

حضرت ابراہیم خدا کے برحق رسول تھے اور سچے پیغمبر۔ وہ اسماعیل اور اونکے اعقاب اخلاف کے متعلق بشارات اللہ پاچکے تھے۔ ان تمام امور سے واقف ہوکر حضرت ابراہیم کے دل میں ایسے ذولقدر

اور عالی منزلت صاحبزادے کی کیسی اور کتنی محبت ہوگی۔ اسکے بیان و اندازہ کی ضرورت نہیں۔ حضرت اسماعیل سترہ برس تک اپنے والد بزرگوار کے دامن عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔ اور اپنی والدہ گرامی قدر کے آغوش مبارک میں آرام و آسایش ان کی خاطرداری اور نازبرداری کچھ ابراہیمؑ و ہاجرہ ہی تک موقوف نہیں تھیں بلکہ ولادت اسحاق کے پہلے حضرت سارہ کے اشفاق و توجہ بھی ایسی ہی تھی۔ مگر مشیت کو اسماعیل سے بڑے بڑے کام لینے تھے۔ اور اوسکے نامحدود نظام کو ان کے ذریعہ سے اوس قطعہ زمین کی آبادی منظور تھی۔ جہاں انسانی بود و باش کا تصور ہی گویا اوسوقت محالات و ناممکنات سے تھا اس ضرورت سے۔ خدائے مقلب القلوب نے حضرت سارا کے دل میں ولادت اسحاقؑ کے بعد ہی اسماعیل کی طرف سے محبت کی جگہ نفرت پیدا کر دی۔ اور اون کے خصائص ذاتی کو اوسوقت بالکل معمولی طبیعت کے انداز و پیمانہ پر معطوف فرما دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جیسا کہ حضرت ابراہیم کے حالات میں اوپر قلمبند ہو چکا ہے کہ بالآخر حضرت ابراہیم نے سارا کے اصرار پر اصرار اور خدا کے ارشاد و استرضا کے مطابق اسماعیلؑ اور اون کی ماں کو بادل گراں اور باچشم گریاں شہر کنعان سے مکہ معظمہ پہونچا دیا۔ مگر کس حال میں ؟ حزن و ملال کے ایسے نامحدود اور غیر متحمل عالم میں کہ کسی طرح اپنی محترم بی بی اور مغتنم فرزند کی مفارقت کا صدمہ برداشت کے قابل نہیں تھا مگر رضاً بقضائہٖ و تسلیماً لامرہٖ کے اصول مسلمہ پر قایم رہ کر اون کی جانگزا مفارقت پر صبر کر لینا تھا چنانچہ آپ کے اس صبر و شکیبائی کی تصدیق توراۃ نے ان الفاظ میں فرمائی۔

> سارہ کی یہ فرمایش۔ بی بی اور بچہ کی خاطر سے ابراہیم کو سخت ناگوار معلوم ہوئی اور خدا نے اوسی وقت یہ کہہ کر ابراہیم کی تسکین و تسلی فرمائی کہ سارا کا کہنا تمکو بی بی اور بچہ کی خاطر سے ناگوار نہونا چاہیئے۔

ذبح اسماعیل کا واقعہ

مکہ میں سکونت فرما ہونیکے وقت سے لیکر واقعہ قربانی تک کے سارے واقعات پوری تفصیل سے جناب ابراہیم کے حالات میں اوپر درج ہو چکے ہیں۔ اون کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ قربانی کا واقعہ جناب ابراہیم و اسماعیل کے زمانہ کا عظیم الشان واقعہ ہے اور ان دونوں حضرات کے کمال معارف اور انتہائے صبر و رضا کا عدیم النظیر کارنامہ جس کی تفصیل بھی گو سیدا عہد ابراہیمی میں اوپر بیان ہو چکی ہے مگر اوسکے متعلق ایک تحقیق تنقیح طلب ہے اور وہ میرے لئے نہایت ضروری ہے۔

قربانی کا مسئلہ قدیم سے اسلام اور غیر اسلامی مذاہب میں مختلف فیہ چلا آتا ہے۔ یہود اور انکی کورانہ تقلید اور متعصبانہ تائید میں عیسائی اسحاق کو ذبیح قرار دیتے ہیں [illegible] اسلامی مورخین علی الاکثر اسماعیلؑ کو مخالفین اسلام تو واقعہ ذبح کے متعلق اسماعیل کا ضمناً و کنایۃً نام ہی نہیں لیتے۔ مگر اسلامی مورخین و محدثین

میں اسکی نسبت دو فرقے ہوگئے ہیں۔ ایک اسحاق کو ذبیح اللہ بتاتا ہے دوسرا اسماعیل کو۔ ان باہمانہ
اختلاف سے غیر اسلامی مورخین کے غلط استدلال میں قوت آگئی ہے۔

اسی وجہ سے ڈاکٹر سید احمد خاں حضرت اسحاق کو ذبیح اللہ لکھتے ہی نہیں بلکہ ضرورت سے زیادہ مصر ہیں
سید صاحب کے اس مختار رجحان تک نظر ڈالی گئی ہے اور غور کیا گیا ہے جس کو انہوں نے اپنے غلط اصرار
کے تقاضہ سے خطبات احمدیہ کے متواتر مقالات پر زیب قلم فرمایا ہے۔ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اونکی
اس رائے کی بنا اسلامی مورخین و محدثین کے مختلف مرویات پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ وہ تمامتر توراۃ کی عبارات
اور یہود و نصاریٰ کی تحقیقات اور یکطرفہ فیصلہ جات پر قائم ہے۔ اور چونکہ سید صاحب کا استدلال ہمیشہ سے
کتب قدیمہ اور غیر اسلامی مورخین و محققین کا اخبار و آثار سے مستنبط و مستخرج ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ سے انہیں
کے اقوال و اسناد کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔ اسلئے اونھوں نے واقعہ قربانی میں بھی حضرت اسحاق ہی کو ذبیح اللہ
تسلیم کرلیا۔

سید صاحب کی اس غلط فہمی کی ہم پیچھے اصلاح و ترمیم کریں گے۔ ابھی ہم غیر اسلامی اقوام کے اس دعوی
کی کہ اسحق ہی ذبیح اللہ حقیقی تھے تردید و تنقید پیش کرتے ہیں۔ اس بحث پر مولوی شبلی صاحب نے سیرۃ النبی
میں جو محققانہ رائے قائم کی ہے۔ اوس سے ہمکو پورا اتفاق ہے اور ہم اوسی کی نقل کو اپنے ادائے مدعا کے
لئے کافی سمجھتے ہیں۔ اون کی عبارت منقول عنہ یہ ہے۔

ذبیح کون ہے

توراۃ اگرچہ یہودیوں کی عدم احتیاط۔ اغراض ذاتی اور زمانہ کے انقلابات سے
سرتاپا مسخ ہوگئی ہے اور خصوصاً حضرت خاتم کے متعلق اسمیں جو تصریحات و تلمیحات
تھیں یہود کے دست تصرف نے اونکو بالکل برباد کردیا ہے۔ تاہم حقائق کے عناصر اب بھی ہر جگہ موجود ہیں
توراۃ میں گو تصریحاً حضرت اسحاق کا ذبیح ہونا لکھا ہے۔ لیکن خود اوسی کے کلام میں اس بات کے قطعی دلائل
موجود ہیں۔ کہ وہ ہرگز ذبیح نہ تھے اور نہ ہو سکتے تھے۔ امور ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

(۱) شریعت سابقہ کے رو سے قربانی صرف اسی جانور یا آدمی کی ہوسکتی تھی جو پہلوٹا بچہ ہو۔ اسی بنا پر بنی اسرائیل
نے جن بیٹوں کی قربانی کی تھی وہ سب پہلوٹے بچے تھے۔ خدا نے حضرت موسیٰ سے جہاں لاویوں کے
متعلق احکام ارشاد فرمائے۔ وہاں فرمادیا ہے۔

کہ ان لی کل بکر فی بنی اسرائیل من الناس والبہائم کیونکہ بنی اسرائیل میں۔ آدمی اور جانور کا ہر پہلوٹا بچہ میرے لئے ہے۔
(توراۃ۔ کتاب الاعداد۔ آیت ۳و۷)

(۲) پہلوٹے بچہ کی فضیلت کسی حالت میں زائل نہیں ہوسکتی۔ توراۃ میں ہے کہ اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں

ایک مرغوب ہو اور ایک غیر مرغوب، تو فضیلت اوسی اولاد کو ہوگی جو پہلوٹی ہو گو وہ غیر مرغوب سے ہو۔ فانہ اول قدرتہ ولہ حق البکوریۃ (سفر تثنیہ اصحاح باب ۲۱ آیت ۱۵-۱۷)

(۳) جو اولاد خدا کو نذر کر دیجاتی تھی اوسکو باپ کا ترکہ نہیں ملتا تھا۔ توراۃ میں ہے۔

فی ذالک الوقت افرز الرب سبط لاوی لیحملوا تابوت عہد الرب ولکی یقفوا امام الرب لیخدموہ ویبارکوا باسمہ الی ہذا الیوم لاجل ذالک لم یکن للاوی قسم ولا نصیب مع اخوتہ الرب ہو نصیبہ

تب خدا نے لاوی کی اولاد کو اس لئے مخصوص کر لیا کہ خدا کے عہد کا تابوت اوٹھائے۔ اور تاکہ خدا کے آگے کھڑا ہو تا کہ وہ خدا کی خدمت کریں۔ اور اوسکے نام سے آجتک برکت لیں۔ یہی وجہ ہے کہ لاویوں کو اپنے بھائیوں کے ساتھ اور ترکہ نہیں ملا کیونکہ انکا حصہ خدا ہے (توراۃ تثنیہ اصحاح باب ۱۰ و ۹)

(۴) جو شخص خدا کے نذر کیا جاتا تھا وہ سر کے بال چھوڑ دیتا تھا اور معبد کے پاس جا کر منڈاتا تھا جس طرح آج حج میں احرام کھولنے کے وقت بال منڈاتے ہیں۔ توراۃ میں ہے۔

فہا انک تحبلین وتلدین ابنا ولا یعلو موسی راسہ لان الصبی یکون نذیرا للہ۔

(توراۃ قضاۃ۔ اصحاح باب ۱۳)

اب تو حاملہ ہوگی۔ اور بچہ جنیگی۔ اور اوسکے سر پر استرا نہ پھیرا جائے کیونکہ یہ بچہ خدا کے لئے نذر کیا جائیگا۔

(۵) جو شخص خدا کا خادم بنایا جاتا تھا۔ اوسکے لئے۔ خدا کے سامنے کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔ توراۃ سفر عدد ۶-۱۶ و ۲۰-۳ و سفر تکوین ۱۸-۱ و سفر تثنیہ ۱۰-۸)

(۶) حضرت ابراہیم کو بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا تھا۔ اسمیں قید تھی کہ وہ بیٹا قربانی کیا جاوے۔ جو اکلوتا ہو اور محبوب ہو۔ (توراۃ تکوین۔ اصحاح ۲۲ آیت ۲)

اب اصل مسئلہ پر غور کرو۔ لیکن پہلے یہ بتلا دینا ضرور ہے کہ حضرت ابراہیم کی شریعت میں قربانی کرنا اور خدا پر چڑھانا۔ ایک بات تھی۔ یعنی دونوں کے لئے ایک ہی لفظ استعمال کرتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بچہ کو فلاں معبد میں قربانی چڑھا دو تو اوسکے یہ معنی تھے کہ وہ اس معبد کی خدمت اور مجاورت کیلئے ہمیشہ کیلئے الگ کر دیا جائے۔ لیکن یہ لفظ جب جانوروں کیلئے استعمال کیا جاتا تھا تو حقیقی قربانی کے معنی مراد ہوتے تھے۔ توراۃ میں خدا کی زبان سے مذکور ہے کہ لانّ لی کل بکر فی بنی اسرائیل من الناس والبہائم۔ کیونکہ بنی اسرائیل میں آدمی اور جانور کا ہر پہلوٹا بچہ میرے لئے ہے۔

اسی اصحاح میں تصریح کے ساتھ مذکور ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ تم بنی اسرائیل میں سے بنی لاویوں کو لو اور اونکو خدا کے سامنے پیش کرو کہ خدا کیلئے خاص کر دئے جائیں اور یہ لوگ دوسروں کے سر پر ہاتھ

رکھ دیں جو قربانی کی جائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں بیٹے کی جو قربانی کا حکم ہوا تھا۔ اس سے یہی مراد تھی کہ بیٹے کو معبد کی خدمت کیلئے نذر چڑھا دیں۔ حضرت ابراہیم نے پہلے اس خواب کو عینی اور حقیقی سمجھا اور اسلئے اسکی بعینہ تعمیل کرنی چاہی لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ وہ تمثیلی خواب تھا۔ اس بنا پر حضرت ابراہیم نے بیٹے کو خانہ خدا کی خدمت کیلئے خاص کر دیا اور جو شرطیں قربانی کی تھیں قائم رکھیں۔

بیان مذکورہ بالا کو ذہن نشین کرنے کے بعد دلائل ذیل پیش نظر رکھنے چاہئیں۔

(۱) حضرت اسحاقؑ کی ولادت حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد ہوئی اس بنا پر حضرت اسحاقؑ اکلوتے بیٹے نہیں۔ اور چونکہ قربانی کے لئے اکلوتے بیٹے کی شرط ہے۔ اسلئے حضرت اسحاق کی قربانی کا حکم نہیں ہو سکتا تھا۔

(۲) حضرت اسحاق کو حضرت ابراہیمؑ نے اپنا تمام ترکہ دیا بخلاف اسکے حضرت اسماعیل کو اور انکی والدہ کو صرف پانی کی ایک مشک دیکر رخصت کیا۔ یہ اس بات کی دلیل کا قطعی قرینہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسحاق کو قربانی یعنی معبد پر نذر نہیں چڑھایا تھا۔

(۳) حضرت اسماعیل کے خاندان میں مدت تک یہ رسم قائم رہی کہ لوگ سر کے بال نہیں منڈاتے تھے حج میں احرام کے زمانہ تک سر نہیں منڈاتے۔ یہ اسی سنت اسمٰعیلی کی یادگار ہے۔

(۴) جو الفاظ قربانی اور نذر چڑھانے کیلئے ملت ابراہیمی میں استعمال کئے جاتے تھے۔ وہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کے لئے استعمال کئے نہ حضرت اسحاق کیلئے۔ توراۃ میں ہے کہ جب خدا نے ابراہیم کو اسحاق کی ولادت کی خوشخبری دی تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا۔

لَیْتَ اِسْمٰعِیْلَ یَعِیْشُ اَمَامَکَ	کاش اسماعیل تیرے سامنے زندہ رہتا۔

توراۃ میں جہاں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے (سامنے زندہ رہنا) اسی معنوں میں ہوا ہے۔

(۵) حضرت اسمٰعیل حضرت ابراہیم کے محبوب ترین اولاد تھے۔ توراۃ جو تمامتر حضرت اسحاق کی یکطرفہ داستان ہے اسمیں حضرت اسحٰق اور حضرت اسماعیل کے جو امتیازی خصائص بیان کئے ہیں یہ ہیں کہ حضرت اسحاق خدا کے وعدہ اور عہد کا مظہر ہیں۔ اور حضرت اسمٰعیل دعوت ابراہیم ہیں۔ یعنی حضرت ابراہیم کی دعا اور خواہش سے پیدا ہوئے۔ اسی بنا پر خدا نے انکا نام اسماعیل رکھا۔ کیونکہ اسماعیل دو لفظوں سے مرکب ہے۔ سمع اور ایل سے۔ سمع کے معنی سننے کے اور ایل کے معنی خدا کے ہیں۔ یعنی خدا نے ابراہیم کی دعا سن لی۔ توراۃ میں ہے کہ خدا نے ابراہیم سے کہا کہ اسماعیل کے بارے میں میں نے تیری سن لی۔ حضرت ابراہیم کو جب خدا نے حضرت اسحاق کی خوشخبری دی تو اس موقع پر بھی حضرت اسماعیل کو

یاد کیا۔ غرض چونکہ ابراہیم کو قربانی کا حکم ہوا تھا۔ اسمیں قید تھی کہ محبوب ترین بیٹا ہو اسلئے اسماعیل ہی ذبیح ہو سکتے ہیں نہ حضرت اسحاق۔

(۶) حضرت اسحاق کی جب خدا نے بشارت دی تو ساتھ یہ بھی بشارت دی کہ میں اسکی نسل سے ابدی عہد باندہوں گا۔ توراۃ میں ہے۔

پھر خدا نے کہا بلکہ تیری بیوی سارہ تیرے لئے ایک بیٹا جنے گی اور تو اوسکا نام اسحاق رکھے گا۔ اور میں ابدی عہد اوس کی نسل سے قایم کرونگا۔ (توراۃ تکوین باب۱۷ آیت ۱۸)

اس اجمال کی تفسیر یہ ہے کہ توراۃ میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے بیٹے کو قربانی کرنا چاہا اور فرشتہ نے ندا دی کہ ہاتھ کو روک لو۔ تو فرشتہ نے یہ الفاظ کہے۔

خدا کہتا ہے کہ چونکہ تونے ایسا کام کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو بچا نہیں رکھا۔ میں تجہ کو برکت دوں گا۔ اور تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور ساحل بحر کی ریتی کی طرح پھیلا دونگا۔ (تکوین باب ۲۲/۱۵)

اب غور کرو۔ کہ خدا نے جب حضرت اسحاق کی بشارت ہی کے وقت یہ کہدیا تھا کہ میں اسکی نسل قایم رکھوں گا۔ تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ جسوقت تک حضرت اسحاق کی اولاد نہیں پیدا ہوئی تہی۔ اون کی قربانی کا حکم ہوتا۔ لیکن حضرت اسمٰعیل کو ذبیح تسلیم کیا جائے تو تمام نصوص منطبق ہو جاتے ہیں حضرت اسماعیل اکبر اولاد تھے۔ محبوب تر تھے۔ قربانی کے وقت بالغ یا قریب بلوغ تھے۔ قربانی سے پہلے انکی کثرت نسل کی بشارت نہیں دی گئی۔ توراۃ میں تصریح ہے کہ چونکہ ابراہیم نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کرنا چاہا۔ اسلئے اس بیٹے کے کثرت نسل کا وعدہ کیا گیا۔ یعنی یہ کثرت نسل اسی قربانی کے صلہ میں تھی۔ اسلئے ذبیح حضرت اسماعیل ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ حضرت اسحاق کی تکثیر نسل کا وعدہ تو اون کی ولادت ہی کے وقت ہو چکا تھا۔ جو کسی انعام و صلہ کے معاوضہ میں نہ تھا۔

(۷) مقام قربانی مکہ معظمہ تھا۔ جب قربانی اسماعیل کے واقعہ ہی سے انکار ہے تو پھر اوسکے موقع اور موضع سے بھی انکار مخالفین اسماعیل کے لئے ضروری تھا۔ اسلئے توراۃ میں قربانی گاہ کا جو موقع بتلایا گیا ہے وہ مریا ہے۔ یہودی کہتے ہیں یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت سلیمانؑ کا ہیکل تھا۔ عیسائی کہتے ہیں۔ اوس جگہ کا نام ہے جہاں حضرت عیسیٰ کو سولی دیگئی۔

لیکن یوروپ ہی کے محققوں نے ان دونوں دعووں کی تغلیط کی ہے۔ سر اسٹانلی SIR STANLEY

---

[1] تکوین ۱۷۔ ۱۸ [2] تکوین باب ۱۵ [3] تکوین باب ۲۲/۱۸

[4] یہ مسلم ہے حضرت اسحاق کی اولاد حضرت ابراہیم کی وفات کے بعد پیدا ہوئی۔ (تکوین باب ۲۵۔ آیت ۱۱)

لکھتے ہیں: —

حضرت ابراہیم صبح کے وقت اپنے خیمہ سے نکلکر اوس مقام پر گئے جہاں خدا نے انکو حکم دیا تھا۔ لیکن یہ موریا کا پہاڑ نہیں ہے جیسا کہ یہود کا دعویٰ ہے۔ نہ عیسائیوں کے خیال کے موافق قبر مقدس کے گرجا کے پاس ہے۔ یہ قیاس تو یہودیوں کے قیاس سے بھی زیادہ بعید ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ ابعد مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ وہ جبل عرفاۃ ہے۔ غالباً یہ مقام جرزیم کے پہاڑ پر ہے اور وہی قربانی گاہ سے مشابہ مقام ہے۔

اول تو یہ غلط ہے۔ مسلمان عرفاۃ کو نہیں بلکہ منیٰ کو قربانی گاہ سمجھتے ہیں۔ خیر مرقومہ بالا عبارت سے اتنا تو ثابت ہوا کہ موریا کے تعین میں یہودیوں اور عیسائیوں کے دعوے غلط ہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ مسلمانوں کا دعویٰ بھی غلط ہے۔ اسکی تحقیق آگے آتی ہے۔

موریا کی تعیین میں جو اختلاف پیدا ہوا اوس نے ایک اور اختلاف پیدا کر دیا۔ یعنی یہ کہ یہ لفظ کسی مقام کا نام ہے یا وصفی معنی رکھتا ہے۔ بہت سے مترجموں نے اسکو ایک مشتق لفظ سمجھا ہے اور اسلئے اسکا ترجمہ توراۃ کے بعض نسخوں میں ملوحات عالیہ اور بعض میں زمین بلند اور بعض میں مقام الرؤیا کیا ہے۔ لیکن زیادہ صائب الرائے لوگوں نے اسکو مقام کا نام سمجھا اور اسی لئے لفظ کا ترجمہ نہیں کیا۔ بلکہ بحال خود رہنے دیا۔ لیکن امتداد زمانہ اور بے پروائی سے لفظ کی ہیئت بدل گئی یعنی مریا کا مورہ ہو گیا۔ خصوصاً اسوجہ سے کہ عبرانی زبان میں دونوں لفظوں کا املا قریب قریب ہے۔

مورہ کی نسبت توراۃ میں تصریح ہے کہ عرب میں واقع ہے۔ توراۃ میں ہے: —

وکان جیش المدیانین شمالیھم عند تل مورۃ فی الوادی۔ (قضاۃ۔ باب ۷ آیت ۲)	اور مدیانیوں کی فوج۔ شمال کی جانب۔ مورہ کی پہاڑی پر وادی میں تھی (مدیان عرب میں واقع ہے)

تمام قراین اور واقعات کو پیش نظر رکھا جاوے تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ لفظ مورہ نہیں بلکہ مروہ ہے۔ جو مکہ معظمہ کی پہاڑی ہے اور جہاں اب سعی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔

عرب کی روایات۔ قرآن مجید کی تصریح۔ احادیث کی تعیین۔ تمام چیزیں اس قیاس سے اسقدر مطابق ہو جاتی ہیں کہ اس قسم کا تطابق بغیر صحت واقعہ کے ممکن نہیں تفصیل اسکی یہ ہے۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے مروہ کیطرف اشارہ کر کے فرمایا۔ قربانی گاہ یہ ہے۔ اور مکہ کی تمام

---

[۱] مدین عرب کی سرزمین ہے اور عرب کو اکثر مدیانیوں بھی کہتے ہیں۔ اور مدین کی زمین شام کے جنوب سے یمن کے شمال تک ہے اور یہ لوگ حضرت ابراہیم کی اولاد ہیں جو قطورا سے تھے۔ ضمیمہ بائبل صفحہ ۱۱۴۔

پہاڑیاں اور گھاٹیاں قربان گاہ ہیں۔ (موطائے امام مالک)

آنحضرت صلعم کے زمانہ میں مروہ میں قربانی نہیں ہوتی تھی جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ تاہم آنحضرت صلعم نے مروہ ہی کو قربانگاہ اصلی فرمایا۔ یہ اسی بنا پر تھا کہ حضرت ابراہیم نے یہیں حضرت اسماعیل کی قربانی کرنی چاہی تھی۔

قرآن مجید میں ہے۔

ثم محلها الی البیت العتیق	پھر قربانی کے جانوروں کی جگہہ کعبہ ہے
هدیا بالغ الکعبة	قربانی جو کہ کعبہ میں پہونچے۔

مروہ بالکل کعبہ کے مقابل اور اُسکے قریب ہے۔ ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی کی اصلی جگہ کعبہ ہی تھی منیٰ نہیں۔ لیکن جب حجاج کی کثرت ہوئی تو کعبہ کے حدود کو منیٰ تک وسعت دیدی گئی۔

قربانی کی یادگار یہودی حضرت اسحاق کی اولاد ہیں اسلئے اگر حضرت اسحاق ذبیح ہوتے تو اونکی کوئی یادگار انکے ہاں موجود ہوتی۔ بخلاف اسکے حضرت اسماعیل کے خاندان بلکہ تمام مسلمانوں میں جو حضرت اسماعیل کی روحانی اولاد ہیں۔ قربانی کی تمام رسمیں آجتک موجود ہیں۔

اولاد اسماعیل میں قربانی کی تمام یادگاریں موجود ہیں۔ اور حج جو ایک بڑا فریضہ اسلام ہے۔ تمامتر اسی قربانی کی یادگار ہے۔ چنانچہ اسکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) حضرت ابراہیم کو جب خدا نے بیٹے کی قربانی کا حکم دینا چاہا تو پکارا اے ابراہیم۔ حضرت ابراہیم نے کہا لبیک) میں حاضر ہوں (تکوین باب ۲۲) حج میں مسلمان جو ہر قدم پر لبیک کہتے جاتے ہیں یہ وہی ابراہیمی الفاظ ہیں جسکا ترجمہ وہی ہے۔ میں حاضر ہوں۔

(۲) شریعت ابراہیمی میں دستور تھا کہ جس کو قربان گاہ پر چڑہاتے تھے۔ یا خدا کے لئے نذر دیتے تھے۔ وہ بار بار معبد یا قربانگاہ کے پھیرے کرتا تھا۔

حج میں صفا و مروہ کے درمیان جو سات بار سعی کرتے ہیں یہ اُسی کی یادگار ہے۔

(۳) نذر کے فرائض میں ایک یہ تھا کہ ایام نذر تک بال نہیں کترواتے تھے۔ حج میں بھی یہی دستور ہے جب احرام اُتارتے ہیں۔ تب بال کترواتے یا منڈاتے ہیں۔ خود قرآن مجید میں ہے۔

محلقین رؤسکم او مقصرین	سروں کے بال منڈائے ہوئے یا کترائے ہو۔

(۴) حج کا ایک ضروری رکن قربانی ہے۔ یہ وہی حضرت اسمٰعیل کی قربانی کی یادگار ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ — حضرت اسمٰعیل کی قربانی کے بدلے ہم نے ایک بڑی قربانی قائم کی

یہ تو دلائل توراۃ کی تصریحات وکنایات کی بنا پر تھے۔ قرآن مجید کی رو سے قطعاً حضرت اسمٰعیل کا ذبیح ہونا ثابت ہے۔ اگرچہ بہت سے مفسروں نے غلطی سے یہودیوں ہی کی روایت کی تائید کی ہے۔ قرآن مجید میں قربانی کا واقعہ ان الفاظ میں مذکور ہے۔

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی

اور حضرت ابراہیم نے کہا کہ میں اپنے پروردگار کی طرف جاؤنگا وہ مجھ کو راہ راست دکھلائے گا۔ خدایا مجھ کو اولاد دے کہ جو نیک چلن ہو۔ تو ہم نے اوس کو ایک سمجھدار لڑکے کی خوشخبری دی۔ پھر جب وہ لڑکا اوسکے ساتھ چلنے لگا تو ابراہیم نے کہا کہ بیٹے۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تجھکو ذبح کر رہا ہوں۔ تیری کیا رائے ہے۔

آیات بالا میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم نے اولاد کیلئے دعا مانگی اور خدا نے قبول کی اور وہی لڑکا قربانی کیلئے پیش کیا گیا۔

توراۃ سے ثابت ہے کہ جو لڑکا حضرت ابراہیم کی دعا سے پیدا ہوا وہ حضرت اسماعیل ہیں اور اسی لئے اونکا نام اسماعیل رکھا گیا کہ خدا نے اونکے بارے میں حضرت ابراہیم کی درخواست سنی۔ اسی بنا پر اس آیت میں جسکا ذکر ہے وہ حضرت اسمٰعیل ہیں۔ اسحاق نہیں۔

قربانی کے واقعہ کی تفصیل اور اختتام کے بعد حضرت اسحاق کی ولادت کا ذکر ہے۔ اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ جسکا ذکر اوپر ہوا وہ حضرت اسحاق نہیں ہیں۔ بلکہ حضرت اسمٰعیل ہیں۔

مسلمانوں کا نام جو مسلم رکھا گیا۔ یہ وہ نام ہے جو حضرت ابراہیم نے ایجاد کیا تھا۔ قرآن مجید میں ہے۔

مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ — تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب اسی نے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا تھا

اس تسمیہ کی تاریخ قربانی سے شروع ہوتی ہے یعنی حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کو قربانی کرنا چاہا اور اون سے کہا کہ خدا کا یہ حکم ہوا ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے۔ تو حضرت اسماعیلؑ نے نہایت استقلال کے ساتھ گردن جھکا دی کہ یہ سر حاضر ہے۔ اس موقع پر خدا نے اَسْلَمَا کا لفظ استعمال کیا کہ جو اسلام سے ماخوذ ہے اور اسکے معنی تسلیم اور حوالہ کر دینے کے ہیں۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا — پھر جب دونوں نے اپنے آپکو ہمارے حوالہ کر دیا۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کا سب سے بڑا عظیم الشان کارنامہ تسلیم و رضا ہے۔ یعنی جب قربانی کا حکم

ہوا تو باپ بیٹے دونوں نے بے عذر گردنیں جھکا دیں۔ یہ وصف مقبول بارگاہ الٰہی ہوا۔ اور پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کا یہی شعار مذہبی قرار پایا۔ حضرت ابراہیم نے اپنے پیروان ملت کا نام مسلم[1] رکھا۔

قربانی۔ ایثار اور اسلام درحقیقت یہ سب مترادف الفاظ ہیں۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ حضرت اسماعیل ہی نے اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کیا تھا۔ اگر حضرت اسحاق قربانی ہوتے۔ تو یہ لقب اونکی اولاد یا اونکی امت کو ملتا۔

قربانی کی حقیقت

اس مسئلہ کی حقیقت اوسوقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے جب اسپر غور کیا جاوے کہ حضرت ابراہیم کو جو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا۔ اوس سے اصل مقصود کیا تھا۔ قدیم زمانہ میں بت پرست قومیں اپنے معبودوں پر اپنی اولاد کو بھینٹ چڑھایا کرتی تھیں۔ یہ رسم ہندوستان میں انگلش گورنمنٹ سے پہلے موجود تھی۔ مخالفین اسلام کا خیال ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی قربانی بھی اسی قسم کا حکم تھا لیکن یہ سخت غلطی ہے۔

اکابر صوفیہ نے لکھا ہے کہ انبیا علیہم السلام کو جو خواب دکھائے جاتے ہیں۔ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ عینی اور تمثیلی۔ عینی میں بعینہٖ وہی چیز مقصود ہوتی ہے جو خواب میں نظر آتی ہے۔ تمثیلی میں تشبیہ اور تمثیل کے پیرایہ میں کسی مطلب کو ادا کرنا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو خواب دکھلایا گیا تھا اوس سے یہ مراد تھی کہ بیٹے کو کعبہ کی خدمت کیلئے نذر چڑھا دیں۔ یعنی وہ کسی اور شغل میں مصروف نہ ہوں بلکہ کعبہ کی خدمت کیلئے وقف کر دیئے جائیں۔ توراۃ میں جابجا قربانی کا لفظ انہی معنوں میں آیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس خواب کو عینی خیال کیا اور بعینہٖ اوس کی تعمیل کرنی چاہی۔ مگر یہ خیال اجتہادی غلطی تھی جو انبیا سے ہو سکتی ہے۔ مگر یہ غلطی قائم نہیں رہتی۔ بلکہ خدا اوسپر متنبہ کر دیتا ہے۔ اس بنا پر گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام اس فعل سے روک دیئے گئے۔ لیکن خدا نے اون کی حسن نیت کی قدر کی اور فرمایا:۔

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ | تو نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ ہم اسی طرح نیکوکاروں کو جزا دیتے ہیں۔

بہرحال یہاں اس تفصیل سے یہ مقصود ہے کہ قربانی سے مقصود خدمت کعبہ کیلئے نذر چڑھانا تھا۔ نذر چڑھانے

[1] مولوی شبلی صاحب کا یہ قیاس اور ذاتی مختار ہے۔ ہم اسکی تحقیق و تنقید حضرت ابراہیم کے خاص حالات میں قلمبند کر آئے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ اس واقعہ سے کہیں پہلے حضرت ابراہیم کے لئے اسلم کا لفظ قرآن میں آچکا ہے۔ اسلئے قربانی کا واقعہ اسکا باعث تسمیہ نہیں ہو سکتا۔ اسلام کا نام خدا نے رکھا ہے نہ حضرت ابراہیم نے هو الذی سمٰکم کا خطاب منسوب ہے جس کی علی الاکثر مثالیں ادب و قواعد کی سند اور کتب موجود ہیں۔ المولف عفی عنہ۔

کے لئے شریعت سابقہ میں جو لفظ مستعمل تھا وہ "خدا کے سامنے" تھا۔ توراۃ میں یہ محاورہ نہایت کثرت سے آیا ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے حق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے جو دعا کی وہ ان لفظوں میں تھی۔ لَیْتَ اِسْمٰعِیْلَ یَعِیْشُ اَمَامَکَ۔ کاش اسماعیل تیرے سامنے زندگی کرتا۔

اسی خواہش کے مطابق اون کو خواب کے تمثیلی پیرایہ میں حکم دیا گیا کہ وہ بیٹے کی قربانی کریں۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم کو خواب میں حضرت اسحٰق کی قربانی کا نہیں بلکہ حضرت اسماعیل کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا۔ (سیرۃ النبی جلد اول از صفحہ ۹۰ تا صفحہ ۱۰۷ مطبوعہ کانپور)

اس حدیث کی تنقید جس کو سرسید نے ذبیح اسحاق کی تائید میں لکھا ہے۔

مولوی شبلی صاحب نے مسئلہ زیر بحث میں اپنے مرقومہ بالا دلائل و براہین کو بڑی تحقیق و تفتیش سے حضرت اسماعیل کے ذبیح اللہ حقیقی ہونے کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ جن کو دیکھ کر اور پڑھ کر ہر شخص بآسانی سمجھ لیگا۔ کہ واقعہ قربانی حقیقت میں حضرت اسماعیل سے متعلق ہے اور جناب اسحٰق سے اس کو کوئی سروکار نہیں۔ یہ صرف یہودیوں اور عیسائیوں کی نفسانیت اور تعصب ہے۔ جو خواہ مخواہ واقعہ قربانی اور اوس کے حقیقی موعود لہ اور اصلی مقام قربانی کو طرح طرح کی عالم فریب تاویلوں سے خلط ملط کر کے بدل رہے ہیں۔ شخص خاص کی شخصیت موقع کی اصلیت سب کی ادہر سے اودہر کر رہے ہیں۔ اون مقامات کے ایسے نام و نشان بتاتے ہیں جو نہ قدیم جغرافیہ میں پائے جاتے ہیں اور نہ حال کے جغرافیہ میں۔ سر اسٹانلی (SIR STANLEY) کی رائے جو اصلی قربانگاہ کے متعلق مولوی شبلی نے نقل فرمائی ہے۔ وہ میرے بیان کے ثبوت کیلئے کافی ہے۔ سرسید مرحوم بیرشبع۔ کوہ فاران وغیرہ کی نسبت۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے متعدد اور مختلف اقوال لکھ کر انکے اغوا اور عالم فریبی کے طومار لکھ چکے ہیں۔ جس کو ہم اوپر اونہیں کی تحریر سے نقل کر چکے ہیں۔ تعجب ہے کہ باوجود اتنی تردید و تنقید کے بھی سید صاحب کبھی کبھی اون کی تصدیق و تائید فرما ہی دیتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ مسئلہ قربانی سید صاحب کے موضوع تالیف میں نہیں تھا۔ تو یہ بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ سید صاحب نے تو خطبات میں اون تمام مسائل کا خاص طور پر انکشاف فرمایا ہے۔ جو اسلام اور غیر مذاہب میں متنازع فیہ تھے

قربانی کا مسئلہ اعظم ترین واقعہ ہے۔ جو بارگاہ رب العزت میں حضرت اسماعیل کی قربت منصوصہ اور عظمت مخصوصہ ثابت کرتا ہے۔ اور یہی وہ واقعہ ہے جو ضبط ابراہیمی۔ اور صبر اسماعیلی کی عدیم النظیر یادگار قائم کرتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ مقدس باپ اگر التابع لامر اللہ تھا تو اوسکا مبارک فرزند الراضی لمرضات اللہ پھر ایسے عظیم ترین واقعہ کو جس کی عظمت نصوص قرآنیہ سے ثابت ہے۔ سید صاحب کے ایسا اسلام کا شفیق محقق

بغیر تحقیق کے چھوڑ دے نہیں۔ سید صاحب نے اسکی تحقیق بھی فرمائی۔ مگر سوء اتفاق سے اس مسئلہ خاص میں اون کی توجہ اور خیالات زیادہ تر اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی تقلید و تائید کیطرف منعطف ہو گئے۔ اور آپ نے مخالفین کی اس عالم فریبی اور اغوا میں پڑکر وہی طریقہ اختیار کیا جو آپ سے پہلے اکثر اسلامی محدثین و مورخین اختیار کر چکے تھے۔ سید صاحب نے حقیقتاً کوئی نئی بات نہیں کی۔ بلکہ وہی جو قبل میں اکثر علماء کر چکے ہیں۔ سید صاحب سے جو فروگذاشت ہوئی وہ یہی اور اتنی ہی ہے کہ آپ نے اپنے دستور و عادت کے خلاف اپنے محققانہ سعی و کوشش سے اس مسئلہ خاص میں کام نہیں لیا۔ صرف نقل ہی پر اکتفا فرمائی۔ اگر ذرا سے تعمق اور غور سے کام لیا جاتا تو کتب قدیمہ کے انہیں اسفار و اخبار سے جسے وہ حضرت ابراہیم۔ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کے متعلق خطبات میں قلمبند کر چکے ہیں۔ اصل حقیقت کا انکشاف ہو جاتا۔ اور اصل واقعہ کی حقیقی صورت صاف صاف جلوہ گر ہو جاتی۔

مخالفین اسلام کے علاوہ۔ محدثین و مورخین اسلام کے مختلف آرا اور مختارات سے اسکی تحقیق و تفتیش فرمائی جاتی تو ثابت ہو جاتا کہ حقیقت کیا ہے۔ مگر سید صاحب کے مختار پر اس مسئلہ خاص میں جہاں تک غور کیا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے ذبیح اسماعیل کی نسبت مسلمانوں کے استدلال اگر پوری تفصیل سے نہیں تو بالاجمال ضرور لکھ دئے ہیں۔ مگر نہ اون کے اقوال کی تصدیق کی اور نہ اونکے مختار کی تائید۔ بلکہ ان سے قطع نظر کی۔ وہی کتب قدیمہ کی تقلید۔ اور ذبیح اسحاق کے مؤیدین و محدثین اور مورخین کی تائید کو اپنا مختار قرار دیا ہے۔ سید صاحب کے خلاف مولوی شبلی نے اس مسئلہ میں کسی قدر زیادہ تحقیق سے کام لیا ہے۔ چونکہ روئے سخن اونکا زیادہ تر مخالفین اسلام سے ہے نہ متبعین اسلام سے اس بنا پر اونہوں نے کتب سابقہ کے اونہیں اخبار و آثار سے حضرت اسماعیل کا ذبیح اللہ ہونا ثابت کیا ہے۔ جن میں سے اکثر کو سید صاحب خطبات میں لکھ چکے ہیں اور اسمیں کوئی کلام نہیں کہ وہ مخالفین اسلام کے منہ توڑ اور لغو بانہ دلائل کی قطع و برید اور تردید کیلئے کافی ہیں۔

اگر مخالفین کی کتابیں صحیح۔ اونکے مرویات سچے اور اونکی بشارتیں برحق ہیں تو پھر اسماعیل کی ذبیح اللہ تسلیم کرنے میں مسلمانوں سے زیادہ یہودیوں اور عیسائیوں کو سرگرم اور پرجوش ہونا چاہیئے۔ اور اگر حقیقت میں اونکو واقعہ کی صحت سے نہیں۔ بلکہ انصاف پسندی اور حق فہمی سے انکار ہے اور حسد و تعصب اور اسلاف کی کورانہ تقلید پر اصرار ہے تو پھر نہ آج اس مسئلہ میں اون کی تشفی ممکن ہے اور نہ پھر قیامت تک اون کا اطمینان ہو سکتا ہے۔

ہمارے نزدیک مخالفین اسلام کی غلط فہمیوں کی اصلاح مولوی شبلی صاحب کے مندرجہ بالا استدلال

سے پورے طور پر ہوگئی ہمکو اسمیں کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن اسکے ساتھ ہی اسلامی مورخین و محدثین کے باہمی اختلاف و انتزاع کی تفصیلی کیفیت اور حقیقت حال دکھلا دینی ہمارے لئے لازمی ہے۔ اسلئے میں ان حضرات کے مختلف مختارات سے اصل واقعہ کی پوری کیفیت ذیل میں قلمبند کرتا ہوں۔

افسوس ہے کہ سید صاحب کے ایسا شبلی صاحب نے بھی اسلام کے اتنے بڑے اعظم ترین مسئلہ کو اپنے طریقہ استدلال میں صرف اشارے اور کنایہ سے بتایا ہے۔ اور اسکے متعلق خصوصاً علمائے اسلام میں اختلاف و انتزاع واقع ہونے کی کوئی تفصیلی وجہ و کیفیت نہیں بتلائی۔ حالانکہ مولوی صاحب کا یہ فرض تھا کہ جسطرح مخالفین اسلام کے مختار کی تردید و تنقید انھیں کے اخبار و اسفار سے کردی گئی تھی۔ اسی طرح علمائے اسلام کے اختلاف پر بھی تنقیدانہ نظر ڈالکر اس مسئلہ کی حقیقت کا انکشاف فرما دیا جاتا۔ اس سے عام اہل اسلام کو اطلاع و واقفیت حاصل ہونے کے علاوہ مخالفین اسلام کے معترضانہ استدلال میں بھی آیندہ کوئی تائیدی قوت نہ پیدا ہوتی۔ مگر با ینہمہ یہ ہم ضرور کہیں گے کہ سید صاحب سے زیادہ شبلی صاحب نے مسلمانوں کے اظہار دعوی اور استقرار حقوق کیطرف اپنی توجہ منعطف فرمائی ہے اور اس مسئلہ میں اپنا وہی مختار قائم کیا ہے جسپر اسلام کے تمام طریقوں کے علمائے اعلام اور محدثین کرام کا اتفاق عام ہوچکا ہے۔ مگر موجودہ زمانہ کی متلاشی طبیعت صرف اس لکھہ دینے کو کافی نہیں سمجھتی۔ بلکہ اوس کی پوری تفصیل اور تحقیق کا کافی طور سے معلوم کرنا اونکا اصلی مقصود ہوتا ہے۔ اس لئے طالبان تحقیق کی خاطر خواہ تشفی و اطمینان کے لئے اس واقعہ کی تفصیل ارباب تحقیق کا فرض منصبی قرار پاجاتی ہے۔

ہمنے جہاں تک ان دونوں محققین کے اقوال و مختار کو اس بارے میں دیکھا ہے۔ ہمکو معلوم ہوا ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے اسلامی علما و محدثین کے مختلف اقوال و ارشاد کو اس مسئلہ کے متعلق دیکھا ضرور ہے۔ بخلاف سید صاحب کے جنکی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اونہوں نے اس بحث کے اصل موضوع کو اپنے علما و محدثین کی تالیفات میں دیکھا بھی نہیں۔ اور اگر دیکھا بھی ہے تو کتب قدیمہ کی تائیدی روایتوں کو۔ اور اپنی رائے میں اونہیں کو ترجیح دیکر خاصکر اونہیں علما کی تقلید اختیار فرمائی ہے جو آپ کے ہمخیال تھے۔ یہ موقع تقلیدی تحقیق کا نہیں تھا بلکہ تنقیدی تفتیش کا۔ سید صاحب نے اپنے استدلال میں پہلے ذبیح اسمٰعیل کو اسلام کا مختلف فیہ مسئلہ بتلایا ہے اور اوسکے ثبوت میں، علامہ مسعودی کا یہ قول دکھلایا ہے۔

قد تنازع الناس فی الذبیح فمنھم من ذھب الی انہ اسحٰق ومنھم من رای انہ اسمٰعیل فان کان الامر وقع بمنی فالذبیح اسمٰعیل لان

مسئلۂ ذبیح میں لوگوں کا اختلاف ہے بعض کی رائے ہے کہ ذبیح اسماعیل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اسحاق۔ پس اگر واقعہ ذبیح منیٰ میں واقع ہوا ہے تو ذبیح اسمٰعیل ہیں۔ کیونکہ اسحاق کا حجاز میں

اسحق لم یدخل الحجاز فان کان الامر بالذبح وقع بالشام فالذبیح اسحاق لان اسمعیل لم یدخل الشام بعد ان حمل منه (مروج الذهب مسعودی)

آنا ثابت نہیں ہے۔ اور اگر واقعہ ذبح شام میں واقع ہوا ہے تو ذبیح اسحاق ہیں۔ کیونکہ حضرت اسمٰعیل کا (حجاز میں آکر) پھر شام میں جانا ثابت نہیں۔

مسعودی کے اس بیان سے یہ مسئلہ اختلافی توضرور ثابت ہوتا ہے۔ اور اس کو سب کو اقرار ہے مگر میرے نزدیک تو مسعودی کا یہ بیان سید صاحب کی رائے سے زیادہ شبلی صاحب کے مختار کا مؤید ہے۔ کیونکہ علامہ مسعودی صاف صاف کہتے ہیں کہ اگر واقعہ قربانی مقام منیٰ علاقہ حجاز میں واقع ہوا ہے تو حضرت اسمٰعیل کے ذبیح ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ ابھی ابھی موریا کے اصلی مقام قربانی ہونے کی تحقیق میں پورے طور سے ثابت کر دیا گیا ہے۔ کہ وہ مقام مروہ ہے جو حوالی مکہ میں واقع ہے اور جس کو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اصلی قربانگاہ بتلایا ہے۔ تو پھر مسعودی ہی کے شرط پر حضرت اسماعیل ذبیح اصلی ثابت ہو گئے۔

افسوس ہے کہ سید صاحب نے موریاہ کی تحقیق کو اوٹھایا بھی اور اوسکی نسبت مسلمانوں کے دعوے بھی لکھدئے مگر چونکہ موریاہ کا استقرار مقام سید صاحب کے مختار و مدعا کے خلاف ثابت ہوتا تھا اسلئے آپ نے اپنی تحقیق کو محض ناقص چھوڑکر اس بحث خاص کو گومگو کی حالت میں چھوڑدیا۔ سید صاحب کی ناتصفیہ کن عبارت یہ ہے۔

یہ اختلاف توریت مقدس کی اوس آیت کے مبہم اور غیر مصرح ہونے کی وجہ سے ہے جس میں اوس مقام کا ذکر ہے۔ جہاں مذکورہ بالا قربانی کا عمل میں آنا تجویز ہوا تھا۔ وہ آیت یہ ہے۔ توراة ترجمہ فارسی۔

خدا ابراہیم را امتحان کرد و با او گفت اے ابراہیم وے گفت اینک حاضرم و خداوند گفت کہ حال پسر یگانہ خود اسحاق را کہ دوست میداری بگیر و در زمین موریاہ برو۔ (عربی ترجمہ میں بجائے موریاہ کے ارض الرؤیا لکھا ہے اور ترجمہ سامری عربی میں ارض المختارة والمرشدہ لکھا ہے)

خدا نے ابراہیم کا امتحان لیا اور اون سے کہا اے ابراہیم۔ اوس نے کہا میں حاضر ہوں۔ خدا نے کہا کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو کہ اسحاق ہے اور تو اس کو دوست رکھتا ہے۔ اپنے ساتھ لے۔ اور زمین موریاہ میں جا۔

و در آنجا او را از کوہہا کہ بتو می گویم از برائے قربانی و سوختنی تقریب نما۔

اور اسکو واں کے پہاڑوں میں سے جو میں تجھے بتلاتا ہوں قربانی کر اور جلا۔ (تکوین باب ۲۲ - ۱ - ۲)

بعض مسلمانوں نے اس گمنام جگہ کو بیت المقدس اور اوس کے پہاڑ بتلائے ہیں۔ اور بعض نے کہ معظمہ کے پہاڑ قرار دیا ہے۔ وہ اپنی رائے کی تائید میں بیان کرتے ہیں کہ لفظ عبری ہرہم جس کے معنی جبال کے

میں تثنیہ اور جمع دونوں صیغوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اسلئے وہ استدلال کرتے ہیں کہ اس سے مکہ معظمہ کے مشہور دو پہاڑوں صفا اور مروہ میں سے ایک مراد ہے۔

تعجب ہے کہ سید صاحب کے ایسا محقق اس مقام کو آجتک گمنام سمجھے۔ حالانکہ اسکا تعین اسلامی مورخین کے علاوہ خود کتب توراۃ میں مرقوم ہے جس کے وثوق پر آپ نے اپنی رائے قائم کی ہے۔ توراۃ قضاۃ باب ۷ آیت ۱ میں صاف طور سے لکھا ہے۔

وکان جیش المدیانیین شمالیهم عند تل موره فی الوادی	مدیانیوں کی فوج شمال کیطرف مورہ کی پہاڑی پر وادی میں تھی۔ (ضمیمہ کتاب بائبل ص ۱۱۴)

اسکے علاوہ ہمارے سید صاحب تو خود مدین کو عرب میں کیا خاص حجاز میں تسلیم کر چکے ہیں خطبات احمدیہ مطبوعہ لاہور صفحہ ۲۲۶ میں تحریر ہے۔

کتاب اول سلاطین باب ۱۱۔ آیت ۱۸ میں مرقوم ہے۔ ھدد اور اوس کے ہمراہیوں کے مصر میں جانے کے حال میں لکھا ہے کہ وہ مدیان سے نکلے۔ اور فاران میں آئے اور وہاں سے آدمی ساتھ لیکر مصر کو گئے۔ مدیان وہ شہر ہے جس کو عرب میں مدین کہتے ہیں۔ اور ساحل بحر قلزم پر۔ جو حجاز کے جانب ہے۔ تبوک سے تخمیناً چہ منزل جانب جنوب واقع ہے۔ یہ شہر وادی فاران میں واقع تھا جو ٹھیک حجاز ہے۔

خطبات ص ۲۲۶۔

مندرجہ بالا شواہد توراۃ سے بھی ثابت ہوگیا کہ جبل موریاہ۔ مریا۔ یا مورہ۔ جو حقیقی قربانگاہ بتلایا گیا ہے وہ مدین سے قریب تھا اور مدین ٹھیک حجاز میں واقع تھا۔ جسکا صدر مقام مکہ معظمہ ہے۔ تو اب اس سے مستودی والی شرط کہ اگر حجاز قربانگاہ ثابت ہو جائے تو اسماعیل ذبیح اللہ حقیقی تسلیم کئے جاویں گے۔ پوری ہوگئی۔ کیونکہ حضرت اسماعیل کا وہاں مع اپنی والدہ اور آئندہ اپنی اولاد و اعقاب کے ساتھ ہمیشہ کیلئے آباد ہونا جمہور کا مسلمہ ہے بخلاف اسکے حضرت اسحاق کا حجاز کیا عرب کے کسی قطعہ زمین پر تشریف لانا کہیں سے ثابت نہیں ہے۔ پھر اونکا ذبیح ہونا کیسے صحیح مانا جائیگا جب اونہوں نے اصلی مذبح میں مادام الحیات قدم تک نہ رکھا اور کبھی اوسکی صورت بھی نہیں دیکھی۔

حضرت اسحاق کا عرب میں آنا۔ نہ کسی اسلامی مورخ نے لکھا ہے اور نہ کسی یہودی یا عیسائی محقق نے بلکہ حضرت اسماعیل کا ہجرت کے بعد عرب سے شام میں تشریف لیجانا تو خود سید صاحب کے اعترافات سے ہے خطبات احمدیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت اسماعیل ہمیشہ اور متواتر اپنے والد سے ملاقات کرتے رہے۔ اور حضرت ابراہیم بھی اکثر اونکے پاس

آتے جاتے تھے۔ انجام کار سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ حضرت اسماعیل جن کی عمر اسوقت نواسی برس
کی تھی، بروقت وفات حضرت ابراہیم اپنے والد کے پاس موجود تھے ۔خطبات ص ۴۰

پھر حاشیہ زیرین صفحہ میں لکھتے ہیں۔

حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کو حضرت اسحاق کے چھٹنے کے بعد گھر سے نکال دیا تھا۔ اس حساب سے حضرت اسمٰعیل جب جلاوطن ہوئے تھے، تو سولہ برس کے تھے حضرت ابراہیم کا۔ ایک سو پچہتر برس کے سن میں انتقال ہوا اور حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق۔ دونوں نے ملکر مکسپلاہ کے غار میں دفن کر دیا۔ (تکوین باب $\frac{25}{19}$)

سید صاحب کی اس عبارت سے تو حضرت اسماعیل کا متواتر شام میں جانا ثابت ہوتا ہے۔ تو پھر مسعودی کے اس مختار کو وہ کیوں تسلیم کرتے ہیں۔ جو کہتا ہے کہ ہجرت کے بعد سے اسمٰعیل کا شام میں جانا ثابت نہیں۔ ذبیح کے مسئلہ میں آپ نے اسی مسعودی کے قول کو۔ جو ذبیح اسحاق کی نسبت اس نے لکھا ہے۔ صحیح مانا ہے۔ اور وہی آپ ہی کی تحقیق اور تحریر سے منقطوع الاسناد قصیر الاطلاع اور ناقابل اعتبار ثابت ہوتا ہے

سید صاحب کے مرقومہ بالا عبارت توراۃ سے ایک اور بات بڑے فائدہ کی معلوم ہوئی اور وہ یہ ہے کہ توراۃ کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں بھائیوں (اسحٰق و اسماعیلؑ) میں خلوص و اتحاد کے باہم مراسم جاری تھے اور ایسے کہ جانبین کے مسالک سے مختلف البطنی کے اختلاف و انتشار کا کوئی اثر اور نشان نہیں معلوم ہوتا تھا حقیقت تو یوں ہے کہ ان دونوں بھائیوں میں خلوص و اتحاد کے تمام مراسم ہمیشہ قائم تھے۔ یہ تو مابعد کی نسلوں کے حسد و نفسانیت نے باہمی اختلاف و مغایرت کے نقشے جمائے ہیں۔ اور مخالفت اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کے باعث سے یہودیوں اور عیسائیوں نے خوب خوب گھر کے رنگ بھرے ہیں۔

مسعودی کی اصل حدیث کی تنقید

یہاں تک تو ہم نے اس مسئلہ میں جزئیات سے بحث کی تھی اب ہم اسکے اصل بحث کی طرف رجوع کرتے ہیں اور زرقانی کی شرح مواہب لدنیہ سے ان تمام حدیثوں اور ان کے طریقوں کے استقام و ابہام کو ذیل میں علیحدہ علیحدہ لکھتے ہیں۔ جو حضرت اسحاق کو ذبیح بتلاتے ہیں۔

(۱) الدّارقطنی عن ابن مسعود و ابن مردویہ والبزار عن ابن عباس وفیہ المبارک بن فضالۃ ضعفہ الجمہور

دارقطنی نے ابن مسعود اور ابن مردویہ اور بزاز سے عبداللہ ابن عباس کے طریقہ سے روایت کی ہے۔ اسکے راویوں میں مبارک ابن فضالہ ایک راوی ہے جسکو جمہور محدثین نے ضعیف کیا۔

(۲) پھر اسکو رواہ الحاکم من طرقا عن العباس وقال صحیح علی شرطھما

حاکم نے اسکو عباس کے طریقہ سے لکھا ہے اور کہا ہے کہ یہ موجودہ (اور قبل (مبارک ابن فضالہ کے طریق) دونوں طریق سے صحیح ہے۔

(۳) قال مسعود ذهبی صحیح

مسعودی نے بھی اسی طریق سے لکھا ہے اور صحیح کہا ہے۔

(۴) رواہ ابن مردویہ عن ابی هریرة

ابن مردویہ نے اسکو ابو ہریرہ سے بیان کیا ہے۔

لیکن ابن کثیر الشامی ان تینوں طریقوں کی تنقید و تردید فرماتے ہوئے بتلاتے ہیں۔ فیه الحسن ابن دینار متروك وشیخه منكر۔ اسکے رواۃ میں حسن ابن دینار متروک ہے (اس سے حدیث نہیں لی جاتی) اور اوسکا شیخ منکر الحدیث اوسکی حدیث سے سب کو انکار رہے۔

(۵) رواہ ابن ابی حاتم مرفوعًا ثم رواہ عن فضالہ بن مبارك موقوفا وهو اشبه و اصح

ابن ابی حاتم نے پہلے اسکو بطریق مرفوع لکھا۔ پھر اسکو فضالہ ابن مبارک سے روایت بطریق موقوف کر دی اور اس طرح کس کو مشتبہ کہا جائے اور کسکو صحیح۔

ان تمام حدیثوں کو جمع کر کے علامہ زرقانی رقمطراز ہیں:۔

وتعقبه السیوطی بان مبارکا قد رفعه مرة فاخرجه البزار عنه مرفوعا وله شواهد عنده وعند الدیلمی عن العباس مرفوعا فی حدیث بلفظ و امام اسحق بذل نفسه للذبح والطبرانی و ابن ابی حاتم عن ابی هریرة بسند ضعیف والطبرانی ایضا بسند ضعیفا عن ابن مسعود اسناد صحیح موقوف

اسکی تعقیب سیوطی نے کی ہے کہ مبارک سے یہ طریق مرفوع مروی ہے اور بزازی نے بھی اسکو بطریق مرفوع روایت کی ہے اور اسکے شواہد اوس کے پاس ہیں اور دیلمی نے اسکو بطریق عباس سے ایسا لفظ کے ساتھ لکھا ہے کہ اسحق نے اپنے نفس کو واسطے ذبح کے دیڈالا۔ اور ابن حاتم نے بھی ابو ہریرہ سے اسکو بطریق مرفوع لکھا ہے لیکن روایت ضعیف لکھا ہے اور امام طبرانی نے بھی اسکو بسند ضعیف ابن مسعود سے لکھا ہے اور معجم کبیر میں اسی مضمون کو آخر میں ابی الاحوص سے لکھا ہے۔ اسکے اسناد صحیح ہیں مگر موقوف۔ زرقانی ص

ہمنے ذبح اسحاق کی حدیثوں اور اونکے طریقوں کو جمع کر دیا۔ اور زرقانی کی زبانی اونکی تنقیدی کیفیت بھی دکھلا دی جس سے ظاہر ہو گیا کہ ان حدیثوں کا کوئی طریق بھی۔ خدشہ۔ شبہ۔ یا سقم سے خالی نہیں۔ اسلئے یہ حدیثیں صداقت کے معیار پر پوری نہیں اوترتی۔

اب انکے خلاف جو حدیثیں ذبح اسماعیل کی نسبت منقول ہیں اونکی حیثیت بھی ملاحظہ ہو۔

(۱) روی علی ما عند الزمخشری فی الکشاف فی سورة والصافات اسند لالا علی ان ذبیح اسمعیل انه صلی الله علیه واله وسلم قال انا ابن الذبیحین

زمخشری نے اپنے اسناد سے اسکو اپنی تفسیر کشاف میں بذیل سورہ الصافات حضرت اسمعیل کے ذبیح اللہ ہونیکے ثبوت میں استدلال کیا ہے کہ فرمایا آنحضرت صلعم نے کہ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔

(۲) وعند الحاکم فی المستدرک وابن جریر و ابن مردویہ والثعلبی فی تفاسیرھم عن معاویہ ابن ابوسفیان قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فاتاہ اعرابی فقال یا رسول اللہ خلفت البلاد یابسۃ والماء یابساً وخلفت المال عابساً ھلک العیال وضاع المال فعد علیّ مما افاء اللہ علیک یا ابن الذبیحین قال المعاویہ فتبسم رسول اللہ صلعم ولم ینکر علیہ

مستدرک میں حاکم نے اور ابن جریر اور ابن مردویہ اور ثعلبی نے اپنی تفاسیر میں معاویہ ابن ابوسفیان سے منقول کیا ہے کہ ہم ایک بار خدمت رسول صلعم میں بیٹھے تھے کہ ایک مرد اعرابی آیا اور عرض کی کہ عام طور سے تمام شہروں میں قحط پڑا ہے۔ پانی بالکل کم ہوگیا ہے اور لوگوں کی آمدنی موقوف ہوگئی۔ جانداد تباہ اور اہل وعیال خاک سیاہ ہو رہے ہیں آپ ہماری اُس مال سے امداد فرمائیں جو خدا نے آپ کو عطا فرمایا ہے اے دو ذبیحوں کے مبارک فرزند۔ یہ سنکر آپ متبسم ہوئے۔ اور آپ نے اوس کے اس خطاب کا انکار نہیں کیا۔

زرقانی مرقومہ بالا محدثین کی زبانی لکھتے ہیں۔ فافاد انہ اسمٰعیل۔ اسمیں صریح افادہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف کیا گیا ہے وھذا احتج بہ معاویہ علی من قال انہ اسحاق اور اسی سے معاویہ نے اون لوگوں پر اپنا احتجاج قایم کیا ہے جو اسحاق کو ذبیح کہتے ہیں۔

(۳) عند الحاکم عن الصنابحی حضرنا مجلس معویہ فتذاکر القوم اسمٰعیل واسحاق فقال بعضھم اسمٰعیل الذبیح وقال بعضھم بل اسحاق فقال معویہ سقطتم علی الخبیر وذکر الحدیث جدا یعنی بالذبیحین عبد اللہ و اسمٰعیل ابن ابراھیم کما قالہ جماعۃ من الصحابہ والتابعین ورجحہ جماعۃ وقال ابوحاتم انہ الصحیح و البیضاوی انہ الاظھر

مستدرک میں امام حاکم نے اس کو صنابحی کے اسناد سے یوں لکھا ہے کہ ہم معویہ کی مجلس میں حاضر تھے کہ حضرت اسماعیل و اسحٰق کا ذکر پیش آیا۔ بعض لوگ اسمٰعیل کو ذبیح اللہ کہتے تھے اور بعض اسحاق کو معاویہ نے کہا تم لوگوں کو ابھی خبر نہیں پہونچی ہے اور پھر پوری حدیث بیان کی اور کہا ذبیحین سے مراد عبد اللہ و اسماعیل ہیں۔ زرقانی کہتے ہیں یہ وہ قول ہے جسکو صحابہ اور تابعین کی ایک معتدبہ جماعت نے نقل کیا ہے اور اسی کو ایک جماعت علما نے ترجیح دی ہے۔ ابو حاتم نے اسکو صحیح بتلایا ہے اور بیضاوی نے اظہر قول شمار کیا ہے۔

علامہ ابن القیم نے مسئلہ زیر بحث پر مفصل اور مستحکم طریقہ سے بحث کی ہے۔ اونکی پوری تفصیل کو موجب تطویل سمجھ کر ہم قلم انداز کرتے ہیں۔ مگر اوسکے ضروری مقامات کا خلاصہ ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

و مما یدل علی ان ذبیح اسمٰعیل انہ لاریب ان الذبح کان بمکۃ و لذالک جعلت القرابین

جو امور حضرت اسماعیل کے ذبیح ہونے پر دلالت کرتے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ وہ ذبیح کا واقعہ بیشک مکہ میں واقعہ ہوا کیونکہ

یوم النحر کما جعل السعی بین الصفا والمروۃ ورمی الجمرۃ بها تذکیر الشان اسمٰعیل وابیه وامه واقامه لذکر الله تعالی ومعلوم ان اسمٰعیل وامه هما اللذان کان بمکۃ دون اسحاق

وہیں تمام مراسم قربانی مثل روز نحر اور سعی مابین مروہ اور صفا اور رمی الجمرات۔ صرف اس غرض خاص سے ادا کی جاتی ہیں کہ حضرت اسمٰعیل اور اون کی مادر گرامی قدر کی شان و منزلت۔ اون کی شہرت اور ذکر و عبادت خدا میں اونکا استقلال و استقامت ظاہر اور ثابت ہو۔ اور یہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ حضرت اسمٰعیل اور اون کی ماں مکہ میں رہتی تہیں نہ اسحاق۔

پہر اسکے آگے اونکا سلسلہ احتجاج یہ ہے۔

ولو کان الذبح بالشام کما یزعم اهل الکتاب ومن تلقی عنهم لکانت القرابین والنحر بالشام لا بمکۃ

اگر واقعہ ذبح شام میں ہوتا جیسا کہ اہل کتاب کا زعم ہے تو اونسے جواب طلب ہوگا کہ مراسم قربانی و نحر وغیرہ آجتک شام میں ہوا کرتے۔ نہ کہ مکہ میں۔

پہر سلسلہ استدلال یہ ہے۔

فان الله سمی الذبیح حلیما (فی القرآن) لانه لا احلم ممن سلم نفسه للذبح طاعۃ لربه ولما ذکر اسحٰق سماہ علیما۔

خدا نے (قرآن میں) ذبیح اللہ کو حلم کے نام سے موسوم کیا ہے اس بنا پر کہ اوس نے پورے اعتراف و امتیاز سے محض طاعۃً للہ اپنی جان کو خدا کی راہ میں قربان کرنا تسلیم کر لیا اور جہاں حضرت اسحاق کا ذکر کیا ہے وہاں اونکو صرف جاننے والے کی صفت سے موصوف بتلایا ہے۔

پہر اسی طریقہ کلام میں رقمطراز ہیں۔

وان الله تعالی اجری العادۃ البشریۃ ان بکر الاولاد احب الی الوالدین ممن بعدہ وابراهیم لما سأل ربه الولد ووهبه له تعلقت شعبه من قلبه بمحبته والله تعالی قد اتخذہ خلیلا والخلۃ منصب یقتضی توحید المحبوب بالمحبۃ وان لا یشارک فیها فلما اخذ الولد شعبۃ من قلب الوالد جاءت غیرۃ الخلۃ تنزعها من قلب الخلیل فامر بذبح المحبوب فلما قدم علی ذبحه وکانت محبۃ الله عندہ اعظم من محبۃ الولد خلصت الخلۃ حینئذ من شوائب المشارکۃ فلم یبقی

اور نیز اس طور سے بہی کہ خدا تعالی نے ہمیشہ سے عادت انسانی ایسی ہی جاری فرمائی ہے کہ والدین اپنی اولاد اکبر کو بمقابلہ دوسری اولاد کے زیادہ چاہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے جب خدا سے عطائے اولاد کی دعا فرمائی فطرت انسانی کے اعتبار سے اونکے قلب میں اس بچہ کی محبت ہوگئی۔ مگر خدا نے ابراہیم کو مرتبہ خلت عنایت فرمایا تہا اور اپنا خلیل گردانا تہا۔ اور مراتب خلت کے معنی یہ ہیں کہ محبوب کی محبت کے ساتھ پہر غیر کی محبت کا کوئی لوث نہ رکہا جائے تو جب آپ کے دل میں لڑکے کی محبت پیدا ہوگئی تو گویا محبت کی وحدت میں شرکت ہوگئی۔ اس بنا پر نظام قدرت نے امتحاناً حضرت ابراہیم کو اپنے محبوب کے ذبح کا حکم دیا۔ لیکن جب آپ اس امر

فی الذبح مصلحۃ اذ کانت المصلحۃ انما ھی العزم وتوطین النفس وقد حصل المقصود وفسخ الامر وفدی الذبح وصدق الخلیل الرؤیا۔

کے لئے پورے آمادہ اور تیار ہوگئے۔ تو ثابت ہوگیا کہ خدائے تعالیٰ کی محبت آپ کے دل میں آپ کے اُس فرزند کی محبت سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ اُسی وقت آپ کی خلت کا بھی محبت غیر کی خلش شارکت سے تصفیہ کامل ہوگیا اور اس واقعہ ذبح میں آپ کے ارادہ دل کا امتحان۔ استقلال اور اطمینان نفس کی آزمائش مقصود تھی۔ اور وہ مقصود حاصل ہوگیا تو وہ امر امتحان وآزمائش بھی فسخ قرار دیا گیا اور اس ذبح کے لئے صدقہ اور بدلہ قبول کر لیا گیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب بھی سچا دکھلا دیا گیا۔

امام ابن القیم نے مندرجہ دلائل عقلی اور نقلی سے مسئلہ ذبح کو بالکل صاف کر دیا اور ذبیح اسماعیل کی حقیقت اور اصلیت اُن مشاہدہ بدیہات سے ثابت کر دیا ہے جس کے مان لینے میں نہ پھر کسی اہل اسلام کو عذر ہو سکتا ہے نہ کسی اہل کتاب کے فرقہ کو عذر واعتراض۔ یہ بالکل صحیح اور برواقع ہے کہ اگر جناب اسحٰق ذبیح اصلی ہوتے۔ اور یہ واقعہ ملک شام یا بیت المقدس میں ظہور پذیر ہوا ہوتا۔ تو ضرور تھا کہ اسحٰق کی اولاد اور اون کے قوم وملک کے لوگوں میں اون کے اتنے بڑے عظیم ترین ایثار نفس کی یادگار۔ اگر پورے طور سے نہیں تو تھوڑی بہت تو آج تک ضرور قائم رہتی۔ مگر اسکے خلاف۔ اون کی اولاد۔ اونکی قوم اور اونکے ملک ووطن میں تو کہیں اونکی اتنی بڑی مہتم بالشان یادگار کا آج کوئی نام ونشان بھی نہیں بتلاتا۔ اور سوا اسکے کہ اونکی مقدس کتابوں میں حضرت اسحاق کی اس جانبفروشی کا ذکر لکھا ہے۔ اُن لوگوں میں کہیں اسکا ذکر و مذکور بھی نہیں ہے اور شاید اُن میں سے فیصدی ننانوے ایسے نکلیں گے جو اس واقعہ سے واقف بھی نہیں ہونگے بخلاف بنی اسحٰق کے نسل اسماعیل کا بچہ بچہ ہزاروں برس کی مدت مدید گذر جانے کے بعد بھی آجتک اس واقعہ کو ایسی صراحت اور فصاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے گویا کہ وہ قربانی کے منظر قدرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے۔ اور اسی وجہ سے سلسلہ اسماعیلی میں وہ تمام مراسم جو اس واقعہ عظیمہ کے متعلق حضرت ابراہیمؑ۔ اونکی زوجہ مطہرہ حضرت ہاجرہؑ اور اونکے خلف الصالح جناب اسماعیل نے خاص شہر مکہ معظمہ۔ حرم بیت اللہ اور اسکے متصل مقامات مختلف میں ادا فرمائے تھے۔ آجتک ہر سال بلاناغہ اوسی طریقہ سے بجا لائے جاتے ہیں اور اونکی تعمیل میں اتنی احتیاط برتی جاتی ہے اور اتنی پابندی پیش نظر رکھی جاتی ہے کہ کسی طریقہ اداے مناسکات میں سرمو فرق نہ آنے پاوے اور اداے مراسم کا کوئی شعبہ نہ چھوٹ جاسکے۔

نسل اسماعیل میں اُسوقت سے لیکر اسوقت تک یہ شب وروز کے واقعات اور مشاہدات اس امر کے تسلیم کر لینے اور مان لئے جانیکے لئے پورے طور سے کافی ہیں کہ اگر حضرت ذبیح اللہ اسماعیل نہوتے تو پھر اہل عرب کو یا اون کے تمام قوموں کو جو اونکی نسل سے ہونیکا شرف رکھتی ہیں۔ ان مراسم اسماعیلی کو آجتک اس پرجوشی۔ احتیاط اور اتنی پابندی سے قائم رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مگر نہیں۔ یہ اونکے نمایاں شرف کا سبب اور اونکے فخر ومباہات کا

مخصوص باعث تہا اوراون کے لئے اس عظیم الشان اور واجب الاحترام واقعہ کی یادگار جاری و قایم رکھنی ایسی ضروری تہی کہ خدائے سبحانہ تعالیٰ نے اوسکے تمام مراسم ومناسک کی تعمیل اونکے لئے فرض کردی۔

اتنا لکھکر ہم پہر اپنے قدیم سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں افسوس ہے کہ ڈاکٹر سر سید احمد خاں نے اپنی تحقیق کو زیادہ تر اہل کتاب کے منقولات تک محدود رکھا۔ اور اسلامی محققین کے دائرہ میں بہی اتفاق سے اونہیں علما کے استدلال معقول سے آگے نہ بڑہے جنکو سید صاحب سے ہزار ہا برس پہلے اہل کتاب کے بہی مغویانہ منقولات ومعقولات دہوکہ میں ڈال چکے تہے۔ سید صاحب حقیقت واقعہ کی تفتیش میں تہوڑی زحمت اور گوارا فرماتے اور اہل کتاب کی کتب قدیمہ کی طرح محققین ومتکلمین اسلامی کے مختلف مختارات وآرا کا ملاحظہ فرماتے تو اونپر اصلیت اور حقیقت واقعہ کا پورا انکشاف ہوجاتا اور معلوم ہوجاتا کہ اس مسئلہ پر دوسری صدی ہجری کے آغاز ہی ہیں متکلمین اسلام علماے یہود سے اس مسئلہ خاص کی نسبت محاکمہ اور تبصرہ کرچکے ہیں۔ علماے اہل سنت میں ابن حجر عسقلانی نے مواہب لدنیہ میں۔ زرقانی نے اپنی شرح میں اور علامہ ابن القیم نے استدلال مندرجہ شرح زرقانی ہیں۔ اور علماے شیعہ میں سے ملا محمد باقر مجلسی نے حیات القلوب جلد دوم میں اس تبصرہ اور محاکمہ کی پوری کیفیت درج کی ہے۔ ہم مواہب لدنیہ کی اصل عبارت سے اسکو ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

وروی فیما ذکرہ المعافی بن ذکریا بن الیحیی ان عمرا بن عبد العزیز سال رجلا اسلم من علماء الیھود ای ابنی ابراھیم امر بذبحہ فقال واللہ یا امیر المومنین ان الیھود لیعلمون انہ اسمعیل ولکنھم یحسدونکم معشر العرب ان یکون اباکم للفضل الذی ذکرہ اللہ عنہ فھم یجحدون ذلک ویزعمون انہ اسحاق لان اسحاق ابوھم فانظر ایھا الخلیل ما فی ھذہ القصۃ من السر الجلیل وھو ان اللہ تعالیٰ بری عبادہ الجبر

معافی ابن زکریا ابن یحییٰ نے لکھا ہے کہ عمر ابن عبد العزیز نے ایک عالم یہودی سے جو حال میں مشرف باسلام ہوا تہا دریافت کیا کہ حضرت ابراہیم کے دونوں بیٹوں میں سے کون تہا جسکے لئے ذبح کا حکم خدا نے دیا تہا۔ اوس نے کہا کہ اے امیر المومنین یہود اسکو بخوبی جانتے تہے کہ وہ آپ کے صاحبزادے حضرت اسمعیل تہے۔ لیکن اونہوں نے قوم عرب کے ساتھ حسد کیا کہ تمہارے جد اعلیٰ کے ساتھ وہ فضل ومراتب نہ مذکور ومشہور ہوں جو خدائے سبحانہ تعالیٰ نے اونہیں عنایت فرمائے تہے۔ اس بنا پر اونہوں نے انکار کیا۔ اور اپنے زعم میں ذبیح اسحاق

توثیق المعافی المعافی بن ذکریا بن یحییٰ بن حمید الحافظ العلامۃ المفسر الثقۃ النھروانی الجریری کان علی مذھب ابن جریر مات سنۃ تسع وثلثمایہ معافی بن زکریا بن یحییٰ بن حمید۔ حافظ۔ عالم مفسر اور ثقہ تہے نہروانی مسکنا اور جریری مذہبا تہے۔ وہ علامہ جریر کے طریق پر تہے۔ اونکی وفات ۳۰۹ھ میں واقع ہوئی۔ زرقانی جلد اول ص ص ۱۴۰

بعد الکسر واللطف بعد الشدة فانه کان
عاقبة صبر هاجر وابنها علی البعد والوحدة
والغربة والتسلیم لذبح الولد الی ما آلت الیه
من جعل آثارهما ومواطئهما قدامهما مناسک
لعباده المؤمنین ومتعبدات لهم الی یوم
الدین وهذه سنة الله تعالی فیمن یرید رفعته
من خلقه بعد استضعافه وذله وانکساره
وصبره وتلقیه القضاء بالرضاء فضلا منه
قال الله تعالی ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا
فی الارض ونجعلهم ائمة

کو قرار دیا۔ اسلئے کہ وہ اونکے جد اعلیٰ تھے اسوقت میں عظمت و خلوص
خلیل قابل ملاحظہ ہے اور ایک سر جلیل لائق مشاہدہ اور وہ یہ ہے
کہ اس واقعہ سے خدائے سبحانہ تعالیٰ کا مدعا یہ تھا کہ وہ اپنی قدرت
کاملہ سے ضعف و ناتوانی کے بعد اوسے قوت و توانائی اور رنج و
تکالیف کے بعد آرام و اطمینان کے مناظر دنیا کو دکھلائے اور حقیقتاً
حضرت ہاجرہ اور اونکے فرزند ارجمند جناب اسمٰعیل کے صبر و تحمل
کا یہی صلہ تھا اور یہی اجر اون تمام تکالیف و مصائب کا جو ترک
وطن۔ اختیار غربت۔ حصول بیکسی و ناداری کی مختلف صورتوں
میں ان بزرگواروں کو پیش آئیں اور انہوں نے ان پر انتہا درجہ کے صبر
کامل فرمایا اور آخر میں انکے اس صبر و تحمل کا درجہ اتنا رفیع کر دیا
گیا کہ ان کے مراسم و مناسک تمام مومنین کے لئے عبادت و طاعت الٰہی کے خاص معیار قرار دئے گئے۔ اور اسمیں کوئی کلام
نہیں کہ عادت الٰہی بھی ایسی ہی جاری ہوئی تھی کہ خداوند عالم اپنے بندوں کو اونکے ضعف و انکسار تکلیف و دقت کے بعد رفعت
راحت اور اطمینان عطا فرماتا ہے۔ اور اونکے صبر و سکوت کا یوں اجر عطا فرماتا ہے جیسا کہ آیۂ کریمہ نرید ان نمن علی الذین الخ کی عبارت
ظاہر ہے۔ (ملخص از شرح زرقانی جلد اول مطبوعہ حیدرآباد دکن از صفحہ ۱۱۷ تا صفحہ ۱۲۱)

بہرحال حضرت اسمٰعیل کے ذبیح اللہ حقیقی ہونے کے ثبوتیں اتنے متواتر شاہد تاریخی محققین و مورخین کے
مختلف اسناد و اشہاد سے مندرج کر دئے ہیں کہ پھر کسی تصدیق و توثیق کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ مگر اسکے متعلق
میں ہمکو ابھی اتنا لکھنا اور باقی ہے کہ صورت واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت حال وہی ہے۔ جو اس
نومسلم عالم یہودی نے عمر ابن عبدالعزیز کے دربار میں بیان کی ہے۔ ہمارے سید صاحب خود ہی خطبات کے اکثر
مقامات پر یہودیوں اور عیسائیوں کی ایسی تحریفات و تلبیسات کو دکھلا چکے ہیں چنانچہ خطبات میں بذیل
تحقیق موقع بیابان فاران اور مقام سکونت حضرت اسماعیل۔ اور نیز تحقیق بشارتہائے نبوت آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی توریت و انجیل کی اصل عبارات اور ترجموں میں
ایک نہیں کثیر التعداد تحریفات اور غلط معانی جن سے بشارت نبوت آنحضرت صلعم نہ ظاہر ہو سکے۔ یا کم سے کم
اوسکے اصل مقاصد و مطالب مشتبہ اور مبہم ہو جائیں۔ بتلا چکے ہیں اور ثابت کر چکے ہیں۔ تعجب ہے کہ باوجود اپنی معلومات
کے بھی سید صاحب مرحوم نے اس مسئلہ خاص کے متعلق انہیں یہودیوں اور عیسائیوں کی تصدیق و توثیق فرمائی
اور تصدیق فرمانیکے وقت اونکی ان خود غرضانہ اور مغویانہ تحریفات کا کوئی خیال نہ کیا۔

ان دلائل سے قطع نظر کر کے اگر سید صاحب نے اہل عرب کے - اوسوقت سے لیکر اسوقت تک کے
صرف اون شعار و اخبار کیطرف اعتنا فرمائی ہوتی - جو ذبیح اسمٰعیل کے متعلق - اتنی کثرت - شہرت - قدامت
اور عقیدت کے ساتھ اونہیں اور اون کی نسل اور سلسلوں میں - جو عرب کے ماسوا اور تمام اقطاع عالم میں پھیلے ہوئے
ہیں - تو ہمکو یقین ہے کہ پھر سید صاحب کو حضرت اسمٰعیل کے ذبیح اللہ حقیقی ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی
نہیں رہتا -

لطف تو یہ ہے کہ مرحوم سید صاحب نے مناسکات حج وغیرہ کی نسبت - انکے ارشاد ابراہیمی اور آثار اسمٰعیلی
ہونیکا پورا اعتراف فرمایا ہے - اور یہودیوں اور عیسائیوں کے انکار کی تردید میں - انکی قدامت - شہرت اور
کثرت ہی کی بنا پر استدلال کیا گیا ہے - مگر ان تمام مناسکات کے شعار ابراہیمی اور آثار اسمٰعیلی مان لینے کے بعد
بھی صرف اسکے ایک شعبہ یعنی واقعہ قربانی کے متعلق - اسکا تعلق حضرت اسماعیل سے تسلیم نہیں کیا جاتا -
ہمارے نزدیک سید صاحب کا یہ طریق استدلال بالکل ضعیف ہے - آپنے جب اصول شریعت شہرت اور
قدامت سے تمام واقعات میں استدلال فرمایا ہے اسی اصول و طریقہ کو تمام مبحث میں جاری و قائم رکھنا آپکے
لئے ضروری اور لازمی تھا - نہ یہ کہ بعض طرق مبحث میں تو ایک اصول سے بحث کی جائے اور دوسرے طرق مبحث
اور جزو مسئلہ میں وہی اصول ناکافی اور غیر معتبر سمجھے جاویں - یہی وہ ہے جو علما نے منطق علم کلام میں سخت معیوب
بتلاتے ہیں - ہم ذیل میں سید صاحب کے ان تغیرات فی الخطابات کی مثال لکھکر دکھلا دیتے ہیں - جسے دیکھکر اور
پڑھکر ہر شخص سمجھ لیگا کہ سید صاحب نے عرب کے قدیم شعار اور رسم و رواج تک کو کس یقین - وثوق اور اعتبار کے
الفاظ سے یاد فرمایا ہے اور یہودیوں اور عیسائیوں کے سکوت یا انکار کے مقابلہ میں اونکو کیسا معتبر اور کتنا مستند
تسلیم کیا ہے -

جو ملکی روایتیں عرب کی مختلف قوموں کی تقسیم کے باب میں ہیں وہ نہایت معتبر ہیں - کیونکہ عرب اپنے رسوم
آبائی اور اوضاع و اطوار کے بدرجہ غایت پابند تھے - اور اونکو کبھی ترک کرنا یا تبدیل کرنا نہیں چاہتے تھے -
اور اسی وجہ سے وہ لوگ اپنے نسب نامہ کو یاد رکھنا قریب قریب اپنا فرض سمجھتے تھے - اور یہی وجہ تھی کہ ہر ایک
قوم نہیں بلکہ ہر ایک قبیلہ اپنا اپنا جدا جدا نام رکھتا تھا - اور اس ذریعہ سے ہر شخص اپنی قوم و قبیلہ کو خوب
جانتا تھا - اور اپنے حسب و نسب پر بے انتہا فخر کرتا تھا - خطبات مطبوعہ لاہور ص ۳۵ -

پھر اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں -

ملک عرب کی ملکی روایتیں نہایت عمدہ اور صحیح ذریعہ ملک عرب کے حالات دریافت کرنے کی ہیں اونکے
رسوم کا علم مندرجہ ذیل امور سے ہوتا ہے - (۱) بعض اوقات جب کسی سے قوم کی رائے میں کوئی جرم

سرزد ہوتا تھا۔ تو اوسکی پاداش میں اوسکی ساری قوم کے لوگوں کو جرمانہ دینا ہوتا تھا۔ میدان جنگ میں کوئی جنگ اور بدون اسکے کہ حریف سے اپنا حسب نسب باواز بلند دریافت کر لے۔ تنہا لڑائی میں مصروف نہیں ہو سکتا تھا۔ (۴) کسی عام مہم میں ہر شخص اپنی ہی قوم کے سردار یا رئیس کے جھنڈے کے نیچے قیام کرتا تھا۔ عرب میں جرمانہ کا رسم نہایت قدیم ہے اور آجتک الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلِ کی اصطلاح خاص سے مشہور و معروف ہے۔ خطبات ص ۳۷

پھر اسی سلسلہ میں رقمطراز ہیں۔

حضرت اسماعیل کی عمر جبکہ اون کے باپ نے اونکو گھر سے نکال دیا تھا۔ توریت کے مطابق سولہ [۱۶] کی تھی اور یہ عمر ایسی تھی جو روایتیں اونہوں نے اپنے والد سے سُنی تھیں اونکے سمجھنے اور تمیز کرنے اور یاد رکھنے کے قابل تھیں۔ اسکے سوا وہ ہمیشہ اور متواتر اپنے والد سے ملاقات کرتے تھے۔ اور حضرت ابراہیم بھی اکثر اونکے پاس آتے جاتے تھے۔ انجام کار سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ حضرت اسمٰعیل جن کی عمر اسوقت نواسی [۸۹] برس کی تھی۔ بروقت وفات حضرت ابراہیم اپنے والد کے۔ اون کے پاس موجود تھے۔ یہ سب باتیں ہر ذی فہم اور غیر متعصب شخص کے ذہن نشین کرنے کو کافی ہونگی کہ یہ تمام روایتیں جو مختلف عرب میں اسقدر شائع ہیں۔ لوگوں کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل سے پہونچی ہیں۔ اور یہ امور ایسے بدیہی اور ذہن نشین ہونے کے لائق ہیں کہ اگر پھر کوئی شخص یہ کہے کہ اہل عرب کو یہ روایتیں یہودیوں کی وساطت سے پہونچی ہیں تو اوسکو سنکر کچھ کم تعجب نہ ہوگا۔ خطبات ص ۳۹

پھر آئندہ صفحہ میں مرقوم ہے:—

عرب کے قدیم رہنے والوں نے اپنی جبلی عادت سے اپنی اصلی روایتوں میں بھی کوئی روایت اضافہ نہیں کی تھی اور تمام غیر قوموں سے وہ بالکل علیحدہ رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب حضرت اسماعیل اور انکے ہمراہی وہاں آکے آباد ہوئے۔ تو قدیمی عرب اون کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے اور ذلیل لقب مستعربہ سے اونکو ملقب کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعثت سے پہلے بنی اسرائیل اور خصوصاً اہل عرب سے بنی اسمٰعیل کو ہمیشہ دو مختلف قومیں سمجھتے تھے۔ اور قدیم عرب نے اپنی روایتوں کا ان سے مبادلہ نہیں کیا اور اسی لئے بنی اسرائیل کے پاس عرب کی قوموں اور عرب کے انبیا کی نسبت زبانی خواہ تحریری کوئی روایت نہیں تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ بات فرمائی کہ جمیع انبیائے بنی اسرائیل برحق تھے اور اونپر ایمان لانا چاہیئے۔ اوسوقت سے بنی اسرائیل اور اون کے نبیوں کی روایتیں اور قصے عرب کی روایتوں اور قصوں میں مخلوط ہوگئیں۔ بنی اسرائیل کے ہاں عرب کی کچھ روایتیں

نہیں تھیں اسلئے عرب کی روایتیں بجائے خود ہمیشہ برقرار رہیں۔ (خطبات ص ۴۰)

پھر دوسرے مقام مندرجہ ذیل عبارت قلمبند ہے:-

کسی آدمی نے یہودیوں کی روایتیں بیان کیں اور سننے والے نے غلطی سے اوسے حدیث سمجھ لیا اور اسی ذریعہ سے یہودیوں کی روایات کا اختلاف مسلمانوں کے ہاں منتقل ہو گیا۔ اگلے نبیوں اور بزرگوں کے قصے جن سے ہمارے ہاں کی تاریخیں اور تفسیریں سیاہ ہو رہی ہیں۔ اونہیں ذریعوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ خطبات ص ۲۵۰

پھر آگے تحریر فرمایا جاتا ہے:-

مخالفین اسلام نے جو اوس زمانہ میں زیادہ تر یہودی اور مشرکین تھے۔ ان لوگوں نے بہت سی باتیں سچ اور جھوٹ آنحضرت صلعم کی نسبت مشہور کر رکھی تھیں اور وہ عرب میں پھیل گئی تھیں۔ رفتہ رفتہ بطور روایت کے بیان ہونے لگیں۔ اور لوگوں نے غلطی سے انکو حدیثوں میں شمار کر لیا۔ (خطبات ص ۲۵۱)

عبارات توراۃ اور انجیل کی غلطیوں کے اعتراف میں تحریر ہے:-

یہودیوں اور عیسائیوں نے توریت کی عبارت اور الفاظ میں غلط طور سے تعبیر کئے اور اس سبب سے وہ غلطیاں ہوئیں کہ خود توریت کے قدیم نسخوں میں جو کوڈیکس کہلاتے تھے اور قلمی تھے بتعدد وجوہ سے غلطیاں رہ گئی تھیں اور پھر جن لوگوں نے مقابلہ کر کے اونکو صحیح کیا اون کی تصحیح بھی غلطیوں سے خالی نہ تھی۔ اور سب سے بڑا سبب ان غلطیوں کا یہ ہوا کہ وہ تاریخی واقعات جو انسانوں نے بغرض تسلسل مطالب حضرت موسیٰ کے کلام کے ساتھ بڑھا لئے تھے۔ اور جن میں بلا شک بہت سی غلطیاں تھیں۔ اونکو بھی یہودیوں اور عیسائیوں نے مقدس تحریر سمجھا تھا۔ پس اگر اسلام نہ ہوتا تو ان پیغمبروں اور نبیوں اور خدائے پاک کے بندوں یعنی حضرت ابراہیم۔ حضرت لوط اور اونکے بیٹوں۔ اور حضرت اسحاق حضرت یہودا اور حضرت یعقوب کے پوتوں اور بیٹوں اور ہارون۔ اور داؤد و سلیمان کی دنیا میں ایسی مٹی خراب رہتی۔ جیسے ایک بدکار آدمی کی خراب ہوتی ہے۔ تمام دنیا کی نظروں میں ویسے ہی حقیر ہوتے۔ جیسے کہ ایسے مجرموں کے مجرم حقیر ہوتے ہیں۔ جنکو دائم الحبس کر کے کالے پانی بھیجتے ہیں۔ یا اونکو اونکے گناہوں کی سزا کیلئے اونکو سولی پر چڑھا دیتے ہیں۔ صرف یہ اسلام ہی کا احسان ہے جس نے ان تمام بزرگوں کی بزرگی اس حد تک دنیا میں پھیلائی جیسے کہ وہ مستحق تھے۔ (خطبات ص ۲۰۳)

سر سید کی مرقومہ بالا تحقیقات سے اہل عرب کی مرویات کا وثوق اور اعتماد کلی تو ثابت ہو گیا۔ اور اسکے ساتھ ہی ساتھ اونکی معلومات کا تسلسل اور سلسلہ بہ سلسلہ اس انتظام و احتیاط کے ساتھ مختلف قبائل و خاندانوں میں اونکا محفوظ رکھنا کہ اون کی اصلیت اور حقیقت میں کوئی غیر مشروعانہ اضافہ ناممکن ہو۔ کافی تفصیل کے ساتھ معلوم

ہوگیا۔ باوجود ان تحقیقات اور اعترافات خاص کے بہی اس مسئلہ میں نہیں معلوم سید صاحب نے اہل عرب کی مرویات کو پہر کس وجہ سے ناقابل اعتبار سمجہا اور اون کے بیان پر کوئی توجہ نفرمائی۔ بخلاف ان کے یہودیوں اور عیسائیوں کی مفویانہ مرویات کو اٰمنّا وصدّقنا کہہ کر تسلیم کر لیا۔ جن کے لغویات اور مہملات کو خصوصاً انبیا علیہم السلام کی پاک سیرتوں کے متعلق اس زور وشور سے اپنے تنقیدانہ مضامین تحقیق میں ابہی ابہی خود تحریر فرما چکے ہیں۔ اسکا باعث جیسا کہ ہم اس بحث کے آغاز میں اوپر لکہہ چکے ہیں سوا اسکے کچہہ اور نہیں معلوم ہوتا کہ سید صاحب نے اہل کتاب کے اتفاق اور مفسرین ومحدثین کے اختلاف کی بنا پر اپنی رائے قائم کی ہے جنمیں سے ہم دونوں شقوں کی تردید وتنقید پورے طور سے اوپر مندرج کر چکے ہیں۔

اول تو ہم نے توراۃ کی اصلی عبارات سے جو ثبوت مستنبط کئے ہیں وہی کافی طور سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ ثابت کرتے ہیں۔ گو اونپر اغوا اور عالم فریبی کے غلاف ضرور چڑہائے گئے ہیں۔ مگر جب تحقیق کا متلاشی ان قرائن کو واقعات اور اصلی حالات سے ملائیگا تو۔ توراۃ کی بشارتیں اور اون کے تمام قرائن حضرت اسماعیل کے ساتہہ منطبق پائیگا۔ نہ جناب اسحٰق ع کے ساتہہ۔

دوسرے اون اصول کے مطابق جو سید صاحب نے علم التفسیر۔ حدیث۔ سیر۔ تاریخ وغیرہ وغیرہ کی تحقیق و تنقید کے متعلق اپنے خطبات میں بڑے بڑے علمائے متکلمین کے اقوال سے نقل فرمائے ہیں۔ اتفاق اہل کتاب کے مسئلہ خاص کی حیثیت اونہیں علمار کے مختار سے خود سمجہ لیں کہ تمام علمائے محدثین کا مسئلہ ہے کہ لا اتفاق اہل الکتاب لیس لہ اعتبار۔ اتفاق اہل کتاب قابل اعتبار نہیں۔ (زرقانی جلد اول)

اب سید صاحب مرحوم۔ ایسے پکے مسلمان ہوکر اس اتفاق پر اعتبار فرمائیں تو اسکو اونکی تحقیقات کی خامی اور حقیقت امری سے ناکامی کے سوا اور کیا کہا جاوے۔ اتفاق اہل کتاب کی تو یہ کیفیت تہی۔ علمائے اسلام کے اختلاف کا باعث ہم اوپر لکہہ کر بتلا آئے ہیں جس شبہ میں سید صاحب پڑ گئے ہیں۔ اسی مغالطہ میں وہ حضرات بہی گرفتار ہو چکے ہیں۔ اونکے تمام مرویات کی تنقید پوری تفصیل کیساتہہ اوپر قلمبند ہو چکی ہے اور اونکی رواۃ کی جا بجا تضعیف بہی لکہہ چکی گئی ہے۔ اور مرحوم سید صاحب بہی اسکے اصلی باعث کو سمجہہ چکے ہیں۔ اور لکہہ چکے ہیں کہ شیوع اسلام سے قبل یہودیوں اور عیسائیوں کے اقوال کا تو مرویات عرب میں کہیں نام ونشان بہی نہیں تہا ہاں ظہور اسلام کے بعد جب سے بانی علیہ السلام نے انبیائے سابقین علیہم السلام کی تصدیق فرمائی اسوقت سے یہودیوں اور عیسائیوں کے اقوال اسلام میں نقل ہونے لگے۔

اسی ضمن میں حضرت اسحٰق کی قربانی کا مصنوعی واقعہ بہی حضرت اسمٰعیل کے صحیح اور اصلی واقعہ قربانی کیساتہہ خلط ملط ہوگیا اور نقل کرنیوالے نے کمی تحقیق اور عدم واقفیت کیوجہ سے اسکو بہی حدیث رسول ہی سمجہ لیا اور اپنی

اپنی تصنیفات و تالیفات میں ایک نے دوسرے سے اور دوسرے نے تیسرے سے نقل کر دیا بعض علمائے اہل اسلام کو حضرت اسمٰعیل کے ذبیح اللہ حقیقی ہونے میں جو شبہ واقع ہوا۔ اسکی وجہ یہی تہی۔ جو اوپر لکھی گئی۔

قربانی کی حقیقت میں مولوی شبلی صاحب کی نئی اور قیاسی تاویل

ہم سید صاحب کی غلط فہمی کی کامل تنقید و تصحیح ختم کر کے اب ہم شمس العلما مولوی شبلی صاحب کی ایک تازہ تخئیل اور جدید تاویل کی تفصیل و تحقیق کیطرف متوجہ ہوتے ہیں

مولوی شبلی صاحب (چار ہزار برس کے بعد تقریباً) اس واقعہ قربانی کو خدا کا امر تمثیلی قرار دیتے ہیں اور اپنے موجودہ مختار کو قربانی کی حقیقت کے خاص عنوان سے مفصلہ ذیل عبارت میں ظاہر فرماتے ہیں۔

اس مسئلہ کی حقیقت اوسوقت اور بہی واضح ہو جاتی ہے جب اسپر غور کیا جائے کہ حضرت ابراہیم کو جو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تہا۔ اس سے اصلی مقصود کیا تھا قدیم زمانہ میں بت پرست قومیں اپنی اولاد کو اپنے معبود پر بھینٹ چڑہایا کرتی تھیں۔ یہ رسم ہندوستان میں انگلش گورنمنٹ سے پہلے موجود تہی مخالفین اسلام کا خیال ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی بھی اسی قسم کا حکم تھا لیکن یہ سخت غلطی ہے۔

اکابر صوفیہ نے لکہا ہے کہ انبیا علیہم السلام کو جو خواب دکہلائے جاتے ہیں دو قسم کے ہوتے ہیں عینی اور تمثیلی۔ عینی میں بعینہ وہی چیز مقصود ہوتی ہے جو خواب میں نظر آتی ہے تمثیلی میں تشبیہ اور تمثیل کے پیرایہ میں کسی مطلب کو ادا کرنا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو خواب دکہلایا گیا اوس سے مراد یہ تہی کہ بیٹے کو کعبہ کی خدمت کے لئے نذر چڑہا دیں۔ یعنی وہ کسی اور شغل میں مصروف نہ ہوں۔ کعبہ کی خدمت کے لئے وقف کر دئے جائیں۔ توراۃ میں جا بجا قربانی کا لفظ انہیں معنوں میں آیا ہے۔ حضرت ابراہیم نے اس خواب کو عینی خیال کیا اور بعینہ اوسکی تعمیل کرنی چاہی۔ گو یہ خیال اجتہادی غلطی تہی۔ جو انبیا سے ہو سکتی ہے (گو یہ غلطی قایم نہیں رہتی بلکہ خدا اسپر اونہیں متنبہ کر دیتا ہے) اس بنا پر گو حضرت ابراہیمؑ اس فعل سے روک دئے گئے۔ لیکن خدا نے اون کے حسن نیت کی قدر کی۔ اور فرمایا کہ قد صدقت الرؤیا انا کذالک نجزی المحسنین۔ تو نے اپنے خواب

ف۱ سخت افسوس ہے کہ شمس العلما مولوی شبلی صاحب کو۔ باوجود اتنی استعداد و جامعیت کے جو اونکی نسبت مشہور کی جاتی ہے۔ قدرت نبوت اور قوت اجتہاد کا فرق ما بہ الامتیاز ابہی تک معلوم نہیں۔ وہ اصول اسلامیہ اور معتقدات ایمانیہ کے بالکل خلاف نبیؐ کو مجتہد سمجھتے ہیں۔ تب ہی تو حضرت ابراہیم کے اس حسن تعمیل کو معمولی علما کیطرح خطائے اجتہادی سے تعبیر فرماتے ہیں اور اتنا نہیں جانتے ہیں کہ نبی کے ذریعہ معلومات بالکل وہبی طریقہ سے ہوتے ہیں۔ اور مجتہد کے وسیلہ اطلاع تعلیم و تدریس کے کسبی طریقہ سے۔ فافہم فتدبر۔ المولف عفی عنہ

کو سچا کر دکھلایا۔ ہم اسی طرح نیکوکاروں کو بدلہ دیتے ہیں۔

بہرحال یہاں اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ قربانی سے مقصود خدمت کعبہ کیلئے نذر چڑھانا تھا۔ نذر چڑھانے کے لئے شریعت سابقہ میں جو لفظ مستعمل ہوئے تھے، خدا کے سامنے تھے۔ توراۃ میں یہ محاورہ نہایت کثرت سے آیا ہے۔ حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل کے حق میں خدا سے جو دعا کی وہ ان لفظوں میں تھی۔ لیت اسمٰعیل یعیش امامک۔ کاش اسماعیل تیرے سامنے زندگی کرتا۔ اسی خواہش کے مطابق اونکو خواب تمثیل کے پیرایہ میں حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو قربانی کریں۔

(سیرۃ النبی ص ۱۰۶ و ۱۰۷ جلد اول)

یہ ہے ہمارے مولوی شبلی صاحب کی طبعزاد تخئیل اور نو ایجاد تاویل۔ جو اون کے اوس مورخانہ مختار و معیار سے بالکل خلاف ثابت ہوتی ہے جس کو اونہوں نے اصول تاریخ و سیرۃ نویسی کی نسبت اپنے دیباچہ کتاب میں نہایت شد و مد اور بڑی جد و کد سے قائم فرمایا ہے۔ اور یہ التزام و انتظام صرف زبانی دعووں میں ظاہر طور پر اپنی کتاب میں قائم رکھے جانیکا اقرار فرمایا ہے کہ کوئی واقعہ تاریخی جب تک کسی حدیث سے نہ ملا لیا جاوے اور حدیث بھی کون، صحیح و مرفوع اور وہ صحیح و مرفوع بھی کون، وہ جو کتب صحاح میں وارد ہو۔ کتب صحاح میں کون کتاب، صحیحین شریفین اور صحیحین شریفین میں بھی کون، صحیح بخاری (مطلب سعدی ہمیں بود) میں ہو۔ تب تک وہ واقعہ اسلامی تاریخ میں درج کئے جانیکے قابل نہیں ہو سکتا۔

مگر جہاں تک آپ کے اس شرط و اقرار پر غور کیا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی کہاں کہانی اونکے لئے یہی شبلی صاحب نے اپنے اسناد و استشہاد کیلئے کوئی حد و د و قیود قائم نہیں رکھے۔ بلکہ اپنے اسلاف کی تقلید میں جہاں سے اور جس کسی سے بھی آپ کو اپنے مطلب کی بات ملگئی، آپ کے لئے بس وہی وحی آسمانی ہوگئی۔ پھر اوسوقت صحیح بخاری سے تحقیق کی ضرورت رہی اور نہ صحیح مسلم سے تصدیق و تطبیق کی حاجت۔ مثال کے لئے اکابر صوفیہ کی بلا سند اور غیر مقید اقوال کو خاصکر ایک ایسے مبحث اور مقصد کا اصل الاصول قرار دینا کافی ہے، جو اوسوقت سے لیکر اسوقت تک تمام فرقہاے اسلامی میں سے کسی فرقہ اور مذہب کے عالم اور محدث نے کہیں بھی نقل نہیں کیا ہے اور جو بالکل معانی و مطالب قرآنی کے مخالف اور ارشاد و اقوال رسول صلعم کے معارض ثابت ہوتا ہے۔

تعجب ہے کہ فاضل محقق نے کہاں تو اپنی تحقیق و تفتیش کے حدود احتیاط کو مقدمہ کتاب میں اسقدر تنگ محدود کر دیا تھا کہ وہ اپنے ماخذوں میں سوائے چند قدیم عربی تاریخوں اور چیدہ چیدہ کتب صحاح کے اور کسی اسلامی تاریخ، حدیث اور سیر کی کتابوں سے استنباط و استخاذ کو گویا حرام فرما دیا ہے۔ کہاں اپنی اتنی بڑی اعلیٰ اور یکتا تحقیق میں۔ ادہر اودہر کے بے نام و نشان اسناد کی بھرتی کرنے لگے کہ اونکا شمار صحیح، موثق اور حسن وغیرہ

میں کہاں تک ہوگا۔ مرسل۔ غریب۔ ضعاف اور احاد میں بھی داخل نہیں ہوسکتے۔

یہ بھی کوئی سند ہے کہ "اکابر صوفیہ کا قول ہے" استغفر اللہ۔ یہ اوس پایہ کے شخص کی سند ہے جو تمام مستند بین کے مقابلہ میں اپنی تحقیق و تلاش کو سب سے زیادہ معتبر و مستند بتلاتا ہے۔ اور جو اپنے مقدمہ کتاب میں اپنی ظاہری شوکت الفاظ سے اور صرف زبانی سخن آرائیوں سے کسی تاریخ واقعہ کو تاوقتیکہ احادیث مندرجہ صحیحین سے منطبق نہ کرلے۔ قابل اندراج نہیں سمجھتا۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

بہرحال مولوی شبلی کو اپنے اختیار کردہ طریقہ استخراج و استنباط کے برتنے وقت اپنے اصل مدعائے حقیقت کو اگر نصوص الٰہی اور منشور حضرت رسالت پناہی سے منطبق کرلینے کی توفیق نہیں ہوئی تھی۔ تو کم سے کم اونکو علماء محدثین اکابر مفسرین اور عمائد مورخین ہی کے اقوال و آراء سے ملا لینا تو ضرور تھا۔ اور اگر کسی تفسیر، مسند، سنن اور صحیح میں دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی تو اپنے مدعا کی تلاش صرف صحیح بخاری ہی میں کرلی گئی ہوتی۔ کیونکہ آپ کی تمام کائنات تحقیقات و معلومات تو اوسی کتاب پر ختم ہے۔ مگر نہیں معلوم۔ مولوی صاحب کو اکابر صوفیہ کے اس بلا سند قول پر کیسا فوق البشری جوش عقیدت آگیا کہ اوس تلاطم خیز عالم وجد میں۔ قرآن۔ حدیث اور اصح الکتاب بعد کتاب المبارہ بھی بالکل نسیاً منسیا ہوگئی۔

علمائے کرام اسلام میں فریقین کے تمام متقدمین مفسرین، محدثین اور مورخین سے لیکر متاخرین تک کی کثیر التعداد۔ قوی الاسناد تالیفات و تصنیفات اسوقت میرے پیش نظر ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہم اونمیں سے کسی ایک کو بھی مولوی شبلی کا ہمخیال نہیں پاتے۔ کسی مفسر، محدث اور مورخ نے اوسوقت سے لیکر اسوقت تک قربانی کے واقعہ میں تعلیمی اور تمثیلی کی دو جدا گانہ شاخیں نہیں نکالیں۔ اور اس بنی رحمت حکمت الٰہی کے مصدق پر۔ اصل مطالب و مقاصد وحی کے سمجھنے میں غلطی کا الزام نہیں لگایا۔ اور نہ اپنے کسی عقلی و نقلی بیان میں کسی ضعیف سے ضعیف اور احاد سے احاد طریقہ روایت سے بھی اشارتاً و کنایتاً ذکر نہیں فرمایا۔

تخطیہ انبیا علیہم السلام کا مسئلہ مولوی صاحب کے ہاں کا ایک اختلافی مسئلہ ضرور ہے۔ مگر قاضی عیاض اور امام فخر الدین رازی اسکو بہت کچھ صاف بھی کرچکے ہیں۔ ایسی اختلاف اور اشتباہ بین النفی والایجاب کی رو سے۔ اگر شبلی صاحب حضرت ابراہیم کے خطا کرنے کے قائل ہیں۔ تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اور مجھے اون کے خاص عقاید میں مداخلت کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ مگر جو کچھ کلام ہے اور جو کچھ افسوس ہے وہ مولوی شبلی صاحب کی اسلامی عقاید سے عدم واقفیت پر۔ جو آجتک انبیا اور مجتہد کا بھی فرق نہیں جانتے ہم اونکی یاد دہانی کے لئے۔ اونھیں کی کتاب الکلام سے صرف دو شہادتیں جو صفات نبوت کی تحقیق میں لکھی گئی ہیں ذیل میں نقل کئے دیتے ہیں۔ علم الکلام حصہ دوم میں شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ امام غزالی نے احیاء العلوم

کے شروع میں ایک ضمنی بحث میں لکھا ہے۔

وَكَيْفَ يُنْكَرُ تَفَاوُتُ الْغَرِيزَةِ وَلَوْلَاهَا لَمَا اخْتَلَفَتِ النَّاسُ فِي فَهْمِ الْعُلُومِ وَلَمَا انْقَسَمُوا اِلَى بَلِيْدٍ لَا يَفْهَمُ بِالتَّفْهِيمِ اِلَّا بَعْدَ تَعَبٍ طَوِيْلٍ مِنَ الْمُعَلِّمِ وَاِلَى ذَكِيٍّ يَفْهَمُ بِاَدْنَى رَمْزٍ وَاِشَارَةٍ وَاِلَى كَامِلٍ تَنْبَعِثُ مِنْ نَفْسِهِ حَقَائِقُ الْاُمُوْرِ بِدُوْنِ التَّعَلُّمِ كَمَا قَالَ تَعَالَى يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ۔ نُوْرٌ عَلَى نُوْرٍ فَذَالِكَ مَثَلُ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اِذْ تَتَّضِحُ لَهُمْ فِي بَوَاطِنِهِمْ اُمُوْرٌ غَامِضَةٌ مِنْ غَيْرِ تَعَلُّمٍ وَسَمَاعٍ وَيُعَبَّرُ ذَالِكَ بِالْاِلْهَامِ وَعَنْ مِثْلِهِ عَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ حَيْثُ قَالَ اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رُوْعِي

فطرت کی تفاوت کا کیونکر انکار ہوسکتا ہے۔ یہ تفاوت نہوتی تو علوم کے سمجھنے میں اختلاف مراتب کیوں ہوتا۔ اور یہ بات کیوں ہوتی کہ بعض آدمی ایسے کودن ہوتے ہیں جو اوستاد کے سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتے ہیں اور سمجھتے بھی ہیں تو مشکل سے سمجھتے ہیں۔ اور بعضے ایسے ذہین ہوتے ہیں کہ ذرا سے اشارہ میں سمجھ جاتے ہیں اور بعض ایسے کامل ہوتے ہیں کہ خود اونکی طبیعت سے حقایق امور پیدا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ خدا تعالی نے کہا ہے یکاد زیتها یضیء ولو لم تمسسه نار اور انبیا علیہم السلام کا یہی حال ہے۔ ان کے دل میں دقیق باتیں خود بخود بغیر سکھانے اور سننے کے روشن اور ظاہر ہوجاتی ہیں اور اسی کو الہام کہتے ہیں اور اسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسطرح تعبیر فرمایا ہے کہ روح القدس نے میری روح میں پھونکا۔ علم الکلام ص ۱۰۰

امام غزالی کے قول کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ محدث ابن حزم نے نبوت کی یہ حقیقت بیان کی ہے کہ بغیر تعلم وتعلیم کے علم حاصل کرے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

فَصَحَّ اَنَّ النُّبُوَّةَ فِي الْاِمْكَانِ وَهِيَ بَعْثَةُ قَوْمٍ قَدْ خَصَّهُمُ اللهُ تَعَالَى بِالْفَضِيْلَةِ لَا لِعِلَّةٍ اِلَّا اَنَّهُ شَاءَ ذَالِكَ فَعَلَّمَهُمُ اللهُ الْعِلْمَ بِدُوْنِ تَعَلُّمٍ وَلَا تَنَقُّلٍ فِي مَرَاتِبِهِ وَلَا طَلَبٍ لَهُ وَمِنْ هٰذَا الْبَابِ مَا يَرَاهُ اَحَدُنَا فِي الرُّؤْيَا فَيَخْرُجُ صَحِيْحًا

یہ بات ثابت ہوئی کہ نبوت ممکن ہے اور نبوت کے معنی یہ ہیں کہ خدا ایک گروہ کو مبعوث کرتا ہے اور اونکو فضیلت کے ساتھ مخصوص کردیتا ہے۔ نہ کسی علت کی وجہ سے بلکہ صرف اپنی مرضی کیوجہ سے خدا ان کو علم سکھلاتا ہے بغیر سیکھنے کے اور بغیر درجہ بدرجہ ترقی کرنے اور بغیر طلب کے اور یہ اسی طرح کی بات ہے جس طرح ہم لوگ خواب میں کچھ دیکھتے ہیں اور صحیح نکل آتا ہے۔

پھر اسی سلسلہ میں محدث ابن حزم کا بقیہ قول لکھا ہے:۔

فَوَجَبَتْ بِالضَّرُوْرَةِ اَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ اِنْسَانٍ وَاحِدٍ فَاَكْثَرَ عَلَّمَهُمُ اللهُ ابْتِدَاءً كُلَّ هٰذَا دُوْنَ مُعَلِّمٍ

تو یہ بات ضروری ٹھیری کہ ایک یا ایک سے زیادہ اس قسم کے لوگ پائے جائیں جنکو خدا نے یہ علوم و صنائع ابتداءً بغیر کسی معلم کے

لکن یوحی حقیقتہ عندہ وھذہ الصفۃ النبوۃ۔	جو اپنی وحی سے سکھلاتے اور یہی نبوت کی صفت ہے۔ علم الکلام ص ۱۰۲

کیا شبلی صاحب کسی مجتہد کو ان اوصاف مخصوصہ اور کمالات منصوصہ کے ساتھ موصوف ہونا قیامت تک ثابت کر سکتے ہیں۔ لا واللہ۔

افسوس ہے کہ ابھی تک شبلی صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ انبیا علیہم السلام کی ان فروگذاشتوں کو اصطلاح شرعیہ میں کیا کہتے ہیں۔ اور معمولی علما مجتہدین کی عام غلطیوں کا کیا نام ہے۔ یہاں تک تو فریقین کا مسلم ہے کہ انبیا علیہم السلام مجتہد نہیں۔ کیونکہ اونپر بلا فضل و واسطہ وحی الٰہی اوترتی ہے۔ اور اونکے تمام معلومات احکام و ارشاد۔ افعال و اقوال تعلیم وحی کے مطابق ہوتے ہیں۔ وہ سواے روحانی اور آسمانی بشارتوں کے کسی انسانی ذریعہ و واسطہ کے متبع اور محتاج نہیں ہوتے۔ انکے معلومات وہبی ہوتے ہیں۔ نہ کسبی۔ مجتہد تو نبی اور اوسکے بعد لگاتار اون تمام جایز الخطا انسانی ذریعوں اور بے شمار طریقوں کے نقل و اتباع کا متبع اور مقلد ہے۔ جس نے اپنے معلومات کو غیر متقید اور غیر محفوظ الخطا ذرائع و وسائل سے حاصل کیا ہے۔ اگر شبلی صاحب کے ایسے انبیا کو مجتہد تسلیم کر لیا جائے۔ تو تمام دنیا کے علما و مجتہدین کو گھر بیٹھے نبوت مل جاے اور پھر نبی اور مجتہد کا فرق مابہ الامتیاز دشوار و محال ہو جائے۔

افسوس ہے کہ مناسبت مقام ہمکو۔ مناصب نبوت۔ مدارج رسالت اور درجہ اجتہاد کے باہمی امتیاز و اختلاف اور اون کی حقیقت و ماہیت جداگانہ کی تفصیلی کیفیت درج کرنے کی اجمال اجازت نہیں دیتی۔ ورنہ ہم مولویصاحب کو حقیقت حال کا پورا مکاشفہ اور مشاہدہ کرا دیتے۔

قبل اسکے کہ ہم شبلی صاحب کی اس غلط تاویل پر تنقید و تردید کا قلم اوٹھائیں ہمکو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مولوی صاحب کے ایسے جدید محقق کے ایسی عامیانہ غلط فہمی کا اصلی سبب دریافت کریں ہم آپکی اس غلط تاویل کی جب پوری عبارت پڑھتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ آپکی اس غلط فہمی کا باعث بھی وہی اہل کتاب کی کورانہ تقلید اور علماے تصوف کے تکلفات کی بے موقع تائید ہے۔

جب اہل کتاب کے متعلق تبدیلی واقعات اور تغیر حالات کی وجہ تحقیق کی جاتی ہے تو پورے طور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو کہ بیت المقدس برباد ہو گئے۔ یا اوس کی خدمتوں کے لئے وقف کر دئے جانے کے رسم و رواج یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں جاری تھے۔ اور اونکے انہیں اصول موضوعہ سے تجرد اور حصور کے جداگانہ طبقے اور فرقے قایم ہو گئے۔ اور آگے چلکر انہیں کی بنا پر رہبانیت شریعت عیسوی میں جزو مذہبی قرار پاگئی۔ انہیں اگلے یہودیوں اور عیسائیوں نے اس قربانی کو جو کا اونہیں معنوں میں سمجھا

اور دُنیا کو سمجھایا۔ اور خصوصاً اپنے تعصّب و نفسانیت کی وجہ سے خاصکر ایسی غلط تاویل کے لئے وہ مجبور ہوئے
کیونکہ حضرت اسحاق کے متعلق کسی طرح واقعہ ذبح ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔ نہ اصل واقعہ قربانی کو اون سے کوئی
واسطہ تھا اور نہ اوسکے متعلقات سعی۔ طواف اور رمی الجمرات وغیرہ کے مناسکات کو اون سے کوئی تعلق تھا۔
یہ دیکھکر یہودیوں اور عیسائیوں نے کہ اصل واقعہ کو جزواً یا کلیتاً حضرت اسحٰق سے کوئی مناسبت
یا مطابقت نہیں ہے۔ اصل واقعہ کی عملی صورت سے انکار کر دیا اور اوسکو ایک دوسری صورت خاص
میں بدل دیا۔ مگر دروغگو را حافظہ نباشد۔ اس غلط تبدیلی واقعہ کے وقت اسکا خیال بھی نہیں رہا کہ
قربانی کی یہ صورت تو حضرت ابراہیم سے ڈیڑھ ہزار برس بعد۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے درمیانی
زمانہ کی ایجاد ہے۔ اس سے قبل تو توراۃ میں بھی کہیں اسکا نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ پھر ایک ایسی
صورت حال کو حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحاق کے زمانہ کی طرف منسوب کرنا سوائے
تعصب اور جہالت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

حقیقت حال سے ناواقفکاروں اور تعصب و نفسانیت کے قلمکاروں نے۔ ذبح و قربانی کی اصلی
اور عملی صورت کو۔ انذار اور احرار کی صورت و شکل میں تبدیل کر دیا۔ جو بظاہر بلند نگاہ عام فہم اور بالکل
قریب الامکان تھی۔ حسن اتفاق سے اہل تصوف نے بھی اپنی ظاہری ترک تعلق کی بنا پر جو خانقاہوں میں تجرد
اور رہبانیت کے طریقوں کو اختیار کیا۔ اور لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ کی تاکید پر کوئی اعتنا نہ فرمائی
نہ خدا کے حکم و ہدایت پر کوئی توجہ کی۔ اور نہ رسول کی خاص سیرت پر کوئی نظر۔

شبلی صاحب نے اہل کتاب اور اہل تصوف کے اس غلط اعتقادی اختیال سے یہ دھوکا کھایا ہے۔
ورنہ۔ اگر مولوی شبلی کورانہ تقلید چھوڑ کر آزادانہ تحقیق سے کام لیتے تو وہ فوراً سمجھ جاتے کہ حریت یا خدمت
کعبہ کے لئے وقف کر دیئے جانے کی خدمت۔ اور عملی صورت نص الٰہی اور حکم رسالت پناہی سے مستنبط و متخرج
ہوتی اور جواز کا حکم رکھتی تو آپکا رسول آپ سے چھپی رہتی۔ جو مذہب ابراہیمی کا مروج اور شریعت اسماعیلی کا
اصلی مجدد تھا۔ اور جس نے اسلام کو مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ (اسلام) تمہارے
باپ ابراہیم کا مذہب ہے۔ اوسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا) کی بشارت پہونچا کر شریعت ابراہیمی اور اسلام کو
فی الاصل ایک ہی بتلایا تھا۔ تو اوسکے لئے ضرور تھا کہ اونھوں نے اپنے عہد رسالت میں جس طرح شریعت ابراہیمی
کے ارکان۔ قربانی مناسکات۔ حج اور دیگر اخلاقی اور مذہبی مراسم و عقائد کو از سر نو زندہ کر کے اسلامی
شریعت میں داخل فرمایا تھا۔ اوسی طرح خدمت کعبہ کے لئے وقف اولاد والے مسئلہ کی بھی تعلیم فرمادیتا اور
اپنے اقوال و ارشاد میں جناب ابراہیم کی اس غلطی اور سہو فہمی (معاذ اللہ) کو اشارتاً و کنایتاً بیان کر کے

واقعہ ذبیح کی حقیقت الامری کا (شبلی صاحب کی طرح) پورا انکشاف کر دیتا۔ مگر نعوذ باللہ۔ رسول سے بھی اتنی رہ ہی گئی جس کو شبلی صاحب اور اون کے اکابر صوفیہ نے خیر پوری کر دی۔ مگر ہم کہتے ہیں رسولؐ سے کیا معاذ اللہ خدا سے بھی رہ گئی۔ کہ اوس نے (نعوذ باللہ) یہ سمجھ کر بھی کہ ہمارا محدود عقل والا رسولؐ۔ علم الرویا کے اقسام و اصناف اور اون کے اختلاف کی تمیز و معرفت نہیں رکھتا تاہم اوسکو مدعائے حقیقت اور منشائے قدرت سے مطلع اور آگاہ نہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خدا کا شیدائی اپنی غلط فہمی اور لاعلمی سے۔ اتنے بڑے خلاف فطرت انسانی۔ قتل اولاد کی شقاوت و بیرحمی پر جرأت کر بیٹھا۔ تب اوسوقت خدا کو رسول کی فروگذاشت کے ساتھ اپنی خاموشی اور عدم اطلاع دہی کا خیال آیا۔ اور اوسکو قتل عمد کے ارتکاب سے روک دیا۔ مگر روکدیئے جانے کیوقت بھی خدا کو اصل حقیقت کے انکشاف فرما دیئے جانیکا خیال نہ آیا۔ ارشاد ہوا تو یہ قد صدقت الرؤیا کذالک نجزی المحسنین۔ تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھلایا اور ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ اس سے بھی خواب عینی اور تمثیلی کی حقیقت بتلائی جانیکی کوئی کیفیت ظاہر نہیں ہوتی۔

خدا کا فرض تھا کہ اس قیامت خیز منظر کے وقت یا بعدا پنے رسول کو سمجھا دیتا اور بتلا دیتا اور رسولؐ پر واجب تھا کہ اپنے نذر چڑھائے ہوئے بیٹے کو اوس دن سے کیا اوسی وقت سے خدمت کعبہ کے لئے وقف کر دیتا اور اوس مقدس چار دیواری کے اندر لاکر بٹھلا دیتا اور پھر اوسکو سوائے خدمت کعبہ کے اور کسی شغل میں مصروف نہ ہونے دیتا جیسا کہ مولوی شبلی نے بمطابقت احکام توراۃ۔ نذر یا قربانی چڑھائے ہوئے لوگونکے اصول و قواعد بتلائے ہیں۔

مندرجہ بالا واقعات و حالات میں سے ایک واقعہ بھی حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل کے احوال معاشرت کے متعلق اہل عرب کے کسی اخبار و آثار میں نہیں پایا جاتا ہے۔ اور کسی محدث یا مورخ نے اشارتاً یا کنایتاً بھی ان لغویات و مہملات کا۔ جو شبلی صاحب کی جدت وجودت کا تازہ نمونہ ہے۔ ذکر نہیں کیا ہے اگر واقعہ ایسا ہی ہوتا جیسا کہ مولوی شبلی نے اکابر صوفیہ کے کا بوسانہ مکاشفات سے اقتباس فرمایا ہے تو پھر حضرت اسماعیل کے طرز معاشرت بھی ایسے ہی معلوم ہوتے جیسے قوم بنی اسرائیل میں۔ محرر بیت المقدس کے طرز زندگی معلوم ہوتے ہیں۔

بخلاف اسکے جب ہم حضرت اسمٰعیل کے حالات پر نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ۔ استغفر اللہ۔ نہ محرر تھے نہ مجرد۔ ایک جوڑ دو دو بی بی والے تھے۔ چنانچہ اون کی پہلی شادی تو بروایت توراۃ۔ خود حضرت ہاجرہؑ نے کر دی تھی۔ دوسری بی بی حضرت ابراہیم کے حکم و ایما سے کی تھی۔ چنانچہ ہم اسکا پورا واقعہ صحیح

بخاری کی عبارت سے اوپر لکھ چکے ہیں۔ اور خلاصہ ترجمہ اُسکا بقدر ضرورت پھر ذیل میں لکھے دیتے ہیں۔

جب حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل کی غیبت میں تشریف لائے اور انکی پہلی بی بی کے اکرام ضیف اور دیگر خوش اخلاقیوں میں کمی پائی۔ تو اون کی بی بی سے فرما گئے کہ جب اسماعیل شکار سے واپس آئیں تو اون سے کہہ دینا کہ اپنے گھر کے کواڑ بدل ڈالو۔ حضرت اسماعیل کی واپسی پر اون کی بی بی نے حقیقت حال اون سے بیان کردی۔ حضرت اسمعیل نے اون سے کہا کہ کواڑ کی تبدیلی کا حکم نہیں ہے بلکہ تمہاری تبدیلی کا فرمان ہے اوسی وقت اونکو جدا کردیا۔ اور بنی جرہم سے ایک معظلہ کو اپنے عقد ازدواج میں لائے۔

انہیں بی بی سے آپ کے بارہ ۱۲ بیٹے پیدا ہوئے۔ جیسا کہ توراۃ میں اون کی یہی تعداد اونکے ناموں کے ساتھ درج ہے۔ اسکے علاوہ توراۃ میں خدا تو حضرت ابراہیم کو پہلے ہی سے آپ کے کثیر الاولاد اور پھر اونکے امت عظیم ہونے کی بشارت دیچکا تھا پھر آپ کا مجرد رہنا۔ جو نذر کردگان خانہ مقدس کے شرایط میں ایک ضروری اور واجب التعمیل شرط تھی حضرت اسمعیل پر کیسے منطبق کیجائے گی۔ آپکا طریق معاشرت محرران بیت المقدس کی عادت وسیرت کے بالکل خلاف ثابت ہوتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اوسوقت تک مجرد رہنے کی شرط اسکے لئے خاص نہیں ہوئی تھی اور یہ بعد میں لازمی قرار پائی جیسے یحییٰ اور مریم علیہما السلام کے لئے۔ تو ہم اسکو بھی تھوڑی دیر کے لئے مانکر یہ دکھلائیں گے کہ جیسا کہ شبلی صاحب خود تحریر فرماتے ہیں "کہ مراد یہ ہے کہ بیٹے کو کعبہ کی خدمت کے لئے نذر چڑھاویں یعنی وہ کسی اور شغل میں مصروف نہوں بلکہ کعبہ کی خدمت کیلئے وقف کردیئے جائیں"۔ حضرت اسماعیل نے اسکی بھی تو مطلق تعمیل نہیں کی اور نہ کبھی ان قیود پر اعتنا فرمائی۔ واقعات تو یہ بتلا رہے ہیں کہ وہ کعبہ اور کعبہ کی تمام خدمات کو چھوڑکر۔ دن دن بھر باہر شکار کھیلا کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے دونوں بار تشریف لانے کے وقت آپ صبح سے شکار کو گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ بخاری شریف کے الفاظ ذھب یصید سے ظاہر ہے۔ تو اب مولوی شبلی کی یہ مفروضہ شرط وقید کہ وہ کسی اور شغل میں مصروف نہوں۔ حضرت اسماعیل کی نسبت کہاں ثابت ہوتی ہے۔ شبلی صاحب کی قیاسی اقتباسات کے خلاف حضرت اسمعیل تو ان حالات مندرجہ بخاری شریف سے۔ شکار کار بیکاران است کے ایسے معمولی کاروبار اور لہو ولعب میں روزانہ مصروف ومشغول پائے جاتے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے۔ یہ کیسے خادم کعبہ تھے اور اونکی خدمت کیسی خدمت کعبہ تھی۔ ان سے زیادہ تعجب تو حضرت ابراہیم کے تغافل وتساہل پر ہوتا ہے جنہوں نے اپنے قربان شدہ اور وقف کردہ لڑکے کو ایکبار نہیں کئی بار۔ خدمت کعبہ کو چھوڑکر شکار کے ایسے لہو ولعب میں مصروف ومشغول سنکر اور پاکر بھی۔ اون کے منع کرنے اور باز رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اور اُنکے

ایسے صریح خلاف معاہدہ و شرائط احوال و افعال سنکر تنبیہہ بھی فرمائی تو یہ کہ تمہاری یہ بی بی اچھی نہیں دوسری بدل ڈالو۔

حضرت اسمٰعیل کے مشاغل صید و شکار میں مصروفیت۔ آپکے طرز معاشرت کے ساتھ ایسی مخصوص اور قدیم ہے کہ توراۃ میں بھی اسکی تصریح موجود ہے چنانچہ حضرت اسمٰعیل کے حالات میں یہ عبارت مسطور ہے۔

خدا اوس لڑکے (اسمٰعیل) کے ساتھ تھا۔ وہ بڑا ہوا اور بیابان میں آباد و مقیم ہوا اور (بہت بڑا) تیرانداز ہوا سفر تکوین باب ۲۱۔ آیت ۹ لغایۃ ۲۱

اسکے علاوہ۔ حضرت اسمٰعیل کا ایک زمانہ دراز تک۔ دیگر انبیا علیہم السلام کیطرح دنبیاں چرانا تمام تاریخوں سے ثابت ہے۔ یہ مشاغل بھی شرائط انداز اور قواعد احرار کے سراسر مخالف ہیں۔

الغرض حضرت اسمٰعیل کے حالات زندگی پر غور کرنے سے۔ آپ کے طرز معاشرت بھی بالکل انبیا و مرسلین کی عادت و سیرت سے مطابق اور موافق پائے جاتے ہیں۔ اور اونمیں کسی قسم کا کوئی اختلاف اور کوئی نوعیت سرمو پائی نہیں جاتی۔ عبادت الٰہی۔ تبلیغ رسالت۔ ہدایت امت کے روزانہ اشغال کے ساتھ فکر معاش بھی ہے۔ اور خبرگیری اہل و عیال بھی۔ اور یہ امور بھی انسانی فرائض میں دیگر واجبات کی طرح داخل ہیں۔ ان تمام فرائض منصبی کے ساتھ بنا ء کعبہ کے وقت سے کعبہ کی خدمات مثل طواف۔ سعی ہدی اور رماۃ و غیرہ وغیرہ جس کی تعلیم حضرت ابراہیم خود آپ کو دے چکے تھے۔ آپ سے متعلق تھیں۔ مگر یہ تمام خدمات ایام حج کے ساتھ مخصوص تھیں۔ کسی روزانہ خدمت کعبہ کا آپ سے متعلق ہونا جس سے انداز و احرار کے انداز مترشح ہوں۔ اور اوس خدمت مخصوصہ کو آپ کا روزانہ بجالانا۔ نہ کسی اسلامی کتاب سے ظاہر ہوتا ہے اور نہ توراۃ سے ثابت۔ نہ اسکی تخصیص کسی محدث اور مورخ کی تصنیفات و تالیفات میں پائی جاتی ہیں اور نہ کسی اکابر صوفیہ اور نہ کسی شیخ الطائفہ کے ملفوظات سے۔ ایسی حالت میں شبلی صاحب کے اس بے نام و نشان اور مفقود الاسناد قیاس و اقتباس کا کیسے اعتبار ہو سکتا ہے۔

مولوی شبلی کی یہ تاویل صریح مخالفہ قرآن اور معارض حدیث ثابت ہوتی ہے۔ خدا تو اپنے خاص لفظوں میں وَ تَلَّہٗ لِلْجَبِیْنِ کہکر۔ خاص ذبح کیصورت قائم کرے اور پھر اس سارے واقعہ کو اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ۔ ظاہر ترین امتحان قرار دے۔ اور آپ اور آپ کے بزرگ صوفیہ ایسی تصریح کامل اور تشبیہہ عینی کو تمثیلی صورت قرار دیکر ناقص کر دیں اور (نعوذ باللہ) اسکو رسول کی اجتہادی غلطی محمول فرمائیں۔

شمس العلماء نعمانی نے۔ افسوس ہے کہ عبارت قرآنی کو نظرانداز فرماکر الفاظ توراۃ کو اپنے استدلال کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ (توراۃ میں جابجا قربانی کا لفظ انہیں معنوں میں آیا ہے۔ سیرۃ النبی صفحہ ۱۰۱)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ اپنے اس دعوی کا ثبوت قرآن مجید کی عبارت سے نہیں دے سکتے تعجب بہ صورت ہے تو تعجب ہے کہ آپ کیسے قرآن کو تمام کتب سابقہ کا ناسخ مانکر منسوخ شدہ کتاب اور اسکی عبارت کو اوسکے ناسخ پر ترجیح دیتے ہیں۔ کیا شبلی صاحب تفضیل مفضول کے محالات کے قائل نہیں ہیں شبلی صاحب تو بہت بڑے اسلامی عالم تھے۔ اور عالم بھی کون شمس العلما مشہور و معروف محقق۔ بڑے پایہ کے مورخ مگر اس بحث خاص میں تو آپ کے عقاید ایسے فاسد اور قرآن و حدیث کے مخالف پائے جاتے ہیں کہ شاید کوئی جاہل سے جاہل اور بے پڑھا لکھا مسلمان بھی ایسے عقاید نہ رکھتا ہوگا۔ اور قرآن کی عبارت و بشارت کے مقابلہ میں توراۃ و انجیل کی منسوخ شدہ عبارت کو کبھی ترجیح نہ دیتا ہوگا۔

بہرحال اتنا لکھکر ہم قرآن مجید کی اوس آیت کو۔ جسے شبلی صاحب نے اپنے مطلب نکالنے کیغرض خاص سے قطع و برید کرکے لکھا ہے۔ ذیل میں لکھتے ہیں۔

قَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ

(جب ابراہیم کو بادشاہ بت پرست کے خوف سے باپ نے گھر سے نکال دیا) تو ابراہیم نے کہا کہ میں تو اپنے پروردگار کی راہ میں (کسی طرف کو) چلا جاؤنگا۔ وہ مجھے (کسی اچھے ہی ٹھکانے) لگا دیگا۔ اور (ابراہیم نے یہ بھی دعا مانگی) اے میرے پروردگار مجھکو (نیک روحوں میں سے ایک نیک روح بطور فرزند) عطا فرما تو ہم نے اوسکو بُردبار لڑکے (اسمٰعیل کے پیدا ہونے کی) بشارت دی۔ پھر جب لڑکا جوان ہوا۔ اور اوسکے (ابراہیم کے) ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم نے کہا کہ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ (جیسے) میں تمکو ذبح کر رہا ہوں پس تم (بھی تو اپنی جگہہ) سوچو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ (ترجمہ مطابق ترجمہ شمس العلما حافظ نذیر احمد)

چونکہ مولوی صاحب اپنی خود غرضانہ ضرورت سے اس آیت کے یہیں تک لکھنے پر مجبور تھے۔ اسلئے یہیں تک لکھکر رہ گئے مگر ہم ذیل میں یہ پورا آیہ کریمہ نقل کرکے حقیقت حال اور صورت واقعہ کا پورا انکشاف کر دیتے ہیں۔

قَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا

(جب ابراہیم کو بادشاہ بت پرست کی خاطر سے باپ نے گھر سے نکالدیا) تو ابراہیم نے کہا کہ میں تو اپنے پروردگار کی راہ میں (کسی طرف کو) چلا جاؤنگا۔ وہ مجھے (کسی اچھی ہی) ٹھکانے لگا دیگا۔ اور (ابراہیم نے یہ بھی دعا مانگی) اے میرے پروردگار مجھکو (نیک روحوں میں ایک نیک روح بطور فرزند) عطا فرما تو ہم نے اوسکو ایک بردبار لڑکے (اسماعیل کے پیدا ہونے کی)

إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ

خوشخبری دی۔ پھر جب لڑکا جوان ہوا اور اوسکے (ابراہیم کے) ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم نے کہا بیٹا کہ میں خواب میں (کیا) دیکھتا ہوں (جیسے) کہ میں تمکو ذبح کر رہا ہوں پس تم (بھی تو اپنی جگہہ) سوچو کہ تمہاری کیا رائے ہے (بیٹے نے) کہا ابا جان آپکو جو حکم ہوا ہے (بلا تامل) اوسکی تعمیل کیجئے۔ انشاءاللہ آپ مجھکو بھی صابر (ہی) پائیں گے۔ پھر جب دونوں باپ بیٹے تعمیل حکم پر آمادہ ہوئے اور باپ نے (حلال کرنے کیلئے) بیٹے کو ماتھے کے بل پچھاڑا تو (ہمکو اون کی فرمانبرداری نہایت ہی پسند آئی) اور ہم نے ابراہیم سے پکار کر کہا کہ ابراہیم تمنے اپنے خواب کو سچا کر دکھلایا۔ (اب ہم تمکو بڑے بڑے مراتب دینگے) اور نیک بندوں کو ہم ایسا ہی بدلا دیں گے۔ بیشک یہ کھلی ہوئی آزمائش تھی۔ اور ہم نے بڑی قربانی کو اسمٰعیل کا فدیہ بنایا اور (ابراہیم کے بعد) آنے والی امتوں میں انکا ذکر خیر باقی رکھا۔ (الصافات۔ ترجمہ شمس العلما حافظ نذیر احمد صاحب مطبوعہ دہلی ص ۷۱۹)

اس آیہ قرآنی پر غور کرنے سے پہلے سمجھ لینا چاہئے کہ شبلی صاحب نے لفظ ذبح کے معنی۔ خدمت کعبہ کے لئے وقف کر دئے جانے کے بتلائے ہیں اور آپ کو لفظ ذبح کے یہی صحیح معنی۔ اصلی مراد اور حقیقی مدعا سے وحی ہونے پر اتنا یقین کامل ہے کہ (نعوذ باللہ) آپ کے نزدیک جناب ابراہیم بھی اسکی حقیقت کو نہ سمجھ سکے اور آپ سمجھ گئے۔ تو اس بنا پر شبلی صاحب کے نزدیک کسی کو ذبح کر دینا۔ اور کسی کو کعبہ کی خدمت خاص کیلئے علیحدہ کر دینا گویا ایک بات ہوئی ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ کہاں کسی کا ذبح کیا جانا کسی کی جان لیجانا۔ گو وہ خدا ہی کے نام پر کیوں نہو کسی کی زندگی کو ہمیشہ کیلئے تمام کر دینا اور کہاں ایک شخص خاص کا ایک خدمت خاص کے لئے مختص اور متفرد ہو کر محض بے تعلق بے لوث اور بالکل آزادانہ زندگی بسر کرنا۔

شبلی صاحب کی روح نہ شرمائے۔ وہ کون ایسا لا یعقل انسان ہوگا جو ان دونوں متضاد طریقوں کو مساوی اور برابر سمجھیگا۔ اور وہ کون تارک العقل ہوگا۔ جو ان دونوں مختلف الفاظ کو مترادف اور متجانس بتلائیگا۔ اتنا تمہید آگے لکھکر اس بحث کا آئندہ سلسلہ بیان ملاحظہ ہو۔

اس آیہ کریمہ کے دو مقامات پر ذبح کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔ ایک جگہہ انی اذبحک کی صورت میں۔ اور دوسری جگہہ بذبح عظیم کی مطلق اور غیر مشتق صورت میں۔ پہلی جگہہ جیسا کہ شبلی صاحب کے ہمعصر شمس العلما حافظ نذیر احمد صاحب کے ترجمہ سے ثابت ہے۔ خدا کے بتلائے اور سمجھائے ہوئے یہ معنی ہوتے ہیں کہ میں تمکو (گویا) ذبح کر رہا ہوں۔ دوسری جگہہ یہ معنی ہوئے کہ ہمنے بڑے ذبح کو اسمٰعیل کا فدیہ بنایا۔

یہ تو خدا کے معنی ہوئے۔ مولوی شبلی صاحب کے یہ معنی ہوئے۔ پہلی جگہہ پر کہ میں تمکو خدمت کعبہ

کیلئے نذر یا وقف کر رہا ہوں۔ دوسری جگہ یہ معنی ہوسکے کہ ہم نے بڑے وقف کو اسماعیل کا فدیہ بنایا۔ اور پھر آگے چلکر خدا کے ذبح عظیم اور مولوی صاحب کے وقف عظیم والے مبتدا کی خبر آخر فقرہ آیت وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ سے یہ نکلی کہ پیچھے آنیوالی امتوں میں۔ اسکا ذکر خیر باقی چھوڑا۔

اب نتیجہ سے شبلی صاحب خود سمجھ لیں کہ آنے والی امتوں یا قوموں میں اس واقعہ کی یاد اور اس ایثار ابراہیمی کا احیا۔ آجتک ذبح کی عینی صورت میں کیا جاتا ہے۔ یا وقف و نذر خدمت کعبہ کے تمثیلی پیرایہ میں۔ کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ کبھی اوس نے موسم حج میں جانوران قربانی کو ذبح کرنے کی جگہ اپنی اولاد و احفاد میں سے کسی کو خدمت کعبہ کے لئے وقف کر کے اپنے مناسکات حج کو تمام کر دیا ہے۔ یا کوئی اسلامی عالم یا فقیہ۔ یا اگر خود شبلی صاحب فقیہ ہوتے تو بحیثیت الفقیہ والعالم کسی مرد مسلم کو قربانی کے عوض اپنی اولاد کو خدمت کعبہ کے لئے وقف کر دینے کا فتوی دے سکتے تھے۔

اب مرقومہ بالا آیہ کریمہ میں جو ذبح اسماعیل کی تفصیل ہے اور جس کو ہم نے ترجمہ کے ساتھ اوپر لکھ دیا ہے۔ شبلی صاحب کے کہیں ان مطالب نو ایجاد اور مقاصد طبعزاد کا نام و نشان تک پایا جاتا ہے۔ اور اوسکے کسی لفظ اور کسی حرف سے شبلی صاحب کے بتلائے ہوئے معنی مستنبط ہوتے ہیں۔ بلکہ بخلاف اسکے بتلائے ہوئے معنی کے۔ اس آیہ وافی ہدایہ کے الفاظ تو صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ خواب میں جناب ابراہیم کو حضرت اسماعیل کے ذبح ہی کا خاص حکم دیا گیا تھا۔ اور نہ کسی دوسرے طریقہ سے خدا یا خانہ خدا کیلئے وقف یا متعین کئے جانیکا۔

ہم تھوڑی دیر کے لئے شبلی صاحب کے اس قیاس کو مان لیتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ میں جو ذبح کا لفظ ہے وہ ابراہیم کی زبانی ہے۔ اور حضرت ابراہیم (نعوذ باللہ) غلطی سے اسکو ذبح کی اصلی صورت سمجھے تھے اور اسی وجہ سے اونہوں نے اپنے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل کے ساتھ وہ تمام امور عمل میں لائے جو ایک ذابح ذبیحہ کے ساتھ عمل میں لاتا ہے۔ مگر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ تعجب سے تعجب ہے کہ ابراہیم سے زیادہ تو ابراہیم کا خدا بے درد نکلا۔ جو باوجود اس علم مطلق کے کہ ابراہیم انسان ہے۔ انسان کی سمجھ کتنی۔ اپنی غلط فہمی سے میرے حکم کے مدعا سے اصلی کے خلاف۔ ذبح فرزند کی ایسی بیدردی کر رہا ہے۔ مگر وہ خدا جو ارحم الراحمین ہے۔ خیر الحافظین ہے۔ جس کے اوصاف راحم الشیخ الکبیر بتلائے جاتے ہیں اور رازق الطفل الصغیر وہ ان تمام خونی منظروں کو آنکھ سے دیکھتا ہے۔ مگر تاہم نہ اسکو اوس کی غلطی پر ٹوکتا ہے اور نہ اوسکے ذبح کنندہ ہاتھ کو روکتا ہے۔

بہرحال۔ بفرض محال۔ (نعوذ باللہ) اگر یہ تسلیم ہی کر لیا جاوے کہ نہ ابراہیم اسکی حقیقت کو سمجھے اور

نہ ابراہیم کا خدا اون کے سمجھا دینے کو اوسوقت مصلحت سمجھا تو پہراوس خدا نے اس واقعہ کی تفصیل فرمانے کے بعد صورت واقعہ کو اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ رکھلے ہوئے امتحان) سے کیوں تعبیر فرمائی - یہ تو حضرت ابراہیم کے الفاظ بہی نہیں ہیں ۔ خدا سبحانہ کے خاص الہامی الفاظ و مکالمات ہیں جب شبلی صاحب کے قیاس کے مطابق یہ واقعہ صرف وقف اولاد کا معاملہ تھا تو اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ کی تاکید اور البلاء المبین کی تخصیصی تعریف سے اسکی اہمیت اور عظمت کیوں بڑہائی گئی - ان الفاظ قرآنی نے ہمکو صاف صاف بتلا دیا کہ یہ واقعہ ذبح وقف اولاد کے معانی و مقاصد میں ہرگز نہیں تھا - اگر ہوتا - تو کبھی بلاء کے لفظ سے تعبیر نہ فرمایا جاتا - کیونکہ معمولی سے معمولی عقل والا شخص بہی سمجھ سکتا ہے کہ بیٹے کا ذبح کرنا باپ کیلئے بلاء و مصیبت کہلائے گا یا اوسکے بیٹے کا کسی مسجد کی خدمت کیلئے علیحدہ کر دیا جانا اوسکے لئے اندوہ و آفت کہلائے گا - اگر بلا کے معنی باعتبار ظاہر بلاء و مصیبت کے نہ لیے جاویں اور جیسا کہ حافظ صاحب کے ترجمہ میں ہے - آزمایش و امتحان ہے کے معنی سمجھے جاویں تب بہی تو بیٹے کے قتل پر ہمت کرنا بلاء مبین ہی کہلائے گا - یا اوسکو خدمت کعبہ کے لئے وقف کر دینا یا نذر چڑہا دینا اعظم ترین امتحان بتلایا جائیگا - وہ کون ایسا سادہ لوح اور کودن عقل والا مسلمان ہوگا - جو قرآن مجید کے ایسے واضح الفاظ انی اذبحک اور وفدینٰہ بذبح عظیم کے مقابلہ میں حلال کرنے - اور ذبح کئے جانیکے صریح اور صحیح معنیوں کو چہوڑ کر آپ کے بتلائے ہوئے وقف خدمت کے مطلب لگائے گا جو نہ قرآن کے الفاظ آیات سے ظاہر ہوتے ہیں - نہ کسی حدیث کی عبارت اور نہ اہل عرب کی کسی مقامی روایت سے ثابت ہوتے ہیں - ایسی حالت میں اسکا جواب شبلی صاحب کے ذمہ ہے - وہ بتلائیں کہ آپ کے اس غلط معنی و مہمل ترکیب اور بیجا اور ناز یبا تاویل کو کون مانے اور کیسے مانے -

آپ کو یا آپ کے اکابر صوفیہ کو ایسی غلط تاویل کرتے وقت یہ بہی خیال نہ آیا کہ اسکے معارض قرآن اور مخالف حدیث ہونے کے علاوہ کسی جاہل سے جاہل عرب نے بہی تو آجتک آپ کی تعلیم کی مطابق قربانی کی تعمیل نہیں کی نہ آپ تو بڑے پایہ کے مورخ شمار ہوتے ہیں - اور اعلی درجہ کے محقق - آپ تو خود اپنی اس غلط فہمی کی اصلاح حضرت عبد اللہ ابن عبد المطلب کے واقعہ کو دیکہہ کر اور پڑہ کر کر سکتے تھے - جو معمولی سے معمولی اسلامی تاریخوں میں عام طور سے درج ہے - کہئے - اگر آپ کی تحقیق جنکے مطابق حقیقت ہیں - واقعہ ایسا ہی تھا تو جناب عبد المطلب کو اپنے اپنے محبوب ترین اور حامل نور سید المرسلینؐ فرزند کو ۔ اپنے جد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاسی و تمثیل میں ذبح فرمانے - اور آپ کے تمام اعزہ و اقارب خصوصاً حضرت ابیطالب کو جو عبد اللہ کے برادر حقیقی تھے - آپ کے منع کرنے اور باز رکھنے اور بالآخر - فدیہ کی قرعہ اندازی وغیرہ کی کوشش فرمانے کی ضرورت ہی کیا تہی - نہ معلوم کہ باعتبار قدامت اور خصوصیت کے حضرت

عبد المطلب اور سائر قوم قریش اور دیگر اقوام عرب کو اس موقعہ کی صحت کا زیادہ علم تھا یا مولوی شبلی کو یا اونکے شیوخ صوفیہ کو۔ وہ کون حقیقت سے ایسا ناآشنا ہوگا۔ جو اوس زمانہ کے بزرگواروں کو۔ جو قرن اول سے کچھ ہی پہلے تھے۔ علم و اطلاع پر مولوی شبلی کی اس جدت اور اختراع کو ترجیح دیگا۔

بہرحال ہمارے موجودہ استدلال عقلی اور نقلی سے شبلی صاحب کی طباعی کی حقیقت کا پورا انکشاف ہوگیا۔ اونکو سمجھ لینا چاہیئے کہ اون کی یہ تاویل بالکل غلط ہے۔ یہ معنی بالکل مہمل اور بیکار ہیں۔ صحیح وہی ہے جو قرآن نے اپنے ظاہر اور صاف الفاظ میں بتلایا ہے اور اوسی کی مطابقت میں بالکل اسی طرح اوسکے سچے اور برحق رسول صلعم نے اور اوسکے بعد تمام علمائے اسلام نے ہمکو بتلایا ہے شبلی صاحب کے اگر دیدہ بصیرت وا اور گوش حقیقت شنوا ہوتے تو وہ آپ دیکھ لیتے اور سمجھ لیتے کہ علمائے اسلام نے باوجود اسکے کہ حضرت اسحاق اور اسماعیل علیہما السلام کے ذبیح اللہ ہونے میں اختلاف کیا ہے۔ کسی نے اسحاق کو اور کسی نے اسماعیل کو ذبیح اللہ بتلایا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر بتلا آئے ہیں۔ مگر ذبیح کی صورت میں کسی نے آپ کی طرح تمثیلی اور عینی کی تفریق و تخصیص نہیں قایم کی۔ پھر شبلی صاحب کے اس نرالی اور لاابالی ترکیب والی معنی و مطلب کو کون سمجھ سکتا ہے۔

اسکے بعد ہم مولوی صاحب کو دکھلاتے ہیں کہ وقف خدمت بیت اللہ کے ذکر سے آپ کا قرآن مجید بھی خالی نہیں ہے۔ بیت المقدس کی خدمت کے لئے اولاد کا نذر کردیا جانا۔ جو ظہور اسلام سے پہلے شریعت موسیٰ کے زمانہ میں رائج تھا۔ سورۂ آل عمران رکوع ۱۱ میں موجود ہے۔ اگر تھوڑی سی زحمت گوارا کرکے اوسکے الفاظ و معانی پر غور فرما لیا گیا ہوتا تو شبلی صاحب کی تشفی ہوگئی ہوتی۔ مگر افسوس کہ اسکی توفیق ہی نہیں ہوئی۔ جناب مریم علیہا السلام کے ذکر میں ارشاد ہوتا ہے۔

اذ قالت امرءت عمران انی نذرت لک ما فی بطنی محررا فتقبل منی	ایک وقت تھا کہ عمران کی بی بی نے (خدا کی خدمت میں) عرض کی کہ اے پروردگار، میرے پیٹ میں جو بچہ ہے اوس کو میں

(دنیا کے تمام کام کاج سے) آزاد کرکے، تیرے نذر کرتی ہوں۔ تو میری طرف سے یہ (نذر) قبول فرما۔

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس واقعہ نذر اولاد کے ذکر میں جو الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ وہی واقعہ قربانی اسماعیل میں بھی آئے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ شبلی صاحب کے اعتقاد میں تو دونوں واقعہ کے مقاصد و مطالب ایک ہیں۔ تو اس اصول سے قرآن مجید کے الفاظ۔ دونوں واقعات کے متعلق متحد المعنی یا کم سے کم قریب المعنی ہونے چاہیئے۔ مگر جب ہم دونوں واقعات کی آیات کے الفاظ پر غور کرتے ہیں۔ تو دونوں آیتوں کے الفاظ میں آسمان زمین کا فرق پاتے۔ واقعہ قربانی کے متعلق ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ

لفظ ذبیح دو جگہ الگ الگ مقامات پر آیا ہے۔ اور مذبوح کی توصیف تعریف من الصابرین بتلائی گئی ہے۔ اور واقعہ نذر اولاد میں۔ نذر کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔ اور اوس نذر کردہ اولاد کی محرر بتلائی گئی ہے۔ موٹی سے موٹی سمجھ والے مسلمان بھی دونوں کے فرق کو فوراً سمجھ کر کہہ دینگے کہ ذبیح کے معنی حلال کرنے اور نذر کے معنی ہدیہ کرنے کے ہیں۔ جیسا کہ شمس العلما حافظ نذیر احمد صاحب کے ترجمہ سے بھی یہی معنی نکلتے ہیں۔ اسی طرح مذبوح کی تعریف جان کے ایسی بیش بہا چیز دینے پر صبر کرنا ہے اور نذر کردہ اور موقوف کی تعریف ہے کہ وہ دنیا کے تمام تعلقات سے آزاد اور محض بے سروکار ہو کر خدمت معبد کے لئے مخصوص ہو۔ پہلے فرصت ہو گئی۔ حلال اور ذبیح ہونے والا صابر کہلایا۔ اور وقف یا نذر کیا ہوا شخص آزاد۔ حقیقت معلوم ہو گئی کہ صبر کرنے والا ذبح کر دیا گیا یا کر دیا جانے والا تھا۔ مگر کسی طرح سے بچ گیا۔ اور وقف شدہ شخص دنیاوی تعلقات سے آزاد اور بے سروکار رکھا گیا۔ اب شبلی صاحب کی تاویل کے خلاف۔ ان دونوں واقعات میں قرآن مجید کے الفاظ سے اتحاد ثابت ہوتا ہے یا اختلاف۔ پھر کیسے کوئی مسلمان آپ کی غلط تاویل پر ایمان لائے گا۔

ہاں مولوی شبلی صاحب ہیں تحقیق کے کامل اور عربی کے بہت بڑے فاضل۔ ان الفاظ قرانی کے ظاہری معانی کے علاوہ۔ شاید اسکے لغوی اور مادی معنی میں ہیں کوئی باریک اور رکیک معنی ایسے ہوں جن سے آپ نے اپنی نو ایجاد تاویل کو مستخرج کیا ہے اور جو آج تک عام اہل اسلام کی موٹی نظر اور موٹی عقل میں نہ آئے ہوں۔ اس بنا پر ہمیں ضرور ہے کہ ہم عربی کی لغت سے بھی ان الفاظ کے باہمی اختلاف کو پورے طور سے دکھلا دیں کہ آئندہ پھر کسی کو شبلی صاحب کی اس تاویل کے غلط ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔

قاموس میں بذیل لفظ ذبح تحریر ہے۔ ذَبَحَہٗ کَمَنَعَہٗ۔ ذبحًا وذباحًا۔ شقّ وفتق ونحر وخنق یعنی ذبح بروزن منع۔ ذبحًا یا ذباحًا۔ یا الف تنوین۔ اس سے مصادر مشتق ہوئے ہیں جن کے معنی شگاف کرنا۔ پھاڑنا یا پھٹنا۔ حلال کرنا۔ اور خون بہانا ہیں۔ پھر اسکے فاضل فیروز آبادی لکھتے ہیں۔

الذبیح المذبوح اسمعیل علیہ السلام وفی الحدیث انا ابن الذبیحین لان عبد المطلب لزمه ذبح عبد الله لنذر ففداه بمائة من الابل۔

دیکھو۔ قاموس مطبوعہ کلکتہ ص ۲۷۲

ذبیح المذبوح سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ حدیث وارد ہوا ہے کہ میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں۔ اسلئے کہ حضرت عبد المطلب نے حضرت عبد اللہ اپنے فرزند کو ذبح کرنے کی نذر کر لی تھی اور پھر ان کے عوض میں سو اونٹ

اب النذر کی تحقیق لفظی و لغوی حسب ذیل ہے :-

النذیرۃ - ما یعطیہ - وہ چیز جو کسی کو عطا کی جاوے - والولد الذی یجعلہ ابوہ قیما او خادما للکنیسہ ذکرا او انثی - اور وہ بچہ جسے اوسکے باپ نے کسی معبد میں ہمیشہ کے لئے قیام کرنے یا اوس کی خدمت کرنے کیلئے مقرر کر دیا ہو عام اس سے کہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی - قاموس ص ۷۹۴ -

اب الاحرار کی لغوی تحقیق یہ ہے -

الحُرّ - بالضم - خلاف العبد - خیار من کل شئی - الفرس العتیق - غلام کا متضد ہے - اس کے معنی نیک ترین اشیاء - اور اسپ آزاد کے ہیں - قاموس - ۴۹۴ -

ہم نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں ان تینوں لفظوں کے علیحدہ علیحدہ معنی لکھ دئے ہیں - جو آیات قرآنی متعلقہ واقعہ قربانی حضرت اسمٰعیل اور نذر جناب مریم میں اپنے اپنے مقام پر آئے ہیں - اب ان مختلف اور جداگانہ معنیوں کے الفاظ کو پڑھکر ہر شخص آسانی سے سمجھ جائیگا کہ واقعہ قربانی اسماعیل میں ذبح کا خاص لفظ آیا ہے اور وہ واقعہ نذر جناب مریم میں نہیں آیا ہے - اسی طرح واقعہ نذر حضرت مریم میں نذر کا خاص لفظ مستعمل ہوا ہے اور وہ واقعہ جناب اسمٰعیل میں نہیں لایا گیا - اس بنا پر ہر شخص بلا کسی تحریک کے خود سمجھ لیگا کہ ذبح کے معنی نذر کے نہیں ہو سکتے - کیونکہ ذبح کے معنی سوا ے حلال کرنے یا خون بہانے کے اور دوسرے نہیں ہو سکتے - اسیطرح نذر کے معنی کسی لڑکے یا لڑکی کو کسی معبد کیلئے تا عمر وکے علیحدہ کر دینے اور دیگر مشاغل و تعلقات سے آزاد کر دینے کے سوا دوسرے نہیں ہو سکتے -

جب یہ دونوں الفاظ آپس میں ایسے متغائر مخالف اور متضاد ثابت ہوتے ہیں تب شمس العلماء نعمانی کا ذبح کے معنی کو نذر کے مطلب میں بتلانا اور نذر کے مقصد کو ذبح کے معنی میں سمجھانا - اونکی خاص منطق معکوسی اور اونکے کار صوفیہ کی طرح کا بوسی سمجھی جائے گی - اگر حقیقتاً یہ دونوں الفاظ متحد المعنی ہوتے تو ضرور تھا کہ واقعہ اسماعیل کے متعلق قرآن مجید میں انی اذبحک کی جگہہ انی انذرک اور فدیناہ بذبح عظیم کی جگہہ فدیناہ بنذر عظیم نازل فرمایا جاتا - اور اسیطرح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی انا ابن الذبیحین کی عوض انا ابن المنذرین ارشاد فرمایا ہوتا - اور علی ہذا القیاس - اہل لغت نے بھی ذبح کے معنی - ذبح کئے جانے کے عوض - لڑکے کو خدمت معبد کے لئے وقف کر دیا جانا لکھا ہوتا - غرضکہ شمس العلماء صاحب کی جدید تعلیم کے مطابق پہلے سے خلف تک کے ادب تفسیر - حدیث - تاریخ لغت غرض تمام علوم و فنون کے دفتر کے دفتر الٹ دئے جائیں غلط کر دئے جائیں اور مٹا دئے جائیں تب کہیں آپکی اس لطیف تاویل کا لطیفہ سمجھ میں آوے -

بہرحال ہم نے اپنی مندرجہ بالا طول طویل اور بالتفصیل بحث میں شبلی صاحب کی اس غلط تاویل کی کامل تردید و تنقید کردی ہے جس کو اونہوں نے بلا سند اور بلا نام و نشان۔ اپنے چند اکابر صوفیہ کے غیر مقتدیہ اقوال سے بغیر ضرورت صرف اپنی جدت طبع کا نمونہ بناکر اپنی کتاب میں لکھی تھی۔ اور واقعہ قربانی کی اصل مدعا کو ایک ایسے غلط اور موضوع نشار کے ساتھ تبدیل کرنا چاہا تھا۔ جو قرآن کا مخالف۔ حدیث کا معارض اور تمام روایت و درایت کے واقعات کے خلاف اور صریح متضاد تھا۔ ہم نے عمداً اس بحث میں طوالت کا ذرا بھی خوف و خیال نہیں کیا۔ اور اسکے تمام جزئیات کو عقل اور نقل کے دونوں طریقوں سے استدلال سے مختلف اور متواتر اسناد و اشہاد کے ساتھ اس غرض خاص سے بیان کردیا ہے کہ آیندہ پھر کسی اہل اسلام کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے واقع ذبح کو اوسی طرح جس طرح قرآن مجید کے الہامی الفاظ میں حضرت ابراہیم کی زبانی۔ اونکے مخصوص پیرایہ میں مندرج ہے۔ وقوع پذیر ہونے کے متعلق کوئی عذر و کلام اور شکوک و اوہام باقی نہ رہیں۔

اتنا لکھکر ہم پھر مولوی صاحب کے اس مخالف مختار اپنی خلاف رائے دئے بغیر نہیں رہ سکتے جو آپ نے اپنے اوس مختار تحقیق اور معیار تالیف کے خلاف اختیار فرمایا ہے جس کو آپ نہایت سختی اور احتیاط کے ساتھ اپنی کتاب کے دیباچہ میں تحریر فرما چکے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ تمام تاریخی واقعات کے اسناد کو اوسی طرح مرفوع بمصدق اور صحیح۔ اور اون کے تمام رواۃ کو تمامتر معتبر اور ثقاۃ ہونا شرط فرماتے ہیں جس طریق و اصول پر تفسیر۔ حدیث اور فقہ و کلام کی تدوین کی جاتی ہے۔ کہاں تو آپ کی یہ احتیاط۔ یہ تاکید و تنقید۔ اور کہاں یہ بے احتیاطی اور آزادی کہ مسئلہ زیر بحث میں بلا سند اقوال سے استدلال کیا جاتا ہے۔ نہ کسی کتاب کا حوالہ دیا جاتا ہے اور نہ قائل قول کا نام و نشان بتلایا جاتا ہے کہ اوسکی حیثیت معلوم ہوسکے۔

اس سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ دیباچہ کی عبارت میں آپ نے اپنی نمائشی تحقیق اور ظاہری احتیاط کا جو کچھ طمطراق اور لام قاف باندھا ہے وہ غریب مسلمانوں کو مرعوب بنانے کی غرض خاص سے ہے۔ ورنہ اوس میں اصلیت اور حقیقت کا کوئی شائبہ نام کو بھی موجود نہیں ہے۔

فدیناہ بذبح عظیم کا حقیقی مقصود
اور
ترکنا علیہ فی الآخرین کا اصلی مفہوم

اب ہم شبلی صاحب کو یاد دلاتے ہیں کہ آپ نے واقعہ ذبح اسمٰعیل کے متعلق تو دور از عقل اور خارج از قیاس تاویلات و معانی کا انبار لگادیا۔ اور ان مہملات کے بتلانے اور سمجھانے میں بڑی کوشش اور کد و کاو سے کام لیا۔ مگر کبھی آپ کو وفدیناہ بذبح عظیم کے اصل مطالب و مقاصد کی تحقیق اور اسکے اصلی

مفہوم قایم کرنے بتلانے اور سمجھانے کی توفیق نہیں ہوئی۔ اسکی طرف نہ کبھی آپ کا خیال گیا اور نہ آپکی نگاہ۔ استغفراللہ حقیقتاً شبلی صاحب اور اون کے اسلاف سے ایسے صاف اور با انصاف تحقیق و تفتیش کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ ایسی محققانہ اور منصفانہ تاویل و معانی تو اونکے اور اون کے اسلاف کے اصول عقاید میں گویا معصیت ہے۔ اسی تعصب اور خود غرضی کی بنا پر سواد اعظم کے مفسرین، محدثین اور مورخین کا ایسکے سچے صحیح اور برواقع معانی و مطالب بتلانے کے لئے نہ توفیق کا قدم اوٹھا اور نہ تحقیق و تفصیل کا قلم کیونکہ ایسی تفسیر و تفصیل سے اس ذات مقدس کے خصائص اور فضل و مناقب کا اظہار ہوتا تھا۔ جو ابتدا ہی سے آپکی عقیدت و معرفت کے دفتر میں مرفوع القلم ہوچکا تھا۔ واعظین اور ذاکرین پر اوسکا ذکر کرنا اور سامعین پر اوسکے ذکر کو سننا حرام کردیا گیا تھا۔[ل] جب شبلی صاحب کی شریعت کے احکام اور حکومت کے نظام۔ دونوں متفقہ قوتوں سے اسکے استخفاف و استیصال پر ابتدا ہی سے آمادہ اور کمربستہ ہوں۔ تو انکشاف حقیقت کی امید آپ سے کیا ہوسکتی ہے۔

مولوی شبلی صاحب اس آیہ دالی ہدایہ کی اصلی معنی بتلائیں اور حقیقی مفہوم سمجھائیں محال ہے اور خیال ہی خیال۔ گرہم اونکو اور اونکے ہمخیال حضرات کو بتلاتے اور سمجھاتے دیتے ہیں کہ واقعیت اور حقیقت کسی شئے کی نہ کسی کے چھپائے چھپ سکتی اور نہ مٹائے مٹ سکتی ہے۔ اصلیت پر چاہے کتنی مدت تک سخت سے سخت پردے نہ ڈالے جائیں مگر حقیقت چمک جاتی ہے اور صداقت صاف جھلک جاتی ہے۔

مفسرین اہلبیت علیہم السلام نے۔ وَفَدَیْنَاہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ کے صحیح معنی اور اصلی مفہوم عام اہل اسلام کو ایک بار نہیں ہزار بار بتلایا اور سمجھایا۔ مگر سواد اعظم اسلام نے اپنے عقاید موضوعی اور مقاصد مصنوعی کے مخالف پاکر اس حقیقت نمائی پر کوئی توجہ اور اعتنا نہ فرمائی۔ اور کیونکر اعتنا فرماتے مفسرین اہلبیت کا اون کی نگاہوں میں کوئی اقتدار ہی باقی نہیں رہا تھا۔ تو اون کے ارشادو ہدایات اور اخبار و آثار کا کیا اعتبار کیا جاسکتا تھا۔ اوسوقت سے لیکر اس وقت تک سواد اعظم میں ان حضرات کے لئے اعتباری اور غیراعتمادی کی وہی صورت قایم ہے۔

مگر باانہمہ۔ باوجودیکہ ذبح عظیم کے اصلی مفہوم و مقصود سے سواد اعظم کی عدم واقفیت اور حق فراموشی کا وہی عالم ہے مگر پھر بھی اس واقعہ الہامی کی حقانیت اور اس سچی قربانی کی روحانیت

[ل] حرام علی الواعظین ذکر مقتل الحسین علیہ السلام الخ سر العالمین امام غزالی۔

کی تاثیر نے بالآخر۔ انہیں محدثین و محققین میں سے اکثر کو اوسکے اصلی مفہوم سمجھنے اور تسلیم کرنیکی کی بہی توفیق دی۔ اور ایک مدت کے بعد جب اون کے خیالات میں انصاف پسندی۔ حقگوئی اور حقیقت جوئی اور آزادی کے جوہر پیدا ہوئے اور جب اون کی نگاہوں کے سامنے سے تعصب نفسانیت اور خود غرضی کے حجاب اوٹھا دیے گئے۔ اور جب اون کی گردنیں متعصب حکومتوں اور ظالم سلطنتوں کے زبردست پنجوں سے چھوٹ گئیں تو اونہیں ان اسرار مخفیہ کے متعلق اپنے محققانہ انکشافات اور منصفانہ اقتباسات کا موقع ملا۔ اور اونہوں نے جب اس آیہ کریمہ کے اصلی مقصود پر تحقیق کی نظر ڈالی اور کامل غور و خوض سے کام لیا تو اونکو صورت واقعہ اور حقیقت حال پوری معلوم ہوگئی اور وہ سمجھ گئے کہ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ سے حقیقی طور پر وہ گوسفند بہشتی۔ جو بطور مشہور اوسوقت سے لیکر اسوقت تک برابر منقول و مذکور چلا آتا ہے صحیح طور سے۔ مراد و مقصود ہو سکتا ہے۔ اور نہ اون بیشمار گوسفندوں اور لاتعد و لاتحصی مختلف اقسام جانوران۔ اونٹ۔ گائے۔ وغیرہ کی قربانیاں حقیقی طور پر تسلیم کی جاسکتی ہیں۔ جو ایام حج میں اس واقعہ عظیم کے احیا و یادگار کے خیال سے ہر سال خدا کے نام پر کیجاتی ہیں۔ یہ کیوں ؟

اسلئے کہ قرآن مجید میں لفظ فدا مستعمل ہوا ہے۔ اور فدا کی تعریف خاص یہ ہے۔ کہ اول وہ فدیہ مِنْ تَمَامِ الْوُجُوْهِ وَالْحَيْثِيَّة اپنے مبدل منہ سے بہتر ہو۔

دوم یہ کہ اگر مبدل منہ سے اوس فدیہ و بدل کا اولیٰ تر ہونا مقدور و میسر ہونا ممکن نہ ہو تو بدل اور بدل منہ میں مِنْ تَمَامِ الْوُجُوْهِ وَالْحَيْثِيَّة مساوات ضرور ہو۔

بدل و فدیہ کے اصول مرقومہ بالا کے ثبوت ذیل کے الفاظ الہامی اور ارشاد قرآنی میں ملاحظہ ہوں۔

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا جزو چہارم سورۂ نساء	اگر تمکو کوئی شخص) ہدیہ دے تو تمکو اوس سے بہتر ہدیہ دینا چاہئے اور اگر (اوس سے بہتر میسر نہو) تو اوسکے ایسا واپس کرنا (اور

بھیجنا) لازم ہے۔ خدا تمام چیزوں کا حساب لینے والا ہے۔

یہ نہ کوئی ایسا باریک مسئلہ ہے اور نہ کوئی ایسا دقیق نکتہ۔ جو سمجھ میں نہ آسکے۔ بلکہ یہ تو ایسا کھلا ہوا اور سلجھا ہوا آسان اخلاقی مسئلہ ہے جو عام طور سے ہر شخص کے روزمرہ کی ضرورتوں میں برابر پیش آیا کرتا ہے

اب اس اصول و مقدار سے اس واقعہ کی عظمت اور اہمیت پر غور کیا جاوے۔ صورت واقعہ صاف صاف بتلا رہی ہے کہ خدائے عزوجل اور اوسکے ایک معتبر اور معتمد ترین نبی مرسل کے فیمابین وعدہ وعید کے معاملات پیش ہیں۔ مشیت الٰہی کو صبر خلیل اللہی کا امتحان منظور ہے۔ اگرچہ اسکے قبل بھی ان کی بڑی بڑی آزمائشیں ہوچکی ہیں۔ آگ میں زندہ جلا دینے تک کی مصیبتیں اوٹھانی پڑی ہیں۔ مگر ابھی قدرت کی تسکین اور مشیت

اسکا اطمینان نہیں ہوا ہے۔ وہ اب ایک مافوق البشری طریقہ سے امتحان لینا چاہتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنے ارمان اور تمناؤں والے۔ نوجوان بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر کے اپنے صبر و استقلال اور معرفت کے کمال کا امتحان دے۔ یہ وہ طریقہ امتحان ہے جو صبر و تحمل انسانی کے حدود امکان سے بالکل باہر ہے۔ ایسا عدیم النظیر قیامت کے نظیر سے دُنیا کے تمام کارنامے خالی ہیں۔

باپ کون ہے؟ وہی بزرگ مقدس جس نے اسی بیٹے کو عطا فرمائے جانے اور پیدا ہونے کی آرزو و تمنا میں مدت تک دن دن بھر رات رات بھر دعائیں مانگی ہیں۔ خدا کی بارگاہ میں برابر الحاح و زاری کی ہے۔ یہاں تک کہ اسی حسرت و تمنا میں جوانی ختم ہو گئی ہے۔ شباب جاتا رہا ہے۔ بڑھاپا آ چلا ہے۔ خدا خدا کر کے۔ خدا نے اب سُنی ہے اور والدین کو یہ نعمت غیر مترقبہ عنایت فرمائی ہے۔ ماں باپ نے بڑے ناز و نعم سے پالا ہے۔ اور اب وہ کامل جوان ہونیوالا ہے۔

باپ کو بیٹا بھی کیسا ملا ہے؟ الولد سر لابیہ کا کامل مصداق۔ اچھوں کے اچھے ہی ہوتے ہیں۔ مقدس باپ کی تقدیس و عظمت کا نمونہ حسنات و برکات اور جملہ صفات پدری کا تیار مجسمہ جس کی قدر و منزلت کی نسبت مصدر قدرت سے ولادت ہی کے وقت تو بشارت آ چکی ہے۔ اور خطیب مشیت ان الفاظ کے ساتھ کیسا خطاب فرما چکا ہے کہ خدا اس بچہ کے ساتھ ہے۔ یہ امت عظیمہ کا مورث اور بارہ سرداروں (اماموں) کا جد اعلیٰ ہے اسکو برکت دیگئی ہے۔ (اسفار توراۃ سے ان بشارتوں کے حوالہ اوپر نقل ہو چکے ہیں)

ایسے برگزیدہ بیٹے کو اوسکا عاشق اور گرویدہ باپ اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے والا ہے کیوں؟ کس لئے؟ اسلئے کہ وہ رویائے صادقہ کے ذریعہ سے۔ جو وحی ربانی اور الہام یزدانی کا ایک جزو خاص ہے اس امر فوق البشری کے اقدام و ارتکاب پر مامور ہو چکا ہے۔ اس غرض خاص سے کہ وہ امتحان گاہ دنیا میں اپنی صبر و استقامت کا امتحان دے اور آماجگاہ عالم میں اپنے تصفیہ قلب۔ استقلال دل اور تسلیم و رضا کے کمال دکھلا کر ثابت کر دے کہ باوجود اسکے کہ جس فرزند کو اوس نے اتنی آرزو و تمنا سے پایا ہے اور ایسی محنت، ریاض اور الفت و محبت سے پالا ہے۔ مگر تاہم رضائے الہی اور اطاعت ایزدی کے مقابلہ میں وہ ایک معمولی جانور سے بھی زیادہ عزیز نہیں۔ باوجود اسکے کہ اوس کی صورت ہمیشہ آنکھوں میں اسکی یاد ہمیشہ دل میں اوس کی خبر گیری۔ دلجوئی اور راحت رسانی کے تمام سامان نگاہوں میں رہا کرتے ہیں۔ مگر جب قدرت کا حکم مشیت کا فرمان۔ اوس سے مفارقت اور جدائی اختیار کرنیکے لئے صادر ہوتا ہے۔ تو اوس سے ایسی بے تعلقی اور بے سروکاری ثابت کی جاتی ہے کہ گویا باپ بیٹوں میں گویا کوئی

علاقہ اور واسطہ ہی نہیں تھا۔

صاحب مواہب لدنیہ نے اس مضمون کو پوری تفصیل سے لکھا ہے۔ ہم اونکی اصل عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

وابراهيم لما سأل ربه الولد ووهبه له تعلقت شعبة من قلبه بمحبته والله تعالیٰ قد اتخذه خليلاً والخُلّة منصب يقتضي توحيد المحبوب بالمحبة وان لا يشارك فيها فلما اخذ الولد شعبة من قلب الولد جاءت غيرة الخُلّة تنزعها من قلب الخليل فامر بذبح المحبوب فلما قدم على ذبحه وكانت محبة الله عنده اعظم من محبة الولد خلصت الخُلّة حينئذ من شوائب المشاركة فلم يبق في الذبح مصلحة اذ كانت المصلحة انما هي العزم وتوطين النفس وقد حصل المقصود

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حصول فرزند کی دعا فرمائی اور خدا نے اونکو فرزند (اسماعیلؑ) عطا فرمایا تو حضرت ابراہیم کے ایک گوشہ دل میں محبت فرزند بھی جاگزیں ہوئی۔ اور اس سے قبل ایزد سبحانہ تعالیٰ آپ کو مرتبہ خلّت پر فائز فرما چکا تھا۔ اور خلّت وہ منصب عالی ہے جو محبوب کی محبت بالکل خالص اور بلا شرکت رکھے جانیکا مقتضی ہوتا ہے اور حقیقتاً اوسکا اصلی مدعا اور غایت منشا یہی ہوتا ہے کہ محبوب کی محبت بلا شرکت سہیم قایم رکھی جاوے۔ مگر جب ابراہیمؑ کو اسماعیلؑ سا بیٹا ملگیا تو آپ کا ایک گوشہ دل بیٹے کی محبت سے پُر اور مملو ہوگیا اور گویا خلاف اصول خلّت باپ کے دل کا وہ گوشہ خدا کے سوا دوسرے کا ہوگیا لہذا خلّت کی صفت قلب ابراہیم میں مشترک ہوگئی۔ اسلئے خدا نے آپ کو ذبح محبوب کا حکم دیا اور جب آپ اسکے اقدام پر کامل طور سے تیار ہوگئے تو ظاہر ہوگیا کہ آپ کے دل میں خدا کی محبت بیٹے کی محبت سے زیادہ ہے۔ اس سبب سے آپ کی خلّت اوسی وقت شائبہ مشارکت سے پاک وصاف ہوگئی۔ اب کوئی مصلحت قربانی کی باقی نہیں رہی۔ اور اگر کوئی مصلحت الٰہیہ تھی تو وہ جناب ابراہیم کے استقلال قلب اور اطمینان نفس کا امتحان تھا اور یہی حاصل مقصود تھا۔

مندرجہ بالا عبارت بتلا رہی ہے کہ ذبح اسمٰعیل کا یہ عظیم الشان اور عدیم المثال واقعہ ایک طرف تو اسرار و حکمت ربانی کا مظہر تھا اور دوسری طرف صبر و استقلال انسانی کا منظر۔ خدا سے سبحانہ تعالیٰ امر ذبح کا (امتحاناً) آمر ہے اور پیغمبر حاضر (ابراہیمؑ) ذابح تھا اور پیغمبر لاحق (اسمٰعیلؑ) مذبوح۔ مقام ذبح۔ یا مذبح پیشگاہ بیت اللہ ہے یہ واقعہ اپنے قدرتی عظمت و اقتدار اور نیز اپنے ماموریں کی ذاتی اور صفاتی قدر و منزلت کے اعتبار سے جب ایسا مہتم بالشان ثابت ہوتا ہے تو اسکا وہ فدیہ خاص جو منجانب اللہ اوسوقت سے لیکر اسوقت تک اور اسوقت سے لیکر ابدالآباد تک تمام متبعین شریعت ابراہیمیہ اور سارے امت اسلامیہ میں قایم فرمایا گیا ہے۔ وہ اصول فدیہ اور قواعد اخلاق کے مطابق اپنے مبدل منہ سے من حیث الوجوہ اول تو بہتر ہو نہیں تو

برابر مساوی اور ہمپایہ تو ضرور ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ارشاد الٰہی کے بتلائے ہوئے نصاب فدیہ و ہدیہ کے علاوہ روزمرہ کے اخلاقی مراسم ہمکو بتلا رہے ہیں کہ اقوام انسان میں جب ارسال ہدیہ یا ادائے فدیہ کیلئے مِنْ اَفْضَلِ شَیْءٍ بِالْعَطِیَّۃِ اَوْ بِالْہَدِیَّۃِ کی خاص شرط پائی جاتی ہے اور ہر شخص بقدر امکان اسکی پیروی کرتا ہے اور سالانہ تعمیل۔ تو ذات جناب باری عز اسمہ جس کی استغنا کا کمال اِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ۔ خدا کی ذات غنی اور قابل ستائش ہے۔ اور تم لوگ (بندے) غریب فقیر ہیں سے ظاہر و ثابت ہے۔ اپنے بندہ ہمیقدار کے بدلہ دینے اور اوسکے فدیہ عطا کرنے میں کتنی لا انتہا فیاضی اور بخشش سے کام لیگا اور اس بدلہ یا فدیہ دینے میں اپنے مبدل منہ سے احسن ہونے یا اوسکے ساتھ مساوی اور برابر ہونے کی کیسی احتیاط قایم رکھی ہوگی۔ کیونکہ عام فطرت انسانی اسکی تعمیل پر اس سختی اور احتیاط کے ساتھ عمل پیرا ثابت ہوتی ہے۔ تو عادت الٰہی جو تمام مخلوق کی عادات و عملیات کی معلم ہے۔ کیونکر اسکی عامل اور آمر نہ سمجھی جاوے گی۔ یہ مشاہد اور قرآن بتلا رہے ہیں کہ آیہ وافی ہدایہ وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ میں وَتَرَکْنَا عَلَیْہِ فِی الْاٰخِرِیْنَ۔ کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ یہ معمولی دنبیوں یا اور قسم کے حیوانوں اور لاکھوں قسم کے جانوروں کی قربانی نہیں ہے۔ جو اس واقعہ عظیمہ کی یادگار میں اوسوقت سے لیکر اسوقت تک ہر سال خدا کے نام پر کی جاتی ہے مگر حقیقت میں آنکھیں بمعرفت آگیں قلوب خوب جانتے اور پہچانتے ہیں کہ ایک نبی اللہ کے کیا مراتب ہیں۔ اور ایک جانور یا بیشمار جانوروں کی جانوں کا اوسکے مقابلہ میں کیا وجود ہو سکتا ہے۔ خدا کی بارگاہ میں نبی اللہ کے ایک قطرہ خون کی کیا قدر و عظمت ہے۔ اور ایک جانور یا بیشمار جانوروں کے دریا ے خون کی کیا ہستی ہے اور کیا مقدار۔

حقیقت میں جن لوگوں نے ذبح عظیم سے سالانہ دنبوں کی قربانی مراد لی ہے۔ وہ حقیقتاً انبیا و مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین کے خون مطہر کی قدر و قیمت سے بالکل ناواقف ہیں۔ اور اگر واقف ہیں اور اپنی کسی خود غرضی سے اسکے اظہار میں تغافل و تساہل اختیار کرتے ہیں تو حقیقتاً ایسے لوگ ان مقدسین مرسلین کی تحقیر و ذلت اور استخفاف مراتب و مدارج کے مرتکب ہوتے ہیں۔ تحقیق کی زیادہ نظر ڈالی جائے تو اس خیال اور عقیدے والے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

عبداللہ ابن عمر صحابی کی مجلس کا مندرجہ ذیل استفسار جس کو ہم صحیحین کے اسناد سے لکھتے ہیں اسکی حقیقت کا پورا انکشاف کرتا ہے۔ اور اس خون مطہر کی عظمت کا کامل اعتراف۔ صحیح بخاری باب مناقب الحسن والحسین علیہما السلام میں مرقوم ہے۔

حدثنا محمد ابن بشار قال حدثنا شعبہ عن	عبداللہ ابن عمر سے کسی عراق کے رہنے والے نے حالت

محمد ابن ابی یعقوب سمعت ابن ابی نعم قال سمعت عبد اللہ ابن عمر سئلہ رجل عن المحرم قال شعبۃ احسبہ یقتل الذباب فقال اھل العراق یسئلون عن قتل الذباب وقد قتلوا ابن بنت رسول اللہ صلعم

احرام میں مچھر کے مار ڈالنے کا مسئلہ دریافت کیا۔ عبداللہ عمر نے کہا اہل عراق قتل ذباب کا مسئلہ تو مجھ سے دریافت کرتے ہیں درانحالیکہ انہیں لوگوں نے رسول خدا صلعم کے نواسے کو قتل کر ڈالا۔

(خلاصہ ترجمہ)

اس واقعہ اور مستفسرہ سے اگر اور کچھ نہیں تو اتنا ضرور معلوم ہوا کہ اس خون مطہر کی نسبت عظمت اور حرمت کا خیال قرن اولی ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ اگرچہ کیسا ہی زبانی اور ظاہری نہ ہو۔ کیونکہ دنیاوی ضروریات اور تعلقات اور تحصیل مال و دولت اور فکر و تلاش معاش کی کشمکش کچھ ایسی مجبوریاں۔ پاؤں کی بیڑیاں اور زبان کی قفل بنجاتی تھیں کہ آدمی کا اپنے ایک خیال اور اعتقاد پر قایم رہنا سخت دشوار تھا۔ یہی بزرگ (عبداللہ عمر) جو حسین ؑ (روحی لہ الفدا) کے خون مطہر کو اس عظمت و حرمت کا مستحق قرار دیتے ہیں وہی ذات شریف اون کے قاتل یزید کو خلیفہ برحق تسلیم کرتے ہیں اور مدینہ کے مسلمانوں میں سب سے پہلے اوسکی بیعت فرماتے ہیں۔ اور جو اوسکی بیعت سے انکار کرتا ہے اوس پر بغاوت۔ غدر اور شق عصائے امت کا حکم لگاتے ہیں۔ (طبری۔ ابن اثیر)

وہ حکم بھی حضرت عبداللہ ابن عمر کا تھا۔ اور اب یہ فرمان بھی آپ ہی کا ثابت ہوتا ہے۔ تو اب متبعین اور عام گروہ مسلمین ان دونوں مخالف اور متعارض میں سے کس حکم کو اختیار کریں۔ بیّنوا و توجروا

بہرحال جب آغاز ہی سے متقدمین صحابہ اور تابعین کی۔ ان معاملات میں یہ مذبذب حالت پائی جاتی ہو۔ تو ان کی زبان و قلم سے اہلبیت طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے اصل معارف و مشارف کی حقیقت نویسی کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔ اور اون کے متعلق اصل واقعات کیسے معلوم ہو سکتے ہیں۔

اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سابق سلسلہ بیان پر آ جاتے ہیں۔ ہم اپنی بحث میں اوپر لکھ آئے ہیں کہ ایک جانور کیا بیشمار جانور۔ عام اس سے کہ وہ زمین سے لائے جائیں۔ یا آسمان سے۔ اون کی پرورش خفیستان عالم میں ہوتی ہو۔ یا گلستان ارم میں کسی صحیح دماغ اور سلیم عقل والے کے نزدیک ایک ساعتی زادہ کے ہمسر اور برابر نہیں ہو سکتے۔ اس بنا پر ضرور ہوا کہ حضرت اسمٰعیل کا فدیہ۔ اور بدل موعود بھی ایسا ہی عظیم المرتبہ ہو جو اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے آپکا ہمپایہ ہمسر اور ہمشان ثابت ہوتا ہو۔

جب ہمارے استدلال کے تمام عقلی اور نقلی دلائل اور سارے قرائن۔ اور ان سب کے ساتھ اس واقعہ عظیمہ کی صورت حال بھی۔ فدیہ اور بدل میں باہمی مساوات اور مماثلت کو ضروری اور لازمی قرار

دیتی ہے تو اب ہم پوچھتے ہیں کہ تاریخ و سیر کے بالاستیعاب سیر کرنیوالے اور ہر ہر واقعہ کو تحقیق و تفتیش کی نظر سے پڑھنے والے ہمکو بتلادیں کہ اس واقعہ عظیم الشان کے بعد خاندان ابراہیمی اور دودمان اسمعیلی میں وہ کون ایسی قربانی۔ خدا کے نام۔ خدا کی راہ اور خالص اظہار حق کے اظہار و استقرار کے لئے عمل میں لائی گئی ہے۔

اسکی تلاش و جستجو میں متلاشیان حقیقت کو کم سے کم دو ہزار برس تک کے تاریخی واقعات دیکھنے پڑینگے۔ اور اس مدت میں ایک واقعہ بھی اسکی مثال میں نہیں ملیگا۔ مگر ہاں۔ اس سلسلہ عالیہ میں حضرت عبدالمطلب کے عہد امارت میں۔ آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا ایک واقعہ ملیگا۔ اور اسمیں کوئی کلام نہیں کہ حضرت عبداللہ کی قربانی کے معاملہ کو فدیہ اسماعیلی ہونیکا پورا حق حاصل تھا۔ کیونکہ بدل اور بدل منہ میں باہمی مساوات بھی موجود تھی۔ مگر جیسا کہ تمام اسلامی مفسرین۔ محدثین اور مورخین کا متفق علیہ بیان ہے۔ اس قربانی میں بھی۔ اس مصلحت خاص سے۔ فدیہ اور بدل کا حکم آگیا کہ جناب عبداللہؑ کی ذات بابرکات سے جناب ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود ذیجود قایم ہونیوالا تھا۔ اس لئے حضرت عبدالمطلب نے جناب عبداللہ کے بدلے میں سو اونٹوں کا فدیہ دیا۔

واقعات کی اصلی حقیقت جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ جناب اسماعیل کے واقعہ قربانی میں فدیہ اور بدل واقع ہونے کی جو مصلحت مضمر تھی وہی مصلحت اور ضرورت حضرت عبداللہ کے واقعہ ذبح میں بھی لاحق ہوئی۔ اور مدبرین قدرت کو۔ دونوں معاملات میں ہمقالب ہونے کی وجہ سے ایک ہی طرح کا فیصلہ دینا پڑا۔

بہرحال۔ ہمارے مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہوگیا کہ واقع ذبح حضرت عبداللہؑ۔ جو حضرت اسماعیل کے واقعہ ذبح کی تنہا مثال تھا۔ وہ بھی فدیہ اور بدل واقع ہوجانیسے ناقص اور ناکامل ثابت ہوگیا۔ کیونکہ قرآنمجید میں جو الفاظ فدیہ اسمعیل کی تعریف میں آئے ہیں وہ فدیناہ بذبح عظیم کی تفصیلی صورت میں آئے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ۔ اسماعیل کا فدیہ ذبح عظیم کی صورت میں دینا چاہیئے۔ چونکہ حضرت عبداللہ کے واقعہ میں بھی ذبح واقع نہیں ہوا۔ اسلئے وہ بھی فدیہ اسماعیلی ہونیکا شرف حاصل نہیں کرسکا۔

اب تاریخ و سیر کے ماہرین اور محققین بتلادیں کہ پھر اس مبارک اور مقدس سلسلہ اسماعیلی میں کوئی متنفس کوئی فرد واحد۔ سوائے ذبیح کربلا۔ قتیل نینوا۔ سید الشہداء۔ خامس آل عبا۔ ابی عبداللہ الحسین علیہ التحیۃ والثنا کے فدیہ اسماعیل ہونے کی مفاخرت اور مماثلت رکھنے کا مستحق اور دعویدار ہوسکتا ہے؟ کیونکہ ذبح اور عظیم کے خاص دونوں الفاظ۔ جو فدیہ اسماعیلی کے تعریف میں بطور مخصوص آئے وہ ہر پہلو اور ہر قرینہ سے

واقعہ عظیمہ کربلا کے ساتھ پورے پورے منطبق ہو جاتے ہیں۔ اور ذبح اور عظیم، دونوں صفات مذکورہ کی اصلی اور حقیقی شکل و صورت پوری تفصیل و تکمیل کے ساتھ اس ایک واقعہ میں قائم ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس واقعہ کے بعد آج تک کسی دوسرے واقعہ کا ایسا عظیم اور شدید نہیں واقع ہونا ثابت کر رہا ہے کہ سوائے اس ایک واقعہ کے کوئی دوسرا واقعہ ذبح عظیم کا نہ مقابل ہوا ہے اور نہ مماثل۔ اور نہ سوائے اس کے ان الفاظ ربانی سے نہ کوئی دوسرا مستثنا ہو سکتا ہے اور نہ مراد۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم ناظرین کتاب کو بتلا دیں کہ شبلی صاحب کی طرح میرا یہ بیان میری خاص طباعی نہیں ہے ۵ نہ شیم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم۔ بلکہ اس کی صحت اور حقیقت کی سند میں ایک ایسے محقق اور قابل نقاد فن کا قول و مختار پیش کر دیں جو فی الحال سواد اعظم میں شریعت اور طریقت۔ دونوں طریقوں کی جامعیت اور اعلمیت کے اعتبار سے اپنا جواب نہیں رکھتا۔ نواب خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب رئیس پریانواں مولف تاریخ احمدی وغیرہ وغیرہ۔ اپنے رسالہ البلاء المبین میں رقمطراز ہیں۔

حضرت اسماعیل کی قربانی کا واقعہ تو سب کو معلوم ہے جس کی نسبت خداوند عالم فرماتا ہے اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ۔ ان ہذا لہو البلاء المبین کے معنی تو صاف ہیں کہ فی الواقع یہ ایک روشن امتحان ہے۔ لیکن وفدیناہ بذبح عظیم کا مطلب سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے کس ذبح عظیم یعنی قربانی بزرگ کے بدلے حضرت اسمٰعیل کو بچا لیا۔ فی الحقیقت وہ ذبح عظیم جس کا ذکر اس آیہ کریمہ میں ہے۔ وہی تھا جو عاشور محرم کو کربلا کے میدان قیامت خیز میں بروز جمعہ بوقت عصر واقع ہوا۔ اور ابراہیم کے فرزند کی ناتمام قربانی کو علیؑ کے لخت جگر حسینؑ نے کامل کر دیا۔ تھوڑا غور کرنے سے سمجھ میں آ جا سکتا ہے کہ ذبح گوسفند کی یہ حقیقت نہیں تھی کہ حضرت اسماعیل کے مقابلہ میں ذبح عظیم کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا۔ اخبار صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم نے جب حسب منشاء حکم باری عز اسمہ حضرت اسمٰعیل کو قربانی کرنا چاہا اور بعدہ بموجب ارشاد باری اس عمل سے باز رکھے گئے۔ تو آپ کو حزن و ملال کے ساتھ یہ خیال پیدا ہوا کہ میں قربانی کے لئے کئی بار بشدید تاکید کے ساتھ مامور کئے گئے۔ اور پھر کیوں باز رکھے گئے پس حق سبحانہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ یعنی واقعی یہ بہت ہی سخت امتحان ہے اور ہم نے اسمٰعیل کو ایک بڑی قربانی سے بچا لیا حضرت ابراہیم نے بڑی قربانی کو دریافت کیا۔ تو ارشاد ہوا کہ تیرا فرزند حامل نور ختم المرسلین ہے اس وجہ سے ہم نے تیرا امتحان لیکر اسمٰعیل کو بچا لیا۔ پھر حق سبحانہ تعالیٰ نے خلیل اللہ کی نظروں سے رفع حجاب فرمایا کہ آپ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل باصفا کا رتبہ عالیہ مشاہدہ فرمائیں۔ جب آپ نے پیشگاہ عالی منزلت کا ملاحظہ فرمایا۔ تو بہت ہی محظوظ

ہوئے اور حسین ابن علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو دیکھ کر فرمایا یہ کون ہیں۔ جواب آیا کہ یہ اسمٰعیل کے فرزند
لخت جگر یعنی دختر حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کا بیٹا حسین ہے۔ اے ابراہیم اپنی ذریت کو دوست رکھتا ہے
یا محمد کو۔ اپنے فرزند اسمٰعیل کو دوست رکھتا ہے یا محمد کے فرزند حسینؑ کو۔ ابراہیم نے عرض کی کہ خداوندا میں
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنی ذات سے اور امام حسین علیہ السلام کو حضرت اسمٰعیل کی ذات سے
زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ ارشاد ہوا اسماعیل کا فدیہ عظیم یہی ہے۔ اشقیاء امت اس کو مع اسکے
اطفال خردسال کے تین دن کا بھوکا پیاسا۔ غربت اور بیکسی کی حالت میں نہایت ظلم و ستم کے ساتھ شہید
کرینگے جس کو دیکھ کر شجر و حجر۔ آسمان و زمین اور وحش و طیور روئیں گے۔ جب جناب خلیل اللہ نے
یہ واقعہ سنا۔ شدت قلق سے آپ پر عالم گریہ طاری ہوا۔ اور سرشک غم دیدہ ہائے مبارک سے جاری
ہوگئے۔ خطاب آیا۔ اے ابراہیم حسین پر رونا اوسی ثواب کے برابر ہے۔ جو اسماعیل کی قربانی سے حاصل
ہے۔ منابع الطالبین قزوینی۔ روضۃ الشہداء ملا حسین واعظ کاشفی صاحب تفسیر حسینی۔ حبیب السیر
معارج النبوۃ ملا مسکین ہروی۔

بات یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل کو گھر سے لے چلے اور حضرت ہاجرہ نے چھری اور
رسن لینے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ ایک گوسفند قربانی کرنا ہے پس حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک
گوسفند قربانی بھیجکر اپنے برگزیدہ نبیؑ کے قول کو پورا کر دیا۔

اس سر عجیب کو تو دیکھو کہ باوجود صدہا زخموں کے جناب سید الشہداء روحی لہ الفداء کی روح مبارک
نے جسد اطہر سے اوسوقت تک مفارقت نہیں کی جب تک کہ آپ کے گلوئے تشنہ پر خنجر جفا پھر کر لفظ
ذبیح کا مصداق نہ ہو لیا۔ اور اسی لفظ ذبیح کی رعایت تھی کہ آپ کے قاتل بھی اسلام کے مدعی تھے
کیونکہ ذابح کے لیے کلمہ گو ہونے کی شرط ہے گو وہ زبانی ہی کیوں نہو۔ اور چونکہ شہادت کبریٰ کی تکمیل بھی
منظور الٰہی تھی۔ لہذا وہی اشرار و ملاعین جو برائے نام اسلام کا دم بھرتے تھے کیف یہدی اللہ
قوما کفروا بعد ایمانہم وشہدوا ان الرسول (خدائے سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے
ایمان لانے کے بعد پھر کفر اختیار کیا اور رسول پر شہادت دینے کے بعد پھر کافر ہوگئے انکو خدا کیسے ہدایت فرما سکتا ہے)
کفار ناہنجار سے بدتر اور نابکار ہوگئے کما قال اللہ تعالیٰ ان الذین کفروا بعد ایمانہم
ثم ازدادوا کفرا لن تقبل توبتہم واولٰئک ہم الظالمون۔ جیسا کہ خدائے سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے
کہ جن لوگوں نے ایمان کے بعد پھر کفر اختیار کیا تو اونہوں نے اور زیادہ کفر کیا۔ اون کی توبہ کبھی قبول نہیں اور وہی
لوگ ظالم ہیں) پس گو باقدرت نے ذبیح اور شہادت کے دونوں پہلوؤں کو ایک ہی واقعہ میں نہایت

اور تکمیل کردیا۔ (رسالۂ البلاغ المبین مطبوعہ کانپور)

لائق ہمعصر نے سواد اعظم کے متذکرہ صدر علما و محدثین اور مورخین کے اقوال سے ہمارے اس مختار اور تحقیق کی پوری تائید اور کامل تصدیق ہوگئی کہ آیہ وافی ہدایہ و فدیناہ بذبح عظیم کا اصلی مقصود اور حقیقی مفہوم سوائے جناب سید الشہدا شہید کربلا علیہ التحیۃ والثنا اور دوسرا ہو ہی نہیں سکتا اور مقتل اسماعیلی کی پوری اور کامل مماثلت اور مشاکلت سوائے مقتل کربلا کے اقطاع عالم میں کسی مقام کے کسی تاریخی واقعہ اور مشاہدہ سے۔ کوئی تاریخ۔ کوئی سیرت اور کوئی تذکرہ ثابت نہیں کرسکتا۔

ہمارے محقق معاصر نے لفظ ذبح کی تحقیق اور اوسکی مطابقت نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت فرمائی ہے۔ لیکن اوسکی عظمت۔ جو لفظ عظیم سے ظاہر ہوتی ہے کسی قدر تصریح طلب ہے منقول طریقہ سے۔ جیسا کہ محدثین کے نقل اقوال سے اوپر نقل ہوچکا ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو بمقابلہ حضرت اسمٰعیل کے زیادہ دوست رکھنے کا اقرار کرلیا تو حسینؑ کی شہادت۔ اسماعیلؑ کے واقعہ ذبح سے عظمت میں بڑھ گئی۔ اسی لئے لفظ عظیم سے قرآن مجید کے الفاظ الہامی میں مخصوص و منصوص فرمائی گئی۔

معقول طریقہ استدلال سے بھی دیکھا جاوے۔ تو بھی ہر قرینہ۔ ہر طریقہ اور ہر پہلو سے قتل حسینؑ کا قیامت خیز واقعہ ذبح عظیم تسلیم کئے جانیکا پورا استحقاق رکھتا ہے۔ اور کیونکر نہو۔ مفصلہ ذیل واقعات پیش نظر رکھے جائیں۔

(۱) حضرت ابراہیم کے صاحبزادے کو صرف ذبح کئے جانے کا حکم ہوا تھا۔ جو بغیر تعمیل اور بلا تکمیل رہ گیا۔ حضرت ابراہیم کا منتوں والا فرزند چھری کے نیچے سے صحیح و سالم بچ آیا۔ مگر ہمارے رسول خدا محمد مصطفیٰ کا نور نظر۔ فاطمہ زہرا کا لخت جگر۔ شمر کے خنجر بیداد کے نیچے سے نہ بچا۔ نہ بچا۔

(۲) حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے کو راہ خدا میں ذبح کرنے پر آمادہ اور مہیا ہوگئے حقیقت میں بڑی اور فوق البشری پامردی و استقامت دکھلائی۔ مگر جب اسکے مماثل واقعات سلسلہ مقتل حسینؑ میں دیکھے جاتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ صابر باپ اسماعیل کے ایسے اپنے پیار والے نوجوان بیٹے کو اس پورے یقین کیساتھ کہ یہ زندہ لوٹکر نہ آئیگا۔ بطیب خاطر راہ خدا میں برچھیاں کھانے اور سر کٹانے کیلئے بھیجدیتا ہے۔ یہ ہیجدہ سالہ جوان قتل ہوجاتا ہے۔ یہ خونیں منظر آنکھوں سے دیکھکر۔ صابر باپ فوراً اس قربانی کی منظوری کے شکریہ میں جھککر سجدۂ شکر بجا لاتا ہے۔ اور اسپر حزن و ملال کا کوئی ظاہری عالم طاری نہیں ہوتا۔ اور رضائے الٰہی میں اسکی مستعدی۔ راہ خدا میں اوسکی ایثار نفسی اور جانبازی بھی کم نہیں ہوتی۔ سجدہ سے اوٹھتا ہے اور فوراً ایک طفل شیر خوار کو اپنے ہاتھوں پر گھر سے اوٹھا لیتا ہے۔ اور تین بھالوں والا تیر کھلوا کر راہ خدا میں قربان

کر دیتا ہے۔

(۳) حضرت اسماعیل ع کے نازک گلے پر چھری پھیرنے والا ہاتھ بھی تھوڑی دیر کیلئے اگرچہ قاتل ہی کا ہاتھ کہلائے گا۔ مگر پھر بھی حقیقتاً وہی باپ کا ہی ہاتھ تھا۔ جو اس سے قبل شفقت اور محبت کے غیر متحمل تقاضوں سے اسماعیل کے سر اور پشت پر بشمار بار پھر چکا تھا۔ مگر حسین ع اور اونکے جوان۔ کمسن اور شیر خوار بچوں پر اون خونخوار۔ ظالم و بیرحم قاتلوں کی تلواریں اور خنجر پھیر دئے گئے۔ اور اون ہاتھوں نے پھیرے۔ جن کے قلب لوہے اور پتھر سے بھی زیادہ سخت تھے اور اون سے رحم و مروت اور رعایت کی امید رکھنا قطعی محال تھا۔ مگر حضرت کے جوان بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا اور شکر کا سجدہ ادا نہیں کرتے ہوئے دیکھا۔ حسین نے بالآخر ان فوق البشری مصائب پر کیا کیا صبر کیا اور اپنے جوان صالح کے مارے جانے اور فائز شہادت ہونے پر خدا کا شکر کیا۔

(۴) ان کے علاوہ۔ غربت۔ مسافرت کا عالم۔ تپش اور قیامت کی گرمی کا موسم۔ سیکڑوں کوسوں کا سفر۔ دن دن بھر کی دھوپ۔ رات رات بھر کی شبنم۔ ہر منزل پر کیا۔ ہر ہر قدم پر قتل و غارت کی دہشت بال بچوں کا ساتھ پانی کی کمی۔ غلہ کا کال۔ پھر داخلہ کربلا کے بعد پانچ دن بعد آب و دانہ کی قطعی بندش چوبیس پہر کی پیاس۔ مجبور اور شکستہ پا خواتین اور بچوں کی بیتابی اور بے قراری۔ اور پھر روز عاشور صبح سے عصر تک اٹھارہ[۱۸] عزیز اور چونسٹھ[۶۴] رفقا کا سامنے قتل کیا جانا۔ وہ قیامت ناک منظر تھا۔ جن میں سے ایک شائبہ بھی حضرت ابراہیم و اسماعیل کے پیش نظر نہیں تھا۔ مگر حسین ع اپنے کمال استقلال سے ایک ایک کر کے ان تمام مصیبتوں کو اپنی تنہا جان پر کھیل گئے۔ یہ خونیں واقعات ہر قرینہ اور ہر طریقہ سے حسین ع کے واقعہ ذبح کو اسمعیل کے واقعہ ذبح سے عظیم ترین ثابت کرتے ہیں۔ یہ وہ مقامات تھے جن میں ایک بھی نہ ابراہیم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور نہ اسماعیل کی جان پر گذرے۔ اسی بنا پر وحی الہی نے اسی کو مخصوص طور پر لفظ عظیم سے تعبیر کیا۔

اسی کے ساتھ ایک دوسرے امر پر بھی غور کرنا چاہئے۔ آخر فقرہ آیہ مبارکہ جس پر واقعہ ذبح اسماعیل کی بشارت تمام ہوتی ہے یہ ہے۔ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ۔ جس کے ظاہر معنی یہ ہوتے ہیں۔ ہمنے اسکا ذکر آئندہ نسلوں میں یادگار چھوڑا۔ اب ہمکو یہ دیکھنا ہے کہ جس واقعہ کے ہمیشہ ذکر قائم رکھے جانے کی بشارت دیجاتی ہے وہ ذبح اسماعیل کے ذکر سے متعلق ہوتی ہے یا ذکر شہادت حسین ع سے۔ جب ہم اس بشارت کی عملی صورت پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ذبح اسماعیل ع کے متعلق تمام دنیا کے مسلمان سوا اسکے کہ قربانی والے دن۔ سال میں ایک مرتبہ (دسویں ذی الحجہ) قربانی کر دیں۔ اور نہ کبھی آپ کا کوئی ذکر

کرتا ہے اور نہ آپکے واقعات و حالات کا تذکرہ۔ میرے خیال میں اکثر کو تو ابتک اصل واقعات کی خبر بھی نہیں بخلاف اسکے، ذکر حسین۔ آپ کے ابتلا و امتحان کے حالات و واقعات۔ باوجود اسکے کہ وقت وقوع سے اسکے موقوف کرنیکی بیشمار تدبیریں۔ چھپانے اور مٹانے کی لاکھ لاکھ ترکیبیں کیگئیں لیکن پھر بھی مسلمانوں پر کیا منحصر ہے۔ غیر اقوام و ملت کے کتب و زبان پر کمال شرح و بسط کے ساتھ آجتک جاری ہیں، اور اوسکے ذکر کیلئے ایام مخصوصہ اور وقت مقررہ کی بھی کوئی تخصیص اور شرط ضروری نہیں تھی۔ یہ وہ ذکر ہے جو ہر وقت تازہ ہے اور ہمیشہ جاری بھی مسلمانوں کے۔ ان کئی کروڑ نفوس کے علاوہ۔ جو اس ذکر کے احیا کو جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ اسلام کے تمام فرقے اور شیعے بھی اسکے ذکر و اذکار سے غافل نہیں ہیں، بلکہ اسکی حقیقت اور اصلیت کے خارجی اور ظاہری اثر سے متاثر ہو کر غیر اقوام و ملت کی کثیر التعداد جماعت اسکے ذکر و احیا سے خاص ہمدردی اور دلچسپی رکھتی ہے۔ اور اکثر اسکو ارادت و عقیدت میں داخل کرلیتی ہیں۔ الغرض جہانتک تحقیق اور غور سے کام لیا جاتا ہے اور روزانہ مشاہدات سے دیکھا جاتا ہے یہ امر یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ذبح اسماعیل کے ذکر سے شہادت حسینؑ کا ذکر کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ تو ذبح عظیم و ترکنا علیہ فی الآخرین کا اصلی مدعا اور حقیقی منشاء۔ ذکر حسین سے پورا ہوتا ہے نہ ذکر اسماعیل سے۔ تو پھر اس بشارت کے مطابق۔ ایک ایسے بڑے ذکر مشہور کے ہوتے ہوئے۔ جو صدہا سال سے تمام اقطاع عالم اور ہر قوم و ملت میں ہمیشہ آجتک واقع اور شائع ہے۔ کیونکر عقل سلیم اوس واقعہ کے ذکر کو عظیم تسلیم کریگی۔ جو باعتبار ذکر و شہرت کے نہ اتنا مشہور ہے اور نہ اس کثرت سے مذکور۔

اگر زبانی ذکر سے یہاں مقصود نہیں ہے۔ بلکہ تحریر و نقل اور استحفاظ بین الدفتین مراد ہے تو ہم دکھلاتے ہیں کہ جتنے کثیر التعداد دفتر کے دفتر اور بڑے بڑے کارنامے مقتل حسینؑ کے ذکر و تفصیل میں دنیا اور دنیا کے پیش نگاہ ہیں اونکے مقابلہ میں عشر عشیر کتابیں بھی حضرت اسماعیل کے شرح و ذکر واقعات میں نہیں پائی جاتیں۔ یہ روزمرہ کے مشاہدے ہیں اور امور مسلمہ جس سے کسی فرد بشر کو انکار نہیں ہوسکتا۔ اس لئے تحریری اور تقریری دونوں طریقوں سے اس بشارت ایزدی کے اوس ذکر موعود کا اصلی مقصود واقعہ کربلا ہی کا ذکر ثابت ہوتا ہے۔

عبارت قرآنی کی ترکیب بھی بتلا رہی ہے کہ علیہ کی ضمیر واحد غائب قاعدہ قربت و اتصال کے مطابق ذبح عظیم کی طرف راجع سمجھی جاوے گی نہ واقعات ذبح اسماعیل کیطرف راجع۔ کیونکہ ضمیر متصل کی ضرورت صریح اور موقع مناسب کے ہوتے ہوئے۔ اسکو ضمیر منفصل سمجھنا دلیل جہل ہے۔

فدیناہ بذبح عظیم کی بشارت قرآنی کا جو حقیقی مفہوم و مقصود تھا۔ وہ عقلی اور نقلی دلائل و قرائن سے پورے

طور پر ثابت کر دیا گیا۔ اب نصوص الٰہیہ کے بعد احادیث و اقوال رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم میں اس کی اہمیت اور عظمت کی شان دیکھنی چاہیئے۔ اس امر کی تلاش و تحقیق میں ہمکو صحاح، مسانید اور سنن میں۔ غرض تمام اقسام کتب حدیث سے۔ اتنی کثیر التعداد اور صحیح الاسناد حدیثیں ملتی ہیں۔ جن سے تنہا یہ ہی نہیں معلوم ہوتا کہ آنحضرت صلعم نے مقتل حسین ؑ کی خبر اپنی زبان صداقت ترجمان سے تمام اہل اسلام کو پہونچائی۔ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی خبر کو منجانب اللہ ایکبار نہیں کئی بار۔ ایک ملک مقرب کے ذریعہ سے نہیں بلکہ مختلف فرشتوں کی وساطت سے پہونچایا گیا ہے۔ ہم اگر ان تمام حدیثوں کی تفصیل کیسی صرف نقل اجمالی کا قصد کریں تو پھر یہ جزو تالیف ہمارا مستقل کی ایک تیار اور کامل جلد ہو جائے گی۔ جو ہمارے موضوع تالیف سے زیادہ ہے۔ اسلئے ہم شریعت کے مقتدا طریقت کے رہنما مرحوم صاحبزادہ حسن میاں صاحب پھلواروی کی کتاب۔ شہادت حسین مطبوعہ لاہور سے۔ صرف اون اولیاء کے نام۔ جنہوں نے آنحضرت صلعم سے اس واقعہ عظیمہ کی پیشین گوئیوں کو منجانب اللہ ہوتا بیان کیا ہے۔ اور انہیں بزرگوں کے ساتھ اون مفسرین محدثین مورخین اور اون کی کتابوں کے نام بھی ذیل میں درج کئے دیتے ہیں۔ جنہوں نے اس واقعہ کو اپنی اپنی تالیفات میں قلمبند فرمایا ہے۔

صحابہ کبار میں — حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ۔ (خود) حضرت امام حسین۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس۔ حضرت انس۔ ابو الدردار اور زید ابن ارقم۔

امہات مومنین میں — حضرت عائشہ۔ حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب بنت جحش۔

خواتین صحابیہ — حضرت ام الفضل مادر حضرت عبد اللہ ابن عباس۔ اسماء بنت عمیس اور سلمی نے اسکی پیشینگوئی کی روایت کی ہے۔

مفسرین محدثین اور مورخین — ہر طبقہ کے علما و محدثین اسکو اپنی کتابوں میں مستند کرتے آئے ہیں۔

امام احمد ابن حنبل[1]۔ ابن ابی شیبہ[2]۔ عبد ابن حمید کشی[3]۔ ابوداود[4]۔ ترمذی[5]۔ ابن سعد[6]۔ طبری۔ حاکم۔ عبد الرزاق۔ ابونعیم۔ ابو یعلی۔ ابن عساکر۔ طبرانی۔ خطیب بغدادی[14] اور بیہقی[15] وغیرہم۔

متاخرین علما و محدثین — اور پھر ان سے اکابر محدثین و علمائے محققین نقل کرتے آئے ہیں۔

ابن تیمیہ[16]۔ ابن قیم[17]۔ نووی[18]۔ ابن صلاح[19]۔ سبکی[20]۔ ابن سبکی[21]۔ قاضی عیاض[22]۔ بیضاوی[23]۔ غزالی۔ ابن عربی۔ قرطبی۔ ذہبی۔ مزی۔ ابن اثیر۔ ابن حجر عسقلانی۔ ابن حجر مکی۔ عینی۔ سخاوی۔ سمہودی۔ شعرانی۔ جلال الدین سیوطی۔ شیخ علی متقی۔

شیخ عبدالحق[38]۔ شاہ ولی اللہ[39] اور شاہ عبدالعزیز[40]۔

علمائے اُندلس اکابر محدثین و علمائے اندلس مثل ابو عمر[41]۔ قرطبی[42]۔ ابن حزم[43]۔ حمیدی[44]۔ ابن عربی[45] مالکی ابن عربی صوفی[46]۔ ابن عبدربہ[47]۔ اور مقری[48] وغیرہم بھی واقعہ شہادت کو اپنی کتاب میں درج کرچکے ہیں شہادت حسین مطبوعہ امرتسر صفحہ ۴۰۔

جب اتنے صحابہ کبار اور اتنے کثیر التعداد محدثین مفسرین اور مورخین کی جماعت اس واقعہ کی الہامی ہونے کی تصدیق و توثیق میں ہمکلام و ہمزبان ہے۔ تب خود غرضی تقلید اسلاف وغیرہ کو تھوڑی دیر علیحدہ رکھکر اس واقعہ عظیمہ کی نسبت و فدیناہ بذبح عظیم کے سچے مفہوم اور اصلی مقصود تسلیم کرنے میں کسی مسلمان کو کیا عذر ہوسکتا ہے۔ اور کیا کلام۔

ہم اس بحث کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتے۔ مگر اسکے ساتھ ہی۔ اسکے کسی پہلو کو ناتمام اور غیر منفصل ہی چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔ اب ہم اسی کے ضمن میں شبلی صاحب کی اوس غلط تاویل کو جو اونہوں نے حقیقت قربانی کی تفصیل میں تمثیلی اور عینی کی اصلیت کھولنے کی غرض سے قلمبند فرمائی ہے یاد دلاتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ مولوی صاحب کو اس خیالی تاویل کی جگہ۔ ذبح اسماعیل کے تذکرہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی صحیح اور قریبی تمثیل یاد آئی ہوتی۔ مگر افسوس جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ایک زمانہ سے یہ حضرات اور اُنکے واقعات مصالح ملکی کی مخالف ہونے کے باعث۔ مرفوع القلم ہوچکے ہیں۔ اور بالکل نسیاً منسیاً۔ ان کے کوئی محاسن۔ محامد اور مشارف نہ قابل ذکر ہیں نہ لایق غور و فکر منقولات معقولات۔ قرائن۔ قیاسات۔ اسناد و اشہاد صحیحہ سے اقتباسات اِنکے فضائل و مناقب میں دکھلائے جائیں۔ بالکل موضوعات اور مجہولات ٹھرائے جائینگے۔ پھر ایسی نفسانیت کے تیرہ و تار عالم میں ہمکو شبلی صاحب یا اون کے ہم عقیدہ حضرات سے اس واقعہ کی عظمت اور حرمت کی کیا امید ہوسکتی ہے جس کا سُننا گناہ اور ذکر کرنا معصیت ہے۔

ہمارے مرقومہ بالا استدلال نے اس مسئلہ کو کامل طور سے ثابت کردیا کہ ذبح عظیم سے موجودہ رسم قربانی جانوران نہ عقلاً مراد ہوسکتی ہے نہ نقلاً۔ اسی طرح ترکنا علیہ فی الاخرین سے ذکر واقعہ اسمٰعیل مقصود نہیں ہے بلکہ ذکر شہادت حسین اور لفظ فدینا۔ اور ذبح عظیم کا اصلی اور حقیقی مفہوم سوائے قتل حسینؑ کے کوئی اور دوسرا واقعہ نہیں ہوسکتا۔

توریت کے نقبا سے اثنا عشر

ہم اپنے موجودہ استدلال کے ایک دوسرے پہلو پر نظر کرتے ہیں کہ جناب اسمٰعیل کے حالات و واقعات میں شبلی صاحب اور نیز سر سید مرحوم نے توریت مقدس کے حوالے اور اسناد پیش کئے ہیں۔ اول ان اسناد و اشہاد سے اس واقعہ کی

قدامت ثابت کرنا ہے اور دوسرے یہ کہ مخالفین کو اپنے مشاہدے دیکھ کر عذر کا پہلو باقی نہ رہے میں کہتا ہوں۔ دونوں حضرات کی توجیہات صحیح ہیں اور بالکل مناسب۔ مگر اسکے ساتھ اتنی عرض ضروری ہے کہ ان اسناد و اشہاد کے تمام کلیات و جزئیات سے مستفاد ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ یا صرف اونہیں مندرجات سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے جن سے آپ حضرات کے مطلب نکلتے ہوں۔

سید صاحب اور شبلی صاحب۔ دونوں صاحبوں نے توراۃ کتاب اول باب ۱۷، آیت ۲۰ سے حضرت اسمعیل عم کے متعلق یہ عبارت لکھی ہے۔

اے ابراہیم میں نے تیری دعا اسماعیل کے حق میں قبول کی ہاں میں نے اوسے برکت دی اور اوسے بارآور کیا اور اُسے بہت کچھ فضیلت دی۔ اوس سے بارہ امام (سردار) پیدا ہوں گے اور میں اوسکو بڑی قوم بناؤں گا۔

دونوں حضرات نے بارہ امام یا سردار کے مفہوم کو باعتبار ظاہر اون کے بارہ بیٹوں کی تعداد سے مطابق کر کے منسوب کر دیا ہے حالانکہ یہ حضرات اگر ذرا بھی حقیقت کی نگاہوں سے اس مسئلہ کو دیکھتے۔ تو اونکو خود معلوم ہو جاتا کہ جن الفاظ مخصوصہ سے خداوند عالم نے حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹوں کا ذکر کیا ہے۔ اون میں سے ایک بھی نہ اوسوقت اس نام و لقب سے مشہور ہوا۔ اور نہ اس وقت تک کوئی ان نام و لقب سے خطاب کیا جاتا ہے۔ اور نہ خود توراۃ میں ان کے امام پیشوا۔ یا سردار امت ہونیکی کہیں تصریح ہے یا انکی نسبت ان القاب و آداب کا ذکر و مذکور ہے۔ اور نہ ان مناصب و مراتب کے متعلق اون کے کوئی احکام۔ اقوال یا ارشاد کہیں پائے جاتے ہیں۔ پھر کیسے کوئی عقل سلیم رکھکر ان لوگوں کو خطاب و القاب مندرجہ توراۃ کے صحیح معنوں میں تسلیم کریگا۔ سید صاحب اولاد اسماعیل کی بشارت کے متعلق لکھتے ہیں۔

جو لوگ ہمارے مخالف (یہود و نصاریٰ) ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ خدا نے اسماعیل سے وعدہ کیا تھا کہ اونکی اولاد میں بارہ سردار ہوں گے چنانچہ حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹے جو بمنزلہ بارہ بادشاہوں یا سرداروں کے تھے پیدا ہوئے۔ اور جس برکت دینے کا وعدہ کیا گیا تھا وہ دنیاوی تھی نہ روحانی۔

اس بحث کے خاتمہ میں لکھتے ہیں۔

جس مضمون کا وعدہ کہ حضرت اسماعیل سے کیا گیا تھا اور جو لفظ برکت کا حضرت اسماعیل کے وعدے کے متعلق استعمال ہوا۔ اُسی مضمون کا وعدہ حضرت اسحاق سے بھی کیا گیا اور وہی لفظ برکت کا اسحٰق کے وعدہ میں بھی لایا گیا۔ پھر یہ کہنا کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اسماعیل سے جو وعدہ تھا وہ تو دنیاوی تھا اور جو اسحاق سے تھا وہ روحانی تھا۔　　　خطبات مطبوعہ لاہور ص ۵۹۵۔

سید صاحب نے اپنے استدلال میں صرف لفظ برکت پر توجہ فرمائی ہے اور اسی پر اپنی تمام استدلالی قوت صرف فرمادی ہے صرف اتنا کیا ہے کہ اولاد اسماعیل میں برکت روحانی کا عطا ہونا تسلیم کر لیا ہے۔ یہیں پر سید صاحب کو اپنا ضعف استدلال بھی سمجھ لینا لازم تھا۔ کیونکہ آگے چلکر جن لوگوں کی نسبت آپ روحانی برکت سے مستفیض ہونا یقین کرتے ہیں۔ اونکے حالات و واقعات سے اونکے صفات روحانی ثابت نہیں کرتے، وہ دعویٰ جسکا ثبوت نہ موجود ہو مہمل ہے اور بیکار۔ اولاد اسماعیل میں صفات روحانی نہ ہونے کی وجہ سے توراۃ کو یہ کہنے کا موقع ملا ہے کہ اسماعیل سے محض دنیاوی وعدہ تھا۔ وہ اس طرح پورا ہوا کہ اون کے بیٹے اقوام وقبائل کے رئیس و سردار ہوئے۔ ریاست اور سرداری دنیاوی نام و نمود ہیں انکو روحانی عظمت و اقتدار سے واسطہ نہیں۔ اسلئے اسماعیل کے ساتھ دنیاوی برکت کا وعدہ ہونا صحیح ثابت ہوتا ہے اور روحانی وعدہ ہونا غلط۔

بارہ امام یا سردار کے متعلق سید صاحب نے کوئی تحقیق نہیں کی ہے۔ اس سے سمجھا جاتا ہے کہ اسکی نسبت آپ نے مخالفت کے قول کو صحیح سمجھ لیا ہے تو اس بنا پر گویا امام اور بادشاہ ایک ہی چیز ہے شبلی صاحب کے سکوت کا بھی یہی عالم ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ ان دونوں صاحبوں کے اصول عقاید یہی ہیں۔ بہرحال امام اور بادشاہ کو ایک شے سمجھنا قطعاً غلط ہے اور مخالف قرآن جناب ابراہیمؑ کو کسی مسلم یا غیر مسلم محقق اور مورخ نے بادشاہ نہیں مانا۔ مگر قرآن انکو وَجَعَلْنَاكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (ہمنے تجھ کو آدمیوں کا امام (پیشوا بنایا) امام بتلاتا ہے۔ سید صاحب وغیرہ کے اصول کے مطابق۔ امام ہونیکی رعایت سے ماننا پڑیگا۔ کہ وہ بادشاہ وقت بھی تھے۔ جو روایتاً اور درایتاً۔ دونوں طریقوں سے خلاف ہے۔ اگر اولاد انبیاؑ و مرسلین کیلئے۔ عادت الٰہی کا یہی دستور اور قاعدہ خاص مان لیا جائے تو پھر ہر رسولؐ اور نبی کے صاحبزادے کو حکمران زمانہ اور سلطان وقت ثابت کرنا ہوگا۔

حقیقت تو یوں ہے کہ امام کو ملکی حکمران کے معنیوں میں تسلیم کرنا عقل کی خوبی ہے جو اہل کتاب کو پہلے اور اہل اسلام کو پیچھے۔ استحکام سلطنت کی غرض خاص سے ضروری معلوم ہوئی۔ اور رفتہ رفتہ اسی نے امراپرستی کا نقص و عیب انہیں پیدا کر دیا اور جس طرح کاہنین اور راسبین عہد بنی اسرائیل میں سلاطین بنی اسرائیل کو واجب الاحترام اور واجب الاتباع سمجھتے تھے اسی طرح اسلام میں بھی علما و محدثین سلاطین اور فرمانروایان سلطنت کو امام مفترض الطاعت سمجھنے لگے۔

خدائے سبحانہ تعالیٰ نے جن معنیوں میں حضرت ابراہیم کی نسبت لفظ امام کا استعمال فرمایا ہے وہ روحانی پیشوا اور مقتدا کے ہیں اور انہیں معنیوں کے ساتھ توراہ میں بھی مستعمل ہوا ہے۔ کیونکہ ابھی ابھی سید صاحب حضرات

اسحٰق و اسماعیل کی مساوات فی المدارج کی بحث میں دعائے برکت کو روحانی ہونا۔ دونوں کے حق میں مراتب
مساوی ثابت کراے ہیں۔ پھر یہاں روحانی معنی کی جگہ دنیاوی مراتب کیسے مراد لئے جاوینگے۔

بہرحال لفظ امام کی حقیقت دکھلا کر ہم اسکی اہمیت اور عظمت بتلاتے ہیں کہ منصب امامت ایسا عظیم المنزلت
تھا کہ حضرت ابراہیم نے جب اپنی اولاد و ذریت کے لئے اسکے عطا کئے جانے کی دعا خداوند عالم سے کی تو
منظور بالشرط ہوئی۔ حضرت ابراہیم کی مسئلت وَمِن ذُرِّيَّتِي (اور میری اولاد۔ کیا وہ امام نہوںگی) اور خدا تعالی
کی اجابت مشروطہ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ (ہاں۔ مگر میں ان میں ظالموں کے ساتھ اپنا وعدہ پورا نہ کروں گا۔)
قرآن مجید میں پوری تفصیل کے ساتھ مندرج ہے جس کو پڑھکر ہر شخص باسانی سمجھ لیگا کہ ذریت ابراہیمی میں
عموماً ہر فرد بشر خدا کے آگے منصب امامت کے قابل نہیں۔ مگر وہی جو بارگاہ احدیت میں اسکا اہل ثابت ہوتا
ہو۔ وہی لفظ ہم توراۃ میں بھی پاتے ہیں۔ تو پھر یہاں بھی اسکے معنوں میں وہی تخصیص کیوں نہیں قائم کی
جاتی اور تعمیم کو خواہ مخواہ کیوں داخل کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا عنوان بیان سے ثابت ہو گیا کہ سلسلہ ابراہیمی میں منصب امامت کو عام کر دینا اور
تمام ابنا اسماعیل کو اسکا اہل قرار دینا مخالفت قرآن ہے اور جو امر مخالف قرآن ہے اوسکو کوئی مسلمان
تسلیم نہیں کر سکتا۔ جب سلسلہ اسماعیلی میں آپکے بارہ بیٹوں کی امامت ثابت نہیں ہوتی۔ تو ہمکو آپ کی
اولاد و اعقاب میں ان ذوات عالیہ اور نفوس قدسیہ کا سراغ لگانا ضروری ہوا کیونکہ الفاظ بشارت
مندرجہ توراۃ و قرآن نے کوئی زمانہ خاص انکے لئے مقرر نہیں کیا ہے جس کی بابت مقررہ اور زمانہ مخصوص
کے اندر ہم اپنی تلاش و تحقیق کو محدود کر رکھیں۔ جب ہم اسکی تحقیق کرتے ہیں تو ہمکو صاف صاف معلوم ہو جاتا
ہے کہ جس طرح سلسلہ اسماعیلی میں دو ہزار برس کے بعد ہمکو منصب رسالت و نبوت کے متعلق توراۃ کی اون
متعدد اور متواتر آسمانی بشارتوں اور روحانی برکتوں کے کامل ثبوت اور صحیح نشان جناب ختم المرسلین صلعم کی
ذات قدسی صفات میں ملتے ہیں اوسی طرح اولاد اسمٰعیل میں ان بارہ امام کی متبرک تعداد حضرات ائمہ
اثنا عشر سلام اللہ علیہم اجمعین پر تمام ہو جاتی ہے۔ جو حکم خدا اور ارشاد رسول کے مطابق پیشوایان امت
تھے اور حامیان شریعت۔

ہمکو اس مقام پر مناسبت کے اعتبار سے یہ بھی بتلا دینا نہایت ضروری ہے کہ توراۃ میں جس طرح
جناب اسماعیل کے بیٹوں کی نسبت بارہ[۱۲] امام ہونیکی بشارت دی گئی ہے اوسی طرح حضرت موسی کے
زمانہ میں حضرت ہارون کے بیٹوں کی نسبت بھی توراۃ و قرآن کی ایسی ہی بشارت مرقوم ہے۔ قرآن مجید کے
الفاظ بشارت یہ ہیں۔ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا (ہم نے اون میں سے بارہ پیشوا نکالے)

ان حضرات کے حالات پر بھی غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ان بارہ بزرگواروں سے کوئی بھی دنیاوی فرمانروا یا حکمراں وقت نہیں مانا گیا۔ سب کے سب خدا کی طرف سے روحانی پیشوائے امت بتلائے گئے ہیں اور مقتدائے شریعت اب حضرات ائمہ اثنا عشر سے انکی کامل مماثلت بھی ملاحظہ ہو۔

حدیث منزلت یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی (اے علی تم مجھ سے تمہاری منزلت ایسی ہے جیسی ہارون کی موسیٰ کے ساتھ۔ اگرچہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے) کی ایسی معتبر اور مستند حدیث ہے اسلام کا فرقہ فرقہ اور بچہ بچہ واقف ہے۔ جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت موسیٰ کو اپنا مماثل اور حضرت علی مرتضیٰ کو حضرت ہارون کا مقابل بنایا تو ضرور ہوا کہ حضرت علی مرتضیٰ کے صاحبزادے بھی حضرت ہارون کے صاحبزادوں کے ہم رتبہ اور ہمشان ہوں۔ اس مماثلت اور مشابہت کا بھی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنی زبان صداقت ترجمان سے اعلان فرما گئے ہیں۔ مناقب امام احمد بن حنبل سنن ابو داؤد۔ صحیح ترمذی۔ سنن دار قطنی۔ سنن امام بیہقی۔ مستدرک امام حاکم۔ ذخائر عقبی طبری معجم طبرانی اور تاریخ ابن عساکر میں مرقوم ہے۔

قال علی علیہ السلام لما ولد الحسن سمیتہ حربا فجاء رسول اللہ صلعم قال ارونی ابنی ما سمیتموہ قال حربا قال وھو حسن فلما ولد الحسین سمیتہ حربا فجاء رسول اللہ صلعم قال ارونی ابنی ما سمیتموہ قلنا حربا فقال ھو حسین وقال انما سمیتھم بولد ھارون شبر و شبیر

علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب امام حسن پیدا ہوئے تو میں نے اونکا نام حرب رکھا۔ آنحضرت صلعم تشریف لائے اور فرمایا میرے بیٹے کو مجھے دکھلاؤ تم نے میرے بیٹے کا کیا نام رکھا ہے میں نے عرض کی حرب۔ ارشاد فرمایا اسکا نام حسنؑ ہے۔ پھر جب امام حسینؑ پیدا ہوئے۔ تو میں نے انکا نام بھی حرب کہا پھر آنحضرت صلعم تشریف لائے۔ اور مجھ سے فرمایا میرے بیٹے کو دکھاؤ۔ تم نے اسکا کیا نام رکھا ہے۔ میں نے کہا حرب۔ آپ نے کہا اسکا نام حسینؑ ہے۔ میں نے ان دونوں کے نام ہارون کے بیٹوں کے نام پر رکھے ہیں۔

اب ان ناموں کی نسبت ہم تجویز رسالت پناہ صلعم کو عین تجویز الٰہی پاتے ہیں۔ ینابیع المودۃ اور ذخائر العقبیٰ کی ایک طولانی حدیث کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

فھبط جبریل فقال یا محمد صلعم ان ربک یقرئک السلام ویقال لک علی منک بمنزلۃ ھارون من موسیٰ لکن لا نبی بعدک تسمہ ابنک ھذا باسم ولد ھارون فقال ما کان اسم ولد ھارون

پس جبرئیل آئے اور کہا اے محمد (صلعم) پروردگار آپ کا آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ علی تمہارے نزدیک ایسے ہیں جیسے ہارون موسیٰ کے نزدیک۔ لیکن بعد تمہارے نبی نہیں ہے۔ آپ اپنے بیٹے کا نام ہارون کے بیٹوں کے نام پر رکھیں

یا جبرئیل فقال شبّر فقال ان لسانی عربی فقال سمّہ الحسن۔

حضرت نے کہا ہارون کے بیٹیوں کا کیا نام تھا۔ جبرئیل نے کہا کہ شبّر حضرت نے فرمایا میری زبان عربی ہے۔ جبرئیل کہنے لگے آپ انکا نام حسن رکھیں۔

اس روایت کو مستدرک، شرف النبوۃ اور مناقب السادات میں بھی لکھا ہے۔
طبقات ابن سعد میں اسکی تصدیق و توثیق یوں مرقوم ہے۔

عن عمران بن سلیمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم الحسن والحسین اسمان من اسماء الجنۃ ما سمیت العرب بھما فی الجاھلیۃ

عمران ابن سلیمان سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ حسن اور حسین (علیہما السلام) دو اسم ہیں اسمائے جنت سے۔ کبھی عرب نے یہ نام ایام جاہلیت میں نہیں رکھے تھے۔

آخر توثیق بھی ملاحظہ کر لی جائے جس میں سبط کا لفظ، جو اسباط موسیٰ کے ساتھ مخصوص ہے بعینہٖ موجود ہے۔ امام ابو حاتم ایک طولانی حدیث کے خاتمہ میں آنحضرت صلعم کی زبانی لکھتے ہیں۔

وقال حسین منی وانا من الحسین احب اللہ من احب حسینا وحسین سبط من الاسباط

فرمایا آنحضرت صلعم نے کہ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ خدا اوسے دوست رکھتا ہے جو حسین کو دوست رکھتا ہے حسین اسباط میں سے ایک سبط ہے۔

میری دانست میں کیا کسی کی عقل میں بھی۔ توراۃ کے مندرجہ الفاظ - بارہ امام یا سردار - بارہ نقبا اور اسباط کی مشابہت اور مشاکلت کے ثبوت اس سے زیادہ مناسب مطابق اور معتبر اور کیا ہو سکتے ہیں ہم انہیں کو اپنے ثبوت مدعا کیلئے حد سے زیادہ کافی سمجھتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیہ کریمہ و بعثنا منھم اثنا عشر نقیبا کے استدلال کرنے سے جو میرا خاص مدعا تھا وہ یہی کہ باوجود ایسے صریح اشہاد و اثبات فضائل و مدارج اہلبیت علیہم السلام کے جو صاف صاف قرآن مجید کی الہامی عبارتوں میں موجود ہیں کسی صاحب کی نظر توجہ اس کی نقل و تحریر کیطرف معطوف نہیں ہوتی۔ اور ہوتی بھی ہے تو شبلی صاحب کی طرح۔ ایسی تاویل کی طرف جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایسے اولی العزم رسول اور معصوم پیغمبر پر غلط فہمی اور خطائے اجتہادی کے نقص والزام وارد ہوتے ہیں۔

افسوس ہے کہ سید صاحب نے خطبات احمدیہ مطبوعہ لاہور میں صفحہ ۶۰۰ سے لیکر ۶۰۵ تک میں جناب موسیٰ اور جناب ختمی مرتبت علیہ السلام کے فیما بین مختلف دلیلوں اور طریقوں سے کامل مماثلت اور مشابہت ثابت کی ہے۔ مگر اون تمام دلائل میں نہ کہیں آیہ متذکرہ بالا و بعثنا منھم اثنا عشر نقیبا سے استدلال کیا

ہے۔ اور نہ حدیث رسول اور خاص ارشاد پیغمبر حدیث منزلت کی عبارت سے اون دونوں صاحبان شریعت اور
مبلغان رسالت کی باہمی مساوات اور مماثلت دکھلاتی ہے۔ ان حضرات کی عدم توجہی اور فروگذاشت کے ثبوت
میں ایک ہی مثال بہت کافی ہے۔

اگر سید صاحب اسوجہ سے قرآن و حدیث کے استنباط کو مخالفین اسلام کے مقابلہ میں ناقص سمجھتے ہیں۔
کہ اونکے مخالف عیسائی جو اونکے خاص مخاطب ہیں وہ اسکو نہیں تسلیم کرینگے۔ تو ہم عرض کرتے ہیں کہ وہ لوگ
آپ کے پیش کردہ قیاسی اور زبانی دلائل کو کب ماننے لگے۔ ہان اگر آپ نے اپنے ثبوت استدلال میں
اونھیں کے اقرار و اقوال سے کام لیا ہوتا تو البتہ اونکو عذر و کلام کی گنجایش نہوتی۔ اور جب ایسا نہیں اور
صرف زبانی الفاظ سے کام لیا گیا ہے۔ تو کس کام کا۔ اس سے تو نقل عبارات کلام الٰہیہ اور احادیث صحیحہ نبویہ
کا قدیم طریقہ استدلال بدرجہا مستحسن تھا جس سے مخالفین اسلام چاہے فائدہ اوٹھاتے یا نہ اوٹھاتے لیکن
عام مسلمان تو آپ کی تحقیق سے پورے طور پر مستفید و مستفیض ہو جاتے مگر نہیں سید صاحب کا قلم اسوجہ سے
تو تھوڑا ہی رکا ہے۔ بلکہ اون کے سکوت بیان اور سقوط تحریر کا اصلی باعث وہی ہے جسکو ہم اس بحث
کے آغاز ہی میں اوپر لکھ آئے ہیں۔

پر ہم کہتے ہیں کہ غریب سید صاحب یا بیچارے شبلی صاحب کا کیا وجود اور کیا ہستی ہے۔ جو ان
فروگذاشتوں اور استخفاف استحقاق کی شکایتوں کا اونپر الزام لگایا جاوے جب ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام
اور تابعین ہی کے قدیم ایام سے ان واقعات کے استیصال و استخفاف کی اسوقت تک مسلسل کوشش
جاری ہے۔

بہر حال۔ ہم ان مستحقین کے مراتب و مدارج جنکا استخفاف و استیصال منظور ہے۔ ذیل میں امام قندوزی
شیخ الاسلام قسطنطنیہ کے اوس مختار اور تحقیقی معیارات قلمبند کرتے ہیں، جو اونھوں نے ائمہ اثنا عشر کی خاص
تنقیح اور تخصیص کی بحث میں حدیث بعدی اثنا عشر خلیفۃ کے متعلق لکھی ہے۔

قال بعض المحققین ان الاحادیث الدالۃ
علی کون بعدہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم اثنا
عشر قد اشتہرت من طرق کثیرۃ فبشرح
الزمان وتعریف الکون و المکان اعلم ان
مراد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم من
حدیثہ ھذا الائمۃ اثنا عشر من اہل بیتہ

بعض محققین کا قول ہے کہ یہ حدیث اسکی دلیل ہے کہ بعد
آنحضرت صلعم آپ کے بارہ خلفا ہیں پس طریقہ کثیرہ اور ہر
زمانہ اور وقت و مقام کی شرح و بیان سے یہ مشہور ہے کہ
جناب رسول خدا صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم کی مراد بارہ خلفا سے
ائمہ اثنا عشر ہیں جو آپ کے اہل بیت اور عترت طاہرہ سے
ہیں کیونکہ ان سے آپ کے صحابہ جو آپ کے بعد خلیفہ ہوئے

وعترته اذ لا يمكن ان يحمله على الخلفاء بعده من اصحابه عن اثنا عشر ولا يمكن ان يحمل هذا الحديث على الملوك الاموية لزيادتهم على اثنا عشر ولظلمهم الفاحش الا عمر ابن عبد العزيز ولكونهم غير بني هاشم لان النبي صلى الله عليه واله عن جابر اخفا صوته صلى الله عليه واله وسلم في هذه القول يرجح هذه الرواية لانهم لا يحسنون خلافة بني هاشم ولكن لا يمكن ان يحمله على الملوك العباسية لزيادتهم على العدد المذكور ولقلة رعايتهم الاية قل لا اسئلكم اجرا الا في المودة القربى وحديث الكساء فلابد من ان يحمل هذا الحديث على الائمة الاثنا عشر من اهلبيته وعترته صلى الله عليه واله وسلم لانهم كانوا اعلم زمانهم واجلهم واورعهم واتقاهم واعلاهم نسباً وافضلهم حسباً واكرمهم عند الله وكان علومهم عن آبائهم متصلة بجدهم صلى الله عليه واله وسلم بالوراثة واللدنية كذا عرفهم اهل العلم والتحقيق واهل الكشف والتوفيق ويؤيد هذا المعنى اي ان مراد النبي صلى الله عليه واله وسلم الائمة الاثنا عشر من اهل بيته ويشهده ويرجحه حديث الثقلين والاحاديث المتكثرة المذكورة في هذا الكتاب وغيرها۔

مراد نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ اون کی تعداد بارہ[۱۲] سے کم تھی۔ اس حدیث کا ملوک امویہ پر بھی اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ اول تو اونکی تعداد بارہ[۱۲] سے زیادہ تھی دوسرے مظالم و فواحش اونکے اسکے لئے مانع تھے جن میں سے عمر ابن عبد العزیز مستثنیٰ ہیں۔ ان سے مراد بنی ہاشم ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ فرمایا آنحضرت صلعم اور سب اون میں سے بنی ہاشم ہیں۔ مگر عبد الملک نے جابر سے جو روایت کی ہے اوس میں ہے کہ آپ نے اس موقع پر اپنی صدا کو روک لیا جس سے معلوم ہوا کہ اس امر کے لئے تمام بنی ہاشم بھی مراد نہیں تھے۔ پھر ملوک عباسیہ بھی اس سے مراد نہیں ہو سکتے۔ اول اس سبب سے کہ اون کی تعداد بارہ سے زیادہ ہے دوسرے یہ کہ اونہوں نے آیہ مودت "قل لا اسئلکم اجرا الا فی المودة القربیٰ" اور حدیث کسا کے حقوق کی رعایت نہیں کی پس اب بجز اسکے کوئی اور چارہ نہیں ہے کہ اس حدیث سے ائمہ اثنا عشر مراد لئے جاویں۔ جو آپ کے اہلبیت اور عترت طاہرین سے تھے۔ اور یہی حضرات اپنے اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ صاحب علم۔ صاحب ورع۔ اور صاحب تقویٰ تھے اور تمام اہل زمانہ سے باعتبار نسب کے عالی نسب اور باعتبار حسب کے افضل تھے۔ اور سب لوگوں سے زیادہ خدا کے آگے صاحب عزت واکرام تھے۔ اونکے علوم اونکے آبائے طاہرین کے ذریعہ سے بطریقہ متصل اونکے جد بزرگوار صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے حاصل تھے اور وراثت اور لدنیہ دونوں طریقہ حصول علم اونکو حصول تھے انہیں صفات وکمالات سے اہل علم و تحقیق نے ان حضرات کی معرفت پائی ہے۔ اور اہل کشف و توفیق نے انہیں صفات سے انکو پہچانا ہے اور اس معنی کی۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مراد ائمہ اثنا عشر کی اپنے اہلبیت میں سے تھی تائید تصدیق اور ترجیح حدیث ثقلین اور کثیر التعداد حدیثوں سے جو اس کتاب اور نیز دوسری کتابوں میں مذکور ہیں پوری طور سے ہوتی ہے۔ ینابیع المودة فی القربیٰ امام سلیمان القندوزی مطبوعہ [illegible]

اب اس فاضل محقق اور کامل محدث کے مختار سے تو ائمہ اثنا عشر کی امامت و خلافت کی حقیقت پورے طور سے معلوم ہوگئی۔ باوجودکہ حقیقت پر اتنا پردہ ڈالا گیا۔ اصلیت اور واقعیت اتنی چھپائی گئی۔ مگر پھر بھی اسکی حقیقی اہلیت رکھنے والوں کے نام جنکو قرآن و توراۃ نے۔ امام۔ نقیب اور اسباط کے الفاظ والقاب مبارک سے خطاب فرمایا ہے متلاشیان حقیقت اور محققان معرفت کے لب و زبان پر آہی گئے۔

بہرحال ہم ذبیح اسماعیل ع کے متعلق اپنے مرقومہ بالا سلسلہ بیان میں۔ فدنیاہ بذبح عظیم و ترکنا علیہ فی الآخرین کے حقیقی مقصود اور اصلی مفہوم کو ہر طریقہ اور ہر قرینہ سے ثابت کر چکے۔ اب ہم اپنے موجودہ استدلال میں اس سے کسی اور زائد اضافہ کو غیر ضروری سمجھتے ہیں اور اس مبحث کے خاتمہ پر اپنے ذی استعداد اور صاحب سواد معاصر نواب خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب رئیس کی وہ تحریر نقل کرتے ہیں جس میں انہوں نے ذبح حسین ع کو ذبح اسماعیل ع کا تکملہ منشاء قدرت اور انبیاء و مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین کی خاص سیرت بتلایا ہے۔ عبارت ذیل ملاحظہ ہو۔

اسمیں کوئی کلام نہیں کہ خداوند عالم نے اپنی مکرم مخلوق میں جس کو جیسا رتبہ عالی عطا فرمایا اوسی قدر اوس کو انتظامی تکلیف کا مورد بھی بنایا۔ چنانچہ انبیاء کے عالیشان اور بانیان ادیان نے اپنوں یا بیگانوں کے ہاتھوں سے جو جو مصیبتیں اوٹھائیں اونکا احصار تاریخی دُنیا کے سیر کرنے والے مشکل سے کر سکتے ہیں۔ ابوالبشر حضرت آدم علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کی خلقت اور بعثت سے ہدایت اور دین الٰہی کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایکطرف سے آدم ع انسانی نسلوں کے موجب ہوکر ہمارے لئے قانون الٰہی لائے دوسری جانب سے ستارہ بلاؤ امتحان طالع ہوا۔ گویا مذہب اور آزمائش دونوں ایک ہی روز جلوہ افروز عالم ہوئے۔ ضروری تھا کہ بانیان دین الٰہی اور رہبران ہدایت حق معرض امتحان و آزمائش میں لائے جائیں۔ کیونکہ سونا اگرچہ آگ میں جلنے سے پہلے بھی سونا ہے مگر آگ میں پڑنے سے وہ ثابت کردیتا ہے کہ میں آزمائش میں کھرا ہوں اور کامل ہوں ~~~ خوش بود گر محک تجربہ آید بمیان تا سیہ روئے شود آنکہ در وغش باشد۔ گو ہمارے ناقص اور کمزور خیالات اس ابتلا و آزمائش کو غیر محمود معنوں سے تعبیر کریں لیکن روحانی اخلاق کی بنا پر اس قسم کی آزمائش افضال خداوندی اور برکات لاتمناہی ثابت ہوتی ہے۔ حضرت آدم کے بعد حضرت نوح۔ حضرت ہود۔ حضرت صالح۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت اسماعیل۔ حضرت اسحق۔ حضرت یعقوب۔ حضرت ایوب۔ حضرت یوسف۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت یونس۔ حضرت یحییٰ۔ حضرت عیسیٰ حضرت جرجیس وغیرہم صلوات اللہ علیٰ نبینا و آلہ و علیہم اجمعین کو مخالفین کے ہاتھوں جو ناقابل برداشت اذیتیں اوٹھانی پڑی ہیں وہ قطعی طور پر ثابت کر رہی ہیں کہ مردان خدا کو

خدا کی راہ میں کس کس قسم کے دشمنوں سے مجاہدہ اور مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ خود ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کو ہدایت اُمت کی بدولت جن جن مصائب کے سامنے ہوئے اون کی شرح و تفصیل کی حاجت نہیں۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل انبیا و مرسلینؑ کے سردار اور جمیع شرائع کے متمم تھے لہذا ضرور تھا کہ اون کا امتحان اور بلا بھی اون کے مرتبہ اعلیٰ کے مطابق ہو۔ چنانچہ وہ اُن کے پیارے فرزند کے ساتھ مخصوص ہوا جس کے ماتم کے لئے قصر عالم عزاخانہ مخلصین و فادار بن گیا اگرچہ درجہ شہادت فی الاصل ابتلاء رسول آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک انتہائی شعبہ تھا لیکن اوس کی قرعہ اندازی حسین ابن علی علیہما السلام روحی فداہا کے نام گرامی پر ہوئی۔ یوں تو جس طرح حضرت نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخالفین کی بدولت تکلیفیں جھیلنی ہوئیں۔ اوسی طرح ان کے خاندان عظیم الشان کا ہر ایک رُکن رکین شیاطین امت کے ہاتھوں مبتلائے مصیبت و آلام رہا لیکن درحقیقت ایک تخصیصی آزمائش اور کامل ابتلاء کا مرتبہ خامس آل عبا کی ذات بابرکات پر ختم ہوگیا۔ علامہ اجل شاہ عبد العزیز دہلوی نے اپنی کتاب سر الشہادتین میں واقعہ شہادت کی جو تمہید زیب قلم فرمائی ہے اوسکا خلاصہ مضمون یہ ہے۔

جتنے کمالات جدا جدا کل انبیا میں تھے وہ سب ذات سرورکائنات میں مجتمع ہوگئے۔ فقط ایک کمال شہادت باقی رہ گیا تھا جس کے حاصل ہونے کا سبب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس شہید ہوجاتے تو شوکت اسلام ٹوٹ جاتی اور عوام کے نزدیک دین میں خلل پڑتا۔ پس حکمت الٰہی نے چاہا کہ یہ عظیم الشان منصب اور کمال بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اون کے اہلبیت میں سے ایسے عزیز و قریب تر کے ذریعے پہونچے جو بمنزلہ فرزند حقیقی کے ہوتا کہ اوسکا یہ تحاصہ شہادت جناب رسول خدا کی ذات میں شامل ہوجائے۔ چنانچہ عنایت ایزدی نے حسنین علیہما السلام کو اونکے نانا کا نائب اور قائمقام بنایا اور دونوں کو دو آئینے پرتو کمال محمدیؐ اور رخسارے جمال مصطفویؐ کے ٹھیرا کر ان دونوں صاحبزادوں کے توسط سے یہ کمال بھی ذات آنحضرت صلعم میں داخل کردیا۔

فی الحقیقت جناب شاہ صاحب کی یہ تحقیق اور یہ ندرت ذکاوت اون کے اتباع کے لئے سرمایہ فخر و ناز ہوسکتی ہے لیکن اس قدر افسوس ضرور ہے کہ شاہ صاحب نے حسینؑ ابن علی کی قایمقامی اور نیابت مصطفویؐ کو فقط اون کے قتل ہی تک محدود و مخصوص کردیا بمصداق قول شاعر؎ از صحن کعبہ تا لب بام از آں من در سقف خانہ تا بشیر تا از آں تو۔ مؤلف

(صاحب رسالہ السلام المبین) کہتا ہے کہ کربلا کا معرکہ شہادت معنوی طور پر وہ عظیم المرتبہ امانت تھی۔ جس کو قدرت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے حضرت اسماعیل کے خاندان میں سپرد کیا تھا اور ۶۱ ہجری میں عاشورہ کے دن حضرت امام حسین علیہ السلام نے نہایت ہی استقلال اور ثابت قدمی سے ادا کر دیا۔ یہ وہی ودیعت تھی جو خاندان اسماعیل میں چلی آتی تھی اور جس کے ادا کرنے اور بار اوٹھانے کا کوئی متحمل نہیں ہو سکتا تھا بالآخر اوسکے سچے امین نے نہایت خوشی سے تسلیم و رضا کے ساتھ ذبح عظیم کی پیشین گوئی پوری کر دی اور بی بی ہاجرہ کی مبارک نسل کا وعدہ بی بی فاطمہ کی مقدس نسل نے کامل طور سے وفا کر دیا۔ یعنی دہم محرم کو حسین ابن علی علیہ السلام نے اوس وعدہ کی تکمیل کر کے اپنے دادا اسمٰعیل ابن ابراہیم علیہما السلام کو سبکدوش کر دیا بمضمون احادیث متواترہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کو شہادت حسین علیہ السلام کا مکرر پہونچنا ثابت کر رہا ہے کہ خداوند عالم کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ سے مطلع کرنا یونہی بے معنی نہیں تھا۔ بلکہ یہ وہی وعدہ تھا جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علی نبینا و الہ وعلیہما السلام سے لیا گیا تھا اور گویا یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ جس قربانی کی بنا حضرت اسماعیل سے ہوئی۔ خاندان مصطفوی اور دودمان مرتضوی کے چشم و چراغ جناب امام حسین علیہ السلام کی ذات پر ختم اور کامل ہو گئی۔ دیکھو اگر امام حسین علیہ السلام چاہتے تو فقط یزید ملعون سے بیعت کر کے اپنی اور اپنے اہلبیت کی گلو خلاصی کرا لیتے۔ امام حسین علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے وہ منحوس سماں اور نامبارک منظر پیش نظر تھا جس میں وہ بے خانماں ہو کر جام شہادت پئیں گے وہ بخوبی جانتے تھے کہ اون کے بعد اونکے اہلبیت اور ذریت کے ساتھ ظلم و ستم میں دشمنان دین کوئی کمی نہیں کرینگے۔ بچوں کی آہ و زاری۔ عورتوں کی بے قراری۔ ایسا مقام۔ جہاں بجز ذات باری نہ کوئی مونس و معین۔ نہ ہمدم و ناصر۔ اپنی جماعت قلیل اور اشقیا کی کثرت۔ آفتاب کی تمازت۔ پانی کا مطلق بند ہونا۔ یہ سب باتیں کیا اس امر کے لئے کافی نہیں تھیں کہ ایک انسان کا دل ہلا کر اوسکو امور مخالف طبع کے قبول کرنے پر آمادہ کریں۔ کیا کوئی آدمی اپنی بشری ہستی میں ایسی سختیوں اور بلاؤں کا متحمل ہو کر اپنی وجدانی صداقت اور ایمانی قوت پر قائم رہ سکتا ہے۔ مگر ہاں فاطمہ زہرا کے فرزند حسین نے یہ ساری مصیبت اور صعوبت اپنے سر لے لی اور آنکھوں کے سامنے ننھے ننھے بچے اور عزیز قتل ہو گئے جس دریا سے چرند و پرند سیراب ہوتے تھے۔ وہ اوس سے محروم رکھے گئے تھے۔ دہوپ کی تکلیف اوٹھائی۔ بھوک پیاس کے صدمے اوٹھائے۔ خیمے جلائے گئے۔ خود جسم پر بے شمار زخم کہائے۔ لیکن ودیعت اسماعیلی کے ادا کرنے

اور امانت ابراہیمی کے امین نے ۵ سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔ دم مارنا کیسا یہ بھی تو زبان سے نہ نکلا کہ خدایا اس بلا سے مجھے نجات دے یا یہ آزمائش مجھ سے ٹال دے۔ مگر باوجود ہزار مصائب کے ذرا بھی بیقرار نہوا۔ اور تمام شب اس بار کے اوٹھا لینے اور امتحان میں پورا اوترنے کی دعاؤں میں مشغول رہا۔ واقعی امام حسین علیہ السلام کیوں بیقرار ہوتے۔ وہ ایسے نہ تھے کہ اپنے دادا کی امانت کو ادا نہ کرتے اور اپنے نانا کی امت کی کشتی نجات کو گرداب ضلالت میں ڈوبنے دیتے۔ بلکہ اونہوں نے اوس جوش کو پورا کر دیا۔ جو حضرت ابراہیم کے دل میں پیدا ہوا تھا اور اس طوفان سے بچا دیا۔ جس میں امت محمدیہ غرق ہو چلی تھی۔

(از رسالہ البلاء المبین)

عرب میں اسمٰعیل کی تبلیغ رسالت کی ضرورت

ذبح اسماعیل کے عظیم الشان واقعہ کو اوسکی تمام تفصیلی جزئیات اور کلیات کے ساتھ بیان کر کے ہم اپنے قدیم سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں اور جناب اسماعیل علیہ السلام کے بقیہ حالات کو قلمبند کرتے ہیں۔ جناب اسمٰعیل کے طرز معاشرت اور آپ کے مقدس حالات کے متعلق جہاں تک کتب معتبرہ سے تفحص کیا گیا ہے یہ پایا جاتا ہے کہ آپ اپنے تمام اوصاف و کمال میں اپنے پدر بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نمونہ تھے۔ خلق و مروت۔ محبت و شفقت۔ اکرام ضیف۔ لطف و مدارا کے صفات سے خاص طور پر ہر اور جمہور تھے اور مشہور نزدیک و دور۔ اور یہ تمام امور اسی سے ثابت ہیں کہ قبیلہ جرہم اور عمالقہ یمنی کے تمام قبائل و عشائر۔ جو ایک زمانہ دراز سے خانہ بدوشی اور پریشان حالی میں ادہر اودہر زندگی بسر کر رہے تھے۔ آپ کے اخلاق و اشفاق کے گرویدہ اور زیر احسان ہو کر ہمیشہ کے لئے مکہ میں آکر اس طرح بس گئے کہ پھر اپنے اصلی موطن و مسکن کی طرف رخ بھی نہ کیا اور اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ قبیلہ جرہم کی وجہ سے حضرت اسمٰعیل کو بھی اپنی ضروریات میں بہت سی آسانیاں اور سہولیت حاصل ہوئیں۔ جیسا کہ بہت جلد سلسلہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

جناب اسمٰعیل بھی حضرت ابراہیم ہی کے زمانہ حیات سے تبلیغ رسالت کے درجہ پر فائز تھے۔ مگر حضرت لوط کی طرح تا روز وفات حضرت ابراہیم۔ اپنے پدر بزرگوار کی شریعت کے تابع۔ خاصکر قوم عرب کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ جہاں حضرت صالح کے بعد سے سلسلہ ہدایت و ارشاد اور ذریعہ تعلیم و تلقین معرفت الٰہی گویا مسدود و مفقود ہو چکا تھا۔ اور نظام مشیت کو ان بادیہ نشین قوموں کو بھی اپنی معرفت و ہدایت کے فیوض پہونچانے منظور تھے۔ اور نہایت ضرور۔ اسلئے کہ یہی ذلیل اور حقیر ترین قوم

ایک زمانہ میں بہت بڑی کامل المعرفت اور عظیم الشان قوم ہونے والی تھی۔ اور تمام امم سابقہ کے مقابلہ میں خیر الامۃ اور امت مرحومہ کے خاص خطاب و القاب پانیوالی۔

جناب اسماعیل علیہ السلام وہ پہلے مقدس بزرگوار ثابت ہوتے ہیں، جنہوں نے امم ثمود کے بعد از سر نو عرب کے نیم وحشی قوموں کی تعلیم و ہدایت کا ذمہ اوٹھایا۔ اور اونکو دینی۔ قومی اور اخلاقی۔ آداب و تمدن بتلائے۔

اوس وقت عرب کے کیا عقاید تھے۔

اوسوقت جاہل عرب کی قوموں کے کیا عقاید تھے مشکل سے معلوم ہوسکتے ہیں۔ مگر کچھ ہی جستہ جستہ حالات۔ قدیم کتبات۔ علمائے اثریات کی جدید تحقیقات اور اکتشافات یا ایام عرب کے قدیم اشعار سے پائے جاتے ہیں۔ اون سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کی آوارہ اور سر بصحرا قومیں کسی خاص عقیدہ کی پابند نہیں تھیں جس طرح اون کے جدا جدا قبیلے اور قومیں تھیں اوسی طرح اون کے مرسومات اور معتقدات بھی جدا جدا تھے۔ مدینہ۔ وادی القری اور علاقہ تیما کے قرب و جوار کی بادیہ نشین عربوں کا کوئی خاص مذہب تحقیق نہیں ہوتا۔ صحرائی اور کوہستانی عرب اوہام پرست تھے یمن کی قومیں اکثر ستارہ پرست تھیں اور باقی بت پرست ظہور اسلام تک اوہام پرستیوں کے اثر باقی تھے۔ غزوہ ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ کے متعلق محدثین و محققین اسلام نے جہاں اور مختلف اقوال لکھے ہیں۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ اس مقام پر رقاع نامی ایک بہت بڑا قدیم درخت نہایت مشہور و معروف تھا جس کو اہل عرب پوجتے تھے اوس سے دعائیں مانگتے تھے۔ اور اوس پر چیتھڑے چڑھاتے تھے۔ زرقانی جلد دوم ص ۹۵

حضرت اسماعیل علیہ السلام انہیں نیم وحشی عربوں اور صحرائی قوموں میں، خدا کا وجود۔ اوس کی وحدت محض۔ اور اوس کی عبادت کی تعلیم و ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ اور خدائے سبحانہ تعالی نے تبلیغ رسالت کی انجام دہی میں اون کے مساعی جمیلہ کو کامیاب فرمایا۔ اور اوسکے ثبوت میں تھوڑے ہی دنوں کے بعد عرب کے اون صحرائی قوم و قبائل کا خدا کے وجود۔ اوسکی وحدت اور قدرت کا قائل ہوکر ایام حج میں اوس کے مقدس گھر کے قریب جمع ہونا۔ خانہ کعبہ کو بیت اللہ اور اپنا معبد سمجھنا اور حضرت اسماعیل کے بتلائے ہوئے اصول کے مطابق۔ اوس کی عظمت۔ حرمت اور آداب کے اظہار میں مناسک حج کا ہر سال بجالانا صاف صاف بتلا رہا ہے کہ تعلیم و ہدایت اسماعیلی کے فیضان نے۔ اونکے پتھریلے دلوں میں خدا کے وجود۔ عظمت اور معبودیت کے اثر قائم کر دئے تھے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ رسالت میں۔ حضرت لوط۔ حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحق علیہم السلام

ایک شریعت ابراہیمی کے متبع مبلغ۔ اور داعی ثابت ہوتے ہیں اور دیگر انبیاء و مرسلین کی آنے والی شریعتوں میں اسکی بہت کم مثالیں پائی جاتی ہیں۔ اسی سے شریعت ابراہیمی کی عظمت اور اوسکے تبلیغی دائرہ کی وسعت ثابت ہوتی ہے اور کیونکر نہ ہوتی۔ ارض شام اور بابل سے لیکر مصر اور ممالک عمالیق تک ایکطرف اور پھر عراق عرب سے لیکر حجاز و یمن تک کے تمام قطعات ملک میں انکی دعوت کے اعلان بلند تھے۔ ان ملکوں کے تمام قبائل و عشائر آپ کی نبوت کو تسلیم کر چکے تھے۔

حضرت لوط۔ حضرت اسمعیل و اسحاق سے پہلے علاقہ حاران میں شریعت ابراہیمی کا پیلا رہے تھے حضرت اسحاق عم فلسطین اور ممالک مصر سے ملے ہوئے مقامات میں رسالت ابراہیمی کی تبلیغی خدمات انجام کر رہے تھے اور حضرت اسمعیل عم ملک عرب اور علاقہ یمن میں باپ کیطرف سے تعلیم و ہدایت پر مامور تھے۔

طرز معاشرت | یہاں تک تو ہمنے نبوت اور ہدایت امت کے متعلق حضرت اسمعیل ع کے حالات قلمبند کئے۔ اب آپکے طرز معاشرت اور دیگر حالات کی نسبت جہانتک تفحص کیا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ورود مکہ کے وقت سے آپ کی حیات کا ابتدائی حصہ شبابی اور گوسفند رانی میں صرف ہوا ہے۔ اسی کے ضمن میں صید و شکار کے مشاغل بھی داخل ہیں اور یہ خدمت جمیع انبیاء و مرسلین کی مبارک سیرتوں کے متعلق اس کثرت سے پائی جاتی ہے کہ اکثر محققین۔ محدثین اور مورخین اسکو حصول نبوت اور رسالت کا مقدمہ تسلیم کرنے لگے ہیں۔ اور عموماً سیرت انبیا علیہم السلام پر ظاہری نظر ڈالنے سے ان مقدسین عظام کے دائرے میں کوئی فرد واحد اس خدمت اور مشغلہ سے خالی معلوم نہیں ہوتا۔

اکثر محققین نے اسکے متعلق یہ مختار قائم کیا ہے کہ اس خدمت میں ان بزرگواروں کو میدانوں، ریگستانوں اور کوہستانوں میں۔ استغراق فی وجود اللہ کی نسبت۔ خلوت اور قدرت الہیہ کے علم و حکمت کے مشاہدہ فرمانے کا ہمیشہ اور آسان ذریعہ حاصل ہوا کرتا ہے، جو ہر نبی اور رسول کی سیرت کا جزو ضروری ہے اور بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آغاز حالات میں پوری تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

جناب اسماعیل علیہ السلام کے اس زمانے اور معرفت الٰہی کی مشق و ریاضت کے متعلق ایک قدیم روایت اوس زمانے کے بہت بڑے عابد مرتاض کی زبانی اسلام کی اکثر تاریخوں میں مذکور ہے۔ اوس کو ہم حیات القلوب جلد اول کی اصل عبارت سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

روزے حضرت ابراہیم علیہ السلام رفت بیروں و در شہرہا می گشت کہ از مخلوقات خدا عبرت گیرد۔ پس بگذشت بہ بیابانے۔ ناگاہ دید شخصے را کہ استادہ است

ایک روز جناب ابراہیم علیہ السلام گھر سے باہر سفر پر تھے اور مختلف شہروں میں مخلوقات خدا کے مشاہدات سے عبرت حاصل کرنے کیلئے سیر فرماتے تھے۔ اسی سلسلہ میں ایک صحرا

دنماز میگذارد۔ وصدائش باسمان بلند شده است و
جامهائش از موی است پس ابراہیم نزد او ایستاد واز نماز
او تعجب کرد پس نشست تا او فارغ بشود چون
بسیار طول انجامید اورا بدست خود حرکت داد و گفت
من بسوئے تو حاجتے دارم سبک کن نماز خویش را
پس او سبک کرد نماز را و با ابراہیم نشست پس
ابراہیم از او پرسید که برائے که نماز میکردی گفت
برائے خدائے ابراہیم۔ ابراہیم گفت خدائے ابراہیم
کیست گفت آنکه خلق کرده است ترا و مرا ابراہیم
گفت طریق تو مرا خوش آمده ومن دوست میدارم
که با تو برادری کنم از برائے خدا پس بگو منزل تو کجا است
که هرگاه بخواهم ترا ملاقات کنم و زیارت نمایم۔ تو انکم
کرد گفت تو بآنجا نمی توانی آمد۔ زیرا که درمیان دریائے
است که از انجا عبور نمیتوان کرد۔ ابراہیم گفت تو
چگونه میروی گفت من بروئے آب می روم
ابراہیم گفت شاید آنکس که آب را برائے تو مسخر
کرده است برائے من نیز مسخر گرداند۔ برخیز برویم
امشب با تو در یک اطاق باشیم پس چون بآب
رسیدند آن مرد بسم اللہ گفت و بروئے آب روانه
شد ابراہیم نیز بسم اللہ گفت و بروئے آب روان
شد پس آن مرد تعجب کرد۔ چون بمنزل رسیدند
ابراہیم گفت تعیش تو از کجا است گفت میوه این
درخت را جمع میکنم و در تمام سال با آن معاش میکنم
ابراہیم گفت کدام روز عظیم تر است از همه روزها
عابد گفت روزیست که خدا جزا دهد خلایق را برکردهائے

میں پہونچے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے۔
اوسکی نماز پڑھنے کی آواز (گویا) آسمان تک جاتی تھی۔ وہ
بالوں کے کپڑے جسم پر پہنے ہوئے تھا ابراہیم اوسکے پاس کھڑے
ہوکر اوسکی نماز پر تعجب کرنے لگے اور پھر بیٹھکر اوسکے نماز سے
فارغ ہونیکا انتظار کرنے لگے۔ مگر جب زیادہ دیر ہوگئی تو آپ
نے ہاتھ بڑہاکر اوسکے جسم کو حرکت دی اور ارشاد کیا کہ نماز کو
کم کرو مجھہ کو تم سے کچھہ حاجت ہے۔ اوس نے اپنی نماز کو کم
کردیا اور ختم کرکے ابراہیم کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ابراہیم نے پوچھا کہ
تمنے کس کی نماز پڑھی ہے۔ اوس نے کہا کہ ابراہیم کے خدا کی
ابراہیم نے پوچھا ابراہیم کا خدا کون ہے۔ کہا وہی ہے جس نے
مجھہ کو اور تجھکو پیدا کیا ہے۔ یہ سنکر ابراہیم نے کہا کہ تیرا طریقہ مجھے
بہت پسند آیا۔ میری خواہش ہے کہ راہ خدا میں میں تیرے
ساتھ اخوت (بھائی چارہ) اختیار کروں۔ اب بتلاؤ تمہارا گھر
کہاں ہے۔ کہ میں جب چاہوں وہاں آکر تم سے ملاقات
کروں۔ اوس نے جواب دیا تم وہاں نہیں آسکتے۔ کیونکہ درمیان
میں دریا ہے۔ جسے تم عبور نہیں کرسکتے۔ ابراہیم نے پوچھا تم
کیسے جاتے ہو۔ جواب دیا کہ میں تو پانی پر چلتا ہوں۔ ابراہیم نے
کہا کہ جس نے پانی کو تمہارے اختیار میں کردیا ہے وہی پانی
کو میرے اختیار میں بھی کردے گا۔ یہ کہکر ابراہیم نے کہا کہ
اوٹھو اور آج کی رات ہم تم ایک جگہ ساتھ رہیں۔ اسکے بعد
وہ اوٹھکر چلے جب دریا پر آئے تو اوس مرد عابد نے بسم اللہ
کہی اور پانی پر چلا گیا۔ ابراہیم نے بھی بسم اللہ کہی اور اوسی طرح
پانی پر چلے گئے۔ اوس مرد عابد نے تعجب کیا۔ جب گھر میں پہونچ
گئے تو ابراہیم نے پوچھا کہ تم یہاں کھاتے پیتے کیا ہو۔ اوس نے
کہا اس سامنے والے درخت کے میوے۔ اسکے میووں کو

ایشان۔ ابراہیم گفت بیا دست بدعا بر داریم و دعا کنیم
کہ خدا ما را از شر آں روز نگہدارد یا باں را۔ و در روایت
دیگر آمدہ کہ ابراہیم گفت کہ دعا کن تا من آمین گویم یا من
دعا میکنم و تو آمین بگو۔ عابد گفت از برائے چہ دعا
بکنیم ابراہیم گفت از برائے آمرزش گناہان مومناں
عابد گفت نہ ابراہیم پرسید چرا عابد گفت از برائے
اینکہ سہ سال است کہ دعا میکنم و ہنوز مستجاب نشدہ
است و دیگر شرم میکنم کہ از خدا حاجتے بطلبم تا آں ہم
مستجاب نشود ابراہیم گفت خدا ہرگاہ بندہ را
دوست میدارد دعایش را حبس میگرداند کہ از او
مناجات کند و سوال کند و از او طلب کند و چوں
بندہ را دشمن میدارد دعایش را زود مستجاب میکند
کہ باز صدایش بسمع قدرت نیاید یا در دلش چناں
یاس می افگند کہ دعا نمی کند پس ابراہیم پرسید کہ چہ
مطلب است کہ دریں مدت از خدا طلبیدہ عابد
گفت روزے دراں جا نماز میکردم ناگاہ طفلے در
نہایت حسن و جمال گذشت کہ نور از جبینش ساطع بود
و کاکلے از قفا انداختہ بود و گاوے چند می چرانید گویا
روغن انہا را مالیدہ بودند و گوسفندے چند نیز ہمراہ
داشت در نہایت فربہی و خوش آیندگی مرا از آنچہ
دیدم بسیار خوش آمد و گفتم اے کودک زیبا از کیست
ایں گاو ہا و گوسفندہا گفت ازیں است گفتم تو کیستی
گفت من اسماعیل پسر ابراہیم خلیل اللہ ہستم پس
دعا کردم و از خدا سوال کردم کہ خلیل خود را بمن نماید
پس ابراہیم گفت منم ابراہیم خلیل اللہ و آں پسرم

ایکبار جمع کر لیتا ہوں اور اونھیں کو سال بھر کھایا کرتا ہوں۔
ابراہیم نے کہا کہ تمام روزوں سے عظیم تر کون روز ہے اوسنے
جواب دیا کہ وہ دن سب دنوں سے عظیم تر ہے جسدن خدا
سب بندوں کو جزا و سزائے اعمال کیلئے طلب فرماوے۔
ابراہیم نے کہا کہ آؤ ہم تم ملکر تمام مومنین گناہگاراں کے لئے اس
روز کے عذاب سے محفوظ رکھے جانے کی دعا مانگیں اور ایک
روایت میں یوں آیا ہے کہ ابراہیم نے کہا کہ میں دعا کروں اور تم
آمین کہو یا تم دعا کرو میں آمین کہوں۔ عابد نے پوچھا کیا دعا کرو
ابراہیم نے کہا کہ عاصیان مومنین کے لئے۔ عابد نے کہا نہیں
میں نہ دعا کروں گا۔ ابراہیم نے کہا کیوں۔ عابد نے کہا اسلئے کہ
تین برس ہو گئے میں نے خدا سے ایک امر کے لئے دعا مانگی تھی اور
وہ ابھی تک قبول نہیں ہوئی۔ اس وجہ سے مجھے خدا سے اب
دعا مانگتے ہوئے شرم آتی ہے کہیں یہ بھی مستجاب نفرمائی جاوے
ابراہیم نے جواب دیا کہ خداوند عالم جس بندے کو دوست رکھتا ہے
اوسکی دعا کو اسلئے تاخیر اجابت میں رکھتا ہے کہ وہ بار بار دعا کرے
اور خدا بار بار اپنے دوست کی صدا کو سنے اور جس کو دشمن رکھتا ہے
اوسکی دعا کو جلد مستجاب کر دیتا ہے کہ اوس کی بد آواز کو پھر نہ سنے۔ یا
نہیں تو۔ اوسکے دل میں ایسی مایوسی پیدا کر دیتا ہے کہ وہ طلب
دعا کرتا ہی نہیں۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا تو نے کس مطلب
کے لئے خدا سے دعا مانگی تھی۔ عابد بولا حال یہ ہے کہ ایک دن
میں اسی جا اپنی نماز پڑھتا تھا کہ اتنے میں نہایت قبول صورت
اور وجیہہ ایک لڑکا سامنا ہوا جس کی پیشانی سے نور ہویدا
آشکار تھا اور ایک کاکل پیچھے اوسکے پیچھے پڑی تھی اور چند گائیں
چراتا تھا۔ فربہی سے گاوں کا یہ عالم تھا جیسے کہ اونکے بدن پر
روغن مل دیا ہے۔ اوسکے ساتھ چند بھیڑیاں بھی تھیں اور وہ

اسماعیل است عابد گفت الحمد للّٰہ رب العالمین کہ دعاے او مستجاب شد پس آن شخص ہر دو دست و روے ابراہیم را بوسید دو دست در گردن او در آورد و گفت الحال دعا کن تا آمین بر دعاے تو گویم پس دعا کرد ابراہیم مومنین و مومنات را از آں روز تا بہ قیامت تا آنکہ گناہاں ایشاں را بیامرزد دار ایشاں راضی بشود عابد آمین گفت بر دعاے ابراہیم۔ نام آن عابد ماریہ ابن اوس بود و عمرش ششصد و شصت سال بود۔

بھی نہایت خوش اور بحال تھیں۔ میں نے اوس سے پوچھا کہ یہ گائیں اور بھیڑیاں کس کی ہیں۔ اوس نے جواب دیا میری ہیں میں نے پوچھا تم کون ہو۔ وہ بولا میں اسماعیل پسر ابراہیم خلیل اللہ ہوں۔ یہ سنکر میں نے اوسوقت خدا کی درگاہ میں دعا کی کہ پروردگا تو اپنے خلیل کی زیارت مجھے کردے۔ یہ سنتے ہی حضرت ابراہیم نے ارشاد فرمایا کہ میں نبی خلیل اللہ ابراہیم ہوں۔ اور وہ میرا فرزند اسماعیل تھا۔ یہ سنکر عابد بولا۔ الحمد للّٰہ رب العلمین کہ میری دعا مستجاب ہوئی۔ یہ کہکر وہ اپنی جگہ سے اوٹھا اور حضرت ابراہیم کے دست و جبیں کے بوسہ لئے اور پھر اپنے ہاتھ اون کی گردن میں ڈال کر عرض کی کہ اب آپ دعا فرمائیں میں آمین کہوں گا۔ اسکے بعد حضرت ابراہیم نے تمام مومنین و مومنات کی امرزش گناہان کے لئے اوسوقت سے لیکر قیامت تک کے دن کے لئے دعا مانگی اور اون سے راضی و خوشنود رہنے کی مسئلت فرمائی۔ وہ عابد آپ کی دعا پر برابر آمین کہتا رہا۔ اوس عابد کا نام ماریہ ابن اوس تھا اور عمر اوس کی چھ سو ساٹھ برس کی تھی۔

(حیات القلوب جلد اوّل ص ۱۱۲)

واقعہ مذکورہ بالا سے حضرت ابراہیم کی عظمت کے ساتھ جناب اسمٰعیل کی علو مرتبت۔ دنبیوں کی گلہ بانی جو بقول شبلی صاحب حقیقت میں جہانبانی کا دیباچہ ہے ثابت ہوگئی۔ اور یہ وہ منصب روحانی ہے جو انبیاو مرسلین کے طبقہ کرام میں ہر ہر بزرگوار کو عطا فرمایا گیا ہے۔ اس بنا پر یہ امر کامل طور سے متحقق ہوگیا کہ نزول مکہ معظمہ کے وقت سے آپکا ابتدائی زمانہ پہلے معرفت الہی کے اسی مقدمہ سے شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ روایت مذکورہ بالا میں ماریہ ابن اوس نے بکمال خصوصیت حضرت ابراہیم سے اس خدمت کا ذکر کیا ہے اور جناب ابراہیم نے بھی اوسکو بغایت رضا و پسندیدگی تسلیم فرمایا۔

اسی مشغلت کے بعد صید و شکار کا مشغلہ بھی ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے اوپر نقل ہو چکا کتب قدیمہ کے اخبار و اسفار سے بھی جس کے حوالہ اعتبار پر مغربی تحقیقات کے زیر اثر آئے ہوئے حضرت اسوقت بضرورت لبیک کہنے کو تیار بیٹھے ہیں۔ حضرت اسمٰعیل کے ان مشاغل کا پورا پتا ملتا ہے۔ اور توراۃ کے نسخوں میں متواتر مقامات پر آپ کی تیر اندازی اور آپ کا ایک مشہور تیر انداز ہونا مذکور ہے۔ اسلامی محققین کا بھی یہی مختار ہے۔ کیونکہ یہ فنون اور اون کی مشق شجاعت و دلیری کا شعبہ خاص ہے اور یہ دونوں اوصاف آئے

نبوت اور تبلیغ رسالت کے لئے ضروری ہیں۔

معاشرت کے متعلق ظاہر ہوتا ہے کہ قبیلہ بنی جرہم نے آپ کو کافی مدد پہونچائی اور حقیقتاً یہی لوگ آپ کی معاشرت کی درستی اور ترتیب کے باعث ہوئے۔ اور کیونکر نہ ہوتے جناب اسمٰعیل نے ہی تو اونکو قحط آب کی سخت مصیبتوں سے بچایا تھا جس کے لئے وہ تمام دشت و بیابان میں پریشان و حیران تھے۔ اسی عالم پریشانی میں جناب اسمٰعیل اور اون کی مادر گرامی قدر کا اپنے اوس قدرتی چشمہ پر متصرف ہونے کی بلا عذر اجازت دیدینا۔ جو خدا سے واہب العطایا نے اونھیں مخصوص عطا فرمایا تھا پھر وہیں اون کے قیام کرنے اور ہمیشہ رہنے کیلئے بلا تامل راضی ہوجانا۔ وہ احسانات تھے جو بنی جرہم ہمیشہ کے لئے کبھی بھولنے والے نہیں تھے۔ اس بنا پر ان لوگوں نے اپنے فیاض اور مہربان محسنین کی نصرت و حمایت کو اپنا فرض سمجھ لیا۔ حیات القلوب کی مفصلہ ذیل عبارت سے اس کی پوری حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

ہاجرہ جرہم را مرخص ساخت کہ نزدیک ایشاں فرود آمدند و خیمہا سے خود زدند و ہاجرہ و اسماعیل با ایشاں انس گرفتند و در مرتبہ سوم کہ ابراہیم بدیدن ایشاں آمد و کثرت مردم و ابادانی در دور ایشاں دید شاد شد پس اسمٰعیل نشو و نما کرد در قبیلہ جرہم و ہر یک از ایشاں یک گوسفند با سمٰعیل بخشیدند تا آنکہ گلہ بسیار شد و بان تعیش میکرد۔

حضرت ہاجرہ نے بنی جرہم کو اجازت دی۔ وہ قریب انکے آباد ہوگئے اور اپنے خیمے نصب کر دئے۔ اور رہتے رہتے حضرت اسمٰعیل کے ساتھ اون کو انس ہوگیا تیسری بار جب حضرت ابراہیم پھر آئے تو آدمیوں کی جمعیت اور آبادی دیکھکر بہت خوش ہوئے۔ حضرت اسمٰعیل نے انہیں لوگوں میں نشوونما پائی۔ اور ان میں سے ہر ایک شخص نے ایک ایک دنبی اسمٰعیل کو دی۔ یہاں تک کہ بڑا گلہ ہوگیا اور وہی باعث معاشرت و ذریعہ معاش ہوا۔ (ص ۱۲۹ ج ۱)

بنی جرہم میں شادی مذکورہ بالا اسناد سے حضرت اسمٰعیل کی درستی اور ترتیب معیشت میں جرہم کا پورا ہی ہمدردی سے حصہ لینا ظاہر ہوگیا۔ آگے چلکر انکے یہ محبت اخلاص قرابت کے اختصاص سے تبدیل ہوگئے۔ حضرت اسمٰعیل نے قبیلہ جرہم کے رئیس مضاض ابن عمر الجرہمی کی لڑکی رملہ نامی سے عقد کرلیا۔ مگر انکا یہ دوسرا عقد تھا جیسا کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ ابن سعد طبقات میں۔ اسلام کے امام الانساب۔ کلبی کے اسناد سے لکھتے ہیں۔

وکانت لاسمٰعیل امرءۃ من عمالیق ابنۃ صید تی قبل الجرہمیۃ وھی التی کان جاءھا

کلبی لکھتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل کی بی بی قوم عمالیق سے تھیں صیدی کی لڑکی۔ اور یہ اونکی جرہمیہ بی بی سے پہلے تھیں۔ یہ وہی

ابراهيم فجفته في القول ففارقها اسمعيل و لم تلد له شيئاً	تھی جس کے سامنے ابراہیم آئے تھے اور اوسکی شکایت حضرت اسمٰعیل سے کر گئے تھے۔ اسی بنا پر اسمٰعیل نے اسے طلاق دیدی
اس سے اسمٰعیل کی کوئی اولاد نہیں ہوئی (طبقات ج ۱ ص ۲۵)	

صحیح بخاری اور طبقات کی عبارتوں سے حضرت اسمٰعیل کی دو بیبیوں کا ہونا ضرور ثابت ہوتا ہے۔ مگر بخاری سے دونوں بیبیوں کا جرہمیہ ہونا ظاہر ہوتا ہے اور یہ خلاف مشہور و جمہور ہے۔ طبقات کی عبارت اوپر لکھی جا چکی ہے کلبی کا قول نقل ہو چکا ہے تمام محققین و مورخین اسلام کا قریب قریب یہی مختار ہے۔ توراۃ کی عبارت سے بھی جو سر سید نے خطبات احمدیہ میں نقل فرمائی ہے اور جس کو ہم حضرت ہاجرہ کی ہجرت کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔ حضرت اسمٰعیل کا پہلے ایک مصری لڑکی سے شادی کرنا ثابت ہوتا ہے۔

سید صاحب نے بلا تامل اسی کو صحیح تسلیم کر لیا ہے اور اپنی ذاتی رائے و قیاس کی اصابت پر اعتبار کر کے اسی کو استدلالاً پیش کیا ہے جب آپ کے استدلال پر نظر ڈالی جاتی ہے تو سوائے توراۃ کی تقلید کے کوئی اہمیت نہیں پائی جاتی توراۃ کا فارسی ترجمہ جو نقل کیا گیا ہے۔ اسمیں مصری عورت کا لفظ ضرور ہے مگر نقل کے ساتھ سید صاحب کو عقل سے بھی تحقیق کر لینا ضرور تھا کہ وہ مصری عورت اوسوقت حجاز میں اور خاصکر مکہ میں آئی کہاں سے ؟ کیونکہ کوئی تاریخ اور کوئی سیر اوسوقت حجاز اور مصر میں آمد و رفت جاری رہنے کا پتا نہیں بتلاتیں۔ اور کیونکر بتلا سکتی ہیں حجاز تو ذریت ابراہیمی کی تشریف آوری کے وقت ایسا غیر آباد اور ویران بیابان ثابت ہوتا ہے۔ جہاں انسانی آبادی کا ممکن ہونا ہی قریب المحال ہے۔ اس بنا پر ایک محقق مشکل سے اس عورت کا مصری ہونا تسلیم کر سکتا ہے۔ اس لئے کلبی کا وہ قول جو طبقات ابن سعد کے حوالے سے ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ زیادہ تر اعتبار کے لائق ہے کیونکہ وہ امرأۃ من عمالیق قوم عمالیق کی ایک عورت لکھتے ہیں اور یہ تاریخی شاہد سے بالکل مطابق ہے۔ کیونکہ تمام تاریخوں کا اسپر اتفاق ہو چکا ہے کہ سب سے پہلے مکہ کی آبادی بنی جرہم سے ہوئی۔ اور اونکے بعد قبیلہ عمالیق کے لوگ یمن سے آکر آباد ہو گئے۔ حضرت ہاجرہ نے حضرت اسمٰعیل کی شادی جو اپنے زمانہ میں کی اور جو توراۃ میں بھی مذکور ہے۔ وہ اسی عمالیق یمن کی لڑکی تھی جس کے باپ کا نام کلبی نے صیدی بتلایا ہے۔

اب اس مقام پر سید صاحب کا قیاس بھی صحت تاریخی سے قریب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ وہ خطبات ص[۱۲] میں تحریر کرتے ہیں۔

یہ بھی قرین قیاس ہے کہ بنی جرہم نے ابتدا میں اپنی قوم کی بیٹی کو حضرت اسماعیل کے نکاح میں دینے سے تامل کیا ہوگا۔ کیونکہ وہ حضرت اسماعیل کو غیر قوم اور غیر جنس خیال کرتے ہوں گے۔ مگر باہم

سکونت پذیر ہونے سے وہ خیال جاتا رہا ہوگا اور اسی سے یقین ہوتا ہے کہ انکی دوسری بی بی جرہم کی قوم سے تھیں ۔"

اب مصری کی جگہ سید صاحب اگر عمالیقی لکھ دیں اور تسلیم کرلیں تو پھر اون کے اور جمیع محققین محدثین اسلامی کے اقوال و مختار میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے ۔ شاید سید صاحب کو اس میں تامل ہو ۔ تو ہم بتلاتے ہیں کہ مترجمان توراۃ کو ترجمہ کرتے وقت ضرور سہو ہوا ہے ۔ وہ عمالیق سے عمالقہ مصر سمجھے ہیں اور اسی لئے اونہوں نے اس عورت کی قومیت کے اظہار کی جگہ صرف اوس کی سکونت بتلا دی ہے ۔ اور قومیت کی حقیقت نہیں بیان کی ۔ حقیقت یہ ہے کہ عمالقہ مکہ میں سے ایک عورت تھی اور یہ عمالقہ بھی وہی تھے جو یمن سے آکر جرہم کے بعد مکہ میں آباد ہوگئے تھے ۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے ۔ اگر اس تحقیق پر بھی اطمینان نہو اور یہ تعریض پیش کی جائے کہ عمالقہ یمن بھی عمالقہ مصری کی ایک شاخ ہے ۔ اگرچہ یہ بھی ثبوت طلب ہے ۔ مگر ہم اونکے بتلانے کو تیار ہیں کہ مصر کی تمام قومیں بھی آخر میں امم سامیہ کی ذریات اور اعقاب و اخلاف ثابت ہوتی ہیں جو اصلاً اور نسلاً خاص الخاص عرب تھے ۔ جیسا کہ امم سامیہ کے ذکر میں اوپر بیان ہوچکا ہے ۔

فاضل معاصر صاحب ارض القرآن نے اسکی بحث میں جو اپنا مختار قائم کیا ہے ہمکو اوس سے پورا اتفاق ہے اور ذیل میں ہم اوسکو نقل کردیتے ہیں ۔

> حضرت اسماعیل کی بی بی کا جرہمی یا مصری ہونا کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے ۔ اسی عہد میں بھی عرب مصر کے حکمراں قبائل تھے ۔ اس بنا پر وہ عورت جرہمی بھی ہوسکتی ہے اور مصری بھی ۔ نیز مسلمانوں (بخاری) اور یہودیوں (تالمود) کی روایت میں مذکور ہے کہ اسماعیل نے دو بیویاں کی تھیں ممکن ہے کہ ایک مصری ہو اور ایک جرہمی " ارض القرآن ص ۵۲

وفات اسماعیلؑ ۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے تمام حالات قریب قریب اپنے منشاء رجہ بالا سلسلہ بیان میں قلمبند ہوچکے ۔ آخر میں ہمکو اتنا بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ آپ نے اپنی مقدس حیات کا زمانہ تبلیغ رسالت کی خدمات اور اوس کی انجام دہی میں صرف فرمایا ۔ آپ کی تبلیغ و دعوت کا دائرہ علاوہ حجاز کے اونکے نبالک یمن و حضرموت تک پہونچا ہوا تھا ۔ اس بنا پر ظاہر ہوتا ہے کہ یمن اور اوسکے سرحدی اقوام و قبائل میں بھی شریعت ابراہیمی اور دعوت اسمٰعیلی جاری ہوچکی تھی اور جناب اسمٰعیل جس طرح حجاز اور اوس کے حوالی و اطراف کی بسنے والی قوموں کی ہدایت کیواسطے مبعوث ہوئے تھے اسی طرح یمن اور حضرموت کے رہنے والوں کی تعلیم و تلقین پر بھی منجانب اللہ مامور تھے ۔

جناب اسمٰعیل نے ایکسو تینتیس ۱۳۳ برس کی عمر میں بمقام مکہ انتقال فرمایا اور اپنی والدہ ماجدہ جناب ہاجرہ کے پہلو میں بمقام حجر مدفون ہوئے۔ طبقات ابن سعد میں ہے۔

توفی اسمٰعیل بعد ابیہ فدفن داخل الحجر مما یلی الکعبۃ مع امہ ھاجر	حضرت اسمٰعیل نے اپنے پدر بزرگوار کے بعد انتقال فرمایا اور اپنی ماں کے پاس مقام حجر میں مدفون ہوئے (طبقات ج ا ص ۲۵)

ام اسمٰعیلؑ حضرت ہاجرہؑ

ہم اپنے سلسلہ بیان میں قبل اسکے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد و اعقاب کا ذکر آغاز کریں جناب ہاجرہؑ کے حالات کا بیان کر دینا نہایت ضروری سمجھتے ہیں کہ جناب اسمٰعیل کیطرح ان خاتون مطہرہ کیطرف بھی متعصب یہودیوں اور عیسائیوں نے توہین و تحقیر کے غلط واقعات بیان کر کے ساری دنیا کو گمراہ کر رکھا ہے۔ عبرانی زبان میں حضرت ہاجرہ کا نام ہاتمان تھا۔ اور عربی میں آجر بقول اجر بغیر ھا۔ ام اسمٰعیل طبقات ج ا ص ۴۳۔ مگر آگے چلکر۔ بالتدریج۔ پہلے آجر سے ہاجر ہوا۔ پھر ہاجر سے ہاجرہ ہوگیا۔ ہاجرہ ہونیکی اصلی وجہ شام سے حجاز میں ہجرت فرمانے کی رعایت خاص ہے۔ اسلامی تاریخیں ہاجرہ کی ابتدائی حالات میں بالکل خاموش ہیں اور کچھ نہیں بتاتیں۔ اسلئے لامحالہ یہود و نصاریٰ کی کتب قدیمہ سے آپ کے آغاز احوال کا تفحص و تجسس ضروری ہوا۔ مگر اونکی حالت معلوم ہے۔ وہ شروع ہی سے انکی توہین و تحقیر پر حلف اوٹھائے بیٹھے ہیں۔ سنگ آمد سخت آمد۔ لیکن حقیقت کے جویا۔ اصلیت کی متلاشی اور حق کے طالب اپنی نیک نیتی کی کوششوں میں ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں اور ضرور کامیاب ہوتے ہیں۔ ہم نے جناب ہاجرہؑ کے متعلق بہت سے مضامین پڑھے اور قدیم و جدید محققین کی مختلف رائیں دیکھیں۔ مگر ان تمام عقلی اور نقلی مباحث و بیان میں وہ بحث جسکو سرسید مرحوم نے مولوی عنایت رسول صاحب چڑیا کوٹی کی استفادات سے اپنے خطبات کے ص ۱۶۳ میں تحریر فرمائی ہے اور جس کو النصوص الباھرۃ فی ھریۃ الھاجرہ کے عنوان سے مندرج فرمایا ہے سب سے زیادہ مفصل اور مکمل سمجھتے ہیں۔ ذیل میں اوسی کے اقتباسات کو بقدر ضرورت قلمبند کرتے ہیں۔

حضرت ہاجرہ کے ابتدائی حالات

سفر الیشار میں۔ جو یہودیوں کی ایک معتبر تاریخ ہے۔ لکھا ہے کہ شہر بابل دار السلطنت نمرود میں۔ جہاں تارخ یعنی آذر اور ابراہیمؑ اور اونکے تمام خاندان کے لوگ رہتے تھے۔ ایک شخص نہایت ہنرمند۔ ذکی الطبع۔ حکیم فطین جو اکثر علوم صنائع و بدائع میں کمال رکھتا تھا۔ رہتا تھا اور اوسکا نام رقیون تھا۔ مگر وہ بہت مفلس۔ محتاج اور مفلوک الحال تھا۔ تنگدستی اور سختی سے وطن میں رہنا نامناسب سمجھ کر اس نے ملک مصر کی راہ لی۔ جب وہاں پہونچا اور اوسکی لیاقت و دانشمندی

باشندگان مصر پر ظاہر ہوگئی۔ تو بادشاہ مصر نے اوسکو براہ قدردانی اعیان سلطنت میں داخل کرلیا۔ رفتہ رفتہ وہ بالکل کاروبار شاہی پر حاوی ہوگیا۔ بالآخر وہاں کا بادشاہ ہوگیا۔ یہ پہلا شخص ہے جس کا لقب فرعون ہوا۔ اسی فرعون کے زمانہ بادشاہی میں بوجہ قحط سالی جناب ابراہیم علیہ السلام فلسطین سے مع اہلبیت کے مصر میں تشریف لیگئے۔ رقیون اور ہاغان دونوں عبری لفظ ہیں۔ اور اس سے استدلال ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں عبرانی یعنی بنی عبر تھے اور کیا عجب ہے کہ اوسی قبیلہ کے ہوں جس قبیلہ کے حضرت ابراہیم ہوں اور ظاہراً اس خیال سے کہ بادشاہ مصر ان کا ہموطن باہم قبیلہ ہے اس قحط و مصیبت میں حضرت ابراہیم نے مصر میں جانیکا خیال و قصد کیا ہو۔ جیسا کہ ہر ایک انسان کو ایسے موقع پر اس قسم کا خیال ہوسکتا ہے۔ غرض جب حضرت ابراہیم مصر میں پہونچے اور انہوں نے حضرت سارہ کا اپنی بی بی ہونا ظاہر نہ کیا۔ بلکہ بہن ہونیکا جو رشتہ تھا وہ ظاہر کیا تو فرعون نے حضرت سارہ سے شادی کرنی چاہی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت کچھ دیکر حضرت سارہ کو بقصد شادی کے اپنے گھر لے گیا اس واقعہ سے بھی استدلال ہوسکتا ہے کہ فرعون بادشاہ مصر کو بسبب ہونے ہمقوم کے زیادہ تر حضرت سارہ سے شادی کرنے کی رغبت ہوئی تھی۔ غرضکہ ابھی شادی نہ ہونے پائی تھی کہ مختلف قسم کے صدمات فرعون پر واقع ہوئے اور اون کے سبب سے فرعون نے حضرت سارہ کے حال کی زیادہ تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت ابراہیم کی بی بی ہیں اوسی وقت فرعون نے اونکو حضرت ابراہیم کے پاس بھیجدیا اور ہاجرہ اپنی بیٹی کو بھی اونکے سپرد کردیا۔

یہودیوں کے ایک قدیم اور معتبر تاریخ سے۔ ہاجرہ علیہا السلام کا جنکا اصلی نام ہاغان تھا۔ رقیون نامی۔ بادشاہ مصر کی بیٹی ہونا ثابت ہوگیا۔ یہاں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے اس گمراہانہ اور مغویانہ نقل و تحریر کی اصلیت۔ جو وہ جناب ہاجرہ علیہا السلام کی مجہول النسبی کی نسبت تمام دنیا میں پھیلائے ہوئے ہیں۔ کہاں تک اعتبار کے قابل ہے ہم اسی کے اپیسے اون کے اور اعتراضات آئندہ سلسلہ بیان میں نقل کرتے ہیں۔

لیکن ان واقعات کے بیان سے پہلے خطبات احمدیہ کی مندرجہ بالا عبارت کے متعلق ہم چند مشتبہ امور کا فیصلہ کرلینا مناسب سمجھتے ہیں جو اسلامی شریعت اور انبیا و مرسلین کی پاک سیرت کے خلاف ثابت ہوتے ہیں۔

ناموس رسول کی توہین

واجب الاحترام رسول پر الزام

مرقومہ بالا عبارت میں دو امور مشتبہ اور تشریح و تنقید طلب ہیں۔ اول یہ کہ فرعون حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت کچھ دے لیکر حضرت سارا کو بقصد شادی اپنے گھر لے گیا۔ دوم یہ کہ ہنوز شادی نہ ہونے پائی تھی کہ فرعون پر مختلف اقسام کے صدمات واقع ہوئے اگر یہ اوس یہودی مورخ کا قول ہے اور مختار۔ تو یہ کیا۔ اس سے اور بڑھکر

اتہام وہ حضرت ابراہیم پر لگاتے ہیں نہ کوئی تعجب ہوگا اور نہ شکایت۔ کیونکہ اون کے علم و عقیدہ میں نبوت کی مقدار اور رسالت کی شان جس اندازہ پر پائی جاتی ہے وہ ظاہر ہے مخالفین اسلام کی نسبت اگر یہ سرسید کا قول ہے یا مولوی عنایت رسول صاحب چڑیا کوٹی کا مختار۔ تو نہایت شرم اور افسوس کے قابل ہے۔ اور میرے خیال میں مخالفین اسلام کی تقلید و تائید میں بجائے افراط و تفریط اختیار کرنے کے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ اگر اونکی تقلید و تائید کے خیال کے ساتھ ہی کم سے کم انکو اپنے اخبار و آثار سے مقابل کر لیا گیا ہوتا تاہم حقیقت حال کا بہت کچھ انکشاف ہو گیا ہوتا۔ مگر یا تو اپنے اخبار و آثار سے بالکل لاعلمی یا اون کی طرف سے کامل ناتوجہی کے باعث سے ایسے غلط اور فطرت انسانی اور اصول اخلاقی کے بالکل خلاف واقعات کی نقل و تحریر پر جرأت کی گئی۔ اسلامی تاریخوں میں اس واقعہ کو اگرچہ مختلف طریقوں سے لکھا ہے مگر بالآخر مفہوم و مقصود سب کا ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرعون مصر کی زبردستیوں سے جان و آبرو کے بچنے کی کوئی دوسری صورت نہیں دیکھی تو اپنی ذاتی عظمت اور جناب سارہ کی عصمت کو حافظ حقیقی کی امانت و حفاظت میں دیکر سارہ کو فرعون کے پاس بھیجا اور خود نماز میں مشغول ہو کر حفظ ناموس کی دعائیں مانگنے لگے طبقات ابن سعد کے الفاظ یہ ہیں۔

مرّ ابراهيم وسارة بجبّار من الجبابرة فاخبر الجبار بهما فارسل الى ابراهيم فقال من هذه معك قال اختى فلما خرج من عنده انطلق الى سارة فقال لها ان هذا الجبار سألنى عنك فاخبرته انك اختى وانت اختى فى دين الله فان سئلك فاخبريه انك اختى فارسل اليها الجبار

جب ابراہیم اور سارہ کا ایک بادشاہ جبار کے ملک میں گذر ہوا۔ تو اوسکو ان لوگوں کے آنے کی خبر لگ گئی۔ اوس نے حضرت ابراہیم کو بلا بھیجا اور اون سے حضرت سارہ کی نسبت پوچھا کہ یہ تمہاری کون ہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا میری بہن ہے۔ جب حضرت ابراہیم بادشاہ کے پاس سے لوٹکر سارہ کے پاس آئے تو اون سے کہا کہ اوس نے مجھ سے تمہاری نسبت پوچھا تو میں نے اس سے کہہ دیا کہ وہ میری بہن ہیں اور ظاہر ہے کہ دینی اعتبار سے تم میری بہن ہو۔ اگر تم سے اسکے متعلق وہ پوچھے تو تم بھی کہہ دینا کہ میں اونکی بہن ہوں۔ یہ کہکر سارہ کو اوسکے پاس بھیجدیا۔

بات اتنی تھی۔ اس طرح نہ تھوڑا سا مال لیکر حضرت ابراہیم کے راضی ہو جانے کا حال مرقوم ہے نہ بہت سا مال لیکر۔ اور نہ اس روایت کے کسی ایک لفظ سے بھی حضرت ابراہیم کی اس لین دین کی خبر ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مخالفین اسلام کے اخبار و آثار کے نقل کرنے کے وقت اپنی کتابوں میں ان واقعات کے ملاحظہ کرنے کی توفیق ہی نہیں ہوئی اور کیونکر ہو سکتی تھی اس لئے کہ تحقیقات جدید اور یورپین محققین کی تائید

؎ کیا اب بھی اس شمار و مختار ابراہیمی سے جواز تقیہ کی قباحت اور صحت ثابت نہیں کی جا سکے گی۔ (المولف عفی عنہ)

نیں اسلامی محققین و مورخین کی تمام رائیں اور مختار سیکار اور بالکل ساقط الاعتبار ہیں۔ مگر آخر میں اس بد عنوانی اور مطلق العنانی کا نتیجہ کیا ہوا۔ وہ یہ کہ ایسے عظیم المرتبت اور جلیل الشان رسول کے آداب اخلاق پر ناموس فروشی کا بدنما دھبہ لگا دیا گیا۔ اور آپ حضرات کے باغیرت ہاتھ اور حیا دار قلم نے آنکھ بند کر کے بلا تامل یہ فقرہ لکھ دیا کہ

"فرعون نے حضرت ابراہیم کو بہت کچھ دیکر حضرت سارا کو بقصد شادی اپنے گھر لے گیا" خطبات مطبوعہ لاہور میں ۱۴۴

حضرت ابراہیم تو بڑی عظمت اور منزلت کے بزرگ تھے یہ مسئلہ تو ایسا عام ہے اور یہ واقعہ ایسا معمولی کہ ایک ادنیٰ الطبع اور حیثیت کا آدمی۔ ایک منٹ کے لئے بھی اس ننگ و عار کو اختیار نہ کرے گا۔ افسوس ایسے مقدس پیغمبر پر ایسا شرمناک اتہام لگانے سے پہلے آپ نے اس داد و ستد کے معاملہ کی حقیقت اپنے اخبار و آثار سے معلوم کر لی ہوتی تو آپکو ثابت ہو جاتا کہ حضرت ابراہیم کی خدمت میں فرعون نے جو کچھ مال و متاع ہدیۃ پیش کیا تھا وہ جبر و قدرت کی اون جلوہ آرائیوں کے بعد تھا۔ جو اوسکے متنبہ کرنے کی غرض خاص سے مشاہدہ کرائی گئی تھیں۔ اور جو صدہا سال بقول سید صاحب فرعون پر گذر رہے تھے۔ وہ اوسکی بیماری کی سزا الٰہی اور اسکا مدعا سے قدرت امتناع حرکت اور اطلاع معصیت تھا۔ ایسا ظہور قدرت کے قبل حضرت ابراہیم کے ساتھ کوئی داد ستد کے معاملات پیش نہیں ہوئے تھے جس کو خود سید صاحب اپنی آئندہ عبارت میں اعترافاً لکھ آئے ہیں۔ اور ہم بھی اسکو پوری وضاحت سے آئندہ بیان کرینگے۔

عقل سلیم پر رکھکر کوئی کیسے اس بیان کو صحیح مان سکتا ہے کہ (نعوذ باللہ) فرعون مصر نے حضرت ابراہیم کو کچھ مال و متاع دیکر حضرت سارہ سے اپنا عقد کر لینے پر راضی کر لیا۔ یا حضرت ابراہیم فرعون مصر سے تھوڑا بہت مال لیکر اپنی بی بی سارہ کا عقد اوس سے کر دیئے جانے پر رضامند ہو گئے۔ واستغفر اللہ کیا اسلام نے رسالت کے اخلاق۔ انبیاء و مرسلین کی معاشرت اور اون کی حیا و غیرت کے یہی طریقے اور قاعدے قائم کئے ہیں۔ پھر نعوذ باللہ من ذالک جیسی لغویات اور خرافات ان ذوات مقدسین و مطہرین کی عادات کے بالکل خلاف منسوب کئے جاتے ہیں۔ تو افسوس اور عبرت کا مقام ہے کہ ایک مسلمان کے قلم سے یہ الفاظ کیسے نکلے۔ یا کم سے کم اسکی نقل کرتے وقت وہ خیالات کے ایسے صریح اتہام کی تردید و تنقید سے کیوں رکا اور خاموش رہ گیا۔

اب اسکی حقیقت حال اسلامی روایات میں ملاحظہ ہو۔ طبقات ابن سعد میں تحریر ہے۔

فرجعت الی ابراہیم علیہ السلام وھو یصلی و یدعو اللہ فقالت ابشر فقد کفت اللہ ید الکافر الفاجر و اخدمنی هاجر۔

جب سارا بادشاہ مصر کے دربار سے لوٹ کر حضرت ابراہیم کے پاس آئیں تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور خدا سے (حفظ ناموس) کی دعا میں مشغول تھے۔ سارا نے فرمایا ابراہیم تمکو بشارت ہو کہ خدا نے اوس کافر فاجر کے ہاتھ سے میری کفایت کی اور میری خدمت کیلئے ہاجرہ کو دیا۔

اب اس عبارت کو پڑھکر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم اگر اس واقعہ قدرت سے پہلے سارا کے معاملات
میں بہت سا مال لیکر (نقل کفر کفر نباشد) فرعون سے انکا عقد کر دینے جانے پر راضی ہو گئے تھے، تو پھر آنکو اضطرار و
اضطراب کی جگہ پورا اطمینان ہونا چاہتا تھا۔ نماز پڑھنے اور دعائیں مانگنے کی ضرورت کیا تھی۔ رضا کا سودا تھا۔
زبردستی تو تھی ہی نہیں۔ حضرت ابراہیم کا نماز پڑھنا اور دعا مانگنا بتلا رہا ہے کہ آپ کو اپنے حفظ ناموس کا خیال
کیسا دل سے لگا ہوا تھا کہ حفظ حرمت کی سبب کوئی صورت نہیں تھی تو فطرت انسانی کا جیسا ہمیشہ دستور ہوتا ہے
آپ نے بھی اس بادشاہ جابر کی زبردستیوں کے مقابلہ میں اس حافظ حقیقی کی بارگاہ میں اپنے استحفاظ ناموس کی
استدعا پیش کی اور اوسکی حمایت و کفایت کے مستدعی ہو گئے۔

اسی طرح جناب سارا کا صحیح و سلامت اور با عصمت و عفت اس ظالم کے دربار سے واپس آکر حضرت
ابراہیم کو اس امر کی خاص بشارت پہونچانا کہ خدا نے اونکو اوس کافر کے ظلم سے بچا لیا۔ ثابت کر رہا ہے کہ یہ معاملات
(نعوذ باللہ) جانبین کی رضامندی پر مبنی نہیں تھے۔ بلکہ بخلاف اسکے غایت مجبوری، نہایت معذوری اور انتہا
بیکسی و بیبسی کی ایسی حالتوں میں جب آبرو و جان کے حفظان و امان کی نہ کوئی امید باقی تھی نہ کوئی عنوان
تب حضرت ابراہیم نے خدا کی حمایت پر قناعت و توکل فرما کر حضرت سارہ کو بادشاہ مصر کے پاس بھیجدیا تھا لیکن
باوجود اسکے کہ خدا کی تائید اور اوسکی حمایت و حفظان پر پورا یقین و اطمینان تھا۔ مگر تاہم دلی انتشار اور قلبی اضطراب
کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنی حیا و غیرت کے غیر متحمل جذبات کو نہ سنبھال سکے۔ بالآخر نماز پڑھکر حفظ حرمت کی دعائیں
مانگنے لگے۔ جیسا کہ ہم اس بحث کے آغاز میں لکھ آئے ہیں۔ پھر ایسا مقدس معصوم، جو اوس وقت ایک ستمدیدہ مظلوم
کی سچی شان میں ایسے صریح ظلم و جور کا استغاثہ خدا کی درگاہ میں پیش کرے اور اوس عادل حقیقی کی عدالت سے
کچھ شنوائی نہو سکتی تھی۔ اس مظلوم کے استغاثہ پر استجابت کا فوری حکم ہوا۔ اور پھر جبروت قدرت کو عملی طور پر جو
مظاہر و آثار دکھلانے تھے وہ دکھلائے اور وہ اتنی مدت مدید گذر جانے کے بعد بھی آجتک دنیا کے تمام کارناموں
میں مذکور و محفوظ ہیں جل جلالہ و جل شانہ۔

حقیقت یہ ہے کہ سید صاحب معجزات کے قائل نہیں۔ معجزے کا جہاں نام آگیا، آپ کی روح تھرا گئی۔ وہ
انبیاء و مرسلین کے معجزات یا خوارق عادات کو خلاف معمول تصرفات سمجھکر محالات میں شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ
ایک دیندار مسلمان اور قائل قرآن کبھی انبیاء و مرسلین سے صدور معجزات کا انکار کر ہی نہیں سکتا۔ وہ معجزات اور
عام تصرفات کے حدود و فاصل کو خوب پہچانتا ہے اور محالات اصلی یا مادی، اور غیر ممکنات عادی و طبعی کی فرق و
اقسام کو خوب جانتا ہے۔ چونکہ ہمکو خاص معجزے کے متعلق بحث کرنا منظور نہیں ہے۔ اسلئے اس سے بالکل قطع نظر
کرکے ہم اپنے اصلی بیان مدعا کیطرف آجاتے ہیں۔

سید صاحب ان آثار قدرت کو مختلف قسم کے صدمات لکھ کر مخفی کرتے ہیں۔ آپ کی اس ترکیب سے خدا کی تمام قدرتوں کے قائل۔ رسول کی عظمت اوسکے تقدس اور اوسکے محبوب لدعوت ہونے پر ایمان رکھنے والوں کی تشفی اور اطمینان کیا ہوگا۔ ہزارہا اقسام وانواع کے شکوک۔ اشتباہ اور اوہام دلوں میں پیدا ہو جاتے ہیں اسلئے ضرور ہے کہ ہم اسلام کی معتبر اور مستند اسناد سے ان صدمات کی تفسیر وتفصیل قلمبند کر دیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس یہودی تاریخ سے یہ واقعہ لکھا گیا ہے۔ اوسکی عبارت میں کہیں اسکی تفصیل نہیں ہے۔ مگر قرائن بتلا رہے ہیں کہ اصلی عبارت میں ان معجزات الٰہیہ اور کرامات قدسیہ کا ضرور ذکر کیا گیا ہے۔ اسلئے کہ ص ۱۲۶ میں توریت مقدس کے عربی ترجمہ میں یہ عبارت لکھی گئی ہے کہ لما رای الآیات التی اظہرت بسارۃ۔ خود اسکا ترجمہ کرتے ہیں "(فرعون نے) جب دیکھا کرامات جو بوجہ سارا واقع ہوئی" اب نہیں معلوم کہ سید صاحب کا قلم اعتقاد اوسوقت کہاں تھا جو کرامات کا لفظ بھی اس تصریح کے ساتھ کہ بوجہ حضرت سارا واقع ہوا۔ بے دیکھے بھالے اور بے سمجھے بوجھے لکھ گیا۔ یہی معجزہ ہے اور یہی کرامت۔ اتنا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی ان آیات وکرامات کا ذکر توراۃ کی عبارات میں ضرور داخل تھا۔ مگر آپ حضرات نے اپنی خاص مجبوری کی وجہ سے نہیں لکھا۔

بہرحال جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری کتابوں میں ان معجزات الٰہیہ کا پوری تفصیل سے ذکر موجود ہے تو ہم مخالفین کے ماخذوں سے اسکے لئے خوشہ چینی کیوں کریں۔ اسکی مفصل کیفیت طبقات ابن سعد کی عبارت سے حسب ذیل ہے۔

فلما ارسل الیها اتیا به دخلت علیه دعت الله ان یکفه عنها قال ایوب فضبطنا بیده اخذ اخذة شدیدة فما هم بها الا ان خلی عنه لا یقربها فدعت الله فخلی عنه ثم هم بها الثانیة فاخذ اخذة هی اشد من الاولی فما هم بها ایضا الا ان خلی عنه لا یقربها فدعت الله فخلی عنه ثم هم بها الثالثة فاخذ اخذة هی اشد من الاولیین فما هم بها الا ان خلی عنه لا یقربها فدعت الله تعالی فخلی عنه فقال الذی ادخلها اخرجها عنی فانك ادخلت علی شیطانا ولم یدخل علی انسانا

سارہ کو جب اوس بادشاہ جابر نے بلا بھیجا اور جب یہ اوسکے پاس پہونچیں تو آپ نے خدائے سبحانہ تعالیٰ سے اپنی حفاظت وحمایت کی دعا مانگی۔ ایوب راوی حدیث کا بیان ہے کہ اوس بادشاہ جابر نے ہاتھ بڑھا کر آپ کو پکڑنا چاہا تو قدرت خدا سے اوسکا ہاتھ شل ہو گیا یہ دیکھکر اوس نے سارا سے عہد کیا کہ اگر اوسکا ہاتھ کھل جائیگا تو وہ پھر آپ کے ساتھ ایسی حرکت نہ کریگا۔ سارا نے دعا کی۔ ہاتھ کھل گیا پھر اوس نے آپ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ تو اگلی بار پہلے سے بھی زیادہ ہاتھ شل ہو گیا۔ پھر اوس نے ویسے ہی آپ کے ساتھ اقرار کیا کہ اگر اوسکا ہاتھ کھل جائیگا تو وہ آپ کے ساتھ ایسی حرکت نہ کریگا۔ حضرت سارا نے پھر دعا فرمائی۔ ہاتھ کھل گیا۔ اب پھر تیسری بار پھر اوس نے آپ کی طرف ہاتھ بڑھایا

واخدمها هاجر طبقات ابن سعد مجلد الاولی صفحہ ۲۳

اور پھر تیسری بار اوسکا ہاتھ سابق دفعات سے کہیں زیادہ شل اور بیکار ہوگیا۔ تو پھر اوس نے آپ سے اقرار کیا کہ اگر اوسکا ہاتھ کھل جائے گا تو پھر وہ ایسی حرکت اور قصد نکریگا حضرت سارہ نے پھر دعا کی۔ اوسکا ہاتھ کھل گیا۔ تو اوس نے اوس شخص سے جو آپکو لے آیا تھا بلا کر کہا کہ انکو ہمارے پاس سے لیجاؤ کہ تو نے مجھپر تو شیطان کو داخل کردیا ہے نہ انسان کو۔ پھر سارا کی خدمت کیلئے ہاجر کو ساتھ کردیا۔

یہی وہ قدرت کے آیات اور جبروت مشیت کے تصرفات ہیں جنہوں نے اپنے اظہار واختیار سے خدا کے جلیل القدر پیغمبر کے دامن ناموس پر دھبہ نہ آنے دیا اور اونکی حرمت کو بال بال بچالیا۔ حقیقتاً یہ ایسے نازک موقع ہیں جو انسان کو اوسکی بے انتہا درجہ کی بیکسی اور بے بسی کے خاص عالم میں پیش آجاتے ہیں اور جن سے وہ بغیر خدا کی تائید و توفیق کے کسیطرح بچ نہیں سکتا۔

آیات الہی تو ملاحظہ فرمائے گئے۔ اسی کے ساتھ ہی ساتھ اخلاق اہلبیت۔ جو اصلاً اور حقیقتاً اخلاق الہیہ کے خاص پرتو ثابت ہوتے ہیں۔ ضرور پیش نظر رکھنے چاہئیں۔ صاف ظاہر ہے کہ انبیا واہلبیت نبوت علیہم السلام کے ساتھ یہ اخلاق کریمانہ مخصوص کئے گئے ہیں کہ وہ ذوات مقدسہ باوجود متواتر ظلم وجور کے اظہار ووقوع کے بھی۔ ظالم کی دعا اور قاتل کی بہی خواہی اور طلب آمرزش سے باز نہیں آتے جس کی ابتدا آل ابراہیمؑ سے ہوتی ہے اور انتہا آل محمدؐ پر ثابت ہوتی ہے۔ (اللهم صل وسلم على محمد وآل محمد كما صليت وباركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك انت حميد مجيد۔ (خدایا درود بھیج محمدؐ وآل محمد جیسا کہ تو نے درود اور برکت بھیجی ابراہیم اور آل ابراہیم کیونکہ تو ہی قابل ستائش ہے اور بزرگ برتر)

مرقومہ بالا دونوں شبہات کو پورے طور سے رفع کرکے ہم اپنے سلسلہ بیان کو آگے بڑہاتے ہیں۔

حضرت ہاجرہ پر کنیزی کا غلط الزام

سفر الپیشار کی عبارت۔ حضرت ابراہیم اور حضرت سارہؑ کی سرگذشت جو اوپر لکھی گئی ہے اوس سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ حقیقتاً جناب ہاجرہ۔ رقیون نامی بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں۔ بادشاہ مصر حضرت سارہ کی وجہ سے ان اسرار الہیہ اور اعجاز قدسیہ کو ایک بار نہیں کئی بار مشاہدہ کرکے اپنے دل میں ان کی عظمت وجلالت کیطرف سے ایسا مرعوب اور متاثر ہوا کہ اس نے اپنی لڑکی کو انکی خدمت کیلئے دیدیا۔

اسی خدمت کے لفظ نے قیامت ڈھادی۔ سلسلہ اسماعیل کے مخالفین کو جناب ہاجرہ کے مجہول النسب مشہور کرنے پر تنہا تیار نہیں کردیا۔ بلکہ اون مقدسہ کو عام خادمہ اور معمولی لونڈی قرار دینے پر قوی اور مطلق العنان بنادیا۔ مخالفین کو اپنے تعصب اور نفسانیت سے سلسلہ ابراہیمی میں جتنی حضرت اسحاق کی مدح سرائی مقصود تھی اتنی

ہی حضرت اسمٰعیل کی تحقیر، ذلت اور رسوائی جیسا کہ ابھی ابھی واقعہ ذبح میں حضرت اسحاق اور حضرت اسمٰعیل کی باہمی مماثلت اور مساوات کی بحث میں انکے متعصبانہ اقوال ومختار لکھے گئے ہیں۔

اس بنا پر پہلے یہودیوں نے پھر عیسائیوں نے حضرت ہاجرہ پر کنیز اور حضرت اسمٰعیل کو کنیز زادہ مشہور کر دیا حالانکہ یہودیوں ہی کے اقرار و اظہار سے رقیوں کا عبری سلسلہ سے ہونا اور ہاجرہ کا اوسکی لڑکی ہونا ثابت ہوتا ہے مگر تاہم وہ اپنی بے ادبانہ تحریر اور گستاخانہ تحریک سے باز نہیں آتے اور اپنے کذب وافترا سے توبہ نہیں کرتے ہمکو اعتراف ہے کہ اسلامی کتابوں میں بھی جناب ہاجرہ کی نسبت خدمت کا لفظ آیا ہے اور اوسی روایت میں جس کو ہمنے طبقات ابن سعد سے نقل کیا ہے واخدمنی ھاجر کا فقرہ موجود ہے۔ اس فقرہ کا مفہوم جب استفہام استعجابیہ کے معنیوں میں لیا جاوے گا تو ظاہر ہو جائیگا کہ حضرت سارہ کس بشاشت سے کمال استعجاب کی حالتمیں حضرت ابراہیم کو خبر دیتی ہیں کہ ہاجرہؑ (کی ایسی عالیمرتبہ اپنی بیٹی) میری خدمت کیلئے دی۔

خدمت کے لئے دیا جانا۔ یا خدمت کرنا۔ یا محض خادمہ ہونا نہ اوسوقت عیب کی بات تھی اور نہ اسوقت ہے اسلئے اسلام کی معتبر کتابوں میں خادمہ کا لفظ پایا جانا نہ انکی کنیز ہونے پر دلیل ہو سکتا ہے اور نہ اوس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اہل اسلام بھی ان کی عام کنیز اور معمولی لونڈی ہونے کے ویسے ہی قایل ہیں جیسے یہود اور عیسائی۔ اسلامی کتابوں میں جہاں جہاں آپ کی نسبت خدمت یا خادمہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اوسے صرف خدمت میں رہنا۔ آداب وترتیب حاصل کرنا مراد ہے۔ اور صرف اتباع مقصود ہے مشرقی تہذیب یا معاشرت اوسوقت سے لیکر اسوقت تک اسی اصول پر قایم ہے کہ گھر کا بڑا بوڑھا مرد۔ گھر کے اور مردوں کے لئے واجب الاتباع ہوتا ہے۔ وہ مخدوم ہوتا ہے اور سب اوسکے زیر فرمان اور محکوم۔ اسی طرح گھر میں بڑی بوڑھی عورت واجب الاتباع ہوتی ہے اور سب بہو بیٹیاں اوس کے زیر حکم رہتی ہیں۔ صحیح بخاری میں خود آنحضرت صلعم سے مروی ہے۔ واخدمھا ھاجرۃ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بڑی بیوی ہونے کی حیثیت سے ہاجرہ سارا کی مطیع تھیں اور خدمت گزار۔

اگر رقیوں نے جیسا کہ یہودی اور عیسائی قائل ہیں۔ اپنی لونڈیوں میں سے ایک لونڈی ہاجرہ نامی کو سارہ کی خدمت اور اونکا کام کاج کرنے کیلئے ساتھ کر دیا تھا تو پھر ہاجرہ کے ساتھ اتنا مال جال۔ لاؤ لشکر اور سوار پیادے دیکر اوسکو اپنے گھر سے رخصت کرنیکی کیا ضرورت تھی۔ تمہاری اسی معتبر تاریخ سفر انشیا میں اس قصہ کے سلسلہ میں تحریر ہے۔

بعد اسکے جب حضرت ابراہیم مع ہاجرہ فرعون کی بیٹی کے۔ وہاں سے چلے تو فرعون نے اون کے ساتھ پیادے مامور کر دئے کہ بحفاظت تمام پہونچا دیں۔ چنانچہ یہ لوگ مع احمال واثقال اور لونڈی غلام وغیرہ کے۔

جو بادشاہ مصر نے انکو دئے تھے۔ اپنے ملک میں جہاں اونہوں نے سکونت اختیار کی تھی بخیر و خوبی پہونچگئے

اب مخالفین اسلام سے سوال ہے کہ تمہاری تحریر اور اقوال سے جب یہ سامان ظاہر ہوتے ہیں تو تمہیں تبلا دو کہ یہ گھر کی لونڈی دینے کی شان ہوتی ہے یا گھر کی لڑکی دینے کے سامان۔ اس سوال کے جواب میں تمکو کہنا پڑیگا کہ یہ تو گھر سے لڑکی کے رخصت کئے جانیکے سامان ہیں۔ پھر دیکھو تو تمہارا یا کسی اور کا اس عالیمرتبت خاتون کو معمولی لونڈی سمجھنا ترک ادب نہیں معصیت نہیں۔ تو اور کیا ہے۔ ان تمام مشاہد قرائن کو پیش نظر رکھ کر اس مسئلہ کے متعلق سر سید نے جو رائے قائم کی ہے وہ ضرور ماننے کے قابل ہے ہم ذیل میں اوسکو نقل کئے دیتے ہیں۔

فرعون نے اپنی بیٹی ہاجرہ کو سارہ کے ساتھ کر دیا۔ ظاہرا اسکے کئی سبب معلوم ہوتے ہیں ابراہیم اور سارا کی نیکی اور بزرگی۔ اور اونکا اور فرعون و ہاجرہ کا ہمقوم ہونا۔ اس باعث سے بڑی رغبت ہوئی ہوگی کہ فرعون اپنی بیٹی کو اون کی تعلیم اور تربیت اور صحبت میں سپرد کرے۔ کیونکہ مصری اوس کی قوم اور اوسکے قبیلے سے نہیں تھے۔ علاوہ اسکے اُس زمانہ میں اور اوس خاندان میں ہم کفو ہونیکا بہت خیال تھا مصر میں رقیون۔ فرعون مصر کے خاندان کا کوئی شخص نہیں تھا اور یہ بہت بڑی رغبت اس بات کی تھی کہ ہاجرہ سارہ کے سپرد کر دیجائے تاکہ اون کی تربیت میں رہے اور کہیں کفو میں اوسکی شادی کر دی جائے رخصت کے وقت فرعون نے اپنی بیٹی ہاجرہ کو سمجھایا کہ تیرا رہنا اون کے ساتھ تیرے لئے۔ میرے پاس رہنے سے بہتر ہے۔ اس سمجھانے سے ہی ظاہر ہے کہ کس خیال سے فرعون نے اپنی بیٹی اُنکے سپرد کی تھی خطبات احمدیہ ص ۱۶۵

ہم سید صاحب کی مرقومہ بالا عبارت میں اتنا اضافہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم و سارہ کے ساتھ۔ خیال ہموطنی اور ہمقومی کے علاوہ۔ فرعون کو ان بزرگواروں کی روحانی عظمت و اقتدار کا بھی تو براۃ العین مشاہدہ ہو چکا تھا اسلئے ایسے باخدا اور نیکوکار ہمقوم و قبیلہ حضرات کی ہمراہی میں اپنی لڑکی کو تعلیم و تربیت پانے آداب معاشرت سیکھنے اور اون کی صحبتوں سے فائدہ اُٹھانے کی غرض خاص سے دیدیا۔ اسی سفر الیشار میں بھی یہودی مورخ۔ تھوڑی دور آگے چلکر اپنے سلسلہ بیان میں لکھتا ہی جس کا عربی ترجمہ یہ ہے۔

ھی کانت بنت فرعون لما رای الآیات التی اخرجت بسارۃ قال ما اطیب ان تکون بنتی خادمۃ فی بیت ذا اولی ان تکون سیدۃ فی بیت اخر (عربی ترجمہ سفر الیشار)	(ہاجرہ) یہ فرعون کی بیٹی تھیں۔ فرعون نے جب وہ کرامات دیکھی جو سارا کی وجہ سے واقع ہوئیں۔ تو فرعون نے کہا کہ میری بیٹی کا اس گھر میں (ابراہیم کے گھر میں) خادم بنکر رہنا۔ اس سے بہتر ہے کہ وہ اور گھر میں مالکہ اور سیدہ بنکر رہے۔

اب متعصبین یہود و نصاریٰ کی جہالت و نفسانیت کا کیا جواب ہو سکتا ہے کہ وہ صریح طور پر حضرت ہاجرہ

کو فرعون مصر کی بیٹی ہونیکا اقرار بھی کرتے ہیں اور پھر اقرار کے بعد انکار بھی۔ سرسید مرحوم خطبات میں لکھتے ہیں۔
۱۸۵۷ء میں بمقام کلکتہ اسی بات کا مباحثہ ہوا تھا۔ اور اکثر یہودیوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا تھا کہ حضرت ہاجرہ لونڈی نہیں تھیں۔ بلکہ بادشاہ مصر کی لڑکی تھیں۔

سرسید اس چشم دید مناظرہ کی حقیقت لکھکر ایک معقول طریقہ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ خاص توراۃ کے الفاظ سے بھی ہاجرہ کا لونڈی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اونکی عبارت یہ ہے۔

لفظ امۃ کی زبان عبری سے تحقیق و تنقید

توریت مقدس سے بھی ہاجرہ کا لونڈی ہونا ثابت نہیں۔ نہایت صاف اور روشن بات یہ ہے کہ اوسوقت کے حالات پر جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اوس زمانہ میں لونڈی غلام دو طرح کے ہوتے تھے۔ ایک وہ جو شِبری سے یعنی بیع لئے جاتے تھے دوسرے وہ جو غنیمت سے حاصل ہوتے تھے یعنی وہ لڑائی میں اسیر ہوکر آتے تھے پہلی قسم کی لونڈی غلاموں کو جو خریدے جاتے تھے۔ خَنِیف کہتے تھے اور دوسری قسم کے لونڈی غلام جو لڑائیوں میں اسیر ہوکر آتے تھے وہ شیبوث حرب۔ یعنی غنیمت جنگ کہلاتے تھے۔ انکی اولاد بھی لونڈی غلام کہلاتی تھی اور یلید بایت۔ یعنی ولید البیت۔ خانہ زاد۔ مگر حضرت ہاجرہ ان باتوں سے پاک تھیں۔ پھر وہ کیونکر لونڈی ہوسکتی تھیں۔ اونکو لونڈی کہنا محض بہتان ہے۔ خطبات ص ۱۶۷

مندرجہ بالا عبارت میں اتنا اضافہ ضرور ہے کہ اگر یہودی اور عیسائی حضرت ہاجرہ کی لونڈی بتانے میں سچے ہیں تو اونکا فرض ہے کہ پہلے وہ ہاجرہ کو مندرجہ بالا دونوں اقسام میں سے کسی ایک قسم کی کنیز ہونا ثابت کریں توراۃ اور اوسکے بعد کی تمام کتابوں میں سے کسی ایک کتاب سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ فرعون مصر نے جناب ہاجرہ کی خریداری کی تھی۔ یا بطور غنیمت وہ بذریعہ جنگ لائی گئیں تھیں۔ جب ایسا نہیں ہے تو ان لوگوں کا ایسا بیان سراپا افترا ہے اور سراسر بہتان۔

اب اس بحث کے متعلق یہ امر تنقیح طلب ہے کہ پھر یہودی اور اون کی تقلید میں عیسائی حضرت ہاجرہ کو کیوں لونڈی کہتے ہیں ہ اول تو اسکا سب سے بڑا اور قوی سبب یہی ہے جیسا کہ آغاز بیان میں بیان ہو چکا ہے کہ یہودی حضرت ابراہیم کے سلسلہ میں۔ سوا حضرت اسحاق کے حضرت اسمعیل کی تعظیم و حرمت نہیں کرتے اون کی تعظیم و حرمت نکرنے ہی تک اکتفا کی جاتی تو ہمکو کسی شکایت کی مجبوری نہیں تھی۔ مگر حسد و نفسانیت کی بنا پر حضرت اسماعیل کی تحقیر و ذلت شروع کر دیگئی اور پھر اس کد و ضد کے ساتھ کہ خود تو خود۔ دوسروں کو بھی اپنے اس افترا و اغوا میں شریک اور رفیق بنالیا گیا۔ عیسائی باوجود اسکے کہ عقاید میں یہودیوں سے بالکل مخالف ہیں مگر بدقسمتی سے اس مسئلہ میں اونکے ہمزبان ہیں اور ہمداستان۔ ایک سبب قوی تو یہ ہے جو سراپا

اون کی نفسانیت اور تعصب پر مبنی ہے۔

دوسرا سبب عبارت توریت کے خواہ مخواہ غلط معنی سمجھنے اور سمجھانے سے پیدا ہو گیا ہے متعصبین یہود نے الفاظ الہامی کے غلط معنی لگا کر مغویانہ خیالات پہلے خود پیدا کئے اور پھر اور لوگوں میں یہ گمراہ عقائد پھیلائے عبارت توریت کی سند و شہادت پر جو غلط استدلال قائم کیا گیا ہے۔ وہ بالکل ترجمہ توراۃ میں تحریف ہے جس کو ہم سرسید کی اصلی عبارت سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

حضرت سارا اڈھیر ہو گئی تھیں اور اونکی اولاد نہوتی تھی اسلئے اونہوں نے حضرت ہاجرہ کو زوجہ بنالنے کی (حضرت ابراہیم کو) اجازت دیدی کہ شاید اونہیں سے کوئی اولاد پیدا ہو چنانچہ ہاجرہ سے اسمٰعیل پیدا ہوئے۔ اسکے چند روز بعد حضرت سارا بھی حاملہ ہوئیں اور حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے حضرت اسحاقؑ کئی برس کے ہو گئے۔ انکا دودھ بھی چھٹ گیا حضرت اسمٰعیل اون سے عمر میں بڑے تھے۔ دونوں میں ایک دن کچھ تکرار ہو گئی۔ جیسا کہ دو بچوں میں ہوا کرتی ہے۔ حضرت سارا کو یہ بات بری معلوم ہوئی اور اُس لڑائی جھگڑے میں حضرت ابراہیم سے کہا کہ اس لونڈی اور اسکے لڑکے کو نکال دو۔

اس مقام پر جو حضرت سارا نے حضرت ہاجرہ کو لونڈی کہا تو اس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ وہ حقیقت میں لونڈی تھیں۔ بلکہ جس طرح عورتیں لڑائی اور غصہ میں خصوصاً جب اون دونوں عورتوں ملکہ سوکنوں (سوتوں) میں باہم تکرار ہوتی ہے تو ایکدوسرے کو ہتک اور حقارت کے کلمات کہہ اُٹھتی ہیں اسی طرح جب سارا نے یہ لفظ امۃ۔ یعنی لونڈی کا حضرت ہاجرہ کی نسبت کہا۔ اس سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا کہ وہ درحقیقت لونڈی تھیں۔ مگر یہودیوں کو اور جو لوگ یہودیوں کی پیروی کرتے ہیں۔ (یعنی عیسائیوں کو) اونکو ایک موقع ہاجرہؑ کو لونڈی کہنے کا مل گیا۔ حضرت سارا کی اس بات سے حضرت ابراہیم بہت ناراض ہوئے مگر خدا نے اون کی تسلی کی اور کہا کہ اس لونڈی اور بچہ کیطرف سے رنج مت کرو۔ اونکو نکال دو۔ میں اس لونڈی کے بچہ سے ایک قوم پیدا کروں گا۔ اس مقام پر جو خدا نے لونڈی کہا وہ بعینہ سارہ کے قول کی نقل ہے یعنی سارہ نے جس کو حقارت سے لونڈی اور لونڈی کا بچہ کہا ہے اُسی سے میں ایک قوم پیدا کرونگا۔ یہ ایک ایسی بات ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی لایق آدمی کو کہے کہ یہ نالائق کیا کام کرتا ہے۔ پس اس دوسرے شخص کا بھی اوسکو نالایق کہنا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ درحقیقت وہ شخص نالایق ہے اور جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت ہاجرہ بیٹی رقیون بادشاہ مصر کی تھیں بلکہ ہم قوم و ہموطن ابراہیمؑ کی تھیں اور جو وجوہ رقیت (کنیزی) کے اوس زمانہ میں تھیں اون سے بری حضرت ہاجرہ بری تھیں تو صرف ان الفاظ سے جو لڑائی اور جھگڑے اور غصہ میں بولے گئے ہیں۔ کسی طرح اونکا لونڈی ہونا

مراد نہیں ہوسکتا۔ خطبات ص ۷۰ا۔

سید صاحب کے اس استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سارا نے اَمَۃ کا لفظ رنج و غصہ کی خاص اور غیر متحمل حالتوں میں استعمال کیا ہے اور توریت میں بالکل اوسی کی نقل سے کام لیا گیا ہے۔ اور یہ واقعات ارباب عقل و نقل کے روزمرہ مشاہدات اور بدیہیات میں داخل ہیں اور مشاہدات و بدیہیات سے کسیکو انکار نہیں اب لفظ اَمَۃ کی خاص حقیقت سید صاحب۔ توراۃ کے مفصلہ ذیل اسناد سے پیش کرتے ہیں۔

لفظ اَمَۃ مجازاً محاورے میں زوجہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ یہودیوں میں دستور تھا کہ دختر کا باپ بوقت شادی دختر بعوض دختر کے پسر کے باپ سے کچھ روپیہ لے لیا کرتا تھا تب بیٹی دیتا تھا جیسا کہ ہندوستان میں ہندؤں کی بعض قوموں میں دستور ہے اور اس دستور کو بیٹی کا بیچنا کہتے تھے مگر وہ لونڈی نہوتی تھی بلکہ زوجہ شرعی ہوتی تھی اور حقوق زوجہ کے اوسکو بالکل حاصل ہوتے تھے۔ ایسی زوجہ پر بھی لونڈی کا مجازاً اطلاق ہوا ہے۔ چنانچہ توریت مقدس کی دوسری کتاب باب ۲۱ آیت ۷ میں لکھا ہے۔

خدا نے کہا اگر کوئی شخص اپنی لڑکی کو بیچے اَمَۃ ہونیکے لئے تو وہ لونڈیوں کی طرح نکل نہ جائیگی اگرچہ وہ اپنے مالک میں ناپسند ہو جس سے اوس نے زفاف نہیں کیا تو فدیہ دیگا بوجہ ناپسند ہونے کے تاہم کسی اجنبی قوم کے ہاتھ بیچ نہیں سکتا۔ اور اگر پسر کی خلوت میں دیدیا ہو تو لڑکیوں کی طرح برتاؤ ہوگا۔ اور اگر اسکے اوپر دوسری کرلی تو حقوق زوجیت یعنی کھانا۔ کپڑا اور خلوت کم نہ کرے گا۔ اور اگر یہ تینوں امر اس کے ساتھ نہ کئے جاویں تو بلا تردد وہ چھوٹ جائیگی۔

چونکہ ان آیتوں سے مسائل فقہیہ مستنبط ہوتے ہیں اسلئے علماء یہود نے اسمیں بہت غور کیا ہے۔ کل مباحثہ لکھنا طول ہے۔ مگر جس قدر کہ اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مختصراً لکھا جاتا ہے۔

ان تینوں آیتوں میں لفظ اَمَۃ سے لونڈی مراد نہیں ہوسکتی۔ اول تو انہیں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لونڈی سے زوجہ شرعی مراد ہے۔ دوسری یہ کہ یہ سب آیتیں بنی اسرائیل کی شان میں ہیں۔ جیسا کہ سیاق عبارت دلالت کرتا ہے اور بموجب توراۃ کے لونڈیوں کی طرح سے بنی اسرائیل کی بیع و شری جائز نہیں۔ چنانچہ اسکی تفصیل توریت مقدس کی تیسری کتاب باب ۲۵ اور دوسری کتاب باب ۲۲ آیت ۳ میں مندرج ہے۔

بنی اسرائیل چوری کے جرم میں یا دشمن کے قید میں سے چھڑا لینے کے لئے خرید سکتے تھے اور صرف سات برس تک مالک کے بطور غلام کے خدمت کرتے تھے حضرت یوسف کے بھائی بھی چوری کی علت میں بطور غلام کے ٹھہر گئے تھے مگر وہ غلام نہیں تھے اور اگر بفرض کریں کہ ان میں جو احکام ہیں وہ غیر بنی اسرائیل کے لئے بھی ہیں تو بھی آیت کے معنی درست نہ ہوں گے۔

کیونکہ غیر بنی اسرائیل لونڈی اور غلام پچاسویں برس از خود آزاد ہو جاتے تھے اور آیت میں حکم ہے وہ آزاد نہوں گے۔ اس مقام پر تفسیر رشی کی عبارت نقل کی جاتی ہے جس سے مطلب مذکور ثابت ہوتا ہے اوسکا عربی ترجمہ یہ ہے۔

وان قبحت بعین بعلها لانه لخلوتها ما هو الذی لم یزفها ولو کان له ان یزفها ویتخلی بها للتزویج وثمن شرابها هو ثمن نکاحها وفی الآیة کنایة بامر النکاح وبانه لا یجوز مع الغیر عرسها

اگر بُری ہے اوس کی نگاہوں میں یعنی خاوند کی نگاہوں میں (تفسیر) کہ اُسے رغبت نہ ہوئی اوسکے ساتھ خلوت کی (توریت) جس نے زفاف نکیا (تفسیر) کہ اوسکو مناسب تھا اوس سے زفاف۔ اوسکے ساتھ خلوت کرنا۔ جورو کرنے کیلئے اور قیمت اوس خرید کی قیمت ہے اوسکی شادی کی اور یہاں کنایہ یہ ہے کہ آیت میں حکم شادی کا ہے اور کنایہ ہے کہ وہ دوسری سے شادی کرنے کی مجاز نہیں ہے۔

اس موقع پر اسبات کا بھی خیال کہ جس طرح ایسی بی بی پر جس کی بابت بغرض شادی روپیہ دیا گیا ہو مجازاً لونڈی کا اطلاق ہو اوسی طرح ایسی بی بی پر بھی جو بطور ڈولہ کے آئی ہو مجازاً لونڈی کا اطلاق ہوا ہے۔ جیساکہ ابی غائل حضرت داؤد کی بی بی پر لونڈی اور خادمہ دونوں کا اطلاق ہوا ہے۔ جسکا ذکر عنقریب آتا ہے اور جو کہ یہ امر حضرت ہاجرہ کے حال سے بھی نہایت مناسب تھا اسلئے مجازاً ان کی نسبت بھی آمۃ یعنی لونڈی بولا گیا۔ مگر جبکہ رقیت کسی طرح ثابت نہیں ہے تو اس لفظ سے حقیقی لونڈی ہونا بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ ان مقاموں میں بھی بی بی مراد ہے مگر سُرّیہ۔ تو یہ کہنا بھی صحیح نہوگا۔ اسلئے کہ جب بنی اسرائیل کی لڑکیاں لونڈی ہو ہی نہیں سکتی تھیں تو سُرّیہ کیونکر ہوسکتی تھیں۔

اور اگر یہ شبہ کیا جاوے کہ جن مقاموں کا بیان کیا گیا ہے وہاں قرینہ ہے جس سے لونڈی مراد نہیں ہوسکتی مگر جہاں حضرت ہاجرہ کی نسبت آمۃ کا اطلاق ہوا ہے وہاں کیا قرینہ ہے جس سے حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی لئے جاویں۔ تو اس شبہ کے رفع کرنے کو ناظرین کو ذرا توجہ کی تکلیف دیجاتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں بلکہ اونکے بعد بھی یہ دستور تھا کہ لونڈی میراث نہیں پاتی تھی۔ چنانچہ اسی وجہ سے لیا اور راحیل یعقوب علیہ السلام کی بیویوں نے اون سے کہا کہ کیا اب ہمارے لئے اپنے باپ کے گھر میں کچھ حق میراث نہیں ہے۔ کیا ہم اجنبیہ نہیں شمار کی گئیں۔ کیونکہ بیچ ڈالا ہمکو اور قیمت بھی کھا گیا۔ (پیدائش باب ۳۱ ۱۴ و ۱۵)

اور لونڈی کی اولاد جو دوسرے سے ہو وہ بھی لونڈی غلام ہوتی تھی۔ اونکے لئے بھی میراث نہ تھی چنانچہ یہ حکم موسیٰ کو بھی دیا گیا اور لونڈی کی اولاد جو مالک سے ہو وہ بی بی کی اولاد کے ساتھ میراث نہیں پاتی تھی جو کچھ اونکو باپ اپنی زندگی میں دیدے وہی اون کو ملتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قطورا کی اولاد کو اپنی زندگی میں کچھ دے لیکر الگ کردیا جیسا کہ کتاب پیدائش باب ۲۵ میں مندرج ہے۔

جبکہ قاعدہ سے یہ معلوم ہوگیا تو اب اصل مطلب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے کہ جب سارا نے حضرت ابراہیم سے کہا کہ اس لونڈی اور بچہ کو نکال دو تو اسکی وجہ یہ بیان کی کہ میراث نہ پاوے لونڈی بچہ میرے بیٹے اسحاق کے ساتھ۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سارا کو اندیشہ یہی تھا کہ اسمعیل اسحاق کے ساتھ میراث پاویں گے پس اگر ہاجرہ لونڈی ہوتیں۔ یا اسمعیل لونڈی بچہ ہوتے۔ تو میراث پانے کا خیال کیونکر ہوتا بلکہ اسوقت کی شریعت میں یہ حکم تھا کہ زوجہ مطلقہ میراث نہیں پاتی تھی اور جس لڑکے کو عاق یعنی ساقط المیراث کردیا جاتا تھا وہ بھی میراث سے محروم ہوجاتا تھا۔ اسلئے حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم سے درخواست کی تھی کہ ہاجرہ اور اوسکے لڑکے کو نکال دو۔ یعنی ایک کو طلاق دو اور دوسرے کو عاق۔ تاکہ دونوں مستحق میراث نہ رہیں۔

یہی قرینہ ہیں کہ ان آیتوں میں آمَۃ کا لفظ جو خلاف محل واقع ہوا ہے اوس سے اوسکے مجازی معنی مراد ہیں اور حقیقی نہیں ہوسکتے۔ علاوہ ان کے اور بھی قوی قرینے ہیں۔ جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

لفظ عبری شفحہ کی تحقیق

ان مقامات کے سوا حضرت ہاجرہ کی نسبت توراۃ میں آمَۃ (لونڈی) کا لفظ اور کہیں نہیں آیا ہے۔ بلکہ شفحہ کا لفظ آیا ہے اور شفحہ کے معنی لونڈی کے نہیں ہیں۔ انقلوس یہودی نے جس نے توریت کا ترجمہ کالڈی زبان کیا ہے شفحہ کا ترجمہ آمَۃ۔ جو بمعنی آمَۃ (عربی) کے ہیں۔ لکھ دیا ہے اور اس سبب سے اکثر مترجموں نے توریت کے اور ترجموں میں بھی جو اور زبانوں میں کئے ہیں۔ اوس لفظ کا لونڈی ترجمہ کردیا ہے۔ حالانکہ لونڈی کو عبری زبان میں آمَۃ کہتے ہیں جو عربی لفظ آمَۃ کا مرادف ہے۔ اور شفحہ کے معنی خادمہ کے ہیں۔ ہم تفرقہ بتلانے کے لئے سموئیل باب ۲۹ آیت ۱ ہم نقل کرتے ہیں اسی سے شفحہ کا فرق ظاہر ہوجائیگا کتاب سموئیل کا عربی ترجمہ یہ ہے۔

وقالت نعم انا امة له خادمة تغسل رجل عبيد سيدي - اور کہا۔ ہاں اسکی لونڈی خادمہ ہے۔ اپنے سردار کے خادموں کے پاؤں دہونے کیلئے۔

یہ قول ابی غائیل حضرت داؤد ع کی بی بی کا ہے جبکہ حضرت داؤد کے ہاں آئیں تھیں شفحہ کے اصلی معنی جیسا کہ اہل لغت کہتے ہیں، قبیلہ کی عورت کے ہیں، اور مادہ اس لفظ کا اور مشاحہ کا جسکے معنی قبیلہ کے ہیں ایک ہی ہے، لیکن عرف میں اسکے معنی خادمہ کے ہیں - پہر اس سے لونڈی سمجہنا یا تعصب یا غلطی ہے

تیسرا مقام جہاں سے ان کی لونڈی ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ کتاب پیدائش باب ۲۵ آیت پہلی سے لیکر ۶ آیت تک جس کا ترجمہ یہ ہے، اور ابراہیم نے پہر عورت کی جس کا نام قطورہ تہا۔ اور اوس سے زمران یقشان - مدان - مدیان - یشباق - شووہ پیدا ہوئے، یقشان کے شبا اور ددان پیدا ہوئے - ددان کی اولا اشوریم - لطوشیم - لامیم - مدیان کی اولاد - عیفا عیفر - حنوخ - ابی دع اور الداعا - یہ سب قطورہ اور دیا ابراہیم نے جو کچہہ اون کے پاس تہا۔ اسحاق کو - اور سریہ کی اولاد کو ابراہیم نے اپنی حیات میں کچہہ دیکر اسحاق کے پاس سے نکال دیا پورب طرف شرقی عرب میں

یہاں چھٹی آیت میں واقع ہے۔ لبنی ہپیلغشیم جس سے استدلال کرتے ہیں۔ پیلغش یا پلغش - جسے کلدی زبان میں پیلقتا یا پلیقتا کہتے ہیں یا لحینا بولتے ہیں۔ اسکے معنی بے شبہ سریہ ہیں۔ اور اوس کی جمع موافق قاعدے کے پیلغشیم آتی ہے - ربی سلیمان ابن اسحاق کہتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس کے لئے کتبہ صداق یعنی کابین نامہ ہوا - اوسے ناشیم کہتے ہیں۔ اور جس کیلئے کابین نامہ نہوا اوسے پیلغشیم کہتے ہیں۔

بہر نوع یہ امر ثابت ہو کہ پیلغش سریہ ہے۔ استدلال یہ ہے کہ آیت میں پیلغشیم بلفظ جمع ہے اور اس سے مراد ہاجرہ اور قطورہ ہیں - کیونکہ سارا کے سوا یہی دو بیویاں حضرت ابراہیم کی ثابت ہیں اسلئے یہ سریہ ہونگی یہ شبہ فقط پیلغشیم کی وجہ سے واقع ہوا ہے - حال یہ ہے کہ عبری میں جمع ی اور میم سے آتی ہے۔ لہذا جمع پیلغشیم ہونا چاہیئے۔ لیکن توریت میں اس مقام پر پیلغشم بدون ی واقع ہوا ہے پیلغشیم نہیں ہے۔ اس لفظ پر مفسرین نے بحث کی ہے - بعض نے اسکو جمع مانا ہے اور ی کے نہونے کی یہ توجیہ کی ہے کہ ابراہیم کی ایک ہی سریہ تہی۔ اسلئے ی کو گرا دیا۔ "شتی" مقصور لکہا گیا ہے - کیونکہ ایک ہی سریہ تہی۔ ساتہہ ہی اسکے مفسرین نے یہ بہی لکہدیا ہے کہ وہ سریہ ہاجرہ تہیں اور وہی قطورہ تہیں - یعنی ہاجرہ اور قطورہ ایک ہی نام ہیں۔ یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی جسکا بیان ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اسی طرح اکثر مفسرین نے تسلیم کیا ہے کہ سریہ ابراہیم ایک ہی تہی - لہذا پیلغشیم سے جمع مقصود

نہیں اور نہ بصورت جمع ہے۔ تو اسی وجہ سے اونقلوس نے جو قدیم مترجم ہے۔ اس لفظ کے ترجمہ میں لحیناتا لفظ واحد اختیار کیا ہے۔ اس حالت میں اوس سے استدلال کیونکر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مدار حجت جمعیت تہی۔ اور وہ غیر مسلم ہے۔

حضرت ہاجرہ اور قطورہ کو ایک قرار دینا غلط اور مہمل تاویل ہے

باقی رہی یہ بات کہ وہ سریہ جس کی شان میں یہ آیت وارد ہے وہی ہاجرہ ہیں۔ اس بیان سے کہ ہاجرہ ہی کا نام قطورہ ہے۔ دعویٰ بے دلیل ہے۔ سیاق کلام سے ظاہر ہو کہ اس باب میں صرف قطورہ اور اونکی اولاد کا ذکر ہے اور آیت اونہیں کو سریہ بتلاتی ہے۔ علاوہ اسکے سفر التواریخ اول باب کی ۳۲ آیت میں جہاں سب کے نسب نامے لکھے ہیں اور جو اہل کتاب میں بڑی معتبر ہے لکہا ہے۔ ترجمہ۔ اور بنی قطورہ سریہ ابراہیم فلاں اور فلاں یہ وہی شخص ہیں جنہیں پیدائش کے باب ۲۵ میں قطورہ کی اولاد گنایا ہے اور فلسطین کی پورب سکونت کی اجازت دی ہے۔ ان سے قطورہ کا سریہ ہونا بخوبی ثابت ہے۔ اور اسی مقام پر ۳۳ آیت میں لکہا ہے یہی سب قطورہ کی اولاد ہیں۔ اس سے بہی ثابت ہوتا ہے کہ قطورہ ہاجرہ نہیں تہیں ورنہ اسماعیل بہی اونہیں میں شمار ہوتے۔ بلکہ اسی باب کی ۲۷ آیت میں لکہا ہے اور گنایا ہے۔ ابراہیم کے بیٹے اسحاق اور اسماعیل ؑ۔ اوسوقت یہ دستور تہا یعنی اکثر یہ محاورہ کہ بیان نسب میں سریہ کی اولاد کو ماں کی طرف نسبت کرتے تہے۔ اور بی بی کی اولاد کو باپ کی طرف۔ اسلئے نسب نامہ اسمٰعیل ؑ کو ابراہیم کی طرف منسوب کیا اور قطورہ کی اولاد کی نسبت ابراہیم کیطرف نہیں کی بلکہ قطورہ کی طرف

علاوہ اسکے ہاجرہ کی اولاد پاران میں ہی اور قطورہ کی اولاد فلسطین کے پورب۔ جیسا کہ توریت میں واقع ہوا ہی۔ باوجود ان سب تباین اور تغایر کے دونوں کو (ہاجرہ اور قطورہ) ایک کہنا بناوٹ ہے۔

علاوہ اسکے ابراہیم نے ہاجرہ کو طلاق دی تہی۔ اور ہاجرہ کو زن مطلقہ سے نکاح جائز نہیں چنانچہ موسیٰ کی شریعت میں یہ حکم منصوص ہے تو اگر یہی حکم شریعت ابراہیم میں بہی تہا۔ جیسا کہ یہود دعویٰ کرتے ہیں تو یہ کہنا کہ قطورہ اور ہاجرہ ایک ہیں۔ بالکل خلاف ہے۔ اور اگر ابراہیم کے وقت یہ شریعت بہی رہی تو خلاف دستور انبیا کے ہے۔ سوائے نبی آخر الزمان علیہ السلام کے زن مطلقہ سے نکاح کرنا ثابت نہیں ہے۔

اب ہم رجوع کرتے ہیں پیلغشیم کے لفظ اور اوس آیت کے معنی کی طرف۔ اگر تسلیم کر لیا جاوے کہ یہ لفظ جمع ہے۔ جیسا اب نسخہ موجودہ مطبوعہ لندن اور اسٹراڈم وغیرہ میں دیکہا گیا ہے۔ اونہیں

تے اور نسیم کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ جو خلاف بیان مفسرین کے پایا جاتا ہے تو بھی مدعا استدلال کا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ جائز ہے پیلغشی یہ جمع اسم منسوب کی ہو۔ جیسا کہ جمع اسم منسوب کی اس وزن پر متعارف ہے پیلغشی کے معنی شہر یزادے کے ہیں یعنی آیت کے یہ ہیں کہ ابراہیم نے شہر یزادگان کو کچھ دیکر وہاں سے رخصت کر دیا۔ اور اون کو فلسطین کے پورب بسنے کی اجازت دی۔ لیکن اون میں اسمٰعیلؑ تو نہ تھے۔ بلکہ اسی باب کی نویں آیت میں لکھا ہے کہ دفن کیا ابراہیم کو اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ اوسکے لڑکوں نے غرض توریت اور اوس کی تفسیر دیکھنے والوں پر بخوبی واضح ہو جائے گا کہ حضرت ہاجرہ کا لونڈی ہونا کتب مقدسہ سے کسی طرح ثابت نہیں۔

(ملخص از خطبات احمدیہ از صفحہ ۱۷۳۔ ۱۷۷)

اس طول وطویل استدلال میں یہودیوں اور عیسائیوں کے جملہ اشکال و احتمال کا بال بال علیحدہ کر دیا گیا ہے اسمیں کوئی کلام نہیں کہ مرحوم سر سید اور اونکے شیخ مولوی عنایت رسول صاحب نے جناب ہاجرہ کو ایک صحیح النسب اور شریف النسل اور آزاد خاتون ثابت کرتے ہیں پھر اس لطف کے ساتھ کہ اون کے استدلال کے تمام اسناد و اشہاد معترضین ہی کی کتب مقدسہ سے مستنبط و مستخرج فرمائے گئے ہیں۔ بہت بڑی عالمانہ تحقیق سے کام لیا ہے۔ جسکے لئے تمام اہل اسلام کو اونکا ممنون ہونا چاہیئے۔

مرقومہ بالا بحث کو دیکھکر اور پڑھکر ہر شخص یہودیوں اور عیسائیوں کے بیحد تعصب اور لا انتہا نفسانیت کی پوری حقیقت معلوم کریگا۔ اپنے اس ایک گمراہانہ خیال کے پیچھے کہ حضرت اسحاق پر حضرت اسمٰعیل کو ترجیح نہ دی جائے کتنا سر مارا ہے۔ اور ایک بات میں کتنی شاخیں اور ایک شاخ میں کتنے شوشے نکالے ہیں۔ پہلے تو جناب ہاجرہ کے کنیز ہونے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ لیکن جب اونھیں کی کتابوں سے اون معظمہ کا شاہزادی ہونا ثابت ہو گیا۔ تو اونکو اور قطورہ کو جو حقیقتاً حضرت ابراہیم کی سریتھیں۔ ایک ہی عورت ٹھرایا۔ ان متعصبین کو ایسے مہمل اور سراپا غلط استدلال پیش کرتے وقت اسکا بھی خیال نہ رہا کہ اونکا موجودہ استدلال تو کتب مقدسہ توراۃ کی اون تمام عبارتوں کو پامال کر ڈالیگا جنمیں ہاجرہ اور قطورہ کے واقعات علیحدہ بیان کئے گئے ہیں۔ ہاجرہ کی اولاد اور اونکا موطن و مسکن علیحدہ بتلایا گیا ہے۔ اور قطورہ اور اون کی اولاد کے مساکن و اماکن جدا دکھلائے گئے ہیں ایسان بے بصیرتوں سے کوئی پوچھے کہ تمہارا خدا۔ تمہارے خدا کی کتاب جن پر تم ایمان لائے ہو۔ وہ تو ہاجرہ اور قطورہ کو دو علیحدہ عورتیں اور دونوں کی اولادوں کو دو جداگانہ قومیں اور پھر ان دونوں کے مقام سکونت دو مختلف اور متفرق مقامات میں صحیح اور صاف طور سے بتلا رہی ہے۔ مگر تم ہو کہ اپنی خود غرضی اور نفسانیت میں گرفتار ہو کر دونوں کو ایک سمجھتے ہو اور سمجھاتے ہو۔ اب تمھیں کہو کہ تمہارے خدا اور اوس کی صحیح اور صریح بشارتوں کے مقابلہ

میں تمہارے ان لغویات کو ایک منٹ کیلئے بھی کوئی ماننے گا نہیں۔ کبھی نہیں۔

جب اس سے بھی انکا مطلب نہ نکلا تو جناب ہاجرہ؏ کو زن مطلقہ اور حضرت اسمعیل؏ کو پسر عاق شدہ (نعوذ باللہ) ٹھرایا مگر اونہیں کی کتب مقدسہ کے مندرجہ واقعات بتلاتے ہیں کہ یہ زن مطلقہ حضرت ابراہیم کی آنکھوں میں ایسی وقیعہ اور قابل قدر تھی۔ اور یہ عاق کردہ فرزند اونکو اتنا پیارا تھا کہ باوجود اس افتراق کے۔ آغاز فرقت سے لیکر وقت وفات تک سال بھر میں ایکبار نہیں کئی بار۔ اون کے دیکھنے کو شام سے حجاز میں تشریف لیجایا کرتے تھے۔ اور کافی طور سے اونکا تفقد حال فرمایا کرتے تھے۔ ابراہیم کے وہی طلاق دادہ اور عاق کردہ اہل وعیال ہیں۔ جن کی دلبستگی اور راحت وآرام کے لئے بنی جرہم اور بنی عمالیق۔ قبیلہ ہائے یمن کو وہاں آباد ہونے کی اجازت دی یہ ابراہیم کے وہی برگزیدہ اور خدا رسیدہ اہل وعیال ہیں۔ جن پر توریت مقدس کی متعدد اور متواتر بشارتوں سے خدا اور خدا کے فرشتوں کا براۃ العین ظاہر ہونا اور اونکو اون کے موجودہ اضطرار واضطراب میں تسکین وتشفی دینا ثابت ہے۔ اور پھر ان کی ہجرت اور ترک وطن کے واقعات کے بعد بھی اِن بزرگواروں کے لئے مختلف اور متعدد بشارت اور وصایاے ابراہیمی اونھیں کی کتب معتبرہ سے معلوم ہوتے ہیں۔ اِن اسناد واشہاد کے مقابلہ میں جو مخالفین کے خاص معترفات ہیں۔ کوئی چھوٹی سی چھوٹی عقل والا آدمی بھی کبھی ایسے محبوب ترین اہل وعیال کو کسی شریف۔ مرد آدمی کی گھر سے نکالی ہوئی ذریت یا طلاق دی ہوئی عورت قرار دیگا۔

حقیقتاً اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابراہیم کیوں اِن حضرات سے ترک تعلق فرمانیکے بعد۔ اپنے تعلقات بڑہاتے اور اِن سے ملنے جلنے کیلئے علاقہ شام سے ملک حجاز میں بار بار آتے جاتے۔ اور اگر بفرض محال۔ خدا کے حکم سے نہیں محض سارہ؏ کے اصرار ہی سے۔ ایسے شرعی مفارقت اور دائمی جدائی اختیار فرمائی گئی تھی تو پھر خلاف مرضی خدا اور بلا رضاے سارہ۔ اِن کے پاس آپ کا جانا اور برابر دیکھ بھال آنا کس غرض سے تھا۔ اگر حکم خدا سے مفارقت کیگئی تھی۔ اور پھر آمد ورفت جاری رکھی تھی تو معاذ اللہ۔ آپ کا یہ فعل حکم خدا کے صریح خلاف تھا۔ اور اگر صرف سارہ ہی کے اصرار سے بقاعدہ شرعیہ طلاق دیگئی تھی۔ تاہم بعد طلاق اجراے رسم وراہ اور بقاے تعلقات قطعی ممنوع ومعیوب تہا۔ اِن عیوب ونقائص کے لئے عام انسان قابل الزام ٹھرایا جاتا ہے۔ چہ جائیکہ اتنا بڑا اولی العزم پیغمبر۔

اِن تمام دلائل وقرائن کو پیش نگاہ رکھکر بآسانی سمجھ لیا جائیگا کہ حضرت ہاجرہ اور جناب اسمعیل کے سے قطع تعلق کئے جانے کی نسبت یہودیوں اور عیسائیوں نے عام گمراہی اور عالم فریبی کے جو جو طوفان باندھے ہیں وہ بالکل اونکے تعصب اور نفسانیت پر مبنی ہیں۔ اونہوں نے صاف صاف لفظوں میں حضرت ابراہیم پر اتہام لگایا ہے۔ جسکا کوئی وجود اور کوئی اثر اون کی کتب مقدسہ سے خود ثابت نہیں ہوتا۔

حقیقت حال وہی ہے۔ جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ ولادت اسمٰعیل کے بعد ہی سے۔ ہاجرہ کے ساتھ سارہ کو رشک و حسد پیدا ہوا۔ پھر چند دنوں کے بعد حضرت اسحاق کے ولادت نے اون کے خیال کو اور قوی کر دیا اور وہ یہ تھا کہ معمولی عورتوں کے انداز میں اون کی طبیعت نے بیجا اصرار پیدا کیا کہ اسحاق کے ساتھ اسماعیل وراثت میں شریک و سہیم نہ ہونے پاوے۔ اس خیال نے اصرار کے ساتھ قوت پکڑی نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم کے ساتھ سخت تاکیدوں میں اسکا اظہار کیا گیا۔ خداوند عالم نے بھی رفع فساد کی مصلحت خاص سے حضرت ابراہیم کو سارہ کی ہٹ رکھ لئے جانیکا حکم فرما دیا۔ ورنہ حقیقتاً حضرت ابراہیم کی زندگی تلخ ہو جاتی۔ ان تمام مصالح پر نظر فرما کر جیسا کہ آجتک ایسے موقعوں پر ایسی ہی انتظام مفید ثابت ہوتے ہیں حضرت ہاجرہ کو حضرت سارہ سے علیحدہ کر دیا گیا اور ہاجرہؓ کو حکم الٰہی کے مطابق مع اون کے فرزند اسمٰعیل کے اوس مقدس مقام پر پہونچا دیا گیا۔ جو بارگاہ مشیت سے۔ ان حضرات کیلئے عظمت و جلالت اور تقدیس و تعظیم کا مرکز قرار پا چکا تھا۔

لفظ سارسین کی تحقیق

یہودیوں کی تقلید میں عیسائی متعصبین نے بھی حضرت ہاجرہ Saracene اور حضرت اسمٰعیل کی صرف توہین و تحقیر کے قصد و خیال سے ان کی اولاد و ذریات کو سارقین کے تحقیر نام سے موسوم کیا ہے انکی عصبیت اور نفسانیت کی یہ کیفیت ہے کہ زمانہ موجودہ کی کامل تاریخی تحقیقات اور کافی اطلاعات حاصل ہو جانے پر بھی انکو اپنی اس غلط بیانی پر یقین نہیں آتا چنانچہ یورپین قومیں آجتک اہل عرب کو جو بالکل صحیح طور سے آل اسمٰعیل ہونیکا شرف رکھتے ہیں۔ سارقین کہتی ہیں یا متعصبین یہود و نصاریٰ کا عرب کے تمام اقوام و قبائل کو اس نام سے موسوم و مشہور کرنا اون کی کھلی کھلی عالمفریبی ہے اور مغالطہ دہی ہم اس لفظ کی تنقیدانہ تحقیق ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

اس مغویانہ اور متعصبانہ تسمیہ کی ابتدا تو یونانیوں سے ہوئی جنہوں نے پہلے پہلے چند عرب کے خاص قبائل کو اس نام سے موسوم و مخصوص کیا۔ پھر غایت تعصب و نفسانیت کی وجہ سے یہود و عیسائی جزیرہ نما عرب کے تمام باشندوں کو عام طور سے۔ اسی نام سے پکارنے لگے۔ اس غلط تسمیہ کی اصلیت اور حقیقت تو اتنی ہے۔ اب کثرت اور وسعت اشاعت کا سبب تو صرف حسد و عداوت معلوم ہوتا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ ریورنڈ مسٹر پوکاک Revd. Mr. Pocoke جو گذشتہ صدی کے بہت بڑے عیسائی پیشوا صحائف و کتب قدیمہ کے مشہور عالم۔ اقوام و قبائل عالم کے بہت بڑے محقق اور مستند مورخ ہیں۔ اپنی کتاب موسومہ تاریخ عرب میں لفظ سارسنس کی خاص تحقیق کے متعلق تحریر کرتے ہیں۔

اس مضمون پر ہمارے مصنفین نے اسوقت تک جو کچھ شائع کیا ہے اون میں ہم کسی جگہ اس امر کی قابل

اطمینان دلیل نہیں پاتے کہ وہ لوگ جو پہلے عرب کہلاتے تھے۔ آخر میں ساراسینس کیوں موسوم ہوئے۔ جن لوگوں نے اس نام کو سرح سے مشتق سمجھا ہے۔ اون کی کامل تردید کردی گئی ہے اب عموماً یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ نام سرقہ (چوری) سے نکلا ہے جس سے ایک وحشی اور لٹیری قوم صریح مراد ہے۔ مگر یہ نام اونکو کہاں سے ملا ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ یہ نام خود اونھیں (عرب) کے ہاں سے شروع نہیں ہوا ہوگا۔ بلکہ کسی اور قوم کی زبان سے یہ لفظ لیا گیا ہے۔ کیونکہ عرب ایسے نام کو جو موجب رسوائی اور ذلت کا ہے اپنے لئے کیوں گوارا کرتے۔ اب محققین کو یہ تحقیق کرنا باقی ہے کہ آیا اون لوگوں کے نام جو عام طور پر اور علانیہ قزاقی اور رہزنی کے لئے مشہور ہیں۔ لفظ سرق سے مشتق کرنا جائز ہوگا یا نہیں۔ جس کے معنی خفیہ چوری کرنیکے ہیں۔

اب اگر کوئی سراسینس کی تحقیق میں میری تبعیت کرنا چاہے تو اوسکو اپنی آنکھیں مشرقین کیجانب کھولنی چاہئیں۔ کسواسطے کہ ساراسینس اور سراسی نا سے کی آواز میں شرقی اور اوسکے جمع شرقیوں اور شرقیین کی نسبت کیا فرق ہوگا۔ جس کے معنی اہل شرق یعنی باشندگان مشرق کے ہیں۔ جسطرح کہ سابق میں عربوں کو خصوصاً یہودی خیال کرتے تھے کیونکہ اوس زمین کا شرقی حصہ حسب قول طاسیطوس عرب سے محدود ہے۔ اسی طرح توریت مقدس (سفر تکوین باب ۱۰) میں یقطان کی اولاد کو جو عرب تھے مشرق میں بیان کرتے ہیں یعنی ساحل کے اوس حصہ پر جو مابین میشام اور سفار کے مشرق میں ایک پہاڑ ہے واقع ہے۔ اگر ارساڈیاس۔ قابل اعتبار ہو من مکة الی مدینة الجبل الشرقی یعنی مکہ سے وہاں تک کہ تم اوس مشرقی پہاڑ کے شہر تک آؤ۔ جیسا کہ مسودہ کوڈیکس میں مرقوم ہے۔ الی مدینة الشرقی یعنی مشرقی شہر تک (جس سے میری دانست میں مدینہ منورہ مراد ہے سرسید مرحوم) جو جانب شرق واقع ہے حضرت سلیمانؑ کی عقل تمام اہل شرق کی عقل سے بڑھکر خیال کی گئی ہے۔ یعنی (حسب بیان اوس یہودی کے۔ گو وہ کوئی ہو جس نے صحف ملوک کا عربی میں ترجمہ کیا ہے) سراسین یا عربی کی عقل ہے۔ اسی طرح یرمیاہ نبی (باب ۴۹) میں اعراب بنی قیدار کو اہل الشرق کہتے ہیں۔ علامہ گرو گرو شیش بیان کرتا ہے کہ جیسا کہ ان سابق کی یہ رائے تھی کہ وہ عقلاً جو حسب بیان متی حواری (باب ۲) پرستش کو آئے تھے۔ ملک عرب سے آئے تھے۔ اور اوسکا خود بھی عقیدہ تھا۔ ننا سوس (فولیس میں) لکھتا ہے کہ میں نے اپنی سفارت کی خدمت جو بجانب بنی عشوقیہ۔ بنی حمیر۔ اور ساراسینین اور دیگر اقوام پرستش کنندہ کے تھی تعمیل کر دی۔ اسلئے ساراسینس کا اور مشرقی اقوام کے زمرے میں شامل ہونا صرف اسی وجہ سے تھا کہ وہ مشرق میں آباد تھے۔

مجد الدین فیروز آبادی صفی الدین اور دیگر لوگوں کا بیان ہے کہ مشرق کے چند اور مقامات بھی بایں وجہ کہ وہ مشرق کے اور حصوں میں واقع تھے۔ بنام الشرقہ یا المشرقیہ موسوم تھے اور یہ بھی اونکا بیان ہے کہ ہم نے سنا ہے کہ ان مقامات کے باشندے اہل الشرق کہلاتے ہیں۔ ایسی ہی دلیلوں سے اون لوگونکو بھی جو ایسے ملک میں بستے ہوں کہ بلحاظ اور ملکوں کے الشرق یعنی پورب کہلاتا ہو۔ اوس نام سے ملقب کیوں نہیں کرنا چاہیئے۔ ورنہ وہ اپنے اور اون لوگوں کے درمیان جو اپنی بولی میں اپنے آپ کو مغربی باشندے (جزیرہ موری تانیا) کہتے ہیں کس طرح پوری تمیز کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سے۔ جیسے کہ باشندہائے ملک مغرب المغاربہ کہلاتے ہیں۔ وہ لوگ بھی جو عرب میں متوطن ہیں۔ المشارقہ یا سارا سینس کہے جا سکتے ہیں۔ اور یہ نام اونکے عادات و اوضاع کے لحاظ سے نہیں رکھا گیا ہے۔ اسی طرح تم اوس مشہور و معروف حکیم بو علی سینا کی اوس نامی کتاب کا نام۔ سارا سینک فلاسفی یعنی الفلسفۃ الشرقیہ۔ کچھ اوسکی جہالت کی وجہ سے نہیں کہتے ہو۔ بلکہ اوس کے مشرقی ہونے کی وجہ سے۔ رہی یہ بات کہ عربی حرف "شین" کا یونانی کے مانند تلفظ ہوا ہے۔ اس سے کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ (یونانی) عبرانی حروف کا بھی اسی طرح تلفظ کرتے ہیں۔

ماخوذ از خطبات احمدیہ از صفحہ ۱۶۱ - ۱۴۶)

تعصب کا مقتضا ہے کہ حقیقت چھپائی جاے۔ حسد اور نفسانیت کا مدعا ہے کہ اصلیت پر پردہ ڈالا جائے یا کم سے کم واقعیت پر غلط بیانی کے حاشیے چڑھا کر اصلی مضامین کو تبدیل کر دیا جاوے۔ اس انگریزی محقق کی تحریر سے کامل طور پر متعصبین یہود و نصاریٰ کی مغویانہ قلمکاریوں کی قلعی کھلگئی۔ اور ثابت ہو گیا کہ ان خود غرض۔ حاسد اور کینہ پرور فرقے کو اپنی نفسانیت اور خود غرضی کے مقابلہ میں۔ استخفاف حق۔ تحریف۔ تبدیل لفظ و معانی اور غلط بیانی کی بد اخلاقیوں سے نہ کوئی غیرت ہے اور نہ کوئی شرم۔ ایک محض معمولی لفظ کے اصل معانی اور مدعا میں تو حسد و نفسانیت سے اتنے مفاسد پیدا کئے گئے۔ اور گمراہ فطرت کے تقاضہ سے تمام دنیا کے لوگ سخت مغالطہ میں ڈالدئے گئے۔ تو پھر کتب الہیہ سے اہم ترین دفاتر و ذخائر کے اصلی ترجموں اور اونکے دقیق مسائل کی تشریح و تحقیق میں ان سے راستبازی یا صداقت شعاری کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔

قدامت کعبہ کے متعلق مخالفین اسلام کے اعتراضات کی تردید مع دیگر حالات

ہم اپنے سلسلہ بیان میں جناب ابراہیمؑ جناب اسمٰعیلؑ اور حضرت ہاجرہ علیہم السلام کے حالات تفصیل کے ساتھ قلم بند کر چکے۔ حضرت ہاجرہ نے مکہ معظمہ میں انتقال فرمایا اور مقام حجر میں جو خانہ کعبہ سے ملحق ہے مدفون ہوئیں۔ اسی ضمن میں مناسبت مقام کیضرورت ہمکو

شہر مکہ اور عمارت کعبہ کی قدامت اور اس معبد مقدس کی اولیت کے مسئلہ کی انکشاف حقیقت کی طرف توجہ دلاتی ہے اور ہم اسکو اپنے تالیف کے موضوع کا جزو ضروری خیال کرتے ہیں۔ اس لئے کہ مخالفین اسلام نے اسکی قدامت کے مسئلہ پر بھی اعتراضات وارد کئے گئے ہیں۔

تعمیر کعبہ کے حالات کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہم جناب ابراہیم کے حالات میں لکھ آئے ہیں۔ اسلئے اسکے متعلق ہمکو اعادہ اور اضافہ کی ضرورت نہیں۔ اسکی قدامت کے مسئلہ کو ہم نے وہاں طوالت اور اصل مدعا سے بیان سے دور جا پڑنے کے خوف سے بیان نہیں کیا۔ مگر اب چونکہ اون تمام مقدس حضرات کے حالات کو ہم تمام کر رہے ہیں جو اس بنائے ربانی کے اصلی بانی ہوئے۔ اس ضرورت سے اسکے متعلق تمام حالات و واقعات کو بھی تمام کر دینا ہمارے لئے ضروری ہے۔

قرآن مجید میں کعبہ معظمہ کی قدامت کے متعلق یہ عبارت مندرج ہے۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ

پہلا گھر جو آدمیوں کی عبادت اور دو عالم کی ہدایت کی غرض سے دنیا میں بنایا گیا وہ شہر مکہ میں ہے۔

علمائے اسلام اس کی قدامت کو حضرت آدم کے وقت سے بتلاتے ہیں۔ اون کا بیان ہے کہ اسکی پہلی عمارت حضرت آدم کے عہد میں تیار ہوئی تھی۔ مگر امتداد ایام کی وجہ سے وہ گر کر بالکل منہدم ہو گئی۔ تعمیر ابراہیمی اوس مقدس عمارت کی تعمیر ثانی ہے۔

اونیسویں صدی کے اسلامی جدید محقق اور مورخ مغربی تحقیق و تعلیم کے مقلد اور مؤید۔ اس بیان کو دوراز قیاس سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کی خوش عقیدگی کا محض اضافہ ٹھہراتے ہیں۔

میری خیال میں پہلا آدم کے مسئلہ اور قصہ واقعہ سے تو دنیا بھر میں کسی قوم کسی فرقہ کو کیا کسی نبی آدم کو بھی انکار نہ ہوگا۔ پھر اگر دنیا میں حضرت آدم آئے۔ اور وہ دنیا کی ہدایت و نظم کے لئے من جانب اللہ آسمان سے زمین پر بھیجے گئے اور اونھوں نے خدا کی عبادت کے لئے ایک گھر بنایا۔ اور وہ گھر ایک مدت گر کر ایسا منہدم اور نیست و نابود ہو گیا کہ ایک زمانہ دراز تک کسی کو اوسکے نشان و آثار کا کوئی علم باقی نہیں رہا۔ پھر ایک عرصہ بعید کے بعد انھیں کی مبارک نسل میں ایک نبی برحق نے خداوند عالم کے حکم سے اوس معبد اعظم اور یادگار آدم کی بار ثانی تعمیر کی۔ تو یہ تمام واقعات۔ افسانجات و قیاسات اور محالات و ناممکنات کیسے سمجھے جائیں گے۔

محالات و ناممکنات کیسے۔ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ یہ امور تو روزمرہ کے حالات اور آئے گئے دن کے معاملات ہیں۔ جو ہر شخص کے شبانہ روز کے مشاہدات میں داخل ہیں۔ تمام شہروں قصبوں اور دیہاتوں میں عموماً یہ دستور قدیم سے چلا آتا ہے کہ پرانی عمارتوں کے افتادہ قطعات زمین کبھی پشتوں تک۔ خاندانوں کی مالی کمزوریوں اور دیگر

مجبوریوں کی وجہ سے ایسے ویران اور غیر آباد حالتوں میں پڑے رہتے ہیں کہ دیکھنے والے مشکل سے وہاں کسی مکان یا عمارت کا قیاس کرسکتے ہیں۔ پھر ایک عرصہ کے بعد اسی مقام پر ایک خوش نما عمارت اور محلسرا تیار ہوجاتی ہو تو کیا حقیقت میں وہاں موجودہ عمارت سے قبل کسی مکان کا وجود بیان کیا جانا محال اور ناممکن تسلیم کیا جاویگا۔ ہمکو انہیں مشاہدات روزمرہ کے اصول متداولہ پر عمارت مکہ مشرفہ کو حضرت آدم کے وقت بنایا جانا تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہوگا۔ ہم اس سے زیادہ اس بحث کے متعلق لکھنا پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ ہمکو اپنے موجودہ سلسلہ بیان میں خانہ کعبہ کے متعلق اس سے زیادہ تفصیلی حالات و واقعات قلمبند کرنے میں اور مخالفین اسلام کے اون اعتراضات کی تنقید و تردید کرنا ہے جو خواہ مخواہ اسکی قدامت اور عظمت سے انکار کرتے ہیں۔

ہم کو ان کے اعتراضات کی کوئی شکایت نہیں تعجب ہے اور حیرت ہے تو انکے اقرار کرنے اور پھر مکر جانے پر اور باانہمہ تمام دنیا سے اپنی کامل اور سچی تحقیق کا دعویٰ بھی۔ اوس تحقیق کی یہ حالت کہ ابھی ایک امر کی تحقیق کی اور ابھی آپ ہی اوس کی تردید پر طیار ہو بیٹھے۔

بہرحال علماء اسلام حضرت آدم اور حضرت ابراہیم کے وقت سے اسکی قدامت بتلاتے ہیں۔ آخر الذکر زمانہ پر جمہور کا اتفاق ہے۔ یہود و نصاریٰ کو اسکی قدامت و عظمت سے انکار ہے۔ عظمت و حرمت سے اونکا انکار تو ہمارے لیے قابل شکایت ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ اہل اسلام کی طرح اونکا معبد نہیں۔ پھر وہ اسکی حرمت عظمت کیلئے مجبور نہیں کئے جاسکتے۔ باقی رہا اسکی قدامت سے انکار تو یہ اونکا صریح تعصب ہے۔

ہمکو یہی سمجھ کر اپنا اطمینان کرلینا چاہیئے کہ اسلام کے معتقدات اور محرمات میں سے وہ کون سی ایسی چیز ہے جن کے ساتھ یہ مخالف اسلام فرقے اپنی حد درجہ کی نفرت اور توہین و حقارت کا اظہار نہیں کرتے۔ پھر کعبہ معظمہ کی نسبت اون کا انکار یا کسی بے ادبی کا اظہار ہمارے لئے کیوں تعجب خیز ہوگا۔ مخالفین اسلام اسکو آدم کی عمارت کہاں تک تسلیم کرینگے اسکو عمارت ابراہیمی ہی تسلیم کرنا گوارا نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی اتنی قدیم عمارت نہیں۔ مولوی شبلی صاحب سیرۃ النبی میں مارگیولیس (Marcolioth.) جرمن مستشرق کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

"اگرچہ مذہبی خیال کی وجہ سے مسلمانوں نے اپنے مذہبی مرکز کو نہایت قدیم البنا قرار دیا ہے لیکن صحیح روایات سے پتا چلتا ہے کہ مکہ کی سب سے قدیم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرف چند پشت قبل تعمیر ہوئی تھی" مولوی شبلی صاحب اس قول کی تردید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مرگولیس نے اسکے ثبوت میں اصابہ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ ہمکو اسکے صحت سے انکار نہیں ہے اصابہ میں جو تصریح ہے وہ یہ ہے کہ مکہ میں سب سے پہلی عمارت جو تعمیر ہوئی وہ سعید یا سعد بن عمر نے تعمیر کی

لیکن مارگیولوس کو یہ معلوم نہیں کہ مورخین عرب نے جا بجا یہ بھی تصریح کی ہے کہ چونکہ اہل عرب کعبہ کے مقابل یا آس پاس عمارت بنانے کو کعبہ کی بے ادبی سمجھتے تھے۔ اسلئے عمارتیں نہیں بنوائیں۔ بلکہ خیموں اور شامیانوں میں رہتے تھے۔ اور اسی طرح ہمیشہ سے خیموں کا ایک وسیع شہر تھا۔

سیرۃ النبی صلعم ج ۱ ص ۱۱۱

شبلی صاحب سے مجھ کو پورا اتفاق ہے۔ صاحب اصابہ کا لکھنا ہی صحیح ہے۔ مگر مارگیولوس کو نہ اسلام کی مذہبی تہذیب اور نہ اوسکے دینی آداب کی کوئی اطلاع ہے اور نہ وہ اسکے تعظیم شعائر اللہ کی اہمیت سے واقف ہے۔ اسلئے اصابہ کی تحریر بطور ظاہر اپنے مدعا کے مطابق پاکر اوس نے آنکھ بند کر کے نقل کر دی۔ نہ وہ واقع کی اصلیت تک پہونچ سکا اور نہ صاحب اصابہ کے مدعا سے حقیقت کو سمجھ سکا۔

مخالفین کا یہ اعتراض اور دعوی کہ شہر مکہ اور عمارات کعبہ کی قدامت کا دعوی مسلمانوں کا خاص دعوی ہے قدیم اخبار و اسفار سے اسکا سراغ نہیں ملتا۔ اونکا انکار بعد الاعتراف ہے۔ باوجود اتنی کامل اور وسیع تحقیق کے بھی محققین یورپ کے واقعات سے اتنی کوتہ نظری اور بے خبری پر سخت تعجب ہوتا ہے اور بڑی عبرت آتی ہے لیکن اس پر بھی ہم کہنے کو تیار ہیں کہ نہ وہ کوتہ نظر ہیں اور نہ لاعلم و بے خبر۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے علمائے متقدمین کی تحریر اور اون کی تقلید کی قدیم لکیر کو پیٹ رہے ہیں۔ اور تقلید اسلاف کے اسی غلط اور کورانہ طریقہ نے اون کی چشم حقیقت کو کوتاہ کر دیا ہے۔

ان کا پہلا اعتراض کہ کعبہ کی قدامت کا مسئلہ مسلمانوں کی خاص ایجاد ہے کبھی صحیح ثابت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تمہاری ہی کتب مقدسہ اور اخبار و اسفار قدیمہ سے اسکا وجود پورے طور سے ثابت ہوتا ہے۔ اہل اسلام اس معبد الہی کی اولیت اور صداقت کے اس بنا پر مدعی ہیں کہ قرآن مجید میں حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اسکے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

اول بیت وضع للناس ببکۃ مبارکا وھدی للعٰلمین۔	یہ پہلا گھر ہے جو آدمیوں کے لئے عبادت خدا اور ہدایت عالمین کی غرض سے مکہ مبارکہ میں بنایا گیا۔

اب یہ تحقیق کرنا ہے کہ شہر بکہ (مکہ) کا وجود قرآن کے سوا اور دیگر کتب قدیمہ میں بھی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کتب قدیمہ پر ایمان رکھنے والوں کو اس شہر مبارک کی قدامت کا ضرور قائل ہونا پڑیگا۔ اور قرآن مجید کی یہ عبارت اون کی کتابوں کی بشارت سے بالکل مطابق ہو جائے گی۔ اس مدعا کی تحقیق اور اس دعوی کی تصدیق میں ہم مولوی شبلی کی سیرۃ النبی سے ذیل کے ثبوت نقل کرتے ہیں۔

کتاب زبور باب ۸۴ آیت ۶ میں ہے کہ۔ وہ بکہ کے وادی میں گذرتے ہوئے۔ اوسے ایک کنواں

بتاتے۔ برکتوں سے مورۃ کو ڈھک لیتے۔ قوت سے قوت تک ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔

اس عبارت میں جو بکہ کا لفظ آیا ہے وہی مکہ معظمہ ہے۔ لیکن اگر اس لفظ کو اسم علم کے بجائے اسم مشتق قرار دیں تو اسکے معنی رونے کے ہونگے۔ اور یہ وہی لفظ عربی بکا ہے جس کے معنی رونے کے ہیں چونکہ یہود و نصاریٰ ہمیشہ مکہ کی وقعت مٹانے کے درپے رہتے آئے اسلئے اون کے مترجمین نے عبارت مذکورہ میں (رفاعسکر) بکہ کا ترجمہ رونا کر دیا ہے۔ لیکن ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ اس حالت میں وادی بکا کے کیا معنی ہوں گے؟

زبور کی عبارت مذکورہ میں اوپر کی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی تشبیہ میں حضرت داؤد نے مکہ معظمہ اور مروہ اور قربانگاہ اسمعیل کی نسبت اپنا شوق اور حسرت ظاہر کی ہے۔ حضرت داؤد خدا سے کہتے ہیں اے فوجوں کے خدا۔ تیرے مسکن کس قدر دلپذیر ہیں۔ میرا نفس خدا کے گھر کا مشتاق بلکہ عاشق ہے۔ آنجناب تیری قربانگاہ۔ میرے مالک اور خدا ہیں۔ مبارک ہو اون لوگوں کو جو تیرے گھر میں ہمیشہ رہتے ہیں۔ اور تیری تسبیح پڑھتے ہیں۔ اسکے بعد مکہ والی آیتیں ہیں۔ اب غور کرو حضرت داؤد جس مقام کے پہونچنے کا شوق ظاہر کرتے ہیں وہ اوس مقام پر صادق آسکتا ہے جس میں ذیل کی باتیں پائی جاتی ہوں۔

(۱) قربانگاہ ہو (۲) حضرت داؤد کے وطن سے دور ہو کہ وہاں تک سفر کرکے جائیں (۳) وادی بکہ کہلاتا ہو۔ (۴) وہاں مقام مورۃ بھی ہو۔ ان باتوں کو پیش نظر رکھو تو قطعاً یقین ہو جائے گا۔ کہ ''بکہ'' وہی مکہ معظمہ اور ''مورۃ'' وہی ''مروہ'' ہے۔ اسکے ساتھ یہ بھی اندازہ ہو جائیگا کہ یہودی کس طرح الفاظ کو ادل بدل کر دیتے ہیں یحرفون الکلم عن مواضعہ۔ ڈاکٹر ہسٹنگس (Dr Hastings) نے ڈکشنری آف دی بائبل (Dictionary of the Bibles) میں وادی بکا پر جو آرٹیکل (Article) لکھا ہے اوس کا خلاصہ یہ ہے۔

اس لفظ سے اگر واقعی وادی مراد ہے تو وہ حسب ذیل ہو سکتی ہے۔

(۱) ایک وادی ہے جس سے ہوکر زائرین بیت المقدس جاتے ہیں۔

(۲) وادی اکور ہے۔ جو یشوعا باب ۷۔ آیات ۲۴-۲۶ وغیرہ میں مذکور ہے۔

(۳) وادی رفائیم ہے۔ جو سموئیل دوم۔ باب ۵۔ آیات ۱۸-۲۲ وغیرہ میں مذکور ہے۔

(۴) کوہ سینا کی ایک وادی ہے۔

(۵) بیت المقدس تک جو کاروانی راستہ شمال سے آتا ہے۔ اس راستہ کی آخری منزل ہے۔

(دیکھو رینان (Reynon) کی کتاب حیات عیسیٰ باب ۱۴)

لیکن عجیب بات ہے۔ ڈاکٹر ہسٹنگس کو اتنے احتمالات کثیرہ میں کہیں مکہ معظمہ کا پتا نہیں لگتا۔

مصرع۔ بہاں ورق کہ سیہ گشتہ مدعا اینجاست۔

حیرت بر حیرت تو یہ ہے کہ جن جن وادیوں کے نام لئے ہیں اون میں ایک کو بھی بکّا کے لفظ سے کسی قسم کی مناسبت نہیں۔ یہاں تک کہ ایک حرف بھی مشترک نہیں۔ بخلاف اسکے بکّا اور بکّہ۔ بالکل ایک لفظ ہیں۔ فرق اسی قدر ہے کہ جس قدر ایک ہی لفظ کے تلفظ میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔

جدید انسائیکلوپیڈیا (NEW ENCYCLOPIDCA) میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عنوان سے جو مضمون ہے وہ مرگیولوس کا لکھا ہے۔ اوس میں مکہ معظمہ کی نسبت تحریر ہے۔

قدیم تاریخوں میں اس شہر کا نام نہیں ملتا بجز اسکے کہ زبور (۸۴۔۶) میں وادی بکّہ کا لفظ مذکور ہے۔

لیکن مارگیولوس صاحب اس تاریخی شہادت کو ضعیف سمجھتے ہیں۔

پروفیسر ڈوزی (PROFESSOR DOZIE) جو فرانس کا مشہور محقق اور عربی داں عالم ہے۔ لکھتا ہے کہ

بکّہ وہی مقام ہے جس کو یونانی جغرافیہ داں ماکروبہ کہتے ہیں۔

لیکن کارلائل صاحب (CARALAYALS) نے اپنی کتاب ہیروز اینڈ ہیروز ورشپ (HEROES AND HEROES WORSHIP) میں لکھا ہے کہ

رومن مورخ سیسلس نے کعبہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ دنیا کے تمام معبدوں سے قدیم اور اشرف ہے۔ اور یہ ولادت مسیح سے پچاس برس پہلے کا ذکر ہے اگر کعبہ حضرت عیسیٰ سے بہت پہلے موجود تھا تو مکہ بھی قریباً اوسی زمانہ کا ہوگا۔ کیونکہ جہاں کہیں کوئی مشہور معبد ہوتا ہے اوسی کے آس پاس ضرور کوئی نہ کوئی شہر یا گاؤں آباد ہو جاتا ہے۔ (ملخص از سیرۃ النبی ج ا ص ۱۱۲۔۱۱۰)

اس عیسائی محقق (کارلائل) نے تو صاف صاف لفظوں میں کعبہ مشرفہ کی قدامت اور شرافت بالتصریح والترجیح کا اظہار و اقرار کر دیا۔ اگرچہ اس سے پہلے پروفیسر ڈوزی اور کسیقدر مارگیولوس نے بھی اسکا اقرار کیا تھا۔ وہ بزبان دیگران کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسلئے اوسکو قطعی اور واقعی نہیں کہہ سکتے تھے۔ کارلائل نے سائیلس کے ایسے قدیم مورخ کے مختار تحقیق سے یہود و نصاریٰ کے اتنے قدیم استخفاف حقیقت کا پورا انکشاف کر دیا۔ اور بتلا دیا کہ مستشرقین یورپ کا یہ استخفاف۔ اور انکار بعد الاعتراف کسقدر مضحکہ خیز اور شرمناک ہے۔ سقف کعبہ اور غلاف کعبہ اس مضمون کی نسبت ہم اس سے زیادہ تفصیل کو مناسب نہیں سمجھتے اور

کعبہ مشرفہ کے دوسرے حالات وواقعات کی تصریح وبیان کو آغاز کرتے ہیں ہم اس معبد مقدس اور عتبہ مشرفہ کے تعمیر ہونے کے تمام وکمال حالات اوپر لکھ آئے ہیں۔ اون کے یہاں اعادہ یا اضافہ کی ضرورت نہیں ہے مورخین ومحدثین اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے سعد ابن تبع حمیری۔ بادشاہ یمن نے عمارت کعبہ پر غلاف چڑہایا اور قصی ابن کلاب نے اسکو مسقف اور مقفل کردیا۔ قدیم محققین ومحدثین کے علاوہ حال کے مورخین کا بھی یہی مختار ہے۔ لیکن علماے اہلبیت علیہم السلام کے اخبار سے ثابت ہوتا ہے کہ کعبہ کی عمارت حضرت اسمعیل ہی کے زمانہ میں مسقف ہوگئی تھی اور اوس پر غلاف بھی چڑہا دیا گیا تھا۔ اور جس عقیدتمند اور اخلاص شعار خاتون معظمہ نے تعظیم شعائر اللہ کی یہ اول اول رسم ایجاد کی اور پوشش کعبہ نذر کی وہ جناب اسماعیل کی زوجہ مطہرہ تھیں۔ حیات القلوب کی مفصلہ ذیل عبارت سے اسکے پورے حالات محقق ہوتے ہیں

آن زن عاقلہ با اسمٰعیل گفت کہ آیا براے این دو در دو پردہ بیاویزیم یکے ازاینجانب ویکے ازانجانب گفت بلے۔ دو پردہ ساختند کہ طول آن دوازدہ ذراع بود وبران درہا آویختند پس آن زن را خوش آمد آن پردہ ہا وگفت آیا براے کعبہ جامہ بیافم کہ ہمہ کعبہ را بپوشانم کہ این سنگہا بدنما است اسمٰعیل ع گفت بلے پس بسرعت متوجہ کار شد وپشم فرستاد میان قبیلۂ خود (یعنی جرہم) کہ آنہارا براے او برشتند وازان روز این سنت درمیان زنان بہم رسید کہ از یک دیگر مدد مطلبند دریں باب پس بسرعت میکردند یاری از قبیلہ وخویشان خود مے طلبید واز ہر طرفے کہ فارغ مے شد می آویخت۔ پس چون موسم حج رسید یکطرف ماند کہ جامہ اش تمام نشدہ بود۔ با اسمٰعیل گفت چہ کنیم اینجانب را کہ جامہ اش تمام نشدہ است پس براے آن طرف از برگ خرما جامہ ترتیب دادہ بیاویخت عرب بسیار آمدند بروجہے کہ پیشتر چنان نمی آمدند وامرے چند مشاہدہ کردند کہ ایشان را خوش آمد پس گفتند

زوجہ حضرت اسماعیل نے کہا کہ کعبہ کے دروازے کے دونوں جانب ہم دو پردے لٹکا دیں۔ اسماعیل نے کہا ہاں لٹکا دئے جائیں۔ دو پردہ بارہ گز لمبے بنائے گئے اور لٹکائے گئے۔ زوجہ اسمٰعیل کو یہ آرایشی پردے بہت خوش نما معلوم ہوئے تو پھر اسمٰعیل سے پوچھا کہ اگر آپ کہیں تو پورے خانہ کعبہ کے لئے ہم ایک کپڑا یا پوشش بنکر طیار کردیں کہ یہ پتھر جو بدنما معلوم ہوتے ہیں۔ چھپ جائیں حضرت اسمٰعیل نے اجازت دیدی۔ وہ خاتون اوسی وقت سے بعجلت تمام اسکی طرف متوجہ ہوئیں اور بہت سا اون لیکر اپنے قبیلہ میں بھیجا کہ اسکو کات کر جلد بھیدیں اوسی وقت سے غلاف کعبہ کے لئے عورتوں میں اون کاتنے کا رواج ہوا۔ اس کام میں ان معظمہ نے بہت جلدی کی اور آپ اور اپنے عزیز واقارب سے اس میں مدد لی۔ اور جس سمت کا غلاف یا پوشش تیار ہوجاتی تھی وہ اوس سمت کی دیوار پر چڑہادی جاتی تھی۔ ہر طرف کا غلاف تیار ہوکر چڑھ گیا۔ صرف ایکطرف کا رہ گیا۔ اور حج کا موسم آگیا۔ تب انہوں نے اسمٰعیل سے پوچھا کہ اب کیا کیا جائے۔ ایک طرف کی پوشش تیار

سزاوار نیست کہ برائے عمارت کنندۂ ایں خانہ ہدیہ
بیاوریم۔ پس ازاں روز ہدیہ برائے خانہ کعبہ مقرر شد
پس ہر قبیلہ از قبیلہاے عرب ہدیہ برائے خانہ کعبہ
آوردند از زر و چیزہاے دیگر تا آنکہ مال بسیار جمع شد
پس آں لیف خرما را برداشتند و خانہ کعبہ را اتمام کردند
و در دور کعبہ آویختند و کعبہ سقف نداشت۔ اسماعیل
ستونہا گذاشت۔ مانند ایں ستونہا کہ می بینید از چوب
سقف آنرا بچوبہا و جریدہا راست کرد و گل برآں مالید
پس چوں سال دیگر عرب آمدند و داخل کعبہ شدند۔
دیدند کہ عمارت کعبہ زیادہ شدہ است گفتند سزاوار
است کہ برائے عمارت کنندہ ہدیہ را زیادہ کنیم پس
سال آئندہ ہدیہ بسیار آوردند و اسمعیل ندانست کہ
آں ہدی را چہ کنند۔ پس حق تعالیٰ باو وحی نمود کہ بکش
اینہا را و طعام کن حاجیاں را۔
(حیات القلوب ملا مجلسی جلد اول ۱۴۱ لکھنؤ)

نہیں اور حج کے دن آگئے۔ اس لئے خرمے کی چھال سے اس
طرف کی پوشش مرتب کر دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس
سال ہر برس سے زیادہ عرب حج کعبہ بجا لانے کی غرض سے
آئے اور پوشش کعبہ کی دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ آپس
میں ملکر کہنے لگے کہ اسکے بنوانے کیلئے ہم لوگوں کو ہدئے
لانے چاہئیں اوسی زمانہ سے خانہ کعبہ کے واسطے ہدیہ لانے
کا دستور قائم ہوا۔ یہ ہدیہ نقد و جنس سب اقسام کے ہوتے
تھے۔ یہاں تک کہ بہت سا مال اس رقم میں جمع ہو گیا۔ وہ
لیف خرما کا غلاف اوتار دیا گیا اور پوشش کعبہ اونی کپڑے
کی مرتب کر دی گئی۔ اسوقت تک کعبہ کی چھت نہیں تھی حضرت
اسمعیل نے ستون کھڑے کئے اور انپر شہتیر اور کنڈیاں رکھیں
اور اون پر مٹی ڈال دی۔ آئندہ سال جب عرب آئے اور
خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو دیکھا عمارت میں نمایاں اضافہ
ہوا ہے۔ سب ملکر کہنے لگے کہ ہم لوگوں کو اس عمارت کے
تعمیر کنندہ کے لئے پہلے سے بھی زیادہ ہدئے لانے چاہئیں
دوسرے سال وہ لوگ بہت زیادہ ہدئے (جانور ذبیحے) لائے
حضرت اسمعیل نہیں جانتے تھے کہ اونھیں کیا کیا جائے خداوند عالم نے اونکو بذریعہ وحی یہ حکم دیا کہ ان سب کو ذبح کر کے حاجیوں
کی ضیافت کر دو۔ (یہی رفادہ ہے)

مندرجہ بالا عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت اسمعیل کی زوجہ مطہرہ نے آپ کی استرضا و استمزاج
سے پوشش کعبہ ایجاد کی اور اسکے نذر کئے جانے کی ابتدا فرمائی۔ اسی طرح جناب اسمعیل نے خانہ کعبہ کی عمارت
کو اپنے دست مبارک سے اپنے ہی وقت میں مسقف فرما دیا ہے۔ اس بنا پر جیسا کہ اقوال و ارشاد ائمہ طاہرین
سلام اللہ علیہم اجمعین سے مستفاد ہوتا ہے بیت اللہ زاد اللہ شرفہا کی یہ ضرورتیں اوسی وقت پوری ہو چکی تھیں
اور اس کی اولیت اور ایجاد بھی۔ اوسوقت کے موجودہ اہلبیت علیہم السلام سے آغاز ہوئی تھی۔ اور نہ کسی دوسرے
لوگوں سے۔ بالکل ممکن اور قریب العقل ہے کہ قصی نے اپنے وقت میں بار دیگر اسکی چھت بنوائی ہو اور اسیطرح
سعد ابن تبع حمیری نے اسکے بعد خواب دیکھا ہو اور اوس کی تعمیل میں پردہ کعبہ نذر چڑھایا ہو۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ اگر سعد ابن تبع کا زمانہ حضرت اسمٰعیل سے قبل تھا تو البتہ سعد کے اول غلاف چڑہانے والا واقعہ ہونے میں کوئی تامل نہوگا۔ اور اگر مابعد ہے تو قرینہ غالب یہ ہے کہ سعد نے حضرت اسمٰعیل کے بعد یہ خدمت ادا کی ہو۔

سلسلہ سلاطین حمیریہ کی تفصیل جو ہم نے تاریخ ابو الفدا اور دیگر عربی ماخذوں سے آغاز کتاب میں لکھی ہے۔ اوسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سعد ابن تبع کا زمانہ حضرت اسمٰعیل سے بہت پیچھے ہے۔ حضرت اسمٰعیل کیا وہ تو ملکہ بلقیس سے بھی کئی پشتوں بعد کا آدمی سلسلۂ حمیری میں ثابت ہوتا ہے۔ اور حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام سبا اکبر عبد الشمس اول کے زمانہ کے بزرگوار ہیں۔ جو تمام قبائل و ملوک یمن کا جد القبیلہ اور سلاطین حمیری کا مورث اعلی پایا جاتا ہے۔ اس اعتبار و شمار سے حضرت اسمٰعیل کے متعلق اس خدمت کی شہادت موجود ہوتے ہوئے اس کی ایجاد اور اولیت کو کثیر التعداد پشتوں کے بعد ایک محض غیر تعلق اور بیواسطہ شخص کیطرف منسوب کرنا سیاق تحقیق اور معیار تصدیق کے بالکل خلاف ہے۔

اسی طرح عمارت کعبہ کے مسقف کئے جانے کے واقعات کو بھی سمجھنا چاہیئے۔ ممکن ہے کہ حضرت اسمٰعیل کے بعد قصی ابن کلاب نے اسکی بار دیگر چھت بنوائی ہو اور کامل مرمت کرائی ہو۔ اسی طرح مرقومہ بالا روایت سے نذر و ہدی کے مراسم کی اولیت بھی حضرت اسمٰعیل ہی زمانہ سے معلوم ہوتی ہے۔ سرسید نے کعبہ کے حال میں اتنا تسلیم کیا ہے کہ تعمیر ہی کے وقت سے کچھہ نذر و نیاز کعبہ پر چڑہائے جانے کی خدمت شروع ہوگئی تھی۔ اون کی عبارت یہ ہے۔

> اس چار دیواری کے اندر ایک کنواں کھودا تھا جسکو خزانہ کعبہ کہتے تھے اور جو کچھہ نذر و نیاز کعبہ میں میں آتی تھی وہ اوسی میں رکھ دیتے تھے۔ تاکہ چوری سے محفوظ رہے۔

سید صاحب پر موقوف نہیں۔ نذر و ہدی اور اطعام حجاج کعبہ کے عادات کی ایجاد ابراہیمی ہونے پر جمہور کا اتفاق ہے اور ویسا ہی مندرجہ بالا روایات اہل بیت سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ جو کچھہ اختلاف ہے وہ حضرت اسمٰعیل کے وقت میں خانہ کعبہ کے مسقف کئے جانے اور اسپر غلاف و پوشش چڑہائے جانیکی ایجاد و اولیت کی نسبت سرسید نے عمارت کعبہ کے ذکر میں ایک نظری نقشہ بناکر عمارت ابراہیمی اور موجودہ عمارت کے فرق مابہ الامتیاز کو اپنی مندرجہ ذیل عبارت کیساتھ دکھلایا ہے۔ ہم نقشہ اور عبارت کو بجنسہ و بلفظہ نقل کرتے ہیں۔
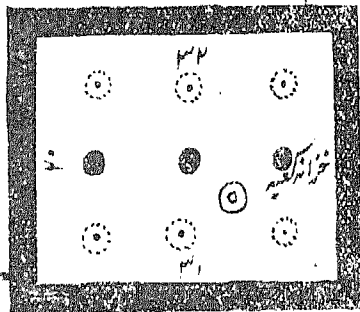
نوٹ ۔ خطوط سیاہ کے تمام علامات عمارت ابراہیمی ہے اور نقطہ دار نشانات اضافات قریش اور موجودہ ہئیت عمارت کو بتلاتے ہیں۔ بائیں طرف جو حصہ نقطوں سے گھرا ہوا ہے حضرت ابراہیم کے وقت میں وہ بھی کعبہ میں داخل تھا۔ قریش نے تعمیر کے وقت اوس قدر چھوڑ دیا تھا کعبہ کے اندر جو نقطہ دار نشان ہیں وہ اون ستونوں کے ہیں جو قریش نے بنا لئے تھے۔ وہ اب نہیں ہیں بعوض اوسکے عبداللہ ابن زبیر نے تین ستون بنائے ہیں جن کے سیاہ نشان بیچ میں ہیں۔

سید صاحب کی عبارت متعلقہ کعبہ جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے یہ ہے۔

تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اوس زمانہ میں دیواریں ہی دیواریں تھیں چھت نہیں تھی اور دروازہ زمین سے ملا ہوا تھا اور اوسمیں نہ کواڑ چڑھے تھے اور نہ کنڈی لگی تھی۔ اور بلاشبہ اوس زمانہ کی حالت ایسی ہی تھی کہ اس سے زیادہ تعمیر مکان میں گو وہ خدا ہی کا گھر بنایا گیا ہو کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ خطبات ۵۱۹

بہرحال سید صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ تعمیر ابراہیمی اور تعمیر قریش کے درمیان جس سے تمامتر تعمیر قصی ابن کلاب مراد ہے اور کوئی دوسری تعمیر نہیں ہوئی۔ سید صاحب پر منحصر نہیں۔ اکثر اسلامی مورخین کو بھی شبہ ہوا ہے حالانکہ ان دونوں تعمیرات کے درمیان دو اور تعمیروں کا ذکر اکثر تاریخوں میں موجود ہے لطف یہ ہے کہ سید صاحب نے خود ان دونوں تعمیروں کا ذکر علامہ عبدالرزاق کی تاریخ مکہ سے لکھا ہے جسکا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

ایک فرانسیسی مورخ نے اپنی کتاب متعلق احوال مکہ میں حضرت علیؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ پہلے بنی جرہم نے اور اوسکے بعد عمالیق (عمالیق ثانی) نے کعبہ کی تعمیر کی خطبات ۵۲۳

مرحوم سید صاحب کی عادت تھی خواہ مخواہ یوروپین ماخذوں کے حوالہ دینے کی۔ حالانکہ بنی جرہم اور عمالیق دونوں کی تعمیرات کا ذکر عام طور سے عربی کی تمام تاریخوں میں موجود ہے۔ اور خود آپ ہی نے تاریخ مکہ کے حوالہ سے خطبات میں درج فرمایا ہے دونوں تعمیرات کے متعلق آپکی بلفظہ عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

قالوا و توفے اسمٰعیل و دفن فی الحجر کانت امہ قد دفنت فی الحجر ایضا و ترک ولد اسمٰعیل من رعلہ ابنۃ مضاض لما ولد اسمٰعیل وکلفھم لانھم بنوا ابنتہ فلم یزل امر جرھم یعظم بمکۃ ویستفحل حتی ولوا البیت وکانوا ولاتہ لاحکام بمکۃ فجاء سیل فدخل البیت فانھدم فاعادتہ جرھم علی بناء ابراھیم وکان

کعبہ کی تعمیر کے بعد حضرت اسمٰعیل اوسکے محافظ رہے جب انکا انتقال ہوا تو بنی جرہم کو اسمیں مداخلت ہوئی کیونکہ وہ انکے قریبی رشتہ دار تھے اور بنی اسمٰعیل کے خیرخواہ و محافظ تھے۔ مضاض ابن عمرو جرہمی جو نانا اسمٰعیل کے بیٹوں کے تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ میں سب اختیار رکھے بنی جرہم کے اختیار کے زمانہ میں پہاڑی نالہ آیا اور کعبہ میں پانی چڑھ گیا اور کعبہ ڈھہ گیا۔ جس کو بنی جرہم نے انہیں بنیادوں پر جو ابراہیم

طوله في السماء تسعة اذرع (از کتاب اخبار مکۃ صفحہ ۴۸)

نے بنائی تھیں اور اوسی صورت پر پھر بنایا۔ اوسکی بلندی زمین سے نو ذرعہ تھی۔ (کتاب اخبار مکہ ص ۴۸)

(منقول از خطبات احمدیہ ص ۵۲۱)

سید صاحب تاریخ مکہ مندرجہ بالا اقتباس کو لکھکر تحریر فرماتے ہیں کہ ہمکو کسی تاریخ سے اس تعمیر کا زمانہ نہیں معلوم ہوا اور اسی سبب سے ہم کوئی زمانہ اسکی تعمیر کا قرار نہیں دے سکتے۔

سید صاحب کے ایسے کامل محقق سے ایسا عاجزانہ عذر کتنا تعجب انگیز ہے۔ اسکے ایسے لامعلوم الایام اور غیر معلوم الوقت واقعات کے صحیح ایام وقوع تو اسی خطبات میں آپ نے مختلف قرائن و دلائل عقلیہ سے معلوم کرکے لکھ دیئے ہیں اور حقیقتاً وہ قابل قبول بھی ثابت ہوتے ہیں مگر اس ایک واقعہ کی نسبت جسکا زمانہ وقوع قریب قریب بالکل معلوم ہے۔ آپ اپنا عجز اور مجبوری ظاہر فرماتے ہیں۔ علامہ ازرقی اصل عبارت میں توفی اسمعیل لکھکر اور آپ اسکے ترجمہ میں کہ حضرت اسمعیل کے بعد۔ تحریر فرما کر اسکے وقوع کا زمانہ گویا بتلا چکے اور قائم فرما چکے۔ یوں سمجھ لیا جاوے کہ اس عبارت مذکورہ بالا سے تعمیر جرہم کا زمانہ بعد وفات اسمعیل ظاہر ہوتا ہے آپ ہی کی تحریر سے اسکے سن وقوع کا بھی اندازہ ہم بتلا دیتے ہیں۔ خطبات ص ۵۶۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسمعیل سنہ ۲۰۹۴ دنیوی مطابق سنہ ۱۹۱۰ قبل مسیح کے پیدا ہوئے پھر خطبات ص ۴۲۰ میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کا ایکسو پچہتر (۱۷۵) برس کی عمر میں انتقال ہوا تھا۔ اور حضرت اسمعیل اور حضرت اسحاق دونوں نے ملکر مکپیلاہ کے غار میں دفن کیا تھا (توریت سفر تکوین باب ۲۵ آیت ۹) اسلئے حضرت اسمعیل کی عمر اوسوقت نواسی (۸۹) برس کی تھی۔ اب اسی سے حساب لگا لیا جاوے۔ اسمعیل کی عمر بالاتفاق ایک سو سینتیس (۱۳۷) برس کی بتلائی جاتی ہے۔ تو اس حساب سے سن وفات سنہ ۱۷۷۳ قبل مسیح ہوتا ہے۔ اسی کے بعد سے مکہ میں عہد جرہمی شروع ہوتا ہے۔ تو قرینہ غالب ہے کہ سولہویں صدی یا سترہویں صدی کے زمانہ میں تعمیر جرہمی عمل میں لائی گئی۔ یہ تو بالکل کھلا ہوا اور صاف حساب ہے۔ پھر سید صاحب اسکے تعلم و تعین زمانہ سے اپنی مجبوری اور عجز کیوں ظاہر فرماتے ہیں۔

یہ تو تعمیر جرہمی کی نسبت سید صاحب کے اقتباسات تھے۔ تعمیر عمالیقی کے متعلق آپ کے حسب ذیل انکشافات ہیں:—

عرب العاربہ کی دو قومیں ہیں جن کی نسل یقطان یا قحطان سے چلی ہے۔ اور تمام قبائل عرب اسی نسل میں ہیں۔ حمیری انہیں کا ایک قبیلہ ہے اور بنی حمیر میں ہی ایک قبیلہ عمالیق کے نام سے تھا جو مکہ میں بستا تھا۔ اس عمالیقی قوم نے بنی جرہم پر غلبہ پا لیا تھا۔ اور کعبہ کی مختار ہو گئی تھی۔ اُس زمانہ میں اس قوم عمالیق نے کعبہ کو پھر بنایا۔ جو غالباً پہاڑوں کے نالے چڑھ آنیسے ٹوٹ پھوٹ جاتا تھا۔

بعض مورخوں نے ان دونوں قوموں میں تمیز نہیں کی اور عرب بائدہ میں جو قوم عمالیق تھی اوسکی نسبت تعمیر کعبہ کو خیال کیا اور چونکہ وہ قوم بنی جرہم سے پہلے تھی اسلئے لکھہ دیا کہ عمالیق نے قبل بنی جرہم کے تعمیر کعبہ کی تھی۔ حالانکہ اوس زمانہ میں نہ ابراہیم تھے نہ کعبہ تھا۔

اسکے بعد سید صاحب عمالیق ثانی کی تعمیر کا واقعہ ایک فرانسیسی مورخ کی کتاب سے حضرت علی کی زبانی لکھکر جیسا کہ ہم اوپر لکھہ آئے ہیں۔ اپنا یہ مختار قائم فرماتے ہیں۔

عمالیق ثانی کی تعمیر کا زمانہ بھی نہیں معلوم ہوسکتا لیکن اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ سنہ عیسوی سے ایک صدی پیشتر وہ لوگ مکہ پر قابض ہوگئے تھے اسلئے کہ جذیمہ بادشاہ دوم خاندان حیرہ کی ایک نہایت سخت لڑائی عمالیق سے ہوئی تھی جسمیں عمالیق نے شکست فاش کھائی تھی اور یہ واقعہ سنہ عیسوی سے تخمیناً سو برس پیشتر ہوا تھا۔

بہرحال ہمکو تعمیر عمالیق سے کوئی بحث نہیں ہے۔ ہمکو تو تعمیر جرہمی سے علاقہ ہے اور وہی ہمارا موضوع بحث ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جس طرح غلاف کعبہ کے متعلق اسکی ایجاد و اولیت کا شبہ سعد ابن تبع حمیری کیطرف ہوا ہے۔ حالانکہ روایت مندرجہ بالا اور دیگر قرائن و دلائل قویہ سے اوس کی اولیت حضرت اسماعیل کی زوجہ مطہرہ کی نسبت ثابت کی گئی۔ جو جرہمی الاصل تھیں۔ اوسی طرح ہمارے قدیم مورخین کو سقف کعبہ کی اولیت کی اصل حقیقت نہیں معلوم ہوسکی اور اونھوں نے قصی بن کلاب کو جو بقول سر سید جناب ختمی مرتبت علیہ السلام والتحیۃ سے کل دو سو برس پہلے تھے کعبہ کا پہلے پہل مسقف اور دیگر مراسم و مناسک حج وغیرہ کا مقرر کرنیوالا بتلایا ہے۔ حالانکہ وہی حضرات۔ باستثنائے سقف کعبہ۔ نذر۔ ہدی اور رفادہ وغیرہ خدمات کعبہ کو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے زمانہ کے مرسوم و دستور لکھتے اور بتلاتے آتے ہیں جیسا کہ ہم اوپر دکھلا آئے ہیں۔ اس بنا پر یہ کہنا اور تسلیم کرلینا کتنا قریب العقل بلکہ صحیح ہوجائیگا کہ اس واقعہ میں بھی اصل حقیقت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے متقدمین نے سقف اسمٰعیلی کے جزوی حالات تعمیر جرہمی کے واقعات کلی کے ساتھ ضم کرکے دونوں کو ایک سمجھ لیا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ سقف کعبہ پر کیا منحصر ہے پوری عمارت کعبہ سیلاب آب کے باعث سے جرہمیوں کے عہد میں گرگئی ہو۔ جیسا کہ تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے۔ بنی جرہم نے پھر از سر نو اوسکو مع سقف کے اوٹھایا ہو۔

سید صاحب کا یہ بیان کہ چار دیواری کے اندر ایک گڈھا اس غرض سے کھودا تھا اور اوسمیں نذر کعبہ کے رقوم اس لحاظ سے رکھے جاتے تھے کہ چوری سے محفوظ رہیں۔ صاف صاف اوس عمارت کے مسقف کرنے کی ضرورت کو بتلا رہا ہے۔ ورنہ محض چار دیواری کھڑی کرکے۔ مالی رقوم کو اگرچہ ایک گڈھے ہی میں کیوں نہو۔

چھوڑ دینا اور پھر اوس کے چوری سے محفوظ رہنے کا خیال بھی ساتھ ساتھ رکھنا ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ اور نہ کوئی عقل والا اسے قبول کر سکتا ہے۔ یہ قرینہ بتلا رہا ہے کہ وہ عمارت اوسی وقت یا اسکے بہت بہت قریب زمانہ میں چھت پاٹ کر محفوظ کر دیگئی ہوگی۔

اب رہا سید صاحب کا یہ عذر کہ اوسوقت کا موجودہ تمدن ایسا ہی تھا جیسا کہ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اوس زمانہ میں دیواریں دیواریں تھیں۔ چھت نہیں تھی۔ دروازہ زمین سے ملا ہوا تھا۔ اسمیں کواڑ چڑھے تھے نہ کنڈی لگی تھی۔ اور بلا شبہ اوس زمانہ کی حالت ہی ایسی تھی کہ اس سے زیادہ تعمیر مکان میں۔ گو وہ خدا ہی کیلئے گھر بنایا گیا ہو۔ اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا"۔ بالکل خلاف واقع ہے۔ اوسوقت عرب کا تمدن یقینی اس سے کہیں زیادہ تھا۔ ہم اوسوقت کے تمدن کو پوری تفصیل سے سید صاحب کے ہمعصر و ہمنوا شبلی صاحب کے ایسی اعتراض کے متعلق اوپر لکھ آئے ہیں جس سے پوری طور پر ثابت کر دیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کے زمانہ میں خصوصاً حجاز کے اہل عرب کا تمدن۔ اگرچہ مین کے تمدن کے برابر نہیں تھا تاہم وہ اتنا پیچھے اور خراب حالت میں بھی نہیں تھا۔ جیسا کہ ان حضرات نے صرف اپنے قیاس کی بنا پر خیال کر لیا ہے۔ حالانکہ یوروپین محققین جو انکی تحقیقات کے سرمایۂ ناز ہیں۔ ان کے خلاف اوسوقت میں عربوں کے متمدن قوم ہونے کا اعتراف ظاہر کرتے ہیں (دیکھو تمدن عرب)

ان دلائل و قرائن کے علاوہ اگر زمانہ کے اعتبار سے بھی اسکی اولیت پر غور کیا جاوے تاہم یہ واقعہ صحیح اور بر واقع مانا جاتا ہے۔ تمام تاریخوں کا اسپر اتفاق ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیمؑ کا سن سو برس کا تھا۔ مسعودی نے حضرت ابراہیمؑ کا سن وفات کے وقت ایکسو پچھتر (۱۷۵) برس کا بتلایا ہے۔ تعمیر کعبہ کے وقت حضرت اسماعیل کی عمر وہ تیس برس کی بتلاتے ہیں وفات ابراہیمی کے وقت اونکا سن (۸۹) نواسی برس کا کہتے ہیں اور مجموعی عمر آپکی بالاتفاق ایکسو پچاس (۱۵۰) برس کی بتلائی جاتی ہے۔ (طبقات ابن سعد۔ طبری۔ ابن اثیر) اس حساب سے حضرت اسمٰعیل اپنے والد ماجد کے بعد ساٹھ برس تک زندہ رہتے۔ اس بنا پر ہر شخص باسانی سمجھ لیگا کہ اگرچہ حضرت ابراہیمؑ کے وقت میں عمارت کعبہ مسقف نہیں ہوئی تھی تو جناب اسمٰعیل کے شصت سالہ مدت میں جیسا کہ روایت مندرجہ سے مستفاد ہوتا ہے۔ اوسکو مسقف کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور آپ نے اپنے زمانہ میں عمارت کی موجودہ ضرورت کو کامل فرما دیا۔

یہ تمام واقعات۔ یہ تمام قرائن اور یہ تمام دلائل۔ جو اوپر لکھے گئے ہیں۔ مرقومہ بالا روایت کی کامل تصدیق و توثیق کرتے ہیں اور صاف صاف بتلاتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل کے زمانہ میں کعبہ کا مسقف کر دیا جانا کبھی خلاف واقع اور بلا سند نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ جب اس روایت کی دیگر خدمات کعبہ کی تفصیل قدیم اور جدید

محققین اوسی زمانہ کی ایجاد تسلیم کر رہے ہیں۔

اب رہا یہ شبہ اور اوسکا جواب کہ قدیم محدثین و مورخین عرب نے اس روایت کو کیوں نظر انداز کیا۔ تو اسکا نہایت واضح اور صاف صاف باعث اصلی یہی ہے کہ اس روایت کے رُواۃ اور اس کے تمام ماخذوں پر شروع ہی سے اہل اسلام نے نہ اعتبار رکھا اور نہ کوئی علاقہ اور نہ سروکار۔ حالانکہ اھل البیت ادریٰ مافی البیت (گھر والے اپنے گھر کی اندرونی حالت جانتے ہیں) کے مسلہ کی بنا پر ان مقدسین سے زیادہ ان امور کا جاننے والا تمام ملک عرب میں اور کون ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سلسلۂ ابراہیمی اور خانوادۂ اسمٰعیلی یہی ہیں۔ یہی وہ نفوس برگزیدہ ہیں جن پر اوسوقت سے لیکر اسوقت تک اہل البیت کا الہامی اور روحانی خطاب اپنے حقیقی معنوں کے ساتھ صادق اور مطابق آتا ہے۔ جس طرح پہلے پہلے یہ خطاب خاصکر آل ابراہیم کے لئے الہام خداوندی اور احکام ایزدی کے مطابق مستعمل ہوا تھا اور اسی باہمی مشابہت و مماثلت کے ثبوت میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام اہل اسلام کو تعلیم درود کی ترکیب میں یہ کلمات تلقین فرمائے تھے۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ وَسَلَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

تولیت خانہ کعبہ

خانہ کعبہ زاد اللہ شرفہا کے متعلق مندرجہ بالا خدمات کے علاوہ ایک مہتم بالشان اور عظیم المراتب خدمت اس معبد مقدسہ اور عتبہ مطہرہ کی تولیت تھی۔ اور یہ کا جلیل القدر عہدہ اور گرانمایہ منصب منجانب اللہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم اور اون کے بعد بقاعدہ تولیت حضرت اسماعیل کو تفویض فرمایا گیا۔ اور چونکہ اس معبد مشرفہ کو خدا نے بیت (اوّل بیت وضع للنّاس) کے نام سے موسوم کیا ہے اسی رعایت سے اسکے محافظین اور متولیین کو اھل البیت کے القاب مخصوص اور خطاب منصوص سے مخاطب فرمایا۔ اور اوسوقت سے لیکر اسوقت تک ہر زمانہ اور ہر طبقہ میں ان حضرات کی تکریم عظمت اور تعظیم تسلیم کی گئی۔ اور یہ وہی وعدۂ الٰہی ہے اور بشارت خلیل اللّٰہی جو نسل حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کے متعلق خداوند عالم نے ان حضرات کی ہجرت فرمانے کے وقت حضرت ابراہیمؑ سے کیا تھا۔ اور جو متواتر مقامات پر کتب قدیمہ اور نیز قرآن مجید میں موجود ہے۔

تولیت کعبہ کا مسئلہ بہت بڑا قدیم اور عظیم مسئلہ ہے۔ جو نہ تنہا مذہب اسلام میں عظمت و احترام سے دیکھا جاتا ہے بلکہ تمام ادیان و مذاہب قدیمہ میں اسکی تکریم و تعظیم کا ہمیشہ لحاظ رکھا گیا ہے۔ تولیت کے جلیل القدر منصب کی تفویض بھی تجویز انسانی کے متعلق نہیں ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ قطعی طور پر تجویز و تدبیر مشیت ربانی پر منحصر ہے۔ جن لوگوں کو مذاہب سابقہ کے اخبار و آثار کے مطالعہ کی توفیق ہوئی ہے وہ مسئلہ تولیت کی اہمیت اور اس کی اصلی حقیقت سے خوب واقف ہیں۔

مشاہدات تاریخی اور کتب سماویہ کے متواتر اخبار و آثار صاف صاف بتلا رہے ہیں۔ کہ کعبہ مشرفہ اور اوسکے بعد کے اور عتبات مطہرہ کی تولیت اور خدمت کا عہدہ جلیلہ امم سابقہ میں بڑی عظمت و حرمت سے دیکھا جاتا تھا۔ اور ہر زمانے اور ہر امت میں اسکا تعین او تقرر منجانب اللہ ہوتا تھا۔

تولیت کعبہ کی خاص عظمت کی تفصیل سے تھوڑی دیر کے لئے قطع نظر کر کے ہم اسکے بعد والے معبد اعظم بیت المقدس اور اوسکی تولیت کے احترام و اکرام کو بیان کرتے ہیں۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ بیت المقدس کی بنا بر کعبہ ابراہیمی سے تقریباً دو ہزار برس بعد حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ نبوت و امارت میں قائم ہوئی۔ اور تکمیل تعمیرات کے وصی و وارث حضرت سلیمان علیہ السلام عہد حکومت و رسالت میں ہوگئی۔ اور پھر اوسوقت سے لیکر بخت نصر کی غارتگری کے وقت تک ہمیشہ اور برابر ایک پیغمبر دوسرے پیغمبر کے بعد تولیت بیت المقدس کے گرانمایہ منصب پر ممتاز ہوتا چلا آیا۔ اور وہی اسکا محافظ بھی تھا۔ اور وہی اسکا ملازم و خادم بھی۔ اسفار توراۃ کے مطالعہ سے حضرت عیسیٰ تک یہ سلسلہ مسلسل اور مکمل ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ولادت حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے میں حضرت زکریا کی تولیت تھی۔ وکفلہا زکریا شاہد ہے یہ ایسے واقعات مسلم ہیں اور تاریخی شاہدات محکم اور مشہور بین الجمہور کہ ان کی تصدیق و توثیق کے لئے ہمکو کسی ثبوت یا شہود پیش کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اوس زمانہ میں خانوادہ نبوت و رسالت میں ایک ایسا ستودہ صفات بزرگ اس منصب اعلیٰ کیلئے منجانب خدا انتخاب کیا جاتا تھا جو اوصاف رسالت و نبوت سے بھی آراستہ و پیراستہ ہوا کرتا تھا۔ دستور الٰہی صاف صاف بتلا رہا ہے کہ یہ منصب اور خدمت بھی جزو رسالت و امامت قرار پاجاتی ہے اور اسکے لئے مشیت ایزدی اونھیں چیدہ افراد اور برگزیدہ اشخاص کو منتخب کرتی ہے۔ جو اوسکے نزدیک اس جلیل القدر اور مہتم بالشان خدمت کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

بیت المقدس کی تولیت کی عظمت و شان کو بیان کر کے ہم جناب موسیٰ ابن عمران او راون کے وقت کے معبد قبۃ الزمان۔ اوس کی تولیت اور خدمت کے خاص احترام و اہتمام کو اپنے سلسلہ بیان میں قلمبند کرتے ہیں۔

جن لوگوں نے توریت کے کتاب الاعمال کو بالاستیعاب پڑھا ہے۔ وہ قبۃ الزمان کی حقیقت سے خوب واقف ہوں گے۔ قبۃ الزمان حضرت موسیٰ کی اوس عبادتگاہ اور قربانگاہ کا نام ہے جو آپ نے دوران سفر میں عبادت الٰہی بجالانے کیلئے بنا فرمائی تھی۔ یہ اصل میں ایک خیمہ نہایت وسیع اور تمام قوم کے خیموں سے رفیع تھا یہ ہمیشہ سفر میں ساتھ رہتا تھا۔ اور منزل پر جہاں تمام قوم کے خیمے ڈیرے کھڑے کئے جاتے تھے وہاں یہ خیمہ مقدس ایک اچھی اور پاک و پاکیزہ جگہ نصب کیا جاتا تھا۔ اس میں شریعت موسوی کی قرار داد تمام اشیاء اور سامان عبادت بڑے سلیقے اور قرینے سے رکھے جاتے تھے اور اسکی زیب زیبائش اور حسن و آرائش بھی بڑی خصوصیت

اور او ب سے کیجاتی تھی۔ اس میں سونے اور چاندی کی متعدد شمعیں۔ طلائی اور نقرئی بڑے بڑے کاسے اور طرح طرح کے خوشبودان اور دیگر قیمتی اور بیش بہا ظروف اپنے اپنے مقامات مقررہ پر سجے ہوئے تھے بنی اسرائیل کے تمام اقوام و قبائل یہیں آکر خدا کی عبادت اور اوسکے مراسم بجالایا کرتے تھے۔ چونکہ حضرت موسیٰ کو قوم عمالقہ اور قبطین سے زمانہ دراز تک جنگ کرنی پڑی اور اس ضرورت سے سالہا سال سفر میں رہنا ہوا۔ اس لئے اس عبادت گاہ کی بنا قایم کی گئی اور ایک خیمہ مراسم عبادت بجالانے کی غرض سے علیحدہ کر دیا گیا اور اسکا نام قبۃ الزمان رکھا گیا۔ اس معبد کی خدمت اور تولیت کیلئے اولاد ہارون مخصوص کر دی گئی۔ عبادت نذر اور قربانی کے تمام مراسم و ارکان کی بجاآوری اور انجام دہی خاص طور پر انہیں حضرات سے متعلق کر دی گئی۔ اور اون کی اس تخصیص میں کسی طریقہ یا ذریعہ سے کسی شائبہ تعمیم کی کوئی مداخلت جائز نہیں رکھی گئی۔ (سفر اخبار باب ۱۶)

قبۃ الزمان کے سب یا اکثر سامان عبادت اور صندوق الواح وغیرہ یہی چیزیں تھیں جو اولاد ہارون اور دیگر بنی لاویوں سے حاصل کرکے حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ نے بیت المقدس کے معبد میں سابق ترتیب اور ترکیب کے مطابق رکھیں تھیں۔

ہم نے معبد ابراہیمی کے ابعد معبدوں کی تولیت اور اونکی خصوصیت کو یہاں اس وجہ سے لکھدیا ہے کہ اس جلیل القدر منصب کا تعین انتخاب قدرت پر منحصر ہونا پہلے ہی سے یقین کر لیا جاوے۔ نہ جناب ابراہیم کی محبت اولاد پر جسکا ثبوت ذیل کے آیۂ قرآنی سے پورے طور پر ملتا ہے۔

و اذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظالمین۔	جب ابراہیم کو اونکے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا اور اون میں اونکو پورا پایا تو خدا نے فرمایا کہ ہم تمکو لوگوں کا امام بنانیوالے ہیں۔ عرض کی۔ اور میری اولاد میں سے ؟ ارشاد ہوا

(ہاں مگر) ہمارے (اس) اقرار میں وہ داخل نہیں جو برسر ناحق ہیں۔

اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ عوام الناس کو چھوڑ کر سلسلہ ابراہیمی کے خواص میں بھی علی الاکثر ایسے حضرات ہیں جن میں تولیت اور دیگر خدمت معبد الٰہی کی۔ جو اصل امامت کے فروع ہیں۔ صلاحیت اور قابلیت نہیں ہے اور اسی لئے خداوند عالم نے حضرت ابراہیم کی اس دعا و مدعا کو بطور تعمیم مستجاب نہیں فرمایا اور اوس میں تخصیص کی ترمیم کر دی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جب عام حضرات میں پیشوائی امت اور منصب امامت کی صلاحیت موجود نہوگی تو وہ عبادات الٰہی اور دیگر اوامر و مناہی دینیات کی تعلیم و تلقین کیسے پوری کر سکیں گے۔ اسمیں شک نہیں کہ حضرت ابراہیم نے اس منصب کو اپنی اولاد کے ساتھ محدود و مخصوص کرنا چاہا تھا۔ اور یہ اصول فطرت سے بالکل مطابق ہے مگر مشیت نے اس تخصیص کو بھی اون کے عام سلسلہ میں عام کر دینا مصلحت کے خلاف

پایا۔ اور اس میں بھی اپنے انتخاب و تعین کی قید لگادی۔ اور یہی اصول خانہ کعبہ کی آغاز تولیت سے لیکر ما بعد کے معبدوں کی تعین تولیت اور انتخاب امام و امامت کے متعلق مشیت الٰہی کی طرف سے ہمیشہ قایم رہے الٰہی الٰہی قبلۃ الزمان اور بیت المقدس کے خدمات کے متعلق لکھکر بتلا دیا گیا ہے کہ اس عہدۂ جلیلہ کی انجام دہی میں تعلیم و ہدایت امت بھی خاص طور پر شامل تھی اور تمام لوگوں کی عبادت، عملیات اور اوامر و مناہی کی خبرگیری داخل۔ اسلیئے اسکی ذمہ داری اور ادا کاری کی بھی اونھیں نفوس مخصوص سے خاص طور پر متعلق کیگئی۔ جو امام اور پیشوائے امت ہونے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ خانوادۂ ابراہیمی سے لیکر آل ہارون۔ آل داؤد اور آلِ عمران تک۔ اِن تمام مبارک سلسلوں میں تولیت کعبہ کی عظیم الشان خدمت اونھیں خاص بزرگواروں کے متعلق کردی گئی جو امت کے امام و پیشوا اور عوام الناس کے رہنما بننے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔

اسلام نے بھی اس منصب گرانمایہ کے حفظان مراتب کا شروع سے لحاظ رکھا۔ بلکہ اگر زیادہ تحقیق و غور سے دیکھا جاوے تو اسکی قدر و منزلت میں شریعت سابقہ سے زیادہ اضافہ کیا۔ اگرچہ ان برگزیدہ اور پسندیدہ حضرات کے ناموں میں اپنی طرف سے کوئی نوعیت اور تبدیلی نہیں کیگئی اور اہلبیت کے مبارک و مقدس القاب سے جیسا کہ زمانہ ابراہیمی میں مخاطب کیئے جاتے تھے۔ اوسی القاب خطاب ہی سے اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام نے بھی اِن حضرات کو ملقب اور مخاطب فرمایا۔ اور کتب قدیمہ کے اصول بشارت کے مطابق۔ الہام و احکام قرآنی نے بھی اِن مقدسین کے فضائل و مراتب سے تمام اہل اسلام اور کافۂ انام کو واقف و مطلع فرما کر انکی نسبت تعلیم و ارشاد ابراہیمی کو از سر نو زندہ کردیا۔ انھیں احکام ربانی کی تعمیل واجرا میں بانی اسلام علیہ السلام نے یہاں تک اصرار فرمایا کہ اِن برگزیدگان الٰہی کے ساتھ محبت و مودت رکھنے کو اپنی تبلیغ رسالت کا اجر و معاوضہ قرار فرمادیا

میں تم سے اجر تبلیغ رسالت کچھ نہیں مانگتا بجز اسکے کہ تم میرے اقربا کے ساتھ محبت رکھو۔	قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ

اللھم صل و بارک علی محمد و آل محمد کما صلیت و بارکت علی ابراھیم و آل ابراھیم انک حمید مجید۔

انہیں مشاہد تاریخی سے پورے طور پر ثابت ہوگیا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد جسطرح عہدۂ جلیلہ امامت آپ کے اہلبیت کے ساتھ مخصوص و منصوص تھا۔ اوسی طرح امامت کے متعلق تمام جزوی اور کلی خدمات بھی انہیں حضرات سے مخصوص تعلق رکھتے تھے۔ اور منصب امامت کے متعلق جیسا کہ ہم اوپر اپنے سلسلہ بیان میں ثابت کر آئے ہیں تولیت کعبہ کی خدمت بھی اسی جلیل القدر عہدہ کا جزو ضروری تھی۔ مگر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد آپ کے اہلبیت طاہرین سے جہاں تمام اختیارات و حقوق منتزع کر لئے گئے اونھیں کے ساتھ یہ حقوق اور منصب بھی ضبط ہوگئے۔ اور تخت سلطنت کے پایہ کے نیچے دبا دیئے گئے۔

حجر الاسود - اسلامی کتابوں میں صحاح وسنن سے تاریخ وسیر تک کی تمام مشہور و معروف کتابوں میں اس حجر مقدس کی قدامت اور عظمت کی نسبت انواع و اقسام کے روایات قلمبند ہیں۔ جو شاہد تاریخی میں اگر نہ داخل ہوسکیں تو عقاید اسلامی میں شامل ہونے کے تو ضرور قابل ہیں۔

مرویات اسلامی اور روایات عرب عموماً اس پتھر کا حضرت آدم کے ساتھ نزول من اللہ ہونا بتلاتے ہیں۔ جدید محققین منوھ آتے ہیں اور اسکو متقدمین کی قدامت پرستی ٹھہراتے ہیں۔ مگر مسٹر برٹن (Mr. BURTON) اپنے مشاہدات میں اتنا ضرور بتلاتے ہیں کہ اس پتھر کے اجزا معمولی حجریت سے مشابہ نہیں ہیں بلکہ اس میں شہاب ثاقب کے ایسے اجزاے ترکیبی پائے جاتے ہیں۔ برٹنس گولڈ مائن آف مدینا لندن (BURTON'S GOLD MINES) اب جدید محققین خود تصفیہ فرمالیں کہ شہاب ثاقب یا دیگر اجرام فلکی کا حرکت ثقلی کے ذریعہ سے آسمان سے زمین پر نازل ہونا ثابت ہے کہ نہیں۔

تاریخی حیثیت سے اس مقدس پتھر کی عظمت و حرمت یہانتک ثابت ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت اسی پتھر کے ذریعہ سے حضرت ابراہیم نے استادہ ہوکر کعبہ کی اونچی دیواروں کا کام پورا فرمایا تھا۔ اور اختتام تعمیر کے بعد پھر اپنے مبارک ہاتھ سے اسکو دیوار کعبہ میں نصب فرما دیا۔ اہل اسلام آجتک اسکے استیلام کو ارکان حج میں داخل سمجھتے ہیں۔ اور اسکا یہ احترام حقیقتاً اس شعر کا پورا مصداق معلوم ہوتا ہے ؎

جمال ہمنشین در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

خانہ کعبہ زاد اللہ شرفا کے تمام متعلقات کو کافی اور کامل تفصیل سے بیان کرکے ہم اپنے آیندہ سلسلہ بیان میں حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹوں کے حالات اور انکی سکونت کے مختلف مقامات کو بیان کرتے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹے

حضرت اسماعیل کے بارہ[۱۲] بیٹے اور اونکے نام یہ ہیں۔
نبایوت[۱]۔ قیدار[۲]۔ اوبئیل[۳]۔ بسام[۴]۔ مشماع[۵]۔ دوماہ[۶]۔ مسا[۷]۔ ہیما[۸]۔ یطور[۹]۔ یافیش[۱۰]۔ قیدماہ[۱۱]۔ حدر[۱۲]۔

ان میں سب سے بڑے بیٹے نبایوط اور ان سے چھوٹے قیدار تھے۔ اور یہی دونوں آیندہ تاریخ عرب میں سب سے نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہ تمام بھائی باپ کے زمانہ میں اور ایک عرصہ بعد تک حجاز ہی میں آباد رہے اور چچازاد بھائی کے بیٹوں یعنی فرزندان مدین کے ساتھ ملکر یمن و حجاز سے شام و مصر تک تجارتی قافلوں کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے اور دیگر عرب تاجروں کیطرح خوشبودار چیزوں کی تجارت کرتے تھے۔ (تکوین باب ۳۷ آیت ۲۶)

خوشبو کی چیزیں یمن سے حجاز کی راہ سے مصر و شام کو جاتی تھیں۔ شام اور یمن کے بیچ میں درمیانی منزل شہر مکہ تھا۔ اسلئے بنو اسمٰعیل تجارت میں بہت جلد فروغ حاصل کر سکے ہوں گے۔ بنو اسرائیل اسماعیلیوں کو کبھی اسماعیلی اور کبھی ماں کی نسبت سے ہاجری کہتے ہیں۔ اور توراۃ میں انہیں ناموں سے انکا ذکر ہے۔ بنو اسماعیل کا توراۃ میں سب سے پہلے حضرات ابراہیم کے پوتے یعقوبؑ کے زمانے میں (تقریباً سنہ ۱۷۰۰ ق م) تجارت کی حیثیت سے نام آیا ہے۔ حضرت یعقوب کے بیٹے حضرت یوسف کو بھائیوں نے ایک کنوئیں میں ڈالدیا تھا اتفاقاً ایک کارواں کا گذر ہوا جس نے یوسفؑ کو کنوئیں سے نکالا۔ اور مصر میں ایک امیر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ یہ کارواں اسمٰعیلی اور مدیانی تھے۔ تاریخ میں تجارت کا یہ سب سے پہلا قافلہ نظر آتا ہے۔ (تکوین باب ۳۷)

حضرت موسیٰ کے عہد میں (تقریباً سنہ ۱۵۰۰ ق م) بنی اسماعیل تمام حجاز میں یمن (حویلہ) سے شام (شور) تک پھیل گئے تھے۔ (تکوین باب ۲۵ آیت ۱۸) حضرت موسیٰ کے بعد قضاۃ بنی اسرائیل کے زمانہ میں (تقریباً سنہ ۱۳۰۰ ق م) وہ عمالیق و مدین کے پہلو بہ پہلو سیاہ سپاہ بے شمار کے ساتھ بنی اسمٰعیل پر چھاپہ مارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سات برس کامل تک متصل بنی اسرائیل اسماعیلیوں کے پنجہ میں گرفتار رہے۔ سال میں جب فصل تیار ہوتی۔ اسماعیلی برق و باد کی طرح آتے اور سب کاٹ کر لیجاتے۔ آٹھویں برس بنی اسرائیل میں جدعون نامی ایک پہلوان پیدا ہوا اوس نے اسماعیلیوں کو شکست فاش پہونچائی۔ (قضاۃ ۶-۷-۸)

اس زمانہ میں بنی اسمٰعیل کا نہایت دولتمند قوموں میں شمار تھا۔ کانوں میں مرد سونے کے زیور پہنتے تھے۔ اونٹوں کے گلے میں سونے کے قلادے ڈالتے تھے۔ اس جنگ میں بنی اسرائیل کو جو مال غنیمت ہاتھ آیا اس میں صرف کان کے زیوروں کے سونے کا وزن سترہ سو (۱۷۰۰) مثقال تھا۔ (قضاۃ باب ۸ آیت ۲۶)

شاؤل (طالوت) کے عہد میں (غالباً سنہ ۱۰۵۰ ق م) بنو اسمٰعیل حجاز سے نکلکر بادیۂ شام اور بادیۂ عراق میں پھیل گئے تھے۔ عموماً مورخین عرب کا بیان ہے کہ اور حجاز میں جب اسماعیل کی اولاد بہت زیادہ ہوگئی تو نجد و حدود عراق وغیرہ ممالک میں پھیل گئی (معارف ابن قتیبہ و سیرت ابن ہشام) اس کی تائید روایات یہود سے بھی ہوتی ہے۔ اسی زمانہ میں بنی اسرائیل کا ایک ٹکڑا بھی نہر فرات کے قریب بادیۂ عراق میں آکر آباد ہو گیا تھا۔ آخر بنو ہاجرہ سے سامنا ہو گیا۔ بنی اسرائیل نے لڑکر بنو ہاجرہ کو نکالدیا۔ اور اون کے خیموں میں جا کر خود آباد ہو گئے (ایام باب ۵ آیت ۱۰)

اس واقعہ کے چالیس برس بعد بنو اسمٰعیل و بنو ہاجرہ شمالی عرب و حدود شام کے قبائل سے متحد ہو کر حضرت داؤد کے عہد میں (غالباً سنہ ۱۰۰۰ ق م) بنی اسرائیل پر حملہ کی تیاریاں اور مشورے کر رہے ہیں (زبور باب ۸۳ آیت ۵ و ۶) سنہ ۸۰۰ ق م میں جلعاد اور حدود شام میں جنگ آزما اسرائیلی دوبارہ بنو ہاجرہ سے برسر مقابلہ ہوتے

ہیں اور انکو شکست دیتے ہیں۔ مال غنیمت میں انکو پچاس ہزار اونٹ، ڈہائی لاکھ بکریاں، دو ہزار گدھے اور ایک لاکھ قیدی ہاتھ آئے۔ (۲۔ ایام باب ۵ آیت ۲۰-۲۱) اسکے بعد سنہ ۶۰۰ ق م میں وہ زمانہ آتا ہے جب بخت نصر (بخت نصر) آندھی کی طرح اسیریا سے اٹھتا ہے اور تمام شام و عرب کی خاک اڑا دیتا ہے۔

اور پھر ہمیشہ کے لئے بنو اسرائیل اور آل اسماعیل کی فاتحانہ حوصلہ مندیوں پہ پردہ پڑجاتا ہے۔ یہ بنو اسمٰعیل کی اجتماعی تاریخ تھی۔ اب تفرق و انتشار کے بعد ہر ایک کی اولاد اور نسل کی تاریخ کے متعلق ہمکو جو کچھ معلوم ہے علیحدہ علیحدہ بہ ترتیب اہمیت و امتیاز لکھتے ہیں۔

(ملخص از کتاب ارض القرآن جلد دوم ص ۷۵-۸۵)

(۱) نبیاعم ابن اسمٰعیل انکے اور انکے خاندان کے متعلق کوئی حالات نہیں معلوم ہوتے محققین یورپ بھی تلاش و فکر سے تھک گئے۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر (Revd Mr Forestor) لکھتے ہیں۔ اس اسماعیلی شخص کے نام و نسل کے آثار بہ نسبت اسکے اور بھائیوں کے کمتر اور بالکل ضعیف ہیں۔ پورا نام نہ قدیم جغرافیہ عرب میں ملتا ہے اور نہ جدید جغرافیہ میں۔ (فارسٹر جغرافیہ عرب ج ۱ ص ۲۸)

(۲) ادبائیل ابن اسمٰعیل عرب مورخین کو اسکے متعلق کوئی واقفیت نہیں۔ توراۃ میں اسکا کہیں ذکر نہیں ہے۔ فارسٹر کا بیان ہے کہ یہودی مورخ یوسیفوس نے لکھا ہو کہ یہ اسماعیلی آبادیوں یعنی (نیل و فرات) کے درمیان یہ خاندان آباد تھا۔ (جغرافیہ عرب ج ۱ ص ۲۷۴)

(۳) مشماع ابن اسمٰعیل عبرانی اسکو مشماع لکھتے ہیں۔ یونانی ترجمۂ توریت میں مسما لکھا ہے یوسیفوس نے مسماوس لکھا ہے اور بطلیموس نے مسمانیس قرار دیا ہے۔ عرب اسکی اولاد کو بنی مسما کہتے ہیں۔ اور یہ امر محقق ہے کہ یہ قبیلہ نجد کے قریب آباد تھا۔ (فارسٹر جغرافیہ عرب ج ۱ ص ۲۸۵)

(۴) مسا ابن اسمٰعیل یونانی اور عرب جغرافیہ نویسوں کی شہادت کی بناپر حدود عراق میں اس خاندان کے آثار نظر آتے ہیں۔ پلینی (رومن مورخ) نے مسایا (Misaie) اور بطلیموس نے میسانی (Masani) کے نام سے ان اطراف میں بعض قبایل کا ذکر کیا ہے۔ (فارسٹر ج ۱ ص ۲۸۵)

عرب جغرافیہ نویسوں میں سے زکریا قزوینی میشان نام ایک مختصر آبادی کا ہمیں پتہ دیتا ہے۔ (آثار البلاد قزوینی ص ۳۰۰) یاقوت حموی اسی مقام پر واسط و بصرہ کے مابین میسان نام ایک شہر کا ذکر کرتا ہے۔ یہودی اس شہر کا نہایت احترام کرتے ہیں اور اس کو حضرت عزیرؑ کا مدفن قرار دیتے ہیں۔ عہد اسلام میں بھی زیادہ تر یہاں یہودیوں کی آبادی تھی۔ (معجم البلدان ج ۸ ص ۲۴۷ مصر) سفر ایام میں جن بنو ہاجرہ کا بادیہ عراق میں ذکر کیا ہے شاید وہ

بھی خاندان ہو۔ (۲ ایام باب ۵ آیت ۱۲)

سبا کے متعلق سید صاحب خطبات میں تحریر کرتے ہیں کہ مسٹر فارسٹر نے غلطی سے ان کی سکونت عرب کے عصبہ الجزائر میں بتلائی ہے۔ حالانکہ حقیقتاً یہ اور ان کی اولاد علاقہ یمن میں جاکر آباد ہوئی اور یمن کا مشہور و معروف مقام موسا انہیں کے آثار قدیمہ کا یادگار ہے۔ لیکن اسانید متذکرہ بالا کے رُو سے تو مسٹر فارسٹر صاحب نے نہیں غلطی کی ہے۔ بلکہ سید صاحب کو خود دھوکا ہو گیا ہے۔

(۵) حدر یا حدد ابن اسمٰعیل سفر تکوین میں اس کا املا حدر اور سفر ایام میں حدد ہے۔ حدر کے آثار عرب میں متعدد جگہ پائے جاتے ہیں۔ تیما کے پاس حدد نام ایک پہاڑی ہے نجد میں بھی ایک قطعہ زمین کا نام حدد ہے (معجم البلدان ج ۳ ص ۲۳۲) جوہری عرب کے ایک قبیلہ کا نام بھی حدد بتلاتا ہے۔ نیوبھر (NIEUBUHR) انیسویں صدی کا ایک یورپین سیاح عرب۔ شہر حدیدہ واقع یمن کو بھی اسی حدد سے متعلق سمجھتا ہے لیکن مشرقی نگاہ میں حدد اور حدیدہ میں نہایت عظیم فرق ہے۔ لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ عربی مورخ۔ زبیری اور مسٹر فارسٹر دونوں اس قول پر متفق ہیں کہ شہر حدیدہ آج تک انہیں کی یادگار ہے۔ (خطبات احمدیہ)

(۶) یطور ابن اسماعیل یطور۔ ساؤل کے زمانے میں (۱۰۵۰ قم) حدود شام کے صوبہ حوران میں نظر آتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی جماعت سے برسرپیکار ہوتے ہیں اور شکست کھاتے ہیں (سفر ایام باب ۵ آیت ۱۲) لیکن یونانی جغرافیہ نویس اسٹرابو (۲۴ قم) تک ان کی یاد قائم رہتی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

وہ تمام سلسلہ کوہ جو لبنان اور بصرے کے درمیان نظر آتا ہے عربوں سے اور یطوریوں سے آباد تھا
(فارسٹر ج ۱ ص ۲۱۰)

یونانی میں یطور حیطور ہو گیا ہے۔ اس بنا پر برکھارڈ (BURKHARD) ایک یورپین سیاح شام کے شہر حیدور کو اسی حیطور سے نسبت دیتا ہے (فارسٹر ج ۱ ص ۲۱۰) یہ شہر مشرقی جغرافیہ نویسوں سے بھی مخفی نہیں۔ (معجم البلدان ج ۳ ص ۴۶) لیکن اگر حیدر ہی کو یطور کا مسکن قرار دینا ہے تو یہی نام ہم کو حجاز میں (مدینہ منورہ سے چھ میل کی مسافت پر) نظر آتا ہے لیکن ایک عام فہم مشرقی بھی جانتا ہے کہ یطور کی شکل کسی صورت میں حیدور نہیں ہو سکتی۔

(۷) یافیش ابن اسماعیل سفر ایام ثانی باب ۵ آیت ۱۲ سے ثابت ہوتا ہے کہ یطور کے ساتھ یہ خاندان بھی حوران ہی میں آباد تھا اور بنی اسرائیل کے مقابلہ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ شریک تھا۔

(۸) دوماہ ابن اسمٰعیل۔ اس خاندان کا مسکن اب تک اسی نام سے مشہور ہے۔ دومۃ الجندل شمالی عرب

ہیں مدینہ و شام کے درمیان ایک مشہور مقام ہے عرب جغرافیہ نویسوں نے تصریح کی ہے کہ دومۃ الجندل اسی دوما کیطرف منسوب ہے۔ پہلے زمانہ میں یہاں نصاریٰ آباد تھے۔ (معجم ج ۴ ص ۱۰۶)

(۹) یتمار ابن اسمٰعیل حدود عرب و شام میں اس خاندان کے انتساب سے ایک قدیم آبادی ہے ایوبؑ نبیؑ کے زمانہ میں اس خاندان کو کسی قدر فوجی اہمیت حاصل تھی (سفر ایوب ۶-۱۹) میں یتمار کے سواروں کا ذکر ہے۔ اشعیاء نبیؑ نے بھی (۸۰۰ ق م میں) سرزمین یتمار کا نام لیا ہے (۲۱-۱۴) زمانۂ اسلام میں یہاں یہود آباد تھے۔

(۱۰) قیدماہ ابن اسمٰعیل فارسٹر صاحب نے قیدماہ کو کاظمہ (واقع خلیج فارس) کا مرادف سمجھا ہے اور اس لئے اوسکو خلیج فارس پر جگہ دیتے ہیں کاظمہ یقیناً انگریزی لب و لہجہ میں "کیڈما" ہو جائیگا لیکن ہر مشرقی لب و لہجہ کا واقفکار اس پر ہنس دیگا کہ قیدماہ اور کاظمہ ایک چیز ہے۔ قرآن مجید میں ایک قبیلہ کا نام اصحاب الرس مذکور ہے بعض مورخین کا بیان ہے کہ قیدماہ ہی کا نام اصحاب الرس تھا۔ ہمارے اہل مفسرین اصحاب الرس کی تعیین میں نہایت مشکوک الرائے ہیں۔ امام طبری نے ارباب روایت کی تین رائیں نقل کی ہیں۔

(۱) رس کنوئیں کو کہتے ہیں۔ ایک امت نے اپنے پیغمبرؑ کو کنوئیں میں ڈالدیا تھا۔ اس لئے اوسکو اصحاب الرس کہتے ہیں۔

(۲) رس ملک اذربائیجان کے پار ایک آبادی کا نام ہے (شاید روس سے مقصد ہو)

(۳) رس غار کو کہتے ہیں اور اس سے مراد اصحاب الاخدود ہیں۔

لیکن مورخ مسعودی بلا تزلزل رائے لکھتے ہیں۔

اصحاب الرس کانوا من ولد اسمٰعیل وھم قبیلتان یقال لاحدھا قدمان وللاخری یامین و قیل دعویل وذلك بالیمن (مروج الذہب)	اصحاب الرس بنو اسمٰعیلؑ تھے۔ اور اونکے دو قبیلے تھے۔ ایک قدمان کہلاتا تھا اور دوسرا یامین بعضوں نے اسکو دعویل بھی لکھاہے۔ اور یہ یمن میں تھے۔

قیدمان قیدماہ کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ اصحاب الرس کا اسکے علاوہ کوئی اور حال نہیں معلوم۔ قرآن مجید نے دو مقام پر اصحاب الرس کا ذکر کیا ہے۔ لیکن کوئی حال بیان نہیں کیا۔ صرف گنہگار قوموں کی فہرست میں ان کا نام آیا ہے۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ (فرقان)	عاد۔ ثمود اور اصحاب الرس کو
كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ	انسے پہلے نوح کی قوم۔ اصحاب الرس اور ثمود نے جھٹلایا

اصحاب الرس کا بنو اسمٰعیل ہونا ثابت ہوگیا اور اسی کے ساتھ انکا امت مذموم ہونا بھی ظاہر ہوگیا۔ ان اسناد و اشہاد سے ہمارے اوس استدلال کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے جس کو ہم ابھی ابھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات میں آپ کی اوس دعا کے متعلق لکھ آئے ہیں کہ اونکی تمام اولاد و ذریات میں امامت اور پیشوائی امت کا منصب تفویض فرمایا جاوے۔ جس کے جواب میں خداوند عالم نے قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ۔ ارشاد فرما کر اہل۔ نا اہل۔ عادل اور ظالم کی تفریق و تخصیص ظاہر فرمادی، اور حضرت ابراہیم پر حقیقت حال کا صاف صاف انکشاف فرما دیا گیا کہ آپ کی دعا آپکی اولاد و ذریات میں ذوات عادلین کیلئے مستجاب کیجاتی ہے۔ غیر عادلین اور ظالمین کے لئے نہیں۔ اسی سے سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر اس منصب عظیم میں تعمیم کا معمول قایم ہوتا۔ تو اصحاب الرس جو بلا شبہ و کلام ذریات و اولاد حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے قوم ظالمین اور گروہ کافرین میں نہ شمار کیے جاتے۔

(۱۱) نبایوط یا نبط یا نابت ابن اسمٰعیل ع۔ (اصحاب الحجر)

نبایوط کو اہل عرب عموماً نابت کہتے ہیں۔ ان کی روایتوں کے مطابق خانہ کعبہ کی تولیت حضرت اسمٰعیل ع کے بعد سب سے بڑے بیٹے نابت کے حصے میں آئی (اخبار الاول ابو حنیفہ دینوری و حیات القلوب ملا مجلسی) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبایوط نے حجاز ہی میں قیام کیا لیکن بعض حوالوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ فرزندان نبایوط عراق میں موجود تھے لیکن اصل یہ ہے کہ بدویانہ زندگی کے ساتھ وہ حجاز سے عراق تک خانہ بدوشانہ پھیلے ہوئے ہوں گے۔

تحریری حیثیت سے نبایوط کا نام ساتویں صدی قبل مسیح میں نظر آتا ہے۔ حزقیال نبی پیشین گوئی کرتے ہیں کہ نبایوط کی بھیڑیں نذر لی جائیں گی۔ (۶۰ - ۷) اشور بانیبال۔ اسیریا کا بادشاہ جس کا بھی تقریباً یہی زمانہ ہے اپنے مفتوحین کی فہرست میں نباطی قوم کا نام لیتا ہے۔ یوسیفوس یہودی۔ جو پہلی صدی مسیحی میں تھا لکھتا ہے۔

> ملک بحر احمر (حجاز) سے نہر فرات (عراق) تک اسمٰعیل کے بارہ بیٹوں کے قبضہ میں ہے جن کے سبب سے اسکا نام ملک نباطینہ پڑ گیا ہے۔ (حوالہ آتا ہے)

اسی زمانہ میں جب رومی شام پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو نبطی عربوں سے اون کی مڈبھیڑ ہوتی ہے اور شام و عرب کے حدود پر اون کی ایک عظیم الشان حکومت نظر آتی ہے۔ اہل عرب بھی ان نبطیوں سے واقف تھے۔ اسی لفظ نبط کی جمع عربی میں انباط ہے۔

انباط اور روایات عرب

مورخین عرب فرزندان نبایوط یا انباط سے واقف نہیں ہیں۔ وہ صرف انباط کے نام اور اون کے مسکن تخمینی سے البتہ واقف ہیں انکا نام کبھی نبط اور

کبھی آرامی بتلاتے ہیں اور انکا مسکن شام و عراق ظاہر کرتے ہیں ابن خلدون نے لکھا ہے۔

واول ملک العرب بالشام فیما علمناہ للعمالقہ ثم لبنی ارم بن سام ویعرفون بالارمانیین

جہانتک ہمکو معلوم ہی عربونکی پہلی حکومت شام میں عمالقہ کی تھی۔ پھر ارم بن سام کی۔ جو ارمانی کے نام سے زیادہ تر مشہور ہیں

اس عبارت کے ساتھ حمزہ اصفہانی کی عبارت ذیل ضم کرو۔

الارمانیون نبط الشام والاردوانیون نبط العراق

ارمانی شام کے نبطیوں کا نام ہی اور اردوانی عراق کے نبطیوں کا

انباط نے چونکہ ایک متمدن و غیر بدوی زندگی اختیار کرلی تھی اسلئے عربوں کے محاورہ میں۔

اما النبط فکل من لم یکن راعیا او جندیا عند العرب من ساکنی الارضیین (یاقوت عربیہ ۲۳)

نبط عرب کے نزدیک ہر وہ شخص ہے۔ جو چرواہا یا سپاہی نہ ہو۔

اہل عرب عموماً نبط کو اصلاً و قوماً غیر عرب سمجھتے ہیں۔ اون کے نزدیک عرب و عجم جس طرح دو متقابل نام ہیں اوسیطرح نبطی و عربی کو بھی باہم متقابل سمجھتے ہیں۔ اسکا سبب صرف معاشرت۔ طرز زندگی اور زبان کا اختلاف ہے۔ ورنہ درحقیقت نبط بھی اسماعیلی عرب ہیں۔ لیکن چونکہ اونھوں نے عموماً حدود عرب اور حدود عرب سے باہر غیر قوموں میں اپنا مسکن اختیار کیا اسلئے وہ اپنا نسب نامہ محفوظ نہ رکھ سکے حضرت عمر فرماتے ہیں۔

تعلموا النسب ولا تکونوا کنبط السواد اذا سئل احدھم عن اصلہ قال من قریۃ کذا (عقد الفرید ج ۳ ص ۳۰)

نسب نامہ سیکھو عراق کے نبط کی طرح نہ بنجاؤ۔ کہ جب اون میں سے کسی سے پوچھا جائے تم کس خاندان کے ہو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم فلاں شہر کے ہیں۔

ہمارے مورخین کے معلومات انباط کے متعلق صرف اسی قدر ہیں۔ لیکن انباط کی خود معاصر قوموں نے انکے حالات کو سیاسی تعلقات کی بنا پر بہت کچھ محفوظ رکھا ہے اور اب انکشافات اثریہ نے بھی ان معلومات میں کسی قدر اضافہ کردیا ہے۔

انباط اور نبایوط اور نابت کا ترادف

سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ انباط جن کی تاریخ کا مفصل تذکرہ یونانی اور مورخین نے کیا ہے اور نبایوط پسر اسمعیل جنکا توراۃ میں ذکر ہے اور نابت بن اسمعیل جن سے عربوں کو ہم نسبی کا دعوی ہے کیا درحقیقت ان مختلف الفاظ سے ایک ہی مفہوم مراد ہے؟ ہمارا جواب اثبات میں ہے۔ اہل عرب انباط کو عربوں سے الگ ایک بیرونی قوم سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ درحقیقت ایک مدت تک کے تباعد اور تفرق کا نتیجہ ہے جن یونانی اور رومی مورخین نے انباط کا ذکر کیا ہے اونہوں نے متفقاً ان کو عرب لکھا ہے سب سے بڑی معتبر شہادت یہودی مورخ یوسیفوس کی ہے۔ جو انباط کا معاصر اور نسل و وطن کے اعتبار سے بھی اون کے قریب تھا۔ اسلئے یقین ہے کہ اونکے متعلق

اوس کی شہادت پایہ اعتبار سے ساقط نہوگی وہ بتصریح تمام لکھتا ہے کہ انباط اسمٰعیلی عرب از نسل نبایوط ہیں (حوالہ آتا ہے) مؤرخ طبری بھی لکھتے ہیں۔

ومن نابت وقیدار نشر اللہ العرب۔ قوم عرب کو نابت اور قیدار کی نسل سے خدا نے پھیلایا (ج ۱ ص ۳۵۲)

یاقوت حموی نے (لفظ عرب کے تحت میں) ایک نئی بات لکھی ہے کہ عرب ہر اوس قوم کو نبط کہتے ہیں جو کسان اور سپاہی نہو۔ دوسرے الفاظ میں اسکا مفہوم یہ ہے کہ جو غیر بدوی زندگی بسر کرتی ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ نبط نے عراق کے تاثر سے متمدن زندگی اختیار کرلی تھی اسلئے بادیہ نشینان عرب نے ہر غیر بدوی قوم کو نبط کا مرادف سمجھ لیا۔

حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اونکا نسب نامہ پوچھا تو اونھوں نے کہا کہ ہم کوثی (دوانج عراق) کے نبط ہیں اور یہ بالاتفاق معلوم ہے کہ وہ اسماعیلی قریشی (ہاشمی) عرب تھے۔ اس سے ثابت ہوگا کہ نبط اسماعیلی عرب ہیں جو عراق تک پھیلے تھے۔

نابت کی بقیہ اولادیں خود اندرون ملک میں بھی تھیں۔ اور متعدد وجوہ سے ہماری یہ رائے ہے کہ عرب شمالی کی وہ اکثر قومیں جو غلطی سے قحطانی کہلاتی ہیں وہ دراصل نبطی ہیں منجملہ دیگر قبائل کے غسان اور اوس و خزرج کے متعلق تو بتصریح ثابت ہے کہ وہ قحطانی نہیں بلکہ نابتی ہیں تفصیل آتی ہے۔

انباط کا عہد حکومت

انباط ایک مدت تک دیگر قبائل عرب کی طرح بحر احمر سے لیکر بحر فرات تک مستقل وادیوں میں بدویانہ زندگی کے ساتھ آوارہ پھرتے رہے۔ اس بدویت کا زمانہ سنہ ۲[illegible] ق م (عہد اسمٰعیل) سے سنہ [illegible] ق م تک قرار پاتا ہے۔ توراۃ نے نبایوط کا فرزندان اسماعیل کے ضمن میں سنہ ۲[illegible] ق م میں پہلی بار نام لیا ہے۔ اور آخرا آخر قیال نبی نے جو کم وبیش سنہ [illegible] ق م میں تھے۔ نبایوط کا ذکر کیا ہے کہ نبط (نبایوط) کی بھیڑیں نذر کی جائینگی (۶۰-۷)

کتبات میں نبط کا نام اشور بانیپال۔ شاہ اسیریا کے کتبہ میں تقریباً اسی عہد یعنی سنہ [illegible] ق م میں نظر آتا ہے وہ اپنے مفتوحین کی فہرست میں ناتان۔ شاہ نبط کا ذکر کرتا ہے (تاریخ بابل راجرس امریکانی جلد دوم صفحہ ۲۶۶) حزقیال کی کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبط اوس وقت چوپانی یعنی بدوی زندگی بسر کرتے تھے لیکن یہ اسیری کتبہ ایک نبطی حکومت کی اس عہد میں خبر دیتا ہے۔ ممکن ہے کہ بادشاہ مقصود ایک نبطی بدوی شیخ ہو۔ بہرحال نبطی کی تاریخ از روئے تاریخ یونانی وکتبات نبطی سے سنہ [illegible] ق م سے پہلے روشن نظر نہیں آتی۔ آخری تاریخ سنہ ۱۰۶ ق م ہے جبکہ رومی حکومت انکو اپنے اندر جذب کرلیتی ہے۔

انباط کا رقبہ حکومت۔ انباط کی حکومت کے حدود اولاً وہ قطعہ ملک تھا جس کو یونانی عرب

سنگستان (PATERIA ARABIA) کہتے ہیں اور عبرانی ادوم اور سعیر (سراۃ) یعنی خلیج عقبہ سے بحر میت تک ڈائیڈورس (Diedorius) (۸۰ قم) بیان کرتا ہے کہ انباط خلیج ایلہ (عقبہ) پر رہتے ہیں اسٹرابو (STRABO) (۲۴ء) ایک ضمنی تذکرہ میں کہتا ہے کہ اہل ادوم انباط ہیں (گولڈ مائینس آف مدین ص ۲۲۵)

لیکن ادوم سے آگے بڑھکر اب وہ عرب اباداں پر بھی قابض ہو گئے تھے مصنف مذکور لکھتا ہے کہ اہل ادوم و سبائی جو شام کے اوپر واقع ہیں جنہوں نے عرب آباداں (ARABIA FLEX) پر قبضہ کیا ہے۔ یوسیفوس جو پہلی صدی مسیحی میں تھا بیان کرتا ہے کہ اس عہد میں وہ عربستان ریگستان (ARABIA DESERT) تک پھیل گئے تھے۔ اوس کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

ملک بحر احمر سے نہر فرات تک اسماعیل کے بارہ بیٹوں کے قبضہ میں تھا جن کے سبب سے اسکا نام ملک نباطینہ (NABATINA) پڑ گیا ہے۔ اس کی سرحد (مغرب میں) مصر اور عرب سنگستان (PETRIA) سے ملتی ہے اور بہت سے بیابانوں اور بلند و فراز زمینوں کو شامل ہے جو مشرق کیطرف خلیج فارس تک منتھی ہوتی ہے۔ عموماً اس ملک کے باشندوں کا نباوط (NEBAJATH) عرب ہے (انیٹی کوٹیٹی ج ۱ ص ۱۲)

ان شہادتوں سے ظاہر ہوگا کہ انباط کا ملک مغرب میں بحر احمر اور مشرق میں خلیج فارس تک وسیع تھا اور اوسکے درمیان تمام ممالک یعنی عرب سنگستان و عرب ریگستان و بعض قطعہ عرب اباداں پر قابض تھے لیکن اس طویل و عریض ملک میں انباط کی اصل آبادی خلیج عقبہ (ایلہ) کی اطراف میں تھی۔ ڈائیڈورس کا بیان ہے

اوپر گذرتے ہوئے تم خلیج عقبہ (ایلہ) (LAINAITIES GULF) میں داخل ہو گئے۔ جس کے حدود پر اون عربوں کی بہت سی آبادیاں ہیں جن کو لوگ نبط (NABATAISI) کہتے ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف سواحل کے بڑے حصہ پر قابض ہیں بلکہ وہ اندرون ملک میں بھی دور تک پھیل گئے ہیں کیونکہ زمین آباد اور نہایت سرسبز ہے۔ (گولڈ مائینس آف مدین ص ۱۸۲)

تخصیص کے ساتھ ملک انباط کے دس شہروں کے نام یوسیفوس (انیٹی کوئیٹی ۱۴ باب بند ۴) میں مذکور ہیں۔ لیکن یونانی تلفظ نے عربی رنگ و روغن اونکے چہروں سے بالکل اڑا دیا ہے وہ شہر یہ ہیں۔ مسیدابہ۔ بنالو۔ لیبیس۔ تراکسہ۔ اغالہ۔ اثوان۔ صور۔ اورون۔ مریسہ۔ رودہ۔ لوسہ۔ عروبہ۔ ان کے علاوہ رقیم (پیٹرا) اور حجر مشہور شہر تھے۔

انباط کا دار الحکومت۔ انباط کا ملک جن حدود پر مشتمل تھا وہ حقیقت میں تین قدیم ممالک کا مجموعہ تھا ملک ثمود (وادی القریٰ) جسکا دار الحکومت حجر تھا۔ ملک مدین جسکا پایہ تخت خاص شہر مدین تھا اور ملک ادوم جسکی حکومت کا مرکز شہر رقیم تھا (پیٹرا) انباط کا پایہ تخت

پہلے شہر رقیم تھا (پٹرا) جہاں ابتک اونکے آثار باقی ہیں۔ لیکن پہلی صدی ق م میں جب رومیوں نے مصر و شام پر قبضہ کیا تو رفتہ رفتہ وہ پٹرا (رقیم) پر بھی قابض ہو گئے۔ اسٹرابو (سنہ ۲۴ء) بیان کرتا ہے کہ اب (سنہ ۲۴ء) انباط اور شامی دونوں رومیوں کی رعایا ہیں (گولڈ مائینس آف مدین ص ۱۸۲) اس مفتوحی سے مقصود پٹرا یعنی رقیم کی مفتوحی ہے۔ ورنہ نفس حکومت تو سنہ ۱۰۶ء تک باقی تھی پٹرا (رقیم) سے ہٹ کر انباط نے اب حجر کو اپنا مرکز قرار دیا تھا۔ چونکہ ملک ثمود میں واقع تھا اسی لئے قرآن میں انکو اصحاب الحجر سے یاد کیا ہے (تفصیل آگے آتی ہے)

حجر جس صوبہ ملک میں واقع ہے۔ عربوں کے ہاں اوسکا نام وادی القری ہے۔ اسکے لغظی معنی آبادیوں کی وادی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ میدان عہد قدیم میں نہایت کثرت سے آباد تھا۔ اس کی تصدیق اب معاصر مورخین کی روایتوں سے بھی ہوتی ہے۔ ابھی ڈائیڈورس کا بیان گذر چکا ہے جو کہتا ہے کہ حدود ایلہ پر انباط کی بہت سی آبادیاں ہیں۔ اور وہ نہایت کثرت سے آباد ہیں۔ اسٹرابو بھی انباط کی نہایت گنجان آبادی کا ذکر کرتا ہے۔ (کتاب مذکور ص ۱۸۴)

شاہان انباط

اشوری کتبہ کی شہادت کی بنا پر گو شاہان نبط کا ابتدائی سلسلہ سنہ ۶۵۰ ق م سے شروع ہوتا ہے۔ جبکہ ناتان۔ شاہ انباط۔ بادشاہ اسیریا۔ اشور بانیپال کی خدمت میں نذر پیش کرتا ہے (تاریخ بابل راجرس ج ۲ ص ۲۷۶) لیکن یونانی تاریخ اور موجودہ نبطی آثار اور سکے سنہ ۲۰۰ ق م سے پہلے کسی نبطی بادشاہ کا ذکر نہیں کرتے۔ اسکے اسباب بھی واضح ہیں یونانیوں کو اس سے پہلے انباط سے سروکار نہ تھا۔ اور نہ خود انباط اس سے پہلے متمدن زندگی بسر کرتے تھے۔

بہر حال تاریخ و آثار نے اب تک جو انکشاف حال کیا ہے اوسکی اعانت سے ابتک ڈوسو (DASSAU) نام ایک فرنچ مستشرق نے ان بادشاہوں کے ناموں کی ایک فہرست تیار کی ہے (فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل سنہ ۱۹۰۴ء) یہ فہرست سنہ ۱۶۹ ق م سے شروع ہو کر سنہ ۱۰۶ء میں ختم ہو جاتی ہے۔ اسمیں ایک نام مالک اول کا اضافہ ہم خود یوسیفوس کے حوالے سے کرتے ہیں (قدامت یہود کتاب ۱۲ باب ۵ بند)

نمبر	نام بادشاہ	سال حکومت	
۱	حارث اول	سنہ ۱۶۹ ق م	مالک چہارم سنہ ۱۰۱ء تا سنہ ۱۰۶ء
۲	زہیر بابلی	سنہ ۱۴۶ ق م	
۳	مالک اول	سنہ ق م	
۴	حارث ثانی	سنہ ۱۱۰ تا سنہ ۹۶ ق م	

۵	عبادۂ اول	سنہ ۹۰ ق م
۶	ربیال اول بن عبادۂ اول	سنہ ۸۷ ق م
۷	حارث ثالث بن ربیال	سنہ ۸۷ ق م سنہ ۶۲ ق م
۸	عبادۂ ثانی بن حارث ثالث	سنہ ۶۱ ق م سنہ ۴۷ ق م
۹	مالک دوم بن عبادۂ ثانی	سنہ ۴۷ ق م سنہ ۳۰ ق م
۱۰	عبادۂ ثالث بن مالک دوم	سنہ ۳۰ ق م سنہ ۹ ق م
۱۱	حارث رابع بن مالک دوم	سنہ ۹ ق م سنہ ۴۰ ع
۱۲	خلدو (خالدہ) زوجہ حارث	
۱۳	شقیلہ زوجہ حارث	
۱۴	مالک سوم بن حارث	سنہ ۴۰ ع سنہ ۷۵ ع
۱۵	شقیلہ زوجہ مالک	
۱۶	ربیال ثانی بن مالک ثانی	سنہ ۷۵ ع سنہ ۱۰۱ ع
۱۷	جمیلہ زوجہ ربیال	

انباط کے تمدنی حالات۔ ہر شائستگی کی ابتدا عہد بداوت سے ہے۔ انباط کی ابتدائی زندگی عام قبائل عرب کی سادہ اور غیر مصنوع زندگی تھی۔ جن کی دولت کا تنہا خزانہ مواشی تھی (خرقیال ۶۰-۷) لیکن جب مغربی قوموں نے انہیں اپنے تمدن و شائستگی کے بل پر شکست دینی چاہی تو ان کو بھی مجبوراً متمدن بننا پڑا۔ مورخین یونان میں سے ڈایوڈورس (سنہ ق م) اور اسٹرابو (سنہ ۲۴ء) نے انباط کے آداب معیشت و تمدن کو سب سے بہتر بیان کیا ہے۔

وہ یعنی انباط کھلی ہوا میں زندگی بسر کرتے ہیں اور ناقابل سکونت ہوا میں رہتے ہیں اونکے ملک میں نہ کوئی دریا ہے اور نہ چشمہ۔ جس سے حملہ آور دشمن فائدہ اوٹھا سکیں۔ اونکا قومی آئین یہ ہے کہ وہ نہ غلہ کی زراعت کریں اور نہ درخت لگائیں نہ شراب پئیں اور نہ گھر بنائیں۔ جو شخص اسکے خلاف کرتا ہے اوسکو سزا سے موت دیجاتی ہے۔

بعض لوگ اونٹ کے گوشت پر بسر کرتے ہیں اور بعض بھیڑ اور بکری کے گوشت پر۔ صحرا میں بہت سے قبائل رہتے ہیں لیکن دولت میں انباط سب سے زیادہ ہیں اور اپنے ہمسایوں کا اونکو امتیاز حاصل

ہے گوکہ اون کی تعداد دس ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ اون کا ملک پانی سے بالکل خالی ہے۔ اپنے لئے
پہاڑوں میں بڑے بڑے حوض کہود کر بناتے ہیں جنکا منھ باہر سے تنگ اور اندر چوڑا رہتا ہے اور اون کی
لمبائی ۱۰۰ فیٹ تقریباً ہوتی ہے۔ اِن حوضوں میں بارش کا پانی جمع کر کے اون کو چُھپا دیتے ہیں اور اون
پر کوئی نشانی بنا دیتے ہیں۔ جب سفر کرنا چاہتے ہیں تو اپنے جانوروں کو تین روز کا پانی پلاتے ہیں۔ انباط
گوشت۔ دودہ اور بعض جنگلی سبزی کہاتے ہیں۔ جنگلی شہد۔ (من) بہی اونکو ملتا ہے جس کو پانی میں
گھول کر پیتے ہیں۔ ان میں عرب کے غیر نبطی قبائل بہی شامل ہیں۔ جنمیں سے بعض شامیوں کے ساتھ گہر
میں رہنے کے علاوہ اور تمام عادات میں مماثل ہیں۔　　　(فارسٹر جغرافیہ عرب ج ا ص ۲۲۶)

یہی مصنف پہر لکہتا ہے۔

آگے بڑھ کر ہم خلیج ایلانہ (عقبہ) میں داخل ہو گئے۔ جو اون عربوں کے بہت سے گاؤں سے محدود
ہے۔ جن کو لوگ نباطینہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف ساحلی مقامات کے بڑے حصہ پر قابض ہیں بلکہ وہ
اندرون ملک میں بہی دور تک پہیلے ہیں کیونکہ یہ زمین آباد اور نہایت شاداب ہے۔

زمانہ سابق میں اپنے قوانین انصاف کے مطابق اپنے گلوں اور جانوروں پر مطمئن رہکر زندگی بسر
کرتے تھے لیکن جب اسکندریہ (مصر) کے یونانی بادشاہوں نے خلیج کو تجارت کے لئے جہازرانی
کے قابل بنایا تو اِن نبطیوں نے شکستہ جہازوں کے ملاحوں کو جمع کیا اور چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر
بحری ڈاکہ زنی کرنے لگے۔ آخر کار اون پر حملہ کیا گیا اور اون کے استحقاق کے مطابق اون کو سزا دیگئی
(گولڈ مائنس ص ۱۸۳)

اسٹرابو (سنہ ۲۴ء) جو ڈائیڈورس کی طرح انباط کا معاصر تھا۔ ان کے متعلق دلچسپ واقعات بیان کرتا
ہے۔

شہر پٹرا (رقیم) جو عمدہ قوانین رکھتا ہے۔ اسپر شاہی خاندان میں سے ہمیشہ ایک بادشاہ حکومت
کرتا ہے۔ وزیر ہمیشہ اس بادشاہ کے ساتھیوں میں سے ایک ہوتا ہے۔ اسلئے اوس کو بھائی کہکر
پکارتے ہیں انباط کفایت شعارانہ ذخیرہ ملکیت کے شائق ہیں۔ جماعت اونپر جرمانہ کرتی ہے جو اپنی
دولت ضائع کرتے ہیں اور جو اپنی دولت بڑہاتا ہے اوس کو انعام دیتی ہے۔ انباط کے پاس غلام کم
ہیں۔ اکثر اون کی خدمت اونکے متعلقین کرتے ہیں یا ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہیں۔ یا ہر شخص
اپنا نوکر آپ ہوتا ہے۔ یہ طریقہ بادشاہوں تک جاری ہے۔ جو جمہور کی رضامندی کے اسقدر آرزومند
ہیں کہ وہ اپنی رعایا کی خدمت کرتے ہیں۔ بادشاہ کو انتظام ملکی کے متعلق بیانات لوگوں کو دینے ہوتے

ہیں اور وہ اکثر اپنے بادشاہ کے ذاتی حالات و عادات بھی دریافت کرتے رہتے ہیں۔

لوگ غیر سرکاری صحبتوں میں تیرہ تیرہ آدمی ملکر کھاتے ہیں بادشاہ بھی لوگوں کو بڑی بڑی دعوتیں دیتا ہے اور شاہی عمارتوں میں جشن دعوت بپا کرتا ہے۔ مہمانوں کی ہر جماعت میں دو مغنّی رہتے ہیں۔ ہر مہمان کو گیارہ جام سے زیادہ شراب پینی ہوتی ہے۔ یہ جام سونے کے ہوتے ہیں۔ جبہ یا کرتہ پہننا یہ لوگ نہیں جانتے۔ کمر میں تہ بند لپیٹتے ہیں پاؤں میں کھڑاؤں پہنتے ہیں۔ مکانات عالیشان اور سنگین ہیں۔ آبادیوں میں شہر پناہیں نہیں ہوتیں۔ ملک کا بڑا حصہ سرسبز ہے۔ تاہم وہاں زیتون نہیں۔

(جانوروں کی پیداوار کا بیان ہے)

گھوڑے نہیں ہوتے۔ اون کے بجائے اونٹ مصرف میں لائے جاتے ہیں۔ بعض اشیائے تجارتی کی درآمد بھی یہاں ہے اور بعض چیزیں خود ملک میں ہوتی ہیں۔ جیسے سونا چاندی اور بہت سے خوشبو مسالے۔ لیکن لوہا، تانبا، ارغوانی کپڑے، زعفرانی، عود، قسط، سنگتراشی، نقاشی اور تصویروں کی چیزیں مجسمے ملک میں نہیں پائے جاتے۔ انباط مردوں کی لاش کھاد کے لئے بہتر سمجھتے ہیں۔ اسی لئے وہ بادشاہوں تک کی لاشوں کو بھی زمین میں دفن کرتے ہیں۔ مذہباً یہ سبائی دیوتا آفتاب کی پوجا کرتے ہیں اس دیوتا کا ہیکل یا قربانگاہ مکانات کی چھتوں پر بناتے ہیں اور اوس پر شراب چڑھاتے ہیں اور اندر روز بخور جلاتے ہیں) گولڈ مائینس ص ۲۲۸)

سیاسی حالات انباط ہم کو سب سے پہلے ۷۰۰ء ق م میں سیاسی میدان میں نظر آتے ہیں۔ اسیریا اور بنی قیدار (برادران انباط) کے درمیان اس عہد میں جنگ برپا ہوتی ہے۔ بنی قیدار کا شیخ شکست کھا کر انباط کی چھوٹی سی ریاست میں پناہ لیتا ہے۔ پھر انباط اور بنی قیدار کی متحدہ فوج اسیریا کے مقابلہ میں آتی ہے۔ لیکن سوء قسمت سے ناتان شاہ انباط گرفتار ہو جاتا ہے[۱] (راجرس تاریخ بابل جلد ۲ صفحہ ۲۷۶)

بابل کے بعد ایران و یونان کی قوت دنیا کی تاریخ میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ انباط جہاں آباد تھے وہ مقامات تھے جو اہل فارس اور یونانی کی دائمی جنگ کے طبعی راستے تھے۔ اس بناء پر دو فریق ان نبطی عربوں کی دوستی اور ہمدردی کے طالب تھے جنکی اعانت کے بغیر ان خشک و بے آب ریگستانوں کا طے کرنا ناممکن تھا۔ سکندر سے پہلے جو چوتھی صدی ق م کے اواسط میں تھا عموماً اہل فارس کا پلہ یونانیوں سے بھاری تھا۔ اس بناء پر شمالی عرب (جو اس عہد بنی لحیان میں تھے) میدان جنگ میں اہل فارس کے دوش بدوش تھے۔ ۳۳۲ء ق م میں سکندر نے ایرانیوں کو شکست فاش دی۔ اور عراق سے لیکر مصر و شام تک اسکے فتوحات کا جولانگاہ بنگیا۔ ہندوستان سے واپس آ کر عرب کی فتح کا عزم تھا کہ وہ خود موت کے ہاتھ مفتوح تھا۔

سکندر کے بعد ممالک مفتوحہ سکندر کے مختلف سرداروں میں منقسم ہوگئے بطلیموس نے مصر و شام پر قبضہ کیا۔ انٹی گونس نے ایشیائے کوچک لیا سیلوکوس (سلاقس) نے بابل و فارس و ترکستان پر استیلا حاصل کیا۔ یہ تینوں بادشاہیاں بیچ میں حدود عرب پر آکر ملتی تھیں۔ انٹی گونس ایک بہادر تھا بلند حوصلہ۔ اوس سے اپنی قسمت پر قناعت نہ ہوسکی۔ سب سے زرخیز اور قریب تر شام کا ملک تھا اوس نے شام پر حملہ کرنا چاہا۔ لیکن درمیان میں نبطی حائل تھے۔ اونکو اپنا شریک بنانا ضرور تھا لیکن وہ بطلیموس کے طرفدار پہلے ہی بن چکے تھے نتیجہ جنگ و محاربہ تک پہونچ گیا۔

انٹی گونس نے ۳۱۲ قم میں اپنا ایک سردار اتھیناوس (ATHENAEUS) کی سرکردگی میں ایک مہم روانہ کی جس نے گو بے خبری میں رقیم (پٹرا) کو برباد کیا لیکن اوسکا ایک سپاہی بھی دشمنوں کے ہاتھ سے بچکر واپس نہ آیا۔ ناچار انٹی گونس نے اپنے بیٹے ڈمیٹریوس (DEMMITRIUS) کی زیر قیادت ایک دوسری جماعت روانہ کی بے سر و سامان نبطی عرب میدان میں مقابلہ نہ کرسکے اور قلعہ بند ہوگئے۔ یونانیوں نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ اس قید سے تنگ آکر ایکدن ایک نبطی عرب نے ڈمیٹریوس کو ان الفاظ میں مخاطب کیا۔

اے بادشاہ ڈمیٹریوس تم کس غرض سے اور کس کے حکم سے مجھ سے لڑتے ہو۔ ہم صحرا میں رہتے ہیں جہاں پانی ہے نہ غلہ ہے نہ شراب ہے اور نہ ضرورت کی کوئی چیز ہے۔ صرف ہم نے اپنی آزادی کی خاطر اس صحرا کی سکونت اختیار کی ہے اور تمام آسائش کی چیزیں دوسروں کے لئے چھوڑ دی ہیں اور ہم نے اس حیوانی زندگی پر قناعت کی ہے۔ تمھیں ہم نے ستایا نہیں۔ تم ہمیں کیوں ستاتے ہو۔ خدا تم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ ہمارے تحائف قبول کرو۔ اور واپس جاؤ۔ اور آج سے ہمیں اپنا دوست سمجھو۔ ورنہ یاد رکھو کہ تم اس طرح یہاں زیادہ دن نہیں ٹھہر سکتے تمکو پانی اور دوسری چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ اور تم ہمکو اپنے طرز زندگی کے بدلنے پر مجبور نہیں کرسکتے۔ اگر تم نے قلعہ پر قبضہ بھی پالیا تو تڑپتی لاشوں اور چند غمزدہ قیدیوں کے سوا جو کبھی دوسروں کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے تم کچھ نہیں پاؤگے۔

ڈمیٹریوس اس گفتگو سے بیحد متاثر ہوا اور صلح قبول کرلی۔ اس اچانک حملے نے ان نبطی عربوں کو ایک منتظم سیاسی جمعیت کے قالب میں بدل جانے پر مجبور کردیا۔ چنانچہ اس انقلاب نے اس بدوی قوم کو وہ اہمیت بخشی کہ یونان مغلوب اور روما الکبریٰ اور خاندان اسرائیل کی گردنیں بھی اسکے آگے کبھی کبھی جھک جاتی تھیں۔ آگے کے واقعات سمجھنے کے لئے یونان۔ روم اور یہود کی تاریخ کے بعد بھی چند فقرے پڑھ لینے چاہئیں۔

انٹی گونس کی حوصلہ مندی کی اس شکست سے کوئی صدمہ نہیں پہونچا اس نے رفتہ رفتہ بطلیموس سے شام سلیوکس سے بابل (عراق) لڑکر چھین لیا۔ ناچار سلیوکس اور بطلیموس دونوں نے متحدہ طاقت سے

سنہ ۳۰۱ ق م میں انٹی گونس کی مملکت مقبوضہ کے حصے بخرے کرکے آپس میں بانٹ لئے۔ اس تقسیم کی رو سے شام سلوکیوس کو اور مصر وقبرص بطلیموس کو ملا۔ مورخین عرب خاندان سلوکیوس کو سلوقیین اور خانوادہ بطلیموس کو بطالمسہ یا بطالمہ (جمع بطلیموس) کہتے ہیں۔ سلوقیین اور بطالمہ نے ان ممالک پر ایک مدت تک حکومت کی۔

شام میں بنی اسرائیل کی پہلی حکومت کو شاہان بابل نے برباد کر دیا۔ بابل پر فارس کی حکومت نے جب غلبہ حاصل کیا تو ان کو سنہ ۵۳۸ ق م میں پھر آزادی نصیب ہوئی اور فارس کے زیر اقتدار بنی اسرائیل کے ایک خاندان یہودہ نے جن سے یہود کی بنیاد پڑتی ہے۔ ایک نیم آزاد حکومت پھر قائم کی لیکن سنہ ۳۳۲ ق م میں سکندر نے اسکا بھی خاتمہ کر دیا اسکے بعد مملکت یہودیہ (بیت المقدس) بطلیموس۔ انٹی گونس اور آخر سلوقیین کی ماتحت ہو کر فنا ہوگئی۔ دوسری صدی ق م میں جب یونانیوں کی پیرسال قوتیں نوجوان رومی خون سے ہر جگہ شکست کھا کر اوسکے لئے جگہ خالی کر رہی تھیں۔ یہودیہ کی ابدی الموت زندگی نے آخری بار بدن کو جنبش دی اور مکابیین کے نام رومیوں کے بل پر سنہ ۱۶۸ ق م میں ایک حکومت یہودیہ میں قائم ہوئی۔

مکابیین اولاً مذہبی کاہن کی حیثیت رکھتے تھے لیکن آخر بادشاہ بن بیٹھے حصول سلطنت کیلئے ہمیشہ اس خاندان کے ارکان باہم نبرد آزما رہے۔ رومی آہستہ آہستہ ان کی آزادی سلب کرتے جاتے تھے۔ پہلے یہودیہ سے ادوم میں حکومت منتقل کر دی اور اسکے بعد پامپی رومی نے سنہ ۶۳ء میں ہمیشہ کیلئے اس تماشہ گاہ پر پردہ ڈال دیا۔

یہ تاریخ تمام تر نبطی عربوں سے گوناگوں تعلق رکھتی ہے۔ ملک یہودیہ نباطیہ سے ہمسر حد تھا۔ دونوں صوبوں میں تقریباً ایک ہی قسم کے سیاسی حالات رونما ہوتے تھے۔ سلوقی خاندان ابھی صرف سو برس شام پر حکومت کرنے پایا تھا کہ سنہ ۱۶۷ ق م میں یہودا مکابی۔ بانی خاندان یہود نے بغاوت کی۔ یہود خود عرب گئے اور نبطی عربوں سے شرکت و اعانت کی درخواست کی کہ ہم لوگ متحدہ طاقت سے ان بیرونی قوموں کو نکالدیں (قدامت الیہود ج ۲ کتاب ۱۲ باب ۸ فقرہ ۳) سلوقیوں نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے بھی ان عربوں کیطرف ہاتھ بڑھایا (فقرہ ۴) اوسوقت غالباً حارث اول۔ انباط کا بادشاہ تھا جسکا زمانہ سنہ ۱۶۹ ق م ہے۔ زبدیایل نبطی کے عہد میں سکندر سلوقی اور ڈیمیٹریوس سلوقی کے درمیان دعوے تخت کی بنا پر نزاع پیدا ہوئی۔ ڈیمیٹریوس کے طرفدار نبط تھے اور یہود سکندر کے حامی تھے۔ سکندر نے شکست فاش کھائی اوسوقت عرب کی آزاد زمین کے سوا اسکو کوئی مامن نظر نہ آیا۔ لیکن درحقیقت اوسکی روح اوسوقت حقیقی مامن کی تلاش میں نکلی تھی۔ زبدیایل نے سکندر کا سر کاٹ کر بطلیموس کے پاس بھیجدیا (قدامت الیہود ج ۲ ۱۳-۴-۸)

زید بابل کے بعد مالک اول تخت نشین ہوا۔ سکندر سلوقی کا بیٹا انطباخوس اسی معرکہ میں انباط کے ہاں قید ہوکر پرورش پا رہا تھا۔ یونانیوں نے جو سکندر کے طرفدار تھے۔ مالک سے درخواست کی کہ انطباخوس کو باپ کی جگہ حکومت کے لئے آزاد کر دیا جائے۔ شدید اصرار کے بعد مالک نے یہ درخواست قبول کی (قدامت ج ۲۔ ۱۳۔ ۵۔ ۱)

یونانیوں کی اس کشمکش نے یہود و انباط میں منازعت پیدا کر دی۔ یاناتانی مکابی رئیس یہود۔ جس کی قوت یونانیوں کے ضعف سے نشو و نما پا رہی تھی۔ اوس نے اچانک نبطیوں پر حملہ کیا اور اون کو نقصان پہونچایا۔ (قدامت ج ۲۔ ۱۳۔ ۵۔ ۱)

حارث دوم کے زمانہ میں یونانیوں نے غزہ کے یہودیوں پر حملہ کیا۔ حارث اوسوقت انباط کی قوت کا مالک تھا۔ اپنے عہد کا ممتاز بادشاہ تھا۔ اس لئے یونانیوں سے اعانت کا وعدہ کیا لیکن اس سے پہلے کہ عربوں کی کمک پہونچے یونانی خود خانگی منازعات میں مبتلا ہوگئے۔ (قدیم ج ۲۔ ۱۳۔ ۱۳۔ ۳)

حارث دوم کے بعد عبادہ اول مملکت انباط پر تخت نشین ہوا۔ اسکے عہد میں سکندر مکابی جو یہودیہ کا ایک مجنون رئیس تھا۔ انباط پر حملہ آور ہوا۔ اور گو وہ جنگ میں نبطیوں کے ہاتھ سے بمشکل جانبر ہو سکا۔ تاہم صوبہ مواب اور جلعباد کے ۱۲ شہر اون سے چھین لیگیا۔ (۱۳۔ ۱۳۔ ۵ اور ۱۴۔ ۱۔ ۴) لیکن یہود اس فتح سے خوش نہوئے اور اونہوں نے سکندر کو مجبور کیا کہ وہ مواب اور جلعباد کے علاقے عربوں کو واپس کر دے کہ وہ دشمنوں کے شریک نہ بن سکیں۔ (۱۳۔ ۱۴۔ ۲)

حارث سوم (۸۶ تا ۶۲ ق م) حکومت انباط کا سلطان اعظم تھا۔ انطیاخوس ڈیانیسوس سلوقی اسوقت ملک عرب پر حملہ آور تھا۔ حارث کی فوج خالص عرب شجاعت کے ساتھ یونانیوں کے مقابل تھی۔ پہلے حملہ میں وہ پسپا ہو رہی تھی کہ دفعتاً حارث دس ہزار سواروں کے ساتھ میدان جنگ میں نمودار ہوا۔ انطیاخوس بہادری سے لڑتا رہا۔ اور عین اوسوقت میں جبکہ جلوۂ فتح اسکے سامنے تھا۔ لڑائی میں کام آیا۔ اوسکے مرنے کے ساتھ فوج کے پاؤں اوکھڑ گئے۔ حارث کیلئے اب یہاں سے دمشق تک جو سلوقیین کا پایہ تخت تھا کوئی روک نہ تھی۔ اور خود بطلیموس و سلوقی خاندان باہم خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ چنانچہ خود اہل دمشق کی دعوت پر حارث دمشق پہونچا اور سکندر اعظم کے جانشینوں (سلوکیوس) کا تخت اوسکے پاؤں کے نیچے تھا (۱۳۔ ۱۵۔ ۱)

پہلی صدی ق م کے اواسط میں اسکندر مکابی کے دو بیٹوں میں تخت یہودیہ کیلئے منازعت ہوئی ایک نے بھاگ کر حارث کے دامن میں پناہ لی اور وعدہ کیا کہ اگر وہ تخت نشین کر دیا گیا تو جن بارہ نبطی شہروں پر اوسکا باپ قابض ہوگیا تھا واپس کر دیگا۔ (قدامت ج ۲۔ ۱۴۔ ۱۔ ۴) حارث پچاس ہزار سپاہ کے ساتھ قیم

(پٹیرا) سے نکلا۔ یہودیوں نے میدان میں شکست کھائی۔ اور یروشلیم میں قلعہ بند ہو گئے۔ یروشلم کا محاصرہ کئے ہوئے حارث پڑا تھا کہ تو شاب رومیوں کی فوج سامنے سے نمودار ہوئی جس نے ۳۰۰ ٹالنٹ (۲۵ لاکھ روپیے) پر یہودیوں سے جنگ خرید لی۔ ناچار حارث کو پیچھے ہٹ آنا پڑا۔ (بحوالہ سابق باب۲ فقرہ ۱-۲) اور اسی کے سپالار سکاروس (SACARIEUS) نے پہلی صدی ق م کے اواسط میں بار بار رقیم (پٹیرا) پر حملہ کیا۔ لیکن راستہ کی دشوار گذاری ہمیشہ کیلئے قلعہ ثابت ہوا کی۔ ناچار سکاروس نے ادہر اُدہر شہروں کو جلانا اور برباد کرنا شروع کر دیا۔ آخر ۳۰۰ ٹالنٹ یعنی تقریباً ۲۰ لاکھ روپے ایک ادومی سردار انٹی پٹر کی دلالی سے اپنے وحشیانہ اعمال کی قیمت لیکر واپس گیا۔

یہ واپسی رومیوں کی تخییل میں عظیم الشان فتح تھی اس کی یادگار میں ایک سکہ جاری کیا گیا جس میں دکھایا گیا کہ حارث سرنگوں ہے۔ ایک ہاتھ میں اونٹ کی مہار اور دوسرے میں ایک خوشبودار درخت کی ٹہنی (جو ملک عرب سے شاید عبارت ہی) لئے کھڑا ہے۔ سکاروس کے بعد گبینوس (GABINIEUS) اوسکی جگہ پر آیا۔ اوس نے یہودیہ رومیوں کی خیرخواہی کے معاوضہ میں انٹی پٹر ادومی کے حوالہ کیا اور خود فتح انباط کے ارادہ سے نکلا اور کہتے ہیں کہ غالب آیا (بریٹینیکا طبع یازدہم ج ۲۴ ص ۳۰۵)

عبادہ ثانی کے عہد کا کوئی واقعہ نہیں معلوم ہوا۔

مالک ثانی (۴۷ تا ۳۰ ق م) کا زمانہ بعض حیرت انگیز واقعات کا سلسلہ ہے۔ انٹی پٹر مر چکا تھا۔ اوس کے بجائے ہیرود۔ یہودیہ کا رئیس تھا۔ روم میں سیزر اعظم (قیصر) کے قتل کا معاملہ درپیش تھا اور انٹونی اپنے حریف (قاتلین قیصر) پر غالب آ رہا تھا۔ مصر میں خاندان بطلیموسی کی آخری شہزادی کلوپیٹرا تخت نشین تھی۔ ہیرود رومیوں کی بھتیلی دیکر رومیوں سے بادشاہ یہود کا لقب خریدنا چاہتا تھا اور اسی ضرورت سے مالک کے پاس جانا چاہا کہ اوس سے کچھ رقم بطور قرض یا دوستانہ حاصل کرے۔ لیکن مالک نے ملاقات سے انکار کر دیا کہ فارس کی ہمسایہ حکومت اسکو پسند نہیں کرتی۔ ہیرود رنجیدہ ہو کر روم واپس گیا۔ (قد ۱۴ ۱۴ تا ۱۴ اعما ۱-۱۴-۱) لیکن عرب جن کی ضرورت ہر قدم پر ہمسایہ حکومتوں کو ہوتی ہے اون سے کب تک اعراض ہو سکتا تھا۔ چنانچہ چند ہی روز کے بعد ایک فوج کشی میں پانی کیلئے نبطی عربوں کی اعانت کی حاجت محسوس ہوئی روم سے چلکر انٹونی اب مصر و شام کا فرمانروا تھا۔ عرب گو میدان میں مفتوح نہیں ہوئے تھے تاہم رومیوں کی سیاسی فوقیت کو تسلیم کرتے تھے۔ انٹونی سب کچھ جو او سکا تھا کلوپیٹرا کو نذر کر چکا تھا۔ وہی ان ممالک سے خراج وصول کرتی تھی۔ یہودیہ اسکے لئے تیار تھا۔ لیکن عرب نبط اسکی محکومی کے لئے تیار نہیں تھے شاہ یہود کے توسط کے بعد بھی مالک خراج دینے پر آمادہ نہوا۔ آخر الامر یہود نے رومیوں کی محبت اور کلوپیٹرا کی نازبرداری میں

عربوں پر حملہ شروع کیا۔ بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں طرفین سے ہزاروں آدمی کام آئے اور یہودی مورخ یوسیفوس کے مطابق اکثر عربوں کو شکست ہوتی رہی (قدامت ۱۵ باب ۴-۵-۶)

عبادہ ثالث (۳۰ سنہ تا ۹ سنہ ق م) گو ایک سست طبع اور ناکارہ تھا لیکن اوسکا وزیر نہایت ہوشمند اور چالاک تھا۔ یونانی تلفظ میں اوسکا نام سالیوس (SYLIEUS) تھا (اصل شاید۔ سائل یا سائیل ہو) سالیوس ہمیشہ اپنی دانشمندانہ سازشوں سے یہودیوں اور رومیوں کو زک دیتا رہا۔ (قدامت ۱۶، ۷، ۱۱ وباب ۹ محارب ۱، ۲۴، ۲۹، ۱۱) ۱۸ سنہ ق م میں۔ رومیوں کو جو فتح عرب کے خواب دیکھ رہے تھے۔ عرب کے بے آب صحرا میں جس طرح اون کی ہمت کو شکست دیکر واپس پھرایا۔ وہ اب تک ہر رومی اور یورپین مورخ کے قلم کے لئے سرمایہ غم وندامت ہے۔ واقعہ کی تفصیل "حمیر" کے ذکر میں اس سے پہلے گذر چکی ہے۔

حارث رابع (۹ سنہ تا ۴۰ سنہ ع) حضرت یحییٰ بن زکریا اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا معاصر تھا۔ اسکا پہلا نام انیس تھا۔ عبادہ کی وفات کے بعد جب یہ بادشاہ ہوا تو اپنے لئے شاہی نام حارث اختیار کیا۔

ہیروڈ شاہ یہودیہ حارث کا داماد تھا۔ یہ شخص نہایت بدکار اور ستم دوست تھا۔ اپنے بھائی کے مرنے پر اپنی بھاوج سے جو اسکی علاتی بھتیجی بھی ہوتی تھی۔ شادی کرلی حضرت یحییٰ ان دنوں پند وموعظت کے پیغمبرانہ اثر سے قلوب کو مسخر کر رہے تھے۔ ان کی محبوبیت یہودیہ میں جتنی ترقی کرتی جاتی تھی۔ ہیروڈ اوسی قدر بیچ وتاب کھاتا جاتا تھا۔ حضرت یحییٰ نے ہیروڈ کو اس شادی پر ملامت کی۔ خون آشام بادشاہ سے ضبط نہو سکا۔ حضرت یحییٰ کا سر کاٹکر منگوایا۔ ہیروڈ کی پہلی بی بی عرب اپنے باپ کے پاس چلی گئی۔ عرب کا بادشاہ۔ حارث اپنی اس خاندانی اہانت پر غصہ سے بیتاب ہوگیا۔ فوراً یہودیہ پر فوجکشی کی تیاری کردی اور اس زور وشور سے حملہ آور ہوا کہ ہیروڈ تاب نہ لاسکا۔ اور سخت ہزیمت اوٹھاکر بھاگا۔ یہودی معتقد تھے کہ یہ شکست حضرت یحییٰ کے قتل کا پاداش عمل تھا (قدامت ۱۸، ۵) حارث سیدھا دمشق پر قابض ہوگیا۔ پولوس یا سینٹ پال (ST PAUL) موجودہ عیسائیت کا بانی اسی حارث کے ہاتھوں گرفتار ہوکر قید ہوا تھا۔ آخری ڈوری لٹکاکر اسکے سہارے قیدخانہ سے نکلکر بھاگا۔ (نامہ پال بنام قرنتیوں ۱۲ و ۳۳) رومی ہیروڈ کی مدد کے لئے آئے۔ لیکن اتفاقاً اسی اثنا میں (۳۷ سنہ ع) میں خود قیصر مرگیا۔ حارث کئی برسوں تک دمشق پر قابض رہا۔

حارث کے بعد دولت انباط رومی اقتدار کے پردے میں بالکل چھپ گئی۔ گویا حارث کا وجود اس چراغ کا آخری سنبھالا تھا۔

انباط کے مٹنے کے بعد بہت سے عرب قبائل اندرون ملک سے خالی جگہ کو بھرنے کیلئے نکل آئے جن میں زیادہ مشہور آل غسان ہیں جو انباط کے ہم نسب تھے۔

تقریباً ۳۰۰ برس کے بعد جب اسلام آیا تب بھی انباط دنیا سے معدوم نہ تھے۔ ممالک شام میں ان کا پیشہ غلّہ و روغن فروشی رہ گیا تھا (زرقانی ج ۱ و صحیح بخاری غزوہ تبوک) اوپر کے شہر۔ تدمر۔ معان۔ بصریٰ وغیرہ آل غسان کے ہاتھ میں۔ اور حجر۔ تیمار۔ خیبر وغیرہ جو نبطیوں کے گھر اور قلعے تھے۔ ان سب پر یہود قابض تھے نبطیوں کی بقیہ آبادی قومی حیثیت کھو کر۔ یہودیوں۔ یونانیوں اور رومیوں میں اس طرح گھل مل گئی تھی کہ عہد اسلام میں ان اطراف میں جب عرب پھیلے تو کوئی ایک دوسرے کو پہچان نہ سکا۔ عربوں نے ہمیشہ انکو ایک اجنبی قوم سمجھا اور یہ خود بھی اپنے کو نبطی کہتے تھے۔ انھیں میں سے حسّان نبطی ہے۔ جو ہشام ابن عبد الملک کا درباری تھا (ابن خلکان تذکرہ خالد القسری)

اصحاب الحجر

اس عظیم الشان قوم کا عروج و زوال۔ حیات و موت۔ زندگی و فنا ہمقوم عرب کیلئے کسقدر سبق آموز ہوسکتی ہے۔ تعجب ہوتا اگر قرآنمجید اس عبرتناک تاریخ سے خالی ہوتا۔

تم نے اوپر پڑھا ہے کہ انباط کے مرکز حکومت دو تھے۔ رقیم (پٹرا) متصل شام اور حجر (اجرا) اندرون عرب قرآن مجید نے انکو اسی قریب تر شہر کے مالک کہکر پکارا ہے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ فَمَآ أَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ

اہل حجر نے پیغمبروں کو جھٹلایا (یعنی گذشتہ اور معاصر پیغمبروں کی ہدایت قبول کیں) ہم نے اونکو اپنی نشانیاں دیں۔ اون سے منہ پھیر لیا۔ یہ پہاڑ و نکو کاٹ کر گھر بناتے تھے جنمیں امن و آرام کے ساتھ رہتے تھے۔ انکو عذاب نے صبح ہوتے ہی لے لیا پھر انکے کارناموں نے انکو کوئی فائدہ نہ بخشا۔

تمام مفسرین نے اصحاب الحجر سے ثمود مراد لیا ہے اسمیں شک نہیں کہ ثمود کا دار الحکومت بھی یہی شہر تھا۔ لیکن قرآنمجید کا عام طرز ادا بتاتا ہے کہ اصحاب الحجر سے ثمود کے علاوہ انکے بعد کی آبادی مراد ہے۔ قرآن مجید نے ثمود کا ۲۶ جگہہ ذکر کیا ہے۔ لیکن ہر جگہ اونکا نام لیا ہے۔ اس اجمال کے ساتھ یعنی "حجر والے" کہکر کہیں نہیں بیان کیا ہے۔

ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے۔ ثمود کی تعمیر و سنگتراشی کا قرآن میں جہاں ذکر ہے وہاں مقام کا نام بھی بتا دیا ہے۔ یعنی وادی القریٰ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ "ثمود جنہوں نے وادی القریٰ میں پتھر تراشے اور یہاں حجر والے کہکر اون کی تعمیر و سنگتراشی کا ذکر کیا ہے۔ اس سے اشارہ یہ ہے کہ اون کی سنگین عمارتیں حجر میں واقع تھیں انکے نشان اور آثار اب تک موجود ہیں۔ ان پر جو کتبات منقوش ہیں اونسے بانی اپنا نام نبطیو بتاتا ہے جس کو ہر نبطی خط و زبان کا عالم ہر وقت پڑھکر تصدیق کر سکتا ہے۔ اس سے یہ بات

پایہ ثبوت کو پہونچتی ہے کہ اصحاب الحجر انہیں انباط کا لقب تھا۔ صحیح بخاری اور احادیث وسیر کی دوسری کتابوں میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم تبوک کو تشریف لیجاتے ہوئے مقام حجر سے گذرے تھے۔ اس موقع پر بھی اکثر روایتوں میں ثمود کا نام نہیں۔ یہ فقرہ مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا۔

لَا تَدْخُلُوا مَسَاكِنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلَ مَا أَصَابَهُمْ | ان اپنی جانوں پر آپ ظلم کرنے والوں کے گھروں میں روتے ہوئے چلو ایسا نہو کہ جو مصیبت اُنپر آئی تمپر بھی آئے۔

یہ روایت امام بخاری نے باب غزوہ تبوک۔ تفسیر سورۂ حجر اور ثمود کے ذکر میں درج کی ہے۔ اسمیں ثمود کا مطلق نام نہیں۔ ایک روایت میں بھی حدیث بزیادت الفاظ اس طرح مروی ہے۔ ان الناس مع رسول اللہ نزلوا ارض ثمود الحجر۔ اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حجر ثمود کا بھی ملک تھا۔ اور اس سے ہمکو انکار نہیں۔

اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ کم از کم ۳۰۰ قم سے ۱۰۶ء تک انباط ان مقامات پر قابض تھے۔ ڈایڈورس اور پلینی کی شہادتوں کو باہم پیش نظر رکھو۔ ڈایڈورس (۳۰ ق م) کہتا ہے۔

اوپر گذرتے ہوئے تم خلیج ایلہ (عقبہ) میں داخل ہو گے جس کے حدود پر ادن عربوں کی بہت سی آبادیاں ہیں۔ جنکو لوگ نبط کہتے ہیں۔ یہ نہ صرف سواحل کے بڑے حصہ ملک پر بلکہ اندرون ملک میں بھی وہ دور تک پھیل گئے ہیں۔ (دیکھو فصل "انباط کا رقبہ حکومت")

مورخ پلینی (۷۹ء) اسی خلیج ایلہ کے ذکر میں کہتا ہے۔

خلیج کے اندرونی گوشے میں جہاں ایلانی لوگ بستے ہیں۔ جن کے سبب سے اس خلیج کا نام ایلہ ہوا (یہ تحقیق بالکل غلط ہے۔ بلکہ واقعہ برعکس ہے یعنی سکونت خلیج ایلہ کی خصوصیت سے انکو ایلی کہتے ہیں) اور۔ جو اگر (حجر) اپنے شاہی شہر میں بھی رہتے ہیں۔ (طلاے مدین۔ یعنی گولڈ مائنس آف مدین ص ۲۱۲)

قرآن مجید نے انکی سنگی عمارتوں کا ذکر کیا ہے گو ان کے آثار ابتک حجر۔ تیما اور علا وغیرہ میں موجود ہیں لیکن انباط کی معاصر تاریخ بھی اسکے ذکر سے خالی نہیں۔ اسٹرابو لکھتا ہے۔

انکے مکانات عالیشان اور پتھر کے ہوتے ہیں۔ (معادن طلاے مدین ص ۲۲۸)

مسلمان جغرافیہ نویسوں نے ان عمارتوں کو تیسری چوتھی صدی میں دیکھا تھا۔ اصطخری بیان کرتا ہے۔

الحجر قریۃ صغیرۃ قلیل السکان وھو من | حجر وادی القریٰ سے ایکدن کی راہ پر پہاڑوں کی بیچ میں

وادی القری علی یوم بین جبال وبہا کانت منازل ثمود ورأیت المساکن مثل بیوتنا فی اضعاف الجبال (یاقوت۔ المعجم)

ایک کم آباد گاؤں ہے۔ یہیں ثمود کے گھر تھے ہم نے اپنے گھروں کے برابر ان گھروں کو پہاڑوں کے سلسلوں میں دیکھا ہے۔ (یاقوت المعجم)

جن میں اب تک عمارتیں موجود ہیں۔ ان میں اکثر مقبرے ہیں۔ جو پہاڑوں کو کاٹ کر بنائے گئے ہیں ان عمارتوں پر نبطی خط اور آرامی زبان میں مذہبی کتبے لکھے ہیں۔ ان میں انباط کے بتوں کے نام بھی ہیں۔ جنہیں قیس۔ ذوالشریٰ۔ مناۃ مشہور دیوتا ہیں۔ موجودہ عمارات میں۔ ایک عمارت قصر البنت کے نام سے آج تک مشہور ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مضمون عرب)

۱۲ قیدار ابن اسمٰعیل

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ

قیدار حضرت اسمٰعیلؑ کا دوسرا بیٹا تھا۔ شہرت اور اعزاز میں اپنے تمام بھائیوں سے ممتاز تھا۔ لفظ قیدار کے عبری میں معنی۔ سیاہی اور غم کے ہیں۔ عربی میں بھی لفظ "کدر" و "کدورت" موجود ہے۔ شاید حضرت اسمٰعیل نے یہ نام باپ سے جدائی اور صحرا نوردی کے غم کی یادگار میں رکھا ہو۔ قیدار بنا بر روایات توراۃ و عرب حجاز میں آباد ہوا تھا۔ فارسٹر صاحب جن کی موافقانہ شہادت نہایت مشکل سے میسر آسکتی ہے لکھتے ہیں۔

"انبیا بنی نے قیدار کے جس ملک کا اقرار و ذکر کیا ہے۔ اوسکو ہر شخص جو جغرافیہ عرب سے واقف ہے فوراً کہدیگا کہ وہ عرب کے صوبہ حجاز کا صحیح نقشہ ہے۔ جس میں مکہ اور مدینہ کے مشہور شہر واقع ہیں۔ عربوں کی قومی روایت بھی تاریخی نتیجہ حاصل کر لیتی ہے۔ جب ایک طرف اوس کی تصدیق کتب مقدسہ سے بھی طبعی نتیجہ سے قیدار کا اسی حصہ ملک میں ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف اریانوس بطلیموس اور پلینی کے بیان سے ملتی ہے۔ جو کیداری (قیداری) قوم کی اسی صوبہ میں موجودگی کی غیر مشتبہ شہادت دیتے ہیں۔" (فارسٹر جغرافیہ عرب ج ۱ ص ۲۴۸ ملخصاً)

قیدار کی اہمیت اور عظمت کیلئے یہ دلائل کافی ہیں کہ اوسکا نام توراۃ کے صحفات میں اسیریا کے کتبات میں اور یونان کے جغرافیات میں ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن اس سے بھی عظیم الشان عزت اوسکو یہ حاصل ہے کہ وہ نور الٰہی جو آدم و ابراہیم کو ودیعت ہوا تھا۔ وہ اسماعیل کے بیٹے قیدار کی پشت سے جلوہ افروز عالم ہوا۔ یعنی پیغمبر عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نسل قیدار کی شاخ عدنان سے پیدا ہوئے۔

ایک قوم ہونے کی حیثیت سے قیدار کا نام سب سے پہلے ۱۱۰۰ ق م میں حضرت داؤدؑ کی زبور میں نظر آتا ہے بنو قیدار اس زمانہ میں خیموں میں رہتے تھے حضرت داؤدؑ کی شاہی سے پہلے بہت دنوں تک بنی قیدار کے خیموں میں رہے تھے (زبور ۱۲۰-۵)

۱۰۰۰ ق م میں حضرت سلیمان بھی اپنی غزل میں قیدار کے خیموں کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ کالے رنگ کے ہوتے ہیں اور میں قیدار کے خیموں کی طرح سیاہ ہوں۔ یہ سیاہ خیمہ کالے کملوں کے ہوتے تھے۔ جو اب تک بدوی عربوں کے لئے صحرا میں قصر و کاشانہ ہیں۔ خود مکہ آنحضرت صلعم سے چند پشت پیشتر صرف خیموں کا شہر تھا۔ کوئی پتھر یا مٹی کی عمارت موجود نہ تھی۔

تحریری حیثیت سے دو سو برس کے بعد پھر قیدار کا نام اسیریا کے کتبات میں ملتا ہے۔ ملک عرب کا نام ان کتبات میں عریبی ہے۔ اول زبیبی اور سمسی دو شاہزادیوں کا ذکر ہے۔ زبیبی کی اصل شاید زبّار اور سمسی کی حقیقت شمسیہ ہو۔ ذیل کی عبارت میں ہم ان کتبات کا اقتباس ایک نہایت معتبر کتاب سے کرتے ہیں:۔

ملکہ زبیبی (زبّار) تغلات پلاسر سوم۔ شاہ اسیریا (۷۴۵ تا ۷۲۷ ق م) کی معاصر تھی تغلات پلاسر سوم۔ ملکہ زبیبی سلطانہ عریبی کو صرف مفتوحین اور باجگذاروں کی فہرست میں داخل کرتا ہے (ص ۱۲۱) اسکے بعد زبیبی ملکہ عریبی کا دوبارہ ذکر آتا ہے۔ زبیبی نے ۷۳۸ ق م میں خراج ادا کیا تھا اوسکے بعد سے پھر عرب سے خراج وصول نہیں ہوا۔ اب بجائے زبیبی کے ملکہ سمسی (شمسیہ) تخت نشین تھی شمسیہ نے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ اور اسیری سپاہ کو ناکامیاب واپس کر دیا۔ ناچار وہ لڑنے پر مجبور کی گئی۔ اسیری غالب آئے اور شمسیہ کے ملک کے اونٹ اور بیل لوٹ لیگئے۔ ایک اسیری سردار تحصیل خراج کے لئے متعین ہوا۔ اسکا یہ اثر ہوا کہ سبا نے بھی شاہ اسیریا کو نذریں پیش کیں۔ (ص ۱۳۰۔۱۳۱)

۷۱۳ ق م میں سرجون ثانی شاہ اسیریا نے شمال عرب پر فوجکشی کی۔ خیفہ ایک قبیلہ تھا جس نے سرتابی کی تھی۔ ثمود۔ عبادیدی (عبادی) اور مرسیمنی۔ خیفہ کے طرفدار تھے۔ خیفہ انتہائی شمال میں موجودہ شہر مدینہ کے متصل اور بقیہ قبائل مکہ کی طرف سے نیچے آباد تھے۔ پٹمر سبا اور شمسیہ ملکہ عرب نے جب کا ملک انتہائے شمال میں واقع ہوا تھا۔ نذریں پیش کیں۔ ص ۱۴۴

اشوربنیپال شاہ اسیریا کے عہد حکومت (۶۶۸ تا ۶۲۶ ق م) میں یوتع بن ہزائیل عریبی کا بادشاہ تھا اور عادیہ اوسکی بادشاہ بیگم تھی۔ یوتع (یوشع) نے اپنے حدود مملکت میں عرب ادوم۔ بیرودبیت عموں حوران۔ موآب۔ سعیر دخل کر لئے تھے۔ اور ان مقامات کے حدود پر عربوں کی چوکیاں مقرر کیں۔

یوتع نے بنی قیدار کی ایک فوج دو عرب شیخ ابی تیع اور ابامو کے ماتحت روانہ کی۔ بنی قیدار کی یہ فوج بابل سے پیچھے ہٹا دی گئی۔ اور کم از کم ان میں سے ایک شیخ گرفتار کر لیا گیا۔ عرب جو اسیریا میں آباد تھے جبراً اس فوج کی شرکت سے باز رکھے گئے تھے اسلئے متوقع کمک عربوں کو نہ پہونچ سکی۔ یوتع نبطیوں (نابایتو) کی چھوٹی سی ریاست میں پناہ گزیں ہوا۔ یویطار (Uita) یوتع کا بھتیجا تخت پر قابض ہو گیا اور بہادری کے ساتھ اسیری قوت کی مدافعت کرتا رہا۔ آخر اہل اسیریا کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ اور پابزنجیر اسیریا لایا گیا۔ دروازہ پر نگہبان کتے کی طرح پاسبانی کی خدمت اسکے لیے مقرر ہوئی۔ اسی سلسلہ میں قیدار کا ایک دوسرا سردار عمّ العدی بھی قابل مواخذہ سمجھا گیا۔ وہ فلسطین جا کر پناہ گزیں ہوا لیکن وہاں بھی اوسکو امان نہیں ملی۔ فلسطین فتح کر لیا گیا اور وہ قید کیا گیا بلکہ عادیہ بھی گرفتار ہوئی اور ابیا ابی تیع عربی کا بادشاہ ہوا۔ ابی تیع کی مدت حکومت بہت کم معلوم ہوتی ہے اور یکا یک تخت سے عویطا بن بیرود تاریخ سے غائب ہو جاتا ہے۔ اور پھر ایک زمانہ کے بعد شیخ بنی قیدار کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اب نتنو (ناتان) رئیس انباط۔ یوتع۔ رئیس عربیا اور ابی تیع شیخ قیدار متفقاً اسیریا کے مقابلہ میں اوٹھتے ہیں لیکن سوء قسمت سے ناتان گرفتار ہو جاتا ہے اور سب بچکر نکل آتے ہیں۔

(ص ۵۷۵ - ۵۷۶)

کتبات مذکورہ کے بیانات سے یہ صاف صاف نہیں واضح ہوتا کہ یہ بیسی (اشمیہ) خاندان بنی قیدار سے تھیں یا نہیں۔ لیکن آخری فقروں سے قیاس غالب یہ ہوتا ہے کہ یہ خاندان قیدار ہی تھا ان کتبات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ نابت اور قیدار کی اولادیں اوسوقت الگ الگ ہو گئی تھیں اور شمالی عرب کے مختلف گوشوں میں ان کی متفرق ریاستیں قائم ہو چکی تھیں۔

اشعیا نبی۔ جو تقریباً اسی زمانہ میں تھے یعنی آٹھویں صدی ق م میں وہ بیان کرتے ہیں کہ قیدار ایک شاندار اور بہادر قوم ہے (۲۱ - ۱۶) گاؤں میں ان کی بہت سی آبادیاں ہیں (۴۲ - ۱۱) بھیڑ بکری ان کی اونکی دولت ہے اسی کی وہ تجارت کرتے ہیں۔ (۶۰ - ۷۰)

قیدار کے متفرق رؤسا میں سے عربوں کے نزدیک سب سے زیادہ مشہور عدنان ہے قیدار کی نسل کی تمام شاخیں شجرہ انساب میں اسی عدنان تک منتہی ہوتی ہیں۔ چھٹی صدی ق م میں بنو خذ نذر (بخت نصر) (۶۰۵ سے ۵۶۲ ق م) جس کو عرب بخت نصر کہتے ہیں۔ اسیریا کے تخت پر جلوہ نما ہوتا ہے اور عراق سے لیکر شام۔ مصر اور عرب تک کی خاک اوڑا دیتا ہے۔ اہل عرب کا بیان ہے کہ اوسوقت عربوں کا رئیس کل معد بن عدنان تھا۔

اشعیا (۷۵۰ ق م) خرقیال (۵۹۷ ق م) اور یرمیاہ (۵۸۶ ق م) نبیوں نے خانوادہ قیدار کو اس خونخوار اور سفاک بادشاہ کے خروج سے ہشیار کیا ہے۔ سب سے پہلے اشعیا نبی کہتے ہیں:۔

قیدار کا تمام جاہ و جلال مٹ جائیگا۔ تیرانداز اور بہادر فرزندان قیدار کی تعداد گھٹ جائیگی۔ (اشعیا ۲۱۔۱۶،۱۷)

باب ۴۲۔ آیت ۱۱ میں ہے:۔

اُن دیہاتوں میں آواز اُٹھیں جن میں قیدار رہتے ہیں۔

باب ۶۰ درس ۷ میں ہے:۔

قیدار کے گلّے اور نباپوط کی بھیڑیں اکھٹی کیجائیں گی۔

یرمیاہ نبی نے کہا (۴۹۔۲۸)

قیدار اور حضور کی حکومتوں پر افسوس ہے۔ جنکو بابل کا بادشاہ بنو خذ نذر (بخت نصر) تباہ کریگا خدا کہتا ہے اٹھو اور قیدار کے پاس جاؤ اور اہل مشرق کو برباد کردو۔

اہل عرب نے روایت کی ہے کہ بخت نصر حملہ کرتا ہوا حجاز تک پہنچگیا تھا۔ معد بن عدنان بر سر مقابلہ ہوا۔ اور ایک غیر منفصل جنگ کے بعد دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ یرمیاہ نبی نے معد کو بچالیا۔ اور شاید اس شکست سے بنو قیدار کو کچھ زیادہ صدمہ نہیں پہونچا۔ خرقیال نبی جو بخت نصر کی ان جہاں سوزیوں کے زمانہ میں موجود تھے اور فلسطین سے قید ہو کر (۵۹۷ ق م) بابل گئے تھے۔ قیدار کے شہزادوں کا ذکر کرتے ہیں:۔

عرب اور قیدار کے تمام شہزادوں نے بھیڑ بکری کا تجھ سے بیوپار کیا۔ (۲۷۔۲۱)

ان انبیا کی معاصرانہ شہادتوں سے بنو قیدار کی معاشرت یہ ظاہر ہوتی ہے کہ وہ خیموں اور گاؤں میں آباد تھے۔ بہادر اور شجاع تھے۔ قبائل کے سردار تھے۔ بدویانہ جاہ و جلال اور شان و شکوہ ان کو حاصل تھا۔ تجارت انکا پیشہ تھا۔ اور یہی نقشہ ان کا زمانہ اسلام تک موجود تھا۔ (ملخص از کتاب ارض القرآن جلد دوم۔ تذکرہ انباط و قیدار)

مشرقی مورخین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ عدنان کے دو بیٹے تھے معد اور عک۔ عک کی نسبت وہ صرف اتنا ہی لکھتے ہیں کہ وہ علاقہ یمن کی طرف جا کر سکونت پذیر ہوا۔ باقی حالات پر پردہ ہے لیکن زمانہ حال کی تحقیقات علم القدامت کے انکشافات۔ خصوصاً ان کتبوں کی عبارات سے۔ جو علاقہ حضرموت کے مقام حصن غراب میں پائے گئے ہیں اور جنکو مستشرقین قوم عاد کے اخبار و آثار سے شمار کرتے ہیں۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ عک نے کچھ عرصہ تک اس علاقہ میں بادشاہی کی تھی۔ مذکورۃ الصدر کتبوں کو حضرموت کے علاقہ

میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہازی افسروں نے ۱۸۳۴ء میں پایا تھا۔ ان کتبوں کا پورا بیان مع نقشوں کے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جرنل جلد سوم میں مندرج ہے۔ مسٹر فارسٹر نے اسکی نسبت جو کچھ لکھا ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اوس زمانہ میں عک وہاں کا حاکم تھا۔

معد عدنان کے بعد قبائل عرب کے سرداری اور حکومت معد سے تعلق رکھتی تھی۔ معد اور حضرت یرمیاہ اوسوقت کے پیغمبر زمانہ دونوں ہمعصر تھے۔ اور اون دونوں میں باہمانہ مراسم اتحاد قایم تھے۔ مورخ مسعودی نے مروج الذہب میں صرف اتنا لکھا ہے۔ وقد کان لارمیا مع معد ابن عدنان اخبار یطول ذکرھا۔ حضرت ارمیا کے ساتھ معد ابن عدنان رہتے تھے اور یہ ایسے واقعات ہیں کہ اونکا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔ تاریخوں سے مسعودی کے اس مجمل بیان اور معذرت کی حقیقت اسطرح پائی جاتی ہے۔

معد ابن عدنان اور حضرت ارمیاہ کے حالات اور باہمانہ تعلقات جو گذرے ہیں وہ حقیقتاً بہت طول طویل ہیں جنکا خلاصہ یہ ہے کہ جب بخت نصر نے حملہ کیا اور عرب میں بنی عدنان اور بنی جرہم کو شکست دی اور شہر مکہ کو بالکل لوٹ لیا اور وہاں کے صدہا باشندوں کو پکڑ کر اپنے ساتھ بابل لیگیا۔ تو اوسوقت خدا تعالیٰ نے معد ابن عدنان کی جان کو بال بال بچا لیا۔ حضرت ارمیاہ اور اون کے وصی و جانشین برخیا (کاتب الوحی) کو معد بن عدنان کی حمایت میں بھیجدیا۔ یہ دونوں حضرات مکہ میں آئے اور عدنان کو بھی اپنے ساتھ حران یا جبرون میں۔ جو علاقہ شام میں ہے۔ لیگئے۔ اور اون کو ایک معتدبہ زمانہ تک بحفاظت و آرام رکھا۔ وائلہ ملقب بہ ابن کلیب ابن ربیعہ بھی معد ابن عدنان کی اولاد میں تھا۔ عرب کا بادشاہ ہوا۔ اور یمن والوں سے چند لڑائیاں لڑا۔ زہیر ابن خذیمہ اور قیس ابن زہیر بھی باری باری سے حجاز پر حکمرانی کرتے رہے اور یہ سب سلاطین صحیح طور پر معد ابن عدنان کی اولاد میں تھے۔

مگر بات یہ ہے کہ ان متذکرہ بالا۔ عدنانی سلسلہ حکمرانی کا زمانہ حکومت صحت کے ساتھ قایم کرنا اور بتلانا سخت دشوار ہے اور حقیقتاً ان حکومتوں کا یقینی طور پر ہم کوئی خاص زمانہ بتلانے سے بالکل مجبور ہیں۔ کیونکہ انکے معلومات کا کوئی قوی اور معتبر ذریعہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے لیکن غور و خیال کرنے کے بعد ہم اتنا اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان اسماعیلی الاصل فرمانروایان عرب کا زمانہ حکومت اوسی وقت ہوگا جب یمن کی سلطنتیں اور دیگر ہمسایہ حکومتیں اپنے عروج وارتقا کے زمانہ کو تمام کر کے اضمحلال اور ادبار کی حالتوں میں مبتلا ہو چکی تھیں۔ (خطبات احمدیہ ۵۶۴)

معد ابن عدنان کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام نزار تھا۔ نزار کے پانچ بیٹے تھے۔ پانچوں بیٹوں سے پانچ مشہور شاخیں قایم ہوئیں۔ انمار۔ ایاد۔ ربیعہ۔ قضاعہ۔ مضر۔ عرب کے تمام قیداری قبائل انھیں

کے فروع ہیں۔ میلادِ مسیح علیہ السلام کے پس و پیش زمانہ میں طولاً یہ یمن سے شام تک اور عرضاً حجاز و نجد سے بحرین و عراق تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور زمانہ اسلام تک انکا یہی نقشہ تھا۔

یہ پانچوں شاخیں پھر چھوٹے چھوٹے مختلف خاندانوں پر منقسم ہو گئیں۔ ان کا مجموعی نام اپنے اپنے مورث اعلیٰ کی نسبت سے۔ بنو عدنان۔ بنو معد اور بنو نزار قائم ہوا۔ نزار کے پانچ خاندانوں میں سے۔ انمار اور ایاد نے کوئی بڑی وقعت حاصل نہیں کی۔ ربیعہ، قضاعہ اور مضر نے کثرت تعداد، دنیاوی اعزاز اور سیاسی اقتدار میں بڑی ناموری حاصل کی اور حجاز و نجد و عراق میں ان کی عظیم الشان حکومتیں اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوئیں بنو عبد القیس کے بحرین میں۔ بکر و تغلب اور کندہ کے نجد میں اور آل منذر کے عراق و حیرہ میں نظام حکمرانی جاری ہوئے۔

قبیلہ قریش

سلسلہ نسب مُضر کی شاخ متعدد اور وسیع خاندانوں میں منقسم ہو گئی۔ جن میں سے ایک قریش کا خاندان ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔

فہر[1] ابن مالک[2] ابن نضر[3] ابن کنانہ[4] ابن خزیمہ[5] ابن مدرکہ[6] ابن الیاس[7] ابن مضر[8] ابن نزار[9] ابن معد[10] ابن عدنان[11]

عدنان تک سلسلہ نسب حرف بحرف صحیح ہے اور ناقابل تشکیک صحیح روایات سے ثابت ہے۔ احادیث صحیحہ میں مروی ہے۔ اشعار عرب میں مذکور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلہ نسب بھی انھیں واسطوں سے عدنان تک پہونچتا ہے۔

وجہ تسمیہ قریش فہر کا لقب قریش تھا۔ اسی بنا پر اوس کی نسل نے "قریش" اپنا خاندانی علم قرار دیا لفظ قریش کے عربی میں متعدد معنی ہیں۔ اسکا ایک ماخذ "قریش" و "تقرش" ہے جس کے معنی اکتساب تحصیل ہیں۔ خیال ہے کہ چونکہ اس خاندان کا اصلی پیشہ تجارت ہے۔ اس لئے قریش کے نام سے موسوم ہے۔ (مورخین و محققین عرب اس استخراج اور اشتقاق کو ذکر نہیں کرتے اور نہ تقرش کے معنی تحصیل و اکتساب کے بتلاتے ہیں۔ بلکہ تقرش سے تجمیع و اجماع کے مفہوم لیتے ہیں۔ جیسا کہ بہت جلد سلسلہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے) قریش ایک دریائی درندہ جانور کا بھی نام ہے جو دریائی جانوروں کا شکار کرتا ہے۔ فہر نے اپنے استیلا و قوت کے اظہار کے لئے یہ لقب اختیار کیا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس نے اسی دوسری تاویل کو اختیار کیا ہے۔

مستشرقین یورپ نے۔ جنکو ہماری تاریخ سے خود غرضانہ محبت ہے۔ اسی دوسری رائے کو پسند کیا ہے لیکن اسلئے نہیں کہ وہ روایتاً صحیح تر ہے بلکہ اسلئے کہ توٹمزم (طوطمیت) کے ثبوت کے لئے ایک سند ہاتھ لگتی ہے۔ حالانکہ اسکی تردید کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس خاندان میں قریش کے نام کی نہ پوجا ہوتی تھی اور نہ اس نام

کا کوئی دیوتا تھا۔

قریش کی شاخیں قریش بھی کوئی ایک قبیلہ نہ تھا۔ چھوٹے بڑے دس مختلف خاندانوں پر منقسم تھا۔ ہاشم، امیہ، نوفل، عبدالدار، اسد، تیم، مخزوم، عدی، جمح، سہم۔ ان کا سلسلہ نسب حسب ذیل ہے:۔

سب سے پہلے قریش کون کہلایا
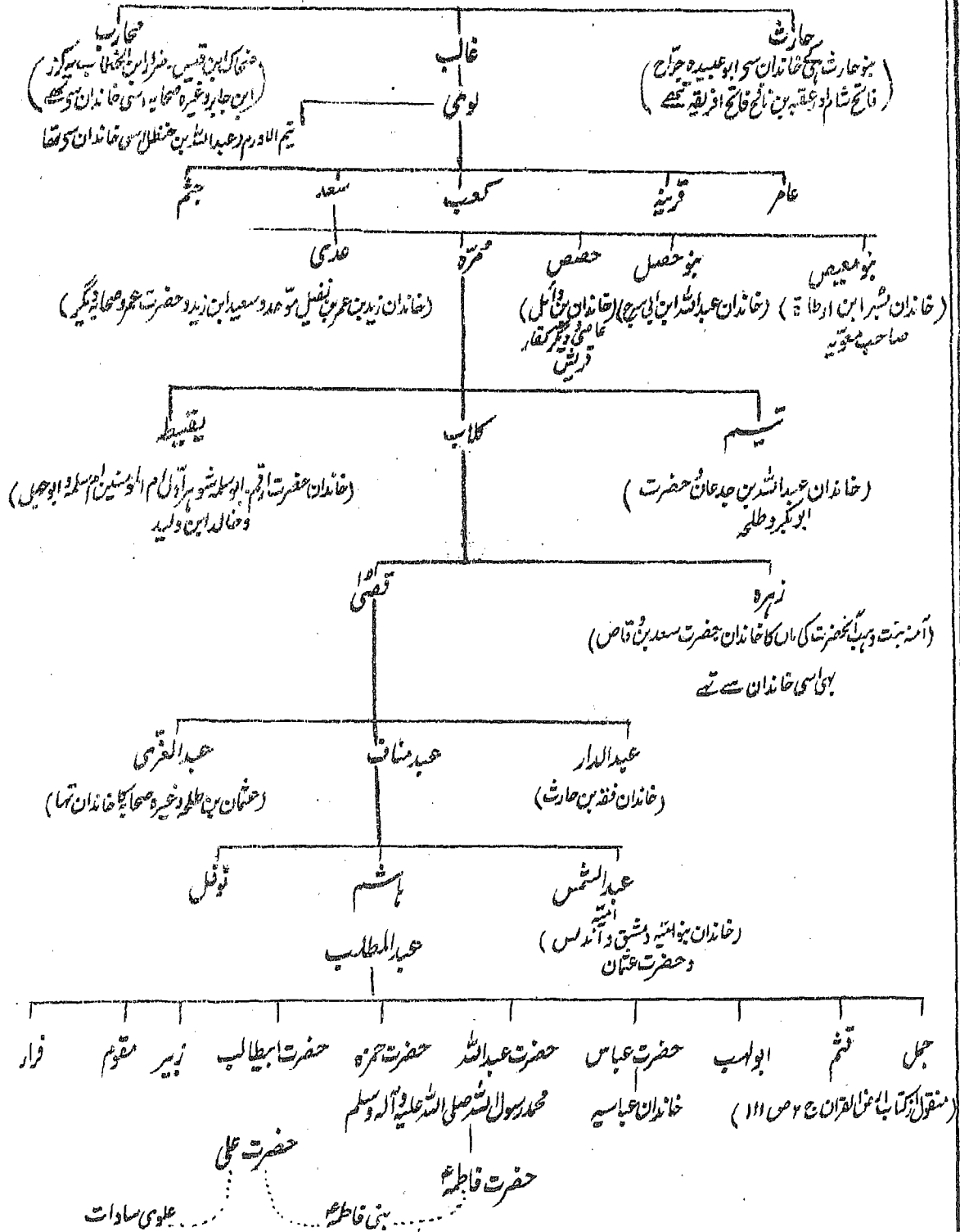
معد ابن عدنان کے بعد اس خاندان میں مدت تک کوئی شخص قابل الذکر نہیں گذرا۔ ان سے آئندہ چودھویں پشت میں خزیمہ بن مدرکہ ایک ایسا شخص معلوم ہوتا ہے جس کے بیٹے زہیر نے حجاز میں حکومت کی اور اوسکے بعد اوسکے بیٹے قیس نے بھی حکمرانی کی۔ مگر افسوس کہ یہ دونوں جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شجرہ نسب میں داخل نہیں ہے۔ اسلئے ہم نے انکے تفحص حالات کی زیادہ فکر نہیں کی۔

خزیمہ کی ایک پشت بعد نضر کے وقت سے اس سلسلہ کے کسی قدر مسلسل حالات و واقعات تاریخوں میں پائے جاتے ہیں۔ عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کے قدیم و جدید مورخین و محققین نے اس سلسلہ کے حالات کو نضر ابن کنانہ بن خزیمہ کے عہد سے ایک سلسلہ اور ترتیب کے ساتھ لکھا ہے۔ اکثر محققین کا اسی بناپر یہ مختار معلوم ہوتا ہے کہ اس خانوادہ میں پہلا شخص جو قریش کہلایا وہ نضر ابن کنانہ تھا۔ بعض فہر ابن مالک ابن نضر (نضر کے پوتے) کو اول قریش بتلاتے ہیں۔ حافظ عراقی سیرت منظوم میں لکھتے ہیں۔

اما قریش فالاصح فہر جماعہا والاکثرون النضر	قریش۔ صحیح یہ ہے کہ وہ فہر (بن مالک) تھا جس نے اونکو جمع کیا اور اکثروں نے نضر کو بتلایا ہے۔

اس شعر قدیم عرب سے فہر کی صحت تخصیص تو ضرور معلوم ہوئی۔ مگر اسکے ساتھ ہی ساتھ نضر کا شمول بھی اسکے تسمیہ میں ظاہر ہو گیا قول اول کے مطابق ممکن ہو کہ قریش کی خصوصیت نضر ہی کے وقت سے پیدا ہوئی ہو۔ مگر اس نے اس خصوصیت اور اسکی شہرت کیطرف توجہ نہ کی ہو۔ لیکن اوس کی دوسری ہی پشت میں اوس کے پوتے فہر ابن مالک نے اس کی شہرت کا خاص اہتمام کیا اور تمام بنی نضر کو جمع کر کے اون کا قریشی ہونا بتلایا۔

نضر اور فہر پر موقوف نہیں۔ ان سے دو تین پشت بعد قصی ابن کلاب کی نسبت بھی اکثر مورخین کی رائے ہے کہ پہلے یہی شخص قریش کے لقب سے مشہور ہوا۔ کیونکہ قریش کے قومی وجود۔ آثار اور اقتدار کا قیام اور اونکا اجماع اسی شخص کے وقت سے اور اسی کے اہتمام و انتظام سے قایم ہوا ہے۔ اور حقیقتاً تمام مشاہد۔ قرائن اور دلائل سے یہی وہ شخص تاریخوں میں پایا جاتا ہے جس نے قریشیوں کو عربوں کے قبائل و اقوام سے ایک جداگانہ اور مشہور زمانہ قوم بنایا۔ اور پھر ایسے اعزاز و امتیاز کے ساتھ کہ کچھ اہل عرب ہی نے اوسکے اس قومی القاب و نام کو تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ غیر قوموں اور دوسرے قبیلوں نے بھی۔ ان اوصاف و خصائص کے اعتبار سے نہ نضر ابن کنانہ اصل قریش اور اول قریش کہلانے کا اتنا مستحق ہو سکتا ہے اور نہ فہر ابن مالک ابن سعد نے طبقات میں اپنا یہی مختار قایم کیا ہے۔ اسکے ثبوت میں وہ حسب ذیل مشاہد پیش کرتے ہیں۔

قال حذافہ بن غانم العدوی لابی لہب بن عبد مناف ابوکم قصی کان یدعی مجمعا بہ جمع اللہ القبائل من فہر

حذافہ بن غانم العدوی نے ابولہب ابن عبد مناف کی تعریف میں کہا کہ تمہارے باپ قصی مجمع ہیں۔ اس لئے کہ خدا نے قبائل بنو فہر کو اُسی کے وقت میں جمع فرمایا ہے اسکے بعد ابن سعد لکھتے ہیں:۔

قد سمی قصی مجمعا لجمعہ قریشا وقصی سمیت قریش قریشا وکان یقال لہم قبل ذلک بنو النضر

قصی کا لقب مجمع (جمع کنندہ) قرار پایا۔ اسوجہ سے کہ انکے وقت میں قریش کا اجتماع (من حیث القوم) واقع ہوا قصی ہی کے وقت سے قریش کا لقب قریش ہوا۔ اس سے پہلے وہ لوگ بنو نضر کہلاتے تھے۔

ایک دوسری شہادت پیش کرتے ہیں:۔

عن سعید ابن محمد ان عبد الملک ابن مروان سئل محمد ابن جبیر متی سمیت قریش قریشا قال حین اجتمعت الی الحرم من تفرقہا فذلک التجمع التقرش فقال عبد الملک ما سمعت ھذا ولکن سمعت ان قصیا کان یقال لہ القرشی ولم تسم قریش قبلہ

سعید ابن محمد کا بیان ہے کہ محمد ابن جبیر سے عبد الملک ابن مروان نے پوچھا کہ کس وقت میں قریش کا لقب قریش قائم ہوا محمد نے جواب دیا اوس وقت سے جب اونہوں نے اپنی تفرقہ کے اختلاف کے بعد آپس میں پھر اتفاق اختیار کیا۔ کیونکہ تقرش کے لغوی معنی جمع کے ہیں عبد الملک نے کہا کہ میں آجتک یہ نہیں سنا تھا لیکن میں نے تو یہ سنا تھا کہ قصی کا نام قریش پڑا اور اس سے قبل اس قبیلہ کا نام قریش نہیں تھا۔

قصی کے اول قریش ہونے کی تیسری شہادت یہ ہے

عن عبد الرحمان ابن عوف قال لما نزل قصی الحرم وغلب علیہ فعل افعالا جمیلۃ فقیل لہ القرشی فھو اول من سمی بہ

(طبقات ج ۱ ص ۴۰)

عبد الرحمن ابن عوف کا قول ہے کہ جب قصی حرم میں آئے اور انکو غلبہ حاصل ہو گیا اور ان سے افعال حسنہ ظاہر ہوئے تو انکا لقب قریش مقرر ہوا اور وہ پہلے شخص ہیں جو اس لقب سے موسوم ہوئے۔

عیسائی بلا کے متعصب ہیں۔ ارض القرآن کے حوالے سے اوپر بیان ہو چکا ہے کہ وہ بنو اسمعیل میں ٹوٹو ازم (طوطمیت) ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس سے بنو اسمعیل کی۔ جو اسلام کی اصل ہیں۔ ایک گونہ ذلت منظور ہے (مارگیولوس حیات محمد) فاضل معاصر صاحب ارض القرآن نے ایک دہیما سا جواب بھی دیدیا ہے اور بتلا دیا ہے کہ اگر قریش کے لغوی معنی جانور درندہ دریائی کے سبب سے یہ خیال پیدا کیا ہے۔ تاہم خلاف واقع ہے کیونکہ قریش میں کسیوقت جانور پرستی (طوطمیت) ثابت نہیں۔

ہم عرض کرتے ہیں کہ اگر مخالفین اسلام کو اسی وجہ تسمیہ کی خصوصیت پر اصرار ہے جس کا قدیم و جدید عربی تاریخوں میں کہیں نشان نہیں ملتا۔ تو ہم ان سے استفسار کرتے ہیں کہ عرب کے ان قبائل نے ایام جاہلیت میں جانوروں پر اپنے نام رکھکر اپنی طوطمیت (جانور پرستی) کا اظہار کیا تھا۔ مگر آپ حضرات تو اس چکاچوند والی روشنی اور تہذیب کے زمانے میں بھی مسٹر آولف (بھیڑیا) مسٹر پیکاک (مور) مسٹر پیرٹ (طوطا) مسٹر ڈکسن (بطخ کا بچہ) وغیرہ امثالہم نام رکھ رکھکر آجتک اپنے ٹوٹم ازم کا پورا ثبوت بہونچا رہے ہیں۔

تسمیہ قریش کی اولیت کی نسبت ہم نے ابن سعد کی شہادتیں جو اوپر پیش کی ہیں۔ انکو۔ اور اون سے پہلے جو اقوال لکھے گئے ہیں۔ اون کو ایکجا جمع کرکے ایک تحقیق طلب شخص باسانی حقیقت حال کو سمجھکر اپنا یوں اطمینان کرلیگا کہ اہل عرب (بنو اسمعیل) میں قبائل وعشائر کو ایک خاص قوم بنانے اور اوس کے لئے ایک خاص امتیازی نام سے شہرت دئے جانیکا خیال سب سے پہلے نضر ابن کنانہ کو پیدا ہوا۔ اور اوس نے اس بنا پر اپنے قبیلہ او عشیرے والوں کو۔ جتنے بھی اوسوقت جمع ہوسکے۔ پہلے اسی شخص نے اکٹھا کیا۔ اور اس تجمیع کی رو سے وہ قریش کہلایا۔ اوسکے بعد مالک بن نضر نے اس امر کی طرف توجہ نہیں کی۔ مالک کے بیٹے فہر نے پھر اس خیال کو زندہ کیا۔ اور قومی مجموعہ کی ترتیب دی۔ مگر وہ بھی خاطرخواہ کامیاب نہوا۔ وجہ یہ تھی کہ غیر قبائل پر حاکمانہ غلبہ نہ نضر ہی کو حاصل ہوسکا اور نہ فہر کو۔ لیکن کسی کا ارادہ کسی کی محنت ضائع نہیں جاتی۔ کوشش موقوف ہوجاتی تھی۔ ارادہ اور نیت تو دل سے نکلتا نہیں تھا۔ اس اصول کی بنا پر قریش کی ترتیب قومیت کی نسبت فہر ابن مالک کی سعی و محنت بھی ایک حد تک عرب کے جریدہ میں یادگار رہ گئی۔ اور مورخین اخبار اور محققین انساب نے انکو بھی موجدان تسمیہ قریش کے ذیل میں تسلیم کرلیا۔

مگر تاریخ و انساب کی کامل اور پرغور ورق گردانی کے بعد محقق ہوجاتا ہے کہ ان تمام کوششوں کی تکمیل قصی ابن کلاب کے زمانہ میں ہوئی۔ اور قریش کے ان تمام مجوزہ قومی اصلاح و اتحاد کی بنیاد کا تکملہ اسی شخص کی ذات خاص سے ہوا۔ اور قبیلہ قریش کی قومی یکجہتی۔ اونکا خاندانی وقار و اقتدار اور حکومت و اثر غرض سب کچھ اسی کے زمانہ میں قائم ہوئے۔ اور پھر ایسے استقرار و استحکام کے ساتھ کہ ظہور اسلام تک حکومت حجاز اور امارت کعبہ اسی خانوادہ میں برقرار رہی۔ جیسا کہ مفصلہ ذیل سلسلہ بیان سے ظاہر ہے۔

قصی ابن کلاب سے پہلے تولیت خانہ کعبہ اور امارت مکہ کے حالات

قبل اسکے کہ ہم خانوادہ ابراہیمی کے اس جلیل القدر اور نامآور بزرگ کے تاریخی حالات شروع کریں مناسبت مقام اور سلسلہ کلام قائم رکھنے کی ضرورت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم تولیت خانہ کعبہ اور امارت مکہ کے متعلق وہ حالات

واقعات جنکو ہم نے حضرت اسمٰعیل ع کیوقت تک لکھکر چھوڑ دیا ہے۔ بطور اجمال بیان کر کے قصی ابن کلاب تک اوسکا سلسلہ پورا اور تمام کردیں۔

یہانتک اوپر بیان ہوچکا ہے کہ حضرت اسمٰعیل ع کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے نابت ابن اسمٰعیل امارت مکہ اور تولیت خانہ کعبہ کے منصب تفویض ہوئے۔ مگر جیسا کہ علامہ ارزقی اور قریب قریب تمام مورخین و محققین نے لکھا ہے۔ یہ تمام اختیارات قرابت قریبہ کیوجہ سے بنی جرہم کے دست اقتدار میں دیدے گئے۔ علامہ ارزقی کی عبارت یہ ہے۔

وترك (اسمعيل) ولدا من رعلة بنت مضاض بن عمرو الجرهمي فقام مضاض امر ولد اسمعيل وكفلهم لانه بنوا ابنته فلم يزل امر جرهم يعظم بمكة ويستفحل حتى ولوا البيت وكانوا ولاته وحجابه وولاة الاحكام بمكة

حضرت اسماعیل ع نے رعلہ بنت مضاض بن عمر جرہمی کے بطن سے اولاد عقب چھوڑی۔ مضاض نے وفات اسمٰعیل کے بعد اون کی اولاد کو اپنے ساتھ رکھا اور اون کی کفالت کی کیونکہ وہ سب انکے حقیقی نواسے ہوتے تھے۔ اسی وقت سے بنی جرہم کی مکہ میں عظمت قایم ہوگئی۔ یہانتک تولیت خانہ کعبہ۔ خدمت حجابت اور شہر مکہ کی امارت وحکومت بھی اونکے قبضہ واختیار میں آگئی۔

علامہ ارزقی نے خانہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کی امارت کے متعلق اتنے ہی بیان پر اکتفا فرمائی۔ مگر ہم اوس کو کسی قدر زیادہ تفصیل سے لکھنا مناسب سمجھتے ہیں۔ تاریخ طبری۔ ابن اثیر۔ زرقانی کے مفصلہ ذیل اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

حضرت اسمٰعیل ع کے بیٹوں میں نابت سب سے بڑے تھے۔ اپنے پدر بزرگوار کی وفات کے بعد اپنے آبا کی منصب پر فائز ہوئے۔ قبیلہ جرہم جو حضرت ابراہیم ع کی اجازت سے مکہ میں آباد ہوا تھا۔ نابت اور اونکے تمام معاملات کا نگراں ہوا۔ اسلئے کہ حضرت اسمٰعیل نے رعلہ بنت مضاض ابن عمر جرہمی سے شادی کرلی تھی اور تمام بنو اسمٰعیل اونھیں کی اولاد تھے۔ اس قرابت قریبہ کے رو سے قبیلہ جرہم نابت اور تمام بنو اسمٰعیل کا ولی اور قریبی خیر خواہ مقرر ہوا۔ اور مضاض بن عمر رئیس جرہم کو اسی ذریعہ سے تولیت کعبہ اور امارت مکہ حاصل ہوئی۔

مکہ میں اوسوقت دو قبیلے آباد تھے۔ ایک تو بنی جرہم۔ دوسرے بنی قطورہ (عمالیق) بنی قطورہ حضرت ابراہیم کی دوسری بی بی کی اولاد تھے۔ جو یمن سے آکر مکہ میں بس گئے تھے۔ اسوقت مضاض بن عمر قبیلہ جرہم کے رئیس تھے اور سمیدع بنی قطورہ کا امیر۔ مکہ کے حصہ اعلی میں جرہم مع بنو اسمٰعیل آباد تھے۔ اور وہاں کی حکومت بنی جرہم سے متعلق تھی شہر کے حصہ پائین میں بنی قطورہ بستے تھے اور وہاں کی امارت اون سے تعلق رکھتی تھی۔ حصول ترجیح اور تفضیل کی بنا پر ان دونوں مختلف قبائل میں بڑی بڑی خونریزیاں واقع ہوئیں اور بالآخر

نتیجہ یہ ہوا کہ مضاض نے سمیدع کو قتل کر ڈالا اور اوسکے قبیلہ کو سخت شکست پہونچائی اور ہمیشہ کیلئے ایسا کمزور کر دیا کہ پھر اونہوں نے جرہمیوں کے مقابلہ میں سر نہ اوٹھایا اس فتحیابی کے بعد مضاض ابن عمرو جرہمی تمام مکہ کا امیر اور حاکم تسلیم کر لیا گیا۔ اور خانہ کعبہ کی تمام خدمات و اختیارات تو اوسکے قبضۂ اقتدار میں پہلے سے تھے ہی۔

مضاض کے بعد اوس کی اولاد میں مدت تک نسلاً بعد نسلاً امارت کعبہ اور حکومت مکہ کے تمام اختیارات باقی اور قایم رہے اور بنو اسمعیل کچھ تو قرابت قریبہ اور زیادہ تر اپنی مالی اور قومی ضعف و اضمحلال کی وجہ سے اپنے موروثی اختیار و اقتدار کے واپس لینے کیلئے جرہمیوں سے برسر مقابلہ نہو سکے۔ یہاں تک کہ بنی جرہم کے اطوار و رفتار میں بمقابلہ قدیم روش اور حسن سلوک کے بہت بڑا اختلاف اور فرق آ گیا۔ اون میں ریاست کی شان اور امارت کی تمکنت آ گئی۔ اور اون کی موجودہ شاہانہ سطوت اور امیرانہ شوکت۔ بنو اسمعیل کے ساتھ قرابت مندانہ اور عزیزدارانہ محبت و ہمدردی کی جگہ بیدردی اور نفرت کا اظہار کرنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنو اسمعیل اور بنی نابت کے کثیر التعداد قبائل و عشائر مختلف اقطاع و حصص ملکی میں جلاوطن ہو ہو کر بدویانہ زندگی بسر کرنے لگے جیسا کہ تاریخ آل نابت کی تفصیل میں ہم اوپر لکھکر بتلا آئے ہیں۔ بنو اسمعیل و بنو نابت کے معدودے چند قبائل وہیں رہ گئے۔

بنو جرہم کے ظلم و تعدی کی خبریں جب تمام دنیا میں عالمگیر ہوئیں تو آس پاس کے تمام علاقوں کے قبائل اون کے خلاف برانگیختہ ہو گئے یمن کے قبیلہ بنی قحطان کی ایک شاخ بنو خزاعہ مشہور تھی بنی جرہم پر حملہ آور ہوئی۔ اور اونکو شکست دیکر تمام شہر اور اوسکے حوالی پر قابض ہو گئی۔

بنی جرہم نے بنی خزاعہ سے شکست پا کر مکہ سے نکل جانے کے وقت یہ حرکت کی کہ عمر ابن حارث جو اوس وقت بنی جرہم کا رئیس تھا۔ اوس نے اپنی قوم و قبیلہ کی صلاح و مشورت سے حجر الاسود کو اوسکے مقام سے اوکھاڑ لیا اور اون دونوں سونے کے ہرنوں کو جو اسفند یار شہریار فارس نے خانہ کعبہ کے نذر کئے تھے۔ اور وہ جیش بہا زیور جو خانہ کعبہ کے خزانہ میں مدت سے محفوظ چلا آتا تھا نکال کر چاہ زمزم میں پوشیدہ کر دیے۔ اور اسکو مٹی سے اٹا کر ایسا چھپا دیا کہ چاہ زمزم کا کوئی اثر اور نشان باقی نہیں رہا تھا۔

عدنان ثانی بنی جرہم کی امارت و حکومت تیسری صدی قبل مسیح تک قایم رہی۔ اسی طرح بنی خزاعہ کی حکومت و امارت کا سلسلہ سن عیسوی کے سو برس پہلے تک باقی رہا۔ اسی اثنا میں بنی اسمعیل کی قوت روز بروز ضعیف اور کمزور ہوتی گئی۔ ظالم بخت نصر کے حملوں نے جس کی مدافعت کیلئے بنی جرہم اور بنی خزاعہ نے حب وطن اور حفاظت بیت اللہ کے تقاضے اور ضرورت سے باہم اتفاق کر لیا تھا۔ مگر ناکامیاب رہے۔ اسکے معاون و مددگار قبائل جرہم کی مرہی سہی قوتوں کو بالکل زائل کر دیا تھا۔ مگر انتظام مشیت نے عدنان دوم کے زمانہ سے بنی اسمعیل کی درستی کیطرف توجہ فرمائی۔ اور وہ اس طرح کہ عدنان دوم نے بنی جرہم کے ایک سردار اور متمول شخص کی لڑکی سے شادی کر لی اور مکہ میں

اسی ذریعہ سے آہستہ آہستہ اپنا اقتدار اور اثر بڑھایا۔ اور اتنا کہ ان کے صاحبزادہ معد ثانی کی اولاد و اعقاب اور اعیان و اصحاب حجاز سے نکلکر علاقہ نجد تک پھیل گئے۔

پھر بنی عدنان موجودہ عروج و اقتدار کی ترقیوں میں چھ پشت تک خلاف امید رکاوٹ پیدا ہو گئی اور معد ثانی سے لیکر کنانہ ابن خزیمہ تک کوئی ذی اثر اور مقتدر شخص ان میں پیدا نہ ہو سکا۔ مگر باینہمہ ان لوگوں میں اگر کوئی ایسی ترقی بھی نمایاں نہیں ہوئی تو کچھ ایسا ضعف بھی نہیں پیدا ہوا۔ ایک سکونی حالت برابر قائم رہی۔ پھر قصی ابن کلاب کے زمانہ میں انہوں نے پورا عروج و اقتدار حاصل کر لیا۔

قصی ابن کلاب

قصی ابن کلاب کے حالات زندگی بالکل حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں اور حقیقتاً ایسے ہی ہیں جیسا کہ تاریخوں سے بڑے بڑے نمود اران اور سرداران ملکی کے حالات و واقعات پائے جاتے ہیں۔ یوں تو اس سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے امارت مکہ اور تولیت کعبہ کی خدمات کو انجام دیا ہے۔ مگر حقیقتاً امارت مکہ اور تولیت کعبہ اصول و قواعد کے مطابق قصی کے وقت اور حکم سے قائم ہوئی۔ اسی طرح ملکی رفاہ۔ اور قومی اصلاح کی جو جو تدبیریں اور ترکیبیں قصی نے جاری کیں اور اون سے اپنے تمام ملک و قوم کو فائدہ پہونچایا وہ میرے سلسلہ بیان سے آیندہ ظاہر ہونگی۔

ابتدائی حالات

قصی ابن کلاب کے باپ کلاب بن مرّہ نے خاندان ازد میں۔ فاطمہ بنت سعد سے شادی کی تھی۔ قبیلہ ازد کے لوگ بھی شہر مآرب علاقہ یمن سے آکر مکہ میں بس گئے تھے۔ اور قبیلہ بنی الدّیل بن بکر سے شادی بیاہ کر کے اونھیں میں مل جل گئے تھے اسی قبیلہ میں فاطمہ بنت سعد ازدی سے کلاب ابن مُرّہ کی شادی ہوئی۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ فاطمہ کے بطن سے پہلے زہرہ ابن کلاب پیدا ہوئے۔ اور پھر ایک عرصہ کے بعد قصی ابن کلاب کی ولادت ہوئی۔ مگر قصی کے دودھ چھٹنے کے بعد ہی کلاب کا انتقال ہو گیا۔ اور فاطمہ نے ربیعہ ابن حرام قضاعی سے شادی کر لی۔ ربیعہ نے چند دن کے بعد فاطمہ کو اپنے مسکن و موطن شہر عذرہ علاقہ شام میں ساتھ چلنے کے لئے مجبور کیا۔ اور فاطمہ کو آخر کار جانا ہی پڑا۔ زہرہ ابن کلاب کو چونکہ سن تمیز تک پہونچ چکے تھے اون کے قبیلہ والوں میں چھوڑ دیا۔ اور قصی کو کمسن ہونیکے باعث ہمراہ لیلیا اور ربیعہ اپنے موجودہ شوہر کے ساتھ فاطمہ علاقہ شام میں چلی گئیں۔

علامہ ابن سعد طبقات میں قصی کی وجہ تسمیہ کی نسبت۔ حجاز سے علاقہ شام تک کی مسافت طے کرنیکو انکے قصی نام رکھے جانیکا خاص سبب قرار دیتے ہیں۔ بہر حال قصی نے شہر عذرہ اور قبیلہ بنی قضاعہ میں پرورش پائی اور ہمیشہ اپنے آپکو ربیعہ کا بیٹا خیال کیا۔ فاطمہ کے بطن اور ربیعہ کے صلب سے ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام زراح رکھا گیا۔ ربیعہ نے باوجود اسکے کہ فاطمہ سے اب اوسکی صلبی اولاد بھی پیدا ہو چکی تھی قصی پر اپنے اشفاق و اکرام کم نہیں کیے بلکہ سلسلہ

ابراہیمی اور خانوادہ اسمٰعیلی ہونے کے باعث سے انکی عظمت و حرمت ویسی ہی قائم اور برقرار رکھی۔

قصی کو اپنی حقیقت کی اطلاع

قصی جب سن تمیز کو پہونچے تو ایکدن بنی قضاعہ کے ایک شخص سے اور ان سے تیراندازی میں ان بن ہوگئی۔ اور فیمابین بات بڑھتے بڑھتے مقابلہ اور مقاتلہ کی نوبت پہونچ گئی۔ اوس مرد قضاعی نے باہمی مکالمہ میں تعریضاً یہ بھی کہدیا کہ تم ہمارے قبیلہ اور ہمارے وطن سے چلے جاؤ۔ اور اپنے بطن و وطن کیطرف واپس جاؤ۔ ہمارا تمہارا میل جول مناسب نہیں۔ کیونکہ تم ہماری قوم و قبیلہ سے نہیں ہو۔ قصی کو۔ جو اسوقت تک اپنے آپ کو بنی قضاعہ کا ایک فرد خاص سمجھتے تھے۔ اسکی یہ تعریض بہت بُری معلوم ہوئی۔ قصہ کو رفع دفع کرکے فوراً اپنی ماں کے پاس آئے اور پوچھنے لگے میرے باپکا کیا نام ہے۔ ماں نے کہا ربیعہ۔ قصی بولے اگر یہ سچ ہوتا تو لوگ اس سے انکار نہیں کرتے۔ اب تو ان سمجھ گئی کہ آج کسی نے حقیقت حال اس سے کہدی۔ ماں نے جواب دیا کہ یہ تم سے کس نے کہہ دیا۔ اور جس نے بھی کہا ہو۔ تو میں یہ تم سے کہتی ہوں کہ تم اپنے قوم و وطن کے اعتبار سے۔ اس کہنے والے شخص سے بدرجہا بہتر ہو۔ تم ذاتی شرافت نسبی نجابت اور وطنی مفاخرت میں معترض سے بمراتب اعلیٰ ترجیح و تفضیل کے مستحق ہو۔ تمہارا باپ کلاب ابن مرہ ابن کعب قرشی ہے اور تیرے قبیلہ کے لوگ مکہ معظمہ میں بیت اللہ الحرام اور اوسکے چاروں گرد آباد ہیں۔ اتنا سننا تھا کہ قصی کے دلمیں قومی غیرت کا وہ غیر معتدل جوش آیا کہ فوراً ماں کے پاس سے یہ کہتے ہوئے اوٹھ کھڑے ہوئے کہ قسم خدا کی میں اب یہاں ہرگز نہیں رہونگا۔ ماں نے کہا کہ اتنا تو ٹھہر جاؤ کہ حجاج کے قافلے یہاں سے روانہ ہوں تو میں تمکو اونکے ساتھ کردوں کیونکہ تمہارے تنہا جانے سے مجھکو تمہاری نقصان جان کا اندیشہ ہے۔

مکہ میں قصی کی بازگشت و دو بچھڑے بھائیوں کی مدت پر ملاقات

جب بنی قضاعہ کے لوگ حج کرنے کو مکہ جانے لگے۔ تو انہیں کے ساتھ قصی بھی ایک مدت مدید کے بعد مکہ واپس آئے اسوقت تک زہرہ ابن کلاب۔ انکے بڑے بھائی زندہ تھے قصی مکہ میں پہنچکر ٹھہرے۔ بلکہ اپنی ہمراہی جماعت بنی قضاعہ کو ساتھ لئے ہوئے۔ اور تلاش کرتے ہوئے اپنے بڑے بھائی زہرہ ابن کلاب کے مکان پر پہونچے بھائی بہت ہی کبیر السن ہو چکے تھے۔ اور اون کی آنکھوں سے بصارت کی قوت بھی زائل ہو چکی تھی۔ اور وہ بینائی سے ایسے مجبور و معذور ہو چکے تھے کہ زہرہ قصی کو مطلق دیکھ نہ سکے۔ بالآخر قصی نے اپنی معرفت آپ کرائی اور کہا کہ میں آپکا چھوٹا بھائی قصی ابن کلاب ہوں۔ زہرہ نے جیا کو کرا اوٹھ کھڑے ہوئے اور کہا قریب آجاؤ قصی جب قریب پہونچے تو زہرہ نے انکا بدن ٹٹول کر پہچان لیا اور کہا کہ تم بیشک میرے بھائی ہو زہرہ کے بدن پر تمام بال تھے اور ایسے ہی قصی کے بھی۔ اور تمام جسم پر بال کا ہونا قدیم سے اس خاندان کا معیار تھا زہرہ نے انکا بدن ٹٹولکر اپنے اسی معیار خاندانی کی تلاش کی تھی۔ اور جب وہ پالئے تو تصدیق کردی۔

مکہ میں قیام اور بنی خزاعہ میں شادی

بھائی نے پھر تو اپنے مدت سے چھوٹے ہوئے بھائی کو گلے لگا لیا اور بہت بڑی مسرت سے قصی اور اوسکی ہمراہی جماعت کو اپنا مہمان کیا جب حج سے فراغت ہوگئی تو جماعت قضاعہ نے معاودت وطن کیلئے عجلت کی اور قصی سے واپسی کے لئے اصرار پر اصرار کیا بالآخر قصی نے واپسی سے قطعی انکار کردیا۔ اور خود بھائی کے پاس مکہ میں رہ گئے۔ اور اون کے تمام ہمراہی اپنے اپنے مقام کو واپس گئے۔

قیام مکہ کے تھوڑے دنوں کے بعد قصی نے اپنی شادی حبی بنت حلیل سے کرلی حلیل اوس زمانہ میں امیر مکہ تھے۔ اور متولی کعبہ معظمہ۔ حوالی مکہ سے لیکر تمام علاقہ حجاز میں بہت بڑے صاحب اقتدار و اختیار مشہور تھے قبائل خزاعیہ کے علاوہ گرد و نواح کے دیگر عربی قبائل و عشائر بھی انکو اپنا سردار اور حکمران تسلیم کرتے تھے۔ اسمیں کوئی کلام نہیں کہ اس قرابت و پیوند سے قصی کی آیندہ کامیابیوں میں بڑی قوت آگئی۔ مگر قصی نے کبھی اس قرابت پر مفاخرت نہیں کی اور نہ اسکو کبھی اپنے مفاخر نسبی پر ترجیح و تفضیل دی۔

حلیل کا انتقال ہوگیا۔ اسکا بیٹا المحترش اسکا قایمقام ہوا۔ مگر وہ سراپا نا اہل تھا۔ اور بقول ابن سعد مکہ کے تمام لوگ اسکے اطوار و کردار سے ناخوش تھے۔ وہ سخت شرابی تھے ہمیشہ مخمور اور نشہ میں چور رہتا تھا قصی نے اوسے شراب پلاکر بیت اللہ کی کنجیاں اوس سے لیلیں۔ آخر زمانہ کے اکثر اسلامی مورخین نے اسی قول کو اپنی تصنیفات و تالیفات میں نقل کیا ہے۔

خانہ کعبہ کی کلید برداری مکہ کی امارت کعبہ کی تولیت

مغربی محققین کا کیا کہنا۔ اونہوں نے صرف اسوجہ سے کہ مکہ کے اکابر و عمائد میں شرابخواری کی عادت ثابت ہو۔ اس قول کو اتنا معتبر سمجھا ہے کہ گویا اسی کو اپنا مختار اور اپنی تحقیق کا معیار قرار دے رکھا ہے۔ حالانکہ اس روایت کے بعد ہی دوسری روایت بھی طبقات ابن سعد میں موجود ہے۔ جو اس سے زیادہ قوی اور قریب الامکان اور سریع الفہم ہے۔ مگر اسپر نظر نہیں جاتی ہم اونکے ملاحظہ کیلئے اسکی اصلی عبارت ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

حدثتنی فاطمہ بنت مسلم الاسلمیہ عن فاطمۃ الخزاعیۃ وکانت قد ادرکت اصحاب الرسول اللہ صلعم قالا لما تزوج قصی الی حلیل ابن حبشیہ ابنتہ حبی وولدت لہ اولادہ قال حلیل انا اولد قصی ولدی ھم بنوا ابنتی فا وصی لہ بولایۃ البیت والقیام بامر مکۃ الی قصی	فاطمہ بنت مسلم الاسلمیہ فاطمہ الخزاعیہ سے روایت کرتی ہیں کہ جنہوں نے اصحاب رسول اللہ صلعم کا زمانہ دیکھا تھا کہ جب قصی نے حلیل ابن حبشیہ کی لڑکی حبی نامی سے شادی کی اور اوس سے قصی کے بال بچے ہوگئے تو حلیل نے کہا کہ قصی کی اولاد میری ہی اولاد ہے کیونکہ وہ میری بیٹی کے اولاد و اعقاب ہیں۔ پس مرتے وقت تولیت بیت اللہ اور امارت شہر مکہ کا منصب قصی کیلئے وصیت کرگیا

وقال انت احق بہ۔ | اور کہہ گیا کہ وہی انکا سب سے زیادہ مستحق ہے۔

ایسے صاف و پاک طریقہ استحصال امارت مکہ اور تولیت کعبہ کی موجودگی میں اس ناپاک ذریعہ کو کسی کی عقل سلیم قبول نہیں کرے گی۔

تولیت کعبہ اور امارت مکہ قصی کا موروثی اور جائز حق تھا

قبل اسکے کہ ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھائیں ہمکو اس مقام پر اتنا لکھکر دکھلا دینا نہایت ضروری ہے۔ کہ تولیت کعبہ اور امارت مکہ کا منصب جیسا کہ ہم کامل تفصیل اور قوی دلیل سے اوپر لکھ آئے ہیں ذریت اسمٰعیل کا موروثی اور جائز حق تو ضرور تھا۔ لیکن یہ استحقاق اور یہ مناصب منجانب اللہ اون میں سے اونھیں نفوس کے ساتھ بطور منصوص مخصوص کیا گیا تھا جو اس عہدہ جلیلہ کی پوری اہلیت اور صلاحیت رکھتے تھے۔ اور اون کی یہ اہلیت اور صلاحیت بھی ودیعت الٰہی کے خاص انتخاب عنایات پر موقوف تھے بشارات کثیرہ بتلا رہے ہیں کہ باوجود اس کے کہ یہ استحقاق اور یہ مناصب دوسروں کے قبضہ و اختیار میں چلے بھی جائیں اور غیر مستحقین اون پر غصب جبر، غلبہ۔ استیلا یا اور کسی تدبیر اور حکمت عملی سے متصرف بھی ہوجائیں۔ مگر وہ ایک نہ ایک دن اونھیں غیر مستحقین سے اپنے اصلی مستحقین کی حقیت اور اصلیت کے اقرار و اعتراف کرا ہی چھوڑتے تھے۔ ثبوت کیلئے حلیل خزاعی کا واقعہ جو ابھی ابھی لکھا گیا ہے موجود ہے حلیل خزاعی باوجود اسکے کہ سالہا سال اور پشتہا پشت سے تولیت کعبہ اور امارت مکہ پر متصرف اور متقابض چلا آتا تھا۔ عرب کے قریب قریب تمام قبائل و عشائر مدت سے بنی خزاعہ کو اس تولیت اور امارت کا جائز حقدار تسلیم کرچکے تھے۔ مگر تاہم جب اس حقیقی مستحق کا سامنا ہوگیا تو آخر حلیل خزاعی کو اتنی مدت مدید کے قبضہ و تصرف کے خلاف قصی کے اصلی حقوق و تصرف کا اقرار و اعتراف کرنا ہی پڑا۔ اور خود دست بردار ہوکر اپنے بعد قصی کے قبضہ و اختیار میں واپس کرنا پڑا۔

بنی خزاعہ اور بنی بکر سے مقابلہ اور قصی کی فتح مکہ

حلیل نے واگذاشت حقوق قصی کی وصیت تو کردی۔ مگر اوس کی وصیت پر عملدرآمد نہیں ہوا۔ اور بنی خزاعہ اور بنی بکر نے ملکر قصی کو امارت و تولیت کے منصب پر قابض نہیں ہونے دیا۔ قصی نے اون سے فوری منازعت کو مصلحت نہ سمجھا۔ تھوڑے دن اور صبر کیا۔ یہاں تک کہ چند روزوں میں قصی اور اونکی اولاد نے مکہ اور اوسکے اطراف و جوانب میں اپنے کاروبار تجارت کے ذریعہ سے اپنی مالی حالت ایک حد تک درست کرلی۔ اسی اثنا میں قصی نے تمام قریش اور بنی کنانہ کو جو حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی صحیح النسل اولاد تھے۔ ایک مجمع خاص میں مجتمع کرکے تولیت کعبہ اور امارت مکہ کے متعلق ایک طولانی تقریر کی۔ اور انہیں پوری تفصیل سے بیان کیا کہ قریش اور بنی کنانہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کی صحیح اولاد ہیں اور قبیلہ خزاعہ اور بنی بکر کے مقابلہ میں امارت مکہ اور تولیت خانہ کعبہ کے خاص طور پر

مستحق ہیں تو اس بنا پر ہماری موجودگی میں کسی دوسرے کو اسپر قبضہ و تصرف کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اُن سے پہلے بالمساہلت اِن امور کے منتزع کرنیکی کوشش کیجائے اگر وہ بالمساہلت اسکا تصفیہ نہ کر سکیں تو پھر یہ تمام اختیارات اون سے بالمنازعت واپس لئے جاویں۔

یہ سنکر تمام قریش اور بنی کنانہ نے قصی کی اِس تجویز سے اتفاق کیا۔ اور اسکی اطاعت و متابعت اختیار کرلی اسی روز سے قریش کا نام اِس خصوصیت کے ساتھ شہرت پذیر ہوا۔ کیونکہ اونکا اتفاق و اتحاد اسیوقت سے مستحکم ہوگیا۔ اور یہی وہ قوی وجوہ ہیں جو نضر ابن کنانہ اور فہر ابن مالک وغیرہ کے مقابلہ میں قصی کو قریش کے اصلی باعث تسمیہ ہونیکا صحیح ثبوت پہونچاتے ہیں۔ ابن سعد محمد ابن عمر کراسناد سے طبقات میں لکھتے ہیں۔

لمّا فرغ قصی ونفی خزاعہ و بنی بکر عن مکّہ تجمّعت الیہ قریش فسمّیت یومئذ قریشا لحال تجمعھا والتقرّش التجمّع طبقات ج ۱ ص ۳۸

جب قصی کو کسی قدر فارغ البالی حاصل ہوئی تو بنی خزاعہ اور بنی بکر نے اونکو قیام مکہ سے منع کیا تب قریشیوں نے اوسکے پاس ملکر اجماع کیا اور اسی دن سے انکا نام قریش مشہور ہوا کیونکہ قریش کے معنی جمع ہونیکے ہیں۔

تاریخوں کے مطالعہ سے یہ امر ثابت ہوجاتا ہے کہ بنو اسماعیل کے دلمیں تولیت خانہ کعبہ اور امارت مکہ کے نہ ملنے یا کسی وجہ سے اُس سے نکلجانے یا باز رکھے جانیکا بہت بڑا خیال اور ملال پیدا ہوتا تھا جسکو وہ اپنی مجبوری اور ضعف کیوجہ سے ظاہر نہیں کرتے تھے۔ مگر جب کبھی اونکی حالتوں میں ذرا بھی درستی اور قوت آجاتی تھی تو وہ فوراً غیر قوموں کے قبضہ و اختیار سے اپنے اِن حقوق مخصوصہ کو واپس لینے پر آمادہ ہوجاتے تھے نضر ابن کنانہ اور فہر ابن مالک نے بھی اپنے اپنے وقتونمیں اسی امر خاص کیلئے اپنے قوم و قبیلہ کو مجتمع کیا تھا۔ مگر اس اجماع سے نہ نضر ابن کنانہ اپنا کام نکال سکا اور نہ فہر ابن مالک اپنے ارادہ میں کامیاب ہوسکا۔ چونکہ مشیت ایزدی اس کامیابی کا سہرا بالخصوص طور پر قصی کے سر باندھ چکی تھی۔ اسلئے فہر سے چھ پشتوں کے بعد قصی نے اپنی اِس آبائی تمنا و مدعا کو خاطر خواہ پورا کیا۔

اِتنا لکھکر ہم اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں قصی نے جب مکہ میں اپنی قوم و قبیلہ کو اِس مہم کی انجام دہی پر پورے طور سے راضی اور آمادہ کرلیا تو اوسنے اندرونی قوت کیساتھ اپنی بیرونی طاقت کی درستی کا بھی سامان کیا۔ اور اپنے بھائی زراح ابن ربیعہ کو لکھ بھیجا۔ وہ بھائی کا خط پاتے ہی اپنے قبیلہ سے ایک معتد بہ جمیت لیکر مکہ میں پہونچگیا جب قصی اور بکر و بنی خزاعہ میں بالمساہلت کوئی تصفیہ نہوا اور بنی خزاعہ اور بنی بکر کسی طرح قصی کی تولیت اور امارت پر راضی نہوئے تو بالآخر جانبین سے مقابلہ کی نوبت پہونچی۔ بمقام ابطح میں سخت معرکہ آرائی ہوئی۔ طرفین سے کثیر التعداد لوگ مارے گئے۔ آخرکار جانبین سے مصالحت پیش ہوئی۔ یعمر ابن عوف حکم ہوئے اور اونہوں نے قصی کو تولیت کعبہ اور امارت مکہ مستقلاً دلوادی۔ اور بنی بکر و خزاعہ کا خون بہا بھی قصی سے نہیں دلوایا۔ بلکہ اسکے خلاف بنی بکر و

بنی خزاعہ سے قصی کے مقتولین کی دیت دلوادی۔ اور اسی وجہ خاص سے حجاز میں یعمر ابن عوف کا نام شداخ ہوگیا۔ کیونکہ اوس نے بہت خونوں کو رائگاں کردیا۔ (طبری۔ ابن سعد)

قصی نے زورِ شمشیر سے مکہ کو فتح کیا ہے نہ کسی حیلہ و تدبیر سے

جب قصی کے تمام معاملات خاطر خواہ درست ہوگئے۔ تو قصی نے اپنے علاتی بھائی رزاح ابن ربیعہ اور اوسکی ہمراہی جمعیت کو اونکے وطن کی طرف رخصت کردیا۔ اور اسی وقت سے قریش اور بنی ربیعہ کے مابین باہمی تعلقات اتحاد اور زیادہ قوی اور مستحکم ہوگئے۔ قوم ربیعہ کے لوگ سالانہ ایّامِ حج میں بلاناغہ آنے لگے اور قصی کے مہمان رہنے لگے۔ قریش بھی قصی کے ساتھ اون کی قرابت کی رعایت سے بنو ربیعہ کی تعظیم و تکریم کرنے لگے اور جنگ خزاعہ کے وقت سے بنو ربیعہ کو اپنا شریک و معین یقین کرنے لگے۔

ہمنے قصی کے حالات کو اسوجہ سے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ اکثر محققین و مورخین کا یہ خیال کرلینا کہ قصی ابن کلاب نے امارتِ مکہ و تولیتِ کعبہ بے محنت و مشقت صرف اپنے حیلہ و حکمت سے المحترش ابن حلیل کو شراب پلاکر حاصل کرلی محض بے اصل ہے۔ متذکرہ بالا مشاہدِ تاریخی ثابت کرتے ہیں کہ اپنے آبائی قوت و اختیار اور امارت و اقتدار کے حاصل کرنے میں قصی کو کتنی زحمتیں اوٹھانی ہوئیں اور کتنے سامان فراہم کرنے ہوئے۔ یہ ممکن ہے کہ المحترش کو شراب پلاکر کلیدِ کعبہ حاصل کرلیگئی ہو۔ مگر صرف کنجی ملجانے سے یا ایک المحترش کے شریک و رفیق بنجانے سے قصی کو امارتِ مکہ اور تولیتِ کعبہ حاصل ہونیوالی نہیں تھی۔ بنی بکر اور بنو خزاعہ کب اوسکو قبول کرتے۔ جبتک کہ وہ خاتمہ جنگ تک۔ باوجود اسکے کہ حلیل کی وصیت اور المحترش کی نااہلیت اور قصی کے ساتھ اوسکے سازباز سے بھی آگاہ ہوچکے تھے قصی کے استحقاق و مطالبات سے انکار ہی کرتے رہے۔

ان مشاہد کو پیش نگاہ رکھکر ایک محقق آسانی سے تصفیہ کرلیگا کہ قصی ابن کلاب نے اپنی آبائی حکومت و امارت اور خاندانی عظمت و اقتدار ایک سخت لڑائی کے بعد جیسی کہ عربی قبائل میں لڑائیاں ہوتی ہیں پھر از سرِ نو حاصل کیا ہے۔ حالات و واقعات مذکورہ بالا سے کامل طور پر ثابت ہے۔ ان مشاہدِ تاریخی کے مقابلہ میں شراب خواری والی روایت اگر مان بھی لیجاسکے۔ تو قول منفرد ثابت ہوتی ہے جس کی کوئی تفصیل و تصریح ثابت نہیں۔ اس بنا پر اس روایت کو تاریخی واقعہ سمجھنا غلطی ہے۔

قومی اصلاح اور دارالندوہ کی افتتاح

قصی نے اسی اثنا میں بنی نضر بنی کنانہ اور بنی فہر کے قبائل کو جو بنو بکر و بنو خزاعہ کے غلبہ و ظلم سے سکونتِ مکہ ترک کرکے مختلف مقامات میں آباد ہوگئے تھے۔ پھر مکہ میں واپس بلالیا۔ شہر میں عموماً تمام اور بیت اللہ کے خصوصاً چاروں طرف دور دور تک خاردار درختوں کے جنگل کھڑے تھے اور اوس معبدِ الٰہی کی صفائی اور پاکیزگی کو بالکل بدنما بنارہے

تھے قصی نے سب سے پہلے ان تمام مقامات کی صفائی کو مد نظر رکھکر ان تمام جنگلوں کے کٹوا دینے کا اہتمام کیا۔ قبیلہ قریش کے اکثر اور عرب کے دیگر اقوام و قبائل نے اپنی قدامت پسندی اور اوہام پرستی کی بنا پر قصی کو اس امر سے روکنا چاہا۔ مگر قصی نے اپنے اور اعوان و انصار کو ہمراہ لیکر ان جنگل جھاڑیوں کو خود کاٹنے لگا۔ اوسکی یہ مستعدی اور آمادگی دیکھکر تمام عرب اوسکے شریک ہوگئے۔ تھوڑے عرصہ میں وہ مقامات بالکل صاف و شفاف ہوگئے۔ تو قصی نے ان تمام مقامات کو چار حصوں میں منقسم کیا۔ اور باہر سے آئے ہوئے قریشیوں کے مختلف قبائل و عشائر کو انہیں مقامات میں بسایا۔ ان انتظامات نے قبائل قریش ہی پر نہیں بلکہ تمام اقوام عرب پر قصی کی امارت و حکومت کے کامل اور مستحکم اثر پیدا کر دئے۔ اور اہل عرب دینی اور دنیاوی حیثیت سے قصی ابن کلاب کو اپنا پیشوا اور سردار تسلیم کرنے لگے۔

قصی ابن کلاب کے دیگر انتظامات متعلقہ تولیت کعبہ امارت مکہ کی تفصیل میں ابن سعد لکھتے ہیں :-

عن ابی صالح عن ابن عباس قالا کان قصی
ابن کلاب اوّل ولد کعب ابن لوی اصاب
ملکا اطاع له قریش قومه فکان شریف
اهل مکة لا ینازع فیها فابتنی دار الندوة و
جعل بابها الی البیت ففیها کان یکون امر قریش
کله وما ارادوا من نکاح او حرب او مشورة فیما
ینوبهم حتی ان کانت الجاریة تبلغ ان تدرع
فما یشق درعها الا فیها ثم ینطلق بها الی اهلها
ولا یعقدون لواء حرب لهم ولا من قوم غیرهم
الا فی دار الندوة یعقده لهم قصی ولا یعذر
لهم غلام الا فی دار الندوة ولا تخرج عیر من
قریش فیرحلون الا منها ولا یقدمون الا نزلوا
فیها تشریفا له وتیمنا برایه ومعرفة بفضله
ویتبعون امره کالدین المتبع لا یعمل بغیره فی
حیاته وبعد موته وکانت الیه الحجابة و
السقایة والرفادة واللواء والندوة وحکم
مکة کله وکان یعشر من دخل مکة سوی اهلها

ابی صالح ابن عباس سے ناقل ہیں کہ کعب ابن لوی کی اولاد میں
قصی ابن کلاب پہلا شخص ہے جس نے ملکی حکومت حاصل کی
اور اوس کی تمام قوم نے اوسکی اطاعت اختیار کی۔ اور بلا منازعت
احد سے وہ پہلا شخص ثابت ہوتا ہے جو شریف مکہ تسلیم کیا گیا۔ اسی
نے دار الندوہ کی بنیاد قائم کی اور اوسکے دروازہ کو حرم محترم کے اندر
داخل کیا۔ اسی مکان میں قریش کے تمام امور پیش ہوتے تھے۔
ضرورت نکاح و حرب و ضرب مقابلہ و مقاتلہ اور دیگر تمام ضروریات
کی نسبت اسی مکان میں جمع ہوکر مشورت کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ
عورتوں کا خلعت عروسی بھی یہیں قطع ہوتا تھا۔ اور یہیں پہنایا جاتا
تھا۔ اور یہیں سے وہ اپنے گھر رخصت کی جاتی تھی۔ اور قریش کے
علاوہ عرب کے دوسرے قوم و قبیلہ کے لوگ بھی سوائے اس جگہ کے
اور کسی دوسری جگہ اپنا علم جنگ آراستہ کرنیکے مجاز نہیں تھے۔ اور اس
علم کو سوائے قصی کے کوئی دوسرا مرتب بھی نہیں کر سکتا تھا اور ایک
غلام بھی اپنا عذر سوائے یہاں کے کہیں اور نہیں پیش کر سکتا تھا۔ اور
کوئی قافلہ سوائے اس مقام کے کسی دوسرے مقام سے مرتب
ہوکر اوٹھایا نہیں جا سکتا تھا۔ اور اسی طرح داخلہ کے وقت بھی
اوسکو تعظیم و تکریم کے خیال سے پہلے اسی مقام پر آنا ہوتا تھا۔

اور یہ تمام امور قصی کے فضائل و معارف کی معرفت اور اوسکے اختیار و اقتدار کی متابعت پر مبنی تھے۔ اور تمام لوگ اوسکے حکم و احکام کو فرائض منصبی کی طرح واجب التعمیل سمجھتے تھے۔ اور کوئی شخص اپنی حیات یا وفات کے بعد بھی اس سے خلاف ورزی نہیں کرسکتا تھا۔ اور قصی کے قبضہ اختیار میں حجابت کعبہ۔ سقایۃ الحاج۔ رفادہ۔ اللواء۔ دار الندوہ۔ امارت مکہ۔ غرض تمام ملکی۔ قومی اور دینی مناصب قایم اور برقرار تھے۔ طبقات ج ۱ ص ۳۹

مذکورہ بالا خدمات کعبہ میں سقایہ اور رفادہ کے ماسوا۔ اور بقیہ خدمات کی تفصیل کامل طور سے اوپر بیان ہوچکی ہے۔ ذیل میں سقایہ اور رفادہ کی تفصیل بھی قلمبند ہوتی ہے۔

فرض قصی علی قریش السقایه والرفادة فقال یا معشر قریش انّ کم جیران الله و اهل بیته و اهل الحرم وان الحاج ضیفان الله و زوّار بیته وهم احق الضیف بالکرامة فاجعلوا لهم طعاما وشرابا ایام الحج حتّی یصدروا عنکم فافعلوا فکانوا یخرجون ذلك کل عام من اموالهم خرجا یترافدون ذلك فید فعونه الیه فیصنع طعاما للنّاس ایام منی وبمکة ویصنع حیاضا للماء من ادم نیسقی فیها بمکّة ومنی وعرفة فجری ذلك من امره فی الجاهلیّة علی قومه حتی قام الاسلام ثم جری فی الاسلام علی ذلك الیوم۔

طبقات ج ۱ ص ۴۱

قصی نے ایام حج میں قریش پر حجاج کی ضیافت اور پانی پلانے کی خدمت کو فرض کردیا۔ اوسکی تفصیلی کیفیت یہ ہے کہ قصی نے تمام قریش کو جمع کرکے کہا کہ تملوگ مقربان خدا ہو۔ اور اہل بیت خدا اور اہل حرم کہلاتے ہو۔ اور حجاج حقیقت میں خدا کے مہمان ہیں اور اوسکے خانہ مقدس کے زوار۔ اور تکریم و اکرام ضیف کے متعلق وہ تمہارے اور مہمانوں سے زیادہ مستحق ہیں اسلئے تم لوگ اونکی سقائی اور مہمانداری کا اوسوقت تک پورا انتظام کیا کرو جب تک کہ وہ تم سے رخصت ہوکر تمہارے شہر سے واپس جائیں تمام لوگوں نے قصی کے اس حکم کو مان لیا اور اقرار کیا کہ ہم حجاج کو پانی پلائیں گے اور کھانے کھلائیں گے۔ ان لوگوں نے اسکی تعمیل کے لئے یہ قاعدہ اختیار کرلیا کہ سال بھر میں ہر شخص ضیافت حجاج کیلئے اپنے مال سے کچھ خرچ نکال لیا کرتا تھا۔ اور سب روپیہ قصی کے پاس جمع کراتے تھے۔ اسی رقم مجموعہ سے قصی حجاج کی ضیافت کا سامان انکی قیام مکہ و منی کے ایام میں کیا کرتے تھے قصی نے اسکے متعلق بڑے بڑے متعدد حوض بنوائے تھے۔ اور مقامات۔ مکہ۔ منی اور عرفات میں انہیں حوضوں کے ذریعہ سے تمام حجاج کو پانی پلایا جاتا ہے۔ قصی نے ایام جاہلیت میں ان قومی انتظام کو رائج کیا تھا اور فی نفسہ اور بالمصلحۃ امور ایسے مفید تھے کہ اسلام نے بھی آجتک انکو جاری رکھا۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۴۱

قصی ابن کلاب کے یہ حالات و واقعات تھے جنکو ہمنے مختلف ماخذوں سے مندرجہ بالا عبارت میں جمع کردیا ہے اور شبلی صاحب کے اختصار اور بالاجمال بیان سے قطع نظر کرکے ان واقعات کو حتی الامکان وسعت

اور تفصیل کے ساتھ اس ضرورت خاص کی وجہ سے ظاہر کیا ہے کہ قبیلہ قریش پر تنہا موقوف و محدود نہیں بلکہ تمام اقوام عرب کی نام و نمود۔ اونکا تمدن۔ اونکی تہذیب و اخلاق و معاشرت۔ غرض عرب کے تمام دینی۔ دنیاوی۔ ملکی اور قومی اقتدار اسی شخص کی تنہا قابلیت۔ صلاحیت۔ تجویز اور تدبیر سے وجود پذیر ہوئے اور تاریخوں سے یہی شخص پہلا اور تنہا ثابت ہوتا ہے۔ جو قوم عرب کو ایک علیحدہ قومیت کی امتیازی صورت میں لایا اور انکو دوسرے اقوام و قبائل کی نگاہوں میں تعظیم و تکریم اور وقعت کے قابل ٹھہرایا۔

قصی کے جن ملکی اور قومی رفاہ و اصلاح کے کاموں کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ وہ کامل طور سے تمدن۔ تہذیب سیاست اور حسن معاشرت میں اوسکی اعلیٰ قابلیت و استعداد کو ثابت کر رہے ہیں۔ علی الخصوص خانہ کعبہ اور حجاج کعبہ کی ضیافت کے انتظام و سامان اوسکو وارث خوان خلیل اللّٰہی اور خانوادہ اسماعیلی کا سرمایہ ناز بتلاتے ہیں۔ اس نمودار قوم اور افتخار قبیلہ نے ۴۸۰ء میں انتقال کیا۔

عبدمناف ابن قصی کی امارت

قصی ابن کلاب کے چار بیٹے تھے۔ ان میں عبد الدار سب سے بڑا تھا لیکن بالکل ضعیف اور کمزور طبیعت کا آدمی تھا۔ قصی نے اگرچہ مرتے وقت حرم محترم کے تمام خدمات عبد الدار ہی کو دئے مگر اوسکی ناقابلیت اور ضعیف المزاجی کے باعث قصی کے بعد قریش کی دستار ریاست عبدمناف کے سر بندھی۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

وكان عبد الدار اكبر ولد قصي وكان ضعيفا وكان اخوته قد شرفوا عليه

(طبقات ج ۱ ص ۴۱)

عبد الدار قصی کے پہلوٹے اور اکبر اولاد تھے مگر ضعیف المزاج تھے اور اسی بنا پر اون کے بھائیوں کو اون پر فوقیت حاصل ہوگئی۔

عبدمناف کے زمانہ امارت کا میں کوئی قابل لحاظ واقعہ تاریخوں میں پایا نہیں جاتا جس کو خصوصیت کے ساتھ ہم انکے ذکر میں نقل کریں۔ سب سے بڑا شرف جو عبدمناف کو حاصل ہوا وہ یہ تھا کہ اونھیں کے نسل میں سرور کائنات فخر موجودات حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود ذی جود قایم ہوا ہے۔ مبارک آں صدف باشد کہ چوں تو گوہرے دارد۔

ہاشم ابن عبدمناف کی امارت مکہ

عبدمناف کے چھ بیٹے تھے۔ انمیں حضرت ہاشم نہایت ہی مشہور و معروف اور قابل عظمت بزرگ تھے۔ اور تمام قریش میں یہ وہ نمودار اور ذی اقتدار شخص گذرا ہے۔ جسکے ذاتی اوصاف و قابلیت نے تمام قوم قریش کی گذشتہ حیا

اور اثر کچھ علاقہ حجاز اور حوالی مکہ ہی میں نہیں بلکہ عرب اور تمام ہمسایہ ممالک اور اقوام وقبائل میں بالاستقلال قائم کر دیا۔

اسمیں کوئی کلام نہیں بنو اسمٰعیل میں قریش کی نمو داریوں کی ابتدا جیسا کہ ہم اوپر لکھ کر بتلا آئے ہیں قصی ابن کلاب کے زمانہ سے شروع ہوتی ہے۔ مگر جب ان واقعات پر نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اونکی ترقی کا اُسوقت محض آغاز ہی آغاز تھا قصی کی لیاقت اور قابلیت میں کوئی عذر نہیں۔ اونھوں نے اپنے وقت میں اپنی گذشتہ قومی اور خاندانی عظمت وقوت واپس لینے میں اور اپنے ملک و قوم کی حالتوں کے درست کرنے میں۔ اور اسکے نظام ترتیبی کے درست وفراہم کرنے میں۔ بہت ہی مفید اور کارآمد تدبیریں سوچیں۔ اور انہیں سے اکثر کو عمل میں بھی لائے اور اونکے مفید نتیجے بھی دکھلائے۔ مگر اصول ارتقا کے مطابق چونکہ ہر شے کی تمہید اور تکمیل ایک وقت نہیں ہوسکتی تھی اس لیے قصی کی مختلف تجاویز وتدابیر اونکے قومی اور ملکی عروج وترقی کا مقدمہ تھا جن کی ترتیب وتکمیل حضرت ہاشم کے زمانہ میں عرش الکمال تک پہونچگئی اور اسکے اختتام واتمام کا سہرا انھیں کے سر باندھا گیا۔ جیسا کہ ہمارے سلسلہ بیان سے آیندہ ظاہر ہوگا۔

خانہ کعبہ کی خدمتیں حضرت ہاشم نے سب سے پہلے خدمات کعبہ کی درستی وترتیب کیطرف توجہ فرمائی جس کی نسبت قصی کے زمانہ ہی سے چند قسم کے انتظامی شکایتیں چلی آرہی تھیں۔ مگر عبد الدار قصی کے وقت ہی سے ان خدمات کے مختار ومنتظم قرار پاچکے تھے اسلئے اسمیں کسی قسم کی مداخلت سے آپس کی مشاجرت کا پورا خوف تھا۔ مگر بنی عبد الدار کی بے اعتباطی اور بے ترکیبی بڑھتے بڑھتے اس زمانے میں ناقابل برداشت ہوگئی تھی۔ اسلئے حضرت ہاشم نے ان خدمات مبارکہ کی اصلاح ودرستی کیضرورت کو آپس کی مشاجرت اور مخالفت کے خوف پر ترجیح دی۔ ایکدن اپنے سب بھائیوں کو جمع کیا اور اونکے مجمع میں ان امور کو پیش کیا۔ سب نے بنی عبد الدار سے ان خدمات کے واپس لینے کی تجویز میں ہاشم کی رائے سے اتفاق کیا۔ بنی عبد الدار کو ان خدمات کے واپس دینے کا پیغام بھیجا گیا۔ انھوں نے قطعی انکار کر دیا۔ اس بنا پر فیما بین کشیدگی اور رنجیدگی واقع ہوگئی۔ اور پھر تھوڑے دنوں میں بڑھتے بڑھتے جانبین سے مقابلہ اور مقاتلہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ بالآخر موجودہ مخالفت ومشاجرت اس شرط مصالحت کیساتھ ختم کردیگئی کہ خدمات کعبہ کے متعلق سقایہ اور رفادہ کے خدمات بنی عبد الدار سے واپس لیکر بنی عبد مناف کو واپس کر دئے گئے اور حجابہ۔ لوا۔ اور دار الندوہ کے خدمات بنی عبد الدار کی تحویل میں چھوڑ دئے گئے۔ مگر ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔ کہ دار الندوہ کے اختیارات بنی عبد الدار کے ہاتھوں میں کبھی نہیں رہے جبتک کہ عکرمہ ابن ہاشم ابن عبد مناف نے معویہ ابن سفیان کے ہاتھ اوسکو بیچ نہ ڈالا۔ اس بنا پر سقایہ۔ رفادہ کے ساتھ دار الندوہ کا منصب بھی ہاشم ابن عبد مناف کے

قبضہ میں آگیا۔

مولوی شبلی صاحب کی یہ تحریر بالکل غلط ہے کہ امارت مکہ اور تولیت کعبہ حضرت عبدالمطلب کے عہد میں بنی ہاشم سے منتزع ہوگئی تھی۔ آپ کی یہ رائے شاید شرائط صلحنامہ مرقومہ بالا پر مبنی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ طبقات کی عبارت پر نظر نہیں پڑی بہرحال ہم اس مسئلہ کو حضرت عبدالمطلب کے خاص حالات میں مفصل طور سے لکھکر بتلا دینگے کہ مولویصاحب کا یہ قیاس اونکی تحقیق کی خامی ہے۔

ان تینوں خدمات (سقایہ۔ رفادہ۔ اور الندوہ) کو جس خوش اسلوبی سے ہاشم مرحوم نے اپنے زمانہ حیات میں انجام دیا وہ آجتک تاریخ عرب میں انکے حسن انتظامی اور خوش لیاقتی کی یادگار ہے۔ خانہ کعبہ کی مقدس خدمات کی خاطر خواہ اصلاح و ترمیم فرماکر ہاشم مرحوم ملکی اور قومی رفاہ وارتقا کیطرف متوجہ ہوئے۔

ملکی اور قومی رفاہ واصلاح

دُنیا جانتی ہے کہ عرب چٹیل میدان اور تمامتر ریگستان ہے اور اہل عرب بالکل مفلس اور نادار قوم۔ اپنی کم سرمایگی اور بے سروسامانی کیوجہ سے وہ کسیطرح اپنی حالتونکو درست نہیں کرسکتے تھے۔ اونکی ناداری اونکا افلاس اونکی ترقی اور خوشحالی کا سخت مانع تھا۔ یہ ہاشم مرحوم کی قومی ہمدردی اور ملکی رفاہ کی خدمات تھی جس نے اپنے ملک و قوم کو ایک مدت مدید اور عرصہ دراز کی تنزلی مفلسی اور ناداری کے بعد۔ ترقی اور مرفہ الحالی کے درجوں تک پہنچایا۔ اور رفتہ رفتہ اپنی مفلوک الحال اور بے سرمایہ قوم و قبیلہ کو تجارت پیشہ قوم اور کاروباری فرقہ بنایا۔ تمام مغربی اور مشرقی مورخین و محققین کا اسپر اتفاق ہے کہ قریش کے مشہور و معروف قبیلہ میں بیوپار اور کاروبار کرنے کا خیال شوق اور مذاق ہاشم مرحوم ہی نے پیدا کیا۔ اگرچہ علم آثار کے اکتشافات و تحقیقات جدیدہ سے عرب میں مشغلہ تجارت کا وجود ہاشم سے بہت قبل پایا جاتا ہے۔ مگر وہ بنی قطورہ اور بنی سبا، و (عرب ادومی) اور اصحاب مدین وغیرہ خاص اقوام قبائل تک محدود تھا۔ اگر ان میں کہیں کہیں ہو ہاجرہ یا اسمعیلی عرب کا ذکر آجاتا ہے تو انکا شمول کوئی خاص تعلق میں شمار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اونہیں غیر اقوامی تاجرونکے ذیل و ضمن میں تصور کرنا ہوگا۔

ہاشم مرحوم کے ایسے سچے اور خاص حامی قوم نے دوہزار برس کی جہالت کے اوس تاریک زمانہ میں اپنی ملکی رفاہ اور قومی اصلاح و ترقی کیلئے اپنی قوم و ملک کو سب سے پہلے وہی ذریعہ اور وسیلہ بتلایا جو آج زمانہ کمال تہذیب کمال تمدن۔ اور کمال ترقی کے موجودہ زمانہ میں بھی ہمارے ملکی اور قومی ریفارمر (مصلح) اپنی اپنی مختلف قوم اور جماعتونکو اونکے عروج و ترقی حاصل کرنے کیلئے بتلایا اور دکھلایا کرتے ہیں۔ اسلئے ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ ملکی اور قومی رفاہ کے خدمات و خیالات کے متعلق ہاشم مرحوم کی حسن تدبیر آپکا اعلیٰ تمدن دو ہزار برس پہلے بھی ترقی اور کمال کے اوسی درجہ پر پہونچا ہوا تھا جس درجہ اور مقدار تک زمانہ موجودہ کے ہمدردان قوم و وطن کے خدمات

و خیالات پہونچے ہوئے ہیں۔

قریش کی قومی تجارت میں ترقی

قومی ہمدردی اور ملکی رفاہ کے خیالوں سے بھی متاثر ہوکر ہاشم مرحوم نے انکو تجارت کیطرف خاص طور پر رغبت دلائی۔ اور اپنے خاص سرمایہ سے مدد بھی۔ کیونکہ عرب کی جاہل قوموں کو اگر دنیا کے کاروبار میں کسی شے سے دلچسپی تھی بھی تو وہ تجارت ہی تھی۔ عموماً تمام لوگ تو اپنی کم مایگی اور ناداری کیوجہ سے تجارت کا شغل نہیں پیدا کر سکتے تھے۔ مگر وہ لوگ جو کسی قدر سرمایہ والے تھے وہ تمامتر تجارت پیشہ اور کاروباری لوگ تھے۔ انھیں میں حضرت ہاشم ابن عبد مناف بھی تھے۔ اس اصلی نباض قوم نے اونکے اصلی مرض اور اسکے بہدف علاج کو فوراً معلوم کرلیا۔ اور اوسی کے مطابق عملی تدبیر اختیار کی۔ ان سے قبل جو سرمایہ دار حضرات تھے وہ کسیقدر خودغرضی اور ذاتی نفع اندوزی کے خیال سے جو اکثر اہل تجارت کی طبیعت کا لازمہ ہے۔ وہ اپنی قوم کو ان امور کیطرف رغبت دلانے کیلئے ایک حد تک مجبور تھے۔ مگر ہاشم فیاض کی ہمت اصول عدالت حقوق مساوات پر قائم تھے۔ اور اسمیں ذاتی منفعت اور خودغرضی کو ذرا بھی مداخلت نہیں تھی۔ اسی وصف خاص کا نتیجہ تھا کہ ہاشم مرحوم نے اپنے تمام قوم و قبیلہ کو تجارت کیطرف لگا دیا۔ اور اونمیں سے نادار اور بے سرمایہ لوگوں کو اپنے سرمایہ سے کافی مدد پہونچائی۔ اونکو ایک معتدبہ جماعت میں پہلے جمع کر کے ایک قافلہ تجارتی کاروان بنایا۔ اور اونکو سال بھر میں دو مرتبہ دو مختلف اطراف میں تجارت کی غرض سے بھیجے جانیکا قاعدہ مقرر کیا۔ جس طرح قصی کو اپنے زمانہ میں تجمیع کی رعایت سے قریش کا لقب دیا گیا تھا اوسی طرح ہاشم مرحوم بھی اپنے وقت میں ایلاف قریش اور [illegible] کو بجا لائے تھے۔ [illegible] ہاشم [illegible] ایلاف قریش [illegible] وہ ہیں [illegible] ہاشم کو صاحب ایلاف قریش (کاروان سالار قریش) کہتے تھے۔ اور ایلاف قریش کے معنی حرکت کرانیوالے قریش کے ہیں۔ [illegible] قریش کے تجارتی قافلے جاڑے کے موسم میں یمن اور گرمیوں میں [illegible] جاتے تھے۔ [illegible] شام کے [illegible] ہاشم مرحوم کی [illegible] ملکی رفاہ و فلاح کیلئے ایسی مفید اور نفع بخش ہوئی کہ دونوں بار کی آمد و رفت اور اونکے سفر کے سبب سے قریش اور مکہ والے کمال امن و امان کی حالت میں ایک حد تک درستی اور ترقی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ ان نتائج سے حضرت ہاشم ہی کو نہیں بلکہ تمام قوم کے تمام افراد کو اور بالخصوص اس حال کے لوگوں کو اسکی طرف بہت رغبت دلائی اور وہ اب بلا تحریک و ترغیب خود ہی کاروبار میں بہت کچھ مصروف ہو گئے۔

ہاشم مرحوم اور قیصر روم

جب قریشیوں کی تجارت کو دوسری قوموں کی تجارت کے مقابلہ میں بہت فروغ ہونے لگا۔ تو شام و یمن کی مقامی تجارت پیشہ قومیں حسد و نفسانیت کی بنا پر انکے کاروبار میں سخت خلل اندازی پیدا کرنے لگیں۔ حضرت ہاشم اکثر اپنے کاروانوں کے ساتھ اپنا مال تجارت لیکر بھی جایا کرتے

تھے۔ اور کبھی کسی ضرورت سے خود مکہ میں بھی رہ جاتے تھے مگر اہل یمن و شام کی بے رخی اور ناتوجہی کی خبر جب اونکو معلوم ہوئی تو اونہوں نے اس کی فوری اصلاح کو ضروری سمجھا اور بذات خاص قیصر کے پاس اِن امور کی درستی اور اصلاح کیلئے چلے گئے قیصر نے انکا بڑا اعزاز کیا۔ ہاشم نے قیصر سے اپنا مدعا بیان کیا۔ اور اوس کی رعایا کے ہاتھوں قریش کے کاروان تجارت کو جو جو دشواریاں پیش آئی تھیں ایک ایک کرکے بیان کردیں۔ قیصر نے بکمال رضا و رغبت قریش کے کاروان تجارت کے امن و اماں اور حفاظت مال و جان کا پورا سامان کیا۔ منزلوں کے قیام اور سفر کے ایام و حالت میں عام شاہراہوں اور گذرگاہوں میں اپنی طرف سے معاہدہ لکھہ کر ہاشم مرحوم کے حوالہ کردیا۔ اور اوسکی نقل اپنے قلمرو میں خصوصاً اون علاقوں میں اور مقاموں میں جو مکہ سے شام آنے والے راستہ کے قریب تھے۔ یا ملحق تھے وہاں کے عمال اور رئیسان قبائل کے پاس بھجوادی۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۴۰

نجاشی شاہ حبشہ کے نام ہاشم کا خط ملک شام کی تجارتی مشکلوں کو پوری کامیابیوں کے ساتھ رفع دفع کرکے حضرت ہاشم علاقہ یمن و حبشہ کی درستی معاملات کیطرف متوجہ ہوئے۔ مگر اسکے لئے بادشاہ حبشہ کے پاس بذات خاص حاضری کی ضرورت نہ دیکھہ کر ایک خط لکھہ دیا گیا اور اوسی سے خاطر خواہ کام نکل گیا۔ جیسا کہ ابن سعد کی مفصلہ ذیل عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

وکتب الی النجاشی ان یدخل قریشا ارضہ و کانوا تجارا	نجاشی بادشاہ یمن و حبشہ کے پاس خط لکھکر بھیجا گیا کہ وہ اپنے ملک میں قریش کو تجارت کرنیکی اجازت دے۔

خط پہونچنے کی دیر تھی۔ نجاشی کو کوئی عذر نہوا۔ قریش کو حبش کے ملک محروسہ میں آزادانہ تجارت کرنیکی اجازت ہوگئی۔ مولوی شبلی صاحب ان حالات کو ذیل کے مختصر الفاظ میں یوں لکھتے ہیں۔

ہاشم نے اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ حجاج کو نہایت سیرچشمی سے کھلاتے تھے۔ چرمی حوضوں میں پانی بھروا کر زمزم اور منیٰ کے پاس سبیل رکھتے تھے۔ تجارت کو ترقی دی۔ قیصر روم سے خط و کتابت کرکے فرمان لکھوا دیا کہ قریش جب اسکے ملک میں اسباب تجارت لیکر جائیں تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا۔ چنانچہ اہل عرب جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک تک تجارت کیلئے جایا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں انگوریہ (انقرہ) جو ایشیائے کوچک کا مشہور شہر ہے قیصر کا پایہ تخت تھا۔ تجار قریش انگوریہ میں برابر جایا کرتے تھے۔ تو قیصر نہایت عزت و حرمت سے خیر مقدم کرتا تھا۔ عرب کے راستہ محفوظ نہ تھے۔ ہاشم نے مختلف قبائل میں دورہ کرکے ان قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ یہ قریش کا کاروان تجارت کو ضرر نہ پہونچائیں گے جسکے صلے میں کاروان قریش اون قبائل میں اونکی ضرورت کی چیزیں خود لیکر جائیگا۔ اور اون سے خرید و فروخت کریگا۔ یہ سبب تھا کہ عرب میں باوجود لوٹ مار کے قریش کا قافلہ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۲۰

الغرض۔ ہاشم مرحوم نے ان مشکلات کو جو قریشی کاروان تجارت کو اپنے کاروبار میں حائل تھیں نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے رفع کر دیا کہ پھر وہاں کے مقامی قوموں کو ان کی مخالفت اور ضرر رسانی پر جرأت نہ ہو سکی۔ اور اس طرح ہمیشہ کے لئے قریش کے کاروان تجارت کا راستہ مکہ سے یمن اور شام تک صاف ہو گیا۔ ملکی رفاہ اور قومی اصلاح و فلاح کے متعلق ہاشم مرحوم کی یہ اعلیٰ تدبیریں تھیں۔ یہ محاسن خدمات تھے۔ جو قریب قریب دو ہزار برس کے بعد بھی قوم و ملک کی بیشمار اور لاانتہا شکر گذاریوں کے ساتھ عربی دفاتر تاریخی ہی میں نہیں۔ بلکہ تذکرات عالم کے مختلف صحائف و جرائد میں آج تک محفوظ و مرقوم ہیں۔

ہاشم مرحوم کی اس ہمدردی اور دلسوزی نے تمام ملک و قوم کو انکا مطیع و منقاد اور دلدادہ و شیدا بنا رکھا تھا اور اب یہ کہ ہر شخص انکی متابعت کو اپنی مفاخرت سمجھتا تھا اور اپنے تمام مصائب و حوائج ضروریہ کے وقتوں میں اپنا حامی و معین اور متکفل یقین کرتا تھا۔ اور تھا بھی ایسا ہی۔

ہاشم مرحوم کی ثروت و اقتدار کا اثر اوس زمانہ میں ملک عرب اور قوم قریش ہی تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ اطراف و جوانب کے بیرونی اقوام و قبائل بھی پوری طرح سے ان کی ذاتی وجاہت اور عظمت کے زیر اثر تھے۔ اور اسکی سب سے بڑی وجہ اور قوی سبب یہ تھا کہ بیرونی قوم و قبائل کے بیشمار لوگ سالانہ ایام حج میں آکر حضرت ہاشم کے ہاں تین شبانہ روز تک مہمان رہا کرتے تھے۔ اور رفادہ کے قدیم خدمت۔ جو قصی ابن کلاب کے وقت کا دستور تھا۔ اور جو فی الحال ان سے خاص طور پر تعلق رکھتا تھا حضرت ہاشم کیطرف سے اس عالی ہمتی، فیاضی اور کشادہ دلی کیساتھ عمل میں لائی جاتی تھی اور بلا اختصاص و امتیاز اصول مساوات و عدالت کے تمام شرائط احتیاط کے ساتھ ہر طرح کے تمام صادرین و واردین کی عام ضیافت کیجاتی تھی کہ وہ تمام اقوام و قبائل ہاشم مرحوم کی اعلیٰ فیاضی اور مہمان نوازی کے غلام بے دام بنجاتے تھے اور انکے جود و سخا اور مہر و عطا کے واقعات میں بڑی بڑی نظمیں اور طویل و مفصل قصائد تصنیف کر کے یادگار چھوڑتے تھے۔

ہم قصی ابن کلاب کے ذکر میں۔ خدمت رفادہ کے متعلق۔ اون تمام انتظامات کو جو اون کے وقت میں کئے جاتے تفصیل سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ اور اب ذیل میں۔ اس خدمت کے متعلق ہاشم مرحوم کی فیاضیوں نے جس وسعت اور بہت سے کام کیا ہے۔ اوسکو بالتفصیل قلمبند کرتے ہیں۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں

ان ولی ہاشم بن عبد مناف بن قصی السقایہ والرفادۃ وکان موسرا وکان اذا حضر الحج قام فی قریش فقال یا معشر قریش انکم جیران اللہ واھل بیتہ وانہ یاتیکم فی ھذا الموسم

جب ہاشم ابن عبد مناف ابن قصی کو سقایہ کی خدمت ملی اور رفادہ حاجی کی۔ ہاشم ابن عبد مناف ابن قصی تمام قبیلہ قریش میں ایک مرفہ الحال بزرگ تھے جب یہ عہدے ان کے سپرد ہو گئے اور موسم حج قریب آیا تو ہاشم نے تمام قبیلہ قریش کو جمع

زوار اللہ یعظمون حرمۃ بیتہ فھم ضیف اللہ
واحق الضیف بالکرامۃ ضیفہ وقد خصکم اللہ
بذلک واکرمکم بہ وحفظکم منکم بافضل ما حفظ
جار من جارہ فاکرموا ضیفہ وزورہ فانھم یاتون
شعثا غبرا من کل بلد علی ضوامر کانھن القداح
قد ازحفوا وتفلوا وقملوا وارملوا فاقروھم
واسقوھم فکانت قریش ترافد علی ذلک حتی
ان کان اھل البیت لیرسلون بالشیء الیسیر
علی قدرھم وکان ھاشم بن عبد مناف یخرج
فی کل عام مالا کثیرا وکان قوم من قریش اھل
یسارۃ یترافدون وکان کل انسان یرسل بمائۃ
مثقال ھرقلیۃ وکان ھاشم یامر بحیاض من
ادم فتجعل فی موضع زمزم ثم یستقی فیھا الماء
من الآبار التی بمکۃ فیشربہ الحاج وکان
یطعمھم اول ما یطعم قبل الترویۃ بیوم بمکۃ و
بمنی وجمع وعرفۃ وکان یثرد لھم الخبز واللحم
والخبز والسمن والسویق والتمر ویجعل لھم الماء
فیسقون بمنی والماء یومئذ قلیل فی حیاض
الادم الی ان یصدروا من منی فتنقطع الضیافۃ
ویتفرق الناس فی بلادھم۔

طبقات ج ۱ ص ۴۵

کرکے فرمایا کہ اے جماعت قریش تم خدا کی جماعت ہو اور اوسکے گھر والے
ان ایام میں تمہارے پاس خانہ خدا کی زیارت کرنیوالے۔ اوس کے
خانہ مقدس کی عظمت بڑھانے کے خیال سے آتے ہیں پس وہ لوگ
خدا کے مہمان ہیں۔ اور میزبان کا سب سے بڑا حق یہی ہے کہ وہ اپنے
مہمانوں کی باحسن سلوک ضیافت کرے اور یہ ایک ایسا حق ہے
کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے تمہیں اسکے ساتھ مخصوص کیا ہے اور تم ہی ان
حقوق کو اوسیطرح محفوظ رکھا ہے جس طرح وہ اپنے بندوں کی
جماعت کو دوسری جماعت سے محفوظ رکھتا ہے۔ پس تم اپنے ان
مہمانوں اور زائروں کے ساتھ باکرام پیش آؤ۔ جو بالکل گرد و غبار
میں اٹی ہوئی جماعتوں کی صورت میں دور دراز ملکوں سے
تمہارے پاس آتے ہیں۔ گویا وہ فوج مقابلہ کنندگان کی جماعت
ہیں۔ جو دوری مسافت اور تکالیف سفر کی وجہ سے خستہ۔ لاغر
شکستہ۔ افتاں و خیزاں تمہارے پاس آتے ہیں پس تم بالطافۃ
اکرام تمام انکو اپنے پاس بلاؤ۔ اور انکو پانی پلاؤ۔ ہاشم کا یہ حکم سنکر
تمام قریش نے رفادہ کی خدمت کا سامان کرنا شروع کیا۔ اور تمام
قریش نے جو اہل بیت کے معزز لقب سے یاد کئے جاتے ہیں مال کثیر
اس خدمت کے لئے دینا شروع کردیا۔ اور خود ہاشم ابن عبد مناف
بھی ہر سال بہت مال کثیر اپنے سرمایہ سے اس مصرف خاص کیلئے
نذر کیا کرتے تھے اور چونکہ کل قریش صاحب تمول تھے۔ وہ علیحدہ بھی
کا سامان کرتے تھے۔ اور انہیں سے ہر شخص سو مثقال ہرقلی کعبہ
کے لئے نذر کا لایا کرتا تھا۔ ہاشم نے حجاج کے پانی پلانے کے لئے
چمڑے کے بڑے بڑے حوض بنوا رکھے تھے۔ اور وہ زمزم کے پاس رکھ

دئے جاتے تھے اور ان میں مکہ کے کنوؤں سے لا لاکر پانی بھر دیا جاتا تھا۔ (کیونکہ چاہ زمزم قدامت سے پٹا ہوا تھا اسکا نام و نشان بھی مٹ چکا تھا) اور
یہی تمام حجاج کو پلایا جاتا تھا۔ اور حجاج کو پہلے یوم ترویہ سے روز کھانا کھلایا جاتا تھا اور یہ اول ضیافت خاص شہر مکہ میں کی جاتی تھی۔
پھر دوسرے روز منیٰ میں۔ یہی سلسلہ عرفہ تک برابر جاری رہتا تھا۔ اول روز روٹی اور گوشت کھلایا جاتا تھا۔ دوسرے روز روٹی اور

روغن تیسرے روز ستو اور خرمے۔ اور پھر مکہ سے پانی لیجا کر منیٰ میں تمام حجاج کو پلایا جاتا تھا۔ اور اوس دن چمڑے کے حوضوں میں پانی قلیل المقدار رہ جاتا تھا۔ اس لئے منیٰ سے لوٹنے والے دن سلسلہ ضیافت ختم ہوجاتا تھا۔ اور تمام لوگ اپنے اپنے مقامات کیطرف واپس جاتے تھے۔

بہرحال سقایہ اور رفادہ کی تعمیل خدمات کی تفصیل تھی۔ جو ہاشم مرحوم کی اس عالی ہمتی اور کشادہ دلی کو اونکے اسلاف کی قدیم فیاضی اور سخاوت سے کہیں بڑھی چڑھی ثابت کرتی ہے۔ یہ تو ہاشم مرحوم کے وہ محاسن اخلاق و اشفاق تھے۔ جو عموماً حجاج کعبہ کی آرام رسانی کے متعلق عرب کے تمام تاریخی کارناموں میں اون کی ابدی یادگار ہیں۔ اب اسکے بعد اونکی اس فیاضی اور ایثار کی تفصیل ذیل میں قلمبند کرتے ہیں جو اونہوں نے اپنے ہموطن اور ہمسایہ اقوام و قبائل کے ساتھ مکہ کی سالہ قحط کے مصیبت تاک زمانہ میں دکھلائی ہیں۔ مولوی شبلی صاحب ہاشم مرحوم کے اس مشہور و معروف ایثار نفسی اور فیاضی کو ان الفاظ مختصرہ میں۔ بیان کرتے ہیں۔

ایکدفعہ مکہ میں قحط پڑا اب ہاشم نے اس قحط میں شوربہ میں روٹیاں چور کر کے کھلائیں اوسوقت سے انکا نام ہاشم مشہور ہوگیا۔ عربی زبان میں چورا کرنیکو ہشم کہتے ہیں جسکا اسم فاعل ہاشم ہے۔

اب اس مجمل اور مختصر بیان کی تفصیل طبقات کی اصلی عبارت سے ذیلمیں درج کیجاتی ہے۔

مکہ میں سالہ قحط سالی اور ہاشم مرحوم کی فیاضی

فاصابت قریشا سنوات ذھبن بالاموال فخرج الی الشام فامر بخبز کثیر فخبز له فحمله الغرائر علی الابل حتی وافی مکة فهشم ذلك الخبز یعنی کسرہ و ثردہ ونحر تلك الابل ثم امر الطها ة فطبخوا ثم کفاء القدور علی الجفان فاشبع اهل مکة فکان اول الحیاء بعد السنة التی اصابتهم فسمی بذلك هاشما وقال عبد الله ابن الزبعری فی ذلك ۔

عمرو العلی هشم الثرید لقومه
ورجال مکة مسنتون عجاف

قوم قریش ایک بار متواتر قحط کی مصیبت میں مبتلا ہوئی۔ یہاں تک کہ جو کچھ اونکے پاس سرمایہ موجود تھا وہ بالکل اٹھ گیا، ہاشم سے اپنے قوم و ملک کی یہ مصیبت نہیں دیکھی گئی۔ تو وہ شام کیطرف بارات خاص چلے گئے۔ اور وہاں سے کثیر التعداد روٹیاں پکوا کر وہ بڑی بڑی کہالوں میں بھروا کر اونٹوں پر مکہ میں لدوا لائے۔ مکہ پہونچکر اون روٹیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کروایا اور شوربہ میں ڈلوا کر ثرید تیار کروایا۔ پھر جن اونٹوں پر وہ روٹیاں لاد کر لائے تھے۔ اونکو ذبح کروایا اور پکوایا۔ جب کھانا پک کر تیار ہوگیا تو بڑے بڑے ظروف بھروا کر تمام جماعتوں کو کھلوایا۔ یہانتک کہ تمام اہل مکہ سیر ہو گئے۔ گویا قحط کی مصیبتوں کے بعد مکہ کے غربت زدہ لوگ اول بار پھر از سر نو زندہ ہوئے۔ اس ایثار عامہ کے لحاظ سے حضرت ہاشم اوسی دن سے ہاشم مشہور ہوگئے۔ کیونکہ ہاشم کے معنی توڑنے والے کے ہیں۔ چنانچہ عبد اللہ ابن الزبعری نے ہاشم کے اس ایثار عظیم کی یادگار میں ذیل کا شعر یادگار

چھوڑا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے ــ عالی ہمت عمر (ہاشم کا اصلی نام) نے ثرید کا چورا اپنی قوم کے لئے تیار کرایا۔ ایسی حالت خاص میں کہ باشندگان مکہ قحط زدگی کے باعث بالکل ضعیف و لاغر ہوچکے تھے۔

ابن ہشام نے ایک اور شعر اسکے علاوہ لکھا ہے۔ وہ یہ ہے۔

سنّ الیہ الرحلتان کلاھما　||　باشندگان مکہ کیلئے دو سفروں کا انتظام کیا
سفر الشتاء ورحلۃ الاصیاف　||　ایک گرمی اور ایک جاڑے کے ایام میں

طبقات ابن سعد میں وہب بن عبد قصی کے یہ اشعار درج ہیں جنمیں یہ پورا واقعہ نظم کردیا ہے۔

تحمل ھاشم ما ضاق عنہ　||　ہاشم نے اپنی قوم کی مصیبتوں پر تحمل کیا
واعیا ان یقوم بہ ابن بیض　||　اور انکی امداد کیلئے ایک شخص ابن بیض کی شان میں آمادہ ہوگئے۔
اتاھم بالغرائر متاقات　||　اور ارض شام سے جو کثرت سے میوہ خیز ہے۔
من ارض الشام بالبر النفیض　||　باشندگان مکہ کیلئے کھانا اونٹوں پر بھر کر اذوقہ لائے۔
فاوسع اھل مکۃ من ھشیم　||　تمام باشندگان مکہ کو روٹی اور گوشت کے
وشاب الخبز باللحم الغریض　||　ٹکڑے ٹکڑے کرکے کھلائے۔
فظل القوم بین مکللات　||　تمام قوم اسطرح انکے احاطہ فیض کے زیر سایہ
من الشیزاء حائرھا یفیض　||　ان تمام تکالیف کے بعد آگئی۔

طبقات ص ۴۴　||　طبقات ص ۴۴

حقیقت میں ہاشم مرحوم کی تمام ملکی اور قومی خدمتیں۔ قوم و وطن کی ترقی اور مرفہ الحالی اور درستی معاشرت کے لئے ایسی مفید اور کارآمد ثابت ہوئیں جو اوس وقت سے آجتک اہل عرب کے دل سے بھولیں ہیں اور نہ ابدالآباد تک بھول جانے کی امید کی جاتی ہے قوم و ملک کیساتھ اون کی ایسی سچی۔ خالص اور بے لوث ہمدردی۔ کوشش اور سعی ایسی پراثر ثابت ہوئی کہ اوس نے باشندگان مکہ اور قرب و جوار کے تمام ہمسایہ قوم و قبائل کے قلوب کو تسخیر کرلیا۔ اس سے زیادہ ان فیاضانہ قومی ایثار کی عام قبولیت اور کیا ہوسکتی ہے کہ فیاض کے مدح و اوصاف میں بڑے بڑے معرکۃ الآرا قصیدے لکھے گئے۔ اور اوس کی فیاضی کے اظہار و اعتراف میں طول و طویل اور پرتفصیل نظمیں تیار کی گئیں۔ اس زمانہ میں ہاشم مرحوم کی وجاہت عظمت اور حکومت و امارت کے سکے عرب کی تمام قوم و قبائل پر ایسے جم گئے تھے کہ ان کے مقابلہ میں کسیکی رو داری اور نمود داری کچھ کام نہ کرسکی۔

ہاشم کے ساتھ امیہ کی مخاصمانہ مخالفت

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر

باوجود اس مقبولیت عام کے بھی۔ ہاشم مرحوم کے یہ بے نظیر اور لاجواب خدمات، رشک حسد۔ اور نفسانیت کے اظہار سے خالی نہ رہی۔ اور اوسی وقت سے ان کی نمود اری اور ذی اقتداری کے استیصال کی فکر کی گئی۔ مگر رشک وحسد کا نخل تمنا نہ بار آور ہوا ہے اور نہ کبھی ہو سکتا ہے۔ ان کے مخالفین کو اپنی مخالفانہ کاروائیوں میں ذرہ بھر بھی کامیابی نہیں ہوئی سارے انتظام تمام اہتمام اور سب کوششیں ویسی کی ویسی ہی رہ گئیں۔ انکا مخالف نیش پہلو بکر انکے گھر ہی پیدا ہوا۔ ابن اثیر تاریخ کامل میں لکھتے ہیں۔

ان عبد شمس وهاشما توامان وان احدهما ولد قبل الآخر واصبع له ملتصقة بجبهة صاحبه فنحيت فسال الدم فقيل يكون بينهما دم وولي هاشم بعد ابيه عبد مناف ما كان اليه من السقاية والرفادة فحسده امية بن عبد شمس على رياسته فكانت اول عداوة وقعت بين هاشم وامية

كامل ابن اثير

عبد مناف کے دو بیٹے عبد شمس اور ہاشم توام پیدا ہوئے تھے اسطرح کہ ایک کی اونگلی دوسری کی پیشانی سے چسپان تھی جب اوسکو جدا کیا گیا تو خون جاری ہو گیا۔ لوگ اسکو فال بد سمجھکر کہنے لگے کہ ان دونوں میں خونریزیاں ہوں گی جب ہاشم اپنے باپ عبد مناف کے بعد اون کی ریاست (سقایہ اور رفادہ) کے متولی ہوئے تو امیہ ابن عبد شمس کے دلمیں ہاشم کیطرف سے رشک وحسد پیدا ہوا۔ اور جو عداوت پشتہا پشت خاندان ہاشم اور قبیلہ بنی امیہ میں باقی اور قایم رہی اسکی یہ ابتدا تھی۔

طبقات ابن سعد میں اسکی تفصیل یوں قلمبند ہے:۔

فحسده امية بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصي وكان ذا مال فتكلف ان صنع صنيع هاشم فعجز عنه فشمت به ناس من قريش فغضب ونال من هاشم ودعاه الى المنافرة فكره هاشم ذلك لسنه وقدره فلم تدعه قريش واحفظوه قال فاني انافرك على خمسين ناقة سود الحدق تنحرها بمكة والجلاء عن مكة

امیہ ابن عبد شمس ابن مناف ابن قصی کو ہاشم کیساتھ بوجہ امارت وحکومت رشک وحسد پیدا ہوا اور چونکہ صاحب مال ودولت تھے اور اپنی مالی قوت کے اقتدار سے انہوں نے ہاشم کیساتھ عظمت ووجاہت میں مساوی اور مقابل ہونیکا خیال کیا اور انہوں نے بھی وہی امور بجالانیکی کوشش کی جو ہاشم کرتے تھے لیکن حقیقتاً امیہ کچھ نہ کر سکا اور عاجز رہا۔ تمام لوگوں نے اسکی اس خفیف الحرکاتی پر سخت طعن وتشنیع کی۔ امیہ کو غصہ آ گیا اور انہوں نے ہاشم سے اسکی شکایت کی اور اسکے ساتھ ہی ہاشم کو منافرہ کی دعوت دی۔

المنافرہ۔ داوری کردن درحسب ونسب۔ صراح مطبوعہ کلکتہ۔ ج اص ۳۵۳۔ عرب میں دو فریق کے درمیان اظہار مفاخرت کی غرض سے جو مجلسیں یا دنگل قائم ہوتے تھے انکو منافرہ کہتے تھے۔ اسلام کے اصول مساوات کی پاک تعلیم نے ان واہیات کا نام ونشان ہی مٹادیا۔ مولف

عشر سنین فرضی امیہ بذلك و جعل بینهما الکاهن الخزاعی فنفر هاشما علیه فاخذ هاشم الا بل فنحرها واطعمها من حضرہ و خرج امیہ الی الشام فاقام بها عشر سنین فکانت اول عداوۃ وقعت بین هاشم وامیہ۔

طبقات ص ۴۵

ہاشم نے منافرہ کے انعقاد کو اپنی شان و مراتب کے خلاف سمجھکر انکار کر دیا۔ لیکن قوم و قبیلہ کے لوگوں نے اسکے استرضا پر مجبور کیا۔ بالآخر ہاشم نے امیہ کیساتھ منافرہ کے ساتھ یہ شرائط ٹھہرائے کہ جانبین سے جو فریق مغلوب ہو گئے وہ پچاس سیاہ آنکھوں والے اونٹ نحر کریگا اور دس برس تک مکہ کی سکونت ترک کر دیگا۔ امیہ نے یہ شرائط قبول کر لیے۔ جانبین سے قبیلہ خزاعہ کا ایک کاہن حکم مقرر ہوا اسکا نتیجہ منافرہ قایم ہوا۔ اور اسمیں ہاشم امیہ پر غالب آئے اور ہاشم نے وہ اونٹ شرط منافرہ کے مطابق امیہ سے لیکر ذبح کئے۔ اور اوسیوقت اونکا گوشت پکوا کر تمام حاضرین مجمع کو کھلوا دیا اور امیہ نے اوسی وقت سے سکونت مکہ چھوڑدی اور دس برس تک شام میں جاکر مقیم رہا۔ اور یہ پہلی عداوت تہی جو سلسلہ ہاشمیہ اور خانوادہ امیہ کے فیما بین واقع ہوئی۔

بہرحال یہ تھے ہاشم و امیہ کے باہمی مفاخرت اور منافرت کے صحیح واقعات۔ جو فریقین میں باوجود رحم متصل ہونے کے۔ کامل طور سے جانبین کے قطعی فرق ما بہ الامتیاز کو ثابت کر رہے ہیں۔

مولوی شبلی صاحب کی واقعات صحیح سے صریح چشم پوشی

افسوس ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے اس واقعہ تاریخی کو جو سیرۃ بنی ہاشمی کے لکھنے والے کو قلمبند کرنا از حد ضروری تہا بالکل مرفوع القلم فرما دیا ہے۔ حالانکہ قریب قریب تمام عربی ماخذوں میں بالتفصیل مندرج ہے۔ اور ہم نے اونہیں کے اصل ماخذ و مستند طبقات ابن سعد سے اوپر نقل کیا ہے اکثر حضرات بطور ظاہر ایسی فروگذاشت کو مولوی صاحب کی کوتہ قلمی اور اتفاقی سہو سے تعبیر فرمائینگے۔ مگر ہم اسکو مولوی صاحب کی کمال عاقبت اندیشی اور نہایت دوربینی تسلیم کرینگے۔ شبلی صاحب نہ کوتہ قلم ہیں اور نہ سہو و نسیان کے ملزم۔ وہ ان مضامین کے انتخاب و اندراج کے غور و فکر کے متعلق۔ امام بخاری اور ابن حجر وغیرہم کے ہموزن اور ہم سنگ ہیں۔ بلکہ ان امور کے اظہار و استتار میں ان حضرات سے زیادہ محتاط اور محدود۔

ہاشم و امیہ کے واقعات ہی کو آپ نے مخالف و مقاصد پاکر نہیں چھپایا ہے بلکہ قصی ابن کلاب اور ہاشم ابن عبد مناف کے اون خطبات کو بالکل قلم زد فرما دیا ہے۔ جو خدمت کعبہ اور ضیافت حجاج کے متعلق مجمع قریش میں بیان کئے گئے تھے۔ اور جسمیں اہلبیت کے قدیم مفاخر و مشارف کا اظہار کیا گیا تھا۔ اور یہ دونوں خطبے طبقات ابن سعد میں جو شبلی صاحب کی تمام تحقیق کا اصل معیار ہے۔ موجود ہیں۔ مولوی صاحب نے مرقومہ بالا۔ دونوں واقعات کو عمداً حفظ ما تقدم کے لحاظ سے اسلئے چھپایا اور مرفوع القلم فرمایا ہے کہ ان واقعات سے سلاطین

امویہ کے معائب و مناقص اور بنی ہاشم کے فضائل و مناقب کا پورا پورا انکشاف ہوتا تھا۔ اور یہ دونوں امر آپ کے مدعا کے خلاف تھے۔ کیونکہ سلاطین امویہ کے ساتھ آپ کو دلی ارادت اور قلبی عقیدت کا شرف حاصل تھا۔ اور ولید ابن عبد الملک آپ کی مجوزہ تالیفات اسلامی ہیروز کی فہرست خاص میں داخل تھا۔ رسول صلعم کے انتقال فرمانے کے بعد۔ بنی ہاشم اور بنی فاطمہ سے آپکو واسطہ اور تعلق رکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ پھران امور کے اظہار و انکشاف کو اوسکے عرکہ اور مبدست حاصل کرنا اور ان کے استخفاف کی کماحقہ کوشش کرنا جس سے اپنے ممدوحین کے معائب اور بیضرورت اور بیکار لوگوں کے مناقب نہ ظاہر ہونے پائیں آپ کا فرض لازمی و نصب العین قائمی تھا۔

مگر ہاں ہمیں یہ بھی سمجھ لینا ضرور ہے کہ شمس العلما صاحب دنیا میں اکیلے بارئیب ہیں یا روشن ضمیر تو تھے ہی نہیں اونکے ایسے سیکڑوں اور ہزاروں دوربین۔ بالغ نظر حقیقت حال کا سراغ لگانیوالے اور بال کی کھال نکالنے والے خدا کے بندے ایسے موجود ہیں جو مولوی صاحب کے استخفاف کے کمپنہ سے دار جالوں کو توڑ کر حقیقت حال کا پورا مشاہدہ اہل دنیا کی نگاہوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

اہل بیت تمہیداً اتنا لکھ کر ہم اپنے مدعا سے بیان پر آجاتے ہیں۔ چونکہ شبلی صاحب کی قلمزد واقعات سے ہمارے بہت سے موجودہ اور آئندہ مضامین کو پورا تعلق ہے اسلئے اون کی تحقیق اور تفصیل ہمارے لئے ضروری اور لازمی ہے جنکو قصی۔ اور ہاشم کے خطبات سے۔ اہلبیت اور اونکے خصائص۔ فضائل و مناقب جنکو ہم دونوں خطبوں کے اصل عربی الفاظ میں ابن سعد کی عبارت سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ اہلبیت کا لقب خطاب اور منصب عرب میں نہایت قدیم اور ہمیشہ قابل تعظیم و تکریم تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اس مبارک لقب خطاب سے اونھیں معززین کی مخصوص جماعت قرار دی جاتی تھی جو بیت اللہ کے منصب تولیت پر فائز ہوتے تھے اور اپنے ذاتی اور صفاتی کمالات کے اعتبار سے تمام قوم و قبیلہ میں واجب الاحترام سمجھے جاتے تھے۔ اور یہ مسلم ہے کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل سلام اللہ علیہما نے بیت اللہ کی عمارت مقدسہ کی بحکم خدا بنیاد رکھکر اوسکو تکمیل تک پہونچایا سب سے پہلے خدا نے سبحانہ تعالیٰ نے انھیں بزرگواروں کو اہلبیت کے معزز لقب سے بطور خاص مشرف فرمایا اون کے بعد اون کی ذریت اور سلسلے نے اپنے آپ کو اس خطاب سے مخاطب کئے جانیکو ہمیشہ اپنا خاص استحقاق اور خاندانی افتخار قرار دیا۔ اور یہ لوگ اپنی اس صفاتی مفاخرت و اعزاز اور اس روحانی شرف و امتیاز کو کسی حال اور مقام میں نہ بھولے۔ اگرچہ زمانہ کی نامساعدت اور اہل زمانہ کی ناموافقت نے ایک مدت مدید تک اون کا گریبان نچھوڑا اور دنیا کے انقلابات اور نامہربان قوم و قبیلہ کے باہمی اختلافات نے اون کے تمام آثار و اقتدار کو مٹا کر اونکو ایسا کمزور اور ضعیف بنا دیا کہ بالآخر اون کو سکونت مکہ ترک کر کے ادھر ادھر جا کر آباد ہونا پڑا۔ جیسا کہ عربی تاریخیں بکہ بیان

ہوکر مبتلا رہی ہیں۔ مگر اس درمیان میں جب کبھی اون کی حالتوں میں ذرا بھی قوت آئی۔ اونہوں نے سب سے پہلے اپنے اہلبیت ہونے کی حقوق پر بیت اللہ مقدس کی تولیت کا مطالبہ کیا۔ ان کوششوں میں اونکو کبھی وقتی اور عارضی کامیابی بھی ہوئی اور کبھی قطعی ناکامیابی۔ جیسا کہ نصر ابن کنانہ اور فہر ابن مالک کے حالات سے ظاہر ہے۔ مگر باوجود ان تمام مطالبات مشکلات اور مصائب کے وہ اپنے اصلی حقوق کے خواستگاری سے دست برداری نہ کر سکے یہاں تک کہ قصی ابن کلاب نے آخر اوسکو بزور بازو اپنے فریق مخالف سے واپس لیا۔ اسی لئے قصی نے اپنی قوم و قبیلہ کی جماعت میں۔ اپنی فتحیابی کے بعد بیت اللہ مبارک کی خدمات اور اوسکی انتظامی ترتیب و ترسیم کے متعلق جو خطبہ دیا ہے اور اونکو اس کی انجام دہی کیطرف مخاطب کیا ہے اوسمیں انکو اہلبیت کے خاص لفظ سے منسوب کر کے اونکے فضائل و مناقب کو اونھیں یاد دلایا ہے۔

پھر قصی ابن کلاب کے بعد عبد مناف نے بنی عبد الدار سے جو باقرار ابن سعد کان ضعیفا وکان اخوتہ قد شرفوا علیہ (عبد الدار ضعیف المزاج آدمی تھا اور اسی وجہ سے اوسکے اور بھائیونکو اوسپر شرف اور غلبہ حاصل ہوگیا) اختیارات تولیت خانہ کعبہ و امارت شہر مکہ منتزع کر لئے۔ یہ کیوں؟ صرف اسلئے کہ عبد الدار حقیقتاً ان مناصب جلیل کیلئے شایاں و اہل نہ تھا۔ اسی طرح عبد مناف کے بعد ہاشم مرحوم نے اپنے وقت میں رفادہ اور سقایہ کی خدمات جو بنی عبد الدار کے علاقہ رہ گئے تھے۔ واپس لے لیں۔ صرف اسلئے کہ وہ فیاضی اور کشادہ دلی سے حجاج کے اتنے بڑے مجمع کی ضیافت اور سقایت نہیں کر سکتے تھے لطف تو یہ ہے کہ ان عہدوں کی واپسی لینے والے شوریٰ میں عبد الشمس یعنی امیہ کے باپ بھی داخل تھے۔

جب بنی عبد الدار سے یہ اختیارات واپس ملگئے تو ہاشم نے اپنی حسن انتظامی اور خوش لیاقتی سے ان خدمات کو باحسن الوجوہ انجام دیا۔ اور تمام قوم و قبیلہ کی ترقی اور مرفہ الحالی کا ایسا انتظام کیا۔ جو آجتک نہیں ہوا تھا۔ امیہ کو ہاشم کے ساتھ اتحاد نسبی اور اصلیت کی یکجہتی کے غلط قیاس پر مساوات۔ برابری اور ہمسری کا خیال پیدا ہوا۔ انہیں خیالوں کے ساتھ رشک و حسد بھی اشتعال طبع کے باعث ہوئے۔ حالانکہ سلسلہ واقعات سے یہ ثابت ہوتا آیا ہے کہ ان منصب جلیل کے حصول کے اسباب کوشش انسانی سے زیادہ تر یزدانی اور تقدیر یزدانی سے مہیا اور فراہم ہوتے ہیں اور ظاہری طور تمام قوم و ملک کا اسی خوش نصیب اور اقبالمند شخص واحد پر اتفاق و اتحاد بھی ہو جاتا ہے جسکو مدبرین قدرت اس عہدہ جلیلہ کے لئے پہلے سے منتخب کر لیتے ہیں۔ ورنہ اہل عرب اور اونکے قوم و قبائل کے دائمی اختلاف سے کبھی ایسے ایسے متحدہ اور متفقہ نظام قومی اور ملکی کی امید نہیں ہو سکتی ہے۔ مگر حقیقت کے جوہر شناس خوب جانتے ہیں کہ یہ قدرت کے خاص تصرفات تھے۔ جو اپنی عملی صورتیں پیدا کرنے کی ضرورتوں انہیں فوراً اتفاق و اتحاد پیدا کر دیتے تھے جیسا کہ قصی ابن کلاب۔ عبد مناف اور ہاشم مرحوم کے حالات و واقعات

سے ثابت ہوتا ہے۔

یہ امر بھی ضروری اور لحاظ کے قابل ہے کہ اس منصب جلیل کے حصول کے وقت ہر بزرگ قوم نے فخر کر لقب اہل بیت کی خصوصیت کے ساتھ اپنے مفاخر کا اظہار کیا ہے قصی اور ہاشم کی تقریریں صاف اس دعوی کو بتلا رہی ہیں۔ ظاہری طور پر اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ اتحاد اصل اور نسل کی بنا پر قریش پر کیا منحصر ہے تمام ذریت اسمٰعیلؑ اس لقب سے یاد کئے جانے کی مستحق ہے۔ مگر اس تعمیم میں ایک روحانی تخصیص بھی صاف طور پر مضمر ہے جس کو شاہدات تاریخی علیحدہ کر کے بتلا رہے ہیں کہ وہ تخصیص عام طور سے ہر شخص کے اختیار و قابو میں نہیں تھی۔ کہ جس وقت جو چاہتا وہ حاصل کر لیتا۔ یہ مخصوص اہلیت اور قابلیت جبروت قدرت کے متعلق تھی۔ اور اوس میں انسانی تدبیر و تجویز کو بہت کم مداخلت تھی۔ ورنہ بنی عبد الدار پر عبد مناف کو اور بنی عبد مناف پر ہاشم کو اور پھر اسی طرح امیہ بن عبد الشمس پر ہاشم کو باعتبار ہم حسبی اور ہم نسبی کے ترجیح و تفضیل کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔

بنی عبد الدار اور بنی عبد مناف کی مخالفتیں نہ ایسی شدید تھیں اور نہ اتنی دیرپا۔ اور نہ شیوع اسلام تک اونکا کوئی اثر اسلام کی مضرت یا مخالفت کا باعث ہوا۔ سوا اسکے کہ بنی عبد الدار اور بنی عبد مناف نے مشرکین قریش اور کافرین مکہ کا ساتھ دیا۔ اور عام اہل عرب کیطرح اسلام کے مخالف بنے رہے۔ اسلئے انکی مخالفت اتنی قابل الذکر نہیں۔ بخلاف اسکے بنی امیہ کی دائمی اور قائمی مخالفت اسوقت سے لیکر ہمیشہ بڑھتی ہی گئی جبتک کہ اوس نے بنی ہاشم اور خاندان رسول سلام اللہ علیہ کو بالکل خاک و سیاہ نکر لیا۔ ہاشم کے مقابلہ میں امیہ کا دعوی ہمسری، امارت مکہ، تولیت کعبہ۔ اور اہلبیت کہلانے کی آرزو نسلاً بعد نسلاً اور بطناً بعد بطناً بنی امیہ کے خاندان میں برابر قائم رہی۔ ہاشم سے امیہ کا مقابلہ عبد المطلب سے حرب ابن امیہ کا سامنا ہوا۔ ابوسفیان ابن حرب کا جناب رسالتمآب صلعم کے ساتھ مقابلہ معویہ ابن ابوسفیان کا حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے ساتھ متواتر ہو کے تاریخ کے ایسے شاہدات ہیں جن سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا معویہ کو آخر وقت میں مزوّرانہ [illegible] اور مفسدانہ مکر و حیلہ اور جعل و فریب سے امارت حکومت عرب ملی بھی تو وہ صرف ان کو امیر بنا کر تمام ہو گئی اور باوجود اتنی سطوت و ثروت کے بھی کسی نے ان کو اہل بیت کے معزز اور گرانمایہ القاب و خطاب سے کبھی مخاطب نہ کیا۔

اسی سے حقیقت بیں آنکھیں دیکھ لیتی ہیں اور اصلیت شناس قلوب پہچان لیتے ہیں کہ اتنی شدید اور مدت مدید کی مخالفت کے بعد بھی بنی امیہ کو بنی ہاشم سے اس روحانی مفاخرت اور عظمت و جلالت کے واپس لینے میں کبھی کامیابی نہوئی جسکے حصول کیلئے انھوں نے امیہ کے وقت سے ابتدا کی تھی۔

بہرحال پہلے قصی نے اور قصی کے بعد ہاشم نے اہلبیت کی روحانی عظمت و جلالت پر کسی قدر روشنی ڈالی تھی اور انکے اعزاز و امتیاز سے قوم و ملک کو آگاہ کیا تھا۔ مگر پھر انہیں ہاشم مرحوم کے زمانہ سے یہ منصب جلیل جیسا کہ نظام الٰہیہ کی مشیت ظاہر ہوتی ہے انہیں کے سلسلہ میں ایسا قائم اور مستقل ہو گیا کہ پھر ذریت اسماعیلی یا سلسلہ قریش کے کسی دوسرے شعبہ یا فرع میں نہ گیا اور نہ ان شاء السد المستعان ابدالآباد تک جائیگا۔

اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام نے عہدۂ جلیلہ اہلبیت کی روحانی عظمت و جلالت کو نصوص الٰہیہ انما

یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔

تحقیق کہ خداوند عالم نے ارادہ کر لیا ہے کہ اے اہلبیت تم سے تمام آلائشوں کو دور کر دے اور ایسا پاک و پاکیزہ کر دے جو پاکیزہ کرنیکا حق ہے۔

(۲) فقالوا ندع ابنائنا و ابنائکم ونسائنا و نسائکم و انفسنا و انفسکم — جزو ۵

(۲) (نصاریٰ) سے کہدو کہ ہم اپنے بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو۔ ہم اپنے نفس کو اور تم اپنے نفس کو واسطے مباہلہ کیلئے بلاؤ۔

(۳) قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی — جزو ۲۵

(۳) (اے پیغمبر مسلمانوں سے) کہدو کہ میں تبلیغ رسالت کا تم سے کوئی معاوضہ یا اجرت نہیں مانگتا ہوں۔ سوائے اسکے قرابت خاندان رسول کے ساتھ محبت رکھو۔

کے مطابق پورے طور سے بتلا دیا اور تمام دنیا کو سمجھا دیا کہ اس لقب جلیل کی عطا و تفویض کا تعلق بالکل خدا کی مشیت سے ہے نہ بندے کی کوشش اور ہمت سے۔ اسکے ساتھ ہی ساتھ بنی ہاشم کے فضائل و مناقب اور بنی امیہ کے مناقص و معائب بھی بتلا دئے اور ثابت کر دیا کہ فطرت اور خلقت کے اصول اخلاقی کے مطابق بنی امیہ کو بنی ہاشم سے کبھی ہمسری اور مساوات کا حق حاصل نہیں ہو سکتا تھا اور قرابت و رشتہ مندی کے ظاہری اتحاد انکے روحانی اختلاف اور باطنی امتیاز کو زائل نہیں کر سکتے تھے۔ اسکے ثبوت و تصدیق میں حدیث و تاریخ کے اخبار و آثار کثرت سے موجود ہیں۔ جن میں سے چند ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔ صحیحین بخاری و مسلم اور ترمذی میں مرقوم ہے۔

عن عائشۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان اللہ اصطفی من بنی کنانہ قریشا ثم اصطفی من قریش بنی ھاشم

عائشہ سے منقول ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ خدائے سبحانہ تعالیٰ نے بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو منتخب کر لیا۔

قاضی عیاض نے اپنی کتاب شفا میں لکھا ہے۔

عن واثلہ ابن الاسقع قال قال رسول اللہ ؐ ان اللہ اصطفی من ولد ابراھیم اسمعیل و اصطفی من ولد اسمعیل بنی کنانہ قریشا واصطفی من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم۔

واثلہ ابن الاسقع سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ برگزیدہ کیا اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم میں بنی اسماعیل کو اور اولاد اسمعیل میں بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ میں قریش کو اور قریش میں بنی ہاشم کو۔ اور بنی ہاشم میں مجھ کو

اخرجہ ایضاً فقال ھذا حدیث صحیح

اس حدیث کو ترمذی نے بھی لکھکر بتلایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

تاریخ ابو الفدا میں ہے۔

عن عایشہ رض قالت قال رسول اللہ صلعم قال لی جبرئیل قلبت الارض مشارقھا و مغاربھا فلم اجد احدا افضل من محمد و قلبت الارض مشارقھا و مغاربھا فلم اجد بنی اب افضل من بنی ھاشم۔

عائشہ سے مروی ہے کہ فرمایا جناب سید محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہا کہ جبرئیل نے کہ میں نے روئے زمین میں مشرق سے مغرب تک گشت کی کسی شخص کو محمد صلعم سے افضل نہ پایا اور پھر میں نے روئے زمین کو مشرق سے مغرب تک گشت لگا کر دیکھا مگر کسی باپ کے بیٹے کو بنی ہاشم سے افضل نہ پایا۔

تاریخ و حدیث کے مرقومہ بالا معتبر و مستند شواہد ہمارے بیان کی تصدیق کیلئے کافی ہیں۔ کیونکہ ان سے بنی امیہ پر کیا منحصر ہے۔ تمام قریش اور جمیع سلسلہ اسمٰعیلی اور جملہ ذریات ابراہیمی پر بنی ہاشم کی فضیلت اور ترجیح قطعی طور پر ثابت ہے۔ ایسے مخصوص شرف و مفاخر کے مقابلہ میں بنی امیہ کے ایسے بدنام و بد اعمال قبیلہ کی کیا ہستی اور کیا وجود ہے۔ جو بنی ہاشم سے شرف و فضیلت میں مقابلہ کرے۔ اسکی حقیقت اور وجود اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کی نگاہوں میں جتنا اور جیسا کچھ ثابت ہوا ہے وہ ذیل کی تفسیر و حدیث کی متفقہ اور متحدہ شہادت و ارشادات کے ماحصل سے ظاہر ہے۔ امام جلال الدین سیوطی تفسیر درمنثور میں لکھتے ہیں۔

اخرجہ ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و الطبرانی فی الاوسط و ابن مردویہ والحاکم وصححہ من طرق علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فی قولہ تعالیٰ الم تر الی الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا قال ھما الافجران من قریش بنو امیہ و بنو المغیرۃ

ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، ابن مردویہ اور حاکم نے بطریق صحیح حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جن لوگوں نے دین خدا کو کفر سے بدل ڈالا وہ فاجر ترین قوم قریش بنی امیہ اور بنو مغیرہ ہیں۔

تفسیر درمنثور

عالم اسلام میں بنی امیہ کی یہ حقیقت ثابت ہوئی ہے اور یہ وجود پھر وہ کون ذی عقل ہوگا جو انکو بنی ہاشم

کا ہموزن اور ہمپایہ خیال کریگا۔ بنو عبد مناف ہونے کی اتحاد کی تنہا بنا پر ناہمواران بنی امیہ کو بزرگواران بنی ہاشم کا مقابل ٹھہرائے گا۔ بلکہ بخلاف اسکے۔ ان بدنام کنندگان خاندان دودمان کو اعیان قبیلہ ہاشم کا بالکل نقیض اور متضاد پائیگا۔

بہرحال مرقومہ بالا اسناد و استشہاد سے بنی امیہ کے اوس وہم و گمان کی پوری تردید کر دی گئی ہے جو اونکے دلوں میں بنی ہاشم کے ساتھ مساوۃ فی المراتب حاصل ہونے کے متعلق خطور کر رہے تھے۔ بنی امیہ پر بنی ہاشم کی فضیلت و شرافت کو قرآن و حدیث تفسیر اور حدیث سے ثابت کر کے ہم اہلبیت کے اعزاز و امتیاز کیطرف متوجہ ہوتے ہیں۔

ہم اس اعزاز قدیم کی عظمت و حرمت مخصوصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے قصی اور ہاشم کے زمانوں تک ثابت کر آئے ہیں اور مشاہدات تاریخی سے بتلا آئے ہیں کہ وہ اپنے ان مراتب و مدارج پر اوسوقت سے لیکر اسوقت تک دیگر اقوام کے مقابلہ میں برابر شرف و مفاخرت کا خاص طور پر اظہار کرتے آئے۔ باوجودیکہ ایک مدت مدید تک اون کے یہ اقتدار و اختیار اون کے قبضہ اختیار سے نکل گئے ان کی حالتیں بالکل خراب ہوگئیں اور عرصہ دراز تک یہ گمنام اور بے نام و نشان رہے۔ لیکن اس ضعف و اضمحلال کی خاص حالتوں میں بھی انہوں نے اپنے اس خاندانی شرافت و عظمت کا دعوی اور مطالبہ نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ قصی ابن کلاب اور ہاشم ابن عبد مناف نے اون تمام اختیار کو اغیار کے قبضہ اختیار سے واپس لے لیا۔ اور جیسا کہ ابھی ابھی تاریخی اسناد سے اوپر لکھا گیا ہے ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں بزرگواروں نے اپنی قوم و قبیلہ کو اسی لفظ اہل بیت سے اونکے قدیم اقتدار و عظمت کو یاد دلا کر درستی احوال اور ترقی اموال کی راہوں پر لگا دیا۔ ہاشم مرحوم تک تو اسی منصب کو قریش اپنا موروثی اعزاز سمجھتے رہے۔ مگر ہاشم کے بعد جب بنی ہاشم کے ساتھ اسکا مخصوص تعلق قائم ہوگیا۔ تو اہلبیت سے صرف بنی ہاشم سمجھے جانے لگے۔ ہاشم کے وقت تک گو بنی عبد مناف۔ بنی عبد الدار وغیرہ قبائل و عشائر کے۔ جداجدا تخصیصی نام رکھے گئے تھے۔ مگر حقیقتاً سب قریش کے ایک ہی نام سے مشہور تھے۔ مگر ہاشم کے بعد بنو ہاشم کے مخصوص اور جداگانہ تفریق قائم ہوگئی۔ طبقات ابن سعد میں ہے۔

اوصی هاشم ابن عبد مناف الی اخیه مطلب ابن عبد مناف فبنو هاشم و بنو مطلب ید واحده الی الیوم و بنو نوفل و بنو عبد شمس ابنا عبد مناف ید واحده الی الیوم ص ۴۶ ج ۱	ہاشم ابن عبد مناف نے اپنے بعد اپنے بھائی مطلب ابن عبد مناف کو اپنا وصی قرار دیا۔ اوسی وقت سے بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہوگئے۔ اور آجتک ایک ہیں۔ اسی طرح بنو نوفل اور بنو عبد شمس (بنو امیہ) ایک ہوگئے اور آجتک ایک ہیں۔

اس بنا پر وہ تمام روحانی عظمت و اقتدار بنو ہاشم کی طرف ودیعت ہو گئے۔ اور ان کی سیرت و عادت سائر قریش سے بالکل علیحدہ ہو گئی۔ اور اب اہلبیت کا مقدس و معزز لقب بھی کلیتاً اور قطعاً انہیں سے متعلق ہو گیا۔ اصل میں تو اہلبیت کا اعزازی خطاب اور امتیازی القاب سب سے پہلے حضرت ابراہیم اور اونکے اہل و عیال کو جنہوں نے بیت الہی کی تعمیر کو انجام دیا اور سب سے پہلے اسکی خدمت پر مامور ہوئے۔ منجانب اللہ تفویض فرمایا گیا جیسا کہ نصوص قرآنی سے ثابت ہے۔ حضرات ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے بعد سے حضرت ہاشم کے وقت تک اسی سلسلہ اور خانوادہ کے لوگ اصول توریث کی بنا پر اسکو اپنا جائز حق سمجھتے رہے۔ مگر جہانتک تحقیق کی جاتی ہے اسکی حقیقت یوں معلوم ہوتی ہے کہ اس منصب کا تعلق اور اس گرانمایہ القاب و خطاب کی تفویض بھی حصول رسالت اور نزول نبوت کے ساتھ ساتھ تھی چونکہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل علیہما السلام رسالت و نبوت کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھے۔ اسلئے خدمات کعبہ بھی انہیں مقدسین کے سپرد ہوئی اور سب سے پہلے یہی گرانمایہ القاب و خطاب اہلبیت سے مخصوص و معروف فرمائے گئے۔ ہاشم مرحوم کے زمانہ تک چونکہ اس سلسلہ میں کسی کو منصب رسالت اور عہدۂ نبوت تفویض نہیں ہوا۔ مگر ہاں جو اس سلسلۂ ابراہیمی اور خانوادہ اسماعیلی میں محامد و اوصاف کریمہ اور افعال و اعمال حسنہ سے آراستہ و پیراستہ پایا گیا۔ وہ اس خطاب و القاب کا خاص کر مستحق و سزاوار سمجھا گیا۔ گو اوسکے قبیلے اور عشیرے والے برائے نام اہلبیت ہونیکے دعویدار زبانی بنے رہے مگر یہ دعوے اونہیں کے خاص ہو کر رہ گئے۔ عام لوگوں نے نہ اسے منظور کیا اور نہ مشہور۔ جیسا کہ بنی ہاشم کے مقابلہ میں بنی امیہ کے زبانی جمع خرچ ہاشم ابن عبد مناف کے بعد اس کی تخصیص بنی ہاشم کے ساتھ ہو گئی جیسا کہ ہم ابھی ابھی اوپر لکھ آئے ہیں۔ مگر بنی ہاشم کی تخصیص۔ انتخاب اور اصطفا۔ اگرچہ احادیث سے ثابت ہے۔ مگر یہ اختصاص و انتخاب بھی اونکے محامد و محاسن ذاتی پر مبنی تھا۔ اور اسکو اجزائے رسالت اور شعبائے نبوت سے تعلق نہیں تھا۔ مگر ہاشم مرحوم سے چوتھی ہی پشت میں جناب سید المرسلین اور خاتم النبیین صلے اللہ علیہ و آلہ کو قدرت نے مبعوث فرمایا۔ آپ کے انوار رسالت اور شعاع نبوت نے خاندان ہاشم اور دودمان عبد المطلب میں چار چاند لگا دیئے۔ وَاللہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ۔ بارگاہ قدرت اور پیشگاہ مشیت سے اس شرف مخصوص اور فضائل و مراتب کی سند منصوص اس خانوادہ مطہر کے لئے مہیا اور مزید کر دی گئی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ۔ اور اہل بیت کا مقدس خطاب و القاب اس خاندان کے لئے مستقل اور ابدی کر دیا گیا۔ اور اس عہدۂ جلیلہ تعمیم کے قدیم قیاسات و توہمات کو بالکل ہی ہستی اصلی و نیست و نابود کر کے صرف پانچ نفوس قدسیہ خمسۃ النجباء کو (پنجتن پاک علیہم السلام) اور اون کے بعد اون کی اولاد معصومین کو۔ اس عظمت و جلالت کا اصلی مستحق قرار دیا۔ جو نصارائے نجران کے ساتھ مباہلہ کے موقع پر منکرین مسیحی کے مقابلہ میں۔ خدا کی وحدانیت اور اوسکے رسول برحق کی صداقت ثابت کرنیکے

لیے خدا کے آگے کھڑے کیے گئے تھے۔ اوسوقت اہل اسلام کی اتنی کثیر جماعت میں بھی پانچ نفوس قدسیہ خدا کی توحید اور رسول کی نبوت کی تصدیق کے شاہد معتبر دستیاب ہوئے۔ اور انکے اسی تکملہ ایمانی اور مجاہدہ نفسی کی جلدو میں ان بزرگواروں کو آیۂ تطہیر یرید اللہ الخ کی بشارت تفویض فرمائی گئی۔ جیسا کہ ان شاء اللہ بالتفصیل اپنے مقام پر بیان کیجائیگی۔

سیرۃ النبی جلد اول میں شبلی صاحب نے ہاشم و امیہ کی تفصیل و ترجیح اور مخالفت و مشاجرت یا ہمانہ کو خارج کر کے اسلئے چھپایا۔ اور اتنے بڑے واقعات تاریخ کو مرفوع القلم فرمایا کہ بنی ہاشم کے فضائل و مراتب ظاہر ہو سکیں اور نہ بنی امیہ کے مناقص و معائب۔ اور بنی قصی اور بنی عبد مناف ہونے کی یکجہتی کے سلسلے میں پکڑ کر ان دونوں شخصوں قبائل و عشائر میں ہمسری اور برابری سمجھی جاوے۔ اور آپس کی مخالفت و مخاصمت سے بالکل بے علم و بے اطلاع رہ کر جانبین میں مراسم و اتفاق و اتحاد اور ذرائع اخوت و محبت یقین کی جائے۔ وَاِنَّ ہٰذا لَضَلالٌ مُّبِیْن

شبلی صاحب کی یہ ایجاد بھی طبعزاد نہیں ہے۔ بلکہ تحقیق سے اس کی ابتدا بھی معاویہ کے بیانات و تحریرات پر منتہی ہوتی ہے۔ چنانچہ معاملات صفین میں پہلا خط جو معاویہ نے جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا ہے۔ اوسکی عبارت عنوان یہ تھی۔

ہم بنی عبد مناف ایک جاہ سے پانی پیتے تھے۔ اور ایک ماں کی چھاتی سے دودھ۔ ہم میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں تھی۔ اور ہمارا کوئی قائم اپنے قاعد پر فخر و افتخار نہیں رکھتا تھا۔ اور ہمارے دونوں موید تھے۔ اور ہماری جماعت متفق تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ترجمہ تاریخ اعثم کوفی۔

مولوی شبلی صاحب کی تمنا و کوششوں سے حقیقت کا اختفا نہیں ہو سکتا۔ اون کے اختیار و قدرت میں بس اتنا ہی تھا کہ وہ اپنی کتاب میں لکھیں جیسا اونھوں نے کیا۔ مگر اون بیشمار کارناموں کو کیا کرینگے جو دو ہزار برس پیشتر سے ان واقعات کی حقیقت کا تمام دنیا کو مشاہدہ کرا رہے ہیں۔

سلمیٰ بنت عمرو سے عقد اور وفات

مرقومہ بالا مشاہدات تاریخی سے ثابت ہوگیا کہ امیہ ابن عبد شمس کی حسد و نفسانیت ہاشم کی عظمت اور اقتدار کا کچھ بگاڑ نہ سکی بلکہ اسکے خلاف تمام اہل عرب نے امیہ کو خفیف الحرکات۔ حاسد اور ناقابل سمجھا۔ ہاشم مرحوم با دوام انتہا بڑی ثروت۔ بڑے اقتدار اور بڑی شان و شوکت سے امارت مکہ اور تولیت خانہ کعبہ کے خدمات انجام دیتے رہے۔ اور تمام ملکی اور قومی رفاہ و اصلاح کی تدبیروں اور کوششوں کو کسی وقت نظر انداز یا فراموش نہ کر سکے حکومت و امارت کے ملکی نظام و تدبیر کے علاوہ قومی تجارت اور کاروبار کی ترقی و کامیابی کی تجویزیں ہمیشہ پیش نظر رکھیں اور کبھی اوس سے ناتوجہی اختیار نہیں کی۔ کاروان تجارت کے ساتھ خود آتے جاتے رہتے۔ راستوں گذرگاہوں

اور منزلوں میں اہل کارواں اور اونکے سامان کی حفاظت اور امن و امان کے انتظام و اہتمام فرماتے رہے۔ یہانتک کہ اس شیدائے ملک و وطن اور فدائی قوم نے انھیں فکر و انتظام میں اپنی جان نثار کردی تفصیل یہ ہے ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

فخرج هاشم في عير لقريش فيها تجارات و كان طريقهم على المدينة فنزلوا السوق النبط فصادفوا سوقا تقوم بها في السنة يحتشدون لها فباعوا واشتروا ونظروا الى امرأة على موضع مشرف من السوق فرأى امرأة تأمر بما يشترى ويباع لها فرأى امرأة حازمة جلدة مع جمال فسأل هاشم عنها أأيم هي أم ذات زوج فقيل له أيم كانت تحت أحيحة بن الجلاح فولدت له عمرا ومعبدا ثم فارقها وكانت لا تنكح الرجال لشرفها في قومها حتى يشترطوا لها أن أمرها بيدها فاذا كرهت رجلا فارقته وهي سلمى بنت عمرو بن زيد بن لبيد بن خداش بن عامر بن غنم ابن عدي ابن النجار فخطبها هاشم فعرفت شرفه و نسبه فزوجته نفسها ودخل بها وصنع طعاما ودعا من هناك من أصحاب العير الذين كانوا معه وكانوا اربعين رجلا من قريش فيهم رجال من بني عبد مناف و مخزوم وسهم ودعا من الخزرج رجالا وأقام باصحابه أياما وعلقت سلمى بعبد المطلب فولدته وفي رأسه شيبة فسمي شيبة وخرج هاشم في اصحابه الى الشام حتى بلغ غزة فاشتكى فاقاموا عليه حتى مات فدفنوه بغزة
ص ۴۶

ہاشم کارواں قریش کے ساتھ بغرض تجارت نکلے۔ اور مدینہ کے راستہ پر بازار نبط میں پہونچے۔ جہاں ہر سال بہت بڑا بازار لگا کرتا تھا اور قرب و جوار سے لوگ جمع ہو کر خرید و فروخت کیا کرتے تھے اور اس وقت بھی لوگ خرید و فروخت میں مصروف تھے۔ اور ایک زن معظمہ کیطرف متوجہ تھے جو بازار کے ایک مقام بلند پر مقیم تھی۔ اور وہ خاتون اون لوگوں کو اپنے اشیاء ضروری کا خرید و فروخت کیلئے حکم کرتی تھی۔ اور سب لوگ اسکی طرف سے خرید و فروخت کر رہے تھے۔ وہ قبول صورت صاحب جمال خاتون تھی۔ ہاشم بھی اوسکی طرف متوجہ ہوئے اور اوسکی نسبت لوگوں سے پوچھا کہ یہ بیوہ ہے یا صاحب شوہر ہے تو معلوم ہوا کہ زن بیوہ ہے۔ یہ پہلے احیحہ بن جلاح کے حبالہ نکاح میں تھیں اور اونسے اونکے دو بیٹے عمرو اور معبد نامی پیدا ہوئے اسکے بعد احیحہ نے طلاق دیدی اور آپ بوجہ اپنی شرافت و نجابت ذاتی کیوجہ سے کسی مرد سے اسوقت تک نکاح کرنا نہیں چاہتی تھی تاوقتیکہ وہ مرد اس امر کا اقرار کرے کہ نکاح کے بعد انکو اختیار رہیگا کہ اگر وہ اوسکو ناپسند یدہ پائینگی تو اوس سے مفارقت اختیار کرلینگی۔ انکا نام سلمی بنت عمرو بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی قبیلہ بنی النجار سے ہیں۔ یہ سنکر ہاشم نے اونکے پاس نکاح کا پیغام بھیجا کیونکہ وہ صاحب حسن و جمال تھیں سلمی کو جب ہاشم کی شرافت حسب و نسب کا حال معلوم ہوگیا تو ہاشم سے عقد کرلیا۔ ہاشم نے عقد سلمی کی ولیمہ کی بڑی تیاری کی۔ کھانا پکوایا اور جتنے لوگ کارواں

قریش میں اوسوقت اوسکے ساتھ تھے۔ سب کی دعوت کی۔ سبکو بلایا اور کھلایا اور یہ سب مجموع چالیس آدمی تھے اور اون میں بنی عبد مناف۔ بنی مخزوم اور بنی سہم کے قبیلے والے موجود تھے۔ سلمی کیطرف سے خزرج کے قبیلے والے بھی بلائے گئے۔ شادی کے بعد ہاشم نے چندے وہاں قیام کیا۔ انھیں دنوں سلمی کو عبد المطلب کا حمل رہ گیا۔ اسکے بعد ہاشم اپنے اصحاب کیساتھ شام کیطرف روانہ ہوئے مقام غزہ پہونچکر بیمار پڑگئے۔ ان کی علالت کی وجہ سے قافلہ والوں نے وہیں قیام کیا۔ ہاشم نے بالآخر وہیں وفات پائی۔ قافلہ والوں نے غزہ ہی میں انکو دفن کردیا۔ طبقات ج ۱ ص ۴۶۔

ہاشم کی وفات تقریباً سنہ ۵۱۰ء میں واقع ہوئی اور یہی عبد المطلب کا سال ولادت بھی ہے۔ مرقومۂ بالا واقعات انھیں مضامین کے ساتھ سیرت ابن ہشام ص ۶۶ مطبوعہ مصر میں بھی مندرج ہیں۔ ہاشم مرحوم کے ایسے محسن۔ سر کردہ اور نمود از قوم و ملک کی وفات پر مرثیہ نہ لکھے جائیں۔ امکان سے باہر ہے۔ اہل عرب نے انکی وفات پر بے شمار مراثی لکھے ان تمام مراثی میں ان کی دو صاحبزادیوں کے دو مرثیے خاص طور پر مشہور ہیں۔ اور عرب کی تاریخ و ادب کی کتابوں میں آجتک محفوظ و مسطور ہیں ہم ابن سعد اور ابن ہشام کے جامعات سے اونکا ایک ایک شعر ذیل میں نقل کرتے ہیں خالدہ بنت ہاشم کا شعر۔

بکرالنعی بخیرمن وطئی الحصی ذی المکرمات وذی الفعال الفاضل	بہترین گریہ زاری اس نیکوکار کیلئے شایاں ہے۔ جو اپنے قبیلہ و جماعت میں سب سے بہتر تھا۔ صاحب اکرام تھا۔ اور صاحب اعمال حسنہ۔
شفا بنت ہاشم کے مرثیہ کا یہ شعر ہے۔ عین جودی لعبرۃ وسجوم واسفحی الدمع للجواد الکریم	اے آنکھ اس غم و مصیبت میں اور اوس کریم و جواد مرد بزرگ کے لئے رو اور اپنے آنسو بہا۔

ہاشم مرحوم کا نام عمر ابن مناف اور لقب ہاشم تو تمام تاریخ و سیر میں مندرج ہے۔ مگر کنیت کم دیکھی گئی۔ صاحب صراح اللغات نے ابو نضلہ کنیت بتلائی ہے۔ اور وجہ کنیت یہ ٹھرائی ہے کہ بنی ہاشم تمام عرب میں بہت بڑے تیر انداز مشہور تھے۔ اور اس فن کے کامل تھے۔ یہ کمال اونکو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ورثتاً پہونچا تھا اسی رعایت سے ہاشم کی کنیت ابو نضلہ مشہور تھی۔ صراح مطبوعہ کلکتہ ص ۹۸۶

مطلب ابن عبد مناف کی امارت

محمد ابن سائب الکلبی۔ امام الانساب کے اسناد سے اوپر لکھا گیا ہے کہ ہاشم نے اپنی وفات کے وقت اپنے بھائی مطلب کی امارت کیلئے وصیت کردی تھی۔ ابن سعد لکھتے ہیں۔

المطلب بن عبد مناف بن قصی اکبر منہما	یعنی مطلب ابن عبد مناف ابن قصی۔ ہاشم اور عبد شمس دونوں

ومن عبد شمس وهو الذی عقد الحلف القريش من النجاشی فی متجرها وكان شريفا فی قومه مطاعا سيدا وكانت قريش تسميه الفيض لسماحته فولی بعد الهاشم السقايه والرفادة

سے بڑے تھے۔ اور یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے قریش کے لئے بادشاہ نجاشی سے معاہدہ قایم فرمائے۔ وہ اپنے قوم و قبیلہ کے سید و سردار اور اشرف ترین مردم تھے۔ اور یہ وہی بزرگ ہیں جنکی فیاضی اور سخاوت کے اعتبار سے قریش نے انکا لقب الفیض رکھا تھا۔ ہاشم مرحوم کے بعد خدمت کعبہ میں سقایہ اور رفادہ کے متولی ہو گئے۔ طبقات ص ۴۸

افسوس ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے اس بزرگ ہاشمی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ شاید اس کوتہ قلمی میں یہ مصلحت مضمر ہو کہ بزرگان اور نمودارانِ بنی ہاشم کی تعداد میں جہاں تک کمی ہو وہ آپ کے مدعاے تالیفی کے مطابق اور مناسب ہوگی نہ ان کی امارت کا کوئی ذکر کیا ہے اور نہ نجاشی کے ساتھ معاہدہ حیدر کی قومی خدمت کا تذکرہ۔ لکھا بھی تو حضرت عبد المطلب کے حالات میں اتنا کہ مطلب۔ ہاشم کے بھائی تھے۔ انکو (آپکے ننہال میں رہنے کے حالات) معلوم ہوئے تو فوراً مدینہ روانہ ہوئے۔ وہاں پہونچکر بھتیجے کی جستجو شروع کی سلمی نے انکا حال سنا تو بلا بھیجا تین دن مہمان رہے۔ چوتھے دن شیبہ (عبد المطلب) کو ساتھ لیکر مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۰۲

اس عبارت سے غریب مطلب کی کیا معرفت ہوئی۔ اور آپ کے اس مختصرہ سے دنیا کو مطلب ابن عبد مناف کے ذاتی اوصاف۔ خدمات اور حالات کیا معلوم ہوئے۔ کیا ایک محقق۔ مورخ اور سیرت نگار کا معیار تالیف اور شعار تصنیف یہی ہونا چاہیئے کہ وہ ہر شخص کے حالات اور ذکرو اذکار میں بلا ضرورت اتنا اختصار اختیار کرے کہ اوسکے نہ ذاتی حالات معلوم ہوسکیں اور نہ اوسکے خدمات۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب کے نزدیک یہ بزرگ ہاشمی اگر کسی توجہ اور التفات کے قابل نہیں تھا تو اس سے اوسکی عظمت و جلالت میں سر مو کمی نہیں آتی۔ کیونکہ وہ یہ نمودار اور ذی اقتدار سردار قریش ہے جس کے لطف ایثار کے زیر بار ہو کر تمام ملک و قوم نے اوسکو فیاض کا لقب مخصوص تفویض کیا ہے۔

حضرت مطلب کی وفات علاقہ یمن کے شہر ردمان میں واقع ہوئی۔ مطلب قریش کے کاروان تجارت کے ساتھ حسب المعمول یمن گئے تھے۔ ردمان میں پہونچکر علیل ہو گئے۔ اور اوسی حالت میں انتقال کر گئے۔ مطلب کی وفات ہاشم کے انتقال سے دس برس بعد تقریباً سنہ ۵۲۰ء میں واقع ہوئی۔

حضرت عبد المطلب ابن ہاشم کی امارت

حضرت عبد المطلب کا اصلی نام شیبہ۔ شیبہ نام رکھے جانے کی وجہ ابن سعد اور ابن ہشام وغیرہم یہ بتلاتے ہیں۔

علقت سلمی بعبد المطلب فولدته وفی رأسه شیبة فسمی شیبة۔ ص ۴۷۔

ہاشم سے سلمی کو عبد المطلب کا حمل رہ گیا جب وہ پیدا ہوئے تو اونکے سر میں سفید (بھورے) بال تھے۔ اسوجہ سے انکا نام شیبہ ہوا۔

حضرت ہاشم کے انتقال کے بعد سے برابر ننہال میں رہے۔ سلمی نے بوجہ اپنی خوشحالی کے سسرال کی کوئی پرواہ نہیں کی اور نہ ان لوگوں سے کسی قسم کے تعلقات قائم رکھے۔ اور معاملات توریث کو شیبہ (حضرت عبد المطلب) اپنے یتیم بچے کے جوان ہونیکے وقت تک اوٹھا رکھا۔ اور اس درمیان میں سلمی نے اپنی طرف سے اس بچہ کی خبرگیری یا اسکے وہاں طلب کرلئے جانے کی تحریک کو اپنی غیرت اور شریفانہ ہمت کے خلاف سمجھا۔ اور بالکل خاموشی اختیار کی۔ اسلئے عبد المطلب کیطرف سے بنو ہاشم کو ایک عرصہ تک قطعی لاعلمی رہی۔ یہانتک کہ مطلب کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اونکے برادر مرحوم کا کوئی یتیم معصوم دنیا میں یادگار موجود ہے۔

مُطّلب کو عبد المطلب کے حالات کی کیسے اطلاع ہوئی

شبلی صاحب ان اقسام کے حالات و واقعات کو زوائد میں شمار کرتے ہیں اور اپنے سیاق تحریر سے خلاف سمجھتے ہیں۔ مگر ہم تاریخ تحقیق اور سیرت نگاری کی موجودہ ذمہ داریوں کے اعتبار سے کسی خاص شخص کے حالات و واقعات پر ہر جزوی اور کلی تفصیل کو جس سے اوس خاص شخص کے ذاتی اور صفاتی تعلقات پر کافی روشنی پڑتی ہو۔ اپنا فرض تالیفی سمجھتے ہیں۔ اسلئے شبلی صاحب کے اون اختصارات سے جو اکثر مقامات پر صرف اشارات ہوکر رہ جاتے ہیں۔ قطع نظر کرکے ان حالات کو اوسی تفصیل سے بیان کرتے ہیں جس تفصیل سے وہ اپنے اصلی ماخذوں میں مندرج ہیں۔ اسکے متعلق طبقات ابن سعد سیرت ابن ہشام اور تاریخ کبیر ابن جریر طبری میں مرقوم ہے۔

وقدم بن المنذر بن حرام وهو ابو حسان ابن ثابت الشاعر مكة معتمرا فلقي المطلب وكان وكان له خليلا فقال له لو رأيت ابن اخيك شيبة فينا لرأيت جمالا وهيبة وشرفا لقد نظرت اليه وهو يناضل فتيانا من اخواله فيدخل مرماتيه جميعا في مثل راحتي هذه ويقول كلما خسق انا ابن عمرو العلى فقال المطلب يا ابا اوس لا امسي حتى اخرج اليه فاقدم به فقال ثابت ما ارى سلمى تدفعه اليك

ثابت بن منذر ابن حرام۔ حسان ابن ثابت شاعر کے باپ مکہ میں بقصد عمرہ آئے اور مطلب سے ملے۔ انہیں اور انہیں باہم اتحاد تھا۔ باتوں بات میں کہنے لگے کہ اگر تم نے اپنے بھتیجے شیبہ نامی کو جو فی الحال ہمارے قبیلہ کے ہمراہ ہے۔ دیکھا ہوتا تو اسکو خوش جمالی ہیبت اور شرافت کی سراپا تصویر پاؤگے۔ میں نے اسکو اسکے ماموں کے لڑکوں کے ساتھ تیراندازی کرتے ہوئے دیکھا اور جب اوسکا نشانہ پر تیر بیٹھتا تھا تو وہ باآواز بلند پکار اوٹھتا تھا۔ کہ میں ہوں عمر العلی کا بیٹا۔ (عمرو۔ ہاشم کا نام تھا) یہ سن کر مطلب نے کہا کہ میں تو اوسکو اپنے ساتھ لائے بغیر نہیں

ولا اخواله حتى يكون هو الذي يقدم عليك
الى ما ههنا راغبا فيك فقال المطّلب يا ابا اوس
ما كنت لادعه هناك ويترك مآثر قومه و
سطته ونسبه وشرفه في قومه ما قد علمت
فخرج المطلب فورد المدينة فنزل في ناحية
وجعل يسئال عنه حتى وجده يرمي في فتيان
من اخواله فلمّا راٰه عرف شبه ابيه فيه
ففاضت عيناه وضمّه اليه وكساه حلّة
يمانية والشاعر يقول ؎

عرفت شيبة والنجّار قد حفلت
ابناؤها حوله بالنبل تنتضل
عرفت اجلاده منّا وشيمته
ففاض منّي عليه وابل سبل

فارسلت سلمى الى المطلب فدعته الى النّزول
عليها فقال شاني اخفّ من ذلك ما اريد ان
احل عقدة حتى اقبض ابن اخي والحقه
ببلده وقومه فقالت لست بمرسلته معك
وغلظت عليه فقال المطّلب لا تفعلي فانّي
غير منصرف حتّى اخرج به معي ابن اخي قد
بلغ وهو غريب في غير قومه ونحن اهل بيت
شرف قومنا والمقام ببلده خير له من المقام
ههنا وهو ابنك حيث كان فلما رأت انه غير
مقصّر حتّى يخرج به استنظرته ثلاثة ايّام
وتحوّل اليهم فنزل عندهم فاقام ثلاثا ثمّ احتمله
وانطلقا جميعا فانشاء المطّلب يقول كما

رہ سکتا۔ ثابت نے کہا کہ میں تو نہیں دیکھتا کہ سلمی یا اوس کے
ماموں۔ جو اوسکے ہم بطن ہیں۔ اوسکو تمہارے ساتھ آنے
دینگے۔ اور آپکو بھی ابھی اوسکو یہاں نہ لانا چاہیئے۔ کیونکہ وہ اپنے
ماموں کے ساتھ ہے کسی غیر کے گھر تو نہیں ہے اور پھر ایسی حالت
میں کہ تمکو اوسکے لانے کی اور شاید وہ کر نیکی خود رغبت ہوئی ہے"۔
مطلب نے نہایت متانت سے جواب دیا۔ اے ابا اوس (ثابت
کی کنیت تھی) یہ مجھ سے کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اوسے لائے
بغیر چھوڑ دوں اور اوس آثار، اقتدار اور نسبی افتخار کو جو میری
قوم میں اوسکو حاصل ہے اوس سے چھڑا دوں یا اون سے اوسکو
محروم رکھوں الحاصل مطلب مکہ سے روانہ ہوئے۔ مدینہ پہونچے
اور بیرون شہر مقیم ہوئے اور اپنے بھتیجے کی تلاش کرنے لگے۔ اور
بالآخر اوسکو پا گئے اوسی حالت میں جیسا کہ ثابت نے اون سے
بیان کیا تھا۔ شیبہ اور بچوں کو ساتھ تیر اندازی میں مصروف تھے
دیکھتے ہی مطلب نے پہچان لیا۔ اور اونکو اپنے باپ (ہاشم برادر
مطلب) کا ہو بہو ہم صورت و ہم شبیہ پایا۔ مطلب کی آنکھوں سے
بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ فوراً اوسکو لپٹا لیا اور ایک حلہ
یمانی۔ جو مخصوص اونکے لئے گھر سے لیگئے تھے پہنا دیا۔ اور یہ اشعار
اپنی زبان پر جاری کئے ؎ میں نے شیبہ کو ایسی حالت میں کہ
بنی نجار کے لڑکے تیر اندازی میں اوسے گھیرے ہوئے تھے پہچان
لیا۔ میں نے اوسکو جسمانی ساخت کو بالکل اپنے لوگوں کی پائی
اور اوس سے اپنی خوشبو بھی پائی۔ بس میری آنکھوں سے بیساختہ
آنسو جاری ہو گئے۔ اب سلمی کو مطلب کے آنیکی خبر ملی۔ انہوں نے
مطلب کو اپنے گھر بلا بھیجا۔ مطلب گئے اور کہنے لگے کہ میرے
لئے بڑی بدنامی کا باعث ہوگا۔ اگر میں تم سے اپنے بھتیجے کے
لے لینے اور اپنے شہر میں لیجانے کا عزم و ارادہ چھپاؤں۔ یہ سنکر

انشدنی ہشام بن محمد عن ابیہ

ابلغ بنی النجار ان جئتہم

انی منہم وابنہم والخمیس

رأیتہم قوما اذا جئتہم

ھووا لقائی واحبوا حسیسی

و دخل بہ المطلب مکۃ ظہرا فقالت قریش ھذا عبد المطلب فقال ویحکم انما ھو ابن اخی شیبہ

ابن سعد - طبقات ص ۴۸-۴۹

سلمی نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ اوس کو بھیجدئے جانے پر کبھی راضی نہوں گی اور اسپر سلمی نے سخت قسمیں کھانی شروع کردیں مطلب نے کہا۔ ہاں ہاں یہ نہ کرو۔ کیونکہ میں تو اب بغیر اوس کو لیگئے یہاں سے ٹلتا نہیں ہوں۔ کیونکہ تم خود سوچو کہ میرا بھتیجا بلوغ کے قریب پہونچگیا اور وہ ابتک ایک غیر قوم و قبیلہ میں یکہ و تنہا ہے۔ اور ہم لوگ اہل بیت ہیں۔ جو اپنے تمام قوم و قبیلہ میں اشرف ترین افراد ہیں۔ اور یہ بھی غور کرو کہ اوسکے لئے اپنا مقام میں رہنے سے اپنے خاص شہر میں رہنا زیادہ مناسب ہے۔ اور یونہو وہ جہاں رہیگا تمہارا بیٹا ہے اور تمہارا فرزند۔ بالآخر جب سلمی کو یقین ہوگیا کہ مطلب اپنے ارادے سے باز نہ آئینگے تو مطلب نے تین دن اور سلمی اور قبیلہ بنی النجار کے اظہار رائے کا انتظار کیا۔ اور انھیں لوگوں پر اس امر کو قبول کردیا۔ اور تین دن تک بنی النجار کے مہمان رہے۔ آخر کار اون کی رضا و استمزاج سے لڑکے کو ہمراہ لے چلے اور بنی نجار کے تمام لوگ رسم ترخیص کے اصول پر مطلب کی مشایعت کی غرض سے اسکے ہمراہ ہوئے۔ اور مطلب نے اونکے یہ اخلاق و اشفاق دیکھکر یہ اشعار انشار کئے ۵ میری طرف سے بنی نجار کو یہ پیام پہونچادو کہ میں نے اون کے پاس آکر یہ سمجھ لیا ہے کہ اونکے اہل وعیال اور تمام گروہ گویا میرے لوگ ہیں اور گویا میں اپنے ہی لوگوں میں ہوں۔ میں نے ان لوگوں کو ایک ایسی قوم پایا کہ میں جب انلوگوں کے پاس پہونچا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ میری ملاقات کیا میری آواز تک کے مشتاق ہیں۔ بہرحال مطلب اپنے بھتیجے شیبہ کے ساتھ پشت کرے شہر میں داخل ہوئے۔ قریش نے اس لڑکے کو انکے پیچھے بیٹھا دیکھکر کہا کہ یہ تو عبدالمطلب ہے یعنی غلام مطلب۔ مطلب نے انکے اس غلط قیاس کی فوراً تردید کردی اور کہا افسوس ہے تم پر یہ شیبہ ابن عمرو (ہاشم) میرا خاص بھتیجا ہے۔ طبقات از صفحہ ۴۸ و ۴۹

قبیلہ بنی نجار کے انھیں محاسن اخلاق کے اعتراف میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخلہ مدینہ کیوقت قبیلہ بنی نجار کو اپنی فرودگاہ بننے کے شرف خاص سے مشرف فرمایا جس کو ہم تفصیل سے اپنے مقام پر لکھیں گے۔ بنی نجار کی نمودار اور ذی اقتدار کیلئے یہی ثبوت کافی ہیں۔

آمدم برسر مطلب۔ مندرجہ بالا واقعات کو شبلی صاحب کے موجودہ طریقہ اختصارات واشارات کے خلاف ہم نے تفصیل وتطویل سے کیوں لکھا۔ صرف اسلئے کہ شبلی صاحب جن مختصر اور گنے ہوئے الفاظ میں اس تاریخی واقعہ کو لکھا ہے۔ وہ بھی معلوم ہوجائے۔ عربی ماخذ کی اصلی عبارت بھی اس غرض سے نقل کردیگئی ہے۔ کہ دونوں عبارتوں کے مقابلہ اور موازنہ کے وقت باآسانی معلوم ہوجائے کہ مولوی صاحب کے مختصر سے اس بزرگ ہاشمی اور سید قریشی کے

متعلق اون امور کی کوئی اطلاع۔ کوئی خبر اور کوئی علم نہیں ہوسکتا جن سے اس بزرگ کی ذاتی وجاہت اور ذی اثر ہونیکا ثبوت خاص اوسی کے قوم و قبیلہ میں نہیں پایا جاتا بلکہ دوسری قوم و قبائل میں بھی اوسکی عظمت اور حرمت اوسی طرح مسلّم اور مقدم سمجھی جاتی ہے۔

اسی تفصیل سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بنی ہاشم میں اوسوقت اپنی قومی حمیت اور خاندانی شرف و مفاخرت کا کس حد اور کس درجہ تک کا پاس و لحاظ تھا۔ کہ مطلب اپنے گم گشتہ عزیز خاندان کے حالات ثابت کی زبانی سنکر۔ جو نہایت آرام و راحت سے اپنے ننہال میں پرورش پاکر جوانی کے قریب پہونچگیا تھا بیقرار و بیتاب ہو گئے۔ اور پھر ایک منٹ تک اوسکے پرورش پانے کو قبیلہ غیر میں۔ گو وہ قرابت اور عزیزداری میں کتنا ہی قریب نہو۔ گوارا نکرسکے مدینہ پہونچے سلمیٰ اور تمام اکابر و عمائد بنی نجار۔ لڑکے کے چھوڑجانے کیلئے اصرار پر اصرار کرتے رہے۔ مگر مطلب نے ایک نمانی۔ اور کسطرح اپنی حمیت خاندانی اور عظمت موروثی کے حقیقی افتخار اور اصلی اقتدار کو یہ کہکر کہ ہم اہلبیت میں اور اپنی قوم و قبیلہ میں اشرف ترین افراد۔ اونکے اخلاق و اشفاق کا زیر بار نہ ہونے دیا۔

کیا شبلی صاحب ان واقعات کو جن کے لفظ لفظ اور حرف حرف سے مطلب اور خاندان ہاشم کے فضائل و خصائص ثابت ہوتے تھے۔ اپنے مدعائے تالیفی سے زائد سمجھتے تھے؟ کیا ان واقعات سے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جد بزرگوار کے اعلیٰ محاسن اخلاق۔ طرز معاشرت۔ شریفانہ حمیت اور رئیسانہ شان و شوکت کا اظہار نہیں ہوتا؟ کیا اپنے بھتیجے کی تلاش میں مطلب کی یہ تمام سرگذشت واقعات تاریخی کی تعریف میں نہیں آتی؟ کیا یہ واقعات ایک تاریخ نویس اور سیرت نگار کیلئے قابل الذکر نہیں ہیں؟ نہیں۔ واقعات تاریخی بھی ضرور ہیں۔ اسلئے کہ شبلی صاحب کے شیخ التحقیق۔ ابن سعد کے طبقات میں موجود ہیں۔ اور قابل الذکر بھی ضرور ہیں۔ اسلئے کہ اس سے مکہ و مدینہ کے دو نمود دار اور ذی اقتدار قبیلوں کے حسن معاشرت۔ تہذیب اور تمدن کے حالات پورے طور سے معلوم ہوتے ہیں مگر ہاں مولوی شبلی کیلئے اس وجہ خاص سے قابل ذکر نہیں ہیں کہ ان سے آپکے مجوزہ سیر و ناف اسلام کے فریق مخالف بنی ہاشم کی فضیلت۔ شرافت۔ قومی عزت اور خاندانی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہ آپ کی طبع نازک کے ناگوار ہے۔ مولوی صاحب کے مقلدین بھی اس طریقہ اختصار کو پسند کرینگے ورنہ ایک محقق اور مورخ تو ان حالات کی تفصیل کو اپنی تاریخ و سیر کے تالیفی مقاصد کے اجزائے لازمی تسلیم کریگا اور اسی اصول کی بنا پر قدیم و جدید مورخین و اہل سیرت نے اپنے تالیفات و تصنیفات میں ان واقعات و حالات کو مفصل طریقہ سے قلمبند کیا ہے۔

شیبہ کی وجہ تسمیہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ مگر قوم قریش نے انکے تحمل و وقار اور شوکت و اقتدار کے اعتبار سے ان کو شیبۃ الحمد کا خطاب دیا تھا۔ مگر تمام لوگ عبد المطلب ہی کہتے تھے۔ اور بالآخر یہ اسی نام سے مشہور ہوئے۔ مطلب نے اپنی وفات کیوقت انہیں کو اپنا وصی و وارث قرار دیا طبقات میں ہے۔

فولی عبد المطلب بن هاشم بعده الرفادة و السقاية فلم يزل ذالك بيده يطعم الحاج و يسقيهم في حياض من ادم بمكة فلما سقى زمزم يترك السقي في الحياض بمكة و سقاهم من زمزم حين حفرها و كان يحمل الماء من زمزم الى عرفة فيسقيهم۔

مطلب نے رفادہ او سقایہ کے منصب اپنے عہد لعبد المطلب کو سپرد کر دیئے۔ اور اونہوں نے کبھی حجاج کا کھانا کھلوانا اور چمڑے کے بڑے بڑے حوضوں میں پانی بھر بھر کر انکو پانی پلانا ترک نہیں کیا۔ لیکن جب سے انھوں نے چاہ زمزم کو کھود کر پانی پلانا شروع کیا تو اوسی وقت سے ان چرمی حوضوں کے ذریعہ سے پانی پلانے کا طریقہ موقوف ہو گیا۔

طبقات ۴۹

شبلی صاحب نے اس بزرگ کی نسبت بھی وہی کوتہ قلمی اور اختصار پسندی کا قدیم طریقہ اختیار کیا ہے چنانچہ بلاش دنیاوی چاہ زمزم کے متعلق صرف اتنی ہی خامہ فرسائی گوارا فرمائی گئی ہے۔

عبد المطلب کی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ زمزم جو ایک مدت سے اٹ کر گم گیا تھا۔ انھوں نے اسکا پتا لگایا اور کھدوا کر نئے سر سے درست کرا دیا۔"

سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۲۱

یہ تو شبلی صاحب کی مختصرہ عبارت ہے۔ مگر آپ سے سیکڑوں برس پہلے کی عربی تاریخوں سے اسکے تفصیلی حالات جو تحقیق ہوتے ہیں وہ ذیل میں مندرج کئے جاتے ہیں۔ سیرت ابن ہشام میں۔ بنی جرہم کے اخراج مکہ و ترک تولیت خانہ کعبہ کے ذکر میں۔ لکھا ہے۔

فخرج عمرو بن الحرث بن مضاض الجرهمي بغزالي الكعبة و بحجر الركن فدفنها في زمزم و انطلق

عمرو ابن الحرث ابن مضاض الجرہمی نے کعبہ کے دونوں ہرنوں کے مجسمے اور حجر الاسود کعبہ کے اندر سے نکال لئے۔ زمزم میں انکو دفن کر دیا اور چلے گئے۔

حافظ جمال الدین محدث شیرازی نے۔ کامل ابن اثیر کے اسناد سے۔ اس واقعہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب روضۃ الاحباب میں لکھا ہے۔ اون کی اصلی عبارت یہ ہے۔

چوں حال بایں منوال رسید قوم جرہم را یقین گشت کہ ریاست مکہ از ایشاں زائل میشود۔ دل از آں برداشتند۔ درپیش ایشاں دراں وقت عمرو ابن حارث بود حسد اورا باعث شد بر آنکہ حجر الاسود را از رکن برکند۔ وصورت دو آہو برہ از طلا کہ اسفندیار فارسی بہدیہ کعبہ فرستادہ بود و انزا غزال الکعبہ خواندندی و سلاحی چند کہ در خانہ کعبہ بود ہمہ را برداشت و در چاہ زمزم پنہاں

جب اس طریقہ پر حال پہونچگیا تو قوم جرہم نے یقین کر لیا کہ مکہ کی ریاست ہم سے چلی جاتی ہے۔ تو اونھوں نے اسکی طرف سے اپنا دل اوٹھا لیا۔ اوسوقت انکا سردار عمرو ابن حارث تھا۔ اوسپر حسد نے غلبہ کیا۔ اوس نے کعبہ سے حجر الاسود کو اوکھاڑ کر۔ اور اون دونوں ہرنوں کے طلائی مجسموں کو۔ جو اسفندیار شہریار فارس نے کعبہ میں نذر چڑہائے تھے۔ لیکر اور اون چند سلاحوں کو جو کعبہ

کردو آنرا اپنا شست و با زمین ہموار نمود۔

میں تھیں سب کو اٹھا کر چاہ زمزم میں پوشیدہ کردیا۔ اور زمزم کو پاٹ کر زمین کے برابر کردیا۔ روضۃ الاحباب جلد اول ص۶۳ مطبوعہ لکھنؤ

زمزم کی تلاش اور از سرِ نو مرمت حضرت عبد المطلب کی بے نظیر ہمت

چاہ زمزم کے مفقود اور بے نام و نشاں کی یہ وجہ ہوئی۔ زمزم سلسلہ ابراہیمی اور خانوادۂ اسماعیلی کی عظمت و تقدیس کا قدرتی اور نہایت قدیم یادگار تھا۔ اسلئے بنو اسمٰعیل اسکی یاد کبھی بھول نہیں سکتے تھے

اتنا لکھکر ہم اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔

باوجودیکہ بنی جرہم و بنی قضاعہ کے بعد امارت مکہ پھر بنو اسماعیل ؑ کے قبضہ میں آگئی۔ مگر تاہم حضرت عبد المطلب کے وقت تک کسی بزرگ ہاشمی کو چاہ زمزم کے سراغ لگانے اور مرمت کرانے کی طرف نہ توجہ ہوئی اور نہ ہمت۔ امتداد زمانہ کے سبب سے بنو اسمٰعیل کے اکثر افراد زمزم کے نام اور اس کی حقیقت کو فراموش کر گئے۔ ساکنین عرب عموماً اور باشندگان مکہ خصوصاً پانی کو ایک ایسی نعمت غیر مترقبہ سمجھتے تھے جس کے مقابلہ میں وہ دنیا کی کسی دولت کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے تھے۔ مکہ میں انسانی آبادی کا اصلی باعث یہی زمزم کا چشمہ ثابت ہوتا ہے جس کو پہلے حضرت ہاجرہؑ اور اسمٰعیل علیہما السلام اور انکے بعد بنو اسمٰعیل نے کھیر کر ایک حوض اور پھر کنوئیں کی صورت میں بنا لیا تھا۔ وہ اتنی مدت مدید سے مفقود اور لاوجود ہو گیا تھا۔ مکہ والوں کو بھی آب کی جیسی تکلیف ہو رہی تھی وہ بالکل اندازہ سے باہر ہے۔ خیریت تھی کہ شہر میں کچھ کنوئیں کھودلئے گئے تھے جن سے پیاسوں کی پیاس بجھ جایا کرتی تھی۔ مگر تاہم سالہا سال مکہ میں پانی کا قحط بنا رہتا تھا۔ حج کے ایام میں یہ تکلیف اور بڑھ جاتی تھی۔ اور منصب سقایہ کی گویا جان پر بن آتی تھی۔ سمجھ لینے کیلئے کافی ہے کہ جس مقام پر وہاں کی ضرورت کیلئے پانی کافی نہو۔ وہاں باہر کے آنیوالے حجاج کی بیشمار جماعت کے لئے کافی طور پر پانی فراہم کرنا آسان بات نہیں تھی۔

قصی ابن کلاب کے ایام امارت سے لیکر مطلب ابن عبد مناف کے عہد حکومت تک تو جیسا اوپر بیان ہو چکا ہے بڑے بڑے چرمی حوضوں میں شہر کے کنوؤں سے پانی بھر کر خانہ کعبہ کے صحن میں رکھ دیا جاتا تھا۔ اور وہی حجاج کو پلایا جاتا تھا۔ عرفات و منیٰ میں جانیوالے دن یہی حوض اٹھا کر وہاں لیجائے جاتے تھے اور یہی ان دونوں مقاموں میں بھی حجاج کے کام آتے تھے۔

عبد المطلب نے بھی اپنی امارت کے ابتدائی ایام میں چندے خدمت سقایہ کی انجام دہی میں یہی قدیم طریقہ اختیار کئے اور وہ بھی انھیں حوضوں کے ذریعہ سے تمام حجاج کو پانی پلایا کئے۔ بالآخر انھوں نے اسکو حد درجے کی تکلیف کا باعث سمجھا اور اصلی چاہ زمزم کے سراغ لگانے اور وہاں پھر از سر نو ایک نیا کنواں بنانے کا ارادہ کیا۔ اور اپنے اس ارادہ و تجویز کو دینی اور قومی ضرورتوں کے اعتبار سے بہت بڑا کار خیر اور ثواب بیحساب کا باعث سمجھا

اور حقیقت میں تھا بھی ایسا ہی۔

ممکن تھا کہ حضرت عبدالمطلب صحن کعبہ یا اور کسی مقام متصل میں ایک معمولی کنواں کھدوا دیتے تھے۔ اور سقایہ کی موجودہ ضرورت پوری ہو جاتی۔ مگر نہیں۔ اِن کے دل میں اُسی قدرتی چشمہ رحمت کی تمنا تھی جو خدا کی طرف سے اِن کے خاندانی عظمت و تقدیس کا معیار قرار دیا گیا تھا۔ انکا خلوص انکی ہمت خدا سے شرط کر چکی تھی کہ یہ کنواں وہیں کھودا جائے گا جہاں اصلی زمزم واقع تھا۔ اور وہ صورت و ہیئت میں چاروں طرف ہاتھوں سے بنائی ہوئی مینڈ سے گھرا ہوا حوض تھا جسکو حضرات ہاجرہ و اسماعیل ؑ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے بنایا تھا۔ اور چشمہ زمزم کے آب رحمت کو اوسمیں جمع کر رکھتا تھا۔ اسی شرط کی وجہ سے حضرت عبدالمطلب کی تعمیل تعمیر میں تاخیر ہو گئی۔ ورنہ یہ عالی ہمت اپنی نیت کو کب کا پورا کر چکا ہوتا۔

ہمت مرداں مدد خدا جناب عبدالمطلب نے زمزم کے اصلی مقام کے پتا لگانے میں اپنی کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ مگر کسی سے کوئی پتا یا نشان نہ ملا۔ بالآخر عبدالمطلب نے اسکے اصلی مقام کے پتا لگانے میں اوس ہادی حقیقی کیطرف رجوع کی جس نے زلال رحمت بنا کر اسکو اسمٰعیل کیلئے پیدا کیا تھا۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

كانت زمزم سقيا من الله اتي في المنام مرات فامر بحفرها ووصف له موضعها	زمزم خاص خدا کی رحمت کی سقائی تھی۔ عالم رؤیا میں متواتر طور پر عبدالمطلب کو بتلایا اور اسکے کھودے جانیکا حکم ہوا۔

الغرض عبدالمطلب کے ارادہ کے ساتھ مشیت کا ارادہ بھی شامل حال ہو گیا۔ اور خدا کے بتلائے ہوئے مقام پر کھودنے کا کام شروع کر دیا گیا۔ حضرت عبدالمطلب کی سب سے زیادہ قدر کے قابل ہمت تو یہ تھی کہ آپ نے اپنے اس کام میں اپنی قوم و قبیلہ سے کسی قسم کی مدد و حمایت نہیں مانگی اور خدا کی راہ میں اس کار عظیم کو۔ صرف دو باپ بیٹوں نے ملکر از آغاز تا انجام۔ تمام کیا تفصیل آگے آتی ہے۔

[...]مت زمزم میں قریش کی مخالفانہ ممانعت

بُرا ہو حسد، نفسانیت اور برابری و مساوات کے غلط انداز غرور و نخوت کا جس نے عبدالمطلب کی ایسی ایثار نفسی اور رفاہ و فلاح کے کام میں بھی تمام قریش کو اونکی مخالفت اور حفر زمزم کی ممانعت پر آمادہ کر دیا۔ اول تو انھوں نے یہ کہہ کر عبدالمطلب کو کنوئیں کھودنے سے روکنا چاہا کہ ہم اپنے بتوں کے سامنے گڈھا کرنے نہیں دینگے مگر حضرت عبدالمطلب اور اونکے بیٹے حارث۔ قریش سے مقابلہ و مقاتلہ پر فوراً تیار ہو گئے۔ مزاحمین کی جماعت مرعوب ہو گئی۔ اور عبدالمطلب کے تیور بُرے دیکھکر موقع سے ہٹ گئی۔ ابن سعد قریش کی اس اول مخالفت کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ مگر ابن ہشام اپنی سیرت میں ذیل کی تفصیلی عبارت لکھتے ہیں۔

فغدا عبد المطلب ومعه ابنه الحرث وليس له يومئذ ولد غيره فوجد قرية النمل ووجد الغراب ينقر عندها بين الوثنين اساف ونائلة اللذين كانت قريش تنحر عندهما ذبائحها فجاء بالمعول وقام ليحفر حيث امر فقامت اليه قريش حين رأوا جده فقالوا والله لا نتركك تحفر بين وثنينا هذين اللذين ننحر عندهما فقال عبد المطلب لابنه الحرث ذد عني حتى احفر فوالله لامضين لما امرت به فلما عرفوا انه غير نازع خلوا بينه وبين الحفر

ابن ہشام ص ۵۰ مطبوعہ مصر

صبح سویرے عبد المطلب اپنے بیٹے حارث کو۔ اور اس وقت تک انکا یہی ایک بیٹا تھا۔ ساتھ لیکر کنواں کھودنے کیغرض خاص سے گئے۔ اور قریۃ النمل و غراب کے علامات دینیات قدرت کے مطابق۔ جو عالم رؤیا میں خدا کیطرف سے انکو بتلائے گئے تھے او جو بین اون دونوں بتوںکے واقع تھا جنکا نام اساف و نائلہ تھا اور جنکے آگے قریش اپنے جانوران قربانی کو نحر کیا کرتے تھے جب یہاں عبد المطلب کنواں کھودنے کیلئے تیار ہوکر اور کدال وغیرہ لیکر آئے تو انکو دیکھ کر قریش انکی مخالفت پر آمادہ و استادہ ہوگئے۔ اور کہا ہم تمکو اپنے ان دونوں بتوںکے درمیان کنواں نہیں کھودنے دینگے۔ عبد المطلب نے اپنے بیٹے حارث سے کہا کہ ان لوگوں کو ہمارے پاس سے ہٹا دو کہ ہم بغیر کنواں کھودے نہیں رہینگے اور کبھی اس کام کو نہ چھوڑینگے جسکے انجام کرنیکا حکم مجھکو مل چکا ہے۔ انکی یہ تقریر سنکر قریش کو یقین ہوگیا کہ یہ اپنے ارادے سے ہرگز باز نہیں آوینگے۔ اسلئے وہ انکی اور انکی کُدھا کرنیکے مقام کو چھوڑکر ہٹ آئے۔

یہ واقعہ صاف صاف بتلا رہا ہے کہ قریش نہیں جانتے تھے کہ بنی ہاشم اپنی کوئی نمود قایم کریں۔ وہ انکے کسی کام کو عام اس سے کہ وہ اون کے اور تمام عوام الناس کیلئے کیسا اور کتنا ہی مفید ہو۔ صرف اس نفسانیت کے خاص خیال سے کہ وہ بنی ہاشم کر رہے ہیں۔ اپنی ٹھنڈی آنکھوں سے کبھی نہیں دیکھ سکتے تھے حسب و نسب کی کجبحثی کے غلط قیاس پر انکے سروں پر بنی ہاشم کی برابری اور ہمسری کے جن سوار تھے۔ جو عفریت خانہ بنی امیہ سے نکل پڑے تھے۔ حالانکہ وہ اپنے ان توہمات کی غلطی کو دیکھتے جاتے تھے۔ اور مقابلہ کے وقت برابر خفت۔ ندامت اور ذلت پر ذلت اوٹھاتے جاتے تھے۔ مگر طبیعت کی ناہمواری سے باز نہیں آتے تھے۔

۵۱؎ غراب اور قریۃ النمل۔ صفحہ گذشتہ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عبد المطلب کو عالم رؤیا میں اصل زمزم کا نشان اور خاص مقام جہاں بتلایا گیا تھا اوس جگہ دو ظاہری علامات بھی بتلائے گئے تھے۔ ایک تو چونٹیوں یا دیمک کا پہاڑ (قریۃ النمل) دوسرے کوے کا آشیانہ سے اوڑنا۔ طبقات۔ سیرت ابن ہشام۔ ابن اثیر اور روضۃ الاحباب کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبد المطلب نے رویائے صادقہ کی ہدایت کے مطابق۔ اس مقام خاص پر دیمک کا ٹیلا پایا۔ جو امتداد ایام کی وجہ سے وہاں پیدا ہوگیا تھا۔ جب یہ کھدا تو اسمیں سے کوے بھی۔ جو اسکے اندر آشیانہ رکھے تھے نکلکر اوڑے۔ اس بنا پر خدا کے بتلائے ہوئے علامات کی تصدیق ہوگئی۔ وہو علی کل شیء قدیر۔

بہرحال۔ چاہ زمزم کے کھود یجانے کے متعلق قریش کی عبد المطلب کے ساتھ یہ پہلی مخالفت تھی۔ آگے چلکر اسکی صورت اور ہیبتناک معلوم ہوتی ہے۔ اور اسکے آخر میں۔ جو ذلت قریش کے پیرامون حال ہوئی وہ سخت سے سخت عبرت ناک ثابت ہوتی ہے۔ ابن سعد اور ابن ہشام کی تسفقہ عبارتوں سے اسکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

نحفر ثلاثة ایام ثم بدا له الطوی فکبر وقال هذا الطوی اسمٰعیل فعرفت قریش انه قد ادرک الماء فاتوه فقالوا اشرکنا فیه فقال ما انا بفاعل هذا امر خصصت به دونکم فاجعلوا بیننا وبینکم من شئتم احاکمکم الیه قالوا کاهنة بنی سعد هذیم وکانت بمعان من اشراف الشام فخرجوا الیها

طبقات ص ۴۹

تین دن تک باپ بیٹے (عبد المطلب اور حارث) نے ملکر وہ کنواں کھودا۔ تیسرے روز جاکر اصل چاہ زمزم کا نشان ملا۔ دونوں صاحبوں نے تکبیر کے نعرے بلند کئے اور کہا کہ یہی اسمٰعیلؑ کا اصلی کنواں ہے۔ قریش نے جب دیکھا کہ بنی ہاشم یا عبد المطلب پانی کو پاگئے۔ تو انکے پاس آئے۔ اور کہا کہ ہمکو بھی اس کام میں شریک کرلو۔ عبد المطلب بولے ہم تو ایسا نہیں کرینگے کیونکہ تم لوگوں کو چھوڑکر یہ امر میرے ساتھ مخصوص کردیا گیا ہے۔ مگر ہاں اگر تم چاہو تو ہمارے تمہارے باہمی تصفیہ کیلئے تم لوگ کسی کو حکم مقرر کرلو۔ قریش نے کہا کہ ہذیم نامی کاہنہ کو جو قبیلہ بنی سعد سے ہے۔ اور شام کے بالائی حصہ مقام معان میں رہتی ہے اس امر کے تصفیہ کیلئے حکم مقرر کرتے ہیں پس سب ملکر اوسکی طرف چلدے۔

ابن ہشام اسکو اور توضیح سے لکھتے ہیں۔ ذیل کی عبارت ملاحظہ ہو۔

فلم یحفر (عبد المطلب) الا یسیرا حتی بدا الطوی فکبر وعرف انه قد صدق فلما تمادی به الحفر وجد فیها غزالین من ذهب وهما الغزالات اللذان دفنت جرهم فیها حین خرجت من مکة ووجد فیها اسیاف قلعیه وادراعا فقالت له قریش یا عبد المطلب لنا معک فی هذا اشرک وحق قال لا ولکن هلم الی امر نصف بینی وبینکم

سیرت ہشام جلد اول ص ۵۰ مطبوعہ مصر۔

عبد المطلب نے تھوڑا کھودا تھا کہ قدیم آثار چاہ نکل آئے۔ تو عبد المطلب نے خوشی میں تکبیر کہی اور یقین ہوگیا کہ خواب میں جو کچھ انکو بتلایا گیا ہے وہ صحیح ہے جب کچھ اور کھودا تو دونوں سونیکے ہرن نکلے جنکو بنی جرہم نے مکہ سے جاتے وقت چاہ زمزم میں دفن کردیا تھا پھر اسمیں عبد المطلب کو قلعی کی ہوئیں چند تلواریں اور زرہیں بھی دستیاب ہوئیں۔ تب تو قریش پھر آئے اور آکر عبد المطلب سے کہنے لگے کہ ان اشیاء برآمد شدہ میں ہمارا بھی حق و حصہ ہے عبد المطلب نے کہا نہیں۔ مگر ہاں اگر تم باخود ہا تصفیہ چاہو تو ہم نصفا نصف کردینگے۔

اب قریش کی اصل مخالفت اور علت مخاصمت معلوم ہوگئی۔ یہی مال و اسباب کی برآمدگی موجود مخاصمت کی وجہ تھی۔ اور انھیں سکے برآمد ہونیکی خبر نے اونکو عبد المطلب کے ساتھ فساد و تکرار پر برانگیختہ کردیا۔ ورنہ صرف

کھد جاتا اور کوئی چیز برآمد ہوتی تو پھر قریش کچھ نہ بولتے۔ ان چیزوں نے قریش کی حسد و نفسانیت اور حرص طمع میں بار دیگر پر جوشی اور نئی آمادگی پیدا کر دی اور وہ انکے ساتھ مخاصمت اور فتنہ انگیزی پر آمادہ اور مستعد ہو گئے۔ ابن سعد بقیہ حالات یوں لکھتے ہیں۔

فخرج معه عبد المطلب عشرون رجلا من بني عبد مناف وخرجت قريش بعشرين رجلا من قبائلها فلما كانوا بالفقير من طريق الشام او حذوه فني ماء القوم جميعا فعطشوا فقالوا لعبد المطلب ما ترى فقال هو الموت فليحفر كل رجل منكم حفرة لنفسه فكلما مات رجل دفنه اصحابه حتى يكون آخرهم رجلا واحدا فيموت ضيعة أيسر من ان تموتوا جميعا فحفروا ثم قعدوا ينتظرون الموت فقال عبد المطلب والله ان القاءنا بايدينا هكذا العجز الا نضرب في الارض فعسى الله ان يرزقنا ماء ببعض هذه البلاد فارتحلوا وقام عبد المطلب الى راحلته فركبها فلما انبعثت به انفجر تحت خفها عين ماء عذب فكبر عبد المطلب وكبر اصحابه وشربوا جميعا ثم دعا القبائل من قريش فقالوا هلموا الى الماء الرواء فقد سقانا الله فشربوا واستقوا وقالوا قد قضى لك علينا الذي سقاك هذا الماء بهذه الفلاة هو الذي سقاك زمزم فوالله لا نخاصمك فيها ابدا فرجع ورجعوا معه ولم يصلوا الى الكاهنة وخلوا بينه وبين زمزم۔ طبقات ج ۱ ص ۵۰

عبدالمطلب کے ساتھ بیس آدمی عبد مناف کی اولاد میں سے اور قریش کے ساتھ تمام قبائل میں سے ایک ایک آدمی مکہ سے نکلے جب علاقہ شام کے مقام فقیر یا حذوہ میں پہونچے تو تمام لوگوں کا پانی تمام ہو گیا۔ اور سب پیاسے ہو گئے۔ تو سب نے عبدالمطلب سے کہا کہ اب تمہاری کیا رائے ہے۔ کہا کہ موت۔ تم میں سے ہر آدمی اپنے لئے ایک گڈھا کھود رکھے۔ جو آدمی مرے اوسکا ہمراہی اوسکو دفن کردے۔ یہانتک کہ ایک آدمی تنہا باقی رہ جائیگا اور وہ البتہ جو بلا تیمارداری اور محض بیکسی و بیچارگی کی سخت موت مریگا۔ مگر اس سختی کے ساتھ ایک آدمی کا مرجانا اتنے آدمیوں کی سختی سے مرنے سے آسان تر ہوگا۔ ان لوگوں نے گڑھے کھودے اور اپنی اپنی موت کے منتظر ہو کر بیٹھ رہے جب حضرت عبدالمطلب نے اونکی یہ حالت دیکھی تو کہا کہ یہ ہمارے ہاتھوں کی بلائی ہوئی مصیبت کہی جائیگی اور یہ ہمارے ضعف و کمزوری کا نتیجہ سمجھا جائیگا اور اس طریقہ سے ہماری جہالت اور ذلت کی دنیا میں ایک مثال قائم ہو جائیگی۔ اگر خدا کو منظور ہے تو اس مقام سے کسی دوسرے مقام پر ہمکو پانی عنایت فرمائیگا۔ یہ سنکر وہ لوگ وہاں سے چلنے پر تیار ہو گئے اور حضرت عبدالمطلب بھی سوار ہونے کیلئے اپنی سواری کے قریب آکھڑے ہوئے۔ اور جیوں ہی وہاں سے چلے ویسے ہی آپ کے پیر کے نیچے آب شیریں کا ایک چشمہ ریگ میں نظر آگیا۔ اوسکے دیکھتے ہی حضرت عبدالمطلب اور اونکے ہمراہیوں نے جوش مسرت میں تکبیریں کہیں اور سب نے سیر ہو ہو کر اوس پانی کو پیا اور پلایا پھر

ان لوگوں نے قریش کے قبائل کو بھی آواز دی اور کہا کہ اس آب رواں کیطرف دوڑ آؤ۔ جو خداوند عالم نے ہمیں عنایت فرمایا ہے اور پلایا ہے۔ پس وہ تمام لوگ بھی آگئے۔ اوس پانی کو پیا اور پلایا اور کہنے لگے کہ اب ہماری موجودہ نزاع کا فیصلہ ہوگیا جس شخص نے ہمکو اس چشمہ سرزمین سے پانی پلایا ہے بیشک وہی ہمکو چاہ زمزم کا بھی پانی پلائے گا۔ خدا کی قسم اب اس امر میں ہم اوسکے ساتھ کبھی مخاصمت نہ کرینگے پس وہ لوگ حضرت عبد المطلب کے ساتھ ہوکر اوسی وقت لوٹ آئے اور اوس کاہنہ شامیہ کے پاس نہیں گئے اور پھر زمزم اور حضرت عبد المطلب کے معاملات سے بالکل دست بردار ہوگئے۔

سیرت ابن ہشام کی عبارت بھی قریب قریب یہی ہے۔ مگر اسمیں جو امر خاص قابل ذکر ہے وہ قریش اور بنی ہاشم کے اخلاقی اوصاف کے اختلاف ہیں۔ ذیل کی عبارت سے اونکا پورا انکشاف ہوتا ہے۔

فخرجوا حتی اذا کانوا ببعض تلک المفاوزة بین الشام والحجاز فنی ماء عبد المطلب واصحابه فظمئوا حتی ایقنوا بالهلکة فاستسقوا من معهم من قبائل قریش فابوا علیهم فقالوا انا بمفازة ونحن نخشی علی انفسنا مثل ما اصابکم فلما رای عبد المطلب ما صنع القوم وما یتخوف علی نفسه واصحابه قال ماذا ترون قالوا ما رأینا الا تبع لرأیک فامرنا بما شئت

ابن ہشام ج ۱ ص ۷۹ مطبوعہ مصر

فریقین نکلے اور جب حجاز و شام کے مابین پہونچے تو یہاں آکر حضرت عبد المطلب اور اونکے ہمراہیوں کا پانی ختم ہوگیا اور وہ لوگ پیاسے رہ گئے۔ اور جب پیاس سے ہلاکت کے قریب پہونچگئے تو اونہوں نے قریش کے قبائل سے پانی پلانے کی درخواست کی اون لوگوں نے قطعی انکار کردیا اور کہا کہ ہم اپنی جانوں کے لئے اسی مصیبت کا خوف و اندیشہ کرتے ہیں۔ جو تمہاری جانوں پر پڑی ہے اور جسکو ہم خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کررہے ہیں۔ یہ جواب صاف پاکر حضرت عبد المطلب نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ تم دیکھتے ہو جو تمہاری قوم تمہارے ساتھ کررہی ہے اور اوسکو ہمارے صحاب اور ہماری جان کا کوئی خوف و لحاظ نہیں ہے۔ اب تمہاری کیا رائے ہے۔ اصحاب عبد المطلب نے جواب دیا ہماری کوئی رائے سوائے اسکے نہیں ہے کہ ہم آپ کی رائے کی متابعت کریں۔ جو آپ تجویز کریں وہ حکم ہمکو دیں۔

اس واقعہ سے پہلے جس چیز کا انکشاف ہوتا ہے۔ وہ تعمیم و تخصیص کا مسئلہ ہے معمول کے ظاہری اصول پر ہر شخص تخصیص کو اکثر حسن ارادت کا نتیجہ اور خلوص و عقیدت کا مقتضا سمجھتا ہے۔ اسی بنا پر اکثر لوگ بنی ہاشم کی بنی امیہ یا سائر قریش پر تفضیل و ترجیح کو قابل ذکر نہیں سمجھتے اور اسکو عموماً مولفین کی خوش عقیدگی سمجھکر اکثر قلم انداز کردیتے ہیں۔ شبلی صاحب بھی اسی مسلک کے بزرگ ہیں۔ ابن سعد۔ ابن ہشام۔ ابن اثیر وغیرہم کی اسی اسی مستند کتابیں اور عربی ماخذ یا یوں کہئے کہ مصر و قسطنطنیہ کے کتب خانے کے کتب خانے سیرۃ النبی کی تدوین کے وقت آپ کے پیش نظر تھے جنمیں یہ واقعات تحریر تھے مگر آپ نے اپنے اصول طبعی کے مطابق مذکورہ بالا اخذ و لیا

کی نقل۔ واقعات سے صریح چشم پوشی اختیار فرمائی۔ اور بنو ہاشم کے ایسی لاجواب اور بے نظیر اخلاق۔ فیاضانہ اور قومی ہمدردی کے واقعات کو بالکل چھپا دیا اور قطعاً لاوجود بنا دیا۔ حالانکہ یہی دو واقعات آپ کی ہدایت و تنبیہ کے لئے کافی تھے۔ جن سے آپ بخوبی سمجھ لیسکتے تھے کہ بنی امیہ اور تمام قوم قریش کو باوجود ہم اصلی اور ہم بطنی کے بنی ہاشم کے ساتھ۔ اخلاق۔ تہذیب۔ عام ہمدردی۔ فیاضی اور اشفاق کے تمام محاسن اوصاف میں کوئی مشابہت اور مماثلت نہیں ہے۔ اور انہیں واقعات سے آپ یہ نتیجہ نکال لیسکتے تھے۔ کہ ان اوصاف و محامد کے لئے ہمقومی اور ہم بطنی کی ضرورت نہیں۔ انکی تفویض قدرت کی تجویز اور مشیت کی تدبیر پر موقوف ہوتی ہے ورنہ انسانی عالم میں ممکن نہیں ہے کہ ایک قوم۔ ایک ملک اور ایک شہر کے لوگ اپنی جمعیت میں اتنے لوگوں کو گو وہ اون کے اوسوقت مخالف خیال ہی کیوں نہوں پیاس سے مرتا ہوا آنکھوں سے دیکھیں اور اپنے پاس کافی مقدار میں پانی رکھکر بھی اون پیاس سے مرتے ہوئے انسانوں کو پانی دینے سے انکار صاف کردیں۔ اور ایک بوند نہ دیں جیسا کہ ابن ہشام کی مرقومہ بالا عبارت سے ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت عبد المطلب اور اون کے ہمراہیوں نے پیاس سے بھڑک بھڑک کر اور ہلاکت کے قریب پہونچکر اپنے ہم قوم اور ہم بطن قریشی بھائیوں اور عزیزوں سے پانی مانگا اور اون لوگوں نے نہ دیا۔ نہ دیا۔

اس واقعہ کا دوسرا رخ بدلا جاتا ہے تو طبقات اور ابن ہشام دونوں کی متفقہ عبارت سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے فضل و کرم سے جب لب تشنگان عبد المطلب کو آب شیریں کا چشمہ ملگیا تو ان سیر چشموں نے اپنا تنہا پینا اور اس زلال رحمت سے خود سیراب ہونا۔ اپنے فطرتی اخلاق کے خلاف سمجھا۔ دردمندان قوم نے سنگدل اور تنگدل جماعت قریش کو بلایا اور اوس چشمۂ رحمت کا سب کو پانی پلایا۔

یہی دو واقعات جانبین کی فطرت اور مقتضائے طبیعت کو بخوبی بتلاتے ہیں۔ دونوں ہم اصلی اور ہم بطن ہیں۔ مگر ایک کی طبیعت میں قساوت و عداوت کے اتنے اجزا و عناصر بھرے پڑے ہیں کہ ان کی ظاہری تصویر انسانی بالکل ترکیب حیوانی معلوم ہوتی ہے۔ بخلاف انکے دوسرے کے مزاج و فطرت۔ ہمدردی۔ رحم مروت اور اخلاق کے بے انتہا اور بیش بہا جواہروں سے پر اور مملو ہے کہ باوجود ایسی شدید مخاصمت و مخالفت کے بھی وہ اپنے ایسے مخالف اور دشمن کو بھی اس نعمت میں شریک کرنے اور حصہ دینے میں ذرا بھی تامل نہ کرسکے۔ جو خدائے سبحانہ تعالیٰ کیطرف سے اونکو خاص طور پر تفویض فرمائی گئی تھی۔

یہی دو واقعات بنی امیہ اور تمام قریش کی طبائع حیوانی اور بنی ہاشم کے عالی اکثر خصائص روحانی۔ اور تعلیم و تنفیس کی حقیقت کا پورا انکشاف کرتے ہیں۔ یہ اختلاف۔ اور تضاد۔ نسلاً بعد نسلٍ۔ اور بطناً بعد بطنٍ فریقین کے سلسلہ میں برابر قایم اور برقرار رہے۔ جو فتح مکہ کے دن تمام قریش کے اتنے مظالم کے بعد لا تثریب علیکم الیوم کے

الفاظ میں لبہائے رسالت سے مترشح ہوئے۔ پھر معارک صفین کے ابتدائی ایام ہیں۔ بار دیگر قبضہ آب فرات کیوقت زبان ولایت سے کلمہ۔ واللہ لا افعل کما فعل اتباعہ وظلمہ مترنم ہوا۔ پھر بار دیگر شہادت کے بعد۔ وفات سے بالکل قریب۔ اپنے قاتل کو شربت پلانے کے موقع پر اشربہ قبل ان تشربینی کی تقریر میں جلوہ پذیر ہوا۔ پھر یہی اختصاص قدرت اور امتیاز فطرت۔ واقعہ صفین سے اکیس برس بعد کربلا کے قیامت ناک مقتل میں یوں ظاہر ہوا کہ انہیں سے ایک فریق قاتل کیصورت اپنے دوسرے فریق مقتول کے سینہ پر سوار ہے۔ فریق مقتول ذبیحہ کی شکل وصورت میں اوسکے زانو کے نیچے دبا پیاس سے دم توڑنا چاہتا ہے۔ ایک قطرہ آب کا قاتل سے سوال کرتا ہے اور وہ بے درد باوجودیکہ ایک جام یا ایک کوزہ آب کیا پورے دریائے فرات پر قابض ہے۔ مگر اوسکو ایک قطرہ آب نہیں دیتا۔ اور جلد جلد ذبح کر رہا ہے۔ مقتول مایوس ہوکر قاتل کی اس بیدردی کے جواب میں اپنے قاتل کو دعائیں دیتا ہوا دُنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوجاتا ہے۔ اور سلسلہ ہاشمیہ کی پاک سیرت اور نیک اخلاق کی بےنظیر مثال دُنیا میں یادگار چھوڑ جاتا ہے۔

بہرحال جیسا ہم اوپر بیان کر آئے ہیں یہ دونوں واقعات تاریخی جس طرح بنو ہاشم کے قبائل میں تخصیص روحانی ثابت کرتے ہیں اوسی طرح ان میں خاص خاص بزرگواروں کا موید من اللہ ہوتا بھی بتلا رہے ہیں کیونکہ تخصیص روحانی کا منصب تائید ربانی کے بغیر دشوار ہے۔ اور محال۔ یہی مشاہد تاریخی یہ بھی ثابت کر رہے ہیں کہ امارت و حکومت قومی مفاخرت اور اخلاقی محاسن و مکرمت بھی اسی سلسلہ میں قدیم ہے اور یہ استحقاق اور یہ دعوے حضرت ابراہیم کے وقت سے لیکر اسوقت تک خدائے سبحانہ تعالیٰ کیطرف سے ان حضرات کیلئے وراثت میں ودیعت فرمائے گئے تھے۔

واقعہ چاہ زمزم۔ جو بقول شبلی صاحب حضرت عبدالمطلب کی حیات کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اور اس رئیس بنی ہاشم کے موید من اللہ ہونیکا اعلیٰ معیار۔ عرب کے دو معتبر اور مستند تاریخوں سے اوپر لکھ دیا گیا۔ اون میں حضرت عبدالمطلب کے استقلال اور پاداری کی مثال بالکل بےنظیر اور لاجواب ثابت ہوتی ہے۔ چاہ زمزم کا کام اس ہاشمی فیاض نے محض ملکی اور قومی رفاہ و فلاح کے خیال کر علاوہ کعبہ اور حجاج کعبہ کی آرام رسانی کے لحاظ سے اپنا فرض سمجھ کر آغاز کیا تھا جس میں انکی ذاتی منفعت اور فائدہ کا کوئی تعلق اور لوث نہیں تھا۔ مگر قریش صرف اپنی عداوت اور نفسانیت کے تقاضوں سے انکے اس کار خیر اور رفاہ عام کی عملی ایثار کو بھی ٹھنڈی آنکھوں سے نہ دیکھ سکے آغاز ہی سے انکو روکا۔ اور اپنی قوم و قبائل کی کثرت پر ان سے سخت مخالفت کا اظہار کیا۔ ممکن تھا کہ حضرت عبدالمطلب ان کی قوت و کثرت سے مرعوب ہوکر اپنے اس ارادے سے باز آجاتے۔ مگر نہیں یہ خدا کا کام تھا۔ اور خدا کی طرف سے یہ اسکے لئے مامور ہوچکے تھے۔ اسلئے انکے ارادے میں ایک روحانی قوت تھی۔ جو انسانی قوت سے مغلوب و مرعوب

نہیں ہوسکتی تھی۔ اونھوں نے اس باعث سے قریش کی مخالفت کی کوئی پروا نہیں کی اور اپنے ارادے میں اوسی طرح مستقل رہے۔ تاریخیں بتلا رہی ہیں کہ عبد المطلب نے قریش کی متفقہ عداوت ومخاصمت کا عین اوسوقت میں مقابلہ کیا ہے جب انکے ساتھ سوائے حارث کے اوس موقع پر دوسرا حامی اور مددگار نہیں تھا۔ آخر قریش بھی انکے عزم بالجزم کی قوت اور اپنی جہالت کے قائل ہوگئے۔ اور اپنے مفسدوں سے باز آگئے۔ یہ پہلی مخالفت تھی۔

دوسری مخالفت پہلی سے کہیں زیادہ شدید تھی۔ یہ اصول فطرت سے مطابق تھی۔ کیونکہ اسمیں مال ومتاع اور قیمتی اشیار کی دستیابی کی امید وطمع شامل تھی۔ حالانکہ عبد المطلب نے اونکے مطالبہ کیوقت ہی ان اموال کیساتھ اپنے قبضہ وتصرف کی خصوصیت اور قریش کی غیر سروکاری صاف صاف لفظوں میں بیان کردی تھی۔ مگر چونکہ اس امر میں اب کی بار طمع وآز کا زیادہ دست دراز تھا اسلئے قریش کسی طرح نہ رک سکے۔ بالآخر محاکمہ کی نوبت آگئی۔ اور اسکے تصفیہ میں نظام قدرت نے قریش کی دون طبعی کا منظر اور بنی ہاشم کی خوش اخلاقی اور فیاضی کا محضر اون کی آنکھوں کے سامنے رکھدیا تو پھر محرومان قریش کو توبہ وانابت اور خجالت وندامت کے سوا اور چارہ ہی کیا تھا۔ یہ تاریخی واقعات انھیں حالات ومشاہدات کے آئینے ہیں جنمیں حقیقت کے پورے انکشاف ہوتے ہیں۔

تمام تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ چاہ زمزم کی تکمیل تعمیر تک قریش نے بالکل خموشی اختیار کی۔ مگر تکمیل زمزم کے بعد مخالفت قریش کی ایک اور مذبوحی حرکت تاریخوں سے پائی جاتی ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

عبد المطلب کی مخالفت میں قریش کی ایک آخری حرکت مذبوحی

جب زمزم کی تعمیر تمام ہوگئی تو حضرت عبد المطلب نے چاہ زمزم کو تمام اقوام مکہ کے لئے وقف کردیا۔ ایک تو ایسے متبرک اور مقدس کنوئیں کی قدامت اور پھر حرم محترم کے اندر واقع ہونیکی خصوصیت اور برکت نے تمام لوگوں کو اسکے استعمال کیطرف خاص توجہ اور رغبت دلائی۔ مکہ میں اسوقت بارہ کنوئیں اور بھی قبل سے بنے موجود تھے اسطرح کہ ہر قبیلہ کے لئے ایک کنواں علیحدہ تھا۔ انکی تفصیل پوری تصریح کے ساتھ سیرت ابن ہشام میں مندرج ہے۔ ص ۵۰۔

زمزم کی تعمیر کے بعد جیسا کہ مواہب لدنیہ کے اسناد سے صاحب روضۃ الاحباب کا خیال ہے کہ یہ تمام کنوئیں بیکار ہوگئے۔ اونکا مصرف محض اتفاقی ضرورتوں کے وقت تک محدود ہوگیا۔ زمزم کی مرجعیت عام سے جس کی بناء تعمیر کو حضرت عبد المطلب کی خاص فیاضی اور عالی ہمتی سے تعلق تھا۔ آپکی عظمت اور قدر ومنزلت اہل عرب کی نگاہوں میں پہلے سے بھی زیادہ کردی۔ حضرت عبد المطلب نے جس خلوص وعقیدت سے اس کار خیر کی ابتدا کی تھی اوسی نیک نیتی اور پاک نفسی کے ساتھ اسکو انجام تک پہونچا دیا۔ چنانچہ تجدید وترمیم زمزم کو حضرت عبد المطلب نے خدا کیطرف سے سمجھ کر اپنا فرض عینی یقین کر لیا تھا۔ اسی لئے اسکی انجام دہی میں جیسا کہ

ہم اوپر دکھلا آئے ہیں۔ بڑے حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے۔ چاہ زمزم سے جو اشیاء برآمد ہوئے تھے۔ اور جو قریش کے تمام مفسدوں کے اصلی باعث تھے۔ اونکو آپ نے جیسا قریش کا گمان تھا اپنی ضرورتوں کے لئے کبھی ہاتھ نہ لگایا۔ ویسا کا ویسا ہی محفوظ رکھا۔

جب چاہ زمزم تیار ہوگیا تو قریش نے اسمیں حصہ پانیکا پھر مطالبہ پیش کیا عبدالمطلب نے پھر دینے سے انکار کیا۔ بالآخر قرعہ اندازی کی گئی۔ سونے کے ہرنوں اور قلعی دار تلواروں پر تو کعبہ کا نام نکلا۔ اور وہ اسی وقت سے کعبہ کی نذر کردی گئیں۔ باقی رہیں زرہیں۔ اونپر عبدالمطلب کا نام نکلا۔ وہ انکو ملگئیں۔ قریش کا نام کسی پر نہ نکلا۔ یہ بالکل محروم رہ گئے ۵ طمع راسہ حرف است و ہرسہ تہی۔ سیرت ابن ہشام ص ۵۰ ج ۱ مصر

ان اشیاء کعبہ کے متعلق دو قسم کی روائتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے سونے کے ہرنوں کو توڑ کر اوسی سے دروازے کعبہ کے کو کبہ دگلیچیں قفل اور کنجیاں بنوائیں۔ اور تلواروں کو باب کعبہ پر عظمت و جلالت کے اظہار کے لئے آویزاں کردیا۔ طبقات ابن سعد ص ۵۰ ج ۱ جرمن

دوسری روایت یہ ہے کہ انمیں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ بلکہ اون اشیاء کو اسطرح در کعبہ پر آویزاں کردیا۔ ایک مدت تک یہ دونوں چیزیں آویزاں رہیں پھر قریش انکو چرا لیگئے۔ طبقات ابن سعد صفحہ ایضاً

ابن سعد نے مختصر الفاظ میں اسکی کیفیت یوں لکھی ہے۔

فلما حفر عبدالمطلب زمزم استخرج الغزالين وسيوفا قلعية فضرب عليها القداح فخرجت الكعبة فجعل صفائح الذهب على باب الكعبة فعدا عليه ثلاثة نفر من قريش فسرقوها

جب عبدالمطلب نے زمزم کو کھودا تو اسمیں سے سونے کے دو ہرن قلعی کی تین تلواریں۔ اور زرہیں برآمد ہوئیں۔ ان پر قرعہ اندازی کی گئی۔ یہ اشیاء خانہ کعبہ کے نام پر نکلے۔ وہ سونے کے اشیاء باب کعبہ پر آویزاں کردئے گئے۔ وہ آویزاں تھے۔ یہانتک کہ قریش کے تین آدمی اُسے چرا لیگئے۔

محدث شیرازی نے روضۃ الاحباب میں۔ اس واقعہ کو پوری تفصیل سے لکھا ہے اصل عبارت حسب ذیل ہے۔

قریش نزد عبدالمطلب آمدند و گفتند ما را نصیبے از ایں مال ببایدداد و آغاز مخاصمت کردند عبدالمطلب گفت اگرچہ شمارا دریں حقے نیست زیرا کہ مرا دریں امر اعانت نکردید بلکہ مانع شدید لیکن من انصاف دہم و با شما قرعہ برآرم۔ ایشاں راضی شدند۔ عبدالمطلب مال را دو قسم کردند۔ آہو برہا را قسمتے ساختند و اسلحہ جات

قریش عبدالمطلب کے پاس آئے اور کہا کہ ہمکو اس مال میں ہم لوگوں کو بھی حصہ دینا چاہئیے۔ اور مخاصمت شروع کردی عبدالمطلب نے کہا کہ اگرچہ اس مال میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کام میں تم لوگوں نے مجھے کوئی مدد نہیں پہونچائی ہے۔ بلکہ مجھکو تو تم نے اس سے باز رکھنا چاہا تھا۔ مگر تاہم میں تمہارے ساتھ انصاف سے کام لونگا۔ اور اس کام کو قرعہ سے انجام دونگا۔ وہ راضی

را قسمتے۔ وقرعہ را بنام کعبہ تعین ساخت۔ دیگرے بنام قریش
ودیگرے بنام خود چوں قرعہ زد آہو برہا بنام کعبہ برآمد و
اسلحہ بنام عبدالمطلب وقریش را چیزے نرسید عبدالمطلب
آں اسلحہ را کہ بنام وے برآمدند در مصالح خانہ کعبہ صرف
کرد۔ فرمود تا درہائے آہنین برائے خانہ کعبہ ساختند وازاں
درہائے آہنین برائے خانہ کعبہ بساختند واں دو آہو برۂ زریں
کہ نصیب خانہ کعبہ بود بداد تا کوکبہا ازاں بساختند
و براں درہائے آہنین نشاندند۔ و در روایتے آنست کہ
ایشاں را ہماں صورت بر در کعبہ آویختند و ہمچناں
آویختہ بود تا شبے جماعت از قریش بخوردن خمر مشغول
بودند۔ وابولہب درمیان ایشاں بود و کنیزگان مغنیہ
ہم بودند۔ چوں اسباب طرب ایشاں ختم شد متوجہ
خانہ کعبہ شدند وآں دو آہو برہ طلا کہ آنجا آویختہ
بودند بدزدیدند وہم در ہماں شب باہل قافلہ فروختند
کہ خمر بمکہ آوردہ بودند وہرچہ در آں قافلہ بود بیکبار در
بہائے آں بستدند ویک ماہ بطرب ولہو مشغول بودند
ودر آں یکماہ ہیچکس را معلوم نبود کہ این کار از کہ صادر شدہ
تا شبے عباس ابن عبدالمطلب را اتفاق مرور بر در
سرائے کہ آں جماعت در آنجا بودند واقع شد۔ کنیزگان مغنیہ
سرود می گفتند و در اثنائے سرود گفتن بیانے کہ مشتمل
بود بر سرقہ آں دو آہو برہ از در خانہ کعبہ و فروختن باہل
قافلہ میخواندند۔ عباس بشنید وقریش را ازاں مطلع ساخت
آں جماعت را گرفتند وتادیب بلیغ کردند وبعضے را قطع ید
کردند۔

روضۃ الاحباب جلد اول ص ۴۴ طبع لکھنؤ۔

ہوگئے۔ عبدالمطلب نے مال کے دو حصہ کئے۔ ایک حصہ میں
سونے کے ہرنوں کو رکھا۔ اور دوسرے میں زرہوں کو۔ ایک
قرعہ کعبہ کے نام۔ ایک قریش کے نام اور ایک اپنے نام ڈالا
جانا تجویز کیا۔ اسی کے مطابق قرعہ ڈالا گیا۔ جب قرعہ ڈالا گیا۔ تو
سونے کے ہرنوں پر کعبہ کا نام نکلا۔ اور زرہوں پر عبدالمطلب
کا نام نکلا۔ اور قریش کا نام کسی چیز پر نہیں نکلا۔ عبدالمطلب
نے اون زرہوں کو جو اونکے نام سے نکلی تھیں۔ خانہ کعبہ کے
اصلاح کے کاموں میں صرف کیں۔ اون سے کعبہ کے آہنی
دروازے بنائے جانیکا حکم کیا۔ اور وہ بنائے گئے۔ اور ان
سونے کے ہرنوں کو دیکر خانہ کعبہ کے کواڑوں کی تختیاں تیار
کرائیں۔ اور کواڑوں پر جڑوائیں۔ دوسری روایت میں
وارد ہے کہ ان کو اسی صورت میں دروازہ کعبہ پر آویزاں کر دیا
گیا۔ اور یہ آویزاں تھے۔ ایک جماعت قریش جس میں ابولہب
بھی شامل تھا بیٹھی ہوئی شراب پی رہی تھی۔ گانے والی لونڈیاں
بھی ہمراہ تھیں جب انکا سامان عیش تمام ہوگیا۔ تو وہ لوگ
خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ سونے کے دونوں ہرنوں
کو۔ جو لٹکے ہوئے تھے۔ چرا لیا۔ اور اسی رات کو شراب فروشوں
کے قافلہ کے ساتھ۔ جو مکہ میں فروکش تھا۔ اونکو بیچ ڈالا اور جتنی
شراب اونکے پاس تھی سب اسکے بدلے میں لیکر ایک مہینہ تک
شراب پیتے رہے۔ کسی کو نہ معلوم ہوا کہ یہ فعل کس سے سرزد ہوا
یہاں تک کہ ایک شب کو عباس ابن عبدالمطلب کا۔ قریش کی اس
صحبت عیش وطرب کی طرف سے گذر ہوا۔ کنیزان مغنیہ
گا رہی تھیں اور اپنے گیتوں میں۔ اون دونوں طلائی ہرنوں
کے چوری کرنے اور قافلہ کے ہاتھ بیچ دینے کے پورے حالات
گویا گلے پھاڑ پھاڑ کر بیان کر رہی تھیں۔ عباس نے ان گیتوں کو

سنا اور قریش کو تمام حالات کی اطلاع کی، جماعت کی جماعت پکڑی گئی۔ اون کی سخت تنبیہ و تادیب کی گئی۔ اور بعلت جرم سرقہ بعضوں کے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے۔ روضۃ الاحباب ص ۴۴

ابن سعد کی اجمالی تفصیل تھی اور روضۃ الاحباب نے قریش کے حرکات ناشائستہ کی کامل تشریح کردی ان تمام فضیحتوں کے بعد بھی قریش کو بنی ہاشم یا بنی مطلب کے ساتھ ہم بطنی اور ہم نسبی کے غلط قیاس پر مساوات کے دعوے بنے تھے۔ اور اپنے تعمیم کے زعم میں تخصیص کے نظام ربانی میں خواہ مخواہ اپنے آپ کو داخل و شامل سمجھنے پر مرے مٹتے تھے اور باوجود متواتر ناکامیابیوں کے بھی اپنے زعم حماقت سے باز نہیں آتے تھے۔ ہم انکے ناہنجار کردار و رفتار کو بہت جلد اپنے آیندہ بیان میں قلمبند کرتے ہیں۔

ہاشم مرحوم کے حالات میں امیہ ابن عبدشمس کے زعم باطل اور اوس عظیم منافرہ کی پوری کیفیت جو انھوں نے ہاشم کے مقابلہ میں قائم کیا تھا اور بالآخر جو ذلت و رسوائی اوٹھائی تھی۔ بالتفصیل لکھ آئے ہیں۔ امیہ کے بعد اونکے بیٹے حرب ابن امیہ نے بھی حضرت عبدالمطلب کے ساتھ وہی خیال باطل پیدا کیا۔ اور خواہ مخواہ عرب کی قدیم رسم جہالت۔ منافرہ کی پھر بنیاد ڈالی ؎ اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔

بہرحال تعمیر چاہ زمزم کے متعلق ہم مفصل حالات لکھ چکے۔ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جاوے تو حضرت عبدالمطلب کی یہ ہمت، یہ فیاضی اور احسان اپنے خاص ملک و احسان کے لئے محدود نہیں تھا بلکہ اون تمام بیشمار اور لاانتہا قوم و قبائل کے لئے بھی جو حج کے موسم میں دور دور سے زیارت بیت اللہ کے لئے جمع ہوا کرتے تھے یہ ایک ایسا کارنمایاں تھا اور احسان فراواں۔ جو حضرت عبدالمطلب کی فیاضی اور عالی ہمتی کی لاجواب مثال بنکر ابدالآباد تک قائم رہا۔

حضرت عبداللہؓ ذبیح ثانی کی قربانی

چاہ زمزم کی تکمیل کے بعد آپ کی حیات گرامی صفات کا واقعہ حضرت عبداللہؓ ذبیح ثانی کی قربانی ہے اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے۔

چاہ زمزم کی ترمیم حقیقتاً ایک کار عظیم تھی۔ اول تو اس قدیم آثار ابراہیمی کا احیا اوس کی تجدید خلف الصدق ہونے کی حیثیت سے حضرت عبدالمطلب کی سعادت و رشادت کا فرض منصبی تھا۔ دوسرے حجاج کعبہ اور رفادہ عام کی خالصتاً للہ خدمت آپ کی اس فیاضانہ اور دلیرانہ ہمت کی محرک تھی۔ ان سب پر عرب کی مشکلات عموماً اور حجاز کی سطح آہنی پر خصوصاً۔ کنواں کھودنا اور پانی نکالنا۔ کوئی آسان بات نہیں تھی۔ بلکہ جگر کے ٹکڑے والے کا کام تھا حضرت عبدالمطلب بھی اپنی ذمہ داری۔ اس امر مہتم بالشان کی دشواری اور اس کا انتظام

گرانباری کو خوب سمجھتے تھے۔ اسپر اپنے ہمقوم اور ہموطن قبائل کی مخالفت اس امر عظیم کی تکمیل کیطرف سے آپکو کسیقدر مایوس اور بیدل بنا رہی تھی مگر آپ کے روحانی استقلال و پا داری نے ان امور کی ذرا بھی پرواہ نہ کی۔ جو کام اپنے ذمہ لیا تھا۔ ان تمام دقتوں اور دشواریوں کی موجودگی میں بھی تمام کردیا۔

ان تمام دشواریوں کے خوفناک عالم میں اپنی اس خدمت جلیل کی انجام دہی کے متعلق اس شرط و اقرار کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں نذر مانی تھی۔ کہ اس خدمت فی سبیل اللہ کے صلہ میں۔ اگر منعم حقیقی انکو دس بیٹے عنایت فرمائیگا۔ اور اون سب کو سن بلوغ تک پہونچا دے گا۔ تو اون میں سے ایک بیٹے کو وہ خدا کے نام پر قربان کر دیں گے۔

مجیب الدعوات نے اس نیک نفس بزرگ کے اس پاک ارادے اور نیت کو بھی پورا کردیا۔ حارث۔ زبیر۔ ابیطالب۔ عبداللہ۔ حمزہ۔ ابولہب۔ غیداق۔ المقوم۔ ضرار اور عباس۔ دس بیٹوں کی تعداد پوری ہوگئی تو حضرت عبدالمطلب ایفاے نذر کے لئے تیار ہوگئے۔ طبقات ابن سعد میں اس منظر کو ذیل کی عبارت میں دکھلایا ہے۔

ثم اخبرهم ودعاهم الى الوفاء الله به فما اختلف عليه منهم احد وقالوا اوف بنذرك وافعل ما شئت

حضرت عبدالمطلب نے اپنے تمام بیٹوں کو (جب سب بالغ ہوچکے) اپنے ارادے سے مطلع فرمایا۔ اور اون کو خدا کی ایفاء نذر کے لئے بلایا۔ اونمیں کسی ایک نے بھی باپ کے حکم سے اختلاف نہیں کیا اور متفق اللفظ ہوکر عرض کی کہ آپ شوق سے اپنی نذر کے وعدے کو پورا کریں اور جو تجویز فرمایا ہو اسپر عمل فرمائیں۔ طبقات ج ا ص ۵۳ جزء۔

ایک بیٹے کی قربانی کا وعدہ ہے۔ اور یہاں باپ کے حکم پر دسوں بیٹے لبیک کہہ رہے ہیں اب انمیں سے کسے قربان کیا جائے۔ باپ کا دل اسکا تصفیہ نہ کرسکا۔ مگر حضرت عبدالمطلب کے استقلال و پاداری نے قرعہ اندازی کے ذریعہ سے اس مرحلے کو بھی طے کرلیا حسن اتفاق سے اونکے محبوب ترین فرزند عبداللہ کے نام قرعہ نکلا۔ اب اوس سے زیادہ دشواری سے سامنا ہوا۔ مگر حضرت عبدالمطلب کا استقلال جبل تھا۔ ہمت لاجواب تھی۔ فوراً پیارے بیٹے کا ہاتھ پکڑا اور مذبح کیطرف لیچلے۔ اس حسرتناک عالم کو ابن سعد طبقات میں یوں دکھلاتے ہیں۔

فانطلق بعبد الله يقوده الى المذبح ومعه المدية فبكى بنات عبد المطلب وكن قياما وقالت احداهن لابيها اعذر فيه بان

حضرت عبدالمطلب حضرت عبداللہ کو ہاتھ پکڑ کر مذبح کی طرف لیچلے تو اسوقت عبدالمطلب کے ساتھ اون کے اہل عیال، خویش و اقارب کی جماعت ساتھ تھی۔ انمیں

تضرب فی ابلک السّرائم الّتی فی الحرم

سب سے زیادہ اون کی صاحبزادیاں بھائی کی محبت میں بیقرار اور زار زار روتی تھیں بالآخر اون میں سے ایک نے باپ سے عرض کی کہ عبداللہؑ اور اون اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کیوں نہیں کی جاتی جو حرم میں چر رہے ہیں۔ (ابن سعد)

سیرت ابن ہشام میں بنات عبدالمطلب کے ساتھ حضرت عبداللہ کے ننہالی اعزّہ و اقارب بھی اس قرعہ اندازی کی تجویز میں شریک پائے جاتے ہیں۔ اصل عبارت یہ ہے۔

وقال له المغیرة بن عبد الله بن عمر بن مخزوم وكان عبد الله ابن اخت القوم والله لا تذبحه ابدا حتی تعذر فیه فان كان فداؤه باموالنا فدیناه

مغیرہ ابن عبداللہ ابن عمر بن مخزوم نے۔ جو رشتہ میں حضرت عبداللہؑ کے ماموں ہوتے تھے عبدالمطلب سے کہا کہ ہم عبداللہ کو ہرگز ذبح نہ ہونے دینگے تاوقتیکہ انکے لئے بھی قرعہ اندازی کیجائے۔ اور انکا جو فدیہ ہوگا وہ ہم اپنے مال سے ادا کرینگے۔ سیرت ابن ہشام ص ۵۲ مصر

حضرت عبدالمطلب نے بالآخر قرعہ اندازی کی تجویز اختیار کی۔ چونکہ شریعت ابراہیمی میں رقم دیت کے نصاب مقررہ کی نسبت عشر مقابل کا طریقہ جاری تھا۔ اسلئے حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کے بدلے پہلے دس اونٹوں کی تعداد پر قرعہ ڈالا۔ قرعہ عبداللہ ہی کے نام نکلا۔ عبدالمطلب نے پھر دس کی تعداد بڑھا کر دس کے بیس کر دئے۔ پھر بھی عبداللہؑ ہی کا نام نکلا۔ حضرت عبدالمطلب لقاعدہ عشر دس دس اونٹ برابر بڑھاتے گئے۔ یہاں تک کہ سو اونٹوں کی تعداد پوری ہوگئی۔ تو قرعہ اونٹوں کے نام برآمد ہوا۔ اور حضرت عبداللہ قربانی سے بچ گئے۔

حضرت عبدالمطلب کو اپنی نذر کے ناکمل رہجانے سے ایک گونہ دیسا ہی ملال ہوا۔ جیسا آپ کے مورث اعلیٰ اور جد امجد حضرت ابراہیمؑ کو فدیہ اسمٰعیل کے نازل ہونے سے ملول ہوا تھا۔ اسلئے حضرت عبدالمطلب نے خاصکر اپنے اطمینان کلی حاصل اور قربان ایزدی کے کامل کر لینے کی غرض سے اس حکم کے آجانے پر بھی تین بار پھر قرعہ اندازی فرمائی۔ اس مستقل مزاج اور مستقیم الارادہ بزرگ ہاشمی کی اسی حزم و احتیاط کا منظر ابن ہشام نے ذیل کی عبارتیں دکھلایا ہے۔

فخرج القدح علی الابل فقالت قریش ومن حضر قد انتهی رضا ربك یا عبد المطلب قال لا والله حتی اضرب علیها ثلاث مرات فضربوا علی عبد الله وعلی الابل وقام عبد المطلب

جب اونٹوں پر قرعہ نکل آیا تو قریش اور جملہ حاضرین نے حضرت عبدالمطلب سے کہا کہ اب تو خداوند عالم عبداللہ کے فدیہ پر راضی ہوگیا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں اسکو نہیں مانتا جب تک کہ تین بار قرعہ اندازی کرکے اس حکم کو مستحکم نہ کرلوں چنانچہ

یدعوا اللہ فخرج القدح علی الابل ثم عاد والثانیۃ وعبدالمطلب قائم یدعوا اللہ فضربوا فخرج القدح علی الابل ثم عاد والثالثۃ وعبدالمطلب قائم یدعوا اللہ فضربوا فخرج القدح علی الابل فنحرت

ابن ہشام ۵۲

پھر قرعہ ڈالا گیا۔ حضرت عبدالمطلب ابکی بار بھی سابق کیطرح خدا سے دعا مانگتے رہے۔ یہانتک کہ پھر اونٹوں ہی کے نام قرعہ نکلا۔ دوسرے بار پھر دوہرایا۔ اور عبدالمطلب وسی طرح دست بدعا رہے۔ مگر ابکی بار بھی قرعہ اونٹوں ہی کے نام نکلا تیسری بار پھر قرعہ ڈالا گیا۔ اور عبدالمطلب کھڑے ہوکر دست بدعا رہے مگر قرعہ اونٹوں ہی کے نام نکلا۔ یہ مشاہدہ فرماکر عبدالمطلب نے اونٹوں کو نحر فرمایا۔

اس واقعہ سے حضرت عبدالمطلب کے کمال استقلال پاداری کے پورے ثبوت ہوتے ہیں اور یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ آپ کو خدا کے کاموں کے بجالانے اور تعمیل فرمانے میں کس قدر حزم واحتیاط۔ استحکام واستقلال لاحق حال رہتا ہے۔ ان سب امور کے ساتھ اس رازِ عظیم کا بھی پورا انکشاف ہوگیا کہ سلسلہ ابراہیمیؑ میں یہ دوسری قربانی بھی فدیہ سے بدل گئی اور انّی اذبحکؑ کی نیت وارادہ اپنی اصلی صورت میں اوسوقت تک جلوہ آرا نہیں ہوا۔ جب تک کہ ایکسو بارہ ۱۱۲ برس کے بعد (تقریباً) اس مقدس خاندان کے مایۂ افتخار ابی عبداللہ الحسینؑ ابن علی علیہما السلام نے اپنے عدیم المثال استقلال و پاداری سے خدا کی راہ میں جان دیکر اس کمی کو پورا نہ کرلیا۔

یہ واقعہ بھی حضرت عبدالمطلب کے کمال و استقلال ہمت اور ایثار نفسی کا عظیم ترین واقعہ ہے جو تعمیر و ترمیم چاہِ زمزم کی خاص فیاضی سے کبھی کم نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ قلبی تعلقات و جذبات کے اعتبارات تو ہر شخص اس واقعہ کو اوس سے بھی زیادہ دشوار و غیر متحمل قرار دیگا۔ حقیقت میں یہ ایثار و انداز ایسا کامل۔ ایسا خاص اور ایسا بے مثال تھا کہ اونکے بعد اون کی اولاد واحفاد نے اس شرف مخصوصہ پر بار بار مفاخرت کا خاص اظہار کیا۔ یہاں تک کہ مفخر موجودات مفضّل کائنات۔ اشرف المرسلین حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انا ابن الذبیحین کا اعتراف فرماکر اس کی روحانی عظمت و تقدیس کا اقرار فرمایا۔

عرب کی تمام قدیم و جدید مورخین بڑی شرح و بسط سے حضرت عبدالمطلب کے اس بےنظیر ایثار و انداز کے واقعہ کو اوسوقت سے لیکر اسوقت تک برابر لکھتے آئے ہیں۔ مگر سرسید صاحب نے بڑی دلیری سے اس متفق العام اور مشہور بین الجمہور واقعہ کی تردید و تکذیب کی ہے۔ انکے انکار کا اصلی اور حقیقی سبب وہی۔ قربانی اسماعیلؑ و اسحاقؑ کے متعلق ان کے عیسائیوں اور یہودیوں کی کورانہ تقلید و تصدیق ہے جس کی پوری تنقید اوپر کردیگئی ہے۔ سید صاحب کا یہ انکار عربی تاریخ و سیر سے اونکی بےخبری اور کوتہ نظری ثابت کرتا ہے۔

حرب ابن امیہ (پدر ابوسفیان) کی حاسدانہ مخالفت

ہاشم مرحوم کے حالات میں امیہ ابن عبدشمس کے زعم باطل اور اوس عظیم الشان معرکہ منافرہ کی داستان کامل جو امیہ نے ہاشم کے مقابلہ میں قایم کیا تھا اور بالآخر جو ذلت و رسوائی اوٹھائی تھی ہم پوری تفصیل سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ امیہ کے بعد حرب ابن امیہ نے بقولیکہ ؎ بیٹا وہی قدم بقدم ہو جو باپ کے حضرت عبدالمطلب کے ساتھ وہی خیال باطل پیدا کئے۔ اور خواہ مخواہ عرب کی قدیم رسم جہالت معرکہ منافرت کی بنیاد ڈالی۔

قبل اسکے کہ ہم اس جاہلانہ رسم منافرت کا جو حقیقتاً باہمانہ مفاخرت کی زبانی رجز خوانی ہے مفصل حالات قلمبند کریں ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اسکی تفصیل سے پہلے اسکے اسباب وقوع کو بیان کردیں حقیقت یوں ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی نیک نفسی۔ فیاضی حسن اخلاق۔ محاسن تہذیب اور ذاتی اعزاز و وجاہت کے اوصاف نے۔ آپکو اپنے بزرگوں کے اقتدار و عظمت کا کامل نمونہ بنا رکھا تھا خصوصاً زمزم کی تعمیر نے قریش اور عام باشندگان مکہ پر کیا منحصر ہے گرد و نواح کے تمام قبایل و اقوام کو آپ کا مطیع و منقاد بنا دیا تھا۔ معاملات زمزم میں قریش کو شکست فاحش پہونچ ہی چکی تھی عبدالمطلب کی اس تازہ نام و نمود نے اونکے حسد و کینہ کو پہلے سے بھی زیادہ مشتعل اور برانگیختہ کردیا۔ نذر و قربانی کے معاملہ نے یہ قیامت کی نوعیت کردی کہ عبدالمطلب کی روحانی عظمت و تقدیس کا تمام عرب کو برائی العین مشاہدہ کرا دیا۔ اور اس واقعہ عظیم سے وہ آپکو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کا اصلی وارث اور قایمقام یقین کرنے لگے۔ اور آپکی امارت و حکومت کے ساتھ عقیدت و ارادت کے تعلقات بھی اہل عرب کے قلوب میں پیدا ہوگئے۔ اسکے بعد ہی بنی ثقیف کی منافرت کا واقعہ پیش ہوا۔ اگرچہ وہ غیر مقام تھا۔ اور غیر لوگ تھے۔ مگر حسد و نفسانیت کی وجہ سے قریش میں سے کسی نے بھی عبدالمطلب کا ساتھ اس منافرہ میں نہیں دیا لیکن ایسی تنہائی اور غربت کے عالم میں بھی خدا نے عبدالمطلب کی بات رکھ لی معرکہ منافرہ میں بنی ثقیف ہارے۔ اور بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب جنھیں اس واقعہ نے حرب ابن امیہ کو خواہ مخواہ سب سے زیادہ پرجوش بنا دیا۔ اور ایسا کہ پھر وہ قرابت و اتحاد سب کو بالائے طاق رکھکر فوراً مقابلہ پہ تیار ہوگئے۔

ہم پہلے بنی ثقیف کے معاملات کو ابن سعد کی عبارت سے ذیلمیں نقل کرتے ہیں۔

کان لعبدالمطلب بن هاشم ماء بالطائف یقال له ذو الهرم وکان فی یدی ثقیف دهراً ثم طلبه عبدالمطلب منهم فابوا علیه وکان صاحب امر ثقیف جندب بن

عبدالمطلب بن ہاشم کا طائف میں ایک چشمہ آب تھا جس کا نام ذو الہرم تھا۔ اور وہ مدت سے بنی ثقیف کے قبضہ میں چلا آتا تھا۔ عبدالمطلب نے اس کا مطالبہ کیا۔ قبیلہ ثقیف نے انکار کردیا۔ جندب بن الحارث اونکا امیر تھا۔

بن الحارث فابی علیہ وخاصمہ فیہ فدعاھا ذلک الی المنافرۃ الی الکاھن العذری و کان یقال لہ عزی سلمہ وکان بالشام فتنافروا علی ابل سموھا فخرج عبد المطلب فی نفر من قریش ومعہ ابنہ الحارث ولا ولد لہ یومئذ غیرہ وخرج جندب فی نفر من ثقیف فنفد ماء عبد المطلب واصحابہ فطلبوا الی الثقفیین ان یسقوھم فابوا ففجر اللہ لھم عینا من تحت جران بعیر عبد المطلب فحمد اللہ عز وجل وعلم ان ذلک منہ فشربوا ریھم وحملوا حاجتھم ونفد ماء الثقفیین فبعثوا الی عبد المطلب یستسقونہ فسقاھم واتوا الکاھن فنفر عبد المطلب علیھم فاخذ عبد المطلب الابل فنحرھا واخذ ذوالھرم ورجعوا وقد فضل علیہ وفضل قومہ علی قومہ۔

سیرت ابن ہشام ۵۳

اوس نے چشمہ کے دینے سے انکار کیا۔ اور مخاصمت پر آمادہ ہوگیا جانبین سے منافرہ کے شرائط مقرر ہوئے۔ اور قبیلہ عذرا کا کاہن جو عزی سلمی کے نام سے مشہور تھا۔ طرفین سے حکم مقرر ہوا۔ اور معاوضہ میں دونوں فریق سے ایک ایک اونٹ علیحدہ کیا گیا۔ اسلئے کہ جسکا حق ثابت ہو۔ وہ ناحق والے سے ایک اونٹ تاوان لے۔ عبد المطلب قریش کی جماعت کو لیکر نکلے۔ اور آپکے ساتھ حارث آپ کے بیٹے بھی تھے۔ اور اسوقت تک یہی ایک لڑکے تھے۔ اوسطرف سے جندب بھی بنی ثقیف کی جماعت لیکر باہر نکلا۔ دونوں جماعتیں حکم کے آنے کی منتظر رہیں۔ حکم کے آنے میں غیر امید دیر ہوئی۔ اسی اثنا میں عبد المطلب کا ہمراہی پانی چُک گیا۔ اونہوں نے ثقیف سے پانی مانگا۔ اون سب نے پانی دینے سے قطعی انکار کردیا۔ قدرت خدا نے عبد المطلب کے اونٹ کے پاؤں کے نیچے ایک چشمہ رواں پانی کا پیدا کردیا عبد المطلب اور اونکے ہمراہیوں نے خداوند عالم کے اس کا شکر ادا کرکے وہ پانی پیا۔ اپنی تمام جماعت کو وہ پانی پلایا۔ اور بقدر ضرورت بار کرلیا۔ اب بنی ثقیف کا پانی بھی چُک گیا تو سب کے سب عبد المطلب کے پاس آگئے اور پانی کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے اون سب کو بھی پانی پلایا۔ پھر دونوں فریق ملکر کاہن کے پاس گئے۔ اوس نے عبد المطلب کے حقوق کو ترجیح دی۔ اور شرط منافرہ کے مطابق عبد المطلب نے اون اونٹوں کو لیلیا اور ذبح کیا اور چشمہ اب موسومہ ذی الہرم کو۔ جو جانبین میں مابہ التنازع تھا۔ بنی ثقیف سے واپس دلوا دیا عبد المطلب پھر وطن سے واپس آگئے اور اوس دن سے انکو اور انکی قوم کو۔ بنی ثقیف اور اونکی قوم پر فضیلت و ترجیح حاصل ہوگئی۔ سیرت ابن ہشام ص ۵۳

بنی ثقیف پر حضرت عبد المطلب اور بنی ہاشم کی فتحیابی نے حرب ابن امیہ کے دلمیں خواہ مخواہ منافسیت پیدا کردی اور پھر ایسی کہ وہ اوسے ایکدم کے لئے بھی سنبھال نہ سکا۔ اور باوجودیکہ حضرت عبد المطلب کے ساتھ مراسم تھے اور فیمابین کوئی مشاجرت بھی نہیں تھی۔ مگر سب کے قطع نظر کرکے حضرت عبد المطلب سے منافرت اور

مخاصمت پر آمادہ ہو گیا۔ طبقات میں ابن سعد لکھتے ہیں۔

تنافر عبد المطلب ابن هاشم و حرب ابن امیة الی النجاشی الحبشی فابی ان ینفر بینهما فجعل بینهما نفیل ابن عبد العزی فقال لحرب یا ابا عمرو اتنافر رجلا هو اطول منک قامة و اعظم منک هامة و اوسم منک وسامة و اقل منک لامة و اکثر منک ولدا و اجزل منک صفدا و اطول منک مذودا فنفره علیه فقال حرب ان من انتکاث الزمان ان جعلناک حکما

طبقات ص ۵۲

عبد المطلب ابن ہاشم اور حرب ابن امیہ کے درمیان منافرہ قرار پایا۔ اور نجاشی حاکم حبش کو حکم ہونے کیلئے لکھا گیا اُسنے ان لوگوں کے درمیان حکم مقرر ہونے سے انکار کر دیا تب طرفین سے نفیل ابن عبد العزی حکم مقرر ہوا نفیل نے حرب کو مخاطب کرکے کہا کہ تم کیونکر ایسے شخص سے منافرہ کر سکتے ہو جو قد و قامت میں تم سے زیادہ طویل ہے تم سے زیادہ وجیہ حسن و جمال میں تم سے زیادہ وجیہ عیوب و نقائص میں تم سے بہت ہی کم۔ اولاد و اعقاب میں تم سے بہت زیادہ۔ جود و سخا میں تم سے زیادہ فیاض اور تقریر و بیان میں تم سے زیادہ لسان۔ یہ کہکر نفیل نے عبد المطلب کو حرب پر فضیلت دیدی۔ حرب نے کہا کہ یہ بھی ہماری شومی ایام تھی کہ ہم نے تجھکو اپنا حکم قرار دیا۔

یہ تھے بنی امیہ حضرات کے حرکات جو اپنا سے بنی ہاشم کی مخالفت میں انواع و اقسام کی موقع کناکنہ پیدا کیا کرتے تھے۔ ان سے قبل حرب کے باپ امیہ اور خود عبد شمس کی مخالفتوں کا ہم اوپر تفصیل بیان کر چکے ہیں۔ مرقومہ بالا واقعات میں اونکے مناجزوں حرب کے منافرہ کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔ ہر شخص ان حالات و واقعات کو دیکھکر سمجھ لیگا کہ جس طرح تمام اہل عرب میں قریش کی اور تمام قریش میں بنی ہاشم کی فضیلت اور قدر و منزلت قدیم سے ہے اوسی طرح بنی امیہ کے مقابل میں کامل طور پر بنی ہاشم کی مفاخرت ہی اور اوسی کے ساتھ جس طرح بنی ہاشم کے قریش ہمیشہ مخالف بنے رہے اوسی طرح بنی ہاشم کے بنی امیہ بھی جانی اور ناکو دشمن ہے۔

اصول اضداد کے اعتبار سے قریش و امیہ کی مخالفت بنی ہاشم کی وجاہت کو صدمہ پہنچانے کی تحریک کل شیء یعرف باضدادہا (تمام اشیاء اپنے اضداد سے پہچانے جاتے ہیں) کے مطابق۔ تمام دیار و امصار میں انکے اقتدار کو بڑھاتی گئی۔ افسوس ہے کہ جس طرح ہاشم اور امیہ کے باہمی مخاصمت و منافرت کو مولوی شبلی نے نظر انداز کیا اوسی طرح حرب اور عبد المطلب کی منافرت کو بھی۔ حالانکہ دونوں واقعات اون کے علی الخصوص طبقات ابن سعد میں موجود ہیں اور وہ انکا سکو اوس سے نقل کر سکتے تھے۔

ہم شبلی صاحب کے اس تغافل کیلئے بیہودگی کہیں گے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ اسکے لئے مولوی صاحب گشت

مجبور ہیں۔ کیونکہ ان حالات کا لکھنا۔ عام اس سے کہ کیسی ہی معتبر تاریخی ماخذوں میں مندرج نہ ہوں اون کے موجودہ مدعائے تالیف کے لئے بیحد مضر تھے۔ اس استحجاب واستخفاف سے وہ جو کام لینا چاہتے تھے وہ یہی تھا کہ بنی ہاشم کے ذاتی اقتدار۔ ثروت واختیار میں وہ تخصیص وتائید ربانی کی اہمیت نہ ظاہر ہونے دیں بلکہ انکی عروج وزوال اور قومی ترقی وادبار کی معمولی صورت میں۔ اصول تعمیم کے مطابق۔ ان کے معاملات کو بھی۔ غلبہ اور استیلا وغیرہ کا نتیجہ قرار دیں۔ مگر حقیقت کا متلاشی جس طرح حقیقت کی باریکیوں کو پالیتا ہے اسیطرح خودغرضی اور نفسانیت کی تاریکیوں کو بھی۔ جیسا کہ ان واقعات نے اصل حقیقت کی چہرہ کشائی کردی ہے تعمیر زمزم۔ نذر عبد اللہ۔ منافرہ قریش۔ منافرہ بنی ثقیف اور منافرہ بنی امیہ۔ حیات عبد المطلب کے قابل لذ واقعات تھے جن کو شبلی صاحب نے یا تو سرے سے مرفوع القلم فرما دیا۔ یا ان میں سے بعض کو (زمزم کی حرمت۔ عبد اللہ کی نذر) لکھا بھی تو اس اختصار کے ساتھ جو تلخیص التلخیص کا جوہر مقطر کہا جائے تو بیجا نہوگا۔ انھیں واقعات کی طرح انہدام کعبہ کے قصد سے اصحاب فیل کی فوج کشی کے حالات ہیں۔ جو عبد المطلب کی زندگی کے مشہور ترین واقعات ہیں۔ ہم اونکو ابن ہشام اور زرقانی کے اصل عبارتوں سے ذیل میں نقل کرتے ہیں

ابرہہ بن الصبّاح (اصحاب الفیل) کی خانہ کعبہ پر ناکامیاب فوجکشی

ابرھۃ بن الصبّاح الاشرم لانّہ لما تغلب علی الیمن وملکھا من قبل النجاشی رای الناس یتجھزون ایام الموسم للحج فقال این تذھبون فقیل یحجون بیت اللّٰہ بمکۃ قال من ھو قبل من الحجارۃ قال وما کسوتہ قیل ما یاتی من ھنا من الوصائل فقال والمسیح لابنین لکم خیر منہ فبنی لھم کنیسۃ بصنعاء بالرخام الابیض والاحمر والاصفر والاسود وحلاھا بالذھب والفضۃ وانواع الجواھر واذل اھل الیمن علی بنائھا وکلفھم فیھا انواعا من السخر ونقل لھا الرخام المجزع والحجارۃ المنقشۃ بالذھب والفضۃ من قصر بلقیس وکان علی فرسخ من موضعھا

جب ابراہہ ابن الصبّاح الاشرم نے غلبہ کرکے نجاشی کی طرف (شاہ حبش) سے علاقہ یمن پر قبضہ کرلیا تو اوس نے لوگوں کو ایام حج میں حج کے لئے سفر کرتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ تم لوگ کہاں جاتے ہو۔ اون لوگوں نے جواب دیا۔ کہ ہم خانہ خدا کا حج کرنے جاتے ہیں۔ پوچھا وہ کہاں ہے۔ کہا کہ علاقہ حجاز میں۔ دریافت کیا یہ کپڑے کیسے ہیں۔ جواب دیا۔ یہ اوس خانہ خدا کے ہدیہ ہیں جو وہاں جاتا ہے یہ لیکر جاتا ہے۔ اوس نے کہا مسیح کی قسم میں اوس سے بہتر تمہارے لئے یہیں بنائے دیتا ہوں۔ پھر اوس نے شہر صنعا۔ دار السلطنت یمن میں سفید۔ سرخ۔ زرد اور سیاہ قسموں کے سنگ رخام سے ایک کنیسہ بنایا اور اوسپر سونے چاندی کی پچے کاری کرائی۔ اور انواع واقسام کے جواہرات جڑوائے۔ اہل یمن کو اس کے بنانے اور تعمیر کرنے کیلئے طرح طرح

ونصب فيها صلبانا من ذهب وفضة و
منابر من عاج وابنوس وغيرة وكانت
تشرف منها على عدن لارتفاع بنائها و
علوها ولذا سماها القليس فلما اراد ان يصرف الحج
اليها كتب للنجاشي اني بنيت كنيسة باسم
الملك لم يكن مثلها قبلها اريد صرف حج العرب
اليها وامنع الناس من الذهاب الى المكة
فلما اشتهر الخبر عند العرب خرج رجل من
كنانة مغضب فتغوط فيها ثم خرج فلحق
بارضه فاغضبه ذلك شديدا وحلف
لينقضن الكعبة حجرا حجرا وكتب الى النجاشي
يخبره ذلك وسأله ان يبعث اليه فيله محمودا
فلما قدم الفيل اليه خرج في ستين الفا حتى
اذا بلغ المغمس بطريق الطائف ثم ارسل
ابرهة خيلا له الى مكة فاخذت ابلا
لعبد المطلب فذهب له و بلغ عبد المطلب
ذلك فقال يا معشر قريش لا تفزعوا الا انه
لا يصل الى هدم البيت لان هذا البيت ربا
يحرسه ويحفظه وعند ابن اسحاق بعث
ابرهة حناطة الحميري الى مكة وقال له اسأل
عن سيد اهل البلد وشريفهم ثم قل ان الملك
يقول لم ات لحربكم انما جئت لهدم هذا
البيت فان لم تعرضوا دونه بحرب فلا دماء.

کی ذلیلیں اور ذلت پہونچائی۔ اور جلا دئے ہوئے سنگ رخام
اور سونے چاندی سے نقش و نگار کئے ہوئے پتھر قصر بلقیس کی
کہنہ عمارت سے۔ جو ایک فرسخ (۲ ۱/۲ میل) کے فاصلہ پر تھا
نکال لائے تھے۔ اس کلیسا پر صلیبیں سونے اور چاندی
کی نصب کی تھیں اور اس میں متعدد منبر عاج کی لکڑی اور
آبنوس وغیرہ کے رکھے تھے۔ اور چونکہ وہ شہر کی تمام عمارتوں
سے بلند تر تھا۔ اس رعایت سے اسکا نام قلیس رکھا جب
ابرہہ نے اسمیں مراسم حج بجالانے کا ارادہ کیا تو نجاشی کو لکھ
بھیجا کہ ہم نے بادشاہ کے نام سے اس شہر میں ایک کنیسہ بنایا
ہے جس کے ایسا کوئی کنیسہ پہلے نہیں بنا تھا میں نے قصد کیا
ہے کہ تمام عرب کے لوگ یہیں جمع ہو کر حج کیا کریں اور مکہ کا
حج کیا جانا روک دیا جائے جب یہ خبر تمام مشہور ہو گئی۔ تو اہل
عرب (حجاز) کو بھی معلوم ہوئی۔ تو بنی کنانہ میں سے ایک شخص
کو ابرہہ کی اس حرکت پر سخت طیش آیا اور اوس کنیسہ میں جا کر
پاخانہ پھر آیا۔ اور پھر وہاں سے بھاگ کر اپنے مقام پر چلا آیا
اس حرکت نے ابرہہ کو بہت غصہ دلایا۔ اور اوس نے قسم کھائی
کہ اب جبتک وہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ نہ اوجاڑ لیگا۔ دم
نہ لیگا۔ اوس نے اوسی وقت نجاشی کو اس واقعہ کی خبر بھیجی
اور اوس سے درخواست کی کہ اوسکا مشہور و معروف اور
عظیم الشان ہاتھی محمود نامی بھیجدیا جاوے۔ بہرحال نجاشی کے
ہاتھی جب پہونچ گئے تو ابرہہ نے ساٹھ ہزار کی جمعیت کیساتھ
مکہ کا رخ کیا جب اپنی ہمراہی جمعیت کے ساتھ وہ طائف کی
راہ سے مکہ کے قریب مغمس[1] (ایک مقام کا نام) تک پہونچ گیا

[1] المغمس بضم الميم وفتح الغين المعجمة وفتح الميم الثانية مشددة وبكسرها وهو على ثلثي فرسخ من مكة. مغمس بضم میم وفتح غین معجمہ وفتح میم ثانی مشدد۔ مکہ سے تین فرسخ پر ایک مقام ہے۔ زرقانی ص ۱۰۵ مطبوعہ حیدرآباد۔

للبیت ربا سیمنعه قال ما کان لتمنع منی قال
انت و ذلك فرد علیه ابله وزاد عن کلبی
فقلدها و اشعرها وجللها وجعلها
هدیة للبیت وبثها فی الحرم

زرقانی ج ا ص ۱۰۷

چلے اور آپ کے بعض لڑکے بھی آپ کے ہمراہ ہوئے۔ ابرہہ
کا داروغہ فیلخانہ انیس عربی النسل تھا اوسی کے وسیلہ سے
یہ لوگ خیمہ شاہی تک پہونچے۔ اور انیس نے خیمہ کے اندر
جاکر ابرہہ کو اطلاع کی کہ قریشیوں کے سید وسردار دروازہ
پر کھڑے ہیں۔ اونکو اندر آنیکی اجازت دیجائے۔ وہ معزز ترین
اہل مکہ ہیں۔ اور یہ وہ فیاض بزرگ ہیں جو لوگوں کو عام گذرگاہوں
پر کھانا کھلاتا ہے اور وحوش وطیور کیلئے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر خوان کرم رکھوا دیتا ہے۔ یہ سنکر ابرہہ نے فوراً اجازت دیدی اور
حضرت عبد المطلب کو اندر بلالیا۔ چونکہ عبد المطلب تمام قریش میں سب سے زیادہ معزز اور معظم تھے۔ اسلئے ابرہہ کی
نگاہوں میں بھی انکی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ اوس نے یہ نہ چاہا کہ یہ ہم سے نیچے بیٹھیں اور نیز اوسکو یہ بھی شبہ ہوا کہ اہل حبشہ
مجھکو اور عبد المطلب کو ایک ساتھ تخت شاہی پر بیٹھا ہوا دیکھکر پسند نکریں ان وجوہ سے ابرہہ اپنے تخت سے نیچے اوتر
آیا۔ اور عبد المطلب کو اپنے ساتھ فرش پر بٹھالیا۔ پھر اپنے ترجمان سے کہلوایا کہ آپ کس غرض سے آئے ہیں۔ عبد المطلب
نے کہا کہ میری یہی حاجت ہے کہ میرے دوسو اونٹ جو تمہاری فوج کے لوگ لوٹ لائے ہیں وہ مجھے واپس مل جائیں۔ یہ سنکر
ابرہہ نے اپنے ترجمان سے کہلوایا کہ مجھے آپ کے اس بیان پر سخت حیرت ہوتی ہے کہ آپ مجھ سے اپنے اونٹوں کے لئے
تو استدعا کرتے ہیں اور اوس گھر کے انہدام کے متعلق۔ جو آپ کے اور آپ کے آباے کرام کا دین ہے کوئی عرض و معروض
نہیں کرتے۔ عبد المطلب نے جواب دیا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ اور اوس گھر کا بھی ایک مالک ہے اور وہی تم کو
اسکے انہدام سے باز رکھے گا۔ اوس نے کہا کہ وہ کون ایسا ہے جو مجھے اس ارادے سے باز رکھے گا۔ حضرت عبد المطلب
نے کہا کہ یہ تم جانو اور وہ۔ پھر ابرہہ نے عبد المطلب کے اونٹ واپس دئے۔ امام کلبی نے اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ
عبد المطلب نے اون اونٹوں کو آراستہ کرکے خانہ کعبہ پر نذر چڑہادیا۔ اور حرم میں لاکر چھوڑ دیا۔

فوج ابرہہ کی مکہ پر چڑہائی۔ انہدام کعبہ کے اسباب۔ وجوہ اور اوسکے ابتدائی حالات۔ ہم نے عرب کے
دو معتبر اور قدیم ماخذوں سے پوری تفصیل کے ساتھ نقل کردئے۔ مفصلہ بالا حالات و واقعات سے حضرت
عبد المطلب کی ذاتی وجاہت۔ قدر و منزلت اور اعزام و اکرام۔ جو قوم و قریش اور تمام اہل عرب کے علاوہ
دوسرے مقامات کے اکابر و عمائد کی نگاہوں میں بھی قایم تھے اور آپکا صبر و تحمل اور تائید الہی کی امید پر
توکل کامل طور پر ثابت ہوگیا۔

ابرہہ کے پاس سے واپس آکر حضرت عبد المطلب نے موجودہ فتنہ و فساد کے لحاظ سے مکہ کا قیام ترک
فرمادیا اور جماعت قریش کو ساتھ لیکر پہاڑوں پر چلے گئے۔ زرقانی لکھتے ہیں۔

وانصرف الى قريش واخبرهم الخبر وامرهم بالخروج من مكة والتحرز في شعف الجبال والشعاب تخوفا عليهم من معرة الجيش

حضرت عبد المطلب نے ابرہہ کے پاس سے واپس آکر قریش سے یہ تمام واقعات دہرا دئے۔ اور اونکو قیام مکہ کے ترک کر دینے اور پہاڑوں کے شگاف اور دروں میں پناہ لینے کیلئے حکم دیا۔ حضرت عبد المطلب کے اس مفید اور ضروری حکم کو سبنے مان لیا۔

تمام قریش فوج ابرہہ کے قتل و غارت کے خوف سے شہر چھوڑ کر پہاڑوں میں چلے گئے اور مکہ کی آبادی بالکل خالی ہوگئی۔ حضرت عبد المطلب نے اوسوقت تک شہر کو نہ چھوڑا جب تک کہ تمام قوم کے لوگ پہاڑوں کی طرف نکل گئے خانہ کعبہ سے وداع ہونیکی خاص کیفیت زرقانی کی مفصلہ ذیل عبارت سے ظاہر ہوتی ہے۔

ثم قام عبد المطلب فاخذ بحلقة الكعبة و معه نفر من قريش يدعون الله ويستنصرونه على ابرهة وجنده ثم ارسل حلقة الباب وانطلق هو ومن معه من قريش الى الجبال ينظرون ما ابرهة فاعل بمكة

حضرت عبد المطلب زنجیر خانہ کعبہ پکڑ کر کھڑے ہوگئے آپ کے ساتھ ایک جماعت قریش بھی تھی۔ آپ نے اون کے ساتھ ملکر ابرہہ اور فوج ابرہہ پر نصرت و حمایت نازل ہونے کی درگاہ رب العزت سے دعا مانگی اور پھر دروازہ کعبہ کی زنجیر چھوڑ دی اور اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لیکر پہاڑوں پر چڑھ گئے اور ابرہہ کی کارروائیوں کا انتظار کرنے لگے۔

بہرحال مرقومہ بالا عبارت سے ثابت ہوا کہ حضرت عبد المطلب خدا کا گھر خدا پر چھوڑ کر پہاڑوں کے دروں میں اپنے اہل و عیال کو لیکر چلے آئے اور نصرت و حمایت الہی کے مشاہدہ قدرت کا انتظار فرمانے لگے۔

انہدام کعبہ کے متعلق اصحاب الفیل کی ناکامی

ابرہہ ابن الصباح علی الصباح اپنی تمام جمعیت کے ساتھ مصلائے ابراہیمی کے انہدام کے مصمم ارادے سے شہر مکہ میں آداخل ہوا اور اپنے ہمراہی ہاتھیوں کی فلک نما قطاروں سے خانہ الہی کے انہدام و تباہی کا جونہی قصد کیا ویسے ہی پل مارنے کی ہوئی جو دیری ۔ سبحان اللہ شان کبریائی جبروت قدرت نے ننھے بے مقدار اور ادنیٰ مخلوق کی فوج تیار کرکے ابرہہ کے ایسے اعلیٰ درجہ کی باقاعدہ اور تربیت یافتہ لشکر کو ان طویل القامت ہاتھیوں کے ساتھ دم کے دم میں تباہ و برباد کر ڈالا۔ زرقانی اور ابن ہشام کی عبارت تفصیل حسب ذیل ہے۔

فارسل الله تعالى عليهم طيرا من البحر امثال الخطاطيف والبلسان مع كل طائر منها ثلاثة احجار يحملها حجر في منقاره و

خدا تعالیٰ نے سمندر [illegible] کی طرف سے ایک قسم کے جانوروں کے جھنڈ اور فوج کی فوج نازل فرمائی۔ انمیں سے ہر طائر کی چونچ میں ایک اور دونوں چنگلوں میں دو پتھروں کی

حجارۃ فی ارجلہ امثال الحمص والعدس لا تصیب احدا الا ھلک ولیس کلھم اصابت وخرجوا ھاربین یبتدرون الطریق الذی منہ جاؤا فخرجوا یتساقطون بکل طریق و یھلکون بکل مھلک علی کل منھل واصیب ابرھۃ فی جسدہ وخرجوا بہ معھم یسقط انملۃ انملۃ کلما سقطت منہ انملۃ اتبعتھا منہ مدۃ تمث قیحا ودما حتی قدموا بہ صنعاء

ابن ہشام ج ا ص ۱۹ مصر

مونگ اور ماش کے برابر برابر کنکریاں تھیں، پرندوں کے اِن بے شمار جھنڈ نے جبروت قدرت کے اشارہ سے ابرہہ کی فوج شاہی پر اس زور سے سنگباری کی کہ اوسکے کثیر التعداد لشکر میں سے کوئی ایسا نہ بچا جو نہ مر گیا ہو یا کم سے کم بیحد زخمی نہ ہوا ہو، اور وہ سب کے سب اگر وہیں ہلاک نہیں ہوگئے تو بھاگ نکلے اور یہ حال ہوا کہ وہ راستہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کس راستہ سے بھاگیں، اور بھاگنے پر بھی تمام راستوں میں اونکے اختلاط کے لشکر گرتے جاتے تھے اور تمام راستوں میں مرتے جاتے تھے، ابرہہ خود بھی اس عذاب میں مبتلا ہوا اور وہ بھی لشکر کے ساتھ بھاگ نکلا اور اوس کی اونگلیاں بھی پور پور سے جدا ہو ہو کر گر گئیں اور اسی کے ایسا اور لوگوں کی اونگلیوں کا بھی حال ہوا۔ اور مقامات افتادہ سے خون اور ریم جاری ہوا اور وہ اس خراب حالت سے شہر صنعار (دارالحکومت یمن) میں پہنچے

خانہ کعبہ کے ساتھ ابرہہ کی بے ادبی اور ہتک حرمت کی سزا و تنبیہ دنیا میں ایسا دیا اور تا ابد تک خوف الٰہی کے لئے کافی ہو گئی، اور پھر اوس وقت سے لیکر اس وقت تک کسی غیر عرب اور غیر مسلم قوم کو اس بیت معظم کے انہدام و غارت کی جرأت نہ ہوئی اور نہ انشاء اللہ قیامت تک ہوگی کرشمہ قدرت نے ایک چشم زدن میں ابرہہ اور نجاشی کے ایسے دو بڑے سلاطین کی جبروت و سطوت کو خاک میں ملا دیا اور اونکے تمام سامان کو جو اونہوں نے انتظام شاہی کے اعلیٰ پیمانہ پر مہیا کیا تھا، ایک آن واحد میں بالکل معمولی اور بیہودہ چیزوں سے تباہ و برباد کر ڈالا۔

مولوی شبلی نے اس واقعہ قدیم کو نہیں لکھا

عرب کی تمام قدیم اور جدید مورخین نے اصحاب فیل کے واقعہ کو پوری تفصیل سے لکھا ہے، قرآن مجید میں بھی اصحاب فیل اور نزول ابابیل کے حالات و واقعات درج ہیں، مگر مولوی شبلی نے اتنے بڑے واقعہ تاریخی کو جس سے خانہ کعبہ کی تقدیس اور عظمت پورے طور پر ثابت ہوتی تھی بالکل نسیاً منسیاً کر دیا، مرقومہ بالا چند واقعات کی نسبت آپنے تخفیف کیوجہ اور مجبوری معلوم ہی ہو گئی تھی، مگر اسکے مرفوع القلم کیے جانیکا کوئی خاص سبب ظاہر نہیں ہوتا اگر بنو ہاشم یا عبد المطلب کے خصائص ثابت ہونگے وہی عذر یہاں بھی آپ کو لاحق ہوا تھا، تو اوسکے ساتھ ہی ساتھ خانہ کعبہ زاد اللہ شرفا کی عظمت و حرمت کا اظہار و انکشاف بھی

تو ہوتا تھا۔ مگر نہیں حقیقتاً آپ کیلئے وہی وجہ اول مانع ہوئی۔ اور اوسکی بنا پر اسکا استخفاف بھی ایسا ہی ضروری اور لازمی ٹھہرا کہ پھر اوسکے مقابلہ میں۔ اس واقعہ کی اہمیت قابل توجہ اور لائق التفات نہیں سمجھی گئی۔ حالانکہ تاریخ عرب کا یہ ایسا عظیم الشان واقعہ ہے کہ اسکے وقوع سے ایک جدید سن کی ایجاد قایم ہوئی اور سن عام الفیل کی بنیاد پڑی۔ اسکی ندرت اور شہرت مشرقی ممالک سے ہوتی ہوئی مغربی اقالیم تک پہونچگئی اور تمام مغربی محققین و مورخین نے اس واقعہ کو اور اسکے باعث سے عرب میں ایک نئے سن کے قایم ہونیکو شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے۔

زمانہ حال کے مغربی مورخین نے گذشتہ صدی سے تاریخ کو اصول فلسفہ پر ترتیب کرنیکی تعلیم شروع کی ہے اور معمول مشاہدات روزمرہ کے اصول پر اون تمام تاریخی واقعات کو خارج از عقل اور بیرون قیاس ٹھہرایا ہے جو قدرت کے تصرفات اور مشیت کے آیات تھے ممکن ہے کہ شبلی صاحب نے بھی اپنی سیرۃ النبی کو فلسفہ تاریخی کے پیمانے پر صحیح اتارنے کیلئے اس واقعہ کو غلط اور مضحکہ خیز سمجھ کر قلم انداز کر دیا ہو۔ اگر ایسا ہی تھا۔ تو بھی سرسید احمد خاں کے اتباع اس واقعہ کو لکھکر اور اہل عرب کی روایت پرستی کا مقتضا سمجھکر غلط اور خلاف عقل ٹھہرا دیا ہوتا۔ اور نزول ابابیل کے واقعہ کو شیوع مرض آبلہ (چیچک) سے ظاہری طور پر مطابق فرما دیا ہوتا تاہم غنیمت تھا کیونکہ اس سے اصل واقعہ تو حبشی ابرہہ قصد انہدام خانہ کعبہ۔ شیوع وبائے آبلہ (چیچک) اور ہزیمت جنود حبشہ اور حفاظت بیت اللہ کے صحیح واقعات تو دنیا کو معلوم ہو جاتی اور تاریخ عرب کا اتنا بڑا قدیم و عظیم واقعہ مرفوع القلم اور کالعدم ہونیسے بچ جاتا۔

تعجب ہے کہ مولوی شبلی صاحب کے ایسا محقق اور فلسفی مورخ اسکی ضرورت کے فلسفہ کو نہ سمجھ سکا۔ اسکے اصلی اور خارجی باتوں میں بھی امتیاز نکر سکا۔

اچھا یہ تسلیم کر لیا کہ ابابیلوں کا عذاب نہیں آیا تھا۔ بلکہ مکہ میں چیچک کی وبا پھیل گئی تھی۔ اور یہی ابرہہ اور اوسکے لشکر کی تباہی و غارت کا اصلی باعث ہوئی۔ تو اس سے کیا۔ ابرہہ کا انہدام کعبہ کی نیت سے اپنے لشکر جرار کے ساتھ آنا۔ اوسکی تو جنگشی معاصرے۔ ہزیمت اور فتح عزیمت کے تمام حالات و واقعات جو نہ قدرت کے تصرفات ہیں نہ کسی کے معجزہ و کرامات۔ جو کسی کے سمجھ میں نہ آئیں۔ یہ سب غلط ہو جاوینگے؟ یہ تو نہ کسی مشرقی مورخ کی جدید تحقیقات کا نتیجہ ثابت ہوتا ہے اور نہ کسی مغربی محقق کے اقتباسات مزید کا مدعا۔ دیکھئے باوجود انکار معجزات اور خوارق عادات۔ آپکے محسن و معاون ڈاکٹر سرسید احمد خاں صاحب اس واقعہ کی حقیقت کا کس تفصیل سے انکشاف فرماتے ہیں۔

میں اپنے اس خطبہ میں اون لغو اور بیہودہ روایتوں اور قرآن مجید کے غلط معنی بیان کرنے پر جو مفسرین نے اس واقعہ کی بابت بیان کی ہے۔ بحث کرنا نہیں چاہتا جس میں ایک لمبا مباحثہ ہے۔ مگر جو واقعہ کہ گذرا اوسکو صاف صاف لفظوں میں بیان کر دیتا ہوں۔

کتابوں میں مذکور ہے کہ اصحاب فیل سے پہلے تبع نے تین دفعہ کعبہ کے ڈہانے کا ارادہ کیا مگر ظلمت و آفت میں گرفتار ہوئے (کیا یہ قدرت کا اظہار اور اعجاز و کرامت کا اقرار نہیں ہے)

وہ قصے چنداں مشہور نہیں ہیں۔ مشہور قصہ اصحاب فیل کا ہے۔ ابرہۃ الاشرم جو ایک عیسائی حاکم یمن تھا۔ اوس نے صنعاء یمن میں قریب غمدان کے ایک عظیم الشان کنیسہ یعنی گرجا بنایا تھا اور قلیس اسکا نام رکھا تھا۔ اور یہ بات چاہی کہ لوگ کعبہ کا حج چھوڑ دیں اور اس کنیسہ کا حج کیا کریں اور اسلئے اسکے ڈہانے کا ارادہ کیا اور مع فوج کے اور چند ہاتھیوں کے روانہ ہوا اور مغمس میں اوترا۔ اوسوقت قریش کنانہ، خزاعہ اور ہذیل سب لڑنے کو تیار ہوئے مگر اونہوں نے ابرہۃ الاشرم سے مقابلہ کرنے کی طاقت اپنے میں نہیں پائی۔ ابرہۃ الاشرم نے کہلا بھیجا کہ مجھے تم سے جدال و قتال منظور نہیں ہے بلکہ کعبہ کا ڈہانا صرف مقصود ہے۔ اس گفتگو میں چند روز گذرے اور اسی درمیان میں ابرہہ کے لشکر میں چیچک کی وبا پھیلی جو اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔ پھر تمام لشکر برباد ہو گیا۔ بہت سے مر گئے خدائے تعالی نے انپر ایسی آفت ڈالی کہ جو بد ارادہ انہوں نے کیا تھا۔ اوسپر کامیاب نہ ہو سکے (کیا یہ معجزہ کا اعتراف اور اقرار صاف نہیں ہے) مفسرین نے اس قصہ کو عجب طرح سے رنگا ہے۔ قرآن مجید میں دو لفظ طیرًا اور الحجارۃ آئے ہیں۔ ان دونوں لفظوں کی مناسبت سے جو مفسرین اور وضاعین نے چاہا بنا لیا ہے جسکی کچھ اصل نہیں ہے خطبات ص ۵۵۳۔ لاہور

مرقومہ بالا عبارت میں سید صاحب نے باوجود تردید و تنقید معانی اصل مطالب کو بالکل ویسا ہی لکھ دیا ہے جیسا کہ ہم عربی کے معتبر اور مستند ماخذوں سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ اصل واقعہ سے نہ سید صاحب کو انکار ہو سکتا ہے نہ دنیا بھر میں کسی کو بھی۔ مگر تمام دنیا کے خلاف شبلی صاحب تنہا اسکو مرفوع القلم فرماتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اون کے نزدیک یہ واقعہ ہوا ہی نہیں۔ حالانکہ سیرۃ النبی ص کے لکھنے والے اسکو آپکی ولادت سے کل دو مہینے قبل کا واقعہ تمام تاریخوں میں بتلاتے ہیں۔ اور تمام مشاہد تاریخی سے یہ امر صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ واقعہ اصحاب فیل کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود ذیجود قایم ہو چکا تھا اور یہ ودیعت الہی سات مہینوں سے جناب آمنہ بنت وہب سلام اللہ علیہا کے بطن مطہر میں امانت تھی۔ ابن سعد لکھتے ہیں۔

ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یوم الاثنین لعشر لیال خلون من شہر ربیع الاول وکان قدوم اصحب الفیل للنصف من المحرم فبین الفیل وبین مولد رسول اللہ صلعم	جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دسویں ربیع الاول کی رات کو، دوشنبہ کے دن، پیدا ہوئے اور نصف (۱۵) محرم میں اصحاب الفیل مکہ میں آچکے تھے تو اس حساب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اور واقعہ مذکورہ

خمس وخمسون لیلۃ	نیل کے درمیان کل پچپن ۵۵ راتوں کی مدت گذری تھی"
ص ۶۲ مطبوعہ جرمن	طبقات ص ۶۲ مطبوعہ جرمن

اسی بنا پر ابن ہشام نے بھی ص ۵۶ ج ۱ میں آنحضرت صلعم کی ولادت اور مکہ میں اصحاب فیل کی آمد ایک ہی سال کے اندر تحریر کی ہے۔

پھر ایک مورخ ایک سیرت نویس اور ایک محقق۔ اتنے قریب کے گذرے ہوئے ایسے مشہور و معروف واقعہ کو جس سے اوس ملک کی تاریخ میں ایک زمانہ قایم ہوتا ہو۔ کیسے قلم انداز کر سکتا ہے۔ مگر مولوی شبلی تمام سیر و تواریخ کے خلاف اسکو مرفوع القلم فرما گئے۔ اگر اسکے استخفاف و استقصار کی مصلحت آپ نے ایک فلسفی مورخ ہونے کی حیثیت سے اختیار کی ہے تو یہ بھی آپ کی عقل کی خوبی ہے۔ آپ کی مختصرات یا سیرۃ النبیؐ کو کوئی فلسفہ تاریخ عرب نہیں کہہ سکتا نہ کم سے کم ابن خلدون کا نمونہ سمجھ سکتا۔ آپ کو جو کچھ فلسفہ یا منطق کے اصول ولائل تاریخ و حدیث کی تحقیق و تنقید میں بیان کرنے تھے۔ وہ آپ مقدمہ الکتاب میں بیان کر چکے۔ مولوی شبلی صاحب کو یقین کر لینا چاہیئے کہ جبتک آپ خدا کی قدرت اور اوس کی بیشمار اور لا انتہا تصرفات سے قطعی انکار نہ کر لینگے۔ اوسوقت تک آپ ان جبروت الٰہیہ کے کسی مشاہدہ کو خارج از عقل اور ناممکن نہیں کہہ سکتے۔ اور شبلی صاحب پر کیا منحصر ہے تمام بنی نوع انسان کو۔ عام اس سے کہ وہ فیلسوفی ہوں یا ہیئت داں۔ مورخ ہوں یا محدث۔ شاعر ہوں یا ادیب جب تک کہ وہ خدا اور اوسکی بھیجی ہوئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اونکو۔ ان تمام خارج از عقل محالات اور ناممکنات کو بالکل مطابق حکم معمول قدرت اور ممکن الوقوع ماننا ہی پڑیگا۔

اگر شبلی صاحب کا بھی یہی خیال ہے اور اسی خیال کی بنا پر موجودہ عام تاریکی کے زمانہ میں صرف نئی روشنی والوں کے خوف تشنیع سے۔ آپ نے اس واقعہ کو مرفوع القلم فرمایا ہے تو وہ اپنی اسی کتاب میں دیکھیں کہ آپ نے حضرت ابراہیم کے وقت سے لیکر آنحضرت صلعم کی وفات تک خدا کی جبروت قدرت کے کتنے واقعات درج کئے ہیں اور صرف نقل و اندراج ہی نہیں بلکہ اونھیں کے استنباط پر اپنے استدلال قایم فرمائے ہیں۔ پھر اپنے ہی انتخاب کردہ مختار و معیار سے خلاف ورزی شعار دانشمندی نہیں۔

ہم اتنا لکھے بغیر نہیں رہ سکتے کہ شبلی صاحب سے اچھے تو اونکے تلمیذ رشید مولوی سلیمان صاحب ندوی نکلے جنہوں نے باوجود اسکے کہ یہ واقعہ اونکا موضوع تالیف بھی نہیں تھا۔ اپنی کتاب ارض القرآن میں اس واقعہ کو ممکن الوقوع پوری تفصیل سے لکھکر جدید مفسرین کے بعض مخترعات کی تنقید بھی کر دی ہے۔ افسوس کہ آپ تو اتنا بھی نہ کر سکے۔

سید صاحب کے تغیرات فی اللفظ
اور
تصرفات فی المعنی کی تنقید و تردید

اب رہا یہ امر کہ سید صاحب نے بھی اس سے انکار کیا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ سید صاحب نے اصل واقعہ سے ذرا بھی انکار نہیں کیا ہے اور سید صاحب پر کیا کوئی بھی اسکی تاریخی حیثیت سے انکار نہیں کرسکتا۔ سید صاحب نے اس واقعہ کے متعلق صرف ابابیلوں کے ذریعہ سے سنگباری پر اعتراض کیا ہے اور اسکو معمولی افسانہ اور محض کہانی ٹھہرایا ہے شبلی صاحب نے تو واقعہ کا واقعہ ہی مرفوع و مقطوع فرمادیا ہے گویا اسکا وجود وقوع آپ کے نزدیک ثابت ہی نہیں۔ ایسی حالت میں آپکا مختار اور سید صاحب کی رائے کیسے مساوی ہوسکتی ہے۔ ہر ذی فہم آسانی سے سمجھ لیگا کہ تحقیق و تدقیق واقعات میں آپکا کیا سرمایہ ہے اور سید صاحب کا کیا پایہ۔

سرسید کو اس پر اعتراض کی کیا ضرورت لاحق ہوئی۔ سید صاحب نے لندن میں بیٹھکر اور ایل ایل۔ ڈی کی ڈگری کے امیدوار بنکر اپنے خیالات کے اقتباسات کو اپنی کتاب خطبات میں اتحاد بین المذاہب کے اصول پر جمع کیا۔ اتحاد کا خیال تو اسلام میں بہت قدیم ہے۔ تمام مذاہب کے خلاف اسلام ہی نے سب سے پہلے اتحاد فی المذاہب کی حقیقت کا انکشاف کیا اور اس مسئلہ کو صاف کرکے بتلادیا کہ ہمارا وہی مذہب ہے جو آدم کا مذہب ہے۔ ہمارا وہی دین ہے۔ جو ابراہیم کا دین ہے۔ ہمارا وہی طریق ہے۔ جو عیسیٰ کا طریق ہے۔ "کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام۔ تمام انسان فطرت اسلام پر مخلوق کئے گئے ہیں" اسی کی پہلی تعلیم ہے اسلئے یہ مسئلہ گویا اسلام کی ایجاد ہے اور اسلام ہی اسکا موجد ہے۔ اس بنا پر اتحاد تو ہمارا خاص اعتقاد ہے۔ اس سے ہمکو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ جو کچھ اختلاف بین المذاہب ہے۔ وہ لیڈروں کے معتقدات اور تعلیمات ہیں جن کے لا انتہا اور بیشمار اختلاف رائے و العمل نے رشتۂ اتحاد کو پارہ پارہ کرکے ہر مذہب و ملت کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کردیا بلکہ ایک کو دوسرے کا سخت مخالف بناکر مقابلہ اور مقاتلہ پر آجتک تیار کر رکھا ہے۔

چونکہ اختلاف مذاہب پر بحث کرنا میرا مقصود نہیں ہے۔ اسلئے اس سے قطع نظر کرکے ہم اپنے مدعا کے بیان پر آجاتے ہیں۔ سید صاحب نے اول تو اسی اتحاد کے اصول کو اپنے خطبات کی ترتیب و تدوین کیوقت پیش نظر رکھا ہے۔ دوسرے اسی ضرورت سے انہوں نے ماہرین فلسفہ مغربی اور محققین علم ہیئت کی تحقیقات کے ساتھ علم الٰہیات کے خاص مسائل کا بھی موازنہ کرنا چاہا ہے۔ لیکن اس موازنہ میں مغربی تحقیقات کی حسن و قبح پر بحث یا اس پر تنقیدی نظر ڈالنے کی جرأت نہیں کرسکے۔ سید صاحب کی تنقید کی قوت سر ولیم میور اور داون متعصب عیسائیوں کے لغویات کی تردید و تکذیب تک تمام ہوگئی ہے۔ جنہوں نے نبیؐ یا آنحضرت صلعم کی ریاست نظام حکومت اور احکام شریعت پر اعتراض کئے ہیں۔ مگر ان امور کی نسبت ہمیشہ کوتاہ قلمی اور قصیر النظری سے

کام لیا گیا ہے۔ یوروپین محققین کے مقابلہ میں عربی مورخین کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔ اور یوروپین محققین کی ایسی شدید تقلید اختیار کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے ایسے سہل اور عام فہم الفاظ کے وقت خیز، غیر مرسوم، خلاف محاورات اور غیر مصطلحات معانی بتلانے میں اور دور از قیاس وواقع تاویل فرمانے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ کھلے کھلے الفاظ میں قدرت الٰہیہ کے جبروت اور اسکے اظہار کی غیر متحمل ضرورت، خانہ کعبہ کی حفاظت وغیرہ کے تمام حالات وواقعات سے بالکل انکار کرکے۔ ان مشاہدات قدیمہ اور کرامات عظیمہ کو جھوٹے فسانے اور اون کے سلسلہ رواۃ کو جن میں ہر طبقہ اور ہر درجہ کے اسلامی محدثین ومفسرین شامل ہیں ایک سرے سے (نعوذ باللہ) وضاع اور کذاب ٹھہرا دئے گئے ہیں۔ مگر قیاسین یورپ کے قیاسات پر تنقید وتحقیق کی نگاہ سرسری بھی نہیں ڈالی گئی۔ حالانکہ اونھیں یورپ والوں کے کتب قدیمہ کے اخبار وآثار پر اگر محض سطحی نظر بھی ڈالی جاتی۔ تو غالباً اون کے خاص مرویات ومعتقدات میں اتنے مہملات اور محالات۔ جو اصل میں اونکے توہمات کے طومار اور انبار ہیں۔ مشاہدہ کئے جاتے۔ جو کسی کے عقل میں کیا وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتے تھے۔ عبرت ہے اور افسوس ہے کہ سید صاحب کے خطبات میں نہ انکی کوئی تفصیل قلمبند ہے اور نہ تنقید۔

بہرحال۔ اگر سید صاحب کی یہ خاص رائے ہے۔ تو بہتر ہے وہ اپنے ہی معتقدات تک اسکو محدود وموقوف رکھیں۔ عام مسلمانوں کو اسکے تسلیم کی زکلیف ندیں۔ اور یقین کرلیں کہ آپ کی اس تعلیم سے تمام مسلمانوں کو جبروت قدرت کے تصرفات اور ضرورت کے وقت اونکے عجائب وغرائب مشاہدات سے انکار کرنا پڑیگا۔ جو انکے عقائد کو باطل اور اونکے قلوب سے نور ایمان وعرفان کو زائل کردیگا۔

یہاں تو ابابیل سے ابابیل بصیغہ جمع عام قیاس کیا گیا ہے۔ اور طیرا کو تطیر کے مادہ سے بقاعدہ استخراج مستخرج بتلایا گیا ہے اور اسکے معنی فال بد کے مراد لئے گئے ہیں۔ مگر القمل والضفادع الخ کے صاف وصریح الفاظ قرآنی میں قوم فراعنہ پر عذاب الٰہی کی جو مختلف صورتیں بتلائی گئی ہیں۔ انکے معنیوں میں مسلمانوں کو کونسی تاویل بتلائی جائیگی۔

ابابیل تو عقل صحیح کے سامنے کسی مقدار کا جانور تسلیم بھی کیا جاسکتا ہے۔ مگر قمل جسے آپ جوں کہتے ہیں۔ اسکی تو ابابیل کے مقابلہ میں کوئی مقدار ہی نہیں قائم کی جاسکتی۔ پھر قوم فراعنہ کے ایسے توانا اور قوی ہیکل انسانوں کو ایسے بےمقدار اور لاوجود حشرات الارض کا تباہ وبرباد کردینا۔ جو نصوص قرآنی سے ثابت ہے۔ کیونکر خلاف عقل اور ناممکن نہ ٹھہرایا جائیگا۔ اب کوئی بتلائے کہ سید صاحب کی اس تعلیم سے غریب مسلمانوں کو قرآن سے انکار صریح کرنا ہوگا یا نہیں۔ اور انکار قرآن کے بعد پھر وہ مسلمان کہلانے کے مستحق رہینگے اور نہ اونکا ایمان ایمان۔

قرآن پر موقوف نہیں۔ قرآن سے پہلے کی تمام کتب مقدسہ میں ان مشاہدات قدرت کی اس سے زیادہ تصریح وتفصیل مندرج ہے۔ مگر اسوقت سے لیکر اسوقت تک اونکے متبعین اور معتقدین اقوام کو جنمیں زیادہ تر یورپ

کے محققین شامل ہیں۔ ذرا بھی انکار نہیں ہے تو وہ انکو اپنے مقامات میں غلط ٹھہراتے ہیں نہ انکو مصنوع و موضوع بتلاتے ہیں۔ یورپ کے تمام ممالک میں بچہ بچہ اسوقت فلسفہ وہیئت کا پتلا دکھلائی دیتا ہے مگر جب اوسکے معتقدات اسکے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ یا جسوقت اُسکا کوئی مذہبی پیشوا کسی مذہبی جلسہ میں یا خاص طور پر اُن مشاہدات قدرت کو جو جناب عیسی مریم کی تصدیق رسالت اور ترکیب ولادت کیصورت سے مختلف صورتوں میں ظہور پذیر ہوئے اور نیز آپکے مابعد بھی۔ عیسائیت کے اثبات و استدلال میں حواریوں کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے۔ اُن سے بیان کئے جاتے ہیں تو وہ سمعاً و اطاعتاً کہہ کر اونہیں مان لیتا ہے اور انکے محال عقل اور بیرون قیاس ہونے پر اپنے فلسفہ وہیئت کی ذرا بھی روشنی نہیں ڈالتا۔ کیونکہ وہ ان امور کو ابتدا ہی میں سمجھ چکا ہے اور یقین کر چکا ہے کہ جب قدرت کو تسلیم کر لیا گیا ہے تو اوسکے عمل سے انکار صریح جہالت ہے۔ اکثر محققین یورپ کی احتیاط کی اب تک یہی حالت ہے ہم اون میں سے چند مختار ذیل میں لکھدیتے ہیں۔

فرانس کا مشہور فاضل کیمل فلامریان (Camel Flameran) جو نیچرل سائنس کا استاد مانا جاتا ہے۔ اپنی کتاب اسپریچولزم (Spritualism) میں لکھتا ہے:۔

انسان کی فطری عادت ہے کہ جو چیز بظاہر مشکوک ہوتی ہے یا جسکو وہ نہیں جانتا اور سمجھ نہیں سکتا اُسکے وجود سے انکار کرتا ہے۔ ہیروڈوٹس یا پلینی کی تحریروں میں اگر ہم یہ پڑھتے کہ ایک عورت کی ران میں چھاتی تھی اور اُسی سے وہ اپنے بچے کو دودھ پلاتی تھی تو ہمکو بے اختیار ہنسی آتی اور ہم استہزا کرتے۔ لیکن پیرس کی علمی کانفرنس منعقدہ ۲۵ جون ۱۹۲۷ء میں یہ واقعہ براۃ العین مشاہدہ کیا گیا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص ہم سے یہ کہتا کہ ایک شخص مرگیا اور جب اوسکی تشریح کی گئی تو اوسکے پیٹ میں ایک بچہ پایا گیا۔ جو اوس شخص کا توام تھا۔ اور اسکے جسم میں پرورش پا رہا تھا۔ تو ہم اس واقعہ کو محض خرافات سمجھتے۔ لیکن چند روز ہوئے ہمنے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بچہ چھپن برس تک بدن ہی میں پرورش پاتا رہا اور پھر ظاہر ہوا۔ ہیروڈوٹس کے ایک مترجم نے لکھا ہے کہ لوگو نکا یہ بیان کہ سکندر کی بیوی روکسان نے ایک ایسا بچہ دیا تھا جس کے سر نہ تھا۔ خلاف عقل سمجھا جاتا تھا۔ لیکن آج تمام طبی ڈکشنریوں میں تسلیم کیا جاتا ہے کہ بہت سے بچے بغیر سر کے پیدا ہوتے ہیں۔

اس قسم کے واقعات ہم سے کہتے ہیں کہ ہمکو احتیاط سے کام لینا چاہیئے کیونکہ جو لوگ بغیر بصیرت کے انکار کر دیا کرتے ہیں وہ جاہل اور کودن ہیں۔ (کامل فلامریان کی کتاب ص ۴۲ بحوالہ الکلام شبلی ص ۱۱۸ ج ۲)

مولوی شبلی صاحب الکلام جلد دوم میں خرق عادت اور روحانی فیوضات کی نسبت خود تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

چونکہ ہمارے ملک میں عام خیال پھیلا ہوا ہے کہ یورپ عام طور پر خرق عادات کا منکر ہے اور اسی بنا پر جدید تعلیم کا ایک ایک بچہ ہر قسم کے ایک ایسے واقعہ پر جو محسوسات عام کے خلاف ہو، استہزا اور انکار کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ اسلئے ہم چاہتے ہیں کہ خرق عادات کے متعلق یورپ کے مشہور و مستند حکما و فضلا کے اقوال و آرا اس موقع پر نقل کریں۔

۱۸۶۹ء میں بمقام لندن ایک بہت بڑی مجلس ان امور کی تحقیقات کیلئے منعقد ہوئی۔ اوس مجلس کے ارکان یہ تھے۔

سر جان لیک (Sir Jhon Lake) ممبر پارلیمنٹ		صدر انجمن
پروفیسر ہکسلی (ProHaxely) علم طبیعیات کا سب سے بڑا عالم		وکیل
لوئیس (Louis) فیزیکل سائنس کا بہت بڑا عالم		"
الفرڈ ویلز (Alfred Wales) جو ڈارون کا ہمعصر اور مسئلہ ارتقا میں اوس کا شریک تھا۔		ممبر
مارگن (Morgen) مجلس علوم ریاضیہ کا صدر انجمن		ممبر
جان کاکس (Jhon Cox)		"

ان کے سوا اور بہت سے فضلا شریک مجلس تھے۔ اٹھارہ مہینے تک یہ مجلس برابر تحقیقات کرتی رہی، آخر میں مجلس نے جو رپورٹ تیار کی اوسکے بعض فقرے یہ ہیں۔

مجلس نے اپنی تحقیقات کا مدار صرف اون تجربوں پر رکھا جو مجلس نے برای العین مشاہدہ کئے اور جن میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہوسکتا تھا۔ مجلس میں چار ممبر ایسے تھے۔ جو شروع میں اس قسم کے واقعات کے سخت منکر تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ یا تو ان واقعات میں فریب اور شعبدہ بازی سے کام لیا جاتا ہے۔ یا خود انسان کے عصبی نظام کا اثر ہے۔ لیکن نہایت دقیق اور مکرر تجربوں کے بعد اون کو اقرار کرنا پڑا کہ یہ خرق عادات حقیقی اور واقعی ہیں۔

اسکے بعد انگلستان اور امریکا میں اسکی تحقیقات کے لئے ایک مجلس قایم ہوئی جس کے صدر انجمن سر لوب اور ہوڈسن تھے۔ یہ مجلس تقریباً بارہ برس تک تحقیقات میں مصروف رہی اور بالآخر ۱۸۹۹ء میں اس نے اپنی تحقیقات ختم کی اور ان واقعات (خرق عادات اور روحانی اثرات) کی صحت کا اعتراف کیا۔ سر لوب نے جو رائے لکھی اسکے بعض فقرے یہ ہیں:-

مجھ کو امید ہے کہ بیس برس کے بعد تمام دنیا کے سامنے دلائل قطعیہ سے ثابت کر دوں گا کہ اس عالم فانی کے بعد ایک اور عالم ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے وہ خرق عادات دیکھے جن کی نسبت کسی طرح

شعبدہ اور فریب کا احتمال نہیں ہو سکتا۔

ہوڈسن کی رپورٹ کے بعض جملے یہ ہیں۔

دنیا کو بہت جلد عظیم الشان جدید اطلاعیں حاصل ہونیوالی ہیں۔ مجھ کو امید ہے کہ ایک برس میں میں دنیا کے لئے انسانی زندگی کیلئے قوانین فطرت کی نئی تفسیر پیش کروں گا۔ اگر پروفیسر ہینز لوب سنے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اوس نے مُردوں کی روحوں سے باتیں کیں تو اوس نے بالکل سچ دعویٰ کیا ہے۔

پروفیسر کاکس۔ جو امپیریل سائنٹفیٹک سوسائٹی کا صدر انجمن ہے۔ اوس نے مجمع عام میں کہا۔

میں صرف یہی نہیں کہتا کہ یہ (خرق عادات اور روحانی اثرات) ممکن ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ وہ بالکل حقیقت واقعی ہے۔

اپنی کتاب اسپریچولیزم میں لکھتا ہے :۔

چونکہ مجھ کو ان واقعات کا قطعی یقین ہو چکا ہے۔ اسلئے یہ اخلاقی نامردی ہے کہ میں اونکے ظاہر کرنے میں اس بنا پر ہچکچاؤں کہ نکتہ چیں میری ہنسی اوڑائینگے۔

جرمن کا مشہور ہیئت داں زولز Zolner بھی اسکی طرف متوجہ ہوا۔ اسکے ساتھ چند فضلا شریک ہوئے جنمیں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

ویبر (Veber)

فیشنر Fashioner فزیکل سائنس کا اُستاد اور یونیورسٹی کا پروفیسر

وِنڈٹ Vendette نہایت مشہور فاضل اور یونیورسٹی کا پروفیسر

بالآخر بہت سی تحقیقات کے بعد ان تمام فاضلوں نے روح کے عجیب و غریب کرشموں کا اعتراف کیا۔ زولز بہت بڑا عالم تھا۔ اسکے اعتراف پر لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید اوس نے دہوکا کھایا۔ چنانچہ چند مشہور پروفیسروں نے یہ خیال اخبار کے ذریعہ سے ظاہر کیا۔ اسپر زولز نے ایک رسالہ لکھا جسکا نام اوراق علمیہ ہے۔ اسمیں نہایت زور و شور سے اپنے مشاہدات کا حوالہ دیا اور اونکی صحت پر دلائل قائم کئے۔

۱۸۹۱ء میں جو علمی کانفرنس منعقد ہوئی اوسکے ایک جلسہ میں۔ پروفیسر لوج (Lodge) نے جو بہت بڑا ریاضی داں ہے ایک لکچر دیا اور روح کے متعلق تقریر کرتے وقت کہا۔

اب وہ وقت آگیا ہے کہ مادّی اور روحانی عالم میں اب تک جو حدِ فاصل تھی وہ ٹوٹ جائے جس طرح اور بہت سی حدیں ٹوٹ گئیں۔ اس طریقہ سے ثابت ہو جائیگا کہ ممکنات کی کچھ حد و انتہا نہیں اور یہ کہ جسقدر ہم جانتے ہیں وہ بمقابلہ اُن چیزوں کے جو ہمکو معلوم نہیں ہیں کچھ نسبت نہیں رکھتیں۔

۲۲ جون ۱۸۹۸ء کو جو کانفرنس منعقد ہوئی جسمیں پروفیسر ڈوڈروشیہ DuDutrochete نے اپنی اسپیچ میں کہا۔

"یہ خرق عادات جو اسوقت ہم نے مشاہدے کئے۔ اور جن کے ذکر سے انلوگوں کو طیش آجاتا ہے جو اپنے آپکو عالم خیال کرتے ہیں اور جزئی مسئلہ و مباحث علمیہ پر گفتگو کرتے ہیں۔ انھیں متواتر مشاہدات کے سلسلہ میں داخل ہیں جو ایک مدت سے ہمارے تجربہ میں آرہے ہیں اور جن کی نسبت شک کرنا اب غیر ممکن ہو گیا ہے۔"

۱۸۹۳ء میں بمقام میلان ایک بہت بڑی کمیٹی منعقد ہوئی جسکے ممبر حسب ذیل تھے۔

الگزنڈر گزاکوف	Alexender Kozokoff
جیوفانی۔	میلان کے رصدخانہ کا سکرٹری
کارل دوپرل	جرمن کا مشہور ڈاکٹر
جیوروب جیرونا	فزیکل سائینس کا پروفیسر
لمبروزو	(Lombroso)

ان علماء نے ۱۷- اجلاس میں ان امور کی تحقیقات کی اور بالآخر اپنی رپورٹ میں لکھا کہ۔

جو خوارق عادات ہم نے مشاہدہ کئے۔ انمیں کسی قسم کا شعبدہ بازی یا چالاکی نہیں تھی۔ اور یہ مشاہدات یہ درجہ رکھتے ہیں کہ مسائل علمیہ میں داخل کئے جائیں۔

(منقول از کتاب الکلام جلد دوم مولفہ مولوی شبلی از صفحہ ۱۲۰- ۱۲۵)

ہم نے شبلی صاحب کے خاص استفادات کلامیہ سے خرق عادات اور معجزات کے وجود و ثبوت میں محققین یورپ کے اتنے اعترافات پیش کردئے اور ہماری موجودہ ضرورت تنقیدی کے لئے اتنی ہی کافی ہے حیف ہے علمائوں پر اور عبرت ہے ان نادانوں پر۔ جو بلا تحقیق و تفتیش اور بلا تامل و تکلف ایک ذرا سے شبہ پر نصوص الٰہی اور اوسکے تمام مفسرین محدثین اور مورخین کو بیدھڑک وضاعین اور کذابین کہدیتے ہیں۔

سید صاحب اور علی الاکثر انگریزی تعلیم یافتہ مجددین و مجتہدین کو معانی قرآن میں ایسے لغو اور مہمل تاویل کی جسطرح سے جرأت ہوئی ہے۔ وہ سیرت ابن ہشام کی یہ عبارت ہے۔

قال ابن اسحٰق حدثنی یعقوب ابن عتبہ انہ حدث ان اول ما رئیت الحصبۃ والجدری بارض العرب ذلک العام وانہ اول ما رئی

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یعقوب ابن عتبہ نے مجھ سے بیان کیا کہ اسی سال ملک عرب میں جسم پر دانے نکلنے اور آبلہ والی بیماری نمودار ہوئی اور اسی سال عرب کی سرزمین پر سپند (کالے دانے) اگ

لها مرارة الشجر الحرمل والحنظل والعشر ذلك العام۔

پھٹی اور عشر (ایک قسم کا گوند پیدا کرنیوالا درخت) کے پیڑ بھی نکلنا شروع ہوئے۔ مطبوعہ مصر ص ۹ ج ۱

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ابن ہشام اپنے اس بیان میں بالکل منفرد ہے۔ واقدی اور ابن سعد اسکا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ اس بنا پر ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ مورخین و محدثین میں سے کسی نے اسکے وقوع کا اقرار نہیں کیا ہے اور شبلی صاحب کے اصول تحقیق و تنقید کے اعتبار پر جبتک یہ واقعہ تاریخی، علماء حدیث کا خصوصاً صحیحین کا مختار ثابت ہو لے۔ مانا نجائے گا۔ اور کسی صحیح الاعتقاد مسلمان کے نزدیک قابل اعتبار و اعتماد سمجھا نہ جائیگا۔

اور اگر شبلی صاحب کی زبانی حزم و احتیاط کے خلاف ابن ہشام کو اوسکی قدامت کی وجہ سے قابل اعتبار سمجھ بھی لیں تو بھی یہ کہا جائیگا کہ ابن ہشام نے اسکو قصہ ابابیل کی کامل تصریح و تفصیل کے بعد لکھا ہے۔ اس بنا پر یہ بخوبی ثابت ہے کہ اس روایت پر نہ ابن اسحاق نے اپنا مختار قائم کیا ہے اور نہ ابن ہشام نے۔ کیونکہ سیاق عبارت سے اس کیلئے کوئی زمانہ مقرر نہیں کیا گیا ہے جس سے یہ سمجھا جاوے یا یقین کر لیا جاوے۔ کہ چیچک کی وبا عین اوسی روز اور اوسی وقت پھوٹ نکلی جب ابرہۃ الاشرم اپنی فوج گراں لیکر خانہ کعبہ کے انہدام کیلئے مکہ میں داخل ہوا تھا۔ بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ یعقوب ابن عتبہ کا بیان ہے کہ اوسی سال عرب میں جسم میں دانے اور آبلے پڑنیوالی بیماری کا آغاز ہوا اور اس سے پہلے نہیں تھی۔

اس عبارت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اوسی سال کے اندر اس وبا کا شیوع ہوا۔ ابن سعد اور ابن ہشام کے متفقہ اقوال کے مطابق۔ اصحاب فیل کا واقعہ نصف ماہ محرم میں وقوع پذیر ہوا۔ اسلئے ممکن ہے کہ سال بھر کے اندر محرم سے لیکر آئندہ ذی الحجہ تک کے بارہ مہینوں کی مدت میں یہ امراض وبائی نمایاں ہوئے۔

پھر جب اس روایت سے اس وبا کا آمد اصحاب فیل یا اُنکے حملات کے عین وقت میں پھوٹ پڑنا ثابت نہیں ہوتا تو قرآن مجید کی ایسی صاف اور کھلی معنیوں میں تاویلات مہملہ کا انبار لگانا محض بیسود اور بیکار ہے۔

ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور ہمارے ساتھ تمام مسلمان بھی کہ ابن ہشام نے بھی صحیح لکھا ہے۔ اور ابن اسحاق سے ابن ہشام نے بھی صحیح روایت کی ہے کہ اوسی عام الفیل کے اندر اندر اوس قادر مطلق نے قوم عرب کی تنبیہ و عبرت کیلئے اوس عارضی اور وقتی عذاب (احجار ابابیل) کے ساتھ ہی ساتھ اس دائمی اور قائمی بلا و مصیبت (وبائے چیچک) کو بھی نازل فرمایا۔ تو اس سے واقعہ ابابیل کے ظہور و وقوع میں کیا نقصان و فتور پیدا ہوتا ہے۔ ہاں اگر ابن ہشام نے ابابیل کے واقعہ کو نہ لکھا ہوتا۔ اور صرف وبائے چیچک کے شیوع کو قلمبند کیا ہوتا تو کسی قدر ان حضرات کے تاویلات مہملہ کے لئے گنجائش ہو سکتی تھی۔

ابابیل کو آبالہ کی جمع بتلانا ابلہ فریبی ہے۔ ابن ہشام اور ابن اسحاق دونوں بزرگوار عربی النسل تھے عربی

اون کی خاص زبان تھی۔ ادب ولغت کے ماہر کامل تھے۔ اور عالم وفاضل۔ وہ ہندی نژاد خام عربی دانوں کیطرح ابابیل کو آبلہ کی جمع بتلا دینے کی ابلہ فریبی نہیں کر سکتے تھے۔ موجودہ زمانہ کے انگریزی تعلیمیافتہ حضرات نے ابابیل کو آبلہ کی جمع سمجھ کر اپنی عربی دانی اور ایجاد طبعی کا نمونہ دکھلایا ہے۔ اونکی اس قیاسی لفظ شناسی کی حقیقت کا انکشاف صراح اللغات کی مفصلہ ذیل عبارت سے ہوجاتا ہے۔

وکذا طیرًا ابابیل قال وھکذا الجیشی فی معنی التکثیر وھو من الجمع الذی لا واحد له وقال بعضھم واحدہ ابول مثل عجول وقال بعضھم ابیل وقال ولم احد العرب تعرف له واحدًا۔

صراح مطبوعہ کلکتہ ص ۸۸۲

اسی طرح لفظ ابابیل ہے زشتق لفظ ابل سے) اور جماعت کثرت سے اسکو ابابیل کہتے ہیں۔ اور یہ ایسی جمع ہے جسکا واحد نہیں ہے بعضوں نے ابول کو مثل عجول کو اسکا واحد قرار دیا ہے اور بعض ابیل کو اسکا واحد بتلاتے ہیں۔ مگر آخر قول یہ ہے کہ اہل عرب میں سے کسی ایک نے بھی اس جمع کا واحد نہیں بتلایا ہے۔

صراح اللغت

اب یہ قیاس کہ ابابیل آبلہ کی جمع ہے یا اوسکے مشتقات سے ہے کیسی صریح غلطی ہے اور کُھلی کُھلی ابلہ فریبی وہ محدود علم واطلاع والے مسلمان جو اس لفظ کے لغوی تحقیق سے قاصر ہیں وہ اس عالمفریبی میں پڑکر عبارت قرآنی کے صحیح مطالب ومعانی کے سمجھنے میں ضرور تامل کریں گے۔ اون کی نیت میں فساد عقیدت میں ارتداد اور معرفت میں اشتباہ کے سیاہ داغ لگ جائیں گے۔ مگر وہ طبقہ جو ان مطالب ومقاصد کی حقیقت پر کافی علم واطلاع رکھتا ہے وہ نہ کبھی ان وساوس شیطانی پر متوجہ ہوتا ہے اور نہ ان مفاسد نفسانی کو کبھی خیال میں لاتا ہے۔

آبلہ عربی کا کوئی لفظ نہیں۔ لغت عرب میں آبلہ کوئی لفظ نہیں۔ ابلہ بتشدید حرف الف ایک لفظ ہے۔ جس کے معنی بیوقوف کے ہیں۔ فارسی کے ابلہ۔ بزیادت حرف الف غالباً اسی سے مشتق ہے۔ آبلہ خالص فارسی کا لفظ ہے جس کے معنے پھوڑے۔ یا پھپھولے کے ہیں۔ جو اکثر جل جانے کی وجہ سے انسان کے جسم پر پڑجاتا ہے۔ اور آبلہ سے مرض چیچک کی مناسبت بالکل صحیح اور فی الواقع ہے مگر آبلہ سے ابابیل کا تناسب بالکل جہالت ہے۔

اب رہا اس واقعہ کا محال عقلی ہونا۔ اس کی نسبت سید صاحب نے جو اپنی طرف سے یہ لکھکر کہ ان لغو اور بیہودہ روایتوں پر اور قرآن مجید کے غلط معانی بیان کرنے پر جو مفسرین نے اس قصہ کی نسبت بیان کی ہیں میں بحث کرنا نہیں چاہتا جس میں ایک ملیاعبد اگانہ مباحثہ ہے خطبات ص ۵۵۲ جو مجبوری دکھلائی ہے وہی مجبوری مجھکو بھی لاحق ہے۔ کیونکہ میری موجودہ تالیف تاریخ وسیر کے مضامین پر حاوی ہے جس کو منقولات سے تعلق ہے نہ معقولات سے۔ مگر تاہم ہم نے خرق عادات اور قدرت کے تصرفات کے متعلق مختصر بیان اور

مجددین مغرب کے اعتراضات اوپر لکھ دئے ہیں جن سے معترضین اور مشتبہین حضرات کی پوری تسکین ہوجائیگی
وما توفیقی الا باللہ۔

مگر تاہم ناظرین کتاب کی مزید تشفی کے لئے اتنا اور لکھ دینا میرے لئے ضروری ہے۔ جیسا کہ اس بحث کے آغاز میں
لکھا گیا ہے کہ جب خدائے واجب الوجود کے وجود اور اسکے تمام صفات کو عین ذات سمجھ کر ہم تسلیم کر چکے ہیں اور صرف
اسکو تسلیم ہی نہیں بلکہ اونکو عین مشاہدات یقین کرکے اونکی شہادت دے چکے ہیں اور یہ امور بحکم ظاہر ہے پوشیدہ اور مخفی
ہیں اور پھر ایسے کہ ہمکو کسی وقت اپنے کسی حواس اور قوت کے ذریعہ سے انکے معلوم و محسوس کرنے کی کوئی امید نہیں ہے
نہ انکے احساس کیلئے ہمارے اعضائے جسمانی کام آتے ہیں نہ قوائے ادراکی تو جب ایک ذات خاص کی نسبت باوجود
اتنے محالات کے اوسکے واحد، قادر، حاضر اور ناظر ہونے کا ہم زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرتے ہیں تو
پھر اوس قادر مطلق کے اظہار قدرت کی مختلف صورتوں کو عام اس سے کہ ہماری ظاہری نگاہوں میں کتنی ہی عجیب و غریب
نہ معلوم ہوتی ہوں۔ کیسے محال اور ناممکن کہہ سکتے ہیں خصوصاً ایسی حالتیں کہ جب قدرت یزدانیہ اور جبروت ربانیہ
کی ان جلوہ آرائیوں کا سلسلہ تاریخی دنیا میں آفرینش عالم کے زمانہ سے لیکر اس دم تک ہر زمانے اور ہر وقت میں
جاری و ساری ثابت ہوتا ہے۔ تو اب غرض منقول اور معقول دونوں طریقوں سے کرشمہائے قدرت کی جلوہ نمائیوں کی
تصدیق و اقرار اوسی طرح لازم ہوگیا جس طرح اوس قادر مطلق کے وجود اور جبروت کا یقین و اعتراف اور یہ اصول
اسلام کا ایسا مسلم مسئلہ اعتقادی ہے جو اصحاب حقیقت اور ارباب معرفت کی نگاہوں سے پوشیدہ اور مخفی نہیں ہے
تمام علمائے اعلام اور فضلائے کرام حق سبحانہ تعالیٰ کے تمام صفات کو عین ذات اور اوس کی مقدس و منزہ ذات کو
عین صفات یقین کرتے ہیں اور اسی کی تعلیم کرتے ہیں۔ اس بنا پر اوسکے افعال قدرت کو اوسکی قدرت سے جدا
یا اوسکی قدرت کو اوس قادر مطلق سے علیحدہ تصور کرنا۔ اور اوس کی حقیقت معرفت کو ادراک ظاہری اور قوائے حسیہ کے
ذریعہ سے معلوم کرنے کی کوشش کرنا صریح کوتہ عقلی ہے اور نتیجہ قصیر النظری۔ قدرت ہی کی یہ قدرت ہے اور اسکے
جبروت ہی کی یہ قوت کہ باوجود ان تمام تعریفی و تکذیب کے بھی غافل سے غافل انسان کو بھی پھر ایک خاص نتیجہ
اور حالت پر پہنچکر اوسکی جبروت قدرت کا اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے۔

سید صاحب نے بھی باوجود اپنے سخت و شدید اعتراض و انکار کے بھی۔ اصحاب فیل اور عذاب ابابیل
کے واقعہ میں بالآخر یہ لکھکر کہ "وہ ابرہہ کے لشکر میں چیچک کی وبا پھیلی۔ جو اس سے پہلے نہیں تھی۔ تمام لشکر برباد ہوگیا
بہت سے مر گئے۔ اور بہت سے اسی حالت میں پھر گئے۔ خدا تعالیٰ نے اونپر ایسی آفت ڈالی کہ جو بد ارادہ اونھوں نے کیا
تھا اسمیں کامیاب نہ ہوسکے" (خطبات ص ۵۵۲) اوس قادر مطلق کی قدرت کا پورا اقرار کر ہی دیا۔ یہی قدرت کے
اصل تصرفات ہیں۔

ہم اس بحث کے تمام مقاصد کو ختم کر چکے۔ اسکے خاتمہ پر ہمکو صرف اتنا لکھہ دینا باقی رہ گیا ہے کہ تمام مسلمان اصحاب فیل کے واقعات کو حرفاً حرفاً اور لفظاً لفظاً اوسی طرح صحیح اور فی الواقع یقین کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کی فصیح اور عام فہم عبارت میں نازل ہوا ہے۔ ہم ایک قادر مطلق کا اقرار کر چکے ہیں تو اب اوسکے ظہور قدرت سے انکار کرنا ہماری شان عبودیت کے خلاف ہے ۵ اپنی یہی ہے شان خدا اوسکی شان کے۔

موجودہ زمانہ کے روشن ضمیر محققین، فلسفہ جدید کی شیدائی ہیئت اور طبعیات کے فدائی۔ اس واقعہ کو محض اتفاقات پر محمول کریں یا معمولی حادثات سے تعبیر کریں۔ مرض بتلائیں یا وبا۔ مگر ہم تو نصوص قرآنی کے مطابق اس واقعہ کو عذاب الٰہی کی سخت بلا یقین کرتے ہیں اور عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کی سب سے قدیم اور عظیم فتح۔ جو عیسائیوں کے اون گمراہانہ تحریک و ترغیب کی سزا و پاداش میں حق سبحانہ تعالیٰ کیطرف سے اونپر نازل فرمائی گئی جسکو انہوں نے اپنے تعصب و نفسانیت کی بنا پر اوس قدیم اور واجب بیت الٰہی کی توہین و انہدام کیلئے اختیار کیا تھا جسکے معمار ابراہیم تھے اور مزدور اسمٰعیل ع سلام اللہ علیہما۔

اگر تاریخوں کے ورق گردانی کی خفیف سی زحمت گوارا فرمائی جائے تو ارباب تحقیق کی نگاہوں میں عیسائیوں کے لا انتہا تعصب اور بیحد نفسانیت کما حقہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہودیوں کی کورانہ تقلید میں عیسائیوں کی بنو اسماعیل کے ساتھ قلبی نفرت کا یہ پورا زمانہ تھا۔ انکی بنو اسماعیل اور بنو ہاجرہ کے ساتھ عداوت اس شرارت کے ساتھ بڑھی ہوئی تھی کہ باوجود اخبار و آثار صحیحہ سے قدامت و عظمت کعبہ ثابت ہونیکے بھی وہ نہ اسکو معبد الٰہی تسلیم کرنا گوارا کرتے تھے اور نہ اس کو صرف عمارت ابراہیمی ماننا چاہتے تھے۔ حالانکہ عرب کے تمام اخبار و آثار قدیمہ کافی طور سے اسکا ثبوت دے رہے ہیں اور روم و یونان کے غیر عرب محققین بھی جنہوں نے یہود کی کتب قدیمہ کا ترجمہ کیا ہے۔ اوسکی شرحیں لکھی ہیں اسکا اعتراف کرتے ہیں کہ بخت نصر اور شاہان بابل کی تاخت و تاراج کے بعد جب یہودیوں نے عرب اور خصوصاً عوالی مکہ و مدینہ میں سکونت اختیار کی تو وہ بھی اہل عرب کی طرح اس معبد الٰہی کی عظمت و تکریم کرتے تھے۔ اسکو خالص عمارت ابراہیمی یقین کرتے تھے۔ اور عربوں کے ساتھ سالانہ مراسم و ارکان حج بجا لاتے تھے۔ مگر آگے چلکر جب گرد و نواح کے ممالک میں عیسائیت کا اقتدار قائم ہو گیا اور بنو اسمٰعیل کی قوت و اختیار میں کمی آئی تو یہ (یہود) ابن الوقتی کر کے عربوں کے اتحاد و اتفاق سے دست بردار ہو کر عیسائیوں کے معین و مددگار بنگئے اور بیت المقدس کی مسافت بعید دکھلا اپنا کعبہ الگ بنا لینے کی ترغیب دی۔ ابرہۃ الاشرم نے اس تجویز میں مذہبی خیال کے ساتھ سیاسی نظم و تدبیر کو بھی شامل کر دیا۔ اور اس تدبیر سے اس نے اپنی تختگاہ۔ شہر صنعاء کو مکہ کی طرح مرفہ الحال۔ تجارت اور کاروبار کی شہرت کا مرکز بنانا چاہا۔ اور اس طریقہ اور قاعدہ سے ملکی اور قومی رعایا کو اون تمام منافع اور محاصل سے منتفع اور مالا مال بنا دینا چاہا جن ذرائع و وسائل سے مکہ اور تمام علاقہ حجاز کے اقوام و قبائل ہر سال ایام حج میں مستفید و مستفیض ہوا کرتے تھے۔

مگر ابرہۃ الاشرم کو اپنی سیاسی تدبیر کی فکروں میں مشیت کے ارادے اور تقدیر کے نیرنگ کی کیا خبر۔ اس نے سوچنے کو تو سب کچھ سوچ لیا اور کرنے کو حتی الامکان سب کچھ کر لیا۔ مگر جبروت کے ایک ہاتھ نے آن کی آن میں اسکے سارے منصوبے، اوسکے سارے سامان خاک میں ملا دئے اور اوسکی فوجی۔ سیاسی اور تمدنی۔ غرض تمام قوتیں مونھ دیکھتے ہی دیکھتے رہ گئیں۔ واللہ یفعل ما یشاء

حضرت عبداللہ ابن عبد المطلب کی شادی

ابن ہشام۔ ابن سعد۔ طبری۔ ابن اثیر اور ابو الفدا غرض قریب قریب تمام عربی تاریخوں نے حضرت عبد اللہ ابن مطلب کی شادی کے واقعہ کو اصحاب فیل کے واقعہ کے بعد لکھا ہے۔ حالانکہ اونھیں کے تذکار سے اصحاب فیل کا واقعہ ولادت جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کل پچپن ۵۵ روز پہلے کا ثابت ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ حضرات متقدمین کو سلسلہ و ترتیب سنین سے زیادہ واقعات کی اہمیت مد نظر رہتی ہے اور اس بنا پر وہ مطابقت سنین کا اسقدر خیال نہیں کرتے تھے۔

بہرحال۔ ابن سعد کے مطابق حضرت عبداللہ ابن عبد المطلب کا سن شادی کے وقت سترہ ۱۷ برس کا ثابت ہوتا ہے یوں تو آپ کی نسبت مکہ کے تمام اشرف و اعلیٰ قبائل سے ہی برابر آ رہی تھی۔ مگر نظام مشیت نے اس ازدواج کا شرف مکہ والوں کی خوش قسمتی کا نتیجہ نہیں ٹھہرایا تھا۔ بلکہ اس فخر و مباہات کو بنی زہرہ کا لقمۂ شرافت قرار دے رکھا تھا جو بیرون مکہ آباد تھے۔ اسکی مثال مفصلہ ذیل واقعہ سے بآسانی معلوم ہو جائے گی۔

قتیلہ بنت نوفل اخت ورقہ ابن نوفل وکانت تنظر و تعاف فمر بہا عبداللہ بن عبد المطلب فدعتہ یستبضع منہا و لزمت طرف ثوبہ فابی وقال حتی آتیک فخرج سریعا حتی دخل علی آمنۃ بنت وھب فوقع علیہا فحملت برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ طبقات ص

قتیلہ بنت نوفل۔ ورقہ ابن نوفل۔ مشہور و معروف عالم قریش کی بہن جو اسوقت دوشیزہ بھی تھیں اور بہت بڑی عفیفہ۔ ایکبار حضرت عبداللہ ابن عبد المطلب کے سامنے گذریں۔ قتیلہ نے دیکھتے ہی آپ کو اپنی طرف بلایا۔ اور نکاح کی درخواست کی اور ان کا گوشہ دامن پکڑ لیا۔ حضرت عبداللہ ابن عبد مطلب نے قطعی انکار کیا اور اُسکے پاس سے بسرعت تمام چلے آئے۔ اس واقعہ کو عرصہ ہو گیا۔ اس درمیان میں آپ کی شادی حضرت آمنہ سے ہو گئی اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حمل واقع ہو گیا۔

نتیجہ واقعہ ذیل کی تتمہ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

ثم رجع عبداللہ ابن عبد المطلب الی المرأۃ

عبداللہ ابن عبد المطلب نے ایک بار پھر اوس لڑکی کو دیکھا تو

فوجدها فانتظره فقال هل لك في الذي عرضت عليّ فقالت لا، مررت وفي وجهك نور ساطع ثم رجعت وليس فيه ذلك النور

طبقات ص ۵۹

پوچھا کہ اب اوس امر میں تمہاری کیا رائے ہے جس کی نسبت تم نے ایک بار مجھ سے درخواست کی تھی۔ اوس نے جواب دیا کہ اب کچھ نہیں کیونکہ جب اوس دفعہ تم میرے پاس سے ہو کر نکلے تھے۔ تو میں نے تمہارے چہرے سے ایک نور ساطع دیکھا تھا۔ اب جو تم لوٹ کر میرے پاس آئے تو وہ نور تم میں نہیں پاتی ہوں۔

ابن سعد نے اس واقعہ کو قتیلہ بنت ورقہ کے علاوہ فاطمہ بنت مُرّہ خثعمیہ کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔

بہرحال چونکہ مشیت کو اس ازدواج و اتحاد سے اپنی ودیعت خاص کی استبدار و ایجاد منظور تھی جس کے لئے عمائد و اشراف قریش سب بنی زہرہ زیادہ تر موزوں تجویز کئے گئے تھے۔ گویا مشیت کی اسی تحریک پر حضرت عبدالمطلب اہل مکہ کی تمام نسبتوں کو نامنظور فرماتے گئے۔ اور بنی زہرہ کی آئی ہوئی نسبت کو قبول فرما کر حضرت عبداللہؑ کی شادی حضرت آمنہ بنت وہب سے کر دی اور اپنی شادی ہالہ بنت وہیب سے کر لی۔ وہیب۔ وہب کے چھوٹے بھائی تھے۔ اور وہب کے بعد اپنے قبیلہ کے سید و سردار اور اپنے زمانہ کے ذی اقتدار و صاحب اختیار۔ یہ دونوں صاحب عبد مناف ابن زہرہ ابن کلاب کے صاحبزادے تھے۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں:-

كانت آمنة بنت وهب في حجر عمها وهيب ابن عبد مناف ابن زهرة فمشى اليه عبد المطلب ابن هاشم بابنه عبد الله ابي رسول الله صلعم فخطب عليه آمنة بنت وهب فزوجها عبد الله بن عبد المطلب وخطب اليه عبد المطلب ابن هاشم في مجلسه ذلك ابنته هالة بنت وهيب على نفسه فزوجه اياها فكان تزوج عبد المطلب بن هاشم وتزوج عبد الله بن عبد المطلب في مجلس واحد فولدت هالة بنت وهيب لعبد المطلب حمزة بن عبد المطلب فكان حمزة عم رسول الله صلعم في النسب واخاه من الرضاعة فلما تزوج عبد الله بن عبد المطلب آمنة بنت وهب اقام عندها ثلاثا وكانت

آمنہ بنت وہب اپنے چچا وہیب ابن عبد مناف ابن زہرہ بن کلاب کی کفالت میں تھیں۔ حضرت عبدالمطلب حضرت عبداللہ کو لے کر بنی زہرہ کے قیام گاہ پر لے گئے۔ اور حضرت آمنہ کا خطبہ نکاح اپنے صاحبزادے عبداللہ پدر جناب رسالتمآب صلعم سے پڑھا اور آمنہ کو عبداللہ سے بیاہ دیا۔ اور وہیب کی لڑکی ہالہ بنت وہیب سے خود خطبہ نکاح پڑھ کر شادی کر لی۔ اور یہ دونوں نکاح ایک ہی مجلس میں بیک وقت واقع ہوئے۔ ہالہ کے بطن سے حضرت عبدالمطلب کے ہاں حضرت حمزہؓ پیدا ہوئے۔ ہالہ نے جناب رسالتمآب صلعم کو دودھ پلایا۔ اس بنا پر حضرت حمزہؓ سلسلہ نسب میں تو آنحضرت صلعم کے عم محترم تھے۔ مگر علاقہ رضاعت کے اعتبار سے وہ آپ کے رضاعی بھائی ہوتے تھے۔ جب حضرت عبداللہؑ کی شادی حضرت آمنہ بنت وہب سے ہو گئی۔ تو آپ سسرال میں تین دن تک قیام فرما رہے۔ کیونکہ یہ دستور تھا کہ شادی کے بعد شوہر اپنی عروس

تلك السنة عندهم اذا دخل الرجل على امرأته في اهلها۔ طبقات ج ۱ ص ۵۸

کے ہاں تین دن تک قیام کرتا تھا۔
طبقات ابن سعد جلد اول ص ۵۸

حضرت عبدالمطلب پر اپنے بیٹے کے ساتھ بیک وقت اور بیک مجلس اپنی بھی شادی کر لینے کیلئے جوان طبع مؤلفین معترضین دیدہ اعتراض نکالتے ہیں اور عیسائی متعصبین تو کھل کھل کر استہزا کرتے ہیں مگر دونوں حقیقت شناسی سے علیحدہ ہیں۔ یہ حضرات اپنے زمانہ اور اہل زمانہ کی طرح اوس زمانہ اور اوسکے اہل زمانہ کو بھی قیاس کرتے ہیں۔ اونکا یہ موازنہ سراپا غلط ہے۔ مجھ کو اونکے اس غلط قیاس کی تردید و تنقید کی مطلق ضرورت نہیں۔ مگر حقیقت امری کا بتلا دینا نہایت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی اس شادی سے جو نتیجہ نکلا۔ اور حقیقتاً جو تدبیر الہی کا عین مقصود ثابت ہوتا ہے وہ اسی سے ظاہر ہے کہ اس اتحاد وصلت کی علت و غایت جناب حمزہؓ کی ولادت تھی۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ چچا تھے۔ ان تمام حضرات میں اعانت اسلام اور رفاقت حضرت سید الانام میں۔ بعد ابیطالبؑ جس خلوص و عقیدت کے ساتھ حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب نے اپنے خدمات کے جوہر دکھلائے۔ ویسے کسی ایک نے بھی نہیں کما لا يخفى على المدبر

وقد تم بحمده وفضله المجلد الاول من الكتاب اسوة الرسول في
سيرة الرسول المقبول صلى الله عليه وآله اجمعين
ذوى الحكمة والعقول في الرابع ربيع الاول
يوم الجمعة من شهور الاثنى والاربعين
وثلثمائة بعد الالف من
الهجرة المقدسه

واخر

دعونا ان الحمد لله رب العلمين وصلى الله على سيد المرسلين واله الميامين۔ آمين

شریف العمارت
کواٹھ
صانها الله عن الافات

المؤلف الاحقر
السيد اولاد حيدر بلگرامی عفاه الله
السامی
۱۳۴۲ھ